إِنَّ اللّٰهَ يَرْفَعُ بِهٰذَا الْكِتَابِ أَقْوَامًا وَيَضَعُ بِهِ آخَرِينَ

ترجمان القرآن

یعنی

قرآنِ حکیم کے مطالب اردو زبان میں

ضروری تفسیر کے ساتھ

از

ابوالکلام احمد

مکتبہ مصطفائی کشمیری بازار لاہور

ترجمان القرآن

جلد دوم

ہدیہ ستّرہ روپیہ آٹھ آنہ

فہرست

الاعراف

صفحہ (۱)

مضمون	صفحہ
(۱) ہدایت وحی کا مقصد تذکیر اور تنذیر ہے۔	۱
(۲) پیروانِ دعوت کو موعظت کہ مشکلاتِ کار سے دل تنگ نہ ہوں۔	〃
(۳) مشرکینِ عرب کو تنذیر۔	〃
(۴) جن جماعتوں نے دعوتِ حق کا مقابلہ کیا۔ وہ پاداشِ عمل میں ہلاک ہوگئیں۔ کیونکہ انکار و سرکشی کا نتیجہ ہلاکت ہے	〃
(۵) دنیا سے پرسش ہوگی کہ انہوں نے دعوتِ حق پر کان دھرا یا نہیں؟ اور پیغمبروں سے بھی پرسش ہوگی کہ انہوں نے فرضِ رسالت ادا کیا یا نہیں؟	〃
(۶) نتائجِ عمل کا قانون اور اعمال کا موازنہ جس طرح دنیا میں چیزیں تولی جاتی ہیں اسی طرح اعمال کے اوزان کا بھی معاملہ سمجھو کامیاب وہ ہوگا جس کی نیکیوں کا پلہ بھاری نکلے گا۔	۲
(۷) نسلِ انسانی کی سعادت و شقاوت کی ابتدائی سرگذشت اور ہدایت وحی کی ابتدا۔ پہلے انسان کے وجود کی تخلیق ہوئی پھر صورت بنی پھر وہ وقت آیا کہ آدم کا ظہور ہوا۔ اور اس نے ملائکہ کے مسجود ہونے کا مقام حاصل کر لیا۔ ابلیس کی سرکشی۔ آدم سے بھی لغزش ہوئی۔ مگر اس نے سرکشی نہیں کی۔ اب بنی آدم کے لیے دو راہیں ہوگئیں۔ آدم کی کہ اطاعت کرنا۔ اور لغزش ہو جائے تو توبہ۔ قرآن کا سر جھکا دینا۔ ابلیس کی نافرمانی کرنا، اور پھر اعتراف کی جگہ سرکشی کی چال چلنا۔ یہاں ڈھیل اور مہلت سب کے لئے ہے۔ قرآن نے حقائق کی دو قسمیں کر دی ہیں عالمِ غیب کے	

مضمون	صفحہ
حقائق اور عالمِ شہادت کے حقائق۔ نوعِ انسانی کی پیدائش کا معاملہ عالمِ غیب سے تعلق رکھتا ہے۔ سرگذشتِ آدم کی قدیم شہادتیں۔	۳
(۸) اولادِ آدم سے خطاب یعنی وہ احکام جو آدم کی ابتدائی نسل کی جماعتوں کو دیئے گئے تھے۔ لباسِ جسم اور لباسِ روح۔ دنیا کی زینتیں خدا کی مبارک بخششیں ہیں، پس پندار کا مقتضا یہ ہوا کہ انہیں کام میں لایا جائے نہ یہ کہ ان سے گریز کیا جائے۔ دنیا کی نعمتیں کام میں لاؤ مگر بے اعتدالی سے بچو۔ معصیت کا سرچشمہ دنیا نہیں دنیا کا بے اعتدلانہ استعمال ہے۔	۵
(۹) گمراہی کا سب سے بڑا سرچشمہ آباؤ اجداد کی اندھی تقلید ہے۔	
(۱۰) دین کی تین بنیادی اصلیں۔ عمل میں اعتدال عبادت میں توجہ الی اللہ۔ میں اخلاص۔	۶
(۱۱) رہبانیت کا رد اور اس حقیقت کا اعلان کہ خدا کی پیدا کی ہوئی زینتیں اسی لئے ہیں کہ انسان انہیں کام میں لائے، اور کسی انسان کو حق نہیں کہ انہیں حرام ٹھہرائے۔	۷
(۱۲) افراد کی طرح جماعتوں کی موت و حیات کے بھی مقرر قوانین ہیں اور ان کے احکام ہیں ان احکام کا نفاذ کبھی نہیں ٹل سکتا	۸
(۱۳) پھر اسلام کا ظہور اسی قانون کے مطابق ہوا ہے جس کی آدم اور اولادِ آدم کو خبر دیدی گئی تھی۔ اور جس کا ظہور ہمیشہ ہوتا رہا ہے۔	

جملہ حقوق ترجمہ وطباعت محفوظ ہیں!

(و) سچا ایمان اگرچہ ایک لمحہ کا ہو ایسی روحانی طاقت پیدا کر دیتا ہے کہ دنیا کی کوئی طاقت اسے مرعوب نہیں کر سکتی ۔ ۲۷

(ذ) فرعون کا ارادہ کرنا کہ حضرت موسیٰ کو قتل کر دے لیکن پھر اس سے باز رہنا ۔

(ح) "فرعون" کے تلقب کی لغوی اصلیت ۔

(ط) محکومانہ زندگی کا پہلا اثر یہ ہوتا ہے کہ عزم و ہمت کی رُوح پژمردہ ہو جاتی ہے ۔

(ی) حضرت موسیٰ کی موعظت کہ "استعینوا باللہ واصبروا ۲۸

(۲۴) قوم فرعون پر مصائب و شدائد کا ورود اور پہلے سرکشی پھر رجوع ۔ ۲۹

تفسیر "الی اجل ھم بالغوہ"

فرعون کی ہلاکت اور بنی اسرائیل کی وراثتِ ارض ۔

شرح مقام صبر" ۔

بنی اسرائیل کی خواہش کہ ان کی پرستش کے لئے ایک بت بنا دیا جائے ۔ "

(۲۵) حضرت موسیٰ کی سرگذشت کا دوسرا حصہ یعنی وہ وقائع جو ان کے اور امت کے درمیان گذرے

(ا) کوہ طور پر اعتکاف اور شریعت کا عطیہ ۔

(ب) اس اصل عظیم کا اعلان کہ حواس انسانی مشاہدہ و ادراک ذاتِ حق سے عاجز ہیں اور اس راہ میں انتہا معرفت یہ ہے کہ عجز و درماندگی کا اعتراف کیا جاوے ۔ ۳۲

(ج) تفسیر "تفصیلا لکل شیٔ" اور اس عام غلطی کا ازالہ کہ تفصیل منعلہ قرآن کو "تفصیل" مصطلحہ فن بیان و معانی سمجھ لیا گیا ہے ۔

(د) جو لوگ اپنی سمجھ بوجھ سے کام نہیں لیتے، خدا کا قانون یہ ہے کہ ان پر فہم و بصیرت کی راہیں بند ہو جاتی ہیں ۔

(ہ) جزا و سزا عمل کا فطرتی نتیجہ ہے ۔

(و) بنی اسرائیل کی گوسالہ پرستی اور حقا لہ خوار کی تفسیر ۳۳

(ز) حضرت موسیٰ کا سرکردوں کو منتخب کرنا اور مولنا کی کا ظہور

(ح) اس اصل عظیم کا اعلان کہ کائنات ہستی میں اصل اور عام حقیقت رحمت ہے نہ کہ تعذیب ۔

(ط) سلسلہ بیان عہد نزول کے اہل کتاب کی طرف متوجہ ہو گیا ہے اور انہیں اباحِ حق کی دعوت دی گئی ہے ۔

(ی) پیغمبر اسلام کی دعوت کی تین خصوصیتیں جنہیں قرآن نے خاص طور پر نمایاں کیا ہے ۔ ۳۶

(ك) دعوت عامہ کا اعلان ۔

(ل) پیغمبر اسلام کو "نبی امی" کیوں کہا گیا ؟

(م) عہد عتیق و جدید کی بشارات ۔

(ن) بنی اسرائیل کے بارہ قبائل ۔

(س) بنی اسرائیل کا فتح و کامرانی پاکر غفلت و شرارت میں مبتلا ہو جانا ۔

(ع) بنی اسرائیل کی یہ گمراہی کہ شرعی حیلے گڑھ لئے تھے ۔ سبت کا حیلہ ۔

(ف) قبولیت و ناشیر کی طرف سے کتنی ہی مایوسی ہو لیکن اہل حق کا فرض ہے دعوت و موعظت سے باز نہ رہیں ۔ ۴۰

(ص) ظالم و مستبد حکمرانوں کا تسلط بھی خدا کا ایک عذاب ہے جس میں غافل قومیں مبتلا ہوتی ہیں ۔

(ق) یہاں ہر گوشہ میں تدریج و اہمال کا قانون نافذ ہے پس بدعملی و فساد کے مہلک نتائج یہ یک لخت ظاہر نہیں ہو جاتے بتدریج و بدرفعات ظاہر ہوتے اور بالآخر درجہ تکمیل تک پہنچتے ہیں ۔

(ر) علماء یہود کی دنیا پرستی اور یہ اعتقاد باطل کہ ہم خدا کی برگزیدہ امت ہیں ہمارے لئے کوئی کھٹکا نہیں ۔

(ش) قرآن ان اہل کتاب کی سعادت کا منکر نہیں جو ایمان و عمل کی صداقت پر قائم رہے تھے ۔ ۴۱

(ت) اس اصل عظیم کا اعلان کہ خدا کی ہستی کا اعتقاد انسان کی فطرت میں ودیعت کر دیا گیا ہے اور فطرتِ انسانی کی اصل صدا بنی ہے ۔ نہ کہ انکار ۔ ۴۳

(۲۵) اب سلسلہ بیان مشرکین عرب کی طرف متوجہ ہوتا ہے

امیہ بن عبداللہ ابی الصلت ثقفی کی محرومی کی طرف اشارہ ۔ ۴۴

(۲۶) اس حقیقت کا بیان کہ ہدایت ایمانی کی راہ عقل و تفکر کی راہ ہے اور کفر و گمراہی کا سرچشمہ جہل و کوری ہے ۔

(۲۷) معرفت حقیقت کے دو طریقے "فکر" اور "نظر"

(۲۸) "الاسماء الحسنیٰ" کی تفسیر خدا کی تمام صفتیں سراسر خوبی کی صفتیں ہیں ۔

(۲۹) عرب جاہلیت کے بعض موحدانہ راست باز انسان

(۳۰) قانون اعمال اور مشرکین عرب کی تلبیسہ کہ جزا و عمل کا قانون غافل نہیں اور نتائج عنقریب ظہور میں آنے والے ہیں ۔

(۳۱) داعیان حق کو ہمیشہ منکروں نے مجنون کہا ہے پیغمبر

افترا علی اللہ اور تکذیب آیات دونوں جرم و معصیت ہیں، اب صورت حال نے دو فریق پیدا کر دئے ہیں، ایک وحی رسالت کا مدعی ہے دوسرا تکذیب اور فیصلہ اللہ کے ہاتھ ہے۔	۸
(۱۴) اصحاب نوح کے بعض احوال و اردات جو عام آخرت میں پیش آویں گے۔	۹
امتوں کا ایک دوسرے پر لعن۔	
(۱۵) اصحاب جنت کے احوال واردات۔	
ان امتوں کا لعن کی جگہ حمد و ستایش حق کرنا۔	۱۰
(۱۶) آعراف اور اس کی حقیقت۔	۱۱
(۱۷) اب سلسلہ بیان منکرین حق کی طرف متوجہ ہوتا ہے باوجودیکہ کتاب الٰہی نازل ہو چکی ہے اور اس کا سرچشمہ ہدایت و رحمت ہونا آشکارا ہے، مگر پھر بھی منکر اعتراف حق سے اعراض کر رہے ہیں۔	
اب کونسی بات رہ گئی ہے جس کا انتظار ہے؟ کیا اس کا کہ انکار و سرکشی کے نتائج اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں؟ لیکن جس دن یہ نتائج نظر میں آئیں گے اس دن اس کی مہلت ہی کب باقی رہیگی۔ کہ کوئی ایمان لائے؟ وہ تو آخری فیصلہ کا دن ہوگا	۱۲
(۱۸) توحید الوہیت کی تلقین اور اس حقیقت کی طرف اشارہ کہ "خلق" اور "امر" دونوں کا سرچشمہ ایک ہی ہستی کے ہاتھ میں ہے۔	
استوی علی العرش کی حقیقت۔	۱۳
(۱۹) دعوت قرآن کی راہ میں کتنی ہی مشکلات پیش آئیں لیکن اس کی فتح مندی اٹل ہے۔	
جب پانی برسنے کو ہوتا ہے تو پہلے بارانی ہوائیں چلنے لگتی ہیں اسی طرح جب روحانی سعادت کا موسم قریب ہوتا ہے تو اس کی علامتیں نمودار ہونے لگتی ہیں۔ اب ہوائیں چلنے لگی ہیں تو ضروری ہے کہ باران رحمت کی برکتیں بھی نمودار ہو جائیں۔ لیکن بارش کی برکتوں سے وہی زمین فائدہ اٹھائیگی جس میں فائدہ اٹھانے کی استعداد ہوگی شور زمین پر کتنی ہی بارش پڑے سرسبز کھیتی والی نہیں۔	
(۲۰) پچھلی قوموں کا تذکرہ اور اس سے مقصد موعظت پر استشہاد۔	۱۴
(ا) اس سلسلہ میں سب سے پہلے حضرت نوح علیہ السلام کی دعوت نمایاں ہوتی ہے۔	″
(ب) انبیاء کے پیغمبروں کا متفقہ اعلان کہ ہمیں اللہ کی طرف سے وہ کمال حاصل ہے جس کے حصول کا تمہارے پاس کوئی ذریعہ نہیں!	۱۵
(ج) قوم نوح کے بعد عرب میں قوم عاد کو عروج ہوا۔	۱۶
حضرت ہود کا وعظ۔	
قبول حق کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ آباء و اجداد کی اندھی تقلید ہے۔	۱۷
(د) قوم ثمود اور حضرت صالح علیہ السلام	۱۸
قبولیت حق کی راہ میں ایک بڑی رکاوٹ دنیوی خوش حالیوں کا گھمنڈ ہے۔	۱۹
(ہ) حضرت لوط علیہ السلام	۱۹
(ز) قبیلہ مدین اور شعیب علیہ السلام	۲۰
(ح) قرآن کے نزدیک انبیاء کی "دلیل واضح"	″
(ط) ماپ تول کی درستگی۔	″
(ی) حضرت شعیب نے کہا "صبر کرو اور نتیجہ کا انتظار کرو" لیکن منکر اس کے لئے بھی تیار نہ ہوئے۔	″
(ک) اللہ کا فیصلہ	۲۱
(ل) مذہبی اعتقاد کا معاملہ دل کے یقین کا معاملہ ہے جبر کو اس میں دخل نہیں۔	″
(۲۰) تمام پیغمبروں کے وقائع کے متحدہ اور مشترکہ سائج اور قرآن کا ان سے استدلال۔	۲۲
(۲۱) اس تفصیل کی شرح کہ جو حوادث بظاہر قدرتی حوادث معلوم ہوتے ہیں ان کے ظہور کو آیات و نذر سے کیوں تعبیر کیا گیا؟	۲۳
(۲۲) "مکر اللہ" کی تفسیر اور اس حقیقت کی شرح کہ فطرت کے سارے داؤ کس طرح مخفی اور ناگہانی ہوتے ہیں۔	″
(۲۳) حضرت موسیٰ کی دعوت کا تذکرہ اور اس حقیقت کی تلقین کہ پیغمبروں کی "تذکیر" کی طرح ان کی تبشیر بھی ہمیشہ کامیاب و نتیجہ مند ہوئی۔	
(ا) حضرت موسیٰ کا فرعون سے مطالبہ۔	
(ب) جب ایک فتنہ جماعت اٹھتی ہے تو متنبہ و نبی اس کی سرگرمی کو بغاوت سے تعبیر کرتی ہیں۔	
(ج) ارکان حکومت کا مشورہ اور جادوگروں کی طلبی	۲۵
(د) جادوگروں کا اجتماع اور حضرت موسیٰ سے مقابلہ یہاں قرآن نے واضح کر دیا ہے کہ جادو کے تعبدوں کی کوئی حقیقت نہیں۔	
(ہ) جادوگروں کی شکست، حضرت موسیٰ پر ایمان لانا اور فرعون کا اسے سازش قرار دینا۔	

(۲۲) مناد یہ قریش کی دعا کہ "ان کان ھذا ھو الحق من عندک فامطر علینا حجارۃ من السماء" اور قرآن کا جواب
(۲۳) جو متقی نہیں وہ خدا کی عبادت گاہ کے متولی نہیں ہو سکتے۔
(۲۴) آخر تک دعوت صلح و اصلاح۔
(۲۵) مال غنیمت کی تقسیم کے اسہام۔
(۲۶) قرآن کے نزدیک ضروری ہے کہ حکومت یتیموں مسکینوں اور مفلوروں کی خبر گیری کرے اور اس کے لئے اپنے آپ کو ذمہ دار سمجھے۔ ۶۱
(۲۷) جنگ بدر کا ایک واقعہ اور حکمت الٰہی کی خفی کارفرمائیاں
(۲۸) جنگ بدر سے پہلے پیغمبر اسلام کی ایک رویائے صادقہ۔
(۲۹) فتح و کامرانی کی چھ شرطیں۔
(۳۰) سراقہ بن مالک پر الشیطان کا اطلاق۔
(۳۱) منافقوں کا طعنہ کہ مسلمان اپنے دین کے نشہ میں کھوئے گئے ہیں اور قرآن کا جواب۔
(۳۲) اس قانون الٰہی کا اعلان کہ کوئی قوم نعمت سے محروم نہیں ہو سکتی جب تک کہ وہ خود اپنے آپ کو محرومی میں مبتلا نہ کر دے۔
(۳۳) قرآن کے نزدیک کفر کی حقیقت عقل و حواس کا تعطل ہے اسی لئے وہ کفار کو "شر الدواب" کہتا ہے۔
(۳۴) مدینہ کے یہودی قبائل کی پے در پے عہد شکنی اور مسلمانوں کا جنگ پر مجبور ہو جانا۔ تاہم قرآن کا اس پر زور دینا کہ مسلمانوں کی طرف سے کوئی بات سختی و ناانصافی کی نہ ہو جنگ کے بارے میں قرآن کا اخلاقی معیار۔
(۳۵) مسلمانوں کو سروسامان جنگ کی تیاری کا حکم دیا۔ لیکن ساتھ ہی "ما استطعتم" بھی فرما دیا۔ اس کی تشریح۔
(۳۶) انفاق مال کا حکم۔
(۳۷) دفع ظلم کے لئے جنگ ایک ناگزیر برائی ہے جب کوئی دوسرا چارہ کار باقی نہ رہے تو اسے مجبوراً گوارا کر لینا چاہئے لیکن ہر حال میں اصل کار امن و صلح ہے۔ چنانچہ فتح و کامرانی کی حالت میں بھی قرآن نے حکم دیا جو صلح کی طرف مائل ہو فوراً اس کا استقبال کرو۔
(۳۸) بکھرے ہوئے دلوں کو ایک رشتہ الفت میں پرو دینا پیغمبرانہ عمل ہے۔ قرآن کی دعوت نے خونخوار انسانوں کو باہمی محبت و اخوت کا فرشتہ بنا دیا تھا۔
(۳۹) ایک مسلمان کو دس دشمنوں پر بھاری ہونا چاہئے۔ لیکن ابھی چونکہ کمزوری کی حالت ہے۔ اس لئے کم از کم اپنے سے دگنی تعداد کا مقابلہ کرو۔
(۴۰) اعداء حق کی مغلوبیت کی وجہ یہ بیان کی کہ "انھم قوم لا یفقھون" یعنی ان میں نہم و دانش نہیں اور مسلمان اس لئے غالب رہتے ہیں کہ ان میں نہم و دانش ہے۔
(۴۱) جنگ بدر کے قیدیوں کا معاملہ اور ایک غلط فہمی کا ازالہ۔ نبی کو یہ بات زیب نہیں دیتی کہ قیدیوں کو فدیہ کے لئے روک رکھے۔ ۶۸
(۴۲) سورت کا خاتمہ اور اس کے مواعظ و بصائر۔
ابتداء عہد کی اسلامی مواخات۔
مہاجرین کی خصوصیت۔
مسلمانوں کے لئے ہر حال میں وفاء عہد ضروری ہے۔ اگرچہ اس کی وجہ سے اپنوں کی مدد بھی نہ کر سکیں۔
مہاجرین و انصار کا مقام سب سے بلند ہوا۔
مواخات اور وراثت۔ ۷۱

التوبۃ (صفحہ ۷۴)

(۱) طریق مکہ کی بدعہدی اور سورۃ برأت کی ابتدائی تین یا چالیس آیتوں کا نزول۔
اس امر کا اعلان عام کہ جن لوگوں نے عہد شکنی کی انہیں چار ماہ کی مہلت دیجاتی ہے۔ اس کے بعد جنگ کی حالت تصور کی جائے گی۔
جنہوں نے عہد شکنی نہیں کی ان کا معاہدہ قائم ہے۔
آئندہ سے حرم کعبہ میں مشرک داخل نہ ہوں۔ اب یہ عبادت گاہ صرف خدائے واحد کی پرستش کے لئے مخصوص رہے گی جس طرح اپنی تعمیر کے اول دن مخصوص کر دی گئی تھی۔ ۷۴
(۲) اس حقیقت کی تشریح کہ برأت کا اعلان جنگ صرف

اسلام کو بھی اشرار مکہ مجنوں کہتے تھے۔ ۴۵

(۳۲) منکرین کا قیامت کے بارے میں مذاقاً استفسار اور قرآن کا جواب فرمایا۔ وہ جب آئے گی تو اچانک آجائیگی۔

(۳۳) اس طرف اشارہ کہ قیامت کا ظہور اجرام سماویہ کا ایک عظیم ترین حادثہ ہوگا۔

(۳۴) قرآن کا پیغمبر اسلام کی بشریت اور عجز بشریت پر زور دینا اور اس کے بعض اہم بصائر۔ ۴۷

(۳۵) مشرکوں کی یہ گمراہی کہ مصیبت میں خدا کو پکارتے ہیں پھر جب مصیبت ٹل جاتی ہے۔ تو اسے خدا کا فضل وکرم نہیں سمجھتے اپنے ٹھہرائے ہوئے آستانوں پر جھکنے لگتے ہیں۔ شرک فی الالتفات۔

(۳۶) شرح "توحید الوہیت" پیروان مذاہب کی عالمگیر گمراہی یہ ہے کہ اگرچہ "توحید ربوبیت" کے معترف ہیں لیکن "توحید الوہیت" میں ٹھوکر کھائے گئے۔ ۴۸

(۳۷) سورۂ اعراف کا مرکز، موعظت اور اس کی جہات۔

(۳۸) اس حقیقت کی طرف اشارہ کہ منکرین حق پیغمبر اسلام کے مشاہدۂ جمال سے محروم ہیں۔ اگرچہ بظاہر تکتے ہوئے نظر آتے ہیں، مگر فی الحقیقت دیکھتے نہیں۔ ۴۹

الانفال صفحہ ۵۲

(۱) قرآن نے پیروان دعوت کو جس جنگ کی اجازت دی اس کی نوعیت اور صورت حال کی تحلیل۔

(۲) مال غنیمت کا حکم۔

(۳) امن کی حالت ہو یا جنگ کی، لیکن فردی ہے کہ باہم دگر یک جہتی و اخلاص کے ساتھ رہیں۔

(۴) "تقویٰ" اور "اطاعت"۔

(۵) ایمان حق کے خصائص۔

(۶) آیت (۲) اس باب میں فصل فاصل ہے کہ قرآن کے نزدیک ایمان کی ہر حالت یکساں نہیں۔ وہ گھٹتا بھی ہے بڑھتا بھی ہے ۵۲

(۷) قرآن کا اس اصل عظیم پر زور دینا کہ مال غنیمت پر سپاہیوں کا انفرادی حق نہیں ہے بلکہ حکومت کا ہے اور یہ حکومت کا کام ہے کہ اسے مستحقوں میں تقسیم کرے۔

(۸) جنگ بدر اور اس کے ابتدائی حوادث۔

مسلمانوں کا اختلاف اور پیغمبر اسلام کا فیصلہ۔

(۹) جنگ بدر میں ملائکہ کا نزول اس لئے ہوا تھا کہ کمزور کم تعداد مسلمانوں کے دل مضبوط کر دیں۔ اس لئے نہیں کہ لڑائی میں حصہ لیں۔

(۱۰) جنگ بدر میں تائید الٰہی کی کارفرمائیاں اور اس کے بصائر وحکم۔

(۱۱) "بدر" اور "واٹرلو" ۷

(۱۲) مسلمانوں کے لئے جنگ سے منہ موڑنا جائز نہیں الا یہ کہ دشمن دگنے سے بھی زیادہ ہوں۔ اس صورت میں بھی غنیمت اسی میں ہوگی کہ منہ نہ موڑیں۔

(۱۳) مرتع پیشین گوئی کہ جنگ بدر کے بعد دشمنوں کی کوئی تدبیر بھی کام نہ دے گی۔ چنانچہ ایسا ہی ظہور میں آیا۔

(۱۴) اعداء حق کو موعظت کہ جنگ بدر کے نتیجہ نے نصرت حق کا فیصلہ کر دیا ہے پس چاہئے کہ اب بھی باز آجائیں۔

اس حقیقت کی طرف اشارہ کہ پیغمبر اسلام نے کس طرح فتح و کامرانی کی حالت میں بھی امن کے لئے سعی کی، اور کس طرح اعداء حق ہمیشہ جنگ پر اڑے رہے؟

(۱۵) یہود و نصاریٰ تورات و انجیل کی صدائیں سنتے تھے مگر قرآن کہتا ہے نہیں سنتے تھے۔

(۱۶) اس اصل عظیم کی طرف اشارہ کہ قرآن کے نزدیک ایمان کی دعوت سراسر تعقل و تفکر کی دعوت ہے، اور کفر کی حالت عقل و حواس کے تعطل کی حالت۔

(۱۷) فرمایا۔ پیغمبر اسلام کی دعوت زندگی کا سرچشمہ ہے۔ تغیر "ان اللہ یحول بین المرء وقلبہ"۔

(۱۸) اجتماعی زندگی کے فتن و خطرات۔

(۱۹) اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ خیانت کرنے سے مقصود کیا ہے؟ ۵۷

(۲۰) جو جماعت متقی ہوگی اس میں خیر و شر کے امتیاز کی قوت پیدا ہو جائے گی۔

(۲۱) حکمت الٰہی کی مخفی تدبیریں اور "یمکرون ویمکر اللہ" کی تفسیر۔

(۲۹) اماد فرض کے وقت حکم رخصت کا منتظر رہنا۔ اور اپنی جانب سے سرگرمی ظاہر نہ کرنی اس بات کی دلیل ہے کہ دل میں جوش عمل نہیں۔

(۳۰) چونکہ اس جنگ میں رومی شہنشاہی سے مقابلہ تھا جو وقت کی سب سے بڑی طاقتور و مانوقانی تھی۔ اسلئے منافقوں کو یقین تھا کہ مسلمانوں کے خاتمے کے دن آگئے۔ اب اس سفر سے لوٹنے والے نہیں

(۳۱) جماعت کی زندگی اور نفع و کامرانی کے لئے اس سے بڑھ کر کوئی خطرہ نہیں کہ مذبذب اور دوغلے آدمی اس میں موجود ہوں

(۳۲) نفاق کا ایک سیاہ پہلو یہ ہے کہ جھوٹی پرہیزگاری اور سچے عمل کی آڑ میں ادائے فرض سے بچنا چاہتے ہیں۔ چنانچہ منافقوں کا ایک مشورہ یہ تھا کہ اس سفر میں فتنہ کا اندیشہ ہے۔ اس لئے ہمیں نہ لے جایئے۔

موجودہ زمانے میں اس نفاق کے مظاہر و قرائن۔

(۳۳) مومن کے لئے راہ حق میں موت بھی "اِحدی الحسنیین" ہے یعنی دو خوبیوں میں سے ایک خوبی اور اس مقام کے بعض مواعظ و بصائر۔

(۳۴) منافقوں کے اعمال و خصائل۔

(۳۵) مدرکوۃ کے مصارف کا ضمناً بیان اور مقاصد شرعیہ ۹۰

(۱) مسئلہ بیان ایک دوسرے گروہ کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔

عرب کے بعض بادیہ نشین قبائل اور ان کا ضعف ایمانی۔ ۱۰۱

(۲) غزوہ تبوک میں موجودین صادقین کا جوش عمل اور ایمانی قوت بے سروسامانوں اور معذوروں کا عشق عمل۔

"البکائین"

(۳) دفاع کے وقت عورتوں کے ساتھ گھروں میں بیٹھ رہنا۔ ۱۰۲
بزدلی اور نامردی کی انتہا ہے۔

(۴) اس بارے میں حکم کہ جن منافقوں نے دیدہ و دانستہ اغراض کیا، اب وہ خواہ کتنی ہی عذر و معذرت کی باتیں کریں ان کا اعتبار نہیں کرنا چاہئے۔

(۵) بادیہ نشین قبائل کی طبعی خشونت۔

(۶) منافق اگر راہ حق میں کچھ خرچ بھی کرتے ہیں تو اس طرح مارے باندھے جیسے جرمانہ بھرنا پڑے۔

(۷) امت کے بہترین طبقے تین ہیں: مہاجرین انصار اور وہ جو ان کے نقش قدم پر چلے۔

عہد اول کے مومنوں کے فضائل و مراتب۔ ۱۰۳

(۸) منافقوں کا ایک خاص گروہ جو ہر دور میں نفاق میں بڑا مشاق اور حاذق ہو گیا تھا۔ فرمایا تم انہیں نہ جانتے ہو نہ پہچان سکتے

(۹) جن لوگوں نے محض سستی اور کاہلی کی وجہ سے کوتاہی کی تھی اور اب سچے دل سے اس پر متاسف تھے انہیں قبولیت توبہ کی بشارت۔

تین شخصوں کے معاملہ کا التوا۔ یعنی مرارہ بن ربیع، کعب بن مالک اور ہلال بن امیہ۔

(۱۰) مسجد ضرار اور منافقوں کی ایک گہری سازش۔ ۱۰۷

(۱۱) حسب ایمانی کا مقام اور اللہ سے نفس و اموال کا معاملہ

(۱۲) سچے مومنوں کے مدارج بعدہ اوصاف کی تشریح:۔
التائبون العابدون۔ الحامدون السائحون الراکعون الساجدون الآمرون بالمعروف والناهون عن المنکر الحافظون لحدود اللہ۔ ۱۱۰

(۱۳) قرآن کے نزدیک سیر و سیاحت سچے مومنوں کا ایک بہترین عمل ہے اور حصول فضائل و ترقی مدارج کا ذریعہ۔
صرف مردوں ہی کے لئے نہیں بلکہ عورتوں کے لئے بھی اسے ایک بہترین وصف قرار دیا۔

مفسرین کا بلا وجہ لغوی معنی سے انصرف اور السائحون اور السائحات کی تفسیر میں تکلف۔ ۱۱۳

(۱۴) استغفار للمشرکین کی ممانعت اور اس کی حقیقت۔
جن لوگوں کی شقاوت آشکارا ہو چکی ہے ان کی ہدایت کے پیچھے لگے رہنا بیکار ہے۔ انہیں ان کے حال پر چھوڑ دینا چاہئے ۱۱۵

اس باب میں حضرت ابراہیم کا طرز عمل۔

(۱۵) جہات رحمات روحانی۔ ۱۱۶

(۱۶) جن مخلص مومنوں سے غزوہ تبوک میں کوتاہی ہوئی تھی اور طبعاً رعفو و چشم پوشی تھے۔ انہیں قبولیت توبہ کی بشارت دی گئی اور اس طرح دی گئی کہ کوتاہی و لغزش کا کوئی دھبہ باقی نہ رہا۔ 〃

(۱۷) فقبر وحی الثلاثۃ الذین خلفوا۔ 〃

مرارہ بن ربیع کعب بن مالک اور ہلال بن امیہ کے لئے قبولیت توبہ کی بشارت اور کعب بن مالک کی شرح روایت اس واقعہ کے بعض اہم مواعظ وغیرہ (۱۸) نظم کے نظام کا قیام۔ ۱۱۸ 〃

(۱۹) معرکہ یرموک کی پیشین گوئی۔ ۱۱۹ 〃

(۲۰) قانون انذار و تنبیہ۔ 〃

(۲۱) سورہ برأت ایک دو ای موعظت تھی۔
خاتمہ میں خطاب اہل عرب سے ہے۔ اس خطاب کی نوعیت

متحد مکن جماعتوں کے لئے تھا نہ کہ تمام غیر مسلموں کے خلاف	
(۳) قرآن کے نزدیک کسی جماعت کے مسلمان ہونے کی علی شناخت دو باتیں ہیں: نماز کا اہتمام اور زکوٰۃ کا نظام۔ جو جماعت یہ دو عمل ترک کر دے گی مسلمان متصور نہ ہوگی۔	
(۴) دین کے معاملہ میں جبر و اکراہ کی چھائیں بھی نہیں پڑنی چاہئے جب تک ایک آدمی سمجھ بوجھ کر مطمئن نہ ہو جائے دین قبول نہیں کر سکتا۔	
(۵) دین کے معاملہ میں فہم و اذعان ضروری ہے۔	۷۲
(۶) مخالفین اسلام کی پے در پے عہد شکنیوں اور ظلم و عناد کی انتہا	
(۷) قرآن ہر جگہ اس جنگ کا مقصد کیا بتلاتا ہے؟ لعلہم ینتہون لعلہم یذکرون تاکہ ظلم و فساد سے باز آجائیں۔ تاکہ سوچیں سمجھیں عبرت پکڑیں۔ اس سے معلوم ہوتا۔ یہ دفاعی جنگ بھی دفعی تغلب و انتقام کے لئے نہ تھی محض اس لئے تھی کہ ظالم ظلم و تشدد سے باز آجائیں۔	
(۸) آیت ۴ میں چھ باتوں کی خبر دی تھی جو حرف بحرف پوری ہوئیں	
(۹) خانہ کعبہ کی تولیت۔	
(۱۰) قرآن کا اعلان کہ شرف و بزرگی کے اسی مناسب کوئی چیز نہیں ہیں بزرگی اسی کے لئے ہے جو ایمان و عمل کی بزرگی رکھتا ہو۔ حاجج کی سقایت اور کعبہ کی مجاوری۔	
(۱۱) خدا کی عبادت گاہ کی تولیت کا حق متقی انسانوں کو ہے نہ کہ فاسق و بدعمل اشرار کو۔	
(۱۲) مومن صادق کا ایک اہم وصف یہ فرمایا کہ لا یخشون الا اللہ اللہ کے سوا کسی کا ڈر نہ مانے۔	۷۷
(۱۳) حقیقی نیکیاں اور رواجی نیکیاں۔ قرآن کے نزدیک سب سے بڑا درجہ انسانوں کا ہے جو ایمان و حق پرستی کی راہ میں قربانیاں کرنے والے ہیں نہ کہ ان لوگوں کا جو رواجی نیکیوں اور رسمی نمائشوں میں سرگرم نظر آتے ہیں۔	
(۱۴) سورہ برأت کے نزول کے وقت عرب کی عام حالت اور احکام قرآنی کا ان کی طرف اشارہ۔	
(۱۵) اس اصل عظیم کی طرف اشارہ کہ مومن وہ ہے جس کی جب ایمانی پر دنیا کی کوئی محبت غالب آسکے۔ علائق زندگی کے آٹھ رشتے فرمایا۔ ایمان باللہ کا تقاضا یہ ہے کہ ان میں سے کوئی رشتہ بھی رشتہ حق پر غالب آسکے۔	
(۱۶) جنگ حنین کے مواعظ و عبر۔ اس حقیقت کی تعیین کہ فتح و کامرانی کی بنیاد تعداد کی کثرت پر نہیں ہے۔ دلوں کی مضبوطی پر ہے۔ اس جنگ میں مسلمانوں کی تعداد دشمنوں سے تین گنا زیادہ تھی لیکن فتح ہوئی تو تعداد کی کثرت سے نہیں ہوئی مٹھی بھر مسلمانوں کے عزم و استقامت سے ہوئی۔	
(۱۷) خانہ کعبہ کا مستقبل اور اس بارے میں اعلان عام۔	
(۱۸) مشرک کے نجس ہونے سے مقصود معنوی نجاست ہے نہ کہ جسمانی۔ اسلام کسی انسان کے جسم کو ناپاک قرار نہیں دیتا۔ وہ اس اعتبار سے ہر انسان کو خواہ کسی گروہ اور عقیدہ کا ہو ایک درجہ میں رکھتا ہے۔	
(۱۹) واخلہ کی تمام لغت صرف خانہ کعبہ کے لئے ہے۔ نہ کہ عام مساجد کے لئے۔ اسلام نے اپنی عبادت گاہوں کا دروازہ ہر انسان پر کھلا رکھا ہے۔ بشرطیکہ بے احترامی کے قصد سے داخل نہ ہو۔	۸۰
(۲۰) عرب کے جن بیوپاریوں اور صنعتگروں نے مسلمانوں کے خلاف ظلم و تعدی پر کمر باندھ لی تھی، فرمایا ان کے خلاف بھی جنگ کے بغیر چارہ نہیں۔	
(۲۱) یہودیوں اور صابیوں کی ان اعتقادی اور عملی گمراہیوں کی طرف اشارہ جن کے رسوخ سے ان کی جماعتی سیرت یک قلم مسخ ہو گئی تھی۔ اور اس کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہی تھی کہ رہنمائی و نیک عملی کی روح نشوونما پا سکے۔	
(۲۲) عرب جاہلیت کے ایک جاہلانہ قاعدہ کا ازالہ اور مہینوں کے قمری حساب کے قیام کا اعلان۔	۸۶
(۲۳) غزوہ تبوک اور اس کے مواعظ و عبر۔ موسم سخت تھا۔ پھلی جنگوں کو لوگ تھکے ہوئے تھے، مال کی تنگی تھی، سروسامان مفقود تھا، احوال و ظروف ناموافق تھے اور سفر ملک کی حدود سے باہر کا تھا۔ تاہم حکم ہوا کہ ہر فرد تیار ہو جائے کیونکہ دفع دفاع کا تقاضا کسی حال میں بھی نہیں ٹالا جا سکتا۔ ایمان کی آزمائش اور سچے مومنوں کی قربانیاں۔	
(۲۴) استبدال اقوام کا قانون اور قرآن کی موعظت۔	
(۲۵) ہجرت مدینہ کا واقعہ اور اسکی موعظت سے استشہاد۔ تعیین ثانی اثنین اذ ھما فی الغار۔	
(۲۶) حکم دفاع کا وجوب عام اور انفروا خفافا وثقالا کا وہ مفہوم جو صحابہ کرام نے سمجھا تھا۔	
(۲۷) مدینہ کے منافقوں کا گریز اور طرح طرح کے اعذار خائنہ بیماری ایمان و نفاق کے لئے ایک فیصلہ کن آزمائش ہو گیا	
(۲۸) منافقوں کا عدم شرکت کے لئے خوشگوار اجازت مانگا اور آنحضرت کا انہیں ان کے حال پر چھوڑ دینا۔ وحی الٰہی کی اس پر تنبیہ۔	

منافقوں کے دو چیس خصائص و علائم جو سورۂ توبہ میں بیان کئے گئے ہیں ۱۳۹
سورۂ بقرہ کے اوایل میں جن لوگوں کا ذکر کیا گیا ہے
اس سے مقصود اہل کتاب ہیں۔ نہ کہ منافقین مدینہ۔ ۱۴۰
نفاق کے خصایل متذکرہ احادیث۔
یہ جو قرآن نے ایمان کفر اور نفاق کی تین حالتیں بیان
کی ہیں تو فی الحقیقت عام ہستی کے ہر گوشہ میں تین حالتیں ہی
پائی جاتی ہیں۔
مسجد ضرار اور اس کی تعمیر کے چار مقصد۔
ان آٹھ احکام کی تشریح جو اس سورت میں منافقوں
کے لئے نازل ہوئے۔

(ل) "رضی اللہ عنہ و رضوا عنہ" کی تفسیر اور سابقون
الاولون کے عشق حق کا بلند ترین مقام۔ ۱۴۳
انہوں نے نخیاں جیلی ہی نہیں بلکہ استغراق عشق میں ۱۴۴
انہیں خونگوار محسوس کیا۔ یہی معنی "رضوا عنہ" کے ہیں۔ ۱۴۴
(م) ترک سوالات کا حکم اور اس کی حقیقت۔
یہ حکم حالات جنگ کا ناگزیر نتیجہ تھا ورنہ قرآن کے نزدیک
اصل عمل محبت و شفقت اور تعاون و سازگاری ہے نہ کہ انقطاع
و نفرت۔ ۱۴۵
سورۂ ممتحنہ کی آیت۔ ″

یونس (صفحہ ۱۴۷)

(۱) سورت کے خطاب کی نوعیت اور مرکز موعظت
منکروں کا قرآن کی حیرت انگیز تاثیر سے عاجز آجانا
اور بے بس ہو کر کہنے لگنا کہ یہ جادوگری ہے۔ ۱۴۷
(۲) آسمان و زمین کی چھ ایام میں تخلیق۔ ″
(۳) "توحید ربوبیت" سے "توحید الوہیت" پر استدلال۔ ″
(۴) حیات اخروی پر قرآن کی تین دلیلیں۔ ۱۴۸
(۵) منازل قمر اور ان کی "تقدیر"۔ ۱۴۹
(۶) حیات اخروی کے منکروں کی ذہنیت اور اس کی تحلیل ″
(۷) یعنی ہر جگہ آخرت کے معاملہ کو "لقاء الٰہی" سے تعبیر کرتا ″
(۸) جمعی زندگی کی نمایاں خصوصیت امن و سلام ہے۔ ″
(۹) "حالوں اجال"۔ ۱۵۰
(۱۰) روح و نفسیات میں خدا کی بے اختیارانہ یاد اور غفلت و
رہبت میں ذہول و اعراض قرآن اس فطری حالت سے استشہاد
کرتا ہے۔ ″
(۱۱) مشرکوں کی دو بلبش کہ دوسری طرح کی باتیں کہو تو ہم
سانحہ دیں اور قرآن کا جواب۔ ۱۵۱
(۱۲) پیغمبر اسلام کی زندگی ان کی سچائی کی سب سے بڑی دلیل
ہے۔ قرآن کا اس سے استشہاد۔ ″
(۱۳) "توحید الوہیت" کی تلقین اور مشرکوں کے اس عقیدہ
کا ابطال کہ خدا کی براہ راست پرستش سود مند نہیں ہو سکتی۔ ″
مشرک اپنے معبودوں کو خدا نہیں سمجھتے تھے۔ خدا کے
حضور وسیلہ اور شفیع سمجھتے تھے۔ ″

(۱۴) اس اصل عظیم کا اعلان کہ اصل دین ایک ہے۔ اور تفرقہ
پیروان مذاہب کی گمراہی سے پیدا ہوا۔ ۱۵۲
(۱۵) اسباب علانیہ کا سہارا جو ہمیں الی اللہ سے انسان کو
غافل کر دیتا ہے۔ مگر جونہی یہ سہارا ٹوٹتا ہے فطرت کی آواز ابھر
لگتی ہے اور انسان سمجھنے لگتا ہے کہ خدا کے سوا کوئی نہیں۔
قرآن کا اس صورت حال سے استشہاد۔
بحری سفر کی مثال۔
(۱۶) دنیوی زندگی کی بے ثباتی اور انسان کا غرور باطل۔
قرآن کا کاشت کاری کی مثال سے استشہاد ۱۵۴
(۱۷) قرآن نے ہر جگہ ایمان کے لئے نور اور کفر کے لئے ظلمت
کی تشبیہ اختیار کی ہے۔ اس کی موعظت۔ ۱۵۵
(۱۸) مشرکوں نے جن ہستیوں کو اپنا معبود بنا رکھا ہے قیامت
کے دن وہ ان سے بیزاری و برأت ظاہر کر دینگے۔ وہ کہینگے ہمیں
تمہاری پرستش کی خبر بھی نہ تھی۔ ۱۵۶
(۱۹) برہان ربوبیت کا استدلال ″
(۲۰) قرآن کا ہدایت عقل و حواس سے استدلال ″
(۲۱) قرآن کی تحدی کہ اگر یہ افترا علی اللہ ہے۔ تو ایسا
ہی کلام تم بھی گڑھ دکھاؤ۔ ۱۵۷
(۲۲) قرآن جس نوعیت کا کلام ہے ایسا کلام کبھی انسانی
بناوٹ کا کام نہیں ہو سکتا۔
(۲۳) تکذیب حقایق بغیر علم۔
(۲۴) انسانی عقل کا تعطل خود انسان ہی کی غفلت و اعراض

اوران مشکلات کا حل جو مفسروں کے لئے موجب حیرانی ہوئیں	۱۱۹
(۲۴) سورت کی بعض آیات جو مزید تشریح و بحث کی محتاج ہیں	
(ا) عرب کے اہل کتاب اور ان سے جنگ۔	
نزول قرآن کے وقت عرب اور شام کے عیسائیوں کی حالت	
شام کی بعض مسیحی عربی ریاستیں بیزنطانی شہنشاہی کا اقتدار اور مسلمانوں کے خلاف بارجانہ اقدام۔	
شرجیل بن عمر وغسانی کا وحشیانہ طرز عمل۔	۱۲۱
(ب) جزیہ کا حکم۔	۱۲۲
(ج) جزیہ کی نوعیت۔	〃
(د) جزیہ کا حکم تمام غیر مسلموں کے لئے سے جو فوجی خدمت سے بچائے جاتے ہیں۔ نہ کہ صرف اہل کتاب کے لئے۔	〃
(ہ) جزیہ کا حکم مذہبی رواداری و فیاضی کا ایک ایسا معاملہ ہے جس کی کوئی نظیر تاریخ اقوام میں نہیں مل سکتی۔	۱۲۳
(و) اسلامی حکومت اور غیر مسلم شہریوں کے حقوق۔	〃
(ز) اہل کتاب کی وہ گمراہیاں جن کی طرف بیان خصوصیت کے ساتھ اشارہ کیا گیا ہے۔	
حضرت عزیر کے بارے میں یہود مدینہ کا اعتقاد کہ "ابن اللہ" تھے۔	〃
(ح) اہل کتاب کا اپنے ائمہ و مشائخ کو "ارباباً من دون اللہ" بنا لینا اور اس کی شرح۔	۱۲۴
اس گمراہی کے نتائج۔	〃
لوتھر کی تحریک اصلاح اسی صدائے حق کی بازگشت تھی۔	۱۲۵
اگر یورپ کے ذہنی ارتقا کا وہ اصلاح کلیسہ کی تحریک سے شروع ہوتا ہے تو اصلاح کلیسہ کی تاریخ سورۂ برأت کے نزول سے شروع ہوتی ہے۔	〃
خود مسلمان بھی اسی گمراہی میں مبتلا ہو گئے جس کے انسداد کی دعوت ان کے سپرد کی گئی تھی۔	〃
(ط) احبار و رہبان کا اکل اموال بالباطل اور اس کی شرح و تفصیل۔	۱۲۶
اکل اموال بالباطل کے تیرہ وسائل و طرق۔	〃
(ی) "نسیٔ" کی حقیقت اور عرب جاہلیت کی نقلی گراوٹ	۱۲۸
قمری مہینوں کا حساب انسان کے لئے تقسیم ایام کا قدرتی حساب ہے۔ اس لئے قرآن نے احکام و عبادات کے لئے اسی کو اختیار کیا۔	〃
(ک) آیت زکوٰۃ کی تفسیر اور مصارف ثمانیہ کی شرح۔	۱۲۹
فقیر اور مسکین کا فرق۔	۱۲۹
تمام مصارف میں بیک وقت فرچ کرنا ضروری نہیں	۱۳۰
مصارف ثمانیہ کی ترتیب اجتماعی ضروریات کی قدرتی ترتیب ہے	〃
فی سبیل اللہ کا مصرف۔	〃
حکم زکوٰۃ اور اسلام کا نظام اجتماعی۔	〃
قرآن اور دولت کا "اکتناز" و "اکتناز"۔	۱۳۱
زکوٰۃ کا نظم انفرادی نہیں ہے۔ اجتماعی ہے۔ یہ ایک ٹیکس ہے جو حکومت کو وصول کرنا چاہئے۔ نہ یہ کہ خود مکلف ادا خرچ کر دیتا۔	۱۳۲
فتنۂ تاتار کا ظہور اور اسلامی تنظیمات کا اختلال	۱۳۳
اگر ہندوستان میں اسلامی حکومت نہیں ہے تو مسلمانوں کو چاہئے جس طرح ہمہ کا انتظام کیا ہے زکوٰۃ کی وصولی کا بھی کوئی اجتماعی نظم قائم کریں۔	
جماعت کا اقتصادی مسئلہ بغیر تنظیم زکوٰۃ کے حل نہیں ہو سکتا۔	
اسقاط زکوٰۃ کا نام نہاد شرعی حیلہ۔	۱۳۴
اس غلط فہمی کا ازالہ کہ زکوٰۃ دینے والوں کی اعانت جس کا مستقلاً حکم دیا گیا ہے۔ مد زکوٰۃ ہی کا ایک مصرف سمجھ لی گئی ہے	〃
ایک غلط فہمی کا ازالہ کہ لوگ سمجھتے ہیں زکوٰۃ دیدینے کے بعد انفاق فی سبیل اللہ کے تمام مطالبات ختم ہو جاتے ہیں	۱۳۵
قرآن اور سوشیلزم۔	۱۳۶
سوشیلزم نے وہ حقیقت اب محسوس کی ہے جو قرآن نے تیرہ سو برس پہلے محسوس کر چکا تھا یعنی دولت کا "اکتناز" روکا جائے اور انفاق اور پھیلاؤ پر زور دیا جائے۔	
سوشیلزم کے نظری اصول بہت دور تک چلے گئے ہیں قرآن وہاں تک نہیں جاتا۔ لیکن جہاں تک عملی اصولوں کا تعلق ہے قرآن دولت کے اکتناز و انجماد کی ساری صورتوں کا مخالف ہے۔	۱۳۷
(ل) حقیقت نفاق	
استبداد عمل کے لحاظ سے طبیعت انسانی کی تین مختلف قسمیں: مستبد، مفسد، درمیانی۔ بھی درمیانی حالت قرآن کی زبان میں نفاق ہے۔	
منافقوں کا گروہ کافروں کا کوئی سازشی گروہ نہ تھا مسلمانوں ہی میں سے کچھ لوگ تھے۔ تمام قرآن نے ان کے اسلام کی نفی کی ہے۔	۱۳۸

دنیا میں عقاید و اعمال کی ساری غلطیاں اسی لئے جاری ہوئیں کہ لوگ اس حقیقت کے معترف نہیں ہوتے۔
قرآن کہتا ہے۔ ہر انسان کا فرض ہے کہ جو بات حق سمجھتا ہے۔ دوسروں تک بھی پہنچائے۔ لیکن صرف پہنچا دینے سے آپ کو ان کی ہدایت کا ذمہ دار اور ٹھیکیدار نہ سمجھ لے۔ ۱۷۴
ہر انسان کی جواب دہی اس میں ہے کہ اس نے تبلیغ حق کی یا نہیں کی؟ اس میں نہیں ہے کہ دوسروں نے مانا یا نہیں مانا؟ ماننے نہ ماننے کا ہر انسان کو اختیار ہے۔ "
قرآن نے ایک طرف دعوت و تذکیر حق کا سامان بھی کر دیا۔ دوسری طرف شخصی آزادی کا بھی تحفظ کر دیا۔
(۶) سورت کے بعض مقامات کی فرد تشریحات:
(ا) آسمان و زمین کی چھ "ایام" میں تخلیق، اور دنیا کی پیدائش کے باب میں قرآن کی تصریحات۔ ۱۷۵
اس بارے میں وقت کے علمی نظریے۔ "
(ب) چاند کی منزلیں اور ان کی تقدیر۔ "
اجرام سماویہ کے مشاہدہ کے قدیم ترین تاثرات اور منازل قمر کا تعین۔
ہندوستان اور چین کی طرح عرب میں بھی یہ منازل عازم طور پر معلوم و مشہور تھے۔ ۱۷۶
(ج) قرآن اور آخرت کی زندگی "

انعام جنت اور احوال دوزخ کی حقیقت۔ ۱۷۷
"لقاء الٰہی" اور "مجوبیت" ۱۷۸
"رضوان من اللہ" کی نعمت۔ ۱۷۹
"تناسخ" کا عقیدہ اور قرآن۔ "
(د) ہدایت حواس و عقل اور قرآن کا اس سے استدلال۔
قرآن نے "ہدایت" کا لفظ صرف ہدایت وحی ہی کے لئے استعمال نہیں کیا ہے۔ ہدایت کے مختلف مراتب ہیں۔ "
(ہ) عدم احاطۂ علم اور تکذیب حقایق۔ ۱۸۰
قرآن اس سے بھی روکتا ہے کہ بغیر علم و بصیرت کے کوئی بات سن لی جائے، اور اس سے بھی روکتا ہے کہ محض عدم ادراک کی بنا پر کوئی بات جھٹلا دی جائے۔ پہلی بات جہل و وہم پرستی سے محفوظ کر دیتی ہے۔ دوسری شک و الحاد سے۔ "
"خلاف عقل" اور "ماورائے عقل"۔ "
دنیا کے تمام علمی انکشافات اسی اصل عظیم کے اتفاقی نتیجہ ہیں کہ عدم احاطۂ علم سے نفی و تکذیب لازم نہیں آتی۔ ۱۸۱
عقل اور ماورائے عقل کی نزاع اور قرآن کا فیصلہ۔ "
"تاویل" مستند قرآن اور متاخرین کی لغزش۔ "
(و) تفسیر لا حوف علیھم و لا ھم یحزنون "
زندگی کے لئے دو ہی کانٹے ہیں۔ خوف اور حزن۔ قرآن کہتا ہے سعید وہ ہے جس کے لئے دونوں کانٹے بے اثر ہو جائیں "

ھُوْدٍ (صفحہ ۱۸۳)

(۱) سورت کے خطاب کی نوعیت۔
(۲) گذشتہ دعوتوں ایام و وقائع اور سورت کی خصوصیت
(۳) سورت کا مرکز موعظت اور تین باتوں کا اعلان۔
(۴) علم الٰہی کا احاطہ۔ ۱۸۳
(۵) چونکہ سورت کی موعظت کا مرکزی نقطہ جزا عمل کا معاملہ ہے اس لئے اول آیتوں ہی میں اس طرف اشارہ کر دیا
(۶) زمین پر ایک ابتدائی دور گذر چکا ہے جبکہ اس کی سطح پر پانی ہی پانی تھا۔ ۱۸۴
(۷) طبیعت انسانی کی یہ کمزوری کہ مصیبت میں مایوس ہو جائے گا۔ شادمانی میں مغرور و غافل۔ ۱۸۵
(۸) انبیاء کرام کا وظیفہ "تبشیر" و "تنذیر" اور اس کی عظیم ترین گرانباری۔
منکروں کی عجائب طلبی اور قرآن کا اعلان کہ پیغمبر "نذیر" ہے۔ وکیل نہیں۔ "تنذیر" کے وصف پر زور دے کر تمام غلط فہمیوں کا انسداد کر دیا۔ ۱۸۵
(۹) منکروں کا استہزار اور قرآن کی تحدی۔ ۱۸۶
قانون عمل اور نتائج عمل۔
یہاں نتائج کا حصول عمل پر موقوف ہے اور عمل دو طرح کے ہیں۔ ایک وہ جو صرف دنیوی فوایدہی کے لئے ہیں۔ ایک وہ جو دنیا اور آخرت دونوں کے لئے جو کوئی صرف دنیوی زندگی کی دلفریبیوں ہی پر فارغ ہو گیا، اس کے لئے صرف دنیوی زندگی ہی کے نتائج ہوں گے بشرطیکہ عمل کے شرائط پورے کرے البتہ آخرت کی سعادت سے وہ محروم رہ جائے گا۔ ۱۸۷
(۱۰) جن لوگوں نے غفلت و کوری کی جگہ دلیل و حجت کی راہ

کا نتیجہ ہے خدا یا جنہوں نے آنکھیں بند کر لی ہیں تم انہیں کوئی روشنی دکھا نہیں سکتے۔	۱۵۸
(۲۵) آخرت کی زندگی کا معاملہ ٹھیک اسی طرح پیش آئے گا۔ جیسا یہاں نیند کے بعد بیداری کا معاملہ ہوتا ہے۔ انسان محسوس کرے گا وہ تھوڑی دیر تک سویا رہا تھا۔ اور اب جاگ اٹھا ہے۔	۱۵۸
(۲۶) کاروبار حق کا دارومدار شخصیتوں پر نہیں ہے شخصیت اس لئے ہے کہ بیج بووے۔ باقی رہے برگ و بار تو ہو سکتا ہے اس کی زندگی ہی میں سب تو دار ہو جائیں۔ ہو سکتا ہے کہ کچھ زندگی میں ہوں کچھ اس کے بعد ہوں۔ اس تاخیر سے کاروبار حق کی تکمیل پر کوئی اثر نہیں پڑ سکتا۔	۱۵۹
(۲۷) قانون "قضی بالحق" اور "قضی بالقسط"	
(۲۸) استہجال بالعذاب"	۱۶۰
(۲۹) عدد نزول کی بعض تعبیرات اور مسائل طبیعیات اور قرآن کی موقفیت۔	
(۳۰) قرآن کے چار وصف جن پر خصوصیت کے ساتھ زور دیا گیا: موعظت۔ شفاء ہدایت۔ رحمت۔ یہ اوصاف محض دعوی ہی نہیں ہیں بلکہ مدلل ہیں۔	۱۶۱
(۳۱) مشرکوں کا اپنے اوہام و خرافات کی بنا پر بہت سی چیزوں حرام ٹھیرا لینے اور قرآن کا انکار۔	
حلت و حرمت اشیاء کے باب میں قرآن کے اصول اربعہ اور فقہاء متشددین کی غلطی۔	۱۶۲
(۳۲) قرآن کی اصطلاح میں "کتب علیکم" اور "فی کتاب اللہ" کے معنی۔	۱۶۳
(۳۳) اولیاء اللہ کے لئے نہ تو "خوف" ہو سکتا ہے۔ نہ "حزن"	۱۶۴
(۳۴) قرآن کا یہ اسلوب بیان کہ پہلے وجدانی دلائل بیان کرتا ہے پھر ایام و وقائع سے استشہاد کرتا ہے۔ چنانچہ یہاں بھی اب ایام و وقائع کی طرف سلسلۂ بیان متوجہ ہو گیا ہے۔	〃
(۳۵) حضرت نوح کا اعلان۔ اور اس کے بعض بصائر و حکم	۱۶۵
(۳۶) حضرت موسیٰ کی دعوت۔	〃
یہاں بیان و دماغ میں نقطۂ استشہاد دو نہیں باتیں ہیں اس لئے انہی پر زور دیا جا رہا ہے۔	〃
(۳۷) حضرت موسیٰ کا اعلان۔ کہ جادوگری شبہ ہے۔ پس ایک جادوگر کتنا ہی زور لگائے حقیقت کے مقابلہ میں کامیاب نہیں ہو سکتا۔	〃
(۳۸) الحق اور الباطل "حق" کا خاصہ ثبوت اور قیام ہے۔ باطل کا مٹ جانا اور نہ ٹک سکنا۔ قرآن کہتا ہے حق کی سب سے بڑی دلیل حقانیت یہ ہے کہ وہ حق ہے اور باطل کے بطلان کے لئے اس کا باطل ہونا ہی کافی ہے	۱۶۶
(۳۹) قوم کے نوجوان افراد نے حضرت موسیٰ کا ساتھ دیا اس سے معلوم ہوا کہ اس راہ میں ہمیشہ نئے دماغوں اور نئے خون ہی سے مدد ملتی ہے۔ پرانے دماغ محکمانہ زندگی کے عادی ہو کر اپاہج ہو جاتے ہیں۔	۱۶۷
(۴۰) فرعون کے جسم کی نجات۔ یعنی اس کا باقی رہنا تاکہ آنے والی نسلوں کے لئے موجب عبرت ہو۔	۱۶۸
(۴۱) قرآن کا یہ اسلوب بیان کہ مقصود مومنوں کی سماعت ہوتی ہے۔ مگر خطاب پیغمبر اسلام سے ہوتا ہے	۱۶۹
(۴۲) حضرت یونس اور باشندگان نینوا۔	
باشندگان نینوا کی توبہ و انابت اور عذاب کا ٹل جانا	
پیغمبر اسلام سے خطاب کہ منکروں کی سرکشی سے افسردہ خاطر نہ ہوں، کیونکہ ہمیشہ ایسا ہی ہوتا آیا ہے۔ بہت کم ایسا ہوا ہے کہ قوم یونس کی طرح لوگ سرکشی و اعراض سے باز آ گئے ہوں۔	۱۷۰
(۴۳) اس حقیقت کا اعلان کہ انسانی طبیعت و استعداد کا اختلاف و تنوع فطری ہے اور حکمت الٰہی کا یہی فیصلہ ہوا کہ یہاں استعداد اور حالت کا اختلاف ظہور میں آئے۔ اگر یہ اختلاف نہ ہوتا تو انسان کے لئے آزمائش عمل بھی نہ ہوتی حالانکہ ضروری تھا کہ ہو۔	
لوگ نہیں ماننا چاہتے تم انہیں جبراً نہیں منوا سکتے پس جو نہیں مانتے انہیں ان کے حال پر چھوڑ دو اور اپنا کام کئے جاؤ۔	
یہاں سے معلوم ہوا قرآن ایمان کی کسی ایسی صورت کا معترف نہیں جو جبراً منوائی جائے۔	۱۷۱
(۴۴) منکرین عرب کے مقابلہ میں اتمام حجت۔	۱۷۲
(۴۵) قرآن کا اعلان عام کہ خدا کی سچائی آشکارا ہو چکی۔ اب جس کا جی چاہے ہدایت کی راہ اختیار کرے جس کا جی چاہے گمراہی پر قائم رہے۔ پیغمبر سچائی کا ابلاغ ہے لوگوں کے عقاید پر نگہبان نہیں۔	۱۷۳
"تدبیر اور "توکیل" کا دقیق اور اس باب میں قرآن کی اصل عظیم۔	〃

بصائر پر ایک تفصیلی نظر:-
(۱) یہ فی الحقیقت قرآن کے دلایل وحجج ہیں۔ ۲۰۹
وحدتِ قوانینِ فطرت۔ ۲۱۰
جس طرح عالم صورت کے قوانین ہوتے اسی طرح عالم معنی کے بھی قوانین ہیں۔ ۲۱۱
جس طرح افراد کے لئے قوانین سعادت وشقاوت ہوتے ٹھیک اسی طرح اقوام وجماعات کے لئے بھی قوانین ہیں 〃
سنتہ اللہ۔ 〃
قرآن کا یہ استدلال طبیعت انسانی کا وجدانی اذعان ہے ۲۱۲
استقرار کا یقین فطری ہے اور یہ استدلال استقرار پر مبنی ہے 〃
قرآن کے اس استدلال نے اس طرف بھی رہنمائی کردی کہ تاریخ کا صحیح استعمال کیا ہونا چاہیے! 〃

سورۂ ہود اور استقرار تاریخی۔ ۲۱۳
تمام رسولوں کے ایام ووقائع اپنے ظہور میں اپنے اعلانات میں اپنی تذکیر میں احوال ظروف میں رد وقبول میں نوعیت وحیثیت میں اور پھر آخری نتیجہ میں کامل طور پر یکساں وہم آہنگ ہیں۔ ۲۱۴
قصص قرآنی کے یہ مبادی خود قرآن کی تصریحات ہی سے ماخوذ ہیں۔ ۲۱۵
ایام اللہ۔ 〃
قصص قرآن اور مبادی سبعہ۔ 〃
قرآن نے صرف چند رسولوں ہی کا ذکر کیوں کیا؟ اس کے وجوہ ومقاصد۔ ۲۱۵
جدید اثری تحقیقات اور اقوام متذکرۂ قرآن۔ ۲۱۷
(۲۵) جدید اثری تحقیقات اور وقائع بنی اسرائیل۔ ۲۱۸

یوسف (صفحہ ۲۱۹)

(۱) یہ سورت بنی اوائل دعوت کی سورتوں میں سے ہے
(۲) حضرت یعقوب کا گھرانا۔ ۱
یوسف کے گیارہ بھائی، باپ اور سوتیلی ماں۔
(۳) یوسف کے سوتیلے بھائیوں کا حسد۔
(۴) یوسف کی عمر۔
(۵) یوسف کا خواب۔ ۲۱۹
(۶) سوتیلے بھائیوں کی سازش اور یوسف کو ساتھ لے جانے کی باپ سے درخواست۔ ۲۲۰
(۷) حضرت یعقوب کا اندیشہ اور بالآخر اجازت دیدینی ۲۲۱
(۸) بھائیوں کا یوسف کو کوئیں میں ڈال دینا، بھیڑیے کے حملے کا جھوٹا نقشہ، اور حضرت یعقوب کا صبر جمیل۔ ۲۲۲
"صبر جمیل کی حقیقت۔
خون آلود کرنہ۔
" بل سولت لکم انفسکم امرا" کے معانی کی وسعت اور محل خطاب کے دقایق۔ 〃
(۹) ایک عرب قافلہ کا کوئیں پر سے گزرنا جعفرت یوسف کی رہائی۔ اور غلام کی حیثیت سے فروخت ہونا۔
نورات اور قرآن کی تصریحات کا فرق۔
ڈول کھینچنے والے نے اظہار تعجب کی جگہ اظہار مسرت کیوں کیا؟ ۲۲۳

(۱۰) مصر کے ایک سردار کا یوسف کو خریدنا، اور ان کے اخلاق وخصایل سے اس درجہ متاثر ہونا کہ اپنے گھر اور علاقہ کا مختار بنا دینا۔
قرآن کا بیان وقائع میں ایجاز بلاغت اور غیر ضروری تفصیلات سے اعراض۔ ۲۲۴
(۱۱) حضرت یوسف کی مصری زندگی اور مصری کامرانیوں کی آیات قرآن کا اسے تمکن فی الارض سے تعبیر کرنا۔ 〃
(۱۲) حضرت یوسف کا بلوغ کو پہنچنا اور دانش حکومت اور فضیلت علم کی تکمیل۔ ۲۲۵
(۱۳) عزیز مصر کی بیوی کا فریفتہ ہونا، اور ایک سخت ترین آزمائشی حالت میں مبتلا کرنا، پھر ناکام رہ کر جھوٹا الزام لگانا، مگر حضرت یوسف کی برأت کا آشکارا ہو جانا۔
خود امراۃ العزیز کے ایک رشتہ دار کی یوسف کی حمایت میں شہادت۔ 〃
(۱۴) شہر کی شوقین عورتوں میں اس معاملہ کا چرچا مجلس ضیافت کی ترتیب، فتنہ گران شہر کا اجتماع۔ اور حضرت یوسف کی عصمت وپاکی کی فتح مندی!
قرآن نے مجلس ضیافت کے اہتمام کا جو نقشہ کھینچا ہے مصری آثار ونقوش اسکی پوری پوری تصدیق کرتے ہیں۔ ۲۲۶
(۱۵) امراۃ العزیز کی دھمکی حضرت یوسف کا مجلس عیش

پالیے وہ منکرین دنیا کی طرح آخرت سے بے پرواہ نہیں ہو سکتے
منکروں کی راہ افترا علی اللہ کی راہ ہے
(۱۱) اس کا اعلان کہ منکروں کا موجودہ اقتدار کتنا ہی طاقتور دکھائی دیتا ہو لیکن وہ کلمۂ حق کی راہ نہیں روک سکتے۔ ۱۸۸
(۱۲) اب دو فریق پیدا ہو گئے ہیں۔ مومن اور منکر۔ مومن کی مثال ایسی ہے جیسے دیکھنے سننے والا۔ منکر کی مثال ایسی ہے جیسے اندھا بہرا۔ بھر کیا دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟ اگر نہیں ہو سکتے، تو ضروری ہے کہ متضاد نتائج سے بھی دوچار ہوں۔ چنانچہ دنیا میں ہمیشہ ایسے ہی متضاد نتائج نکلتے رہے ہیں۔
(۱۳) اس سلسلے میں گذشتہ ایام و وقائع سے استشہاد: ″
(۱۴) حضرت نوح کی دعوت۔
حضرت نوح کی موعظت اور اس کے مقاصد و مہمات۔
قوم کی سرکشی اور مجادلانہ خصومت۔ ۱۸۹
حضرت نوح کا وحی الٰہی سے مطلع ہونا کہ طوفان آنے والا ہے اور ایک کشتی کی تعمیر کا حکم۔ ۱۹۰
طوفان کا ظہور۔ حضرت نوح کا اپنے ساتھیوں کے ساتھ کشتی میں سوار ہو جانا۔ لڑکے کا اعراض اور ہلاکت، اور اس معاملہ کی عبرت۔ ۱۹۱
طوفان کا تھمنا، اور کشتی کا جودی پر قرار پانا۔ ″جودی″ اور ″ارارات″ سے مقصود ایک ہی مقام ہے۔ ۱۹۲
متقبل کے لئے وحی الٰہی کی بشارت۔ ۱۹۳
(۱۵) قوم عاد اور حضرت ہود علیہ السلام۔
حضرت ہود کی موعظت اور قوم کی سرکشی۔ بالآخر طوفان حق کا فیصلہ۔ ہودیوں نے نجات پائی سرکش ہلاک ہوئے۔ ۱۹۲
انبیاء کے مواعظ میں ″ربی و ربکم″ کے کلمہ کا بار بار آنا۔ اور اس کا مطلب۔ ۱۹۵
غافل جماعتوں کی گمراہی کی بڑی وجہ۔ ظالموں کے پیچھے چلیں گے جو ان پر ظلم کرتے ہیں۔ مگر داعیان حق و عدالت سے روگردانی کریں گے جو انہیں ظلم و تعدی سے بچانا چاہتے ہیں! ″
(۱۶) قوم ثمود اور حضرت صالح علیہ السلام۔
حضرت صالح کا وعظ اور قوم کا انکار
قوم ثمود نے کہا۔ ہماری بڑی بڑی امیدیں تم سے وابستہ تھیں مگر تم دوسری ہی طرح کے آدمی نکلے۔
قوم کی سرکشی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ مومنوں نے نجات پائی سرکش ہلاک ہوئے۔

(۱۷) قوم سدوم اور حضرت لوط علیہ السلام
فرشتوں کا حضرت ابراہیم کے پاس آنا اور حضرت اسحٰق کی پیدائش کی بشارت دینا اور سدوم کی تباہی کی خبر ۱۹۸
ان دو واقعوں کی معنوی مناسبت۔
حضرت ابراہیم کا تاسف اور فرشتوں کا اظہار کہ ہلاکت ناگزیر ہے۔
فرشتوں کا حضرت لوط کے پاس پہنچنا، قوم کا ہجوم، حضرت لوط کی ہجرت، اور بالآخر شہر کی ہلاکت۔ ۲۰۰
(۱۸) قبیلۂ مدین اور حضرت شعیب علیہ السلام
حضرت شعیب کی موعظت اور اس کے اہم نقاط۔ ۲۰۱
قوم کی مجادلانہ روش اور حضرت شعیب کا جواب۔ ۲۰۲
قبیلۂ مدین کا تجارت سے خوش حال ہو جانا۔ مگر لین دین میں خیانت کرنی۔
ان پر حضرت شعیب کی غائبگراں نہیں گزرتی تھی، مگر نماز کا یہ مقتضیٰ گراں گزرتا تھا کہ دوسروں کو بھی خدا پرستی کی دعوت دیتے تھے!
اتباع حق کی راہ میں ذاتی خصومت سے بڑھ کر کوئی روک نہیں۔
انسان انسان کے ڈر سے رک جائے گا۔ مگر خدا کے ڈر سے نہیں رکنا چاہتا۔ ۲۰۳
حضرت شعیب نے کہا۔ اچھا تم اپنی راہ چلو میں اپنی راہ چلتا ہوں۔ اور نتیجہ کا انتظار کرو۔ چنانچہ نتیجہ ظاہر ہو گیا۔ اہل ایمان نے نجات پائی سرکش ہلاک ہوئے۔ ۲۰۴
(۱۹) قوم فرعون اور حضرت موسیٰ علیہ السلام
ایام و وقائع کی موعظت کا اختتام ″
(۲۰) اس سلسلۂ استدلال کے نتائج و بصائر۔
چھ بصیرتیں جو یہاں نمایاں کی گئی ہیں۔ ۲۰۵
(۲۱) پیغمبر اسلام اور ان کے ساتھیوں سے خطاب، اور سات باتوں کی تلقین جو اس صورت کی موعظت کا خلاصہ ہیں۔ ۲۰۷
* (۲۲) قرآن نے یہاں واضح کر دیا کہ گذشتہ ایام و وقائع کے بیان سے اس کا مقصود کیا ہے؟ فرمایا چار باتیں ہیں ۲۰۸
(۲۳) سورت کی ابتدا جس بات سے ہوئی تھی اسی پر خاتمہ اور بنیاد کی تین موعظتیں۔ ۲۰۹
(۲۴) قرآن کے قصص، اور ان کے مقاصد و

مصر کا قید خانہ اور مصر کا تخت شاہی !	۲۵۱
روحانی صداقت اور مادی ترقیات کا تقابل	〃
قوانین عمل اور نتائج عمل ۔	۲۵۳
سرگذشت کی شخصیتیں اور ان کی سیرت	۲۵۳
حضرت یعقوب علیہ السلام	〃
علم کی انتہا اور میرا کمال، یقین کا عدم تزلزل ؛	〃
حضرت یعقوب کا قول کہ بل سولت لکم انفسکم امرا" اور اس کے دقائق معنی کی وسعت	۲۵۴
صبر جمیل ۔	〃
حضرت یوسف کا اسوۂ حسنہ	۲۵۵
حضرت یوسف علیہ السلام ۔	〃
اس شخصیت کی ساری موعظت اس کی سیرت (نہ کہ تذکرہ) کی فضیلت واستقامت میں ہے ۔	〃
انسان کی سیرت اور اس کی فضیلت کی اصل کسوٹیاں	〃
سترہ برس کی عمر میں مصائب کا مقابلہ اور عاقبانہ فیصلہ	
رفتار حوادث کی پے در پے آزمائشیں اور ان کی بے لاگ سیرت کی پے در پے فتح مندیاں ۔	〃
عزیز کے ساتھ معاملہ ۔	۲۵۶
امرأۃ العزیز کا معاملہ	〃
دعوت عیش کا جواب	۲۵۷
"السجن احب الی مما یدعوننی الیہ"	〃
قید خانۂ مصر اور ان کی سیرت کی فتح مندی	۲۵۸
تبلیغ حق کا جوش، اور دو قیدیوں کا معاملہ	〃
تفسیر اذکرنی عند ربک"	〃
قیدیوں کو ان کی مطلوبہ تعبیر بتلانے سے پہلے دعوت حق کا ذکر چھیڑ دینا اور اس کی حکمت	۲۵۹
بادشاہ کی اعتیاج اور قیدی کی تباہ حالی، اگر وہ چاہتے تو اس موقع سے اپنی رہائی کے لئے فائدہ اٹھاتے، لیکن اس کا انہیں وہم وگمان بھی نہیں گذرا !	〃
بادشاہ کی طلبی رہائی کا مژدہ اور حضرت یوسف کا انکار، عزت نفس، واستقامت حق کا بلند ترین مقام	۲۶۰
بھائیوں کے معاملہ	〃
اس قضیہ کا خاتمہ اور حضرت یعقوب کے طرز خطاب کے مقابلہ عفو وبخشش اور فیاضانہ قدر کا بلند ترین معیار	۲۶۱
حضرت یوسف کی آخری دعا، اور اس کی روحانی عظمت ۔	۲۶۲
امرأۃ العزیز کی شخصیت	〃
ہوس اور عشق کے امتیازات	〃
ہوسناکی کی غرض پرستی اور کاہلی، اور عشق کی خود فراموشی وخود فروشی ۔	۲۶۳
محبت کی غنائی وگہرائی کے تین مراتب	〃
تاویل الاحادیث ۔	
"تاویل الاحادیث" سے مقصود محض علم تعبیر ہی نہیں ہے، بلکہ علم ودانش کی ساری باتیں ہیں ۔	۲۶۳
عزیز مصر کا بیوی سے معاملہ اور مفسروں کی غلطی	۲۶۴
مفسروں نے ہزار ہا سال پہلے کی معاشرتی حالات کو اپنے عہد کے حالات پر قیاس کیا ۔	
اُمرا مصر کی ازدواجی زندگی اور عورتوں کی مطلق العنانی ۔	
عزیز کا معاملہ مذکورۂ قرآن اس عہد کے صورت حال کی اصلی تصویر ہے ۔	
لفسرنہ ان کید کن عظیم"	۲۶۵
اس آیت کے اصل وخصوصیت کے بارے میں مفسروں کی افسوسناک غلطی اور عام طور پر اسے عورتوں کی جنسی پستی کے لئے قرآن کا حکم وفیصلہ سمجھ لینا ۔	
قرآن اخلاقی فضائل کے لحاظ سے مردوں عورتوں میں کوئی امتیاز نہیں کرتا، وہ دونوں کو ہر اعتبار سے ایک درجہ میں رکھتا ہے ۔	〃
سیدۂ احزاب کی شہادت ۔	۲۶۶
اگر اس بارے میں جنسی امتیاز کرنا ہی ہے تو پھر یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ سب سے بڑا کید مرد کا کید ہے، نہ کہ معصوم اور فرشتہ خصلت عورتوں کا ۔	〃
یہودیوں اور عیسائیوں کا عقیدہ کہ پہلا گناہ عورت سے ہوا، مگر قرآن کا انکار ۔	
امرأۃ العزیز کا نام اور مصر کے حکمران خاندان	
حضرت یوسف کی وفات	

پر قید و بند کی مصیبت کو ترجیح دینا، اور قید خانہ میں بھی اعلاء حق سے غافل نہ ہونا۔	۲۲۷
(۱۶) قید خانہ کے دو ساتھیوں کا خواب دیکھنا اور حضرت یوسف سے رجوع کرنا۔ حضرت یوسف کی تعبیر، قیدی کی رہائی پھر خود بادشاہ مصر کا ایک عجیب و غریب خواب دیکھنا۔ اور حضرت یوسف سے اس کا حل دریافت کرنا۔	۲۲۹
(۱۷) بادشاہ مصر کی طلبی۔ مگر حضرت یوسف کا قید خانہ چھوڑنے سے انکار کر دینا۔ اور اس پر مصر ہونا کہ پہلے ان کے نقیہ کی تحقیقات کر لی جائے۔ بادشاہ کی تحقیقات لائمات کی شہادت اور خود امرأۃ العزیز کا آشکارا اعلان!	
حضرت یوسف کا حرف کا لائمات کے معاملہ کی طرف اشارہ کرنا۔ اور امرأۃ العزیز کے معاملہ کی طرف اشارہ نہ کرنا۔	
امرأۃ العزیز کے عشق کی تکمیل۔	۲۳۲
(۱۸) حضرت یوسف کا بادشاہ سے ملنا، تمام مملکت کا مختار عام قرار پانا، قحط سالی کا ظہور، بھائیوں کی آمد اور بن یمین کا معاملہ۔	۲۳۴
تورات کی تصریحات۔	
مصری زندگی کے دو انقلاب انگیز دور اور قرآن کا اعجاز بلاغت۔	۲۳۵
مصر کی قحط سالی اور قوموں کی تصریحات۔	۲۳۶
بھائیوں کا مصر آنا۔ اور ان پر جاسوسی کا شبہ	۲۳۷
بھائیوں کا دوبارہ بن یمین کو ساتھ لے کر جانا، اور حضرت یعقوب کی نصیحت۔	″
(۹) حضرت یوسف کی خواہش کہ بن یمین کو روک لیں۔ لیکن اس کی کوئی راہ نہ پائی اور رخصت کر دینا۔ مگر حکمت الٰہی سے ایک غیر متوقع حادثہ کا پیش آجانا۔ اور بن یمین کا ان کے پاس رہ جانا۔	
حضرت یوسف نے جس طرح پہلی مرتبہ غلہ کی قیمت بھائیوں کی خرجیوں میں رکھوا دی تھی۔ اسی طرح اس مرتبہ اپنا جادو کا پیالہ بن یمین کی خرجی میں رکھوا دیا۔ کہ بطور نشانی کے ساتھ جائے۔ عمل کے کارندوں کو اس کی خبر نہ تھی۔ انہوں نے اسے چوری تصور کیا۔	۲۳۸
بھائیوں کی بدگوئی۔	″
(۲۰) حضرت یعقوب کا بن یمین کی گمگشتگی میں باز یافتگی کی امید محسوس کرنا۔ اور بیٹوں کو جستجو میں روانہ کرنا۔	۲۳۹
بالآخر پردۂ راز کا ہٹنا، اور کرشمۂ حقیقت کی نمود	۲۴۱
تورات کی تصریحات۔	
سرگذشت کی جزئیات اور قرآن کا دقت بیان۔	
بھائیوں سے مخاطبہ اور قرآن کی معجزانہ بلاغت۔	
ابتدا میں یوسف کا پیراہن ہی عزت کی علامت بنایا گیا تھا۔ اب وہی پیراہن مژدۂ حیات و وصال بن گیا	۲۴۲
(۲۱) حضرت یعقوب سے خاندان کا مصر پہنچنا، خواب کی تعبیر کا ظہور، اور سرگذشت کا خاتمہ۔	۲۴۴
"ان لاجد ریح یوسف!"	″
بیٹوں کا اعتراف ذنوب، اور حضرت یعقوب کا فرمانا کہ "سوف استغفر لکم ربی"۔	″
تورات کی تصریحات۔	
دربار کا انعقاد، حضرت یوسف کا ورود، اور بارہ ستاروں اور چاند سورج کا سجدہ میں گر جانا۔	۲۴۶
سجدۂ تعظیمی اور اس کی حقیقت۔	″
(۲۲) سعودت کا خاتمہ۔	
پیغمبر اسلام سے خطاب۔ اور دعوت حق کے مواعظ۔	۲۴۷
تغیر وما یوص اکثرھم باللہ وھم مشرکون"	۲۴۸
قرآن کی دعوت توحید۔	
اس اصل عظیم کی طرف اشارہ کہ دعوت وحی سرتاسر علم و یقین کی دعوت ہے اور منکروں کے پاس شک و ظن کے سوا کچھ نہیں۔ سوال نمبر ۲ کہ اتباع یقین و عرفان کا کرنا چاہیے۔ یا شک و ظن کا؟	″
قرآن کے چار وصف جو کبھی کذب و افترا کے اوصاف نہیں ہو سکتے۔	۲۴۹
(۲۳) سورۂ یوسف کے مواعظ و حکم اور ان پر ایک مجموعی نظر۔	
دو ہزار سال قبل مسیح مصری تمدن کا عروج۔	″
حضرت ابراہیم کا قبیلہ کنعان میں توطن اور عہد الٰہی۔	″
کنعانیوں کی بدنہاد زندگی اور مصریوں کا غرور تمدن	۲۵۰
قدرت الٰہی کی کرشمہ سازی۔	″
کنعانی غلام۔	
غلامی کا خاتمہ کی آسمانی ہو جانا۔	
استحیاء عصمت۔	۲۵۱

الٰہی ۔ ہے کہ جب تاریکی پھیلتی ہے تو روشنی طلوع ہو جاتی ہے
قرآن کا نزول اسی روشنی کا طلوع ہے ۔ ۲۸۳
(۳) ایسی ہی روشنی حضرت موسیٰ کے ظہور میں بھی چمکی تھی ۲۸۴
حضرت موسیٰ کی موعظت اور ایام اللہ کا تذکرہ "
ایام اللہ کے تذکرہ میں صبر اور شکر کی آیات "
(۴) صبر اور شکر کی حقیقت ۔ "
"شکر سے نعمت قائم رہتی اور بڑھتی ہے کفران سے زائل ہو جاتی ہے ۔
(۵) ایام و وقائع اور ان کے عمومی نتائج و سنن ۔ ۲۸۶
(۶) حضرت موسیٰ کی موعظت میں خصوصیت کے ساتھ
تین قوموں کا ذکر باقی کی طرف بطور اشارہ "
(۷) قرآن کے دلایل اور وقائع و اسباب انبیاء کے
اس قول میں کہ "انی اللہ شک فاطر السموٰت والارض"
سارے دلایل آگئے ۔ ۲۸۷
(۸) تفسیر وما لنا ان لا نتوکل علی اللہ وقد ھدانا
سبلنا اور ہدایت ربوبیت ۔ "
(۹) حضرت موسیٰ کی موعظت کا اختتام اور سلسلہ بیان
کا ایک نیا خطاب ۔
تخلیق بالحق سے استشہاد ۔ ۲۸۸
(۱۰) گمراہی کا سب سے بڑا سرچشمہ سرداروں اور پیشواؤں کی
اندھی تقلید و اطاعت ہے ۔ ۲۸۹
(۱۱) ایمان کی راہ سرتا سر سلامتی ہے اور کفر کی راہ اضطراب
و محرومی یہی وجہ ہے کہ جنت کے مرقع میں سب سے زیادہ نمایاں
منظر سلامتی کی فضا کا ہے ۔ "
(۱۲) کلمہ طیبہ اور کلمہ خبیثہ اور اس کی مثال ۔ "
ایمان کی خصوصیت قرار اور جماؤ ہے بس مومن وہ ہے
جس کی ساری باتیں جمنے والی اور نہ ٹلنے والی ہوں ۔ ۲۹۰
(۱۳) روئے سخن قریش کی طرف اشارہ کہ نعمت حق کی قدر
شناسی نہ کر سکے اور کلمہ طیبہ کی جگہ کلمہ خبیثہ کا شعار اختیار کیا ۲۹۱
(۱۴) برہان ربوبیت کا استدلال
ربوبیت الٰہی کا افادہ و فیضان اور زندگی وجود کی
تمام مطلوبات کی بخشش ۔
(۱۵) قریش اور باشندگان مکہ پر فضل الٰہی کا احسان خاص
اور حضرت ابراہیم کی دعا منقول ۔ ۲۹۲
(۱۶) قیامت کا حادثہ اور اجرام سماویہ کا تبدل ۲۹۴
(۱۷) سورت کا خاتمہ اور اختتامی موعظت کی تین
بصیرتیں ۔ "

الحجر (صفحہ ۲۹۵)

(۱) قرآن کا اپنے اس وصف پر خصوصیت کے ساتھ
زور دینا کہ وہ "مبین" ہے ۔ ۲۹۵
(۲) منکروں کو تنبیہ وہ وقت دور نہیں کہ حسرت
سے کہیں گے کاش ہم نے انکار نہ کیا ہوتا !
(۳) آسمان کے بروج اور بروج مستعمل قرآن کا منعم ۲۹۶
(۴) قرآن کا بجمال فطرت سے استشہاد اور مناظر
کائنات کی زینت و خوشنمائی ۔
کائنات میں حسن و زینت کی نمود رحمت کی موجودگی
کا یقین دلاتی ہے ۔ "
(۵) "شہاب مبین" اور اس کی حقیقت ۔ ۲۹۹
(۶) زمین گیند کی طرح گول ہے لیکن اس کا ہر حصہ
فرش کی طرح بچھا ہوا محسوس ہوتا ہے !
اس میں پہاڑ ہیں جن سے دریا نکلتے اور جیدا قسم
شاداب کرتے رہتے ہیں ۔ ۳۰۰
(۷) زمین میں جتنی چیزیں اگتی ہیں سب موزوں ہیں
موزونیت کا ایک وصف کہہ کر قرآن نے بے شمار حقیقتوں
کی طرف اشارہ کر دیا ہے ۔ "
ہر تنا ہر پھل ہر دانہ ہر پھل جو زمین میں پیدا ہوتا ہے
کسی ترازو میں تلا ہوا ۔ اور کسی اندازہ شناس کا مقررہ و متعین
ہوتا ہے ۔ ۳۰۱
(۸) تقدیر اشیاء اور نظام ربوبیت ۔
"تقدیر" سے قرآن کا استدلال ۔ ۳۰۲
بارش کی مثال "
موت و حیات اور جماعتوں کے تقدم و تاخر کی تقدیر" ۳۰۳
(۹) تقدیر امور سے حیات اخروی اور جزاء عمل پر استشہاد "
(۱۰) مٹی سے وجود حیوانی کی پیدائش جس کی آخری کڑی

الرَّعْدِ (صفحہ ۲۶۸)

(۱) تمام کی سورتوں کی طرح اس میں بھی دین حق کے بنیادی عقاید کا بیان ہے لیکن خصوصیت کے ساتھ مرکز موعظت "حق" اور "باطل" کی آویزش کا قانون ہے۔ ۲۶۸

(۲) قرآن "حق" ہے۔ انسانی فکر کی بناوٹ نہیں۔ 〃

براہین ربوبیت کا استدلال۔ ۲۶۹

تحقیق علم کے تین مراتب 〃

یہاں ہماری باتیں "تم میرا مذہ" کی شہادت دے رہے ہیں "بعد بھا کا مرجع" میں استدلال کا پہلو۔ ۲۷۰

(۳) کرہ ارضی کی بناوٹ اور حکمت ربوبیت کی کارفرمائیاں 〃

زمین کی سطح، پہاڑوں کی چوٹیاں، نہروں کی روانی، روئیدگی کا کارخانہ، نباتات کے لوازم اور خواص و اشیاء کا اختلاف و تنوع ۲۷۱

(۴) عجیب بات یہ نہیں ہے کہ مرنے کے بعد بھی زندگی ہو کیونکہ اس پر تو کارخانہ ہستی کی ہر بات گواہی دے رہی ہے عجیب تر بات یہ ہے کہ انسان عقل صرف دنیوی زندگی ہی کو زندگی سمجھ لے۔ اس سے زیادہ کے لئے اس کے اندر کوئی کھٹک نہ ہو۔ ۲۷۲

(۵) "استعجال بالسیئہ"۔ اور اس کی تشریح۔ ۲۷۳

(۶) انسان کی یہ عاقبت گمراہی کہ سچائی کو سچائی میں نہیں ڈھونڈھتا اور سمجھتا ہے سب سے زیادہ سچا آدمی وہ ہے جو سب سے زیادہ عجیب ہو! قرآن کا اس پر انکار۔ 〃

(۷) ہدایت و ضلالت کی تقدیر اور اس کا قانون۔ ۲۷۴

عمل ایک کے بعد ایک آنے والی قوت ہے جو انسان کو ہلاکت سے محفوظ رکھتی ہے۔

خدا کا یہ قانون کہ وہ کسی قوم کی حالت نہیں بدلتا جب تک کہ وہ خود اپنی حالت نہ بدل ڈالے یعنی حالت خدا ہی کے بھیجے ہوئے قانون کے ماتحت بدلتی ہے لیکن قانون یہ ہے کہ ہر طرح کی تبدیلی خود انسان ہی کے عمل سے ظہور میں آئے۔ اب مختار ہے چاہے نعمت کی راہ اختیار کرے، چاہے محرومی کی۔

(۸) لیکن انسان کو جو برائی پہنچتی ہے تو کیا اس لئے کہ خدا نے برائیوں کا سروسامان کیا؟ نہیں! اس نے جو کچھ کیا ہے سراسر اچھائی اور خوبی ہی ہے۔ ۲۷۵

رعد و برق کی مثال ۲۷۶

(۹) توحید ربوبیت سے "توحید الوہیت" پر استدلال ۲۷۷

(۱۰) "حق" اور "باطل" کی کشمکش اور "بقاء انفع" یا قضاء بالحق کا قانون۔ 〃

یہاں وہی چیز ٹک سکتی ہے جس میں نفع ہو جو نافع نہیں چھانٹ دی جاتی ہے۔ ۲۷۸

اسی بنا پر عمل صالح کے لئے خوبی ہوئی اور فاسد کے لئے محرومی۔ ۲۷۹

(۱۱) جسے حق کا عرفان ہوا، وہ روشنی میں ہے، اور دیکھ رہا ہے۔ جو شک ہے وہ تاریکی میں ہے سامنے دیکھتا نہیں پھر کیا دونوں کا حکم ایک ہوا؟ کیا علم اور جہل میں کوئی فرق نہیں۔ 〃

(۱۲) اس قانون کے ماتحت نافع ہستیاں وہ ہوئیں جنہوں نے عمل صالح کی راہ اختیار کی عمل صالح کی تفصیل اور اصحاب عمل کے سات خصائص۔ 〃

(۱۳) اللہ کی کتاب ہدایت کے لئے نازل ہوتی ہے، چمتکاروں کی نمائش کے لئے نہیں اگر ایسا ہوا ہوتا تو اب بھی ہوتا اور مردہ جسموں کو نہیں جلاتی۔ البتہ مردہ روحوں کو زندہ کر دیتی ہے! ۲۸۰

(۱۴) ہر وقت کے لئے ایک نوشتہ ہے یعنی مقررہ میعاد ۲۸۱

(۱۵) سورت کا خاتمہ اور مواعظ کا خلاصہ

پیغمبر کے ذمہ صرف تبلیغ ہے۔ محاسبہ اللہ کا کام ہے اور اس کا قانون غافل نہیں۔ 〃

جن نتائج کے ظہور کی خبر دی گئی ہے ان کا ظہور اٹل ہے۔ باقی رہی یہ بات کہ وہ پیغمبر اسلام کی زندگی ہی میں ظاہر ہو جائینگے یا ان کے بعد تو اس کے لئے سنکر نہیں سمجھنا چاہیئے ظہور نتائج کا معاملہ اس پر موقوف نہیں۔ 〃

پیغمبر اسلام کا اعلان ہے کہ وہ اللہ کے فرستادہ ہیں شکاں کا اعلان ہے کہ فرستادہ نہیں اب فیصلہ اللہ کے ہاتھ ہے قضاء بالحق کا قانون بتلائے گا کون اپنے اعلان میں سچا تھا ۲۸۲

اِبْرَاهِیْم (صفحہ ۲۸۳)

(۱) سورت کا مرکز موعظت اور خطاب کی نوعیت۔ ۲۸۳

(۲) ہدایت روشنی ہے اور ضلالت تاریکی سنتہ

عورتوں کی تحقیر بیٹی کی پیدائش پر ناگواری اور بیٹی کے باپ ہونے پر احساس شرم و ذلت عرب کے عام عقائد و تصورات تھے وحشت کشی کی وحشیانہ رسم اسی سے پیدا ہوئی۔ قرآن نے نہ صرف یہ رسم مٹادی بلکہ وہ ذہنیت بھی مٹادی جو عورتوں کی جنسی مساوات کے خلاف کام کر رہی تھی۔ ۳۲۱

(۵) صفاتِ الٰہی کے باب میں نکتہ انسانی کی گم گشتگیاں ۳۲۳

(۱۶) "قانونِ احمال"۔ "

(۱۷) عقل انسانی ماورا محسوسات حقایق دریافت نہیں کر سکتی اس لئے قدرتی طور پر طرح طرح کے اختلافات میں مبتلا ہو جاتی ہے قرآن کہتا ہے وحی الٰہی کا طور اسی لئے ہوتا ہے کہ ان اختلافات میں حکم ہو اور حقیقت کی راہ آشکارا کر دے۔ "

(۱۸) نزول وحی کی مثال ایسی ہے جیسے خشک زمین پر بارانِ رحمت کا نزول۔ ۳۲۴

(۱۹) برہانِ ربوبیت کا استدلال "

انسان کی غذا کے لئے سب سے زیادہ خوشگوار اور قدرتی چیزیں تین ہیں: دودھ پھلوں کا عرق، شہد۔ ان کی پیدائش کا عجیب و غریب سامان، اور نظامِ ربوبیت کی کرشمہ سازیاں۔ ۳۲۵

(۲۰) افرادِ انسانی کی معیشت کا مسئلہ اور قرآن کے احکام و تعلیم کا رُخ۔ ۳۲۸

قرآن اس سے تعرض نہیں کرتا کہ مقدارِ رزق کے لحاظ سے تمام افراد کی حالت یکساں نہ ہو لیکن یہ صورت حال برداشت نہیں کر سکتا کہ حصولِ رزق کے اعتبار سے یکساں نہ سمجھے جائیں۔

حقوقِ محنت اور حقوقِ اخوت۔

قرآن کے نزدیک نوعِ انسانی کے تمام افراد اصلاً ایک ہی خاندان کے مختلف ارکان ہیں اور ہر رکن دوسرے رکن سے رشتۂ انسانیت میں وابستہ حقوق ہے۔ ۳۳۰

"کتابِ مال" اور "انفاقِ مال" قرآن کہتا ہے مال کا ہر اکتساب انفاق کی ذمہ داری سے بندھا ہوا ہے جو تمہی تم نے کمایا، تمہارا فرض ہو گیا کہ خرچ کر دو۔ ۳۳۱

قرآن کسی کمائی کو جائز اور پاک تسلیم نہیں کرتا اگر انفاق سے گریز کرتی ہو۔ "

انفاق سے انکار جحودِ نعمت ہے۔ "

(۲۱) ازدواجی زندگی اور اس کی رکاوٹیں اور برکتیں۔ ۳۳۲

(۲۲) مسئلہ صفات اور تعبیر "لا فضر بوا للہ الامثال"

قرآن نے تنزیہ پر زیادہ سے زیادہ زور دیا ہے ہم صفات کا بھی اثبات کرتا ہے کیونکہ طبیعتِ انسانی کا قدرتی مطالبہ یہی ہے۔ ۳۳۳

انسان کو علو و ارتفاع کے لئے ایک بلند ترین نصب العین کی ضرورت ہے۔ وہ اپنے سے نیچے نہیں دیکھ سکتا۔ اپنے سے اوپر ہی دیکھے گا پس جب اوپر دیکھتا ہے تو اسے ذات الوہیت کی ہستی نظر آ جاتی ہے! "

اس راہ کی ٹھوکر اثباتِ صفات میں نہیں ہوئی اس میں ہوئی کہ صفات کیسی ہونی چاہئیں؟ ۳۳۴

قرآن کا تصور اسی لئے اس معاملہ کی تکمیل ہوا کہ اس نے ایک طرف تنزیہ کامل کر دی۔ دوسری طرف صفاتِ حسنیٰ کا بھی کامل ترین نقشہ کھینچ دیا۔ ۳۳۵

دیانت اور بدعت۔ حکماء کا مذہب نفی و اطلاق اور متکلمین کا اثبات و حمل۔ "

اسلام کی تعلیم مذہبی جماعتوں میں سے جس جماعت نے قرآن کا مسلک صحت کے ساتھ سمجھا، وہ اصحاب حدیث کی جماعت ہے ۳۳۶

(۲۳) سورہ نحل کی دو شانیں اور ان کے مواعظ و حکم۔

(۲۴) حواس اور عقل کی ہدایت اور ربوبیتِ الٰہی کی معنوی بخشائشیں۔ ۳۳۷

افادۂ فیضانِ فطرت۔ "

(۲۴) قرآن کا ہدایت، رحمت اور بشارت ہونا اور تعبیر "ان اللہ یامر بالعدل والاحسان" کہ جوامع احکام میں سے ہے۔ "

(۲۵) ایفائے عہد اور قرآن کا اخلاقی معیار۔ ۳۳۸

انفرادی عہد اور جماعتی عہد۔

جو افراد عہد شکنی کا عار برداشت نہیں کر سکتے وہی یہ حیثیت قوم اور حکومت کے ہر طرح کی جماعتی عہد شکنیوں میں بے باک ہو جاتے ہیں

یورپ کا اخلاقی معیار، اور ہندوستان کے برطانی عہد کے عہود و مواثیق۔ ۳۳۹

قرآن پارسائی و دیانت کی جو روح پیدا کرنی چاہتا ہے وہ ایک لمحہ کے لئے بھی بصورت حال گوارا نہیں کر سکتی وہ کہتا ہے، اس سے بڑھ کر ظلم و معصیت کی کوئی

انسان ہے۔	
مٹی کی یہ مخلوق تمام ملائکہ کی مسجود ہوگئی مگر ابلیس ایک قوت نہیں تھکی: یہ ابلیس ہے: یا انسان کو اپنے آگے جھکانا چاہتا ہے۔ خود جھکنا نہیں چاہتا۔ کامیاب انسان وہ ہے جو اس سے مغلوب ہونے کی جگہ اس پر غالب آئے۔	۳۰۴
(۱۱) کائنات ہستی میں اصل عمل رحمت و بخشش ہے	〃
گذشتہ قوموں کے ایام و وقائع اور قانون نتائج عمل	〃
یہاں صرف تین قوموں کا خصوصیت کے ساتھ ذکر کیا۔ جن کی آبادیاں عرب سے متصل واقع تھیں اور اہل عرب وہاں سے گزرتے رہتے تھے۔	〃
(۱۲) "الساعۃ" کہیں تو قیامت کے دن کے لئے کہا گیا ہے کہیں ایک خاص فیصلہ کن اور مقررہ دن کے لئے یہ بھی	〃

"الصاعقۃ" کا استعمال دوسرے معنی میں ہوا، نہ کہ پہلے معنی میں	۳۰۵
(۱۴) صفح جمیل" کا حکم اور اس کی حقیقت۔	
(۱۳) نعمت کا خاتمہ اور ابتائی نعمت کے معنوں سے خطاب: تم بے سروسامان ہو لیکن تمہارے پاس ایک چیز ہے جو مجھ الفوں کو میسر نہیں یعنی کلام الٰہی یہی ایک چیز ہے، جس کے ذریعہ میں ساری کامرانیاں حاصل ہو جائیں گی۔	〃
سورۃ فاتحہ کو "سبعاً من المثانی" سے تعبیر کیا	۳۰۶
(۱۴) اس آیت سے واضح ہو گیا کہ سورۃ فاتحہ کی تلاوت آہستہ میں۔	〃
سورۃ فاتحہ کی قرأت کا صحیح طریقہ بروایات صحیحہ سے ثابت ہے۔	۳۰۷

النحل (صفحہ ۲۰۸)

(۱) "امر اللہ" سے مقصود دعوت حق اور اس کے معاندین کے درمیان فیصلہ ہے۔ فرمایا: ابھی اس فیصلہ کا وقت تو وہ نہیں چنانچہ اس کے بعد ہی ہجرت کا واقعہ پیش آیا اور دعوت حق کی کامرانیاں شروع ہوگئیں۔	۳۰۸
(۲) وحی کو "الروح" سے تعبیر کیا۔ جبریل امین وحی کی بھی یہی اصطلاح ہے۔	〃
(۳) توحید کی حقیقت اور اس کے دلائل۔	
تخلیق بالحق" سے استدلال	۳۰۹
(۴) انسان کی پیدائش کا معاملہ قدرت الٰہی کی سب سے بڑی کرشمہ سازی ہے۔	
تفسیر "فاذا هو خصيم مبين"	〃
(۵) خود انسان کی ہستی اور اس کے داخلی شواہد و آیات جو بوضاحت الٰہی جہم کے لئے سب کچھ کر رہی ہے کیا ضروری نہیں کہ روح کے لئے بھی سب کچھ کرے؟	۳۱۰
(۶) یہاں کی ہر چیز گواہی دے رہی ہے کہ اس کائنات ہستی کا ساتھ کوئی شریک نہیں۔	
ربوبیت و رحمت کی عالمگیر نخشیش اور کارفرمائی ہستی کے ذرہ ذرہ کا اعلان کہ "ان اللہ لغفور رحیم"!	۳۱۱
(۷) قرآن کی اس تعبیر کی شرح کہ وہ ہر جگہ برائی اور معصیت کو اسراف علی النفس" قرار دیتا ہے۔ 203	

(۹) ہو گروہ و مشتبہ حالات اور تضاد نتائج: مسرف علی النفس اور منتقی۔	۳۱۳
(۹) مشرکوں کا یہ قول کہ اگر شرک برا تھی ہے تو کیوں خدا ہمیں برائی کرنے دیتا ہے، اور قرآن کا جواب۔ یہاں سے معلوم ہو گیا کہ جبر و اختیار کے بارے میں قرآن کا اعلان کیا ہے؟	۳۱۵
(۱۰) حیات اخروی سے مشرکین عرب کی بیخبری اور اس پر استعجاب۔	
قرآنی کا طریق اثبات	۳۱۶
(۱۱) تفسیر "انما قولنا لشئ اذا اردناه ان نقول له کن فیکون"۔	۳۱۷
(۱۲) ہجرت حبش اور تائید الٰہی کی چارہ سازیاں جو قوم عرب پر حملہ آور ہوئی تھی، وہی اب مربار عرب کے لئے مہمان نواز ہو گئی!	۳۱۹
(۱۳) اجسام کا سایہ اور قرآن حکیم کا اسے ایک آیت قرار دینا۔ نظام شمسی کے تمام کرشموں کو ہم اپنے دروازہ کے سایہ میں دیکھ سکتے ہیں!	
(۱۴) روحانی قوتوں کے لئے جسمانی اعضاء کا تصور (مجازوں) کے ساتھ چیزوں کا تخیل اور ملائکہ کو دختران الوہیت سمجھنے کا عقیدہ۔	۳۲۱

ایاں بھی پیدا ہوتی ہیں افراط و تفریط سے ہوتی ہیں۔	۳۵۵
(۱۳) قتل نفس سب سے بڑی معصیت ہے اور اس کا	
سب سے زیادہ خطرناک موقوفہ ہے جب قصاص و انتقام کا جوش	
ابھر آئے پس فرمایا "لا یسرف فی القتل"	۳۵۶
(۱۴) حواس و عقل اور اس کی جواب دہی۔	″
(۱۵) کائنات ہستی اور اس کی ہر چیز کی تسبیح و تحمید اور	
اس تسبیح کی حقیقت۔	″
کارخانہ ہستی کی ہر چیز اپنی بناوٹ اور وجود میں	
عجم تسبیح و تحمید ہے!	″
(۱۶) انکار و جحود کی ذہنی حالت اور عقل و حواس کا تعطل	۳۵۸
خدا کا قانون ہے کہ جو آنکھیں بند کر لیگا، اس کی	
لگاوٹ پردہ پڑ جائے گا پس آنکھ بند رکھنے والے پر بصارت کی راہ	
بند ہو جاتی ہے۔ مگر اس لئے بند ہو جاتی ہے کہ خود اسی نے	
اپنے لئے کوری پسند کی۔ منکر کہتے تھے، ہم تمہاری بات سننے	
والے نہیں ہمارے تمہارے درمیان ایک دیوار حائل ہو گئی ہے	
پس قرآن کہتا ہے ان کے کانوں میں گرانی ہو گئی۔ وہ کبھی	
سن نہیں سکتے۔	″
یہ دیوار جو کھڑی ہو جاتی ہے آنکھوں سے دکھائی نہیں	
دیتی "حجاباً مستوراً" ہے!	
(۱۷) نشۂ اولیٰ سے نشۂ ثانیہ پر استشہاد۔	۳۵۹
(۱۸) مسلمانوں کو حکم کہ مخالفوں کے ساتھ پسندیدہ طریقہ	
پر گفتگو کرو اور ایسی بات نہ کہو جس سے دلوں میں نفرت و تنقص	
پیدا ہو۔	″
آیت کا شانِ نزول اور اس کی مخالفت کہ کسی کو جہنمی کہا جائے	″
قرآن کی یہ اصل عظیم کہ فکر میں مداراۃ ہونی چاہئے اور	
حکم میں احتیاط۔	
جب خود پیغمبر کی نسبت فرمایا کہ "ما ارسلناک	
علیہم وکیلا" تو پھر کسی انسان کے لئے کب جائز ہو سکتا	
ہے کہ اپنے کو جنت و دوزخ کا ٹھیکہ دار سمجھ لے۔	۳۶۰
(۱۹) یہ ضروری ہے کہ دنیا میں ہر ہستی اور جماعت پاداشِ	
عمل سے دوچار ہو۔ البتہ افراد کی انفرادی زندگی اور اس	
کی جزا کا معاملہ آخرت سے تعلق رکھتا ہے۔	۳۶۱
(۲۰) پیغمبروں کی نشانیاں اور ان کی غرض و غایت۔	″
منکرین عرب کی فرمائشیں اور قرآن کا جواب۔	″
واقعہ اسریٰ میں لوگوں کے لئے آزمائش	۳۶۲
(۲۱) سرکشی کی راہ ابلیس کی راہ ہے۔	۳۶۳
(۲۲) پیغمبر اسلام سے خطاب اور اس حقیقت کی طرف اشارہ	″
کہ وقت کی تاریکیاں بڑی ہی شدید ہیں۔ پیغمبر وحی الٰہی کی روشنی	
کے ایک قدم بھی استقامت کے ساتھ نہیں اٹھا یا جا سکتا تھا	″
(۲۳) نماز کے اوقات۔	″
قیام لیل ایک مزید درجہ عبادت ہے اگر بن پڑے	۳۶۴
(۲۴) تفسیر عسیٰ ان یبعثک ربک مقاماً محموداً	
اور عالمگیر محمودیت و ستایش کا ارفع و اعلیٰ مقام۔	″
مدار رنج حسن و کمال کی وہ بلندی جس سے بلند تر مقام	
انسان کے لئے کوئی نہیں۔	
سکندر نے ساری دنیا فتح کر لی مگر دلوں کی عقیدت	
اور زبانوں کی ستایش فتح نہ کر سکا۔ کیونکہ یہ مقام تلوار کے زور	
سے نہیں حسن کمال کی عظمت سے حاصل کیا جا سکتا ہے!	۳۶۴
(۲۵) سورت کی بعض مہمات کی مزید تشریحات۔	۳۶۸
(ا) واقعہ اسریٰ اور صحابہ و سلف کا اختلاف۔	″
انبیاء کرام کے احوال و ولادات اور انسانی تبیرات کی	
درماندگی۔	
(ب) "الرویا" متذکرہ سورت اور ابن عباس کی تفسیر	۳۶۹
(ج) تفسیر واذا انعمنا علی الانسان اعرض۔	″
نا بجا بنہ "نعمت اور بایوسی" دونوں میں مذمت ہے۔	
دنیوی زندگی میں بھی اور اخروی زندگی میں بھی۔	۳۷۰
(د) تفسیر کل یعمل علی شاکلتہ" اور مفسرین و مترجمین	″
کی ایک عام غلطی۔	
(ہ) تفسیر قل الروح من امر ربی۔	″
عہد عتیق و جدید اور قرآن میں "الروح" کا اطلاق۔	
(و) اعتراضوں کی فرمائش اور قرآن کا جواب۔	۳۷۱
اس باب میں دو عالمگیر گمراہیاں: ماورائے انسانیت	
شخصیت کی طلب اور سچائی کو سچائی کی جگہ اعتبار میں	″
ڈھونڈھنا۔	
قرآن نے جواب میں ایک جملہ کہہ کر دفتر کے دفتر بیان کر دیئے	″
قل سبحان ربی ھل کنت الا بشراً رسولاً"؟	″
دعویٰ اور دلیل کی مطابقت۔	
طبابت کے مدعی سے فعل سازی کا مطالبہ نہیں کر سکتے اور	
لوہار سے یہ نہیں کہہ سکتے کہ بیمار کو تندرست کر کے دکھاؤ۔	
قرآن کہتا ہے پیغمبر روح و دل کا طبیب ہے۔ اگر طالب حق	

بات نہیں کہ ایک جماعت کو پہلے طاقتور دیکھ کر جہد و میثاق کر لو۔ پھر کمزور پاکر اس کی کمزوری سے ناجائز فائدہ اٹھاؤ۔ جب ایک گروہ سے قول و قرار کر لیا، تو اب ہر حال میں اسے پورا کرنا ضروری ہے۔ اگرچہ ایسا کرنے میں خود اپنے مخالفوں، اور خود اپنوں کا نقصان ہو۔	۳۴۰
تمہاری بدعہدی لوگوں کے لئے ٹھوکر بن جائیگی۔ کیونکہ وہ کہینگے، ایسے لوگوں کا دین کیا جو اپنی بات کے پکے نہیں	″
(۲۶) کسی انسان کو حق نہیں کہ اپنی رائے سے کسی چیز کو حرام ٹھہرائے۔ اس کا حق صرف وحی کو ہے۔ جو لوگ ایسا کرتے ہیں۔ وہ اپنی زبانوں کو کذب بیانی میں بے لگام چھوڑ دیتے ہیں۔	۳۴۰
(۲۷) یہودیوں کو جس چیز سے روکا گیا تھا ان میں سے بعض کی نوعیت عارضی اور وقتی تھی پھر اس سے وہ احتجاج نہیں کر سکتے۔	″
مشرکین عرب کا اپنے اوہام و خرافات کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف منسوب کرنا اور ان کی برأت۔	۳۴۲
(۲۸) دعوت الی الحق کا طریقہ۔ حکمت۔ موعظۂ حسنہ۔ جدال بالتی ہی احسن۔	۳۴۳
اصل طریقہ حکمت اور موعظت ہے، اور جدال کی جائے صرف اس حالت میں ہے کہ احسن طریقہ پر ہو۔	″
سچائی کی راہ جدال کی راہ نہیں ہے۔	″
مذہبی مناظرے کبھی طلب حق کا وسیلہ نہیں ہو سکتے، اور "داعی" کبھی "مجادل" نہیں ہو سکتا۔	۳۴۴
(۲۹) سورت کا خاتمہ اور پیغمبر اسلام اور ان کے ساتھیوں کو مخاطب کرتے ہوئے چار باتوں کا حکم۔	۳۴۵

بنی اسرائیل (صفحہ ۳۴۶)

(۱) واقعہ اسریٰ اور اس کا مقصد۔	۳۴۶
(۲) بنی اسرائیل کو دو بڑی بربادیوں کی خبر دی گئی تھی جو ان کے قومی طغیان و فساد کا لازمی نتیجہ تھیں چنانچہ یہ دونوں اور رومیوں کے ہاتھوں ظہور میں آئیں۔	″
(۳) یہودیوں سے خطاب اور ان کے ایام و وقائع کی عبرتیں۔	۳۴۷
پہلی بربادی کے بعد دوبارہ امن و اقبال کا سر و سامان مگر یہودیوں کی ناسپاسی اور سرکشی نتیجہ یہ نکلا کہ پھر بربادی آئی اور اس طرح آئی کہ پھر سنبھل نہ سکے۔	″
(۴) ہدایت عمل کا قانون اور قرآن کی معجزانہ بلاغت کہ دو لفظوں کے اندر وہ سب کچھ کہہ دیا جو اس باب میں کہا جا سکتا ہے۔ "وان عدتم عدنا"۔	۳۴۸
فرمایا۔ دعوت حق کے طلوع نے تمہیں ایک نئی مہلت اصلاح دیدی ہے۔ اگر انکار و سرکشی سے باز آجاؤ۔ تو سعادت و اقبال کا دروازہ پھر کھل جائے۔	″
(۵) قرآن نے اپنا سب سے بڑا دعوی پیش کیا۔ کہ ہدایت ہی اقوم و راہ دکھانے والا جو سب سے زیادہ سیدھی راہ ہے۔	۳۵۰
(۶) انسان کی یہ کمزوری کہ عاجلانہ خواہشوں کا بندہ ہے اور جلد بازی میں اگر خیر کی جگہ شر کا طالب ہو جاتا ہے	″
(۷) ربوبیت الٰہی کی کارفرمائیاں اور انسان کی ہدایت کا قدرتی سر و سامان۔	۳۵۱
(۸) انسان کا دامن اس کے اعمال کے نتائج سے بندھا ہوا ہے۔ دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔	۳۵۲
(۹) جہاں تک دنیوی زندگی کا تعلق ہے ربوبیت الٰہی نے سب کے آگے نتائج و فوائد کا دروازہ کھول رکھا ہے ان کے آگے بھی۔ جو صرف دنیوی زندگی کے ہو رہے اور ان کے آگے بھی جو دنیا و آخرت دونوں کے طلبگار رہے۔ لیکن جہاں تک آخرت کا تعلق ہے پہلے کے لئے محرومیاں ہونگی دوسرے کیلئے سعادت۔	″
سعادت کی شرط سعی ہے مگر ایسی سعی جو اپنی صحیح سعی ہو سکتی ہے	۳۵۳
(۱۰) سعی عمل کی تفصیل۔	″
توحید فی العبادت۔	″
حقوق والدین اور ان کی تقدیم۔	″
(۱۱) قرابت داروں کے حقوق اور محتاجوں کی خبر گیری۔	۳۵۵
مبذرین کے لئے سخت وعید کیونکہ مال کا بے محل خرچ کرنا کفران نعمت ہے۔	″
تبذیر کی دو صورتیں۔ اور دونوں کی ممانعت	″
(۱۲) سعادت کی راہ توسط و اعتدال کی راہ ہے اور حتی	

(۹) حضرت موسیٰ کی ایک شخص سے ملاقات جسے اللہ نے اپنے فضل خاص سے علم بوطن عطا فرمایا تھا یعنی بعض امور کے بوطن اسرار اس پر کھول دئے تھے۔ ۳۸۷

(۱۰) حضرت موسیٰ کا بار بار ارادہ کہ پوچھ گچھ نہ کریں جس کا اپنے ساتھی سے عہد کر چکے ہیں مگر پھر وقت پر بے اختیار اعتراض کر بیٹھنا۔ اس سے معلوم ہوا عقل انسانی بجائے خود ظواہر پر حکم لگا ۳۸۸

(۱۱) حضرت موسیٰ کے ساتھی نے تین کام کئے تینوں کا ظاہر برا تھا۔ مگر باطن میں بہتری تھی اس سے معلوم ہوا کہ اگر یہاں ظواہر کا پردہ اٹھ جائے تو کتنے ہی احکام بدل جائیں کتنی ہی باتیں الٹی دیکھی پڑیں مگر حکمت الٰہی یہی ہوئی کہ پردہ نہ اٹھے ۳۸۸

(۱۲) ذوالقرنین کی نسبت سوال اور قرآن کا بیان ۳۸۹

ذوالقرنین کی تین مہمیں: مغربی مشرقی اور یاجوج ماجوج والے پہاڑ کی طرف۔ "

(۱۳) سد کی تعمیر اور ذوالقرنین کا اعلان۔ ۳۹۲

"صور" یعنی نرسنگھا پھونکنے کا فقرہ۔ "

(۱۴) سلسلۂ خطاب پھر منکرین دعوت کی طرف متوجہ ہو گیا ہے اور جس موعظت سے سورت کی ابتدا ہوئی تھی اسی پر سورت ختم ہو رہی ہے۔ "

خسران عمل اور ضلالت سعی۔

بندگان دنیا سمجھتے ہیں ہم نے اپنی کوششوں سے بڑے بڑے کارخانے بنا لئے، حالانکہ نہیں جانتے ان کی ساری کوشش کھوئی جا رہی ہیں اور ان کا کوئی عمل بھی بارآور ہونے والا نہیں۔ "

(۱۵) اصحاب کہف کا واقعہ اور محل و نوعیت کی تحقیق۔ ۳۹۳

رومیوں کو پیٹرا جو عربوں میں قطرا کے نام سے مشہور ہوا "

پیٹرا کے آثار اور بعد از جنگ انکشافات۔ "

اصل واقعہ اور اسکی موعظت متذکرۂ قرآن ۳۹۴

تفسیر ای العزیزین احصیٰ۔ "

غار کی نوعیت۔ ۳۹۵

انقلاب حال۔ "

"ضرب علی الاذان" کی تفسیر "

عام میں جو قصہ مشہور ہو گیا تھا وہ یہی تھا کہ اصحاب کہف برسوں تک سوتے رہے لیکن قرآن کی تصریح کے اس معاملے میں ظاہر و قطعی نہیں اس لئے احتیاط اولیٰ ہے "

"تحسبھم ایقاظا وھم رقود" کی تفسیر ۳۹۵

عام تفسیر کا اشکال اور مفسروں کی حیرانیاں ۳۹۶

انکشاف حقیقت۔ "

"رقود" سے مقصود موت اور "ایقاظ" سے زندگی ہے نہ کہ خواب و بیداری۔ "

معاملہ کا سارا حل اس واقعہ میں پوشیدہ ہے کہ اصحاب کہف مسیحی تھے اور یہ مسیحی زہد و انزوا کے ابتدائی عہد کا ایک واقعہ ہے۔ "

مسیحی عبادت کے استغراق عبادت کا یہ طریقہ کہ جو حالت دوام اختیار کر لیتے، اسی میں قائم رہتے۔ یہاں تک کہ اسی حالت میں زندگی ختم ہو جاتی۔ "

ازمنۂ وسطیٰ کے زوایا۔ ۳۹۷

مورخین کی شہادت کہ مسیحی رہبانیت کی ابتدا فلسطین اور مصر سے ہوئی۔ "

یہ صورت حال سامنے رکھ کر معاملہ پر نظر ڈالو۔ آپ ایک کنجی سے سارے قفل کھل جائینگے۔ ۳۹۸

تقلبھم ذات الیمین وذات الشمال" کا مطلب "

"ذلک من آیات اللہ" کا اشارہ۔ "

"ولبثوا فی کھفھم ثلاث مائۃ سنین" اور حضرت ابن عباس اور ابن مسعود کی تفسیر۔ "

اصحاب کہف مر چکے اور ان کے احسام فنا ہو چکے۔ "

(۱۶) صاحب موسیٰ علیہ السلام کا نام۔ ۳۹۹

(۱۷) ذوالقرنین۔ "

قرآن کی تصریحات کا خلاصہ۔ "

ذوالقرنین کا لقب اور شخصیت اور مفسروں کی حیرانی۔ ۴۰۰

دانیال نبی کا خواب۔ "

دو سینگوں والی شہنشاہی جو یہودیوں کو بابل کی اسیری سے نجات دلائے گی۔ "

مادہ اور پارس "

سائرس کے مجسمہ کا انکشاف جس کے سر پر دو سینگ ہیں اور ظن و تخمین کی جگہ تاریخی حقیقت کی نمود۔ ۴۰۱

تاریخ فارس کے تین عہد اور سائرس کے حالات کے تاریخی مصادر۔ "

فارس اور میڈیا۔ ۴۰۲

سائرس کا خطبہ "

ہوتو وہ کیجو لو۔ اس کے علاج سے مریضوں کو شفا ملتی ہے یا نہیں۔ تم اس سے یہ مطلب نہیں کر سکتے کہ آسمان پر اڑ کر چلا جائے۔ اس کا دعویٰ طبابت کا ہے آسمان پر اڑنے کا نہیں ہے۔	۳۷۲	رحمت کی موجودگی کا تقاضہ ہے کہ انسانی زندگی صرف اتنی ہی نہ ہو جتنی دنیا میں ظاہر ہوتی ہے۔ اس کے بعد بھی رحمت کا فیضان جاری رہنا چاہیئے۔	۳۷۴
اس طرح کے مطالبے وہی کرتے ہیں جن میں طلب حق نہیں اور جو ہٹ دھرمی اور سرکشی پر تُل جاتے ہیں۔	″	(۳) تفسیر "قل ادعوا اللہ او ادعوا الرحمٰن" کہ شانِ اسماء اور وحدتِ مسمّٰی۔	″
(۴) برہانِ رحمت اور حیاتِ اخروی۔	۳۷۳	دنیا کی اکثر نعمتیں تناسخ تاک و انگور سے زیادہ نہیں	″

اَلْکَہف (صفحہ ۳۷۵)

(۱) سچائی کا سب سے بڑا وصف یہ ہے کہ وہ زیادہ سے زیادہ سیدھی بات ہے۔ اس میں کجی اور الجھاؤ نہیں۔		خدا پرست تھا۔ دوسرا بڑا سامان مگر منکر و غافل۔	۳۸۱
تنزیل وحی کا مقصد "بشیر" اور "نذیر" ہے	۳۷۵	(۶) پھر جو کچھ بھی ہو۔ دنیا کی یہ خوشحالیاں ہیں کیا؟ چار گھڑی کی دھوپ اس سے زیادہ انہیں قرار نہیں۔	۳۸۲
(۲) پیغمبر اسلام کا جوش دعوت، ہدایتِ قوم کا عشق، اور حق طلبوں کا اعراض۔	۳۷۶	دنیوی زندگی کی مثال ایسی ہے جیسے زمین کی روئیدگی	″
زیادہ جو گمراہی میں ڈوب چکے وہ اچھلنے والے نہیں پس ان کی فکر چھوڑ دو۔	″	قرآن کی یہ مثال اور اس کی چار موعظتیں:	۳۸۳
(۳) اصحاب کہف کی سرگذشت اور اس کی موعظت۔ سرگذشت کی بعض تفصیلات۔	۳۷۷	(ا) زندگی کی دلفریبیاں اسی طرح کھوتی ہیں جس طرح ایک سرسبز کھیت لہلہا رہا ہو۔	
(ا) گمراہ اور ظالم قوم سے چند نوجوانوں کی کناره کشی اور غار میں اعتکاف۔	″	(ب) مگر چند دنوں کے بعد نام و نشان باقی نہیں رہتا کیونکہ موسم پلٹ جاتا ہے	
(ب) کچھ عرصہ کے بعد غار سے نکلنا اور قوم کو دوسرے حال میں پانا۔ کیونکہ اس عرصہ کے اندر انقلاب ہو چکا تھا اور ظالموں کی جگہ اہل حق برسر اقتدار تھے۔	۳۷۸	(ج) زمین ایک ہے مگر پھل یکساں نہیں اسی طرح زندگی بھی ایک ہے مگر عمل یکساں نہیں۔	
(ج) ان کی غار پر تجلی کی تعبیر۔	″	(د) عذاب و ثواب کا مسئلہ بھی حل ہو گیا۔ جو انسانی زندگی عمل کا پھل نہیں پیدا کرے گی چھانٹ دی جائے گی۔	
(د) لوگوں کو اصلیت کی خبر نہیں۔ کوئی کچھ کہتا ہے، کوئی کچھ۔ علم کی بات وہی ہے جو وحی الٰہی نے بتلا دی۔	″	(ہ) قرآن کا یہ اسلوب بیان کہ ہر بات بار بار دہرائی جاتی ہے، اور ہر مطلب مختلف شکلوں میں نمایاں ہوتا رہتا ہے اور اس کی حکمت۔	۳۸۵
غیر معلوم باتوں میں بحث و نزاع نہیں کرنی چاہیئے	۳۷۹	(و) منکروں کی سرکشیوں کا نتیجہ فوراً ظاہر کیوں نہیں آ جاتا۔ اس لئے کہ یہاں قانون امہال کام کر رہا ہے اور جس کا منشا یہی ہوا کہ ایک خاص وقت تک عمل کا رسہ کھلا	۳۸۶
(ہ) اس طرف اشارہ کہ ایسا ہی معاملہ عنقریب پیغمبر اسلام کو بھی پیش آنے والا ہے۔ اور اس کا نتیجہ اس واقعہ سے کہیں عظیم تر ہوگا۔	″	سرکشوں کی کامرانیاں ان کے لئے نامرادیوں کا سامان بن رہی ہیں مگر انہیں خبر نہیں دنیا میں معاملات کی حقیقت وہی نہیں ہوتی جو بظاہر دکھائی دیتی ہے۔ کتنی ہی چھاؤں ہیں کہ فی الحقیقت برائیاں ہوتی ہیں۔ اور کتنی ہی برائیاں ہیں جو فی الحقیقت اچھائیاں ہوتی ہیں۔	″
(۴) پیغمبر اسلام سے خطاب، اور ان کی زندگی کے مصائب و محن میں مستقبل کی کامرانیوں کی بشارت۔	″	اس حقیقت کی وضاحت کے لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ایک واقعہ کا بیان۔	۳۸۷
(۵) منکروں کی موجودہ خوشحالیاں اسی طرح عارضی ہیں جس طرح سوختوں کی موجودہ بے سروسامانیاں۔ دو آدمیوں کی مثال جن میں سے ایک بے سروسامان مگر	۳۸۰		

مکاشفات یوحنا کی پیشین گوئی -	۴۲۱
"گاگ" اور "ے گاگ" -	〃
تمام باریکی شواہد کا فیصلہ کہ یاجوج ماجوج سے مقصود منگولیا کے شمال مشرقی قبائل ہیں -	〃
"منگولیا" اور "منگولی" اور قدیم چینی تلفظ -	〃
"قبیلہ" "یواچی" -	۴۲۳
منگولیا کا قبائلی سرچشمہ اور اقوام کا انتساب -	〃
آریا - ایرانیہ اور ختی -	〃
یورپ کے وحشی قبائل	〃
منگولی قبائل کے اقسام ثلاثہ -	۴۲۴
یاجوج ماجوج کا اطلاق پہلے دو قسموں پر ہوا، پھر صرف ایک ہی قسم پر ہونے لگا -	۴۲۴
صحرانوردی اور توطن کا اختلاف معیشت -	〃
یاجوج ماجوج صحرانوردی کی خوفناک اور غیر مسخر طاقت تھی -	۴۲۵
منگولی نسل کے انقسام و خروج کے سات دور	〃
ذوالقرنین کا سد اور یاجوج ماجوج	۴۲۶
میتھین قبائل اور دربند کا کیسپیا -	〃
حزقیل نبی کی پیشین گوئی کا مصداق -	〃
مکاشفات یوحنا کا معمہ -	۴۲۷
کتاب پیدائش کی تفسریح -	〃
(۱۰) سدِ یاجوج ماجوج -	〃
دربند کی دیوار -	〃
دربند عہد اسلامی سے پہلے اور بعد	〃
"باب الابواب" اور "باب الترک"	۴۲۸
درّہ دار یال کی دیوار	۴۲۸
نوشیرواں کا انتساب	〃
سکندر کا انتساب	〃
"تاریخ" کی شہادت دونوں کے خلاف ہے اور درّہ دار یال کی سد سارس یعنی ذوالقرنین کی بنائی ہوئی ہے -	۴۲۹
قرآن نے جس سد کا ذکر کیا ہے وہ درّہ دار یال کی سد ہے نہ کہ دربند کی دیوار -	〃
دیوار دربند کی موجودہ حالت	۴۳۰
(۱۱) شارحین تورات کا بیان	〃
(۱۲) زمانہ حال کے مفسرین قرآن اور قصہ ذوالقرنین	〃
استدراک :	
مارنگ کے بحر استخر کا انکشاف اور اسکی بعض تفصیلات -	〃
محمد بن حفاب کے پردوں کی نمود اور سیبا و نبی کی تفریح -	〃

حریسہ (صفحہ ۴۳۱)

(۱) حضرت مسیح علیہ السلام کی دعوت کی سرگذشت اناجیل خود ساختہ عقائد کا رد جو عیسائیوں نے گڑھ لئے ہیں	۴۳۱
حضرت یحییٰ کا ظہور جو دعوت مسیحی کا مقدمہ تھا -	
موسیٰ کی سرگذشت اور انجیل لوقا کی سرگذشت کا تطابق	〃
(۲) حضرت زکریا کی دعا اور فرزند کی بشارت	〃
(۳) روزہ رکھنے کا حکم -	۴۳۲
حضرت یحییٰ کی پیدائش اور لڑکپن ہی سے زہد و عبادت اور اتحکاف و اعتزال کی زندگی -	〃
(۴) حضرت مریم پر فرشتہ کا نزول اور فرزند کی پیدائش کی بشارت -	
(۵) "مکاناً شرقیاً" کا اشارہ -	۴۳۳
(۶) حضرت مسیح کی نسبت فرمایا - وہ اللہ کی نشانی ہوں گے اور اسکی رحمت کا ظہور	〃
(۷) حضرت مریم کو روزہ رکھنے کا حکم اور یہودی روزہ میں مخالفت تکلم -	۴۳۴
(۸) "یا اخت ہارون" میں "ہارون" کے مقصود ایک رشتہ دار سے	〃
(۹) عیسائیوں کی گمراہی اور ابنیت اور کفارہ کا اعتقاد -	۴۳۵
(۱۰) عیسائیوں کے لئے "یوم الحسرۃ" کی پیشین گوئی، اور فتح یروشلم کے واقعہ عظیمہ میں اس کا ظہور -	
مسیحیت کے مرکز و قبلہ کا مسیحیوں کے ہاتھ سے نکل جانا	
اور تمام مسیحی دنیا کا حسرت و ماتم !	۴۳۶
ایشیا اور افریقہ میں مسیحی فرمانروائی کا خاتمہ -	〃
(۱۱) حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعوت توحید اور اپنے گھرانے سے علیحدگی -	۴۳۷
ان کی نسل میں سلسلہ نبوت کا اجرا اور صداخی کی بلندی	〃
حضرت موسیٰ، اسماعیل اور یسیٰ علیہم السلام -	〃

ابتدائی زندگی	۴۰۲
لیڈیا کی فتح کہ مغرب کی فتح تھی۔	״
مشرقی فتوحات۔	۴۰۳
بابل کی فتح۔	״
یہودیوں کی رہائی اور ہیکل کی دوبارہ تعمیر۔	״
سائرس کی وفات۔	۴۰۴
سائرس کے ظہور کی اسرائیلی پیشین گوئیاں۔	״
پیشین گوئیوں کی تاریخی حیثیت۔	״
قرآن کی تصریحات اور سائرس کی تاریخی سرگزشت۔	۴۰۵
(۱) سوال کا یہودیوں کی طرف سے ہونا، اور سائرس کے بارے میں ان کا عقیدہ	״
(۲) انا مکنا لہ فی الارض" اور سائرس کے حالات و فتوحات	״
(۳) قرآن کی متذکرہ تین مہمیں اور سائرس کی مہمیں	״
مغربی مہم۔	۴۰۶
"وجدھا تغرب فی عین حمئۃ"	״
مشرقی مہم۔	״
شمالی مہم۔	
شمالی قوم۔	
(۴) قرآن کے متذکرہ اوصاف اور سائرس کے فضائل متذکرۂ تاریخ۔	۴۰۸
فتح لیڈیا کے بارے میں یونانی مورخوں کی متفقہ شہادت	״
کروسس کا واقعہ اور یونانی روایات۔	״
سائرس کے احکام و قوانین۔	۴۰۹
(۵) قرآن کی تصریح اور سائرس کے عام اعمال و خصائل	״
مورخوں کی عام شہادت۔	״
دشمنوں کا جوش مدح و ستایش۔	״
سائرس کی شخصیت کی غیر معمولی نمود۔	۴۱۰
سائرس اور اسکندر۔	״
زمانۂ حال کے محققین تاریخ کی شہادت۔	۴۱۱
(۶) صحائف تورات کی تصریحات۔	״
"مرعود" اور "مسطر" ہستی!	۴۱۲
"خدا کا فرستادہ چرواہا"!	״
"خدا کا مسیح"۔	״
(۷) ذوالقرنین کا ایمان باللہ اور ایمان بالآخرۃ:۔	״
انبیاء بنی اسرائیل کی شہادت۔	۴۱۳
یہودیوں کا اعتقاد۔	۴۱۴
سائرس کے دین و اعتقاد کا تعین۔	״
زردشت اور اس کا زمانہ	״
سائرس اور زردشت کی معاصرت	۴۱۵
سائرس دین زردشتی کا پہلا حکمران تھا۔	״
قدیم مجوسی مذہب کے پیروؤں کی بغاوت اور دارا کے کتبہ کی تصریحات۔	۴۱۵
زردشت اور سائرس۔ سائرس کے ابتدائی عہد کی ایک گم شدہ داستان کا سراغ	۴۱۶
زردشت کی تعلیم سرتاسر خدا پرستی اور نیک عملی کی تعلیم تھی اور آتش پرستی اور ثنویت کا اعتقاد قدیم مزدیسنی مجوسیت کا رد عمل ہے۔	״
میڈیا کا قدیم مذہب	۴۱۷
زردشت کی تعلیم اور توحید الٰہی کا منزہ اور بے میل اعتقاد۔	״
تعلیم کی عملی خصوصیت اور احکام ثلاثہ۔	״
عبادت کا تصور	״
آخرت کی زندگی اور جزاء عمل۔	״
پیروان زردشت کا اخلاقی تقدم	۴۱۸
دارا پوش اعظم کے فرامین۔	״
اسخر کے کتبہ کی منادی جو آج تک سنی جا سکتی ہے	״
صراط مستقیم کی دعوت!	״
دین زردشتی کا انحطاط اور تغیر و تحریف	״
ساسانی عہد کا مخلوط مذہب دین خالص کی مسخ شدہ صورت ہے۔	״
"اہورمزدہ" کی مزعومہ شبیہ اور ماہرین آثار کا بے اصل قیاس۔	۴۱۹
تمام وجوہ و قرائن اس کے خلاف ہیں کہ زیر بحث شبیہ "اہورمزدہ" کی شبیہ ہو۔	״
بہ خود سائرس کی ہے، یا زردشت کی	۴۲۰
(۸) کیا ذوالقرنین نبی تھا؟	״
قرآن کی ظاہر تصریحات سے اس کا جواب اثبات میں ملتا ہے۔	״
(۹) یاجوج و ماجوج۔	״
حزقیل نبی کی کتاب میں اس کا ذکر۔	۴۲۱

حقیقت نہیں جادوگرانِ مصر کا شبہ محض فریب نظر تھا۔	۴۵۲
(۱۳) جادوگروں کا ایمان لانا اور فرعون کا اسے سازش قرار دینا۔	۴۵۳
(۱۴) جادوگروں کا ایمان کے بعد اعلان اور ان کے استقامتِ حق کا مقام عظمت۔	〃
(۱۵) حضرت موسیٰ کا دشتِ سینا میں ورود اور ساری کا فقہ۔	۴۵۴
(۱۶) تفسیر تلک الھی السامری اور اس جملہ کی توجیہ	۴۵۵
(۱۷) سامری کا جواب اور تفسیر قبضت قبضہ من اثر الرسول۔	۴۵۶
(۱۸) سلسلہ کلام کی تکوین دعوت کی طرف توجہ اور اس حقیقت کی طرف اشارہ کہ اسی طرح اب بھی تنزیل وحی کا معاملہ پیش آگیا ہے اور اسکے منکرین کے لیے بھی وہی کچھ ہونا ہے جو پہلے ہو چکا ہے۔	۴۵۷
(۱۹) "قبضت فی الصور" اور اسکی حقیقت۔	〃
(۲۰) حیات اخروی کی مثال ایسی ہے جیسے آدمی سوتا رہا ہو اور پھر اٹھ کر سوچنے لگے کہ کتنی دیر تک نیند میں رہا؟	۴۵۸
(۲۱) قیامت کے حشر اجتماع کا منظر اور اسکی دہشت ہولناکی	〃
(۲۲) شرح مقام "رب زدنی علما"۔	۴۵۹
(۲۳) انسان کی ساری محرومیوں کا حاصل دو لفظ ہیں: ضلالت اور شقاوت" قرآن کہتا ہے اتباع ہدایت اس لئے ضروری ہے کہ دونوں سے محفوظ ہو جائے۔	
اعراض عن الذکر کا نتیجہ ضیق معیشت اور کوری ہے۔	
جو دنیا میں اندھا رہا، وہ آخرت میں بھی اندھا رہیگا۔	۴۶۰
(۲۴) سورت کا خاتمہ: رحمت الٰہی اور اہمال وامتداد۔	
مومنوں کو "صبر" اور "صلوٰۃ" کا حکم۔	۴۶۱
(۲۵) سورت کی بعض مہمات کی فرید تشریحات۔	
(۱) فرعون اور حضرت موسیٰ کا مقابلہ اور مصریوں کے عقاید۔	۴۶۲
فرعون کا سوال "من ربکما یا موسیٰ" اور حضرت موسیٰ کا جواب	〃
فرعون کا مجادلانہ سوال کہ "فما بال القرون الاولیٰ" اور حضرت موسیٰ کا داعیانہ جواب۔	
فرعون کے سوال کی مجادلانہ روح اور طریق موسوی کا پیغمبرانہ طریقہ۔	
مذہب کے پیچھے شمار جھگڑے اسی اصل موسوی سے اعراض کا نتیجہ ہیں۔	〃
مسلمانوں کے مذہبی تفرقے اور "فما بال القرون الاولیٰ" کی بنا پر جنگ ونزاع۔	〃
(ب) "سامری" اور گوسالہ پرستی کا معاملہ۔	۴۶۴
"سامری" سے مقصود سمیری قوم کا آدمی ہے۔	〃
وہ آبپاشی دجلہ وفرات اور سمیری قوم کا تمدن	〃
سمیری قوم کی اصل۔	۴۶۵
نسل انسانی کے دو قبائلی سرچشمے: سنگ دیا اور عرب۔	〃
"سامری کا ایمان" پھر ارتداد۔	〃
گوسالہ کے بچھڑے میں یہودیوں کا افسانہ اور مغربین کا تسامح افسانہ کے بے اصل ہونے پر قرآن سے استدلال اور سات وجوہ۔	۴۶۶

الانبیاء (صفحہ ۴۶۸)

(۱) مرکز موعظت انذار ہے یعنی محاسبہ کا وقت قریب آگیا۔	۴۶۸
(۲) قرآن کا حیرت انگیز اثر اور منکروں کا عاجز ہو کر اسے جادو قرار دینا۔	
(۳) سچائی کی سب سے بڑی پہچان یہ ہے کہ اسے سچائی کے سوا اور کچھ نہیں کہا جا سکتا۔	۴۶۹
(۴) راست باز انسان سچائی کو سچائی سمجھ کر قبول کرتا ہے اس ڈر سے قبول نہیں کرتا کہ اس کے پیچھے کوئی عذاب کھڑا ہے۔	〃
(۵) منکرین نبوت کا استغراب کہ ایک آدمی کو نبی کیسے مان لیا جائے؟	۴۷۰
(۶) قرآن کا اعلان کہ میری صداقت کی اصل نشانی میری تعلیم ہے۔	۴۷۰
(۷) تخلیق بالحق کی حقیقت بقا بالحق اور فنا بالباطل کا قانون اور قرآن کا استشہاد۔	〃
(۸) وحدت ادیان کی اصل عظیم اور قرآن کی تحدی۔	۴۷۱
(۹) توحید ربوبیت سے توحید الوہیت پر استدلال۔	۴۷۲
(۱۰) جب انسان عداوت میں کھویا جاتا ہے تو اپنی زندگی سے زیادہ مخالف کی موت کا خواہشمند ہو جاتا ہے۔ یہی حال معاندین قرآن کا تھا۔ قرآن کا اعلان۔	۴۷۳
(۱۱) استعجال بالعذاب۔	

(۱۲) ان تمام رسولوں نے خدا پرستی اور نیک عملی کی راہ دکھائی
گزران کے بعد ایسے لوگ پیدا ہو گئے جو خواہشوں کے پرستار
تھے اور جنہوں نے عبادتِ حق کی حقیقت کھو دی ۴۳۸
نماز یعنی عبادت جو ہر ایمان ہے اسکی حقیقت گئی تو سب
کچھ چلا گیا۔ "
(۱۳) اصحابِ ایمان و عمل کے لئے جنت کی زندگی اور
قانونِ جزا عمل۔ ۴۳۹
(۱۴) پیغمبر اسلام اور ان کے ساتھیوں سے خطاب کامیابی
کا سرچشمہ دو باتیں ہیں وعبادت الٰہی اور اس کی راہ میں
تحمل مشکلات! "
(۱۵) تغییر "وقد خاب من دسّاھا" ۴۴۰
(۱۶) حود و جاہ دنیا پر منکروں کا گھمنڈ اور پیرانِ حق
کی بے سروسامانیاں "
نتائج عمل کے قانون کی تکمیل اور امہال و تدریج۔ "
(۱۷) زندگی کی عارضی خوش حالیاں اور فریب غفلت ۴۴۱
(۱۸) نتائج عمل کا قانون اور ایام شماری فرمایا منکر
جلدی نہ کریں۔ ان کے دن گنے جا رہے ہیں۔
(۱۹) سورت کا اختتام اور اسی مطلب کی طرف عود
جس سے سورت شروع ہوئی تھی یعنی حضرت مسیح کی شخصیت اور

عیسائیوں کی گمراہی۔ ۴۴۲
کفارہ کا رد۔ "
الوہیت مسیح کا رد "
(۲۰) خاتمہ اور دو باتوں کا اعلان ۴۴۳
تغییر "سیجعل لھم الرحمٰن ودّا" "
(۲۱) سورت کے بعض مقامات کی مزید شرح و بحث "
(ا) حضرت مریم کی ابتدائی سرگزشت اور اناجیل اربعہ "
(ب) قرآن اور حضرت مسیح کی پیدائش کا معاملہ۔ ۴۴۴
عیسائیوں کے چار بنیادی عقاید اور قرآن کا فیصلہ "
اگر الوہیت مسیح، کفارہ، اور واقعہ صلیب کی طرح
پیدائش مسیح کا اعتقاد بھی قرآن کے نزدیک باطل تھا تو ضرور
تھا کہ اس کا بھی صاف صاف رد کر دیتا۔ مگر اس نے ایسا نہیں کیا۔ "
سورۂ مریم انجیل لوقا کی مصدق ہے۔ "
حضرت مسیح کا معاملہ یہودیوں اور عیسائیوں میں متضاد
سمتوں کا انتہائی گوشہ بن گیا تھا۔ قرآن نے چیستیٔ حکم و نوعی
کی تفریط و افراط کا رد کیا۔ لیکن اس باب میں وہ کچھ نہیں
کہتا اور جو کچھ کہتا ہے اثبات کے حق میں ہے۔ نہ کہ نفی کے۔ "
مجوزین نفی کی توجیہات اور ان کی بے اساسی۔ ۴۴۵
قرآن کا مطالعہ اور روایاتِ شرح و تفسیر "

طٰہٰ (صفحہ ۴۴۶)

(۱) سورت کا زمانہ نزول۔
پیغمبر اسلام کا جوش دعوت و اصلاح، قوم کا اعراض
و انکار اور وحی الٰہی کی تسکین و موعظت۔ ۴۴۶
مقصد تنزیل اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ تذکیر کا سامان
یخشیٰ پس سلوم ہوا، زور زبردستی کی یہ بات نہیں۔ "
(۲) حضرت موسیٰ کی سرگزشت سے استشہاد اور اس کے
مواعظ و بصائر۔ جو موقع حال حضرت موسیٰ کو پیش آئی، ویسی ہی
تمہیں بھی پیش آنے والی ہے اور اس بارے میں قانونِ
حق ہر حال میں یکساں ہے۔ ۴۴۷
حضرت موسیٰ نے وحی الٰہی کا پہلا فیض طویٰ اور وادی تقدس
آگ کی جستجو مگر ایک دوسری ہی آگ کی شعلہ افروزی "
(۳) حق کی یاد دہانی کا حکم۔ "
(۴) "الساعۃ" "
(۵) مصری غلامی کا اثر اور بنی اسرائیل کا عزائم و ہمم کی
روح سے محروم ہو جانا۔ ۴۴۸
(۶) تورات کی تصریحات۔ "
(۷) کرشمہ ساز قدرت کا اول دن سے حضرت موسیٰ
کو چن لینا اور یکے بعد دیگرے ایسے احوال و مراحل سے
گزرنا، جو تکمیل کار کے لئے ضروری تھے۔ ۴۴۹
(۸) تبلیغ و دعوت نرمی و شفقت کے ساتھ
ہونی چاہئے نہ کہ سختی و خشونت۔ ۴۵۰
(۹) حضرت ہارون کا بھی مصر سے نکلنا اور حضرت موسیٰ
سے راہ میں ملنا۔ "
(۱۰) حضرت موسیٰ اور فرعون کا مکالمہ "
(۱۱) فرعون کا جاہلانہ سوال اور حضرت موسیٰ کا دامن بچانا ۴۵۱
(۱۲) قرآن کی تصریح کہ جادو کی کوئی حقیقت

دلایل بیکار ہیں۔ ۴۹۶
قیام حجت کا عملی طریقہ ۴۹۷
پہلے چیلنج دیا، پھر کر کے دکھایا۔ "
بجاریوں کی حیرانی، اور پھر تجاہل "
حضرت ابراہیم کا مجمع عام میں آنا اور مکالمہ ۴۹۸
بجاریوں کا اعتراف حقیقت پر مجبور ہو جانا۔ "
فرض ابا طل مع المخصم حتی تلزمہ الحجۃ کذب نہیں ہے "
اثبات کذب کے لئے مفسروں کی ایک غلط توجیہ اور غلط تقدیر عبارت۔ ۴۹۹
روایت صحیحین۔
"صحت روایت" اور "عصمت روایت" "
اس باب میں اصل اصول۔ قطعیات دینیہ اور غیر معصوم کی روایات۔ ۵۰۰
صحیحین کے بارے میں افراط و تفریط۔ "
مسلک تحقیق و اقتصاد۔ "
"قال انی سقیم" ۵۰۱

الحج (صفحہ ۵۰۲)

(۱) قیامت کی ہولناکیاں اور اس کا وہ تصور جو قرآن نے پیدا کیا ہے۔ ۵۰۲
(۲) انسان کا نطفہ سے پیدا ہونا، جنین کی مختلف حالتیں اور قرآن کا حیات اخروی پر استشہاد۔
پیدائش کے بعد بلوغ و کمال اور پھر انحطاط و زوال۔
عالم نباتات کی حیات بعد الممات۔ ۵۰۳
(۳) جدال فی اللہ بغیر علم" ۵۰۴
(۴) ایمان امید و یقین ہے کہ مایوسی اور شک قرآن کہتا ہے جس کی امید کا چراغ بجھ گیا، وہ ہمیشہ کے لئے نامراد ہوا
(۵) ایمان باللہ کا دعوی اور اخلاص توحید کا فقدان ۵۰۵
شرک کی راہ وہم و گمان کی راہ ہے اور توحید کی راہ یقین و قطعیت کی۔ "
(۶) جو مایوس ہو گیا اس نے زندہ رہنے کا حق کھو دیا!
قرآن کی معجزانہ بلاغت کہ چند جملوں کے اندر انسانی زندگی کے تمام مسایل حل کر دیئے۔
(۷) دنیا میں حقیقت دیکھی نہیں جا سکتی اسمار و دلائل سے پہچانی جا سکتی ہے پس اس میں انسانی عقل کے لئے آزمایش ہوئی۔
باقی رہا حقیقت کا مشاہدہ، تو یہ آخرت میں ہو گا اسی وقت تمام پردے ہٹیں گے۔ ۵۰۶
تمام مخلوقات اللہ کے مقررہ احکام و قوانین کے آگے سربسجود ہے اور اسی کا مطالبہ انسان سے بھی ہے۔
اس اصل عظیم کی طرف اشارہ کہ قرآن انسان کو تمام سلسلہ مخلوقات سے الگ نہیں کرتا، بلکہ سب کے ساتھ ایک ہی صف میں کھڑا کرتا ہے اور اسی لئے ایک ہی قانون فطرت کے ماتحت سب کو لاتا اور ایک ہی حقیقت کے مختلف مظاہر قرار دیتا ہے ۵۰۷
(۸) دین کے کتنے ہی جتھے بنا لئے ہوں، مگر اصلاً راہیں دو ہی ہیں اور دو ہی طرح کے خواص و نتائج بھی ہیں ایمان یا انکار امید یا مایوسی نیک عملی یا بد عملی اور بالآخر نعیم ابدی یا عذاب اخروی۔ ۵۰۸
(۹) سلسلۂ بیان کا معاندین مکہ کی طرف رجوع، اور ان کے اس الزام کا اعلان کہ مسجد حرام کا دروازہ خدا کے عبادت گزاروں پر بند کر دیا ہے۔ "
مسجد حرام نوع انسانی کے لئے ایک عالمگیر عبادت گاہ ہے کسی کو حق نہیں کہ اس کا دروازہ عبادت گزاروں پر بند کرے۔ "
مسجد حرام کی تعمیر کے بنیادی مقاصد ۵۰۹
(۱۰) باشندگان مکہ اس مسجد کے خادم ٹھہرائے گئے تھے۔ نہ کہ مالک پس انہیں حق نہیں کہ لوگوں پر اس کا دروازہ بند کر دیں ۵۰۹
(۱۱) قربانی کی حقیقت اور پیروان مذاہب کی عام گمراہیوں کا ازالہ۔
اصل مقصود تقویٰ ہے نہ کہ خون بہانا۔ ۵۱۰
(۱۲) اذن قتال کی پہلی آیت اور قتال کے جواز کی علت۔
مسلمان مظلوم ہیں اور مظلوم کا حق ہے کہ اسے ظلم کے مقابلہ میں ہتھیار اٹھانے کی اجازت دی جائے۔
اگر مظلوم اس حق سے محروم کر دیا جائے، تو دنیا میں انسانی مظالم لاعلاج ہو جائیں۔
اگر ایک جماعت کے ظلم کا دوسری جماعت کے ہاتھوں دفاع نہ ہوتا رہتا۔ تو دنیا میں کوئی جماعت بھی اپنے عقاید و اعمال محفوظ نہیں رکھ سکتی۔ خدا کی تمام عبادت گاہیں جو

قرآن طبیعت انسانی کی عاجلانہ امنگوں کی نہیں ان کے بے محل استعمال کی مذمت کرتا ہے۔	۴۷۴
(۱۲) منکروں کی غفلت و سرکشی۔	۴۷۵
(۱۳) داعی کا فرض ہے کہ پکارے اگرچہ اسے یقین ہو جو بہرے ہیں، سننے والے نہیں۔	〃
(۱۴) فطرت کا ترازو بڑا ہی دقیقہ سنج ہے۔ ایک ذرہ عمل بھی اسکی ڈنڈی کی تول سے باہر نہیں رہ سکتا۔	۴۷۵
(۱۵) ایام و وقائع سے استشہاد و استدلال اس سلسلہ میں پہلے حضرت موسیٰ اور پھر حضرت ابراہیم کی دعوتوں کا تذکرہ	۴۷۶
حضرت ابراہیم کی زندگی کا وہ ابتدائی واقعہ جو شہر اُور میں پیش آیا تھا۔	
(۱۶) حضرت ابراہیم کی دعوتِ توحید اور ملک کے پوجاریوں کا اعراض۔ پھر یہ دیکھ کر کہ دلائل و مواعظ سود مند نہیں، ایک عملی طریق احتجاج اختیار کرنا۔	
پجاریوں کا عاجز آکر ظلم و تشدد پر اتر آنا، زندہ جلا دینے کا اہتمام کرنا، مگر قدرت الٰہی کا انہیں ناکام رکھنا، اور حضرت ابراہیم کا ہجرت کرکے کنعان چلا جانا۔	۴۷۸
(۱۷) حضرت داؤد اور حضرت سلیمان کی کامرانیاں، اور کارفرمائی کی وہ خصوصیت جو حضرت سلیمان کو عطا ہوئی تھی۔	۴۷۹
(۱۸) حضرت داؤد کا جبرائی مرسیقی مدون کرنا، اور ان کی نغمہ سنجیوں کی تاثیر۔	
پہاڑوں کی تسبیح، اور پرندوں کی تسخیر۔	۴۸۰
(۱۹) زرہ سازی کی صنعت اور حضرت داؤد کا اشتغال۔	۴۸۱
(۲۰) تند ہواؤں کی تسخیر۔	
حضرت سلیمان کا بحر متوسط اور بحر قلزم دونوں پر اقتدار۔ صور طائر، یاجہ اور ترسیس کی بندرگاہیں۔	〃
(۲۱) قرآن میں شیطان کا اطلاق شیاطین الجن پر بھی ہوا ہے اور شیاطین الانس پر بھی۔	
شیاطین الانس کی تسخیر۔	۴۸۲
(۲۲) حضرت ایوب کی سرگزشت۔	۴۸۳
مصائب و محن اور کمال مرتبہ صبر و شکر۔	〃
رحمت الٰہی کا ورود	۴۸۴
سفر ایوب کی داستانِ طویل اور قرآن کا ایجاز بلاغت۔	〃
تفسیر "انی مسنی الضر"	۴۸۵
"وانت ارحم الراحمین"	۴۸۶

آیت "فاستجبنا لہ" کی جامعیت۔	۴۸۶
حضرت ایوب عرب تھے۔	
سفر ایوب منظوم کتاب ہے۔	۴۸۷
جدید اثری انکشافات اور عربی علم و ادب کی قدامت	〃
"بابون" "اجرام" کا انکشاف اور عربی کتبہ۔	
قرآن کا عربی میں نزول۔	۴۸۸
دنیا کی قدیم ترین نظم سفر ایوب ہے۔	〃
(۲۳) حضرت ذوالنون کی سرگزشت۔	۴۸۹
تورات کی تصریحات۔	
(۲۴) وحدت ادیان کی اصل عظیم اور اسکی مزید تشریح	۴۹۰
توحید قرآن کے مبادی ثلاثہ، توحید الٰہیت، توحید ربوبیت، توحید دین و عبادت۔	〃
شرط نجات ایمان و عمل ہے۔ نہ کہ نسل و گروہ	〃
(۲۵) یاجوج و ماجوج کا خروج اور اسکی حقیقت	۴۹۱
قرآن کی تعبیر کے بعض دقائق۔	〃
فتنہ تاتار اور قرآن کی تصریحات۔	〃
بند کا ٹوٹنا اور سیلاب کا امنڈنا۔	〃
"من کل حدب ینسلون"۔	۴۹۲
علماء عہد کی تصریحات۔	〃
"فتح یاجوج" سے مقصود کسر سد نہیں ہے۔	〃
حادثہ یاجوج ماجوج اور تاریخ اسلام۔	〃
حدیث زینب بنت جحش۔	〃
فتنہ تاتار اور مسلمانوں کی فرقہ بندی۔	۴۹۳
(۲۶) تفسیر ان الارض یرثہا عبادی الصالحون	۴۹۲
زبور کی تذکیر۔	〃
وراثت ارض	〃
عابدین حق کے لئے پیام۔	〃
"وما ارسلناک الا رحمۃ للعالمین"	۴۹۵
(۲۷) حضرت ابراہیم کی بت شکنی کا واقعہ اور اس معاملہ کی تحقیق کہ کیا انہوں نے مصلحۃً جھوٹ بولا تھا	〃
شہر اُور کی بت پرستی	۴۹۶
"اُور" نام نہیں ہے منصب کا لقب ہے	〃
حضرت ابراہیم کا گھرانا۔	〃
دعوتِ حق۔	
حضرت ابراہیم کا محسوس کرنا کہ مقلدین جہل کے لئے	〃

تحقیق: مقصود خاص اقوام نہیں ہیں، بلکہ اقوام کے عروج و تمدن کے	
دور ہیں۔	۵۳۰
(۹) دعوتِ رُسل کے منکروں کے اقوال۔ انہیں سے زیادہ	
دو باتوں پر انکار و استغراب تھا۔ نبی کی بشریت اور آخرت	
کی زندگی۔	
(۱۰) حضرت نوح کے بعد دو قوموں کا عروج، اور حضرت	
موسیٰ سے پیشتر کے قرون۔ ان تمام عہدوں میں بے شمار	
رسولوں کا ظہور ہوا۔	۵۳۱
(۱۱) حضرت مسیح کا ظہور اور "دلو یا اھالی (دفعۃ ذات	
فرار صعین" کی تفسیر۔	″
(۱۲) وحدتِ ادیان و امم کی اصلِ عظیم اور تفرقہ و تحزب	
کی بنیادی گمراہی۔	۵۳۲
(۱۳) پیغمبر اسلام سے خطاب کہ منکروں کے جمود سے دل	
تنگ نہ ہوں، اور اپنا کام کئے جائیں۔	۵۳۳
(۱۴) مفسروں کو اپنی عارضی خوشحالیوں پر مغرور نہیں	
ہونا چاہئے۔ یہ قانونِ انہدام کا قدرتی نتیجہ ہے اور عواقب	
کا ظہور اب دور نہیں۔	″
(۱۵) اللہ کا قانون یہ ہے کہ ہر وجود سے اتنے ہی عمل	
کا مطالبہ ہوتا ہے جتنے کی استعداد اس میں ودیعت کر دی	
گئی ہے۔ مطالبۂ عمل اور ودیعتِ استعداد باہم مختلف	
نہیں ہو سکتے۔	″
"تکلیف" لغوی اور "تکلیفِ شرعی"۔	۵۳۴
(۱۶) قرآن کی یہ اصلِ عظیم کہ دولت اللہ کا سب سے بڑا فتنہ	
ہے اگر جماعت میں پھیلی ہوئی ہو، اور سب سے بڑا فتنہ ہے	
اگر صرف چند افراد کے قبضہ میں چلی گئی ہو۔ اسی لئے دو سری	
جگہ جماعت کے دولت مند افراد کو فساد و گمراہی کا خود ذمہ	
قرار دیتا ہے اور کہتا ہے فساد کا اصلی سرچشمہ وہی ہیں۔	″

(۱۷) قرآن کا مطالبہ یہ نہیں ہے کہ مجھے بے سمجھے	
بوجھے مان لو۔ وہ کہتا ہے مجھ پر تدبر کرنے سے انکار نہ کرو۔	۵۳۶
(۱۸) صداقتِ اسلام کی معرفت کی راہیں صرف دو ہیں	
قرآن میں تدبر، اور صاحبِ قرآن کی زندگی میں تدبر۔	۵۳۶
(۱۹) تمام کائناتِ ہستی جن بنیادی قانون پر قائم	
و منظم ہے، وہ قرآن کے نزدیک "حق" کا قانون ہے، اگر	
یہ بنیاد ہل جائے، تو تمام کارخانۂ ہستی درہم برہم ہو جائے۔	″
(۲۰) قانونِ ترویج "یا قانونِ تغذیہ" اور اس سے قرآن	
کا استشہاد۔	۵۳۸
(۲۱) تخلیق و تکوینِ جنین کے مراتب ستہ جو قرآن	
نے بیان کئے ہیں۔	۵۴۰
مفسروں کی حیرانی، کیونکہ علم الجنین بحیثیت ایک علم	
کے ان کی پیداوار ہے	″
علم الجنین کی تدوین کی تدریج۔	″
جدید تحقیقات۔	۵۴۱
قانونِ پیدائشِ حیات کی عالمگیری	″
تطور کے مدارج۔	۵۴۲
قرآن کی تصریحات۔	″
سترھویں صدی کا نظریہ جو انیسویں صدی کے اواخر	
تک مقبول رہا۔ قرآن کے اشارات کے خلاف تھا۔ اس	
لئے بعض جدید مفسروں نے قطع و برید کر کے تطبیق	
دینی چاہی۔	۵۴۳
قرآن اپنی جگہ قائم ہے اور علم کو اپنی جگہ چھوڑ کر اس	
کی طرف بڑھنا پڑا ہے۔	″
متذکرۂ قرآن مدارجِ ستہ۔	″
"علقہ" کی تفسیر اور اس کے رقابتی کی علمی تصدیق	۵۴۴
"خلقا اٰخر" کی تفسیر۔	″

نقوش

(۱) ذوالقرنین یعنی سائرس کا مجسمہ۔	۸۰۱
(۲) ذوالقرنین کی غربی، مشرقی، اور شمالی فتوحات۔	۴۰۳
(۳) سنہ ۶۰ قبل مسیح میں یاجوج ماجوج کے مغربی ایشیا پر حملے اور سدِ ذوالقرنین کی تعمیر۔	۴۲۲

مختلف قوموں نے آباد کر رکھی ہیں یکے قلم منہدم ہو جاتیں۔	۵۱۱
(۱۳) قرآن کے نزدیک مسلمانوں کے جماعتی اقتدار کا مقصد اور اسلامی نظام حکومت کی شناخت۔	
(۱۴) یہ انقلاب حال جو درپیش ہے کوئی غیر معمولی واقعہ نہیں ہمیشہ ایسا ہی ہوتا آیا ہے۔	〃
(۱۵) ذہنی تعطل اور قلبی غفلت کی وہ حالت جسے قرآن اغلف بہرے ہو جانے سے تعبیر کرتا ہے۔	〃
(۱۶) قوانین فطرت کی اوقات شماری کو اپنی اوقات شماری کے حسابوں پر قیاس نہ کرو۔ تمہاری تقویم کا ایک ہزار برس ایسا ہے جیسے اللہ کے حساب کا ایک دن!	۵۱۳
(۱۷) منکروں کو انذار کہ اب فیصلہ کا وقت آگیا ہے۔ اور راہیں دو ہیں۔ ایمان اور اسکی برکتوں کی راہ اور سرکشی اور اس کے نتائج کی راہ۔	۵۱۴
(۱۸) مسلمانوں کو تنبیہ کہ راہ کی لغزشوں سے بے پرواہ نہ ہو جائیں اور صبر و استقامت کے ساتھ خود نتائج کا انتظار کریں۔ "وما ارسلنا من قبلک من رسول ولا نبی الا اذا تمنی القی الشیطان فی امنیتہ" کی تفسیر۔ دعوت حق کے مقابلہ میں شیطانی فتنہ جس قدر بڑھتا جاتا ہے، اتنا ہی زیادہ سچائی کا نقش بھی جمتا جاتا ہے، اور اسی فتنہ میں طالب حق کے لئے آزمائش ہوتی۔	〃
(۱۹) تین حقیقتیں اور ان کی تشریح۔	۵۱۵
(۲۰) جو انقلاب درپیش ہے، اسکی مثال ایسی سمجھ جیسے سوکھی زمین پر پانی پڑا، اور اچانک لہلہا اٹھی!	۵۱۶
(۲۱) اصل دین کی وحدت اور مناسک کا اختلاف۔ ادیان سابقہ کے مناسک و مناہج کا اختلاف وجہ نزاع نہیں ہو سکتا۔ جبکہ اصل دین میں کوئی اختلاف نہیں۔	۵۱۶
اس اصل عظیم کی تلقین کہ حق کی تبلیغ کرو۔ پھر اگر لوگ نہ مانیں تو ان کے پیچھے نہ پڑو۔ "اللہ اعلم بما تعملون" کہہ کر معاملہ ختم کر دو۔	۵۱۷
(۲۲) سورت کا خاتمہ اور مسلمانوں کو مخاطب کرتے ہوئے پانچ اصولی موعظتیں۔	۵۱۸
(۲۳) بعث بعد الموت اور سورۂ حج کی موعظت	
تخلیق حیات اور اعادۂ حیات۔	۵۲۰
پیدائش کا تناسلی سلسلہ اور قانون تحول۔	〃
عالم نباتات اور اعادۂ تحول۔	〃
قانون تاجیل۔	۵۲۰
تخم حیات اور نشئۃ ثانیہ۔	〃
استدلال کی تفصیل	۵۲۱
قرآن کی اصطلاح میں "بعث"	〃
"موت" اور "حیات"	〃
"انبعاث" از سر نو تخلیق نہیں ہے۔ اعادۂ و تبدل ہے	۵۲۲
یہاں وجود کی حقیقت نہیں مٹتی۔ صرف صورت مٹتی ہے	〃
تبدل صورت اور بقاء حقیقت سے استدلال۔	〃
مواسم ہستی کی گردش اور تقویم فطرت۔	۵۲۳
اس باب میں علم کا یہ مقام نہیں کہ جرات انکار کرے	〃
(۲۴) جدال فی اللہ بغیر علم۔	۵۲۴

المؤمنون (صفحہ ۵۲۵)

(۱) مومنون الاولون کے جماعتی خصائص اور ان سے استشہاد۔ اگر ایک طبیب نے بیماروں کو تندرست انسان بنا دیا، تو اس کے طبیب ہونے کی اس سے بڑھ کر کوئی قطعی دلیل نہیں ہو سکتی۔	۵۲۵
(۲) خصوصیت کے ساتھ پانچ وصفوں پر زور دیا گیا۔	〃
قرآن کے نزدیک مرد و عورت کے ملنے کا جائز طریقہ صرف ایک ہی ہے اور وہ ازدواج ہے	۵۲۶
(۳) وجود انسانی کی پیدائش پہلے کسی ایسی چیز سے ہوئی۔ جسے مٹی کے خلاصہ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ پھر اس کا سلسلہ نطفہ کے قرار پانے سے جاری ہوا۔	
نطفہ کی تکوین کے پانچ مراتب۔	۵۲۶
(۴) دلائل حق کی دو قسمیں: دلائل انفس اور دلائل آفاق، اور پھر دلائل آفاق میں دلائل کونیہ اور نجاد ماضیہ یہاں تینوں قسم کے دلائل جمع ہو گئے ہیں۔	۵۲۷
(۵) دلائل کونیہ میں سے برہان ربوبیت کا استدلال	۵۲۸
"سبع طرائق" کی تحقیق۔	〃
(۶) درخت زیتون کی خصوصیت۔	〃
(۷) ایام و وقائع کی طرف مجمل اشارہ اور اسکی توضیح	۵۲۹
(۸) "قرن" اور "قرون" کے لفظ کا استعمال اور اس کی	

إِنَّ اللّٰهَ يَرْفَعُ بِهٰذَا الْكِتَابِ أَقْوَامًا وَيَضَعُ بِآخَرِينَ

مسلم عن نافع

ترجمان القرآن

یعنی

قرآن حکیم کے مطالب اُردو زبان میں

ضروری تشریحات و مباحث کے ساتھ

از

ابوالکلام احمد

جلد دوم

سورۂ اعراف سے سورۂ مومنون تک

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ وحدہ

ترجمان القرآن کی دوسری جلد شائع کرتے ہوئے ضروری ہے کہ چند امور کی طرف اشارہ کر دیا جائے ؛

(۱) ترجمان القرآن کی ترتیب سے مقصود یہ تھا کہ قرآن کے عام مطالعہ و تعلیم کے لئے ایک درمیانی ضخامت کی کتاب مہیا ہو جائے۔ مجرد ترجمہ سے وضاحت میں زیادہ مطول تفاسیر سے مقدار میں کم۔ چنانچہ اس غرض سے یہ اسلوب اختیار کیا گیا کہ پہلے ترجمہ میں زیادہ سے زیادہ وضاحت کی کوشش کی جائے۔ پھر جا بجا نوٹ بڑھا دیے جائیں اس سے زیادہ بحث و تفصیل کو دخل نہ دیا جائے۔ باقی رہا اصولی اور تفسیری مباحث کا معاملہ تو اس کے لئے دو الگ کتابیں مقدمہ اور البیان زیر ترتیب ہیں۔

لیکن پہلی جلد کی اشاعت کے بعد مولف نے محسوس کیا کہ تقسیم کار کی یہ ترتیب پیش نظر مقصد کے لئے کتنی ہی ضروری ہو مگر ارباب نظر کا جوش طلب اس پر رضامند نہیں ہو سکتا۔ قدرتی طور پر ان کی لب تشنگی اس سے زیادہ سیرابی کا سامان ڈھونڈتی ہے اور مقدمہ اور البیان کے وعدہ پر صبر نہیں کر سکتی۔ وہ مضطرب ہیں کہ کل کا دور لب ریز ہو یا نہ ہو، مگر آج کا جام کیوں خالی رہ گیا ہے؟

مشاطہ را بگو کہ برائے جمال یار چیزے فزوں کند کہ تماشا بما رسد

مطالب کی وسعت اور دائرہ بیان کی تنگ نائی خود مولف کے اضطراب بیان کے لئے بھی سخت شکیب آزما تھی مگر کیا کیجئے نظم و تقسیم کار کا تقاضا ناگزیر تھا۔ اس لئے قدم قدم پر عنان قلم کھینچنی ہی پڑتی تھی!

فرصت دیدن گل آہ کہ بسیار کم است و آرزوئے دل مرغان چمن بسیار است

بہرحال صورت حال کے تقاضے سے مولف اغماض نہ کر سکا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ کتاب کے وضع و اسلوب میں ایک نمایاں تبدیلی کر دینی پڑی اور اب کتاب کی نوعیت محض ترجمہ اور نوٹوں ہی کی نہیں رہی ہے جیسی کہ پہلی جلد کی رہ چکی ہے بلکہ تفسیری مباحث و تفصیلات کا بھی معتد بہ حصہ شامل ہو گیا ہے۔ بلاشبہ اسکی تفصیلات البیان کی تفصیلات تک نہیں پہنچتیں اور پہنچنا بھی نہیں چاہئے تاہم جہاں تک مہمات مطالب کا تعلق ہے تقریباً تمام مقامات بحث میں آ گئے ہیں اور ارباب نظر کے لئے کفایت کرتے ہیں۔

(۲) اس غرض سے جو طریقہ اب اختیار کیا گیا ہے وہ حسب ذیل ہے:۔

پہلے کوشش کی ہے کہ سورت کا کوئی حل طلب مقام بغیر اشارہ و تشریح کے نہ رہ جائے، اور نوٹوں کی ترتیب میں نہ تو مقدار کے لحاظ سے کمی رہے نہ تعداد کے لحاظ سے۔ چنانچہ پہلی جلد کے مقابلہ میں نوٹوں کی مقدار کم از کم ڈیوڑھی ہو گئی ہے اور تعداد تو اکثر حالتوں میں دوگنی سے کم نہیں۔

پھر جب سورت ختم ہو گئی، تو سورت کے تمام اہم مقامات پر از سر نو نظر ڈالی گئی اور جن جن مقامات کے لئے تفصیلی بحث ضروری محسوس ہوئی، ان پر مستقل مباحث و مقالات لکھ کر آخر میں بڑھائے گئے۔ ان مباحث نے بعض سورتوں میں اس قدر طول کھینچا کہ بہت دور تک پھیلتے چلے گئے۔ پھر بھی بہ تکلف اختصار کی کوشش نہیں کی گئی اور مبحث نے جس قدر پھیلنا چاہا

پرنٹر و پبلشر ملک محمد شفیع مالک مکتبہ مصطفائی نے کوا پریٹیو کیپٹل پرنٹنگ پریس لاہور

سے

چھپوا کر کشمیری بازار لاہور سے شائع کیا ۔

بنی اسرائیل، حقوق نسواں، تقسیم میراث وغیرہا، تو وہ تیسری جلد کی سورتوں کے مباحث میں خود بخود آجائیں گے، اور اس طرح ابتدائی سورتوں کی تشریحات بھی پوری طرح مکمل ہو جائیں گی۔

(۳) اس طرح ترجمان البقرہ آن کا مواد دو جلدوں کی جگہ اب تین جلدوں میں منقسم ہو گیا ہے۔ یہ جلد سورۂ مومنون پر ختم ہوتی ہے تیسری جلد سورۂ نور سے شروع ہوگی اور آخری سورت یعنی الناس پر ختم ہو جائے گی۔ اسکی ضخامت غالباً سات سو صفحوں تک پہنچ جائے۔ چونکہ آخر میں کئی قسموں کی تام فہرستوں کا اضافہ کیا جا رہا ہے اس لئے سو صفحے اور بڑھا دینے چاہئیں۔

(۴) ہر کتاب میں اسکی خصوصیات کا ایک خاص محل ہوتا ہے اگر اس محل پر نظر رہے تو کتاب کی تمام خصوصیات پر نظر رہی اس سے ہٹ جائے، تو گویا پوری کتاب سے ہٹ گئی۔ ترجمان القرآن کا مطالعہ کرتے ہوئے یہ بات پیش نظر رکھنی چاہئے کہ اسکی تام خصوصیات کا اصلی محل اس کا ترجمہ اور ترجمہ کا اسلوب ہے۔ اگر اس پر نظر رہیگی تو پوری کتاب پر نظر رہیگی۔ وہ اوجھل ہوگی تو پوری کتاب نظر سے اوجھل ہو جائیگی۔

قرآن کے مقاصد و مطالب کے باب میں جس قدر کاوش کی گئی ہے، راہ کو مشکلات سے جس قدر صاف کیا گیا ہے، قرآن کے علوم و معارف کے جس قدر اصول و مبادیات از سر نو مدون کئے گئے ہیں وہ سب کے سب صرف اسی محل میں ڈھونڈھے جا سکتے ہیں اور یہی خزینہ ہے جس میں کتاب کی تمام خصوصیات مدفون ہیں اگر اہل نظر غور و تدبر سے مطالعہ کرینگے تو خود محسوس کر لیں گے کہ نہ صرف ترجمہ کا ہر صفحہ بلکہ ہر صفحہ کے متعدد مقام کسی نہ کسی خصوصیت کو نمایاں کر رہے ہیں، اور اکثر حالتوں میں ترجمہ کے صرف ایک لفظ یا کسی ایک ترکیب نے معاملہ کی بے شمار مشکلیں حل کر دی ہیں۔ اگر ترجمہ کے ساتھ ایسے حواشی بڑھائے جاتے جن میں ہر مقام کی خصوصیتیں واضح کی جاتیں اور کھول کھول کر بتلایا جاتا کہ پہلے معاملہ کی نوعیت کیا تھی، اور اب کیا سے کیا ہو گئی ہے، تو یقیناً یہ حواشی اپنی مقدار میں ایک پوری کتاب بن جاتے۔ کیونکہ ترجمہ کی ہر چوتھی پانچویں سطر ایک نئے حاشیہ کا تقاضا کرتی، اور ہر حاشیہ تفسیری مباحث کا ایک مقالہ بن جاتا۔

بہر حال ضروری ہے کہ مطالعہ کے وقت یہ حقیقت پیش نظر رہے جس قدر غور و تدبر سے ترجمہ کا مطالعہ کیا جائے گا، اسی قدر قرآن حکیم کے حقایق اپنی اصلی طلعت و زیبائی میں بے نقاب ہوتے جائیں گے۔

(۵) ترجمہ کے بعد کتاب کا دوسرا محل تدبر، نوٹ ہیں۔

یہ نوٹ عبارت میں مطول نہیں ہو سکتے تھے اور مطول نہیں ہیں لیکن معانی و اشارات میں مفصل ہو سکتے تھے اور پوری طرح مفصل ہیں، اور اس اعتبار سے کہا جا سکتا ہے کہ ان کی ہر سطر تفسیر کا ایک پورا صفحہ بلکہ بعض حالتوں میں ایک پورے مقالہ کی تام مقام نے اکثر مقامات میں یہ ہوا ہے کہ معارف و مباحث کا ایک پورا دفتر دماغ میں پھیل رہا تھا مگر نوک قلم پر پہنچا تو ایک سطر یا ایک جملہ بن کر رہ گیا۔ اب کتاب کے صفحہ پر وہ ایک جملہ ہی رہیگا۔ لیکن اہل نظر چاہیں تو اپنے ذہن و فکر میں پھر اسے ایک دفتر کی صورت دے کر پھیلا دے سکتے ہیں

آں کس ہست اہل بصارت کہ اشارت داند ۔۔۔ نکتہ ہا ہست بسے محرم اسرار کجا ست؟

پس ضروری ہے کہ نوٹوں کا مطالعہ ایک ہی مرتبہ نہیں، بلکہ بار بار کیا جائے۔ یوں جوں فکر آشنا ہوتا جائیگا، مطالب و دقایق کے نئے نئے پہلو آشکارا ہوتے جائیں گے۔

(۶) یہ مشکل ہے کہ کتاب کی علمی حیثیت کا عام طور پر اندازہ کیا جا سکے۔ اس لئے جو چیز پیش نظر ہے، وہ اس کے مطالعہ کے نتائج ہیں۔ اسکی حیثیت کا اعتراف نہیں۔

پھیلتا گیا۔ مباحث و مقالات کا خط وہی رکھا گیا ہے جو نوٹوں کے خشتی قلم کا خط ہے اور سطر ۲۵ کی جگہ ۳۵ سطری اختیار کیا گیا ہے۔ پس گران کی مقدار کا اندازہ متن کے قلم اور سطر کے لحاظ سے کیا جائے، تو تقریباً دوگنے کا فرق تسلیم کرنا پڑیگا۔ یعنی اگر یہ نوٹ اور مقالات کسی کتاب کی شکل میں علیحدہ شائع ہوتے اور متن کا قلم اور سطر اختیار کیا جاتا تو اس سے دوگنی جگہ لیتے، جتنی جگہ میں یہاں آگئے ہیں۔ مثلاً سورۂ توبہ کے آخر میں چھبیس ۲۶ صفحوں کے مباحث ہیں۔ انہیں عام کتابی شکل میں باون صفحات کا مواد تصور کرنا چاہئے۔ سورۂ کہف کے آخر میں اڑتیس ۳۸ صفحات بڑھائے گئے ہیں۔ یہ اس صورت میں کم از کم ۷۶ صفحات تک پہنچ جاتے!

سورۂ اعراف میں چالیس ۴۰ نوٹ ہیں اور انفال میں بیالیس ۴۲۔ سورۂ توبہ میں پہلے بائیس ۲۲ نوٹ اتنے مشرح آئے ہیں کہ بعض دو دو تین تین صفحوں تک مسلسل چلے گئے ہیں پھر آخر میں چھبیس صفحوں کے مفصل مباحث کا مزید اضافہ کیا گیا ہے۔

سورۂ یونس میں پینتالیس ۴۵ نوٹ ہیں۔ پھر بھی آخر میں دس صفحوں کے مباحث اور بڑھانے پڑے۔ سورۂ ہود کے آخر میں ایک مستقل مقالہ اس اصولی بحث پر درج کیا گیا ہے کہ قصص قرآنی کے مبادی و مقاصد کیا کیا ہیں اور کیوں قرآن انہیں دلائل و براہین کی حیثیت سے پیش کرتا ہے؟

سورۂ یوسف میں جا بجا مشرح نوٹ لکھے گئے ہیں۔ پھر آخر میں بیس ۲۰ صفحوں کا ایک مقالہ بڑھایا گیا ہے تاکہ سورت کے مواعظ و بصائر پر ایک مجموعی نظر پڑ جائے۔ سورت کے تفسیری مباحث تفصیل طلب تھے اور بہت زیادہ تھے اس لئے انہیں نظر انداز کرنا پڑا۔ البتہ مواعظ و حکم کے تمام اہم پہلو پوری طرح واضح ہو گئے ہیں۔

سورۂ کہف کے آخر میں اڑتیس ۳۸ صفحوں کے مقالات بڑھائے گئے ہیں۔ کیونکہ متعدد تاریخی سوالات حل طلب تھے اور بغیر تشریح و اطناب کے واضح نہیں ہو سکتے تھے۔ البتہ سورت کا ایک واقعہ تفصیلی بحث سے رہ گیا۔ یعنی صاحب موسیٰ علیہ السلام کے اعمال تلاتہ اور ان کے نتائج و حکم اگر تفصیلی بحث کی جاتی تو مقالات کی مقدار بہت زیادہ بڑھ جاتی۔ تاہم نوٹ میں جس قدر اشارات کر دیئے گئے ہیں۔ اہل نظر کے لئے کفایت کرتے ہیں۔

بقیہ سورتوں کے ترجمہ و تشریح میں بھی ایسا ہی اسلوب ملحوظ رہا ہے۔

بلاشبہ یہ تفصیلات ان حدود سے متجاوز ہو گئیں جو ترجمان القرآن کے لئے قرار دی گئی تھیں۔ لیکن اگر البیان کی تفصیلات سامنے لائی جائیں، تو یہ تفصیلات بھی اجمال و تلخیص سے زیادہ معلوم نہ ہونگی۔ یہاں سورۂ یوسف کا مقالہ بیس صفحوں میں سما گیا ہے اور البیان کے مسودہ کا مواد اگر چالیس صفحوں میں بھی سما جائے تو سمجھا چاہئے بہت کم جگہ میں آگیا۔ سب سے زیادہ تفصیل سورہ کہف کے مقالات میں ہوئی ہے لیکن جو مباحث یہاں اڑتیس صفحوں میں سمیٹ دیئے گئے ہیں، ان کے لئے البیان کے ساٹھ ستر صفحوں کی وسعت بھی بمشکل کفایت کرے گی!

ہماں عشق ست بر خود بستہ چندیں داستاں دیرہ کسے بر معنیٔ یک حرف صد دفتر نمی سازد

مباحث و تفصیلات کا اضافہ کرتے ہوئے ایک اور پہلو بھی پیش نظر رہا۔ پہلی جلد کی سورتوں میں یہ طریقہ ملحوظ نہیں رہا ہے۔ اس لئے ان کے جو مقامات بحث و نظر سے رہ گئے ہیں ضروری تھا کہ ان کے لئے بھی کوئی صورت پیدا کی جاتی، تاکہ یہ ایڈیشن اپنی نوعیت میں ناقص نہ رہ جائے۔ چونکہ مطالب قرآنی کی بڑی تعداد ایسی ہے جو بار بار دہرائی گئی ہے اس لئے ان مقامات کی تشریح کے لئے مناسب موقعہ پیدا کر لینا کچھ دشوار نہ تھا۔ چنانچہ اس طرح کے تمام مواقع پیش نظر رہے اور پہلی جلد کی پانچ سورتوں کی اکثر مہمات اس جلد کی سورتوں کے مباحث میں آگئیں۔ البتہ بعض مباحث باقی رہ گئے ہیں۔ مثلاً قصۂ آدم خروج

الاعراف (۷)

مکی - ۲۰۶ - آیتیں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ○

الٓمٓصٓ ۝ كِتٰبٌ اُنْزِلَ اِلَيْكَ فَلَا يَكُنْ فِيْ صَدْرِكَ حَرَجٌ مِّنْهُ لِتُنْذِرَ بِهٖ وَذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ○ اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ ۭ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ○ وَكَمْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا فَجَاۗءَهَا بَاْسُنَا بَيَاتًا اَوْهُمْ قَاۗىِٕلُوْنَ ○ فَمَا كَانَ دَعْوٰىهُمْ اِذْ جَاۗءَهُمْ بَاْسُنَآ

(۱) ہدایت وحی کا مقصد تذکیر اور تنذیر ہے - "تذکیر" یعنی پند و موعظت کے ذریعہ بیدار کرنا - "تنذیر" یعنی انکار و بدعملی کے نتائج سے خبردار کرنا -

(۲) پیروانِ دعوت کو موعظت کہ دعوتِ حق کا معاملہ بڑے ہی عزم و ثبات اور صبر و استقلال کا معاملہ ہے اور خواہ کتنی ہی مشکلیں پیش آئیں لیکن بالآخر حق کی فتح مقدر اٹل ہے - پس چاہئے کہ مشکلاتِ کار سے دل تنگ و افسردہ خاطر نہ ہوں -

(۳) مشرکینِ عرب کو تنذیر -

الف، لام - میم، صاد -

(اے پیغمبر!) یہ کتاب ہے جو تم پر نازل کی گئی اس لئے کہ اس کے ذریعہ لوگوں کو (انکار و بدعملی کی پاداش سے) خبردار و ہشیار کردو، اور اس لئے کہ ایمان رکھنے والوں کے لئے بیداری و نصیحت ہو - پس دیکھو ایسا نہ ہو کہ اس بارے میں کسی طرح کی دل تنگی تمہارے اندر راہ پائے!

(لوگو!) جو کچھ تمہارے پروردگار کی جانب سے تم پر نازل ہوا ہے اس کی پیروی کرو، اور خدا کو چھوڑ کر اپنے (ٹھہرائے ہوئے) مددگاروں کے پیچھے نہ چلو (افسوس تم پر!) بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ تم نصیحت پذیر ہو!

(۴) جن جماعتوں نے دعوتِ حق کا مقابلہ کیا، وہ پاداشِ عمل میں ہلاک ہوگئیں - کیونکہ انکار و سرکشی کا نتیجہ ہلاکت و نامرادی ہے -

(۵) قوموں سے پرسش ہوگی کہ انہوں نے پیغمبروں کی دعوت پر کان دھرا یا نہیں، اور پیغمبر بھی اس کے لئے جوابدہ ہیں کہ انہوں نے فرضِ رسالت ادا کیا یا نہیں -

اور (دیکھو) کتنی ہی بستیاں ہیں جنہیں ہم نے پاداشِ عمل میں ہلاک کر دیا - چنانچہ ایسا ہوا کہ لوگ راتوں کو بے خبر سو رہے تھے یا دوپہر کے وقت استراحت میں تھے کہ اچانک عذاب کی سختی نمودار ہوگئی!

پھر جب عذاب کی سختی نمودار ہوئی، تو (انکار و شرارت کا سارا دم خم جاتا رہا) اس وقت اُن کی

بڑی دقت یہ پیش آگئی ہے کہ ترجمان القرآن تفسیری مباحث کے رد و کد میں نہیں پڑتا۔ صرف یہ کرتا ہے کہ اپنی پیش نظر اصول و قواعد کے ماتحت قرآن کے ترجم مطالب ایک مرتب و منظم شکل میں پیش کر دے۔ اگر وہ جا بجا یہ بات نمایاں کرتا جاتا کہ معاملہ کے الجھاؤ کیا کیا تھے اور اب کس طرح حقیقت گم گشتہ کا سراغ لگایا گیا ہے تو ممکن ہے اہل نظر اس باب میں کوئی فیصلہ قائم کر سکتے۔ لیکن اگر ایسا کیا جاتا تو کتاب کی اصلی حیثیت مفقود ہو جاتی۔ اسلئے قصداً اس سے احتراز کیا گیا۔ نتیجہ یہ ہے کہ لوگ پڑھتے ہیں اور پسند کرتے ہیں لیکن کام کی نوعیت و حیثیت کا اندازہ نہیں لگا سکتے

ملک میں آج دو ہی گروہ موجود ہیں۔ علماء اور جدید تعلیم یافتہ۔ پہلا گروہ قدیم راہوں سے آشنا ہے لیکن نظر و تدبر کے نئے تقاضوں سے آشنا نہیں۔ دوسرا گروہ نئے تقاضوں کی تشنگی رکھتا ہے لیکن قدیم راہوں سے آشنا نہیں اور نہ راہ کی مشکلات کی اسے کچھ خبر ہے ایسی حالت میں ظاہر ہے کہ معاملہ کی علمی نوعیت کا نہ تو پہلا گروہ اندازہ شناس ہو سکتا ہے نہ دوسرا، اور بدقسمتی سے تیسرا گروہ مفقود ہے۔

یارب کجا ست محرم رازے کہ یک زماں دل شرح آں دہد کہ چہ دید و چہا شنید!

کام کی علمی نوعیت کا اندازہ اس طرح کیا جا سکتا تھا کہ قرآن کے جس قدر اردو و فارسی ترجمے موجود ہیں سب سامنے رکھ لیے جائیں نیز قدیم تفاسیر میں سے بھی چند مقبول و مستند تفسیریں اٹھالی جائیں۔ یا کم از کم تفسیر کبیر ہی منتخب کر لی جائے کہ تفسیری اجتہاد میں متاخرین کا منتہا نظر و کاوش وہی ہے۔ پھر کم از کم کسی ایک سورت کا ترجمہ ترجمان القرآن میں نکال کر ایک ایک آیت کے ترجمہ و شرح کا ان سب سے مقابلہ کیا جائے، اور پوری دقیقہ سنجی کے ساتھ دیکھا جائے کہ کونسی بات وہاں کس شکل و نوعیت میں آئی ہے اور یہاں اس نے کونسی شکل و نوعیت اختیار کر لی ہے اور پھر اس اختلاف نظر نے مقاصد و مطالب قرآنی کا معاملہ کہاں سے کہاں پہنچا دیا ہے لیکن ظاہر ہے کہ ایسے اہل نظر کہاں سے آئیں؟ اور اگر کوئی ہو بھی تو اتنی زحمت کیوں برداشت کرنے لگا؟ بہرحال زمانہ اس کام کا اندازہ شناس ہو یا نہ ہو مگر مولف نے زمانہ کی حالت کا پوری طرح اندازہ کر لیا ہے، اور اول دن سے اس پر قانع ہے۔ جو کچھ طلب ہے استفادہ و عمل کی ہے اعتراف و تحسین کی نہیں:

از رد و ہم قبول تو فارغ نشستہ ایم اے آں کہ خوب مانہ شناسی ز زشت ما

(۷) کتاب کے ساتھ ہر سورت کے مطالب کی جو فہرست دی گئی ہے وہ صرف فہرست ہی نہیں ہے، بلکہ بجائے خود نظر و مطالعہ کی ایک چیز ہے۔ اگر ایک صاحب نظر پوری کتاب نظر انداز کر دے اور صرف اس فہرست پر قناعت کرے جب بھی قرآن کے مقاصد و مطالب پر اتنا عبور حاصل کر لے گا جو شاید دوسری صورتوں میں حاصل نہ کیا جا سکے۔ یہ گویا بجائے خود ایک مجمل تفسیر ہے یہ ہر سورت کے مطالب و دقائق کو پوری ترتیب و تحلیل کے بعد بہ یک نظر واضح و آشکارا کر دیتی ہے:

پہلی جلد کی فہرست جب میں نے مرتب کرنی چاہی، تو اس سے زیادہ کوئی بات پیش نظر نہ تھی کہ ایک فہرست مرتب ہو جائے لیکن قلم نے بلا قصد اسلوب نگارش کا ایک ایسا رخ اختیار کر لیا، کہ ترتیب کے بعد دیکھا، تو معاملہ کچھ سے کچھ ہو گیا تھا۔ حتی کہ ایک دوست عزیز نے جنکی نظر سے ابھی اصل کتاب نہیں گذری تھی، صرف سورہ بقرہ کی فہرست کا پروف پڑھ کر سورہ بقرہ کی پوری تفسیر پر ایک جامع و مانع تقریر سنا دی۔ اب یہی اسلوب ترتیب اس جلد کی فہرست میں بھی قصداً ملحوظ رکھا گیا ہے، اور امید ہے کہ اہل ذوق کے لئے مزید علم و بصیرت کا موجب ہوگا۔

تیسری جلد کے آخر میں ایک اور ایجدی فہرست بھی بڑھائی جائیگی، جو مختلف جہتوں سے مطالب قرآنی کا تجزیہ و تحلیل کرتے ہوئے ہر نوع و قسم کو الگ الگ کر کے نمایاں کر دے گی اور انشاء اللہ اپنی نوعیت میں نہایت نافع اور جامع ثابت ہوگی فبشر عباد الذین یستمعون القول فیتبعون احسنہ اولئک الذین ھداھم اللہ و اولئک ھم اولوا الالباب (۳۹، ۱۸)

ابوالکلام :- ۱۳ اپریل ۱۹۳۶ء

مرتی نگر۔ کانگریس کیمپ۔ لکھنو۔

إِلَّا إِبْلِيسَ ۖ لَمْ يَكُن مِّنَ السَّاجِدِينَ ۝ قَالَ مَا مَنَعَكَ أَلَّا تَسْجُدَ إِذْ أَمَرْتُكَ ۖ قَالَ أَنَا خَيْرٌ ۱۱
مِّنْهُ ۖ خَلَقْتَنِي مِن نَّارٍ وَخَلَقْتَهُ مِن طِينٍ ۝ قَالَ فَاهْبِطْ مِنْهَا فَمَا يَكُونُ لَكَ أَن تَتَكَبَّرَ ۱۲
فِيهَا فَاخْرُجْ إِنَّكَ مِنَ الصَّاغِرِينَ ۝ قَالَ أَنظِرْنِي إِلَىٰ يَوْمِ يُبْعَثُونَ ۝ قَالَ إِنَّكَ مِنَ ۱۳-۱۴
الْمُنظَرِينَ ۝ قَالَ فَبِمَا أَغْوَيْتَنِي لَأَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيمَ ۝ ثُمَّ لَآتِيَنَّهُم مِّن ۱۵-۱۶
بَيْنِ أَيْدِيهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ أَيْمَانِهِمْ وَعَن شَمَائِلِهِمْ ۖ وَلَا تَجِدُ أَكْثَرَهُمْ شَاكِرِينَ ۝ ۱۷

(ب) ملائکہ نے تعمیل کی لیکن ابلیس نے انکار و سرکشی کی راہ اختیار کی۔

(ج) آدم سے بھی لغزش ہوئی، لیکن اس نے سرکشی نہیں کی۔ عجز و اعتراف کا سر جھکا دیا۔

(د) اب بنی آدم کے لئے دو راہیں ہو گئیں۔ ایک آدم والی کہ احکام الٰہی کی اطاعت کرنا۔ اور اگر قصور ہو جائے تو توبہ و انابت کا سر جھکا دینا۔ دوسری ابلیس والی کہ پہلے نافرمانی کرنا، پھر عجز و اعتراف کی جگہ سرکشی و تکبر کی چال چلنا۔ جو پہلی راہ چلے گا کامیاب ہوگا۔ جو دوسری راہ چلے گا نامراد ہوگا۔

(ہ) ابلیس کے گھمنڈ اور گستاخانہ جرات کے ذکر میں اس حقیقت کی طرف اشارہ ہے کہ برائی کی قوتیں جب سر اٹھاتی ہیں تو ان کی سرکشی کا ایسا ہی حال ہوتا ہے۔ اور

(و) یہاں ڈھیل اور مہلت سب کے لئے ہے، اچھوں کے لئے بھی اور بروں کے لئے بھی۔

یاد رہے کہ قرآن نے مخلوقات کی دو قسمیں کر دی ہیں:۔ ایک وہ جن کا خلق عالم غیب سے ہے یعنی غیر محسوسات سے۔ ایک وہ جن کا خلق عالم شہادت سے ہے یعنی محسوسات سے۔ نوع انسانی کی ابتدائی پیدائش اور نشو و نما کا معاملہ عالم غیب سے تعلق رکھتا ہے، کیونکہ ہم اپنے وسائل ذہن و ادراک سے کوئی یقینی رائے اس بارے میں حاصل نہیں کر سکتے اور اس لئے ضروری ہے کہ کتاب الٰہی نے جو کچھ بیان کیا ہے اس پر ایمان لائیں۔ آدم کی سرگزشت کی تاریخ نہ تو رات ہی سے شروع نہیں ہوتی بلکہ آثار قدیمہ کے انکشافات نے اسے بہت قدیم عہد تک پہنچا دیا ہے۔ کم سے کم یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ تورات سے کئی ہزار

۱۱ جھکنے والوں میں سے نہ تھا۔

خدا نے فرمایا "کس بات نے تجھے جھکنے سے روکا جبکہ میں نے حکم دیا تھا؟"

کہا "اس بات نے کہ میں آدم سے بہتر ہوں تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا۔ اسے مٹی سے"۔

۱۲ فرمایا "جنت سے نکل جا۔ تیری یہ ہستی نہیں کہ یہاں رہ کر سرکشی کرے۔ یہاں سے نکل دور ہو یقیناً تو ان میں سے ہوا جو ذلیل و خوار ہیں!"

۱۳ ابلیس نے کہا "مجھے اس وقت تک کے لئے مہلت دے جب لوگ (مرنے کے بعد) اٹھائے جائیں گے"

۱۴ فرمایا "مجھے مہلت ہے"

۱۵ اس پر ابلیس نے کہا "چونکہ تو نے مجھ پر راہ بند کر دی، تو اب بھی ایسا ضرور کروں گا کہ تیری سیدھی راہ سے بھٹکانے کے لئے بنی آدم کی تاک میں

۱۶ بیٹھوں پھر سامنے سے، پیچھے سے، دہنے سے، بائیں سے (غرضکہ ہر طرف سے) ان پر آؤں، اور تو ان میں سے اکثروں کو شکر گذار نہ پائے گا"۔

۱۷

إِلَّا أَن قَالُوا إِنَّا كُنَّا ظَالِمِينَ ۝ فَلَنَسْـَٔلَنَّ الَّذِينَ أُرْسِلَ إِلَيْهِمْ وَلَنَسْـَٔلَنَّ الْمُرْسَلِينَ ۝
فَلَنَقُصَّنَّ عَلَيْهِم بِعِلْمٍ وَمَا كُنَّا غَائِبِينَ ۝ وَالْوَزْنُ يَوْمَئِذٍ الْحَقُّ ۚ فَمَن ثَقُلَتْ مَوَازِينُهُ
فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ۝ وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِينُهُ فَأُولَٰئِكَ الَّذِينَ خَسِرُوا أَنفُسَهُم
بِمَا كَانُوا بِآيَاتِنَا يَظْلِمُونَ ۝ وَلَقَدْ مَكَّنَّاكُمْ فِي الْأَرْضِ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيهَا مَعَايِشَ ۗ قَلِيلًا مَّا
تَشْكُرُونَ ۝ وَلَقَدْ خَلَقْنَاكُمْ ثُمَّ صَوَّرْنَاكُمْ ثُمَّ قُلْنَا لِلْمَلَائِكَةِ اسْجُدُوا لِآدَمَ فَسَجَدُوا

پکار اس کے سوا کچھ نہ تھی کہ "بلاشبہ ہم ظلم کرنے والے تھے"!

تو دیکھو، یقیناً ہم ان لوگوں سے باز پرس کریں گے جن کی طرف پیغمبر بھیجے گئے (کہ انہوں نے پیغمبروں کی دعوت پر کان دھرا یا نہیں) اور یقیناً پیغمبروں سے بھی باز پرس ہوگی (کہ انہوں نے فرضِ رسالت ادا کیا یا نہیں) اور پھر یقیناً ایسا ہوگا کہ (اُن کے اعمال کی سرگذشت) ہم اپنے علم سے انہیں سنا دینگے، اور ہم غائب نہ تھے (کہ بے خبر ہوں)۔

(۶) قانونِ الٰہی یہ ہے کہ ہر فرد اور جماعت کو وہی ہی نتائج ملیں گے، جیسے کچھ اس کے اعمال ہوں گے۔ کامیاب انسان وہ ہوگا جس کی بھلائیاں برائیوں سے زیادہ ہوں گی۔ نامراد وہ ہوگا۔ جس کی برائیوں کے وزن سے بھلائیاں دب جائیں گی۔ دنیا میں اشیاء کے موازنہ کے لئے ترازو کام دیا کرتا ہے۔ اسی طرح اعمال کے موازنہ کے لئے بھی قدرت نے ایک میزان مقرر کر دیا ہے جس کی تول میں کبھی غلطی نہیں ہو سکتی۔

اور اس دن (اعمال کا) تولنا برحق ہے۔ پھر جس کسی (کی نیکیوں کا) پلہ بھاری نکلے گا۔ تو کامیابی اسی کے لئے ہوگی، اور جس کسی کا پلہ ہلکا ہوگا، تو یہ وہ لوگ ہوں گے جنہوں نے اپنے ہاتھوں اپنا نقصان کیا۔ کیونکہ وہ ہماری آیتوں کے ساتھ ناانصافی کرتے تھے!

اور (دیکھو) ہم نے تمہیں (یعنی نوعِ انسانی کو) زمین میں (قدرت و اختیار کے ساتھ) بسا دیا، اور زندگی کے سروسامان مہیا کر دئے، مگر بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ شکرگذار ہو!

(۷) نسلِ انسانی کی سعادت و شقاوت کی ابتدائی سرگذشت اور ہدایت وحی کی ابتداء۔
(۱) پہلے انسان کے وجود کی تخلیق ہوئی۔ پھر اس کی صورت بنی، پھر وہ وقت آیا کہ آدم کا ظہور ہوا، اور اس نے وہ مقام حاصل کر لیا کہ ملائکہ کو حکم ہوا، اس کے آگے سربسجود ہو جاؤ۔

اور (دیکھو) یہ ہماری ہی کارفرمائی ہے کہ) ہم نے تمہیں پیدا کیا (یعنی تمہارا وجود پیدا کیا، پھر تمہاری (یعنی نوعِ انسانی کی) شکل و صورت بنا دی پھر (وہ وقت آیا کہ) فرشتوں کو حکم دیا: "آدم کے آگے جھک جاؤ"۔ اس پر سب جھک گئے۔ مگر ابلیس، کہ

أَقُل لَّكُمَا إِنَّ الشَّيْطَانَ لَكُمَا عَدُوٌّ مُّبِينٌ ۝ ٢٢ قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنفُسَنَا وَإِن لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا
وَتَرْحَمْنَا لَنَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ ۝ ٢٣ قَالَ اهْبِطُوا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۖ وَلَكُمْ فِي الْأَرْضِ
مُسْتَقَرٌّ وَمَتَاعٌ إِلَىٰ حِينٍ ۝ ٢٤ قَالَ فِيهَا تَحْيَوْنَ وَفِيهَا تَمُوتُونَ وَمِنْهَا تُخْرَجُونَ ۝ ٢٥ يَا بَنِي
آدَمَ قَدْ أَنزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُوَارِي سَوْآتِكُمْ وَرِيشًا ۖ وَلِبَاسُ التَّقْوَىٰ ذَٰلِكَ خَيْرٌ ۚ ذَٰلِكَ
مِنْ آيَاتِ اللَّهِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُونَ ۝ ٢٦ يَا بَنِي آدَمَ لَا يَفْتِنَنَّكُمُ الشَّيْطَانُ كَمَا أَخْرَجَ أَبَوَيْكُم
مِّنَ الْجَنَّةِ يَنزِعُ عَنْهُمَا لِبَاسَهُمَا لِيُرِيَهُمَا سَوْآتِهِمَا ۗ إِنَّهُ يَرَاكُمْ هُوَ وَقَبِيلُهُ مِنْ حَيْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ ۗ

۲۲ اُنھوں نے عرض کیا: پروردگار! ہم نے اپنے ہاتھوں اپنا نقصان کیا۔ اگر تو نے ہمارا قصور نہ بخشا
۲۳ اور ہم پر رحم نہ فرمایا، تو ہمارے لئے بربادی کے سوا کچھ نہیں!"

فرمایا: "یہاں سے نکل جاؤ۔ تم ایک دوسرے کے دشمن ہو۔ اب تمہارے لئے زمین میں ٹھکانا ہے،
۲۴ اور یہ کہ ایک خاص وقت تک وہاں سروسامان زندگی سے فائدہ اٹھاؤ گے۔
۲۵ اور فرمایا "تم اسی میں جیو گے، اسی میں مرو گے، پھر اسی سے (مرنے کے بعد) نکالے جاؤ گے!

۲۶ اے اولادِ آدم! ہم نے تمہارے لئے ایسا لباس مہیا کر دیا جو تمہارے جسم کی ستر پوشی کرتا ہے اور ایسی چیزیں بھی جو زیب و زینت کا ذریعہ ہیں۔ نیز تمہیں پرہیزگاری کی راہ دکھا دی کہ تمام لباسوں سے بہتر لباس ہے یہ اللہ (کے فضل و رحمت) کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے، تاکہ لوگ نصیحت پذیر ہوں!"

(اور خدا نے فرمایا:) "اے اولادِ آدم! دیکھو، کہیں ایسا نہ ہو کہ شیطان تمہیں اُسی طرح بہکا دے جس طرح تمہارے ماں باپ کو بہکا کر جنت سے نکلوا دیا تھا، اور ان کے لباس اتروا دئے تھے کہ ان کے ستر انہیں دکھا دے۔ وہ اور اس کا گروہ تمہیں اس طرح دیکھتا ہے کہ تم اسے نہیں دیکھتے۔ یاد رکھو، ہم نے یہ بات ٹھہرا دی ہے کہ جو لوگ

(۸) اب یہاں سے آیت (۳۶) تک اولادِ آدم سے خطاب ہے۔ یعنی وہ احکام بیان کئے گئے ہیں جو آدم کی ابتدائی نسل کے افراد کو دئے گئے تھے، جب وہ زمین پر پھیل گئے:

(ا) خدا نے زمین کی پیداوار میں تمہارے لئے لباس کا سامان پیدا کر دیا۔ اس میں پوشش و حفاظت بھی ہے۔ اور زیب و زینت بھی۔ نیز اس نے ایک دوسرا لباس بھی مہیا کر دیا ہے، اور وہ لباس تقویٰ ہے۔ پہلا جسم کی حفاظت و زینت ہے۔ دوسرا روح کی۔

(ب) دنیا کا سامان زیب و زینت خدا کی بخشی ہوئی نعمت ہے۔ پس دینداری کا مقتضا یہ ہوا کہ انہیں کام میں لایا جائے۔ نہ یہ کہ ان سے گریز کیا جائے۔ خدا کی عبادت کرو، تو اپنے سامانِ زینت سے آراستہ ہو کر کرو۔

(ج) کھاؤ پیو، دنیا کی تمام نعمتیں کام میں لاؤ، مگر اسراف یعنی بے اعتدالی نہ کرو۔ یہ بات کہ دنیا کی تمام راحتوں اور لذتوں سے فائدہ اٹھانا، مگر بے اعتدالی سے بچنا، دینِ حقیقی کی وہ بنیادی اصل ہے جس کی اولادِ آدم کو تعلیم دی گئی تھی۔

قَالَ اخْرُجْ مِنْهَا مَذْءُوْمًا مَّدْحُوْرًا ؕ لَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝ ۱۸
وَيٰٓاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ فَكُلَا مِنْ حَيْثُ شِئْتُمَا وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ ۱۹
فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ فَوَسْوَسَ لَهُمَا الشَّيْطٰنُ لِيُبْدِيَ لَهُمَا مَا وٗرِيَ عَنْهُمَا مِنْ ۲۰
سَوْاٰتِهِمَا وَقَالَ مَا نَهٰىكُمَا رَبُّكُمَا عَنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَا مَلَكَيْنِ اَوْ تَكُوْنَا
مِنَ الْخٰلِدِيْنَ ۝ وَقَاسَمَهُمَآ اِنِّيْ لَكُمَا لَمِنَ النّٰصِحِيْنَ ۝ فَدَلّٰىهُمَا بِغُرُوْرٍ ۚ فَلَمَّا ۲۱
ذَاقَا الشَّجَرَةَ بَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا وَطَفِقَا يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ ۭ وَ
نَادٰىهُمَا رَبُّهُمَآ اَلَمْ اَنْهَكُمَا عَنْ تِلْكُمَا الشَّجَرَةِ وَ

سال پہلے بابل اور مصر میں کسی ایسے واقعہ کا اعتقاد عام تھا جیسے کالڈیا کی اینٹوں پر اس کے نقوش ملے ہیں۔ اور یہ اس کے معبد میں اس کی تصاویر نمایاں ہیں اور میسوپوٹیمیائی نقوش بھی اس کے اشاروں سے خالی نہیں۔

خدا نے فرمایا تم یہاں سے نکل جا۔ ذلیل اور ٹھکرایا ہوا۔ بنی آدم میں سے جو کوئی تیری پیروی کرے گا، تو وہ تیرا ساتھی ہوگا، اور (میں البتہ ایسا کرونگا

۱۸ کہ (پاداشِ عمل میں) تم سب سے جہنم بھر دوں!"

۱۹ "اے آدم! تو اور تیری بیوی، دونوں جنّت میں رہو سہو، اور جس جگہ سے جو چیز پسند آئے شوق سے کھاؤ۔ مگر دیکھو، (وہ جو ایک درخت ہے، تو) اس درخت کے قریب بھی نہ جانا۔ اگر گئے، تو یاد رکھو، تم زیادتی کرنے والوں میں سے ہو جاؤ گے"۔

۲۰ لیکن پھر ایسا ہوا کہ شیطان نے ان دونوں کے دلوں میں وسوسہ ڈالا، تاکہ اُن کے ستر جو اُن سے چھپے تھے، ان پر کھول دے۔ اس نے کہا "تمہارے پروردگار نے اس درخت سے جو تمہیں روکا ہے، تو صرف اس لئے کہ کہیں ایسا نہ ہو، تم فرشتے بن جاؤ، یا دائمی زندگی تمہیں حاصل ہو جائے"۔

۲۱ اس نے قسمیں کھا کھا کر یقین دِلایا کہ میں تم دونوں کو خیر خواہی سے نیک بات سمجھانے والا ہوں۔

۲۲ غرض کہ شیطان (اس طرح کی باتیں سُنا سُنا کر بالآخر) اُنہیں فریب میں لے آیا۔ پھر جونہی ایسا ہوا کہ اُنہوں نے درخت کا پھل چکھا، اُن کے ستر اُن پر کھل گئے، اور جب اُنہیں اپنی برہنگی دیکھ کر شرم محسوس ہوئی، تو) باغ کے پتّے، اوپر تلے رکھ کر، اپنے جسم پر چپکانے لگے۔ اُس وقت اُن کے پروردگار نے پکارا "کیا میں نے تمہیں اِس درخت سے نہیں روک دیا تھا، اور کیا میں نے نہیں کہہ دیا تھا کہ شیطان تمہارا کھلا دشمن ہے"!

وَيَحْسَبُونَ أَنَّهُم مُّهْتَدُونَ ۝ ٣٠ يَا بَنِي آدَمَ خُذُوا زِينَتَكُمْ عِندَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَكُلُوا وَاشْرَبُوا
وَلَا تُسْرِفُوا ۚ إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِينَ ۝ ٣١ قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِينَةَ اللَّهِ الَّتِي أَخْرَجَ لِعِبَادِهِ
وَالطَّيِّبَاتِ مِنَ الرِّزْقِ ۚ قُلْ هِيَ لِلَّذِينَ آمَنُوا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا خَالِصَةً يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۗ
كَذَٰلِكَ نُفَصِّلُ الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ۝ ٣٢ قُلْ إِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ
مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَالْإِثْمَ وَالْبَغْيَ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَأَن تُشْرِكُوا بِاللَّهِ

ع ۳۱

ہمہ سمجھے کہ راہِ راست پر ہیں! ۳۰

(اور ہم نے حکم دیا تھا) اے اولادِ آدم! عبادت کے ہر موقعہ پر اپنے جسم کی زیب و زینت سے آراستہ رہا کرو۔ نیز کھاؤ پیو، مگر حد سے نہ گذر جاؤ خدا انہیں پسند نہیں کرتا جو حد سے گذر جانے والے ہیں"۔ ۳۱

(اے پیغمبر!) ان لوگوں سے کہو خدا کی زینتیں جو اُس نے اپنے بندوں کے برتنے کے لئے پیدا کی ہیں اور کھانے پینے کی اچھی چیزیں کس نے حرام کی ہیں"؟

تم کہو۔ یہ (نعمتیں) تو اسی لئے ہیں کہ ایمان والوں کے کام آئیں۔ دنیا کی زندگی میں (زندگی کی مکروہات کے ساتھ اور) قیامت کے دن (ہر طرح کی مکروہات سے) خالص! دیکھو، اس طرح ہم اُن لوگوں کے لئے کھول کھول کر بیان کر دیتے ہیں جو جاننے والے ہیں!

(اے پیغمبر!) ان لوگوں سے کہو میرے پروردگار نے جو کچھ حرام ٹھہرایا ہے وہ تو یہ ہے کہ بے حیائی کی باتیں جو کھلے طور پر کی جائیں اور جو چھپا کر کی جائیں۔

کے خلاف نہیں ہیں، بلکہ ان کو کام میں لانا عین منشاء ایزدی کی تعمیل ہے، چنانچہ فرمایا، اولادِ آدم کو جو تعلیم دی گئی تھی، وہ یہ تھی کہ اپنی زیب و زینت سے آراستہ ہو کر خدا کی عبادت کرو!

پیروان مذاہب کی عالمگیر گمراہی یہ تھی کہ سمجھتے تھے روحانی سعادت جبھی مل سکتی ہے کہ دنیا ترک کر دی جائے اور خدا پرستی کا مقتضا یہ ہے کہ زینتوں اور آسایشوں سے کنارہ کش ہو جائیں۔ قرآن کہتا ہے حقیقت اس کے عین برعکس ہے تم سمجھتے ہو زندگی کی زینتیں اس لئے ہیں کہ ترک کر دی جائیں۔ حالانکہ وہ اس لئے ہیں کہ کام میں لائی جائیں۔ دنیا اور دنیا کی تمام نعمتوں کو ٹھیک طور پر کام میں لانا، مشیت الٰہی کو پورا کرنا ہے۔

خدا نے زمین میں جو کچھ پیدا کیا ہے سب تمہارے ہی لئے ہے کھاؤ پیو، زینت و آسایش کی تمام نعمتیں کام میں لاؤ مگر حد سے نہ گذر جاؤ۔ دنیا کا بے اعتدالانہ استعمال روحانی سعادت کے خلاف ہے۔

زندگی کی جن زینتوں کو پیروان مذاہب ترکِ خدا پرستی کے خلاف سمجھتے تھے انہیں قرآن زینۃ اللہ "یعنی خدا کی زینتوں" سے تعبیر کرتا ہے!

یہ آیت قرآن کا ایک انقلاب انگیز اعلان ہے جس نے انسان کی دینی ذہنیت کی بنیادیں اُلٹ دیں۔ وہ دنیا جو نجات و سعادت کی طلب میں دنیا ترک کر رہی تھی۔ اب اسی نجات و سعادت کو دنیا کی تعمیر و ترقی میں

۲۷ إِنَّا جَعَلْنَا الشَّيٰطِينَ أَوْلِيَآءَ لِلَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ ۝ وَإِذَا فَعَلُوا فَاحِشَةً قَالُوا وَجَدْنَا
عَلَيْهَآ ءَابَآءَنَا وَاللّٰهُ أَمَرَنَا بِهَا ۗ قُلْ إِنَّ اللّٰهَ لَا يَأْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ ۖ أَتَقُولُونَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا
۲۸ تَعْلَمُونَ ۝ قُلْ أَمَرَ رَبِّي بِالْقِسْطِ ۖ وَأَقِيمُوا وُجُوهَكُمْ عِندَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَادْعُوهُ
۲۹ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ ۚ كَمَا بَدَأَكُمْ تَعُودُونَ ۝ فَرِيقًا هَدَىٰ وَفَرِيقًا حَقَّ عَلَيْهِمُ الضَّلَٰلَةُ ۗ
إِنَّهُمُ اتَّخَذُوا الشَّيٰطِينَ أَوْلِيَآءَ مِن دُونِ اللّٰهِ

(۱) خدا کا قانون یہ ہے کہ انسان کی ہدایت کے لئے پیغمبر مبعوث کرتا ہے۔ پھر جو کوئی اصلاح کی راہ اختیار کرتا ہے فلاح پاتا ہے۔ جو سرکشی کرتا ہے تباہ ہوتا ہے۔

۲۷ بیان خصوصیت سے لباس کا ذکر اس لئے کیا گیا کہ اس میں انسان کی عقلی زندگی کا سب سے پہلا مظاہرہ تھا۔ جب وہ لباس پہننے لگا، تو یہ گویا اس حقیقت کا اعلان ہوا کہ اس کا اخلاقی شعور ابھر آیا ہے، صنعت و اختراع کی راہوں سے آشنا ہو گیا ہے، اور تمام حیوانی بدن کی جگہ انسانی زندگی کی خصوصیات نشو و نما پا رہی ہیں۔

(۹) خدا کے دین کی اصلی تعلیم تو یہ تھی لیکن لوگوں نے خود ساختہ گمراہیاں پیدا کر لیں اور انہیں حکم الٰہی سمجھنے لگے۔ آیت (۲۸) میں فرمایا، گمراہی کا سب سے بڑا سرچشمہ اپنے بزرگوں کی تقلید ہے۔ مشرکین عرب کی سب سے بڑی دلیل

۲۸ یہ تھی ہم نے اپنے بزرگوں کو ایسا ہی کرتے دیکھا ہے"

(۱۰) آیت (۲۹) میں دین حق کے تین بنیادی اصول واضح کر دیئے: عمل میں اعتدال، عبادت میں توجہ اور خدا پرستی میں اخلاص۔ یہ آیت باب توحید میں اصل اصول ہے فرمایا "دین کو خدا کے لئے خالص کر کے اسے پکارو" یعنی دین کی جتنی باتیں ہیں وہ صرف خدا کے لئے مخصوص کر دو!

(۱۱) رہبانیت کا رد، اور اس اصل عظیم کا اعلان کہ دنیوی زندگی کی آسائشیں اور زینتیں خدا پرستی

۲۹

ایمان نہیں رکھتے، اُن کے رفیق و مددگار شیاطین ہوتے ہیں۔

اور یہ لوگ (یعنی مشرکین عرب) جب بے حیائی کی باتیں کرتے ہیں، تو کہتے ہیں "ہم نے اپنے بزرگوں کو ایسا ہی کرتے دیکھا ہے اور (چونکہ وہ کرتے رہے ہیں، اس لئے) خدا نے ایسا ہی کرنے کا ہمیں حکم دیا ہے"۔ (اے پیغمبر!) تم کہہ دو "خدا کبھی بے حیائی کی باتوں کا حکم نہیں دے گا۔ کیا تم خدا کے نام پر ایسی بات کہنے کی جرأت کرتے ہو جس کے لئے تمہارے پاس کوئی علم نہیں ہے؟"

تم کہو میرے پروردگار نے جو کچھ حکم دیا ہے، وہ تو یہ ہے کہ (ہر بات میں) اعتدال کی راہ اختیار کرو، اپنی تمام عبادتوں میں خدا کی طرف توجہ درست رکھو، اور دین کو اُس کے لئے خالص کر کے اُسے پکارو۔ اُس نے جس طرح تمہاری ہستی شروع کی، اسی طرح لوٹائے جاؤ گے"

(تمہارے دو گروہ ہو گئے) ایک گروہ کو (اس کے ایمان و نیک عملی کی وجہ سے کامیابی کی) راہ دکھائی۔ دوسرے پر اس کے انکار و بدعملی سے) گمراہی ثابت ہو گئی ان لوگوں نے (اپنی دوسرے گروہ نے) خدا کو چھوڑ کر شیطانوں کو اپنا رفیق بنا لیا، (یعنی مفسدوں اور شریروں کی تقلید کی) بایں

أُولَٰئِكَ يَنَالُهُمْ نَصِيبُهُم مِّنَ الْكِتَابِ ۖ حَتَّىٰ إِذَا جَاءَتْهُمْ رُسُلُنَا يَتَوَفَّوْنَهُمْ قَالُوا أَيْنَ مَا كُنتُمْ
تَدْعُونَ مِن دُونِ اللَّهِ ۖ قَالُوا ضَلُّوا عَنَّا وَشَهِدُوا عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ أَنَّهُمْ كَانُوا كَافِرِينَ ۝ قَالَ ۳۷
ادْخُلُوا فِي أُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِن قَبْلِكُم مِّنَ الْجِنِّ وَالْإِنسِ فِي النَّارِ ۖ كُلَّمَا دَخَلَتْ أُمَّةٌ لَّعَنَتْ
أُخْتَهَا ۖ حَتَّىٰ إِذَا ادَّارَكُوا فِيهَا جَمِيعًا ۖ قَالَتْ أُخْرَاهُمْ لِأُولَاهُمْ رَبَّنَا هَٰؤُلَاءِ أَضَلُّونَا فَآتِهِمْ
عَذَابًا ضِعْفًا مِّنَ النَّارِ ۖ قَالَ لِكُلٍّ ضِعْفٌ وَلَٰكِن لَّا تَعْلَمُونَ ۝ وَقَالَتْ أُولَاهُمْ لِأُخْرَاهُمْ ۳۸
فَمَا كَانَ لَكُمْ عَلَيْنَا مِن فَضْلٍ فَذُوقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنتُمْ تَكْسِبُونَ ۝ ۳۹ ع

زریعِ منکروں کا ہے جو اسے جھٹلاتا ہے۔ جو شخص خدا پر بہتان باندھے اس سے بڑھ کر کوئی گنہگار نہیں، اور جو سچے کو جھٹلائے اسکی پکڑ بھی ہیں بھی کلام نہیں اب نتائج فیصلہ کر دینگے کہ کون فریق مستحق عذاب ہے، اور کون مستحق کامیابی و ارجمندی۔

اسے مامور نہیں کیا ہے مگر وہ کہے میں ماموز ہوں) اور اس سے بڑھ کر، جو خدا کی آیتیں جھٹلائے؟ (یعنی خدا کا کلام واقعی نازل ہوا ہو اور وہ ضد اور سرکشی سے کہے نازل نہیں ہوا؟) یہی لوگ ہیں کہ (علم الٰہی کے) نوشتہ میں جو کچھ ان کے لئے ٹھہرا دیا گیا ہے اس کے مطابق اپنا حصہ پاتے رہیں گے لیکن بالآخر جب ہمارے فرستادہ پہنچیں گے کہ انہیں وفات دیں، تو اُس وقت وہ کہینگے "جن ہستیوں کو تم خدا کے سوا پکارا کرتے تھے اب وہ کہاں ہیں؟" وہ جواب دینگے "وہ ہم سے کھوئی گئیں" (یعنی ان کی ہستی و طاقت کی کوئی نمود ہمیں دکھائی نہ دی)، اور (اس طرح) اپنے اوپر خود گواہی دینگے کہ وہ واقعی (سچائی سے) منکر تھے: ۳۷

اس پر حکم الٰہی ہوگا "انسانوں اور جنوں کی اُن اُمتوں کے ساتھ جو تم سے پہلے گذر چکی ہیں تم بھی آتش دوزخ میں داخل ہو جاؤ"۔

(۱۴) اصحاب دوزخ کے بعض احوال و واردات جو عالم آخرت میں پیش آئیں گے۔

آیت (۳۸) میں اس حقیقت کی طرف اشارہ ہے کہ جب کوئی جماعت بُرائی میں مبتلا ہوتی ہے تو خود بھی گمراہ ہوتی ہے۔ اور دوسروں کے لئے بھی گمراہی کی مثال قائم کر دیتی ہے۔ اسی لئے پچھلی امتیں اپنے سے پہلی امتوں پر لعنت بھیجیں گی کہ ان کی تقلید و پیروی میں ہم گمراہ ہوئیں۔ فرمایا "تم میں سے ہر ایک کے لئے دوگنا عذاب ہے"، یعنی ہر ایک جماعت خود بھی گمراہ ہوئی اور اپنے سے بعد آنے والوں کے لئے بھی بُری مثال قائم کی۔ پس سب اس کی مستحق ہوئیں کہ دوگنا عذاب پائیں۔

جب کبھی ایسا ہوگا کہ ایک اُمت دوزخ میں داخل ہوگی تو وہ اپنی طرح کی دوسری اُمت پر لعنت بھیجیگی۔ پھر جب سب اکٹھی ہو جائیں گی تو پچھلی امت پہلی اُمت کی نسبت کہیگی "اے ہمارے پروردگار! یہ لوگ ہیں جنہوں نے ہمیں گمراہ کیا۔ یعنی جن کی تقلید میں ہم گمراہ ہوئے) تو انہیں آتش عذاب کا دوگنا عذاب دیجیو"۔ خدا فرمائے گا "تم میں سے ہر ایک کے لئے دوگنا عذاب ہے لیکن تمہیں معلوم نہیں"۔ ۳۸

اور (یہ سن کر) پہلی امت پچھلی امت سے کہیگی "دیکھو تمہیں (عذاب کی کمی میں) ہم پر کوئی برتری نہ ہوئی تو جیسی ۳۹

۳۳ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا وَّاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ وَلِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ ۚ فَاِذَا جَآءَ
۳۴ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ۝ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ
۳۵ يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ ۙ فَمَنِ اتَّقٰى وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ
۳۶ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَاسْتَكْبَرُوْا عَنْهَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝ فَمَنْ اَظْلَمُ
مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ ۭ

ڈھونڈھنے لگیں!
یہاں زینت سے مقصود وہ تمام چیزیں ہیں۔ جو زندگی کی قدرتی ضروریات سے زیادہ ہوں۔ مثلاً اچھا لباس، اچھا کھانا، معیشت کی تمام بے ضرر آسائشیں اور لذتیں۔

گناہ کی باتیں۔
ناحق کی زیادتی۔
یہ کہ خدا کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہراؤ جس کی اس نے کوئی سند نہیں اُتاری۔
اور یہ کہ خدا کے نام سے ایسی بات کہو جس کے

لئے تمہارے پاس کوئی علم نہیں۔

۳۴ اور (دیکھو) ہر اُمت کے لئے ایک ٹھہرایا ہوا وقت ہے سو جب کسی امت کا ٹھہرایا ہوا وقت آگیا، تو پھر نہ تو ایک گھڑی پیچھے رہ سکتی ہے نہ ایک گھڑی آگے (جو کچھ اس کے لئے ہونا ہے، ہو گزرتا ہے)

(۲۲) پچھلی آیت (۳۴) میں اس حقیقت کی طرف اشارہ کیا کہ افراد کی طرح جماعتوں کی موت و حیات کے لئے بھی مقررہ قوانین ہیں، اور ان کے احکام اٹل ہیں۔ جب ایک جماعت کا شر و فساد اُس حد تک پہنچ جاتا ہے جو جماعتوں کی ہلاکت کے لئے ٹھہرا دی گئی ہے، تو پھر ظہورِ نتائج میں ایک لمحہ کی بھی تاخیر نہیں ہوتی۔

یہاں اس اشارے سے مقصود رؤسائے عرب کی تنبیہ

۳۵ اور مومنوں کی تذکیر ہے کہ انقلاب حال کا وقت آگیا ہے، اور ضروری ہے کہ فیصلہ کن نتائج ظہور میں آئیں۔

(۱۳) آیت (۳۵) میں فرمایا کہ اولادِ آدم کو ہدایت وحی کے وقتاً فوقتاً ظہور کی خبر دی گئی تھی۔ اسی قانون کے

۳۶ مطابق اب پیغمبر اسلام کا ظہور ہوا ہے۔ وہ اپنے دعوی میں سچا ہے یا نہیں؟ اس کا فیصلہ آنے والے نتائج کر دینگے کیونکہ صورتِ حال نے دو فریق پیدا کر دئے ہیں۔ ایک اپنی قرآن ہے جو کہتا ہے میں خدا کی طرف سے مامور ہوں۔ دوسرا

(اور فرمانِ الٰہی ہوا تھا:) "اے اولادِ آدم! جب کبھی ایسا ہو کہ میرے پیغمبر تم میں پیدا ہوں اور میری آیتیں تمہیں پڑھ کر سنائیں، تو جو کوئی (ان کی تعلیم سے متنبہ ہو کر) برائیوں سے بچے گا اور اپنے آپ کو سنوارے گا، اس کے لئے کسی طرح کا اندیشہ نہ ہوگا، نہ کسی طرح کی غمگینی۔"

"لیکن جو لوگ میری آیتیں جھٹلائیں گے اور اُن کے مقابلے میں سرکشی کریں گے، تو وہ دوزخی ہوں گے۔ ہمیشہ دوزخ میں رہنے والے!"

پھر بتلاؤ، اس سے بڑھ کر ظالم کون ہے، جو جھوٹ بولتے ہوئے خدا پر بہتان لگائے؟ (یعنی خدا نے

وَنَادٰٓى اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ اَصْحٰبَ النَّارِ اَنْ قَدْ وَجَدْنَا مَا وَعَدَنَا رَبُّنَا حَقًّا فَهَلْ وَجَدْتُّمْ مَّا
وَعَدَ رَبُّكُمْ حَقًّا ۭ قَالُوْا نَعَمْ ۚ فَاَذَّنَ مُؤَذِّنٌۢ بَيْنَهُمْ اَنْ لَّعْنَةُ اللّٰهِ عَلَي الظّٰلِمِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ ۴۴
يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَيَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ۚ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ كٰفِرُوْنَ ۝ وَبَيْنَهُمَا حِجَابٌ ۚ وَ ۴۵
عَلَي الْاَعْرَافِ رِجَالٌ يَّعْرِفُوْنَ كُلًّۢا بِسِيْمٰىهُمْ ۚ وَنَادَوْٓا اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ اَنْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ ۴۶
لَمْ يَدْخُلُوْهَا وَهُمْ يَطْمَعُوْنَ ۝ وَاِذَا صُرِفَتْ اَبْصَارُهُمْ تِلْقَاۗءَ اَصْحٰبِ النَّارِ ۙ قَالُوْا رَبَّنَا ۴۷
لَا تَجْعَلْنَا مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۝ وَنَادٰٓى اَصْحٰبُ الْاَعْرَافِ رِجَالًا يَّعْرِفُوْنَهُمْ بِسِيْمٰىهُمْ ۴۸
قَالُوْا مَآ اَغْنٰى عَنْكُمْ جَمْعُكُمْ وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُوْنَ ۝

اور جنت والوں نے دوزخیوں کو پکارا "ہمارے پروردگار نے جو کچھ ہم سے وعدہ کیا تھا، ہم نے اُسے سچّا پایا ہے۔ پھر کیا تم نے بھی وہ تمام باتیں ٹھیک پائیں جن کا تمہارے پروردگار نے تم سے وعدہ کیا تھا؟" دوزخی جواب میں بولے "ہاں" اس پر ایک پکارنے والے نے پکار کر کہا "ظالموں پر خدا کی لعنت ہو۔ اُن ظالموں پر جو خدا کی راہ سے لوگوں کو روکتے تھے اور چاہتے تھے، وہ سیدھی نہ ہو۔ اس میں کجی ڈالدیں۔ اور آخرت کی زندگی سے بھی منکر تھے"۔

اور (دیکھو) ان دونوں کے درمیان ایک اوٹ ہے اور اعراف (یعنی بلندی پر) کچھ لوگ ہیں جو (دونوں گروہوں میں سے) ہر ایک کو اس کے قیافہ سے پہچان لیتے ہیں۔ ان لوگوں نے جنت والوں کو پکارا "تم پر سلامتی ہو" وہ ابھی جنت میں داخل نہیں ہوئے۔ اس کے آرزومند ہیں۔

اور جب ان لوگوں کی نگاہ دوزخیوں کی طرف پھری (اور ان کی ہولناک حالت نظر آئی) تو پکار اُٹھے "اے پروردگار! ہمیں ظالم گروہ کے ساتھ شامل نہ کیجیو!"

اور "اعراف" والوں نے ان لوگوں کو پکارا جنہیں وہ ان کے قیافہ سے پہچان گئے تھے۔ "نہ تو تمہارے جتھے تمہارے کام آئے، نہ تمہاری بڑائیاں"۔

(۱۶۱) دو مقام ایک دوسرے سے ملے ہوئے ہوں، انہیں الگ الگ کر دیا ہو تو درمیان میں دیوار کھڑی کر دیتے ہیں فرمایا، جنت اور دوزخ کی تقسیم بھی ایسی ہی سمجھو۔ ایک دیوار ہے جس نے ایک کو دوسرے سے الگ کر دیا ہے۔ ایک قدم ادھر رہ گئے تو دوزخ ہے۔ آگے بڑھ گئے تو جنت ہے چنانچہ سورۂ حدید میں ہے: جنتیوں اور دوزخیوں کے درمیان ایک دیوار ہے جس میں دروازہ ہے اندر جاؤ تو رحمت ہے۔ باہر رہو تو عذاب" (۵۷: ۱۳)

اسی دیوار کو یہاں "اعراف" سے تعبیر کیا ہے "اعراف" کا اطلاق ہر ایسی چیز پر ہوتا ہے جو زمین سے بلند ہو۔ فرمایا، جنت و دوزخ کے لئے بھی ایک اعراف ہے جہاں سے دونوں طرف دیکھا جا سکتا ہے۔

اگر حقیقت کے رمز شناس ہو تو پالو گے کہ زندگی کے ہر گوشہ میں جنت و دوزخ کی تقسیم کا یہی حال ہے۔ دونوں کی سرحدیں اس طرح ملی ہوئی ہیں کہ ایک قدم پیچھے رہ گئے اور جنت کی جگہ دوزخ میں پڑ گئے۔ بسا اوقات ایک قدم کی تیزی یا کوتاہی جنت سے دوزخ

إِنَّ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَاسْتَكْبَرُوا عَنْهَا لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ أَبْوَابُ السَّمَاءِ وَلَا يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ حَتَّىٰ
يَلِجَ الْجَمَلُ فِي سَمِّ الْخِيَاطِ ۚ وَكَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُجْرِمِينَ ۝ لَهُمْ مِنْ جَهَنَّمَ مِهَادٌ وَمِنْ ۴۰
فَوْقِهِمْ غَوَاشٍ ۚ وَكَذَٰلِكَ نَجْزِي الظَّالِمِينَ ۝ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا ۴۱
إِلَّا وُسْعَهَا أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ ۖ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ۝ وَنَزَعْنَا مَا فِي صُدُورِهِمْ مِنْ غِلٍّ ۴۲
تَجْرِي مِنْ تَحْتِهِمُ الْأَنْهَارُ ۖ وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي هَدَانَا لِهَٰذَا وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ لَوْلَا أَنْ هَدَانَا
اللَّهُ ۖ لَقَدْ جَاءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ ۖ وَنُودُوا أَنْ تِلْكُمُ الْجَنَّةُ أُورِثْتُمُوهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ۝ ۴۳

کچھ کمائی کر چکے ہو اس کے مطابق اب عذاب کا مزہ چکھ لو!

جن لوگوں نے ہماری نشانیاں جھٹلائیں اور ان کے مقابلہ میں سرکشی کی تو (یاد رکھو) ان کے لئے آسمان کے دروازے کبھی کھلنے والے نہیں۔ ان کا جنت میں داخل ہونا ایسا ہے جیسے سوئی کے ناکے سے اونٹ کا گزر جانا۔ اسی طرح ہم مجرموں کو ان کے جرموں کا بدلہ دیتے ہیں: (یعنی ہم نے اسی طرح قانون جزاء ٹھہرا دیا ہے)۔ ۴۰

ان کے نیچے آگ کا بچھونا ہوگا، اور اوپر آگ کی چادر: ہم ظلم کرنے والوں کو ان کے ظلم کا ایسا ہی بدلہ دیتے ہیں! ۴۱

اور جو لوگ ایمان لائے اور ان کے کام بھی اچھے ہوئے، اور (یاد رہے) ہمارا قانون یہ ہے کہ) ہم کسی جان پر اس کی برداشت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتے، تو بس ایسے ہی لوگ جنت والے ہیں ہمیشہ جنت (کے راحت و سرور) میں رہنے والے! ۴۲

اور (دیکھو) ان لوگوں کے دلوں میں (ایک دوسرے کی طرف سے) جو کچھ کینہ (رغبار) تھا ہم نے نکال دیا۔ ان کے تلے (آگ کے شعلوں کی جگہ) نہریں رواں ہیں! انہوں نے (ایک دوسرے پر لعنت بھیجنے کی جگہ) کہا "ساری ستائش اللہ کے لئے ہے جس نے ہمیں اس (زندگی) کی راہ دکھائی۔ ہم کبھی اس کی راہ نہ پاتے اگر وہ ہماری رہنمائی نہ کرتا۔ بلاشبہ ہمارے پروردگار کے پیغمبر سچائی کا پیغام لے کر آئے تھے" اور (دیکھو) انہوں نے پکار کر کہا "یہ ہے جنت جو تمہارے ورثہ میں آئی (ان نیک) کاموں کی بدولت جو تم (دنیا میں) کرتے رہے ہو! ۴۳

(۱۵) اصحاب جنت کے بعض احوال و واردات جو آئندہ میں پیش آئیں گے۔

دوزخیوں کی نسبت فرمایا تھا کہ ان کی ہر جماعت دوسری جماعت پر لعنت بھیجے گی، اور ہر امت کی آرزو ہوگی کہ دوسری کو زیادہ عذاب ملے۔ یہاں فرمایا، اصحاب جنت کے دل بغض و عناد کی کدورتوں سے پاک ہوتے ہیں، کیونکہ ایمان و عمل کی یکجائی کے ساتھ کینہ و عناد کی آلودگی جمع نہیں ہو سکتی۔ ۴۲

اس سے معلوم ہوا کہ اصحاب دوزخ کے خصائص کا مایاں وصف یہ ہے کہ راحت کی حالت میں ہوں یا عذاب میں ان کے دلوں میں بغض و نفرت کے سوا اور کوئی جذبہ جگہ نہیں پاتا۔ برخلاف اس کے اصحاب جنت وہ ہیں جن کے دلوں سے کینہ و غبار یک قلم دور ہو جاتا ہے!

إِلَّا تَأْوِيلَهُ ۚ يَوْمَ يَأْتِي تَأْوِيلُهُ يَقُولُ الَّذِينَ نَسُوهُ مِن قَبْلُ قَدْ جَاءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ فَهَل لَّنَا مِن شُفَعَاءَ فَيَشْفَعُوا لَنَا أَوْ نُرَدُّ فَنَعْمَلَ غَيْرَ الَّذِي كُنَّا نَعْمَلُ ۚ قَدْ خَسِرُوا أَنفُسَهُمْ وَضَلَّ عَنْهُم مَّا كَانُوا يَفْتَرُونَ ﴿٥٣﴾ إِنَّ رَبَّكُمُ اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوَىٰ عَلَى الْعَرْشِ ۖ يُغْشِي اللَّيْلَ النَّهَارَ يَطْلُبُهُ حَثِيثًا وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُومَ ع ۶ ۱۳ ۵۳

فیصلہ کا دن ہوگا:

وہی گئی ہے) اس کا مطلب وقوع میں آجائے؟ (اگر اسی بات کا انتظار ہے) تو جان رکھیں) جس دن اس کا مطلب وقوع میں آئے گا، اُس دن وہ لوگ کہ اسے پہلے سے بھولے بیٹھے تھے (نامرادی و حسرت کے ساتھ) بول اُٹھیں گے "بلاشبہ ہمارے پروردگار کے پیغمبر ہمارے پاس سچائی کا پیام لے کر آئے تھے۔ مگر افسوس کہ ہم نے انہیں جھٹلایا) کاش شفاعت کرنے والوں میں سے کوئی ہو جو آج ہماری شفاعت کرے! یا کاش ایسا ہی ہو کہ ہم پھر دنیا میں لوٹا دیے جائیں اور جیسے کچھ کام کرتے رہے ہیں۔ اس کے برخلاف (نیک) کام انجام دیں!"

بلاشبہ ان لوگوں نے اپنے ہاتھوں اپنے کو تباہی میں ڈالا اور دنیا میں جو کچھ افترا پردازیاں کیا کرتے تھے وہ سب (آج) اُن سے کھوئی گئیں! ۵۳

تمہارا پروردگار تو وہی اللہ ہے جس نے آسمانوں کو اور زمین کو چھ "ایام" میں (یعنی چھ دوروں میں جو یکے بعد دیگرے واقع ہوئے) پیدا کیا، اور پھر (اپنی حکومت و جلال کے) تخت پر متمکن ہو گیا (اُس نے رات اور دن کی تبدیلی کا ایسا نظام ٹھہرا دیا ہے کہ) رات کی اندھیری دن کی روشنی کو ڈھانپ لیتی ہے، اور (ایسا معلوم ہوتا ہے گویا) دن کے پیچھے لپکی چلی آرہی ہو۔ اور (دیکھو) سورج، چاند

(۱۸) توحید الوہیت کی تعیین اور اس حقیقت کی طرف اشارہ کہ "خلق" اور "امر" دونوں اللہ ہی کی ذات سے ہیں۔ یعنی وہی کائناتِ ہستی کا پیدا کرنے والا ہے اور اُسی کے حکم و قدرت سے اس کا انتظام بھی ہو رہا ہے۔ یہ بات نہیں ہے کہ تدبیر و انتظام کی دوسری قوتیں بھی موجود ہوں، جیسا کہ مشرکین کا خیال تھا۔

"تخت پر متمکن ہو گیا" یعنی خدا کی بادشاہت کائناتِ ہستی میں نافذ ہو گئی۔ کیونکہ وہی خالق ہے اور وہی مدبر بھی ہے تمام عالم ہستی اسی کے تختِ جلال کے آگے جھکی ہوئی ہے چنانچہ ایک دوسری جگہ فرمایا "ثم استوی علی العرش یدبر الامر"

۱؎ "توحید الوہیت" یعنی خدا کے سوا کوئی ہستی اس کی مستحق نہیں کہ معبود بنائی جائے۔ "توحید ربوبیت" یعنی کائنات کی پیدا کرنے والی اور پرورش کرنے والی ہستی صرف خدا ہی کی ہستی ہے۔ قرآن کا اسلوب بیان یہ ہے کہ وہ توحید ربوبیت سے توحید الوہیت پر استدلال کرتا ہے۔ یعنی جب خالق و رب اس کے سوا کوئی نہیں تو معبود بھی اس کے سوا اور کسی کو نہیں بنانا چاہیے۔

أَهٰٓؤُلَآءِ الَّذِينَ أَقْسَمْتُمْ لَا يَنَالُهُمُ اللّٰهُ بِرَحْمَةٍ ۚ ادْخُلُوا الْجَنَّةَ لَا خَوْفٌ عَلَيْكُمْ وَلَآ أَنتُمْ
تَحْزَنُونَ ۝ وَنَادٰٓى أَصْحٰبُ النَّارِ أَصْحٰبَ الْجَنَّةِ أَنْ أَفِيضُوا عَلَيْنَا مِنَ الْمَآءِ أَوْ مِمَّا
رَزَقَكُمُ اللّٰهُ ۚ قَالُوٓا إِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَهُمَا عَلَى الْكٰفِرِينَ ۝ الَّذِينَ اتَّخَذُوا دِينَهُمْ لَهْوًا وَّ
لَعِبًا وَّغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ۚ فَالْيَوْمَ نَنسٰىهُمْ كَمَا نَسُوا لِقَآءَ يَوْمِهِمْ هٰذَا ۙ وَمَا كَانُوا بِـَٔايٰتِنَا يَجْحَدُونَ ۝
وَلَقَدْ جِئْنٰهُمْ بِكِتٰبٍ فَصَّلْنٰهُ عَلٰى عِلْمٍ هُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ۝ هَلْ يَنظُرُونَ

میں یا دوزخ سے جنت میں پہنچا دیتی ہے۔
بک لحظہ غافل بودم وصد سالہ راہم دور شد!

(اُنہوں نے جنتیوں کی طرف اشارہ کرکے کہا)
"دیکھو کیا یہ وہی لوگ نہیں ہیں جن کے بارے میں
تم قسمیں کھا کھا کر کہا کرتے تھے کہ خدا کی رحمت سے

انہیں کچھ ملنے والا نہیں؟ (لیکن انہیں تو آج رحمتِ الٰہی پکار رہی ہے:) جنت میں داخل ہو جاؤ۔
آج تمہارے لئے نہ تو کسی طرح کا اندیشہ ہے نہ کسی طرح کی غمگینی!"

اور دوزخیوں نے جنت والوں کو پکارا: "تھوڑا سا پانی ہم پر بہا دو (کہ گرمی کی شدت سے پھنکے
جاتے ہیں) یا اس میں سے کچھ دیدو جو خدا نے تمہیں بخشا ہے" جنت والوں نے جواب دیا "خدا نے یہ دونوں
چیزیں (آج) منکروں پر روک دی ہیں۔ (کیونکہ وہ فرماتا ہے) جن لوگوں نے اپنے دین کو کھیل تماشا بنا
لیا تھا (یعنی اعمالِ حق کی جگہ ایسے کاموں میں لگے رہے جو کھیل تماشے کی طرح حقیقت سے خالی تھے)
اور دنیا کی زندگی نے انہیں دھوکے میں ڈال رکھا، تو جس طرح انہوں نے اِس دن کا آنا بھلا دیا
تھا، آج وہ بھی بھلا دیے جائیں گے، نیز اس لئے کہ وہ ہماری آیتوں سے جان بوجھ کر انکار کرتے
تھے!"

(۱۶) اب منکرین قرآن کی طرف سلسلۂ بیان متوجہ ہوا ہے
فرمایا آدم کی اولاد کو ہدایت وحی کے وقتاً فوقتاً ظہور کی جو
خبر دی گئی تھی اسی کے مطابق قرآن کی دعوت نمودار ہوئی ہے،
اور اس نے علم و بصیرت کی راہ واضح کر دی ہے پھر اگر منکرین
حق سرکشی و فساد سے باز نہیں آتے، تو انہیں کس بات کا انتظار
ہے؟ کیا اس بات کا کہ انکار و بدعملی کے جن نتائج کی خبر دی
گئی ہے ان کا ظہور اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں، لیکن جس دن ان کا
ظہور ہو گا۔ اس دن کی صلت ہی کب باقی رہے گی۔
کہ کوئی ایمان لائے؟ وہ تو اعمالِ انسانی کے آخری

اور (دیکھو) ہم نے تو اُن لوگوں کے لئے ایک
ایسی کتاب بھی نازل کر دی جس میں علم کے ساتھ
(دینِ حق کی تمام باتیں) الگ الگ کرکے واضح
کر دی ہیں، اور جو ایمان رکھنے والوں کے لئے ہدایت
اور رحمت ہے۔
پھر کیا یہ لوگ اس بات کے انتظار میں
ہیں کہ (فساد و بدعملی کے جس نتیجہ کی اس میں خبر

كَذٰلِكَ نُخْرِجُ الْمَوْتٰى لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ۝ وَالْبَلَدُ الطَّيِّبُ يَخْرُجُ نَبَاتُهٗ بِاِذْنِ رَبِّهٖ ۚ ۵۷
وَالَّذِيْ خَبُثَ لَا يَخْرُجُ اِلَّا نَكِدًا ۭ كَذٰلِكَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّشْكُرُوْنَ ۝ لَقَدْ اَرْسَلْنَا ۵۸ ع
نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ فَقَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ۭ اِنِّىْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ
عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ۝ قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِهٖٓ اِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝ قَالَ يٰقَوْمِ لَيْسَ ۵۹
بِيْ ضَلٰلَةٌ وَّلٰكِنِّيْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ اُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَاَنْصَحُ لَكُمْ ۶۰
وَاَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ اَوَعَجِبْتُمْ اَنْ جَآءَكُمْ ذِكْرٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَلٰي رَجُلٍ مِّنْكُمْ لِيُنْذِرَكُمْ ۶۲-۶۱

نمایاں ہوتی ہے جن کا ظہور دریائے دجلہ و فرات کے دوآبہ میں ہوا تھا۔ جو انسانی تمدن کا سب سے قدیم گہوارہ ہے اور جہاں غالباً سب سے پہلے بت پرستی کا ظہور ہوا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ انسانی جمعیت اپنی ابتدائی اور فطری ہدایت کی راہ سے سب سے پہلے وہیں گمراہ ہوئی۔

(ب) اللہ کی طرف سے وہ علم رکھتا ہوں جو تمہیں معلوم

زمین سے ہر طرح کے پھل پیدا کر دیتا ہے۔ اس طرح ہم مُردوں کو زندہ کر دیتے ہیں۔ تاکہ تم (قدرتِ الٰہی کی کرشمہ سنجیوں میں) غور و فکر کرو! ۵۷

اور (دیکھو) اچھی زمین اپنے پروردگار کے حکم سے اچھی پیداوار ہی نکالتی ہے لیکن جو زمین نکمی ہے اس سے کچھ پیدا نہیں ہوتا، مگر یہ کہ نکمی چیز پیدا ہو۔ اس طرح ہم (حکمت و عبرت) کی نشانیاں ان لوگوں کے لئے دُہراتے ہیں جو شکر کرنے والے ہیں (یعنی خدا کی نعمتوں) کے قدر شناس ہیں۔ ۵۸

یہ واقعہ ہے کہ ہم نے نوح کو اس کی قوم کی طرف (تبلیغ حق کے لئے) بھیجا تھا۔ اس نے کہا: "اے میری قوم! اللہ ہی کی بندگی کرو۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ میں ڈرتا ہوں کہ ایک بڑے ہی ہولناک دن کا عذاب تمہیں پیش نہ آجائے"۔ ۵۹

اس پر اُس کی قوم کے سربرآوردہ لوگوں نے جواب دیا: "ہمیں تو ایسا دکھائی دیتا ہے کہ تم صریح گمراہی میں پڑ گئے ہو"۔ ۶۰

نوح نے کہا "بھائیو! یہ بات نہیں ہے کہ میں گمراہی میں پڑ گیا ہوں۔ میں تو اس کی طرف سے جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے، فرستادہ ہوں۔ میں اپنے پروردگار کا پیغام تمہیں پہنچاتا ہوں ۶۱
اور پند و نصیحت کرتا ہوں۔ اور اللہ کی طرف سے اس بات کا علم رکھتا ہوں جو تمہیں معلوم نہیں"۔ ۶۲

نہیں۔ مذہبی سچائی کی اصلی بنیاد یہی ہے اسی لئے قرآن نے تمام پیغمبروں کی زبانی اسے نقل کیا ہے۔ انسانی ذہن و ادراک صرف محسوسات کا ظنی علم حاصل کر سکتا ہے لیکن اُس سے آگے کیا ہے؟ اس کے علم کا اُس کے پاس کوئی عقلی ذریعہ نہیں۔

نیز (نوح نے کہا) کیا تمہیں اس بات پر تعجب ہو رہا ہے کہ تمہارے پروردگار کی نصیحت ایک ایسے آدمی کے ذریعہ تمہیں پہنچی جو تم ہی سے ہے؟ اور اس

مُسَخَّرٰتٍۭ بِاَمْرِهٖ ۭ اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ ۭ تَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا ۵۴
وَّخُفْيَةً ۭ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ۝ وَلَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا وَادْعُوْهُ ۵۵
خَوْفًا وَّطَمَعًا ۭ اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ ۝ وَهُوَ الَّذِيْ يُرْسِلُ الرِّيٰحَ ۵۶
بُشْرًۢا بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهٖ ۭ حَتّٰٓى اِذَآ اَقَلَّتْ سَحَابًا ثِقَالًا سُقْنٰهُ لِبَلَدٍ مَّيِّتٍ فَاَنْزَلْنَا بِهِ
الْمَاۗءَ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ۭ

(۱۸) آیت (۵۵) سے سلسلہ بیان اسی مقصد کی طرف پھر گیا ہے جس سے سورت کی ابتدا ہوئی ہے۔ یعنی قرآن کی دعوت کی راہ میں کتنی ہی مشکلات پیش آئیں لیکن اس کی کامیابی اٹل ہے اور اہل ایمان کو اس بارے میں دل تنگ نہ ہونا چاہیے چنانچہ آیت (۵۶) میں فرمایا، خدا کی رحمت نیک کرداروں سے دور نہیں۔ ۵۴

پھر (۵۷) میں اسکی مثال بیان کی جب پانی برسنے کو ہوتا ہے تو پہلے بارانی ہوائیں چلنے لگتی ہیں، پھر پانی برستا ہے اور مردہ زمین زندہ ہوکر سرسبز و شاداب ہو جاتی ہے یہی حال ہدایت وحی اور اس کے انقلاب کا ہے۔ پہلے اس کی علامتیں نمودار ہوتی ہیں۔ پھر اس کی برکتوں سے مردہ روحوں میں زندگی کی لہر دوڑ جاتی ہے۔ چنانچہ ہوائیں چلنا شروع ہوگئی ہیں۔ اب بارانِ رحمت کی برکتوں کے ظہور کا انتظار کرو۔ ۵۵

لیکن بارش سے صرف وہی زمین فائدہ اٹھا سکتی ہے جس میں اسکی استعداد ہو۔ شور زمین پر کتنی ہی بارش ہو سرسبز نہ ہوگی۔ اسی طرح قرآن کی ہدایت سے بھی وہی روحیں شاداب ہونگی جن میں قبولیت حق کی استعداد ہے۔ جنہوں نے استعداد کھو دی، ان کے حصہ میں محرومی و نامرادی کے سوا کچھ نہیں آئے گا۔ ۵۶

(۱۹) اس کے بعد آیت (۵۹) سے پچھلی دعوتوں کا تذکرہ شروع ہوتا ہے اور یہ حقیقت واضح کی ہے کہ اس انقلاب حال پر متعجب نہ ہونا چاہیے۔ کیونکہ ہمیشہ سے سنت الٰہی ایسی ہی چلی آئی ہے۔ اور ہمیشہ دعوت حق کی بے سروسامانیوں نے وقت کے تمام سروسامانوں پر فتح پائی ہے۔

(۱) اس سلسلہ میں سب سے پہلے حضرت نوح کی دعوت

سنائے سب اس کے حکم کے آگے جھکے موتے ہیں۔ یاد رکھو! اسی کے لئے پیدا کرنا ہے اور اسی کے لئے حکم دینا (اس کے سوا کوئی نہیں جسے کارخانہ ہستی کے چلانے میں دخل ہو) سو کیا ہی بابرکت ذات ہے اللہ کی تمام جہانوں کا پروردگار بنتے: الا

(لوگو!) اپنے پروردگار سے دعائیں مانگو۔ آہ زاری کرتے ہوئے بھی اور پوشیدگی میں بھی۔ وہ انہیں پسند نہیں کرتا جو حد سے گزر جانے والے ہیں۔

اور (دیکھو) ملک کی درستگی کے بعد (یعنی دعوت حق کے ظہور کے بعد جو اس کی درستگی کی دعوت ہے) اس میں خرابی نہ پھیلاؤ (اپنی خطاؤں سے) ڈرتے ہوئے اور (اس کی رحمت سے) امیدیں رکھتے ہوئے اس کے حضور دعائیں کرو۔ یقیناً اللہ کی رحمت ان سے نزدیک ہے جو نیک کردار ہیں!

اور (دیکھو) یہ اسی کی کارفرمائی ہے کہ بارانِ رحمت سے پہلے ہوائیں بھیجتا ہے کہ (مینہ برسنے کی) خوشخبری پہنچا دیں۔ پھر جب یہ بھل بادل لے اڑتی ہیں، تو انہیں کسی مردہ زمین کی بستی کی طرف کھینچ لے جاتا ہے۔ پھر ان سے پانی برساتا ہے اور

أَوَعَجِبْتُمْ أَنْ جَاءَكُمْ ذِكْرٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَلَىٰ رَجُلٍ مِّنْكُمْ لِيُنْذِرَكُمْ ۚ وَاذْكُرُوا إِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَاءَ
مِنْ بَعْدِ قَوْمِ نُوحٍ وَّزَادَكُمْ فِي الْخَلْقِ بَصْطَةً ۖ فَاذْكُرُوا آلَاءَ اللَّهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ۝ قَالُوا ۶۹
أَجِئْتَنَا لِنَعْبُدَ اللَّهَ وَحْدَهُ وَنَذَرَ مَا كَانَ يَعْبُدُ آبَاؤُنَا ۖ فَأْتِنَا بِمَا تَعِدُنَا إِنْ كُنْتَ
مِنَ الصَّادِقِينَ ۝ قَالَ قَدْ وَقَعَ عَلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ رِجْسٌ وَّغَضَبٌ ۖ أَتُجَادِلُونَنِي فِي ۷۰
أَسْمَاءٍ سَمَّيْتُمُوهَا أَنْتُمْ وَآبَاؤُكُمْ مَّا نَزَّلَ اللَّهُ بِهَا مِنْ سُلْطَانٍ ۚ فَانْتَظِرُوا إِنِّي مَعَكُمْ مِّنَ
الْمُنْتَظِرِينَ ۝ فَأَنْجَيْنَاهُ وَالَّذِينَ مَعَهُ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَقَطَعْنَا دَابِرَ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا ۷۱
وَمَا كَانُوا مُؤْمِنِينَ ۝ وَإِلَىٰ ثَمُودَ أَخَاهُمْ صَالِحًا ع ۹ ۷ ۲ ۱۰ ۸ ۱۱ ۹ ۱۲ ۱۰ ۱۳ ۱۱ ۱۴ ۱۲ ۱۵ ۱۳ ۱۶ ۱۴ ۱۷ ۱۵ ۱۸ ۱۶ ۱۹ ۱۷ ۲۰ ۱۸ ۲۱ ۱۹ ۲۲ ۲۰ ۲۳ ۲۱ ۲۴ ۲۲ ۲۵ ۲۳ ۲۶ ۲۴ ۲۷ ۲۵ ۲۸ ۲۶ ۲۹ ۲۷ ۳۰ ۲۸ ۳۱ ۲۹ ۳۲ ۳۰ ۳۳ ۳۱ ۳۴ ۳۲ ۳۵ ۳۳ ۳۶ ۳۴ ۳۷ ۳۵ ۳۸ ۳۶ ۳۹ ۳۷ ۴۰ ۳۸ ۴۱ ۳۹ ۴۲ ۴۰ ۴۳ ۴۱ ۴۴ ۴۲ ۴۵ ۴۳ ۴۶ ۴۴ ۴۷ ۴۵ ۴۸ ۴۶ ۴۹ ۴۷ ۵۰ ۴۸ ۵۱ ۴۹ ۵۲ ۵۰ ۵۳ ۵۱ ۵۴ ۵۲ ۵۵ ۵۳ ۵۶ ۵۴ ۵۷ ۵۵ ۵۸ ۵۶ ۵۹ ۵۷ ۶۰ ۵۸ ۶۱ ۵۹ ۶۲ ۶۰ ۶۳ ۶۱ ۶۴ ۶۲ ۶۵ ۶۳ ۶۶ ۶۴ ۶۷ ۶۵ ۶۸ ۶۶ ۶۹ ۶۷ ۷۰ ۶۸ ۷۱ ۶۹ ۷۲ ۷۰ ۷۳ ۷۱ ۷۴ ۷۲ ۷۵ ۷۳ ۷۶ ۷۴ ۷۷ ۷۵ ۷۸ ۷۶ ۷۹ ۷۷ ۸۰ ۷۸ ۸۱ ۷۹ ۸۲ ۸۰ ۸۳ ۸۱ ۸۴ ۸۲ ۸۵ ۸۳ ۸۶ ۸۴ ۸۷ ۸۵ ۸۸ ۸۶ ۸۹ ۸۷ ۹۰ ۸۸ ۹۱ ۸۹ ۹۲ ۹۰ ۹۳ ۹۱ ۹۴ ۹۲ ۹۵ ۹۳ ۹۶ ۹۴ ۹۷ ۹۵ ۹۸ ۹۶ ۹۹ ۹۷ ۱۰۰ ۹۸ ۱۰۱ ۹۹ ۱۰۲ ۱۰۰ ۱۰۳ ۱۰۱ ۱۰۴ ۱۰۲ ۱۰۵ ۱۰۳ ۱۰۶ ۱۰۴ ۱۰۷ ۱۰۵ ۱۰۸ ۱۰۶ ۱۰۹ ۱۰۷ ۱۱۰ ۱۰۸ ۱۱۱ ۱۰۹ ۱۱۲ ۱۱۰ ۱۱۳ ۱۱۱ ۱۱۴ ۱۱۲ ۱۱۵ ۱۱۳ ۱۱۶ ۱۱۴ ۱۱۷ ۱۱۵ ۱۱۸ ۱۱۶ ۱۱۹ ۱۱۷ ۱۲۰ ۱۱۸ ۱۲۱ ۱۱۹ ۱۲۲ ۱۲۰ ۱۲۳ ۱۲۱ ۱۲۴ ۱۲۲ ۱۲۵ ۱۲۳ ۱۲۶ ۱۲۴ ۱۲۷ ۱۲۵ ۱۲۸ ۱۲۶ ۱۲۹ ۱۲۷ ۱۳۰ ۱۲۸ ۱۳۱ ۱۲۹ ۱۳۲ ۱۳۰ ۱۳۳ ۱۳۱ ۱۳۴ ۱۳۲ ۱۳۵ ۱۳۳ ۱۳۶ ۱۳۴ ۱۳۷ ۱۳۵ ۱۳۸ ۱۳۶ ۱۳۹ ۱۳۷ ۱۴۰ ۱۳۸ ۱۴۱ ۱۳۹ ۱۴۲ ۱۴۰ ۱۴۳ ۱۴۱ ۱۴۴ ۱۴۲ ۱۴۵ ۱۴۳ ۱۴۶ ۱۴۴ ۱۴۷ ۱۴۵ ۱۴۸ ۱۴۶ ۱۴۹ ۱۴۷ ۱۵۰ ۱۴۸ ۱۵۱ ۱۴۹ ۱۵۲ ۱۵۰ ۱۵۳ ۱۵۱ ۱۵۴ ۱۵۲ ۱۵۵ ۱۵۳ ۱۵۶ ۱۵۴ ۱۵۷ ۱۵۵ ۱۵۸ ۱۵۶ ۱۵۹ ۱۵۷ ۱۶۰ ۱۵۸ ۱۶۱ ۱۵۹ ۱۶۲ ۱۶۰ ۱۶۳ ۱۶۱ ۱۶۴ ۱۶۲ ۱۶۵ ۱۶۳ ۱۶۶ ۱۶۴ ۱۶۷ ۱۶۵ ۱۶۸ ۱۶۶ ۱۶۹ ۱۶۷ ۱۷۰ ۱۶۸ ۱۷۱ ۱۶۹ ۱۷۲ ۱۷۰ ۱۷۳ ۱۷۱ ۱۷۴ ۱۷۲ ۱۷۵ ۱۷۳ ۱۷۶ ۱۷۴ ۱۷۷ ۱۷۵ ۱۷۸ ۱۷۶ ۱۷۹ ۱۷۷ ۱۸۰ ۱۷۸ ۱۸۱ ۱۷۹ ۱۸۲ ۱۸۰ ۱۸۳ ۱۸۱ ۱۸۴ ۱۸۲ ۱۸۵ ۱۸۳ ۱۸۶ ۱۸۴ ۱۸۷ ۱۸۵ ۱۸۸ ۱۸۶ ۱۸۹ ۱۸۷ ۱۹۰ ۱۸۸ ۱۹۱ ۱۸۹ ۱۹۲ ۱۹۰ ۱۹۳ ۱۹۱ ۱۹۴ ۱۹۲ ۱۹۵ ۱۹۳ ۱۹۶ ۱۹۴ ۱۹۷ ۱۹۵ ۱۹۸ ۱۹۶ ۱۹۹ ۱۹۷ ۲۰۰ ۱۹۸ ۲۰۱ ۱۹۹ ۲۰۲ ۲۰۰ ۲۰۳ ۲۰۱ ۲۰۴ ۲۰۲ ۲۰۵ ۲۰۳ ۲۰۶ ۲۰۴ ۲۰۷ ۲۰۵ ۲۰۸ ۲۰۶ ۲۰۹ ۲۰۷ ۲۱۰ ۲۰۸ ۲۱۱ ۲۰۹ ۲۱۲ ۲۱۰ ۲۱۳ ۲۱۱ ۲۱۴ ۲۱۲ ۲۱۵ ۲۱۳ ۲۱۶ ۲۱۴ ۲۱۷ ۲۱۵ ۲۱۸ ۲۱۶ ۲۱۹ ۲۱۷ ۲۲۰ ۲۱۸ ۲۲۱ ۲۱۹ ۲۲۲ ۲۲۰ ۲۲۳ ۲۲۱ ۲۲۴ ۲۲۲ ۲۲۵ ۲۲۳ ۲۲۶ ۲۲۴ ۲۲۷ ۲۲۵ ۲۲۸ ۲۲۶ ۲۲۹ ۲۲۷ ۲۳۰ ۲۲۸ ۲۳۱ ۲۲۹ ۲۳۲ ۲۳۰ ۲۳۳ ۲۳۱ ۲۳۴ ۲۳۲ ۲۳۵ ۲۳۳ ۲۳۶ ۲۳۴ ۲۳۷ ۲۳۵ ۲۳۸ ۲۳۶ ۲۳۹ ۲۳۷ ۲۴۰ ۲۳۸ ۲۴۱ ۲۳۹ ۲۴۲ ۲۴۰ ۲۴۳ ۲۴۱ ۲۴۴ ۲۴۲ ۲۴۵ ۲۴۳ ۲۴۶ ۲۴۴ ۲۴۷ ۲۴۵ ۲۴۸ ۲۴۶ ۲۴۹ ۲۴۷ ۲۵۰ ۲۴۸ ۲۵۱ ۲۴۹ ۲۵۲ ۲۵۰ ۲۵۳ ۲۵۱ ۲۵۴ ۲۵۲ ۲۵۵ ۲۵۳ ۲۵۶ ۲۵۴ ۲۵۷ ۲۵۵ ۲۵۸ ۲۵۶ ۲۵۹ ۲۵۷ ۲۶۰ ۲۵۸ ۲۶۱ ۲۵۹ ۲۶۲ ۲۶۰ ۲۶۳ ۲۶۱ ۲۶۴ ۲۶۲ ۲۶۵ ۲۶۳ ۲۶۶ ۲۶۴ ۲۶۷ ۲۶۵ ۲۶۸ ۲۶۶ ۲۶۹ ۲۶۷ ۲۷۰ ۲۶۸ ۲۷۱ ۲۶۹ ۲۷۲ ۲۷۰ ۲۷۳ ۲۷۱ ۲۷۴ ۲۷۲ ۲۷۵ ۲۷۳ ۲۷۶ ۲۷۴ ۲۷۷ ۲۷۵ ۲۷۸ ۲۷۶ ۲۷۹ ۲۷۷ ۲۸۰ ۲۷۸ ۲۸۱ ۲۷۹ ۲۸۲ ۲۸۰ ۲۸۳ ۲۸۱ ۲۸۴ ۲۸۲ ۲۸۵ ۲۸۳ ۲۸۶ ۲۸۴ ۲۸۷ ۲۸۵ ۲۸۸ ۲۸۶ ۲۸۹ ۲۸۷ ۲۹۰ ۲۸۸ ۲۹۱ ۲۸۹ ۲۹۲ ۲۹۰ ۲۹۳ ۲۹۱ ۲۹۴ ۲۹۲ ۲۹۵ ۲۹۳ ۲۹۶ ۲۹۴ ۲۹۷ ۲۹۵ ۲۹۸ ۲۹۶ ۲۹۹ ۲۹۷ ۳۰۰ ۲۹۸ ۳۰۱ ۲۹۹ ۳۰۲ ۳۰۰ ۳۰۳ ۳۰۱ ۳۰۴ ۳۰۲ ۳۰۵ ۳۰۳ ۳۰۶ ۳۰۴ ۳۰۷ ۳۰۵ ۳۰۸ ۳۰۶ ۳۰۹ ۳۰۷ ۳۱۰ ۳۰۸ ۳۱۱ ۳۰۹ ۳۱۲ ۳۱۰ ۳۱۳ ۳۱۱ ۳۱۴ ۳۱۲ ۳۱۵ ۳۱۳ ۳۱۶ ۳۱۴ ۳۱۷ ۳۱۵ ۳۱۸ ۳۱۶ ۳۱۹ ۳۱۷ ۳۲۰ ۳۱۸ ۳۲۱ ۳۱۹ ۳۲۲ ۳۲۰ ۳۲۳ ۳۲۱ ۳۲۴ ۳۲۲ ۳۲۵ ۳۲۳ ۳۲۶ ۳۲۴ ۳۲۷ ۳۲۵ ۳۲۸ ۳۲۶ ۳۲۹ ۳۲۷ ۳۳۰ ۳۲۸ ۳۳۱ ۳۲۹ ۳۳۲ ۳۳۰ ۳۳۳ ۳۳۱ ۳۳۴ ۳۳۲ ۳۳۵ ۳۳۳ ۳۳۶ ۳۳۴ ۳۳۷ ۳۳۵ ۳۳۸ ۳۳۶ ۳۳۹ ۳۳۷ ۳۴۰ ۳۳۸ ۳۴۱ ۳۳۹ ۳۴۲ ۳۴۰ ۳۴۳ ۳۴۱ ۳۴۴ ۳۴۲ ۳۴۵ ۳۴۳ ۳۴۶ ۳۴۴ ۳۴۷ ۳۴۵ ۳۴۸ ۳۴۶ ۳۴۹ ۳۴۷ ۳۵۰ ۳۴۸ ۳۵۱ ۳۴۹ ۳۵۲ ۳۵۰ ۳۵۳ ۳۵۱ ۳۵۴ ۳۵۲ ۳۵۵ ۳۵۳ ۳۵۶ ۳۵۴ ۳۵۷ ۳۵۵ ۳۵۸ ۳۵۶ ۳۵۹ ۳۵۷ ۳۶۰ ۳۵۸ ۳۶۱ ۳۵۹ ۳۶۲ ۳۶۰ ۳۶۳ ۳۶۱ ۳۶۴ ۳۶۲ ۳۶۵ ۳۶۳ ۳۶۶ ۳۶۴ ۳۶۷ ۳۶۵ ۳۶۸ ۳۶۶ ۳۶۹ ۳۶۷ ۳۷۰ ۳۶۸ ۳۷۱ ۳۶۹ ۳۷۲ ۳۷۰ ۳۷۳ ۳۷۱ ۳۷۴ ۳۷۲ ۳۷۵ ۳۷۳ ۳۷۶ ۳۷۴ ۳۷۷ ۳۷۵ ۳۷۸ ۳۷۶ ۳۷۹ ۳۷۷ ۳۸۰ ۳۷۸ ۳۸۱ ۳۷۹ ۳۸۲ ۳۸۰ ۳۸۳ ۳۸۱ ۳۸۴ ۳۸۲ ۳۸۵ ۳۸۳ ۳۸۶ ۳۸۴ ۳۸۷ ۳۸۵ ۳۸۸ ۳۸۶ ۳۸۹ ۳۸۷ ۳۹۰ ۳۸۸ ۳۹۱ ۳۸۹ ۳۹۲ ۳۹۰ ۳۹۳ ۳۹۱ ۳۹۴ ۳۹۲ ۳۹۵ ۳۹۳ ۳۹۶ ۳۹۴ ۳۹۷ ۳۹۵ ۳۹۸ ۳۹۶ ۳۹۹ ۳۹۷ ۴۰۰ ۳۹۸ ۴۰۱ ۳۹۹ ۴۰۲ ۴۰۰ ۴۰۳ ۴۰۱ ۴۰۴ ۴۰۲ ۴۰۵ ۴۰۳ ۴۰۶ ۴۰۴ ۴۰۷ ۴۰۵ ۴۰۸ ۴۰۶ ۴۰۹ ۴۰۷ ۴۱۰ ۴۰۸ ۴۱۱ ۴۰۹ ۴۱۲ ۴۱۰ ۴۱۳ ۴۱۱ ۴۱۴ ۴۱۲ ۴۱۵ ۴۱۳ ۴۱۶ ۴۱۴ ۴۱۷ ۴۱۵ ۴۱۸ ۴۱۶ ۴۱۹ ۴۱۷ ۴۲۰ ۴۱۸ ۴۲۱ ۴۱۹ ۴۲۲ ۴۲۰ ۴۲۳ ۴۲۱ ۴۲۴ ۴۲۲ ۴۲۵ ۴۲۳ ۴۲۶ ۴۲۴ ۴۲۷ ۴۲۵ ۴۲۸ ۴۲۶ ۴۲۹ ۴۲۷ ۴۳۰ ۴۲۸ ۴۳۱ ۴۲۹ ۴۳۲ ۴۳۰ ۴۳۳ ۴۳۱ ۴۳۴ ۴۳۲ ۴۳۵ ۴۳۳ ۴۳۶ ۴۳۴ ۴۳۷ ۴۳۵ ۴۳۸ ۴۳۶ ۴۳۹ ۴۳۷ ۴۴۰ ۴۳۸ ۴۴۱ ۴۳۹ ۴۴۲ ۴۴۰ ۴۴۳ ۴۴۱ ۴۴۴ ۴۴۲ ۴۴۵ ۴۴۳ ۴۴۶ ۴۴۴ ۴۴۷ ۴۴۵ ۴۴۸ ۴۴۶ ۴۴۹ ۴۴۷ ۴۵۰ ۴۴۸ ۴۵۱ ۴۴۹ ۴۵۲ ۴۵۰ ۴۵۳ ۴۵۱ ۴۵۴ ۴۵۲ ۴۵۵ ۴۵۳ ۴۵۶ ۴۵۴ ۴۵۷ ۴۵۵ ۴۵۸ ۴۵۶ ۴۵۹ ۴۵۷ ۴۶۰ ۴۵۸ ۴۶۱ ۴۵۹ ۴۶۲ ۴۶۰ ۴۶۳ ۴۶۱ ۴۶۴ ۴۶۲ ۴۶۵ ۴۶۳ ۴۶۶ ۴۶۴ ۴۶۷ ۴۶۵ ۴۶۸ ۴۶۶ ۴۶۹ ۴۶۷ ۴۷۰ ۴۶۸ ۴۷۱ ۴۶۹ ۴۷۲ ۴۷۰ ۴۷۳ ۴۷۱ ۴۷۴ ۴۷۲ ۴۷۵ ۴۷۳ ۴۷۶ ۴۷۴ ۴۷۷ ۴۷۵ ۴۷۸ ۴۷۶ ۴۷۹ ۴۷۷ ۴۸۰ ۴۷۸ ۴۸۱ ۴۷۹ ۴۸۲ ۴۸۰ ۴۸۳ ۴۸۱ ۴۸۴ ۴۸۲ ۴۸۵ ۴۸۳ ۴۸۶ ۴۸۴ ۴۸۷ ۴۸۵ ۴۸۸ ۴۸۶ ۴۸۹ ۴۸۷ ۴۹۰ ۴۸۸ ۴۹۱ ۴۸۹ ۴۹۲ ۴۹۰ ۴۹۳ ۴۹۱ ۴۹۴ ۴۹۲ ۴۹۵ ۴۹۳ ۴۹۶ ۴۹۴ ۴۹۷ ۴۹۵ ۴۹۸ ۴۹۶ ۴۹۹ ۴۹۷ ۵۰۰ ۴۹۸ ۵۰۱ ۴۹۹ ۵۰۲ ۵۰۰ ۵۰۳ ۵۰۱ ۵۰۴ ۵۰۲ ۵۰۵ ۵۰۳ ۵۰۶ ۵۰۴ ۵۰۷ ۵۰۵ ۵۰۸ ۵۰۶ ۵۰۹ ۵۰۷ ۵۱۰ ۵۰۸ ۵۱۱ ۵۰۹ ۵۱۲ ۵۱۰ ۵۱۳ ۵۱۱ ۵۱۴ ۵۱۲ ۵۱۵ ۵۱۳ ۵۱۶ ۵۱۴ ۵۱۷ ۵۱۵ ۵۱۸ ۵۱۶ ۵۱۹ ۵۱۷ ۵۲۰ ۵۱۸ ۵۲۱ ۵۱۹ ۵۲۲ ۵۲۰ ۵۲۳ ۵۲۱ ۵۲۴ ۵۲۲ ۵۲۵ ۵۲۳ ۵۲۶ ۵۲۴ ۵۲۷ ۵۲۵ ۵۲۸ ۵۲۶ ۵۲۹ ۵۲۷ ۵۳۰ ۵۲۸ ۵۳۱ ۵۲۹ ۵۳۲ ۵۳۰ ۵۳۳ ۵۳۱ ۵۳۴ ۵۳۲ ۵۳۵ ۵۳۳ ۵۳۶ ۵۳۴ ۵۳۷ ۵۳۵ ۵۳۸ ۵۳۶ ۵۳۹ ۵۳۷ ۵۴۰ ۵۳۸ ۵۴۱ ۵۳۹ ۵۴۲ ۵۴۰ ۵۴۳ ۵۴۱ ۵۴۴ ۵۴۲ ۵۴۵ ۵۴۳ ۵۴۶ ۵۴۴ ۵۴۷ ۵۴۵ ۵۴۸ ۵۴۶ ۵۴۹ ۵۴۷ ۵۵۰ ۵۴۸ ۵۵۱ ۵۴۹ ۵۵۲ ۵۵۰ ۵۵۳ ۵۵۱ ۵۵۴ ۵۵۲ ۵۵۵ ۵۵۳ ۵۵۶ ۵۵۴ ۵۵۷ ۵۵۵ ۵۵۸ ۵۵۶ ۵۵۹ ۵۵۷ ۵۶۰ ۵۵۸ ۵۶۱ ۵۵۹ ۵۶۲ ۵۶۰ ۵۶۳ ۵۶۱ ۵۶۴ ۵۶۲ ۵۶۵ ۵۶۳ ۵۶۶ ۵۶۴ ۵۶۷ ۵۶۵ ۵۶۸ ۵۶۶ ۵۶۹ ۵۶۷ ۵۷۰ ۵۶۸ ۵۷۱ ۵۶۹ ۵۷۲ ۵۷۰ ۵۷۳ ۵۷۱ ۵۷۴ ۵۷۲ ۵۷۵ ۵۷۳ ۵۷۶ ۵۷۴ ۵۷۷ ۵۷۵ ۵۷۸ ۵۷۶ ۵۷۹ ۵۷۷ ۵۸۰ ۵۷۸ ۵۸۱ ۵۷۹ ۵۸۲ ۵۸۰ ۵۸۳ ۵۸۱ ۵۸۴ ۵۸۲ ۵۸۵ ۵۸۳ ۵۸۶ ۵۸۴ ۵۸۷ ۵۸۵ ۵۸۸ ۵۸۶ ۵۸۹ ۵۸۷ ۵۹۰ ۵۸۸ ۵۹۱ ۵۸۹ ۵۹۲ ۵۹۰ ۵۹۳ ۵۹۱ ۵۹۴ ۵۹۲ ۵۹۵ ۵۹۳ ۵۹۶ ۵۹۴ ۵۹۷ ۵۹۵ ۵۹۸ ۵۹۶ ۵۹۹ ۵۹۷ ۶۰۰ ۵۹۸ ۶۰۱ ۵۹۹ ۶۰۲ ۶۰۰ ۶۰۳ ۶۰۱ ۶۰۴ ۶۰۲ ۶۰۵ ۶۰۳ ۶۰۶ ۶۰۴ ۶۰۷ ۶۰۵ ۶۰۸ ۶۰۶ ۶۰۹ ۶۰۷ ۶۱۰ ۶۰۸ ۶۱۱ ۶۰۹ ۶۱۲ ۶۱۰ ۶۱۳ ۶۱۱ ۶۱۴ ۶۱۲ ۶۱۵ ۶۱۳ ۶۱۶ ۶۱۴ ۶۱۷ ۶۱۵ ۶۱۸ ۶۱۶ ۶۱۹ ۶۱۷ ۶۲۰ ۶۱۸ ۶۲۱ ۶۱۹ ۶۲۲ ۶۲۰ ۶۲۳ ۶۲۱ ۶۲۴ ۶۲۲ ۶۲۵ ۶۲۳ ۶۲۶ ۶۲۴ ۶۲۷ ۶۲۵ ۶۲۸ ۶۲۶ ۶۲۹ ۶۲۷ ۶۳۰ ۶۲۸ ۶۳۱ ۶۲۹ ۶۳۲ ۶۳۰ ۶۳۳ ۶۳۱ ۶۳۴ ۶۳۲ ۶۳۵ ۶۳۳ ۶۳۶ ۶۳۴ ۶۳۷ ۶۳۵ ۶۳۸ ۶۳۶ ۶۳۹ ۶۳۷ ۶۴۰ ۶۳۸ ۶۴۱ ۶۳۹ ۶۴۲ ۶۴۰ ۶۴۳ ۶۴۱ ۶۴۴ ۶۴۲ ۶۴۵ ۶۴۳ ۶۴۶ ۶۴۴ ۶۴۷ ۶۴۵ ۶۴۸ ۶۴۶ ۶۴۹ ۶۴۷ ۶۵۰ ۶۴۸ ۶۵۱ ۶۴۹ ۶۵۲ ۶۵۰ ۶۵۳ ۶۵۱ ۶۵۴ ۶۵۲ ۶۵۵ ۶۵۳ ۶۵۶ ۶۵۴ ۶۵۷ ۶۵۵ ۶۵۸ ۶۵۶ ۶۵۹ ۶۵۷ ۶۶۰ ۶۵۸ ۶۶۱ ۶۵۹ ۶۶۲ ۶۶۰ ۶۶۳ ۶۶۱ ۶۶۴ ۶۶۲ ۶۶۵ ۶۶۳ ۶۶۶ ۶۶۴ ۶۶۷ ۶۶۵ ۶۶۸ ۶۶۶ ۶۶۹ ۶۶۷ ۶۷۰ ۶۶۸ ۶۷۱ ۶۶۹ ۶۷۲ ۶۷۰ ۶۷۳ ۶۷۱ ۶۷۴ ۶۷۲ ۶۷۵ ۶۷۳ ۶۷۶ ۶۷۴ ۶۷۷ ۶۷۵ ۶۷۸ ۶۷۶ ۶۷۹ ۶۷۷ ۶۸۰ ۶۷۸ ۶۸۱ ۶۷۹ ۶۸۲ ۶۸۰ ۶۸۳ ۶۸۱ ۶۸۴ ۶۸۲ ۶۸۵ ۶۸۳ ۶۸۶ ۶۸۴ ۶۸۷ ۶۸۵ ۶۸۸ ۶۸۶ ۶۸۹ ۶۸۷ ۶۹۰ ۶۸۸ ۶۹۱ ۶۸۹ ۶۹۲ ۶۹۰ ۶۹۳ ۶۹۱ ۶۹۴ ۶۹۲ ۶۹۵ ۶۹۳ ۶۹۶ ۶۹۴ ۶۹۷ ۶۹۵ ۶۹۸ ۶۹۶ ۶۹۹ ۶۹۷ ۷۰۰ ۶۹۸ ۷۰۱ ۶۹۹ ۷۰۲ ۷۰۰ ۷۰۳ ۷۰۱ ۷۰۴ ۷۰۲ ۷۰۵ ۷۰۳ ۷۰۶ ۷۰۴ ۷۰۷ ۷۰۵ ۷۰۸ ۷۰۶ ۷۰۹ ۷۰۷ ۷۱۰ ۷۰۸ ۷۱۱ ۷۰۹ ۷۱۲ ۷۱۰ ۷۱۳ ۷۱۱ ۷۱۴ ۷۱۲ ۷۱۵ ۷۱۳ ۷۱۶ ۷۱۴ ۷۱۷ ۷۱۵ ۷۱۸ ۷۱۶ ۷۱۹ ۷۱۷ ۷۲۰ ۷۱۸ ۷۲۱ ۷۱۹ ۷۲۲ ۷۲۰ ۷۲۳ ۷۲۱ ۷۲۴ ۷۲۲ ۷۲۵ ۷۲۳ ۷۲۶ ۷۲۴ ۷۲۷ ۷۲۵ ۷۲۸ ۷۲۶ ۷۲۹ ۷۲۷ ۷۳۰ ۷۲۸ ۷۳۱ ۷۲۹ ۷۳۲ ۷۳۰ ۷۳۳ ۷۳۱ ۷۳۴ ۷۳۲ ۷۳۵ ۷۳۳ ۷۳۶ ۷۳۴ ۷۳۷ ۷۳۵ ۷۳۸ ۷۳۶ ۷۳۹ ۷۳۷ ۷۴۰ ۷۳۸ ۷۴۱ ۷۳۹ ۷۴۲ ۷۴۰ ۷۴۳ ۷۴۱ ۷۴۴ ۷۴۲ ۷۴۵ ۷۴۳ ۷۴۶ ۷۴۴ ۷۴۷ ۷۴۵ ۷۴۸ ۷۴۶ ۷۴۹ ۷۴۷ ۷۵۰ ۷۴۸ ۷۵۱ ۷۴۹ ۷۵۲ ۷۵۰ ۷۵۳ ۷۵۱ ۷۵۴ ۷۵۲ ۷۵۵ ۷۵۳ ۷۵۶ ۷۵۴ ۷۵۷ ۷۵۵ ۷۵۸ ۷۵۶ ۷۵۹ ۷۵۷ ۷۶۰ ۷۵۸ ۷۶۱ ۷۵۹ ۷۶۲ ۷۶۰ ۷۶۳ ۷۶۱ ۷۶۴ ۷۶۲ ۷۶۵ ۷۶۳ ۷۶۶ ۷۶۴ ۷۶۷ ۷۶۵ ۷۶۸ ۷۶۶ ۷۶۹ ۷۶۷ ۷۷۰ ۷۶۸ ۷۷۱ ۷۶۹ ۷۷۲ ۷۷۰ ۷۷۳ ۷۷۱ ۷۷۴ ۷۷۲ ۷۷۵ ۷۷۳ ۷۷۶ ۷۷۴ ۷۷۷ ۷۷۵ ۷۷۸ ۷۷۶ ۷۷۹ ۷۷۷ ۷۸۰ ۷۷۸ ۷۸۱ ۷۷۹ ۷۸۲ ۷۸۰ ۷۸۳ ۷۸۱ ۷۸۴ ۷۸۲ ۷۸۵ ۷۸۳ ۷۸۶ ۷۸۴ ۷۸۷ ۷۸۵ ۷۸۸ ۷۸۶ ۷۸۹ ۷۸۷ ۷۹۰ ۷۸۸ ۷۹۱ ۷۸۹ ۷۹۲ ۷۹۰ ۷۹۳ ۷۹۱ ۷۹۴ ۷۹۲ ۷۹۵ ۷۹۳ ۷۹۶ ۷۹۴ ۷۹۷ ۷۹۵ ۷۹۸ ۷۹۶ ۷۹۹ ۷۹۷ ۸۰۰ ۷۹۸ ۸۰۱ ۷۹۹ ۸۰۲ ۸۰۰ ۸۰۳ ۸۰۱ ۸۰۴ ۸۰۲ ۸۰۵ ۸۰۳ ۸۰۶ ۸۰۴ ۸۰۷ ۸۰۵ ۸۰۸ ۸۰۶ ۸۰۹ ۸۰۷ ۸۱۰ ۸۰۸ ۸۱۱ ۸۰۹ ۸۱۲ ۸۱۰ ۸۱۳ ۸۱۱ ۸۱۴ ۸۱۲ ۸۱۵ ۸۱۳ ۸۱۶ ۸۱۴ ۸۱۷ ۸۱۵ ۸۱۸ ۸۱۶ ۸۱۹ ۸۱۷ ۸۲۰ ۸۱۸ ۸۲۱ ۸۱۹ ۸۲۲ ۸۲۰ ۸۲۳ ۸۲۱ ۸۲۴ ۸۲۲ ۸۲۵ ۸۲۳ ۸۲۶ ۸۲۴ ۸۲۷ ۸۲۵ ۸۲۸ ۸۲۶ ۸۲۹ ۸۲۷ ۸۳۰ ۸۲۸ ۸۳۱ ۸۲۹ ۸۳۲ ۸۳۰ ۸۳۳ ۸۳۱ ۸۳۴ ۸۳۲ ۸۳۵ ۸۳۳ ۸۳۶ ۸۳۴ ۸۳۷ ۸۳۵ ۸۳۸ ۸۳۶ ۸۳۹ ۸۳۷ ۸۴۰ ۸۳۸ ۸۴۱ ۸۳۹ ۸۴۲ ۸۴۰ ۸۴۳ ۸۴۱ ۸۴۴ ۸۴۲ ۸۴۵ ۸۴۳ ۸۴۶ ۸۴۴ ۸۴۷ ۸۴۵ ۸۴۸ ۸۴۶ ۸۴۹ ۸۴۷ ۸۵۰ ۸۴۸ ۸۵۱ ۸۴۹ ۸۵۲ ۸۵۰ ۸۵۳ ۸۵۱ ۸۵۴ ۸۵۲ ۸۵۵ ۸۵۳ ۸۵۶ ۸۵۴ ۸۵۷ ۸۵۵ ۸۵۸ ۸۵۶ ۸۵۹ ۸۵۷ ۸۶۰ ۸۵۸ ۸۶۱ ۸۵۹ ۸۶۲ ۸۶۰ ۸۶۳ ۸۶۱ ۸۶۴ ۸۶۲ ۸۶۵ ۸۶۳ ۸۶۶ ۸۶۴ ۸۶۷ ۸۶۵ ۸۶۸ ۸۶۶ ۸۶۹ ۸۶۷ ۸۷۰ ۸۶۸ ۸۷۱ ۸۶۹ ۸۷۲ ۸۷۰ ۸۷۳ ۸۷۱ ۸۷۴ ۸۷۲ ۸۷۵ ۸۷۳ ۸۷۶ ۸۷۴ ۸۷۷ ۸۷۵ ۸۷۸ ۸۷۶ ۸۷۹ ۸۷۷ ۸۸۰ ۸۷۸ ۸۸۱ ۸۷۹ ۸۸۲ ۸۸۰ ۸۸۳ ۸۸۱ ۸۸۴ ۸۸۲ ۸۸۵ ۸۸۳ ۸۸۶ ۸۸۴ ۸۸۷ ۸۸۵ ۸۸۸ ۸۸۶ ۸۸۹ ۸۸۷ ۸۹۰ ۸۸۸ ۸۹۱ ۸۸۹ ۸۹۲ ۸۹۰ ۸۹۳ ۸۹۱ ۸۹۴ ۸۹۲ ۸۹۵ ۸۹۳ ۸۹۶ ۸۹۴ ۸۹۷ ۸۹۵ ۸۹۸ ۸۹۶ ۸۹۹ ۸۹۷ ۹۰۰ ۸۹۸ ۹۰۱ ۸۹۹ ۹۰۲ ۹۰۰ ۹۰۳ ۹۰۱ ۹۰۴ ۹۰۲ ۹۰۵ ۹۰۳ ۹۰۶ ۹۰۴ ۹۰۷ ۹۰۵ ۹۰۸ ۹۰۶ ۹۰۹ ۹۰۷ ۹۱۰ ۹۰۸ ۹۱۱ ۹۰۹ ۹۱۲ ۹۱۰ ۹۱۳ ۹۱۱ ۹۱۴ ۹۱۲ ۹۱۵ ۹۱۳ ۹۱۶ ۹۱۴ ۹۱۷ ۹۱۵ ۹۱۸ ۹۱۶ ۹۱۹ ۹۱۷ ۹۲۰ ۹۱۸ ۹۲۱ ۹۱۹ ۹۲۲ ۹۲۰ ۹۲۳ ۹۲۱ ۹۲۴ ۹۲۲ ۹۲۵ ۹۲۳ ۹۲۶ ۹۲۴ ۹۲۷ ۹۲۵ ۹۲۸ ۹۲۶ ۹۲۹ ۹۲۷ ۹۳۰ ۹۲۸ ۹۳۱ ۹۲۹ ۹۳۲ ۹۳۰ ۹۳۳ ۹۳۱ ۹۳۴ ۹۳۲ ۹۳۵ ۹۳۳ ۹۳۶ ۹۳۴ ۹۳۷ ۹۳۵ ۹۳۸ ۹۳۶ ۹۳۹ ۹۳۷ ۹۴۰ ۹۳۸ ۹۴۱ ۹۳۹ ۹۴۲ ۹۴۰ ۹۴۳ ۹۴۱ ۹۴۴ ۹۴۲ ۹۴۵ ۹۴۳ ۹۴۶ ۹۴۴ ۹۴۷ ۹۴۵ ۹۴۸ ۹۴۶ ۹۴۹ ۹۴۷ ۹۵۰ ۹۴۸ ۹۵۱ ۹۴۹ ۹۵۲ ۹۵۰ ۹۵۳ ۹۵۱ ۹۵۴ ۹۵۲ ۹۵۵ ۹۵۳ ۹۵۶ ۹۵۴ ۹۵۷ ۹۵۵ ۹۵۸ ۹۵۶ ۹۵۹ ۹۵۷ ۹۶۰ ۹۵۸ ۹۶۱ ۹۵۹ ۹۶۲ ۹۶۰ ۹۶۳ ۹۶۱ ۹۶۴ ۹۶۲ ۹۶۵ ۹۶۳ ۹۶۶ ۹۶۴ ۹۶۷ ۹۶۵ ۹۶۸ ۹۶۶ ۹۶۹ ۹۶۷ ۹۷۰ ۹۶۸ ۹۷۱ ۹۶۹ ۹۷۲ ۹۷۰ ۹۷۳ ۹۷۱ ۹۷۴ ۹۷۲ ۹۷۵ ۹۷۳ ۹۷۶ ۹۷۴ ۹۷۷ ۹۷۵ ۹۷

وَلِتَتَّقُوْا وَلَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۝ فَكَذَّبُوْهُ فَاَنْجَيْنٰهُ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ فِي الْفُلْكِ وَاَغْرَقْنَا الَّذِيْنَ ۲۳
كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۭ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا عَمِيْنَ ۝ وَاِلٰى عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا ۭ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ ع ۶۴
مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ۭ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ۝ قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖٓ اِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْ سَفَاهَةٍ ۶۵
وَّاِنَّا لَنَظُنُّكَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۝ قَالَ يٰقَوْمِ لَيْسَ بِيْ سَفَاهَةٌ وَّلٰكِنِّيْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ ۶۷-۶۶
اُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَاَنَا لَكُمْ نَاصِحٌ اَمِيْنٌ ۝ ۶۸

انبیاء کرام کا اعلان یہ ہے کہ ان کے پاس ایک ذریعہ موجود ہے اور وہ "وحی" ہے۔ چونکہ انسان کے پاس ہدایت وحی کے خلاف کوئی یقینی روشنی موجود نہیں، اور چونکہ بغیر اس علم کے قبول کئے کارخانہ حیات کا مسئلہ حل نہیں ہوتا، اور چونکہ وہ وجدانی طور پر اسکی طلب بھی رکھتا ہے، اس لئے اس کا فرض ہے کہ اس اعلان کے آگے سر تسلیم خم کر دے۔ اگر نہیں کرے گا تو وہ یقین و طمانیت کی جگہ شک و ظن کی زندگی کو ترجیح دیگا۔

(۶۰) قوم نوح کے بعد عرب میں قوم عاد کو عروج ہوا۔ ان کی آبادیاں عمان سے لیکر حضرموت اور یمن تک پھیل گئی تھیں۔ حضرت ہود کا انہی میں ظہور ہوا تھا۔

حضرت ہود کا وعظ، اور قوم کا آباؤ اجداد کی تقلید کی بنا پر انکار۔

قبول حق کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ آباؤ اجداد کی اندھی تقلید اور گڑھی ہوئی بزرگیوں اور روایتی عظمتوں کی پرستش ہے۔ ابتدا میں جہل و فساد سے کوئی عقیدہ گڑھ لیا جاتا ہے۔ پھر ایک مدت تک لوگ اسے مانتے رہتے ہیں پھر جب ایک عرصہ کے اعتقاد سے اس میں شان تقدس پیدا ہو جاتی ہے، تو اسے شک و شبہ سے بالاتر سمجھنے لگتے ہیں اور عقل و بصیرت کی کوئی دلیل بھی اس کے خلاف تسلیم نہیں کرتے۔ قرآن اسی کو "اسماء سمیتموھا انتم و اٰباؤکم" سے تعبیر کرتا ہے، کیونکہ بنائے ناموں اور لفظوں کے سوا وہ کوئی حقیقت اور مقدسیت پیش نہیں کر سکتے۔

افسوس مسلمانوں میں بھی جہل سے ایسے "اسماء" پیدا ہو گئے

جھٹلائی تھیں انہیں غرق کر دیا۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ (اپنی سمجھ بوجھ کھو کر) ایک قلم اندھے ہو گئے تھے!" ۶۴

اور (اسی طرح) ہم نے قوم عاد کی طرف اس کے بھائی بندوں میں سے ہود کو بھیجا۔ اس نے کہا "اے قوم! اللہ کی بندگی کرو۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ کیا تم (انکار و بدعملی کے نتائج سے) نہیں ڈرتے؟" ۶۵

اس پر قوم کے سربرآوردہ لوگوں نے جنہوں نے کفر کا شیوہ اختیار کیا تھا، کہا "ہمیں تو ایسا دکھائی دیتا ہے کہ تم حماقت میں پڑ گئے ہو اور ہمارا خیال یہ ہے کہ تم جھوٹ بولنے والوں میں سے ہو۔" ۶۶

ہود نے کہا "بھائیو! میں احمق نہیں ہوں۔ میں تو اس کی طرف سے جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے فرستادہ ہوں۔ میں اس کا پیام تمہیں پہنچاتا ہوں اور یقین کرو کہ تمہیں دیانتداری کے ساتھ نصیحت کرتا ہوں۔ ۶۷

لے پہنچی تاکہ (انکار و بدعملی کے نتائج سے) خبردار کر دے اور تم برائیوں سے بچو، اور رحمت الٰہی کے سزاوار ہو؟"

باایں ہمہ لوگوں نے نوح کو جھٹلایا۔ پس ہم نے اسے اور ان سب کو جو اس کے ساتھ کشتی میں تھے (سیلاب سے) نجات دی، اور جنہوں نے ہماری نشانیاں ۶۴

مُؤْمِنُونَ ۝ قَالَ الَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا إِنَّا بِالَّذِي آمَنتُم بِهِ كَافِرُونَ ۝ فَعَقَرُوا النَّاقَةَ وَعَتَوْا ۷۵-۷۶
عَنْ أَمْرِ رَبِّهِمْ وَقَالُوا يَا صَالِحُ ائْتِنَا بِمَا تَعِدُنَا إِن كُنتَ مِنَ الْمُرْسَلِينَ ۝ فَأَخَذَتْهُمُ ۷۷
الرَّجْفَةُ فَأَصْبَحُوا فِي دَارِهِمْ جَاثِمِينَ ۝ فَتَوَلَّىٰ عَنْهُمْ وَقَالَ يَا قَوْمِ لَقَدْ أَبْلَغْتُكُمْ رِسَالَةَ رَبِّي ۷۸
وَنَصَحْتُ لَكُمْ وَلَٰكِن لَّا تُحِبُّونَ النَّاصِحِينَ ۝ وَلُوطًا إِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ أَتَأْتُونَ الْفَاحِشَةَ ۷۹
مَا سَبَقَكُم بِهَا مِنْ أَحَدٍ مِّنَ الْعَالَمِينَ ۝ إِنَّكُمْ لَتَأْتُونَ الرِّجَالَ شَهْوَةً مِّن دُونِ النِّسَاءِ ۚ ۸۰
بَلْ أَنتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُونَ ۝ وَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهِ ۸۱

بڑا مانع، دنیوی خوشحالیوں کا گھمنڈ اور انہماک ہے۔

جس پیام حق کے ساتھ وہ بھیجا گیا ہے ہم اس پر پورا یقین رکھتے ہیں" اس پر گھمنڈ کرنے والوں نے کہا "تمہیں جس بات کا یقین ہے ہمیں اس سے انکار ہے" ۷۶
غرض کہ انہوں نے اونٹنی کو کاٹ ڈالا، اور اپنے پروردگار کے حکم سے سرکشی کی۔ اُنہوں نے کہا "اے صالح! اگر تم واقعی پیغمبروں میں سے ہو تو اب وہ بات ہم پر لا دکھاؤ جس کا تم نے ہمیں خوف دلایا تھا" ۷۷
پس ایسا ہوا کہ لرزا دینے والی ہولناکی نے انہیں آ لیا، اور جب ان پر صبح ہوئی تو گھروں میں اوندھے منہ پڑے تھے! ۷۸
پھر صالح اُن سے کنارہ کش ہو گیا۔ اُس نے کہا "اے میری قوم کے لوگو! میں نے اپنے پروردگار عالم کا پیام تمہیں پہنچا دیا اور نصیحت کی، مگر (افسوس تم پر!) تم نصیحت کرنے والوں کو پسند نہیں کرتے"۔ ۷۹

(۱) حضرت لوط حضرت ابراہیم علیہا السلام کے بھتیجے تھے، اور بحریت کے کنارے سدوم میں مقیم ہو گئے تھے۔ یہ معاملہ وہیں پیش آیا۔
تورات میں ہے کہ سدوم اور عمورہ پر آگ اور گندھک کی بارش ہوئی تھی۔ قرآن میں ہے کہ تہ گر گئے تھے۔ دونوں بیانوں کے جمع کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسی حالت پیش آئی ہوگی جیسی آتش فشاں پہاڑوں کے پھٹنے سے واقع ہوتی ہے۔

اور لوط کا واقعہ یاد کرو، جب اس نے اپنی قوم سے کہا تھا "کیا تم ایسی بےحیائی کا کام کرنا پسند کرتے ہو جو تم سے پہلے دنیا میں کسی انسان نے نہیں کیا؟ تم عورتوں کو چھوڑ کر نفسانی خواہش سے مردوں پر مائل ہوتے ہو۔ یقیناً تم ایک ایسی قوم ہو ۸۰
گئے ہو جو (اپنی نفس پرستیوں میں) بالکل چھوٹ ہے" ۸۱
لوط کی قوم کے پاس اگر اس کا کچھ جواب تھا تو یہ تھا کہ آپس میں کہنے لگے "اس آدمی کو اپنی بستی سے نکال باہر کرو۔ یہ ایسے لوگ ہیں جو

قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ۭ قَدْ جَاۗءَتْكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۭ هٰذِهٖ نَاقَةُ
اللّٰهِ لَكُمْ اٰيَةً فَذَرُوْهَا تَاْكُلْ فِيْٓ اَرْضِ اللّٰهِ وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْۗءٍ فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ ۷۳
وَاذْكُرُوْٓا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَاۗءَ مِنْۢ بَعْدِ عَادٍ وَّبَوَّاَكُمْ فِي الْاَرْضِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْ سُهُوْلِهَا
قُصُوْرًا وَّتَنْحِتُوْنَ الْجِبَالَ بُيُوْتًا ۚ فَاذْكُرُوْٓا اٰلَاۗءَ اللّٰهِ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ۝ ۷۴
قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لِلَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِمَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ اَتَعْلَمُوْنَ
اَنَّ صٰلِحًا مُّرْسَلٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ۭ قَالُوْٓا اِنَّا بِمَآ اُرْسِلَ بِهٖ

دوسری جگہ "الحجر" سے بھی تعبیر کیا ہے۔

پالتو جانوروں کو خدا کے نام پر چھوڑ دینے کا طریقہ بہت قدیمی ہے۔ بابل اور ہندوستان میں اس کا سراغ ہزاروں برس پیشتر تک ملتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ قوم ثمود کے لوگ بھی اپنے بتوں کے نام پر جانور چھوڑ دیا کرتے تھے۔ حضرت صالح نے خدا کے نام پر ایک اونٹنی چھوڑ دی اور اسی معاملہ میں قوم کے لئے اتباع حق کی آزمائش ہوگئی۔ اگر وہ اونٹنی کو ضرر نہ پہنچاتے، تو یہ اس بات کا ثبوت ہوتا کہ ان کے دل باطل کے آگے جھک گئے ہیں، مگر ان کے اندر خدا پرستی کے خلاف ایسی ضد اور شرارت پیدا ہوگئی تھی کہ اتنی سی بات بھی نہ مان سکے اور اونٹنی کو زخمی کر کے ہلاک کر ڈالا۔

۷۳ "ملک میں سرکشی کرتے ہوئے خرابی نہ پھیلاؤ"۔ اس سے معلوم ہوا کہ وہ لوگ قتل و غارت، لوٹ مار، شر و فساد میں مبتلا ہو گئے تھے اور امن و عدالت کا کوئی احساس باقی نہیں رہا تھا۔

اس نے کہا "اے میری قوم کے لوگو! اللہ کی بندگی کرو۔ اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں۔ دیکھو تمہارے پروردگار کی طرف سے ایک واضح دلیل تمہارے سامنے آچکی ہے۔ یہ خدا کے نام پر چھوڑی ہوئی اونٹنی تمہارے لئے ایک (فیصلہ کن) نشانی ہے۔ پس اسے کھلا چھوڑ دو کہ خدا کی زمین میں جہاں چاہے چرے اسے کسی طرح کا نقصان نہ پہنچاؤ کہ (اس کی پاداش میں) عذاب جانکاہ تمہیں آپکڑے"۔

"اور وہ وقت یاد کرو کہ خدا نے تمہیں قوم عاد کے بعد اس کا جانشین بنایا، اور اس سرزمین میں اس طرح بسا دیا کہ میدانوں سے محل بنانے کا کام لیتے ہو اور پہاڑوں کو بھی تراش کر اپنا گھر بنا لیتے ہو (یہ اس کا تم پر احسان ہے) پس اللہ کی تعمیر یاد کرو۔ اور ملک میں سرکشی کرتے ہوئے، خرابی نہ پھیلاؤ"۔

۷۴ قوم کے جن سربرآوردہ لوگوں کو (اپنی دولت و طاقت کا) گھمنڈ تھا۔ انہوں نے مومنوں سے کہا اور یہ اُن لوگوں میں سے تھے جنہیں (افلاس و بے چارگی کی وجہ سے) کمزور و حقیر سمجھتے تھے:

(۷۴) جو حقیر و ذلیل سمجھے جاتے تھے۔ انہوں نے سچائی قبول کی اور جو اپنی دنیاوی بڑائیوں کا گھمنڈ تھا، انہوں نے انکار کیا۔ دعوتِ حق کا جب کبھی ظہور ہوا ہے، تو ہمیشہ ایسی ہی صورت حال پیش آئی ہے۔ قبولیت حق کی راہ میں ایک

کیا تم نے سچ مچ کو معلوم کر لیا ہے کہ صالح خدا کا بھیجا ہوا ہے؟" (یعنی ہمیں تو ایسی کوئی بات اس میں دکھائی دیتی نہیں) انہوں نے کہا "ہاں بیشک

تُوعِدُونَ وَتَصُدُّونَ عَن سَبِيلِ اللَّهِ مَنْ آمَنَ بِهِ تَبْغُونَهَا عِوَجًا ۚ وَاذْكُرُوا إِذْ كُنتُمْ
قَلِيلًا فَكَثَّرَكُمْ ۖ وَانظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِينَ ﴿٨٦﴾ وَإِن كَانَ طَائِفَةٌ مِّنكُمْ آمَنُوا
بِالَّذِي أُرْسِلْتُ بِهِ وَطَائِفَةٌ لَّمْ يُؤْمِنُوا فَاصْبِرُوا حَتَّىٰ يَحْكُمَ اللَّهُ بَيْنَنَا ۚ وَهُوَ خَيْرُ الْحَاكِمِينَ ﴿٨٧﴾
قَالَ الْمَلَأُ الَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا مِن قَوْمِهِ لَنُخْرِجَنَّكَ يَا شُعَيْبُ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَكَ مِن قَرْيَتِنَا
أَوْ لَتَعُودُنَّ فِي مِلَّتِنَا ۚ قَالَ أَوَلَوْ كُنَّا كَارِهِينَ ﴿٨٨﴾ قَدِ افْتَرَيْنَا عَلَى اللَّهِ كَذِبًا إِنْ عُدْنَا فِي مِلَّتِكُم
بَعْدَ إِذْ نَجَّانَا اللَّهُ مِنْهَا ۚ وَمَا يَكُونُ لَنَا أَن نَّعُودَ فِيهَا إِلَّا أَن يَشَاءَ اللَّهُ

ہو۔ خدا کا احسان یاد کرو کہ تم بہت تھوڑے تھے اس نے (امن و عافیت دے کر) تمہاری تعداد زیادہ کر دی۔ اور پھر غور کرو، جن لوگوں نے فساد کا شیوہ اختیار کیا تھا، انہیں کیسا کچھ انجام پیش آچکا ہے؟"

۸۶

"اور اگر ایسا ہوا ہے کہ تم میں سے ایک گروہ اس تعلیم پر ایمان لے آیا ہے جس کی تبلیغ کے لئے میں بھیجا گیا ہوں، اور دوسرا گروہ ہے جسے اس پر یقین نہیں، تو (صرف اتنی ہی بات دیکھ کر فیصلہ نہ کر لو) صبر کرو۔ یہاں تک کہ اللہ ہمارے درمیان فیصلہ کر دے، اور وہ بہتر فیصلہ کرنے والا ہے!"

۸۷

اس پر قوم کے سرداروں نے جنہیں (اپنی دنیوی طاقتوں کا) گھمنڈ تھا، کہا "اے شعیب! (دو باتوں میں سے ایک بات ہو کر رہے گی:) یا تو تجھے اور ان سب کو جو تیرے ساتھ ایمان لائے ہیں ہم اپنے شہر سے ضرور نکال باہر کریں گے، یا تمہیں مجبور کر دینگے کہ ہمارے دین میں لوٹ آؤ۔"

شعیب نے کہا "اگر ہمارا دل تمہارے دین پر مطمئن نہ ہو تو کیا جبراً مان لیں؟"

۸۸

"اگر ہم تمہارے دین میں لوٹ آئیں، حالانکہ خدا نے (علم و یقین کی روشنی نمایاں کر کے) ہمیں اس سے نجات دیدی ہے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ہم نے جھوٹ بولتے ہوئے خدا پر بہتان باندھا۔ ہمارے لئے ممکن نہیں کہ اب قدم پیچھے ہٹائیں۔ ہاں اللہ کا جو ہمارا پروردگار ہے ایسا ہی چاہتا ہو

(۸۷) آیت (۸۶) میں فرمایا "وہ بہتر فیصلہ کرنے والا ہے"۔ اور دوسری جگہ خدا کے اس فیصلہ کو "فتح بالحق" اور "سب سے بڑی شہادت" سے بھی تعبیر کیا ہے۔ یہ فیصلہ کیا ہے؟ قانون الٰہی کا وہ اعلان جو حق کو کامیاب کر کے اور باطل کو ناکام رکھ کر اپنا فیصلہ صادر کر دیتا ہے۔

(۸۸) آیت (۸۹) نے واضح کر دیا کہ قرآن کے نزدیک مذہبی اعتقاد کا معاملہ دل کے یقین و طمانیت کا معاملہ ہے اور جبراً کسی کو اس کے لئے مجبور نہیں کیا جا سکتا۔ نیز یہ کہ ہمیشہ داعیان حق اور منکرین حق میں بنائے نزاع یہی بات رہی ہے کہ وہ کہتے تھے، ہمارا دل جس راہ کو حق سمجھتا ہے اسی پر چلیں گے، یہ کہتے تھے، نہیں، ہم تمہیں جبراً اپنی راہ پر چلا کر چھوڑیں گے۔

۸۲ اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ قَرْيَتِكُمْ ۚ اِنَّهُمْ اُنَاسٌ يَّتَطَهَّرُوْنَ ۝ فَاَنْجَيْنٰهُ وَاَهْلَهٗٓ اِلَّا
۸۳ امْرَاَتَهٗ ۖ كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِيْنَ ۝ وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَّطَرًا ۚ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِيْنَ ۝
ع ۱۲ ۸۴ وَاِلٰى مَدْيَنَ اَخَاهُمْ شُعَيْبًا ۗ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ۗ قَدْ جَآءَتْكُمْ
بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَآءَهُمْ وَلَا تُفْسِدُوْا
۸۵ فِى الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا ۚ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ وَلَا تَقْعُدُوْا بِكُلِّ صِرَاطٍ

۸۲ بڑے پاک صاف بننا چاہتے ہیں۔"

پس ایسا ہوا کہ لوط کو اور اس کے گھر والوں کو تو ہم نے بچا لیا، مگر اس کی بیوی نہ بچی کہ وہ
۸۳ بھی پیچھے رہ جانے والوں میں تھی۔

۸۴ ہم نے ان پر (پتھروں کا) مینہ برسا دیا تھا۔ سو دیکھو، مجرموں کا انجام کیسا ہوا؟

اور (اسی طرح) مدین کی بستی میں شعیب بھیجا گیا کہ انہی کے بھائی بندوں میں سے تھا۔ اس نے کہا "بھائیو! اللہ کی بندگی کرو۔ اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں۔ دیکھو تمہارے پروردگار کی طرف سے واضح دلیل تمہارے سامنے آچکی۔ پس چاہیئے کہ ماپ تول پورا پورا کیا کرو۔ لوگوں کو خرید و فروخت میں، ان کی چیزیں کم نہ دو۔ ملک کی درستگی کے بعد (کہ دعوتِ حق کے قیام سے ظہور میں آرہی ہے) اس میں خرابی نہ ڈالو۔ اگر تم ایمان رکھتے ہو تو یقین کرو، اسی میں تمہارے لئے بہتری ہے۔"

"اور دیکھو، ایسا نہ کرو کہ (دعوتِ حق کی اشاعت روکنے کے لئے) ہر راستے جا بیٹھو اور جو آدمی بھی ایمان لائے، اسے دھمکیاں دے کر خدا کی راہ سے روکو، اور اس میں کجی ڈالنے کے درپے

(ز) مدین کسی بستی کا نام نہیں۔ ایک قبیلہ کا نام تھا جو جزیرہ نمائے سینا میں عرب سے متصل آباد تھا۔ اسی میں حضرت شعیبؑ کا ظہور ہوا۔

(ح) قرآن نے حضرت شعیبؑ کی کوئی ایسی نشانی بیان نہیں کی جس دوسرے پیغمبروں کی بیان کی ہے، اور جو متکلمین کی اصطلاح میں "معجزہ" کے لفظ سے تعبیر کی جاتی ہے۔ تاہم قرآن حضرت شعیب کی زبانی نقل کرتا ہے کہ "واضح دلیل آچکی" یہ "دلیل واضح" کیا تھی؟ حضرت شعیب کی تعلیم تھی جو راست بازی و عدالت کی راہ دکھاتی تھی۔ اس سے معلوم ہوا کہ قرآن کے نزدیک انبیاء کی تعلیم بجائے خود دلیل، بینہ، اور حجت ہے۔ اور ضروری نہیں کہ اس کے ساتھ کوئی دوسری نشانی اور مصطلحہ معجزہ بھی ہو۔

۸۵ (ط) ماپ تول کی درستگی، اور یہ اصل کہ خرید و فروخت میں جو جس کا حق ہو اسے پورا ملنا چاہیئے، انسانی معیشت کی وہ بنیادی صداقت ہے جس کی ہمیشہ نبیوں نے تلقین کی۔

(ی) حضرت شعیبؑ نے کہا، کم از کم صبر کرو اور نتیجہ دیکھ لو۔ لیکن منکر اس کے لئے بھی طیار نہ ہوئے۔

كٰفِرِيْنَ ۝ وَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّبِيٍّ اِلَّآ اَخَذْنَآ اَهْلَهَا بِالْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ لَعَلَّهُمْ ۹۳ ع
يَضَّرَّعُوْنَ ۝ ثُمَّ بَدَّلْنَا مَكَانَ السَّيِّئَةِ الْحَسَنَةَ حَتّٰى عَفَوْا وَّقَالُوْا قَدْ مَسَّ اٰبَآءَنَا الضَّرَّآءُ ۹۴
وَالسَّرَّآءُ فَاَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ۝ وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰٓى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا ۹۵
عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ وَلٰكِنْ كَذَّبُوْا فَاَخَذْنٰهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝ اَفَاَمِنَ ۹۶
اَهْلُ الْقُرٰٓى اَنْ يَّاْتِيَهُمْ بَاْسُنَا بَيَاتًا وَّهُمْ نَآئِمُوْنَ ۝ ۹۷

کرتے تو کم از کم میری موجودگی برداشت کر لو، اور فیصلۂ نتائج پر چھوڑ دو، لیکن منکر اس کے لئے بھی تیار نہیں ہوئے۔

(ح) ہمیشہ یہی ہوا کہ داعی حق اور ان کے ساتھی وعظ و پند کے ذریعے نہیں کرتے، یعنی دل و دماغ کو اپیل کرتے لیکن منکر جبر و تشدد سے ان کی راہ روکنی چاہتے۔ پیغمبروں کی پکار یہ ہوتی تھی کہ روشن دلیلوں پر غور کرو۔ منکروں کا جواب یہ ہوتا تھا کہ انہیں بستی سے نکال دو یا سرکوب و سنگسار کر دو!

(ط) پھر دیکھو نتیجہ بھی ہمیشہ ایک ہی طرح کا پیش آیا۔ وہ تمام جماعتیں منکروں نے دعوت حق کا مقابلہ کیا تھا، ہلاک و نابود ہو گئیں اور دنیا کی کوئی طاقت بھی انہیں قانون الٰہی کی پکڑ سے نہ بچا سکی۔

یہی نتیجہ ہے جس پر خصوصیت کے ساتھ یہاں توجہ دلائی ہے اور قرآن دعوت حق کے ظہور و احوال کی یکسانیت سے بے شمار مقامات و تاریخ پر استدلال کرتا ہے۔ چنانچہ آیت (۹۴) میں فرمایا کہ ہمیشہ سنت الٰہی یہی رہی ہے اور یہ آیت (۱۰۱) اور اس کے بعد کی آیات میں واضح کر دیا ہے کہ گذشتہ دعوتوں کے ذکر سے مقصود اسی حقیقت کی تبیین ہے۔

(۲۱) منکر و سرکش جماعتوں کی ہلاکت کے جو حالات بیان کئے گئے ہیں وہ سب اس نوعیت کے ہیں کہ معلوم ہوتا ہے، تدریجی حوادث کا مظہر تھا مثلاً زلزلہ، طوفان، سیلاب، آتش فشانی

۹۳ کروں؟"

اور ہم نے جب کبھی کسی بستی میں کوئی نبی بھیجا تو ہمیشہ ایسا کیا کہ اس کے باشندوں کو سختیوں اور نقصانوں میں مبتلا کر دیا۔ تاکہ (سرکشی سے باز آئیں اور) عاجزی و نیازمندی کریں۔ پھر ہم نے مصیبت ۹۴
راحت سے بدل دی۔ پھر جب ایسا ہوا کہ وہ (خوش حالیوں میں) خوب بڑھ گئے اور (پاداش عمل سے بے پروا ہو کر) کہنے لگے "ہمارے باپ دادوں پر سختی کے دن بھی گزرے راحت کے بھی" (یعنی دنیا میں اچھی بری حالتیں پیش آتی ہی رہتی ہیں۔ جزائے عمل کوئی چیز نہیں) تو اچانک ہمارے عذاب کی ۹۵
پکڑ میں آ گئے اور وہ بالکل بے خبر تھے!

اور اگر ان بستیوں کے رہنے والے (جن کی سرگزشتیں بیان کی گئی ہیں) ایمان لاتے اور برائیوں سے بچتے، تو ہم آسمان اور زمین کی برکتوں کے دروازے ضرور ان پر کھول دیتے لیکن انہوں نے جھٹلا دیا، پس اس کمائی کی وجہ سے جو انہوں نے (اپنے اعمال کے ذریعہ) حاصل کی تھی، ہم نے انہیں پکڑ لیا (اور وہ مبتلائے عذاب ہوئے) ۹۶

کیا شہروں کے بسنے والوں کو اس بات سے امان مل گئی ہے کہ ہمارا عذاب راتوں رات ان پر نازل ہو اور وہ پڑے سوتے ہوں؟ ۹۷

رَبُّنَا وَسِعَ رَبُّنَا كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا ۚ عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا ۚ رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وَأَنْتَ
خَيْرُ الْفَاتِحِينَ ۝ وَقَالَ الْمَلَأُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ قَوْمِهِ لَئِنِ اتَّبَعْتُمْ شُعَيْبًا إِنَّكُمْ إِذًا لَخَاسِرُونَ ۝ ۹۰
فَأَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَأَصْبَحُوا فِي دَارِهِمْ جٰثِمِينَ ۝ الَّذِينَ كَذَّبُوا شُعَيْبًا كَأَنْ لَمْ يَغْنَوْا فِيهَا ۚ ع ۹۱
الَّذِينَ كَذَّبُوا شُعَيْبًا كَانُوا هُمُ الْخَاسِرِينَ ۝ فَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَقَالَ يٰقَوْمِ لَقَدْ أَبْلَغْتُكُمْ رِسٰلٰتِ ۹۲
رَبِّي وَنَصَحْتُ لَكُمْ ۖ فَكَيْفَ آسٰى عَلٰى قَوْمٍ

(تو وہ جو چاہے گا ہو کر رہے گا) کوئی چیز نہیں جس پر وہ اپنے علم سے چھایا ہوا نہ ہو۔ ہمارا تمام تر بھروسہ اُسی پر ہے۔ اے پروردگار! ہمارے اور ہماری قوم کے درمیان سچائی کے ساتھ فیصلہ کر دے اور تو بہتر فیصلہ ۸۹
کرنے والا ہے!"

قوم کے سرداروں نے جو شعیب کے منکر تھے (لوگوں سے) کہا "اگر تم نے شعیب کی پیروی کی تو بس سمجھ لو، تم برباد ہوئے"۔

پس ایسا ہوا کہ لرزا دینے والی ہولناکی نے انہیں آ لیا، اور جب ان پر صبح ہوئی تو گھروں میں اوندھے منہ پڑے تھے!

جن لوگوں نے شعیب کو جھٹلایا تھا، (اُن کا حال ہوا!) گویا ان بستیوں میں کبھی بسے ہی نہ تھے!

جن لوگوں نے شعیب کو جھٹلایا تھا، وہی برباد ہونے والے تھے!

بہرحال شعیب ان سے کنارہ کش ہو گیا۔ اس نے کہا "بھائیو! میں نے پروردگار کے پیغامات تمہیں پہنچا دیئے تھے اور تمہاری بہتری چاہی تھی، (مگر جب تم نے جان بوجھ کر ہلاکت کی راہ پسند کی) تو میں نہ ماننے والوں (کی تباہی) پر اب کیسے افسوس

(۲۰) تمام پیغمبروں کے حالات پر غور کرو:

(ا) سب اسی قوم میں پیدا ہوئے جس کی ہدایت کے لئے مبعوث ہوئے تھے۔ ایسا نہیں ہوا کہ باہر سے کوئی اجنبی آ گیا ہو جس کی زندگی سے لوگ بے خبر ہوں۔ ۹۰

(ب) کوئی بھی بادشاہ یا امیر نہ تھا۔ نہ کسی طرح کا دنیوی سروسامان رکھتا تھا۔ سب کا ظہور اسی طرح ہوا کہ تن تنہا اعلانِ حق کے لئے کھڑے ہو گئے اور صرف خدا کی معیت و نصرت پر اعتماد کیا۔ ۹۱

(ج) سب کا پیام ایک ہی تھا: خدا کی بندگی کرو۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں!

(د) سب نے نیک عملی کی تلقین کی۔ انکار و بدعملی کے نتائج سے متنبہ کیا۔

(ہ) سب کے ساتھ یہی ہوا کہ رئیسوں نے سرکشی کی۔ بے نواؤں نے ساتھ دیا۔

(و) مخالفت بھی ہمیشہ ایک ہی طرح ہوئی۔ یعنی اعلانِ رسالت کی ہنسی اڑائی گئی۔ ان کی باتوں کو حماقت سے تعبیر کیا گیا۔ انہیں اور ان کے ساتھیوں کو اذیت پہنچانے کے تمام وسائل کام میں لائے۔ ان کی دعوت کی اشاعت روکنے کے لئے اپنی ساری قوتیں خرچ کر ڈالیں۔

(ز) پیغمبروں نے ہمیشہ کہا: اگر میری دعوت قبول نہیں

وَمَا وَجَدْنَا لِأَكْثَرِهِم مِّن عَهْدٍ ۖ وَإِن وَجَدْنَا أَكْثَرَهُمْ لَفَاسِقِينَ ۝ ثُمَّ بَعَثْنَا مِن بَعْدِهِم ۱۰۲
مُّوسَىٰ بِآيَاتِنَا إِلَىٰ فِرْعَوْنَ وَمَلَئِهِ فَظَلَمُوا بِهَا ۖ فَانظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِينَ ۝ ۱۰۳
وَقَالَ مُوسَىٰ يَا فِرْعَوْنُ إِنِّي رَسُولٌ مِّن رَّبِّ الْعَالَمِينَ ۝ حَقِيقٌ عَلَىٰ أَن لَّا أَقُولَ عَلَى اللَّهِ ۱۰۴
إِلَّا الْحَقَّ ۚ قَدْ جِئْتُكُم بِبَيِّنَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ فَأَرْسِلْ مَعِيَ بَنِي إِسْرَائِيلَ ۝ قَالَ إِن كُنتَ جِئْتَ ۱۰۵
بِآيَةٍ فَأْتِ بِهَا إِن كُنتَ مِنَ الصَّادِقِينَ ۝ فَأَلْقَىٰ عَصَاهُ فَإِذَا هِيَ ثُعْبَانٌ مُّبِينٌ ۝ وَنَزَعَ ۱۰۶-۱۰۷
يَدَهُ فَإِذَا هِيَ

۱۰۱ دیتا ہے جو (ہٹ دھرمی سے) انکار کرتے ہیں۔

اور ان میں سے اکثروں کو ہم نے ایسا پایا کہ اپنے عہد پر قائم نہ تھے (یعنی انہوں نے اپنا فطری شعور و وجدان کہ فطرتِ انسانی کا عہد ہے ضائع کر دیا تھا) اور اکثروں کو ایسا ہی پایا کہ یک قلم نافرمان تھے ۱۰۲

پھر ان پیغمبروں کے بعد ہم نے موسیٰ کو فرعون اور اس کے درباریوں کی طرف اپنی نشانیوں کے ساتھ بھیجا، لیکن انہوں نے ہماری نشانیوں کے ساتھ ناانصافی کی، تو دیکھو، مفسدوں کا کیسا انجام ہوا! ۱۰۳

موسیٰ نے کہا "اے فرعون! میں اس کی طرف سے بھیجا ہوا آیا ہوں جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے، میرا فرض منصبی ہے کہ خدا کے نام سے کوئی بات نہ کہوں مگر یہ کہ سچ ہو۔ میں تیرے پروردگار کی طرف سے (سچائی کی) روشن دلیلیں لایا ہوں سو بنی اسرائیل کو (آئندہ اپنی غلامی پر مجبور نہ کر) اور میرے ساتھ رخصت کر دے"۔ ۱۰۴-۱۰۵

فرعون نے کہا "اگر تو واقعی کوئی نشانی لیکر آیا ہے اور اپنے دعوی میں سچا ہے، تو پیش کر"۔ ۱۰۶

اس پر موسیٰ نے اپنی لاٹھی ڈال دی تو اچانک ایسا ہوا کہ ایک نمایاں اژدہا ان کے سامنے تھا! اور اپنا ہاتھ (جیب سے باہر) نکالا تو اچانک ۱۰۷

(۲۳) حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعوت کا تذکرہ اور اس حقیقت کی تلقین کہ جس طرح پیغمبروں کی تنذیر ہمیشہ وقوع میں آئی، اسی طرح تبشیر نے بھی اپنی برکتیں دکھلائیں نیز بنی اسرائیل کے ایام و وقائع، جن میں مخاطبین قرآن کے لئے مواعظ و عبر تھے۔

(ا) حضرت موسیٰ کا فرعون سے مطالبہ کہ بنی اسرائیل کو انہیں غلامی سے رہا کر دے اور مصر سے نکل جانے دے۔ بنی اسرائیل حضرت یوسف کے زمانے میں مصر گئے تھے اور عزت کے ساتھ بسائے گئے تھے۔ پھر رفتہ رفتہ مصریوں نے انہیں اپنا غلام بنا لیا۔ یہاں تک کہ حضرت موسیٰ کا ظہور ہوا۔

(ب) جب ایک انقلاب جماعت اٹھتی ہے اور اپنی حالت سنوارنا چاہتی ہے تو مستبد قوتیں اسے بغاوت سے تعبیر کرتی ہیں۔ حضرت موسیٰ کا مطالبہ صرف یہ تھا کہ بنی اسرائیل کو مصر سے نکل جانے دیا جائے۔ لیکن امرار مصر نے کہا: "یہ چاہتا ہے تم مصریوں کو تمہارے ملک سے نکال باہر کرے"۔ اور سعدہ یونس میں ہے کہ انہوں نے موسیٰ سے کہا، تم چاہتے ہو ملک کی سرداری تمہیں مل جائے (۷۸)

(ج) ارکان حکومت کا مشورہ اور حضرت موسیٰ کے معجزے

أَوَأَمِنَ أَهْلُ الْقُرَىٰ أَن يَأْتِيَهُمْ بَأْسُنَا ضُحًى وَهُمْ يَلْعَبُونَ ۝ أَفَأَمِنُوا مَكْرَ اللَّهِ ۚ فَلَا يَأْمَنُ مَكْرَ اللَّهِ إِلَّا الْقَوْمُ الْخَاسِرُونَ ۝ أَوَلَمْ يَهْدِ لِلَّذِينَ يَرِثُونَ الْأَرْضَ مِن بَعْدِ أَهْلِهَا أَن لَّوْ نَشَاءُ أَصَبْنَاهُم بِذُنُوبِهِمْ ۚ وَنَطْبَعُ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُونَ ۝ تِلْكَ الْقُرَىٰ نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ أَنبَائِهَا ۚ وَلَقَدْ جَاءَتْهُمْ رُسُلُهُم بِالْبَيِّنَاتِ ۖ فَمَا كَانُوا لِيُؤْمِنُوا بِمَا كَذَّبُوا مِن قَبْلُ ۚ كَذَٰلِكَ يَطْبَعُ اللَّهُ عَلَىٰ قُلُوبِ الْكَافِرِينَ ۝

۹۸ ۹۹ ع ۱۲ ۱۰۰ ۱۰۱

پھر انہیں مفزدہ عذاب کیوں کہا گیا؟

اس لئے کہ گو ان کا ظہور قدرت کی عادی و جاری صورتوں ہی میں ہوا تھا، لیکن اس لئے ہوا تھا کہ انکار و سرکشی کے نتائج لوگوں کے سامنے آجائیں اور پیغمبروں نے ان کے ظہور کی پہلے سے خبر دیدی تھی۔

۹۸ ضروری نہیں کہ ہر زلزلہ کسی گروہ کے لئے عذاب ہو، لیکن ہر وہ زلزلہ عذاب تھا جس کی کسی پیغمبر نے اتمام حجت کے بعد خبر دیدی تھی، اور جسے مشیت الٰہی نے اس معاملہ سے الگ کر دیا تھا۔ خدا نے فطرت کے تمام مظاہر کے لئے ایک خاص بھیس مقرر کر دیا ہے وہ جب کبھی آئے گی تو اسی بھیس میں آئے گی اس کا بھیس بدل نہیں سکتا، لیکن اس کے ظہور کے مقاصد ہمیشہ یکساں نہیں ہوتے، اور حقیقت حال انسانی علم کی دسترس سے باہر ہے۔

۹۹ (۲۲) آیت (۹۹) کا مطلب تم سمجھے؟ عربی میں "مکر" کے معنی مخفی داؤ اور تدبیر کے ہیں۔ غور کرو، فطرت کے داؤ کیسے مخفی اور ناگہانی ہوا کرتے ہیں؟ زلزلہ کے اسباب شب و روز نشو نما پاتے رہتے ہیں سیلاب ایک لمحہ کی برفباری ہی کا نتیجہ نہیں ہوتا۔ آتش فشاں پہاڑوں کا لاوا برسوں تک کھولتا رہتا ہے، تب کہیں جا کر پھٹنے کے قابل ہوتا ہے فطرت چپکے چپکے سب کام کرتی رہتی ہے، لیکن ہمیں کہ اس کی گود میں کھیلتے کودتے رہتے ہیں، ایک لمحہ کے لئے بھی اس کا گمان نہیں ہوتا کہ کوئی غیر معمولی بات ہونے والی ہے یہاں تک کہ اچانک اس کا داؤ نمودار ہو جاتا ہے، اور ہم ایک قوم غفلت و سرمستی میں سرشار ہوتے ہیں! فلا یأمن مکر اللہ الا القوم الخاسرون!

۱۰۰ پھر انہیں اس بات سے امان مل گئی ہے کہ دن دہاڑے عذاب نازل ہو جائے اور وہ (بیچارے) کھیل کود میں مشغول ہوں؟

۱۰۱ کیا انہیں خدا کی مخفی تدبیروں سے امان مل گئی ہے؟ (اور وہ سمجھتے ہیں ان کے خلاف کچھ ہونے والا نہیں؟) تو یاد رکھو خدا کی مخفی تدبیروں سے بیخوف نہیں ہو سکتے، مگر وہی جو تباہ ہونے والے ہیں۔!

پھر جو لوگ (پہلی جماعتوں کے بعد) ملک کے وارث ہوتے ہیں، کیا وہ یہ بات نہیں پاتے کہ اگر ہم چاہیں تو پہلوں کی طرح) انہیں بھی گناہوں کی وجہ سے مصیبتوں میں مبتلا کر دیں، اور ان کے دلوں پر مہر لگا دیں کہ کوئی بات سنیں ہی نہیں؟

(اے پیغمبر!) یہ ہیں (دنیا کی پرانی) آبادیاں جن کے حالات ہم تمہیں سناتے ہیں۔ ان سب میں ان کے پیغمبر (سچائی کی) روشن دلیلوں کے ساتھ آئے، مگر ان کے بسنے والے ایسے نہ تھے کہ جو بات پہلے جھٹلا چکے تھے اسے (سچائی کی نشانیاں دیکھ کر) مان لیں سو دیکھو اس طرح خدا ان لوگوں کے دلوں پر مہر لگا

وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اَنْ اَلْقِ عَصَاكَ ۚ فَاِذَا هِىَ تَلْقَفُ مَا يَاْفِكُوْنَ ۝ فَوَقَعَ الْحَقُّ وَبَطَلَ مَا ۱۱۷
كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ فَغُلِبُوْا هُنَالِكَ وَانْقَلَبُوْا صٰغِرِيْنَ ۝ وَاُلْقِيَ السَّحَرَةُ سٰجِدِيْنَ ۝ قَالُوْٓا ۱۱۸-۱۱۹-۱۲۰
اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ رَبِّ مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ۝ قَالَ فِرْعَوْنُ اٰمَنْتُمْ بِهٖ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ ۱۲۱-۱۲۲
لَكُمْ ۚ اِنَّ هٰذَا لَمَكْرٌ مَّكَرْتُمُوْهُ فِى الْمَدِيْنَةِ لِتُخْرِجُوْا مِنْهَآ اَهْلَهَا ۚ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۝ ۱۲۳
لَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ وَ

پھیلا دی، اور بہت بڑا جادو بنا لائے۔ ۱۱۶

اور اس وقت ہم نے موسیٰ پر وحی کی کہ تم بھی اپنی لاٹھی (میدان میں) ڈال دو۔ جونہی اس نے لاٹھی پھینکی، تو اچانک کیا ہوا کہ جو کچھ جھوٹی نمائش جادوگروں کی تھی، سب (آناً فاناً) اس نے نگل کر نابود کر دی! ۱۱۷

غرض کہ سچائی ثابت ہوگئی، اور جو کچھ جادوگروں نے کرتب کیے تھے، سب ملیا میٹ ہوئے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ فرعون اور اس کے درباریوں کو اس مقابلہ میں مغلوب ہونا پڑا اور (فتح مند ہونے کی جگہ) الٹے ذلیل ہوئے! ۱۱۹

اور پھر ایسا ہوا کہ (موسیٰ کی سچائی دیکھ کر) جادوگر بے اختیار سجدے میں گر پڑے۔ انہوں نے کہا "ہم اس پر ایمان لائے جو تمام جہان کا پروردگار ہے، جو موسیٰ اور ہارون کا پروردگار ہے!" فرعون نے (غضب ناک ہو کر) کہا "مجھ سے اجازت لئے بغیر تم موسیٰ پر ایمان لائے؟ ضرور یہ ایک پوشیدہ تدبیر ہے جو تم نے (مل جل کر) شہر میں کی ہے، تاکہ اس کے باشندوں کو اس سے نکال باہر کرو۔ اچھا، تھوڑی دیر میں تمہیں (اس کا نتیجہ) معلوم ہو جائے گا۔" ۱۲۰ ۱۲۱-۱۲۲ ۱۲۳

(۵) جادوگروں کا بڑی طرح ہارنا حضرت موسیٰ پر ایمان لانا، فرعون کا اسے سازش قرار دینا، اور قتل و تعذیب کی دھمکی۔

سورۂ طٰہٰ میں ہے کہ یہ معاملہ مصریوں کے تہوار کے دن پیش آیا تھا اور مملکت کی تمام آبادی جمع تھی، اور خود حضرت موسیٰ کی تجویز سے ایسا ہوا تھا (۵۹) نیز یہ کہ مقابلہ سے پہلے حضرت موسیٰ نے جادوگروں کو نصیحت کی تھی، اور وہ متاثر ہو کر آپس میں سرگوشیاں کرنے لگے تھے، لیکن چونکہ فرعون نے اس معاملہ کو قومی خطرہ کا رنگ دیدیا تھا، اس لئے مقابلہ پر جمے رہے انہوں نے آپس میں کہا "موسیٰ ہمیں نکال کر ہمارے ملک پر قبضہ کرنا چاہتا ہے" (۶۳)

جب فرعون نے دیکھا، تمام باشندگان ملک کے سامنے اسے شکست ہوئی، اور جن جادوگروں پر بھروسہ کیا گیا تھا، وہی ایمان لے آئے، تو ڈرا، کہیں ایسا نہ ہو، لوگ حضرت موسیٰ کے معتقد ہو جائیں۔ اس لئے جادوگروں پر مکر و سازش کا الزام لگایا یعنی حضرت موسیٰ سے مل گئے ہیں۔ اسی لئے جان بوجھ کر انہیں فتح مند کرا دیا، اور پھر فوراً ان پر ایمان لے آئے۔

(۶) سچا ایمان اگرچہ ایک لمحہ کا ہو، ایسی روحانی طاقت پیدا کر دیتا ہے کہ دنیا کی کوئی طاقت اسے مرعوب و مسخر نہیں کر سکتی۔ وہی جادوگر جو فرعون سے صلہ و صلہ وانعام کی التجائیں

بَيْضَآءُ لِلنّٰظِرِيْنَ ۝ قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ عَلِيْمٌ ۝ يُّرِيْدُ اَنْ يُّخْرِجَكُمْ
مِّنْ اَرْضِكُمْ ۖ فَمَاذَا تَاْمُرُوْنَ ۝ قَالُوْٓا اَرْجِهْ وَاَخَاهُ وَاَرْسِلْ فِي الْمَدَآئِنِ حٰشِرِيْنَ ۝
يَاْتُوْكَ بِكُلِّ سَحَّارٍ عَلِيْمٍ ۝ وَجَآءَ السَّحَرَةُ فِرْعَوْنَ قَالُوْٓا اِنَّ لَنَا لَاَجْرًا اِنْ كُنَّا نَحْنُ الْغٰلِبِيْنَ ۝
قَالَ نَعَمْ وَاِنَّكُمْ لَمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ۝ قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِمَّآ اَنْ تُلْقِيَ وَاِمَّآ اَنْ نَّكُوْنَ نَحْنُ
الْمُلْقِيْنَ ۝ قَالَ اَلْقُوْا ۚ فَلَمَّآ اَلْقَوْا سَحَرُوْٓا اَعْيُنَ النَّاسِ وَاسْتَرْهَبُوْهُمْ وَجَآءُوْ بِسِحْرٍ
عَظِيْمٍ ۝

۱۰۸ کے۔ یہ جادوگروں کی طلبی۔ سورۂ طٰہٰ میں مزید تفصیل ہے، (دیکھو آیت ۵۸)

ایسا ہوا کہ دیکھنے والوں کے لئے سفید چمکیلا تھا!

۱۰۹ فرعون کی قوم کے سردار (آپس میں) کہنے لگے "بلاشبہ یہ بڑا ماہر جادوگر ہے۔ یہ چاہتا ہے (اپنی ان طاقتوں سے کام لیکر) تمہیں ملک سے نکال باہر کرے
۱۱۰ (اور خود مالک بن بیٹھے) اب بتلاؤ، تمہاری صلاح اس بارے میں کیا ہے؟"

(د) مصر کے جادوگروں کا استماع اور حضرت موسیٰ سے مقابلہ۔

جادوگروں کی نسبت فرمایا "لوگوں کی نگاہیں جادو سے مسحور کر دی تھیں" یعنی جادو کے تسلط (و کوئی حقیقت نہیں محض نگاہ کا دھوکہ تھا۔ چنانچہ دوسری جگہ اسے بطلان کی تاثیر سے بھی تعبیر کیا ہے (۲۰: ۶۹) سورۂ آیت (۷۱) میں فرمایا "ما یاتکون" یعنی ان کی نمائش جھوٹی تھی۔

جادو کا اعتقاد دنیا کی قدیم اور عالمگیر بیماریوں میں سے ہے، اور نوع انسانی کے لیے بڑی مصیبتوں کا باعث ہو چکا ہے۔ قرآن نے آج سے تیرہ سو برس پہلے اس کے غیر اصل ہونے کا اعلان کیا، لیکن افسوس ہے کہ دنیا متنبہ نہ ہوئی اور ازمنۂ وسطیٰ کے مسیحی جہل و قساوت نے ہزاروں بے گناہ انسانوں کو زندہ جلا دیا!

۱۱۱ (چنانچہ) انہوں نے (باہم مشورہ کے بعد فرعون سے) کہا "موسیٰ اور اس کے بھائی کو ٹھہرا دے کر روک لے اور (اس اثنا میں) تعقیب روانہ کر دے کہ (مملکت کے) تمام شہروں سے ہر جادوگر کو اکٹھا کر کے تیرے حضور لے آئیں"۔

۱۱۲ چنانچہ جادوگر فرعون کے حضور آئے! انہوں نے کہا "اگر ہم موسیٰ پر غالب آئے تو ہمیں اس خدمت کے صلے میں انعام ملنا چاہیے"۔

۱۱۳ فرعون نے کہا "ضرور ملے گا، اور تم سب میرے مقربوں کی صف میں داخل ہو جاؤ گے"۔

۱۱۴ (پھر جب مقابلہ ہوا، تو) جادوگروں نے کہا

۱۱۵ "اے موسیٰ! یا تو تم پہلے (اپنی لاٹھی) پھینکو، یا پھر ہم ہی کو پھینکنا ہے"۔

موسیٰ نے کہا "تم ہی پہلے پھینکو" پھر جب جادوگروں نے (جادو کی بنائی ہوئی لاٹھیاں اور رسیاں) پھینکیں، تو ایسا کیا کہ لوگوں کی نگاہیں جادو سے ماردیں، اور ان میں اپنے کرتبوں سے) دہشت

يُوْرِثُهَا مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ۝ قَالُوْٓا اُوْذِيْنَا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَاْتِيَنَا وَ ۱۲۸
مِنْۢ بَعْدِ مَا جِئْتَنَا ؕ قَالَ عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يُّهْلِكَ عَدُوَّكُمْ وَيَسْتَخْلِفَكُمْ فِى الْاَرْضِ فَيَنْظُرَ
كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ ۝ وَلَقَدْ اَخَذْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ بِالسِّنِيْنَ وَنَقْصٍ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ ۱۳۹ ع ۱۵
يَذَّكَّرُوْنَ ۝ فَاِذَا جَآءَتْهُمُ الْحَسَنَةُ قَالُوْا لَنَا هٰذِهٖ ۚ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَّطَّيَّرُوْا بِمُوْسٰى ۱۳۰
وَمَنْ مَّعَهٗ ؕ اَلَآ اِنَّمَا طٰٓئِرُهُمْ عِنْدَ اللّٰهِ وَلٰكِنَّ

فارغ عبرانی میں "فاراعو" اور عربی میں فرعون ہو گیا۔

(ط) محکومانہ زندگی کا پہلا اثر یہ ہوتا ہے کہ عزم و ہمت کی روح پژمردہ ہو جاتی ہے۔ لوگ غلامی کے ذلت انگیز اثر پر قانع ہو جاتے ہیں اور طلب وسعی کی تکلیفوں سے جی چرانے لگتے ہیں یہی حال بنی اسرائیل کا ہوا تھا عرصہ تک مصریوں کی غلامی میں رہتے رہتے اس درجہ پست ہو گئے تھے کہ ان کی سمجھ میں نہیں آتا تھا، آزادی و کامرانی کی طلب میں ان حقیر اندیشوں سے کیوں ہاتھ دھو بیٹھیں جو غلامی کی حالت میں میسر آ رہی ہیں؟ حضرت موسیٰ نے جب سیر واستقامت کی تلقین کی تو شکر گذار ہونے کی جگہ الٹی شکایتیں کرنے لگے وہ ان کی نجات و کامرانی کے لئے فرعون کا مقابلہ کر رہے تھے۔ انہیں شکایت تھی کہ تمہاری اس جدوجہد نے فرعون کو اور زیادہ ہمارا مخالف بنا دیا تم فائدہ پہنچانے کی جگہ الٹے وبال جان ہو گئے!

(ی) حضرت موسیٰ نے کہا، خدا جسے چاہتا ہے زمین کا وارث بنا دیتا ہے پس اس سے مدد مانگو اور اس راہ میں جمے رہو۔ اس سے معلوم ہوا جو جماعت دنیوی بے سروسامانی سے ہراساں ہو کر بے ہمت نہیں ہو جاتی بلکہ خدا کی مدد پر بھروسہ کرتی اور مشکلات و موانع کے مقابلہ میں جمی رہتی ہے وہی ملک کی وراثت کی مستحق ہوتی ہے یعنی "استعانت باللہ" اور "صبر" اس راہ میں اصل اصول ہے نیز فرمایا۔ انجام کار متقیوں کے لئے ہے یعنی جو جماعت برائیوں سے بچنے والی اور عمل میں پکی ہوگی، بالآخر کامیابی اسی کے لئے ہے۔

بلاشبہ زمین کی بادشاہت صرف خدا ہی کے لئے ہے وہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے اس کا وارث بنا دیتا ہے، اور انجام کار انہی کے لئے ہے جو متقی ہونگے"! ۱۲۸

انہوں نے کہا تمہارے آنے سے پہلے بھی ہم ستائے گئے، اور اب تمہارے آنے کے بعد بھی ستائے جا رہے ہیں"۔

موسیٰ نے کہا "قریب ہے، کہ تمہارا پروردگار تمہارے دشمن کو ہلاک کر دے، اور تمہیں ملک میں اس کا جانشین بنائے، پھر دیکھے (اس جانشینی کے بعد) تمہارے کام کیسے ہوتے ہیں؟" ۱۲۹

اور یہ واقعہ ہے کہ ہم نے فرعون کی قوم کو خشک سالی کے برسوں اور پیداوار کے نقصان میں مبتلا کیا تھا، تاکہ وہ متنبہ ہوں۔ ۱۳۰

تو جب کبھی ایسا ہوتا کہ خوش حالی آتی، تو کہتے یہ ہمارے حصے کی بات ہے (یعنی ہماری وجہ سے ہے) اور اگر ایسا ہوتا کہ سختی پیش آ جاتی، تو کہتے، یہ موسیٰ اور اس کے ساتھیوں کی نحوست ہے۔

(اے مخاطب!) سن رکھ کہ ان کی نحوست (اور کسی کے پاس نہ تھی) اللہ کے یہاں تھی (جس نے انسان کی اچھی بری حالتوں کے لئے ایک قانون ٹھہرا دیا ہے اور اسی کے مطابق نتائج پیش آتے ہیں) لیکن

۱۲۴ ۱۲۵ اَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ ثُمَّ لَاُصَلِّبَنَّكُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝ قَالُوْٓا اِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا مُنْقَلِبُوْنَ ۝ وَمَا تَنْقِمُ
۱۲۶ مِنَّآ اِلَّآ اَنْ اٰمَنَّا بِاٰيٰتِ رَبِّنَا لَمَّا جَآءَتْنَا ۭ رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّتَوَفَّنَا مُسْلِمِيْنَ ۝ وَ
۱۲۷ قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ اَتَذَرُ مُوْسٰى وَقَوْمَهٗ لِيُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ وَيَذَرَكَ وَاٰلِهَتَكَ ۭ
قَالَ سَنُقَتِّلُ اَبْنَآءَهُمْ وَنَسْتَحْيٖ نِسَآءَهُمْ ۚ وَاِنَّا فَوْقَهُمْ قٰهِرُوْنَ ۝ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهِ
اسْتَعِيْنُوْا بِاللّٰهِ وَاصْبِرُوْا ۚ اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ ۠

کر رہے تھے، ایمان لانے کے بعد مگر ایسے بے پرواہ ہو گئے کہ سخت سے سخت جسمانی عذاب کی دھمکی بھی انہیں متزلزل نہ کر سکی۔ تفصیل سورۂ طٰہٰ میں ہے (۷۲)

۱۲۴ "میں ضرور ایسا کروں گا کہ پہلے تمہارے ہاتھ پاؤں الٹے سیدھے کٹواؤں۔ پھر تم سب کو سولی پر چڑھا دوں۔"

انہوں نے جواب دیا "ہمیں اپنے پروردگار کی طرف لوٹ کر جانا ہی ہے (پھر ہم جسم کے عذاب و موت سے کیوں ہراساں ہوں؟) ہمارا قصور اس کے سوا کچھ نہیں کہ جب ہمارے پروردگار کی نشانیاں ہمارے سامنے آگئیں تو ہم اُن پر ایمان لے آئے۔ (ہماری یہ دعا ہے کہ) پروردگار! ہمیں صبر و یکپائی سے معمور کر دے (تاکہ زندگی کی کوئی اذیت ہمیں اس راہ میں ڈگمگا نہ سکے) اور ہمیں دنیا سے اس حالت میں اٹھا کہ تیرے فرمانبردار ہوں!"

۱۲۶

(ز) فرعون کا حضرت موسیٰ کی روحانی طاقت سے مغلوب ہو کر فیصلہ کرنا کہ انہیں ان کے حال پر چھوڑ دے لیکن ساتھ ہی یہ حکم بھی دیا کہ بنی اسرائیل کے لڑکے قتل کر دیئے جائیں تاکہ ان کی تعداد بڑھنے نہ پائے۔

فرعون نے پہلے حضرت موسیٰ کے قتل کا ارادہ کیا تھا لیکن اس کے خاندان کے ایک آدمی نے کہ دل میں مومن تھا اس سے باز رکھا (دیکھو ۴۰: ۲۸) پس یہاں درباریوں اور فرعون کے مکالمہ کا مطلب سمجھنا چاہیئے کہ جب حضرت موسیٰ آزاد چھوڑ دیئے گئے، تو درباریوں نے کہا، یہ شورش پھیلائے گا اور ہمارے دیوتاؤں سے علانیہ برگشتہ رہیگا اس پر فرعون نے کہا، ڈرنے کی کیا بات ہے؟ بنی اسرائیل تو ہماری طاقت کے تلے دبے ہوئے ہیں۔

۱۲۷

(ح) مصری مختلف دیوتاؤں کی پوجا کرتے تھے۔ بڑا دیوتا سورج تھا جسے "رع" کہتے تھے، اور چونکہ بادشاہ کو اس کا اوتار سمجھتے تھے۔ اس لئے اس کا دفتی "فارغ" تھا۔ یہی

اور فرعون کی قوم کے سرداروں نے فرعون سے کہا "کیا تو موسیٰ اور اس کی قوم کو چھوڑ دے گا کہ ملک میں بدامنی پھیلائیں اور تجھے اور تیرے معبودوں کو ترک کر دیں؟"

فرعون نے کہا "ہم ان کے لڑکوں کو قتل کر دینگے، اور ان کی عورتوں کو زندہ رہنے دینگے (کہ ہماری باندیاں بن کر رہیں) اور ہمیں ڈر کس بات کا ہے؟) وہ ہماری طاقت سے دبے ہوئے بے بس ہیں۔"

تب موسیٰ نے اپنی قوم کو (وعظ کرتے ہوئے) کہا "خدا سے مدد مانگو اور (اس راہ میں) جمے رہو۔

الَّذِينَ كَانُوا يُسْتَضْعَفُونَ مَشَارِقَ الْأَرْضِ وَمَغَارِبَهَا الَّتِي بَارَكْنَا فِيهَا ۖ وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ
الْحُسْنَىٰ عَلَىٰ بَنِي إِسْرَائِيلَ ۛ بِمَا صَبَرُوا ۖ وَدَمَّرْنَا مَا كَانَ يَصْنَعُ فِرْعَوْنُ وَقَوْمُهُ وَمَا كَانُوا
يَعْرِشُونَ ۝ وَجَاوَزْنَا بِبَنِي إِسْرَائِيلَ الْبَحْرَ فَأَتَوْا عَلَىٰ قَوْمٍ يَعْكُفُونَ عَلَىٰ أَصْنَامٍ لَّهُمْ ۚ ۱۳۷ الربع
قَالُوا يَا مُوسَى اجْعَل لَّنَا إِلَٰهًا كَمَا لَهُمْ آلِهَةٌ ۚ قَالَ إِنَّكُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُونَ ۝ إِنَّ هَٰؤُلَاءِ ۱۳۸
مُتَبَّرٌ مَّا هُمْ فِيهِ وَبَاطِلٌ مَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝ ۱۳۹

یہ آنے والا وقت کونسا تھا؟ ان کے ظلم و فساد کا آخری نتیجہ کہ ان کے قانون جزا نے اس طرح کے نتیجے کے لیے جتنی مقدار فساد عمل کی ٹھہرادی ہے جب وہ پوری ہوگئی، تو نتیجہ ظہور میں آگیا، اور فرعون اور اس کا لشکر ہلاک ہوگیا۔

یہی ظہور نتائج کا وقت ہے جسے قرآن نے امتوں کی اجل سے تعبیر کیا ہے۔ چنانچہ اسی سورت کی آیت (۳۴) میں اسی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ ہر جماعت اپنے اعمال کا پھل بھگتے بغیر نہیں ٹل سکتی ہے جو اس کی مقرر میعاد ہے۔ اگر اعمال نیک ہوتے ہیں تو ان کا پھل فلاح کی ہوتی ہے۔ جو برے ہوتے ہیں تو ان کا پھل ہلاکت کی ہوتی ہے۔

[illegible] کی ہلاکت اور بنی اسرائیل کی [illegible]

[illegible] یہ ہے کہ ظالم قومیں جن [illegible] جیسے کہ [illegible] ایک وقت آتا ہے کہ وہ شاہد [illegible] کی وارث ہو جاتی ہیں۔

آیت (۱۳۷) سے معلوم ہوا کہ خدا کا وعدہ نصرت انہی کے حق میں پورا ہوتا ہے جو اس کی شرط پوری کریں، یعنی راہ عمل میں جمے رہیں۔ اگر بنی اسرائیل جمے نہ رہتے تو فتحمندی سے محروم رہتے۔

بنی اسرائیل چونکہ مصری بت پرستی سے مانوس ہو چکے تھے اس لیے سینا کے بت خانے دیکھ کر خواہشمند ہوئے کہ ان کی پرستش کے لیے بھی ایک بت بنا دیا جائے۔

خیال کرتے تھے، اسی کو ملک کے تمام یورپ[1] کا اور اس کے مغربی حصوں کا کہ ہماری بخشی ہوئی برکت سے مالا مال ہے وارث کر دیا۔ اور اس طرح (اے پیغمبر) تیرے پروردگار کا فرمانِ پسندیدہ بنی اسرائیل کے حق میں پورا ہوا کہ (محنت و ثبات کے ساتھ) جمے رہے تھے، اور فرعون اور اس کا گروہ (اپنی طاقت و شوکت کے لیے) جو کچھ بنا تا رہا تھا اور جو کچھ (تعمیروں کی) بلندیاں اٹھائی تھیں وہ سب درہم برہم کر دیں۔ ۱۳۷

اور ہمارے حکم سے یہ ہوا کہ بنی اسرائیل سمندر پار اتر گئے۔ وہاں ان کا گزر ایک گروہ پر ہوا کہ اپنے تودوں پر جما بیٹھا تھا۔ تو اسرائیل نے کہا، اے موسیٰ! ہمارے لیے بھی ایسا ہی ایک معبود بنا دے جیسا ان لوگوں کے لیے ہے۔ موسیٰ نے کہا۔ افسوس تم پر! تم بلاشبہ ایک جاہل گروہ ہو۔ یہ لوگ جس طریقہ پر چل رہے ہیں وہ تو تباہ ہونے والا ۱۳۸
طریقہ ہے، اور انہوں نے جو عمل اختیار کیا ہے وہ یکسر باطل ہے۔ ۱۳۹

[1] یعنی فلسطین اور شام کا ملک جو مصر کے پورب میں واقع ہے اور اس کے مغربی حصوں کا ملک یعنی جزیرہ نمائے سینا جو فلسطین کے پچھم میں ہے۔ یہ تمام علاقہ اس وقت مصری شاہنشاہی کا خراج گزار تھا۔

أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ۝ وَقَالُوا مَهْمَا تَأْتِنَا بِهِ مِنْ آيَةٍ لِتَسْحَرَنَا بِهَا فَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِينَ ۝
فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الطُّوفَانَ وَالْجَرَادَ وَالْقُمَّلَ وَالضَّفَادِعَ وَالدَّمَ آيَاتٍ مُفَصَّلَاتٍ فَاسْتَكْبَرُوا
وَكَانُوا قَوْمًا مُجْرِمِينَ ۝ وَلَمَّا وَقَعَ عَلَيْهِمُ الرِّجْزُ قَالُوا يَا مُوسَى ادْعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ عِنْدَكَ
لَئِنْ كَشَفْتَ عَنَّا الرِّجْزَ لَنُؤْمِنَنَّ لَكَ وَلَنُرْسِلَنَّ مَعَكَ بَنِي إِسْرَائِيلَ ۝ فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمُ
الرِّجْزَ إِلَى أَجَلٍ هُمْ بَالِغُوهُ إِذَا هُمْ يَنْكُثُونَ ۝ فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَأَغْرَقْنَاهُمْ فِي الْيَمِّ بِأَنَّهُمْ
كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَكَانُوا عَنْهَا غَافِلِينَ ۝ وَأَوْرَثْنَا الْقَوْمَ

---

۱۳۱ بہتوں کو یہ بات معلوم نہیں۔

اور فرعون کی قوم نے کہا "اے موسیٰ، تو ہم پر اپنا جادو چلانے کے لئے کتنی ہی نشانیاں لائے، ۱۳۲ مگر ہم ماننے والے نہیں"۔

پس ہم نے اُن پر طوفان بھیجا، اور ٹڈیوں کے دل، اور جوئیں[1]، اور مینڈک، اور لہو، کہ یہ سب الگ الگ نشانیاں تھیں۔ اس پر بھی انہوں نے سرکشی کی، اور ان کا گروہ مجرموں کا گروہ تھا۔

(۱۲۴) قوم فرعون پر تکمیت و شدائد کا ورود، اور پہلے سرکشی، پھر حضرت موسیٰؑ سے رجوع۔
تورات میں ہے کہ دریائے نیل کا پانی لہو کی طرح ہو گیا تھا۔ اور تمام مچھلیاں مر گئی تھیں (خروج: ۲۰)

۱۳۳ اور جب ان پر عذاب کی سختی واقع ہوئی تو کہنے لگے "اے موسیٰ! تیرے پروردگار نے تجھ سے (نبوت کا) جو عہد کیا ہے تو اس کی بنا پر ہمارے لئے دعا کر۔ اگر تیری دعا سے عذاب ٹل گیا تو ضرور ۱۳۴ ہم تیرے معتقد ہو جائیں گے، اور بنی اسرائیل کو چھوڑ دینگے کہ تیرے ساتھ چلے جائیں"۔ لیکن پھر جب ایسا ہوا کہ ہم نے ایک خاص وقت تک کے لئے کہ (اپنی سرکشیوں اور بدعملیوں سے) انہیں اس تک ۱۳۵ پہنچنا تھا، عذاب ٹال دیا، تو دیکھو، اچانک وہ اپنی بات سے پھر گئے!

آیت (۱۳۵) میں فرمایا "ایک خاص وقت تک کے لئے کہ انہیں اس تک پہنچنا تھا"، یعنی ایک آنے والا وقت تھا جس کی طرف وہ اپنے اعمال کے ذریعے بڑھ رہے تھے اور بالآخر پہنچنے والے تھے۔

بالآخر ہم نے (ان کی بدعملیوں پر) انہیں سزا دی یعنی اس جرم کی پاداش میں کہ ہماری نشانیاں جھٹلائیں اور ان کی طرف سے غافل رہے، انہیں سمندر میں غرق کر دیا، اور جس قوم کو کمزور و حقیر ۱۳۶

[1] عربی میں "قمل" جوؤں کو بھی کہتے ہیں اور چھوٹی مکھیوں کو بھی۔ اگر تورات میں جوؤں کا ذکر نہ ہوتا تو ہم یہاں ترجمہ میں "مکھیاں" لکھتے کہ انسانی ہلاکت کے لئے زیادہ موثر و قطعی ہیں۔

وَكَلَّمَهُ رَبُّهُ ۚ قَالَ رَبِّ أَرِنِي أَنظُرْ إِلَيْكَ ۚ قَالَ لَن تَرَانِي وَلَٰكِنِ انظُرْ إِلَى الْجَبَلِ فَإِنِ اسْتَقَرَّ
مَكَانَهُ فَسَوْفَ تَرَانِي ۚ فَلَمَّا تَجَلَّىٰ رَبُّهُ لِلْجَبَلِ جَعَلَهُ دَكًّا وَخَرَّ مُوسَىٰ صَعِقًا ۚ فَلَمَّا أَفَاقَ قَالَ
سُبْحَانَكَ تُبْتُ إِلَيْكَ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُؤْمِنِينَ ۝ قَالَ يَا مُوسَىٰ إِنِّي اصْطَفَيْتُكَ عَلَى النَّاسِ ۱۴۳
بِرِسَالَاتِي وَبِكَلَامِي ۖ فَخُذْ مَا آتَيْتُكَ وَكُن مِّنَ الشَّاكِرِينَ ۝ وَكَتَبْنَا لَهُ فِي الْأَلْوَاحِ مِن كُلِّ ۱۴۴
شَيْءٍ مَّوْعِظَةً وَتَفْصِيلًا لِّكُلِّ شَيْءٍ ۖ فَخُذْهَا بِقُوَّةٍ وَأْمُرْ قَوْمَكَ يَأْخُذُوا بِأَحْسَنِهَا ۚ سَأُورِيكُمْ

قرآن نے یہاں اس غلطی کا ازالہ کر دیا۔ فرمایا، جب خدا نے موسیٰ سے کلام کیا تو اس نے کہا میرے سامنے آجا کہ ایک نگاہ دیکھ لوں، یعنی جب غیب سے ندائے حق سنی، تو جوشِ طلب میں بیخود ہو گئے۔ اور لذتِ سماع کی محویت میں لذتِ مشاہدہ کے حصول کا ولولہ پیدا ہو گیا:

ولا اذن نعتق قبل لعین احیانا!

حکم ہوا پہاڑ کو دیکھ۔ اگر یہ تاب لا سکا تو تو بھی تاب لا سکے گا۔ یعنی جوابِ نظارہ سے مانع ہے، وہ خود تیری ہی ہستی کا نقص ہے یہ بات نہیں ہے کہ نمودِ حق میں کمی ہو ولنعم ما قیل:

ہر چہ ہست از قامتِ ناساز دے انداز ہاست
ورنہ تشریفِ تو بر بالائے کس دشوار نیست

میں حاضری دے اور اس کے پروردگار نے اس سے کلام کیا، تو (جوشِ طلب میں بے اختیار ہو کر) پکار اٹھا "پروردگار! مجھے اپنا جمال دکھا تیری طرف نگاہ کر سکوں" حکم ہوا "تو مجھے کبھی دیکھ سکے گا۔ مگر ہاں اس پہاڑ کی طرف دیکھ۔ اگر یہ (تجلیِ حق کی تاب لے آیا اور) اپنی جگہ ٹکا رہا، تو (سمجھ لیجیو) تجھے بھی میرے نظارہ کی تاب ہے، اور تو) مجھے دیکھ سکے گا" پھر جب اس کے پروردگار (کی قدرت) نے نمود کی، تو پہاڑ ریزہ ریزہ کر دیا، اور موسیٰ غش کھا کے گر پڑا!

جب موسیٰ ہوش میں آیا، تو بولا خدایا! تیرے لئے ہر طرح کی تقدیس ہو! میں اپنی جسارت سے تیرے حضور توبہ کرتا ہوں میں ان میں پہلا شخص ہوں گا جو (اس حقیقت پر) یقین رکھتے ہیں!" ۱۴۳
خدا نے کہا "اے موسیٰ میں نے تجھے اپنی پیغمبری اور ہمکلامی سے لوگوں پر برگزیدگی بخشی۔ پس جو چیز تجھے عطا فرمائی ہے (یعنی احکامِ شریعت) اسے لے اور شکر بجا لا"۔ ۱۴۴

(ج) آیت (۱۴۵) کا مطلب یہ ہے کہ بنی اسرائیل کی ہدایت کے لئے جن جن حکموں کی ضرورت تھی، وہ سب ان تختیوں کے احکام میں موجود تھے۔ "تفصیلا لکل شیٔ" یعنی تمام باتیں الگ الگ کر کے بیان کر دی تھیں یہ مطلب نہیں ہے کہ دنیا کی ہر بات تشریح و تفصیل کے ساتھ لکھ دی گئی تھی یاد رہے کہ قرآن "تفصیل" کا لفظ اس مصطلح معنی میں نہیں بولتا جو فن اصول کی بحثوں کے بعد کو ٹھہرائے گئے، اور جو اجمال کے مقابلہ میں بولا جاتا ہے۔ اگر امام رازی کی نظر اس حقیقت پر

اور ہم نے موسیٰ کے لئے ان تختیوں میں ہر قسم کی باتیں لکھ دی تھیں "تاکہ لوگوں کے ہر معاملہ کے لئے اس میں نصیحت ہو اور ہر بات الگ الگ واضح ہو جائے" پس ہم نے کہا) اسے مضبوطی کے ساتھ پکڑ لے اور اپنی قوم کو بھی حکم دے کہ اس کے پسندیدہ حکموں پر کاربند ہو جائے۔ وہ وقت دور نہیں کہ ہم نافرمانوں کی جگہ تمہیں دکھا دینگے" ۱۴۵

۱۴۰ قَالَ أَغَيْرَ اللَّهِ أَبْغِيكُمْ إِلَٰهًا وَهُوَ فَضَّلَكُمْ عَلَى الْعَالَمِينَ ۝ وَإِذْ أَنجَيْنَاكُم مِّنْ آلِ فِرْعَوْنَ
يَسُومُونَكُمْ سُوءَ الْعَذَابِ يُقَتِّلُونَ أَبْنَاءَكُمْ وَيَسْتَحْيُونَ نِسَاءَكُمْ ۚ وَفِي ذَٰلِكُم بَلَاءٌ مِّن
۱۴۱ رَّبِّكُمْ عَظِيمٌ ۝ وَوَاعَدْنَا مُوسَىٰ ثَلَاثِينَ لَيْلَةً وَأَتْمَمْنَاهَا بِعَشْرٍ فَتَمَّ مِيقَاتُ رَبِّهِ أَرْبَعِينَ
۱۴۲ لَيْلَةً ۚ وَقَالَ مُوسَىٰ لِأَخِيهِ هَارُونَ اخْلُفْنِي فِي قَوْمِي وَأَصْلِحْ وَلَا تَتَّبِعْ سَبِيلَ الْمُفْسِدِينَ ۝
وَلَمَّا جَاءَ مُوسَىٰ لِمِيقَاتِنَا

۱۴۰ (نیز) موسیٰ نے کہا۔ کیا تم چاہتے ہو خدا کے سوا کوئی اور معبود تمہارے لئے تلاش کروں؟ حالانکہ وہی ہے جس نے تمہیں دنیا کی قوموں پر فضیلت دی ہے"۔

(۲۵) حضرت موسیٰ کی سرگزشت کا پہلا حصہ ختم ہو گیا، جس کا تعلق ان ایام و وقائع سے تھا جو ان کے اور فرعون کے درمیان گزرے۔ اب یہاں سے وہ واقعات شروع ہوتے ہیں جو ان کے اور ان کی امت کے درمیان گزرے۔ پہلے حصے میں یہ حقیقت واضح کی تھی کہ دعوت حق کی مخالفت ہمیشہ طاقتور جماعتوں نے کی اور ہمیشہ ناکام رہیں۔ اس حصہ میں یہ حقیقت واضح کی ہے کہ ایک نئی ہدایت یافتہ جماعت کو راہ عمل میں کیسی کیسی لغزشیں پیش آ سکتی ہیں؟ تاکہ پیروان دعوت ان سے اپنی نگہداشت کریں۔

۱۴۱ چونکہ سلسلۂ بیان ایک دوسرے حصہ کی طرف مڑنا تھا، اس لئے اس کی ابتدا از سر نو بنی اسرائیل کی مخاطبت سے کی گئی ہے۔ گویا موعظت و ارشاد کے لحاظ سے یہ ایک نیا بیان ہے۔

(ا) حضرت موسیٰ کا کوہ طور پر اعتکاف اور شریعت کا عطیہ۔ یہاں شریعت سے مقصود وہ دس احکام ہیں جو حضرت موسیٰ نے وحی الٰہی سے پتھر کی دو تختیوں پر کندہ کئے تھے اور جنہیں تورات میں عہد کے احکام سے تعبیر کیا گیا ہے۔ یعنی قتل مت کر۔ زنا مت کر وغیرہا۔ (خروج ۳۴: ۲۸)

۱۴۲ (ب) اس اصل عظیم کا اعلان کہ انسان اپنے حواس کے ذریعہ ذات باری کا مشاہدہ و ادراک نہیں کر سکتا، اور اس راہ میں معرفت کا منتہیٰ مرتبہ یہ ہے کہ عجز و نارسائی کا اعتراف کیا جائے۔

اور (خدا فرماتا ہے۔ اے بنی اسرائیل!) وہ وقت یاد کرو جب ہم نے تمہیں فرعون کی قوم سے نجات دلائی۔ وہ تمہیں سخت عذابوں میں مبتلا کرتے تھے۔ تمہارے بیٹوں کو قتل کر ڈالتے اور تمہاری عورتوں کو (اپنی چاکری کے لئے) زندہ چھوڑ دیتے اس صورت حال میں تمہارے پروردگار کی طرف سے تمہاری بڑی ہی آزمائش تھی!

اور ہم نے موسیٰ سے تیس راتوں (کے اعتکاف) کا وعدہ کیا تھا۔ پھر دس راتیں بڑھا کر اسے پورا (چلہ) کر دیا۔ اس طرح پروردگار کے حضور آنے کی مقررہ میعاد چالیس راتوں کی پوری میعاد ہو گئی۔

موسیٰ نے اپنے بھائی ہارون سے کہا (میں اعتکاف کے لئے پہاڑ پر جاتا ہوں) تم میرے بعد قوم میں میرے جانشین بن کر رہو۔ اور دیکھو، سب کام درستگی سے کرنا خرابی ڈالنے والوں کی راہ نہ چلنا"۔

اور جب موسیٰ آیا، کہ ہمارے مقررہ وقت

یہودیوں نے تورات کے تشبیہات کو حقیقت پر محمول کر لیا تھا اور سمجھتے تھے، حضرت موسیٰ نے خدا کی شبیہ دیکھی (خروج ۳۳: ۹)

لَا يَهْدِيهِمْ سَبِيلًا ۘ اتَّخَذُوهُ وَكَانُوا ظَالِمِينَ ۝ وَلَمَّا سُقِطَ فِي أَيْدِيهِمْ وَرَأَوْا أَنَّهُمْ قَدْ ۱۴۸
ضَلُّوا ۙ قَالُوا لَئِنْ لَمْ يَرْحَمْنَا رَبُّنَا وَيَغْفِرْ لَنَا لَنَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ ۝ وَلَمَّا رَجَعَ مُوسَىٰ إِلَىٰ ۱۴۹
قَوْمِهِ غَضْبَانَ أَسِفًا ۙ قَالَ بِئْسَمَا خَلَفْتُمُونِي مِنْ بَعْدِي ۖ أَعَجِلْتُمْ أَمْرَ رَبِّكُمْ ۖ وَأَلْقَى الْأَلْوَاحَ
وَأَخَذَ بِرَأْسِ أَخِيهِ يَجُرُّهُ إِلَيْهِ ۚ قَالَ ابْنَ أُمَّ إِنَّ الْقَوْمَ اسْتَضْعَفُونِي وَكَادُوا يَقْتُلُونَنِي ۖ
فَلَا تُشْمِتْ بِيَ الْأَعْدَاءَ وَلَا تَجْعَلْنِي مَعَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ۝ ۱۵۰

آدمی کو بے عقلی اور گمراہی پر مجبور کر دیتا ہے۔

(۵) آیت (۱۴۷) کے آخری حصے نے کیسے قطعی لفظوں میں سزا و عقوبت کی حقیقت واضح کر دی ہے؟ "جو کچھ بدلہ پایا وہ اس کے سوا کیا تھا کہ انہی کے کرتوتوں کا پھل تھا!"

(۶) بنی اسرائیل مصر کی بت پرستی سے اس درجہ مالوف ہو چکے تھے کہ رہ رہ کر انہیں اس کا شوق ہوتا۔ جونہی حضرت موسیٰ چند دن کے لئے الگ ہوئے، انہوں نے گائے کے بچھڑے کی طلائی مورتی بنا کر اسکی پوجا شروع کر دی۔ تورات میں ہے کہ یہ مورتی حضرت ہارون نے بنائی تھی (خروج ۳۲: ۱-۳۲) لیکن قرآن نے دوسری جگہ واضح کر دیا ہے کہ یہ سامری نامی ایک شخص کی کارستانی تھی اور حضرت ہارون کا دامن اس شبہ سے پاک ہے (۲۰: ۹۰)

عجائب پرستوں کا قاعدہ ہے کہ جہاں کوئی ذرا سی بات عجیب نظر آئی فوراً معتقد ہو گئے اور سمجھ بوجھ کو خیرباد کہدیا۔ سامری مصر کے مندروں کے بھیدوں سے واقف تھا۔ وہاں اس ترکیب سے مورتیاں بنائی جاتی تھیں کہ جونہی ہوا ان کے اندر جاتی، طرح طرح کی آوازیں نکلنے لگتیں آج کل یہ صنعت باجوں اور کھلونوں میں استعمال کی جاتی ہے۔ اس زمانہ میں معبدوں کا معجزہ تھا۔ چنانچہ اس نے بچھڑے کی مورتی میں بھی یہی کاریگری رکھی بنی اسرائیل اتنی ہی بات دیکھ کر معتقد ہو گئے۔ آیت (۱۴۸) کا مطلب یہ ہے کہ ان عقل کے اندھوں نے اتنی موٹی سی بات بھی نہ سمجھی کہ ایک ہی طرح کی آواز کیوں نکلتی ہے؟ آخر کسی کی بات کا جواب کیوں نہیں دیتا؟

ہندوستان کی طرح بابل اور مصر میں بھی بیل اور گائے کی عظمت کا تصور پیدا ہو گیا تھا۔ اگر کالڈیا کے تمدن کی قدامت تسلیم کر لی جائے تو وہیں سے یہ خیال دوسرے ملکوں میں پھیلا ہوگا

کرتا ہے۔ نہ کسی طرح کی رہنمائی کر سکتا ہے؟ وہ ۱۴۸
اسے لے بیٹھے، اور وہ (اپنے اوپر) ظلم کرنے والے تھے۔

پھر جب ایسا ہوا کہ (افسوس و ندامت سے) ہاتھ ملنے لگے، اور انہوں نے دیکھ لیا کہ راہِ (حق) سے قطعاً بھٹک گئے ہیں، تو کہنے لگے "اگر ہمارے پروردگار نے ہم پر رحم نہیں کیا اور نہ بخشا تو ہمارے لئے تباہی کے سوا کچھ نہیں ہے"! ۱۴۹

اور جب موسیٰ خشمناک اور افسوس کرتا ہوا اپنی قوم میں لوٹا، تو اس نے کہا "افسوس تم پر! کس بُرے طریقہ پر تم نے میرے پیچھے میری جا نشینی کی! تم اپنے پروردگار کے حکم کے انتظار میں ذرا بھی صبر نہ کر سکے" اس نے (جوش میں آکر) تختیاں پھینک دیں اور ہارون کو بالوں سے پکڑ کر اپنی طرف کھینچنے لگا۔ ہارون نے کہا "اے میرے ماں جائے بھائی! (میں کیا کروں) لوگوں نے مجھے بے حقیقت سمجھا، اور قریب تھا کہ قتل کر ڈالیں پس میرے ساتھ ایسا نہ کر کہ دشمن ہنسیں، اور نہ مجھے (ان) ظالموں کے ساتھ شمار کر"۔ ۱۵۰

دَارَ الْفٰسِقِيْنَ ○ سَاَصْرِفُ عَنْ اٰيٰتِيَ الَّذِيْنَ يَتَكَبَّرُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَاِنْ يَّرَوْا ۱۴۵
كُلَّ اٰيَةٍ لَّا يُؤْمِنُوْا بِهَا ۚ وَاِنْ يَّرَوْا سَبِيْلَ الرُّشْدِ لَا يَتَّخِذُوْهُ سَبِيْلًا ۚ وَاِنْ يَّرَوْا سَبِيْلَ الْغَيِّ
يَتَّخِذُوْهُ سَبِيْلًا ۚ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَكَانُوْا عَنْهَا غٰفِلِيْنَ ○ وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۱۴۶
وَلِقَآءِ الْاٰخِرَةِ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ ۭ هَلْ يُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ○ وَاتَّخَذَ قَوْمُ مُوْسٰى ۱۴۷ ع ۱۶
مِنْۢ بَعْدِهٖ مِنْ حُلِيِّهِمْ عِجْلًا جَسَدًا لَّهٗ خُوَارٌ ۭ اَلَمْ يَرَوْا اَنَّهٗ لَا يُكَلِّمُهُمْ وَ

ہوئی، تو وہ اس بیکار کی زحمت سے بچ جاتے جو سورہ فاتحہ کی بغیر سمجھے میں انہوں نے برداشت کی۔

چونکہ یہ تختیاں وحی الٰہی سے کندہ کی گئی تھیں اس لئے خدا نے ان کی کتابت اپنی طرف منسوب کی اور کتب سماوی کی نسبت قرآن کا یہ عام اسلوب بیان ہے تورات میں ہے کہ یہ دو تختیاں تھیں اور دونوں طرف کندہ کی ہوئی تھیں (خروج ۳۲: ۱۴)

(د) قرآن کا عام اسلوب بیان یہ ہے کہ خدا کے ٹھہرائے ہوئے قوانین وہ سبب ہے جو نتائج پیدا ہوتے ہیں انہیں براہ راست خدا کی طرف نسبت دیتا ہے۔ مثلاً اس کا ایک قانون یہ ہے کہ جو لوگ سمجھ بوجھ سے کام لینے کی جگہ اپنے بڑے لوگوں کی اندھی تقلید کرنے لگتے ہیں اور اسی پر اڑے رہتے ہیں رفتہ رفتہ ان کی عقلیں ماری جاتی ہیں اور سمجھ بالکل الٹ ہو جاتی ہے کتنی ہی صاف بات کہی جائے، ان کی سمجھ میں نہیں آئے گی کتنی ہی ان کی بھلائی چاہو، وہ اور زیادہ مخالفت کرینگے۔ قرآن اس حالت کو یوں تعبیر کرے گا کہ خدا نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی، پس وہ سمجھتے نہیں یعنی یہ صورت حال خدا کے ٹھہرائے ہوئے قانون کا قدرتی نتیجہ ہے جسے کبھی کوئی یہ چال چلتا ہے خدا کا مقررہ قانون موثر ہو کر اسے اس حالت میں پہنچا دیتا ہے۔

چنانچہ آیت (۱۴۶) میں فرمایا جو لوگ سرکشی کرینگے میں ان کی نگاہیں اپنی نشانیوں سے پھیر دوں گا۔ یعنی جو کوئی جان بوجھ کر سرکشی کرے تو خدا کا قانون یہی ہے کہ وہ دلیلوں اور روشنیوں سے متاثر ہونے کی استعداد کھو دیتا ہے پھر واقع کر دیا کہ یہ حالت اس لئے پیش آئے گی کہ انہوں نے نشانیاں جھٹلائیں اور غافل رہے جس معلوم ہوا جو کوئی نشانیاں جھٹلاتا ہے اور غفلت سے باز نہیں آتا وہ کبھی سچائی پا نہیں سکتا یہی مطلب گمراہ پھرانے کا ہے یہ مطلب نہیں ہے کہ خدا کسی

"جو لوگ ناحق خدا کی زمین میں سرکشی کرتے ہیں، ہم اپنی نشانیوں کی نگاہیں پھیر دینگے۔ وہ دنیا بھر کی نشانیاں دیکھ لیں۔ پھر بھی ایمان نہ لائیں۔ اگر وہ دیکھیں ہدایت کی سیدھی راہ سامنے ہے تو کبھی اس پر نہ چلیں، اگر دیکھیں گمراہی کی ٹیڑھی راہ سامنے ہے، تو فوراً چل پڑیں۔ ان کی ایسی حالت اس لئے ہو جاتی ہے کہ ہماری نشانیاں جھٹلاتے ہیں اور ان کی طرف سے غافل رہتے ہیں"

اور جن لوگوں نے ہماری نشانیاں جھٹلائیں اور آخرت کے پیش آنے سے منکر ہوئے، تو (یاد رکھ) ان کے سارے کام اکارت گئے۔ وہ جو کچھ بدلہ پائینگے وہ اس کے سوائے کچھ نہ ہوگا کہ انہی کی کرتوتوں کا پھل ہوگا جو دنیا میں کرتے رہے"

اور پھر ایسا ہوا کہ موسیٰ کی قوم نے اس کے (پہاڑ پر) چلے جانے کے بعد اپنے زیور کی چیزوں سے (یعنی زیور کی چیزیں گلا کر) ایک بچھڑے کا دھڑ بنایا جس سے گائے کی سی آواز نکلتی تھی، اور اسے (پرستش کے لئے) اختیار کر لیا۔ (افسوس ان کی عقلوں پر) کیا انہوں نے اتنی موٹی سی بات بھی نہ سمجھی کہ نہ تو وہ ان سے بات

أَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ قَالَ رَبِّ لَوْ شِئْتَ أَهْلَكْتَهُمْ مِّن قَبْلُ وَإِيَّايَ ۖ أَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ
السُّفَهَاءُ مِنَّا ۖ إِنْ هِيَ إِلَّا فِتْنَتُكَ ۖ تُضِلُّ بِهَا مَن تَشَاءُ وَتَهْدِي مَن تَشَاءُ ۖ أَنتَ وَلِيُّنَا
فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَأَنتَ خَيْرُ الْغَافِرِينَ ۝ وَاكْتُبْ لَنَا فِي هَٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي ۱۵۵
الْآخِرَةِ إِنَّا هُدْنَا إِلَيْكَ ۚ قَالَ عَذَابِي أُصِيبُ بِهِ مَنْ أَشَاءُ ۖ وَرَحْمَتِي وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ ۚ
فَسَأَكْتُبُهَا لِلَّذِينَ يَتَّقُونَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَالَّذِينَ هُم بِآيَاتِنَا يُؤْمِنُونَ ۝ الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ ۱۵۶
الرَّسُولَ النَّبِيَّ الْأُمِّيَّ الَّذِي يَجِدُونَهُ مَكْتُوبًا عِندَهُمْ فِي التَّوْرَاةِ وَالْإِنجِيلِ

قدیم اور ازلی صفت ہے۔ عذاب دینا صفت نہیں۔ اور عذاب بھی اس لئے عذاب ہے کہ ہماری ٹھہرائی ہوئی اضافتوں اور نسبتوں کے لحاظ سے ایسا ہی ہونا تھا۔ ورنہ فی الحقیقت اس نے جو کچھ بھی کیا ہے، رحمت ہی رحمت ہے۔ سورۃ انعام میں گزر چکا ہے۔ کتب علیٰ نفسہ الرحمۃ (۱۲)

(ط) آیت (۱۵۶) میں اس فرمان کا ذکر کیا تھا کہ جو لوگ خدا کی نشانیوں پر ایمان رکھیں گے وہ رحمت کے سزاوار ہوں گے، اس لئے بعد کی آیات میں سلسلۂ بیان مخاطبین کی طرف متوجہ ہو گیا ہے یعنی اب کہ پیغمبر اسلام کی موعودہ دعوت نمودار ہو گئی۔ اہل کتاب کے لئے رحمت الٰہی کی بخشائشوں کا دروازہ کھل گیا ہے جو لوگ سچائی کی نشانیوں پر ایمان لائیں گے، فرمان الٰہی کے مطابق کامرانی و سعادت پائیں گے

(ی) پیغمبر اسلام کی دعوت کی تین خصوصیتیں بیان کیں:

(۱) نیکی کا حکم دیتا ہے۔ برائی سے روکتا ہے۔

(۲) پندیدہ چیزوں کا استعمال جائز ٹھہراتا ہے، ناپسندیدہ چیزوں کے استعمال سے روکتا ہے۔ قرآن نے اس معنی میں طیبات اور خبائث کا لفظ ادا کیا ہے اس سے معلوم ہوا کہ جو چیزیں اچھی ہیں انہیں جائز کہا ہے، جو بری ہیں۔ یعنی مضر ہیں اُن سے روک دیا ہے۔

(۳) جو بوجھ اہل کتاب کے سروں پر پڑ گیا تھا اور جن پھندوں میں گرفتار ہو گئے تھے ان سے نجات دلاتا ہے۔ یہ بوجھ کیا تھا، اور یہ پھندے کونسے تھے جن سے قرآن نے رہائی دلائی ؟

سے ہمیں مہلت دی، پھر کیا ایک ایسی بات کے لئے جو ہم میں سے چند بے وقوف آدمی کر بیٹھے ہیں، تو ہم سب کو ہلاک کر دے گا؟ یہ اس کے سوا کیا ہے کہ تیری طرف سے ایک آزمائش ہے۔ تو جسے چاہے اس میں بھٹکا دے، جسے چاہے راہ دکھا دے: خدایا! تو ہمارا والی ہے۔ ہمیں بخش دے اور ہم پر رحم کر۔ تجھ سے بہتر بخشنے والا کوئی نہیں! اور (خدایا) اس دنیا کی زندگی میں بھی ہمارے لئے اچھائی لکھ دے، اور آخرت کی زندگی میں بھی ہمارے لئے اچھائی کر۔ ہم تیری طرف لوٹ آئے!"

خدا نے فرمایا "تیرے عذاب کا حال یہ ہے کہ جسے چاہتا ہوں دیتا ہوں، اور رحمت کا حال یہ ہے کہ ہر چیز پر چھائی ہوئی ہے۔ پس میں ان لوگوں کے لئے رحمت لکھ دونگا جو برائیوں سے بچیں گے اور زکوٰۃ ادا کرینگے، اور ان کے لئے، جو میری نشانیوں پر ایمان لائیں گے"۔

جو "الرسول" کی پیروی کرینگے کہ نبی امّی ہوگا، اور اس کے ظہور کی خبر اپنے یہاں تورات اور انجیل

قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَلِاَخِيْ وَاَدْخِلْنَا فِيْ رَحْمَتِكَ ۖ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ ۱۵۱ ع
اتَّخَذُوا الْعِجْلَ سَيَنَالُهُمْ غَضَبٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَذِلَّةٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۭ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي
الْمُفْتَرِيْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ عَمِلُوا السَّيِّاٰتِ ثُمَّ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِهَا وَاٰمَنُوْٓا اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا ۱۵۲
لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ وَلَمَّا سَكَتَ عَنْ مُّوْسَى الْغَضَبُ اَخَذَ الْاَلْوَاحَ ۖ وَفِيْ نُسْخَتِهَا هُدًى وَّ ۱۵۳
رَحْمَةٌ لِّلَّذِيْنَ هُمْ لِرَبِّهِمْ يَرْهَبُوْنَ ۝ وَاخْتَارَ مُوْسٰى قَوْمَهٗ سَبْعِيْنَ رَجُلًا لِّمِيْقَاتِنَا ۚ فَلَمَّآ ۱۵۴

موسیٰ نے کہا "پروردگار! میرا قصور بخش دے (کہ جوش میں آ گیا) اور میرے بھائی کا بھی (کہ گمراہوں کو سختی کے ساتھ نہ روک سکا) اور ہمیں اپنی رحمت کے سائے میں داخل کر! تجھ سے بڑھ کر کون ہے جو رحم کرنے والا ہو"۔ ۱۵۱

خدا نے فرمایا "جن لوگوں نے بچھڑے کی پوجا کی ان کے حصے میں ان کے پروردگار کا غضب آئے گا، اور دنیا کی زندگی میں بھی ذلت و رسوائی پائیں گے۔ ہم افترا پردازوں کو (ان کی بدعملی کا) اسی طرح بدلہ دیتے ہیں۔ ہاں جن لوگوں نے برائیوں کے ارتکاب کے بعد (متنبہ ہو کر) توبہ ۱۵۲
کر لی اور ایمان لے آئے، تو بلاشبہ تمہارا پروردگار توبہ کے بعد بخش دینے والا، رحمت والا ہے"۔ ۱۵۳

اور جب موسیٰ کی خشمناکی فرو ہوئی تو اس نے تختیاں اٹھا لیں۔ ان کی کتابت میں (یعنی ان حکموں میں جو ان پر لکھے ہوئے تھے) ان لوگوں کے لئے ہدایت اور رحمت ہے جو اپنے پروردگار کا ڈر رکھتے ہیں"۔

اور اس غرض سے کہ ہمارے ٹھہرائے ہوئے وقت میں حاضر ہوں، موسیٰ نے اپنی قوم میں سے ستر آدمی چنے۔ پھر جب لرزا دینے والی ہولناکی نے انہیں آ لیا تو موسیٰ نے (ہماری جناب میں) عرض کیا "پروردگار! اگر تو چاہتا، تو ان سب کو اب سے پہلے ہی ہلاک کر ڈالتا، اور خود میری زندگی بھی ختم کر دیتا (مگر تو نے اپنے فضل و رحمت ۱۵۴

(ذ) حضرت موسیٰ کا قوم کے سرکش سرداروں میں سے ستر آدمیوں کو فیصلہ کے لئے چننا، اور لرزا دینے والی ہولناکی کا ظہور۔
تورات میں ہے کہ سرداروں کی ایک جماعت نے حضرت موسیٰ کی بزرگی و پیشوائی سے انکار کیا تھا۔ اس پر حکم الٰہی سے ایک وقت مقرر کیا گیا۔ اور سرکش گروہ جمع ہوا، اس وقت زلزلہ آیا، زمین پھٹی، اور سب اس میں مدفون ہو گئے۔ (گنتی ۱۶: ۳۱)

(ح) آیت (۱۵۶) میں فرمایا کہ کائنات ہستی میں اصل و عام حقیقت رحمت ہے اور تعذیب و عقوبت نہیں ہے مگر خاص خاص حالتوں کے لئے۔ پس یہاں اصل قانون، رحمت ہوا جس کے احاطہ سے کوئی گوشہ باہر نہیں ہے۔
یہ مقام معارف قرآنی کی مہمات میں سے ہے اور ان تمام گمراہیوں کا ازالہ کر دیتا ہے۔ جو خدا کی صفات و افعال کے بارے میں پھیل گئی تھیں۔ جس حالت کو انسان کے لئے عذاب قرار دیا۔ اسے خاص حالتوں سے مخصوص بتلایا۔ مگر رحمت کو کہا کہ عام ہے۔ کیونکہ رحمت اس کی

بِهٖ يَعْدِلُوْنَ ۝ وَقَطَّعْنٰهُمُ اثْنَتَيْ عَشْرَةَ اَسْبَاطًا اُمَمًا ۭ وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اِذِ اسْتَسْقٰىهُ قَوْمُهٗٓ اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ ۭ فَانْۢبَجَسَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا ۭ قَدْ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ ۭ وَظَلَّلْنَا عَلَيْهِمُ الْغَمَامَ وَاَنْزَلْنَا عَلَيْهِمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى ۭ كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ ۭ وَمَا ظَلَمُوْنَا وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ۝ وَاِذْ قِيْلَ لَهُمُ اسْكُنُوْا هٰذِهِ الْقَرْيَةَ وَكُلُوْا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ وَقُوْلُوْا حِطَّةٌ وَّادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطِيْۗـــٰٔتِكُمْ ۭ

۱۵۹ ۱۶۰

حالت پر ہو۔ لکھنے پڑھنے اور علم و فن کی باتوں سے آشنا نہ ہوا ہو، چنانچہ عرب کے باشندے بھی اُمّی کہلائے۔ کیونکہ تعلیم و تربیت سے آشنا نہیں ہوئے تھے۔

پیغمبر اسلام کو بھی "اُمّی" فرمایا، کیونکہ ظاہری تعلیم و تربیت کا ان پر سایہ بھی نہیں پڑا تھا۔ جو کچھ تھا سرچشمہ وحی کا فیضان تھا۔

(ھ) چونکہ تورات کی بشارات میں پیغمبر موعود کے اس وصف کی طرف اشارا تھا، اس لئے خصوصیت کے ساتھ اس کا ذکر کیا گیا۔ بشارات ظہور کے لئے استثناء ۱۸: ۱۷ و ۳۲: ۲۱ و ۳۳: ۲۔ اور زبور ۵۰: ۱۔ اور انجیل متی ۲۰: ۱۔ یوحنا: ۲۱ و ۱۴: ۱۵ کے مقامات دیکھنے چاہئیں۔

(ن) بنی اسرائیل کی بارہ قبیلوں میں تقسیم اور وادی سینا کے واقعات کی طرف اشارہ۔

(س) یہ گمراہی کہ جب فتح و کامرانی حاصل ہوئی تو عبودیت و یاد کی جگہ غفلت و شرارت میں مبتلا ہو گئے (دیکھو بقرہ از ۸۰ تا ۸۶)

۱۵۹ جو لوگوں کو سچائی کی راہ چلاتا اور سچائی ہی کے ساتھ (ان کے معاملات میں) انصاف بھی کرتا ہے۔

اور ہم نے بنی اسرائیل کو بارہ خاندانوں کے بارہ گروہوں میں منقسم کر دیا۔ اور جب لوگوں نے موسیٰ سے پینے کے لئے پانی مانگا، تو ہم نے وحی کی کہ اپنی لاٹھی (ایک خاص) چٹان پر مارو۔ چنانچہ بارہ چشمے پھوٹ نکلے، اور ہر گروہ نے اپنی اپنی جگہ پانی کی معلوم کر لی، اور ہم نے بنی اسرائیل پر ابر کا سایہ کر دیا تھا۔ اور (ان کی غذا کے لئے) "من" اور "سلویٰ" اتارا تھا۔ ہم نے کہا تھا "یہ پسندیدہ غذا کھاؤ جو جو ہم نے عطا کی ہے" (اور فتنہ فساد میں نہ پڑو) انہوں نے (نافرمانی کر کے) ہمارا تو کچھ نہیں بگاڑا خود اپنے ہاتھوں اپنا ہی نقصان کرتے رہے!

۱۶۰ اور پھر (وہ واقعہ یاد کرو) جب بنی اسرائیل کو حکم دیا گیا تھا "اس شہر میں جا کر آباد ہو جاؤ، (جس کے فتح کرنے کی تمہیں توفیق ملی ہے) اور یہ نہایت زرخیز علاقہ ہے) جس جگہ سے چاہو، اپنی غذا حاصل کرو، اور تمہاری زبانوں پر حِطَّةٌ کا کلمہ جاری ہو، اور اس کے دروازے میں داخل ہو (اللہ کے حضور) جھکے ہوئے ہو۔ ہم تمہاری خطائیں بخشدیں گے، اور نیک کرداروں کو (اس سے بھی)

ط: تورات میں ہے کہ یہ چٹان جبل حوریب میں تھی (خروج ۱۷: ۶) "حوریب" سے مقصود وہ سلسلہ کوہ ہے جو وادی بحار میں واقع ہے۔ ۱۲ ۔ ۱۲ ۔ ۱۲ عبارت توراۃ میں یہ کہا گیا ہے اور جو بدون پار سرزمین کنعان کی پہلی آبادی تھی جس کے حصول کی تمہید کو بشارت سمجھا گیا (گنتی ۱۳: ۲۰) ک حطہ کلمہ استغفار ہے یعنی خدایا! گناہوں سے پاک کر دے۔

يَأْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَاهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ وَيَضَعُ
عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلَالَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ ۚ فَالَّذِينَ آمَنُوا بِهِ وَعَزَّرُوهُ وَنَصَرُوهُ وَاتَّبَعُوا النُّورَ
الَّذِي أُنْزِلَ مَعَهُ ۙ أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ۝ قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا ۟
الَّذِي لَهُ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۖ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ يُحْيِي وَيُمِيتُ ۖ فَآمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ النَّبِيِّ الْأُمِّيِّ
الَّذِي يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَكَلِمَاتِهِ وَاتَّبِعُوهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ۝ وَمِنْ قَوْمِ مُوسَىٰ أُمَّةٌ يَهْدُونَ بِالْحَقِّ وَ

ع ۱۹ ۱۵۷ ۹ ۱۵۸

قرآن نے دوسرے مقامات میں اسے واضح کر دیا ہے۔ مذہبی احکام کی بیجا سختیاں، مذہبی زندگی کی ناقابل عمل پابندیاں، ناقابل فہم عقیدوں کا بوجھ، وہم پرستیوں کا انبار، عالموں اور فقیہوں کی تقلید کی بیڑیاں، پیشواؤں کے تقدس کی زنجیریں۔ یہ بوجھل رکاوٹیں تھیں جنہوں نے یہودیوں اور عیسائیوں کے دل و دماغ مقید کر رکھے تھے، پیغمبر اسلام کی دعوت نے ان سب سے نجات دلائی اس نے سچائی کی ایسی سہل و آسان راہ دکھائی جس میں عقل کے لئے کوئی بوجھ نہیں عمل کے لئے کوئی سختی نہیں
حنبقتہ السمعتہ لیلھا کنھارھا:
افسوس جن پھندوں سے قرآن نے اہل کتاب کو نجات دلائی تھی مسلمانوں نے وہی پھندے پھر اپنے گلوں میں ڈال لئے!

میں لکھی پائیں گے۔ وہ انہیں نیکی کا حکم دے گا، برائی سے روکے گا، پسندیدہ چیزیں حلال کرے گا، گندی چیزیں حرام ٹھہرائے گا، اس بوجھ سے نجات دلائے گا جس کے تلے دبے ہونگے، ان پھندوں سے نکالے گا جن میں گرفتار ہونگے۔ تو جو لوگ اس پر ایمان لائے، اس کے مخالفوں کے لئے روک ہوئے، (راہِ حق میں) اس کی مدد کی، اور اس روشنی کے پیچھے ہو لئے جو اس کے ساتھ بھیجی گئی ہے، سو وہی جو کامیابی پانے والے ہیں"!

۱۵۷

(اے پیغمبر! تم لوگوں سے) کہو اے افرادِ نسلِ انسانی! میں تم سب کی طرف خدا کا بھیجا ہوا آیا ہوں۔ وہ خدا، کہ آسمانوں کی اور زمین کی ساری بادشاہت اسی کے لئے ہے کوئی معبود نہیں مگر اسی کی ایک ذات؛ وہی جلاتا ہے، وہی مارتا ہے، پس اللہ پر ایمان لاؤ، اور اس کے رسول نبی اُمّی پر کہ اللہ اور اس کے کلمات (یعنی اس کی تمام کتابوں) پر ایمان رکھتا ہے۔ اس کی پیروی کرو تاکہ (کامیابی کی) راہ تم پر کھل جائے"

۱۵۸

اور موسیٰ کی قوم میں ایک گروہ (ضرور) ایسا ہے

(۱۵۷) دعوتِ عامہ کا اعلان۔ یعنی پیغمبر اسلام کی دعوت کسی خاص قوم اور ملک کے لئے نہیں ہے، تمام نوعِ انسانی کے لئے ہے۔ یہ آیت جوامع آیات میں سے ہے جس نے دعوت اسلام کی پوری حقیقت واضح کر دی:
(۱) یہ دعوت یکساں طور پر تمام نوعِ انسانی کے لئے ہے،
(۲) یہ ایک خدا کے آگے سچے سروں کو جھکا ہوا دیکھنا چاہتی ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔
(۳) "ایمان باللہ و کلماتہ" اس کا شعار ہے یعنی خدا پر اور اس کے تمام کلمات وحی پر ایمان۔

(۱۵۸) فرمایا خدا نے مجھے تم سب کی طرف بھیجا ہے۔ وہ خدا کہ آسمان و زمین کی ساری بادشاہت اسی کے لئے ہے۔ یعنی جب تمام کائنات ہستی میں ایک ہی خدا کی فرمانروائی ہے، تو ضروری ہوا کہ اس کا پیغام ہدایت بھی ایک ہی ہو اور سب کے لئے ہو۔
(ل) عربی میں "اُمّی" ایسے آدمی کو کہتے ہیں جو اپنی پیدائشی

وَلَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ ۝ فَلَمَّا نَسُوا مَا ذُكِّرُوا بِهِ أَنْجَيْنَا الَّذِينَ يَنْهَوْنَ عَنِ السُّوءِ وَأَخَذْنَا الَّذِينَ ظَلَمُوا بِعَذَابٍ بَئِيسٍ بِمَا كَانُوا يَفْسُقُونَ ۝ فَلَمَّا عَتَوْا عَنْ مَا نُهُوا عَنْهُ قُلْنَا لَهُمْ كُونُوا قِرَدَةً خَاسِئِينَ ۝ وَإِذْ تَأَذَّنَ رَبُّكَ لَيَبْعَثَنَّ عَلَيْهِمْ إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ مَنْ يَسُومُهُمْ سُوءَ الْعَذَابِ إِنَّ رَبَّكَ لَسَرِيعُ الْعِقَابِ وَإِنَّهُ لَغَفُورٌ رَحِيمٌ ۝ وَقَطَّعْنَاهُمْ فِي الْأَرْضِ أُمَمًا مِنْهُمُ الصَّالِحُونَ

۱۶۴ ۱۶۵ ۱۶۶ ۱۶۷

بروردگار کے حضور معذرت کر سکیں (کہ ہم نے اپنا فرض ادا کر دیا) اور اسلئے بھی کہ شاید لوگ باز آجائیں"

پھر جب ایسا ہوا کہ ان لوگوں نے وہ تمام نصیحتیں بھلا دیں جو انہیں کی گئی تھیں، تو ہمارا مواخذہ نمودار ہو گیا۔ ہم نے ان لوگوں کو تو بچا لیا جو برائی سے روکتے تھے، مگر شرارت کرنے والوں کو ایک ایسے عذاب میں ڈالا کہ محرومی و نامرادی میں مبتلا کرنے والا عذاب تھا۔ یہ سب ان نافرمانیوں کے جو وہ کیا کرتے تھے!

۱۶۵

پھر جب یہ (سزا بھی) انہیں عبرت نہ دلا سکی اور وہ اس بات میں حد سے زیادہ سرکش ہو گئے جس سے انہیں روکا گیا تھا، تو ہم نے کہا "بندر ہو جاؤ۔ ذلت و خواری سے ٹھکرائے ہوئے!"

۱۶۶

(ص) آیت (۱۶۷) سے معلوم ہوا کہ کسی قوم پر ظالم و مستبد حکمرانوں کا مسلط رہنا بھی خدا کا ایک عذاب ہے جو پاداشِ عمل میں نمودار ہوتا ہے۔

(ق) آیت (۱۶۸) میں اس قانونِ الٰہی کی طرف اشارہ ہے کہ جب کوئی جماعت بدعملی و فساد میں مبتلا ہوتی ہے تو اس کا مہلک نتیجہ فوراً ظاہر نہیں ہو جاتا، بلکہ تدریج و امہال کی وجہ سے یکے بعد دیگرے مہلتیں ملتی رہتی ہیں کہ اصلاحِ حال پر آمادہ ہو جائے۔

فرمایا ہم نے انہیں الگ الگ گروہ کر کے زمین میں متفرق کر دیا۔ یعنی بنی اسرائیل کی قومی وحدت باقی نہیں رہی چھوٹے چھوٹے گروہوں میں منتشر ہو گئے۔ یہ تباہی کی ابتدا تھی تاہم ابھی نیک جماعتیں بالکل معدوم نہیں ہو گئی تھیں۔ لیکن اس دور کے بعد جو نسلیں پیدا ہوئیں وہ عمل و حقیقت سے یکسر محروم ہو گئیں

۱ اور (اے پیغمبر!) جب ایسا ہوا تھا کہ تیرے پروردگار نے اس بات کا اعلان کر دیا تھا: (اگر بنی اسرائیل شرارت و بدعملی سے باز نہ آئے، تو) وہ قیامت کے دن تک ان پر ایسے لوگوں کو مسلط کرے گا جو انہیں ذلیل کرنے والے عذاب میں مبتلا کرتے رہیں گے حقیقت یہ ہے کہ تیرا پروردگار (بدعملی کی) سزا دینے میں دیر کرنے والا نہیں اور ساتھ ہی بخشنے والا رحمت والا بھی ہے!

۱۶۷

اور ہم نے انہیں الگ الگ گروہ کر کے زمین میں متفرق کر دیا۔ کچھ ان میں نیک تھے، کچھ

۱ اصل آیت میں "بعذاب بئیس" ہے۔ "بئیس" باس سے بھی ہو سکتا ہے جس کے معنی شدت کے ہیں، اور بئس سے بھی جس کے معنی فقر و فاقہ اور انتہائے محرومی کے ہیں۔ ہم نے دوسرے معنی کو ترجیح دی کیونکہ آگے چل کر "خاسئین" کا لفظ آیا ہے، اور اس سے معلوم ہوتا ہے، عذاب کی نوعیت ایسی تھی کہ ذلیل و خوار کرنے والا تھا۔

سَنَزِيدُ الْمُحْسِنِينَ ۝ فَبَدَّلَ الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْهُمْ قَوْلًا غَيْرَ الَّذِي قِيلَ لَهُمْ فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ ۱۶۱
رِجْزًا مِّنَ السَّمَاءِ بِمَا كَانُوا يَظْلِمُونَ ۝ وَسْئَلْهُمْ عَنِ الْقَرْيَةِ الَّتِي كَانَتْ حَاضِرَةَ الْبَحْرِ إِذْ ۱۶۲
يَعْدُونَ فِي السَّبْتِ إِذْ تَأْتِيهِمْ حِيتَانُهُمْ يَوْمَ سَبْتِهِمْ شُرَّعًا وَيَوْمَ لَا يَسْبِتُونَ لَا تَأْتِيهِمْ ۚ
كَذَٰلِكَ ۚ نَبْلُوهُمْ بِمَا كَانُوا يَفْسُقُونَ ۝ وَإِذْ قَالَتْ أُمَّةٌ مِّنْهُمْ لِمَ تَعِظُونَ قَوْمًا ۙ اللَّهُ مُهْلِكُهُمْ ۱۶۳
أَوْ مُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيدًا ۖ قَالُوا مَعْذِرَةً إِلَىٰ رَبِّكُمْ

وقف لازم ع ۱۶ الاعراف

۱۶۱ زیادہ اجر دینگے"۔

لیکن پھر ایسا ہوا کہ جو لوگ ان میں ظلم و شرارت کی راہ چلنے والے تھے انہوں نے خدا کی بتلائی ہوئی بات بدل کر ایک دوسری ہی بات بنا ڈالی (یعنی جس بات کا حکم دیا گیا تھا، اس سے بالکل الٹی چال چلے) ۱۶۲ ہم نے آسمان سے ان پر عذاب بھیجا، اس ظلم کی وجہ سے جو وہ کیا کرتے تھے۔

(ع) بنی اسرائیل کی یہ گمراہی کہ دین کے حکموں پر سچائی کے ساتھ عمل نہیں کرتے تھے، اور شرعی حیلے نکالکر ان کی تہہ سے بچنا چاہتے تھے انہیں حکم دیا گیا تھا کہ سبت کا مقدس دن تعطیل کا دن ہے اس دن شکار نہ کرو۔ لیکن ایک گروہ نے یہ حیلہ نکالا کہ سمندر کے کنارے گڑھے کھودلئے۔ جب جوار کے بعد پانی اتر جاتا تو گڑھے کے اندر کی مچھلیاں پکڑ لیتے اور کہتے یہ مچھلیاں خود آ گئیں۔ شکار نہیں کی گئیں!

بندر ہو جانے کا مطلب کیا ہے؟ ان کی صورتیں بندروں کی سی ہو گئی تھیں یا دل؟ ائمہ تفسیر میں سے مجاہد کا قول ہے "مسخت قلوبہم" ان کے دل مسخ ہو گئے تھے (ابن کثیر)

۱۶۳ (ا) گمراہیوں کی ہدایت کی طرف سے کتنی ہی مایوسی ہو لیکن اہل حق کا فرض ہے کہ موعظت سے باز نہ رہیں۔ کیونکہ اول تو یہ ایک فرض ہے اور ادائے فرض میں نتیجہ کا سوال پیدا ہی نہیں ہوتا ثانیاً کون کہہ سکتا ہے کہ ہدایت قطعاً موثر نہ ہوگی؟ ہو سکتا ہے کہ کسی کے دل کو کوئی بات لگ جائے۔ چنانچہ اسی لئے اہل حق نے کہا "معذرۃ الی ربکم ولعلہم یتقون" تاکہ اللہ کے حضور معذرت کر سکیں، اور اس لئے بھی کہ شاید لوگ باز آ جائیں۔ سبحان اللہ قرآن کی معجزانہ بلاغت پانچ چھ لفظوں کے اندر وہ سب کچھ کہہ ماجو اس بارہ میں کہا جا سکتا ہے!

اور (اے پیغمبر!) بنی اسرائیل سے اس شہر کے بارے میں پوچھو جو سمندر کے کنارے واقع تھا اور جہاں سبت کے دن لوگ خدا کی ٹھہرائی ہوئی حد سے باہر ہو جاتے تھے۔ سبت کے دن ان کی (مطلوبہ) مچھلیاں پانی پر تیرتی ہوئی ان کے پاس آ جاتیں مگر جس دن سبت نہ مناتے نہ آتیں۔ اس طرح ہم انہیں آزمائش میں ڈالتے تھے۔ یہ سبب اس نافرمانی کے جو وہ کیا کرتے تھے۔

اور جب اس شہر کے باشندوں میں سے ایک گروہ نے (ان لوگوں سے جو نافرمانوں کو وعظ و نصیحت کرتے تھے) کہا "تم ایسے لوگوں کو (بیکار) نصیحت کیوں کرتے ہو جنہیں (ان کی شقاوت کی وجہ سے) یا تو خدا ہلاک کر دے گا۔ یا نہایت سخت عذاب (اخروی) میں مبتلا کرے گا"۔ انہوں نے کہا "اس لئے کرتے ہیں، تاکہ تمہارے

وَطُنُّوْٓا اَنَّهٗ وَاقِعٌۢ بِهِمْ ۚ خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّاذْكُرُوْا مَا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۝ وَاِذْ
اَخَذَ رَبُّكَ مِنْۢ بَنِيْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ ۚ اَلَسْتُ
بِرَبِّكُمْ ۭ قَالُوْا بَلٰى ۛ شَهِدْنَا ۛ اَنْ تَقُوْلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا غٰفِلِيْنَ ۝ اَوْ تَقُوْلُوْٓا
اِنَّمَآ اَشْرَكَ اٰبَاۗؤُنَا مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا ذُرِّيَّةً مِّنْۢ بَعْدِهِمْ ۚ اَفَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ الْمُبْطِلُوْنَ ۝
وَكَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ وَلَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ۝

(جو ہل رہا ہے) اور وہ (دہشت کی شدت میں) سمجھے تھے کہ بس ان کے سروں پر آگرا، اور انہیں حکم دیا تھا کہ یہ کتاب جو ہم نے دی ہے مضبوطی سے پکڑے رہو، اور جو کچھ اس میں بتلایا گیا ہے اسے خوب طرح یاد رکھو۔ اور یہ اس لئے ہے کہ تم برائیوں سے بچو۔"

اور (اے پیغمبر!) وہ وقت بھی لوگوں کو یاد دلاؤ جب تمہارے پروردگار نے بنی آدم سے یعنی اس ذریت سے جو ان کے نسل سے (نسلاً بعد نسلٍ) پیدا ہونے والی تھی عہد لیا تھا، اور انہیں (یعنی ان میں سے ہر ایک کو اس کی فطرت میں) خود اس پر گواہ ٹھہرایا تھا: "کیا میں تمہارا پروردگار نہیں ہوں؟" سب نے جواب دیا تھا: "ہاں تو ہی ہمارا پروردگار ہے، ہم نے اس کی گواہی دی" اور یہ اس لئے کیا تھا کہ ایسا نہ ہو، تم قیامت کے دن عذر کر بیٹھو کہ ہم اس سے بیخبر رہے، یا کہو، خدایا شرک تو ہم سے پہلے ہمارے باپ دادوں نے کیا ہم ان کی نسل میں بعد کو پیدا ہوئے (اور لاچار وہی چال چلے جس پر پہلوں کو چلتے پایا) پھر کیا تو ہمیں اس بات کے لئے ہلاک کرے گا جو (ہم سے پہلے) جھوٹی راہ چلنے والوں نے کی تھی؟

اور (دیکھو) اس طرح ہم سچائی کی نشانیاں الگ الگ کرکے واضح کر دیتے ہیں، تاکہ لوگ (حق کی طرف) لوٹ آئیں!

(۱۷۱) اس حقیقت کا اعلان کہ خدائی ہستی کا اعتقاد انسان کی فطرت میں ودیعت کر دیا گیا ہے اور فطرت انسانی کی اصلی آواز یہی ہے۔ یعنی تدریجی ارتقاء کے نظریے کا انکار نہیں ہے اور اسی لئے کوئی انسان اپنی غفلت کے لئے معذور نہیں ہو سکتا، اور نہیں کہہ سکتا کہ آباؤ اجداد کی گمراہی میں بھی گمراہ ہو گیا کیونکہ اس کے وجود سے ماہر گمراہی کے کتنے ہی موثرات جمع ہو جائیں لیکن اس کی فطرت کی اندرونی آواز کبھی دب نہیں سکتی بشرطیکہ وہ اس کے دبانے کے درپے نہ ہو جائے اور اس کی طرف سے کان بند نہ کر لے

چونکہ آیت (۱۷۱) میں اس عہد کا ذکر کیا تھا جو دین کے اتباع کا بنی اسرائیل سے لیا گیا تھا اس لئے یہاں واضح کر دیا گیا کہ پیغمبروں کی ہدایت کوئی نیا پیام انسان کو نہیں دیتی، وہ اسی اعتقاد کی تجدید کرتی ہے جو اول دن سے فطرت انسانی میں ودیعت کر دیا گیا ہے۔

۱۶۸ وَمِنْهُمْ دُوْنَ ذٰلِكَ ۚ وَبَلَوْنٰهُمْ بِالْحَسَنٰتِ وَالسَّيِّاٰتِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ۝ فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ
خَلْفٌ وَّرِثُوا الْكِتٰبَ يَاْخُذُوْنَ عَرَضَ هٰذَا الْاَدْنٰى وَيَقُوْلُوْنَ سَيُغْفَرُ لَنَا ۚ وَاِنْ يَّاْتِهِمْ
عَرَضٌ مِّثْلُهٗ يَاْخُذُوْهُ ۭ اَلَمْ يُؤْخَذْ عَلَيْهِمْ مِّيْثَاقُ الْكِتٰبِ اَنْ لَّا يَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ
وَدَرَسُوْا مَا فِيْهِ ۭ وَالدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ يُمَسِّكُوْنَ
۱۶۹ بِالْكِتٰبِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ ۭ اِنَّا لَا نُضِيْعُ اَجْرَ الْمُصْلِحِيْنَ ۝ وَاِذْ نَتَقْنَا الْجَبَلَ فَوْقَهُمْ كَاَنَّهٗ ظُلَّةٌ

(۱) اپنا یہ علمائے یہود کا یہ حال ہو گیا کہ دنیا کے حقیر فوائد کے لئے دین میں دست درازی کرنے ناجائز باتوں کو جائز بنا لیتے، اور سمجھتے ہمارے لئے کوئی کھٹکا نہیں، خدا ہمیں بخش دے گا۔

۱۶۸ جب کسی گروہ میں عمل اور حقیقت کی روح باقی نہیں رہتی تو ارتکاب معاصی میں جھجک جاتا ہے اور عمل کی جگہ محض خوش اعتقادی کے خود ساختہ سہارے پر اعتماد کرنے لگتا ہے چنانچہ یہی حال یہودیوں کا ہوا، یہ سمجھتے تھے، ہم خدا کی برگزیدہ امت ہیں، آتش دوزخ ہم پر حرام کر دی گئی ہے، اور یہی حال اب مسلمانوں کا ہو گیا ہے جو سمجھتے ہیں ہم امت مرحومہ ہیں، آتش دوزخ ہم پر حرام کر دی گئی ہے۔ اگر کچھ مواخذہ ہو گا بھی تو کسی پیر کی مریدی یا کسی وظیفہ کا ورد یا کسی خاص نماز نفل کی مداومت یا مجالس میلاد کا انعقاد اور عرسوں کی شرکت بخشش و نجات کے لئے کافی ہے۔

(۲) پہلے آیت (۵۹) میں کہا تھا کہ قوم موسیٰ میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو ہدایت پر چلتے ہیں یہاں فرمایا، جو لوگ کتاب اللہ پر سچائی کے ساتھ عمل کرتے ہیں ان کا اجر ضائع ہونے والا نہیں۔ دونوں جگہ یہ صراحت اس لئے کی تاکہ واضح ہو جائے جو لوگ سچائی پر قائم ہے ہیں ان کی سعادت سے انکار نہیں۔

کچھ اس کے خلاف اور ہم نے انہیں اچھی اور بری دونوں طرح کی حالتوں میں ڈال کر آزمایا تاکہ (بد عملیوں سے) باز آجائیں۔

پھر ان لوگوں کے بعد نالخلفوں نے ان کی جگہ پائی اور کتاب الٰہی کے وارث ہوئے۔ وہ (دین فروشی کر کے) اس دنیائے حقیر کی متاع (اپنے مال) لے لیتے ہیں اور کہتے ہیں اس کی تو ہمیں معافی مل ہی جائے گی" اور اگر کوئی متاع انہیں اسی طرح (غیر حق ثانی سے) ہاتھ آجائے تو اسے بھی بلا تامل لے لیں کیا ان سے کتاب میں عہد نہیں لیا گیا ہے کہ خدا کے نام سے کوئی بات نہ کہیں مگر وہی جو سچ ہو؟ اور کیا جو کچھ کتاب میں حکم دیا گیا ہے وہ پڑھ نہیں چکے ہیں؟ جو متقی ہیں ان کے لئے تو آخرت کا گھر (دنیا اور دنیا کی خواہشوں سے) کہیں بہتر ہے (وہ دنیا کے لئے اپنی آخرت تاراج کرنے والے نہیں۔

۱۶۹ اے علمائے یہود! کیا اتنی سی بات بھی تمہاری عقل میں نہیں آتی؟

۱۷۰ اور (بنی اسرائیل میں سے) جو لوگ کتاب اللہ کو مضبوط پکڑے ہوئے ہیں اور نماز میں سرگرم ہیں تو (ان کے لئے کوئی کھٹکا نہیں) ہم کبھی سنوارنے والوں کا اجر ضائع نہیں کرتے!

اور جب ایسا ہوا تھا کہ ہم نے ان کے اوپر پہاڑ کو زلزلہ[1] میں ڈالا تھا، گویا ایک سائبان ہے

[1] عربی میں "نتقنا" کے معنی "قلعنا" کے بھی ہو سکتے ہیں اور "زلزلنا" کے بھی۔ من السقاء اذا هزه وتفضه لیخرج منه الزبد۔ ہم نے دوسرے معنی کو ترجیح دی ہے۔

يُضْلِلْ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ ۝ وَلَقَدْ ذَرَأْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْإِنسِ ۖ لَهُمْ قُلُوبٌ ۱۷۸
لَّا يَفْقَهُونَ بِهَا وَلَهُمْ أَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُونَ بِهَا وَلَهُمْ آذَانٌ لَّا يَسْمَعُونَ بِهَا ۚ أُولَٰئِكَ
كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ ۚ أُولَٰئِكَ هُمُ الْغَافِلُونَ ۝ وَلِلَّهِ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَىٰ فَادْعُوهُ ۱۷۹
بِهَا ۖ وَذَرُوا الَّذِينَ يُلْحِدُونَ فِي أَسْمَائِهِ ۚ سَيُجْزَوْنَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝ وَمِمَّنْ خَلَقْنَا ۱۸۰
أُمَّةٌ يَهْدُونَ بِالْحَقِّ

تو ایسے ہی لوگ ہیں جو گھاٹے ٹوٹے میں پڑے! ۱۷۸

اور کتنے ہی جن اور انسان ہیں جنہیں ہم نے جہنم کے لئے پیدا کیا (یعنی بالآخر اُن کا ٹھکانا جہنم ہونے والا ہے) ان کے پاس عقل ہے مگر اس سے سمجھ بوجھ کا کام نہیں لیتے۔ آنکھیں ہیں مگر ان سے دیکھنے کا کام نہیں لیتے۔ کان ہیں مگر ان سے سننے کا کام نہیں لیتے۔ وہ (عقل و حواس کا استعمال کھو کر) چارپایوں کی طرح ہو گئے۔ بلکہ ان سے بھی زیادہ کھوئے ہوئے۔ ایسے ہی لوگ ہیں جو یک قلم غفلت میں ڈوب گئے ہیں! ۱۷۹

اور (دیکھو) اللہ کے لئے حسن و خوبی کے نام ہیں (یعنی صفتیں ہیں) سو تم انہی ناموں سے اسے پکارو، اور جو لوگ اس کے ناموں میں کج اندیشیاں کرتے ہیں۔ یعنی ایسی صفتیں گڑھتے ہیں جو اس کے جمال و پاکی کے خلاف ہیں) تو انہیں ان کے حال پر چھوڑ دو۔ وہ وقت دور نہیں کہ اپنے کئے کا بدلہ پالیں گے۔ ۱۸۰

اور جن لوگوں کو ہم نے پیدا کیا، ان میں ضرور ایک گروہ ایسے لوگوں کا بھی ہے جو لوگوں

(۲۶) قرآن نے جا بجا یہ حقیقت واضح کی ہے کہ ہدایت و سعادت کی راہ عقل و فکر کی راہ ہے، اور گمراہی و شقاوت کا سرچشمہ جہل و کوری اور حواس و تفکر کو بیکار کر دینا ہے۔ جو لوگ خدا کی دی ہوئی عقل سے کام نہیں لیتے یا ہوا و نفس سے اس درجہ مغلوب ہو جاتے ہیں کہ ذہن و ادراک کی قوتیں بیکار ہو جاتی ہیں، وہ کبھی ہدایت نہیں پا سکتے (مزید تفصیل کے لئے تفسیر فاتحہ دیکھنی چاہئے)

چنانچہ یہاں انسان کی دماغی شقاوت کی اس حالت کی طرف اشارہ کیا ہے، جب بڑے بوڑھوں کے تقلیدی اثرات سے، یا ہوا و نفس کے غلبہ سے، یا ذاتی طبعی بغض سے، وہ اس درجہ مغلوب ہو جاتا ہے کہ عقل و حواس کی ساری درستیاں اس کے لئے بیکار ہو جاتی ہیں۔

قرآن کہتا ہے، ایسا ہی گروہ جہنمی گروہ ہے

(۲۷) یہاں سے یہ بات بھی معلوم ہو گئی کہ معرفت حقیقت کی دو ہی راہیں ہیں: فکر اور نظر۔ "فکر" یہ کہ خدا کی دی ہوئی عقل سے کام لیں اور اپنے اندر سوچیں سمجھیں۔ "نظر" یہ کہ کارخانہ ہستی کے عجائب و دقائق تکا مشاہدہ کریں، اور اس سے بصیرت حاصل کریں۔ جو شخص ان دونوں باتوں سے محروم ہے، وہ اندھا بہرا ہے، اور گمراہی سے لوٹنے والا نہیں۔

(۲۸) قرآن نے خدا کی صفتوں کا جو تصور ہم میں پیدا کرنا چاہا ہے، وہ سرتاسر حسن و خوبی کا تصور ہے۔ چنانچہ وہ خدا کی تمام صفتوں کو حسنیٰ قرار دیتا ہے یعنی خوبی و جمال کی صفتیں۔ صفتیں کیا کیا ہیں؟ قرآن نے جا بجا بیان کی ہیں۔

۱۷۵ وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ الَّذِيْٓ اٰتَيْنٰهُ اٰيٰتِنَا فَانْسَلَخَ مِنْهَا فَاَتْبَعَهُ الشَّيْطٰنُ فَكَانَ مِنَ الْغٰوِيْنَ ○ وَلَوْ
شِئْنَا لَرَفَعْنٰهُ بِهَا وَلٰكِنَّهٗٓ اَخْلَدَ اِلَى الْاَرْضِ وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ ۚ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ الْكَلْبِ ۚ اِنْ تَحْمِلْ عَلَيْهِ
يَلْهَثْ اَوْ تَتْرُكْهُ يَلْهَثْ ۭ ذٰلِكَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۚ فَاقْصُصِ الْقَصَصَ
۱۷۶ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ○ سَاۗءَ مَثَلَۨا الْقَوْمُ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَاَنْفُسَهُمْ كَانُوْا يَظْلِمُوْنَ ○
مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِيْ ۚ وَمَنْ

(۲۵) پچھلی دعوتوں کا ذکر ختم ہوگیا۔ اب یہاں یہ حقیقت واضح کی ہے کہ جس طرح پچھلے عہدوں کی مفسد جماعتوں نے آخر تک سچائی کا مقابلہ کیا، اسی طرح عرب کے مفسدین بھی کر رہے ہیں اور کبھی ایمان لانے والے نہیں۔ پس ان کی شرارتوں سے پریشان خاطر نہ ہو نتیجہ کا انتظار کرو۔

آیت (۱۷۵) میں غالباً عرب جاہلیت کے ایک حکیم شاعر
۱۷۵ اُمیّہ بن عبد اللہ ابی الصلت ثقفی کی طرف اشارہ ہے۔ یہ غیر معمولی ذکاوت و استعداد کا آدمی تھا۔ اور اہل کتاب کی صحبت میں رہ کر خدا پرستی و دینداری کے خیالات سے آشنا ہوگیا تھا قدرتی طور پر ایسا شخص سب سے زیادہ مستحق تھا کہ اتباع حق کی اس سے توقع کی جاتی، لیکن جب اسلام کا ظہور ہوا، تو پیغمبر اسلام کی فضیلت اس پر گراں گزری، اور اس طمع میں پڑ گیا کہ خود ہی عرب کا پیغمبر کیوں نہ ہوا؟ نتیجہ یہ نکلا کہ ادراک حق کی جو توفیق ملی تھی، ضائع گئی اور ہوا و نفس کی پیروی نے محروم و نامراد کر دیا۔

کتے کی مثال میں اس طرف اشارہ ہے کہ تم ان لوگوں سے تعرض کرو یا نہ کرو، یہ اپنی مفسدانہ خصلت کا مظاہرہ ضرور کریں گے، کیونکہ سچائی کی مخالفت ایسے لوگوں کی طبیعت ثانیہ ہو جاتی ہے۔

اور (اے پیغمبر!) ان لوگوں کو اس آدمی کا حال (کلام الٰہی میں) پڑھ کر سناؤ جسے ہم نے اپنی نشانیاں دی تھیں (یعنی دلائل حق کی سمجھ عطا کی تھی) لیکن پھر ایسا ہوا کہ اس نے (دانش و فہم کا) وہ جامہ اتار دیا پس شیطان اس کے پیچھے لگا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ گمراہوں میں سے ہوگیا۔

اور اگر ہم چاہتے، تو ان نشانیوں کے ذریعہ اس کا مرتبہ بلند کرتے (یعنی دلائل حق کا جو علم ہم نے دیا تھا، وہ ایسا تھا کہ اگر اس پر قائم رہتا، اور ہماری مشیت ہوتی تو بڑا درجہ پاتا) مگر وہ پستی کی طرف جھکا اور ہوا و نفس کی پیروی کی۔ تو اس کی مثال کتے کی سی ہوگئی۔ مشقت میں ڈالو، جب بھی ہانپے اور زبان لٹکائے۔ چھوڑ دو، جب بھی ایسا ہی کرے! ایسی ہی مثال ان لوگوں کی ہے۔

جنہوں نے ہماری نشانیاں جھٹلائیں، تو (اے پیغمبر!) یہ حکایتیں لوگوں کو سناؤ۔ تاکہ ان میں غور ۱۷۶ و فکر کریں۔

کیا ہی بری مثال ان لوگوں کی ہوئی جنہوں نے ہماری نشانیاں جھٹلائیں! وہ اپنے ہاتھوں ۱۷۷ خود اپنا ہی نقصان کرتے رہے!

جس پر اللہ (کامیابی کی) راہ کھول دے تو وہی راہ پر ہے، اور جس پر (کامیابی کی) راہ گم کر دے

وَيَذَرُهُمْ فِي طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُونَ ۝ يَسْأَلُونَكَ عَنِ السَّاعَةِ أَيَّانَ مُرْسَاهَا ۖ قُلْ إِنَّمَا عِلْمُهَا
عِندَ رَبِّي ۖ لَا يُجَلِّيهَا لِوَقْتِهَا إِلَّا هُوَ ۚ ثَقُلَتْ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۚ لَا تَأْتِيكُمْ إِلَّا بَغْتَةً ۗ
يَسْأَلُونَكَ كَأَنَّكَ حَفِيٌّ عَنْهَا ۖ قُلْ إِنَّمَا عِلْمُهَا عِندَ اللَّهِ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ۝
قُل لَّا أَمْلِكُ لِنَفْسِي نَفْعًا وَلَا ضَرًّا إِلَّا مَا شَاءَ اللَّهُ ۚ وَلَوْ كُنتُ أَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ
مِنَ الْخَيْرِ ۖ وَمَا مَسَّنِيَ السُّوءُ ۚ

۱۸۶ (وقل من) ۱۸۶ (وقل من) ۱۸۶ (وقل من)

جس (کامیابی کی) راہ گم کردے (یعنی خدا کے ٹھہرائے ہوئے قانون نتائج کے مطابق کھو جائے) تو پھر اس کے لیے کوئی راہ دکھانے والا نہیں۔ خدا (کے قانون) نے انہیں چھوڑ دیا ہے کہ اپنی سرکشی میں بھٹکتے رہیں!

۱۸۶

(اے پیغمبر!) لوگ تم سے (قیامت کے) آنے والے وقت کی نسبت پوچھتے ہیں کہ آخر وہ کب ظہور پائے گا؟ تم کہہ دو، اس کا علم تو میرے پروردگار کو ہے۔ وہی ہے جو اس بات کو اس کے وقت پر نمایاں کرنے والا ہے۔ وہ بڑا بھاری حادثہ ہے جو آسمانوں اور زمین میں واقع ہوگا۔ وہ تم پر نہیں آئے گا مگر اچانک۔

(اے پیغمبر!) یہ لوگ تم سے اس طرح پوچھ رہے ہیں، گویا تم اس کی کاوش میں لگے ہوئے ہو۔ تم کہو، حقیقتِ حال اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ صرف خدا ہی یہ بات جانتا ہے۔ لیکن اکثر آدمی ایسے ہیں جو اس حقیقت سے انجان ہیں۔

۱۸۷

(اے پیغمبر!) تم کہہ دو، میرا حال تو یہ ہے کہ خود اپنی جان کا نفع نقصان بھی اپنے قبضے میں نہیں رکھتا۔ وہی ہو کر رہتا ہے جو خدا چاہتا ہے۔ اگر مجھے غیب کا علم ہوتا تو ضرور ایسا کرتا کہ بہت سی منفعت بٹور لیتا۔ اور (زندگی میں) کوئی گزند

(۳۲) مشرکین مکہ انکار و تمسخر کی راہ سے پوچھتے تھے اگر سچ مچ کو قیامت آنے والی ہے تو کیوں نہیں بتلا دیتے کہ کب آئیگی؟ فرمایا وقت کا علم تو اللہ کو ہے تمہارے لیے اس قدر جان لینا کافی ہے کہ جب آئیگی تو اچانک آجائیگی۔ ڈھنڈورا پیٹ کر نہیں آئیگی۔

(۳۳) "ثقلت فی السموت والارض" سے معلوم ہوا، وہ اجرام سماویہ کا ایک عظیم حادثہ ہوگا۔

اس آیت اور اسکی ہم معنی آیات سے یہ بات بھی معلوم ہو گئی کہ قیامت کے آثار و مقدمات کے بارے میں جتنی باتیں مسلمانوں میں مشہور ہو گئی ہیں، ان کا بڑا حصہ بے اصل ہے، کیونکہ اگر ایک واقعہ سے بہت پہلے اس کی ظاہر علامتیں یکے بعد دیگرے ظہور میں آنے والی ہوں اور ان کی خبر بھی دے دی گئی ہو تو اس واقعہ کا ہونا ناگہانی نہیں ہو سکتا۔ حالانکہ قرآن قطعی طور پر کہتا ہے کہ لوگ بیخبر بے خبر ہونگے اور قیامت اچانک نمودار ہو جائے گی۔

(۳۴) انسان کی ایک عالمگیر گمراہی یہ رہی ہے کہ جب کوئی انسان روحانی عظمت کے ساتھ ظاہر ہوتا ہے تو لوگ چاہتے ہیں اسے انسانیت و بندگی کی سطح سے بلند کر کے دیکھیں۔ لیکن قرآن نے پیغمبر اسلام کی حیثیت ایسے صاف اور قطعی لفظوں میں واضح کر دی کہ ہمیشہ کے لیے اس گمراہی کا ازالہ ہو گیا۔ صرف یہی ایک بات ان کی صداقت کے اثبات کے لیے کفایت کرتی ہے جو دنیا اپنے پیشواؤں کو خدا اور خدا کا بیٹا بنانے کی خواہش مند رہی، اسلام کے پیغمبر نے اس سے اتنا بھی نہ چاہا کہ کاہنوں کی طرح مجھے غیب دان تسلیم کر لو۔ زیادہ سے زیادہ بات جو اپنی نسبت سنائی، یہ تھی کہ "انکار و بد عملی کے نتائج سے خبردار کر دینے والا اور ایمان و نیک عملی

وَبِهٖ يَعْدِلُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ وَاُمْلِيْ لَهُمْ ۭ اِنَّ كَيْدِيْ مَتِيْنٌ ۝ اَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوْا ۭ مَا بِصَاحِبِهِمْ مِّنْ جِنَّةٍ ۭ اِنْ هُوَ اِلَّا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۝ اَوَلَمْ يَنْظُرُوْا فِيْ مَلَكُوْتِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ ۙ وَّاَنْ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ قَدِ اقْتَرَبَ اَجَلُهُمْ ۚ فَبِاَيِّ حَدِيْثٍۢ بَعْدَهٗ يُؤْمِنُوْنَ ۝ مَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ ۭ

ع ۱۲ ۱۸۲-۱۸۶

اور ہماری گئیں تو وہ خلیں ان تمام صفتوں کے معانی پر غور کروگے، تو معلوم ہو جائے گا، قرآن کا تصور کس درجہ بلند اور کامل ہے۔ صرف ان صفات کے معانی پر تدبر کرکے ہم کائنات ہستی کے بے شمار اسرار و دقائق کی معرفت حاصل کرسکتے ہیں۔ کیونکہ یہاں جو کچھ ہے انہی صفات کا ظہور ہے

۱۸۱

(۲۹) آیت (۱۸۱) میں عرب کے ان موحد اور راست باز انسانوں کی طرف اشارہ ہے جنہوں نے اپنا جوہر فکر و نظر ضائع نہیں کیا تھا۔ اور دعوت حق کے شناسا ثابت ہوئے تھے۔

۱۸۲

(۳۰) آیت (۱۸۲) میں قانون امہال کی طرف اشارہ ہے اور معتدین مکہ کی نسبت خبر دی ہے کہ جزا و عمل کا قانون ان کی مدافعت سے غافل نہیں ہے۔ وہ بتدریج اس نتیجہ تک پہنچ کر رہینگے جو انکار و سرکشی کا لازمی نتیجہ ہے۔ چنانچہ دنیا نے دیکھ لیا کہ چند برسوں کے اندر قریش مکہ کی ساری طاقت نابود ہوگئی (قانون امہال کے لیے دیکھو تفسیر فاتحہ)

۱۸۳

(۳۱) داعیان حق کو ہمیشہ منکروں نے مخبوط کہا ہے پیغمبر اسلام کو بھی اشرار مکہ مجنون کہا کرتے تھے آیت (۱۸۴) اور (۱۸۵) میں فرمایا۔ یہ منکر نہ تو فکر سے کام لیتے ہیں، نہ مشاہدہ و نظر سے۔ اگر فکر سے کام لیں۔ تو پیغمبر اسلام کی زندگی جو انہی میں پیدا ہوا اور انہی میں سے ہے سچائی کی سب سے بڑی دلیل ہے اگر نظر سے کام لیں تو آسمان و زمین کا ایک ایک ذرہ خدا کی ہستی اور اس کے مقررہ قوانین خلقت کی شہادت دے رہا ہے۔

۱۸۴

غور کرو۔ قرآن کا طریق تلقین و استدلال کیا ہے اور مفسرین نے اسے کیا بنا دیا ہے (تفصیل کے لئے دیکھو تفسیر فاتحہ)

کو سچائی کی راہ دکھاتا۔ اور سچائی ہی کے ساتھ ان میں انصاف بھی کرتا ہے۔

اور جن لوگوں نے ہماری نشانیاں جھٹلائیں ہم انہیں درجہ بدرجہ (آخری نتیجہ تک) لے جائیں گے اس طرح، کہ انہیں خبر بھی نہ ہوگی۔ ہم انہیں ڈھیل دیتے ہیں (یعنی ہمارا قانون جزا ایسا ہے کہ نتائج بہ تدریج ظہور میں آتے ہیں اور مہلتوں پر مہلتیں ملتی رہتی ہیں) اور ہماری خفی تدبیر بڑی ہی مضبوط ہے!

کیا ان لوگوں نے غور نہیں کیا؟ ان کے رفیق کو (یعنی پیغمبر اسلام کو جو انہی میں پیدا ہوا، اور جس کی زندگی کی ہر بات ان کے سامنے ہے) کچھ دیوانگی تو نہیں لگ گئی ہے (کہ خواہ مخواہ ایک بات کے پیچھے پڑ کر سب کو اپنا دشمن بنالے) وہ اس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے کہ (انکار و بدعملی کی پاداش سے) کھلے طور پر خبردار کر دینے والا ہے!

پھر کیا یہ نظر اٹھا کر آسمان و زمین کی بادشاہی اور جو کچھ خدا نے پیدا کیا ہے، نہیں دیکھتے؟ نیز یہ بات کہ ہو سکتا ہے، ان کا (مقررہ) وقت قریب آگیا ہو؟ اگر سوچنے سمجھنے کی یہ ساری باتیں انہیں ہشیار نہیں کر سکتیں، تو) پھر اس کے بعد اور کون سی بات ہو سکتی ہے جس پر یہ ایمان لائیں گے؟

۱۸۵

وَلَا يَسْتَطِيعُونَ لَهُمْ نَصْرًا وَّلَآ اَنْفُسَهُمْ يَنْصُرُوْنَ ۝ ۱۹۲
وَاِنْ تَدْعُوْهُمْ اِلَى الْهُدٰى لَا يَتَّبِعُوْكُمْ ۝ ۱۹۳
سَوَآءٌ عَلَيْكُمْ اَدَعَوْتُمُوْهُمْ اَمْ اَنْتُمْ صَامِتُوْنَ ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ عِبَادٌ ۝ ۱۹۴
اَمْثَالُكُمْ فَادْعُوْهُمْ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ اَلَهُمْ اَرْجُلٌ يَّمْشُوْنَ بِهَآ اَمْ
لَهُمْ اَيْدٍ يَّبْطِشُوْنَ بِهَآ اَمْ لَهُمْ اَعْيُنٌ يُّبْصِرُوْنَ بِهَآ اَمْ لَهُمْ اٰذَانٌ يَّسْمَعُوْنَ بِهَا ۭ قُلِ
ادْعُوْا شُرَكَآءَكُمْ ثُمَّ كِيْدُوْنِ فَلَا تُنْظِرُوْنِ ۝ ۱۹۵
اِنَّ وَلِيِّ اللّٰهُ الَّذِيْ نَزَّلَ الْكِتٰبَ ۚ وَهُوَ يَتَوَلَّى الصّٰلِحِيْنَ ۝ ۱۹۶

اس آیت سے یہ بات بھی معلوم ہوگئی کہ شرک کی قسموں میں سے ایک قسم شرک فی التسمیہ ہے یعنی غیر خدا کی طرف منسوب کرکے نام رکھنا چنانچہ مشرکین عرب عبدالعزیٰ، عبدالشمس وغیرہا نام رکھتے تھے اور افسوس ہے کہ مسلمان بھی اب اسی طرح کے نام رکھنے لگے ہیں۔

(۳۶) قرآن نے جابجا یہ حقیقت واضح کی ہے کہ روحانی اعتقاد کے ساتھ ایک بالاتر ہستی کو پکارنا، بندگی و نیاز کا ایک ایسا فعل ہے جو صرف خدا ہی کے لئے ہونا چاہئے اگر کسی دوسری ہستی کے لئے کیا گیا، تو یہ شرک ہوگا۔ یہی مقام ہے جہاں پر ان نادانوں نے ٹھوکر کھائی۔ وہ توحید ربوبیت میں نہیں کھوتے تھے کیونکہ خالق و رب خدا ہی کو مانتے تھے۔ توحید الوہیت میں گمراہ ہوگئے۔ یعنی اپنی دعاؤں اور منتوں مرادوں کے لئے بہت سے آستانے بنا لیے جسے قرآن اِلٰہ بنا لینے سے تعبیر کرتا ہے۔

خود کسی کے پیدا کئے ہوئے ہیں۔ اُن میں نہ تو اس کی طاقت کہ ان کی مدد کریں نہ اس کی کہ خود اپنی امت ہی کو مدد پہنچائیں۔ اگر تم سیدھی راہ کی طرف بلاؤ تو تمہارے پیچھے قدم نہ اٹھا سکیں اور تم انہیں پکارو یا چپ رہو دونوں حالتوں کا نتیجہ تمہارے لئے یکساں ہو!

(نادانو!) تم خدا کے سوا جن ہستیوں کو پکارتے ہو وہ تمہاری ہی طرح خدا کے بندے ہیں۔ اگر تم (اپنے اس وہم میں) سچے ہو (کہ اُن میں ماورائے بشریت طاقتیں ہیں) تو اپنی احتیاجوں میں پکارو وہ تمہاری پکار کا جواب دیں!

کیا ان (پتھر کی مورتیوں) کے پاؤں ہیں جن سے چلتے ہوں؟ ہاتھ ہیں جن سے پکڑتے ہوں؟ آنکھیں ہیں جن سے دیکھتے ہوں؟ کان ہیں جن سے سنتے ہوں؟ (اے پیغمبر!) ان لوگوں سے کہو (اگر تمہارے ٹھہرائے ہوئے شریک تمہاری مدد کر سکتے ہیں تو) انہیں (جس قدر پکار سکتے ہو) پکار لو، پھر (میرے خلاف اپنی ساری) مخفی تدبیریں کر ڈالو، اور مجھے (اپنے جانتے) ذرا بھی مہلت نہ دو۔ (پھر دیکھو نتیجہ کیا نکلتا ہے)

(۳۷) سورت کا مرکز موعظت یہ تھا کہ اوائل اسلام کی غربت و بیچارگی میں پیروان دعوت کو تسکین دی جائے اور یہ حقیقت ان کے دلوں پر نقش کر دی جائے کہ ظاہری اسباب کتنے ہی مخالف دکھائی دیتے ہوں بالآخر دعوت حق کی فتح مندی

میرا کارساز تو بس اللہ ہے جس نے یہ کتاب نازل فرمائی اور وہی ہے جو نیک انسانوں کی کارسازی کرتا ہے!

ع ۱۳ ۱۸۸ إِنْ أَنَا إِلَّا نَذِيرٌ وَبَشِيرٌ لِقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ۝ هُوَ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَجَعَلَ
۱۸۹ مِنْهَا زَوْجَهَا لِيَسْكُنَ إِلَيْهَا ۚ فَلَمَّا تَغَشَّاهَا حَمَلَتْ حَمْلًا خَفِيفًا فَمَرَّتْ بِهِ ۖ فَلَمَّا أَثْقَلَتْ دَعَوَا
اللَّهَ رَبَّهُمَا لَئِنْ آتَيْتَنَا صَالِحًا لَنَكُونَنَّ مِنَ الشَّاكِرِينَ ۝ فَلَمَّا آتَاهُمَا صَالِحًا جَعَلَا لَهُ
۱۹۰-۱۹۱ شُرَكَاءَ فِيمَا آتَاهُمَا ۚ فَتَعَالَى اللَّهُ عَمَّا يُشْرِكُونَ ۝ أَيُشْرِكُونَ مَا لَا يَخْلُقُ شَيْئًا وَهُمْ يُخْلَقُونَ ۝

کی برکتوں کی بشارت دینے والا ایک بندہ ہوں۔ اگر میں غیب دان ہوتا تو زندگی کا کوئی گوشہ مجھے نہ پہنچتا مجھے کیا معلوم قیامت کب آئے گی"۔

۱۸۸ کیا ایسے انسان کی زبان سے سچائی کے سوا کوئی بات نکل سکتی ہے؟

چہ عظمت دادۂ یارب بخلق آں عظیم الشاں
کہ انی عبدہٗ گوید بجائے قول سبحانی!"

مجھے نہ پہنچتا۔ میں اس کے سوا کیا ہوں کہ ماننے والوں کے لئے خبردار کر دینے والا اور بشارت دینے والا ہوں"۔

وہی (تمہارا پروردگار) ہے جس نے اکیلی جان سے تمہیں پیدا کیا (یعنی تمہارے قبیلوں اور گروہوں کا مورث اعلیٰ ایک فردِ واحد تھا) اور اس کی جنس سے اس کا جوڑا بنا دیا (یعنی مرد ہی کی نسل سے عورت بھی پیدا ہوتی ہے) تاکہ وہ اس کی رفاقت میں چین پائے۔ پھر جب ایسا ہوتا ہے کہ مرد عورت کی طرف ملتفت[1] ہوا تو عورت کو حمل رہ جاتا ہے۔ پہلے حمل کا بوجھ ہلکا ہوتا ہے اور وہ وقت گذار دیتی ہے۔ پھر جب بوجھل ہو جاتی ہے (اور وضع حمل کا وقت قریب آ لگتا ہے) تو مرد اور عورت دونوں اللہ کے حضور دعا مانگتے ہیں کہ اُن کا پروردگار انہیں ایک تندرست بچہ عطا فرما دے"۔

۱۸۹

(۳۵) آیت ۱۸۹ میں مشرکوں کی یہ گمراہی واضح کی ہے کہ اپنی احتیاجوں اور مصیبتوں میں خدا سے التجا نہیں کرتے ہیں، لیکن جب مطلب حاصل ہو جاتا ہے تو اسے ان آستانوں اور معبودوں کی بخشش سمجھنے لگتے ہیں جو انہوں نے ٹھہرا رکھے ہیں۔

چنانچہ مشرکین عرب مصیبتوں میں خدا ہی کو پکارتے تھے۔ لیکن جب مصیبت ٹل جاتی ہے تو اپنے بنائے ہوئے آستانوں پر نذریں چڑھاتے اور اپنی اولاد کو ان کی طرف منسوب کرتے، اور کہتے، یہ انہی کی بخشش ہے کہ ہمیں اولاد ملی۔

۱۹۰

پھر جب خدا نے انہیں ایک تندرست فرزند دے دیا، تو جو چیز خدا نے دی اس میں دوسری ہستیوں کو شریک ٹھیرانے لگے۔ سو (یاد رکھو) یہ لوگ جیسی کچھ شرک کی باتیں کرتے ہیں۔ اس سے اللہ کی ذات بہت بلند ہے!

یہ لوگ خدا کے ساتھ کن ہستیوں کو شریک ٹھیراتے ہیں؟ ایسوں کو، جو کوئی چیز پیدا نہیں کر سکتے، اور

[1] غشاھا کے معنی یہ ہیں جب وہ لپٹ لیتا ہے اور یہ عربی میں مباشرت کے لئے کنایہ ہے جو ہم نے اردو میں ملتفت ہونے سے ادا کیا ہے

لَا يُقْصِرُونَ ۝ وَإِذَا لَمْ تَأْتِهِم بِآيَةٍ قَالُوا لَوْلَا اجْتَبَيْتَهَا ۚ قُلْ إِنَّمَا أَتَّبِعُ مَا يُوحَىٰ إِلَيَّ ۝ ۲۰۲
مِن رَّبِّي ۚ هَٰذَا بَصَائِرُ مِن رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ۝ وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ ۝ ۲۰۳
فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنصِتُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ۝ وَاذْكُر رَّبَّكَ فِي نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَخِيفَةً وَدُونَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَالْآصَالِ وَلَا تَكُن مِّنَ الْغَافِلِينَ ۝ ۲۰۴ ۲۰۵
إِنَّ الَّذِينَ عِندَ رَبِّكَ لَا يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِهِ وَيُسَبِّحُونَهُ وَلَهُ يَسْجُدُونَ ۝ ۲۰۶

(۵) کلام الٰہی کا جی لگا کر سننا، وساوس وخطرات کے اثرات دور کر دیتا ہے۔

آیت (۱۹۹) مہمات اصول میں سے ہے۔ چند لفظوں کے اندر زندگی کی اخلاقی مشکلات کا پورا حل اور فضیلت و کامرانی کے تمام طریقے واضح کر دیئے۔ خذ بالعفو امر بالمعروف، اعراض عن الجاہلین یعنی نیکیوں کی ناکبھی بخشندہ ہی، جاہلوں کے پیچھے نہ پڑنا، اور نیکی کی دعوت میں سرگرم رہنا۔ سرسری نظر میں پتہ نہیں لگے گا۔ اچھی طرح اور بار بار غور کرو۔ انفرادی اور جماعتی زندگی کا کونسا گوشہ ہے جس کی ساری عملی مشکلات ان تین اصولوں سے حل نہیں ہو جاتیں؟۔

(۳۸) آیت (۱۹۸) میں فرمایا حقیقت یہ ہے کہ تجھے دیکھتے نہیں کیونکہ اگر دیکھتے تو کبھی انکار نہ کرتے۔ سوا ایک دیکھا سلمان فارسی کا تھا جو پہلی ہی نگاہ میں پکار اٹھا واللہ ما ھذا بوجہ کذاب! خدا کی قسم یہ صورت جھوٹے آدمی کی نہیں ہو سکتی۔ اور ایک دیکھا ابوجہل کا تھا کہ مالھذا الرسول یاکل الطعام و یمشی فی الاسواق!

اس میں ذرا بھی کمی نہیں کرتے۔ ۲۰۲

اور (اے پیغمبر!) جب ایسا ہوتا ہے کہ تم ان کے پاس کوئی نشانی لے کر نہ جاؤ (جیسی نشانیوں کی وہ فرمائشیں کیا کرتے ہیں) تو کہتے ہیں "کیوں کوئی نشانی پسند کر کے نہ چن لی" (یعنی کیوں اپنے جی سے نہ بنالی) تم کہہ دو "حقیقت حال اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ جو کچھ میرے پروردگار کی طرف سے مجھ پر وحی کی جاتی ہے، اس کی پیروی کرتا ہوں۔ میرے ارادے اور پسند کو اس میں کیا دخل؟" یہ (قرآن) تمہارے پروردگار کی طرف سے سرمایہ دلائل ہے اور ان سب کے لئے جو یقین رکھنے والے ہیں ہدایت، اور رحمت! ۲۰۳

اور (مسلمانو!) جب قرآن پڑھا جائے، تو جی لگا کر سنو اور چپ رہو، تاکہ اللہ کی مہربانی کے مستحق ثابت ہو۔ ۲۰۴

اور (اے پیغمبر!) اپنے پروردگار کو صبح و شام یاد کیا کر۔ دل میں عجز و نیاز کے ساتھ، ڈرتے ہوئے اور زبان سے بھی آہستہ آہستہ بغیر چلائے۔ اور ایسا نہ کرنا کہ غافلوں میں سے ہو جاؤ۔ ۲۰۵

جو اللہ کے حضور (مقرب) ہیں، وہ کبھی بڑائی میں آکر اس کی بندگی سے نہیں جھجکتے۔ وہ اس کی پاکی و ثنا میں زمزمہ سنج رہتے ہیں، اور اسی کے آگے سربسجود ہوتے ہیں! ۲۰۶

۱۹۷ وَالَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ نَصْرَكُمْ وَلَآ اَنْفُسَهُمْ يَنْصُرُوْنَ ۝ وَاِنْ تَدْعُوْهُمْ
۱۹۸ اِلَى الْهُدٰى لَا يَسْمَعُوْا ۭ وَتَرٰىهُمْ يَنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ وَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ ۝ خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ
۱۹۹ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ ۝ وَاِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ۭ اِنَّهٗ سَمِيْعٌ
۲۰۰ عَلِيْمٌ ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا اِذَا مَسَّهُمْ طٰۗىِٕفٌ مِّنَ الشَّيْطٰنِ تَذَكَّرُوْا فَاِذَا هُمْ مُّبْصِرُوْنَ ۝
وَاِخْوَانُهُمْ يَمُدُّوْنَهُمْ فِي الْغَيِّ ثُمَّ

یقینی ہے مخالفت جاہلیتیں جس قدر اپنی سرگرمی میں بڑھتی جائینگی، اتنا ہی زیادہ ان کی تباہی کا وقت قریب آتا جائے گا۔

۱۹۷ اب سورت کی تمام مواعظ پر دوبارہ نظر ڈالو اور دیکھو، کس طرح سورت کی ابتدا ہوئی، کس طرح سلسلۂ بیان کھلتا اور پھیلتا گیا اور کس طرح خبر حق کے تمام جہات و مقاصد اس پھیلاؤ میں سمٹ آئے، پھر کس طرح مرکز بیان برابر ایک ہی رہا، اور اب اسی پر خاتمہ ہو رہا ہے!

چنانچہ یہاں واضح فرمایا کہ:-

۱۹۸ (ا) مشرکین مکہ دعوتِ حق کے خلاف کتنی ہی تدبیریں کریں کامیاب ہونے والی نہیں۔ کیونکہ اس مقابلہ میں حق تمہارے ساتھ ہے۔ ان کے ساتھ نہیں۔

۱۹۹ (ب) جو لوگ نصب اور ضد میں کھوئے گئے وہ کبھی ماننے والے نہیں۔

(ج) تمہارا طریق کار یہ ہونا چاہیے کہ ہر حال میں نرمی اور درگذر کا شیوہ ملحوظ رکھو، اور نیکی کی دعوت دیتے رہے۔ مگر جاہلوں کی طرف متوجہ نہ ہو۔

۲۰۰ (د) اگر مخالفوں کے عناد نامواقف حالات کے ہجوم اور اپنی بیچارگی و بے نوائی کے تصور سے نامانوس کن خیالات پیدا ہونے لگیں، تو سمجھ جاؤ، یہ شیطانی وسوسہ ہے، اور اللہ کی یاد سے اس کا علاج کرو۔

وساوس و خطرات سب کو گذرتے ہیں مگر جو لوگ متقی ہیں ان کا ضمیر ایسا بیدار ہو جاتا ہے کہ جونہی کوئی وسوسہ گزرا سنبھل اٹھتے اور راستی و نیکی کی روشنی نمودار ہو گئی۔ مگر جو لوگ ایمان و تقوی سے محروم ہیں وہ اپنے آپ کو وساوس کے ہاتھوں چھوڑ دیتے ہیں۔ جدھر لیجائیں اور جہاں تک لیجائیں کھنچتے چلے جائیں گے۔

۲۰۱

تم اللہ کے سوا جنہیں پکارتے ہو، یاد رکھو وہ نہ تو تمہاری مدد کرنے کی قدرت رکھتے ہیں نہ خود اپنی ہی مدد پر قادر ہیں۔

(اے پیغمبر) اگر تم ان لوگوں کو سیدھے رستے بلاؤ، تو کبھی تمہاری پکار نہ سنیں تمہیں ایسا دکھائی دیتا ہے کہ تمہاری طرف تک رہے ہیں، حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ دیکھتے نہیں۔

(بہرحال) نرمی و درگذر سے کام لو، نیکی کا حکم دو، جاہلوں کی طرف متوجہ نہ ہو۔ اور اگر ایسا ہو کہ شیطان کی طرف سے وسوسہ کی کوئی خلش محسوس ہو تو اللہ کی طرف متوجہ ہو جاؤ اور اس سے پناہ طلب کرو۔ بلاشبہ وہ سننے والا جاننے والا ہے[1]۔

جو لوگ متقی ہیں، اگر انہیں شیطان کی وسوسہ اندازی سے کوئی خیال چھو بھی جاتا ہے تو فوراً چونک اٹھتے ہیں اور پھر (پردۂ غفلت اس طرح ہٹ جاتا ہے گویا) اچانک ان کی آنکھیں کھل گئیں!

مگر جو لوگ شیطانوں کے بھائی بند ہیں تو انہیں وہ گمراہی میں کھینچے لیے جاتے ہیں اور پھر

[1] قرآن کا یہ عام اسلوب بیان یاد رہے کہ خطاب پیغمبر سے ہوتا ہے اور مقصود اس کے پیرو ہوتے ہیں چنانچہ بعد کی آیات نے واضح کر دی ہے۔

عِنْدَ رَبِّهِمْ وَمَغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ۝ كَمَآ اَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْۢ بَيْتِكَ بِالْحَقِّ ۖ وَاِنَّ فَرِيْقًا ۴
مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ لَكٰرِهُوْنَ ۝ يُجَادِلُوْنَكَ فِي الْحَقِّ بَعْدَمَا تَبَيَّنَ كَاَنَّمَا يُسَاقُوْنَ اِلَى الْمَوْتِ ۵
وَهُمْ يَنْظُرُوْنَ ۝ وَاِذْ يَعِدُكُمُ اللّٰهُ اِحْدَى الطَّآئِفَتَيْنِ اَنَّهَا لَكُمْ وَتَوَدُّوْنَ اَنَّ غَيْرَ ذَاتِ ۶
الشَّوْكَةِ تَكُوْنُ لَكُمْ وَيُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّحِقَّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَيَقْطَعَ دَابِرَ الْكٰفِرِيْنَ ۝ لِيُحِقَّ ۷
الْحَقَّ وَيُبْطِلَ الْبَاطِلَ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ ۝ اِذْ ۸

چونکہ لڑائی کی حالت پیش آگئی تھی، اس لئے اس کے ضروری احکام بیان کر دئے گئے۔ اس سورت میں اور اس کے بعد کی سورت میں تذکیر و موعظت کا مرکز یہی حالت ہے۔

(۲) مال غنیمت جو لڑائی میں ہاتھ آئے، وہ اللہ اور اس کے رسول کا ہے یعنی یہ بات نہیں ہونی چاہئے کہ جو جس کے ہاتھ پڑ گیا وہ اسی کا ہو گیا۔ بلکہ سب کچھ امام کے سامنے پیش کرنا چاہئے وہ اسے جماعت میں تقسیم کرے گا۔

(۳) امن کی حالت ہو یا لڑائی کی، لیکن مسلمانوں کو باہمد گر صلح و صفائی کے ساتھ رہنا چاہئے۔

(۴) ہر حال میں تقوی اور اطاعت ان کا نصب العین ہو کر بغیر اس کے کامیابی ممکن نہیں۔

(۵) سچا مومن وہ ہے جس کی روح خدا پرستی سے معمور رہتی ہے جس کا ایمان گھٹنے کی جگہ برابر بڑھتا رہتا ہے جو نماز قائم رکھتا اور خدا کی راہ میں خرچ کرنے سے کبھی نہیں رکتا۔

(۶) یہ آیت اس باب میں قاطع ہے کہ قرآن کے نزدیک ایمان کی ہر حالت یکساں نہیں۔ وہ گھٹتا بھی ہے اور بڑھتا بھی ہے نفس تصدیق کے لحاظ سے سب برابر ہیں کیفیت و یقین میں تفاوت ہے۔

اور بڑی خوبی و عزت کی روزی۔ ۴

(اس معاملہ کو بھی ویسا ہی سمجھ) جس طرح (جنگ بدر میں) یہ بات ہوئی تھی کہ تیرے پروردگار نے سچائی کے ساتھ تجھے تیرے گھر سے باہر نکالا تھا۔ اور یہ واقعہ ہے کہ مومنوں کا ایک گروہ اس بات سے ناخوش تھا۔ ۵

وہ تجھ سے امر حق میں جھگڑنے لگے باوجودیکہ معاملہ واضح ہو چکا تھا۔ (وہ باہر نکل کر مقابل ہونے سے اس درجہ ناخوش تھے) گویا انہیں زبردستی موت کے منہ میں دھکیلا جا رہا ہے اور وہ (اپنی موت اپنی آنکھوں سے) دیکھ رہے ہیں! ۶

اور (مسلمانو!) جب ایسا ہوا تھا کہ اللہ نے تم سے وعدہ فرمایا تھا۔ (دشمنوں کی) دو جماعتوں میں سے کوئی ایک تمہارے ہاتھ ضرور آئے گی۔ اور تمہارا حال یہ تھا کہ چاہتے تھے جس جماعت میں لڑائی کی طاقت نہیں (یعنی قافلہ والی) وہ ہاتھ آجائے، اور (خدا کا چاہنا دوسرا تھا) خدا چاہتا تھا، اپنے وعدہ کے ذریعہ حق کو ثابت کر دے اور دشمنان حق کی جڑ بنیاد یں کاٹ کر رکھ دے! ۷

(اور) اسلئے، تاکہ حق کو حق کر کے دکھلائے اور باطل کو باطل کر کے اگرچہ (ظلم و فساد کے) مجرم ایسا ہونا پسند نہ کریں۔

(۷) عرب جاہلیت میں دستور تھا کہ لڑائی میں جو مال جس کے ہاتھ جب ایسا ہوا تھا کہ (جنگ بدر کے موقعہ پر)

اَلْاَنْفَال (۸)

مدنی - ۷۵ - آیتیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ ۭ قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَصْلِحُوْا ذَاتَ بَيْنِكُمْ ۠ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗٓ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ○ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ ۱
قُلُوْبُهُمْ وَاِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّعَلٰي رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ۝ الَّذِيْنَ ۲
يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ○ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ۭ لَهُمْ دَرَجٰتٌ ۳

(۱) مکہ میں جب پیغمبر اسلام کی دعوت کا ظہور ہوا تو قدرتی طور پر دو گروہ پیدا ہو گئے۔ ایک ان لوگوں کا تھا جنہوں نے یہ دعوت قبول کی۔ دوسرا تمام قوم اور اس کے سرداروں کا جو اس کے مخالف تھے۔ غور کرو، دونوں میں بنا نزاع کیا تھی؟ پیروانِ دعوت حق کہتے تھے انہیں حق ہے کہ جس بات کو درست سمجھیں اختیار کریں۔ مخالف کہتے تھے انہیں یہ حق حاصل نہیں یعنی وہ انسان کے اعتقاد و ضمیر کی آزادی تسلیم نہیں کرتے تھے۔ وہ چاہتے تھے بزورِ شمشیر مسلمانوں کو ان کے اعتقاد سے پھرا دیں۔ ۱

پیغمبر اسلام نے تیرہ برس تک ہر طرح کے مظالم برداشت کیے آخر جب مکہ میں زندہ رہنا دشوار ہو گیا، تو مدینہ چلے آئے۔ لیکن قریش مکہ نے یہاں بھی چین سے بیٹھنے نہ دیا۔ پے در پے حملے شروع کر دیے۔

اب پیغمبر اسلام کے سامنے تین راہیں تھیں:

(ا) جس بات کو حق سمجھتے ہیں اس سے دست بردار ہو جائیں۔

(ب) اس پر قائم رہیں مگر مسلمانوں کو قتل ہونے دیں۔ ۲

(ج) ظلم و تشدد کا مردانہ وار مقابلہ کریں اور نتیجہ خدا کے ہاتھ چھوڑ دیں۔

انہوں نے تیسری راہ اختیار کی اور نتیجہ وہی نکلا جو ہمیشہ نکل چکا ہے یعنی حق فتح مند ہوا، اور ظالموں کا ہمیشہ کے لیے خاتمہ ہو گیا۔ ۳

قرآن نے جس لڑائی کو جائز رکھا، اس کی اصلیت اس سے زیادہ کچھ نہیں۔

(اے پیغمبر!) لوگ تم سے پوچھتے ہیں، مالِ غنیمت کے بارے میں کیا ہونا چاہئے؟ کہدو مالِ غنیمت دراصل اللہ اور اس کے رسول کا ہے پس اگر تم مومن ہو، تو چاہئے کہ (اس کی وجہ سے آپس میں جھگڑا نہ کرو) اللہ سے ڈرو، اپنا باہمی معاملہ درست رکھو، اور اس کی اور اس کے رسول کی اطاعت میں سرگرم ہو جاؤ۔

مومنوں کی شان تو یہ ہے کہ جب اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے دل دہل جاتے ہیں، اور جب اس کی آیتیں پڑھ کر سنائی جاتی ہیں، تو ان کے ایمان کو اور زیادہ کر دیتی ہیں، اور وہ ہر حال میں اپنے پروردگار پر بھروسہ رکھتے ہیں!

جو نماز قائم کرتے ہیں، اور ہم نے جو کچھ دے رکھا ہے اس میں سے (ایک حصہ ہماری راہ میں بھی) خرچ کرتے ہیں۔

بلاشبہ ایسے ہی لوگ حقیقی مومن ہیں۔ ان کے لیے ان کے پروردگار کے یہاں مرتبے ہیں، اور بخشش،

فَثَبِّتُوا الَّذِينَ آمَنُوا ۚ سَأُلْقِي فِي قُلُوبِ الَّذِينَ كَفَرُوا الرُّعْبَ فَاضْرِبُوا فَوْقَ الْأَعْنَاقِ
وَاضْرِبُوا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ ۝ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ شَاقُّوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ ۚ وَمَن يُشَاقِقِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ ۱۲
فَإِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ۝ ذَٰلِكُمْ فَذُوقُوهُ وَأَنَّ لِلْكَافِرِينَ عَذَابَ النَّارِ ۝ يَا أَيُّهَا ۱۳ ۱۴
الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا لَقِيتُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا زَحْفًا فَلَا تُوَلُّوهُمُ الْأَدْبَارَ ۝ وَمَن يُوَلِّهِمْ ۱۵
يَوْمَئِذٍ دُبُرَهُ إِلَّا مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ أَوْ مُتَحَيِّزًا إِلَىٰ فِئَةٍ فَقَدْ بَاءَ بِغَضَبٍ مِّنَ اللَّهِ وَمَأْوَاهُ جَهَنَّمُ

گمراہ غیر اسلام نے لوگوں کے ان خیالات کی کچھ پروا نہ کی اور حملہ آوروں کے مقابلہ کا فیصلہ کر لیا نتیجہ یہ نکلا کہ تین سو تیرہ بے نواؤں نے رؤسائے مکہ کے پورے لشکر کو شکست دیدی!

آیت (۷) میں "غیر ذات الشوکۃ" سے قافلہ والی جماعت مراد ہے آیت (۹) میں اس طرف اشارہ ہے کہ اگرچہ ایک بڑی تعداد نے پیغمبر اسلام کا فیصلہ مان لیا تھا مگر دل میں سخت ہراساں تھا۔ نکلا تو اس طرح ڈرتا ہوا نکلا گویا موت کے منہ میں ٹھیلا جا رہا ہے

(۹) آیت (۱۰) سے واضح ہو گیا کہ فرشتوں والی بات صرف اس لئے تھی کہ کمزور مسلمانوں کے دل قرار پا جائیں یہ بیان نہ تھی کہ لڑائی لڑنے میں اُسے کچھ دخل ہو۔ چنانچہ محققین تفسیر بہت اسی طرف گئے ہیں کہ فرشتوں کا نازل ہونا مسلمانوں کے دلوں کو مضبوط رکھنے کے لئے ہوا تھا۔ لڑائی میں ان کی شرکت ثابت نہیں نہ اس کی کوئی ضرورت پیش آئی تھی۔ اور آیت (۱۲) میں "معاضروا" کا خطاب مسلمانوں سے ہے نہ کہ فرشتوں سے

مسلمانوں کے دلوں کو تھامے رکھنے کے لئے جو فرشتوں کا نزول ہوا، اس کی حقیقت کیا تھی؟ تو یہ معاملہ بھی عالم غیب کے حقائق سے تعلق رکھتا ہے۔ ہم اپنے حس و ادراک سے اس کی حقیقت معلوم نہیں کر سکتے۔

(۱۰) بدر کی لڑائی میں مسلمانوں کی حالت بڑی ہی بے بسی اور کمزوری کی تھی۔ کل تین سو تیرہ آدمی لڑنے کے قابل تھے اور ان کا بھی یہ حال تھا کہ ایک آدمی کے سوا کسی کے پاس گھوڑا نہ تھا۔ پس قدرتی طور پر لوگ ہراساں ہوئے اور جو دل کے کچے تھے انہیں طرح طرح کے وسوسے ستانے لگے۔ پھر بڑی مصیبت یہ ہوئی کہ پانی کی جگہ ایک ہی تھی۔ اس پر دشمن قابض ہو گیا۔ علاوہ بریں زمین ریتلی تھی۔ پاؤں دھنس دھنس جاتے تھے۔ دشمن سوار تھے ان کا کچھ نہ بگڑتا۔ مسلمان پیدل تھے ان کے پاؤں نہ جمتے

(یعنی میری مدد تمہارے ساتھ ہے) پس مومنوں کو استوار رکھو۔ عنقریب ایسا ہو گا کہ میں کافروں کے دلوں میں (مومنوں کی) دہشت ڈال دوں گا۔ سو (مسلمانو!) ان کی گردنوں پر ضرب لگاؤ! ان کے ہاتھ پاؤں کی ایک ایک انگلی پر ضرب لگاؤ! ۱۲

اور یہ اس لئے کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کی، اور جو اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرے گا، تو یاد رکھو، اللہ (بدلہ دینے میں) سخت سزا دینے والا ہے! ۱۳

(اے اعداء حق!) یہ ہے سزا تمہارے لئے، تو اس کا مزہ چکھ لو! اور جان رکھو، منکرین حق کو آتش دوزخ کا عذاب بھی پیش آنے والا ہے! ۱۴

مسلمانو! جب کافروں کے لشکر سے تمہاری مٹھ بھیڑ ہو جائے (یعنی وہ تم پر ہجوم کر کے چڑھ دوڑیں اور تم مقابل ہو) تو انہیں پیٹھ نہ دکھاؤ۔ (سینہ سپر ہو کر مقابلہ کرو) اور جو کوئی ایسے موقعہ پر پیٹھ دکھلائے گا۔ تو سمجھ لو، وہ خدا کے غضب میں آ گیا، اور اس کا ٹھکانا دوزخ ہوا (اور جس کا ٹھکانا دوزخ ہوا، تو) اس کے پہنچنے کی جگہ ۱۵

تَسْتَغِيثُونَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ أَنِّي مُمِدُّكُمْ بِأَلْفٍ مِّنَ الْمَلَائِكَةِ مُرْدِفِينَ ۝ وَمَا
جَعَلَهُ اللَّهُ إِلَّا بُشْرَىٰ وَلِتَطْمَئِنَّ بِهِ قُلُوبُكُمْ ۚ وَمَا النَّصْرُ إِلَّا مِنْ عِنْدِ اللَّهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ
حَكِيمٌ ۝ إِذْ يُغَشِّيكُمُ النُّعَاسَ أَمَنَةً مِّنْهُ وَيُنَزِّلُ عَلَيْكُم مِّنَ السَّمَاءِ مَاءً لِّيُطَهِّرَكُم
بِهِ وَيُذْهِبَ عَنكُمْ رِجْزَ الشَّيْطَانِ وَلِيَرْبِطَ عَلَىٰ قُلُوبِكُمْ وَيُثَبِّتَ بِهِ الْأَقْدَامَ ۝ إِذْ
يُوحِي رَبُّكَ إِلَى الْمَلَائِكَةِ أَنِّي مَعَكُمْ

۹ ع ۱۰ ۱۱

مگ جائے، وہ ای کا سمجھا جاتا تھا۔ رومیوں میں بھی ایسا ہی دستور تھا، اور آج کل بھی یورپ کی تمام قوموں میں ایسا ہی قانون رائج ہے جس شہر یا قلعہ کو فوج حملہ کر کے فتح کر لیتی ہے، ایک خاص مدت تک اسے لوٹنے کا اسے حق ہوتا ہے۔ چنانچہ ہندوستان میں انگریزی فوج نے سرنگاپٹم، بھرت پور، اور حیدرآباد سندھ کو بے دریغ لوٹا، اور غدر ۱۸۵۷ء میں جب دہلی فتح ہوئی، تو سات دن تک فوجیوں کو لوٹ مار کی اجازت دیدی گئی تھی۔ لیکن قرآن نے یہ حکم دے کر کہ مال غنیمت جو کچھ بھی ہاتھ آئے، حکومت (یعنی اسٹیٹ) کا ہے، نہ کہ لوٹنے والوں کا سپاہیوں کی ذاتی طمع و حرص کے ابھرنے کی راہ روک دی

۹ چونکہ یہ ہی قسم کی سختی تھی اس لئے ناگوار تھا کہ لوگوں پر شاق گزرے، پس پہلے تقویٰ اور اطاعت کی تلقین کی پھر پچھلے مومنوں کی شان بتلائی، پھر آیت (۵) میں فرمایا، اس معاملہ کو بھی ویسا ہی معاملہ سمجھو جیسا جنگ بدر میں پیش آیا تھا۔

۱۰ لوگوں کی خواہش دوسری تھی۔ اللہ کے رسول کا فیصلہ دوسرا تھا لیکن بالآخر سب نے دیکھ لیا کہ حق بات وہی تھی جو اللہ کے رسول نے چاہی تھی۔

(۸) وہ معاملہ یہ تھا کہ ہجرت کے دوسرے سال جب روسائے مکہ نے مدینہ پر حملہ کیا، تو اسی زمانہ میں ان کا ایک تجارتی قافلہ بھی شام سے آ رہا تھا، اور مدینہ کے قرب و جوار سے ہو کر گزرنے والا تھا، پیغمبر اسلام نے وحی الٰہی سے مطلع ہو کر فرمایا ایک گروہ مکہ سے آ رہا ہے۔ دوسرا قافلہ ہے۔ ان دو میں سے کسی ایک سے ضرور جنگ ہوگی اور تم کامیاب ہوگے چونکہ قافلہ کے ساتھ بہت تھوڑے آدمی تھے، اس لئے مسلمانوں کی خواہش تھی کہ اسی سے مقابلہ ہو، مکہ والی فوج سے نہ لڑیں کیونکہ خود بڑی ہی کمزوری اور بے سروسامانی کی حالت میں تھے۔

تم نے اپنے پروردگار سے فریاد کی تھی کہ ہماری مدد کر اور اس نے تمہاری فریاد سن لی تھی۔ اس نے کہا تھا "میں ایک ہزار فرشتوں سے کہ یکے بعد دیگرے آئیں گے، تمہاری مدد کروں گا"۔

اور اللہ نے یہ بات جو کی تو اس کا مقصد اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ تمہارے لئے خوش خبری ہو، اور تمہارے (مضطرب دل) قرار پا جائیں۔ ورنہ مدد تو (ہر حال میں) اللہ ہی کی طرف سے ہے۔ بلاشبہ وہ سب پر غالب آنے والا (اپنے تمام کاموں میں) حکمت رکھنے والا ہے!

جب ایسا ہوا تھا کہ اس نے چھا جانے والی غنودگی تم پر طاری کر دی تھی کہ یہ اس کی طرف سے تمہارے لئے تسکین و بے خوفی کا سامان تھا، اور آسمان سے تم پر پانی برسا دیا تھا کہ تمہیں پاک و صاف ہونے کا موقعہ دے دے اور تم سے شیطان (کے وسوسوں) کی ناپاکی دور کر دے۔ نیز تمہارے دلوں کی ڈھارس بندھ جائے، اور (ریتیلے میدانوں میں) قدم جما دے!

(اے پیغمبر!) یہ وہ وقت تھا کہ تیرے پروردگار نے فرشتوں پر وحی کی تھی، میں تمہارے ساتھ ہوں

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَوَلَّوْا عَنْهُ وَاَنْتُمْ تَسْمَعُوْنَ ۝ وَلَا تَكُوْنُوْا ۲۰
كَالَّذِيْنَ قَالُوْا سَمِعْنَا وَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ ۝ اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰهِ الصُّمُّ الْبُكْمُ الَّذِيْنَ ۲۱
لَا يَعْقِلُوْنَ ۝ وَلَوْ عَلِمَ اللّٰهُ فِيْهِمْ خَيْرًا لَّاَسْمَعَهُمْ وَلَوْ اَسْمَعَهُمْ لَتَوَلَّوْا وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ۝ ۲۲ ۲۳
يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيْكُمْ ۚ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ
اللّٰهَ يَحُوْلُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهٖ

تو تمہارے لئے بہتری کی بات یہی ہے اور اگر پھر یہی چال چلے، تو ہم بھی چلینگے۔ اور یاد رکھو، تمہارا جتھا تمہارے کچھ کام نہ آئے گا اگرچہ بہت سے آدمی اکٹھے کر لو۔ یقین کرو، اللہ ایمان والوں کے ساتھ ہے ۱۹

مسلمانو! اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو۔ اس سے روگردانی نہ کرو، اور تم (صدائے حق) سن رہے ہو! ۲۰

اور دیکھو، ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ، جنہوں نے (زبان سے) کہا تھا "ہم نے سنا" اور واقعہ یہ تھا کہ وہ سنتے نہ تھے! ۲۱

یقیناً اللہ کے نزدیک سب سے بدتر حیوان وہ (انسان) ہیں جو بہرے گونگے ہو گئے، جو کچھ سمجھتے نہیں! ۲۲

اور اگر اللہ دیکھتا کہ ان میں کچھ بھی بھلائی ہے (یعنی ان میں فہم و قبولِ حق کی کچھ بھی استعداد باقی ہے) تو ضرور انہیں سنوا دیتا، اور اگر وہ انہیں سنوائے (حالانکہ وہ جانتا ہے کہ قبولیت کی استعداد کھو چکے ہیں) تو نتیجہ یہی نکلے گا کہ اس سے منہ پھیر لیں گے، اور وہ اس سے پھرے ہوئے ہیں ۲۳

مسلمانو! اللہ اور اس کے رسول کی پکار کا جواب دو، جب وہ پکارتا ہے تاکہ تمہیں (روحانی موت کی حالت سے نکالکر) زندہ کر دے، اور جان لو کہ (بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ) اللہ (اپنے ٹھہرائے ہوئے قوانین و اسباب کے ذریعہ) انسان اور اس کے دل کے درمیان حائل

نکلتا کہ بوئر کے پہنچنے سے پہلے ولنگٹن کو شکست ہو جاتی۔ واٹرلو میں اگر بارش نہ ہوئی ہوتی تو یورپ کا سیاسی نقشہ بدل جاتا، لیکن اگر بدر میں نہ ہوئی ہوتی تو کیا ہوتا؟ تمام کرۂ ارضی کی ہدایت و سعادت کا نقشہ الٹ جاتا۔ اسی طرف پیغمبر اسلام نے اپنی دعا میں اشارہ کیا تھا: اللّٰھم ان تھلك ھذہ العصابۃ فلا تعبد فی الارض: خدایا! اگر خدام حق کی یہ چھوٹی سی جماعت آج ہلاک ہو گئی تو کرۂ ارضی میں تیرا سچا عبادت گذار کوئی نہیں رہے گا۔

(۱۲) آیت (۱۵) سے جو اوپر گذر چکی ہے معلوم ہوا کہ اگر دشمن جمع ہو کر مسلمانوں پر چڑھ دوڑیں تو لڑائی سے بھاگنا مسلمانوں کے لئے سخت گناہ کی بات ہے اور اس کے لئے بڑی ہی سخت وعید آئی ہے لیکن اگر دشمنوں کی تعداد بہت زیادہ ہو تو پھر کیا کرنا چاہئے، اسی سورت کی آیت (۶۶) سے معلوم ہوا کہ میدان جنگ میں ایک مسلمان کو کم از کم دو دشمنوں پر بھاری ہونا چاہئے۔

وَبِئْسَ الْمَصِيرُ ○ فَلَمْ تَقْتُلُوهُمْ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ قَتَلَهُمْ ۖ وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ رَمَىٰ ۚ ۱۶
وَلِيُبْلِيَ الْمُؤْمِنِينَ مِنْهُ بَلَاءً حَسَنًا ۚ إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ○ ذَٰلِكُمْ وَأَنَّ اللَّهَ مُوهِنُ ۱۷
كَيْدِ الْكَافِرِينَ ○ إِنْ تَسْتَفْتِحُوا فَقَدْ جَاءَكُمُ الْفَتْحُ ۖ وَإِنْ تَنْتَهُوا فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۖ وَإِنْ ۱۸
تَعُودُوا نَعُدْ ۚ وَلَنْ تُغْنِيَ عَنْكُمْ فِئَتُكُمْ شَيْئًا وَلَوْ كَثُرَتْ ۙ وَأَنَّ اللَّهَ مَعَ الْمُؤْمِنِينَ ○ ع ۱۹

آیت (۱۱) میں فرمایا۔ غور کرو۔ خدا کی کارسازی نے کس طرح یہ ساری مشکلیں حل کر دیں؟ اس نے دلوں کو چین دینے کے لئے تم سب پر نیند غالب کر دی، اٹھے تو دل کا سارا خوف و ہراس دور ہو چکا تھا۔ چنانچہ حضرت علیؓ فرماتے ہیں۔ بدر کی پہلی رات کوئی نہ تھا جو آرام سے سو نہ گیا ہو۔ ہاں آنحضرت رات بھر عبادت کرتے رہے (بیہقی فی الدلایل) اور معلوم ہے جس کے دل میں خوف و خطرہ ہو، وہ کبھی آرام سے سو نہیں سکتا۔ پس اس ۱۶
نیند کا طاری ہو جانا بے خوفی کا القاء تھا۔ پھر عین موقعہ پر بارش ہو گئی اور افراط کے ساتھ سب کو پانی میسر آ گیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ لوگ نہا دھو کر صاف ستھرے ہو گئے کوئی نہ تھا جو چست و چاق اور تازہ دم نہ ہو گیا ہو، بارش کی وجہ سے ریت بھی جم کر سخت ہو گئی۔ پاؤں کے دھنس دھنس جانے کا اندیشہ جاتا رہا۔ اپنی کامیابی کی طرف سے بے اعتمادی و مایوسی جو درحقیقت شیطانی وسوسے کی ناپاکی تھی اب کسی کے دل میں باقی نہیں رہی۔

آج کل فن جنگ میں جس بات پر سب سے زیادہ زور دیا جاتا ہے، وہ یہ ہے کہ سپاہیوں کی اسپرٹ یعنی معنوی قوی درست رکھے جائیں۔ یہاں اسی حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے۔ صرف اس بات نے کہ پانی کی ضرورت باقی نہیں رہی ۱۷
ریت میں دھنسنے کا خطرہ جاتا رہا، اور نہا دھو لینے کی وجہ سے جسم میں تازگی آ گئی، لوگوں کے اندر جس درجہ خود اعتمادی اور سرگرمی پیدا کر دی ہو گی، اس کا اندازہ صرف اہل نظر ہی کر سکتے ہیں۔

بعض اوقات قدرتی حوادث کا ایک معمولی سا واقعہ بھی فتح و شکست کا فیصلہ کر دیتا ہے۔ جنگ واٹرلو کے تمام مورخین متفق ہیں کہ اگر ۱۷۔ اور ۱۸۔ جون ۱۸۱۵ء کی درمیانی رات میں بارش نہ ہوتی، تو یورپ کا نقشہ بدل گیا ہوتا کیونکہ اس صورت میں نپولین کو زمین خشک ہونے کا بارہ بجے تک انتظار نہ کرنا پڑتا۔ سویرا ہی لڑائی شروع کر دیتا نتیجہ یہ ۱۸

کیا ہی بری جگہ ہے! مگر (ہاں) جو کوئی لڑائی کی مصلحت سے ہٹ جائے، یا (اپنے گروہوں میں سے) کسی گروہ کے پاس جگہ لینی چاہئے (اور اس لئے ایک جگہ سے ہٹ کر دوسری جگہ جائے تو اس کا مضائقہ نہیں)

پھر کیا تم نے انہیں (جنگ میں) قتل کیا؟ نہیں خدا نے (یعنی محض اس کی تائید سے ایسا ہوا) اور (اے پیغمبر!) جب تم نے (میدانِ جنگ میں مٹھی بھر کر خاک) پھینکی، تو حقیقت یہ ہے کہ تم نے نہیں پھینکی تھی، خدا نے پھینکی تھی، اور یہ اس لئے ہوا تھا، تاکہ اس کے ذریعہ ایمان والوں کو ایک بہتر آزمائش میں ڈال کر آزمائے۔ بلاشبہ اللہ سننے والا، علم رکھنے والا ہے!

یہ سب تو ہو چکا۔ اب سن رکھو کہ اللہ کافروں کی مخفی تدبیروں کو (جو وہ دعوت حق کے مٹانے کے لئے کر رہے ہیں) کمزور کر دینے والا ہے!

اے (قوم سارا مکہ) اگر تم فتح مندی کے ظہور کے طلبگار تھے، تو دیکھ لو، فتح مندی تمہارے سامنے آ گئی (یعنی جنگ بدر کے نتیجہ نے ہار جیت کا فیصلہ آشکارا کر دیا) اور اگر (آئندہ لڑائی سے) باز آ جاؤ

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًا وَّيُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۭ
وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ۝ وَاِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِيُثْبِتُوْكَ اَوْ ۲۹
يَقْتُلُوْكَ اَوْ يُخْرِجُوْكَ ۭ وَيَمْكُرُوْنَ وَيَمْكُرُ اللّٰهُ ۭ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ ۝ وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا قَالُوْا ۳۰
قَدْ سَمِعْنَا لَوْ نَشَاۗءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هٰذَآ ۙ اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ۝ وَاِذْ قَالُوا ۳۱
اللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ

(۱۵) آیت (۲۱) میں اہل کتاب کی طرف اشارہ ہے کہ قرات دانہیں سنتے تھے، مگر حقیقت نہیں سنتے تھے، کیونکہ اگر سمجھ کر سنتے تو عمل کرتے۔

افسوس مسلمانوں کا بھی قرآن سننا ویسا ہی سننا ہو گیا۔ وہ سمجھتے ہیں جن حرفوں کی آوازوں سے قرآن کے الفاظ بنے ہیں انہیں کسی نہ کسی طرح کان میں ڈال لینا، سماعت قرآن ہے اس سے زیادہ کسی بات کی ضرورت نہیں۔

(۱۶) آیت (۲۲) سے جلد نہ گزر جاؤ۔ یہ وہی بات ہے جو قرآن کے ہر صفحہ اور ہر بیان میں بار بار ندایاں ہوئی ہے یعنی اس کی دعوت سرتاسر تعقل و تفکر کی دعوت ہے جو انسان اپنے حواس و عقل سے کام نہیں لیتا، وہ اس کے نزدیک انسان نہیں بدترین چارپایہ ہے۔ نیز وہ فکر و عمل کی جس حالت کو کفر کی حالت قرار دیتا ہے، اس کا سرچشمہ یہی عقل و حواس کا تعطل ہے۔

(۱۷) آیت (۲۴) میں فرمایا، پیغمبر اسلام کی دعوت اس لئے ہے کہ تمہیں زندہ کر دے یعنی وہ انسانیت اعلیٰ کے انبعاث و قیام کی دعوت ہے۔ غور کرو اس دعوت نے وقت کی تمام مردہ جماعتوں کو کس طرح قبروں سے اٹھا کر زندگی کے میدانوں میں متحرک کر دیا تھا؟ اس سے بڑھ کر مردوں کو جلانا اور کیا ہوگا کہ عرب کے سارے بانوں میں ابوبکرؓ، عمرؓ، علیؓ، عائشہؓ، خالد ابن ولیدؓ، ابن العاصؓ (رضی اللہ عنہم) جیسے اکابر عالم پیدا ہو گئے، اور جو اس برس کے اندر کہ ارضی کی سب سے بڑی مہذب و اشرف قوم عرب کے وحشی تھے:

پھر فرمایا، یہ بات نہ بھولو کہ انسان کے افکار و افعال میں حکمت الٰہی کا ایک خاص قانون کام کر رہا ہے۔ ایسا اوقات اس کے ارادوں اور اس کے دل کے جذبوں اور انفعالوں کے درمیان اچانک کوئی غیر متوقع بات آ کر حائل ہو جاتی ہے اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ اچانک اچھائی سے برائی میں جا پڑتا ہے۔

مسلمانو! اگر تم اللہ سے ڈرتے رہو (اور اس کی نافرمانی سے بچو) تو وہ تمہارے لیے (حق و باطل میں) امتیاز کرنے والی ایک قوت پیدا کر دے گا اور تم سے تمہاری برائیاں دور کر دے گا اور بخشدے گا۔ ۲۹
اللہ تو بہت بڑا فضل کرنے والا ہے!

اور (اے پیغمبر!) وہ وقت یاد کرو جب (مکہ میں) کافر تیرے خلاف اپنی چھپی تدبیروں میں لگے تھے، تاکہ تجھے گرفتار کر رکھیں، یا قتل کر ڈالیں، یا جلاوطن کر دیں، اور وہ اپنی مخفی تدبیریں کر رہے تھے، اور اللہ اپنی مخفی تدبیریں کر رہا تھا۔ اور اللہ ۳۰
بہتر تدبیر کرنے والا ہے!

اور جب ان کے سامنے ہماری آیتیں پڑھی جاتی ہیں، تو کہتے ہیں "ہاں ہم نے سن لیا۔ اگر چاہیں تو ہم بھی اس طرح کی باتیں کہہ لیں" یہ اس کے سوا کیا ہے کہ جو پہلے گزر چکے، ان کی لکھی ہوئی ۳۱
داستانیں ہیں"۔

اور (اے پیغمبر!) جب ایسا ہوا تھا کہ (کفار مکہ نے کہا تھا) "خدایا! اگر یہ بات (یعنی پیغمبر اسلام کی دعوت) تیری جانب سے امر حق ہے، تو ہم پر

وَاَنَّهٗٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ۝ وَاتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِيْبَنَّ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَآصَّةً ۚ وَ ۲۴
اعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝ وَاذْكُرُوْٓا اِذْ اَنْتُمْ قَلِيْلٌ مُّسْتَضْعَفُوْنَ فِى الْاَرْضِ ۲۵
تَخَافُوْنَ اَنْ يَّتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ فَاٰوٰىكُمْ وَاَيَّدَكُمْ بِنَصْرِهٖ وَرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ لَعَلَّكُمْ ۲۶
تَشْكُرُوْنَ ۝ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ وَتَخُوْنُوْٓا اَمٰنٰتِكُمْ وَاَنْتُمْ ۲۷
تَعْلَمُوْنَ ۝ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ۝ ع ۳ ۲۸

پس اگر دشمن دوگنے سے بھی زیادہ ہوں اور مسلمان لڑنے میں مصلحت نہ سمجھیں، تو ایسا کر سکتے ہیں، لیکن اس صورت میں بھی عزیمت یہی ہوگی کہ خدا پر بھروسہ رکھیں اور لڑنے سے منہ نہ موڑیں۔

اس حکم کو خاص جنگ بدر کے لئے سمجھنا صحیح نہیں ہو سکتا کیونکہ اعتبار عموم لفظ کا ہے نہ کہ خصوص سبب کا، اور آیت میں "یومئذ" سے مراد لڑائی کا وقت ہے نہ کہ جنگ بدر کا دن

(۱۳) آیت (۱۸) میں فرمایا۔ میدان جنگ کا فیصلہ تو ہو چکا، اب رہیں دشمنوں کی خفیہ تدبیریں، تو وہ بھی سست پڑ جائیں گی چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ بدر کے بعد قریش مکہ کی کوئی تدبیر بھی ان کے لئے سود مند نہ ہوئی۔ ۲۵

(۱۴) کفار مکہ کہا کرتے تھے۔ اگر خدا تمہیں فتح مند کرنے والا ہے تو وہ فتحمندی کہاں ہے؟ خود جنگ بدر میں ابوجہل نے دعا مانگی تھی۔ خدایا! دونوں میں سے جو دین تجھے زیادہ پسند ہو، اس کے ماننے والوں کو فتحمند کر۔ پس آیت (۱۹) میں فرمایا اگر اسی بات کے طلبگار تھے تو وہ ظہور میں آ گئی، اور اہل حق کو خدا نے فتح مند کر دیا۔

نیز فرمایا "اگر باز آ جاؤ"، یعنی اگر اب بھی ظلم و سرکشی سے باز آ جاؤ، اور محض اختلاف دین کی بنا پر مسلمانوں کی ہلاکت کے درپے نہ ہو، تو تمہارے لئے سراسر بہتری ہے، اس سے اندازہ کرو کہ کس طرح پیغمبر اسلام نے آخر ۲۶
تک جنگ و خونریزی سے بچنا چاہا، اور فتح و کامرانی کے بعد بھی امن و صلح کی دعوت دیتے رہے! اگر جنگ بدر کے بعد قریش مکہ ظلم و عداوت سے باز آ جاتے، تو ظاہر ہے بعد کی جنگوں کی نوبت ہرگز نہ آتی۔ اگرچہ نتیجہ وہی نکلتا یعنی اسلام کی دعوت تمام جزیرۂ عرب کو مسخر کر لیتی۔ ۳۸

ہو جاتا ہے، اور جان لو کہ آخر کار اسی کے حضور جمع کئے جاؤ گے!

اور اس فتنہ سے بچتے رہو جو اگر اٹھا، تو اس کی زد صرف انہی پر نہیں پڑے گی جو تم میں کرنے والے ہیں بلکہ سبھی اس کی لپیٹ میں آ جائیں گے، اور جان لو کہ اللہ بدعملیوں کی) سزا دینے میں سخت ہے!

اور وہ وقت یاد کرو جب (مکہ میں) تمہاری تعداد بہت تھوڑی تھی اور تم ملک میں کمزور سمجھے جاتے تھے۔ تم اس وقت ڈرتے تھے کہ کہیں لوگ تمہیں اچک نہ لے جائیں پھر اللہ نے تمہیں (مدینہ میں) ٹھکانا دیا، اپنی مددگاری سے قوت بخشی، اور اچھی چیزیں دے کر رزق کا سامان مہیا کر دیا، تاکہ تم شکر گزار رہو!

مسلمانو! ایسا نہ کرو کہ اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ خیانت کرو، اور نہ یہ کہ آپس کی امانتوں میں خیانت کرو، اور تم اس بات سے ناواقف نہیں ہو

اور یاد رکھو، تمہارا مال اور تمہاری اولاد (تمہارے لئے) ایک آزمائش ہے، اور یہ بھی بھولو کہ اللہ ہی ہے جس کے پاس بخشنے کے لئے) بہت بڑا اجر ہے!

أَمْوَالَهُمْ لِيَصُدُّوا عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ فَسَيُنْفِقُونَهَا ثُمَّ تَكُونُ عَلَيْهِمْ حَسْرَةً ثُمَّ يُغْلَبُونَ ۗ
وَالَّذِينَ كَفَرُوا إِلَىٰ جَهَنَّمَ يُحْشَرُونَ ۝ لِيَمِيزَ اللَّهُ الْخَبِيثَ مِنَ الطَّيِّبِ وَيَجْعَلَ الْخَبِيثَ ۳۶
بَعْضَهُ عَلَىٰ بَعْضٍ فَيَرْكُمَهُ جَمِيعًا فَيَجْعَلَهُ فِي جَهَنَّمَ ۚ أُولَٰئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ ۝ قُل لِّلَّذِينَ ع ۳۷
كَفَرُوا إِن يَنتَهُوا يُغْفَرْ لَهُم مَّا قَدْ سَلَفَ ۖ وَإِن يَعُودُوا فَقَدْ مَضَتْ سُنَّتُ الْأَوَّلِينَ ۝ ۱۹
وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّىٰ لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ الدِّينُ كُلُّهُ لِلَّهِ ۚ ۳۸

اگر صرف اتنی سی بات اللہ اور رسول کی خیانت تھی، تو غور کرو ان مسلمانوں کے لئے کیا حکم ہونا چاہئے جو اپنی ساری زندگیاں امداد ملت کی سیاسی خدمات میں صرف کر ڈالتے ہیں، اور جو ڈیڑھ سو برس سے بے شمار اسلامی حکومتوں کے زوال و انقراض کا باعث ہوتے ہیں؟

مال اس لئے خرچ کرتے ہیں کہ لوگوں کو خدا کی راہ سے روکیں، تو یہ لوگ آئندہ بھی (اسی طرح) خرچ کرینگے، لیکن پھر (وقت آئے گا کہ یہ مال خرچ کرنا) ان کے لئے سراسر پچھتاوا ہوگا، اور پھر (بالآخر) مغلوب کئے جائیں گے!

اور (یاد رکھو) جن لوگوں نے کفر کی راہ اختیار کی (اور آخر تک اس پر جمے رہے تو) وہ دوزخ کی طرف ہانکے جائیں گے۔ ۳۶

اور یہ اس لئے ہوگا کہ اللہ ناپاک (روحوں) کو پاک (روحوں سے) جدا کردے اور جو ناپاک ہیں، ان میں سے بعض کو بعض کے ساتھ ملادے پھر سب کو (اپنی تباہ حالیوں میں) اکٹھا کردے پھر (قیامت کے دن) اس (جمع شدہ گروہ) کو دوزخ کے حوالے کرے۔ یہی لوگ ہیں یکسر تباہ ہو جانے والے! ۳۷

(اے پیغمبر!) جن لوگوں نے کفر کی راہ اختیار کی ہے تم ان سے کہہ دو اگر وہ (اب بھی) باز آجائیں تو جو کچھ گذر چکا، معاف کر دیا جائے گا، لیکن اگر وہ پھر (ظلم و جنگ کی طرف) لوٹے، تو (اس بارے میں) پچھلوں کا طور طریقہ اور اس کا نتیجہ گذر چکا ہے (اور وہی انہیں بھی پیش آکر رہے گا!) ۳۸

اور (مسلمانو! اب تمہارے لئے صرف یہی چارۂ کار رہ گیا ہے کہ) ان سے لڑتے رہو۔ یہاں تک کہ ظلم و فساد باقی نہ رہے اور دین کا سارا معاملہ اللہ ہی کے لئے ہو جائے (یعنی دین کا معاملہ خدا اور

(۳۰ آیت (۲۹) سے معلوم ہوا، جو جماعت متقی ہوگی، اس میں حق و باطل اور خیر و شر کے امتیاز کی ایک خاص قوت پیدا ہو جائے گی، اور اس لئے کبھی باطل و شر کی طرف قدم نہیں اٹھائے گی۔ چنانچہ دنیا نے دیکھ لیا کہ اس اعتبار سے صدر اول کے مسلمانوں کا کیا حال تھا؟ عرب کے صحرانشین جن کی ساری زندگی اونٹ چرانے میں بسر ہوتی تھی، یکایک ایرانیوں اور رومیوں جیسی متمدن قوموں کی قسمتوں کے مالک ہو گئے، لیکن خیر و شر میں امتیاز کی ایک ایسی قوت ان کے قبضہ میں آگئی تھی کہ جو کچھ کرتے تھے اور جس طرح کرتے تھے وہ حق و عدالت اور خیر و مساوات کے سوا اور کچھ نہیں ہوتا تھا

۳۲ فَأَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَاءِ أَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ أَلِيمٍ ○ وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُعَذِّبَهُمْ
۳۳ وَأَنتَ فِيهِمْ ۚ وَمَا كَانَ اللَّهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُونَ ○ وَمَا لَهُمْ أَلَّا يُعَذِّبَهُمُ اللَّهُ وَ
هُمْ يَصُدُّونَ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَمَا كَانُوا أَوْلِيَاءَهُ ۚ إِنْ أَوْلِيَاؤُهُ إِلَّا الْمُتَّقُونَ وَلَٰكِنَّ
۳۴ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ○ وَمَا كَانَ صَلَاتُهُمْ عِندَ الْبَيْتِ إِلَّا مُكَاءً وَتَصْدِيَةً ۚ فَذُوقُوا
۳۵ الْعَذَابَ بِمَا كُنتُمْ تَكْفُرُونَ ○ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا يُنفِقُونَ

کبھی ایسا ہوتا ہے کہ اچانک کسی سے بھلائی میں آنکھ لڑ جاتی ہے۔ چنانچہ کتنے ہی اچھے ارادے ہیں جن سے عین وقت پر ہمارے دل نے انکار کر دیا اور کتنے ہی برائی کے منصوبے ہیں جن سے اچانک ہمارے دل نے بغاوت کر دی۔ پس چاہئے کہ انسان اپنے دل کی نگرانی سے کبھی غافل نہ ہو۔

نیز کہا۔ یہ بھی نہ بھولو کہ خدا کے حضور لوٹنا ہے کیونکہ جس دل میں آخرت کا یقین ہوگا، وہ زندگی کی غفلتوں سے کبھی مغلوب نہیں ہو سکتا۔

(۱۸) پچھلی آیات میں انفرادی زندگی کے خطرات سے متنبہ کیا تھا۔ اب (۲۵) میں اجتماعی خطرات کی طرف اشارہ کیا ہے ان فتنوں سے جو جنہیں سوسائٹی کا کوئی ایک فرد یا ایک جماعت برپا کر دیتی ہے لیکن جب ان کی آگ بھڑک اٹھتی ہے، تو صرف انہی کو نہیں جلاتی جنہوں نے سلگائی تھی، سبھی لپیٹ میں آجاتے ہیں، اور اس لئے آجاتے ہیں کہ کیوں آگ لگانے والے کا ہاتھ نہیں پکڑا؟ کیوں بروقت بجھانے کی کوشش نہیں کی؟

(۱۹) آیت (۲۷) میں خیانت سے مقصود وہ تمام خیانتیں ہیں جو اسلام کے احکام کی تعمیل و تبلیغ اور امت کے مصالح و مقاصد میں کی جائیں، لیکن خصوصیت کے ساتھ جس بات کی طرف اشارہ کیا وہ یہ تھی کہ اہل مکہ کے ساتھ نامہ و پیام نہ رکھ جنہوں نے مسلمانوں سے خلاف اعلان جنگ کر دیا ہے اگرچہ یہ نامہ و پیام اپنے بیوی بچوں کی حفاظت کے خیال ہی سے کیوں نہ ہو۔

بعض مہاجرین نے اپنے اہل و عیال کو جو مکہ میں تھے خطوط لکھے تھے۔ اس میں کچھ اشارہ جنگ کی نسبت بھی آ گیا تھا۔ فرمایا۔ یہ اللہ کی، رسول کی، اور مسلمانوں کی خیانت ہے۔

پتھروں کی بارش برسائے یا ہمیں (کسی دوسرے) عذاب دردناک میں مبتلا کر دے"!

اور اللہ ایسا کرنے والا نہ تھا کہ ان کے درمیان موجود ہو اور پھر انہیں عذاب میں ڈالے اور اللہ ایسا بھی کرنے والا نہیں کہ انہیں عذاب میں ڈالے حالانکہ وہ معافی مانگ رہے ہوں۔

لیکن اب کہ تجھے مکہ چھوڑ دینے پر انہوں نے مجبور کر دیا) کونسی بات رہ گئی ہے کہ انہیں عذاب نہ دیئے حالانکہ وہ مسجد حرام سے مسلمانوں کو روک رہے ہیں؟ اور حقیقت یہ ہے کہ وہ اس کے متولی ہونے کے لائق نہیں۔ اس کے متولی اگر ہو سکتے ہیں تو ایسے ہی لوگ ہو سکتے ہیں جو متقی ہوں (نہ کہ مفسد و ظالم) لیکن ان میں سے اکثروں کو (یہ حقیقت) معلوم نہیں۔

اور خانۂ کعبہ میں ان کی نماز اس کے سوا کیا تھی کہ سیٹیاں بجائیں اور تالیاں پیٹیں! تو دیکھو، جیسے کچھ کفر کرتے رہے ہو، اب (اس کی پاداش میں) عذاب کا مزہ چکھ لو۔

جن لوگوں نے کفر کی راہ اختیار کی ہے، وہ اپنا

وَلَوْ تَوَاعَدْتُّمْ لَاخْتَلَفْتُمْ فِي الْمِيْعٰدِ ۙ وَلٰكِنْ لِّيَقْضِيَ اللّٰهُ اَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا ۙ لِّيَهْلِكَ
مَنْ هَلَكَ عَنْۢ بَيِّنَةٍ وَّيَحْيٰى مَنْ حَيَّ عَنْۢ بَيِّنَةٍ ۗ وَاِنَّ اللّٰهَ لَسَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۙ ۴۲ اِذْ يُرِيْكَهُمُ اللّٰهُ فِيْ
مَنَامِكَ قَلِيْلًا ۭ وَلَوْ اَرٰىكَهُمْ كَثِيْرًا لَّفَشِلْتُمْ وَلَتَنَازَعْتُمْ فِي الْاَمْرِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ سَلَّمَ ۭ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ
بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝ وَاِذْ يُرِيْكُمُوْهُمْ اِذِ الْتَقَيْتُمْ فِيْٓ اَعْيُنِكُمْ قَلِيْلًا وَّيُقَلِّلُكُمْ فِيْٓ اَعْيُنِهِمْ ۴۳
لِيَقْضِيَ اللّٰهُ اَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا ۭ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ۝ ۴۴ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا ع ۵

اس سے اندازہ کرو کہ دعوت اسلام کا اپنے دشمنوں کے ساتھ کیسا طرز عمل رہا، اور کس طرح مجبور و بے بس ہو کر اسے میدان جنگ میں جا پڑا؟

(۲۵) سورت کے ابتدا میں فرمایا تھا کہ مال غنیمت اللہ اور اس کے رسول کا ہے یعنی حکومت کا ہے اب آیت (۴۱) میں اسکی تقسیم کا طریقہ بتلا دیا۔ اللہ اور اس کے رسول کے حصے سے مقصود یہ ہے کہ دین و ملت کے مصالح کے لئے ایک خاص رقم رکھی جائے اسی میں سے پیغمبر اسلام کو جب تک زندہ رہیں۔ ضروری مصارف ملیں۔ ان کے بعد ائمہ مسلمین کو۔

(۲۶) اس آیت اور اس کی ہم معنی آیات نے واضح کر دیا کہ قرآن کے نزدیک حکومت (اسٹیٹ) یتیموں مسکینوں اور مصیبت زدوں کی خبر گیری کے لئے ذمہ دار ہے، اور حکومت کے خزانہ کا ایک لازمی مصرف قوم کے ان افراد کی اعانت ہے۔

اُدھر دشمن دور کے ناکے پر اور قافلہ تم سے نچلے حصے میں تھا (یعنی سمندر کے کنارے کنارے نکل گیا تھا) اور اگر تم نے آپس میں لڑائی کی بات ٹھہرائی ہوتی، تو ضرور میعادِ جنگ سے گریز کرتے (کیونکہ تمہیں دشمنوں کی کثرت سے اندیشہ تھا اور تم میں سے بہتوں کی نظر قافلہ پر تھی) لیکن اللہ نے دونوں لشکروں کو بھڑا دیا تاکہ جو بات ہونے والی تھی اسے کر دکھائے۔ نیز اس لئے کہ جسے ہلاک ہونا ہے اتمام حجت کے بعد ہلاک ہو اور جو زندہ رہنے والا ہے اتمام حجت کے بعد زندہ رہے اور بلاشبہ اللہ سب کی سنتا اور سب کچھ جانتا ہے۔ ۴۲

(اور اے پیغمبر!) یہ وہ دن تھا کہ اللہ نے تجھے خواب میں ان کی تعداد تھوڑی کر کے دکھائی (یعنی یہ دکھلایا کہ اگرچہ بظاہر مسلمانوں سے زیادہ ہونگے لیکن عزم و ثبات میں تھوڑے ثابت ہوں گے) اور اگر انہیں بہت کر کے دکھاتا، تو (مسلمانو!) تم ضرور ہمت ہار دیتے اور اس معاملہ میں جھگڑنے لگتے اللہ نے تمہیں اس صورتِ حال سے بچا لیا یقین کرو، جو کچھ انسان کے سینوں میں چھپا ہوتا ہے وہ اس کے علم سے پوشیدہ نہیں! ۴۳

اور پھر دیکھو جب تم دونوں فریق ایک دوسرے کے مقابل ہوئے تھے اور اللہ نے ایسا کیا تھا کہ دشمن تمہاری نظروں میں تھوڑے دکھائی دے (کیونکہ تمہارے دلوں میں ایمان و استقامت کی روح پیدا ہو گئی تھی) اور ان کی نظروں میں تم تھوڑے دکھائی دے (کیونکہ بظاہر تعداد میں وہی زیادہ تھے (اور یہ اسلئے کیا تھا)، تاکہ جو بات ہونے والی تھی اسے کر دکھائے،

(۲۷) آیت (۴۲) میں جنگ بدر کے اسی واقعہ کی طرف

فَإِنِ انْتَهَوْا فَإِنَّ اللَّهَ بِمَا يَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ۝ ٣٩ وَإِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ مَوْلَاكُمْ ۚ نِعْمَ
الْمَوْلَىٰ وَنِعْمَ النَّصِيرُ ۝ ٤٠ وَاعْلَمُوا أَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِنْ شَيْءٍ فَأَنَّ لِلَّهِ خُمُسَهُ وَلِلرَّسُولِ
وَلِذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينِ وَابْنِ السَّبِيلِ إِنْ كُنْتُمْ آمَنْتُمْ بِاللَّهِ وَمَا أَنْزَلْنَا
عَلَىٰ عَبْدِنَا يَوْمَ الْفُرْقَانِ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعَانِ ۗ وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝ ٤١ إِذْ أَنْتُمْ
بِالْعُدْوَةِ الدُّنْيَا وَهُمْ بِالْعُدْوَةِ الْقُصْوَىٰ وَالرَّكْبُ أَسْفَلَ مِنْكُمْ ۚ

وہ زمانہ کیا ہوا جب مری آہ میں اثر تھا
یہی چشم خوں فشاں تھی، یہی دل، یہی جگر تھا

(۲۱) آیت (۳۰) پر غور کرو۔ انسان اپنے جہل و غفلت کی سرشاریوں میں کیا سوچتا ہے اور حکمت الٰہی کی مخفی تدبیروں کا فیصلہ کیا ہوتا ہے؟ جب ہجرت سے پہلے قریش مکہ نے یہ منصوبے باندھے تھے تو کیا ایک لمحہ کے لئے انہیں آنے والے نتائج کا گمان ہو سکتا تھا؟ مگر کس طرح خود انہی کے ظلم و عداوت نے ان کا سارا سروسامان کر دیا؟ اگر ظلم نہ ہوتا تو ہجرت بھی نہ ہوتی، اور اگر ہجرت ہوتی، تو وہ تمام نتائج بھی ظہور میں نہ آتے جو ہجرت سے ظہور میں آئے۔ ایسی ہی صورتِ حال قانون الٰہی کی مخفی تدبیر ہے جو انسانی ظلم و فساد کی ساری تدبیریں یکلخت میٹ کر دیتی ہے!

(۲۲) آیت (۳۲) میں ابوجہل وغیرہ صنادید قریش کی طرف اشارہ ہے کہ انہوں نے کہا تھا۔ خدایا! اگر قرآن واقعی تیری جانب سے ہے اور ہم اسے جھٹلانے میں سچے نہیں تو ہم پر اپنا عذاب نازل کر (بخاری) فرمایا یہ خدا کی سنت نہیں کہ وہ ایک قوم پر عذاب نازل کرے حالانکہ داعی حق اس میں موجود ہو اور نہ اس کا عذاب ایسی حالت میں نازل ہو سکتا ہے کہ استغفار کرنے والے موجود ہوں۔

پھر آیت (۳۴) میں فرمایا، اب کہ پیغمبر اسلام کو انہوں نے ہجرت پر مجبور کر دیا، اور ان کی سرکشی یہاں تک پہنچ گئی کہ وہ خدا کے بندوں کو اس کی عبادت گاہ سے بھی روکنے لگے، تو کوئی وجہ نہیں کہ یہ روش عمل کی نمود میں تاخیر ہو۔ چنانچہ وہ ظاہر ہوا اور قریش مکہ کے جماعتی اتصال کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ ہو گیا۔

(۲۳) اس آیت سے یہ بات بھی واضح ہو گئی کہ جو لوگ متقی نہیں وہ عبادت گاہوں کی تولیت کے حق دار نہیں۔

(۲۴) آیت (۳۸) میں عفو و بخشش اور دعوت امن و صلح کی انتہا ہے،

انسان کا باہمی معاملہ ہو جائے۔ انسان کا ظلم اس میں مداخلت نہ کر سکے) پھر اگر ایسا ہو کہ وہ (جنگ سے) باز آ جائیں، تو جو کچھ وہ کرتے ہیں خدا کی نگاہوں سے پوشیدہ نہیں اور اگر (صلح و درگزر کی اس آخری دعوت سے بھی) روگردانی کریں تو یاد رکھو اللہ تمہارا رفیق و کارساز ہے (اور جس کا رفیق اللہ ہو تو) کیا ہی اچھا رفیق ہے اور کیا ہی اچھا مددگار!

اور جان رکھو کہ جو کچھ تمہیں مال غنیمت میں ملے اس کا پانچواں حصہ اللہ کے لئے، رسول کے لئے، (رسول کے) قرابت داروں کے لئے، یتیموں کے لئے مسکینوں کے لئے، اور مسافروں کے لئے نکالنا چاہیے (اور بقیہ چار حصے مجاہدین میں تقسیم کر دیے جا سکتے ہیں) اگر تم اللہ پر اور اس (غیبی مدد) پر یقین رکھتے ہو جو ہم نے فیصلہ کر دینے والے دن اپنے بندے پر نازل کی تھی، جبکہ دو لشکر ایک دوسرے کے مقابل ہوئے تھے[1]۔ تو چاہیے کہ اس تقسیم پر کاربند رہو۔ اور (یاد رکھو) اللہ کی قدرت سے کوئی بات باہر نہیں!

یہ وہ دن تھا کہ تم ادھر قریب کے ناکے پر تھے،

[1] یعنی فتح مدر کے دن۔

وَقَالَ إِنِّي بَرِيءٌ مِّنكُمْ إِنِّي أَرَىٰ مَا لَا تَرَوْنَ إِنِّي أَخَافُ اللَّهَ ۚ وَاللَّهُ شَدِيدُ الْعِقَابِ ﴿٤٨﴾ إِذْ يَقُولُ الْمُنَافِقُونَ وَالَّذِينَ فِي قُلُوبِهِم مَّرَضٌ غَرَّ هَٰؤُلَاءِ دِينُهُمْ ۗ وَمَن يَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ فَإِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿٤٩﴾ وَلَوْ تَرَىٰ إِذْ يَتَوَفَّى الَّذِينَ كَفَرُوا الْمَلَائِكَةُ يَضْرِبُونَ وُجُوهَهُمْ وَأَدْبَارَهُمْ وَذُوقُوا عَذَابَ الْحَرِيقِ ﴿٥٠﴾ ذَٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيكُمْ وَأَنَّ اللَّهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيدِ ﴿٥١﴾ كَدَأْبِ آلِ فِرْعَوْنَ وَالَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ ۚ كَفَرُوا بِآيَاتِ اللَّهِ فَأَخَذَهُمُ اللَّهُ بِذُنُوبِهِمْ ۗ إِنَّ اللَّهَ قَوِيٌّ شَدِيدُ الْعِقَابِ ﴿٥٢﴾

(۲۶) آیت (۴۸) میں شیطان سے مقصود سراقہ بن مالک ابن جعشم ہے جس نے مشرکین مکہ کا ساتھ دیا تھا، لیکن لڑائی شروع ہوتے ہی بھاگ گیا۔ چنانچہ مکہ کے لوگ کہتے تھے، سراقہ نے ہمیں ہرا دیا۔

۴۸ والپس ہوا اور لگا کہنے "مجھے تم سے کچھ سروکار نہیں۔ مجھے وہ بات دکھائی دے رہی ہے جو تم نہیں دیکھتے میں اللہ سے ڈرتا ہوں، اور اللہ (بدعملیوں کی پاداش میں بہت سزا دینے والا ہے"۔

۴۹ اور (پھر دیکھو) جب ایسا ہوا تھا کہ منافق اور وہ لوگ جن کے دلوں میں (ایمان کی کمزوری کا) روگ تھا، کہنے لگے تھے "ان مسلمانوں کو تو اُن کے دین نے مغرور کر دیا ہے"۔ (یعنی یہ محض دین کا نشہ ہے جو انہیں مقابلے پر لے جا رہا ہے، ورنہ ان کے پلے ہے کیا؟ وہ نہیں جانتے تھے کہ مسلمانوں کا بھروسہ اللہ پر ہے) اور جس کسی نے اللہ پر بھروسہ کیا، تو اللہ غالب اور حکمت والا ہے!

(۲۷) جب بدر میں مٹھی بھر بے سروساماں مسلمان جنگ کے لئے نکلے تو منافق اور کچے دل کے آدمی ہی کوئی توجیہ نہیں کر سکے بجز اس کے کہ کہیں انہیں ان کے دین کے نشہ نے مغرور کر دیا ہے۔ بات اگرچہ بطور طعنہ کے کہی گئی تھی، لیکن ایک لحاظ سے غلط بھی نہ تھی۔ بلاشبہ یہ دین ہی کا نشہ تھا، لیکن نشہ باطل نہ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کی معجزانہ بلاغت نے آیت (۴۹) میں ان کا قول نقل کر کے رد نہیں کیا، بلکہ صرف یہ کہا کہ من یتوکل علی اللہ الخ

۵۰ اور (اے مخاطب!) اگر تو (اپنی آنکھوں سے) وہ حالت دیکھے، جب فرشتے (ان) کافروں کی روحیں قبض کرتے اور ان کے چہروں اور پیٹھوں پر ضربیں لگاتے ہیں، اور کہتے ہیں "اب عذابِ آتش کا مزہ چکھو"۔ (تو تیرا کیا حال ہو؟)

۵۱ (اے اعداءِ حق!) یہ اس (بدعملی) کا نتیجہ ہے جو خود تمہارے ہی ہاتھوں نے پہلے سے ذخیرہ کر دیا، اور ایسا نہیں ہو سکتا کہ اللہ اپنے بندوں کے لئے ظلم کرنے والا ہو!

۵۲ جیسا کہ دستور فرعون کے گروہ کا اور ان (سرکشوں) کا جو اس سے پہلے گزر چکے ہیں، رہ چکا ہے ہی تمہارا ہوا۔ اللہ کی نشانیوں سے انکار کیا تو اللہ نے ان کے گناہوں کی انہیں پکڑ لیا۔ بلاشبہ اللہ (بدعملیوں کی پاداش عمل کی) سزا دینے میں بہت سخت ہے

لَقِيتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوا وَاذْكُرُوا اللَّهَ كَثِيرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ۝ وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَا ۴۵
تَنَازَعُوا فَتَفْشَلُوا وَتَذْهَبَ رِيحُكُمْ وَاصْبِرُوا ۚ إِنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ ۝ وَلَا تَكُونُوا ۴۶
كَالَّذِينَ خَرَجُوا مِن دِيَارِهِم بَطَرًا وَرِئَاءَ النَّاسِ وَيَصُدُّونَ عَن سَبِيلِ اللَّهِ ۚ وَاللَّهُ بِمَا
يَعْمَلُونَ مُحِيطٌ ۝ وَإِذْ زَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطَانُ أَعْمَالَهُمْ وَقَالَ لَا غَالِبَ لَكُمُ الْيَوْمَ مِنَ النَّاسِ ۴۷
وَإِنِّي جَارٌ لَّكُمْ ۖ فَلَمَّا تَرَاءَتِ الْفِئَتَانِ نَكَصَ عَلَىٰ عَقِبَيْهِ

اشارہ کیا ہے جس کا پہلے ذکر گذر چکا ہے فرمایا۔ خدا کی مخفی تدبیروں کی ۴۴
گرشہ سازی نکھرا دعدو دشمنوں کا گروہ بڑھا چلا آتا تھا۔ ادھر تم شہر
سے نکل کر ایک ٹیلہ تک پہنچے تھے اور ابوسفیان کا قافلہ
تھا کہ نشیب میں گزر رہا تھا۔ نہ اپنی کمزوری کی وجہ سے چاہتے تھے اس
سے مقابلہ ہو لیکن خدا کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ قافلہ تو نکل گیا
اور مقابلہ ہوا حملہ آوروں سے اور تمہاری مٹھی بھر کمزور جماعت نے ۴۵
اسے ہزار کر بھگا دیا!

(۴۸) آیت (۴۳) میں اس خواب کی طرف اشارہ کیا ہے جو
جنگ سے پہلے پیغمبر اسلام نے دیکھا تھا، اور جس میں دشمن ناکام اور
مسلمان فتح مند دکھائے گئے تھے یہ خواب مسلمانوں کے لئے مزید
تقویت کا باعث ہوا تھا۔

(۴۹) آیت (۴۵) سے (۴۶) تک چھ باتوں پر زور دیا ہے
کہ فتح و کامرانی کا اصلی سرچشمہ ہیں: ۴۶

(ا) ثابت قدم رہو۔ کیونکہ میدان جنگ کی ساری
کامیابی اسی کے لئے ہوتی ہے جو آخر تک ثابت قدم رہے۔

(ب) بہت زیادہ اللہ کو یاد کرو۔ کیونکہ جسم کا ثبات دل
کے ثبات پر موقوف ہے اور دل اسی کا مضبوط بنے گا جو اللہ
پر کامل ایمان رکھتا ہے۔

(ج) اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور رسول کے بعد
اپنے امیر و سردار کی کیونکہ بغیر اطاعت (ڈسپلن) کے کوئی جماعت ۴۷
کامیاب نہیں ہو سکتی۔

(د) باہمی نزاع سے بچو ورنہ سست پڑ جاؤ گے اور بات بگڑ جائیگی

(ہ) کتنی ہی مشکلیں پیش آئیں جھیلتے رہو۔ بالآخر جیت اسی کی
ہے جو زیادہ جھیلنے والا ہوگا۔

(و) کافروں کا سا تین اختیار نہ کرو جو ایمان و سچائی کی جگہ
گھمنڈ اور دکھاوے کا طریقہ اختیار کرتے ہیں۔ تمہارے کاموں کی
بنا خدا پرستانہ عجز و اخلاص پر ہونی چاہئے۔

اور سارے کاموں کا دارومدار اللہ ہی کی ذات پر ہے!

مسلمانو! جب (حملہ آوروں کی) کسی جماعت سے تمہارا
مقابلہ ہو جائے تو لڑائی میں ثابت قدم رہو اور زیادہ سے
زیادہ اللہ کو یاد کرو، تاکہ تم کامیاب ہو!

اور اللہ اور اس کے رسول کا کہا مانو، اور آپس میں
جھگڑا نہ کرو۔ ایسا کرو گے تو تمہاری طاقت سست پڑ
جائیگی اور ہوا اکھڑ جائے گی (جیسی کچھ بھی مشکلیں مصیبتیں
پیش آئیں تم) صبر کرو! اللہ ان کا ساتھی ہے جو صبر
کرنے والے ہیں!

اور (دیکھو) ان لوگوں جیسے نہ ہو جاؤ جو اپنے گھروں
سے (لڑنے کے لئے) اترائے ہوئے اور لوگوں کی نظروں میں
نمائش کرتے ہوئے نکلے، اور جن کا حال یہ ہے کہ اللہ کی راہ سے (اس
کے بندوں کو) روکتے ہیں اور (یاد رکھو) جو کچھ بھی یہ لوگ کرتے
ہیں اللہ (اپنے علم و قدرت سے) اس پر چھایا ہوا ہے!

اور پھر جب ایسا ہوا تھا کہ شیطان نے ان کے
کرتوت ان کی نگاہوں میں خوشنما کر کے دکھائے تھے
اور کہا تھا۔ آج ان لوگوں میں کوئی نہیں جو تم پر غالب
آ سکے اور میں تمہارا پشت پناہ ہوں۔ مگر جب دونوں
فوجیں آمنے سامنے ہوئیں تو الٹے پاؤں

وَإِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِيَانَةً فَانْبِذْ إِلَيْهِمْ عَلَىٰ سَوَاءٍ ۚ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْخَائِنِينَ ۝ وَلَا ۵۸ ع
تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا سَبَقُوا ۚ إِنَّهُمْ لَا يُعْجِزُونَ ۝ وَأَعِدُّوا لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ ۵۹
وَمِنْ رِبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُونَ بِهِ عَدُوَّ اللَّهِ وَعَدُوَّكُمْ وَآخَرِينَ مِنْ دُونِهِمْ ۖ لَا تَعْلَمُونَهُمُ ۖ
اللَّهُ يَعْلَمُهُمْ ۚ وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ شَيْءٍ فِي سَبِيلِ اللَّهِ يُوَفَّ إِلَيْكُمْ وَأَنْتُمْ لَا تُظْلَمُونَ ۝ وَإِنْ ۶۰

کیا ہے جب پیغمبر اسلام مدینہ آئے تو یہاں یہودیوں کی تین بستیاں آباد تھیں: بنی قینقاع، بنی نضیر، بنی قریظہ۔ پیغمبر اسلام نے ان سے صلح و امن اور باہمد گر اعانت کا معاہدہ کیا معاہدہ کی ایک شرط یہ تھی کہ تمام جماعتیں ایک قوم بن کر رہیں گی اور اگر کسی فریق پر اس کے دشمن حملہ کریں گے، تو سب اس کی مدد کریں گے (ابن ہشام) لیکن ابھی معاہدہ کی سیاہی خشک بھی نہیں ہوئی تھی کہ یہودیوں نے خلاف ورزی شروع کر دی اور قریش مکہ سے مل کر مسلمانوں کی تباہی کی سازشیں کرنے لگیں حتیٰ کہ خود پیغمبر اسلام کو ہلاک کرنے کی تدبیروں میں لگ گئے یہاں تک کہ اب ایسے دغا باز لوگوں کے ساتھ نباہ نہیں ہو سکتا۔ جو کھلم کھلا لڑیں ان کا مقابلہ کرو جو ایسا نہ کریں اور عہد و قول کے ان سے اندیشہ ہو تو انہیں کھلے طور پر خبر دیدو کہ اب معاہدہ فسخ ہو گیا۔ لیکن فرمایا یہ بات اس طرح کی جائے کہ دوسرے فریق کو نقصان نہ پہنچے۔ یعنی وقت سے پہلے فسخ معاہدہ سے خبردار ہو جائے، اور اگر تیاری کرنی چاہے تو ہماری طرح اسے بھی تیاری کا پورا موقعہ ملے۔

یہاں سے اندازہ کرو کہ قرآن نے ہر معاملہ میں حتیٰ کہ جنگ میں بھی سچائی اور دیانت کا جو معیار قائم کیا ہے وہ کس قدر بلند ہے؟ کہیں بھی اس سے کوئی گوشہ ایسا نہیں چھوڑا، جہاں اخلاقی کمزوری کو ابھرنے کا موقعہ دیا گیا ہو۔

کیا دنیا میں اس وقت تک کسی قوم نے احکام جنگ کو اس درجہ بلند اخلاقی معیار پر رکھا ہے؟

عالمگیر جنگ یورپ کی تاریخ کا ہر صفحہ اس کے جواب میں نہیں کہے گا!

کھڑے ہوں (اور) ہو سکتا ہے کہ عبرت پکڑیں اور ۵۷
اگر ایک گروہ (ابھی میدان جنگ میں تو دشمنوں کے ساتھ نہیں نکلا ہے لیکن اس) سے تمہیں دغا کا اندیشہ ہے تو چاہیئے ان کا عہد انہی پر الٹا دو (یعنی عہد فسخ کر دو) اس طرح کہ دونوں جانب یکساں حالت میں ہو جائیں (یعنی ایسا نہ کیا جائے کہ اچانک شکست عہد کی انہیں خبر دی جائے۔ بلکہ پہلے سے جتا دینا چاہیئے: تاکہ دونوں فریقوں کو یکساں طور پر تیاری کی مہلت مل جائے) یاد رکھو ۵۸
اللہ خیانت کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا!
اور جن لوگوں نے کفر کی راہ اختیار کی وہ خیال نہ کریں کہ بازی لے گئے۔ وہ کبھی (پیروان حق کو) ۵۹
درماندہ نہیں کر سکتے۔
اور (مسلمانو!) جہاں تک تمہارے بس میں ہے، قوت پیدا کر کے اور گھوڑے تیار رکھ کر دشمنوں کے مقابلہ کے لئے اپنا ساز و سامان مہیا کئے رہو کہ اس طرح مستعد رہ کر تم اللہ کے (کلمۂ حق کے) اور اپنے دشمنوں پر اپنی دھاک بٹھائے رکھو گے نیز ان لوگوں کے سوا اوروں پر بھی جن کی تمہیں خبر نہیں۔ اللہ انہیں جانتا ہے۔ اور (یاد رکھو) اللہ کی راہ میں (یعنی جہاد کی تیاری میں) تم جو کچھ بھی خرچ کرو گے، وہ تمہیں پورا پورا مل جائیگا ایسا نہ ہوگا کہ تمہاری حق تلفی ہو ۶۰

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ لَمْ يَكُ مُغَيِّرًا نِّعْمَةً اَنْعَمَهَا عَلٰى قَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ
عَلِيْمٌ ۝ كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ فَاَهْلَكْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ ۵۳
وَاَغْرَقْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ ۚ وَكُلٌّ كَانُوْا ظٰلِمِيْنَ ۝ اِنَّ شَرَّ الدَّوَاۗبِّ عِنْدَ اللّٰهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَهُمْ ۵۴
لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝ الَّذِيْنَ عٰهَدْتَّ مِنْهُمْ ثُمَّ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَهُمْ فِيْ كُلِّ مَرَّةٍ وَّهُمْ لَا يَتَّقُوْنَ ۝ ۵۵ ۵۶
فَاِمَّا تَثْقَفَنَّهُمْ فِي الْحَرْبِ فَشَرِّدْ بِهِمْ مَّنْ خَلْفَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ۝ ۵۷

(۲۸) آیت (۵۴) اور اسکی ہم معنی آیات نے قطعی لفظوں میں واضح کر دیا کہ قرآن کے نزدیک اقوام و جماعات کے عروج و زوال اور موت و حیات کا قانون کیا ہے؟ فرمایا یہ خدا کی مقررہ سنت ہے کہ جب وہ کسی گروہ کو اپنی نعمتوں سے سرفراز کرتا ہے تو اس میں کبھی تغیر نہیں کرتا، جب تک کہ خود اس گروہ کے افراد خود اپنی حالت متغیر نہیں کر دیتے چنانچہ دنیا کی پوری تاریخ ہمیں اس بارہ میں جو کچھ بتلا رہی ہے اس کی حقیقت بھی اس سے زیادہ کچھ نہیں ہے۔ ہر قوم خود ہی اپنی زندگی کا گہوارہ بناتی ہے اور پھر خود ہی اپنے ہاتھوں سے اپنی قبر بھی کھودتی ہے۔ ۵۳

(اور) یہ بات اس لئے ہوئی کہ اللہ کا مقررہ قانون ہے کہ جو نعمت وہ کسی گروہ کو عطا فرماتا ہے اسے پھر کبھی نہیں بدلتا، جب تک کہ خود اسی گروہ کے افراد اپنی حالت نہ بدل لیں۔ اور اس لئے بھی کہ اللہ (سب کی) سنتا اور (سب کچھ) جانتا ہے۔

جیسا کچھ دستور فرعون کے گروہ کا اور ان (سرکشوں) کا جو اس سے پہلے گزر چکے ہیں، رہ چکا ہے، وہی معاملہ رہا ہوا۔ انہوں نے اپنے پروردگار کی نشانیاں جھٹلائیں تو ہم نے ان کے گناہوں کی پاداش میں انہیں ہلاک کر ڈالا۔ فرعون کا گروہ (سمندر میں) غرق کیا گیا تھا، اور وہ سب ظلم کرنے والے تھے۔ ۵۴

(۲۹) اسی سورت کی آیت (۲۲) میں فرمایا تھا کہ بدترین چارپائے، وہ انسان ہیں جو اپنی عقل و حواس سے کام نہیں لیتے یہاں آیت (۵۵) میں فرمایا، بدترین چارپائے وہ انسان ہیں جنہوں نے کفر کی راہ اختیار کی اس سے معلوم ہوا، قرآن کے نزدیک عقل و حواس سے ٹھیک طرح کام نہ لینا اور اندھوں کی طرح چلنا، انسانیت کے درجہ سے گر جانا ہے، اور وہ کہتا ہے، کفر اسی اندھے پن کا نتیجہ ہے پس ایمان کی راہ عقل و بصیرت کی راہ ہوئی اور کفر اندھے پن کا دوسرا نام ہوا۔ ۵۵

بلاشبہ اللہ کے نزدیک بدترین چارپائے وہ (انسان) ہیں جنہوں نے کفر کی راہ اختیار کی، تو یہ وہ لوگ ہیں کہ کبھی ایمان لانے والے نہیں:

اے پیغمبر! جن لوگوں سے تم نے (صلح کا) عہد و پیمان کیا تھا، پھر انہوں نے اسے توڑا اور ایسا ہوا کہ ہر مرتبہ عہد کر کے توڑتے ہی رہے اور (بدعہدی کے وبال سے) ڈرتے نہیں، تو (اب چاہیے جیسی حالت میں انہیں پاؤ اسی کے مطابق سلوک بھی کرو) اگر تم لڑائی میں انہیں دستیاب ہو جاؤ، تو ایسی سزا دو کہ جو لوگ ان کے پس پشت ہیں (یعنی مشرکین مکہ) انہیں بھاگتے دیکھ کر خود بھی بھاگ ۵۶

(۳۰) آیت (۵۶) میں مدینہ کے یہودیوں کی طرف اشارہ

لَا يَفْقَهُوْنَ ۝ اَلْـٰٔنَ خَفَّفَ اللّٰهُ عَنْكُمْ وَعَلِمَ اَنَّ فِيْكُمْ ضَعْفًا ۚ فَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ ۶۵
صَابِرَةٌ يَّغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ ۚ وَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ اَلْفٌ يَّغْلِبُوْٓا اَلْفَيْنِ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۗ وَاللّٰهُ مَعَ
الصّٰبِرِيْنَ ۝ مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗٓ اَسْرٰى حَتّٰى يُثْخِنَ فِى الْاَرْضِ ۗ تُرِيْدُوْنَ عَرَضَ ۶۶
الدُّنْيَا ۖ وَاللّٰهُ يُرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ۗ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝ لَوْلَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ ۶۷
فِيْمَآ اَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝ فَكُلُوْا مِمَّا غَنِمْتُمْ ۶۸

کی دعوت امن کا اعلان کر دیا ہے؟ یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جبکہ جنگ بدر کے فیصلہ نے مسلمانوں کی فتح مندی آشکارا کر دی تھی اور تمام جزیرہ عرب ان کی طاقت سے متاثر ہونے لگا تھا۔ تاہم حکم ہوا جب کبھی دشمن صلح و امن کی طرف جھکے، چاہیے کہ بلا مال تم بھی جھک جاؤ۔ اگر اس کی نیت میں فتور ہوگا تو ہوا کرے اس کی وجہ سے صلح و امن کے قیام میں ایک لمحہ کے لئے بھی دیر نہیں کرنی چاہیے!

(۶۳) دنیا میں کوئی کام انسان کے لئے اس سے زیادہ مشکل نہیں ہے کہ بگڑے ہوئے انسانی دلوں کو ایک رشتہ الفت میں پرو دے اور یہ کام تقریباً ناممکن ہو جاتا ہے جب حامل ایسے انسانوں کا ہو جو صدیوں سے باہمی جنگ و جدال کی آب و ہوا میں پرورش پاتے رہے ہوں اور جن کے نفسیاتی محرکات میں باہمی تنازع و اختلاف کا کوئی ڈھنگ باقی نہ رہا ہو۔ پیغمبر اسلام کا طور ایسے ہی لوگوں میں ہوا تھا۔ مگر ابھی ان کی دعوت پر دس بارہ ہی برس گزرے تھے کہ مدینہ میں ایک ایسا گروہ پیدا ہو گیا جو اس عنصر سے بالکل ایک نئی قسم کی مخلوق تھی۔ وہ جب تک مسلمان نہیں ہوئے تھے باہمی کینہ و انتقام کے مجسمے تھے لیکن جونہی مسلمان ہوئے محبت و ساز گاری کی ایسی پاکی و قدوسیت ابھر آئی کہ ان میں کا ہر فرد دوسرے کی خاطر اپنا سب کچھ قربان کر دینے کے لئے مستعد ہو گیا۔ فی الحقیقت یہی وہ تزکیۂ اخلاق کا عمل ہے جو ایک پیغمبر ہی عمل تھا، اور جو پیغمبر اسلام کی تعلیم و تربیت نے انجام دیا، اور اسی کی طرف آیت (۶۳) میں اشارہ فرمایا ہے۔

گروہ ہے جس میں سمجھ بوجھ نہیں۔

(مسلمانو!) اب خدا نے تم پر بوجھ ہلکا کر دیا۔ اس نے جانا کہ تم میں کمزوری ہے۔ اچھا، اب اگر تم میں جمے جانے والے سو آدمی ہوں گے، تو (انہیں صرف اپنے سے دوگنی تعداد کا مقابلہ کرنا ہوگا یعنی) وہ دو سو دشمنوں پر غالب رہیں گے۔ اور اگر ہزار ہوں گے، تو سمجھو دو ہزار دشمنوں کو مغلوب کر کے رہیں گے اور (یاد رکھو) اللہ جمے جانے والوں کا ساتھی ہے! ۶۶

نبی کے لئے سزاوار نہیں کہ اس کے قبضہ میں قیدی ہوں جب تک کہ ملک میں غلبہ حاصل نہ کر لے[1]۔ (مسلمانو!) تم دنیا کی متاع چاہتے ہو اور اللہ چاہتا ہے (تمہیں) آخرت (کا اجر دے) اور اللہ غالب ہے حکمت والا! ۶۷

اگر (اس بارے میں) پہلے سے اللہ کا حکم نہ ہو گیا ہوتا، تو کچھ تم نے (جنگ بدر میں مال غنیمت لوٹا) اس کے لئے ضرور تمہیں بہت بڑا عذاب پہنچتا۔ ۶۸

بہرحال جو کچھ تمہیں غنیمت میں ہاتھ لگا ہے

[1] "حتی یثخن فی الارض" ای حتی یغلب فی الارض (بخاری) وقال ابن عباس: حتی یظهر علی الارض۔

جَنَحُوا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۚ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝ ۶۱
وَاِنْ يُّرِيْدُوْٓا اَنْ يَّخْدَعُوْكَ فَاِنَّ حَسْبَكَ اللّٰهُ ۭ هُوَ الَّذِيْٓ اَيَّدَكَ بِنَصْرِهٖ وَبِالْمُؤْمِنِيْنَ ۝ ۶۲
وَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ ۭ لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مَّآ اَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَيْنَهُمْ ۭ اِنَّهٗ عَزِيْزٌ
حَكِيْمٌ ۝ يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضِ ع ۶۳-۶۴
الْمُؤْمِنِيْنَ عَلَى الْقِتَالِ ۭ اِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ عِشْرُوْنَ صٰبِرُوْنَ يَغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ ۚ وَاِنْ يَّكُنْ
مِّنْكُمْ مِّائَةٌ يَّغْلِبُوْٓا اَلْفًا مِّنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ

(اور دیکھو) اگر (دشمن) صلح کی طرف جھکیں تو چاہیئے تم بھی اس کی طرف جھک جاؤ، اور (ہر حال میں) ۶۱
اللہ پر بھروسہ رکھو۔ بلاشبہ وہی ہے جو (سب کی) سنتا اور (سب کچھ) جانتا ہے!

اور (اے پیغمبر!) اگر ان کا ارادہ یہ ہوگا کہ تجھے دھوکا دیں، تو (کوئی اندیشہ کی بات نہیں) اللہ کی ذات ۶۲
تیرے لئے کافی ہے۔ وہی ہے جس نے اپنی مددگاری سے اور مومنوں (کی جماعت) سے تیری تائید کی اور وہی
ہے جس نے مومنوں کے دلوں میں باہم الفت پیدا کر دی۔ اگر تو وہ سب کچھ خرچ کر ڈالتا جو روئے زمین
میں ہے، جب بھی ان کے دلوں کو باہمی الفت سے نہ جوڑ سکتا۔ لیکن یہ اللہ ہے جس نے ان میں باہمی
الفت پیدا کر دی۔ بلاشبہ وہ (اپنے کاموں میں) غالب اور حکمت والا ہے!

۶۲ (۳۱) آیت (۶۰) میں فرمایا جہاں تک تمہارے بس میں ہے کیونکہ یہ تو ممکن نہیں کہ کوئی جماعت اس طرح کا سرسامان جنگ مہیا کر سکے جو ہر اعتبار سے مکمل ہو۔ پس معلوم ہوا مسلمانوں کو اس بارے میں جو کچھ حکم دیا گیا ہے، وہ یہ ہے کہ اپنے مقدور کے مطابق جو کچھ کر سکتے ہیں کریں، اور ادائے فرض کے لئے آمادہ ہو جائیں
۶۴ یہ بات نہیں ہے کہ جب تک دنیا جہان کے ہتھیار اور ہر قسم کے ساز و سامان مہیا نہ ہو جائیں اس وقت تک بے بسی کا عذر کرتے رہیں اور فرض و دفاع سے بے فکر ہو جائیں۔
اگر مسلمانوں نے اس آیت کی روح کو سمجھا ہوتا، تو اس اپاہج پنے میں مبتلا نہ ہوتے جو ڈیڑھ سو برس سے تمام مسلمانوں پر چھائی ہوئی ہے۔
(۳۲) چونکہ جنگ کی تیاری بغیر مال کے نہیں ہو سکتی تھی، اس لئے اس کے بعد کی آیت میں انفاق فی سبیل اللہ پر زور دیا۔ اگر اس انفاق کی حقیقت آج مسلمان صحیح طور پر سمجھ لیں، تو ان کی ساری مصیبتیں ختم ہو جائیں۔
(۳۳) آیت (۶۱-۶۲) نے کیسے قطعی لفظوں میں قرآن

اے پیغمبر! اللہ تیرے لئے کفایت کرتا ہے اور ان مومنوں کو بھی جو تیرے پیچھے چلنے والے ہیں[1]!

اے پیغمبر! مومنوں کو لڑائی کا شوق دلا۔ مسلمانوں اگر تم میں بیس آدمی بھی مشکلوں کو جھیل جانے والے نکل آئے، تو یقین کرو، وہ دو سو دشمنوں پر غالب ہو کر رہینگے، اور اگر تم میں ایسے آدمی سو ہو گئے، تو سمجھ لو، ہزار کافروں کو مغلوب کر کے رہینگے۔ اور یہ اس لئے ہوگا کہ کافروں کا گروہ ایسا

[1] اس آیت کا صحیح ترجمہ یہی ہے اگرچہ بصرہ کے ائمہ نحو اس کے خلاف گئے ہیں، وما کان سیبویہ بنی النحو ولا معصوما۔

مَا لَكُمْ مِّنْ وَّلَايَتِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ حَتّٰى يُهَاجِرُوْا ۚ وَاِنِ اسْتَنْصَرُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ فَعَلَيْكُمُ
النَّصْرُ اِلَّا عَلٰى قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ ۗ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۷۲
بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۗ اِلَّا تَفْعَلُوْهُ تَكُنْ فِتْنَةٌ فِي الْاَرْضِ وَفَسَادٌ كَبِيْرٌ ۝ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۷۳
وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ۗ
لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ۝ ۷۴

رائے ہوئی کہ انہیں قتل کر دینا چاہیے حضرت عمرؓ بھی انہی میں تھے لیکن آنحضرت نے عام رائے کے مطابق فیصلہ فرمایا، اور قیدیوں کے لئے فدیہ طلب کیا گیا، اور جن قیدیوں کے لئے فدیہ نہیں ملا وہ روک لئے گئے۔

اس پر آیت (۶۷) نازل ہوئی۔ فرمایا دنیا میں نبی اس لئے نہیں آتے کہ ان کے پیرو دشمنوں کو قید رکھ کر فدیے کا روپیہ لیں، بلکہ مقصود اصلی دعوت حق کا اعلان ہوتا ہے پس نبی کو سزاوار نہیں کہ جب تک اسکی دعوت ملک میں ظاہر و غالب نہ ہو جائے ایران جنگ کو فدیہ کے لئے روکے رکھے۔ تمہاری نظر متاع دنیا پر ہے، اور خدا نے تمہارے لئے آخرت کا انعام پسند کیا ہے

چنانچہ اس کے بعد آیت (۷۰) نے معاملہ بالکل صاف کر دیا فرمایا جو قیدی فدیے کے لئے روک لئے گئے ہیں، ان سے کہدو اگر تمہاری نیتیں صاف ہیں تو تمہارے لئے کوئی کھٹکا نہیں

جہاں تک ایران جنگ کا تعلق ہے، سورہ محمد کی آیت (۴) نے آخری حکم دیدیا ہے۔ فَاِمَّا مَنًّا بَعْدُ وَاِمَّا فِدَآءً یعنی آئندہ یا تو احسان رکھکر چھوڑ دیا کرو، یا فدیہ لے کر جیسی مصلحت وقت ہو۔

حال ایسا ہوا کہ ایمان تو لائے مگر ہجرت نہیں کی، تو تمہارے لئے ان کی اعانت و رفاقت میں سے کچھ نہیں ہے، جب تک وہ اپنے وطن سے ہجرت نہ کریں، ہاں اگر دین کے بارے میں تم سے مدد چاہیں تو بلاشبہ تم پر ان کی مدد گاری لازم ہے۔ اِلّا یہ کہ کسی ایسے گروہ کے مقابلہ میں مدد چاہی جائے جس سے تمہارا (صلح و امن کا) عہد و پیمان ہے (کہ اس صورت میں تم عہد و پیمان کے خلاف قدم نہیں اٹھا سکتے) اور تم جو کچھ کرتے ہو اللہ کی نگاہ سے پوشیدہ نہیں! ۷۲

اور (دیکھو) جن لوگوں نے کفر کی راہ اختیار کی ہے، وہ بھی (راہ کفر میں) ایک دوسرے کے کارساز و رفیق ہیں۔ اگر تم ایسا نہ کرو گے (یعنی باہمی ولایت

اور بھائی چارگی کا جو حکم دیا گیا ہے، اور وفاء عہد اور اعانت مسلمین کی جو تلقین کی گئی ہے، اس پر کاربند نہیں رہو گے) تو ملک میں فتنہ پیدا ہو جائے گا اور بڑی ہی خرابی پھیلے گی۔

(۳۸) آیت (۷۲) سے آخر سورت تک جو کچھ بیان کیا گیا ہے اس کا خلاصہ حسب ذیل ہے:۔

(۱) اسلام کی دعوت نے باہمی الفت و سازگاری کی جو روح پھونک دی تھی اس کا ایک عجیب و غریب منظر تاریخ نے آج تک محفوظ رکھا ہے، یہ نومسلموں کا باہمی بھائی چارہ

(غرضکہ) جو لوگ ایمان لائے ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا، اور جن لوگوں نے (مہاجرین مکہ کو) پناہ دی اور مدد کی تو فی الحقیقت یہی (سچے) مومن ہیں۔ ان کے لئے بخشش ہے اور عزت کی روزی ۷۴

ع ۶۹ حَلٰلًا طَيِّبًا ۖ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّمَنْ فِيْٓ اَيْدِيْكُمْ مِّنَ
الْاَسْرٰٓى ۙ اِنْ يَّعْلَمِ اللّٰهُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ خَيْرًا يُّؤْتِكُمْ خَيْرًا مِّمَّآ اُخِذَ مِنْكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ
۷۰ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ وَاِنْ يُّرِيْدُوْا خِيَانَتَكَ فَقَدْ خَانُوا اللّٰهَ مِنْ قَبْلُ فَاَمْكَنَ مِنْهُمْ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ
۷۱ حَكِيْمٌ ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ
اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا اُولٰۗىِٕكَ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَاۗءُ بَعْضٍ ۭ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يُهَاجِرُوْا

اس سے معلوم ہوا مسلمانوں کی باہمی الفت ایک ایسی نعمت ہے جسے خدا نے اپنا خاص انعام قرار دیا ہے۔ افسوس ان پر جو اس نعمت سے محرومی پر قانع ہو گئے، اور اس کے لئے اپنے اندر کوئی جلن محسوس نہیں کی!

آج باہمی الفت کی جگہ باہمی عداوت مسلمانوں کی سب بڑی پہچان ہو گئی ہے اسی کو انقلاب حال کہتے ہیں!

۶۹ (۳۵) آیت (۶۵) اور (۶۶) میں دو مختلف حالتوں کے لئے تعلیم و نصیحت کی دو مختلف صورتیں فرمائی ہیں۔ ایمان کا خاصہ تو یہ ہونا چاہئے کہ ایک مسلمان دس دشمنوں پر بھاری رہے۔ لیکن چونکہ ابھی تمہاری حالت بڑی ہی کمزوری کی حالت ہے۔ اس لئے کم از کم اپنے سے دوگنی تعداد کا مقابلہ کرو، قوانین حق کا تبدیلہ یہ ہے کہ غالب رہو گے۔

۷۰ (۳۶) آیت (۶۷) میں علت کی توجیہ یہ کی کہ بانھم قوم لا یفقھون تمہارے دشمنوں کا گروہ ایسا گروہ ہے جس میں سمجھ بوجھ نہیں، یعنی محض اندھے پن کا تعصب ہے جس کے جوش میں لڑ رہے ہیں۔ علم و بصیرت، معاملہ فہمی، اور صلاحیت کار سے محروم ہیں، اور چونکہ محروم ہیں اس لئے کتنی ہی بڑی تعداد میں ہوں اصحاب دانش و بصیرت کے مقابلہ میں ٹھہر نہیں سکتے۔

۷۱ آج کل کے مسلمانوں کو غور کرنا چاہئے کہ اب اصحاب دانش و بصیرت وہ ہیں، یا دنیا کی دوسری قومیں؟ اگر حالات منقلب ہو گئے ہیں تو نتائج بھی کیوں منقلب نہ ہو جائیں؟

(۳۷) جنگ بدر میں جب دشمن قید ہوئے تو سوال پیدا ہوا، اس بارے میں کیا کرنا چاہئے؟ چونکہ اس وقت مسلمان بڑی ہی تنگی و افلاس کی حالت میں تھے، اس لئے عام رائے یہ تھی کہ قیدیوں کے لئے فدیہ مانگا جائے، اور جب تک فدیہ وصول نہ ہو قیدی رہا نہ کئے جائیں۔ بعض صحابہ کی

اسے حلال و پاکیزہ سمجھ کر اپنے کام میں لاؤ، اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ بلاشبہ اللہ بخشنے والا رحمت والا ہے

اے پیغمبر! لڑائی کے قیدیوں میں سے جو لوگ تمہارے قبضہ میں ہیں، ان سے کہدو "اگر اللہ نے تمہارے دلوں میں کچھ نیکی پائی، تو جو کچھ تم سے لیا گیا ہے اس سے کہیں بہتر چیز تمہیں عطا فرمائے گا، اور تمہیں بخش دے گا۔ وہ بڑا بخشنے والا رحمت والا ہے"

اور اگر ان لوگوں نے چاہا تمہیں دغا دیں تو (کوئی وجہ نہیں کہ تم اس اندیشہ سے اپنا طرز عمل بدل ڈالو) اس سے پہلے خود اللہ کے ساتھ خیانت کر چکے ہیں، اور اسی کی پاداش ہے کہ تمہیں ان پر قدرت دیدی گئی ہے، اور (یاد رکھو) اللہ سب کچھ جانتا اور اپنے تمام کاموں میں) حکمت کو رکھنے والا ہے!

جو لوگ ایمان لائے، ہجرت کی، اور اللہ کی راہ میں اپنے مال اور اپنی جانوں سے جہاد کیا، اور جن لوگوں نے (مکہ کے مہاجروں کو مدینہ میں) جگہ دی اور ان کی مدد کی، تو یہی لوگ ہیں کہ ان میں سے ایک دوسرے کا کارساز و رفیق ہے اور جن لوگوں کا

والایمان من قبلھم الا (۵۹) نیز والسابقون السابقون اولٰئک المقربون (۵۶) ۱۲) اور یہ ظاہر ہے کہ سچائی کی راہ میں جو درجہ پہل کرنے والوں کا ہوتا ہے، وہ دوسروں کو نصیب نہیں ہو سکتا۔

(ح) اس کے بعد فرمایا، جو لوگ آئندہ ایمان لائیں، ہجرت و جہاد کریں، (یا جن لوگوں نے پہلی ہجرت کے بعد ایمان قبول کیا اور ہجرت کی) تو گو یہ پہلی دو جماعتوں سے پیچھے آئے لیکن انہی میں داخل سمجھے جائیں، یعنی اسی طرح مواخاۃ و اشتراک کے مستحق سمجھے جائیں۔

(ط) اس کے بعد وراثت کا معاملہ صاف کر دیا۔ مسلمانوں میں اسلامی بھائی چارگی کا ایسا ولولہ پیدا ہو گیا تھا کہ خون کے عزیزوں سے کہیں زیادہ رشتہ حق کے ان عزیزوں کو اپنا سمجھنے لگے تھے۔ حتی کہ اگر ایک مر جاتا، تو رشتۂ مواخاۃ کا بھائی اس کا وارث سمجھا جاتا۔ انہوں نے اپنے سارے پچھلے رشتے ہلا دیے۔ صرف ایک ہی رشتہ کی لگن باقی رہ گئی تھی یعنی سب اللہ کے رسول کے فدائی اور سب اسی کے جو جاں آپر اپنا سب کچھ نثار کر دینے والے ہیں:

تو نخل خوش ثمر کیستی؟ کہ باغ و چمن
ہمہ ز خویش بریدند و در تو پیوستند!

لیکن یہاں فرمایا، جو قرابت دار ہیں، وہ خدا کے ٹھہرائے ہوئے قرابت دار ہیں، اور صلہ رحمی کا رشتہ کسی حال میں نظر انداز نہیں کرنا چاہئے۔ پس وراثت وغیرہ کے حقوق سے وہ محروم نہیں کئے جا سکتے۔ یاد رہے یہاں اولوا الارحام سے مقصود اولوالارحام مصطلحہ فرائض نہیں ہیں، بلکہ مصطلحہ لغت، یعنی قرابت دار۔

(ی) آیت (۷۳) میں فرمایا" اگر ایسا نہ کرو گے تو ملک میں فتنہ اٹھے گا اور بڑی ہی خرابی پھیلے گی"۔ یعنی دین حق کی دشمنی میں کفار ایک دوسرے کے کارساز و رفیق ہو گئے ہیں، پس چاہئے، تم بھی راہ حق میں ایک دوسرے کے کارساز و رفیق رہو۔ نیز اپنے عہد و پیمان میں پوری طرح پکے رہو، کسی حال میں اس سے باہر نہ جاؤ۔ اگر تم ایسا نہ کرو گے، تو ظلم و فساد سر اٹھائے گا، اور امن و عدالت کا جو دروازہ کھل رہا ہے، نہ کھل سکے گا۔

جن مٹھی بھر مظلوم مسلمانوں نے دعوت حق کا بیج لو یا تھا اس کا یہ حال تھا، لیکن آج جب کہ روئے زمین میں چار سو ملین مسلمان موجود ہیں، ان کی باہمی مواخاۃ کا کیا حال ہے؟ ہندوستان کے مسلمانوں کا کیا حال ہے جس میں ستر ملین مسلمان بستے ہیں؟

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا مَعَكُمْ فَاُولٰٓئِكَ مِنْكُمْ ۭ وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝

ع ۱۴ ۷۵

تھا جسے عربی میں مواخاۃ کہتے ہیں یعنی اسلام کے رشتہ سے ایک نومسلم دوسرے نومسلم کا بھائی ہو جاتا تھا، اور پھر ساری باتوں میں دونوں ایک دوسرے کی شرکت و مالکیت کے ویسے ہی حق دار ہو جاتے، جیسے حقیقی بھائی ہوتے ہیں حتی کہ اگر ایک مر جائے تو دوسرا اس کا وارث ہو جاتا تھا!

یہ مواخاۃ دو مرتبہ ہوئی۔ ایک مرتبہ مکہ میں اور یہ صرف مہاجرین کے درمیان ہوئی تھی، دوسری مرتبہ مدینہ میں اور یہ مہاجرین اور انصار کے درمیان ہوئی تھی۔ یعنی مکہ کے جو لوگ ہجرت کر کے آئے، ان میں اور مدینہ کے خونسلموں میں ایک قول کے مطابق یہ نوے آدمی تھے اور ایک قول میں سو ۱۰۰

(ب) مسلمانوں کی بڑی تعداد ہجرت کر کے مدینہ چلی آئی تھی۔ لیکن کچھ لوگ ایسے بھی تھے جو موانع و مشکلات سے بے بس ہو کر مکہ ہی میں پڑے رہے۔

(ج) یہاں فرمایا، جو لوگ ایمان لائے، اپنا گھر بار چھوڑا، جان و مال سے راہ حق میں جہاد کیا، تو وہ خواہ کسی قبیلہ اور کسی حلقہ کے ہوں، ایک ہی برادری کے افراد ہو گئے۔ یعنی جاں نثاران حق کی برادری کے ان کا ہر فرد دوسرے فرد کا چارہ ساز و رفیق ہے، اور اسی کارسازی و وفاقت پر تمہاری ساری کامیابیوں کا دارو مدار ہے۔

(د) لیکن جو ایمان تو لائے مگر ابھی تک ہجرت نہ کر سکے، تو ظاہر ہے کہ اس رشتہ کے حقوق میں ان کا کوئی حصہ نہیں ہو سکتا۔ جب تک کہ وہ ہجرت کر کے تم سے آ نہ ملیں۔

(ہ) ہاں اگر وہ دین کے معاملہ میں مدد چاہیں تو تمہارا فرض ہے کہ ان کی مدد کرو۔ محض اس وجہ سے کہ ابھی تک ہجرت نہ کر سکے ایسا نہیں ہو سکتا کہ ہماری مددگاری کے حق دینی سے محروم ہو جائیں۔

(و) البتہ یہ بات نہیں ہونی چاہئے کہ اپنے عہد و پیماں کا وفادار رہتا مسلمانوں کا سب سے پہلا فرض ہے پس اگر وہ کسی ایسے غیر مسلم گروہ کے مقابلہ میں مدد چاہیں جس سے تم صلح و کا عہد و پیمان کر چکے ہو، تو تمہارے لئے جائز نہ ہوگا کہ ان کی مدد کے لئے عہد شکنی کرو۔ نتیجہ خواہ کچھ ہی نکلے۔ لیکن اپنے قول و قرار پر قائم رہنا چاہئے۔

یہ اشارہ اس طرف تھا کہ مدینہ آ کر پیغمبر اسلام نے مدینہ اور اطراف مدینہ کی مختلف جماعتوں سے باہمی صلح و سازگاری کا معاہدہ کیا تھا۔ جو معاہدہ صحیفہ کے نام سے مشہور ہوا۔ صحیفہ کے اکثر دفعات عہد شکنی کر چکے تھے، لیکن ابھی تک مسلمانوں کی طرف سے انفساخ کا اعلان نہیں ہوا تھا۔ اس سے اندازہ کرو کہ قرآن نے وفائے عہد کا، اگرچہ مخالفوں کے ساتھ ہو، اگرچہ اسکی وجہ سے اپنوں کی مدد نہ کی جا سکے، کس درجہ لحاظ رکھا ہے؟

(ز) فرمایا کہ درجہ کے لحاظ سے جو مقام دو پہلی جماعتوں کا ہے، وہ دوسروں کا نہیں ہو سکتا: یعنی مکہ کے ان مہاجرین کا جنہوں نے حق کی خاطر گھر بار چھوڑا اور جان و مال سے جہاد کیا، اور مدینہ کے ان انصار کا جنہوں نے انہیں پناہ دی اور ان کی مددگاری کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے اولئک ھم المومنون حقا، چنانچہ دوسری جگہ فرمایا۔ ۔ ۔ السابقون الاولون من المھاجرین والانصار الخ (۹: ۱۰۰) اور سورۂ حشر میں انہی دو جماعتوں کی طرف اشارہ کیا ہے۔ للفقراء المھاجرین الذین اخرجوا من دیارھم۔ اور والذین تبوؤ الدار

اور جو لوگ بعد کو ایمان لائے اور ہجرت کی اور تمہارے ساتھ ہو کر جہاد کیا، تو وہ بھی تم ہی میں داخل ہیں (انہیں اپنے سے الگ نہ سمجھو) اور (باقی رہے) قرابت دار، تو وہ اللہ کے حکم میں ایک دوسرے کی میراث کے زیادہ حقدار ہیں (پس باہمی بھائی چارگی میں ان کے حقوق فراموش نہ کر دئے جائیں) بلاشبہ اللہ ہر بات کا علم رکھتا ہے۔

إِلَّا الَّذِينَ عَاهَدتُّم مِّنَ الْمُشْرِكِينَ ثُمَّ لَمْ يَنقُصُوكُمْ شَيْئًا وَلَمْ يُظَاهِرُوا عَلَيْكُمْ أَحَدًا
فَأَتِمُّوا إِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ إِلَىٰ مُدَّتِهِمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِينَ ۝ فَإِذَا انسَلَخَ الْأَشْهُرُ الْحُرُمُ ۴
فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ حَيْثُ وَجَدتُّمُوهُمْ وَخُذُوهُمْ وَاحْصُرُوهُمْ وَاقْعُدُوا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ ۚ
فَإِن تَابُوا وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ فَخَلُّوا سَبِيلَهُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝ وَإِنْ أَحَدٌ ۵
مِّنَ الْمُشْرِكِينَ اسْتَجَارَكَ فَأَجِرْهُ حَتَّىٰ يَسْمَعَ كَلَامَ اللَّهِ ثُمَّ أَبْلِغْهُ مَأْمَنَهُ ۚ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ
قَوْمٌ لَّا يَعْلَمُونَ ۝ كَيْفَ يَكُونُ لِلْمُشْرِكِينَ عَهْدٌ ۶ ع ۱

عہد شکنی برداشت نہ کریں چنانچہ دس ہزار مسلمانوں کے ساتھ انہوں نے کوچ کیا، اور بغیر کسی قابل ذکر خونریزی کے مکہ کی فتح مبین ظہور میں آگئی۔ فتح کے بعد ۹ھ ہجری میں اس سورت کی ابتدائی آیتیں تیئس یا چالیس تک نازل ہوئیں اور پیغمبر اسلام نے حضرت ابوبکر اور حضرت علی کو ذیقعدہ میں مکہ بھیجا کہ حج کے موقعہ پر بطور اعلان عام کے یہ آیات مشتہر کردیں۔ یعنی

(ا) جن جماعتوں نے بدعہدی کی، ان کے ساتھ اب کوئی معاہدہ نہیں رہا۔ تاہم اچانک ان پر حملہ نہیں کیا جاتا۔ چار ماہ کی مہلت دی جاتی ہے جو حج کے دن سے شروع ہوگی اور ۱۰ ربیع الآخر ختم ہوگی۔ اس عرصہ میں انہیں نقل و حرکت کا پورا امن حاصل ہوگا لیکن اس کے بعد جنگ کی حالت تصور کی جائیگی

(ب) لیکن جن جماعتوں نے بدعہدی نہیں کی، تو ان کا معاہدہ اپنی جگہ پر قائم ہے۔

(ج) حرم کعبہ اب شرک کی تمام آلودگیوں سے پاک کردیا گیا ہے جو مشرکین عرب نے پیدا کردی تھیں۔ پس آئندہ یہ عبادت گاہ صرف اہل توحید و ایمان کے لئے ہوگی۔ کوئی مشرک آئندہ سال سے اس کا قصد نہ کرے (آیت ۲۸)

سورت کا بقیہ حصہ بھی ۹ھ ہجری ہی میں غزوۂ تبوک کے اثنا میں اور اس کے بعد نازل ہوا تھا۔

ہاں مشرکوں میں سے وہ لوگ کہ تم نے اُن سے معاہدہ کیا تھا، پھر انہوں نے (قول قرار نباہنے میں) کسی طرح کی کمی نہیں کی اور نہ ایسا کیا کہ تمہارے مقابلہ میں کسی کی مدد کی ہو، اس حکم سے مستثنیٰ ہیں۔ پس چاہئے کہ ان کے ساتھ جتنی مدت کے لئے عہد ہوا ہے، اتنی مدت تک اُسے پورا کیا جائے۔ اللہ انہیں دوست رکھتا ہے جو (ہر بات میں) متقی ہوتے ہیں۔

پھر جب حرمت کے مہینے گزر جائیں، تو (جنگ کی حالت قائم ہوگئی) مشرکوں کو جہاں کہیں پاؤ قتل کرو، اور جہاں کہیں ملیں گرفتار کرلو۔ نیز ان کا محاصرہ کرو، اور ہر جگہ ان کی تاک میں بیٹھو پھر اگر ایسا ہو کہ وہ باز آجائیں، نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں، تو ان سے کسی طرح کا تعرض نہ کیا جائے۔ بلاشبہ اللہ بڑا ہی بخشنے والا، رحمت والا ہے! ۵

اور (اے پیغمبر) اگر مشرکوں میں سے کوئی آدمی آئے اور تم سے امان مانگے تو اُسے ضرور امان دو۔ یہانتک کہ وہ (اچھی طرح) اللہ کا کلام سن لے پھر اُسے (بہ امن) اس کے ٹھکانے پہنچا دو یہ بات اس لئے ضروری ہوئی کہ یہ لوگ (دعوتِ حق کی حقیقت کا) علم نہیں رکھتے ۶

(۲) یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ یہاں لڑائی کا جو حکم دیا گیا ہے اس کا

یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ (ان) مشرکوں کا عہد اللہ اور

التوبۃ (۹)

مدنی - ۱۲۹ - آیتیں

بَرَآءَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖٓ اِلَى الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝ فَسِيْحُوْا فِي الْاَرْضِ اَرْبَعَةَ ۱
اَشْهُرٍ وَّاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِي اللّٰهِ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ مُخْزِي الْكٰفِرِيْنَ ۝ وَاَذَانٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖٓ ۲
اِلَى النَّاسِ يَوْمَ الْحَجِّ الْاَكْبَرِ اَنَّ اللّٰهَ بَرِيْٓءٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۙ وَرَسُوْلُهٗ ۭ فَاِنْ تُبْتُمْ فَهُوَ خَيْرٌ
لَّكُمْ ۚ وَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِي اللّٰهِ ۭ وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝ ۳

(۱) کوئی شخص کتنے ہی مخالفانہ ارادے سے مطالعہ کرے لیکن تاریخ اسلام کے چند واقعات اس درجہ واضح اور قطعی ہیں کہ ممکن نہیں ان سے انکار کیا جاسکے۔ ازانجملہ یہ کہ جو جماعتیں پیغمبر اسلام کی مخالف تھیں، ان کے تمام کام اول سے لیکر آخر تک ظلم و تشدد، دغا و فریب، وحشت و خونخواری پر مبنی رہے، اور پیغمبر اسلام اور ان کے ساتھیوں نے جو کچھ کیا، اس کا ایک ایک فعل صبر و تحمل، راستی و دیانت، اور عفو و بخشش کا اعلیٰ سے اعلیٰ نمونہ تھا۔ مظلومی میں صبر، مقابلہ میں عزم، معاملہ میں راست بازی، طاقت و اختیار میں درگذر، تاریخ انسانیت کے وہ نوادر ہیں جو کسی ایک زندگی کے اندر اس طرح کبھی جمع نہیں ہوئے۔ ۱

(۲) قریش مکہ نے جس طرح ظلم و تعدی میں کمی نہیں کی، اسی طرح بدعہدی میں بھی اپنی مثال چھوڑ گئے۔ آخری معاملہ حدیبیہ کی صلح کا تھا۔ اس میں ایک طرف مسلمان اور ان کے حلیف تھے دوسری طرف قریش اور ان کے حلیف۔ مسلمانوں کے ساتھ قبیلہ خزاعہ شریک ہوا۔ قریش کے ساتھ بنو بکر۔ صلح کی بنیادی شرط یہ تھی کہ دس برس تک دونوں فریق صلح و امن پر قائم رہیں گے لیکن ابھی دو برس ہی نہیں گذرے تھے کہ بنو بکر نے خزاعہ پر حملہ کر دیا۔ اور قریش نے ان کی مدد کی حتیٰ کہ خود سہیل بن عمر حملہ میں شریک ہوا جس نے معاہدہ حدیبیہ پر دستخط کئے تھے۔ بنو خزاعہ نے خانہ کعبہ میں پناہ لی اور خدا کے نام پر امان مانگی تھی، اس پر بھی بے دریغ قتل کئے گئے تھے۔ چالیس آدمی روتے ہوئے مدینہ پہنچے، اور پیغمبر اسلام کو اپنا حال زار سنایا۔ ۲

(۳) اب معاہدہ کی رو سے پیغمبر اسلام کا فرض ہو گیا کہ قریش کی

(مسلمانو!) جن مشرکوں کے ساتھ تم نے (صلح و امن کا) معاہدہ کیا تھا، اب اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے بری الذمہ ہونے کا ان کے لئے اعلان ہے، کہ "چار مہینے تک ملک میں چلو پھرو (کوئی روک ٹوک نہیں۔ اس کے بعد جنگ کی حالت قائم ہو جائے گی) اور یاد رکھو، تم کبھی اللہ کو عاجز نہ کر سکو گے، اور اللہ منکروں کو (پیروان حق کے ہاتھوں) ذلیل کرنے والا ہے"۔

اور اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے حج کے بڑے دن عام منادی کی جاتی ہے کہ اللہ مشرکوں سے بری الذمہ ہے اور اس کا رسول بھی۔ (یعنی اب کوئی معاہدہ اللہ کے نزدیک باقی نہیں رہا اور نہ اس کا رسول کسی معاہدہ کے لئے ذمہ دار ہے) پس اگر تم (اب بھی ظلم و شرارت سے) توبہ کر لو۔ تو تمہارے لئے اس میں بہتری ہے، اور اگر نہ مانو گے تو جان رکھو، تم اللہ کو عاجز نہیں کر سکتے، اور (اے پیغمبر!) جو لوگ کفر کی راہ چل رہے ہیں، انہیں عذاب دردناک کی خوشخبری سنا دو!

لَا يَرْقُبُوْنَ فِيْ مُؤْمِنٍ اِلًّا وَّلَا ذِمَّةً ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُعْتَدُوْنَ ۝ فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ ۱۰
وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَاِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ ۭ وَنُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۝ وَاِنْ نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ ۱۱
مِّنْۢ بَعْدِ عَهْدِهِمْ وَطَعَنُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ فَقَاتِلُوْٓا اَىِٕمَّةَ الْكُفْرِ ۙ اِنَّهُمْ لَآ اَيْمَانَ لَهُمْ لَعَلَّهُمْ
يَنْتَهُوْنَ ۝ اَلَا تُقَاتِلُوْنَ قَوْمًا نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ وَهَمُّوْا بِاِخْرَاجِ الرَّسُوْلِ وَهُمْ بَدَءُوْكُمْ ۱۲
اَوَّلَ مَرَّةٍ ۭ اَتَخْشَوْنَهُمْ ۚ فَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشَوْهُ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ ۱۳

اور جب جانا چاہے تو اسے اس کے ٹھکانے بحفاظت پہنچا دیا جائے تاکہ اپنے امن کی جگہ پہنچ کر آزادی و اختیار کے ساتھ غور و فکر کرے اور جو راہ چاہے اختیار کرے۔

اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ دین کے بارے میں تقلید کافی نہیں۔ فہم و ادراک ضروری ہے، ورنہ قرآن کا سنانا اور پھر غور و فکر کی مہلت دینا ضروری نہ ہوتا۔ یاد رہے قرآن جس طرح اس معاملہ میں جبر کی پرچھا میں بھی دیکھنا نہیں چاہتا اسی طرح تقلیدی اعتقاد کا بھی روادار نہیں۔

کسی مومن کے لئے نہ تو قرابت کا پاس کرتے ہیں، نہ عہد و قرار کا۔ یہی لوگ ہیں کہ ظلم میں حد سے گزر گئے ہیں۔ ۱۰

بہرحال اگر یہ باز آئیں، نماز قائم کریں، زکوٰۃ ادا کریں، تو (پھر ان کے خلاف تمہارا ہاتھ نہیں اٹھنا چاہئے۔ وہ) تمہارے دینی بھائی ہو گئے۔ ان لوگوں کے لئے جو جاننے والے ہیں ہم اپنی آیتیں کھول کھول کر بیان کر دیتے ہیں۔ ۱۱

اور اگر یہ اپنے عہد و پیمان جو خود کر چکے ہیں، توڑ ڈالیں، اور تمہارے دین کو برا بھلا کہیں، تو پھر (اس کے سوا چارہ نہیں کہ ان) کفر کے سرداروں سے جنگ کرو۔ یہ ایسے لوگ ہیں کہ ان کی سوگند سوگند نہیں (اور تمہیں جنگ اس لئے کرنی چاہئے) تاکہ یہ (ظلم و بدعہدی سے باز آجائیں۔ ۱۲

(مسلمانو!) کیا تم ایسے لوگوں سے جنگ نہیں کرتے جنہوں نے اپنے عہد و پیمان کی قسمیں توڑ ڈالیں، جنہوں نے اللہ کے رسول کو اس کے وطن سے نکال باہر کرنے کے منصوبے کئے، اور پھر تمہارے برخلاف لڑائی میں پہل بھی انہی کی طرف سے ہوئی؟ کیا تم ان سے ڈرتے ہو؟ (اگر ڈرتے ہو تو تم مومن نہیں۔ کیونکہ) اگر مومن ہو تو اللہ سبحانہ کا زیادہ سزاوار ہے کہ اس کا ڈر تمہارے دلوں میں بسا ہو! ۱۳

(۶) آیت (۷) سے لے کر (۱۳) تک یہ حقیقت واضح کی ہے کہ دشمنوں کی پے در پے عہد شکنیوں اور ظلم و عداوت کو انتہا نے کس طرح اس اعلانِ جنگ کو ناگزیر کر دیا تھا۔ فرمایا جن لوگوں نے بار بار عہد کئے اور بار بار خلاف ورزی کی اور پھر صلح حدیبیہ کا آخری عہد بھی اس طالمانہ طریقہ پر پامال کیا، اب ان کا عہد کیونکر عہد سمجھا جا سکتا ہے۔ ہاں جو فریق اس عہد پر قائم رہے تو یقیناً ان کا عہد اپنی جگہ قائم ہے۔ اسلام کسی حال میں بھی بدعہدی جائز نہیں رکھ سکتا۔ فرمایا ان کی دلی عداوت کا یہ حال ہے کہ اگر اب بھی قابو پا جائیں تو ایک مومن کو زندہ نہ چھوڑیں۔ اگر ایسے لوگوں کے خلاف اعلان جنگ کیا جاتا تو نتیجہ یہ ہوتا کہ مسلمان دائمی خطرہ میں چھوڑ دئے جاتے۔

عِنْدَ اللّٰهِ وَعِنْدَ رَسُوْلِهٖٓ اِلَّا الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۚ فَمَا اسْتَقَامُوْا لَكُمْ
فَاسْتَقِيْمُوْا لَهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ۝ كَيْفَ وَاِنْ يَّظْهَرُوْا عَلَيْكُمْ لَا يَرْقُبُوْا فِيْكُمْ اِلًّا ۷
وَّلَا ذِمَّةً ۭ يُرْضُوْنَكُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ وَتَاْبٰى قُلُوْبُهُمْ ۚ وَاَكْثَرُهُمْ فٰسِقُوْنَ ۝ اِشْتَرَوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ۸
ثَمَنًا قَلِيْلًا فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِهٖ ۭ اِنَّهُمْ سَاۗءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ ۹

فعل صرف ان مشرک جماعتوں سے تھا جو عرب میں دعوت اسلام کی پامالی کے لئے لڑ رہی تھیں، نہ کہ دنیا جہان کے تمام مشرکوں کے لئے۔ چنانچہ اول سے لے کر آخر تک خطاب خاص جماعتوں سے ہے اور ساتھ لفظوں میں واضح کر دیا ہے کہ ان جماعتوں نے کس طرح عہد شکنی کی اور کس طرح خود ہی جنگ کے اعادہ کا باعث ہوئے نیز ظلم و جنگ کی ابتدا کرنے والے بھی وہی ہیں۔

(۳) آیت (۵) سے بات مطلع طور پر واضح ہو گئی کہ جس بات کے بعد ایک جماعت مسلمانوں کی جماعت تسلیم کی جا سکتی ہے وہ یہ ہے کہ زبان سے اسلام کا اقرار کرے۔ اور عمل میں دو باتیں ضرور آ جائیں: نماز کی جماعت کا قیام اور زکوٰۃ کی ادائیگی اگر یہ دو عملی باتیں ایک جماعت میں مفقود ہیں تو اس کا شمار مسلمانوں میں نہ ہوگا۔ ۷

اس اعتبار سے ایک فرد کی حالت ہے اور ایک جماعت کی حالت میں جو فرق ہے اسے نظر انداز نہیں کرنا چاہئے۔ اگر ایک فرد قیام صلوٰۃ اور ادائے زکوٰۃ میں کوتاہی کرتا ہے تو گنہ گار ہے لیکن اگر ایک جماعت نے بہ حیثیت جماعت کے ترک کر دیا، تو اسلامی زندگی کی بنیادی شناخت کھو دی اور وہ مسلمان نہیں۔

ان چند لفظوں میں نہیں اس تمام نزاع کا فیصلہ مل جا سکتا ہے جو تارک صلوٰۃ کے باب میں چلی آتی ہے۔ ذرا ٹھنڈے غور و فکر سے کام لو۔ ۸

(۴) غور کرو جنگ کی سخت سے سخت حالت میں بھی اصل مقصد یعنی ارشاد و موعظت کا دروازہ کس طرح کھلا رکھا؟ اور کس طرح دین و اعتقاد کے معاملہ کو جبر و اکراہ کے شبہ سے بھی بالاتر رکھا گیا؟ آیت (۶) میں فرمایا، ان مشرکوں میں ایسے لوگ بھی ہو سکتے ہیں جن میں قرآن سننے اور حقیقت حال معلوم کرنے کی خلش پیدا ہو اگر کوئی ایسا آدمی آ جائے، تو میں لڑائی کی حالت میں بھی اسے بخوشی پناہ دو جب تک وہ چاہے قرآن سنے ۹

اس کے رسول کے نزدیک عہد ہو؟ ہاں جن لوگوں کے ساتھ تم نے مسجد حرام کے قریب (حدیبیہ میں) عہد و پیمان باندھا تھا (اور انہوں نے اسے نہیں توڑا) تو (ان کا عہد ضرور عہد ہے، اور) جب تک وہ تمہارے ساتھ (اپنے عہد پر) قائم رہیں، تم بھی ان کے ساتھ (اپنے عہد پر) قائم رہو۔ اللہ انہیں دوست رکھتا ہے جو (اپنے تمام کاموں میں) متقی ہوتے ہیں۔

ان مشرکوں کا عہد کیونکر ہو سکتا ہے جبکہ ان کا حال یہ ہے کہ اگر آج تم پر غلبہ پا جائیں، تو نہ تو تمہارے لئے قرابت کا پاس کریں، نہ کسی عہد و پیمان کا۔ وہ اپنی باتوں سے تمہیں راضی کرنا چاہتے ہیں، مگر ان کے دلوں کا فیصلہ اس کے خلاف ہے اور ان میں زیادہ تر ایسے ہی لوگ ہیں جو فاسق ہیں (یعنی راست بازی کے تمام طریقوں اور پابندیوں سے باہر ہو چکے ہیں)

ان لوگوں نے اللہ کی آیتیں ایک بہت ہی حقیر قیمت پر بیچ ڈالیں (یعنی ہوا و نفس کے تابع ہو گئے۔ اور اللہ کی آیتوں پر یقین نہیں کیا) پس اس کی راہ سے لوگوں کو روکنے لگے۔ افسوس ان کا کیا ہی برا ہے جو یہ لوگ کرتے ہے ہیں!

إِنَّمَا يَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ وَلَمْ يَخْشَ
إِلَّا اللّٰهَ فَعَسٰٓى اُولٰٓئِكَ اَنْ يَّكُوْنُوْا مِنَ الْمُهْتَدِيْنَ ۝ اَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَآجِّ وَعِمَارَةَ ۱۸
الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ كَمَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَجٰهَدَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ لَا يَسْتَوٗنَ عِنْدَ
اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ ۱۹ ع
اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ۙ اَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللّٰهِ ۭ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَاۗىِٕزُوْنَ ۝ يُبَشِّرُهُمْ ۲۰
رَبُّهُمْ بِرَحْمَةٍ مِّنْهُ وَرِضْوَانٍ وَّجَنّٰتٍ لَّهُمْ

قوت کا خاتمہ ہوگیا۔ ان کی رسوائی اس سے زیادہ کیا ہوگی کہ تاریخ کے صفحات پر ہمیشہ کے لئے ثبت ہوگئی اور پھر مسلمانوں کے دلوں کو مظلومیت و بے چارگی کے ساتھ دکھوں سے کیسی شفا۔ کامل نو کہ پچیس برس کے اندر وہ کرۂ زمین کی سب سے اثر و بہتر مخلوق تسلیم کر لئے گئے!

(۹) آیت (۱۷) سے سلسلہ بیان ایک دوسرے معاملہ کی طرف متوجہ ہوا ہے، جس کا اس موقعہ پر اعلان کیا گیا تھا، اور جو فی الحقیقت اس صورت حال کا لازمی نتیجہ تھا۔ یعنی خانہ کعبہ کی منتقل حیثیت۔ فرمایا، یہ پرستاران توحید کی عبادت گاہ تھی، اور اب آئندہ بھی انہی کے لئے مخصوص رہیگی، مشرکوں کو یہ حق نہیں کہ اسے اپنے مشرکانہ اعمال و رسوم سے ملوث کریں۔ چنانچہ اوپر گذر چکا ہے کہ ۹ سنہ ہجری کے حج میں حضرت علی نے جن امور کا اعلان عام کیا، ان میں ایک بات یہ بھی تھی کہ آئندہ سال سے کوئی مشرک خانۂ کعبہ میں قدم نہ رکھ سکے گا۔ اور اسی حکم کی یہ تمہید ہے جو آیت مذکور سے شروع ہوتی ہے۔

(۱۰) قریش مکہ کو خانۂ کعبہ کی مجاوری اور حاجیوں کے کاروبار کے منصرم ہونے کا بڑا فخر تھا۔ اور جب ایک جماعت اعتقاد و عمل کی حقیقت سے محروم ہو جاتی ہے، تو اسی طرح کے رسوم و مظاہر کو ہر طرح کی بزرگی و سیادت کا قائم مقام سمجھنے لگتی ہے۔ چنانچہ آج کل مسلمانوں کا بھی یہی حال ہے کسی بزرگ کی سجادہ نشینی، کسی مزار کی مجاوری کی زیارت گاہ کا متولی ہونا، جو اثر و رسوخ رکھتا ہے، وہ بہت سے بڑے اور بہتر سے بہتر انسانوں کو بھی حاصل نہیں ہو سکتا۔ ایک صالح و متقی مسلمان کو کوئی نہیں پوچھے گا، لیکن ایک فاسق و فاجر مجاور یا متولی درگاہ کی ہر راہ چلتا آدمی قدم بوسی کر سکے گا!

یہاں اسی گمراہی کا انسداد کیا ہے۔ فرمایا۔ اصلی نیکی یہ نہیں ہے کہ حاجیوں کو پانی پلانے کی سبیل لگا دی یا خانہ کبہ میں روشنی کر دی

فی الحقیقت مسجدوں کو آباد کرنے والا تو وہ ہے، جو اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان لایا، نماز قائم کی زکوٰۃ ادا کی اور اللہ کے سوا اور کسی کا ڈر نہ مانا، جو لوگ ایسے ہیں انہی سے توقع کی جا سکتی ہے کہ وہ (سعادت و کامیابی کی) راہ پانے والے ثابت ہونگے! ۱۸

کیا تم لوگوں نے یوں ٹھہرا رکھا ہے کہ حاجیوں کے لئے سبیل لگا دینی اور مسجد حرام کو آباد رکھنا اسی درجہ کا کام ہے جیسا اس شخص کا کام جو اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان لایا اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا؟ اللہ کے نزدیک تو یہ دونوں برابر نہیں، اور اللہ کا قانون یہ ہے کہ وہ) ظلم کرنے والوں پر (کامیابی کی) راہ نہیں کھولتا۔ ۱۹

جو لوگ ایمان لائے، ہجرت کی، اور اپنے مال اور جان سے اللہ کی راہ میں جہاد کیا، تو یقیناً اللہ کے نزدیک ان کا بہت بڑا درجہ ہے اور وہی ہیں جو کامیاب ہونے والے ہیں! ۲۰

ان کا پروردگار انہیں اپنی رحمت اور کامل خوشنودی کی بشارت دیتا ہے۔ نیز ایسے باغوں

قَاتِلُوهُمْ يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ بِأَيْدِيكُمْ وَيُخْزِهِمْ وَيَنصُرْكُمْ عَلَيْهِمْ وَيَشْفِ صُدُورَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِينَ ۙ ۱۴
وَيُذْهِبْ غَيْظَ قُلُوبِهِمْ ۗ وَيَتُوبُ اللّٰهُ عَلَىٰ مَن يَشَاءُ ۗ وَاللّٰهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ۝ أَمْ حَسِبْتُمْ أَن ۱۵
تُتْرَكُوا وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِينَ جَاهَدُوا مِنكُمْ وَلَمْ يَتَّخِذُوا مِن دُونِ اللّٰهِ وَلَا رَسُولِهِ وَلَا
الْمُؤْمِنِينَ وَلِيجَةً ۚ وَاللّٰهُ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ۝ مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِينَ أَن يَعْمُرُوا مَسَاجِدَ ع ۱۶
اللّٰهِ شَاهِدِينَ عَلَىٰ أَنفُسِهِم بِالْكُفْرِ ۚ أُولَٰئِكَ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ ۖ وَفِي النَّارِ هُمْ خَالِدُونَ ۝ ۱۷

آیت (۱۳) میں فرمایا، یہ جو کچھ بھی ہو رہا ہے اس کی ابتدا کس نے کی؟ کس نے مظلوموں کو جلاوطنی پر مجبور کیا اور کون فوج لے کر ان پر حملہ آور ہوا؟ یہی لوگ تھے جو سب کچھ کرتے رہے۔ اب اگر ہم ان کے خلاف ہتھیار اٹھانے پر مجبور ہوئے ہیں تو اس کی ذمہ داری انہی پر ہے۔

(۷) پھر غور کرو قرآن ہر جگہ اس جنگ کا مقصد کیا قرار دیتا ہے جس کی اس نے اجازت دی تھی؟ آیت (۱۲) میں فرمایا ۱۴
لعلهم ينتهون تاکہ ظلم و بدعہدی سے باز آجائیں۔ اسی طرح سورۂ انفال کی آیت (۵۷) میں گذر چکا ہے۔ لعلهم يذكرون تاکہ عبرت پذیر ہوں۔ یعنی یہ دفاعی جنگ ۱۵
بھی انتقال کے خیال سے یا دنیوی انتفاع و تغلب کے لئے نہیں ہے بلکہ محض اس لئے ہے کہ ارباب ظلم و تشدد اپنی بدکرداریوں سے باز آجائیں۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ ناگزیر حالت سے زیادہ ایک لمحہ کے لئے بھی قرآن نے جنگ کا قیام جائز نہیں رکھا، اور پے عہد شکنوں اور سخت سے سخت مظالم کے بعد بھی دشمنوں پر دروازہ کبھی بند نہیں کیا۔

(۸) آیت (۱۴) میں چھ باتیں زمائی تھیں:

(ا) تمہارے ہاتھوں انہیں عذاب ملے گا۔

(ب) وہ رسوا ہوں گے۔

(ج) تم فتح مند ہوگے۔ ۱۶

(د) مومنوں کے دلوں میں اپنی مصیبتوں اور اندوہوں کے جتنے دکھ ہیں، سب دور ہو جائیں گے۔

(ہ) ان کے دلوں جلن نکل جائیگی۔

(و) جنہیں توبہ ملنی ہے، وہ تائب ہونگے۔

چنانچہ غور کرو کس طرح یہ تمام باتیں حرف بحرف پوری ہوئیں۔ مشرکین عرب کی ہستی ہمیشہ کے لئے مٹ گئی۔ انہی مسلمانوں کے ہاتھوں چوبیس برس تک ان مظالم سہتے رہے تھے ان کی ۱۷

(مسلمانو!) ان سے (بلا تامل) جنگ کرو۔ اللہ تمہارے ہاتھوں انہیں عذاب دیگا، انہیں رسوائی میں ڈالے گا، ان پر تمہیں فتح مند کرے گا، اور جماعت مومنین کے دلوں کے سارے دکھ دور کر دے گا، ان کے دلوں کی جلن باقی نہیں رہنے دے گی۔ اور پھر جس پر چاہے گا، اپنی رحمت سے لوٹ آئے گا۔ اللہ سب کچھ جانتا اور (اپنی ہر بات میں) حکمت رکھنے والا ہے!

(مسلمانو!) کیا تم نے ایسا سمجھ رکھا ہے کہ تم اتنے ہی میں چھوڑ دیے جاؤ گے؟ حالانکہ ابھی تو اللہ نے ان لوگوں کو پوری طرح آزمایش میں ڈالا ہی نہیں، جنہوں نے تم میں سے جہاد کیا ہے اور اللہ، اس کے رسول، اور مومنوں کو چھوڑ کر کسی کو اپنا پوشیدہ دوست نہیں بنایا ہے (یاد رکھو) جیسے کچھ بھی تمہارے اعمال ہیں، خدا ان سب کی خبر رکھنے والا ہے!

مشرکوں کو اس بات کا حق نہیں پہنچتا کہ اللہ کی مسجدیں آباد کریں، ایسی حالت میں کہ وہ خود اپنے کفر کا اعتراف کر رہے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ ان کے سارے عمل اکارت گئے، اور وہ عذاب آتش میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔

عَنْكُمْ شَيْـًٔا وَّضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُمْ مُّدْبِرِيْنَ ۝ ثُمَّ اَنْزَلَ اللّٰهُ ۲۵
سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَاَنْزَلَ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا وَعَذَّبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا
وَذٰلِكَ جَزَآءُ الْكٰفِرِيْنَ ۝ ثُمَّ يَتُوْبُ اللّٰهُ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ ۗ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ ۲۶
رَّحِيْمٌ ۝ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ ۲۷
بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا ۚ وَاِنْ

ہیں رکھتیں۔

یہاں سے معلوم ہوا کہ آج کل مسلمانوں کی عام مذہبی ذہنیت کس درجہ اسلام سے دور ہوگئی ہے۔ جاہلیت عرب کی طرح وہ بھی رواجی نیکیوں کو حقیقی اسلامی نیکیوں پر ترجیح دینے لگے ہیں۔ اگر ایک فاسق و فاجر امیر محرم میں سبیل لگا دیتا ہے یا ربیع الاول میں دھوم دھام سے مولود کی مجلس کرا دیتا ہے یا کسی مسجد اور درگاہ میں بجلی کی روشنی کرا دیتا ہے تو تمام مسلمان اسکی حمد و ثنا کا غلغلہ مچا دیتے ہیں اور کوئی یہ نہیں دیکھتا کہ اس کے ایمان و عمل اور ایثار فی اللہ و للہ کا کیا حال ہے۔ سو یاد رکھنا چاہیے کہ رواجی نیکیاں اللہ کے نزدیک نیکیاں نہیں ہیں نیکی کا معیار صرف ایمان و عمل اور ایمان و عمل کی راہ میں ایثار ہے

(۲۴) اوپر گزر چکا ہے کہ یہ سورت سنہ ۹ھ میں نازل ہوئی تھی، اور ابتدائی آیتیں سال کے آخری مہینوں یعنی حج کے مہینوں میں اعلان عام کی غرض سے مشتہر کی گئیں۔ یہ وہ وقت تھا کہ مکہ فتح ہو چکا تھا، جنگ حنین نے دشمنوں کی رہی سہی قوت بھی ختم کر دی تھی، غزوۂ تبوک میں تیس ہزار مسلمانوں نے شرکت کی تھی، اور جزیرہ عرب میں مسلمانوں کے سوا اور کوئی قوت نظر نہیں آتی تھی۔ تاہم صورت حال کے بعض پہلو ایسے تھے جو کمزوری کے حامل تھے

(ا) کہ کے طلقاء کا ایک بڑا گروہ نیا نیا مسلمانوں میں داخل ہوا تھا یعنی ان باشندگان مکہ کا جنہیں پیغمبر اسلام نے عفو و بخشش کی ایک بے نظیر مثال قائم کرتے ہوئے فتح مکہ کے دن آزاد کر دیا تھا اور فرمایا تھا: اذھبوا فانتم الطلقاء۔ آج تم سے کوئی بازپرس نہیں۔ یہ ابھی اسلامی زندگی کی پختگی کے محتاج تھے اور ان میں سے بہتوں کے عزیز و اقربا دشمنوں میں ملے ہوئے تھے۔ جب اعلان جنگ ہوا، تو انہیں اپنے قرابت داروں کی نکار ہوئی۔ بعضوں نے جاہلیت کے نسبی اور خاندانی عصبیت کی صدا بھی بلند کی جو ابھی پوری طرح ان کے دلوں سے محو نہیں ہوئی

محض اپنی کثرت سے میدان مار لوگے) تو دیکھو وہ کثرت تمہارے کچھ کام نہ آئی، اور زمین اپنی ساری وسعت پر بھی تمہارے لئے تنگ ہوگئی۔ بالآخر ایسا ہوا کہ تم میدان کو پیٹھ دکھا کر بھاگنے لگے۔ ۲۵

پھر اللہ نے اپنے رسول پر اور مومنوں پر اپنی جانب سے دل کا سکون و قرار نازل فرمایا، اور ایسی فوجیں اتار دیں جو تمہیں نظر نہیں آتی تھیں، اور (اس طرح) ان لوگوں کو عذاب دیا جنہوں نے کفر کی راہ اختیار کی تھی، اور یہی جزا ہے ان لوگوں کی جو کفر کی راہ اختیار کرتے ہیں! (یعنی ان کی بد عملی کا لازمی نتیجہ یہی ہے)۔ ۲۶

پھر اس میں کے بعد اللہ جس پر چاہے گا، اپنی رحمت سے لوٹ آئے گا (یعنی توبہ قبول کرے گا) اور اللہ بڑا ہی بخشنے والا ہے! ۲۷

مسلمانو! حقیقت حال اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ مشرک نجس ہیں (یعنی شرک نے ان کے دلوں کی پاکی سلب کر لی ہے) پس چاہیے کہ اب اس برس کے بعد سے (یعنی سنہ ۹ ہجری کے بعد) مسجد حرام کے نزدیک نہ آئیں اور اگر تم کو ان کی آمد و رفت کے بند ہو جانے

فِيهَا نَعِيمٌ مُّقِيمٌ ۝ خَٰلِدِينَ فِيهَآ أَبَدًا ۚ إِنَّ ٱللَّهَ عِندَهُۥٓ أَجْرٌ عَظِيمٌ ۝ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ ۝٢١-٢٢
لَا تَتَّخِذُوٓا۟ ءَابَآءَكُمْ وَإِخْوَٰنَكُمْ أَوْلِيَآءَ إِنِ ٱسْتَحَبُّوا۟ ٱلْكُفْرَ عَلَى ٱلْإِيمَٰنِ ۚ وَمَن يَتَوَلَّهُم مِّنكُمْ
فَأُو۟لَٰٓئِكَ هُمُ ٱلظَّٰلِمُونَ ۝ قُلْ إِن كَانَ ءَابَآؤُكُمْ وَأَبْنَآؤُكُمْ وَإِخْوَٰنُكُمْ وَأَزْوَٰجُكُمْ وَعَشِيرَتُكُمْ ۝٢٣
وَأَمْوَٰلٌ ٱقْتَرَفْتُمُوهَا وَتِجَٰرَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسَٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ أَحَبَّ إِلَيْكُم مِّنَ ٱللَّهِ
وَرَسُولِهِۦ وَجِهَادٍ فِى سَبِيلِهِۦ فَتَرَبَّصُوا۟ حَتَّىٰ يَأْتِىَ ٱللَّهُ بِأَمْرِهِۦ ۗ وَٱللَّهُ لَا يَهْدِى ٱلْقَوْمَ
ٱلْفَٰسِقِينَ ۝ لَقَدْ نَصَرَكُمُ ٱللَّهُ فِى مَوَاطِنَ كَثِيرَةٍ ۙ وَيَوْمَ حُنَيْنٍ ۙ إِذْ أَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ ۝٢٤ ع ٣ ٩

اصلی نیکی تو اس کی ہے جو ایمان لایا، اور جس نے اعمالِ حسنہ انجام دیے۔

۲۱ (۱۱) یہ حقیقت بھی واضح کر دی کہ خدا کی عبادت گاہ کی تولیت کا حق متقی مسلمانوں کو پہنچتا ہے اور وہی اسے آباد رکھنے والے ہو سکتے ہیں یہاں سے بات معلوم ہو گئی کہ فاسق و فاجر آدمی مساجد کا متولی نہیں ہو سکتا، کیونکہ دونوں میں کوئی مناسبت باقی نہیں رہتی بلکہ متضاد باتیں جمع ہو جاتی ہیں مسجد خدا پرستی کا مقام ہے، اور متولی خدا پرستی سے نفور!

۲۲ (۱۲) آیت (۱۰) میں مومن صادق کی جو تعریف بیان کی اس میں ایمان باللہ اور قیام صلوٰۃ اور ادائے زکوٰۃ کے ساتھ یہ بھی فرمایا کہ "اللہ کے سوا کسی کا ڈر نہ ماننا" اس سے معلوم ہوا کہ قرآن کے نزدیک اسلام کے فکری و عملی ارکان میں سے ایک رکن یہ بھی ہے، اور جس دل میں ماسوی اللہ کی دہشت ہو وہ پورا مسلمان نہیں۔

۲۳ کی جہاں ان کے لئے ہمیشگی کی نعمت ہو گی اور وہ ان میں ہمیشہ رہنے والے ہوں گے۔ یقیناً اللہ کے پاس (نیک کرداروں کے لئے) بہت بڑا اجر ہے!

مسلمانو! اگر تمہارے باپ اور تمہارے بھائی ایمان کے مقابلہ میں کفر کو عزیز رکھیں تو انہیں اپنا رفیق و کارساز نہ بناؤ۔ اور جو کوئی بنائے گا، تو ایسے ہی لوگ ہیں جو (اپنے اوپر) ظلم کرنے والے ہیں!

اے پیغمبر! مسلمانوں سے کہدے "اگر ایسا ہے کہ تمہارے باپ، تمہارے بیٹے، تمہارے بھائی تمہاری بیویاں، تمہاری برادری، تمہارا مال جو تم نے کمایا ہے تمہاری تجارت جس کے مندا پڑ جانے سے ڈرتے ہو، تمہارے رہنے کے مکانات جو تمہیں اس قدر پسند ہیں، یہ ساری چیزیں تمہیں اللہ سے اس کے رسول سے اور اللہ کی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ پیاری ہیں، تو (کلمۂ حق تمہارا محتاج نہیں) انتظار کرو۔ یہاں تک کہ جو کچھ خدا کو کرنا ہے وہ تمہارے سامنے لے آئے، اور اللہ (کا مقررہ قانون ہے کہ وہ) فاسقوں کو

۲۴ کامیابی و سعادت کی) راہ نہیں کھولتا!

(۱۳) آیت (۱۹) میں واضح کر دیا کہ اللہ کے نزدیک زندگی کی فضیلت کا معیار کیا ہے فرمایا سب سے بڑا اور جانی کہ جنہوں نے سچائی کی راہ میں ہر طرح کی قربانیاں کیں اور ایمان و عمل کی آزمائش میں پورے اترے تمہارے گڑھے ہوئے مقدس و بزرگی کے مناصب روا جو بڑائیاں اللہ کے نزدیک کوئی حقیقت

(مسلمانو!) یہ تو ہے کہ اللہ ہی سے موقعوں تمہاری مدد کر چکا ہے (جبکہ تمہیں اپنی قلت و کمزوری سے کامیابی کی امید نہ تھی) اور جنگ حنین کے موقعہ پر بھی جبکہ تم اپنی کثرت پر اترا گئے تھے (اور سمجھتے تھے

۳۰ اَنّٰی یُؤْفَکُوْنَ ۝ اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَالْمَسِیْحَ ابْنَ
۳۱ مَرْیَمَ ۚ وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِیَعْبُدُوْٓا اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ سُبْحٰنَهٗ عَمَّا یُشْرِکُوْنَ ۝
۳۲ یُرِیْدُوْنَ اَنْ یُّطْفِـُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَیَاْبَی اللّٰهُ اِلَّآ اَنْ یُّتِمَّ نُوْرَهٗ وَلَوْ کَرِهَ الْکٰفِرُوْنَ ۝
هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّهٖ ۙ وَلَوْ کَرِهَ
۳۳ الْمُشْرِکُوْنَ ۝ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ کَثِیْرًا مِّنَ الْاَحْبَارِ وَالرُّهْبَانِ لَیَاْکُلُوْنَ اَمْوَالَ
النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَیَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ۭ وَالَّذِیْنَ یَکْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ

اور علاوہ بھی تب آسکتے ہیں اگر ان آٹھ چیزوں کا ذکر کیا ہے اور اگر غور کرو گے تو ایک تمدن زندگی کے تمام علائق ان میں آگئے ہیں نیز جس ترتیب سے ذکر کیا ہے علائق کی گمراہوں کی تدریجی ترتیب یہی ہے۔

فرمایا، انسان کی مدنی زندگی کے الفتوں کے بڑے رشتے یہی ہیں اور اپنی جگہ سب مطلوب و ضروری ہیں لیکن اگر محبت ایمانی ہیں اور ان میں مقابلہ ہو جائے تو پھر مومن وہ ہے جس پر ان تمام الفتوں میں سے کسی الفت کا بھی جادو چل نہ سکے اور کوئی علاقہ بھی اسے اتباع حق سے روک نہ سکے۔

غور کرو، قرآن فطرت انسانی کی کمزوری کا کس طرح لحاظ رکھتا ہے؟ فرمایا، اور تجارت جس کے منداڑ جانے کا تمہیں ڈر لگا رہتا ہے یعنی عزائم و مقاصد کی راہ میں جب کبھی قدم اٹھایا جائے گا تو ناگزیر ہے کہ صورت حال میں انقلاب ہو اور جب انقلاب ہوگا، خواہ جنگ کی صورت میں ہو، خواہ کسی دوسری صورت میں تو عارضی طور پر کاروبار ضرور بگڑے گا۔ مال و جائداد کے لیے خطرات ضرور پیدا ہوں گے اور یہی بات مال و دولت کے پرستاروں پر ہمیشہ شاق گزرتی ہے وہ کہتے ہیں ہمارا کاروبار خراب ہو جائے گا اور نہیں جانتے کہ اگر راہ حق میں استقامت دکھائیں تو جو کچھ خراب ہوگا، وہ بہت تھوڑا ہوگا اور پھر جو کچھ بنے گا وہ بہت زیادہ ہوگا وان اللہ عندہ اجر عظیم!

محبت ایمانی کی اس آزمائش میں صحابہ کرام جس طرح پورے اترے اسکی شہادت تاریخ نے محفوظ کر لی ہے اور محتاج بیان نہیں بلاشبہ مبالغہ کہا جا سکتا ہے کہ دنیا میں انسانوں کے کسی گروہ نے کسی انسان کے ساتھ اپنے سارے دل اور اپنی ساری روح سے ایسا عشق نہیں کیا ہوگا جیسا صحابہ نے اللہ و رسول سے راہ حق میں کیا۔ انہوں نے اس محبت کی راہ میں سب کچھ قربان کر دیا جو انسان کر سکتا ہے اور پھر اسی کی راہ سے سب کچھ پایا جو انسانوں کی کوئی جماعت پا سکتی ہے،

۳۰ جا رہے ہیں۔

ان لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر اپنے علماء اور مشائخ کو پروردگار بنا لیا۔ اور مریم کے بیٹے مسیح کو بھی حالانکہ انہیں جو کچھ حکم دیا گیا تھا، وہ اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ ایک خدا کی بندگی کرو۔ کوئی معبود نہیں ہے۔ مگر وہی اس کی پاکی ہو اس سے جو یہ اس کی ذات میں لگا رہے ہیں!

۳۱ یہ لوگ چاہتے ہیں، اللہ کی روشنی اپنی پھونکوں سے بجھا دیں، حالانکہ اللہ یہ روشنی پوری کئے بغیر رہنے والا نہیں، اگرچہ کافروں کو پسند نہ آئے!

۳۲ (ہاں) وہی ہے جس نے اپنے رسول کو حقیقی ہدایت اور سچے دین کے ساتھ بھیجا۔ تاکہ اس دین کو تمام (ٹھہرائے ہوئے) دینوں پر غالب کر دے اگرچہ مشرکوں کو ایسا ہونا پسند نہ آئے!

۳۳ مسلمانو! یاد رکھو (یہودیوں اور عیسائیوں کے) علماء اور مشائخ میں ایک بڑی تعداد ایسے لوگوں کی ہے جو لوگوں کا مال ناحق ناروا کھاتے ہیں، اور اللہ کی راہ سے انہیں روکتے ہیں اور جو لوگ چاندی سونا اپنے ذخیروں

خِفَافًا وَّثِقَالًا وَّجٰهِدُوْا بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۴۱ لَوْ كَانَ عَرَضًا قَرِيْبًا وَّسَفَرًا قَاصِدًا لَّاتَّبَعُوْكَ وَلٰكِنْ بَعُدَتْ عَلَيْهِمُ الشُّقَّةُ ۭ وَسَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَوِ اسْتَطَعْنَا لَخَرَجْنَا مَعَكُمْ ۚ يُهْلِكُوْنَ اَنْفُسَهُمْ ۚ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ۴۲ عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ ۚ لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَتَعْلَمَ الْكٰذِبِيْنَ ۴۳ لَا يَسْتَاْذِنُكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ اَنْ يُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالْمُتَّقِيْنَ ۴۴ اِنَّمَا يَسْتَاْذِنُكَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَارْتَابَتْ قُلُوْبُهُمْ فَهُمْ فِيْ رَيْبِهِمْ يَتَرَدَّدُوْنَ ۴۵ وَلَوْ اَرَادُوا الْخُرُوْجَ لَاَعَدُّوْا لَهٗ عُدَّةً وَّلٰكِنْ كَرِهَ اللّٰهُ انْۢبِعَاثَهُمْ فَثَبَّطَهُمْ وَقِيْلَ اقْعُدُوْا مَعَ الْقٰعِدِيْنَ ۴۶ لَوْ خَرَجُوْا فِيْكُمْ مَّا زَادُوْكُمْ اِلَّا خَبَالًا وَّلَاَوْضَعُوْا خِلٰلَكُمْ يَبْغُوْنَكُمُ الْفِتْنَةَ ۚ وَفِيْكُمْ سَمّٰعُوْنَ لَهُمْ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ۴۷ لَقَدِ ابْتَغَوُا الْفِتْنَةَ مِنْ قَبْلُ وَقَلَّبُوْا لَكَ الْاُمُوْرَ حَتّٰى جَاۗءَ الْحَقُّ وَظَهَرَ اَمْرُ اللّٰهِ وَهُمْ كٰرِهُوْنَ ۴۸ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ ائْذَنْ لِّيْ وَلَا تَفْتِنِّيْ ۭ اَلَا فِي الْفِتْنَةِ سَقَطُوْا ۭ وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيْطَةٌۢ بِالْكٰفِرِيْنَ ۴۹ اِنْ تُصِبْكَ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ ۚ وَاِنْ تُصِبْكَ مُصِيْبَةٌ يَّقُوْلُوْا قَدْ اَخَذْنَآ اَمْرَنَا مِنْ قَبْلُ وَيَتَوَلَّوْا وَّهُمْ فَرِحُوْنَ ۵۰ قُلْ لَّنْ يُّصِيْبَنَآ اِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا ۚ هُوَ مَوْلٰىنَا ۚ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۵۱ قُلْ هَلْ تَرَبَّصُوْنَ بِنَآ اِلَّآ اِحْدَى الْحُسْنَيَيْنِ ۭ وَنَحْنُ نَتَرَبَّصُ بِكُمْ اَنْ يُّصِيْبَكُمُ اللّٰهُ بِعَذَابٍ مِّنْ عِنْدِهٖٓ اَوْ بِاَيْدِيْنَا ۚ فَتَرَبَّصُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ مُّتَرَبِّصُوْنَ ۵۲ قُلْ اَنْفِقُوْا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا لَّنْ يُّتَقَبَّلَ مِنْكُمْ ۭ اِنَّكُمْ كُنْتُمْ قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ۵۳ وَمَا مَنَعَهُمْ اَنْ تُقْبَلَ مِنْهُمْ نَفَقٰتُهُمْ اِلَّآ اَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَبِرَسُوْلِهٖ وَلَا يَاْتُوْنَ الصَّلٰوةَ اِلَّا وَهُمْ كُسَالٰى وَلَا يُنْفِقُوْنَ اِلَّا وَهُمْ كٰرِهُوْنَ ۵۴ فَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ ۭ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَتَزْهَقَ اَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كٰفِرُوْنَ ۵۵ وَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ اِنَّهُمْ لَمِنْكُمْ وَمَا هُمْ مِّنْكُمْ وَلٰكِنَّهُمْ قَوْمٌ يَّفْرَقُوْنَ ۵۶ لَوْ يَجِدُوْنَ مَلْجَاً اَوْ مَغٰرٰتٍ اَوْ مُدَّخَلًا لَّوَلَّوْا اِلَيْهِ وَهُمْ يَجْمَحُوْنَ ۵۷ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّلْمِزُكَ فِي الصَّدَقٰتِ ۚ فَاِنْ اُعْطُوْا مِنْهَا رَضُوْا وَاِنْ لَّمْ يُعْطَوْا مِنْهَآ اِذَا هُمْ يَسْخَطُوْنَ ۵۸ وَلَوْ اَنَّهُمْ رَضُوْا مَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ ۙ وَقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ سَيُؤْتِيْنَا اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَرَسُوْلُهٗٓ ۙ اِنَّآ اِلَى اللّٰهِ رٰغِبُوْنَ ۵۹ اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَاۗءِ وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغٰرِمِيْنَ وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۭ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۶۰ وَمِنْهُمُ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ النَّبِيَّ وَيَقُوْلُوْنَ هُوَ اُذُنٌ ۭ قُلْ اُذُنُ خَيْرٍ لَّكُمْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَيُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ وَرَحْمَةٌ لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ ۭ وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ رَسُوْلَ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۶۱ يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ لِيُرْضُوْكُمْ ۚ وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَحَقُّ اَنْ يُّرْضُوْهُ اِنْ كَانُوْا مُؤْمِنِيْنَ ۶۲ اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّهٗ مَنْ يُّحَادِدِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاَنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدًا فِيْهَا ۭ ذٰلِكَ الْخِزْيُ الْعَظِيْمُ ۶۳ يَحْذَرُ الْمُنٰفِقُوْنَ اَنْ تُنَزَّلَ عَلَيْهِمْ سُوْرَةٌ تُنَبِّئُهُمْ بِمَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ ۭ قُلِ اسْتَهْزِءُوْا ۚ اِنَّ اللّٰهَ مُخْرِجٌ مَّا تَحْذَرُوْنَ ۶۴ وَلَىِٕنْ سَاَلْتَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اِنَّمَا كُنَّا نَخُوْضُ وَنَلْعَبُ ۭ قُلْ اَبِاللّٰهِ وَاٰيٰتِهٖ وَرَسُوْلِهٖ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِءُوْنَ ۶۵ لَا تَعْتَذِرُوْا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ ۭ اِنْ نَّعْفُ عَنْ طَاۗىِٕفَةٍ مِّنْكُمْ نُعَذِّبْ طَاۗىِٕفَةً بِاَنَّهُمْ كَانُوْا مُجْرِمِيْنَ ۶۶ اَلْمُنٰفِقُوْنَ وَالْمُنٰفِقٰتُ بَعْضُهُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ ۘ يَاْمُرُوْنَ بِالْمُنْكَرِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمَعْرُوْفِ وَيَقْبِضُوْنَ اَيْدِيَهُمْ ۭ نَسُوا اللّٰهَ فَنَسِيَهُمْ ۭ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۶۷ وَعَدَ اللّٰهُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْكُفَّارَ نَارَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ هِيَ حَسْبُهُمْ ۚ وَلَعَنَهُمُ اللّٰهُ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ۶۸ كَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ كَانُوْٓا اَشَدَّ مِنْكُمْ قُوَّةً وَّاَكْثَرَ اَمْوَالًا وَّاَوْلَادًا فَاسْتَمْتَعُوْا بِخَلَاقِهِمْ فَاسْتَمْتَعْتُمْ بِخَلَاقِكُمْ كَمَا اسْتَمْتَعَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ بِخَلَاقِهِمْ وَخُضْتُمْ كَالَّذِيْ خَاضُوْا ۭ اُولٰۗىِٕكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۶۹ اَلَمْ يَاْتِهِمْ نَبَاُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ قَوْمِ نُوْحٍ وَّعَادٍ وَّثَمُوْدَ وَقَوْمِ اِبْرٰهِيْمَ وَاَصْحٰبِ مَدْيَنَ وَالْمُؤْتَفِكٰتِ ۭ اَتَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ۭ فَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ۷۰ وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَاۗءُ بَعْضٍ ۘ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَيُطِيْعُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۭ اُولٰۗىِٕكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللّٰهُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۷۱ وَعَدَ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَمَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِيْ جَنّٰتِ عَدْنٍ ۭ وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ ۭ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۷۲ يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ ۭ وَمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۭ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۷۳ يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ مَا قَالُوْا ۚ وَلَقَدْ قَالُوْا كَلِمَةَ الْكُفْرِ وَكَفَرُوْا بَعْدَ اِسْلَامِهِمْ وَهَمُّوْا بِمَا لَمْ يَنَالُوْا ۚ وَمَا نَقَمُوْٓا اِلَّآ اَنْ اَغْنٰىهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ فَاِنْ يَّتُوْبُوْا يَكُ خَيْرًا لَّهُمْ ۚ وَاِنْ يَّتَوَلَّوْا يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ عَذَابًا اَلِيْمًا ۙ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ وَمَا لَهُمْ فِي الْاَرْضِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ۷۴ وَمِنْهُمْ مَّنْ عٰهَدَ اللّٰهَ لَىِٕنْ اٰتٰىنَا مِنْ فَضْلِهٖ لَنَصَّدَّقَنَّ وَلَنَكُوْنَنَّ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۷۵ فَلَمَّآ اٰتٰىهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ بَخِلُوْا بِهٖ وَتَوَلَّوْا وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ۷۶ فَاَعْقَبَهُمْ نِفَاقًا فِيْ قُلُوْبِهِمْ اِلٰى يَوْمِ يَلْقَوْنَهٗ بِمَآ اَخْلَفُوا اللّٰهَ مَا وَعَدُوْهُ وَبِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ ۷۷ اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ سِرَّهُمْ وَنَجْوٰىهُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ۷۸ اَلَّذِيْنَ يَلْمِزُوْنَ الْمُطَّوِّعِيْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ فِي الصَّدَقٰتِ وَالَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ اِلَّا جُهْدَهُمْ فَيَسْخَرُوْنَ مِنْهُمْ ۙ سَخِرَ اللّٰهُ مِنْهُمْ ۡ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۷۹ اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ۭ اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۸۰ فَرِحَ الْمُخَلَّفُوْنَ بِمَقْعَدِهِمْ خِلٰفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ وَكَرِهُوْٓا اَنْ يُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَقَالُوْا لَا تَنْفِرُوْا فِي الْحَرِّ ۭ قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ اَشَدُّ حَرًّا ۭ لَوْ كَانُوْا يَفْقَهُوْنَ ۸۱ فَلْيَضْحَكُوْا قَلِيْلًا وَّلْيَبْكُوْا كَثِيْرًا ۚ جَزَاۗءًۢ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۸۲ فَاِنْ رَّجَعَكَ اللّٰهُ اِلٰى طَاۗىِٕفَةٍ مِّنْهُمْ فَاسْتَاْذَنُوْكَ لِلْخُرُوْجِ فَقُلْ لَّنْ تَخْرُجُوْا مَعِيَ اَبَدًا وَّلَنْ تُقَاتِلُوْا مَعِيَ عَدُوًّا ۭ اِنَّكُمْ رَضِيْتُمْ بِالْقُعُوْدِ اَوَّلَ مَرَّةٍ فَاقْعُدُوْا مَعَ الْخٰلِفِيْنَ ۸۳ وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰي قَبْرِهٖ ۭ اِنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَمَاتُوْا وَهُمْ فٰسِقُوْنَ ۸۴ وَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَاَوْلَادُهُمْ ۭ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الدُّنْيَا وَتَزْهَقَ اَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كٰفِرُوْنَ ۸۵ وَاِذَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ اَنْ اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَجَاهِدُوْا مَعَ رَسُوْلِهِ اسْتَاْذَنَكَ اُولُوا الطَّوْلِ مِنْهُمْ وَقَالُوْا ذَرْنَا نَكُنْ مَّعَ الْقٰعِدِيْنَ ۸۶ رَضُوْا بِاَنْ يَّكُوْنُوْا مَعَ الْخَوَالِفِ وَطُبِعَ عَلٰي قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ ۸۷ لٰكِنِ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ جٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ۚ وَاُولٰۗىِٕكَ لَهُمُ الْخَيْرٰتُ ۚ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۸۸ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۸۹ وَجَاۗءَ الْمُعَذِّرُوْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ لِيُؤْذَنَ لَهُمْ وَقَعَدَ الَّذِيْنَ كَذَبُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۭ سَيُصِيْبُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۹۰ لَيْسَ عَلَي الضُّعَفَاۗءِ وَلَا عَلَي الْمَرْضٰى وَلَا عَلَي الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ مَا يُنْفِقُوْنَ حَرَجٌ اِذَا نَصَحُوْا لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۭ مَا عَلَي الْمُحْسِنِيْنَ مِنْ سَبِيْلٍ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۹۱ وَّلَا عَلَي الَّذِيْنَ اِذَا مَآ اَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ قُلْتَ لَآ اَجِدُ مَآ اَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ ۠ تَوَلَّوْا وَّاَعْيُنُهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا اَلَّا يَجِدُوْا مَا يُنْفِقُوْنَ ۹۲ اِنَّمَا السَّبِيْلُ عَلَي الَّذِيْنَ يَسْتَاْذِنُوْنَكَ وَهُمْ اَغْنِيَاۗءُ ۚ رَضُوْا بِاَنْ يَّكُوْنُوْا مَعَ الْخَوَالِفِ ۙ وَطَبَعَ اللّٰهُ عَلٰي قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۹۳ يَعْتَذِرُوْنَ اِلَيْكُمْ اِذَا رَجَعْتُمْ اِلَيْهِمْ ۭ قُلْ لَّا تَعْتَذِرُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكُمْ قَدْ نَبَّاَنَا اللّٰهُ مِنْ اَخْبَارِكُمْ ۭ وَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُوْلُهٗ ثُمَّ تُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۹۴ سَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ اِذَا انْقَلَبْتُمْ اِلَيْهِمْ لِتُعْرِضُوْا عَنْهُمْ ۭ فَاَعْرِضُوْا عَنْهُمْ ۭ اِنَّهُمْ رِجْسٌ ۭ وَّمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۚ جَزَاۗءًۢ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۹۵ يَحْلِفُوْنَ لَكُمْ لِتَرْضَوْا عَنْهُمْ ۚ فَاِنْ تَرْضَوْا عَنْهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يَرْضٰى عَنِ الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ۹۶ اَلْاَعْرَابُ اَشَدُّ كُفْرًا وَّنِفَاقًا وَّاَجْدَرُ اَلَّا يَعْلَمُوْا حُدُوْدَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰي رَسُوْلِهٖ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۹۷ وَمِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ يَّتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ مَغْرَمًا وَّيَتَرَبَّصُ بِكُمُ الدَّوَاۗىِٕرَ ۭ عَلَيْهِمْ دَاۗىِٕرَةُ السَّوْءِ ۭ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۹۸ وَمِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَيَتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ قُرُبٰتٍ عِنْدَ اللّٰهِ وَصَلَوٰتِ الرَّسُوْلِ ۭ اَلَآ اِنَّهَا قُرْبَةٌ لَّهُمْ ۭ سَيُدْخِلُهُمُ اللّٰهُ فِيْ رَحْمَتِهٖ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۹۹ وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ ۙ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۱۰۰ وَمِمَّنْ حَوْلَكُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ مُنٰفِقُوْنَ ۛ وَمِنْ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ ۛ مَرَدُوْا عَلَي النِّفَاقِ ۡ لَا تَعْلَمُهُمْ ۭ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ ۭ سَنُعَذِّبُهُمْ مَّرَّتَيْنِ ثُمَّ يُرَدُّوْنَ اِلٰى عَذَابٍ عَظِيْمٍ ۱۰۱ وَاٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا وَّاٰخَرَ سَيِّئًا ۭ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۱۰۲ خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ ۭ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ ۭ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۱۰۳ اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ هُوَ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَيَاْخُذُ الصَّدَقٰتِ وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ۱۰۴ وَقُلِ اعْمَلُوْا فَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُوْلُهٗ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ۭ وَسَتُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۱۰۵ وَاٰخَرُوْنَ مُرْجَوْنَ لِاَمْرِ اللّٰهِ اِمَّا يُعَذِّبُهُمْ وَاِمَّا يَتُوْبُ عَلَيْهِمْ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۱۰۶ وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَّكُفْرًا وَّتَفْرِيْقًۢا بَيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَاِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ مِنْ قَبْلُ ۭ وَلَيَحْلِفُنَّ اِنْ اَرَدْنَآ اِلَّا الْحُسْنٰى ۭ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ۱۰۷ لَا تَقُمْ فِيْهِ اَبَدًا ۭ لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَي التَّقْوٰى مِنْ اَوَّلِ يَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِيْهِ ۭ فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا ۭ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ ۱۰۸ اَفَمَنْ اَسَّسَ بُنْيَانَهٗ عَلٰي تَقْوٰى مِنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٍ خَيْرٌ اَمْ مَّنْ اَسَّسَ بُنْيَانَهٗ عَلٰي شَفَا جُرُفٍ هَارٍ فَانْهَارَ بِهٖ فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۱۰۹ لَا يَزَالُ بُنْيَانُهُمُ الَّذِيْ بَنَوْا رِيْبَةً فِيْ قُلُوْبِهِمْ اِلَّآ اَنْ تَقَطَّعَ قُلُوْبُهُمْ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۱۱۰ اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰي مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ۭ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيَقْتُلُوْنَ وَيُقْتَلُوْنَ ۣ وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ وَالْقُرْاٰنِ ۭ وَمَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ مِنَ اللّٰهِ فَاسْتَبْشِرُوْا بِبَيْعِكُمُ الَّذِيْ بَايَعْتُمْ بِهٖ ۭ وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۱۱۱ اَلتَّاۗىِٕبُوْنَ الْعٰبِدُوْنَ الْحٰمِدُوْنَ السَّاۗىِٕحُوْنَ الرّٰكِعُوْنَ السّٰجِدُوْنَ الْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّاهُوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَالْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰهِ ۭ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۱۱۲ مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ وَلَوْ كَانُوْا اُولِيْ قُرْبٰى مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ۱۱۳ وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ اِلَّا عَنْ مَّوْعِدَةٍ وَّعَدَهَآ اِيَّاهُ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗٓ اَنَّهٗ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ تَبَرَّاَ مِنْهُ ۭ اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ لَاَوَّاهٌ حَلِيْمٌ ۱۱۴ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِلَّ قَوْمًۢا بَعْدَ اِذْ هَدٰىهُمْ حَتّٰى يُبَيِّنَ لَهُمْ مَّا يَتَّقُوْنَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۱۱۵ اِنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ۭ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ۱۱۶ لَقَدْ تَّابَ اللّٰهُ عَلَي النَّبِيِّ وَالْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ فِيْ سَاعَةِ الْعُسْرَةِ مِنْۢ بَعْدِ مَا كَادَ يَزِيْغُ قُلُوْبُ فَرِيْقٍ مِّنْهُمْ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ ۭ اِنَّهٗ بِهِمْ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۱۱۷ وَّعَلَي الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا ۭ حَتّٰٓى اِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ اَنْفُسُهُمْ وَظَنُّوْٓا اَنْ لَّا مَلْجَاَ مِنَ اللّٰهِ اِلَّآ اِلَيْهِ ۭ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوْبُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ۱۱۸ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ ۱۱۹ مَا كَانَ لِاَهْلِ الْمَدِيْنَةِ وَمَنْ حَوْلَهُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ اَنْ يَّتَخَلَّفُوْا عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ وَلَا يَرْغَبُوْا بِاَنْفُسِهِمْ عَنْ نَّفْسِهٖ ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ لَا يُصِيْبُهُمْ ظَمَاٌ وَّلَا نَصَبٌ وَّلَا مَخْمَصَةٌ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَطَـــُٔوْنَ مَوْطِئًا يَّغِيْظُ الْكُفَّارَ وَلَا يَنَالُوْنَ مِنْ عَدُوٍّ نَّيْلًا اِلَّا كُتِبَ لَهُمْ بِهٖ عَمَلٌ صَالِحٌ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ۱۲۰ وَلَا يُنْفِقُوْنَ نَفَقَةً صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً وَّلَا يَقْطَعُوْنَ وَادِيًا اِلَّا كُتِبَ لَهُمْ لِيَجْزِيَهُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۱۲۱ وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِيَنْفِرُوْا كَاۗفَّةً ۭ فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَاۗىِٕفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْٓا اِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ ۱۲۲ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَاتِلُوا الَّذِيْنَ يَلُوْنَكُمْ مِّنَ الْكُفَّارِ وَلْيَجِدُوْا فِيْكُمْ غِلْظَةً ۭ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ۱۲۳ وَاِذَا مَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ

إِنَّمَا النَّسِيٓءُ زِيَادَةٌ فِي الْكُفْرِ يُضَلُّ بِهِ الَّذِينَ كَفَرُوا يُحِلُّونَهُ عَامًا وَيُحَرِّمُونَهُ عَامًا
لِّيُوَاطِـُٔوا عِدَّةَ مَا حَرَّمَ اللَّهُ فَيُحِلُّوا مَا حَرَّمَ اللَّهُ ۚ زُيِّنَ لَهُمْ سُوٓءُ أَعْمَالِهِمْ ۗ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ
الْكَافِرِينَ ۝ ٣٧ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَا لَكُمْ إِذَا قِيلَ لَكُمُ انفِرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ اثَّاقَلْتُمْ
إِلَى الْأَرْضِ ۚ أَرَضِيتُم بِالْحَيَاةِ الدُّنْيَا مِنَ الْآخِرَةِ ۚ فَمَا مَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا فِي
الْآخِرَةِ إِلَّا قَلِيلٌ ۝ ٣٨

اصلی چیزوں کی تعداد ہے اور وہ موجود ہو تو مٹھی بھر انسان دو سینکڑوں انسانوں پر غالب آجا سکتے ہیں۔

(۶) یا، اللہ نے تمہیں بہت سی جنگوں میں نصرت دی حالانکہ تم بہت تھوڑے تھے اور ڈرتے تھے کہ کامیابی نہیں ہوگی۔ اور پھر حنین کے دن بھی تعجب دی جبکہ تمہیں اپنی کثرت تعداد کا زعم تھا، اور کثرت تعداد نے کچھ کام نہیں دیا تھا۔

(۷) آیت (۲۸) میں اسی حکم کا ذکر ہے جو اوپر گذر چکا ہے یعنی آئندہ سے کوئی مشرک اس عبادت گاہ میں جو حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل نے خدائے واحد کی پرستش کے لئے بنائی تھی۔ داخل نہ ہو سکے گا، اور یہ مقام امت مسلمہ کے لئے مرکز ہدایت بن کر رہے گا جیسا کہ فی الحقیقت اُسے ہونا تھا۔

(۸) اس آیت میں مشرکوں کے نجس ہونے سے مقصود ان کی ظاہری نجاست ہے نہ کہ جسمانی، کیونکہ اسلام کسی انسان کے جسم کو ناپاک نہیں قرار دیتا، اور ہر انسان کو انسان ہونے کے لحاظ سے ایک درجہ پر رکھتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ اسلام نے چھوت چھات کی ہر قسم اور ہر شکل کو ناجائز قرار دیا ہے خود پیغمبر اسلام کا یہودیوں اور مشرکوں سے ہر طرح کی معاشرت رکھنا، ایک ساتھ کھانا پینا، ان کی دعوتوں میں جانا اور انہیں دعوتوں میں بلانا، حتی کہ انہیں مسجد کے اندر ٹھہرانا ثابت ہے۔

(۹) بالاتفاق یہ حکم صرف خانہ کعبہ سے تعلق رکھتا ہے۔ عام مساجد میں غیر مسلموں کے لئے کوئی شرعی روک نہیں چنانچہ پیغمبر اسلام نے یمن کے عیسائیوں اور طائف کے مشرکوں کو اپنی مسجد میں ٹھہرایا تھا۔

سب سے بلا استثنا، جنگ کرتے ہیں، اور (ساتھ ہی) یاد رکھو کہ اللہ انہی کا ساتھی ہے جو (ہر حال میں) تقوی والے ہیں۔ ۳۶

نسی (یعنی مہینے کو اس کی جگہ سے پیچھے ہٹا دینا جیسا کہ جاہلیت میں دستور ہو گیا تھا) اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ کفر میں کچھ اور بڑھ جاتا ہے اس سے کافر گمراہی میں پڑتے ہیں، ایک ہی مہینے کو ایک برس حلال سمجھ لیتے ہیں (یعنی اس میں لڑائی جائز کر دیتے ہیں) اور پھر اسی کو دوسرے برس حرام کر دیتے ہیں (یعنی اس میں لڑائی ناجائز کر دیتے ہیں) تاکہ اللہ نے حرمت کے مہینوں کی جو گنتی رکھی ہے اسے اپنی گنتی سے مطابق کر کے اللہ کے حرام کئے ہوئے مہینوں کو حلال کر لیں۔ ان کی نگاہوں میں ان کے بُرے کام خوشنما کر کے دکھائی دیتے ہیں اور اللہ (کا قانون ہے کہ وہ) منکرین حق پر (کامیابی و سعادت کی) راہ نہیں کھولتا۔ ۳۷

مسلمانو! تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ جب تم سے کہا جاتا ہے، اللہ کی راہ میں قدم (اٹھاؤ)، تو تمہارے پاؤں بوجھل ہو کر زمین پکڑ لیتے ہیں! کیا آخرت چھوڑ کر صرف دنیا کی زندگی ہی ریجھ گئے ہو؟ (اگر ایسا ہی ہے تو) (یاد رکھو) دنیا کی زندگی کی متاع تو آخرت کے مقابلہ میں کچھ نہیں ہے۔ مگر بہت تھوڑی! ۳۸

وَلَا يُنفِقُونَهَا فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَبَشِّرْهُم بِعَذَابٍ أَلِيمٍ ۝ يَوْمَ يُحْمَىٰ عَلَيْهَا فِي نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوَىٰ ۳۴
بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوبُهُمْ وَظُهُورُهُمْ ۖ هَٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِأَنفُسِكُمْ فَذُوقُوا مَا كُنتُمْ تَكْنِزُونَ ۝ ۳۵
إِنَّ عِدَّةَ الشُّهُورِ عِندَ اللَّهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِي كِتَابِ اللَّهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ مِنْهَا
أَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ۚ ذَٰلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ ۚ فَلَا تَظْلِمُوا فِيهِنَّ أَنفُسَكُمْ ۚ وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِينَ كَافَّةً
كَمَا يُقَاتِلُونَكُمْ كَافَّةً ۚ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ مَعَ الْمُتَّقِينَ ۝ ۳۶

لیکن آج ہمارا حال کیا ہے؟ کیا ہم میں سے کسی کو جرات ہو سکتی ہے کہ یہ آیت سامنے رکھ کر اپنے ایمان کا احتساب کرے؟

(۱۶) آیت (۲۵) میں جنگ حنین کی طرف اشارہ ہے ۸ھ میں فتح مکہ کے بعد قبیلہ ہوازن اور ثقیف نے بنی نضر اور بنی ہلال کے ساتھ مل کر مسلمانوں پر حملہ کر دیا۔ تو پیغمبر اسلام مکہ سے نکلے اور حنین نامی وادی میں مقابلہ ہوا۔ اس جنگ میں مسلمانوں کی تعداد دشمنوں سے تین گنا زیادہ تھی، اس لئے لوگوں کو اپنی کثرت تعداد کا گھمنڈ ہو گیا تھا کہتے تھے اب وہ دن نہیں رہا کہ تعداد کی کمی کی وجہ سے مغلوب ہو جائیں نتیجہ یہ نکلا کہ وقت پر تعداد کی کثرت کچھ کام نہ آئی اور فتحمندی ہوئی تو محض پیغمبر اسلام اور ان کے ساتھ مٹھی بھر مسلمانوں کے عزم و ہمت سے۔ ۳۴

مسلمانوں کو بھاگتا دیکھ کر جو مسلمان ثابت قدم رہے ان کی تعداد بارہ ہزار تھی۔ ان کے ساتھ مکہ کے نئے نئے نو مسلم اور بعض معاہد مشرک بھی تھے۔

مسلمانوں کو بھاگتا دیکھ کر جو مسلمان ثابت قدم رہے ان کی تعداد بارہ ہزار تھی۔ ان کے ساتھ مکہ کے نئے نئے نو مسلم اور بعض معاہد مشرک بھی تھے۔

جونہی انہوں نے قدم بڑھایا، دشمنوں نے تیروں پر رکھ لیا۔ اور اچانک ان کے قدم اکھڑ گئے۔ انہیں بھاگتا دیکھ کر تمام لشکر نے بھی بھاگنا شروع کر دیا۔ قریب تھا کہ شکست ہو جاتی مگر اللہ نے پیغمبر اسلام کے قلب مبارک کو اپنے سکون و قرار کی روح سے معمور کر دیا۔ آپ نے حضرت عباس کو حکم دیا کہ اصحاب سمرہ کو پکاریں یعنی صلح حدیبیہ کے موقعہ پر بیعت رضوان کرنے والوں کو۔ ان کی ندا کا بلند ہونا تھا کہ ہمت و شجاعت کی نئی لہر سب کے دلوں میں دوڑ گئی، اور پھر ٹوٹ کر اس بے جگری سے حملہ کیا کہ دشمنوں کے قدم اکھاڑ دیئے۔ ۳۵

یہ حادثہ فی الحقیقت اللہ کی طرف سے مسلمانوں کی تادیب تھی تاکہ محض کثرت تعداد ہی کو کامیابی کی بنیاد نہ سمجھ لیں۔ بلاشبہ تعداد کی کثرت بھی موجبات فتح میں سے ہے۔ لیکن صرف اسی سے فتح مندی نہیں مل سکتی۔

میں ٹھیر کر تے رہتے ہیں اور اللہ کی راہ میں اسے خرچ نہیں کرتے، تو ایسے لوگوں کو عذاب دردناک کی خوش خبری سنا دو!

عذاب دردناک کا وہ دن جبکہ (ان کا جمع کیا ہوا) سونے چاندی کا ڈھیر دوزخ کی آگ میں تپایا جائیگا اور اس سے ان کے ماتھے، ان کے پہلو اور ان کی پیٹھیں داغی جائیں گی (اور اس وقت کہا جائے گا) یہ ہے جو تم نے اپنے لئے ذخیرہ کیا تھا۔ سو جو کچھ ذخیرہ کر کے جمع کرتے رہے اس کا مزہ آج چکھ لو!

اللہ کے نزدیک مہینوں کی گنتی بارہ مہینے کی ہے۔ اللہ کی کتاب میں ایسا ہی لکھا گیا جس دن آسمان و زمین کو اس نے پیدا کیا (یعنی جب سے اجرام سماویہ بنے ہیں خدا کا ٹھہرایا ہوا حساب یہی ہے) ان بارہ مہینوں میں سے چار مہینے حرمت کے مہینے ہوئے (یعنی رجب، ذی قعدہ، ذی الحجہ، محرم، کہ ان مہینوں کو سمجھے جاتے تھے اور لڑائی ممنوع تھی) دین کی سیدھی راہ یہ ہے۔ پس ان حرمت کے مہینوں میں (جنگ و خونریزی کر کے) اپنی جانوں پر ظلم نہ کرو اور چاہیے کہ تمام مشرکوں سے بلا استثنا جنگ کرو جس طرح وہ تم

خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ ۝ لَوْ كَانَ عَرَضًا قَرِيبًا وَسَفَرًا قَاصِدًا لَّاتَّبَعُوكَ وَلَٰكِن ٤١
بَعُدَتْ عَلَيْهِمُ الشُّقَّةُ ۚ وَسَيَحْلِفُونَ بِاللَّهِ لَوِ اسْتَطَعْنَا لَخَرَجْنَا مَعَكُمْ يُهْلِكُونَ أَنفُسَهُمْ وَاللَّهُ
يَعْلَمُ إِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ ۝ عَفَا اللَّهُ عَنكَ لِمَ أَذِنتَ لَهُمْ حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَكَ الَّذِينَ صَدَقُوا وَ ٤٢ ع
تَعْلَمَ الْكَاذِبِينَ ۝ لَا يَسْتَأْذِنُكَ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ أَن يُجَاهِدُوا ٤٣
بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنفُسِهِمْ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِالْمُتَّقِينَ ۝ إِنَّمَا يَسْتَأْذِنُكَ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ ٤٤

سنہ ۹ھ میں پیغمبر اسلام کو خبر ملی کہ قیصر روم نے یعنی قسطنطنیہ کی مشرقی رومی حکومت نے مدینہ پر حملہ کا حکم دے دیا ہے اور عرب کے عیسائی قبائل بھی شامل ہو گئے ہیں۔ مسلمانوں کے لئے پہلا موقعہ تھا کہ عرب سے باہر کی ایک سب سے بڑی طاقت و زبردست حکومت آمادۂ پیکار ہوئی تھی، اس لئے ضروری تھا کہ بروقت مدافعت کا پورا سامان کیا جاتا۔ چنانچہ پیغمبر اسلام نے تیاری اور کوچ کا اعلان کر دیا۔

لیکن اگر ایک طرف ضرورت ناگزیر تھی تو دوسری طرف وقت کی ساری باتیں ناموافق ہو رہی تھیں مسلمان چند ماہ پہلے جنگ حنین و طائف کی لڑائی میں چور ہو چکے تھے، اور اس سے پہلے فتح مکہ کا معاملہ پیش آ چکا تھا۔ پھر اچانک مسلمانوں کی تعداد بہت بڑھ گئی تھی، اور چونکہ مالی وسائل محدود تھے اور باہمی اشتراک و معاونت کی زندگی تھی اس لئے تنگی و عسرت سب پر چھائی ہوئی تھی۔ پھر موسم بڑی ہی گرمی کا تھا، اور فصل کاٹنے کا وقت سر پر آ گیا تھا۔ نیز سفر ملک کے اندر نہ تھا۔ اس سے باہر چودہ مرحلوں کا تھا۔ ان سب باتوں نے مل جل کر مسلمانوں کے لئے بڑی ہی مشکلیں پیدا کر دیں اور قدرتی طور پر ان کے قدم رک رک کر اٹھنے لگے۔ حالت بلاشبہ مجبوری کی تھی، لیکن جب داعی ملت کی گھڑی آ جائے تو اس طرح کی کوئی مجبوری، مجبوری تسلیم نہیں کی جا سکتی، اور ایثار فرض کی راہ بہرحال آسانیوں اور راحتوں کی راہ نہیں ہے۔ اس میں مشکلیں اور مصیبتیں جھیلنی ہی پڑیں گی البتہ مصیبتیں عارضی ہوں گی اور متاع کی کامرانیاں دوامی۔

چنانچہ ان آیات میں مسلمانوں کو اسی حقیقت کی تلقین کی گئی ہے

مومنین صادقین نے اس دعوت کا کیا جواب دیا؟ اور ساری باتوں کے ناموافق ہونے پر بھی کس جوش و سرگرمی کے

(اے پیغمبر!) اگر تمہارا بلاوا کسی ایسی بات کے لئے ہوتا جس میں فریبی فائدہ نظر آتا، اور ایسے سفر کے لئے جو آسان ہوتا، تو (یہ منافق) بلا تامل تمہارے پیچھے ہو لیتے۔ لیکن انہیں راہ دور کی دکھائی دی (اس لئے جی چرانے لگے) اور تم دیکھو گے کہ یہ (قسمیں کھا کر (مسلمانوں سے) کہیں گے، اگر ہم مقدور رکھتے تو ضرور تمہارے ساتھ نکلتے (افسوس ان پر!) یہ (قسمیں کھا کر) اپنے کو ہلاکت میں ڈال رہے ہیں، اور اللہ جانتا ہے کہ قطعاً جھوٹے ہیں! ٤٢

(اے پیغمبر!) اللہ تجھے بخشے! تو نے ایسا کیوں کیا کہ (ان کی منافقانہ عذرداریوں پر) انہیں پیچھے رہ جانے کی رخصت دیدی؟ اس وقت تک رخصت نہ دی ہوتی کہ تجھ پر کھل جاتا، کون سچے ہیں اور تو معلوم کر لیتا کون جھوٹے ہیں؟ ٤٣

جو لوگ اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں، وہ کبھی تجھ سے اجازت کے طلبگار نہ ہوں گے کہ اپنے مال سے اور اپنی جانوں سے (اللہ کی راہ میں) جہاد کریں اور اللہ جانتا ہے کہ کون متقی ہیں۔ ٤٤

تجھ سے اجازت طلب کرنے والے تو وہی ہیں جو (فی الحقیقت

إِلَّا تَنفِرُوا يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا أَلِيمًا وَيَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ وَلَا تَضُرُّوهُ شَيْئًا ۗ وَاللَّهُ
عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿٣٩﴾ إِلَّا تَنصُرُوهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللَّهُ إِذْ أَخْرَجَهُ الَّذِينَ كَفَرُوا ثَانِيَ اثْنَيْنِ إِذْ هُمَا
فِي الْغَارِ إِذْ يَقُولُ لِصَاحِبِهِ لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا ۖ فَأَنزَلَ اللَّهُ سَكِينَتَهُ عَلَيْهِ وَأَيَّدَهُ
بِجُنُودٍ لَّمْ تَرَوْهَا وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِينَ كَفَرُوا السُّفْلَىٰ ۗ وَكَلِمَةُ اللَّهِ هِيَ الْعُلْيَا ۗ وَاللَّهُ
عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿٤٠﴾ انفِرُوا خِفَافًا وَثِقَالًا وَجَاهِدُوا بِأَمْوَالِكُمْ وَأَنفُسِكُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۚ ذَٰلِكُمْ

۳۹

۴۰

(۲۰) آیت (۲۹) میں مشرکین عرب کی طرح عرب کے یہودیوں اور شام کے عیسائیوں کے خلاف بھی جنگ کا حکم دیا ہے اور یہی آیت جزیہ کے باب میں اصل وبنیاد ہے۔ اس کی تشریح سورت کے آخری نوٹ میں ملے گی۔

(۲۱) چونکہ سلسلہ بیان اہل کتاب کی طرف متوجہ ہو گیا تھا۔ اس لئے آیت (۳۵) تک ان کی اعتقادی اور عملی گمراہیوں کے اصول ومبادی واضح کئے ہیں اور دعوت قرآنی کی دائمی فتحمندی کی بشارت دی ہے۔ ان کی ضروری تشریح بھی سورت کے آخری نوٹ میں ملے گی۔

(۲۲) چونکہ اب خانہ کعبہ اور حج کا معاملہ جاہلیت کی تمام آلودگیوں سے پاک ہو گیا تھا، اس لئے ضروری تھا کہ جاہلیت کی اس جاہلانہ رسم کا بھی ازالہ کر دیا جاتا جس نے حج کا زمانہ مشتبہ کر دیا تھا۔ اور مہینوں کے حساب کا عرب میں کوئی معیار قائم نہیں رہا تھا۔ آیت (۳۶) اور (۳۷) میں اسی بات کا اعلان کیا ہے۔ مزید تشریح کے لئے سورت کا آخری نوٹ دیکھو۔

۳۹

اگر قدم نہ اٹھاؤ گے، تو یاد رکھو، وہ تمہیں ایک ایسے عذاب میں ڈالے گا جو دردناک ہوگا، اور تمہاری جگہ کسی دوسرے گروہ کو لا کھڑا کرے گا، اور تم (دفاع سے غافل ہو کر) اللہ کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکو گے (اپنا ہی نقصان کرو گے) اور اللہ تو ہر بات پر قادر ہے

اگر تم اللہ کے رسول کی مدد نہیں کرو گے تو (نہ کرو) اللہ نے اس کی مدد کی ہے اور اُس وقت کی ہے جب کافروں نے اسے اس حال میں گھر سے نکالا تھا کہ (صرف دو آدمی تھے، اور) دو میں دوسرا (اللہ کا رسول) تھا، اور دونوں غار (ثور) میں چھپے بیٹھے تھے اس وقت اللہ کے رسول نے اپنے ساتھی سے کہا تھا

"غمگین نہ ہو، یقیناً اللہ ہمارے ساتھ ہے"۔ (وہ دشمنوں کو ہم پر پاتے نہ ہوئے گا) پس اللہ نے اپنا سکون قرار اس پر نازل کیا، اور پھر ایسی فوجوں سے مددگاری کی جنہیں تم نہیں دیکھتے، اور بالآخر کافروں کی بات پست کی اور (تم دیکھ رہے ہو کہ) اللہ ہی کی بات ہے جس کے لئے بلندی ہے، اور اللہ غالب اور حکمت والا ہے

۴۰

(مسلمانو! ساز وسامان کے بوجھ سے) ہلکے ہو یا بوجھل، جس حال میں ہو نکل کھڑے ہو (کہ دفاع کے لئے تمہیں بلایا جا رہا ہے) اور اپنے مال سے اور اپنی جانوں سے اللہ کی راہ میں جہاد کرو۔ اگر تم (اپنا نفع نقصان) جانتے ہو تو یہ تمہارے حق میں بہتر ہے

(۲۳) اوپر گذر چکا ہے کہ اس سورت کی بقیہ آیتیں غزوہ تبوک کے متعلق نازل ہوئی تھیں، چنانچہ یہاں سے لے کر آخر تک اسی غزوہ کا بیان ہے اور جا بجا موعظت وارشاد کے مختلف اطراف ومتعلقات بھی نمایاں ہوتے جاتے ہیں۔

"تبوک" مدینہ اور دمشق کے درمیان ایک مقام کا نام ہے جو حال کا آج کل مدینہ سے چھ سو دس کیلو میٹر حساب کیا گیا۔

۴۱

وَقَلَّبُوا لَكَ الْأُمُورَ حَتَّىٰ جَاءَ الْحَقُّ وَظَهَرَ أَمْرُ اللَّهِ وَهُمْ كَارِهُونَ ۴۸
وَمِنْهُم مَّن يَقُولُ ائْذَن لِّي وَلَا تَفْتِنِّي ۚ أَلَا فِي الْفِتْنَةِ سَقَطُوا ۗ وَإِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيطَةٌ بِالْكَافِرِينَ ۴۹
إِن تُصِبْكَ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ ۖ وَإِن تُصِبْكَ مُصِيبَةٌ يَقُولُوا قَدْ أَخَذْنَا أَمْرَنَا مِن قَبْلُ وَيَتَوَلَّوا وَّهُمْ فَرِحُونَ ۵۰
قُل لَّن يُصِيبَنَا إِلَّا مَا كَتَبَ اللَّهُ لَنَا ۚ هُوَ مَوْلَانَا ۚ وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ ۵۱

کا قانون کام کر رہا ہے یعنی وہی جماعت کشمکش حیات میں باقی رہتی ہے جو دنیا کے لئے انفع ہو، جو انفع نہیں، وہ چھانٹ دی جاتی ہے۔ پس جو جماعت اس قانونِ فطرت کے مطابق اپنے کو زندگی و بقا کا اہل ثابت نہیں کرے گی ضروری ہے کہ اس کی جگہ دوسری جماعت کو مل جائے اور یہی (استبدال) قوم ہے

(۲۵) آیت (۴۰) میں واقعہ ہجرت کی طرف اشارہ کیا ہے جس کا ذکر سورۂ انفال میں بھی گذر چکا ہے (دیکھو آیت ۳۰) جب مکہ میں امداد حق نے فیصلہ کر لیا کہ تمام قبائل کے لوگ مل کر یک وقت پیغمبر اسلام پر حملہ کر دیں، تو آپ کو ہجرت کا حکم ہوا۔ آپ حضرت ابوبکر کو ساتھ لے کر ثور کے غار میں پہنچ گئے جو مکہ سے تقریباً چھ میل کے فاصلہ پر ایک پہاڑ ہے۔ یہاں آپ نے تین راتیں بسر کیں اور پھر مدینہ روانہ ہو گئے دشمن جو آپ کی تلاش میں تھے، وہ یہاں بھی پہنچے، لیکن اللہ نے آپ کی حفاظت کا ایسا سامان کر دیا تھا کہ بغیر دیکھے بھالے واپس چلے گئے۔

یہ تین راتیں حضرت ابوبکر نے کہ شمع نبوت کے پروانہ تھے جس عالم میں بسر کی ہوں گی اس کا اندازہ وہی کر سکتا ہے جس نے عشق و محبت کا کچھ بھی ذایقہ چکھا ہو۔ اللہ کا رسول غار میں پوشیدہ تھا، دشمن سراغ میں تھے، ہر لحہ اندیشہ تھا کہ کہیں سراغ نہ پالیں اور ایک مرتبہ ان کی صدائیں بھی کانوں میں آنے لگیں تھیں۔ ایسی حالت میں ظاہر ہے کہ ان کے دل کے حزن و اضطراب کا کیا عالم ہوگا؟ بلاشبہ انہیں یقین تھا کہ اللہ اپنے رسول کا مددگار ہے۔ لیکن عشق و محبت کا قدرتی تقاضہ ہے کہ محبوب کو خطرہ میں دیکھ کر اضطراب ہو۔ اس سے وہ اپنے دل کو نہیں روک سکتے تھے۔ اگر روک سکتے، تو محبت کی عدالت کا فیصلہ ان کے خلاف ہوتا!

جنگ احد میں انہوں نے اپنی طرف سے کوئی کمی نہیں کی تھی) یہاں تک کہ سچائی نمایاں ہو گئی، اور اللہ کا حکم غالب ہوا، اور ایسا ہونا ان کے لئے خوشگوار نہ تھا! ۴۸

اور ان (منافقوں) میں کوئی ایسا بھی ہے جو کہتا ہے: "مجھے اجازت دیجئے (کہ گھر میں بیٹھا رہوں) اور فتنہ میں نہ ڈالئے"، تو سن رکھو یہ لوگ فتنہ ہی میں گر پڑے (کہ جھوٹے بہانے بنا کر خدا کی راہ سے منہ موڑا)، اور فتنہ یہی فتنہ ہے کہ وہ (جہنم فتنہ جو ان کے نفاق نے گڑھ لیا ہے) اور بلاشبہ دوزخ کافروں کو گھیرے ہوئے ہے۔ ۴۹

(اے پیغمبر!) اگر تمہیں کوئی اچھی بات پیش آ جائے تو وہ انہیں (یعنی منافقوں کو) بری لگے، اور اگر کوئی مصیبت پیش آ جائے تو کہنے لگیں: "اسی خیال سے ہم نے پہلے ہی اپنے لئے مصلحت بینی کر لی تھی" اور پھر گردن موڑ کے خوش خوش چل دیں! ۵۰

کہدو ہمیں کچھ پیش نہیں آ سکتا مگر وہی جو اللہ نے ہمارے لئے (اپنی کتاب میں) لکھ دیا ہے۔ وہی ہمارا کارساز ہے اور مومنوں کو چاہئے کہ اللہ ہی پر (ہر طرح کا) بھروسہ ۵۱

۴۵ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَارْتَابَتْ قُلُوْبُهُمْ فَهُمْ فِيْ رَيْبِهِمْ يَتَرَدَّدُوْنَ ۝ وَلَوْ اَرَادُوا الْخُرُوْجَ
۴۶ لَاَعَدُّوْا لَهٗ عُدَّةً وَّلٰكِنْ كَرِهَ اللّٰهُ انْۢبِعَاثَهُمْ فَثَبَّطَهُمْ وَقِيْلَ اقْعُدُوْا مَعَ الْقٰعِدِيْنَ ۝ لَوْ
خَرَجُوْا فِيْكُمْ مَّا زَادُوْكُمْ اِلَّا خَبَالًا وَّلَاَوْضَعُوْا خِلٰلَكُمْ يَبْغُوْنَكُمُ الْفِتْنَةَ ۚ وَفِيْكُمْ سَمّٰعُوْنَ
۴۷ لَهُمْ ۗ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ۝ لَقَدِ ابْتَغَوُا الْفِتْنَةَ مِنْ قَبْلُ

ساتھ اٹھے؟ اس کا جواب تاریخ سے مل سکتا ہے۔ مختصر لفظوں میں یہ ہے کہ تیس ہزار مسلمانوں نے پیغمبر اسلام کے ساتھ کوچ کیا تھا۔ اور انفاق مال کی خدا کاریوں کا یہ حال تھا کہ اگر ایک طرف حضرت عثمانؓ نے نو سو اونٹ پیش کر دئے تھے تو دوسری طرف ابو عقیل انصاری نے رات بھر ایک کھیت میں آبپاشی کے دو سیر چھوہاروں کی مزدوری میں حاصل کئے تھے، اور وہ لاکر اللہ کے رسول کے قدموں پر رکھ دئے تھے!

۴۵ اسی فوجی تیاری کا یہ واقعہ ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے اپنا تمام مال و متاع پیش کر دیا تھا۔ حتیٰ کہ کرتے کی گھنڈیاں بھی توڑ کر شامل کر دی تھیں۔ اور جب اللہ کے رسول نے پوچھا تھا، ما ابقیت لاھلک، بیوی بچوں کے لئے کیا چھوڑ آئے تو اس پیکر صدق و وفا نے جواب دیا تھا اللہ و رسولہ!

۴۶ چونکہ اس فوج کی تیاری بڑی ہی تنگی و افلاس کی حالت میں ہوئی تھی اس لئے جیش عسرت کے نام سے مشہور ہوئی۔

(۲۴) قرآن نے یہاں آیت (۳۹) میں اور نیز دیگر مقامات میں "استبدال اقوام" کا ذکر کیا ہے، یعنی فرمایا ہے، یاد رکھو اگر تم نے ادا (فرض) میں کوتاہی کی، تو خدا کا قانون اس طرح کا واقع ہوا ہے کہ تمہاری جگہ کسی دوسرے گروہ کو لاکھڑا کریگا۔ تاریخ کا مطالعہ کرو تو اس استبدال کے مناظر تمہارے سامنے آجائیں گے اور قرآن پر تدبر کرو تو اس کے سنن و نوامیس واضح ہو جائیں گے۔

حکمت الٰہی نے افراد کی طرح جماعتوں کی زندگی و قیام کے لئے بھی ایک خاص نظام مقرر کر دیا ہے، اور اسی کے مطابق ایک جماعت کی جگہ دوسری جماعت ہے، اور ایک قوم کی زندگی دوسری قوم کی زندگی سے ہمیشہ بدلتی رہتی ہے۔ قرآن کہتا ہے، افراد کے نظام حیات کی طرح جماعت کا نظام حیات بھی جد و جہد، سعی و طلب، اور فکر و عمل کی صلاحیت کا نظام ہے۔ اور یہاں بھی "بقاء الصلح"

اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان نہیں رکھتے، اور ان کے دل شک میں پڑ گئے ہیں، تو اپنے شک کی حالت میں منہ دو ہو رہے ہیں۔

اور اگر واقعی ان لوگوں نے نکلنے کا ارادہ کیا ہوتا، تو اس کے لئے کچھ نہ کچھ سر و سامان کی تیاری ضرور کرتے، مگر (حقیقت یہ ہے کہ) اللہ نے ان کا اٹھنا پسند ہی نہیں کیا۔ پس انہیں بوجھل کر دیا، اور ان سے کہا گیا (یعنی ان کے بوجھل پنے نے کہا) دوسرے بیٹھ رہنے والوں کے ساتھ تم بھی بیٹھ رہو۔ اگر یہ تم مسلمانوں میں (گھل مل کے) نکلتے، تو تمہارے لئے کچھ زیادہ نہ کرتے مگر (ہر طرح کی) خرابی اور ضرور تمہارے درمیان فتنہ انگیزی کے گھوڑے دوڑاتے (کہ ادھر کی بات ادھر لگاتے۔ ادھر کی ادھر) اور تم جانتے ہو کہ تم میں ایسے لوگ بھی ہیں جو ان کی بات پر کان دھرنے والے ہیں (پس ظاہر ہے کہ ان کی موجودگی سے بجز فتنہ و فساد کے کچھ حاصل نہ ہوتا) اور اللہ جانتا ہے، کون ظلم کرنے والے ہیں۔

(اے پیغمبر) یہ واقعہ ہے کہ ان لوگوں نے اس سے پہلے بھی فتنہ انگیزی کی کوششیں کیں اور تمہارے خلاف ہر طرح کی تدبیریں الٹ پلٹ کر آزمائیں (چنانچہ

وَلَآ اَوْلَادُهُمْ ۭ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَتَزْهَقَ اَنْفُسُهُمْ وَهُمْ
كٰفِرُوْنَ ۝ وَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ اِنَّهُمْ لَمِنْكُمْ ۭ وَمَا هُمْ مِّنْكُمْ وَلٰكِنَّهُمْ قَوْمٌ يَّفْرَقُوْنَ ۝ لَوْ ۵۵-۵۶
يَجِدُوْنَ مَلْجَاً اَوْ مَغٰرٰتٍ اَوْ مُدَّخَلًا لَّوَلَّوْا اِلَيْهِ وَهُمْ يَجْمَحُوْنَ ۝ وَمِنْهُمْ مَّنْ ۵۷
يَّلْمِزُكَ فِي الصَّدَقٰتِ ۚ فَاِنْ اُعْطُوْا مِنْهَا

تو کسی حال میں بھی وہ اپنے کو شرکت سے معاف نہیں رکھتے تھے الا یہ کہ نطق عاجز و معذور ہوں۔

ابو راشد حرانی کہتے ہیں۔ میں نے مقداد بن اسود کو حمص میں دیکھا، جنگ کے لئے نکل رہے تھے۔ میں نے کہا خدا نے نہیں معذور ٹھہرا دیا ہے (یعنی بوڑھے ہو) انہوں نے کہا انفروا خفافا و ثقالا کا کیا جواب ہے؟ چنانچہ ابن زید شرعبی سے روایت ہے کہ میں نے قسطنطنیہ کے غزوے میں ایک نہایت بوڑھے آدمی کو دیکھا جس کی بھوئیں آنکھوں پر آ گری تھیں۔ میں نے تعجب ہو کر کہا خدا نے معذور کو معاف نہیں کر دیا؟ اس نے کہا خدا نے تو ہمیں ہر حال میں نکل کھڑے ہونے کا حکم دیا ہے۔ حمانا و ثقالا۔ ابو ایوب انصاری سے بھی ایسا ہی مروی ہے (ابن جریر)

یہ آیت اس باب میں قطعی ہے کہ جب دفاع کے لئے امام بلائے تو ہر ان معذوروں کے جنہیں آگے چل کر آیت (۹۱) میں مستثنیٰ کر دیا ہے، ہر شخص پر واجب ہو جاتا ہے کہ جان و مال سے شریک جہاد ہو۔ اس بارے میں کوئی عذر مسموع نہیں۔

(۲۰۷) اب آیت (۴۲) سے سلسلہ بیان منافقوں کی طرف متوجہ ہوتا ہے جن کے لئے غزوہ تبوک کا معاملہ ایک آخری اور فیصلہ کن آزمائش ثابت ہوا تھا۔ اس نے بظاہر دو تماشوں کے تمام پردے چاک کر دئے۔ یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام اس سورت کو الفاضحہ کے نام سے بھی پکارتے تھے۔ کیونکہ اس نے منافقوں کے بھید کھول کر ان کی فضیحت کر دی۔

منافقوں کی نسبت سورہ آل عمران کی آیت (۱۴۱) میں پڑھ چکے ہو اللہ انہیں مومنوں سے ممتاز کر کے الگ کر دے گا۔ چنانچہ یکے بعد دیگرے ایسے موقعے پیش آتے رہے جن میں نفاق کے چہروں کو بے نقاب ہونا پڑا۔ اس سلسلہ کا

ہے اور صاحب اولاد ہیں، تمہیں متعجب نہ کرے، یہ تو اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ اللہ نے مال اور اولاد ہی کی راہ سے انہیں دنیوی زندگی میں عذاب دینا چاہا (کہ نفاق و بخل کی وجہ سے مال کا غم و بال جان ہو رہا ہے اور اولاد کو اپنے سے برگشتہ اور اسلام میں سابقت قدم دیکھ کر شب و روز جل رہے ہیں) اور (باقی رہا آخرت کا معاملہ تو) ان کی جانیں اس حالت میں نکلیں گی کہ ایمان سے محروم ہونگے! ۵۵

اور (دیکھو) اللہ کی قسمیں کھا کر تمہیں یقین دلاتے ہیں کہ وہ تم ہی میں سے ہیں، حالانکہ وہ تم میں سے نہیں ہیں، بلکہ ایک گروہ ہے جو ڈرا سہما ہوا ہے ۵۶

(ان کے دلوں کے خوف و نفرت کا یہ حال ہے کہ اگر انہیں پناہ کی کوئی جگہ مل جائے، کوئی غار یا کوئی اور چھپ بیٹھنے کا سوراخ، تو تم دیکھو کہ یہ فوراً اس کا رخ کریں اور حالت یہ ہو کہ گویا رسی تڑا کر بھاگے جا رہے ہیں! ۵۷

اور ان میں کچھ ایسے ہیں کہ مال زکوٰۃ بانٹنے میں تجھ پر عیب لگاتے ہیں (کہ تو لوگوں کی رعایت کرتا ہے) پھر حالت ان کی یہ ہے کہ اگر انہیں اس میں سے دیا جائے، تو خوش ہو جائیں، نہ دیا جائے

قُلْ هَلْ تَرَبَّصُونَ بِنَآ إِلَّآ إِحْدَى الْحُسْنَيَيْنِ ۖ وَنَحْنُ نَتَرَبَّصُ بِكُمْ أَنْ يُصِيبَكُمُ اللَّهُ بِعَذَابٍ
مِّنْ عِنْدِهِۦٓ أَوْ بِأَيْدِينَا ۖ فَتَرَبَّصُوٓا إِنَّا مَعَكُمْ مُّتَرَبِّصُونَ ۝ قُلْ أَنفِقُوا طَوْعًا أَوْ كَرْهًا
لَّن يُتَقَبَّلَ مِنكُمْ ۖ إِنَّكُمْ كُنتُمْ قَوْمًا فَاسِقِينَ ۝ وَمَا مَنَعَهُمْ أَن تُقْبَلَ مِنْهُمْ نَفَقَاتُهُمْ
إِلَّآ أَنَّهُمْ كَفَرُوا بِاللَّهِ وَبِرَسُولِهِۦ وَلَا يَأْتُونَ الصَّلَوٰةَ إِلَّا وَهُمْ كُسَالَىٰ وَلَا يُنفِقُونَ إِلَّا وَهُمْ
كَٰرِهُونَ ۝ فَلَا تُعْجِبْكَ أَمْوَٰلُهُمْ

۵۲

۵۳

۵۴

۵۱ لیکن پیمبر اسلام کے سکون قلب کا عالم دوسرا تھا۔ ان کا قلب خارجی جوش محبت میں مضطرب ہوتا تو تسلی دیتے اور فرماتے "غمگین نہ ہو، اللہ ہمارے ساتھ ہے" خود حضرت ابوبکر کا بیان ہے کہ جب دشمن غار کے قریب آئے تو میں نے مضطرب ہو کر عرض کی، ان میں سے کسی نے پاؤں اونچا کیا تو ہمیں دیکھ لے گا۔ آنحضرت نے فرمایا "ابوبکر! تم ان دو آدمیوں کے لیے کیا خیال کرتے ہو جن کے لیے تیسرا خود اللہ ہے" (صحیحین عن انس)

یہاں فرمایا اللہ نے اپنی جانب سے اس پر سکون و قرار کا (یعنی ابوبکر) کیونکہ پیمبر اسلام کا قلب مامون تھا کہ تائید الٰہی سے ساکن و برقرار تھا۔

کیا تمہیں (اس کے سوا) بھروسے کا سہارا کوئی نہیں!

۵۲ (اے پیمبر! تم ان سے) کہو، تم ہمارے لئے جس بات کا انتظار کرتے ہو (یعنی جنگ میں قتل ہو جانے کا) وہ ہمارے لئے اس کے سوا کیا ہے کہ دو خوبیوں میں سے ایک خوبی ہے (یعنی فتح اور شہادت میں سے شہادت) اور ہم تمہارے لئے جس (سزا) کے منتظر ہیں وہ یہ ہے کہ اللہ اپنے یہاں سے کوئی عذاب بھیج دے یا ہمارے ہی ہاتھوں عذاب دلائے تو اب (نتیجہ) انتظار کرو، ہم بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والے ہیں

۵۳ (اور) کہو، تم (بظاہر) خوشی سے (راہ حق میں) خرچ کرو یا ناخوش ہو کر، تمہارا خرچ کرنا کبھی قبول نہیں کیا جائے گا۔ کیونکہ تم ایک ایسی گروہ ہو گئے جو (احکام الٰہی سے) نافرمان ہے۔

(۲۶) آپ ۱۱ تا ۱۳ پڑھ لیں۔ ۱۴ تا ۱۶ پڑھ لیں۔ ۱۷ تا ۱۹ پڑھ لیں۔ ۲۰ تا ۲۲ پڑھ لیں۔ ۲۳ تا ۲۵ پڑھ لیں۔ ۲۶ تا ۲۸ پڑھ لیں۔ ۲۹ تا ۳۱ پڑھ لیں۔ ۳۲ تا ۳۴ پڑھ لیں۔ ۳۵ تا ۳۷ پڑھ لیں۔ ۳۸ تا ۴۰ پڑھ لیں۔ ۴۱ تا ۴۳ پڑھ لیں۔ ۴۴ تا ۴۶ پڑھ لیں۔ ۴۷ تا ۴۹ پڑھ لیں۔ ۵۰ تا ۵۲ پڑھ لیں۔ ۵۳ تا ۵۵ پڑھ لیں۔ ۵۶ تا ۵۸ پڑھ لیں۔ ۵۹ تا ۶۱ پڑھ لیں۔ ۶۲ تا ۶۴ پڑھ لیں۔ ۶۵ تا ۶۷ پڑھ لیں۔ ۶۸ تا ۷۰ پڑھ لیں۔ ۷۱ تا ۷۳ پڑھ لیں۔ ۷۴ تا ۷۶ پڑھ لیں۔ ۷۷ تا ۷۹ پڑھ لیں۔ ۸۰ تا ۸۲ پڑھ لیں۔ ۸۳ تا ۸۵ پڑھ لیں۔ ۸۶ تا ۸۸ پڑھ لیں۔ ۸۹ تا ۹۱ پڑھ لیں۔ ۹۲ تا ۹۴ پڑھ لیں۔ ۹۵ تا ۹۷ پڑھ لیں۔ ۹۸ تا ۱۰۰ پڑھ لیں۔ ۱۰۱ تا ۱۰۳ پڑھ لیں۔ ۱۰۴ تا ۱۰۶ پڑھ لیں۔ ۱۰۷ تا ۱۰۹ پڑھ لیں۔ ۱۱۰ تا ۱۱۲ پڑھ لیں۔ ۱۱۳ تا ۱۱۵ پڑھ لیں۔ ۱۱۶ تا ۱۱۸ پڑھ لیں۔ ۱۱۹ تا ۱۲۱ پڑھ لیں۔ ۱۲۲ تا ۱۲۴ پڑھ لیں۔ ۱۲۵ تا ۱۲۷ پڑھ لیں۔ ۱۲۸ تا ۱۳۰ پڑھ لیں۔ ۱۳۱ تا ۱۳۳ پڑھ لیں۔ ۱۳۴ تا ۱۳۶ پڑھ لیں۔ ۱۳۷ تا ۱۳۹ پڑھ لیں۔ ۱۴۰ تا ۱۴۲ پڑھ لیں۔ ۱۴۳ تا ۱۴۵ پڑھ لیں۔ ۱۴۶ تا ۱۴۸ پڑھ لیں۔ ۱۴۹ تا ۱۵۱ پڑھ لیں۔ ۱۵۲ تا ۱۵۴ پڑھ لیں۔ ۱۵۵ تا ۱۵۷ پڑھ لیں۔ ۱۵۸ تا ۱۶۰ پڑھ لیں۔ ۱۶۱ تا ۱۶۳ پڑھ لیں۔ ۱۶۴ تا ۱۶۶ پڑھ لیں۔ ۱۶۷ تا ۱۶۹ پڑھ لیں۔ ۱۷۰ تا ۱۷۲ پڑھ لیں۔ ۱۷۳ تا ۱۷۵ پڑھ لیں۔ ۱۷۶ تا ۱۷۸ پڑھ لیں۔ ۱۷۹ تا ۱۸۱ پڑھ لیں۔ ۱۸۲ تا ۱۸۴ پڑھ لیں۔ ۱۸۵ تا ۱۸۷ پڑھ لیں۔ ۱۸۸ تا ۱۹۰ پڑھ لیں۔ ۱۹۱ تا ۱۹۳ پڑھ لیں۔ ۱۹۴ تا ۱۹۶ پڑھ لیں۔ ۱۹۷ تا ۱۹۹ پڑھ لیں۔ ۲۰۰ تا ۲۰۲ پڑھ لیں۔ ۲۰۳ تا ۲۰۵ پڑھ لیں۔ ۲۰۶ تا ۲۰۸ پڑھ لیں۔ ۲۰۹ تا ۲۱۱ پڑھ لیں۔ ۲۱۲ تا ۲۱۴ پڑھ لیں۔ ۲۱۵ تا ۲۱۷ پڑھ لیں۔ ۲۱۸ تا ۲۲۰ پڑھ لیں۔ ۲۲۱ تا ۲۲۳ پڑھ لیں۔ ۲۲۴ تا ۲۲۶ پڑھ لیں۔ ۲۲۷ تا ۲۲۹ پڑھ لیں۔ ۲۳۰ تا ۲۳۲ پڑھ لیں۔ ۲۳۳ تا ۲۳۵ پڑھ لیں۔ ۲۳۶ تا ۲۳۸ پڑھ لیں۔ ۲۳۹ تا ۲۴۱ پڑھ لیں۔ ۲۴۲ تا ۲۴۴ پڑھ لیں۔ ۲۴۵ تا ۲۴۷ پڑھ لیں۔ ۲۴۸ تا ۲۵۰ پڑھ لیں۔ ۲۵۱ تا ۲۵۳ پڑھ لیں۔ ۲۵۴ تا ۲۵۶ پڑھ لیں۔ ۲۵۷ تا ۲۵۹ پڑھ لیں۔ ۲۶۰ تا ۲۶۲ پڑھ لیں۔ ۲۶۳ تا ۲۶۵ پڑھ لیں۔ ۲۶۶ تا ۲۶۸ پڑھ لیں۔ ۲۶۹ تا ۲۷۱ پڑھ لیں۔ ۲۷۲ تا ۲۷۴ پڑھ لیں۔ ۲۷۵ تا ۲۷۷ پڑھ لیں۔ ۲۷۸ تا ۲۸۰ پڑھ لیں۔ ۲۸۱ تا ۲۸۳ پڑھ لیں۔ ۲۸۴ تا ۲۸۶ پڑھ لیں۔

اور خرچ کرنے کی قبولیت سے وہ محروم نہیں کیے گئے مگر اس لیے کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول سے انکار کیا (اگرچہ وہ ایمان کے دعوی میں کسی سے پیچھے نہیں) وہ نماز کے لئے نہیں آتے مگر کاہلی کے ساتھ اور (راہ حق میں) مال خرچ نہیں کرتے مگر اس حال میں کہ خرچ کرنے کی ناگواری ان کے دلوں میں بسی ہوئی ہے!

تو دیکھو، یہ بات کہ ان کے پاس مال و دولت

وَفِي سَبِيلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيلِ ۖ فَرِيضَةً مِّنَ اللّٰهِ ۗ وَاللّٰهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ۝ ۶۰
وَمِنْهُمُ الَّذِينَ يُؤْذُونَ النَّبِيَّ وَيَقُولُونَ هُوَ أُذُنٌ ۚ قُلْ أُذُنُ خَيْرٍ لَّكُمْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَيُؤْمِنُ
لِلْمُؤْمِنِينَ وَرَحْمَةٌ لِّلَّذِينَ آمَنُوا مِنكُمْ ۚ

(۲۸) آیت (۶۱) کے اسلوب بیان پر غور کرو۔ کیسے دلکش اور پر محبت انداز میں پیغمبر اسلام کو متنبہ کیا ہے کہ رحمت و درگزر کی ایک حد ہونی چاہیئے۔ اب یہ اس کے مستحق نہیں کہ رسی اتنی ڈھیلی چھوڑ دی جائے۔

فرمایا، جب یہ لوگ ایک طرف تو جھوٹے عذر بناتے تھے، دوسری طرف یہ بھی کہتے جاتے تھے کہ جو آپ کا حکم ہو تو بہتر تھا کہ تم انہیں پوری آزمائش میں ڈال دیتے۔ یعنی کہتے میرا حکم تو یہی ہے کہ چلنا چاہیئے۔ نتیجہ یہ نکلتا کہ کھل جاتا، کون یہ کہنے میں سچے تھے، کون ایسا کہ دینے پر بھی نہ نکلنے والے تھے۔

(۲۹) آیت (۶۲) میں فرمایا جن کے دلوں میں ایمان کی لگن ہے بھلا وہ ایک ایسے کام میں کیوں لیت و لعل کرنے لگے؟ اور کیوں اس کے انتظار میں بیٹھے رہنے لگے؟ جس کے لئے تو صرف اتنا ہی کافی ہے کہ ادا، فرض کا وقت آگیا اور جسے ایمان عزیز ہے وہ ادا، فرض کے لئے مستعد ہو جائے۔ یہ حکم تو وہی مانیں گے جن کے دلوں میں سچا ایمان نہیں۔ اور جو شک کے روگی ہو رہے ہیں۔ تاکہ کوئی نہ کوئی راہ نکل بھاگنے کی مل جائے۔

(۳۰) چونکہ مقابلہ بیزنطانی شہنشاہی سے تھا جو مشرق میں روما الکبریٰ کی عظمت کی جانشین تھی، اور ابھی حال میں ایران کو شکست دے چکی تھی۔ اس لئے منافقوں کو یقین تھا، مسلمانوں کے خاتمے کے دن آگئے۔ عبداللہ بن ابی سلول نے جو منافقوں کا سرغنہ تھا، لوگوں کو یقین دلایا تھا کہ پیغمبر اسلام اس سفر سے لوٹنے والے نہیں۔

آیت (۶۷) میں فرمایا، یہ سمجھے، پیچھے رہ کر مصیبت سے بچے، اور واقعہ یہ ہے کہ ان کا نہ نکلنا ہی تمہارے لئے بہتر ہوا۔ کیونکہ نکلتے تو فتنوں کے گھوڑے دوڑاتے، اور کچھے دل کے آدمیوں کو بہکاتے رہتے۔ اس سے پہلی آیت میں فرمایا، مگر اللہ کے حضور ان کا اٹھنا ناپسند ہوا یعنی اللہ کے علم میں تھا کہ اب کے نہیں نکلیں گے، اور اللہ نے

اور اللہ کی راہ میں (یعنی جہاد کے لئے) اور اُن تمام کاموں کے لئے، جو مثل جہاد کے اعلاء کلمۂ حق کے لئے ہوں)

اور مسافروں کے لئے (جو اپنے گھر نہ پہنچ سکتے ہوں اور مفلسی کی حالت میں پڑ گئے ہوں)

یہ اللہ کی طرف سے ٹھہرائی ہوئی بات ہے اور اللہ (سب کچھ) جاننے والا (اپنے تمام حکموں میں) حکمت رکھنے والا ہے۔ ۶۰

اور انہی (منافقوں) میں (وہ لوگ بھی) ہیں جو اللہ کے نبی کو (اپنی بدگوئی سے) اذیت پہنچانا چاہتے ہیں، اور کہتے ہیں یہ شخص تو بہت سننے والا ہے (یعنی کان کا کچا ہے۔ جو بات کسی نے کہدی، اس نے مان لی۔ اے پیغمبر!) تم کہو، ہاں وہ بہت سننے والا ہے، مگر تمہاری بہتری کے لئے (کیونکہ وہ بجز حق کے کوئی بات قبول نہیں کرتا) وہ اللہ پر یقین رکھتا ہے (اس لئے اللہ جو کچھ اسے سناتا ہے اُس پر اسے یقین ہے) اور وہ (سچے) مومنوں کی بات پر بھی یقین رکھتا ہے (جن کی سچائی ہر طرح کے امتحانوں میں پڑ کر کھری ثابت ہو چکی ہے) اور وہ ان لوگوں کے لئے سرتاسر رحمت ہے جو تم میں سے ایمان لائے ہیں، اور جو لوگ

رَضُوْا وَاِنْ لَّمْ يُعْطَوْا مِنْهَآ اِذَا هُمْ يَسْخَطُوْنَ ۝ وَلَوْ اَنَّهُمْ رَضُوْا مَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ وَ ۵۸
رَسُوْلُهٗ ۙ وَقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ سَيُؤْتِيْنَا اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَرَسُوْلُهٗٓ ۙ اِنَّآ اِلَى اللّٰهِ رٰغِبُوْنَ ۝ ع ۵۹
اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ
وَالْغٰرِمِيْنَ

آخری مرحلہ غزوہ تبوک تھا۔

۵۸ پڑھ چکے ہو کہ اس موقعہ پر ناموافق حالات سے عام مسلمانوں کی سرگرمیاں بھی ابتدا میں کچھ دھیمی رہی تھیں لیکن منافقوں کی حالت بالکل دوسری تھی۔ یہ حکم ان کے لئے پیام موت سے بھی زیادہ سخت ہوا کچھ حیلے بہانے کرنے۔ ہر شخص ایک نیا بہانہ گڑھ لاتا اور کہتا اور جب کوئی مجھے چلنے میں کوئی عذر نہیں مگر مشکل یہ ہے کہ فلاں کام ناگزیر ہو گیا ہے فلاں بات ناقابل حل ہو رہی ہے فلاں الجھاؤ سلجھایا نہیں جا سکتا۔ اب جیسا آپ کا حکم ہو مقصود یہ تھا کہ جھوٹی سچی مجبوریاں سنائیں گے تو پیغمبر اسلام کا اخلاق ایسا نہیں ہے کہ کسی کو مجبور کر کے لے جانا چاہیں۔ ان کی رحمت و رافت ہمیشہ یہی ڈھیلی چھوڑ دیتی ہے وہ یہی کہیں گے کہ مجبور ہو تو نہ چلو۔

۵۹ چنانچہ ایسا ہی ہوا پیغمبر اسلام ان کے حیلے بہانے سنتے اور یہ دیکھ کر کہ بھرتی چلنے کے لئے تیار نہیں کہہ دیتے اچھا تمہیں رخصت ہے۔

ان میں سے بعضوں نے بات بنانے کے لئے یہ بھی کہا کہ مال حاضر ہے لے چلئے مگر نکلن دشوار ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں انہی واقعات کی طرف اشارہ کیا ہے۔ فرمایا، اگر کوئی ایسی بات ہوتی کہ فوری فائدہ دکھائی دیتا، اور سفر بھی دور کا نہ ہوتا، تو ان کے نفاق کو چھپنے کی آڑ مل جاتی جیسی بار بار مل چکی ہے یہ فوراً تیرے پیچھے قدم اٹھا دیتے ظاہر میں حکم کی تعمیل کرتے، دل میں نیا کی طمع اور کرد و عذر کی چالیں ہوتیں۔ چنانچہ احد وغیرہ میں ایسا ہی کیا تھا۔ مگر انہیں مشکل یہ آ پڑی کہ معاملہ نکل آیا عرب سے باہر دور دراز کا۔ اور سفر کی تعمیر ہو چکی بڑی ہی سخت۔ نہ تو دنیا کے نفع قریب کی توقع، نہ قرب مقام کی سہولت کا سہارا۔ پس بے بس ہو کر رہ گئے۔ اور دکھاوے کے لئے ساتھ نہ نکل سکے۔ اللہ کی طرف سے یہی فیصلہ کن آزمائش تھی جس نے سارا بھانڈا پھوڑ کر رکھ دیا، اور جب کبھی راہ حق میں کوئی سخت آزمائش آ جاتی ہے تو منافقوں کے چہرے اسی طرح بے نقاب ہو جایا کرتے ہیں!

تو بس اچانک بگڑ بیٹھیں!

اور (کیا اچھا ہوتا) اگر ایسا ہوتا کہ جو کچھ اللہ اور اس کے رسول نے انہیں دیدیا، اس پر رضامند ہو جاتے اور کہتے، ہمارے لئے اللہ بس کرتا ہے اللہ اپنے فضل سے ہمیں (بہت کچھ) عطا فرمائے گا، اور اس کا رسول بھی (عطا و بخشش میں کمی کرنے والا نہیں) ہمارے لئے تو بس اللہ ہی غایت و مقصود ہے!

صدقہ کا مال (یعنی مال زکوٰۃ) تو اور کسی کے لئے نہیں ہے۔

صرف فقیروں کے لئے ہے۔

اور مسکینوں کے لئے ہے۔

اور ان کے لئے، جو اس کی وصولی کے کام پر مقرر کئے جائیں۔

اور وہ، کہ ان کے دلوں میں (کلمۂ حق کی) الفت پیدا کرنی ہے۔

اور وہ، ان کی گردنیں (غلامی کی زنجیروں میں جکڑی ہیں (اور انہیں آزاد کرانا ہے)

نیز قرضداروں کے لئے اجو قرض کے بوجھ سے دب گئے ہوں، اور ادا کرنے کی طاقت نہ رکھیں)۔

وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ لَيَقُولُنَّ إِنَّمَا كُنَّا نَخُوضُ وَنَلْعَبُ ۚ قُلْ أَبِاللَّهِ وَآيَاتِهِ وَرَسُولِهِ كُنْتُمْ
تَسْتَهْزِئُونَ ۝ لَا تَعْتَذِرُوا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ إِيمَانِكُمْ ۚ إِنْ نَعْفُ عَنْ طَائِفَةٍ مِنْكُمْ ٦٥
نُعَذِّبْ طَائِفَةً بِأَنَّهُمْ كَانُوا مُجْرِمِينَ ۝ الْمُنَافِقُونَ وَالْمُنَافِقَاتُ بَعْضُهُمْ مِنْ بَعْضٍ ٦٦ ع
يَأْمُرُونَ بِالْمُنْكَرِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمَعْرُوفِ وَيَقْبِضُونَ أَيْدِيَهُمْ ۚ نَسُوا اللَّهَ فَنَسِيَهُمْ ۚ
إِنَّ الْمُنَافِقِينَ هُمُ الْفَاسِقُونَ ۝ ٦٧

معجزانہ بلاغت ہے۔ یقیناً ہر طرح کے متورع اور وہمی خطرات ٹھوٹھ ٹھوٹھ نکالتے ہونگے اور فتنہ سے تعبیر کرتے ہونگے۔ مثلاً اس وقت ہم ہزاروں آدمیوں کو اس دور کے سفر پر لے جانا جان بوجھ کر انہیں ہلاک کرنا ہے اور یہ نیکی کا کام نہیں پھر جہاں جانا ہے وہ دوسروں کا ملک ہے، نہیں معلوم کن کن بدیوں میں پڑنا پڑے۔

احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جب سید عالم نے بنو کے کا ارادہ کیا تو بنی قینقاع کے ایک سردار جد بن قیس نے کہا مجھ کو عورتوں کے معاملہ میں بہت کمزور نہ سمجھئے، کہیں بنو اصفر کی عورتیں دیکھ کر فتنہ میں نہ مبتلا ہو جاؤں پس مجھے چھٹی دیجئے اور اس فتنہ میں نہ ڈالئے (اس جرم پر جو حضرت یعنی روایتی)

اس سے معلوم ہوا جو باتیں کہی گئی ہوں وہ اسی قسم کی ہوں (مثلاً یہ کہ چھوٹے بہانے نکالنے کے لئے چھوٹے فتنہ کا ذکر کرتے ہیں حالانکہ یہ کہنا اصلی فتنہ میں گرفتار ہے کہ راہ حق میں جہاد سے جی چرایا، اور اس کے لئے جھوٹی نیکی و پرہیزگاری کی آڑ پکڑی) غور کرو گے تو نفاق کی خصلت آج بھی بڑے بڑے دینی علم و تحقیق میں بولتی نظر آئے گی۔ جھوٹی دینداری اور وہمی پرہیزگاری نے سعی و عزم کی تمام راہیں ان پر بند کر دی ہیں اور وہ سامی ہیں کہ امت پر بھی بند کر دیں۔ ۱۹۱۲ء کی بات ہے کہ مجھے خیال ہوا، ہندوستان کے علماء و مشائخ کو عزائم و مقاصد کی طرف توجہ دلاؤں، ممکن ہے چند اصحاب راہ پا جائیں۔ اس غرض سے میں نے اس کی کوشش کی، لیکن ایک نمائندہ شخصیت کو مستثنیٰ کر دینے کے بعد سب کا متفقہ جواب یہی تھا کہ یہ وقت ایک فتنہ ہے۔ اذن لی ولا تفتنی میں شخصیت مولانا محمود حسن دیوبندی کی تھی، جواب رحمت الٰہی کے جوار میں پہنچ چکی ہے

تم نے بعض علماء کے فتوے پڑھے ہونگے کہ مسلمانوں کو وقت

کر دینے والا ہے جس کا تمہیں اندیشہ رہتا ہے۔"

اور اگر تم ان لوگوں سے پوچھو ایسی باتیں کیوں کرتے ہو؟ تو یہ ضرور جواب میں کہیں "ہم نے تو یونہی جی بہلانے کو ایک بات چھیڑ دی تھی اور ہنسی مذاق کرتے تھے" تم (ان سے) کہو کیا تم اللہ کے ساتھ اس کی آیتوں کے ساتھ اور اس کے رسول کے ساتھ ہنسی مذاق کرتے ہو؟ ٦٥

بہانے نہ بناؤ حقیقت یہ ہے کہ تم نے ایمان کا اقرار کر کے پھر کفر کیا۔ اگر ہم تم میں سے ایک گروہ کو (اس کے عدم اصرار اور توبہ و انابت کی وجہ سے) معاف بھی کر دیں تو تم میں سے ایک گروہ کو ضرور عذاب دینگے اس لئے کہ (اصل میں) وہی مجرم تھے۔ ٦٦

منافق مرد اور منافق عورتیں، سب ایک دوسرے کے ہم جنس برائی کا حکم دیتے ہیں اچھی باتوں سے روکتے ہیں اور (راہ حق میں خرچ کرنے سے) اپنی مٹھیاں بند رکھتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ انہوں نے اللہ کو بھلا دیا، نتیجہ یہ نکلا کہ یہ بھی اللہ کے حضور بھلا دئے گئے (یعنی جو اس کی طرف سے غافل ہو جاتا ہے اس کے قوانین فضل و سعادت بھی اسے بھلا کر

٦١ وَالَّذِينَ يُؤْذُونَ رَسُولَ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝ يَحْلِفُونَ بِاللّٰهِ لَكُمْ لِيُرْضُوكُمْ وَاللّٰهُ
الثلثة ٦٢ وَرَسُولُهُ أَحَقُّ أَنْ يُرْضُوهُ إِنْ كَانُوا مُؤْمِنِينَ ۝ أَلَمْ يَعْلَمُوا أَنَّهُ مَنْ يُحَادِدِ اللّٰهَ وَ
٦٣ رَسُولَهُ فَأَنَّ لَهُ نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدًا فِيهَا ذٰلِكَ الْخِزْيُ الْعَظِيمُ ۝ يَحْذَرُ الْمُنٰفِقُونَ
أَنْ تُنَزَّلَ عَلَيْهِمْ سُورَةٌ تُنَبِّئُهُمْ بِمَا فِي قُلُوبِهِمْ قُلِ اسْتَهْزِئُوا إِنَّ اللّٰهَ
٦٤ مُخْرِجٌ مَا تَحْذَرُونَ ۝

تمہارے لئے اسی میں بہتری دیکھی کہ نہ نکلیں۔

٦١ (٣١) اس سے معلوم ہوا کہ جماعتی زندگی کے لئے مذبذب اور کچے دل کے آدمیوں کی مرجوگی ایک بڑا مہلک ہے۔ خصوصاً جب کہ قوم موت و حیات کی جدوجہد میں مشغول ہو۔ یہی وجہ ہے کہ آزاد سے آزاد قومیں بھی مجبور ہوئیں کہ جنگ کے وقت حکومت کو غیر معمولی اختیارات دیدیں، اور اگر شخصی آزادی کے قوانین بھی معطل کرنے تو متعرض نہ ہوں۔ کیونکہ اس وقت ایک منافق کی شرارت پوری قوم کو خطرہ میں ڈال سکتی ہے۔

ان آیات کی موعظت یہ ہے کہ حتی الامکان ایسے افراد کی موجودگی برداشت نہیں کرنی چاہئے، اور ایسا خیال نہیں

٦٢ کرنا چاہئے کہ ان کی علیحدگی سے جو عارضی شور و شغب ہوگا، وہ جماعتی مصالح کے لئے زیادہ مضر ہوگا۔ اگر درحقیقت کی جڑ درست ہے۔ تو جتنا چھانٹو گے، اتنا ہی زیادہ پھلتا جائے گا، اور فاسد اعضاء کا الگ کر دینا مضر نہیں ہوتا، جبکہ وہ جسم کے لئے مہلک ہوتا ہے۔

(٣٢) جب انسان میں سچائی باقی نہیں رہتی، تو بیشک وہ پرہیزگاری کے خیال کو خود اسکی و پرہیزگاری ہی کے خلاف

٦٣ استعمال کرنے لگتا ہے اور اس سے حیلہ بہانے کا کام نکالتا ہے، اور یہ نفاق کا سب سے زیادہ پُرفریب حربہ ہے بہت سے سادہ لوح دیندار اس کے دھوکے میں آجاتے ہیں۔

چنانچہ آیت (٤٩) میں اسی بات کی طرف اشارہ کیا ہے۔ فرمایا، بعض منافق کہتے ہیں، اس سفر میں نکلنا فتنوں میں پڑنا ہے۔ بس ہمیں فتنہ میں نہ ڈالئے۔ مدینہ میں ہی بیٹھے رہنے دیجئے۔

اس فتنہ سے ان کا مقصود کیا تھا؟ اسے اس لئے

٦٤ بیان نہیں کیا کہ حرکی قرائن واضح کر رہے ہیں، اور یہی قرآن

اللہ کے رسول کو آزار پہنچانا چاہتے ہیں، تو انہیں سمجھ لینا چاہئے، ان کے لئے عذاب ہے عذاب دردناک!

(مسلمانو!) یہ تمہارے سامنے اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں، تاکہ تمہیں راضی کر لیں۔ حالانکہ اگر یہ واقعی مومن ہوتے، تو سمجھتے کہ اللہ اور اس کا رسول اس بات کا زیادہ حق دار ہے کہ اسے (اپنے ایمان و عمل سے) راضی رکھیں۔

کیا (ابھی تک) انہوں نے یہ بات (بھی) نہ جانی کہ جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کا مقابلہ کرتا ہے، اس کے لئے دوزخ کی آگ ہے۔ ہمیشہ اس میں جلے گا؟ اور بہت ہی بڑی رسوائی ہے (جو کسی انسان کے حصے میں آسکتی ہے؟)

منافق (ہمیشہ) اس بات سے (بھی) ڈرتے ہیں کہ کہیں ایسا نہ ہو، ان کے بارے میں کوئی سورت نازل ہو جائے، اور جو کچھ ان کے دلوں میں (چھپا) ہے، وہ انہیں (علانیہ) جتلا دے (تو اے پیغمبر!) تم ان سے کہدو: تم (اپنی عادت کے مطابق) تمسخر کئے رہو۔ یقیناً اللہ اس بات (پوشیدگی سے) نکال کر ظاہر

بِالْبَيِّنٰتِ ۚ فَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ۝ ۷۰ وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ
بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۘ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ ۷۱
الزَّكٰوةَ وَيُطِيْعُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۭ اُولٰۗىِٕكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللّٰهُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝ وَعَدَ
اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَمَسٰكِنَ ۷۲ ع
طَيِّبَةً فِيْ جَنّٰتِ عَدْنٍ ۭ وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ ۭ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝

بلکہ صرف اس لئے کہ کسی کی راہ میں چلتا ہے، اور یہ جو کسی کی راہ میں چلنے رہنا ہے، تو یہی اس کے لئے منزل مقصود ہے۔

راہرواں رخ بمنزل دارند ۔ عشق ہم راہ است ہم خود منزل است

دوسرے اگر جد و جہد کرتے ہوئے مر جائیں تو یہ ان کی ناکامیابی ہے۔ مومن اگر مر جائے تو اس کی بڑی سے بڑی مفتخری ہے ایسی مفتخری جس سے بڑی مفتخری کی وہ اپنی ذات کے لئے آرزو ہی نہیں کر سکتا!

آنانکہ غم تو گزیدہ ہمہ ۔ در کوئے شہادت آرمیدند ہمہ
دیدہ کہ کون فتح از عشق است ۔ با آنکہ سیاہ او سپیدند ہمہ

دوسرے اگر لڑیں اور دشمنوں پر غالب آسکیں تو ان کی ہار ہوئی ہاں مومن وہ ہے جو ہار کے معنی ہی سے ناآشنا ہوتا ہے۔ وہ اگر کسی میدان میں غالب نہ آئے، جب بھی جیت اسی کی ہے کیونکہ اس کی ہار جیت کا معیار میدان جنگ نہیں ہوتا خود اسکی طلب سعی ہوتی ہے۔ اگر وہ اپنی سعی و طلب میں پورا نکلا تو اس نے میدان مار لیا، اگرچہ میدان جنگ میں اس کی لاش ہزاروں لاشوں کے نیچے دبی ہوئی ہو۔

یہی وجہ ہے کہ اس راہ میں وہ کبھی مر نہیں سکتا۔ اس کی موت بھی اس کی زندگی ہوتی ہے۔ ولکن لا تشعرون!

یہ قرآن نے جا بجا زور دیا ہے کہ مومن کا مقصد سعی صرف اللہ اور اس کی سچائی ہے، اور مومن کی جد کا نام جہد فی سبیل اللہ رکھ دیا، تو اس میں یہی حقیقت پوشیدہ ہے یعنی وہ ساری منزلوں سے جو دنیا میں پیش آسکتی ہیں، بلند کر دیا گیا۔

اب یہاں کی کوئی منزل اس کی منزل مقصود نہیں ہو سکتی کہ اس تک نہ پہنچ سکنا۔ اس کی ناکامیابی کا فیصلہ کر دے اس کے لئے منزل مقصود تو صرف یہ ہے کہ حق کی راہ میں چلتا رہے اور رکے نہیں۔ اس کا ہر قدم جو چلتا رہا منزل [illegible] اور قدم بقدم [illegible] مراد ہی!

پاس روشن قندیلوں کے ساتھ آئے تھے، مگر وہ اندھے پن سے باز نہ آئے) اور ہرگز ایسا نہیں ہو سکتا تھا کہ اللہ ان پر ظلم کرتا، مگر وہ خود ہی اپنے اوپر ظلم کرتے تھے۔

اور جو مرد اور عورتیں مومن ہیں، تو وہ سب ایک دوسرے کے کارساز و رفیق ہیں نیکی کا حکم دیتے ہیں، برائی سے روکتے ہیں، نماز قائم رکھتے ہیں، زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور ہر (حال میں) اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں۔ سو یہی لوگ ہیں جن پر عنقریب اللہ رحمت فرمائے گا۔ یقیناً اللہ سب پر غالب اور (اپنے تمام کاموں میں) حکمت رکھنے والا ہے۔

مومن مردوں اور مومن عورتوں کے لئے اللہ کی طرف سے (نعیم ابدی کے) باغوں کا وعدہ ہے جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہونگی (اور اس لئے کبھی خشک ہونے والے نہیں) وہ ہمیشہ ان میں رہینگے نیز ان کے لئے ہمیشگی کے باغوں میں پاک مسکن ہونگے! ان سب سے بڑھ کر (انعمت یہ کہ) اللہ کی خوشنودیوں کا ان پر نزول ہوگا!

وَعَدَ اللّٰهُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْكُفَّارَ نَارَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ هِىَ حَسْبُهُمْ ۚ وَ
لَعَنَهُمُ اللّٰهُ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ۝ ۶۸ كَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ كَانُوْٓا اَشَدَّ مِنْكُمْ قُوَّةً وَّاَكْثَرَ
اَمْوَالًا وَّاَوْلَادًا ۭ فَاسْتَمْتَعُوْا بِخَلَاقِهِمْ فَاسْتَمْتَعْتُمْ بِخَلَاقِكُمْ كَمَا اسْتَمْتَعَ الَّذِيْنَ مِنْ
قَبْلِكُمْ بِخَلَاقِهِمْ وَخُضْتُمْ كَالَّذِيْ خَاضُوْا ۭ اُولٰۗىِٕكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ
وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝ ۶۹ اَلَمْ يَاْتِهِمْ نَبَاُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ قَوْمِ نُوْحٍ وَّعَادٍ وَّثَمُوْدَ ۙ وَ
قَوْمِ اِبْرٰهِيْمَ وَاَصْحٰبِ مَدْيَنَ وَالْمُؤْتَفِكٰتِ ۭ اَتَتْهُمْ رُسُلُهُمْ

کی سیاسی مجالس میں شریک ہونا چاہئے کیونکہ اس میں غیر مسلم عورتیں کھلے منہ موجود ہوتی ہیں اور اس لئے ان کی شرکت فتنہ سے
۶۷ خالی نہیں! اسی طرح یہ بات بھی کہی جاتی ہے کہ ان کی شرکت سے نماز باجماعت فوت ہو جاتی ہے اور یہ تقویٰ کے خلاف ہے۔ یاد رکھو! یہ تقویٰ اور دینداری نہیں ہے جو ان کاموں کی مخالفت پر انہیں ابھارتی ہے۔ یہ مرض نفاق کی قسموں میں سے ایک قسم ہے اور قرآن کی شہادت اسکے لئے بس کرتی ہے

(۳۳) آیت (۵۲) کا ٹھیک مطلب سمجھ لو۔ فرمایا تم ہمارے
۶۸ لئے جس بات کے انتظار میں رہتے ہو وہ یہ ہے کہ ہم جنگ میں مارے جائیں اور شکست ہو لیکن ہمارے لئے تو یہی احدی الحسنیین ہے یعنی دو خوبیوں میں سے ایک خوبی اور یہی مقام ہے جسے قرآن ایمان اور ایمان والوں کی خصوصیت قرار دیتا ہے اور کہتا ہے جو کفر کی راہ چلے تو انہیں اس کی سمجھ نہیں۔

دنیا میں جب کبھی کوئی فرد یا جماعت کسی مقصد کے لئے جد و جہد کرتی ہے، تو اس کے سامنے امید بھی ہوتی ہے مایوسی بھی کامیابی بھی ہوتی ہے ناکامیابی بھی لیکن قرآن کہتا ہے مومن وہ ہے جس کی جد و جہد میں جو کچھ ہے امید و کامرانی ہی ہے مایوسی و ناکامی کی اس پر پرچھائیں بھی نہیں پڑ سکتی۔ کیونکہ وہ جو کچھ کرتا اللہ کے لئے کرتا ہے اور اس کے لئے یہی بات کامیابی نہیں ہوتی کہ کسی خاص منزل تک پہنچ جائے، بلکہ اس کی راہ میں چلتے رہنا اور جد و جہد
۶۹ میں لگے رہنا بجائے خود بڑی کامیابی ہے۔ وہ جب اپنا سفر شروع کرتا ہے، تو اس لئے نہیں کرتا، کہ کسی خاص منزل تک ضرور ہی پہنچ جائے۔

چھوڑ دیتے ہیں) بلاشبہ یہ منافق ہے، ہیں جو (دائرہ حق سے) باہر ہو گئے ہیں!

منافق مردوں اور منافق عورتوں کے لئے اور (کھلے) منکروں کے لئے اللہ کی طرف سے دوزخ کی آگ کا وعدہ ہے کہ ہمیشہ اس میں رہینگے اور وہی انہیں بس کرتی ہے۔ نیز اللہ نے ان پر لعنت کی اور ان کے لئے عذاب ہے ایسا عذاب کہ برقرار رہے گا!

(منافقو! تمہارا بھی وہی حال ہوا) جیسا ان لوگوں کا حال تھا کہ تم سے پہلے گزر چکے ہیں۔ وہ تم سے کہیں زیادہ قوت والے تھے اور مال و اولاد بھی تم سے زیادہ رکھتے تھے پس ان کے حصے میں جو کچھ دنیا کے فوائد آئے وہ برت گئے، تم نے بھی اپنے حصہ کا فائدہ اسی طرح برت لیا جس طرح انہوں نے برتا تھا اور جس طرح (ہر طرح کی باطل پرستی کی) باتیں وہ کر گئے، تم نے بھی کر لیں۔ (پس یہ نہ بھولو کہ) یہی لوگ تھے جن کے سارے کام دنیا و آخرت میں اکارت ہوئے، اور یہی ہیں گھاٹے ٹوٹے میں رہنے والے۔

کیا انہیں ان لوگوں کی خبر نہیں ملی جو ان سے پہلے گزر چکے ہیں؟ قوم نوح، قوم عاد، قوم ثمود، قوم ابراہیم اور مدین کے لوگ، اور وہ کہ ان کی بستیاں الٹ دی گئیں تھیں؟ ان سب کے رسول ان کے .....

فِيْ قُلُوْبِهِمْ اِلٰى يَوْمِ يَلْقَوْنَهٗ بِمَآ اَخْلَفُوا اللّٰهَ مَا وَعَدُوْهُ وَبِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ ۝ اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا ۷۷
اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ سِرَّهُمْ وَنَجْوٰىهُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ۝ اَلَّذِيْنَ يَلْمِزُوْنَ الْمُطَّوِّعِيْنَ ۷۸
مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ فِي الصَّدَقٰتِ وَالَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ اِلَّا جُهْدَهُمْ فَيَسْخَرُوْنَ مِنْهُمْ ۙ سَخِرَ
اللّٰهُ مِنْهُمْ ۖ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ۭ اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ۷۹
سَبْعِيْنَ مَرَّةً فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي
الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۝ فَرِحَ الْمُخَلَّفُوْنَ بِمَقْعَدِهِمْ خِلٰفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ وَكَرِهُوْٓا اَنْ يُّجَاهِدُوْا ۸۰ ع ۱۲
بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَقَالُوْا

پس اس بات کا نتیجہ یہ نکلا کہ ان کے دلوں میں نفاق (کا روگ) دائمی ہو گیا۔ اس وقت تک کے لئے کہ یہ اللہ سے ملیں (یعنی قیامت تک دور ہونے والا نہیں) اور یہ اس لئے کہ انہوں نے اللہ سے جو وعدہ کیا (اسے جان بوجھ کر) پورا نہیں کیا، اور نیز دروغ گوئی کی وجہ سے جو وہ کیا کرتے ہیں ۷۷
(افسوس ان پر!) کیا انہوں نے نہیں جانا کہ اللہ ان کے بھیدوں اور سرگوشیوں سے واقف ہے اور یہ کہ غیب کی کوئی بات اس سے پوشیدہ نہیں؟ ۷۸

جن لوگوں کا حال یہ ہے کہ خوش دلی سے خیرات کرنے والے مومنوں پر (ریاکاری کا) عیب لگاتے ہیں اور جن مومنوں کو اپنی محنت مشقت کی کمائی کے سوا اور کچھ میسر نہیں (اور اس میں سے بھی جتنا نکال سکتے ہیں راہ حق میں خرچ کر دیتے ہیں) ان پر تمسخر کرنے لگتے ہیں تو (انہیں معلوم ہو جائے کہ) دراصل اللہ کی طرف سے خود ان پر تمسخر ہو رہا ہے (کہ ذلت و نامرادی کی زندگی بسر کر رہے ہیں) اور (آخرت میں) ان کے لئے عذاب دردناک ہے! ۷۹

(اے پیغمبر!) تم ان کے لئے مغفرت کی دعا کرو یا نہ کرو (اب کی بخشش ہونے والی نہیں) تم اگر ستر مرتبہ بھی ان کے لئے مغفرت کی دعا کرو (یعنی سینکڑوں مرتبہ ہی دعا کیوں نہ کرو) جب بھی اللہ انہیں کبھی نہیں بخشے گا۔ یہ اس بات کا نتیجہ ہے کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کیا اور اللہ (کا مقررہ قانون یہ ہے کہ وہ) دائرہ ہدایت سے نکل جانے والوں پر (کامیابی و سعادت کی) راہ کبھی نہیں کھولتا۔ ۸۰

جو منافق جہاد میں شریک نہیں ہوئے اور) پیچھے چھوڑ دیئے گئے، وہ اس بات پر خوش ہوئے کہ اللہ کے رسول کی خواہش کے خلاف اپنے گھروں میں بیٹھے ہوئے ہیں، اور انہیں یہ بات ناگوار ہوئی کہ اپنے مال اور اپنی جانوں سے اللہ کی راہ میں جہاد کریں۔ انہوں نے لوگوں سے کہا تھا "اس گرمی میں

٧٣ يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ ۭ وَمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۭ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝
يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ مَا قَالُوْا ۚ وَلَقَدْ قَالُوْا كَلِمَةَ الْكُفْرِ وَكَفَرُوْا بَعْدَ اِسْلَامِهِمْ وَهَمُّوْا بِمَا لَمْ
يَنَالُوْا ۚ وَمَا نَقَمُوْٓا اِلَّآ اَنْ اَغْنٰىهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ فَاِنْ يَّتُوْبُوْا يَكُ خَيْرًا لَّهُمْ ۚ
وَاِنْ يَّتَوَلَّوْا يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ عَذَابًا اَلِيْمًا ۙ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ وَمَا لَهُمْ فِي الْاَرْضِ مِنْ وَّلِيٍّ
٧٤ وَّلَا نَصِيْرٍ ۝ وَمِنْهُمْ مَّنْ عٰهَدَ اللّٰهَ لَىِٕنْ اٰتٰىنَا مِنْ فَضْلِهٖ لَنَصَّدَّقَنَّ وَلَنَكُوْنَنَّ مِنَ
٧٦-٧٥ الصّٰلِحِيْنَ ۝ فَلَمَّآ اٰتٰىهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ بَخِلُوْا بِهٖ وَتَوَلَّوْا وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ۝ فَاَعْقَبَهُمْ نِفَاقًا

بہرحال یاد رہے کہ "دو خوبیوں" سے مقصود یہی حقیقت ہے، یعنی فتح مندی یا شہادت، اور شہادت بھی فتح مندی ہے۔ یہ مطلب نہیں ہے کہ "شہادت یا مالِ غنیمت" جیسا کہ بعضوں نے خیال کیا۔ اور حاشا کہ مالِ غنیمت مومن کے لئے اِحدَی الحُسنَیَین ہو۔

(۳۴) آیت (۸۷) تک مدینہ کے منافقوں کے حالات و خصائل پر مزید روشنی ڈالی ہے، اور ان معاملات کی طرف اشارات کئے ہیں جو غزوہ تبوک کی ابتدا میں اور پھر سفر کے درمیان اور واپسی پر پیش آئے۔ اور بالآخر ان لوگوں کے لئے آخری احکام صادر کئے ہیں۔ ان تمام آیات کے لئے سورت کا آخری نوٹ دیکھو، کیونکہ یکے بعد دیگرے یک جائی نظر ڈالے تمام پہلو واضح نہیں ہو سکتے

(۳۵) آیت ۷۰ میں کوہ کے معاصی بیان کرنے کے توضیح کے لئے آخری نوٹ دیکھو

٧٣ اے پیغمبر! کافروں اور منافقوں، دونوں سے جہاد کر، اور ان کے ساتھ سختی سے پیش آ (کیونکہ کافروں کی عبرتناک سزا کا وقت آ چکا ہے) بالآخر ان کا ٹھکانا دوزخ ہے، (اور جس کا آخری ٹھکانا دوزخ ہو تو) کیا ہی بُری پہنچنے کی جگہ ہے!

٧٤ یہ (منافق) اللہ کی قسم کھاتے ہیں کہ ہم نے ایسا نہیں کہا، اور واقعہ یہ ہے کہ انہوں نے ضرور کفر کی بات کہی، وہ اسلام قبول کر کے پھر کفر کی چال چلے اور اس بات کا منصوبہ باندھا جو نہ پا سکے۔ انہوں نے انتقام نہیں لیا۔ مگر اس بات کا کہ اللہ اور اس کے رسول نے انہیں اپنے فضل سے (مالِ غنیمت دے دے کر) تونگر کر دیا ہے! بہرحال اگر یہ لوگ اب بھی باز آ جائیں تو ان کے لئے بہتر ہے، اور اگر گردن موڑیں تو یہ یاد رکھیں، اللہ ضرور انہیں دنیا اور آخرت میں عذاب دردناک دے گا، اور روئے زمین پر ان کا نہ کوئی کارساز ہونے والا ہے

٧٥ نہ مددگار!

اور (دیکھو) ان میں (کچھ لوگ) ایسے بھی ہیں جنہوں نے اللہ سے عہد کیا تھا کہ اگر وہ اپنے فضل سے ہمیں (مال و دولت) عطا فرمائے گا، تو ہم ضرور خیرات کریں گے اور ضرور نیکی کی زندگی بسر کریں گے۔

٧٦ پھر جب ایسا ہوا کہ اللہ نے انہیں اپنے فضل سے (مال) عطا فرمایا، تو اس میں کنجوسی کرنے لگے اور اپنے عہد سے پھر گئے، اور حقیقت یہ ہے کہ (نیکی کی طرف سے) ان کے دل ہی پھرے ہوئے ہیں۔

رَضُوا بِأَنْ يَّكُوْنُوْا مَعَ الْخَوَالِفِ وَطُبِعَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ ۝ لٰكِنِ الرَّسُوْلُ وَ ۸۷
الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ جٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ۚ وَاُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْخَيْرٰتُ ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ
الْمُفْلِحُوْنَ ۝ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ ذٰلِكَ الْفَوْزُ ۸۸
الْعَظِيْمُ ۝ وَجَاۗءَ الْمُعَذِّرُوْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ لِيُؤْذَنَ لَهُمْ وَقَعَدَ الَّذِيْنَ كَذَبُوا اللّٰهَ وَ ۸۹ ع ۱۲
رَسُوْلَهٗ ۭ سَيُصِيْبُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَاۗءِ وَلَا عَلَى ۹۰
الْمَرْضٰى وَلَا عَلَى الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ مَا يُنْفِقُوْنَ حَرَجٌ اِذَا

انہوں نے پسند کیا کہ پیچھے رہجانے والیوں کے ساتھ رہیں۔ (یعنی مرد ہو کر جنگ کے وقت عورتوں ۸۷
کے ساتھ گھروں میں بیٹھے رہیں) اور ان کے دلوں پر مہر لگ گئی، پس یہ کچھ سمجھتے نہیں!

لیکن اللہ کے رسول نے اور انہوں نے جو اس کے ساتھ ایمان لائے ہیں، اپنے مال سے اور اپنی جانوں سے (راہ حق میں) جہاد کیا، (اور ان کی منافقانہ چالیں کچھ بھی نہ کر سکیں) یہی لوگ ہیں کہ ان کے لئے نیکیاں ہیں، اور یہی ہیں کہ کامیاب ہوئے! ۸۸

اللہ نے ان کے لئے (نعیم ابدی کے) ایسے باغ تیار کر دئے ہیں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں (اور اس لئے کبھی خشک ہونے والے نہیں) یہ ہمیشہ ان میں رہینگے۔ اور یہ ہے بہت بڑی فیروزمندی (جو ان کے حصے میں آئی) ۸۹

اور (اے پیغمبر!) اعرابیوں میں سے (یعنی عرب کے صحرائی بدوؤں میں سے) عذر کرنے والے تمہارے پاس آئے کہ انہیں بھی (رہ جانے کی) اجازت دی جائے اور (ان میں سے) جن لوگوں نے (اظہار اسلام کر کے) اللہ اور اس کے رسول سے جھوٹ بولا تھا، وہ گھروں ہی میں بیٹھے رہے۔ سو معلوم ہوا کہ ان میں سے جنہوں نے کفر کی راہ اختیار کی، انہیں عنقریب عذاب دردناک پیش آئیگا ۹۰
ناتوانوں پر، بیماروں پر، اور ایسے لوگوں پر جنہیں خروج کے لئے کچھ میسر نہیں، کچھ گناہ نہیں ہے (اگر وہ دفاع میں شریک نہ ہوں) بشرطیکہ اللہ اور

(۱۱) آیت (۹۰) میں سلسلۂ بیان ایک دوسرے گروہ کی طرف متوجہ ہوا ہے۔ ان میں بھی ایک جماعت منافقوں کی تھی اور ایک جماعت کمزور ایمان والوں کی۔ یہ بنی صحرانشین قبایل جن کا بقیہ آج بھی موجود ہے اور حرب کے بدو کہے جاتے ہیں۔ ان کا بڑا حصہ تیا تیا مسلمان ہو گیا تھا، اور شہروں میں نہ رہنے کی وجہ سے ابھی اسلامی زندگی کی ترتیب نہیں لی تھی۔ غزوہ تبوک کا بلاوا ہوا تو کچھ لوگ آئے اور عذر پیش کئے۔ کچھ ایسے نکلے جو چپکے بیٹھے رہے۔ معذرت کے لئے بھی نہیں آئے۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ عذر کرنے والے عامر بن طفیل کے قبیلے کے تھے۔ انہوں نے کہا تھا، اگر ہم آپ کے ساتھ نکلے تو طی کے بدو ہمارے مویشی اور اولاد پر آپڑینگے (ابن جریر) چنانچہ جو منافق تھے ان کے لئے وعید عمومی اور جنہوں نے کمزوری کی وجہ سے پہلوتہی کی تھی، ان پر عتاب ہوا۔

٨١ لَا تَنْفِرُوا فِي الْحَرِّ ۗ قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ أَشَدُّ حَرًّا ۚ لَوْ كَانُوا يَفْقَهُونَ ۝ فَلْيَضْحَكُوا قَلِيلًا وَلْيَبْكُوا
٨٢ كَثِيرًا ۚ جَزَاءً بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ۝ فَإِنْ رَجَعَكَ اللَّهُ إِلَىٰ طَائِفَةٍ مِنْهُمْ فَاسْتَأْذَنُوكَ
لِلْخُرُوجِ فَقُلْ لَنْ تَخْرُجُوا مَعِيَ أَبَدًا وَلَنْ تُقَاتِلُوا مَعِيَ عَدُوًّا ۖ إِنَّكُمْ رَضِيتُمْ
٨٣ بِالْقُعُودِ أَوَّلَ مَرَّةٍ فَاقْعُدُوا مَعَ الْخَالِفِينَ ۝ وَلَا تُصَلِّ عَلَىٰ أَحَدٍ مِنْهُمْ مَاتَ أَبَدًا وَلَا
٨٤ تَقُمْ عَلَىٰ قَبْرِهِ ۖ إِنَّهُمْ كَفَرُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَمَاتُوا وَهُمْ فَاسِقُونَ ۝ وَلَا تُعْجِبْكَ
أَمْوَالُهُمْ وَأَوْلَادُهُمْ ۚ إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ أَنْ يُعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الدُّنْيَا وَتَزْهَقَ أَنْفُسُهُمْ
٨٥ وَهُمْ كَافِرُونَ ۝ وَإِذَا أُنْزِلَتْ سُورَةٌ أَنْ آمِنُوا بِاللَّهِ وَجَاهِدُوا مَعَ رَسُولِهِ اسْتَأْذَنَكَ
٨٦ أُولُو الطَّوْلِ مِنْهُمْ وَقَالُوا ذَرْنَا نَكُنْ مَعَ الْقَاعِدِينَ ۝

(گھر کا آرام چھوڑ کر) کوچ نہ کرو۔" (اے پیغمبر!) تم کہو دوزخ کی آگ کی گرمی تو (اس سے) کہیں زیادہ
٨١ گرم ہوگی۔" اگر انہوں نے سمجھا ہوتا (تو کبھی اپنی اسی حالت پر خوش نہ ہوتے!)
اچھا یہ تھوڑا سا ہنس لیں پھر انہیں اپنی بد عملیوں کی پاداش میں بہت کچھ رونا ہے جو یہ کماتے رہے ہیں!
٨٢ تو (دیکھو) اگر اللہ نے تمہیں ان کے کسی گروہ کی طرف (صحیح سلامت) لوٹا دیا، اور پھر (کسی موقعہ پر)
انہوں نے (جہاد میں) نکلنے کی اجازت مانگی، تو اس وقت تم کہہ دینا "تو تم میرے ساتھ کبھی نکلو اور نہ
کبھی میرے ساتھ ہو کر دشمن سے لڑو۔ تم نے پہلی مرتبہ بیٹھ رہنا پسند کیا، تو اب بھی پیچھے رہ جانے والوں
٨٣ کے ساتھ (گھروں میں) بیٹھے رہو!"
اور (اے پیغمبر!) ان میں سے کوئی مرجائے، تو تم کبھی اس کے جنازہ پر (اب) نماز نہ پڑھنا، اور نہ
اس کی قبر پر کھڑے رہنا۔ کیونکہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کیا، اور اس حالت میں
٨٤ مرے کہ (دائرۂ ہدایت سے باہر تھے۔
اور (دیکھو) ان کے مال اور ان کی اولاد پر تمہیں تعجب نہ ہو۔ اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ اللہ چاہتا
ہے، مال و اولاد کے ذریعہ انہیں عذاب دے (یعنی ایسے لوگوں کے لئے اس کا مقررہ قانونِ حیات
٨٥ ایسا ہی ہے) اور ان کی جان اس حالت میں نکلے کہ سچائی کے منکر ہوں۔
اور (اے پیغمبر!) جب کوئی (قرآن کی) سورت اس بارے میں اترتی ہے کہ اللہ پر ایمان لاؤ۔ اور
اس کے رسول کے ساتھ ہو کر جہاد کرو، تو جو لوگ ان میں مقدور والے ہیں، وہی تجھ سے رخصت مانگنے
٨٦ لگتے ہیں کہ "ہمیں چھوڑ دیجئے۔ گھر میں بیٹھ رہنے والوں کے ساتھ بیٹھے رہیں۔"

لَكُمْ قَدْ نَبَّأَنَا اللّٰهُ مِنْ أَخْبَارِكُمْ ۚ وَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُولُهُ ثُمَّ تُرَدُّونَ إِلَىٰ عَالِمِ
الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ۝ سَيَحْلِفُونَ بِاللّٰهِ لَكُمْ إِذَا انْقَلَبْتُمْ ٩٤
إِلَيْهِمْ لِتُعْرِضُوا عَنْهُمْ ۖ فَأَعْرِضُوا عَنْهُمْ ۖ إِنَّهُمْ رِجْسٌ وَمَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ ۖ جَزَاءً بِمَا كَانُوا
يَكْسِبُونَ ۝ يَحْلِفُونَ لَكُمْ لِتَرْضَوْا عَنْهُمْ ۖ فَإِنْ تَرْضَوْا عَنْهُمْ فَإِنَّ اللّٰهَ لَا يَرْضَىٰ عَنِ ٩٥
الْقَوْمِ الْفَاسِقِينَ ۝ الْأَعْرَابُ أَشَدُّ كُفْرًا وَنِفَاقًا وَأَجْدَرُ ٩٦

نہ رہ سکیں حیرت و غم کے آنسو بے اختیار بہنے لگے:
ز چشمم آتشیں بردار و اشکم را تماشا کن!

قرآن کی معجزانہ بلاغت دیکھو۔ پہلے بے مقدوروں کا ذکر ہو چکا تھا، لیکن خصوصیت کے ساتھ پھر ان کا ذکر کیا، اور ان کی محبت ایمانی کی تصویر کھینچ دی۔ تاکہ نفاق کے مقابلہ میں ایمان کا بھی ایک مرقع سامنے آجائے۔ یعنی یا تو وہ ہیں کہ قدرت رکھتے پر بھی حیلے بہانے نکالتے ہیں۔ یا یہ ہیں کہ مقدرت نہ رکھتے پر بھی دل کی لگن چین سے بیٹھنے نہیں دیتی آنسو بن کر آنکھوں سے ٹپک رہی ہے۔

غزوہ تبوک میں سواریوں کی بڑی قلت تھی۔ اٹھارہ آدمیوں کے حصے میں ایک اونٹ آیا تھا۔ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کی ایک جماعت نے جو زاد راہ کی مقدرت نہیں رکھتی تھی، پیغمبر اسلام سے عرض کیا، ہمارے لئے سواری کا بندوبست کر دیجئے، آپ نے کہا، کہاں سے کروں کوئی سامان نہیں پاتا۔ اس پر وہ روتے ہوئے چلے گئے، اور ان کے درد و غم کا یہ حال تھا کہ "البکائین" کے نام سے مشہور ہو گئے تھے یعنی بہت رونے والے: (ابن جریر)

سبحان اللہ، ان چند آنسوؤں کی قدر و قیمت جو ایمان کی تپش سے بہے تھے۔ کہ ہمیشہ کے لئے ان کا ذکر کتاب اللہ نے محفوظ کر دیا۔ آج بھی کہ تیرہ صدیاں گذر چکی ہیں، ممکن نہیں ایک مومن یہ آیت پڑھے اور ان آنسوؤں کی ادا میں خود اس کی آنکھیں بھی اشکبار نہ ہو جائیں!

(۳) آیت (۹۲) میں فرمایا، اور مرض کے وقت عورتوں کے ساتھ بیٹھے رہنا، ایک ایسی نامردی کی بات ہے جسے کوئی خود دار آدمی گوارا نہیں کر سکتا۔ لیکن انہوں نے یہی گوارا کر لیا۔ کیونکہ جہل کی انتہائی حالت ان پر طاری ہو گئی ہے۔ اس حالت کو جو ارتکاب

اعتبار کرنے والا نہیں اللہ نے تمہیں پوری طرح تمہارا حال بتلا دیا ہے۔ اب آئندہ اللہ اور اس کا رسول دیکھے گا، تمہارا عمل کیسا رہتا ہے (نفاق پر مصر رہتے ہو یا باز آتے ہو) اور پھر (بالآخر) اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے جو ظاہر و پوشیدہ، ہر طرح کی باتیں جاننے والا ہے پس وہ تمہیں بتلائے گا کہ (دنیا میں) کیا کچھ کرتے رہے ہو!

جب تم لوٹ کر ان سے ملو گے، تو ضرور یہ تمہارے سامنے اللہ کی قسمیں کھائیں گے، تاکہ ان سے درگزر کرو۔ سو چاہئے کہ تم ان سے درگزر ہی کر لو (یعنی رخ پھیر لو) یہ ناپاک ہیں ان کا ٹھکانا دوزخ ہوگا۔ اس کمائی کا نتیجہ جو یہ (اپنی بدعملیوں سے) کماتے رہے!

یہ تمہارے سامنے قسمیں کھائیں گے تاکہ ان سے راضی ہو جاؤ، سو (یاد رکھو) اگر تم راضی بھی ہو گئے (حالانکہ تمہیں راضی نہیں ہونا چاہئے، اور تم راضی نہ ہو گے) تو اللہ ان سے کبھی راضی ہونے والا نہیں جو دائرہ ہدایت سے) باہر ہو گئے ہیں!

اعرابی کفر اور نفاق میں سب سے زیادہ سخت ہیں اور اس کے زیادہ مستحق ہیں کہ ان کی نسبت

نَصَحُوا لِلّٰهِ وَرَسُولِهٖ ؕ مَا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ مِنْ سَبِيْلٍ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ وَّلَا عَلَى ۹۱
الَّذِيْنَ اِذَا مَآ اَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ قُلْتَ لَآ اَجِدُ مَآ اَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ ۖ تَوَلَّوْا وَّاَعْيُنُهُمْ تَفِيْضُ مِنَ
الدَّمْعِ حَزَنًا اَلَّا يَجِدُوْا مَا يُنْفِقُوْنَ ۝ اِنَّمَا السَّبِيْلُ عَلَى الَّذِيْنَ يَسْتَاْذِنُوْنَكَ وَهُمْ ۹۲
اَغْنِيَآءُ ۚ رَضُوْا بِاَنْ يَّكُوْنُوْا مَعَ الْخَوَالِفِ ۙ وَطَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ ۹۳
يَعْتَذِرُوْنَ اِلَيْكُمْ اِذَا رَجَعْتُمْ اِلَيْهِمْ ؕ قُلْ لَّا تَعْتَذِرُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ

الجزء الحادی عشر ۱۱

اس کے رسول کی خیر خواہی میں کوشاں رہیں (کیونکہ ایسے لوگ نیک عملی کے دائرہ سے الگ نہیں ہوئے) اور (نیک عملوں پر الزام کی کوئی وجہ نہیں اللہ بڑا ہی بخشنے والا رحمت والا ہے! ۹۱

اور نہ ان لوگوں پر کچھ گناہ ہے جن کا حال یہ تھا کہ (خود سواری کی مقدرت نہیں رکھتے تھے) اس لئے (تیرے پاس آئے کہ ان کے لئے سواری بہم پہنچا دے) اور جب تو نے کہا، میں تمہارے لئے کوئی سواری نہیں پاتا، تو (بے بس ہو کر) لوٹ گئے (لیکن ان کی آنکھیں اس غم میں اشکبار ہو رہی تھیں کہ افسوس، ہمیں میسر نہیں کہ اس راہ میں کچھ خرچ کریں!

الزام تو دراصل ان پر ہے جو تجھ سے (بیٹھے رہنے کی) اجازت مانگتے ہیں حالانکہ مالدار ہیں۔ (انہوں نے پسند کیا کہ (جب سب لوگ راہ حق میں کوچ کر رہے ہوں تو یہ) گھروں میں رہ جانے والی عورتوں کے ساتھ رہیں! (حقیقت یہ ہے کہ) اللہ نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی پس جانتے بوجھتے نہیں!

جب تم (جہاد سے لوٹ کر) ان کے پاس (پہنچو) واپس جاؤ گے) تو وہ (آئیں گے اور تمہارے سامنے (طرح طرح کی) معذرتیں کریں گے۔ (اے پیغمبر!) تمہیں چاہیے (اسوقت) کہ دو "معذرت کی باتیں نہ بناؤ۔ اب ہم تمہارا

۹۱ (۲) کوئی بات دنیا میں اس سے زیادہ عجیب نہیں ہو سکتی کہ وحشی اور بہائم صفت انسان، اچانک محبت و اخلاص اور ایثار و خود فروشی کے فرشتے بن جائیں۔ لیکن قرآن کی تعلیم نے ایسا ہی انقلاب پیدا کیا۔ ۔ ۔ پر گذر چکا ہے کہ غزوہ تبوک بڑے ناموافق حالات میں پیش آیا تھا حتی کہ لوگوں کی افسردگی پر اللہ کا عتاب ہوا۔ لیکن اس پر بھی لوگوں کا کیا حال تھا؟ یہ تھا کہ شدت و رنج سے بے اختیار ہو کر رونے لگتے تھے۔ کس بات پر؟ اس پر کہ عیش و راحت میں انہیں حصہ نہیں ملا۔ نہیں اس پر کہ راہ حق کی مصیبتوں اور قربانیوں میں شریک ہونے سے رہ گئے!

۹۲ آیت (۹۱) میں تبلا دیا کہ اگر وقائع کے لئے نفیر عام ہو تو کن کن لوگوں کو معذور تصور کیا جا سکتا ہے فرمایا، ناتوان آدمی یعنی جو لوگ جسمانی طور پر معذور ہوں مثلاً بہت بوڑھے اندھے اپاہج۔ دوسرے بیمار۔ تیسرے ایسے لوگ جو سفر کی لازمی ضروریات کے انتظام کی مقدرت نہ رکھتے ہوں۔

اس عہد میں تو کوئی سرکاری فوج وجود میں آئی تھی نہ رضاکاروں کی کوئی الگ قسم تھی، نہ بیوی کی تیاری کے لئے حکومت کو کوئی خزانہ عامرہ بھی مہیا تھا اور جسکے لئے ضروری تھا کہ اپنا خرچ خود ہی اٹھائیں بلکہ بن پڑے تو دوسروں کے لئے بھی خرچ کریں پس فرمایا، جو لوگ فی الحقیقت

۹۳ معذور نہیں رکھتے کوئی وجہ نہیں کہ ان پر الزام آئے۔

خصوصاً وہ لوگ جن کے ایمان و اخلاص کا یہ حال تھا کہ جب ان کے لئے سواری کا انتظام نہ ہو سکا اور تیرے ادب و احترام نے اس کی بھی اجازت نہ دی کہ زیادہ اصرار کریں، تو خاموش اٹھ کر لوٹ گئے لیکن آنکھیں جو درد و دل کی غماز ہیں خاموشی

وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ ۙ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا
الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝ وَمِمَّنْ حَوْلَكُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ مُنٰفِقُوْنَ ۛ ۱۰۰ مع
وَمِنْ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ ۛ مَرَدُوْا عَلَي النِّفَاقِ ۡ لَا تَعْلَمُهُمْ ۭ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ ۭ سَنُعَذِّبُهُمْ مَّرَّتَيْنِ ۱۰۱
ثُمَّ يُرَدُّوْنَ اِلٰى عَذَابٍ عَظِيْمٍ ۝ وَاٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا وَّاٰخَرَ
سَيِّئًا ۭ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ ۱۰۲

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے یہ بنو اسد اور غطفان کے قبائل تھے (ابن جریر)

(۷) آیت ۱۰۰ سے معلوم ہوا اس امت کے بہتر ین طبقے تین ہیں:

(ا) مہاجرین میں سے سابقون الاولون یعنی مکہ کے وہ حق پرست جنہوں نے دعوت حق کی قبولیت میں سبقت کی اور سب سے پہلے ایمان لائے۔ پھر صلح حدیبیہ سے پہلے کہ غربت و مصیبت کا زمانہ تھا، اپنا گھر بار چھوڑ کر ہجرت کی۔

بالاتفاق سب سے پہلے ایمان لانے والی ہستی حضرت خدیجہ کی تھی ان کے بعد گھر کے آدمیوں میں سے حضرت علی (کہ دس برس سے زیادہ عمر کے نہ تھے) اور زید بن حارثہ ایمان لائے، اور باہر کے آدمیوں میں حضرت ابوبکر۔ حضرت ابوبکر ہجرت مدینہ میں بھی اسبق ہیں کہ خود آنحضرت کے ساتھی تھے۔

(ب) انصار میں سے سابقون الاولون یعنی مدینہ کے وہ حق شناس جنہوں نے عین اس وقت جبکہ تمام جزیرہ عرب داعی حق کو جھٹلا رہا تھا، اور خود اس کے اہل وطن اس کے قتل و ہلاکت کے درپے تھے دعوت حق قبول کی، اور عقبہ اولیٰ اور ثانیہ میں بیعت کا ہاتھ بڑھایا۔ پہلی بیعت میں سات آدمی تھے اور یہ اعلان نبوت سے گیارھویں برس ہوئی۔ دوسری میں ستر مرد تھے اور دو عورتیں، اور یہ پہلی سے ایک برس بعد ہوئی۔ پیغمبر اسلام نے دوسری بیعت والوں کے ساتھ ابوزرارہ بن مصعب کو بغرض تعلیم بھیج دیا تھا۔ کچھ لوگ ان کے جانے پر ایمان لائے اور کچھ اس وقت جب خود آنحضرت نے ہجرت فرمائی۔

(ج) وہ لوگ جو ان دونوں جماعتوں کے قدم بہ قدم چلے اور گو بعد کو آئے لیکن ان کا شمار پہلوں ہی کے ساتھ ہوا۔ چونکہ بعد کو ایمان لانے والوں میں بعض منافق اور کچے دل کے آدمی بھی تھے

سب سے پہلے ایمان لانے والے ہیں، اور وہ لوگ جنہوں نے راست بازی کے ساتھ ان کی پیروی کی تو اللہ ان سے خوشنود ہوا، وہ اللہ سے خوشنود ہوئے اور اللہ نے ان کے لئے (نعیم ابدی کے) باغ تیار کر دیئے جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں (اور اس لئے وہ خنک ہونے والے نہیں) وہ ہمیشہ اس (نعمت و سرور کی زندگی) میں رہیں گے، اور یہ ہے بہت بڑی فیروزمندی!

اور ان اعرابیوں میں جو تمہارے آس پاس بستے ہیں کچھ منافق ہیں، اور خود مدینہ کے باشندوں میں بھی جو نفاق میں (رہتے رہتے) مشاق ہو گئے ہیں (اے پیغمبر!) تم انہیں نہیں جانتے لیکن ہم جانتے ہیں ہم انہیں دو مرتبہ عذاب دینگے پھر اس عذاب کی طرف لوٹائے جائیں گے جو بہت ہی بڑا عذاب ہے!

اور دوسرے لوگ (وہ ہیں) جنہوں نے اپنے گناہوں کا اعتراف کیا۔ انہوں نے ملے جلے کام کئے کچھ اچھے کچھ برے، تو کچھ بعید نہیں کہ اللہ انپر (اپنی رحمت سے) لوٹ آئے۔ اللہ بڑا ہی بخشنے والا بڑا ہی رحمت والا ہے!

۹۷ اَلَّا يَعْلَمُوْا حُدُوْدَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝ وَمِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ
يَّتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ مَغْرَمًا وَّيَتَرَبَّصُ بِكُمُ الدَّوَاۗىِٕرَ ۭ عَلَيْهِمْ دَاۗىِٕرَةُ السَّوْءِ ۭ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ
۹۸ عَلِيْمٌ ۝ وَمِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَيَتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ قُرُبٰتٍ عِنْدَ اللّٰهِ
وَصَلَوٰتِ الرَّسُوْلِ ۭ اَلَآ اِنَّهَا قُرْبَةٌ لَّهُمْ ۭ سَيُدْخِلُهُمُ اللّٰهُ فِيْ رَحْمَتِهٖ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ
ع ۱۰ ۹۹ رَّحِيْمٌ ۝ وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ

عقلت و انکار کا لازمی نتیجہ ہے قرآن سر لگانے سے تعبیر کرتا ہے اسکی تعبیر کی تشریح پچھلی سورتوں میں گزر چکی ہے خصوصاً سورۂ اعراف کی آیت (۱۴۶) کے نوٹ میں۔

سمجھا جائے، دین کے ان حکموں کی انہیں خبر نہیں جو اللہ نے اپنے رسول پر نازل کئے ہیں (کیونکہ آبادیوں میں نہ رہنے کی وجہ سے تعلیم و تربیت کا موقعہ انہیں حاصل نہیں) اور اللہ (سب کا حال) جاننے والا (اپنے تمام کاموں میں) حکمت رکھنے والا ہے!

۹۷ اور اعرابیوں ہی میں ایسے لوگ ہیں کہ جو کچھ (راہ خدا میں) خرچ کرتے ہیں اسے (اپنے اوپر) جرمانہ سمجھتے ہیں اور منتظر ہیں کہ تم پر کوئی گردش آجائے (تو الٹ پڑیں) حقیقت یہ ہے کہ بری گردش کے دن خود انہی پر آنے والے ہیں، اور اللہ (سب کچھ) سننے والا، (سب کچھ) جاننے والا ہے!

(۴) یہ آیتیں سفر تبوک کے اشارہ میں نازل ہوئی ہیں آیت (۹۴) میں فرمایا، منافق تو سمجھے ہوئے تھے، تم اس سفر سے بخیر و عافیت لوٹنے والے نہیں اب لوٹو گے، تو جب عادت آئیں گے اور طرح طرح کی باتیں عذر و معذرت کی کرینگے۔ پھر جب دیکھیں گے کہ بات بنتی نہیں، تو قسمیں کھانی شروع کرینگے، لیکن خواہ وہ کتنی ہی قسمیں کھائیں۔ تمہیں ان کا اعتبار نہیں کرنا چاہئے اب ان کا قول نہیں، ان کا عمل دیکھا جائے گا، اور اسی کے مطابق ان سے سلوک کیا جائے گا، پھر بالآخر اللہ کے حضور لوٹنا اور اپنے کئے کا نتیجہ پانا ہے

۹۸ (۵) شہریوں کے مقابلہ میں بادیہ نشین قبائل عموماً سخت طبیعت کے ہوتے ہیں، کیونکہ ان میں وہ لچک اور نرمی پیدا نہیں ہو سکتی جو معاشرتی زندگی کا خاصہ ہے۔ یہی حال عرب کے بدوؤں کا تھا۔ آیت ۹۷ میں اسی طرف اشارہ کیا ہے

(۶) آیت (۹۸) میں فرمایا۔ انہی میں وہ منافق ہیں جو اگر اسلام کی راہ میں کچھ خرچ بھی کرتے ہیں، تو محض اس خوف سے کہ سمجھتے ہیں، بغیر اس کے چارہ نہیں، اور خرچ کرنا ان کے لئے ایسا ہے، جیسے کوئی ناگواری سے جرمانہ بھرے۔ وہ اس انتظار میں رہتے ہیں کہ مسلمانوں پر کوئی مصیبت آپڑے تو ان پر الٹ پڑیں۔ غزوۂ تبوک کے موقعہ پر [illegible]

۹۹ اور اور اعرابیوں ہی میں وہ لوگ بھی ہیں جو اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں اور جو کچھ (راہ خدا میں) خرچ کرتے ہیں، اسے اللہ کے تقرب اور رسول کی دعاؤں کا وسیلہ سمجھتے ہیں تو سن رکھو کہ فی الحقیقت وہ ان کے لئے موجب تقرب ہی ہے۔ اللہ انہیں اپنی رحمت کے دائرہ میں داخل کرے گا۔ بلاشبہ وہ بڑا ہی بخشنے والا، بڑا ہی رحمت والا ہے!

اور مہاجرین اور انصار میں جو لوگ سبقت کرنے والے

وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝ وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَّكُفْرًا وَّتَفْرِيْقًا بَيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ١٠٦
وَاِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ مِنْ قَبْلُ ۭ وَلَيَحْلِفُنَّ اِنْ اَرَدْنَآ اِلَّا الْحُسْنٰى ۭ وَاللّٰهُ
يَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ۝ لَا تَقُمْ فِيْهِ اَبَدًا ۭ لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ اَوَّلِ ١٠٧
يَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِيْهِ ۭ فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا ۭ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ ۝ ١٠٨
اَفَمَنْ اَسَّسَ بُنْيَانَهٗ

گھرا ہوا تھا، اس نے کہا، مجھے قبول کرلو اور ساری دُنیا کی دشمنی مُول لے لو، اور ان عشاق حق نے کہا، ہم نے قبول کیا، اور تیرے لئے سارے جہان کی دشمنیاں اور ہر طرح کی مصیبتیں اپنے سر لے لیں:-

دو عالم فقد جاں بر دست دارند
بہ بازائے کہ سوائے تو باشد!

یہی وجہ ہے کہ یہاں ان کا معاملہ ایسے پیرایہ میں بیان فرمایا جس سے بڑھ کر پیرایہ بیان عشاق حق کے لئے نہیں ہوسکتا: رضی اللہ عنھم و رضوا عنہ۔ اللہ ان سے خوشنود ہوا، وہ اللہ سے خوشنود ہوئے۔ اور سورۂ مائدہ میں نبی کے لئے پیشین گوئی گزر چکی ہے: یحبونھم ویحبونہ - اللہ ان سے محبت کریگا وہ اللہ سے محبت کرینگے!

اللہ کی خوشنودی تو ظاہر ہے کہ ان کے کمال ایمان و عمل کا نتیجہ تھی، لیکن خود ان کے خوشنود ہونے کا یہاں کیا مطلب ہوا؟ افسوس ہے کہ لوگ اس کی حقیقت نہیں سمجھے اور اگرچہ یہاں سمجھانے کی گنجائش نہیں، اگر پھر بھی کوشش کروں گا کہ سورت کے آخری نوٹ میں اس کی تشریح بھی آجائے۔

ہیں جن کا معاملہ اس انتظار میں ہے کہ اللہ کا حکم کیا ہوتا ہے ملتوی ہوگیا ہے۔ وہ انہیں عذاب دے یا (اپنی رحمت سے) ان پر لوٹ آئے (اسی کے ہاتھ ہے) اور اللہ (سب کچھ) جاننے والا (اپنے تمام کاموں میں) حکمت رکھنے والا ہے! ١٠٦

اور (منافقوں میں سے وہ لوگ بھی ہیں) جنہوں نے اس غرض سے ایک مسجد بنا کھڑی کی کہ نقصان پہنچائیں، کفر کریں، مومنوں میں تفرقہ ڈالیں، اور ان لوگوں کے لئے ایک کمیں گاہ پیدا کردیں جو اب سے پہلے اللہ اور اس کے رسول سے لڑ چکے ہیں۔ وہ ضرور قسمیں کھا کر کہیں گے کہ ہمارا مطلب اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ بھلائی ہو، لیکن اللہ کی گواہی یہ ہے کہ وہ اپنی قسموں میں قطعاً جھوٹے ہیں! ١٠٧

(اے پیغمبر!) تم کبھی اس مسجد میں کھڑے نہ ہوتا۔ اس بات کی کہ تم اس میں کھڑے ہو (اور بندگان الٰہی تمہارے پیچھے نماز پڑھیں) وہی مسجد حقدار ہے جس کی بنیاد اول دن سے تقوٰی پر رکھی گئی ہے (یعنی مسجد قبا اور مسجد نبوی) اس میں ایسے لوگ (آتے) ہیں جو پسند کرتے ہیں کہ پاک و صاف رہیں، اور اللہ (بھی) پاک و صاف رہنے والوں ہی کو پسند کرتا ہے! ١٠٨

کیا وہ شخص بہتر ہے جس نے اپنی عمارت کی بنیاد

(٨) آیت (١٠١) میں منافقوں کے ایک خاص گروہ کا ذکر کیا جو اطراف مدینہ کے بدوی قبایل میں بھی تھے۔ اور شہری باشندوں میں بھی۔ فرمایا مردوا علی النفاق - یہ نفاق میں مشاق اور طاق ہوگئے ہیں یعنی منافقانہ زندگی میں رہتے رہتے اس کی ایسی مشق و مزاولت ہوگئی ہے کہ نو آزمودوں کی طرح پکڑے نہیں جا

خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ إِنَّ صَلَاتَكَ سَكَنٌ
لَّهُمْ ۗ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ۝ أَلَمْ يَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ هُوَ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهِ وَيَأْخُذُ
الصَّدَقَاتِ وَأَنَّ اللَّهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ۝ وَقُلِ اعْمَلُوا فَسَيَرَى اللَّهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُولُهُ وَ
الْمُؤْمِنُونَ ۖ وَسَتُرَدُّونَ إِلَىٰ عَالِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُم بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ۝ وَ
آخَرُونَ مُرْجَوْنَ لِأَمْرِ اللَّهِ إِمَّا يُعَذِّبُهُمْ وَإِمَّا يَتُوبُ عَلَيْهِمْ ۗ

۱۰۳
۱۰۴
۱۰۵

اس لئے "باحسان" کی قید لگادی، یعنی وہ جنہوں نے راست بازی کے ساتھ ان کی پیروی کی۔

دنیا میں جب کبھی سچائی کا ظہور ہوا ہے تو اس کا پہلا عہد ہمیشہ غربت و بیکسی کا رہا ہے، اور ان سارے دنیوی ترغیبوں سے خالی رہا ہے جو کسی انسان کے دل کو مائل کر سکتی ہیں۔ پس جو نفوس قدسی اس وقت حق کا ساتھ دیتے ہیں ان کی حق شناسی و حق پرستی کے درجہ تک کوئی نہیں پہنچ سکتا، کیونکہ وہ داعی حق کا پہلے پہل ہاتھ دیکھ کر خود بھی داعیان حق کے گروہ میں داخل ہو جاتے ہیں اور ان کی حق پرستی دنیا کے ہر طرح کے ناشائبات سے یکسر منزہ ہوتی ہے۔

تاریخ اسلام میں مہاجرین و انصار کی جماعت کا یہی مقام ہے۔ اسی لئے السابقون الاولون سے زیادہ ان کے ضعف میں کچھ کہنا ضروری نہ ہوا۔ کیونکہ یہاں اسبقیت و اولیت سے بڑھ کر اور کوئی بات نہیں ہو سکتی۔

جب پیغمبر اسلام نے پہلے پہل حضرت ابوبکر کو دعوت دی اور اس پیکر صدق و وفا نے سنتے ہی قبول کر لی تو غور کرو اس وقت اس سالک کا حال کیا تھا؟ پورے کرہ ارضی میں تن تنہا دو آدمی کھڑے تھے۔ ایک نے بلایا تھا۔ دوسرا دوڑ گیا تھا۔ جس نے بلایا اس کے اندر وحی الٰہی کا یقین بول رہا تھا، لیکن جو دوڑا، اس نے کیا دیکھا تھا کہ ایک عجیب و غریب بات سنتے ہی قبول کر لی اور بیٹھے بٹھائے تمام ملک و قوم کو اپنا دشمن جانی بنا لیا؟ یاراں خبر دہید کہ ایں جلوہ گاہ کیست؟

اسی طرح غور کرو، جب عقبہ اولیٰ میں مدینہ کے سات آدمی بیعت کر رہے تھے، تو کس سے کر رہے تھے اور کس حال میں کر رہے تھے؟ جس مظلوم کو گیارہ برس سے تمام جزیرہ عرب جھٹلا رہا تھا، اور جو خود اپنی قوم و وطن میں دشمنوں سے

۱۰۳

(اے پیغمبر!) ان لوگوں کے مال سے صدقات قبول کر لو۔ تم قبول کر کے انہیں (بخل و طمع کی برائیوں سے) پاک اور (دل کی نیکیوں کی ترقی سے) تربیت یافتہ کر دو گے۔ نیز ان کے لئے دعاء خیر کرو۔ بلاشبہ تمہاری دعا ان کے دلوں کے لئے راحت و سکون ہے۔ اور اللہ (دعائیں) سننے والا اور (سب کچھ) جاننے والا ہے!

۱۰۴

کیا انہیں معلوم نہیں کہ اللہ ہی ہے جو اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا اور جو کچھ بطور خیرات کے نکالیں اسے منظور کر لیتا ہے؟ اور یہ کہ اللہ ہی ہے زیادہ سے زیادہ توبہ قبول کرنے والا، اور بڑا ہی رحمت والا۔؟

۱۰۵

اور (اے پیغمبر!) تم کہو "عمل کئے جاؤ۔ اب اللہ دیکھے گا کہ تمہارے عمل کیسے ہوتے ہیں، اور اللہ کا رسول بھی دیکھے گا اور مسلمان بھی دیکھیں گے، اور (پھر) تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے جس کے علم سے تو کوئی ظاہر بات پوشیدہ ہے نہ کوئی چھپی بات۔ پس وہ تمہیں بتلائے گا کہ جو کچھ کرتے رہے ہو اس کی حقیقت کیا تھی۔

اور (پچھلے تائب گروہ کے علاوہ) کچھ اور لوگ

وَمَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ مِنَ اللّٰهِ فَاسْتَبْشِرُوْا بِبَيْعِكُمُ الَّذِيْ بَايَعْتُمْ بِهٖ ۭ وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ١١١
اَلتَّاۗىِٕبُوْنَ الْعٰبِدُوْنَ الْحٰمِدُوْنَ السَّاۗىِٕحُوْنَ الرّٰكِعُوْنَ السّٰجِدُوْنَ الْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ
وَالنَّاهُوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَالْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰهِ ۭ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ١١٢ مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ
وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ وَلَوْ كَانُوْٓا اُولِيْ قُرْبٰى مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ
لَهُمْ اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ١١٣

اور جو بہ اعتراف ذنوب میں جھک گیا، پھر اس کے لئے محرومی نہیں ہو سکتی کہ مستحق کرامت گناہگار ہوتے ہیں۔

اس سے پہلے حکم گذر چکا ہے کہ منافقوں کی خیرات قبول نہ کرو اور نہ ان کی بخشش کے لئے دعا کرو۔ یہاں فرمایا، جن لوگوں نے اب اپنی خطاؤں کا اقرار کر لیا اور تائب ہو گئے، تو وہ جو کچھ راہ حق میں لگا لیں اسے قبول کر لو، اور ان کے حق میں دعائے خیر کرو۔ تمہاری دعا ان کے دلوں کے لئے کہ حسرت و ندامت سے زخمی ہو رہے ہیں راحت و سکون کا مرہم ثابت ہو گی!

نیز فرمایا، تم اس ذریعہ سے انہیں مطہر اور مزکی کر دو گے یعنی خیرات و زکوٰۃ کا لگا لینا اور اس کا قبول ہونا ایک ایسا معاملہ ہے جو نفس کی پاکی و تربیت کا باعث ہوتا ہے۔ مزید تفصیل کے لئے آخری نوٹ میں "زکوٰۃ" کا مبحث دیکھیے۔

آیت (۱۰۶) میں فرمایا، کچھ اور لوگ ہیں جو خدا کے فیصلہ کا ابھی انتظار کر رہے ہیں یعنی ان کی توبہ کی قبولیت و عدم قبولیت کا ابھی فیصلہ نہیں ہوا۔ یہ کل تین آدمی تھے: مرارہ بن الربیع، کعب بن مالک، ہلال بن امیہ۔ انہوں نے واپسی پر کوئی عذر نہیں کیا اور کہا، سچی بات یہ ہے کہ کوئی عذر نہ تھا مجھ کاہلی اور سستی تھی جس نے نکلنے نہیں دیا اس پر آنحضرت نے فرمایا۔ اللہ کے حکم کا انتظار کرو۔ چنانچہ آگے چل کر آیت (۱۱۸) میں ان کا حکم ملیگا

(۱۰۷) آیت (۱۰۷) میں منافقوں کی ایک بہت بڑی شرارت کا ذکر کیا ہے۔ جو انہوں نے ایک مسجد بنا کر کرنی چاہی تھی اور خصوصیت کے ساتھ اس لئے ذکر کیا کہ اس میں مسلمانوں کے لئے عبرت و موعظت تھی اس باب میں ضروری اشارات سورت کے آخری نوٹ میں ملیں گے۔

کرتے ہیں۔ پس مارتے بھی ہیں۔ اور مرتے بھی ہیں۔ یہ وعدہ اللہ کے ذمہ ہو چکا (یعنی اس نے ایسا ہی قانون ٹھہرا دیا) تورات، انجیل، قرآن (تینوں کتابوں میں یکساں طور پر) اس کا اعلان ہے، اور اللہ سے بڑھ کر کون ہے جو اپنا عہد پورا کرنے والا ہو؟ پس (مسلمانو!) اپنے اس سودے پر جو تم نے اللہ سے چکایا، خوشیاں مناؤ اور یہی ہے جو بڑی سے بڑی فیروزمندی ہے۔ ١١١

(ان لوگوں کے اوصاف و اعمال کا یہ حال ہے کہ:)
(اپنی لغزشوں اور خطاؤں سے) توبہ کرنے والے۔
عبادت میں سرگرم رہنے والے۔
اللہ کی حمد و ثنا کرنے والے۔
سیر و سیاحت کرنے والے۔
رکوع و سجود میں جھکنے والے۔
نیکی کا حکم دینے والے، برائی سے روکنے والے
اور اللہ کی ٹھہرائی ہوئی حد بندیوں کی حفاظت کرنے والے ہیں۔
(اے پیغمبر! یہی سچے مومن ہیں) اور مومنوں کو (کامیابی و سعادت کی) خوشخبری دیدو! ١١٢

پیغمبر کو اور (دوسرے) لوگوں کو جو ایمان رکھتے ہیں، ایسا کرنا سزاوار نہیں کہ جب واضح ہو گیا، یہ لوگ دوزخی ہیں، تو پھر مشرکوں کی بخشائش کے طلب گار ہوں، اگرچہ وہ ان کے عزیز و اقارب ہی کیوں نہ ہوں ١١٣

عَلٰى تَقْوٰى مِنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٍ خَيْرٌ اَمْ مَّنْ اَسَّسَ بُنْيَانَهٗ عَلٰى شَفَا جُرُفٍ هَارٍ فَانْهَارَ
بِهٖ فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ لَا يَزَالُ بُنْيَانُهُمُ الَّذِيْ بَنَوْا رِيْبَةً فِيْ ١٠٩
قُلُوْبِهِمْ اِلَّآ اَنْ تَقَطَّعَ قُلُوْبُهُمْ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝ اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰي مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ١٣ ع ١١٠
اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ۭ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيَقْتُلُوْنَ وَيُقْتَلُوْنَ ۣ ٢
وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ وَالْقُرْاٰنِ ۭ

سکتے۔ جو کچے اور نو آموز ہیں ان کے لئے مشکل ہے کہ اپنی دلی حالت چھپائے رکھیں۔ وہ ان کے چہروں پر ابھر ہی آتی ہے اور باتوں سے ٹپکنے ہی لگتی ہے لیکن یہ لوگ اس بناوٹ کے ایسے عادی ہوگئے ہیں کہ ممکن نہیں، عام نظر میں تاڑ سکیں۔

ہم انہیں دو مرتبہ عذاب دیں گے یعنی یہ اپنی دہری استعداد نفاق کی وجہ سے دُہرے عذاب کے مستحق ہوگئے۔ پہلی استعداد یہ کہ منافق ہوئے، دوسری یہ کہ اس میں کامل دمشاق ہوگئے قرآن نے جا بجا یہ حقیقت واضح کی ہے کہ اعمال کے نتائج ٹھیک ٹھیک ان کی حالت اور درجہ کے مطابق نکلتے ہیں۔ اگر ١٠٩
ایک شخص نے زہر کھایا ہلکے قسم کا، تو نتیجہ بھی ہلکے قسم کی مضرت کا نکلے گا۔ لیکن اگر زہر قاتل ہے تو نتیجہ بھی قاتل ہوگا۔ ایسا ہی قانون روحانی زندگی میں بھی کام کر رہا ہے اور اچھائیوں کی طرح برائیوں کے بھی اقسام و مدارج ہیں۔

(٩) آیت (١٠٢) سے لے کر (١٠٧) تک ان لوگوں کا ذکر کیا ہے جنہوں نے اگرچہ اس موقعہ پر کوتاہی کی تھی لیکن اس کا سبب نفاق نہ تھا۔ سستی اور کاہلی تھی۔ پیغمبر اسلام جب سفر سے واپس آئے تو ان میں سے ہر شخص سچائی کے ساتھ اپنی غفلت پر منفعل ہوا۔ اور کوئی نہ تھا جس کا دل حسرت و ندامت کے زخموں سے چور نہ ہو رہا ہو۔ اللہ نے ان کی توبہ قبول کر لی، کیونکہ اس کی بخشش و رحمت کا دروازہ کبھی بند نہیں ہو سکتا۔ شرط صرف یہ ہے کہ خود ہم اپنے دلوں کا دروازہ اپنے ہاتھوں بند نہ کر لیں ١١٠

نہ پہنچی ضعف سے لب تک دعا ہی، نہ سنا
درقبول تو اس آرزو میں باز رہا!

فرمایا انہوں نے اپنے گناہوں کا اعتراف کیا، اور ان کا اعتراف دلی کا اعتراف ہے پس کوئی وجہ نہیں کہ ان کی توبہ قبول نہ ہو اس سے علاوہ یہ کہ اس بارے میں اصل کارگر ہوگا سچا اعتراف ہے

اللہ کے خوف اور اس کی خوشنودی پر رکھی (جو کبھی ہلنے والی نہیں) یا وہ جس نے ایک کھائی کے گرتے ہوئے کنارے پر اپنی عمارت کی بنیاد رکھی، اور وہ مع اپنے مکین کے آتش دوزخ (کے گڑھے) میں جا گری؟ حقیقت یہ ہے کہ اللہ انہیں (کامیابی و سعادت کی) راہ نہیں دکھاتا جو ظلم کا شیوہ اختیار کرتے ہیں!

یہ عمارت جو انہوں نے بنائی ہے (یعنی مسجد ضرار) ہمیشہ ان کے دلوں کو شک و شبہ سے مضطرب رکھے گی (یہ کانٹا نکلنے والا نہیں) مگر یہ کہ ان کے دلوں کے ٹکڑے ٹکڑے کر دئے جائیں (کیونکہ یہ ان کے نفاق کی ایک بہت بڑی شرارت تھی)، جو چلی نہیں، اس لئے ہمیشہ اس کی وجہ سے خوف و ہراس کی حالت میں رہیں گے) اور اللہ سب کا حال جاننے والا (اپنے تمام کاموں میں) حکمت رکھنے والا ہے!

بلاشبہ اللہ نے مومنوں سے ان کی جانیں بھی خرید لیں، اور ان کا مال بھی اور اس قیمت پر خرید لیں کہ ان کے لئے بہشت کی جاودانی زندگی) ہو وہ (کسی دنیوی مقصد کی راہ میں نہیں بلکہ) اللہ کی راہ میں جنگ

قُلُوْبُ فَرِيْقٍ مِّنْهُمْ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ ۚ اِنَّهٗ بِهِمْ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝ وَّعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ ۱۱۷
خُلِّفُوْا ۚ حَتّٰٓى اِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ اَنْفُسُهُمْ وَظَنُّوْٓا اَنْ
لَّا مَلْجَاَ مِنَ اللّٰهِ اِلَّآ اِلَيْهِ ۚ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوْبُوْا ۚ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ۝ ۱۱۸ ع
يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ ۝ مَا كَانَ لِاَهْلِ الْمَدِيْنَةِ وَمَنْ ۱۱۹
حَوْلَهُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ اَنْ يَّتَخَلَّفُوْا عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ وَلَا يَرْغَبُوْا بِاَنْفُسِهِمْ

عبادت سے مقصود عبادت خاص بھی ہے، اور عام بھی خاص یہ کہ خاص حقوق اور خاص حکموں کی عبادت جو دین حق نے تمہارے لئے دی ہے اسے پورے اخلاص اور خشوع وخضوع کے ساتھ ادا کرے، عام یہ کہ انسان کی فکری حالت عبادت گزارانہ ہو جائے۔ اور پھر وہ جو کچھ بھی سنے، جو کچھ بھی کہے جو کچھ بھی کرے سب میں ایک عابدانہ روح کام کر رہی ہو!

(ج) الحامدون۔ یعنی وہ جو اپنے فکر سے اور اپنے قول سے اللہ کی حمد وستایش کرنے والے ہیں۔ فکر سے حمد وثنا کا یہ ہوئی کہ تم کو یتفکرون فی خلق السمٰوٰت والارض (۳: ۱۹۱) آسمان وزمین کی خلقت میں غور وفکر کرنا، اور ان تمام کارفرمائیوں کی معرفت حاصل کرنا جو اسکی محمودیت و جمال پر دلالت کرتی ہیں۔ قول سے حمد وستایش، اس فکری حالت کا قدرتی نتیجہ ہے کیونکہ جس ہستی کی محمودیت دل ودماغ میں بس جائیگی ضروری ہے کہ زبان سے بھی بے اختیار اسکی حمد وثنا کے نغمے نکلنے لگیں!

(د) السائحون۔ وہ جو راہ حق میں سیر وسیاحت کرتے ہیں یعنی کم من قبلکم سنن فسیروا فی الارض (۳: ۱۳۷) زمین میں عبرت ونظر کے لئے گردش کرتے ہیں۔ علم کی ٹوہ میں نکلتے ہیں، راہ حق میں جدوجہد کرتے ہوئے ایک گوشہ سے دوسرے گوشہ کا رخ کرتے ہیں، حج کے لئے خشکی وتری کی مسافتیں قطع کرتے رہتے ہیں۔

(ہ) الراکعون الساجدون۔ وہ جو اللہ کے آگے جھک جاتے ہیں، اور رکوع وسجود سے کبھی نہیں تھکتے، یہ رکوع وسجود کی حالت جسم پر بھی طاری ہوتی ہے، قلب پر بھی طاری ہوتی ہے، اور زبان پر بھی طاری ہوتی ہے۔

(و) الآمرون بالمعروف والناهون عن المنکر۔ وہ جو نیکی کا حکم دیتے ہیں اور برائیوں سے روکتے ہیں یعنی فرض

اس کے پیچھے قدم اٹھایا، اور اس وقت اٹھایا جبکہ حالت ایسی ہو چکی تھی کہ قریب تھا، ان میں سے ایک گروہ کے دل ڈگمگا جائیں۔ پھر وہ اپنی رحمت سے ان سب متوجہ ہو گیا۔ بلاشبہ وہ شفقت رکھنے والا رحمت فرمانے والا ہے! ۱۱۷

اور (اسی طرح) ان تین شخصوں پر بھی (اس کی رحمت لوٹ آئی جو معلق حالت میں) چھوڑ دیئے گئے تھے (اور اس وقت لوٹ آئی) جبکہ زمین اپنی ساری وسعت پر بھی ان کے لئے تنگ ہو گئی تھی، اور وہ خود بھی اپنی جان سے تنگ آ گئے تھے، اور انہوں نے جان لیا تھا کہ اللہ سے بھاگ کر انہیں کوئی پناہ نہیں مل سکتی۔ مگر خود اسی کے دامن میں۔ پس اللہ (اپنی رحمت سے) ان پر لوٹ آیا تاکہ وہ رجوع کریں۔ بلاشبہ اللہ ہی ہے بڑا توبہ قبول کرنے والا، بڑا ہی رحمت والا! ۱۱۸

مسلمانو! خدا کے خوف سے بے پروا نہ ہو جاؤ۔ اور چاہیے کہ سچوں کے ساتھی بنو (کہ یہ سچائی تھی جو ان لوگوں کی بخشش کا وسیلہ ہوئی!) ۱۱۹

مدینہ کے باشندوں کو اور ان اعرابیوں کو جو اس کے اطراف میں بستے ہیں لائق نہ تھا کہ اللہ کے رسول کا (وقت میں) ساتھ نہ دیں اور پیچھے رہ جائیں اور نہ یہ بات لائق تھی کہ اس کی جان کی پروا نہ کر کے محض

وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ إِبْرٰهِيمَ لِأَبِيهِ إِلَّا عَنْ مَوْعِدَةٍ وَعَدَهَآ إِيَّاهُ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُ
أَنَّهُ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ تَبَرَّأَ مِنْهُ إِنَّ إِبْرٰهِيمَ لَأَوَّاهٌ حَلِيمٌ ۝ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِلَّ قَوْمًا بَعْدَ ۱۱۴
إِذْ هَدٰىهُمْ حَتّٰى يُبَيِّنَ لَهُمْ مَّا يَتَّقُونَ إِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ۝ إِنَّ اللّٰهَ لَهُ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ ۱۱۵
وَالْأَرْضِ يُحْيِۦ وَيُمِيتُ ۚ وَمَا لَكُم مِّن دُونِ اللّٰهِ مِن وَلِيٍّ وَلَا نَصِيرٍ ۝ لَّقَد تَّابَ اللّٰهُ عَلَى ۱۱۶
النَّبِيِّ وَالْمُهٰجِرِينَ وَالْأَنصَارِ الَّذِينَ اتَّبَعُوهُ فِي سَاعَةِ الْعُسْرَةِ مِنۢ بَعْدِ مَا كَادَ يَزِيغُ

(۱۱) آیت (۱۱۱) میں جب ایمانی کی حقیقت واضح کی ہے۔
فرمایا، جو لوگ اللہ پر ایمان لائے تو ایمان کا معاملہ یوں سمجھ کر انہوں نے اپنا سب کچھ اللہ کے ہاتھ بیچ ڈالا۔ جان بھی اور مال متاع بھی اب ان کی کوئی چیز ان کی نہیں رہی۔ اللہ اور اسکی سچائی کی ہو گئی!

بندگانِ تو در عشقِ خداوند اند
دو جہاں را بہ تمنائے تو بفروختہ اند

اور پھر اللہ کی طرف سے اس کے معاوضہ میں کیا ہوا! یہ ہوا کہ نعیم ابدی کی کامرانیاں انہیں عطا فرمائیں!

یہ گویا خرید و فروخت کا ایک معاملہ تھا جو اللہ میں اور عشاقِ حق میں طے پا گیا۔ اب بیچنے والا اپنی متاع واپس لے سکتا ہے نہ خریدنے والا قیمت لوٹا سکتا ہے۔ ۱۱۴

انا من بالنفس لمغبستہ رہا + فلیس لہا فی الحق کلام ثمن
اذا ذہبت نفسی بدنیا اجتنہا + فقد فجعت منی وقد ذہب الثمن

اور چونکہ اللہ کے لطف و کرم کا اقلا رتھا، اس لئے معاملہ کو اپنی طرف سے شروع کیا نہ کہ بیچنے والوں کی طرف سے یعنی یہ نہیں کہا کہ مومنوں نے بیچ ڈالی، بلکہ کہا، اللہ نے مومنوں سے خرید لی۔ گویا معاملہ کا طالب وہ تھا۔ حالانکہ ہر طرح کی طلب و احتیاج سے وہ منزہ ہے اور جو متاع اس نے قبول کی وہ بھی اسی کی تھی اور جو کچھ معاوضہ میں بخشا وہ بھی اس کے سوا اور کس کا ہو سکتا ہے؟

(۲) آیت (۱۱۲) اس سورت کی مہمات معارف میں سے ہے فرمایا، سچے مومنوں کے اوصاف و معارج یہ ہیں کہ:

(ا) التائبون۔ یعنی وہ جو اپنی توبہ میں سچے اور پکے ہوتے ہیں اور ہر حال میں اللہ کی طرف رجوع کرتے اور اپنی غفلتوں اور لغزشوں پر نادم رہتے ہیں۔ ۱۱۶

(ب) العابدون یعنی وہ جو اللہ کی عبادت میں سرگرم رہتے ہیں اور ان کی ساری بندگیاں اور نیازمندیاں صرف اسی کے لئے ہوتی ہیں۔

اور ابراہیم نے جو اپنے باپ کے لئے بخشائش کی آرزو کی تھی تو صرف اس وجہ سے کہ اپنا وعدہ پورا کر دے جو وہ اس سے کر چکا تھا (یعنی اس نے کہا تھا، میرے بس میں اور تو کچھ نہیں دعا ہے تو اس سے باز نہیں رہوں گا) لیکن جب اس پر واضح ہو گیا کہ وہ اللہ کی سچائی) کا دشمن ہے (اور کبھی حق کی راہ اختیار کرنے والا نہیں) تو اس سے بیزار ہو گیا۔ بلاشبہ ابراہیم بڑا ہی درمند بڑا ہی بردبار (انسان) تھا۔

اور اللہ کی یہ شان نہیں کہ وہ ایک گروہ کو ہدایت دے کر پھر گمراہ قرار دے، تاوقتیکہ اُن پر وہ ساری باتیں واضح نہ کر دے جن سے انہیں بچنا چاہیئے۔ بلاشبہ اللہ کے علم سے کوئی بات باہر نہیں!

بلاشبہ آسمان اور زمین کی (ساری) بادشاہت اللہ ہی کے لئے ہے۔ وہی جلاتا ہے اور وہی مارتا ہے (سب کچھ اسی کے قبضہ میں ہے) اور (مسلمانو!) اس کے سوا نہ تو تمہارا کوئی رفیق و کارساز ہے نہ مددگار!

یقیناً اللہ اپنی رحمت سے پیغمبر پر متوجہ ہو گیا نیز مہاجرین اور انصار پر جنہوں نے بڑی تنگی اور بے سروسامانی کی گھڑی میں

لِيُنْذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ ۝ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قَاتِلُوا الَّذِينَ يَلُونَكُمْ
مِنَ الْكُفَّارِ وَلْيَجِدُوا فِيكُمْ غِلْظَةً ۚ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ مَعَ الْمُتَّقِينَ ۝ وَإِذَا مَا أُنْزِلَتْ سُورَةٌ
فَمِنْهُمْ مَنْ يَقُولُ أَيُّكُمْ زَادَتْهُ هَٰذِهِ إِيمَانًا ۚ فَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا فَزَادَتْهُمْ إِيمَانًا وَهُمْ
يَسْتَبْشِرُونَ ۝ وَأَمَّا الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ فَزَادَتْهُمْ رِجْسًا إِلَىٰ رِجْسِهِمْ وَمَاتُوا
وَهُمْ كَافِرُونَ ۝

١٢٢ ع ١٣ الف

١٢٤ ١٢٥

بھر اگر توبہ و انابت کا تنہا عبادت کا ذوق، اور تحمید و تسبیح کا شوق ہی کمال درجہ کا ہے تو ممکن نہیں کہ وہ مومن مجاہد کو کفار میں چین سے بیٹھنے دے۔ ضروری ہے کہ وطن و مکان کی الفت کی زنجیریں توڑے اور سیر و سیاحت میں قدم سرگرم ہو جائیں۔ نیں یہ چوتھی منزل ہوئی اور السائحون کا طبقہ جو عقلاً طبقہ تھا ہوا

ان چار منزلوں نے جو کار عمل گذر گئی، اس نے صدہا نفس کی مسافت طے کر لی۔ پس اب پانچویں منزل الواقعون الساجدون کی ہوئی۔ یعنی بندگی و نیاز مندی میں پورے ہو گئے اور اللہ کے آگے سر نیاز ہمیشہ کے لیے جھک گیا۔ اب (امرون بالمعروف و ناھون عن المنکر کا مقام بہر حال ہو جائے گا۔ یعنی اپنی تعلیم و تربیت کا معاملہ پورا کر کے دوسروں کے لئے معلم و مربی ہو جائیں گے۔ چنانچہ چھٹی منزل یہی ہوئی، اور اسی سے آخری منزل کے ڈانڈے مل گئے کہ الحافظون لحدود اللہ کا مقام ہے یہاں پہنچکر ان کے تمام اعمال حدود الٰہی کے سانچے میں ڈھل جاتے ہیں وہ خود اپنے اعمال میں بھی حدود اللہ کی کامل نگہداشت رکھتے ہیں اور اپنے وجود سے باہر بھی ان کے نفاذ و قیام کی نگہبانی کرتے ہیں۔

(١٣) اس آیت سے یہ بات واضح ہو گئی کہ نیک مقصد کے لیے سیر و سیاحت کرنا سچے مومنوں کا بہترین عمل ہے، اور ان اعمال میں سے ہے جن کے ذریعے وہ ایمان کے مدارج طے کرتے، اور خصائص ایمانی میں کامل بنتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جس سرعت کے ساتھ صدر اول کے مسلمان تمام دنیا میں پھیل گئے اس کی کوئی نظیر تاریخ میں نہیں ملتی، اور جب تک اسلام کی عملی روح زندہ رہی، ان سے بڑھ کر زمین کی مسافتیں قطع کرنے والی کوئی قوم نہ تھی۔ وہ سیاحت کو سیاحت سمجھ کر نہیں کرتے تھے بلکہ اللہ کی عبادت سمجھتے تھے اور فی الحقیقت سیاحت بہ مرتبہ ایک نہایت عبادت ہے بلکہ کتنی ہی عبادتوں کا مجموعہ ہے۔ گھر بار چھوڑنا، عزیز و اقارب کی جدائی برداشت کرنی، سفر کی مشقتوں میں پڑنا، قدم قدم پر مال خرچ کرنا، آب و ہوا کی ناموافقت، اجنبیوں

(تعلیم و تربیت کے بعد) اپنے گروہ میں واپس جاتی تو لوگوں کو (جہل و غفلت کے نتائج سے) ہشیار کرتی تاکہ برائیوں سے بچیں؟

١٢٢

مسلمانو! ان کافروں سے جنگ کرو جو تمہارے آس پاس (پھیلے ہوئے) ہیں، اور چاہیے کہ وہ (جنگ میں) تمہاری سختی محسوس کریں (کہ بغیر اس کے جنگ جنگ نہیں) اور یاد رکھو اللہ ان کا ساتھی ہے جو (ہر حال میں) متقی ہوتے ہیں!

١٢٣

اور جب ایسا ہوتا ہے کہ (اللہ کی طرف سے) قرآن کی کوئی سورت اترتی ہے، تو ان (منافقوں) میں کچھ لوگ ہیں جو (انکار و شرارت کی راہ سے) کہتے ہیں "تم لوگوں میں سے کس کا ایمان اس نے زیادہ کر دیا"؟ تو حقیقت یہ ہے کہ جو ایمان رکھتے ہیں ان کا ایمان تو ضرور زیادہ کر دیا، اور وہ اس پر خوشیاں منا رہے ہیں!

١٢٤

لیکن (ہاں) جن لوگوں کے دلوں میں (نفاق کا) روگ ہے (اور ایمان کی جگہ انکار کی ناپاکی) تو بلا شبہ اس نے ان کی ناپاکی پر ایک اور ناپاکی بڑھا دی اور (نتیجہ بھی دیکھ لو) وہ مر گئے، اور اس حالت میں مرے کہ ایمان سے قطعی محروم تھے!

١٢٥

عَنْ نَّفْسِهٖ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ لَا يُصِيْبُهُمْ ظَمَاٌ وَّلَا نَصَبٌ وَّلَا مَخْمَصَةٌ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا
يَطَـُٔوْنَ مَوْطِئًا يَّغِيْظُ الْكُفَّارَ وَلَا يَنَالُوْنَ مِنْ عَدُوٍّ نَّيْلًا اِلَّا كُتِبَ لَهُمْ بِهٖ عَمَلٌ صَالِحٌ ؕ
اِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ۝ وَلَا يُنْفِقُوْنَ نَفَقَةً صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً وَّلَا يَقْطَعُوْنَ ١٢٠
وَادِيًا اِلَّا كُتِبَ لَهُمْ لِيَجْزِيَهُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِيَنْفِرُوْا ١٢١
كَآفَّةً ؕ فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ وَ

اپنے ہی نفس کی اصلاح پر قانع نہیں ہو جاتے، بلکہ دوسروں کی بھی اصلاح کرتے اور دنیا میں حق و عدالت کے نشر و قیام کو اپنا فرض سمجھتے ہیں۔

(ز) الحافظون لحدود اللہ ۔ یہ آخری وصف اور آخری مقام ہوا یعنی وہ جو ان تمام حدود کی حفاظت کرنے والے ہیں جو اللہ نے انسان کے لئے ٹھہرا دی ہیں۔ قرآن کی اصطلاح یہ ہے کہ تمام واجبات و حقوق کو خواہ افراد کی زندگی سے تعلق رکھتے ہوں خواہ جماعت سے وہ حدود اللہ سے تعبیر کرتا ہے یعنی یہ حدیں ہیں جو مقرر کر دی گئیں۔ ان کے ٹوٹنے میں انسانی امن و سعادت کی بنیادوں کا ٹوٹ جانا ہے۔

یہ کل سات وصف ہوئے اور جس ترتیب سے بیان کئے گئے ہیں وہ قابل غور ہے۔ یہ گویا نفس انسانی کے تزکیہ و ترقی کے سات درجے ہیں، یا سات طبقے جو یکے بعد دیگرے ٹھیک اسی ترتیب سے سلوک ایمانی میں پیش آتے ہیں۔ ١٢٠

جب کوئی انسان راستی و ہدایت کی راہ میں قدم اٹھائیگا تو قدرتی طور پر پہلا قدم توبہ و انابت ہی کا ہوگا یعنی پچھلی غفلتوں اور گمراہیوں سے (خواہ وہ کفر کی ہوں خواہ نفاق کی خواہ معاصی و زلات کی) باز آئے گا اور آئندہ کے لئے ان سے بچنے کا عہد کرے گا، اور اپنے سارے دل اور ساری روح سے اللہ کی طرف رجوع ہو جائے گا۔ اور یہی توبہ کی حقیقت ہے پھر اگر توبہ سچی ہوگی تو اس کا لازمی نتیجہ یہ نکلے گا کہ اللہ کی بندگی و نیازمندی کی سرگرمی پیدا ہو جائے پس یہ دوسری منزل ہوئی، یا سلوک ایمانی کا دوسرا طبقہ۔ پھر چونکہ عبادت گذاری کی زندگی کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ فکر اور ذکر کا مقام حاصل ہو جائے اور ملکوت السموات والارض کے مشاہدہ و معرفت کا دروازہ کھل جائے اس لئے تیسری منزل تحمید و تسبیح کی منزل یعنی اللہ کی حمد و ثنا کے جوش سے معمور ہو جانے کی منزل گ (ربنا ما خلقت هذا باطلا (٣:١٩١)[1]

اپنی جانوں کی فکر میں پڑ جائیں اس لئے کہ اللہ کی راہ میں انہیں جو مصیبت بھی پیش آتی، وہ ان کے لئے ایک نیک عمل شمار کی جاتی، ہر پیاس جو وہ جھیلتے، ہر محنت جو وہ اٹھاتے، ہر مخمصہ جس میں وہ پڑتے، ہر وہ قدم جو وہاں چلتا جہاں چلنا کافروں کے لئے غیظ و غضب کا باعث ہوتا، اور ہر وہ چیز جو وہ (مال غنیمت میں) دشمنوں سے پاتے (یہ سب کچھ ان کے لئے عمل نیک ثابت ہوتا کیونکہ) اللہ نیک کرداروں کا اجر کبھی ضائع نہیں کرتا!

اور (اسی طرح) وہ (اللہ کی راہ میں) کوئی رقم نہیں نکالتے۔ چھوٹی ہو یا بڑی، اور کوئی میدان طے نہیں کرتے، مگر یہ کہ (اس کی نیکی) ان کے نام لکھی جاتی ہے تاکہ اللہ ان کے کاموں کا انہیں بہتر سے بہتر اجر عطا فرمائے!

اور (دیکھو) یہ ممکن نہ تھا کہ سب کے سب مسلمان (اپنے گھروں سے) نکل کھڑے ہوں (اور تعلیم دین کے مرکز میں آکر علم و تربیت حاصل کریں) پس کیوں نہ ایسا کیا گیا کہ ان کے ہر گروہ میں سے ایک جماعت نکل آتی ہوتی کہ دین میں مہارت و فہم پیدا کرتی، اور جب

[1] سورہ آل عمران کی آیت (١٩١) کا نوٹ دیکھ لیجئے ۔ نیز اعراف ۔ آیت (١٠٥)

فَقُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ۝ ۱۲۹ ع ۱۶

اور علم کے مرکزوں میں پہنچے۔ فلولا نفر من کل فرقة منهم طائفة ليتفقهوا في الدين وليندروا قومهم اذا رجعوا اليهم ۹ (۱۲۲) اور تجارت کے فروغ نفع الٰہی کی جستجو سے تعبیر کیا حتیٰ کہ حج کے موقعہ پر بھی اس کی اجازت دی۔ ليس عليكم جناح ان تبتغوا فضلا من ربكم ۲ (۱۹۸) جبکہ سیر و سیاحت کے مرتع احکام موجود ہیں تو پھر کونسی وجہ ہے کہ یہاں اس وصف کی موجودگی موجب تعجب ہو؟

تو ان سے کہدو "میرے لئے اللہ کا سہارا بس کرتا ہے۔ کوئی معبود نہیں ہے۔ مگر صرف اسی کی ذات میں نے اس پر بھروسہ کیا، وہ (تمام عالم ہستی کی جہانداری کے) عرش عظیم کا خداوند ہے!"

۱۲۹

(۱۴) اُس عہد کے مسلمانوں نے کلمۂ حق کے رشتے پر دنیا کے سارے رشتے قربان کر دیئے تھے۔ انہیں اپنے ان عزیزوں اور رشتہ داروں سے لڑنے میں ایک لمحہ کے لئے بھی تامل نہیں ہوا جنہوں نے اسلام کے خلاف تلوار اٹھائی تھی، اور اس وقت حالت ہی ایسی ہوگئی تھی کہ کلمۂ حق کا ساتھ دینا دنیا کے تمام رشتوں علاقوں کو خیرباد کہہ دینا تھا۔ لیکن اسلام کے جو دشمن لڑتے ہوئے قتل ہوگئے، یا اپنی موت مرگئے، ان کی حالت زندوں سے مختلف ہوگئی تھی۔ کیونکہ اب وہ زندہ نہ تھے کہ مسلمانوں پر ظلم و ستم کرتے، یا ان کے خلاف لڑتے۔ بعض لوگوں کو خیال ہوا جب اللہ کے رسول کی دعا مقبول ہے تو کیوں نہ ہم اپنے ان عزیزوں کے لئے دعاء مغفرت کی التجا کریں جو مر چکے ہیں؟ اور خود قرآن میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسبت نازل ہو چکا ہے کہ انہوں نے اپنے باپ کے لئے دعاء مغفرت کی تھی، حالانکہ وہ مشرکوں کا مخالف تھا: واغفر لابی انه كان من الضالين (۲۶:۸۶)

آیت (۱۳) اسی معاملہ کی طرف اشارہ کیا ہے۔ فرمایا، نہ تو پیغمبر کو شاوار ہے کہ ایسا کرے اور نہ مومنوں کو۔ اگرچہ وہ ان کے عزیز و اقارب ہی کیوں نہ ہوں۔ کیونکہ جب ان پر یہ بات روشن ہوگئی کہ وہ دوزخی ہیں، تو پھر انہیں یہ زیب نہیں دیتا کہ اللہ کے فیصلہ کے خلاف زبان کھولنے کی جسارت کریں۔

ان پر یہ بات روشن کس طرح ہوئی تھی؟ اللہ کی وحی سے اگر نتیجہ کے ساتھ کسی نسبت ناری ہو چکی ہو یا الٰہی کے ان اعمال سے جن پر انہی کی زندگیوں کا خاتمہ ہوا۔ یہ ظاہر ہے کہ وہ تیئس برس تک انہی حق اور حق کے جانی دشمن رہے اور کفر جحود اور ظلم و طغیان کی کوئی شرارت ایسی نہیں ہے جو انہوں نے نہ کی ہو پھر ان کی زندگی کا خاتمہ بھی اسی عالم میں ہوا، اور اپنے اعمال پر پھر ایک لمحہ کے لئے شرمندہ نہ ہوئے جن لوگوں کی حالت ایسی رہ چکی ہو ان کے دوزخی ہونے سے زیادہ اور کون سی بات روشن ہو سکتی ہے۔

اس کے بعد اس شبہ کا ازالہ کر دیا جو بعض طبیعتوں کو ہوا تھا۔ فرمایا، حضرت ابراہیم نے جو اپنے باپ کے لئے مغفرت کی دعا میں کی تھیں تو صرف اس لئے کہ جب تک آدمی زندہ رہتا ہے اس کی ہدایت و اصلاح سے قطعی مایوسی نہیں ہو جا سکتی۔ اگرچہ کتنا ہی گمراہی و شقاوت میں ڈوبا ہوا ہو، کیونکہ ہو سکتا ہے مرنے سے پہلے باز آجائے۔ چنانچہ جب تک ان کا باپ زندہ رہا، وہ مایوس نہ ہوئے اور دعائیں مانگتے رہے۔ یہ بات انہوں نے اپنے باپ سے کہہ دی تھی۔ جب اس سے الگ ہوئے تھے، اور وہ اپنی بات کے پکے تھے لیکن جب کفر و تمرد کی حالت میں مر گیا، تو ان پر واضح ہو گیا کہ وہ اپنی روش سے باز آنے والا نہ تھا۔ پس اپنی اس طلب سے دست بردار ہو گئے۔

چنانچہ قرآن نے سورۂ مریم اور ممتحنہ میں ان کے اس عہد کا ذکر کیا ہے۔ مریم میں ہے کہ جب ان کے باپ نے غصہ میں آکر انہیں نکال دیا۔ اور کہا اگر تو اپنی روش سے باز نہ آیا تو سنگسار کر دونگا۔ تو انہوں نے کہا: سلام

لہ اللہ تمہارے لئے کوئی گناہ کی بات نہیں اگر تم (اس موقعہ پر) اللہ کا فضل بھی حاصل کرنا چاہو (یعنی تجارت کرو)

لہ عرش یعنی تخت شاہی۔ دیکھو سورۂ احزاب آیت (۵۴) کا نوٹ۔

استغفار ابراہیم کی حقیقت

أَوَلَا يَرَوْنَ أَنَّهُمْ يُفْتَنُونَ فِي كُلِّ عَامٍ مَّرَّةً أَوْ مَرَّتَيْنِ ثُمَّ لَا يَتُوبُونَ وَلَا هُمْ يَذَّكَّرُونَ ١٢٦
وَإِذَا مَا أُنزِلَتْ سُورَةٌ نَّظَرَ بَعْضُهُمْ إِلَىٰ بَعْضٍ هَلْ يَرَاكُم مِّنْ أَحَدٍ ثُمَّ انصَرَفُوا ۚ صَرَفَ
اللَّهُ قُلُوبَهُم بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُونَ ١٢٧ لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا
عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُم بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ ١٢٨ فَإِن تَوَلَّوْا

سے صحبت و معاملت اور پھر ان تمام مواقع و مشکلات میں عزم و عمل کا استوار رہنا، ایثار و تحمل کے کتنے مرحلے طے کرنے پڑتے ہیں تب کہیں جاکر یہ عمل انجام پاتا ہے۔

سورۂ تحریم میں یہی وصف مسلمان عورتوں کے لیے بھی دہرایا

مومنات قانتات تائبات عابدات سائحات ١٢٦
(٥) اللہ کی فرمانبردار رائیوں سے پرہیز کرنے والیاں، عبادت گزار، سیاحت میں سرگرم اور روایات سے ثابت ہے کہ نہ حضرت صفیہ کرم کی بی بیاں بلکہ خود پیغمبر اسلام کی ازواج مطہرات بھی جنگ میں نکلتی تھیں اور مجاہدین کی خدمت کرتی تھیں بعد کو اس بارہ میں جو حالات کا وہ شرح و بیان سے مستغنی ہے۔

بعضوں کو اس پر تعجب ہوا کہ سیر و سیاحت کا تمام تر خصائص ایمانی میں ہونا اس کے السائحون اور السائحات کے لغوی اور اصطلاحی معنی سے گریز کرنے گئے، لیکن فی الحقیقت ان کا تعجب محل تعجب ہے۔ قرآن نے ہجرت کو ایمان کا بہترین عمل قرار دیا ہے جو گھر بار چھوڑ کر نکلنا ہے اور جہاد فی سبیل اللہ کے لئے فرمایا، انفروا خفافا و ثقالا ١٢٧ و ایں امر ہر مستطیع مسلمان پر عائد ہو یا عورت فرض کر دیا جو باشندگان مکہ کے علاوہ سب کے لئے بڑی سے بڑی سیاحت ہی ہے بائنین من کل فج عمیق (٢٢: ٢٧) نیز جا بجا زور دیا کہ ملکوں کی سیر کرو، پچھلی قوموں کے آثار و باقیات سے عبرت پکڑو، ان کے عروج و زوال کے حالات و بواعث کا کھوج لگاؤ افلم یسیروا فی الارض فینظروا کیف کان عاقبۃ الذین من قبلھم ؟ (٣٠: ٩) خدا کی قدرت و حکمت کی ان نشانیوں پر غور کرو جو زمین کے چپہ چپہ میں پھیلی ہوئی ہیں: وکاین من اٰیۃ فی السموٰت والارض یمرون علیھا وھم عنھا معرضون (١٢: ١٠٥) اور اسی سورت میں پچھلی پھرتے گھروں سے نکلے

(افسوس ان پر) کیا یہ نہیں دیکھتے کہ کوئی برس اس سے خالی نہیں جاتا کہ ایک مرتبہ یا دو مرتبہ آزمایش میں نہ ڈال دیے جاتے ہوں، پھر بھی یہ ہیں کہ نہ تو توبہ کرتے ہیں نہ نصیحت پکڑتے ہیں!

اور جب کوئی سورت نازل ہوتی ہے (جس میں منافقوں کا ذکر ہوتا ہے) تو وہ آپس میں ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگتے ہیں کہ تم پر کسی کی نگاہ تو نہیں؟ (یعنی اپنا ذکر سن کر جو تم چونک اٹھے ہو تو اس پر کسی کی نگاہ تو نہیں پڑ رہی؟) پھر منہ پھیر کر چل دیتے ہیں تو حقیقت یہ ہے کہ اللہ نے ان کے دل ہی (راہ راست بازی سے) پھیر دیے کیونکہ یہ ایسے لوگ ہیں جو سمجھ بوجھ سے کورے ہو گئے!

(مسلمانو) تمہارے پاس (اللہ کا) ایک رسول آیا ہے جو تم ہی میں سے ہے، تمہارا رنج و کلفت میں پڑنا اس پر بہت شاق گذرتا ہے وہ تمہاری بھلائی کا بڑا ہی خواہشمند ہے وہ مومنوں کے لئے شفقت رکھنے والا رحم کرنے والا ہے

اے پیغمبر! اگر اس پر بھی یہ لوگ سرتابی کریں

لہ سال بھر میں ایک بار یا دو بار ان پر کوئی نہ کوئی آفت آتی ہے، کبھی وبا کبھی قحط، کبھی سیلاب کبھی زلزلہ، کبھی لڑائی، کبھی بیماری، کبھی کچھ کبھی کچھ، مگر یہ ہیں کہ ٹس سے مس نہیں ہوتے، نہ توبہ کرتے ہیں نہ نصیحت پکڑتے ہیں۔

سے یعنی ان کی دلی کیفیت ایسی ہو گئی ہے کہ حق بات کو سمجھنے کی صلاحیت ہی ان میں باقی نہیں رہی۔

گزر چکا ہے کہ حکم الٰہی کے انتظار میں ہیں۔

یہ تین شخص کعب بن مالک، ہلال بن امیہ اور مرارہ بن ربیعہ تھے۔ کعب بن مالک ان تہتر سابقین انصار میں سے ہیں جنہوں نے عقبہ ثانیہ میں بیعت کی تھی، اور ہلال بن امیہ اور مرارہ بن ربیع دونوں بدری تھے یعنی ان جاں نثاروں میں جنہوں نے جنگ بدر میں شرکت کی تھی۔

ان تینوں سے بھی غزوہ تبوک میں کوتاہی ہوئی اور شریک ہوئے لیکن جب آنحضرت واپس تشریف لائے اور سب لوگ اپنے اپنے عذر پیش کر کے معافی مانگنے لگے تو انہوں نے کوئی خاص عذر پیش نہیں کیا، اور صاف صاف تسلیم کر لیا کہ ہماری سستی اور کاہلی تھی کہ اس سعادت سے محروم رہے۔ یہ سن کر آپ نے فرمایا حکم الٰہی کا انتظار کرو۔ پھر تمام مسلمانوں کو حتیٰ کہ ان کی بیویوں کو بھی حکم ہوا کہ ان سے ملنے جلنے کے تمام تعلقات منقطع کر لو۔ چنانچہ اچانک انہوں نے اپنے آپ کو اس حالت میں پایا کہ مدینہ اور اطراف مدینہ کی پوری آبادی نے ان کی طرف سے رخ پھیر لیا تھا ان کے عزیز و قریب تک ان کے سلام کا جواب نہیں دیتے تھے۔ آخر جب پورے پچاس دن اس حالت میں گزر گئے تو یہ آیت نازل ہوئی، اور انہیں قبولیت توبہ کی بشارت ملی۔

ان تین صحابیوں میں سے حضرت کعب بن مالک نے خود اپنی سرگذشت تفصیل کے ساتھ بیان کی ہے۔ وہ کہتے ہیں "تمام جنگوں میں میں نے رسول اللہ کے ساتھ شرکت کی، اور اس موقعہ پر بھی نکلنے کا فیصلہ کر لیا تھا لیکن ایک کے بعد ایک دن بہانے گئے اور میں اسی خیال میں رہا کہ اپنے معاملات نپٹا لوں تو نکلوں۔ یہاں تک کہ آج کل ہفتے پورا وقت نکل گیا۔ نتیجہ میں خبر آئی کہ آنحضرت واپس آ رہے ہیں۔ تب میری آنکھیں کھلیں۔ لیکن اب کیا ہو سکتا تھا آپ سب معمول پہلے مسجد میں تشریف لائے، اور جو لوگ دورہ میں شریک نہیں ہوئے تھے وہ آ آ کر معذرتیں کرنے لگے اور قسمیں کھا کھا کر اپنی سچائی کا یقین دلانے لگے۔ یہ کچھ اوپر اسی آدمی تھے۔ انہوں نے جو کچھ ظاہر کیا آنحضرت نے قبول کر لیا۔ اور ان کے دلوں کا معاملہ اللہ پر چھوڑ دیا۔ جب میری طرف متوجہ ہوئے تو مجھ سے یہ نہ ہو سکا کہ کوئی جھوٹی معذرت بنا کر کہہ دیتا۔ جو کچھ سچی بات تھی، صاف صاف عرض کر دی۔ آپ نے سن کر فرمایا "اچھا جاؤ اور انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ فیصلہ کر دے۔ میں نے لوگوں سے پوچھا اور بھی کسی کو ایسا حکم ہوا ہے، لوگوں نے کہا ہاں مرارہ بن ربیع اور ہلال بن امیہ کو"

اس کے بعد جب حضرت کا حکم ہوا کہ ہم تینوں سے کوئی بات چیت نہ کرے، تو سب نے منہ پھیر لیا۔ اچانک دنیا کچھ سے کچھ ہو گئی۔ گویا کل تک جو دنیا میں تھا، اب وہ دنیا ہی نہیں رہی تھی۔ میرے دونوں شریک ابتلا گھر میں بند ہو کر بیٹھ رہے تھے لیکن میں سخت جان تھا۔ اس حالت میں بھی روز گھر سے نکلتا، مسجد میں حاضری، دنیا، جماعت میں شریک ہوتا، اور پھر ایک گوشہ میں سب سے الگ بیٹھ جاتا۔ اکثر ایسا ہوتا کہ نماز کے بعد قریب جا کر سلام عرض کرتا۔ اور پھر اپنے جی میں گنتا دیکھوں سلام کے جواب میں آپ کے لبوں کو حرکت ہوتی ہے یا نہیں؟ آپ گوشۂ چشم سے کبھی کبھی دیکھ لیتے لیکن جب میری نگاہ حسرت اٹھتی تو رخ پھر جاتا۔

بہر تسکین دل نے رکھ لی ہے غنیمت جانکن وہ جو وقت ناز کچھ جنبش تھے ابرو میں ہے!

ایک دن شہر سے باہر نکلا تو قتادہ کے باغ تک پہنچ گیا۔ یہ میرا چچیرا بھائی تھا اور اپنے تمام عزیزوں میں اسے زیادہ محبوب رکھتا تھا۔ میں نے سلام کیا، مگر اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔ میں نے کہا ابو قتادہ! کیا تم نہیں جانتے کہ میں مسلمان ہوں اور اللہ اور اس کے رسول کی اپنے دل میں محبت رکھتا ہوں؟ اس پر بھی اس نے میری طرف رخ نہیں کیا۔ لیکن جب میں نے یہی بات بار بار دہرائی، تو صرف اتنا کہا "اللہ و رسولہ اعلم" اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتا ہے۔ تب مجھ سے ضبط نہ ہو سکا، اور بے اختیار آنکھیں اشکبار ہو گئیں۔"

"وہاں سے واپس ہوا تو راستہ میں شام کا ایک نبطی مل گیا۔ وہ لوگوں سے کہہ رہا تھا کوئی ہے جو کعب بن مالک تک پہنچا دے؟ لوگوں نے میری طرف اشارہ کیا تو اس نے بادشاہ غسان کا ایک خط نکال کر میرے حوالہ کیا۔ اس میں لکھا تھا کہ ہمیں معلوم ہوا ہے کہ تمہارے آقا نے تم پر سختی کی ہے تم ہمارے پاس چلے آؤ۔ ہم تمہاری قدر و منزلت کریں گے۔ خط پڑھ کر میں

علیک، سأستغفر لك ربی انہ کان بی حفیا (۱۹: ۴۷) اچھا، میں جاتا ہوں۔ تجھ پر سلامتی ہو، اب میں اپنے پروردگار سے تیرے لئے بخشش کی دعا کروں گا۔ وہ مجھ پر بہت مہربان ہے۔ اور ممتحنہ میں ہے کہ حضرت ابراہیم نے اپنے خاندان سے تمام تعلقات قطع کر لئے تھے مگر صرف اتنا واسطہ اپنے باپ سے رکھا کہ لاستغفرن لك، وما املك لك من اللہ من شئی (۶۰: ۴) میں ضرور تیری بخشش کا طلب گار رہوں گا۔ اس سے زیادہ تیرے لئے میرے اختیار میں کچھ نہیں ہے!

اور خود پیغمبر اسلام کا بھی یہی حال تھا کہ دشمنان حق کے لئے ان کی زندگی میں برابر طلبگار بخشش رہے کہ ابھی امید منقطع نہیں ہوئی تھی جنگ اُحد میں جب ان کا چہرہ مبارک زخمی ہو گیا تھا، تو زبان مقدس پر یہی دعا جاری تھی کہ رب اغفر لقومی فانہم لا یعلمون! خدایا میری قوم کو بخشدے کیونکہ وہ جانتے نہیں کہ کیا کر رہے ہیں!

یہ واضح رہے کہ قرآن نے حضرت ابراہیم کی یہ بات ان کے مناقب و فضائل میں شمار کی ہے اور جا بجا بطور نمونہ کے پیش کی ہے کیونکہ کتنے ہی ناموافق حالات ہوں، مگر ہدایت سے مایوس نہ ہونا، اور اپنے ماں باپ کے لئے ہر حال میں خیر طلب رہنا جن کی محبت و شفقت انسان کی پرورش کا ذریعہ ہوتی ہے ایمان و راستی کے بہترین اعمال میں سے ہے چنانچہ سورہ ابراہیم میں جہاں ان کی وہ مقبول دعائیں نقل کی ہیں جو اتمام مسلمہ کے ظہور اور خانہ کعبہ کی آبادی کے لئے کی تھیں، وہاں یہ دعا بھی نقل کی ہے: ربنا اغفرلی و لوالدی و للمؤمنین (۱۴: ۴۱) خدایا، مجھے بخشدے اور میرے باپ کو بھی اور ان سب کو جو ایمان لائے:

یہاں باپ سے مقصود ان کا حقیقی باپ ہے یا چچا جس نے بطور باپ کے پرورش کیا تھا؟ تو زیادہ قوی بات یہی معلوم ہوتی ہے کہ آزر اُن کا چچا تھا، اور یہ معاملہ اسی کے ساتھ پیش آیا تھا۔ چنانچہ سورۂ انعام آیت (۷۴) کے حاشیہ میں اس طرف اشارہ گذر چکا ہے۔

حیات ممات روحانی

(۱۵) آیت (۱۱۶) میں فرمایا آسمان و زمین کی بادشاہت اللہ ہی کے لئے ہے وہی جلاتا ہے وہی مارتا ہے، یہاں جسمانی موت و حیات کا ذکر تھا جس سے مقصود یہ ہے کہ نجات و بخشش کا راز شرک اسی کے ہاتھ میں ہے اور جس طرح اجسام کی موت و حیات اسی کے حکم سے ہے اسی طرح روح کی ہدایت و شقاوت کا معاملہ بھی اسی کے حکم پر موقوف ہے اور اس کے حکم سے مقصود اس کے ٹھہرائے ہوئے قوانین ہیں ان قوانین کے مطابق کسی کی راہ سعادت کی راہ ہوتی ہے کسی کی شقاوت کی۔ اور ان کے خلاف کبھی کوئی بات ظہور میں نہیں آ سکتی۔

روح دعوی انقلاب مذہبی خلیفوا

(۱۶) آیت (۱۱۷) پچھلی آیتوں کے بعد نازل ہوئی ہے اس میں ان لوگوں کو قبولیت توبہ کی بشارت دی ہے جن سے غزوہ تبوک کی تیاریوں میں کوتاہی ہو گئی تھی اور جن کی نسبت آیت (۱۰۲) میں فرمایا تھا کہ انہیں رحمت الٰہی کا امیدوار رہنا چاہئے۔ چونکہ قبولیت کا مقتضا یہ تھا کہ ان کے زخموں کے زخم دھوئے جائیں اور مرحمت و اکرام کے مرہموں سے تسکین پائیں اس لئے پیرایہ بیان ایسا اختیار کیا گیا کہ ان کے سارے دکھوں کا مداوا ہو گیا۔ انہوں نے اس لغزش کی وجہ سے اپنی اپنی جگہ کھو دی تھی۔ یہی جن مقبولوں کے ساتھ ان کا شمار تھا، ان کی صف سے باہر ہو گئے تھے پس قبولیت توبہ کا مژدہ سنایا گیا تو اس طرح کہ پہلے حزب پیغمبر اسلام کا ہم آیا۔ پھر مہاجرین و انصار کا۔ اور پھر انہی کے ضمن میں ان لوگوں کا بھی ذکر کر دیا گیا، اور رحمت الٰہی کی توجہ یکساں طور پر سب کے لئے کہی گئی تاکہ اب کوئی اس حلقہ سے باہر نہ رہے جن سے قصور ہوا تھا، وہ بھی محسوس کرنے لگیں کہ رحمت و قبولیت کی ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے ہیں۔

گمانہا را ازیں معنی خبر نیست کہ سلطان جہان با ماست امروز!

توبہ کے معنی رجوع ہونے اور لوٹنے کے ہیں۔ اللہ کا اپنی رحمت کے ساتھ لوٹنا کاملوں کے لئے یہ ہے کہ مزید رحمت اکرام ہو قصور مندوں کے لئے یہ کہ قبولیت و مغفرت ہو۔

(۱۷) اس کے بعد فرمایا۔ ان تین آدمیوں کی بھی توبہ قبول ہو گئی جن کا معاملہ ملتوی کر دیا گیا تھا۔ یعنی جن کی نسبت کوئی فیصلہ نہیں کیا گیا۔ اور پیغمبر اسلام نے فرمایا تھا حکم الٰہی کا انتظار کرو۔ چنانچہ آیت (۱۰۶) میں انہی کی نسبت

کیونکہ تعلیم و تربیت سے محروم رہتے ہیں۔ اب یہاں اشارہ کیا کہ تعلیم کا ایک عام نظم قائم کرنا چاہیئے۔ یہ تو ہو نہیں سکتا کہ تمام مسلمان گھر چھوڑ کر تحصیل علم کے لئے نکل کھڑے ہوں۔ پس یہ کرنا چاہئے کہ ہر بستی اور ہر گروہ میں سے کچھ لوگ اس کام کے لئے وقف ہو جائیں وہ تعلیم و تربیت کے مرکز میں (اور اس وقت مرکز مدینہ تھا) رہ کر دین میں بصیرت پیدا کریں اور پھر اپنی آبادیوں میں جا کر دوسروں کو تعلیم دیں۔

قرآن کے یہی اشارات ہیں جنہوں نے مسلمانوں میں اول دن سے تحصیل علم کا عام ولولہ پیدا کر دیا تھا حتیٰ کہ انہوں نے ایک صدی کے اندر ہی اندر اس کا ایک ایسا عالمگیر نظام قائم کر دیا جس کی نظیر دنیا کی کسی قوم کی تاریخ میں نہیں مل سکتی۔

معرکہ یرموک کی پیشین گوئی

(۱۹) آیت (۲۳) میں غالباً اس طرف اشارہ تھا کہ تبوک میں رومیوں سے مقابلہ نہیں ہوا کیونکہ انہوں نے حملہ کا ارادہ ملتوی کر دیا تھا۔ لیکن وہ پھر طیاریاں کرنے والے ہیں اور ضروری ہے کہ مسلمان جنگ کے لئے مستعد رہیں۔ اس صورت میں "الھابن یلونکم" کا مطلب یہ ہوگا کہ جو دشمن تمہاری سرحد سے متصل ہیں یعنی شام کے رومی اور عرب کے عیسائی قبائل۔ چنانچہ چند سالوں کے بعد ایسا ہی ہوا، اور یرموک کا معرکہ پیش آیا۔

چونکہ رومیوں کا مقابلہ اس عہد کی سب سے زیادہ طاقتور اور متمدن شاہنشاہی کا مقابلہ تھا اس لئے فرمایا۔ اس قوت سے لڑو کہ وہ تمہاری سختی محسوس کریں۔ مسلمانوں نے اس حکم کی جس طرح تعمیل کی اس کا اندازہ صرف اس بات سے کر لیا جا سکتا ہے کہ ہرقل کی فوج بالاتفاق دو لاکھ سے زیادہ تھی اور مسلمان زیادہ سے زیادہ چوبیس ہزار تھے لیکن نتیجہ یہ نکلا کہ ہمیشہ کے لئے رومی حکومت کا شام میں خاتمہ ہو گیا۔

قانون انذار و تنبیہ

(۲۰) آیت (۲۶) میں اگرچہ منافقوں کا ذکر ہے، لیکن قرآن کے تمام بیانات کی طرح یہاں بھی مقصود یہ ہے کہ غفلت انسانی کی ایک عام تصویر سامنے آ جائے۔ افراد کی زندگی ہو یا جماعات کی، لیکن ہر ہلاکت و بربادی کے بعد تم سر اٹھاؤ گے تو پاؤ گے کہ ان کی ہلاکت اچانک ان پر نہیں آ گری تھی۔ وہ مدتوں تک اُن پر منڈلاتی رہی، لیکن اتری نہیں۔ وہ اپنی آمد کی ملائمتیں بھیجتی رہی۔ ان کی زندگی کا کوئی برس، کوئی مہینہ، بلکہ کوئی دن ان سے خالی نہیں گیا۔ لیکن جب یہ ساری تنبیہیں بیکار ہو گئیں اور وہ غفلت و گمراہی سے باز نہ آئے، تو پھر ان پر اترا آئی۔ کیونکہ یہ ان کی اجل تھی، اور جب اجل آ جائے تو وہ ٹل نہیں سکتی۔ (دیکھو ۷: ۳۴)

خدا کے روحانی قوانین بھی اس کے جسمانی قوانین کی طرح ہیں۔ تم بدپرہیزی کرتے ہو تو فوراً نہیں مر جاتے۔ البتہ موت کے پیام آنا شروع ہو جاتے ہیں یہ پیام کیا ہیں؟ بیماریاں ہیں جو موت کی طرف سے آنے لگتی ہیں تاکہ تمہیں بروقت ہشیار کر دیں اگر تم ہشیار ہو گئے تو وہ رک جائیگی۔ نہ ہوئے تو پھر تمہارے سرہانے آ کھڑی ہو گی۔ ٹھیک ایسا ہی معاملہ جماعتوں اور قوموں کے ساتھ بھی پیش آتا ہے اور ایسا ہی معاملہ افراد کی معنوی سعادت و شقاوت کا بھی سمجھو۔ جو نصیحت پکڑ جاتے اور بچ آ جاتے ہیں، وہ سنت الٰہی کے مطابق ہلاکت سے بچ جاتے ہیں۔ جو مصر رہتے ہیں، ہلاک ہو جاتے ہیں یہی حقیقت ہے جسے قرآن نے جا بجا امہال، تربص، اور استدراج سے بھی تعبیر کیا ہے (تشریح کے لئے دیکھو تفسیر فاتحہ)

برات ایک دو آیتوں کا مرغظ تھی

(۲۱) امام بخاری نے براء سے روایت کی ہے کہ آخری سورت جو نازل ہوئی، برأت ہے، اور حاکم وغیرہ نے اُبی ابن کعب اور ابن عباس کا قول نقل کیا ہے کہ سب سے آخری آیات جو نازل ہوئیں برأت کی آخری دو آیتیں ہیں لیکن تمام روایتوں کو جمع کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے، برأت سب سے آخری نہیں ہو سکتی۔ کم از کم واتقوا یوماً ترجعون فیہ الی اللہ (۲: ۲۸۱) اور سورہ نصر اس کے بعد ضرور نازل ہوئی ہے۔ بہرحال آخر نزول ہو یا نہ ہو۔ لیکن باعتبار نزول کے یہ آخری کلام میں سے ضرور ہے، اور اسی لئے بہ حیثیت مجموعی پوری سورت میں اور آخری دو آیتوں میں خصوصیت کے ساتھ اس طرح کا طرز خطاب پایا جاتا ہے، جیسے امت کو آخری احکام دیئے جاتے ہوں یا آخری موعظت کا پیام ہو۔

چنانچہ آخری دو آیتوں میں عرب کی اس نسل سے خطاب ہے جو اس وقت مخاطب تھی (یا یہا) اللہ کا رسول تم میں آ گیا۔ اور اس نے اپنا فرض رسالت ادا کر دیا۔ وہ کسی دوسری جگہ سے تم میں نہیں آ نکلا تھا۔ سنت الٰہی کے مطابق خود تم

نے کہا، یہ ایک اور نئی مصیبت آئی۔ گویا پچھلی بلائیں کافی نہ تھیں۔"

"جب اس حالت پر چالیس راتیں گزر چکیں تو آنحضرت کی جانب سے ایک آدمی آیا اور کہا، حکم ہوا ہے تم اپنی بیوی سے الگ ہو جاؤ۔ میں نے کہا طلاق دے دوں؟ کہا نہیں، صرف علیحدگی کا حکم ہے۔ ہلال اور مرارہ کو بھی ایسا ہی حکم ہوا ہے۔ اس پر میں نے اپنی بیوی کو اس کے میکے بھجوا دیا۔

"جب دس دن گذر گئے، تو پچاسویں رات پر صبح آئی۔ میں اپنے مکان کی چھت پر نماز پڑھ کر بیٹھا تھا۔ اور ٹھیک ٹھیک وہی حالت تھی جس کی بصورت اللہ کے کلام نے کھینچ دی ہے۔ زندگی سے ننگ آ گیا تھا، اور خدا کی زمین بھی اپنی ساری پہنائیوں پر میرے لئے تنگ ہو گئی تھی۔ اچانک کیا سنتا ہوں، کوئی آدمی کوہ سلع پر سے پکار رہا ہے کعب بن مالک! بشارت ہو۔ تمہاری توبہ قبول ہو گئی۔"

چہ مبارک سحر بود و چہ فرخندہ شبے! آن شب قدر کہ ایں تازہ براتم دادند!

"اب لوگ جوق جوق مجھے مبارک باد دینے کے لئے دوڑے۔ ایک آدمی گھوڑا دوڑاتے ہوئے آیا، لیکن بشارت کی آواز اس سے بھی زیادہ تیز ثابت ہوئی تھی۔ میں مسجد میں حاضر ہوا تو آنحضرت لوگوں کے حلقہ میں بیٹھے تھے۔ آنحضرت کا قاعدہ تھا کہ جب خوش ہوتے تو چہرۂ مبارک چمکنے لگتا۔ جیسے چاند کا ٹکڑا ہو۔ ہم لوگوں کو یہ بات معلوم تھی۔ اس لئے ہمیشہ آپ کے چہرہ پر نگاہ رکھتے تھے۔ چنانچہ میں نے دیکھا۔ اس وقت بھی چہرہ مبارک چمک رہا تھا۔ فرمایا، کعب! تجھے آج اس دن کے جو دن کی بشارت دیتا ہوں جو تیری زندگی کا سب سے بہتر دن ہے۔ میں نے عرض کیا۔ یہ بات آپ کی جانب سے ہوئی یا اللہ کی؟ فرمایا اللہ کی وحی سے۔ (صحیحین)

اس آیت کا نوٹ، نوٹ کے حدود سے تجاوز ہو گیا، لیکن تفصیل اس لئے ضروری ہوئی کہ معاملہ اہم ہے اور اس میں مسلمانوں کے لئے بڑی ہی عبرت و موعظت ہے۔ امام احمد بن حنبل کی مسند منقول ہے کہ قرآن کی کوئی آیت انہیں اس قدر نہیں رلاتی تھی جس قدر یہ آیت اور کعب بن مالک کی روایت۔ اس سے معلوم ہوا کہ:-

(ا) خدا سے حق میں تساہل ایک مومن کے لئے کیسا سخت جرم ہے کہ ایسے مخلص اور مقبول صحابی بھی اس درجہ سرزنش کے مستحق ہوئے، اور تمام مسلمانوں کو ان سے قطع علائق کا حکم دیا گیا۔

(ب) مسلمانوں کی اطاعت و امتثال کا کیا حال تھا کہ جونہی انقطاع علائق کا حکم ہوا، تمام شہر نے یک رخ پھیر لیا۔ چوری چھپے بھی کسی نے اس حکم کی خلاف ورزی نہیں کی حتیٰ کہ ان کے محبوب سے محبوب عزیزوں کو بھی یہ خیال نہ گزرا کہ ایک لمحہ کے لئے اس پر عمل نہ کریں یا کم از کم تعمیل میں نرمی و تساہل سے کام لیں۔ ابو قتادہ کا حال خود حضرت کعب کی زبان سے سن چکے ہو۔ جب انہوں نے کہا، تم تو اس سے بے خبر نہیں ہو سکتے کہ سچا مسلمان ہوں۔ اللہ اور اس کے رسول کو دوست رکھتا ہوں۔ پھر مجھ سے رخ کیوں پھیر لیا۔؟ تو ابو قتادہ نے صرف یہی کہا کہ اللہ و رسولہ اعلم۔ ان تین لفظوں میں اس عہد کے مسلمانوں کی ذہنیت کی پوری تصویر اتر آئی ہے یعنی مجھے معلوم تو سب کچھ ہے۔ جانتا ہوں کہ تم سچے مسلمان ہو لیکن اپنے جاننے کو کیا کروں؟ جانتا تو اللہ اور اس کے رسول کا ہے، اور اس کا حکم یہی ہے کہ تم سے کوئی واسطہ نہ رکھوں۔

پھر اس اطاعت کے لئے نہ تو کوئی مادی قوت کام میں لائی گئی تھی۔ نہ حمایل حکومت کا ڈر تھا، نہ قانون و عدالت کا، صرف ایک شخص کے لبوں نے حرکت کی تھی، اور اتنی بات سب کو معلوم ہو گئی تھی کہ اس کی مرضی یہی ہے۔ بس اتنی بات کا معلوم ہو جانا اس کے لئے کافی تھا کہ سب کے دل مجسم اطاعت و امتثال بن جائیں۔

(ج) پھر یہ بھی دیکھو کہ مسلمان کی باہمی اخوت و محبت کا کیا حال تھا؟ اس سختی کے ساتھ حکم کی تعمیل تو سب نے کی لیکن ساتھ ہی ان کی مصیبت کے غم سے کوئی دل خالی بھی نہ تھا۔ سب کے دلوں کو لگی تھی کہ ان کی توبہ قبول ہو جائے۔ جونہی قبولیت کا اعلان ہوا ایک پر ایک دوڑنے لگا کہ ان سختی کشانِ عشق کو سب سے پہلے میری زبانی مژدۂ قبولیت ملے۔ کوہ سلع پر سے جس نے پکارا کعب سے پہلے بشارت سنائی تھی۔ حضرت کعب نے گو اس کا نام نہیں لیا لیکن وہ حضرت ابو بکرؓ تھے۔

تعلیم و تسلیم کے نظام کا قیام

(۱۸۱) اس سے پہلے آیت (۹۷) میں بدوی قبائل کی نسبت فرمایا تھا کہ احکام دین سے بے خبری ان سے زیادہ متوقع ہے۔

کی سورتوں کا رہا ہے اسلئے مفسرین نے خیال کیا، یہ مدنی آیتیں نہیں ہوسکتیں اور سورۂ برأت میں ان کا ہونا تعجب انگیز ہے۔ پھر اس استعجاب کو دور کرنے کے لئے طرح طرح کی توجیہیں کی گئیں، لیکن مندرجہ بالا تفسیر کے بعد وہ سب غیر ضروری اور بے محل ہوگئیں۔

اہل کتاب سے قتال کا حکم کیوں دیا گیا

(۲۲) سورت کے بعض مہمات کی تشریح ابھی باقی ہے:

(۱) آیت (۲۹) میں عرب کے ان یہودیوں اور عیسائیوں سے بھی تمام معاہدات فسخ کر دینے کا حکم دیا ہے جنہوں نے یکے بعد دیگرے معاہدوں کی خلاف ورزیاں کی تھیں اور مسلمانوں کے امن و عافیت کے خلاف ایک بہت بڑا خطرہ بن گئے تھے۔ اور حکم دیا ہے کہ مشرکین عرب کی طرح ان کے خلاف بھی اب اعلان جنگ ہے۔

اسلام کا جب ظہور ہوا تو حجاز میں یہودیوں کی متعدد جماعتیں آباد تھیں، لیکن عیسائیوں کی کوئی قریبی آبادی نہ تھی وہ یا تو یمن میں تھے یا عرب اور شام کے سرحدی علاقے میں۔ یہودیوں کا جو طرز عمل رہا، اس کی طرف اشارات گزر چکے ہیں۔ عیسائیوں کی حالت یہودیوں سے مختلف رہی۔ ان کی طبیعت میں وہ جمود اور تعصب نہ تھا جو یہودیوں میں طبیعت ثانیہ ہو چکی تھی، اس لئے جب انہوں نے اس دعوت کا حال سنا تو مخالفت کا جوش پیدا نہیں ہوا، بلکہ اس کی طرف مائل ہونے لگے۔ چنانچہ یمن کے عیسائیوں نے ابتدا سے موافقانہ روش اختیار کی تھی اور خود اپنی خوشی سے جزیہ دینا قبول کر لیا تھا۔ پھر خود بخود اسلام نے اپنی راہ وہاں نکال لی۔ انہی کے وفد سے وہ مخاطبات ہوئے تھے جو سورۂ آل عمران میں گذر چکے ہیں۔

عرب سے باہر کے جن عیسائیوں تک اسلام کی دعوت پہلے پہل پہنچی ان کا بھی یہی حال رہا۔ چنانچہ تاریخ اسلام میں سب سے پہلے جو بادشاہ مسلمان ہوا۔ وہ حبش کا عیسائی فرمانروا نجاشی گوش تھا۔ جسے عرب نجاشی کہا کرتے تھے۔ اور جس کی حق شناسی اور استعداد ایمانی کی مدح خود کلام الٰہی نے کی ہے (دیکھو ۵: ۸۳)

اس عہد کے یہودیوں اور عیسائیوں کے اس اختلاف حال کا ذکر قرآن میں بھی موجود ہے اور اس کی علت بھی واضح کر دی ہے (دیکھو ۵: ۸۲)

لیکن آگے چل کر جب اسلام کی دعوت زیادہ پھیل گئی تو وہ عیسائی ریاستیں جو عرب اور شام کے سرحدی علاقہ میں قائم ہوگئی تھیں اور رومی حکومت کے ماتحت تھیں اس تحریک کی ترقی گوارا نہ کر سکیں اور رومی شہنشاہی کی پشت گرمی سے مغرور ہو کر آمادۂ پیکار ہوگئیں۔ سب سے پہلا معاملہ حضرت حارث بن عمیر کی شہادت کا پیش آیا۔ آنحضرت نے انہیں دعوت اسلام کا خط دے کر مؤتہ بھیجا تھا جہاں کا رئیس شرجیل بن عمرو غسانی تھا۔ اس نے انہیں بغیر کسی جرم و قصور کے قتل کرا دیا اس صریح عہد و ظلم نے پیغمبر اسلام کو جنگ پر مجبور کر دیا۔ اور ایک فوج ۸ھ ہجری میں روانہ کی گئی۔ اس وقت شہنشاہ قسطنطنیہ بھی شام میں مقیم تھا۔ اس سے رئیس مؤتہ نے مدد مانگی اور شاہی فوج بھی میدان میں آگئی۔ تاہم فتح مسلمانوں ہی کو ہوئی۔

اس واقعہ کے بعد شام کے تمام عرب قبائل نے بغاوت کر لیا کہ مسلمانوں پر حملہ کر دیں اور شہنشاہ قسطنطنیہ نے بھی ان کی اعانت کا فیصلہ کر لیا۔ چنانچہ ابھی ایک سال بھی نہیں گزرا تھا کہ شاہی فوجیں شام میں جمع ہونے لگیں اور پیغمبر اسلام کو خود دفاع کے لئے نکلنا پڑا۔ یہی دفاعی اقدام ہے جو غزوۂ تبوک کے نام سے مشہور ہوا۔ لیکن جب پیغمبر اسلام تبوک پہنچے تو معلوم ہوا مسلمانوں کے اس بے باکانہ اقدام نے دشمنوں کے ارادے پست کر دیئے اور اب حملہ کا ارادہ ملتوی ہوگیا ہے۔

اس سورت کی یہ آیتیں اس واقعہ کے بعد ہی نازل ہوئی تھیں اور چونکہ اب مسلمانوں پر اس جانب سے سخت حملہ ہونے والا تھا، اور دوسری طرف عرب کے یہودی بھی اپنی سازشوں میں سرگرم تھے، اس لئے ناگزیر ہو گیا تھا کہ مشرکین عرب کی طرح ان کے خلاف بھی جنگ کا اعلان کر دیا جائے۔

پس اس آیت میں "جنگ کرو" کے لفظ سے مقصود جنگ کی یہی صورت ہے۔ یہ مطلب نہیں ہے کہ دنیا کے تمام یہودیوں اور عیسائیوں پر محض ان کے یہودی اور عیسائی ہونے کی وجہ سے حملہ کر دو۔ جب تک کہ وہ مسلمان نہ ہو جائیں یا جزیہ نہ دیں جیسا کہ متعصبین اسلام نے ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ ایسا مطلب صرف وہی قرار دے سکتا ہے جو پورے قرآن سے، پیغمبر اسلام کی زندگی سے، صحابہ کے حالات سے اور تاریخ اسلام سے پک قلم آنکھیں بند کر لے۔

ہی میں پیدا ہوا، اور چونکہ وہ تم ہی میں سے ہے اس لئے اول سے لے کر آخر تک اس کی ساری باتیں تمہاری نگاہوں کے سامنے رہی ہیں۔ اس کا کوئی پہلو بھی تم میں گندا، اس کی جوانی کے دن بھی تم میں بسر ہوئے۔ پھر اس نے نبوت کا اعلان کیا تو تم سے کہیں چھپ کر زندگی بسر نہیں کی۔ اس کی ساری باتیں تم اپنی آنکھوں سے دیکھتے رہے۔ پھر جو کچھ گزرتا تھا گزرا، اور تم نے مظلومی و بیکسی کے اعلان بھی سن لئے۔ فتح و کامرانی میں ان کی تصدیق بھی کر لی۔ تم میں کوئی نہیں جو اس کی بے داغ زندگی کا شاہد نہ ہو، اور کوئی نہیں جس نے اس کی ایک ایک بات کی سچائی آزما نہ لی ہو۔

پھر ان کے ایک ایسے وصف پر زور دیا جو منصب رسالت کے لئے اور ہر اس انسان کے لئے جو قوم کی رہنمائی و قیادت کا مقام رکھتا ہو سب سے زیادہ ضروری وصف ہے، یعنی انبار خلق کے لئے شفقت و رحمت۔ فرمایا۔ اس سے زیادہ کوئی بات تمہارے لئے یقینی نہیں ہو سکتی کہ وہ سراپا شفقت و رحمت ہے۔ وہ تمہارا دکھ برداشت نہیں کر سکتا۔ تمہاری ہر تکلیف خواہ جسم کے لئے ہو خواہ روح کے لئے اس کے دل کا درد بن جاتی ہے۔ وہ تمہاری بھلائی کی خواہش سے سرشار ہے۔ وہ اس کے لئے ایسا مضطرب قلب رکھتا ہے کہ اگر اس کی بن پڑتی تو ہدایت و سعادت کی ساری پگڈنڈیاں پہلے ہی دن گھونٹ بنا کر پلا دیتا۔ پھر اس کی یہ شفقت و محبت صرف تمہارے ہی لئے نہیں ہے۔ وہ تو تمام مومنوں کے لئے خواہ عرب کے ہوں خواہ عجم کے رؤف رحیم ہے۔

"رؤف" رافۃ سے ہے، اور اس کا اطلاق ایسی رحمت پر ہوتا ہے جو کسی کی کمزوری و مصیبت پر جوش میں آئے۔ پس رافۃ، رحمت کی ایک خاص صورت ہے، اور رحمت عام ہے۔ دونوں کے جمع کر دینے سے رحمت کا مفہوم زیادہ قوت و تاثر کے ساتھ واضح ہو گیا۔

خدا نے یہ دونوں وصف چنے اپنے لئے فرمائے ہیں، اور یہاں اپنے رسول کے لئے بھی فرمائے۔

اس کے بعد فرمایا کہ اگر یہ صحیح مخاطبین یہ سب کچھ دیکھ لینے اور تجربہ کر لینے کے بعد بھی اداء فرض سے اعراض کریں تو اے پیغمبر! تم آخری اعلان کر دو کہ میرے لئے اللہ بس کرتا تھا، اور اب بھی اللہ بس کرتا ہے۔ وہ اپنے کلمۂ حق کا محافظ ہے۔ اور اس کی مشیت نے جو کچھ فیصلہ کر دیا ہے، بہرحال ہو کر رہنے والا ہے۔ اس کا قیام و عروج کسی خاص ملک اور قوم کی پشت پناہی پر موقوف نہیں۔ میرا بھروسہ اسی پر تھا اور اسی پر ہے۔ میں اپنے فرض سے سبکدوش ہو گیا۔

یہ پیام موعظت یہاں کیوں ضروری ہوا؟ اس کے سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ دو باتیں سامنے رکھ لی جائیں

سورت کے نزول کا وقت اور سورت کے مطالب۔ یہ سورت اس وقت نازل ہوئی جب تمام عرب میں کلمۂ حق سربلند ہو چکا تھا، اور گو قرآن نے دعوت حق کی عالمگیر فیروزمندیوں کی خبر دیدی تھی۔ تاہم ان لوگوں کے لئے جو کل تک تکذیب و بیکسی کی انتہائی مصیبتوں میں دیکھے گئے، تمام عرب کا مسلمان ہو جانا بڑی سے بڑی کامرانی تھی، اور اس لئے ناگزیر تھا کہ ایک طرح کی فاتح الہامی اور بے پروائی طبیعتوں میں پیدا ہو جائے۔ غزوہ تبوک کی تیاریوں میں جو بعضوں سے تساہل ہوا۔ تو اس کی تہہ میں بھی اس حالت کی جھلک صاف دکھائی دے رہی ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ اس سورت میں اس تفصیل اور شدت کے ساتھ استعداد کار اور عزم و ہمت کی تلقین کی گئی کہ اس کی نظیر کسی دوسری سورت میں نہیں ملتی۔

پس یہاں اس آخری موعظت و اعلان کا مطلب یہ ہے کہ اہل عرب پر دو باتیں واضح کر دی جائیں۔ ایک یہ کہ جو کچھ ہو چکا ہے، یہ معاملہ کی تکمیل نہیں ہے بلکہ محض ابتدا ہے، اور اس لئے اداء فرض کا مطالبہ بدستور باقی ہے۔ یہ نہیں سمجھنا چاہئے کہ کام ہے فاتح اقبال ہو گئے۔ دوسری یہ کہ کلمۂ حق اپنے عروج کے لئے تمہارا محتاج نہیں۔ اگر آئندہ تم نے کوتاہی کی تو خود نقصان اٹھاؤ گے، دعوت حق کا کچھ نہیں بگڑے گا۔ اس کے لئے صرف اللہ کی کہ جہانداری عالم کے عرش عظیم کا مالک ہے، نصرت و حمایت کفایت کرتی ہے۔

مندرجہ بالا سلسلہ سے وہ تمام الجھاؤ دور ہو گئے جو ان دو آیتوں کے بارے میں پیدا ہو گئے تھے۔ چونکہ ان آیتوں میں اہل عرب سے خطاب ہے اور اعراض کی صورت میں توکل علی اللہ کی تلقین کی گئی ہے اور یہ اسلوب بیان زیادہ تر

(ہ) قرآن نے غیر مسلموں سے جزیہ لینے کا حکم کیوں دیا؟ اس لئے کہ حق و انصاف کا مقتضا یہی تھا۔ اور اس لئے کہ وہ چاہتا تھا مسلمانوں کے نظام حکومت میں غیر مسلموں پر اتنا بوجھ نہ ڈالا جائے، جتنا بوجھ مسلمانوں کو اٹھانا پڑے گا۔

اسلام نے مسلمانوں پر فوجی خدمت فرض کر دی تھی۔ یعنی آج کل کی اصطلاح میں فوجی قانون جبری تھا، اور اس لئے ضروری تھا کہ جو غیر مسلم اسلامی حکومت کے ماتحت شہری زندگی بسر کریں وہ بھی ملک کی حفاظت کے لئے جنگ میں شریک ہوں۔ لیکن اسلام نے اسے انصاف کے خلاف سمجھا کہ اس بارے میں غیر مسلموں پر جبر کیا جائے۔ اس نے یہ بات ان کی مرضی پر چھوڑ دی اور کہا اگر خود اپنی خوشی سے چاہو تو فوجی خدمات میں مسلمانوں کی طرح شریک ہو۔ نہ شریک ہونا چاہو تو اس کے بدلے ایک سالانہ رقم ادا کر دیا کرو۔ یہی رقم تھی جو غیر مسلموں کے لئے جزیہ ہوئی۔

فی الحقیقت انسان کے عقائد و جذبات کی آزادی کا یہ ایسا اعتراف تھا جس کا اس عہد میں کسی دوسری قوم تصور بھی نہیں کر سکتی تھی۔ جنگ کے لئے نکلنا اپنی جان کو ہتھیلی پر رکھ لینا ہے۔ مسلمان مسلمانوں کو اس کے لئے مجبور کر سکتے ہیں، لیکن انہیں کیا حق ہے کہ غیر مسلموں کو اس کے لئے مجبور کریں؟

چنانچہ صحابہ کرام کے زمانہ میں غیر مسلموں کو جو سرکاری ذاتیں دی گئیں، ان میں ہمیشہ صاف صاف اس کی تصریح پاتے ہیں جو فوج میں شریک ہوگا، اس سے جزیہ نہیں لیا جائے گا۔ جو نہ ہوگا اس سے جزیہ لیا جائے گا۔ بعض فرمانوں میں یہاں تک سہولت دی ہے کہ اگر عام طور پر شریک نہیں ہوتے۔ صرف ایک برس شریک ہو گئے۔ تو اس برس کی رقم معاف ہو جائے گی۔ طبری نے تاریخ میں اور بلاذری نے فتوح البلدان میں یہ فرامین نقل کئے ہیں۔

یہ تو پہلی علت ہوئی۔ دوسری علت کا یہ حال ہے کہ اسلام نے مسلمانوں پر کئی طرح کے ٹیکسوں کا بوجھ ڈال دیا۔ زکوٰۃ انہیں ادا کرنی چاہئے، عام صدقات و خیرات میں انہیں حصہ لینا چاہئے۔ جنگ پیش آجائے تو اس کا بوجھ بھی اٹھانا چاہئے۔ پس ضروری تھا کہ غیر مسلم رعایا پر بھی ایسا ہی بوجھ ڈالا جاتا، کیونکہ جہاں تک آزادی و حقوق کا تعلق ہے ان میں اور مسلمانوں میں کوئی امتیاز نہیں کیا گیا تھا۔ لیکن اسلام نے ایسا نہیں کیا۔ غیر مسلموں کو حقوق تو مسلمانوں ہی کی طرح دیئے، لیکن مالی بوجھ مسلمانوں کی طرح نہیں ڈالا۔ اُن تمام ٹیکسوں کے بدلے جو مسلمانوں پر عاید کئے تھے صرف ایک ہی ٹیکس کی ادائیگی ضروری ٹھہرائی یعنی جزیہ کی۔ اور وہ بھی انہیں معاف کر دیا جو فوجی خدمت کے لئے طیار ہو جائیں نتیجہ یہ نکلا کہ فی الحقیقت غیر مسلموں کے لئے کوئی بوجھ بھی نہ رہا اور حقوق سب کے سب رہے۔ یعنی اگر ایک غیر مسلم ذمی فوجی خدمت سے انکار نہ کرے (جو خود اسی کے وطن کی حفاظت کے لئے ہوگی) تو وہ اسلامی حکومت میں آزادی و حقوق کی ٹھیک ویسی ہی زندگی بسر کرے گا جیسی ایک مسلمان بسر کر سکتا ہے۔ لیکن مسلمان کی طرح اسے کوئی ٹیکس ادا نہیں کرنا پڑے گا۔

کیا اس طرز عمل کی کوئی دوسری نظیر تاریخ عالم سے پیش کی جا سکتی ہے؟

(و) جہاں تک غیر مسلموں کے مذہبی، معاشرتی، اور شہری حقوق کا تعلق ہے موسیو لیبان کا یہ قول کفایت کرتا ہے کہ "اسلامی حکومت کے ماتحت غیر مسلم ذمیوں کو وہ سب کچھ حاصل تھا جو کسی قوم کو حاصل ہو سکتا ہے البتہ صرف ایک بات کا حق نہ تھا یعنی وہ خلیفہ نہیں ہو سکتے تھے!"

حضرت عزیرؑ کی نسبت یہود یوں کا اعتقاد۔

(ز) آیت (۳۰) اور اس کے بعد کی آیتوں میں یہود و نصاریٰ کی اُن گمراہیوں کی طرف اشارہ کیا ہے جن میں پڑ کر وہ دین حق سے منحرف ہو گئے۔

یہاں یہودیوں کا یہ قول نقل کیا ہے کہ عزیر خدا کے بیٹے ہیں، تو اس سے مقصود یہودیوں کا عام اعتقاد نہیں ہے بلکہ صرف ان یہودیوں کا اعتقاد ہے جو یثرب میں آباد تھے۔ چنانچہ حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ سلام ابن مشکم النعمان ذی ابو انس شاش بن قیس اور مالک ابن صیف کے رؤسا یہود میں سے تھے، آنحضرت کے پاس آئے اور کہا ہم آپ کی کس طرح پیروی کر سکتے ہیں۔ جب کہ آپ نے ہمارا قبلہ ترک کر دیا اور عزیر کو ابن اللہ نہیں مانتے (ابن جریر)

عزیر سے مقصود عزرا کاہن بخت نصر کے حملہ بیت المقدس میں تورات کے تمام نسخے جل گئے تھے۔ اس لئے جب یہودی قید بابل سے چھوٹ کر واپس آئے۔ تو ان کے پاس تورات کا کوئی نسخہ نہ تھا، اور ان کی نئی نسل عبرانی زبان سے بھی ناآشنا ہو

حکم قتال کے ساتھ یہ بات بھی واضح کر دی کہ ان جماعتوں کو دعوت حق سے کیوں بغض ہوا اور کیوں ان کی دشمنی و عداوت سے منہ موڑ کر مسلمانوں کی ہلاکت و بربادی کے درپے ہو گئے؟ چنانچہ پہلے اہل کتاب کا نام نہیں لیا بلکہ ان کے چار سلبی وصف بیان کئے یعنی جن لوگوں کے اوصاف کا یہ حال ہے ان سے راستی عدالت اور باہمی عہد و قرار کی کوئی امید نہیں کی جا سکتی اور وہ پیمان حق کی عداوت سے کبھی باز آنے والے نہیں پس گمراہ سے جنگ کی جائے تو چارہ کار کیا رہا ہے؟

فرمایا، باوجود اہل کتاب ہونے کے اب ان کا حال یہ ہے کہ نہ تو اللہ پر ایمان باقی رہا ہے نہ آخرت پر زبان سے دعوی کرتے ہیں کہ ہم مومن ہیں لیکن ان کا ہر عمل اعلان کرتا ہے کہ مومن نہیں پھر اللہ اور اس کے رسول نے جو کچھ حرام کر دیا تھا، اب ان کے لئے حرام نہیں رہا کیونکہ اول تو ہوائے نفس سے جینے نکال کر کتنی ہی حرام چیزیں حلال کر لیں پھر حلت و حرمت کا حق بھی خدا و رسول کی جگہ اپنے فقیہوں اور پیشواؤں کے ہاتھ میں دے دیا۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ جس دین حق کی اتباع حضرت موسیٰ اور مسیح علیہما السلام نے تعلیم دی تھی اسے یکسر چھوڑ چکے ہیں۔

یہاں اہل کتاب کے ایمان کی اسطرح نفی کی ہے جس طرح سورۂ بقرہ میں کی ہے کہ ومن الناس من یقول آمنا باللہ وبالیوم الاخر وما ھم بمؤمنین (۸:۲)

حکم جزیہ

(ب) اس کے بعد فرمایا حتی یعطوا الجزیۃ عن ید وھم صاغرون یہاں تک کہ وہ اپنے ہاتھ اٹھا کر جزیہ دیدیں اور ان کا گھمنڈ ٹوٹ چکا ہو۔ یہ صرف عربی زبان میں، بلکہ تقریباً ہر زبان میں یہ محاورہ موجود ہے کہ کسی جبر کے خود اپنے ہاتھ سے دیدینا رضامندی سے دیتا ہوتا ہے مثلاً اردو میں کہینگے تم اپنے ہاتھ سے اٹھا کر جو دیدو گے ہم لے لینگے" یعنی اپنی خوشی سے جو کچھ دیدو وہی چھانے لے بہت ہے۔ ٹھیک یہی مطلب عربی میں بھی اس ترکیب کا ہوتا ہے۔ پس مطلب یہ ہوا کہ وہ اپنی خوشی سے جزیہ دینا منظور کر لیں اور ان کا گھمنڈ اور ظلم جس نے انسان کے امن و راحت کو خطرہ میں ڈالا دیا تھا، باقی نہ رہے[1]

(ج) عربی میں جزیہ، خراج کے معنی میں بھی بولا گیا ہے جو اراضی سے وصول کیا جاتا ہے اور ٹیکس کے لئے بھی جو اشخاص عائد ہوتا ہے ایران اور روم میں اس طرح کے ٹیکس لئے جاتے تھے اور عرب کے جن حصوں پر ان کی باج گزاری مستقر کر لی تھی، وہ اس طرح کے ٹیکسوں سے آشنا ہو گئے تھے۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ نجران (یمن) کے عیسائیوں کا جب وفد آیا، تو اس نے خود یہ بات پیش کی کہ ہم مسلمان تو نہیں ہوتے، لیکن اطاعت قبول کر لیتے ہیں۔ آپ ہم پر جزیہ مقرر کر دیں۔ غالباً یہ جزیہ لینے کا پہلا واقعہ ہے جو تاریخ اسلام میں پیش آیا۔ اس کے بعد بحرین کے یہودیوں اور مجوسیوں سے جزیہ لیا گیا۔

(د) یہاں جزیہ لینے کا جو حکم دیا گیا ہے، وہ اگرچہ یہودیوں اور عیسائیوں کے ذکر میں آیا ہے لیکن اصلاً حکم تمام غیر مسلموں کے لئے ہے جو اسلامی حکومت کے ماتحت رہنا منظور کر لیں۔ چنانچہ عہد اول سے لے کر آخر تک تمام اسلامی حکومتوں کا عمل اسی پر رہا۔ خود آنحضرت نے مجوسیوں سے جزیہ لیا تھا، صحابہ نے صابیوں سے لیا، اور خلفاء بنو امیہ و عباسیہ کا سندھ کے ہندوؤں اور بربروں پر سے لینا معلوم ہے۔

البتہ عرب کے غیر مسلموں کے بارے میں اختلاف ہوا، اور امام ابوحنیفہ اور قاضی ابو یوسف اس طرف گئے ہیں کہ ان سے جزیہ پر مصالحت نہیں ہو سکتی۔ لیکن اس بارے میں صحیح مذہب جمہور کا ہے یعنی عرب و عجم کی کوئی تفریق نہیں کیونکہ خود آنحضرت اور صحابہ کا عرب کے غیر مسلموں سے جزیہ لینا ایک مسلم واقعہ ہے۔

باقی رہے مشرکین عرب، تو ان کا سوال عملاً پیدا ہی نہیں ہوا۔ کیونکہ سورۂ برأت کے نزول کے بعد تمام مشرکین عرب مسلمان ہو چکے تھے، اور حکمت الٰہی کا فیصلہ یہی تھا کہ جاہلیت عرب کا شرک پھر یہاں سر نہ اٹھائے۔

---

[1] امام شافعی نے کتاب الام میں تصریح کی ہے: سمعت عددا من اھل العلم یقولون الصغار ان تجری علیھم حکم الاسلام یعنی میں نے متعدد اہل علم سے سنا ہے کہ وھم صاغرون کا مطلب یہ ہے۔ ان پر اسلامی حکومت کے قوانین جاری ہوں۔ یعنی وہ اسلامی حکومت کے قوانین کے آگے جھک جائیں۔ یہ خود جزیہ کا لفظ بھی ایران کی پیداوار ہے۔ یعنی فارسی لفظ "گزیت" سے معرب ہوا ہے اس بارے میں مولانا شبلی نعمانی نے جو کچھ لکھا ہے وہ زمانۂ حال کی نہایت قیمتی اسلامی تحقیقات میں سے ہے۔

خاصا قوم پرستی اور جہل و کوری کا دروازہ کھل گیا۔ کیونکہ جب اعتقاد و عمل کا دارومدار چند انسانوں کی رایوں پر آٹھہرا، اور دوسروں کو اس کا حق نہ رہا کہ اپنی عقل و بینش سے کام لیں، تو ظاہر ہے کہ عقل و بینش کی جگہ جہل و توہم ہی پھیلے گا، اور جو رواج کسی ٹھہرائے ہوئے پیشوا کی زبان سے نکل جائے گی لوگوں کے لئے دلیل و حجت کا کام دے گی۔

سادہ دل دینی پیشوا اچھے انسان ہونے کی جگہ بے پناہ دیوتا بن گئے۔ اور ان کی ساری باتوں نے تقدیس و پاکی کا جامہ پہن لیا۔ کیونکہ جب انہیں اپنے پیروؤں کے لئے حکم و تشریع کی خیر مشروط طاقت مل گئی، اور اپنے احکام و اعمال میں یک قلم غیر مسئول ہو گئے تو پھر نفس انسانی کی شرارتیں ان سے جو کچھ بھی کرائیں کم ہے۔

یورپ کے اس عہد کی تاریخ پر نظر ڈالو جسے مورخ ازمنہ وسطیٰ کے نام سے پکارتے ہیں بلکہ اس عہد کی بھی جو نشاۃ ثانیہ کے نام سے مشہور ہے تمہیں ان شائع کی ساری نظریں اور خیالیں قدم قدم پر ملنے لگیں گی۔ صرف پوپ کے منصب کی نسلاً بعد نسلٍ تاریخ ہی دیکھ لی جائے۔ اس کے لئے کفایت کرے گی۔

قرآن نے جس وقت یہ صدا بلند کی عیسائی دنیا طیار نہ تھی کہ اس کا جواب دیتی لیکن بآخر اس سے اعراض نہ کر سکی اس وقت تو قرآن کی اس دعوت حق کو عیسائیوں نے نہیں سمجھا، لیکن یہ تخم ریزی برگ و بار لائے بغیر نہیں رہ سکتی تھی عیسیٰ مرآتیوں میں جب یورپ کے عیسائیوں کو مسلمانوں سے ملنے اور اسلام کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملا، تو اس کے اثرات کام کرنے لگے اور بالآخر لوتھر نے اصلاح کنیسہ کی دعوت بلند کی۔ لوتھر اور کلیسا میں نباز نزاع یہ تھی کہ حق کا معیار کیا ہے؟ کتاب اللہ یا پوپ کا اجتہاد؟ اور خدا کی کتاب اس لئے ہے کہ پڑھی جائے اور سمجھی جائے، یا اس لئے کہ سب کچھ پوپ پر چھوڑ دیا جائے؟ نزاع کی ابتداء نجات کے مسئلے سے ہوئی تھی، یعنی نجات کا دارومدار ایمان پر ہے یا پوپ کی سند مغفرت پر؟ ظاہر ہے کہ یہ حرف اسی صدائے حق کی بازگشت تھی کہ اتخذوا احبارھم و رھبانھم اربابا من دون اللہ!

آج یہ واقعہ دنیا کے تاریخی حقائق میں سے سمجھا جاتا ہے کہ یورپ کی تمام ذہنی اور علمی ترقیوں کا دور اصلاح کنیسہ کی دعوت سے شروع ہوا۔ یہ سچ ہے لیکن اسی طرح یہ بھی سچ ہے کہ اصلاح کنیسہ کی بنیاد اس دن پڑی تھی جس دن اللہ کے رسول نے نجران کے بشپ کو یہ دعوت اصلاح دی تھی: یا اھل الکتب تعالوا الی کلمۃ سواء بیننا و بینکم الا نعبد الا اللہ و لا نشرک بہ شیئا، ولا یتخذ بعضنا بعضا اربابا من دون اللہ (۳: ۶۴) اور پھر اس دن جس سورۃ برأت کی یہ آیت نازل ہوئی تھی[1]۔

اگر چھٹی صدی عیسوی کے عیسائی جہل و تعصب نے اس دعوت سے انکار نہ کیا ہوتا، تو وہ تمام تاریک صدیاں ظہور میں نہ آتیں جن کی وحشت انگیز سرگزشتیں تاریخ کو قلمبند کرنی پڑیں۔ اور ازمنہ مظلمہ کے نام سے پکاری گئیں اور قہقہا یورپ کے علم غفلت کی تاریخ چودھویں صدی کی جگہ ساتویں صدی سے شروع ہو جاتی!

یہ سرگزشت تو عیسائی دنیا کی ہے جسے اس دعوت حق نے مخاطب کیا تھا، لیکن خود مسلمانوں کا کیا حال ہوا جنہیں اس دعوت کی تبلیغ سپرد کی گئی تھی؟ افسوس ہے کہ وہ خود بھی اس گمراہی سے بچ نہ سکے اور انہوں نے بھی تشریع دینی کا حق کتاب و سنت کی جگہ انسانوں کی رایوں کے حوالہ کر دیا۔ اعتقاداً نہیں عملاً، اور سوال یہاں عمل ہی کا ہے نہ کہ اعتقاد کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ تمام مفاسد ظہور میں آ گئے جن کا دروازہ قرآن نے بند کرنا چاہا تھا۔ اور سب سے بڑا فساد یہ پیدا ہوا کہ صدیوں سے ان کی عقلی ترقی یک قلم رک گئی اور تقلید نے علم و بصیرت کی راہوں سے انہیں دور کر دیا حتی کہ اب معاملہ یہاں تک پہنچ چکا ہے کہ ایک طرف مسلمانوں کی معاشرتی و اجتماعی زندگی مختل ہو رہی ہے کیونکہ اسکی ضرورتوں کے مطابق احکام فقہ نہیں ملتے اور شریعت کہ فقہ کے مذاہب مدونہ ہی میں منحصر سمجھ لیا گیا ہے۔ دوسری طرف تمام اسلامی حکومتوں نے قوانین شرع پر عملدرآمد ترک کر دیا ہے اور انکی جگہ یورپ کے دیوانی و فوجداری قوانین اختیار کر لئے ہیں۔ کیونکہ انہوں نے دیکھا کہ وہ تازہ فقہ وقت کے انتظامی و معاشرتی مقتضیات کا ساتھ نہیں دے سکتے۔ اور کوئی نہیں جو انہیں بتلائے کہ اللہ کی شریعت کا دامن اس

---

[1] لفظ پر پوپ کی طرف سے جو ارہم لگائے گئے تھے ان میں ایک الزام یہ بھی تھا کہ وہ اسلام کا پیرو ہو گیا ہے اور یہ کہ قرآن کے مطالعہ سے اس میں گمراہی پیدا ہوئی (اڈور وڈ ہسٹری آف دی ریفارم ۔ باب سوم)

گئی تھی۔ یہ حالت دیکھ کر حضرت عزرا نے کلدانی حروف میں اور ایسی عبرانی میں کلدانی زبان سے مخلوط تھی، از سر نو تورات کے صحائف لکھے اور یہی نسخہ اصلی نسخہ کا بدل سمجھا گیا۔ چونکہ حضرت عزرا نے از سر نو شریعت مرتب کی اور قید بابل کے بعد نئے دور کے بانی ہوئے، اس لئے یہودیوں میں ان کی شخصیت بہت ہی مقدس مانی گئی ہے۔ حتیٰ کہ موسیٰ کا ہم رتبہ اور شریعت کا دوسرا بانی کہا گیا۔ چنانچہ آج تک یہودیوں کا عام اعتقاد یہ ہے کہ اگر اس عہد میں لوگوں سے قصور نہ ہوا ہوتا۔ تو عزرا بھی وہ سارے معجزے دکھا دیتے جو حضرت موسیٰ نے دکھائے تھے[1]۔

جب یہودیوں کا ان کی نسبت عام اعتقاد یہ ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ یہود یثرب کا غلو موجب تعجب ہو۔ مگر (۳۱) اس کے بعد آیت (۲۳) میں اس گمراہی کی طرف اشارہ کیا ہے جو یہود و نصاریٰ کی تمام فکری و عملی گمراہیوں کا سرچشمہ تھی یعنی انہوں نے خدا کو چھوڑ کر اپنے علما و مشائخ کو پروردگار بنا لیا ہے"۔ پروردگار بنا لینے کا مطلب نہیں ہے کہ وہ انہیں رب العزت، الارض کہتے ہیں کیونکہ اس طرح تو کبھی کسی نے کسی کو رب نہیں بنایا۔ مطلب ہے کہ یہود والوں نے اپنے فقیہوں کو اور عیسائیوں نے اپنے یورپ اور اس کے مقرر کئے ہوئے پادریوں کو، دین کے بارے میں جو منصب دیدیا ہے اور وہ اپنے زاہدوں اور درویشوں کی نسبت جیسا کچھ اعتقاد رکھتے ہیں وہ فی الحقیقت انہیں مثل پروردگار کے بنا لینا ہے۔

فرح اتخاذ ربابا من دون اللہ

چنانچہ خود پیغمبر اسلام نے اس کا یہی مطلب قرار دیا۔ عدی بن حاتم طائی جو پہلے عیسائی تھے کہتے ہیں، آنحضرت نے جب برأۃ کی یہ آیت پڑھی تو میں نے عرض کیا ہم انہیں پوجتے تو نہیں" آپ نے کہا "کیا ایسا نہیں ہے کہ جس بات کو وہ حرام ٹھہرا دیتے ہیں تم حرام سمجھ لیتے ہو۔ جس بات کو حلال کر دیتے ہیں، حلال مان لیتے ہو"۔ عرض کیا "ہاں" فرمایا "یہی تو ہے پوجنا" (ترمذی و البیہقی فی السنن) اس سے معلوم ہوا کہ اپنے دینی پیشواؤں کو تشریع دینی کا حق دیدینا، یعنی اس بات کا حق دیدینا کہ وہ جو کچھ اپنی خواہش اور رائے سے ٹھہرا دیں، اس کی بلا چون وچرا تقلید و اطاعت کرنی چاہئے۔ قرآن کے نزدیک انہیں رب بنا لینا ہے۔ کیونکہ اس بات کا حق اللہ کے سوا اور اللہ کی وحی کے مبلغ کے سوا اور کسی کو نہیں۔ پس جب دوسروں کو بھی یہ حق دیدیا گیا، تو گویا وہ خدائی میں شریک کر لئے گئے۔

عیسائیوں میں ایک انسان بھی ایسا نہیں ہوا جس نے پوپ اور اس کے مقرر کئے ہوئے قادرز کو خدا سمجھا ہو، اور نہ یہودیوں نے کبھی اپنے رسول کو ایسا سمجھا۔ لیکن ان کے عمل کا یہی حال رہا۔ گویا حق و باطل، حلال و حرام، عذاب و ثواب اور جنت و دوزخ کی تقسیم کا سارا اختیار انہی کے قبضہ میں ہے۔ وہ جو حلال کر دیں حلال ہے۔ جو حرام کر دیں حرام ہے۔ جسے چاہیں بخشش کا پروانہ دیدیں جسے چاہیں محروم و مردود کر دیں۔ جنت کی کنجی بھی انہی کے ہاتھ میں ہے۔ دوزخ کا داروغہ بھی انہیں کے زیر حکم۔ وہ ایسے مقدس ہیں کہ کوئی بات ان کی غلط نہیں ہو سکتی۔ اور اللہ نے انہیں ایسا با اختیار کر دیا ہے کہ ان کے حکم سے کوئی بات باہر نہیں:

ما شئت الا ما شاءت الاقدار ۔ فاحکم فانت الواحد القہار!

اس گمراہی کا نتیجہ یہ نکلا کہ:-

اولاً خدا کی کتاب جو اس غرض سے نازل کی گئی تھی کہ لوگ اسے پڑھیں اور اس پر عمل کریں، یک قلم بے اثر و بیکار ہو گئی۔ کیونکہ اس کی جگہ انسانوں کی رایوں اور فیصلوں نے لے لی۔

ثانیاً، ہدایت کا مرکز عملاً خدا کا حکم نہ رہا۔ انسانوں کا حکم ہو گیا۔

ثالثاً دینی پیشواؤں کا ایک گروہ پیدا ہو گیا جو لوگوں کو اندھا بہرا بنا کر جس طرح چاہتا، اپنے اغراض کے لئے کام میں لاتا۔

رابعاً، انسان کی عقلی ترقی کی تمام راہیں بند ہو گئیں۔ کیونکہ جب لوگوں نے اپنی سمجھ بوجھ سے کام لینا چھوڑ دیا۔ اور اپنے بنائے ہوئے پیشواؤں کا حکم بلا دلیل ماننے لگے کہ یہی معنی تقلید کے ہیں، تو ظاہر ہے کہ پھر عقل کی نشوونما اور ترقی کے لئے کونسی راہ باقی رہ گئی؟

---

[1] جیوش انسائیکلوپیڈیا۔ اسم عزرا۔ انسائیکلوپیڈیا برٹینیکا میں بھی وہ مقالہ دیکھنا چاہئے جو عزرا کے حالات پر ہے۔

ثواب کمایا جائے کی چیز ہے اور پھر جو بہ نیت ثواب سننا چاہئے اسے معاوضہ لے کر سنانے لگے۔ چنانچہ علماء یہود نے تورات خوانی کو پیشہ بنا لیا تھا اور رومن کیتھولک چرچ کے راہب آج تک ایک ایک گھر میں جا کر انجیل سناتے اور اس کی قیمت وصول کرتے ہیں۔

(۷) عوام میں یہ اعتقاد پیدا کر دیا کہ نجات کا سررشتہ انہی کے ہاتھ میں ہے جسے چاہیں بخش دیں جسے چاہیں نہ بخشیں اور پھر اس غرض سے اعتراف گناہ (confession) کا طریقہ رائج کیا یعنی ہر عیسائی کے لئے ضروری ہو گیا کہ کسی پادری کے سامنے جو اس غرض سے مقرر ہو اپنے گناہوں کا اقرار کرے اور وہ اسے مسیح کے نام پر بخش دے۔ اصلاح کے بعد سے کلیسا یعنی پروٹسٹنٹ نے اس سے انکار کر دیا لیکن کیتھولک کلیسا کے معتقدین میں آج تک رائج ہے۔

(۸) اس سے بھی بڑھ کر جلب زر کا یہ طریقہ نکالا گیا کہ مغفرت کے پروانے زود بخت کے جانے لگے یعنی جو شخص ایک خاص مقررہ قیمت ادا کر دیتا، اسے نجات کا متعدد پروانہ مل جاتا، اور اس پروانہ کے حصول کا مطلب سمجھا جاتا تھا کہ اب کتنے ہی معاصی و جرائم کئے جائیں آسمان میں کوئی پرسش نہ ہوگی مورخین نے تصریح کی ہے کہ اس تجارت کو اس قدر فروغ ہوا تھا کہ کاروباری آدمیوں نے یورپ سے اس کی زود بخت کا ٹھیکہ لینا شروع کر دیا تھا۔

لوتھر کے دل میں سب سے پہلے اسی معاملہ نے خلش پیدا کی تھی۔

(۹) طرح طرح کے تبرکات اور آثار بنائے گئے اور عوام کے دلوں میں اعتقاد پیدا کر دیا تھا کہ جس کسی نے ان کی زیارت کر لی یا انہیں چھو لیا، اسے دین و دنیا کی ساری برکتیں مل گئیں۔ مثلاً لکڑی کا کوئی ٹکڑا جس کی نسبت یقین دلایا جاتا تھا کہ یہ اسی صلیب کا ہے جس پر حضرت مسیح کو سولی دی گئی تھی، یا کسی سینٹ کا ناخن، یا کوئی کپڑا، یا تسبیح۔ لوگ ان کی زیارت کرتے اور مقررہ نذریں ادا کرتے۔ ان تبرکات پر بیکل بھی تعمیر کئے جاتے تھے جو آج تک موجود ہیں بڑھا کہ حج و زیارت کا مرکز یہی مقامات بن گئے، اور ایک نیا کی دولت وہاں سمٹ آئی

(۱۰) اکل اموال بالباطل کا ایک بڑا ذریعہ مقابر و مشاہد کی مجاوری بھی ہوئی۔ چنانچہ عیسائیوں میں یہ معاملہ اس قدر بڑھا کہ حج و زیارت کا مرکز یہی مقامات بن گئے، اور ایک نیا کی دولت وہاں سمٹ آئی

(۱۱) چونکہ دین میں اخلاص باقی نہیں رہا تھا، اس لئے جب کبھی دیکھا کہ شریعت کا کوئی حکم ان کی دنیا پرستیوں میں روک ہے تو فوراً کوئی نہ کوئی شرعی حیلہ نکال لیتے۔ قرآن نے اصحاب سبت کے حیلہ کا ذکر کیا ہے (۷ : ۱۶۳) اور اس طرف بھی اشارہ کیا ہے کہ انہیں سود کے لین دین سے روکا گیا تھا، مگر وہ بلا تامل کھانے لگے (۴ : ۱۶۱) اس باب میں تورات کا حکم کیا تھا، اور علمائے یہود نے کس طرح یکے بعد دیگرے حیلے نکالے اس کی تشریح البیان میں ملے گی۔

(۱۲) جو مر جائے اسے ثواب پہنچانے اور اس کے گناہوں کا کفارہ دلانے کے لئے مقررہ قسمیں وصول کرتے اور اس غرض سے طرح طرح کی رسمیں رائج کر دی تھیں۔ چنانچہ یہودیوں اور کیتھولک بیماریوں میں آج تک رائج ہیں۔

(۱۳) سب سے آخر مگر سب سے اول یہ کہ دین کی ساری باتوں کو بک قلم دکانداری اور پیشہ بنا لیا تھا۔ اور ان کی پوری زندگی ہر معنی میں دکانداری کی زندگی ہو گئی تھی۔ عالم اور درویش ہونے کے معنی ہی یہ ہو گئے کہ دین اور خدا کے نام سے پیشہ کی روٹی کھانے والے۔ علم دین کا پڑھنا، پڑھانا، مسائل دین کی تعلیم، فتویٰ نویسی، ہدایت و وعظ، تلاوت و ذکر، کوئی کام ایسا نہ تھا جو بغیر دنیوی معاوضہ کے کیا جاتا ہو۔

قرآن نے مسلمانوں کو مخاطب کر کے ان کی اس گمراہی کی طرف اس لئے اشارہ کیا تاکہ واضح ہو جائے، ان کا ایمان سے محروم ہو جانا، اور دین حق کا متلاشی ترک کر دینا دراصل ان کے علماء و مشائخ کی ان گمراہیوں اور دنیا پرستیوں کا نتیجہ تھا۔

لیکن آج مسلمان اور مسلمانوں کے علماء و مشائخ اپنی حالت پر نظر ڈالیں اور غور کریں کہ کیا وہ بھی ٹھیک ٹھیک احبار و رہبان کے قدم بہ قدم نہیں چل رہے ہیں؟ اور کیا اکل اموال بالباطل کی یہ تمام صورتیں کسی نہ کسی شکل میں یہاں بھی کام نہیں کر رہی ہیں؟ حضرت شاہ ولی اللہ نے اب سے دو سو برس پہلے قول الکبیر میں لکھا تھا کہ اگر احبار یہود کی حالت دیکھنی چاہتے ہو تو آج کل کے علماء کو دیکھ لو۔ اور اگر عیسائیوں کے رہبان کا نقشہ کھینچنا چاہتے ہو تو آج کل کے مشائخ کے سامنے بیٹھ کر کھینچ لو۔

قرآن نے اس آیت میں یہ بات تمام احبار و رہبان کی طرف منسوب نہیں کی ہے بلکہ اکثر کی طرف منسوب کی ہے اور

نقص سے پاک ہے، اور اگر وہ کتاب وسنت کی طرف رجوع کرتے تو انہیں اس زمانے کے لئے بھی ویسے ہی صحیح واوفق قوانین ملجاتے جس طرح پچھلے عہدوں کے لئے مل چکے ہیں۔ فیاللہ وللمسلمین من ھذہ الفاقرۃ التی ما اعظم تفاقر الدین۔ والرزیۃ التی ما اذی بمثلھا سبیل المومنین!

اکل اموال بالباطل

(ط) چونکہ پچھلی آیت میں احبار ورہبان کا ذکر کیا گیا تھا، اس لئے آیت (۳۴) خصوصیت کے ساتھ مسلمانوں کو مخاطب کرکے ان کی حالت بیان فرمائی ہے، تاکہ اس سے نصیحت پکڑیں۔

قرآن نے یہاں اور متعدد مقامات میں یہود ونصاریٰ کے علماء ومشائخ کی ایک بہت بڑی گمراہی یہ بتلائی ہے کہ ناجائز طریقہ پر لوگوں کا مال کھا لیتے ہیں بے باک ہوگئے ہیں۔ اس لئے ضروری ہے کہ ٹھیک طور پر سمجھ لیا جائے اس سے مقصود کیا ہے؟ یہ مقصود تو ہو نہیں سکتا کہ وہ لوگوں کے مال پر علانیہ ڈاکے ڈالتے تھے۔ ضرور کوئی ایسی ہی بات ہوگی جو ان کی روزانہ زندگی کے اعمال ہوگئی تھی، اور جس کا نتیجہ اکل اموال بالباطل تھا۔

یہودیوں اور عیسائیوں کے مذہبی حلقوں اور اداروں کی تاریخ اب مضبوط ہوچکی ہے اس پر نظر ڈالی جائے تو بے شمار باتیں سامنے آئیں گی۔ لیکن خصوصیت کے ساتھ حسب ذیل امور قابل غور ہیں:

(۱) بادشاہوں اور امیروں کی مطلب براریوں کے لئے حلال کو حرام، حرام کو حلال بنا دینے اور اس کے فتوی دیکر انعام واکرام لینے۔ حلال کو حرام اور حرام کو حلال بنا دینے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ شریعت کے کسی حکم سے انکار کر دیتے تھے، بلکہ یہ ہے کہ اس کے حکموں کو توڑ مروڑ کر یا طرح طرح کے حیلے بہانے نکال کر ایسی صورتیں نکال لیتے کہ امیروں کی مولائے نفس پوری ہو جائے مثلاً کوئی ایسا اپنے کسی دشمن سے انتقام لینا چاہتا ہے تو یہ اس کے کفر کا فتوی طیار کرکے دیدیتے کہ شرعاً اسے قتل کرنا جائز ہے۔ بیوی سے نجات حاصل کرنی چاہتا، تو فتوی دیدیتے کہ نکاح قائم نہیں رہا۔ اگر کسی روپیہ والے سے کوئی ایسی بات ہوجاتی جس کی شرع میں تعزیر ہے اور وہ روپیہ دے کر بچنا چاہتا، تو مسئلہ کی کوئی ایسی صورت نکال کے بتا دیتے کہ تعزیر ساقط ہوجاتی۔

بادشاہوں اور امیروں کے نکاح وطلاق کے بارے میں پوپ اور کارڈینلوں کی دین فروشیاں تاریخ پوپ کے ایسے مشہور واقعات ہیں کہ محتاج بیان نہیں۔

(۲) ناجائز طریقہ پر مال کھانے کی ایسی صورتیں نکالتے کہ مثلاً فلاں جماعت کا فرد اور مذہبی پیشوا کی جماعت ہے، ان کا مال دھوکے فریب سے بھی کھا لیا جائے تو کوئی مضائقہ نہیں، بلکہ ثواب ہے۔ چنانچہ علمائے یہود کا مشرکین عرب کی نسبت یہی فتوی تھا۔ سورۂ آل عمران میں گذر چکا ہے: ذلک بانھم قالوا لیس علینا فی الامیین سبیل (۳: ۷۵)

(۳) معاملات وقضایا میں رشوت لے کر فیصلے کرتے۔

قرون وسطی میں پوپ سے لیکر کسی گاؤں کے ایک یاوری تک جس طرح بات بات میں رشوتیں لیا کرتے تھے، تاریخ کے مسلمات میں سے ہے۔

(۴) راہبوں میں سے جو شخص زیادہ شہرت حاصل کر لیتا، لوگ سمجھتے، اسے روحانی تسلط وتصرف کا مقام حاصل ہوگیا ہے اور وہ جو چاہے کر سکتا ہے۔ پس ہر طرح کی حاجتیں لے کر اس کے پاس آتے، اور وہ ان سے طرح طرح کی نذریں لے کر انہیں یقین دلا دیتا کہ تمہاری حاجت روائی کا سامان ہوگیا۔

(۵) تمام مذہبی اعمال ورسوم کے لئے باقاعدہ قیمتیں مقرر کر دی تھیں، اور اس غرض سے کہ آمدنی کے وسائل زیادہ سے زیادہ بڑھیں، ہمیشہ نئی نئی رسمیں اور نئی نئی ترکیبیں نکالتے رہتے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ مذہبی زندگی کے تمام اعمال خرید وفروخت کا معاملہ بن گئے۔ کوئی نماز پڑھے تو اس کے لئے کچھ نہ کچھ خرچ کرے، روزہ رکھے تو اس کے لئے نذرانہ نکالے، شادی غمی ہوجائے تو اس کے لئے فیس مقرر، وعظ ونصیحت کی محفل کرنی چاہتے تو اس کے لئے باقاعدہ رقوم۔ حتی کہ کوئی خدا سے دعا بھی نہیں کرا سکتا جب تک کہ اس کا مقررہ نذرانہ ادا نہ کرے!

(۶) کتاب اللہ کے علم وتعلم کو صرف اپنے ہی طبقہ کے لئے مخصوص کر لیا کہ یہ عوام کے سمجھنے کی چیز نہیں۔ صرف تبرکاً سن کر

کسی متمدن شہر میں رہتا ہو خواہ مخواہ میں معلوم کر سکتا ہے کہ کب مہینہ ختم ہوا اور کب شروع ہوا۔ اس کے لئے نہ تو علم ہیئت کی حساب دانیوں کی ضرورت ہے، نہ تقویم کی جدولوں کی۔ علاوہ بریں موسموں اور طلوع و غروب کے وقتوں کی جو تبدیلیاں قدرتی طور پر ہوتی رہتی ہیں وہ سب اس حساب میں پیش آتی رہتی ہیں۔ مثلاً رمضان اور حج کا مہینہ ہمیشہ گردش میں رہتا ہے کبھی کسی موسم میں آتا ہے کبھی کسی موسم میں، اور اس طرح ہر انسانی کو اپنی زندگی میں پورا موقعہ مل جاتا ہے کہ یہ اعمال ہر طرح کے موسموں اور ان کے تاثرات کے ساتھ انجام دے جس میں بے شمار مصلحتیں ہیں اور یہ موقعہ تفصیل کا نہیں۔

مصارف زکوٰۃ۔

(۱۷) آیت (۶۰) مصارف زکوٰۃ کے باب میں اصل ہے اور ضروری ہے کہ بعض مہمات واضح ہو جائیں۔

(۱) ہم نے ترجمہ میں "فقرا" اور "مساکین" کے لئے دوسرے الفاظ اختیار نہیں کئے۔ کیونکہ عربی میں "فقر" اور "مسکنت" سے مقصود احتیاج کی دو مختلف حالتیں ہیں، اور ضروری ہے کہ ان کی نفسی نوعیت بجنسہ قائم رکھی جائے۔

فقیر اور مسکین

"فقیر" اور "مسکین" دونوں سے مقصود ایسے لوگ ہیں جو محتاج ہوں، لیکن "فقر" عام ہے اور "مسکنت" کی حالت خاص ہے۔ "فقیر" اُسے کہیں گے جس کے پاس ضروریات زندگی کے لئے کچھ بھی نہیں۔ لیکن "مسکین" وہ ہے جس کی احتیاج ابھی اس آخری درجہ تک تو نہیں پہنچی ہے مگر پہنچ جائے گی۔ اگر خبر گیری نہ کی جائے۔ مثلاً سوسائٹی کے ایسے افراد جو مختلف اسباب سے مفلس ہو گئے ہیں، یا وسائل معیشت کا اہتمام نہیں کر سکتے۔ ان کے جسم پر اُجلے کپڑے ابھی باقی ہیں گھر میں تھوڑا بہت سامان بھی نکل آئے ممکن ہے دو چار روپے بھی جیب میں موجود ہوں۔ اگر انہیں آج کھانا نہ ملے تو بھوکے نہیں رہیں گے کل نہ ملے تو برتن بیچ لیں گے، پرسوں نہ ملے تو کپڑے فروخت کر ڈالیں گے۔ لیکن پھر اس کے بعد؟ تو کوئی وسیلہ معاش سامنے نہیں دیکھتے۔

"فقیر" اور "مسکین" میں اس لحاظ سے بھی فرق ہے کہ فقیر کو سوال کرنے میں عار نہیں ہوتا لیکن "مسکین" کو اس کی خودداری اور عفت نفس طلب و الحاح کی اجازت نہیں دیتی صحیحین کی ایک حدیث میں خود آنحضرت نے "مسکین" کی یہ تعریف کی ہے کہ (الذی لا یجد غنی یغنیہ) ولا یفطن فیتصدق علیہ" ولا یقوم فیسال الناس۔ جسے ایسے وسائل میسر نہیں کہ تونگر کر دیں، جس کا فاقہ ظاہر نہیں کہ لوگ خیرات دیں، جو خود سوال کے لئے کھڑا نہیں ہوتا کہ لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلائے۔ اور پھر اسی حدیث میں سورۂ بقرہ کی آیت (۲۷۳) کی طرف اشارہ فرمایا کہ یحسبہم الجاہل اغنیاء من التعفف۔ تعرفہم بسیماہم۔ لا یسئلون الناس الحافا۔ ان کی خودداری کا یہ حال ہے کہ ناواقف خیال کرے یہ تو تونگر ہیں۔ تم انہیں ان کے چہروں سے پہچان لے سکتے ہو، مگر وہ لوگوں کے پیچھے پڑ کر کبھی سوال نہیں کرتے۔

بلاشبہ ایسے علماء دین جو سورۂ بقرہ کی آیت متذکرہ صدر کے مصداق ہوں کہ الذین احصروا فی سبیل اللہ لا یستطیعون ضربا فی الارض (۲: ۲۷۳) یعنی دین کی تعلیم و خدمت کے لئے وقف ہو گئے ہوں اور فکر معیشت کے لئے وقت نہ نکال سکیں "مساکین" میں داخل ہیں بشرطیکہ انہوں نے تعلیم دین کو حصول لقمہ کا پیشہ نہ بنا لیا ہو، یا ضرورت سے زیادہ نہ لیتے ہوں۔ اور کسی حال میں خود وسائل و سامی نہ ہوتے ہوں۔ نیز وہ تمام افراد جو ان کی طرح خدمت دین و ملت کے لئے وقف ہو جائیں، اور معیشت کا کوئی سامان نہ رکھتے ہوں۔

قوم کے تمام ایسے افراد جن پر وسائل معیشت کی تنگی کی وجہ سے معیشت کے دروازے بند ہو رہے ہیں، اور اگرچہ وہ خود پوری طرح سامی ہیں لیکن نہ تو نوکری ہی ملتی ہے، نہ کوئی اور راہ معیشت نکلتی ہے یقیناً "مساکین" میں داخل ہیں اور اس مد کے اولین مستحق ہیں لیکن اس کا انتظام اس طرح ہونا چاہیے کہ ان کی خبر گیری بھی ہو جائے اور ساتھ ہی ان میں بیکاری کی عادت اور اپاہج پنا بھی پیدا نہ ہو، یہ بات نہ مرت ان کی اعانت میں، بلکہ تمام مستحقین کی اعانت میں ملحوظ رہنی چاہیے۔

ایسے افراد جو خوشحال تھے، لیکن کاروبار کی خرابی کی وجہ سے یا کسی اور ناگہانی مصیبت کی وجہ سے مفلس ہو گئے ہیں اگرچہ اپنی پچھلی حیثیت کی بنا پر معزز سمجھے جاتے ہوں، مگر "مساکین" میں داخل ہیں اور ضروری ہے کہ اس مد سے ان کی بھی خبر گیری کی جائے۔

(۲) ان مصارف کے بیان سے مقصود یہ ہے کہ زکوٰۃ کی ہر رقم ان سب میں وجوباً تقسیم کی جائے، یا یہ ہے کہ خرچ انہی میں

اس طرح کے مواقع میں اس کا عام انداز یہی ہے۔ مثلاً اہل کتاب ہی کی نسبت دوسری جگہ فرمایا ہے۔ وان اکثرکم فاسقون (۵: ۶۲) تم میں سے اکثر فاسق ہیں۔ یہ نہیں کہا کہ تم سب فاسق ہو۔ کیونکہ اگر ایسا کہا جاتا تو گو اس اعتبار سے حق ہوتا کہ اکثریت کا حکم کل ہی کا ہوتا ہے لیکن پھر بھی حقیقت حال کی پوری تعبیر نہ ہوتی، اور یہ مطلب نکالا جا سکتا کہ یہودیوں اور عیسائیوں کا ایک ایک فرد بلا استثنا، اسی طرح کا ہو گیا ہے۔ حالانکہ ان میں خال خال ایماندار اور مخلص افراد بھی موجود تھے۔ یہ بات نہ تھی کہ پوری امت میں ایک فرد بھی نیک راہ پر نہ رہا ہو۔

نسی کی حقیقت

(ی) آیت (۳۶) میں "نسی" سے مقصود کیا ہے؟ اسے خود قرآن نے بتلا دیا ہے، اور صحابۂ کرام نے مزید تشریح کر دی لیکن بعد کو مفسروں کی کاوشوں نے اور خصوصاً علماء ہیئت کی دقیقہ سنجیوں نے اسے ایک پیچیدہ سوال بنا دیا۔ غالباً ابو معشر فلکی پہلا شخص ہے جس کا خیال اس طرف گیا کہ یہ کبیسہ کا معاملہ تھا۔ پھر اوریحان بیرونی نے بھی اسی کی پیروی کی۔ گذشتہ صدی کے بعض مستشرقین یورپ کو بھی اس مسئلہ پر بحث خصوصیت کے ساتھ توجہ ہوئی کیونکہ انہوں نے خیال کیا، اس سے عرب جاہلیت کی تقویمی معلومات پر روشنی پڑے گی۔ چنانچہ پوکاک دی ساسی، گاسین دی پرسیول، اسپرنگر، ول ہاسن وغیرہم نے اس پر لمبے لمبے طویل بحثیں کی ہیں اور زمانہ حال کا ایک اطالوی مستشرق پرنس کائتانی بھی اپنی زیر تصنیف تاریخ اسلام کی پہلی جلد میں اس پر بحث کر چکا ہے۔ مستشرقین ہی کی صف میں محمود پاشا فلکی کو بھی شمار کرنا چاہیے جس نے کبیسہ کا نظریہ تسلیم کر کے یہ کوشش کی کہ اس عہد کے شمسی مہینوں کی تقویمی حالت مضبوط کی جائے

لیکن حق یہ ہے کہ اس نظریہ کے لئے کوئی تاریخی بنیاد موجود نہیں، اور صاف بات وہی معلوم ہوتی ہے جس کی طرف خود قرآن نے اشارہ کر دیا ہے اور آثار صحابہ میں اس کی تفصیل موجود ہے۔

عرب میں حضرت اسماعیل کے زمانہ سے یہ بات چلی آتی تھی کہ سال کے چار مہینے امن کے مہینے ہیں ان میں لڑائی نہیں ہونی چاہیئے۔ رجب، ذوالقعدہ، ذوالحجہ، محرم۔ اسی لئے انہیں اشہر الحرام کہتے تھے۔ یعنی حرمت کے مہینے۔ یہ قمری مہینوں کے حساب سے کہ قدرتی حساب ہے حج کا مہینہ بھی متعین تھا، اور وہ اسی نام سے پکارا جاتا تھا یعنی ذی الحجہ۔ اسی مہینے کی آٹھویں، نویں، دسویں حج کے اعمال و رسوم کے دن سمجھے جاتے تھے۔

ایک مدت تک یہ بات اسی طرح قائم رہی، لیکن پھر لوگوں پر اس حکم کی پابندی شاق گزرنے لگی۔ اول تو اس لئے کہ قمری مہینوں کے حساب کی وجہ سے حج کا زمانہ ہمیشہ ایک ہی موسم میں نہیں آتا بدلتا رہتا۔ اور اسی وجہ سے قریش کے سفر تجارت میں خلل پڑتا۔ ثانیاً امن کے مہینوں کا معاملہ بھی ان کے جنگ جویانہ مقاصد کے خلاف واقع ہوا تھا ایک قبیلہ کو دوسرے قبیلہ سے کتنی ہی عداوت ہو اور انتقام کا کتنا ہی موزوں موقعہ سامنے دیکھے لیکن اسکی جرأت نہیں کر سکتا تھا کہ ان مہینوں کی بے حرمتی کر کے اعلان جنگ کر دے۔ چونکہ عرب جاہلیت کی طبیعتوں کے لئے نہ تو دینی قیود تھے نہ عملی حدود اس لئے مطلب براری کا ایک ڈھنگ نکال لینے میں انہیں کوئی دقت پیش نہیں آئی۔ وہ ڈھنگ یہ تھا کہ امن کے مہینوں کا معاملہ ان کے قدرتی حساب پر موقوف نہیں رکھا بلکہ اس کے لئے ایک خود ساختہ اعلان ضروری ٹھہرا دیا جو حج کے موقعہ کے کیا جاتا تھا۔ اس اعلان کے ذریعہ جب ضرورت امن کے مہینے پیچھے ڈال دیتے، یا حج کا مہینہ موخر کر دیتے۔ مثلاً محرم امن کا مہینہ تھا۔ اعلان کر دیا جاتا کہ اس سال محرم صفر میں واقع ہوگا۔ نتیجہ یہ نکلتا کہ محرم کا حقیقی مہینہ جنگ معدوم ہو جاتا اور اس میں لڑائی شروع ہو جاتی۔ پھر جب یہ فرق بہت دور تک پہنچ جاتا تو اسے لوٹانا شروع کر دیتے یہاں تک کہ اصلی مہینوں کی ترتیب پھر قائم ہو جاتی۔

چونکہ یہ طریقہ سراسر جہل و فساد پر مبنی تھا، اور اس کی وجہ سے نہ تو تقویم کا کوئی معیار باقی رہا تھا، نہ امن و جنگ کے ایام کا۔ اس لئے ضروری تھا کہ اس کا قطعاً انسداد کر دیا جائے، اور حج کے لئے ایک معین اور قطعی زمانہ مقرر ہو جائے اگر فی الحقیقت اس معاملہ کی بنیاد کسی حسابی قاعدہ پر ہوتی، تو کوئی وجہ نہ تھی کہ قرآن اسے زیادۃ فی الکفر سے تعبیر کرتا۔ اسلام کا جب ظہور ہوا۔ تو عرب میں قمری مہینوں کا حساب رائج تھا۔ اس نے بھی اپنے اعمال و عبادات کے لئے اسی حساب پر اعتماد کیا۔ کیونکہ انسان کے لئے مہینوں کا قدرتی حساب یہی ہے۔ چاند چھپتا ہے اور پھر نکلتا ہے اور ہر شخص خواہ

(۶) پھر اس باب میں ہمکا ایک دوسری خصوصیت بھی ہے یعنی وہ ملت جو نہ صرف زکوٰۃ کے لئے بلکہ تمام صدقات و خیرات کے لئے قرار دی گئی، اور جس کی وجہ سے اس سماج نے بالکل ایک دوسری ہی نوعیت اختیار کر لی،

کی لا یکون دولۃ بین الاغنیاء منکم۔ تاکہ ایسا نہ ہو، مال و دولت صرف دولت مندوں کے گروہ ہی میں محصور ہو کر رہ جائے۔ (۷:۵۹)

یعنی زکوٰۃ کا مقصد یہ ہے کہ دولت سب میں پھیلے۔ سب میں بٹے۔ کسی ایک گروہ ہی کی ٹھیکہ داری نہ ہو جائے اور اسی سورت کی آیت (۳۴) میں گزر چکا ہے: والذین یکنزون الذھب والفضۃ ولا ینفقونھا فی سبیل اللہ، فبشرھم بعذاب الیم۔ جو لوگ چاندی سونا خزانہ بنا کر رکھتے ہیں اور اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے ان کے لئے اگر کوئی بشارت ہو سکتی ہے تو یہی کہ عذاب دردناک کی بشارت دے دو! اور حدیث بعثہ معاذ الی الیمن میں زکوٰۃ کا مقصد یہ فرمایا کہ،

توخذ من اغنیائھم فترد فی فقرائھم۔ ان کے دولت مندوں سے وصول کی جائے اور پھر ان کے محتاج افراد میں لوٹائی جائے۔ (رواہ الجماعۃ)

قرآن اور احتکار و اکتناز۔

ان تصریحات سے معلوم ہوا کہ قرآن کی روح، دولت کے احتکار و اختصاص کے خلاف ہے۔ یعنی وہ نہیں چاہتا کہ دولت کسی ایک گروہ کی ٹھیکہ داری میں آجائے، یا سوسائٹی میں کوئی ایسا طبقہ پیدا ہو جائے جو دولت کو خزانہ بنا بنا کر جمع کرے۔ بلکہ وہ چاہتا ہے دولت ہمیشہ سیر و گردش میں رہے، اور زیادہ سے زیادہ تمام افراد قوم میں پھیلے اور منتقم ہو۔ یہی وجہ ہے کہ اس نے ورثہ کے لئے تقسیم و اسہام کا قانون نافذ کر دیا، اور اقوام عالم کے عام قوانین کی طرح نہیں کیا کہ خاندان کے ایک ہی فرد کے قبضہ میں رہے۔ جونہی ایک شخص کی آنکھیں بند ہوئیں اس کی دولت جو اس وقت تک انتہا ایک جگہ میں تھی، اب دارثوں میں بٹ کر کئی جگہوں میں پھیل جائے گی۔ اور پھر ان میں سے ہر وارث کے وارث ہوں گے اور اسے بانٹتے اور پھیلاتے رہیں گے

اور پھر یہی وجہ ہے کہ اس نے سود کا لین دین حرام کر دیا، اور قاعدہ یہ ٹھہرایا کہ یمحق اللہ الربوا ویربی الصدقات (۲:۲۷۶) اللہ سود کا جذبہ گھٹانا چاہتا ہے، خیرات کا جذبہ بڑھانا چاہتا ہے یعنی یہ دونوں باتیں ایک دوسرے کے مقابل ہوئیں جس قوم میں سود کا جذبہ ابھرے گا، اس کے غالب افراد شقاوت و محرومی میں مبتلا رہیں گے۔ جس قوم میں خیرات کا جذبہ ابھرے گا، اس کا کوئی فرد محتاج و مفلس نہیں رہے گا۔

اور اسی لئے اس نے سود کے معاملہ کو اتنی اہمیت دی کہ فرمایا، جو لوگ اس پر مصر رہیں گے، وہ اللہ اور اس کے رسول کے خلاف اعلان جنگ کریں گے۔ فاذنوا بحرب من اللہ و رسولہ (۲:۲۷۹) کیونکہ اس معاملہ پر جماعت کی بنیادی فلاح موقوف تھی، اور ضروری تھا کہ اسے ایمان و اعتقاد کا معیار قرار دیا جاتا۔

اور یہی وجہ ہے کہ سورۂ بقرہ میں انفاق کا حکم دینے کے بعد متصلا فرمایا: یؤتی الحکمۃ من یشاء ومن یؤت الحکمۃ فقد اوتی خیرا کثیرا۔ وما یذکر الا اولوا الالباب (۲:۲۶۹) یعنی یہ بات کہ اپنی کمائی کا ایک حصہ دوسرے افراد جماعت کو دیدیا۔ کھونا نہیں ہے۔ پانا ہے، بہت دقیق بات ہے۔ اسے وہی لوگ سمجھ سکتے ہیں جو صاحب حکمت ہیں، اور جس کسی نے حکمت کی دولت پائی، تو اس نے بڑی سے بھلائی پائی۔ وما یذکر الا اولوا الالباب[1]!

(۷) قرآن و سنہ کی تعلیمات اور صحابۂ کرام کی عملی زندگی کے مطالعہ کے بعد مجھے اس حقیقت کا پورا اذعان ہو گیا ہے کہ اسلام کے بنائے ہوئے اجتماعی نقشہ میں دولت اور وسائل دولت کے احتکار اور اکتناز کے لئے کوئی جگہ نہیں

---

[1] قرآن نے زکوٰۃ و صدقات کے باب میں جو کچھ کہا ہے، اس کے معارف و دقائق بے شمار ہیں اور بدقسمتی سے مفسرین دوسری گوشوں میں نکل گئے۔ یہاں تفصیل کی نہیں اتنی باتیں بھی بلا قصد ذہن سے نکل گئیں اور پھر طبیعت نے گوارا نہیں کیا کہ ظلمہ کر دی جائیں تفصیل کے لئے البیان کا انتظار کرنا چاہئے۔ سورۂ توبہ کی آیت والذین یکنزون الذھب والفضۃ کی تفسیر (بقیہ ۱۳۲)

کیا جا سکتی ہے جس مصرف میں خرچ کرنا فرض ہو اسی میں خرچ کی جائے؟ تو اس بارے میں فقہاء نے اختلاف کیا۔ لیکن جمہور کا مذہب یہی ہے کہ تمام مصارف میں یہ یک وقت تقسیم کرنا ضروری نہیں جس وقت جیسی حالت اور جیسی ضرورت ہو اسی کے مطابق خرچ کرنا چاہئے اور یہی مذہب قرآن و سنت کی تصریحات اور روح کے مطابق ہے ائمہ اربعہ میں صرف امام شافعی اس کے خلاف گئے ہیں۔

(۳) یہ آٹھ مصارف جس ترتیب سے بیان کئے ہیں اگر غور کروگے تو معلوم ہو جائے گا کہ معاملہ کی قدرتی ترتیب یہی ہے سب سے پہلے ان دو گروہوں کا ذکر کیا جو استحقاق میں سب سے زیادہ مقدم ہیں کیونکہ زکوٰۃ کا اولین مقصود انہی کی اعانت ہے یعنی فقراء اور مساکین پھر اس گروہ کا ذکر کیا جس کی موجودگی کے بغیر زکوٰۃ کا نظام قائم نہیں رہ سکتا اور اس اعتبار سے اس کا تقدم ظاہر ہے لیکن چونکہ اس کا استحقاق بالذات نہیں تھا اس لئے اولین جگہ نہیں دی جا سکتی پس دوسری جگہ پائی۔ العاملین علیہا۔ پھر المؤلفۃ قلوبھم کا درجہ ہوا کہ ان کا دل ہاتھ میں لینا ایمان کی تقویت اور حق کی اشاعت کے لئے ضروری تھا۔ پھر غلاموں کو آزاد کرانے اور قرضداروں کو بار قرض سے سبکدوش کرانے کے مقاصد نمایاں ہوئے، جو نسبتاً موقت اور محدود تھے پھر فی سبیل اللہ کا مقصد لکھا گیا کہ مستحقین کی بھی ایک جماعت کسی وقت مفقود ہو گئی ہوں یا کم ہو گئی ہوں یا مقتضیات وقت نے ان کی اہمیت کم کر دی ہو۔ یا مال زکوٰۃ کی مقدار بہت زیادہ ہو گئی ہو۔ تو ایک جامع و حاوی مقصد کا دروازہ کھول دیا جائے جس میں دین و امت کے مصالح کی ساری باتیں آ جائیں سب کے آخر میں "ابن السبیل" کی جگہ ہوئی، کیونکہ تقدم میں یہ سب سے کم اور مقدار کے لحاظ سے بہت ہی محدود صورت میں پیش آنے والا مصرف تھا۔

سبیل اللہ

(۴) قرآن کی اصطلاح میں وہ تمام کام جو براہ راست دین و ملت کی حفاظت و تقویت کے لئے ہوں سبیل اللہ کے کام ہیں اور چونکہ حفظ و صیانت امت کا سب سے زیادہ ضروری کام دفاع ہے اس لئے زیادہ تر اطلاق اسی پر ہوا۔ پس اگر دفاع پیش ہے اور امام وقت اسکی ضرورت محسوس کرتا ہے کہ نذر زکوٰۃ سے مدد لی جائے تو اس میں خرچ کیا جائے گا۔ ورنہ دین و امت کے تمام مصالح میں مثلاً قرآن اور علوم دینیہ کی ترویج و اشاعت میں مدارس کے اجراء و قیام میں۔ دعاۃ و مبلغین کے قیام و ترسیل میں۔ ہدایت و ارشاد امت کے تمام مفید وسائل میں[1]۔

حکم زکوٰۃ اور اسلام کا نظام اجتماعی

(۵) دنیا میں کوئی دین نہیں جس نے محتاجوں کی اعانت اور ابنائے جنس کی خدمت کی تلقین نہ کی ہو اور اسے عبادت یا عبادت کا لازمی جزء قرار دیا ہو لیکن یہ خصوصیت صرف اسلام کی ہے کہ وہ صرف اتنے ہی پر قانع نہیں ہوا۔ بلکہ ہر مستطیع مسلمان پر ایک خاص ٹیکس مقرر کر دیا جو اسے اپنی تمام آمدنی کا حساب کر کے سال بسال ادا کرنا چاہئے۔ اور پھر اسے اس درجہ اہمیت دی کہ اعمال میں نماز کے بعد اسی کا درجہ ہوا اور قرآن نے ہر جگہ دونوں عملوں کا ایک ساتھ ذکر کر کے بہ بانگ دہل واضح کر دی کہ کسی جماعت کی اسلامی زندگی کی سب سے پہلی فناخت یہی دو عمل ہیں، نماز اور زکوٰۃ۔ اگر کوئی جماعت بحیثیت جماعت کے انہیں یک قلم ترک کر دے گی تو اس کا نظام اسلامی میں نہ ہوگا۔ اور یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام نے مانعین زکوٰۃ سے قتال کیا، اور حضرت ابوبکر نے کہا واللہ لاقاتلن من فرق بین الصلوٰۃ و الزکوٰۃ (متفق علیہ)

بلاشبہ حضرت مسیح علیہ السلام کے مواعظ اس بارے میں بہت دور تک چلے گئے ہیں۔ انہوں نے صرف یہی نہیں کہا کہ اتقاضے دو بلکہ کہا سب کچھ دے دو لیکن چونکہ اسلام کی طرح کوئی معین نظم قائم نہیں کیا، اس لئے یہ تعلیم محض زہد و ترک دنیا کا ایک عام مقام بن کر رہ گئی، اور مسیحیت کے صدہا دل کے ساتھ جبکہ کلیسا کی بنیاد باہمی اخوت و اشتراک پر قائم کی گئی تھی) کوئی زمانہ ایسا ظہور میں نہ آ سکا کہ عیسائیوں میں اس تعلیم کے نتائج نے نشو و نما پایا ہو۔

---

[1] فقہاء حنفیہ کا ایک گروہ اس طرف گیا ہے اور بعضوں نے تو اسے اس حد تک کہا کہ مسجد، کنواں، پل اور تمام اس طرح کی تعمیرات خیریہ بھی اس میں داخل کر دیں۔ وقیل ان اللفظ عام فلا یجوز قصرہ علی نوع خاص و یدخل فیہ جمیع وجوہ الخیر من التکفین الموتی و بناء المسجد و حفر الآبار و مد الجسور و عمارۃ المساجد و مطہر ذلک (نیل الاوطار) فقہاء حنفیہ میں سے صاحب قاموس کہتے ہیں: المراد بالطریۃ العلماء اور صاحب بدائع کے نزدیک تمام کام جو نیکی و خیرات کے لئے ہوں اس میں داخل ہیں۔

وقت کے حاکموں کو۔ اس نے کہا: اذا یتخذون بھا شاباً وطیباً۔ وہ تو زکوٰۃ کا روپیہ اپنے کپڑوں اور عطروں پر خرچ کر ڈالتے ہیں۔ فرمایا "واقع" اگرچہ ایسا کرتے ہوں، مگر وہ انہی کو (ابن ابی شیبہ) کیونکہ زکوٰۃ کا معاملہ بغیر نظام کے قائم نہیں رہ سکتا۔

صدر اول سے لیکر آخر عہد عباسیہ تک یہ نظام بلا استثناء قائم رہا۔ لیکن ساتویں صدی ہجری میں جب تاتاریوں کا سیلاب تمام اسلامی ممالک میں امنڈ آیا، اور نظام خلافت معدوم ہوگیا، تو سوال پیدا ہوا کہ اب کیا کرنا چاہیئے؟ فقہاء حنفیہ کے جس قدر شروح و متون اور کتب فتاوی آج کل متداول ہیں زیادہ تر اسی دور میں یا اس کے لکھے گئے ہیں اس وقت پہلے پہل اس بات کی تحریر ہوئی کہ زکوٰۃ کی رقم بطور خود خرچ کر ڈالی جائے، کیونکہ غیر مسلم حاکموں کو نہیں دی جاسکتی۔ مگر ساتھ ہی فقہاء نے اس پر بھی زور دیا کہ جن ملکوں میں اسلامی حکومت قائم نہیں رہی ہے اور اعادہ حالت فوراً ممکن نہیں، وہاں مسلمانوں کے لئے ضروری ہے کہ کسی اہل مسلمان کو اپنا امیر مقرر کرلیں۔ تاکہ اسلامی زندگی کا نظام قائم رہے، معدوم نہ ہوجائے۔

لیکن افسوس ہے کہ بعد کو بتدریج اس نظام کی اہمیت سے مسلمان غافل ہوتے گئے، اور رفتہ رفتہ یہ حالت ہوگئی کہ لوگوں نے سمجھ لیا۔ زکوٰۃ نکالنے کا معاملہ اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ خود حساب کرکے ایک رقم نکال لیں، اور پھر جس طرح چاہیں خود ہی خرچ کر ڈالیں۔ حالانکہ جس زکوٰۃ کی ادائیگی کا قرآن نے حکم دیا ہے اس کا قطعاً یہ طریقہ نہیں ہے۔ اور مسلمانوں کی جو جماعت اپنی زکوٰۃ کسی امین زکوٰۃ یا بیت المال کو حوالے کرنے کی جگہ خود ہی خرچ کر ڈالتی ہے وہ دیدہ و دانستہ حکم شریعت سے انحراف کرتی ہے، اور یقیناً عند اللہ اس کے لئے جوابدہ ہوگی۔

(۱۰) اگر کہا جائے کہ ہندوستان میں اسلامی حکومت موجود نہیں اسلئے مسلمان مجبور ہوگئے، اور انفرادی طور پر خرچ کرنے لگے، تو شرعاً و عقلاً یہ عذر مسموع نہیں ہوسکتا۔ اگر اسلامی حکومت کے فقدان سے جمعہ ترک نہیں کر دیا گیا جس کا قیام امام و سلطان کی موجودگی پر موقوف تھا، تو زکوٰۃ کا نظام کیوں ترک کر دیا جائے؟ کس نے مسلمانوں کے ہاتھ اس بات سے باندھ دیئے تھے، کہ اپنے اسلامی معاملات کے لئے ایک امیر منتخب کرلیں یا ایک مرکزی بیت المال پر متفق ہوجائیں یا اقلاً ویسی ہی انجمنیں بنالیں جیسی انجمنیں بے شمار غیر ضروری باتوں کے لئے بلکہ بعض حالتوں میں بدعی و محدثات کے لئے انہوں نے جابجا بنالی ہیں۔

(۱۱) اسلام نے اجتماعی زندگی کا ایک پورا نقشہ بنایا تھا۔ جہاں اس کے چند خانے بگڑے سمجھ لو پورا نقشہ بگڑ گیا چنانچہ اس ایک نظام کے فقدان نے مسلمانوں کی پوری اجتماعی زندگی مختل کر دی ہے لوگ اصلاح کے لئے طرح طرح کے ہنگامے بپا کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں انجمنیں اور قومی چندوں کے ذریعے وقت کی مشکلوں اور مصیبتوں کا علاج ڈھونڈ نکالیں گے، حالانکہ مسلمانوں کے لئے اصلی سوال یہ نہیں ہے کہ کوئی نیا طریقہ ڈھونڈ نکالیں۔ سوال یہ ہے کہ اپنے گم گشتہ طریقہ کا کھوج لگائیں!

درازیٔ شب و بیداریٔ من ایں ہمہ نیست ۔۔۔ زبخت من خبر آرید تا کجا خفتست؟

اگر محض دولت مند افراد کے عطیوں اور قومی انجمنوں کے نظام سے قوم کا اقتصادی مسئلہ حل ہوسکتا تو آج یورپ اور امریکہ سے بڑھ کر کون ہے جو ان دونوں باتوں کا انتظام کرسکتا ہے؟ لیکن معلوم ہے کہ ان کا کوئی قومی فنڈ اور کوئی قومی نظام بھی نچلے طبقوں کی بیکاری اور متوسط طبقہ کا افلاس روک نہ سکا، اور اب اجتماعی مسئلہ کا ہلاکت آفرین خطرہ ان کے سروں پر منڈلا رہا ہے۔ اصل یہ ہے کہ افراد کی وقتی فیاضیاں کتنی ہی زیادہ ہوں قوم کی اجتماعی زندگی کے قیام کے لئے کبھی کفیل نہیں ہوسکتیں۔ اس صورت حال کا علاج صرف وہی ہے جو اسلام نے تیرہ سو برس پہلے تجویز کیا تھا یعنی قانون سازی کے ذریعہ قوم کی پوری کمائی کا ایک خاص حصہ کمزور افراد کی خبر گیری کے لئے مخصوص کر دینا کہ توخذ من اغنیائھم فترد فی فقرائھم اور کی لا یکون دولۃ بین الاغنیاء منکم!

(۱۲) بہرحال یہ بات یاد رہے کہ زکوٰۃ کی نوعیت عام خیرات کی سی نہیں ہے۔ بلکہ یہ اپنے پورے معنوں میں ایک

ہے "احتکار" یہ کہ دولت کا کسی ایک طبقہ ہی میں محصور ہو جانا۔ "اکتناز" یہ کہ دولت کے بڑے بڑے خزانوں کا افراد کے پاس جمع ہو جانا۔ اس نے سوسائٹی کی نوعیت کا جو نقشہ بنایا ہے اگر ٹھیک ٹھیک قائم ہو جائے، اور صرف چند خانے ہی نہیں بلکہ تمام خانے اپنی اپنی جگہ بن جائیں۔ تو ایک ایسا اجتماعی نظام پیدا ہو جائے گا جس میں نہ تو بڑے بڑے کروڑ پتی ہونگے نہ مفلس محتاج طبقے ایک طرح کی درمیانی حالت غالباً افراد پر طاری ہو جائے گی بلاشبہ زیادہ سے زیادہ کمانے والے افراد موجود ہوں گے۔ کیونکہ سعی و کسب کے بغیر کوئی معین زندہ ہی نہیں رہ سکتا۔ لیکن جو فرد جتنا زیادہ کمائے گا، اتنا ہی زیادہ انفاق پر مجبور بھی ہوگا۔ اور اس لئے افراد کی کمائی جتنی بڑھتی جائے گی، اتنی ہی زیادہ جماعت یعنی جماعت کے خوش حال ہوتی جائیگی۔ تاہم اور متعدد افراد زیادہ سے زیادہ کمائینگے لیکن صرف اپنے ہی لئے نہیں کمائینگے، تمام افراد قوم کے لئے کمائیں گے یہ صورت پیدا نہ ہو سکے گی کہ ایک طبقہ کی کمائی دوسرے طبقوں کے لئے تجارتی و مفلسی کا پیام ہو جائے، جیسا کہ اب عام طور پر ہو رہا ہے۔ یہ بات کہ قرآن کی تعلیم کے مطابق دنیا میں کس طرح کی مدنیت اور اجتماعیت پیدا ہو سکتی ہے؟ جس قدر اہم ہے، اتنی ہی زیادہ دقیق بھی ہے۔ البیان میں بضمن تفسیر بقرہ اس کی مفصل بحث و تحقیق ہے گی۔

(۸) اگر مسلمان آج اور کچھ نہ کریں، صرف زکوٰۃ کا معاملہ ہی احکام قرآنی کے مطابق درست کر لیں، تو بغیر کسی تامل کے دعویٰ کیا جا سکتا ہے کہ ان کی تمام اجتماعی مشکلات و مصائب کا حل خود بخود پیدا ہو جائے گا۔

(۹) لیکن مصیبت یہ ہے کہ مسلمانوں نے یا تو احکام قرآنی کی تعمیل یک قلم ترک کر دی ہے یا پھر عمل بھی کر رہے ہیں تو اس طرح، کہ فی الحقیقت عمل نہیں کر رہے ہیں۔

زکوٰۃ کا تعطل شرعی!

قرآن نے زکوٰۃ کا معاملہ ایک خاص نظام سے وابستہ کر دیا ہے اور اسی نظام کے قیام پر اس کے تمام مقاصد و مصالح کا حصول موقوف ہے۔ زکوٰۃ ایک ٹیکس ہے۔ بالکل اسی طرح کا ٹیکس جس طرح آج کل ٹیکس وصول کیا جاتا ہے پس اسکی ادائیگی کا طریقہ یہ نہ تھا کہ ہر شخص خود ہی اپنا ٹیکس نکالے اور خود ہی خرچ بھی کر ڈالے، بلکہ یہ تھا کہ حکومت اپنے کلکٹروں کے ذریعہ ہر شخص سے وصول کر کے بیت المال میں جمع کرے، اور پھر ضروریات وقت کے مطابق جس مصرف کو مقدم دیکھے اس میں خرچ کرے۔ جب ایک شخص نے حکومت کے مقرر عامل کو اپنی زکوٰۃ دیدی اسکی زکوٰۃ ادا ہو گئی چنانچہ اسی لئے کلکٹروں اور عاملوں کی تنخواہ کا بار بھی اسی فنڈ پر ڈال دیا، اور صاف صاف لفظوں میں کہہ دیا کہ والعاملین علیہا۔ جو کارندے وصولی کے لئے مقرر ہوں ان کے ضروری مصارف۔ اگر ادائیگی کے لئے یہ بات ضروری نہ ہوتی تو کوئی وجہ نہ تھی کہ مصارف کی مد میں مستقلاً عمال حکومت کا ذکر کیا جاتا۔

اور پھر یہی وجہ ہے کہ صاف و صریح لفظوں میں مسلمانوں کو حکم دیا گیا کہ اس باب میں عمال حکومت کی اطاعت کریں اور بلا عذر زکوٰۃ ان کے حوالہ کر دیں۔ حتیٰ کہ اگر عمال ظالم ہوں۔ یا بیت المال کا روپیہ ٹھیک طور پر خرچ نہ ہو رہا ہو، جب بھی اصلاح حال کی سعی کے ساتھ ادائیگی کا سلسلہ جاری رکھنا چاہئے۔ یہ نہیں کرنا چاہئے کہ زکوٰۃ بطور خود خرچ کر ڈالی جائے۔ بشیر بن خصاصہ کی روایت میں ہے کہ لوگوں نے کہا: ان قوماً من اصحاب الصدقۃ یعتدون علینا۔ عمال کا ایک گروہ صدقہ لینے میں ہم پر زیادتیاں کرتا ہیں۔ کیا اس کا مقابلہ کریں؟ فرمایا نہیں۔ (ابو داؤد) سعد بن وقاص کی روایت میں صاف صاف موجود ہے: ادفعوا الیہم ما صلّوا جب تک وہ نماز پڑھتے ہیں زکوٰۃ انہیں دیتے رہو۔

بنو امیہ کے زمانہ میں جب نظام خلافت بدل گیا، اور حکام ظلم و تشدد پر اتر آئے، تو بعض لوگوں کو خیال ہوا۔ ایسے لوگ ہماری زکوٰۃ کے کیوں امین سمجھے جائیں؟ لیکن تمام صحابہ نے یہی فیصلہ کیا کہ زکوٰۃ انہی کو دینی چاہئے یہ کسی نے نہیں کہا کہ خود اپنے ہاتھ سے خرچ کر ڈالو۔ حضرت عبداللہ بن عمر سے ایک شخص نے پوچھا۔ اب زکوٰۃ کسے دیں؟ کہا

(بقیہ صفحہ ۱۳۱) تمام متداول تفاسیر میں پڑھو۔ "ولا یعفو عما" کی توجیہ میں کیا کیا شکلیں پیدا کی گئی ہیں، اور پھر کیسے دور دراز حل نکالے گئے ہیں؟ حالانکہ اگر اکتناز کے زور پر غور کیا ہوتا اور اس بارے میں قرآن و سنت کی روح پیش نظر ہوتی، تو معاملہ بالکل واضح تھا۔ بہرحال یہ محل اس بحث نہیں۔

کسی حال میں بھی شرعی نہیں ہو سکتا کہ باوجود عوشحالی ہونے کے اپنے رشتہ داروں کو فقر و فاقہ میں چھوڑ دیا جائے اور پھر اگر کچھ دیا بھی جائے تو اسے زکوٰۃ کی مد میں شمار کر لیا جائے۔

حقیقت یہ ہے کہ مسلمانوں نے کوئی خاص اسلامی عمل ہی ترک نہیں کر دیا ہے، بلکہ ان کی پوری زندگی غیر اسلامی ہو گئی ہے۔ ان کی فکری حالت غیر اسلامی ہے، ان کی عملی رفتار غیر اسلامی ہے، ان کا دینی زاویۂ نگاہ غیر اسلامی ہو گیا ہے۔ وہ اگر اسلامی احکام پر عمل بھی کرنا چاہتے ہیں تو غیر اسلامی طریقہ سے اور یہ دینی تنزل کی انتہا ہے۔ فما لھؤلاء القوم، لا یکادون یفقھون حدیثا!

(۵) ایک عام اور سب سے زیادہ مہلک غلط فہمی پھیل گئی ہے کہ لوگ سمجھتے ہیں، زکوٰۃ دیدینے کے بعد انفاق و خیرات کے اور تمام اسلامی فرائض ختم ہو جاتے ہیں۔ جہاں ایک شخص نے رمضان میں اٹھنیوں اور روپوں کی پڑیاں باندھ کر تقسیم کے لئے رکھ دیں، سال بھر کے لئے اُسے ہر طرح کے انسانی و اسلامی تقاضوں سے چھٹی مل گئی!

حالانکہ ایسا سمجھنا، یک قلم اسلام کو بھلا دینا ہے۔ اسلام نے مسلمان کو جس طرح کی زندگی بسر کرنے کی تلقین کی ہے وہ محض اپنی اور اپنے بیوی بچوں کے پیٹ ہی کی زندگی نہیں ہے، بلکہ منزلی، خاندانی، معاشرتی، جماعتی، اور انسانی فرائض کی ادائیگی کی ایک پوری آزمائش ہے۔ اور جب تک ایک انسان اس آزمائش میں پورا نہیں اترتا، اسلامی زندگی کی لذت اس پر حرام ہے۔

اس پر اس کے نفس کا حق ہے اس کے والدین کا حق ہے۔ رشتہ داروں کا حق ہے۔ بیوی بچوں کا حق ہے۔ ہمسایہ کا حق ہے اور پھر تمام نوع انسانی کا حق ہے۔ اس کا فرض ہے کہ اپنی استطاعت اور مقدور کے مطابق یہ تمام فرائض ادا کرے، اور انہیں فرائض کی ادائیگی پر اس کی زندگی کی ساری دنیوی اور اخروی سعادتیں موقوف ہیں۔ واعبدوا اللہ ولا تشرکوا بہ شیئا، و بالوالدین احسانا، وبذی القربی والیتامی والمساکین والجار ذی القربی، والجار الجنب والصاحب بالجنب وابن السبیل، وما ملکت ایمانکم (یہ تمام فرائض ادا نہیں کئے جا سکتے، جب تک کہ انفاق و خیرات کے لئے انسان کا ہاتھ کشادہ نہ ہو جائے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن نے اعمال میں سے کسی عمل پر اتنا زور نہیں دیا جس قدر نماز اور انفاق پر اور مسلمانوں کی سب سے بڑی پہچان اسی صورت میں یہ بتلائی کہ ان کی مٹھیاں بند رہتی ہیں۔ انفاق کے لئے کھلتی نہیں: و یقبضون ایدیھم (۹:۶۷) اور اگر کچھ دیتے بھی ہیں تو مجبور ہو کر: ولا ینفقون الا، وھم کارھون (۹:۵۴) اور مومنوں کی نسبت فرمایا ینفقون اموالھم باللیل والنھار، سرا وعلانیۃ (۲:۲۷۴) مومن وہ ہیں جن کا ہاتھ ہمیشہ کھلا رہتا ہے، رات دن، پوشیدہ اور ظاہر، ہر حال میں سرگرم انفاق رہتے ہیں۔ نیز فرمایا۔ یہ شیطانی خیال ہے کہ خرچ کرنے سے ہم محتاج ہو جائیں گے۔ اور اس راہ میں بخل فحش ہے یعنی سخت قسم کی برائی۔ اور اللہ انفاق کا حکم دے کر تمہیں مغفرت اور خوشحالی کی راہوں پر لگانا ہے: الشیطان یعدکم الفقر و یامرکم بالفحشاء، واللہ یعدکم مغفرۃ منہ و فضلا (۲:۲۶۸)

پس سمجھنا کہ جہاں سال میں ایک مرتبہ زکوٰۃ کا ٹیکس دے دیا، انفاق فی سبیل اللہ کے تمام مطالبات پورے ہو گئے، صریح قرآن کی تعلیم سے اعراض کرنا ہے۔ زکوٰۃ تو ایک خاص قسم کا ٹیکس ہے اور ایک خاص مقصد کے لئے لگایا گیا ہے جو سال میں ایک مرتبہ دینا پڑتا ہے لیکن ہماری زندگی کا ہر چپہ چپہ گھنٹہ ہم سے انفاق کا مطالبہ کرتا ہے اور اگر ہم اسلامی زندگی کا نقشہ کر دنیا سے جانا چاہتے ہیں تو ہمارا فرض ہے کہ جب استطاعت اس کے تمام مطالبات پورے کریں۔

قرآن اور سوشلزم

(۶) دنیا میں دولت اور وسائل دولت کا احتکار اس حد تک پہنچ گیا تھا کہ ضروری تھا اس کا رد عمل پیدا ہو۔ چنانچہ اٹھارھویں صدی میں موجودہ سوشلزم کی بنیادیں پڑیں۔ اور اب اس نے کمیونزم کی انتہائی صورت اختیار کر لی ہے اور پندرہ برس سے روس میں اس کا اولین تجربہ بھی ہو رہا ہے۔ تدقیقی طور پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر قرآن کی تعلیم سرمایہ داری کے مفاسد مٹانا چاہتی ہے اور دولت کی تقسیم کی حامی ہے تو کیا ایسا نہیں سمجھا جا سکتا کہ اس کا رخ بھی

انکم ٹیکس ہے جو اسلامی حکومت نے ہر کمانے والے فرد پر لگا دیا تھا۔ بشرطیکہ اسکی کمائی اس کی ذاتی ضروریاتِ زندگی سے زیادہ ہو، موجودہ زمانے کے انکم ٹیکسوں میں اور اس میں صرف دو باتوں کا فرق ہے۔ ایک یہ کہ اپنی نوعیت میں زیادہ وسیع ہے یعنی صرف کاروبار کی محنتی برائے آمدنی ہی پر عائد نہیں ہوتا۔ بلکہ اندوختہ پر بھی واجب ہو جاتا ہے اگرچہ اس سال کوئی نئی آمدنی نہ ہوئی ہو۔ نیز اس طرح کی تمام ملکیتیں بھی اس میں داخل ہیں جو بڑھنے کی استعداد رکھتی ہوں مثلاً مویشی۔ دوسری یہ کہ مقصد کے لحاظ سے یہ ایک خاص مصرف رکھتا ہے جس کی مختلف صورتیں معین کر دی گئی ہیں۔ اسٹیٹ کو حق نہیں کہ ان مصارف کے علاوہ کسی دوسرے مصرف میں خرچ کرے۔

(۱۳) قرآن نے یہودیوں کی اس گمراہی کا ذکر کیا ہے کہ انہوں نے احکام شرع کی تعمیل سے بچنے کے لئے شرعی حیلے نکال لئے تھے! افسوس ہے کہ مسلمانوں میں بھی اس گمراہی نے سر اٹھایا۔ حتیٰ کہ حیلہ کا معاملہ بعض کتب فقہ کا ایک مستقل باب بن گیا۔ ازانجملہ ایک حیلہ زکوٰۃ کے باب میں بھی مشہور ہے۔ طریقہ اس کا یہ بتلایا جاتا ہے کہ جو شخص زکوٰۃ سے بچنا چاہے وہ کسی آدمی سے بخشش لے اور بخشوا لینے کا فرضی معاملہ کرے اور قبل اس کے کہ برس پورا ہو اپنا تمام مال اس کے نام ہبہ کر دے پھر وہ برس ختم ہونے سے پہلے وہی مال اس کے نام ہبہ کر دے گا۔ نتیجہ یہ نکلے گا۔ کہ دونوں برس باوجود مالدار ہونے کے زکوٰۃ ساقط ہو جائے گی۔ مثلاً شوہر نے اپنی بیوی سے رجب کے مہینہ میں کہہ دیا۔ میں نے اپنا مال تجھے ہبہ کر دیا۔ اس نے کہا، قبول۔ اب شوہر پر زکوٰۃ نہیں رہی۔ کیونکہ قبل اس کے کہ سال تمام ہو، وہ صاحب نصاب نہ رہا۔ البتہ بیوی پر پڑ گئی۔ بشرطیکہ بارہ مہینے گزر جائیں۔ لیکن وہ بارہ مہینے کیوں گذرنے دینگی؟ وہ جمادی الاولیٰ میں شوہر سے کہہ دے گی۔ میں نے تمام مال اب تمہیں ہبہ کر دیا۔ اس طرح اس نیک بخت پر سے بھی زکوٰۃ ساقط ہو جائے گی!

قصہ کوتہ گشت ورنہ درد سر بسیار بود!

لیکن یاد رکھنا چاہئے کہ احکام شرع کی تعمیل میں اس طرح کی حیلہ بازیاں نکالنی فسق و ضلالت کا انتہائی مرتبہ ہے اور جو شخص اس طرح کی مکاریاں کر کے احکام الٰہی سے بچنا چاہتا ہے اس کی معصیت ان لوگوں سے بدرجہا زیادہ ہے جو سیدھی سادھی طرح ترک احکام کے مرتکب ہوتے ہیں۔ یہ بات کہ ایک شخص سے جرم ہو گیا محض جرم ہے، مگر یہ بات کہ ایک شخص جرم کو بے جرمی و پاک عملی بنا کر کرتا ہے، صرف جرم ہی نہیں ہے، بلکہ اس سے بھی زیادہ ہے، اور صرف اس کی عملی زندگی ہی کو نہیں بلکہ ایمان و فکر کو بھی تاراج کر دینے والا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ جونہی اس طرح کے حیلوں کا چرچا پھیلا، تمام سلفِ امت نے اس پر انکار عظیم کیا، اور ائمہ و فقہاء میں کوئی نہیں جس نے انہیں جائز رکھا ہو۔

(۱۴) ایک اور غلط فہمی اس باب میں یہ پھیل گئی ہے کہ لوگ سمجھتے ہیں اپنے مفلس رشتہ داروں کی خبر گیری کا یہی طریقہ ہے کہ زکوٰۃ کی رقوم سے ان کی مدد کی جائے۔

بلاشبہ ہر مسلمان کے لئے ضروری ہے کہ غیروں سے پہلے اپنے محتاج رشتہ داروں کی خبر لے، اور قرآن نے صدقات و خیرات کے معاملہ میں جو اصلاحات کی ہیں من جملہ ان کے ایک بڑی اصلاح یہ ہے کہ رشتہ داروں کی اعانت کو بھی خیرات قرار دے دیا، بلکہ خیرات کا سب سے پہلا اور بہتر مصرف: ما انفقتم من خیر فللوالدین والاقربین (۲: ۲۱۵) لیکن زکوٰۃ جو خیرات کی ایک خاص قسم ہے، اس لئے واجب نہیں کی گئی ہے کہ لوگ خیرات کی دوسری قسموں سے ہاتھ روک لیں اور اپنے محتاج رشتہ داروں کی مدد کا بوجھ بھی اسی پر ڈال دیں۔ زکوٰۃ وہی دیگا جو صاحب استطاعت ہو، اور اگر ایک شخص خوشحال ہے اور اس کے رشتہ دار تنگی و محتاجی میں مبتلا ہو گئے ہیں تو بحیثیت مسلمان ہونے کے اس کا فرض ہے کہ ان کی خبر گیری کرے۔ اگر نہیں کرے گا، تو یقیناً عند اللہ جواب دہ ہوگا۔ کیونکہ صلۂ رحمی کا حق خدا کا ٹھہرایا ہوا حق ہے: واتقوا اللہ الذی تساءلون بہ والارحام (۴: ۱) بلاشبہ اس کی یہ خبر گیری اس کے لئے خیرات کا بہترین عمل ہوگی، لیکن خبر گیری ہر حال میں اس کا اسلامی فرض ہے۔ یہ طریقہ

بعض درجات (۴۲ : ۳۲) دنیوی زندگی کی معیشت ہم نے لوگوں میں تقسیم کر دی اور اس کا کارخانہ ایسا بنا دیا کہ سب ایک ہی درجہ میں نہیں ہیں۔ کوئی کسی درجہ میں ہے کوئی کسی درجہ میں۔

بہرحال قرآن نے اجتماعی مسئلہ کا جو حل تجویز کیا ہے وہ یہ ہے کہ وہ مدارج معیشت کی مساوات قائم کرنی نہیں چاہتا۔ لیکن حق معیشت کی مساوات ضرور قائم کرنا ہے یعنی وہ کہتا ہے یہ بات ضروری نہیں کہ سب کو ایک ہی طرح پر سامان معیشت ملے لیکن یہ ضروری ہے کہ ملے سب کو۔ اور ہی وہ ترقی کی راہ یکساں طور پر سب کے سامنے کھل جائے۔ اس نے ہر شخص کے لیے خاندانی، جغرافیائی اور اجتماعی امتیاز مٹا دیے۔ اس نے زندگی کے ہر میدان میں انسانی مساوات کا اعلان کر دیا۔ اس نے وہ تمام رکاوٹیں دور کر دیں جو سوسائٹی کے اونچے طبقوں نے کمزور افراد کی خوشحالی و ترقی کی راہ میں پیدا کر دی تھیں۔ اس نے قانون سازی کے ذریعہ دولت کا احتکار و اختصاص روک دیا۔ اس نے زندگی کے ہر گوشہ میں دولت کے اکتناز کو بگاڑ دولت کی تقسیم پر مجبور کر دیا۔ اس نے اس بات سے قطعاً انکار کر دیا کہ دولت مندی بجائے خود کوئی حق ہے۔ اس نے بے اعتدالانہ سرمایہ داری کی تمام راہیں روک دیں۔ اس نے سود کی ہر شکل حرام کر دی۔ اس نے جوئے کو کسی حال میں جائز نہ رکھا۔ پھر ان تمام باتوں سے بڑھ کر یہ کہ انسانی زندگی کے اعمالِ حق میں انفاق فی سبیل اللہ کو سب سے زیادہ نمایاں جگہ دی اور ہر کمانے والے فرد کو لازمانہ ٹیکس کے ذریعہ مجبور کر دیا کہ اپنی آمدنی کا ایک حصہ دوسروں کے لیے بھی نکلے۔ بس یہ نقشہ ہے جو اسلام نے اجتماعی نظام کا بنایا ہے۔

لیکن سوشیلزم صرف اتنے ہی پر قانع نہیں رہنا چاہتا۔ وہ آگے بڑھنا چاہتا ہے اور چاہتا ہے انفرادی ملکیت کی جگہ قومی ملکیت کا نظام قائم کرے اور مدارج معیشت کا اونچ نیچ معدوم ہو جائے۔ وہ یہ اصل تسلیم نہیں کرتا کہ احوال معیشت کا اختلاف فطری ہے اور اجتماعی زندگی کی گرمجوشی و ترقی کے لیے محرک و محرک ہی ہے۔ وہ کہتا ہے اس وقت تک حالت ایسی ہی رہی ہے لیکن اگر سوسائٹی کا نظام مساوات معیشت پر قائم کیا گیا، تو وہ سرمایہ کی ذہنی اور معنوی محرکات پیدا ہو جائیں گی اور کارخانۂ معیشت کی گرمجوشی اسی طرح جاری رہے گی جس طرح اس وقت تک چل رہی ہے۔

دنیا کا اس وقت تک کا تجربہ اس کے خلاف ہے اور روس کا نیا تجربہ بھی اس وقت تک اپنے نظریوں کو علمی کا جامہ نہیں پہنا سکا ہے۔ تاہم اس میں شک نہیں کہ سوشیلزم کو اس مطالبہ کا حق ہے کہ مزید تجربہ کا موقع دیا جائے۔

ولنعلمن نباءہ بعد حین!

حقیقت

(ل) قرآن نے کفر کی طرح "نفاق" کا بھی جا بجا ذکر کیا ہے اور منافقوں کے اعمال و خصائل کی سب سے زیادہ تفصیل اسی سورت میں ملتی ہے۔ پس ضروری ہے کہ ٹھیک طور پر سمجھ لیا جائے، نفاق کی حقیقت کیا ہے اور منافقوں کی جماعت کس طرح کی جماعت تھی۔؟

(۱) دنیا میں ہم دیکھتے ہیں فکر و عمل کا کوئی گوشہ ہو تین طرح کے آدمی ضرور رہتے ہیں۔

مستعد اور صالح طبیعتیں یہ ہر اچھی بات کو سچائی لیتیں اور قبول کر لیتی ہیں اور پھر سرگرم عمل ہو جاتی ہیں۔

مفسد طبیعتیں۔ انہیں ہر اچھی بات سے انکار ہوتا ہے۔ کوئی سیدھی بات ان کے اندر اترتی نہیں۔

درمیانی گروہ یہ ہر بات کو سن لینے اور مان لینے کے لیے تیار ہو جاتا ہے لیکن فی الحقیقت اس کے اندر تیاری نہیں ہوتی۔ وہ قدم اٹھا دیتا ہے مگر چلنا نہیں چاہتا، اور چلتا ہے تو پہلے ہی قدم میں لڑکھڑا جاتا ہے اس میں پہلے گروہ کی مستعدی نہیں ہوتی کہ جو بات مان لی اسے ٹھیک ٹھیک مان لے اور عمل کرے اس میں دوسرے گروہ کی بیباکی و جرأت بھی نہیں ہوتی کہ کھلم کھلا صاف صاف انکار کر دے۔ پس گو وہ سمجھتا ہے کہ ایک راہ اختیار کر لی ہے لیکن فی الحقیقت دونوں راہوں میں سے کسی میں بھی نہیں ہوتا۔ جہاں تک اقرار کا تعلق ہے قبول کرنے والوں میں ہوتا ہے جہاں تک اذعان و عمل کا تعلق ہے منکروں کی سی حالت ہیں۔ مذبذبین بین ذلک لا الی ھؤلاء ولا الی ھؤلاء (۴ : ۱۴۳)

جزم و یقین اور عزم و عمل پہلے گروہ کا خاصہ ہے۔ انکار و جمود دوسرے کا، اور رشک و تذبذب اور بے عملی و سستی تیسرے کا

اسی طرف ہے جس طرف سوشیلزم جا رہا ہے؟ بلاشبہ سمجھا جا سکتا ہے لیکن ایک خاص درجہ تک اور اسکی حقیقت سمجھ لینی چاہئے دو صورتیں ہیں، اور ضروری ہے کہ دونوں کا فرق ملحوظ رکھا جائے۔

ایک صورت یہ ہے کہ دولت اور وسایل دولت کا اجتکار روک دیا جائے، اور کمانے والے فرد کو قانون سازی کے ذریعہ مجبور کیا جائے کہ اپنی آمدنی کا ایک حصہ کمزور افراد کے لئے نکالے۔ نیز اسٹیٹ کو اس بات کا ذمہ دار ٹھہرایا جائے کہ کوئی فرد ضروریات زندگی سے محروم نہ رہے لیکن ساتھ ہی یہ اصل بھی تسلیم کی جائے کہ معیشت کے لحاظ سے تمام افراد و طبقات کی حالت یکساں نہیں ہو سکتی، اور یہ عدم یکسانیت اکثر حالتوں میں قدرتی ہے۔ کیونکہ سب کی جسمانی و دماغی استعداد یکساں نہیں، اور جب استعداد یکساں نہیں، تو ناگزیر ہے کہ جدوجہد معیشت کے ثمرات بھی یکساں نہ ہوں بہ الفاظ دیگر انفرادی ملکیت کا حق تسلیم کر لیا جائے کہ جو جس قدر حاصل کر سکتا ہے وہ اس کا ہے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ صرف دولت کا اجتکار ہی نہ روکا جائے، بلکہ دولت کی انفرادی ملکیت بھی ختم کر دی جائے۔ اور ایسا نظام قائم کیا جائے، جس میں اجباری قوانین کے ذریعہ اقتصادی اور معیشتی مساوات کی حالت پیدا کر دی جائے مثلاً وسایل دولت تمام تر قومی ملکیت ہو جائیں۔ انفرادی قبضہ باقی نہ رہے اور جسمانی و دماغی استعداد کے اختلاف سے معیشت کا مختلف ہونا بنائے حق تسلیم نہ کیا جائے۔

قرآن نے جو صورت اختیار کی ہے وہ پہلی ہے، اور سوشیلزم جس بات کے لئے ساعی ہے وہ دوسری ہے دونوں کا مقصد یہ ہے کہ انسانی اکثریت کی شقاوت دور کی جائے دونوں نے علاج بھی ایک ہی تجویز کیا ہے یعنی دولت کا اکتناز روکا جائے۔ لیکن دونوں کا طریق کار ایک نہیں ایک اختلاف معیشت سے تعرض نہیں کرتا اور اسے قائم رکھ کر راہ نکالتا ہے۔ دوسرا اسے مٹا دینا چاہتا ہے۔

اسلام اور سوشیلزم کا یہ اختلاف اگرچہ بعض درجہ دوگری) کا اختلاف معلوم ہوتا ہے لیکن نہ میں مبدأ کا اختلاف بھی موجود ہے سوشیلزم کا نظریہ ہے کہ مدارج معیشت کا اختلاف کوئی قدرتی اختلاف نہیں ہے لیکن قرآن میں اس طرح کے اشارات جا بجا پائے جاتے ہیں کہ یہ اختلاف قدرتی ہے۔ اور ضروری تھا کہ ظہور میں آئے۔ وہ کہتا ہے اگر یہاں سب کی حالت یکساں ہو جاتی تو تزاحم و تنافس کی حالت پیدا نہ ہوتی، اور اگر یہ حالت پیدا نہ ہوتی تو انسان کی قدرتی قوتوں کے ابھرنے اور ترقی پانے کے لئے کوئی شئے محرک بھی نہ ہوتی اور جس اجتماعی زندگی کی وہ تمام سرگرمیاں ظہور میں نہ آتیں جن سے یہ تمام کارخانہ چل رہا ہے:

وھو الذی جعلکم خلائف الارض و رفع بعضکم فوق بعض درجٰت لیبلوکم فی ما اٰتاکم ان ربک سریع العقاب و انہ لغفور رحیم (۶:۱۶۵)	اور وہی ہے جس نے تمہیں زمین میں ایک دوسرے کا جانشین بنایا اور بعض کو بعض پر مرتبے دئے، تاکہ جو کچھ تمہیں دیا ہے اس میں تمہیں آزمائے بلاشبہ تمہارا پروردگار (بدعملیوں کی) فوراً سزا دینے والا ہے اور بلاشبہ وہ بڑا ہی بخشنے والا، رحمت والا ہے۔

اس آیت میں تین باتوں کی طرف اشارہ کیا ہے۔ اولاً خدا نے انسانی زندگی کا کارخانہ کچھ اس طرح چلایا ہے کہ یہاں ہر گوشہ میں ایک طرح کی جانشینی کا سلسلہ جاری رہتا ہے یعنی ایک فرد اور گروہ جاتا ہے۔ دوسرا فرد اور گروہ اس کی جگہ لیتا اور اس کے ثمرات و نتائج سعی کا وارث ہوتا ہے۔ ثانیاً درجے کے لحاظ سے سب یکساں نہ ہوئے بعض اوپر ہوئے بعض ان سے نیچے۔ ثالثاً مدارج معیشت کی یہ بلندی و پستی اس لئے ہوئی تاکہ انسان کے عمل و تصرف کے لئے آزمائش کی حالت پیدا ہو جائے اور ہر فرد اور ہر گروہ کو موقعہ دیا جائے کہ اپنی سعی و کاوش سے جو درجہ حاصل کر سکتا ہے حاصل کر لے آخر میں فرمایا۔ خدا کا قانون جزا سست رفتار نہیں یعنی سعی و طلب کی اسی امتحان گاہ سے جزا عمل کا معاملہ وابستہ ہے جیسے جس کے اعمال ہونگے ویسے ہی نتائج اس کے حصہ میں آجائینگے

اسی طرح جابجا قرآن میں پاؤ گے: واللہ فضل بعضکم علی بعض فی الرزق (۱۶:۷۱) خدا نے تم میں سے بعض کو بعض پر رزق میں برتری دی ہے۔ نحن قسمنا بینھم معیشتھم فی الحیوۃ الدنیا و رفعنا بعضھم فوق

منافقوں کے احوال و خصائص

(۱) اب غور کرو کہ یہاں منافقوں کے اعمال و خصائص کیا کیا بیان کئے ہیں:۔

(ا) جب راہ حق میں جان و مالی کی قربانی کا وقت آتا، تو طرح طرح کے حیلے بہانے نکالتے اور کہتے ہمیں گھر بیٹھ رہنے کی اجازت مل جائے۔

(ب) مسلمانوں میں ہمیشہ فتنہ پھیلاتے۔ کمزور اور ناسمجھ آدمیوں کو گمراہ کرتے، ادھر کی بات ادھر لگاتے۔

(ج) جب کبھی جماعت کے لئے کوئی نازک وقت آجاتا، تو اس طرح کی باتیں نکالتے کہ وہ سروں کے دل بھی کمزور پڑ جائیں اور کوئی نہ کوئی فتنہ اٹھ کھڑا ہوتا۔ چنانچہ احد میں انہوں نے ایسا ہی کیا، اور اس موقعہ پر بھی کمی نہیں کی۔

(د) دینداری کے بھیس میں اپنا نفاق چھپاتے اور کہتے۔ اس کام میں ہمارے لئے فتنہ ہے، اس لئے شریک نہیں ہوتے۔

(ہ) مسلمانوں کی مصیبت ان کے لئے مصیبت نہیں ہوتی، اور نہ ان کی خوشی، ان کے لئے خوشی۔

(و) جب کوئی جماعتی معاملہ پیش آجاتا، تو اس کا ساتھ نہ دیتے اور طرح طرح کی فتنہ اندازیاں کرتے۔ پھر اگر کوئی حادثہ پیش آجاتا تو کہتے۔ تو ہم نے پہلے ہی یہ بات معلوم کر لی تھی۔ اسی لئے ساتھ نہیں دیا تھا۔ اور پھر بجائے اس کے کہ قوم کی مصیبت کو اپنی مصیبت سمجھیں، دل میں خوش ہوتے کہ چلو اچھا ہوا کامیاب نہ ہوئے۔

(ز) نماز پڑھتے تو اس بے دلی سے کہ معلوم ہوگا، ایک بوجھ آپڑا ہے، اور چاہتے ہیں کسی نہ کسی طرح ٹپک کر الگ ہو جائیں۔

(ح) نیکی کی راہ میں خوش دلی سے کبھی خرچ نہ کریں۔ کنجوسی ان کی سب سے بڑی علامت ہے۔

(ط) قسمیں کھا کھا کر یقین دلائیں گے کہ ہمیں مخالف نہ سمجھو، حالانکہ دل میں نفاق بھرا ہوا ہے۔

(ی) چونکہ دلوں میں کھوٹ ہے، اس لئے ڈرے سہمے رہتے ہیں، اور بہتر سے کام دل کی خواہش سے نہیں، بلکہ محض جماعت کے خوف سے کرتے ہیں۔

(ک) چونکہ راہ حق کی آزمائشیں پیش آتی رہتی ہیں، اور دل میں اخلاص و یقین نہیں ہے، اس لئے بسا اوقات ضرورت حال سے ایسے مضطرب ہو جاتے ہیں کہ اگر چھپ بیٹھنے کی کوئی جگہ مل جائے تو فوراً رسی تڑا کر بھاگ کھڑے ہوں۔

(ل) غرض کے بندے ہیں۔ ان کی خوشنودی اور ناراضگی کا سارا دارومدار دنیا اور دنیا کا حصول ہے۔ اگر صدقات کی تقسیم میں انہیں بھی کچھ دے دیا جائے، تو خوش رہیں گے۔ نہ دیا جائے تو بگڑ بیٹھیں گے۔

(م) چونکہ ایمان درستی سے محروم ہیں اس لئے حق و باطل کی کچھ پروا نہیں جس طرح بھی ملے مال و دولت حاصل کرنی چاہئے صدقات و خیرات کے مستحق نہیں، لیکن اس کے حصول کے خواہشمند رہتے ہیں۔

(ن) اگر ان کی ہوائے نفس کے خلاف کوئی فیصلہ ہو تو فوراً طعنہ زنی پر اتر آئیں کہ دوسروں کی طرف داری کی جاتی ہے۔

(س) بغیر اسلام ظاہر، مومنوں کا اخلاص پہچانتے اور انہیں قابل استہزا سمجھتے تھے۔ یہ بات منافقوں پر شاق گذرتی۔ حتیٰ کہ بعضوں نے کہا، وہ کان کے کچے ہیں۔ لوگوں کی باتوں میں آجاتے ہیں۔

(ع) جب دیکھتے ہیں، ان کی منافقانہ روش پر عام برہمی پیدا ہو گئی۔ تو قسمیں کھا کھا کر لوگوں کو یقین دلاتے اور انہیں اپنے سے راضی رکھنا چاہئے۔ قرآن کہتا ہے۔ ان کی حق فراموشی دیکھو سزا نہیں خدا کی تو کچھ پرواہ نہیں کہ بدعملیاں کئے جاتے ہیں، لیکن انسانوں کی اتنی پرواہ ہے کہ جونہی ان کی نگاہیں بدلی ہوئی نظر آئیں، لگے خوشامد کرنے اور جھوٹی قسمیں کھا کھا کر یقین دلانے۔

فی الحقیقت انسانی گمراہی کی بوالعجبیوں میں سے ایک عجیب بوالعجبی یہ ہے کہ وہ خدا پر ایمان رکھنے کا مدعی ہوتا ہے، اور جانتا ہے کہ اس کے علم سے کوئی بات پوشیدہ نہیں، تاہم ہر طرح کی معصیتیں کئے جائیگا اور ایک لحہ کے لئے بھی خیال نہ ہوگا کہ میں کیا کر رہا ہوں۔ لیکن جونہی انسانوں کی نظر میں اس کی معصیتیں نمایاں ہوئیں، اس کے ہوش و حواس گم ہو جائیں گے اور ہزار طرح کے جتن کرے گا کہ کہیں وہ اسے برا نہ سمجھنے لگیں اس سے معلوم ہوا کہ فی الحقیقت اسے

بعینہٖ یہی حال ایمان و عمل کے دائرہ کا بھی ہے۔ یہاں بھی طبیعت انسانی کی یہ تینوں حالتیں ظہور میں آتی ہیں۔ متشدد طبیعتیں قبول کر لیتی اور چل کھڑی ہوتی ہیں یہ مومن ہیں۔ متشدد انکار کرتے اور مخالفت میں سرگرم ہو جاتے ہیں۔ یہ کافر ہیں۔ کچھ لوگ قبول کر لیتے ہیں، لیکن فی الحقیقت قبولیت کی رُوح ان کے اندر نہیں ہوتی۔ یہ منافق ہیں۔

(۲) قرآن نے کفر کی طرح نفاق کے اعمال و خصائص بھی پوری تفصیل کے ساتھ بیان کئے۔ کیونکہ کفر کی طرح نفاق بھی محض عہد نزول ہی کی پیداوار نہ تھا۔ ہمیشہ ظہور میں آنے والی گمراہی تھی اور انسان کی گمراہیاں کسی خاص عہد و نسل کی نہیں بلکہ نوع انسانی کی گمراہیاں ہوتی ہیں۔

(۳) ایک تمام غلط فہمی یہ پھیلی ہوئی ہے کہ لوگ سمجھتے ہیں منافقوں کا گروہ کافروں کا کوئی خاص ساختی گروہ تھا جو جاسوسوں کی طرح بھیس بدل کر مسلمانوں میں رہنے لگا تھا۔ باہر نکلتا تو مسلمان بن جاتا۔ اکیلے میں ہوتا تو اپنے اصلی بھیس میں لوٹ آتا۔ حالانکہ ایسا سمجھنا قرآن و احادیث کی صاف صاف تصریحات کو جھٹلانا ہے، ان لوگوں نے اسلام بطور اپنے دین و اعتقاد کے اسی طرح اختیار کر لیا تھا جس طرح دوسرے مسلمانوں نے، چنانچہ اسی سورت کی آیت (۶۶) میں ہے کہ: وکفروا بعد اسلامھم اسلام لا کر پھر کفر کی باتیں کیں۔ وہ اپنے آپ کو مسلمان سمجھتے تھے۔ ان کی بیویاں انہیں مسلمان سمجھتی تھیں۔ ان کے بچے انہیں مسلمان سمجھتے تھے۔ ان کے گھر کا ہر فرد یقین کرتا تھا کہ ہم مسلمان ہیں۔ وہ نماز پڑھتے تھے۔ روزہ رکھتے تھے۔ اسلام کے طور طریقے پر اولاد کی پرورش کرتے تھے۔ جہاں تک کسی دین کو بطور ایک دین کے اختیار کر لینے کا تعلق ہے کوئی بات ایسی نہ تھی جو لفظاً ان کے مسلمان ہونے کے خلاف ہو۔ تاہم قرآن نے فیصلہ کیا کہ وہ مسلمان نہیں ہیں۔ کیونکہ اسلام کا گھونٹ تو انہوں نے پی لیا تھا لیکن حلق کے نیچے نہیں اترا تھا۔ کسی تعلیم کو اختیار کر لینے کے بعد یقین و عمل کی جو رُوح پیدا ہونی چاہئے، اس سے یہ قطعاً محروم تھے۔ اخلاص اور صداقت کے لئے ان کے دلوں میں کوئی جگہ نہیں تھی۔ وہ اللہ کا کلام سنتے، مگر اس لئے نہیں کہ عمل کریں بلکہ اس لئے کہ محض سنتے رہیں۔ وہ نماز پڑھتے مگر بے دلی کے ساتھ۔ خیرات کرتے مگر مجبور ہو کر۔ ان کے دلوں میں دین سے زیادہ دنیا کا عشق تھا۔ اسلام کے جو احکام ان کے نفسی اغراض کے خلاف نہ ہوتے ان پر خوش خوش عمل کرتے جو خلاف ہوتے ان سے نکل بھاگنا چاہتے۔ جب کبھی خوشحالیوں کا موقعہ ہوتا تو وہ سب سے پہلے مومن تھے۔ جب کبھی قربانیوں کا موقع آجاتا تو سب سے آخری صفوں میں بھی دکھائی نہ دیتے۔ جہاد کے نعرے سے ان کی روحیں لرز جاتیں۔ انفاق کا حکم ان کے لئے موت کا پیام ہوتا۔ اسلام کے دشمنوں سے سازگاریاں رکھنے میں انہیں کچھ تامل نہ ہوتا۔ وہ سمجھتے تھے دونوں طرف لگے رہنے ہی میں مصلحت ہے۔ اگر بازی الٹ پڑی اور دشمن فتح مند ہو گئے، تو ان کے پاس بھی اپنی جگہ بنی رہیگی۔

ایمان و کفر کی طرح نفاق کی تمام حالتیں بھی یکساں نہیں اور نہیں تھیں۔ چونکہ اصل کے اعتبار سے یہ حالت بھی انکار ہی کی ایک اقرار نما صورت ہے اس لئے جب بڑھتی ہے تو انکار قطعی ہی کی طرف بڑھتی ہے اور اسی کے حصے میں روٹھنا ہوتا ہے کتنے ہیں کہ کبھی میں کم کسی ہیں زیادہ۔ چنانچہ اس عہد کے منافقوں کی حالت نفاق یکساں نہ تھی۔ عبداللہ بن ابی کا نفاق ہر منافق کا نفاق نہ تھا۔ خود قرآن نے اسی سورت کی آیت (۱۰۱) میں اس طرف اشارہ کیا ہے: ومن حولکم من الاعراب منافقون ومن اھل المدینۃ مردوا علی النفاق کسی کے نفاق کا رخ زیادہ تر اس طرف تھا کہ ہجرت سے جی چراتے تھے کسی پر انفاق مال شاق تھا۔ کوئی جہاد سے بچنا چاہتا تھا۔ کسی پر نماز کا قیام سخت گزرتا تھا۔ کوئی ایسا بھی تھا کہ احکام الٰہی اور آیات قرآنی کی ہنسی اڑاتا تھا، اور اس تاک میں تھا کہ اگر مسلمانوں پر کوئی آفت آپڑے تو کھلم کھلا دشمنوں کے ساتھ ہو جائے۔ تاہم یہ قطعی ہے کہ ان سب نے اسلام بطور اپنے دین و طریقہ کے قبول کر لیا تھا، اور مسلمانوں ہی میں سمجھے جاتے تھے۔ یہ بات نہ تھی کہ محض ایک سازشی گروہ بھیس بدل کر مسلمانوں میں آملا ہو، اور مسلمانوں میں سے نہ ہو۔

لہ عبداللہ بن ابی منافقوں کا سرغنہ تھا، لیکن اس کا لڑکا منافق نہ تھا، مخلص مومن تھا۔ اسی طرح تمام منافقوں کی اولاد و احفاد مخلصوں کی جماعت نکلی۔

اور فرمایا ہے جس میں یہ خصلت ہو تو سمجھ لو نفاق کی خصلت آگئی۔ مثلاً اربع، من کن فیہ، کان منافقاً خالصاً ومن کانت فیہ خصلۃ منھن کانت فیہ خصلۃ من النفاق (بخاری) ولو صلی، وصام، وزعم انہ مسلم (مسلم) یعنی چار خصلتیں ہیں جس میں یہ چاروں جمع ہو جائیں وہ پورا منافق ہے اور جس میں کوئی ایک خصلت پائی جائے، تو سمجھ لو نفاق کی ایک خصلت پیدا ہو گئی۔ مسلم کے لفظ میں یہ بھی ہے اگرچہ وہ نماز پڑھتا ہو روزہ رکھتا ہو، اور اس زعم میں ہو کہ مسلمان ہے۔ پھر یہ خصلتیں بیان کی ہیں جو سچے مومن میں نہیں ہونی چاہئیں مثلاً امانت میں خیانت جھوٹ بولنا، وعدہ خلافی، غصہ میں آکر بے قابو ہو جانا۔ تو معلوم ہوا، نفاق کوئی ایسی حالت نہ تھی جو صرف آنحضرت کے زمانہ ہی میں ظہور پذیر ہوئی ہو، اور نہ منافقوں کا گروہ کوئی ایسا گروہ تھا جو محض چھپے کافروں کا ایک سازشی گروہ ہو یہ ایمان وعمل کی کمزوری کی ایک زیادہ سخت حالت ہے اور جس طرح اس زمانہ میں تھی اسی طرح ہر زمانے میں ہو سکتی ہے اور ہوتی رہی ہے۔

اگر آج مسلمانوں کی اکثریت اپنے ایمان وعمل کا احتساب کرے تو اسے معلوم ہو جائے کہ نفاق کی حقیقت معلوم کرنے کے لئے اور کسی طرف دیکھنے کی ضرورت نہیں وہ اپنے ہی وجود میں اسے دیکھ لے سکتی ہے۔

حقایق ہستی کے احوال ثلاثہ

(۸) یہ جو قرآن نے انسان کے عقاید واعمال کی تین حالتیں قرار دیں ایمان، کفر، نفاق، تو فی الحقیقت عالم ہستی کے تمام گوشوں میں اصلاً تین ہی حالتیں پائی جاتی ہیں۔ یا تو کون کی حالت ہوگی، یا افساد کی حالت ہوگی، یا پھر دونوں کی درمیانی حالت خود اپنے وجود ہی کو دیکھ لو۔ یا زندگی ہے یا موت ہے یا بیماری، بیماری کو نہ تو زندگی کی صحیح حالت کہہ سکتے ہیں نہ موت ہی قرار دے سکتے ہیں۔ دونوں سے بین بین ہے لیکن رخ اس کا موت ہی کی طرف ہے قالب روح کا بھی یہی حال ہوا۔ ایمان زندگی ہے، موت کفر ہے اور نفاق بیماری۔

یہ مقام نہایت معارف قرآنی میں سے ہے۔ لیکن۔

گر نویسم شرح آں بے حد شود — مثنوی ہفتاد من کاغذ شود!

مسجد ضرار

(۹) آیت (۱۰۷) میں جو مسجد کا ذکر کیا گیا ہے اور جو تاریخ اسلام میں مسجد ضرار کے نام سے یاد کی جاتی ہے اس کا مختصراً حال یہ ہے۔

پیغمبر اسلام جب مدینہ آئے، تو پہلے قبا نامی مقام میں فرمایا۔ یہاں آپ کے حکم سے ایک مسجد تعمیر ہوئی تھی جو عہد اسلام کی پہلی مسجد ہے بعض منافقوں نے جن کی تعداد بعض روایات سے بارہ ثابت ہوتی ہے، اسی مسجد کے پاس ایک نئی مسجد تعمیر کی اور جب پیغمبر اسلام تبوک کے لئے نکل رہے تھے، تو آپ کی خدمت میں آکر عرض کیا۔ ایک دن وہاں آکر نماز پڑھ دیجئے۔ آپ نے فرمایا، ابھی تو سفر درپیش ہے۔ واپسی پر دیکھا جائے گا۔ پھر جب آپ تبوک سے واپس ہوئے، اور مدینہ کے بالکل قریب پہنچ گئے تو یہ آیت نازل ہوئی، اور اللہ نے بانیان مسجد کے منافقانہ مقاصد سے آپ کو مطلع کر دیا۔ آپ نے فوراً حکم دیا کہ یہ مسجد گرا دی جائے، چنانچہ قبل اس کے کہ مدینہ پہنچیں، مسجد منہدم کر دی گئی تھی۔

اس آیت میں مسجد بنانے کے چار مقصد بیان کئے ہیں۔

(ا) ضرارا یعنی ان کا مطلب یہ ہے کہ قبا کے مخلص مومنوں کو نقصان پہنچائیں۔ کیونکہ مسجد قبا کی وجہ سے انہیں ایک خاص عزت حاصل ہو گئی ہے۔ یہ حسد وعناد سے چاہتے ہیں ان کی یہ خصوصیت باقی نہ رہے۔

(ب) وکفرا "کفر کے مقاصد پورے ہوں یعنی اپنی الگ مسجد ہو جائے گی، تو مسجد قبا میں نماز کے لئے جانے کی ضرورت باقی نہیں رہے گی، اور اس طرح نماز ترک کرنے کا موقع مل جائے گا۔ کیونکہ لوگ سمجھیں گے انہوں نے اپنی مسجد میں نماز پڑھ لی یہ اپنے گھروں میں بیٹھے رہیں گے اس سے معلوم ہوا کہ ترک نماز کی حالت ایک ایسی حالت ہے جسے قرآن کفر کی حالت سے تعبیر کرتا ہے نیز معلوم ہوا کہ نیک کاموں کا نیک ہونا مقصد ونیت پر موقوف ہے ورنہ مسجد بنانے جیسا نیک کام بھی کفر کے لئے ہو جا سکتا ہے۔

(ج) وتفریقا بین المومنین مسلمانوں میں تفرقہ ڈالنے کے لئے۔ کیونکہ قبا کی تمام آبادی ایک ہی مسجد

خدا کی ہستی کا یقین نہیں۔ کیونکہ اگر یقین ہوتا۔ اسی درجہ کا یقین جس درجہ کا یقین انسانوں کی موجودگی پر رکھتا ہے تو ممکن نہ تھا کہ اس سے بے پرواہ ہو جاتا۔ قرآن کہتا ہے یہی حالت نفاق کی حالت ہے۔

(ف) دین کے بارے میں ان کی زبانیں جھوٹ ہیں۔ لیکن جب پکڑے جاتے ہیں تو کہتے ہیں ہم نے بطور تفریح اور مزاح کے ایک بات کہدی تھی۔ سچ مچ کو ہمارا یہ مطلب نہ تھا۔ قرآن کہتا ہے یہ عذر گناہ بدتر از گناہ ہے کیونکہ اس سے معلوم ہوا تم اللہ کی، اس کی آیتوں کی، اس کے رسول کی ہنسی اڑاتے ہو۔

(ص) جس طرح مومن مرد اور عورتیں راہ حق میں ایک دوسرے کے رفیق و معاون ہیں اسی طرح منافق راہ نفاق میں ایک دوسرے کے رفیق و معاون ہیں۔

(ق) کذب گوئی ان کا شیوہ ہے صریح ایک بات کہیں گے، اور پھر الگا کر دینگے۔

(د) بعضوں کا یہ حال ہے کہ عہد کرتے ہیں خدایا اگر تو ہم پر فضل کرے، تو ہم تیری راہ میں خیرات کرینگے، اور نیکی کی زندگی بسر کرینگے۔ لیکن جب اللہ فضل کرتا ہے، تو پھر بے تامل بخیلی پر اتر آتے ہیں۔ اور کچھ اسکی راہ میں نہیں لگاتے اس کی طرف سے رُخ پھیرے رہتے ہیں!

(ش) ان کا ایک کاٹ وصف یہ ہے کہ خود تو کچھ کرینگے نہیں لیکن کرنے والوں کے خلاف زبان کھولنے میں ہمیشہ بیباک رہینگے۔ مثلاً اگر عرش حال آدمیوں نے بڑی بڑی رقمیں راہ حق میں نکالیں تو کہیں گے، دکھاوے کے لئے یا کسی دنیوی غرض کے لئے ایسا کرتے ہیں۔ اگر کوئی غریب آدمی اپنی محنت مزدوری کی کمائی میں سے چار پیسے نکال کر رکھ دے گا تو اسکی ہنسی اڑائیں گے کہ واہ اچھی خیرات کی!

(ت) راہ حق میں محنتیں شقتیں برداشت کرنا، ان کی سمجھ میں نہیں آتا۔ غزوہ تبوک کا معاملہ سخت گرمی میں پیش آیا تھا۔ اس لئے لوگوں سے کہتے تھے اس گرمی میں کہاں جاتے ہو؟

(ث) ایمان کے ضعف نے انہیں مردانگی کے احساس و غیرت سے بھی محروم کر دیا۔ جب لوگ قوم و ملت کی راہ میں جان و مال قربان کرتے ہیں، تو وہ عورتوں کے ساتھ گھروں میں بیٹھے رہتے ہیں اور ذرا بھی نہیں شرماتے۔

(خ) کچھ لوگ ایسے ہیں جو نفاق کی حالت میں شب و روز رہتے رہتے بڑے مشاق ہو گئے ہیں دوسرے اتنے مشاق نہیں جو مشاق ہیں تم انہیں نہیں سکتے۔

(ذ) بعض لوگ دینداری کے بھیس میں ایسی راہیں نکالتے کہ مسلمانوں کی جماعت میں تفرقہ ہو اور ان کے مقاصد کو نقصان پہنچے۔ مثلاً ایک مسجد بنائی اور پیغمبر اسلام سے عرض کیا، آپ اس میں نماز پڑھا دیں تو ہمارے لئے برکت و سعادت ہو۔ مقصود یہ تھا کہ اپنے اجتماع کے لئے ایک نیا حلقہ پیدا کریں اور مسلمانوں کی جماعت میں تفرقہ ہو۔

(ض) کوئی سال نہیں گذرتا کہ ان کے لئے تنبیہ و اعتبار کی کوئی نہ کوئی بات ظہور میں نہ آجاتی ہو، لیکن غفلت یہ حال ہے کہ نہ تو توبہ کرتے ہیں نہ عبرت پکڑتے ہیں۔

(ظ) سورۂ آل عمران، نساء، انفال، احزاب، محمد، فتح، حدید، مجادلہ اور حشر میں بھی منافقوں کے اعمال و خصائص بیان کئے گئے ہیں، اور ایک پوری سورت منافقوں انہی کے حالات میں ہے۔ چاہیئے کہ اس موقعہ پر فہرست سے مدد لے کر وہ تمام مقامات بھی دیکھ لئے جائیں۔

(۶) یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ سورۂ بقرہ کی آیت (۸) و من الناس من یقول امنا باللہ وبالیوم الآخر وما ھم بمومنین میں اور اس کی بعد کی آیتوں میں جن لوگوں کی طرف اشارہ کیا ہے اس سے مقصود منافقوں کی یہ جماعت نہیں ہے، بلکہ یہود و نصاریٰ ہیں جو ایمان باللہ کا دعویٰ کرتے تھے مگر حقیقۃً ایمان کی روح ان میں باقی نہیں رہی تھی۔ فی الحقیقت یہ حالت بھی نفاق ہی کی حالت ہے۔ جو ایک مدت کے جمود و تعطل کے بعد پیروان مذاہب پر طاری ہو جاتی ہے۔ لیکن مقصود اس سے مدینہ کے منافق نہیں ہیں۔

(۷) یہاں سے بات بھی واضح ہو گئی کہ ان احادیث کا مطلب کیا ہے جن میں نفاق کی خصلتیں بیان کی گئی ہیں

خود پیغمبر اسلام بھی ان کے لئے مغفرت کی دعا فرمائیں (آیت ۸۰) سورۂ منافقون میں فرمایا تھا۔ سواء علیھم استغفرت لھم ام لم تستغفر لھم (۶۳:۶) تم ان کے لئے مغفرت طلب کرو یا نہ کرو، دونوں حالتیں ان کے لئے یکساں ہیں وہ بخشے جانے والے نہیں۔ یہاں یہی بات زیادہ زور دے کر کہی گئی کہ ان تستغفر لھم سبعین مرۃ تم ستر مرتبہ (یعنی سینکڑوں مرتبہ) کیوں نہ دعاءِ مغفرت کرو مگر یہ بخشے جانے والے نہیں۔

احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جب عبداللہ بن ابی کا انتقال ہوا تو اس کے لڑکے نے آپ سے درخواست کی کہ کفن کے لئے اپنا پیراہن عطا فرمائیں اور نماز جنازہ پڑھا دیں۔ اور آپ نے درخواست منظور کر لی حضرت عمرؓ یہ بات شاق گذری تھی۔ مگر آپ نے فرمایا: واعلم انی ان زدت علی السبعین غفرلہ لزدت علیھا (بخاری والجنائز) اس حدیث اور آیت مندرجہ صدر کی تطبیق میں مفسرین کو مشکلات پیش آئی ہیں لیکن فی الحقیقت معاملہ بالکل واضح ہے اور تشریح اسکی سورۂ منافقون کے نوٹ میں ملے گی۔

(ا) جن منافقوں نے اس موقعہ پر شرکت نہ کی، آئندہ اگر وہ کسی ایسے کام میں شریک ہونا چاہیں تو صاف انکار کر دیا جائے اور انہیں شریک نہ کیا جائے (آیت ۸۳)

(ب) ان میں سے جو کوئی بغیر توبہ کئے مر جائے، پیغمبر اسلام اس کے جنازے میں شریک ہوں اور نہ حسب معمول دعا مانگیں (آیت ۸۴) حضرت حذیفہؓ کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے، یہ حکم خاص منافقوں کے لئے ہوا تھا۔ اور آنحضرت نے ان کے نام بتلا دئے تھے۔ جبیر بن مطعم سے مروی ہے کہ یہ بارہ آدمی تھے۔ (فتح الباری)

(ج) اگر یہ لوگ معذرت کریں تو صاف صاف کہدیا جائے کہ اب تمہاری زبانی معذرتیں نہیں سنی جائیں گی عمل دیکھا جائے گا۔ آئندہ اگر تمہارے اعمال سے اخلاص ثابت ہوا، تو سمجھا جائے گا کہ تائب ہو گئے، نہیں تو منافق متصور ہونگے (آیت ۹۴)

(ح) مسلمانوں کو حکم ہوا۔ ان سے گردن موڑ لو۔ یعنی ان سے ربط ضبط نہ رکھو (آیت ۹۵)

(۱۰) اس باب میں بے شمار امور تفصیل طلب ہیں اور مباحث تفسیر و حدیث کے متعدد مقامات ہیں جن کی وضاحت و تحقیق ضروری ہے، لیکن مزید تفصیل کا یہ موقع نہیں۔ البیان کا انتظار کرنا چاہئے۔

شرح مقام رضوا عنہ

(ل) آیت (۱۰۰) میں سابقون الاولون اور ان کے متبعین کی نسبت فرمایا: رضی اللہ عنھم و رضوا عنہ اللہ ان سے راضی ہوا۔ وہ اللہ سے۔ اس مقام کا ایک پہلو قابل غور ہے جس پر لوگوں کی نظر نہیں پڑی یعنی و رضوا عنہ پر کیوں زور دیا گیا ہے اتنا کہدینا کافی تھا کہ اللہ ان سے خوشنود ہوا۔ کیونکہ ان کے اعمال اللہ کی خوشنودی ہی کے لئے تھے یہ بات خصوصیت کے ساتھ کیوں کہی گئی کہ وہ بھی اللہ سے خوشنود ہوئے؟

اس لئے کہ ان کے ایمان و اخلاص کا اصلی مقام بغیر اس کے نمایاں نہیں ہو سکتا تھا۔

انسان جب کبھی کسی مقصد کی راہ میں قدم اٹھاتا ہے، اور مصیبتوں سے دوچار ہوتا ہے تو دو طرح کی حالتیں پیش آتی ہیں کچھ لوگ جو انمرد اور باہمت ہوتے ہیں۔ وہ بلا تامل ہر طرح کی مصیبتیں جھیل لیتے ہیں لیکن ان کو جھیلنا جھیل لینا ہی ہوتا ہے یہ بات نہیں ہوتی کہ مصیبتیں نہ رہی ہوں عیش و راحت ہو گئی ہوں۔ کیونکہ مصیبت پھر مصیبت ہے۔ باہمت آدمی کڑوا گھونٹ بغیر کسی جھجک کے پی لے گا لیکن اسکی کڑواہٹ کی بدمزگی محسوس ضرور کرے گا۔ لیکن کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جنہیں صرف باہمت ہی نہیں کہنا چاہئے بلکہ اس سے بھی کچھ زیادہ سمجھنا چاہئے۔ ان میں صرف ہمت و جوانمردی ہی نہیں ہوتی بلکہ عشق و شیفتگی کی حالت پیدا ہو جاتی ہے۔ وہ مصیبتوں کو مصیبتوں کی طرح نہیں جھیلتے، بلکہ عیش و محبت کی طرح ان سے لذت و سرور حاصل کرتے ہیں۔ راہ محبت کی ہر مصیبت ان کے لئے عیش و راحت کی ایک نئی لذت بن جاتی ہے اگر اس راہ میں کانٹوں پر لوٹنا پڑے تو کانٹوں کی چبھن میں انہیں ایسی راحت ملے، جو کسی کو پھولوں کی سیج پر لوٹ کر نہیں مل سکتی۔ حتی کہ اس راہ کی مصیبتیں جس قدر بڑھتی جاتی ہیں۔ اتنی ہی زیادہ ان کے دل کی خوشحالیاں بھی بڑھتی جاتی ہیں۔ ان کے

میں نماز پڑھتی تھی۔ اب بالکل اس کے پاس دوسری مسجد بنیں گی، تو جماعت بٹ جائے گی۔ کچھ لوگ پچھلی مسجد میں جائینگے کچھ نئی میں۔ اور جب ایک جماعت نہ رہی، تو مسلمانوں کے باہمی اجتماع و تعارف کا وہ مقصد بھی فوت ہو گیا جو قیام جماعت کے اہم ترین مقاصد میں سے ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ ایک مسجد اگر موجود ہو، تو بلا ضرورت دوسری مسجد اس کے قریب تعمیر کرنا جائز نہیں کیونکہ ایسا کرنا تفریق بین المومنین ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ تمام ائمہ اسلام نے اتفاق کیا کہ ہر شہر میں جمعہ کی جماعت ایک ہی جگہ ہونی چاہیئے۔ اور اگر آبادی اتنی زیادہ ہو جائے کہ ایک جگہ کافی نہ ہو، تو پھر بقدر ضرورت ایک سے زیادہ مساجد میں جمعہ قائم کیا جائے۔ یہ نہیں کرنا چاہیئے کہ بلا ضرورت بہت سی مسجدیں تعمیر کر دی جائیں اور ہر مسجد میں جمعہ شروع کر دیا جائے افسوس ہے کہ مسلمانوں نے یہ صریح حکم قرآنی پس پشت ڈال دیا، اور محض ریاکاری اور نام و نمود کے لئے باکثرت مساجد اور اس کے مہتممین کو نقصان پہنچانے کے لئے بکثرت مسجدیں ہر شہر و قریہ میں تعمیر کر دیں، اور روز بروز تعمیر کرتے جائیں۔ اگر ان کی تعمیر کے حالات و مقاصد کا تفحص کیا جائے تو بڑی تعداد ٹھیک ٹھیک مسجد ضرار کی سی مسجدیں ثابت ہونگی، مگر کوئی نہیں جو اس اضاد سے لوگوں کو روکے، بلکہ خود علماء و مشائخ اپنے شخصی انتفاع و ترفع کے لئے اس مفسدانہ فعل کے مرتکب ہوتے رہتے ہیں اور اپنے معتقدوں کو تعمیر مسجد کے بے محل ثواب سنا سنا کر مزید ترغیبیں دیتے ہیں چنانچہ مسلمانوں کی تفریق و انتشار کا ایک بڑا باعث مسجدوں کا وجود بھی ہو گیا ہے ایک ہی محلہ میں چار چار پانچ پانچ جگہ جماعتیں ہوتی ہیں، ایک ہی رقبہ میں بلا ضرورت ایک سے زیادہ جگہ جمعہ پڑھا جاتا ہے۔ پھر صرف اتنے ہی پر قدم اٹھا نہیں رکا، بلکہ عیدین کی جماعتیں بھی مسجدوں میں ہونے لگی ہیں، حالانکہ ایسا کرنا صریح سنت مستمرہ کے خلاف ہے اور اجتماع عیدین کا مقصود عظیم ضائع کر دیتا ہے۔

(۸) "وارصادًا لمن حارب الله و رسوله من قبل" اللہ اور اس کے رسول سے جس نے جنگ کی، اس کے لئے ایک کمین گاہ پیدا کر دی جائے، یا اس کے انتظار و توقع میں پہلے سے ایک جگہ بنا دی جائے یعنی دشمنان اسلام کے لئے جن سے یہ لوگ سازباز رکھتے ہیں، ٹھکنے کی جگہ پیدا ہو جائے۔

روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ مدینہ میں قبیلہ خزرج کا ایک آدمی ابو عامر راہب تھا جو ظہور اسلام سے پہلے عیسائی ہو گیا تھا جب پیغمبر اسلام مدینہ تشریف لائے۔ تو کلمہ اسلام کا خروج اس پر شاق گذرا، اور اسلام کے خلاف سازشوں میں سرگرم ہو گیا۔ پہلے قریش مکہ کا ساتھ دیا، پھر شہنشاہ قسطنطنیہ کے پاس پہنچا اور اسے مسلمانوں پر حملہ کی ترغیب دی تبوک کے بعض منافقین میں اور اس میں قدیم سے رسم و راہ تھی۔ یہ انہیں اسلام کے خلاف اکساتا رہتا اور مدد و سیوں کے حملہ کا یقین دلاتا۔ یہاں "لمن حارب الله و رسوله" میں اسی کی طرف اشارہ ہے۔

(۹) اس سورت میں منافقوں کے لئے حسب ذیل احکام دیئے گئے ہیں۔

(ا) ایسے لوگوں کا انفاق قبول نہ کیا جائے (آیت ۵۳) اس سے معلوم ہوا کہ جو افراد جماعت کے مقاصد کو نقصان پہنچائیں، امام کو چاہیئے ان کی مالی اعانت قبول کرنے سے انکار کر دے۔ کیونکہ ایسے لوگوں کا مال قبول کرنا انہیں بدعملیوں اور بشرارتوں پر جرأت دلانا ہے۔ وہ سمجھتے ہیں، ہم روپیہ خرچ کر کے اپنے منافقانہ اعمال کی پردہ پوشی کرتے رہینگے۔

(ب) صاف صاف کہہ دیا کہ یہ لوگ بھی معاندوں کی طرح نجات اخروی سے محروم رہینگے اگرچہ اپنے کو مومن سمجھتے ہیں۔ (آیت ۶۸)

(ج) منافقوں سے بھی جہاد کرنے کا حکم دیا گیا (آیت ۷۳) اس سورت کے دوسرے احکام و مواعظ کی طرح اس حکم کا تعلق بھی آئندہ پیش آنے والے واقعات سے تھا۔ چنانچہ جب پیغمبر اسلام کی وفات کے بعد فتنہ نفاق نے سر اٹھایا۔ اور متعدد قبائل نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا تو صحابہ کرام نے اس حکم کی تعمیل کی، اور ان سے قتال کرنے پر متفق ہو گئے۔

(د) اشرار منافقین کی نسبت فرمایا، جو ان میں سے بغیر توبہ کئے مر جائیں گے وہ کبھی بخشے نہیں جائیں گے۔ اگرچہ

وافر ملتا، لیکن آنحضرت نے ان باشندگان مکہ کو ترجیح دی جو فتح مکہ کے بعد نئے نئے مسلمان ہوئے تھے، اور انصار مدینہ کے حصہ میں کچھ نہ آیا۔ کیونکہ آپ کے پیش نظر نومسلموں کی تالیف قلب تھی۔ یہ حالت دیکھ کر بعض نوجوانوں کو خیال ہوا، اہل مکہ سے لڑے تو ہم، لیکن آج مال غنیمت کا حصہ مل انہیں رہا ہے بات آنحضرت تک پہنچی تو آپ نے انصار کو جمع کیا اور فرمایا: الا ترضون ان یذھب الناس بالشاۃ والبعیر وتذھبون بالنبی الی رحالکم ؟ کیا تمہاری خوشنودی کے لئے یہ بات کافی نہیں کہ لوگ یہاں سے مال غنیمت کے حصے لے کر جائیں اور تم اللہ کے نبی کو اپنے ساتھ لے کر جاؤ ؟ انصار بے اختیار پکار اٹھے۔ رضینا، یا رسول اللہ (رضینا) ہم خوشنود ہیں، یا رسول اللہ ہم خوشنود ہیں (صحیحین)

اور پھر غور کرو، جو لوگ واتبعوھم باحسان، داخل ہوئے انہیں بھی کس درجہ اس مقام سے حصہ وافر ملا تھا؟ دنیا میں شاید ہی کسی عورت کے دل میں اپنے عزیزوں کے لئے ایسی محبت پیدا ہوئی ہوگی جیسی جاہلیت کی مشہور شاعرہ خنساء کے دل میں تھی۔ اس نے جو مرثیے اپنے بھائی صخر کے غم میں کہے ہیں، تمام دنیا کی شاعری میں اپنی نظیر نہیں رکھتے:

یذکرنی طلوع الشمس صخرا واذکرہ بکل غروب شمس[1] !

لیکن ایمان لانے کے بعد اسی خنساء کی نفسیاتی حالت ایسی منقلب ہوگئی کہ جنگ یرموک میں اپنے تمام لڑکے ایک ایک کر کے کٹوا دئے، اور جب آخری لڑکا بھی شہید ہو چکا، تو پکار اٹھی: الحمد للہ الذی اکرمنی بشھادتھم:

پس رضوا عنہ میں اشارہ اسی طرف ہے کہ اللہ اور اس کے کلمۂ حق کی راہ میں جو کچھ بھی پیش آیا انہوں نے اسے جھیلا ہی نہیں، بلکہ کمال محبت ایمانی کی وجہ سے اس میں خوش حال و خوشنود رہے، اور یہی مقام ہے جو ان کے درجہ کو تمام مدارج ایمان و عمل میں ممتاز کر دیتا ہے۔

تعجب ہے کہ اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے مفسروں کی نظر اس صاف اور واضح بات کی طرف نہ گئی۔ البیان میں مزید تفصیل ملے گی۔

ترک موالات کا حکم اور اسکی حقیقت

(۴) اس سورت میں جا بجا اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ دشمنوں سے رفاقت و اعانت کے رشتے نہ رکھو اگرچہ وہ تمہارے قرابت دار ہی کیوں نہ ہوں، اور دوسری سورتوں میں بھی ایسے ہی احکام موجود ہیں۔ لیکن یاد رکھنا چاہیے کہ یہ اور اس طرح کے تمام احکام، احکام جنگ میں سے ہیں نہ کہ معیشت و علائق کے عام احکام، اور یہ بات خود قرآن نے جا بجا اس درجہ وضاحت اور قطعیت کے ساتھ واضح کر دی ہے کہ شک و تردد کی ذرا بھی گنجائش نہیں رہی ہے۔

جہاں تک ایک انسان کے دوسرے انسان کے ساتھ معاملہ کرنے کا تعلق ہے، قرآن کہتا ہے، اصل اس باب میں محبت و شفقت، ہمدردی و سلوک اور تعاون و سازگاری ہے۔ اس کے سوا کوئی بات نہیں ہو سکتی۔ وہ کہتا ہے ہر انسان دوسرے انسان کا بھائی ہے خواہ اس کا ہم وطن ہو یا نہ ہو، ہم نسل ہو یا نہ ہو، ہم عقیدہ ہو یا نہ ہو، اور ان امتیاز و تفریق کی وہ تمام باتیں جو اس انسانی بھائی چارگی کا رشتہ قطع کرتی ہیں، خدا کی طرف سے نہیں ہیں، خود انسانوں کی گڑھی ہوئی معصیت اور گمراہی ہے۔ پیغمبر اسلام کی دعاؤں میں سب سے زیادہ اعتراف اسی حقیقت کا ہوتا تھا کہ "انی اشھد ان العباد کلھم اخوۃ" (مسلم) خدایا! میں گواہی دیتا ہوں کہ تیرے تمام بندے آپس میں بھائی بھائی ہیں۔

لیکن جب تمام ملک و قوم نے اس دعوت کو یک زبان شمشیر نابود کر دینے کا فیصلہ کر دیا، اور پیروان دعوت پر محض اختلاف عقاید کی بنا پر ظلم و ستم کرنے لگے، تو مدافعتی طور پر جنگ کی حالت پیدا ہو گئی۔ اب دو فریق ایک دوسرے کے خلاف صف آرا تھے۔ ایک فریق مسلمانوں کا تھا جو اپنا بچاؤ کر رہا تھا۔ دوسرا دشمنوں کا تھا جو حملہ آور تھا۔ پس ایسی حالت میں ناگزیر ہو گیا کہ دوستوں اور دشمنوں میں صاف صاف امتیاز ہو جائے۔ جو دوست ہیں، وہ دشمنوں کے کیمپ سے کسی طرح کا تعلق نہ رکھیں جو دشمن ہیں، وہ دوستوں سے کسی طرح کی سازش نہ کر سکیں۔ قرآن میں جس قدر احکام عدم موالات کے ہیں، وہ سب اسی صورت حال سے تعلق رکھتے ہیں، اور اس سورت کی آیت (۲۳) بھی اسی سے متعلق ہے۔

---

[1] ہر صبح سورج کا نکلنا صخر کی یاد تازہ کر دیتا ہے، اور کوئی شام مجھ پر ایسی نہیں آتی کہ صخر کی یاد ساتھ نہ آ گئی ہو!

لئے صرف اس بات کا تصور کہ یہ سب کچھ کسی کی راہ میں پیش آ رہا ہے اور اسکی نگاہیں ہمارے حال سے بے خبر نہیں، عیش و سرور کا ایک ایسا بے پایاں جذبہ پیدا کر دیتا ہے کہ اس کی سرشاری میں جسم کی کوئی کلفت اور ذہن کی کوئی اذیت محسوس ہی نہیں ہوتی۔

یہ بات سننے میں تمہیں عجیب معلوم ہوتی ہوگی۔ لیکن فی الحقیقت حالت اتنی عجیب نہیں ہے بلکہ انسانی زندگی کے معمولی واردات میں سے ہے۔ اور عشق و محبت کا مقام تو بہت بلند ہے بوالہوسی کا عالم بھی ان واردات سے خالی نہیں۔

حدیث کاوش مژگان خونریزش نہ ناصح ۔۔۔ بہ دست آور رگ جانے و نشتر را تماشا کن!

سابقون الاولون کی جنت ایمانی کا یہی حال تھا۔ ہر شخص جو ان کی زندگی کے سوانح کا مطالعہ کرے گا بے اختیار تصدیق کرے گا کہ انہوں نے راہِ حق کی مصیبتیں صرف جھیلی ہی نہیں بلکہ دل کی پوری خوشحالی اور روح کے کامل سرور کے ساتھ اپنی پوری زندگیاں ان میں بسر کر ڈالیں۔ ان میں سے جو لوگ اول دعوت میں ایمان لائے تھے، ان پر شب و روز کی جان کاہیوں اور قربانیوں کے پورے تیئیس برس گزر گئے۔ لیکن اس تمام مدت میں کہیں سے بھی یہ بات دکھائی نہیں دیتی کہ مصیبتوں کی کڑواہٹ ان کے چہروں پر کبھی کھلی ہو۔ انہوں نے مال و علائق کی ہر قربانی اس جوش و مسرت کے ساتھ کی گویا دنیا جہان کی خوشیاں اور راحتیں ان کے لئے فراہم ہو گئی ہیں۔ اور جان کی قربانیوں کا وقت آیا، تو اس طرح خوش خوش کر دیں کٹوا دیں، گویا زندگی کی سب سے بڑی خوشی زندگی میں نہیں بلکہ موت میں تھی۔ ان میں ایک بڑی تعداد ایسے لوگوں کی تھی جنہوں نے اتنی عمریں نہیں پائیں کہ اسلام کی نعمت کے ساتھ اسلام کا عروج و اقبال بھی دیکھ لیتے اور عدی بن حاتم کی طرح کہہ سکتے "کنت فی من افتتح کنوز کسریٰ"[1] تاہم جب دنیا سے گئے تو اس عالم میں گئے کہ ان سے زیادہ عیش و خوشحالی میں شاید ہی کسی نے دنیا چھوڑی ہو۔ بدر اور اُحد کے شہیدوں کے حالات پڑھو، ایمان لانے کے بعد جو کچھ بھی ان کے حصے میں آیا، وہ بجز رات دن کی کاہشوں اور مصیبتوں کے اور کیا تھا؟ اور پھر قبل اس کے کہ اسلام کے فتح و اقبال کی کامرانیوں میں شریک ہونے کا موقع ملتا دشمنوں کی تیغ و سنان سے چور میدانِ جنگ میں دم توڑ رہے تھے۔ لیکن پھر بھی غور کرو، ان کے دل کی شادمانیوں کا کیا حال تھا؟ اس اطمینان و سکون کے ساتھ عیش و نشاط کے دیتروں پر کسی نے جان نہ دی ہوگی، جس طرح انہوں نے میدان جنگ کی رنجیلی زمین پر لوٹ لوٹ کر دی۔ جنگ احد میں سعد بن ربیع کو لوگوں نے دیکھا، زخمیوں میں پڑے سانس توڑ رہے ہیں۔ پوچھا، کوئی وصیت کرنی ہو تو کر دو۔ کہا۔ اللہ کے رسول کو میرا سلام پہنچا دینا، اور قوم سے کہنا، ان کی راہ میں جانیں نثار کرتے رہیں۔ عمارہ بن زیاد زخموں سے چور جان کنی کی حالت میں تھے کہ آنحضرت سرہانے پہنچ گئے۔ فرمایا۔ کوئی آرزو ہو تو کہو۔ عمارہ نے اپنا زخمی جسم گھسیٹ کر اور زیادہ قریب کر دیا اور اپنا سر آپ کے قدموں پر رکھ دیا، کہ اگر کوئی آرزو ہو سکتی ہے تو صرف یہی ہے۔

منم و ہمیں تمنا کہ بوقت جاں سپردن ۔۔۔ سرِ خود تو دیدہ باشم، تو دروں دیدہ باشی!

عورتوں تک کا یہ حال تھا کہ بیک وقت انہیں ان کے شوہر، بھائی، اور باپ کے شہید ہو جانے کی خبر پہنچائی جاتی تھی اور وہ کہتی تھیں۔ یہ تو ہوا۔ مگر بتلاؤ، اللہ کے رسول کا کیا حال ہے؟ پھر جب آپ کا جمال جہاں آرا نظر آتا، تو بے اختیار خوش ہو کر پکار اٹھتیں: کل مصیبۃ بعدک جلل! تو اگر سلامت ہے، تو پھر دنیا کی ساری مصیبتیں ہمارے لئے شہد و شکر کا گھونٹ ہو گئیں۔

من و دل گر فدا شدیم، چہ باک ۔۔۔ غرض اندر میان سلامت اوست

تاریخ اسلام میں جنگ حنین پہلی جنگ ہے جس میں کثرت مال غنیمت ہاتھ آیا۔ چوبیس ہزار اونٹ، چالیس ہزار بکریاں اور چار ہزار اوقیہ چاندی کا ذکر روایات میں ملتا ہے۔ یہ وقت تھا کہ سابقون الاولون کو مال و دولت سے حصہ

---

[1] عدی بن حاتم سے مروی ہے کہ آنحضرت نے فرمایا تھا۔ لتفتحن کنوز کسریٰ۔ ایسا ضرور ہونے والا ہے کہ تم کسریٰ کے خزانے فتح مدائن کھولو گے۔ وکنت فی من افتح کنوز کسریٰ۔ یہ پیشین گوئی میں نے اپنی آنکھوں سے پوری ہوتے دیکھ لی کیونکہ میں ان لوگوں میں سے ہوں جنہوں نے کسریٰ کا خزانہ کھولا تھا۔ (بخاری)

یُونُس (۱۰)

مکی - ۱۰۹ - آیتیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

الٓرٰ ۚ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِيْمِ ○ اَكَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا اَنْ اَوْحَيْنَآ اِلٰى رَجُلٍ مِّنْهُمْ اَنْ اَنْذِرِ النَّاسَ
وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنَّ لَهُمْ قَدَمَ صِدْقٍ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۭ قَالَ الْكٰفِرُوْنَ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ مُّبِيْنٌ ○
اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ يُدَبِّرُ
الْاَمْرَ ۭ مَا مِنْ شَفِيْعٍ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ اِذْنِهٖ ۭ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ۭ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ○ اِلَيْهِ
مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا ۭ وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا ۭ اِنَّهٗ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ

سورۂ انعام کی طرح اس سورت میں بھی خطاب مشرکین عرب سے ہے اور مواعظ کا مرکز دین حق کے مبادی و اساسات ہیں یعنی توحید، وحی و نبوت، اور آخرت کی زندگی سلسلہ بیان منکرین وحی کے تجربے سے شروع ہوا ہے کیونکہ ہدایت دینی کی سب سے بڑی رکاوٹ یہی ہے اور اسی کے اعتقاد پر اور تمام باتوں کا اعتقاد موقوف ہے۔

(۱) منکرین حق ایک طرف تو وحی و نبوت سے انکار کرتے دوسری طرف بھی دیکھتے تھے کہ یہ آدمی اور آدمیوں کی طرح نہیں ہے کوئی نہ کوئی بات ضرور ہے۔ پھر جب اس کی کوئی توجیہ بن نہ پڑتی تو کہتے ہو نہ ہو یہ جادوگری ہے۔ ان کا یہ قول قرآن کی حیرت انگیز تاثیر کی سب سے بڑی شہادت ہے یعنی اس کا اثر اس درجہ نمایاں اور قطعی تھا کہ باوجود عناد و جحود کے اس سے انکار نہیں کر سکتے تھے۔ اسے جادوگری سے تعبیر کرنے پر مجبور ہو جاتے تھے۔

(۲) آسمان و زمین کی چھ ایام میں خلقت سے مقصود کیا ہے؟ اس کی طرف سورۂ اعراف میں اشارہ ہو چکا ہے، مزید تشریح سورۂ ہود کے آخری نوٹ میں ملے گی۔

الٓرٰ - لام - را

یہ آیتیں ہیں کتاب حکیم کی۔ (یعنی ایسی کتاب کی جس کی تمام باتیں حکمت کی باتیں ہیں) ۱

کیا لوگوں کو اس بات پر اچنبا ہوا کہ انہی میں سے ایک آدمی پر ہم نے وحی بھیجی؟ اس بات کی وحی کہ لوگوں کو (انکار و بد عملی کے نتائج سے) خبردار کر دے اور ایمان والوں کو خوشخبری دیدے کہ پروردگار کے حضور ان کے لئے اچھا مقام ہے؟ کافروں نے کہا بلاشبہ یہ شخص جادوگر ہے۔ کھلا جادوگر!" ۲

(اے لوگو!) تمہارا پروردگار تو وہی اللہ ہے جس نے آسمانوں کو اور زمین کو چھ ایام میں پیدا کیا (یعنی چھ مہتم زمانوں میں پیدا کیا) پھر اپنے تخت حکومت پر متمکن ہو گیا۔ وہی تمام کاموں کا بندوبست کر رہا ہے (یعنی کائنات ہستی پیدا بھی اسی نے کی اور فرمانروائی بھی صرف اسی کی ہوئی) اس کے حضور کوئی سفارشی نہیں ہو سکتا۔ مگر یہ کہ خود وہ اجازت دیدے اور اجازت کے بعد کوئی اس کی جرأت کرے۔ یہ ہے اللہ تمہارا پروردگار پس اسی کی بندگی کرو۔ کیا تم غور و فکر سے کام نہیں لیتے؟ ۳

(۳) توحید ربوبیت سے توحید الوہیت پر استدلال۔ یعنی جب تم مانتے ہو کہ کائنات ہستی کا پیدا کرنے والا اللہ کے سوا کوئی نہیں تو پھر تدبیر و انتظام عالم کے بہت سے تخت اقتدار تم نے

"تم سب کو بالآخر اسی کی طرف لوٹنا ہے یہ اللہ کا سچا وعدہ ہے

اصل اس باب میں سورۂ ممتحنہ کی یہ آیات ہیں جو ایک ایسے ہی معاملہ کی نسبت نازل ہوئی تھیں۔

لا ينهكم الله عن الذين لم يقاتلوكم في الدين ولم يخرجوكم من دياركم ان تبروهم وتقسطوا اليهم ان الله يحب المقسطين ۔ انما ينهكم الله عن الذين قاتلوكم في الدين واخرجوكم من دياركم وظاهروا على اخراجكم ان تولوهم ومن يتولهم فاولئك هم الظلمون (۶۰ : ۹)

ذاتمہیں سہبات سے نہیں روکتا کہ ان مشرکوں کے ساتھ اچھا سلوک کرو اور انصاف کے ساتھ پیش آؤ جنہوں نے دین کے بارے میں تم سے لڑائی نہیں کی اور تمہیں تمہارے گھروں سے نہیں نکالا۔ خدا تو تمہیں صرف ان لوگوں کی رفاقت و سازگاری سے روکتا ہے جنہوں نے تم نے دین کے بارے میں لڑائی کی ہے (یعنی محض اس لئے کہ تم نے انکار دین چھوڑ کر ایک نیا دین اختیار کر لیا ہے تم پر حملہ کر دیا ہے) اور ظلم و ستم کر کے تمہیں تمہارے گھروں سے نکالا ہے نیز تمہیں جلاوطن کرنے میں ایک دوسرے کی مدد کی ہے پس جو کوئی ایسے لوگوں سے رفاقت و سازگاری رکھے گا تو ایسے ہی لوگ ہیں جو ظلم کرنے والے ہیں!

اس آیت سے معلوم ہو گیا کہ قرآن میں جہاں کہیں مسلمانوں کو مشرکین عرب یا یہود و نصاریٰ کی موالات سے روکا گیا ہے تو اس سے مقصود صرف وہی جماعتیں تھیں جنہوں نے مسلمانوں سے محض اختلافِ دین کی بنا پر قتال کیا تھا۔ اور جن کے ظلم و ستم نے مسلمانوں کو ترکِ وطن پر مجبور کر دیا تھا۔ یہ بات نہ تھی کہ تمام مشرکین عرب سے یا یہود و نصاریٰ سے ترکِ علائق کا حکم دیدیا گیا ہو، اور ظاہر ہے کہ قرآن کا یہ حکم کیونکر ہو سکتا ہے جبکہ اس کی دعوت سرتاسر انسانی اخوت و مساوات کی دعوت اور عموم شفقت و احسان کا عالمگیر پیام ہے۔

سورۂ توبہ ایک آخری اور دو ٹوک پیام تھا

(ن) اس سورت کے تمام مطالب اپنی اصلی حیثیت میں اس وقت تک واضح نہیں ہو سکتے جب تک یہ حقیقت پیش نظر نہ ہو کہ یہ تمام تر امت کے نام ایک دو ٹوک اعلانی پیام تھا، اور احکام و مواعظ سے اصل مقصود مستقبل کے پیش آنے والے معاملات تھے نہ کہ موجودہ۔ مفسرین کی نظر چونکہ اس پہلو پر نہیں گئی، اس لئے انہیں اکثر مقامات کی شرح و توجیہ میں دقتیں پیش آئیں۔ یہ اصل پیش نظر رکھ کر سورت کے تمام مواعظ و احکام پر دوبارہ نظر ڈالو، صاف واضح ہو جائے گا۔ کہ آئندہ مرحلوں کے لئے مخاطبین کو تیار کیا جا رہا ہے۔ مزید تفصیل کا یہ محل نہیں۔

هُمْ عَنْ اٰيٰتِنَا غٰفِلُوْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمُ النَّارُ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ يَهْدِيْهِمْ رَبُّهُمْ بِاِيْمَانِهِمْ ۚ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ۝ دَعْوٰىهُمْ فِيْهَا سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ وَتَحِيَّتُهُمْ فِيْهَا سَلٰمٌ ۚ وَاٰخِرُ دَعْوٰىهُمْ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ وَلَوْ يُعَجِّلُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ الشَّرَّ اسْتِعْجَالَهُمْ بِالْخَيْرِ لَقُضِيَ اِلَيْهِمْ اَجَلُهُمْ ۭ فَنَذَرُ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَاۗءَنَا فِيْ طُغْيَانِهِمْ

۷-۸ ۹ ۱۰ ع

کھائے پیئے، اور مرکر ہمیشہ کے لئے فنا ہو جائے، (اس استدلال کی وضاحت کے لئے دیکھو تفسیر فاتحہ)

غور کرو۔ اس قسم کے تمام مواعظ کا خاتمہ ہمیشہ اسی قسم کے جملوں پر ہوتا ہے کہ لقوم یعلمون - لقوم یعقلون کیونکہ ان باتوں کو وہی سمجھ سکتا ہے جو علم و بصیرت سے محروم نہ ہو۔

(۵) منازل قمر کی تقدیر سے مقصود کیا ہے؟ اس کی تشریح سورت کے آخری نوٹ میں ملے گی۔

(۶) سبحان اللہ (آیت ۱۰) کے چند گنے ہوئے لفظوں میں حقیقت حال کی کیسی کامل تصویر کھینچ دی ہے جس سے کوئی گوشہ بھی باہر نہیں رہا۔ سامنے ہی وجود آخرت کے تمام دلائل بھی یاں ہو گئے۔ منکرین آخرت کی ذہنیت کی چار حالتیں ہیں!

(ا) ان کے اندر خدا سے ملنے کی توقع نہیں۔

(ب) صرف دنیوی زندگی ہی میں خوشنود ہو بیٹھے ہیں۔

(ج) اس حالت کے خلاف ان کے اندر کوئی خلش پیدا نہیں ہوتی۔ اس پر مطمئن ہو گئے ہیں۔

(د) ان کا ذہن و ادراک اس درجہ معطل ہو گیا ہے کہ قدرت کی تمام نشانیاں جو چاروں طرف پھیلی ہوئی ہیں انہیں بیدار نہیں کر سکتیں۔ وہ یک قلم غافل ہو گئے ہیں۔

ان میں سے ہر بات نہ صرف بیان حال ہے، بلکہ بجائے خود ایک دلیل بھی ہے، اور یہی قرآن کی معجزانہ بلاغت ہے تشریح البیان میں ملے گی۔

(۷) یاد رہے کہ قرآن نے ہر جگہ آخرت کے معاملہ کو لقاء الٰہی سے تعبیر کیا ہے اور اس تعبیر نے واضح کر دیا ہے کہ حیات آخرت کی اصل حقیقت قرآن کے نزدیک کیا ہے۔ مختصر تشریح آخری نوٹ میں ملے گی۔

(۸) آیت (۱۱) کی تشریح آخری نوٹ میں ملے گی۔

رکھتے، صرف دنیا کی زندگی ہی میں مگن ہیں اور اس حالت پر مطمئن ہو گئے ہیں اور جو لوگ ہماری نشانیوں سے غافل ہیں تو ایسے ہی لوگ ہیں جن کا (آخری) ٹھکانا دوزخ ہوگا۔ بہ سبب اس کمائی کے جو خود اپنے ہی عملوں کے ذریعے) کماتے رہتے ہیں!

جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کئے، تو ان کے ایمان کی وجہ سے (کامیابی و سعادت کی) راہ ان کا پروردگار ان پر کھول دے گا۔ ان کے نیچے نہریں بہہ رہی ہونگی جبکہ وہ نعمت الٰہی کے باغوں میں ہونگے! وہاں ان کی پکار یہ ہوگی کہ "خدایا! ساری پاکیاں تیرے ہی لئے ہیں!" ان کی دعا یہ ہوگی کہ "سلامتی ہو" اور دعاؤں کا خاتمہ یہ ہوگا کہ الحمد للہ رب العٰلمین!

اور (دیکھو) انسان جس طرح فائدہ کے لئے جلد باز ہوتا ہے اگر اسی طرح اللہ اسے نقصان پہنچانے میں جلد باز ہوتا (یعنی اگر اس کا قانون جزا ایسا ہوتا کہ ہر بد عملی کا برا نتیجہ فوراً کام کر جائے) تو اس کا وقت کبھی کا پورا ہو چکا ہوتا (لیکن قانون جزا نے یہاں ڈھیل دے رکھی ہے) پس جو لوگ (مرنے کے بعد) ہماری ملاقات کی توقع نہیں

۷ ۸ ۹ ۱۰

ثُمَّ يُعِيدُهُ لِيَجْزِيَ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ بِالْقِسْطِ ۚ وَالَّذِينَ كَفَرُوا لَهُمْ شَرَابٌ مِّنْ حَمِيمٍ وَعَذَابٌ أَلِيمٌ بِمَا كَانُوا يَكْفُرُونَ ۝ ۴ هُوَ الَّذِي جَعَلَ الشَّمْسَ ضِيَاءً وَالْقَمَرَ نُورًا وَقَدَّرَهُ مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوا عَدَدَ السِّنِينَ وَالْحِسَابَ ۚ مَا خَلَقَ اللَّهُ ذَٰلِكَ إِلَّا بِالْحَقِّ ۚ يُفَصِّلُ الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ۝ ۵ إِنَّ فِي اخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَمَا خَلَقَ اللَّهُ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَتَّقُونَ ۝ ۶ إِنَّ الَّذِينَ لَا يَرْجُونَ لِقَاءَنَا وَرَضُوا بِالْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَاطْمَأَنُّوا بِهَا وَالَّذِينَ

کیوں بنا رکھے ہیں؟ اور کیوں انہیں بندگی و نیاز کا مستحق سمجھتے ہو؟ جس طرح یہ بات ہوئی کہ پیدا کرنے والی ہستی اس کے سوا کوئی نہیں اسی طرح تدبیر و فرمانروائی کا تخت بھی صرف اسی کا تخت ہوا اس میں تو کسی سفارشی کی سفارش کو دخل ہے نہ کسی مقرب کے تقرب کو۔ یہی مضمون سورۂ اعراف کی آیت (۵۴) میں گذر چکا ہے الا لہ الخلق والامر۔

۴ (۴) آیت (۴) میں سلسلہ بیان آخرت کی زندگی کی طرف متوجہ ہو گیا ہے، جس سے مشرکین عرب کو انکار تھا۔ یہاں تین باتوں کی طرف اشارہ کیا

(ا) وہ ہستی پیدا کرتا ہے پھر دہراتا ہے پس اگر پہلی پیدائش پر یقین رکھتے ہو تو دوسری پیدائش پر متعجب کیوں ہوتا ہے؟ یہ پہلی نشئہ سے دوسری نشئہ پر استدلال ہے۔ بالتفصیل سورۂ حج کی آیت (۵) اور قیامہ کی آخری آیات میں ملے گی۔

(ب) دوسری زندگی کیوں ضروری ہوئی؟ اس لئے کہ جزا و عمل کا قانون چاہتا تھا کہ جس طرح ایک زندگی آزمائش عمل کے لئے ہے اسی طرح ایک زندگی جزائے عمل کے لئے بھی ہو۔

(ج) تمام نظام خلقت اس کی شہادت دے رہا ہے کہ یہاں کوئی بات بغیر حکمت و مصلحت کے نہیں ہے سورج کو دیکھو جس کی درخشندگی سے تمام ستارے روشنی حاصل کرتے ہیں۔ چاند کو دیکھو جس کی گردش کی ۲۸ منزلیں مقرر کر دی ہیں اور اسی سے تم مہینے کا حساب کرتے اور برسوں کی گنتی معلوم کرتے ہو۔ اگر یہ سب کچھ بغیر مصلحت کے نہیں ہے تو کیا ممکن ہے کہ انسان کا وجود بغیر کسی غرض و مصلحت کے ہو، اور صرف اس لئے ہو کہ

۵

۶ لہ متقی اور تقوے کے لئے دیکھو سورۂ بقرہ نوٹ ھدی للمتقین۔

وہی ہے جو پیدائش شروع کرتا ہے اور پھر اسے دہراتا ہے (یعنی مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کرے گا) تاکہ جو لوگ ایمان لائے اور اچھے کام کئے انہیں انصاف کے ساتھ بدلہ دے۔ باقی رہے وہ لوگ جنہوں نے کفر کی راہ اختیار کی، تو انہیں پاداش کفر میں کھولتا ہوا پانی پینے کو ملے گا، اور عذاب دردناک!

وہی ہے جس نے سورج کو چمکتا ہوا بنایا، اور چاند کو روشن، اور پھر چاند کی منزلوں کا اندازہ ٹھہرا دیا، تاکہ تم برسوں کی گنتی اور حساب معلوم کر لیا کرو اللہ نے یہ سب کچھ نہیں بنایا ہے مگر حکمت و مصلحت کے ساتھ۔ ان لوگوں کے لئے جو جاننے والے ہیں، وہ (اپنی قدرت و حکمت کی) دلیلیں کھول کھول کر بیان کر دیتا ہے!

بلاشبہ اس بات میں کہ رات کے پیچھے دن اور دن کے پیچھے رات آتی ہے، اور بلاشبہ ان تمام چیزوں میں جو اللہ نے آسمانوں میں اور زمین میں پیدا کی ہیں، ان لوگوں کے لئے (قدرت و حکمت کی) نشانیاں ہیں جو متقی ہیں۔

جو لوگ (مرنے کے بعد) ہم سے ملنے کی توقع نہیں

قُلْ لَّوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا تَلَوْتُهٗ عَلَيْكُمْ وَلَآ اَدْرٰىكُمْ بِهٖ ۖ فَقَدْ لَبِثْتُ فِيْكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهٖ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝ ۱۶
فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ ۭ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْمُجْرِمُوْنَ ۝ ۱۷
وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ وَيَقُوْلُوْنَ هٰٓؤُلَاۗءِ شُفَعَاۗؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ ۭ قُلْ اَتُنَبِّـــُٔوْنَ اللّٰهَ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ ۭ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝ ۱۸

پر وحی کیا جاتا ہے۔ میں ڈرتا ہوں کہ اگر اپنے پروردگار کے حکم سے سرتابی کروں تو عذاب کا ایک بہت بڑا دن آ جائے ۱۵

اور تم کہو اگر اللہ چاہتا تو میں قرآن تمہیں سناتا ہی نہیں اور تمہیں اس سے خبردار ہی کرتا (مگر اس کا چاہنا یہی ہوا کہ تم میں اس کا کلام نازل ہو اور تمہیں اقوام عالم کی ہدایت کا ذریعہ بنائے) پھر دیکھو، یہ واقعہ ہے کہ میں اس معاملہ سے پہلے تم لوگوں کے اندر ایک پوری عمر بسر کر چکا ہوں۔ کیا تم سمجھتے بوجھتے نہیں؟ ۱۶

پھر بتلاؤ، اس سے بڑھ کر ظالم کون ہو سکتا ہے جو اپنے جی سے جھوٹ بات بنا کر اللہ پر افترا کرے، اور اس آدمی سے جو اللہ کی سچی آیتیں جھٹلائے؟ یقیناً جرم کرنے والے کبھی کامیابی حاصل نہیں کر سکتے! ۱۷

اور یہ (مشرک) اللہ کے سوا ایسی چیزوں کی پرستش کرتے ہیں جو نہ تو انہیں نقصان پہنچا سکتی ہیں نہ فائدہ، اور کہتے ہیں (ہم اس لئے ان کی پرستش کرتے ہیں کہ) یہ اللہ کے حضور ہمارے سفارشی ہیں (اے پیغمبر تم) کہہ دو "کیا تم اللہ کو ایسی بات کی خبر دینی چاہتے ہو جو خود اسے معلوم نہیں نہ تو آسمانوں میں اور نہ زمین میں"؟ پاک اور بلند ہے اس کی ذات اس شرک سے جو یہ لوگ کر رہے ہیں! ۱۸

اور (ابتدا میں) انسانوں کی ایک ہی امت تھی

(۱۱) مشرکین عرب پیغمبر اسلام کی صداقت و فضیلت سے انکار نہیں کر سکتے تھے، اس لئے کہتے تھے، ہم تمہاری بات سننے کے لئے تیار ہیں مگر تم ایسی باتیں کہتے ہو جنہیں ہم قبول نہیں کر سکتے۔ تم کوئی دوسرا قرآن لاؤ، یا اسی کے مطالب ایسے کر دو کہ ہمارے پرانے عقیدوں کے خلاف نہ ہوں۔ فرمایا، یہ کچھ میرے جی کی من گھڑت نہیں ہے کہ تمہاری فرمائش کے مطابق بنا دوں۔ میں تو خود اللہ کی وحی کا تابع فرمان ہوں جو کچھ مجھ پر وحی ہوتی ہے تمہیں سنا دیتا ہوں اگر اس کے حکم سے نافرمانی کروں تو اس کی پکڑ سے مجھے بچانے والا کون ہے؟

(۱۲) پھر آیت (۱۶) میں صداقت نبوت کی ایک سب سے زیادہ واضح اور وجدانی دلیل بیان کی ہے جس کی حقیقت افسوس ہے کہ مفسرین نے پوری طرح واضح نہیں کی۔ فرمایا، ساری باتیں چھوڑ دو۔ صرف اسی بات پر غور کرو کہ میں تم میں کوئی نیا آدمی نہیں ہوں جس کے خصائل و حالات کی تمہیں خبر نہ ہو۔ تم ہی میں سے ہوں اور اعلانِ وحی سے پہلے ایک پوری عمر تم میں بسر کر چکا ہوں یعنی چالیس برس تک کی مگر یہ عمر انسانی کی پختگی کی کامل مدت ہے اس تمام مدت میں میری زندگی تمہاری آنکھوں کے سامنے رہی بتلاؤ اس تمام عرصہ میں کوئی ایک بات بھی تم نے سچائی اور امانت کے خلاف مجھ میں دیکھی؟ پھر اگر اس تمام مدت میں مجھ سے یہ نہ ہو سکا کہ کسی انسانی معاملہ میں جھوٹ بولوں، تو کیا ایسا ہو سکتا ہے کہ اب خدا پر بہتان باندھنے کے لئے تیار ہو جاؤں اور جھوٹ موٹ کہنے لگوں، مجھ پر اس کا کلام نازل ہوتا ہے! کیا اتنی سی موٹی بات بھی تم نہیں پا سکتے؟

تمام علمائے اخلاق و نفسیات متفق ہیں کہ انسان کی عمر میں ابتدائی چالیس برس کا زمانہ اس کے اخلاق و خصائل کے ابھرنے اور بننے کا اصلی زمانہ ہوتا ہے۔ جو سانچا اس عرصہ میں بن گیا، پھر بقیہ زندگی میں بدل نہیں سکتا پس اگر ایک شخص چالیس برس

يَعْمَهُونَ ۝ وَإِذَا مَسَّ الْإِنسَانَ الضُّرُّ دَعَانَا لِجَنبِهِ أَوْ قَاعِدًا أَوْ قَائِمًا فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُ ضُرَّهُ ۱۱
مَرَّ كَأَن لَّمْ يَدْعُنَا إِلَىٰ ضُرٍّ مَّسَّهُ ۚ كَذَٰلِكَ زُيِّنَ لِلْمُسْرِفِينَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝ وَلَقَدْ أَهْلَكْنَا ۱۲
الْقُرُونَ مِن قَبْلِكُمْ لَمَّا ظَلَمُوا وَجَاءَتْهُمْ رُسُلُهُم بِالْبَيِّنَاتِ وَمَا كَانُوا لِيُؤْمِنُوا ۚ كَذَٰلِكَ
نَجْزِي الْقَوْمَ الْمُجْرِمِينَ ۝ ثُمَّ جَعَلْنَاكُمْ خَلَائِفَ فِي الْأَرْضِ مِن بَعْدِهِمْ لِنَنظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُونَ ۝ ۱۳-۱۴
وَإِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ آيَاتُنَا بَيِّنَاتٍ قَالَ الَّذِينَ لَا يَرْجُونَ لِقَاءَنَا ائْتِ بِقُرْآنٍ غَيْرِ هَٰذَا أَوْ بَدِّلْهُ ۚ
قُلْ مَا يَكُونُ لِي أَنْ أُبَدِّلَهُ مِن تِلْقَاءِ نَفْسِي ۖ إِنْ أَتَّبِعُ إِلَّا مَا يُوحَىٰ إِلَيَّ ۖ إِنِّي أَخَافُ إِنْ ۱۵
عَصَيْتُ رَبِّي عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ ۝

(۹) آیت (۱۱) میں قانون اعمال کی طرف اشارہ کیا ہے جس کی تشریح تفسیر فاتحہ میں دیکھنی چاہیے۔ ۱۱

رکھتے ہم انہیں ان کی سرکشیوں میں سرگرداں چھوڑ دیتے ہیں اور جب کبھی انسان کو کوئی رنج پہنچتا ہے تو خواہ کسی حال میں ہو، کروٹ پر لیٹا ہو، بیٹھا ہو، کھڑا ہو ہمیں پکارنے لگے گا، لیکن جب ہم اس کا رنج دور کر دیتے ہیں تو پھر اس طرح (منہ موڑے ہوئے) چل دیتا ہے گویا رنج و مصیبت میں کبھی اس نے ہمیں پکارا ہی نہیں تھا! تو دیکھو! جو حد سے گزر گئے ہیں، ان کی نگاہوں میں اسی طرح ان کے کام خوشنما کر دیے گئے ہیں! اور تم سے پہلے کتنی ہی امتیں گزر چکی ہیں کہ جب انہوں نے ظلم کی راہ اختیار کی، تو ہم نے انہیں (پاداش عمل میں) ہلاک کر دیا۔ ان کے رسول ان کے پاس روشن دلیلوں کے ساتھ آئے تھے، مگر اس پر بھی وہ آمادہ نہ ہوئے کہ ایمان لائیں (تو دیکھو) مجرموں کو اسی طرح ہم ان کے جرموں کا بدلہ دیتے ہیں! پھر ان امتوں کے بعد ہم نے تمہیں ان کا جانشین بنایا، تاکہ دیکھیں، تمہارے کام کیسے ہوتے ہیں؟ اور (اے پیغمبر!) جب تم ہماری واضح آیتیں انہیں پڑھ کر سناتے ہو، تو جو لوگ (مرنے کے بعد) ہم سے ملنے کی توقع نہیں رکھتے وہ کہتے ہیں "اس قرآن کے سوا کوئی دوسرا قرآن لا کر سناؤ۔ یا اسی (کے مطالب) میں ردوبدل کر دو" تم کہو "میرا یہ مقدور نہیں کہ اپنے جی سے اس میں ردوبدل کر دوں۔ میں تو بس اسی حکم کا تابع ہوں جو مجھ

(۱۰) آیت (۱۲) میں اس حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے کہ رنج و مصیبت کی حالت میں انسان کے اندر وجدانی طور پر یہ ولولہ اٹھتا ہے کہ ایک بالاتر ہستی موجود ہے جو میرا درد دکھ دور کر سکتی ہے اور اسی کو پکارنا چاہیے۔ لیکن جب مصیبت دور ہو جاتی ہے تو پھر عیش و راحت کی غفلتوں میں پڑ کر اسے بھول جاتا ہے گویا کبھی اس نے کسی کو پکارا ہی نہ تھا! ۱۲

قرآن نے جا بجا انسان کی اس فطری حالت سے استشہاد کیا ہے کیونکہ مصیبت اور بے بسی کی حالت میں بے اختیار اس ولولہ کا اٹھنا، اس امر کا ثبوت ہے کہ انسانی فطرت اپنے اندر وہ ادراک میں خدا کی ہستی کا اعتقاد رکھتی ہے اور عوارض و غفلت کی حالت وجدانی نہیں ہے خارجی اثرات کا نتیجہ ہے۔ آگے چل کر آیت (۲۲) میں بھی یہی بات ملے گی لیکن ایک دوسرے اسلوب موعظت میں۔ ۱۳

۱۴

دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۚ لَئِنْ اَنْجَيْتَنَا مِنْ هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ۝ فَلَمَّآ اَنْجٰىهُمْ ۲۲
اِذَا هُمْ يَبْغُوْنَ فِى الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ۗ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّمَا بَغْيُكُمْ عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ ۙ مَّتَاعَ الْحَيٰوةِ
الدُّنْيَا ۡ ثُمَّ اِلَيْنَا مَرْجِعُكُمْ فَنُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝ اِنَّمَا مَثَلُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَآءٍ اَنْزَلْنٰهُ ۲۳
مِنَ السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ مِمَّا يَاْكُلُ النَّاسُ وَالْاَنْعَامُ ۗ حَتّٰٓى اِذَآ اَخَذَتِ الْاَرْضُ
زُخْرُفَهَا وَازَّيَّنَتْ وَظَنَّ اَهْلُهَآ اَنَّهُمْ قٰدِرُوْنَ عَلَيْهَآ ۙ اَتٰىهَآ اَمْرُنَا لَيْلًا اَوْ نَهَارًا فَجَعَلْنٰهَا حَصِيْدًا

(۱۵) جب تمام دنیوی اسباب و علایق کا کوئی ادنیٰ سا سہارا بھی باقی نہ رہتا ہے، انسان کا وجدان بیدار نہیں ہوتا، اور ایک تنکے کا بھروسہ بھی اس کے لئے کافی ہوتا ہے کہ وہ خدا کی طرف سے غافل ہو جائے۔ لیکن جونہی اسباب و علایق کے رشتے ٹوٹے اور یاس و قنوط کی کامل حالت طاری ہوئی اور اس نے دیکھا، کہ اب دنیا کا کوئی ہاتھ اسے بچا نہیں سکتا تو اچانک اس کا سویا ہوا وجدان بیدار ہو جاتا ہے اور خدا پرستی کا جوش اپنے سارے اخلاص کے ساتھ اس کے اندر ابھر آتا ہے۔ اس وقت وہ خدا کے سوا اور کسی کو نہیں دیکھتا۔ سارے رشتے، سارے بھروسے ساری ہستیاں یک قلم نابود ہو جاتی ہیں۔ وہ بے اختیار خدا کو پکارنے لگتا ہے اور اس کی یہ پکار اس کے دل کے ایک ایک ریشہ کی پکار ہوتی ہے۔

لیکن پھر اس کے بعد کیا ہوتا ہے؟ کیا حالت دائم رہتی ہے؟ نہیں جونہی اس کی ڈوبتی کشتی اچھلی اور امید و مراد کی گم شدہ صورت واپس آگئی، پھر وہی اس کی غفلتیں ہوتی ہیں اور وہی سرکشیاں!

اگر تم غور کرو گے تو اس حالت کی مثالیں خود اپنی ہی زندگی میں تمہیں مل جائیں گی۔ کیا کبھی ایسا ہوا ہے کہ تم بیمار ہوئے اور طبیبوں نے جواب دیدیا؟ یا کسی دوسری مصیبت میں پڑے اور دنیا کے سارے سہارے ہاتھ سے نکل گئے؟ اگر ایسا ہوا ہے تو یاد کرو اس وقت تمہاری خدا پرستی اور خدا پرستی کے اخلاص کا کیا حال تھا؟

قرآن نے جا بجا اس حالت کے بیان کے لئے بحری سفر کی مثال اختیار کی ہے۔ کیونکہ انسان کی بے بسی اور مایوسی کے لئے اس سے بہتر مثال نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ یہاں آیت (۲۲) میں اسی طرف اشارہ کیا ہے اور سورۂ عنکبوت کی آیت (۱۵) اور لقمان کی آیت (۳۲) میں بھی یہی مطلب ہے گا۔

دین حق کی تعلیم و تزکیہ کا مقصد یہی ہے کہ اس حالت سے انسان کو نجات دلائے اور اس کا وجدان اس طرح بیدار کر دے کہ خدا پرستی کا جو اخلاص خاص خاص حالتوں میں ابھرتا ہے وہ اس کی

نہ رہی) تو اس وقت (انہیں خدا کے سوا اور کوئی ہستی یاد نہیں آتی وہ) دین کے اخلاص کے ساتھ خدا کو پکارنے لگتے ہیں "خدایا! اگر اس حالت سے ہمیں نجات دیدے تو ہم ضرور تیرے شکر گزار ہونگے" پھر (دیکھو) جب اللہ انہیں نجات دے دیتا ہے تو اچانک (اپنا عہد و ۲۲
پیمان بھول جاتے ہیں اور) ناحق ملک میں سرکشی و فساد کرنے لگتے ہیں۔ اے لوگو! تمہاری سرکشی کا وبال تو خود تمہاری ہی جانوں پر پڑنے والا ہے۔ یہ دنیا کی (چند روزہ) زندگی کے فائدے ہیں سو اٹھا لو۔ پھر تمہیں ہماری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے۔ اس وقت ہم تمہیں بتا دیں گے کہ جو کچھ دنیا میں کرتے رہے اس کی حقیقت کیا تھی!

دنیا کی زندگی کی مثال تو بس ایسی ہے جیسے یہ معاملہ ۲۳
کہ آسمان سے ہم نے پانی برسایا، اور زمین کی نباتات جو انسانوں اور چارپایوں کے لئے غذا کا کام دیتی ہیں اس سے شاداب ہو کر پھلی پھولیں اور باہم گتھ گئیں پھر جب وہ وقت آیا کہ زمین نے اپنے (سبزی اور لالی کے) سارے زیور پہن لئے اور لہلہاتے ہوئے کھیتوں اور گراں بار باغوں سے) خوشنما ہو گئی اور زمین کے مالک

إِلَّا أُمَّةً وَاحِدَةً فَاخْتَلَفُوا ۚ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِن رَّبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ فِيمَا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ۝ ۱۹
وَيَقُولُونَ لَوْلَا أُنزِلَ عَلَيْهِ آيَةٌ مِّن رَّبِّهِ ۖ فَقُلْ إِنَّمَا الْغَيْبُ لِلَّهِ فَانتَظِرُوا ۖ إِنِّي مَعَكُم مِّنَ
الْمُنتَظِرِينَ ۝ وَإِذَا أَذَقْنَا النَّاسَ رَحْمَةً مِّن بَعْدِ ضَرَّاءَ مَسَّتْهُمْ إِذَا لَهُم مَّكْرٌ فِي آيَاتِنَا ۚ ع ۲۰
قُلِ اللَّهُ أَسْرَعُ مَكْرًا ۚ إِنَّ رُسُلَنَا يَكْتُبُونَ مَا تَمْكُرُونَ ۝ هُوَ الَّذِي يُسَيِّرُكُمْ فِي الْبَرِّ وَ ۲۱
الْبَحْرِ ۖ حَتَّىٰ إِذَا كُنتُمْ فِي الْفُلْكِ ۖ وَجَرَيْنَ بِهِم بِرِيحٍ طَيِّبَةٍ وَفَرِحُوا بِهَا جَاءَتْهَا رِيحٌ
عَاصِفٌ وَجَاءَهُمُ الْمَوْجُ مِن كُلِّ مَكَانٍ وَظَنُّوا أَنَّهُمْ أُحِيطَ بِهِمْ ۙ

کی عربیت ماند ہو، ہیں رہا ہے تو کیونکر ممکن ہے کہ اکتالیسویں برس میں قدم رکھتے ہی ایسا کذاب اور مفتری بن جائے کہ انسانوں ہی پر نہیں بلکہ فاطر السموٰت والارض پر افترا کرنے لگے ؟

چنانچہ اس کے بعد فرمایا "دو باتوں سے تم انکار نہیں کر سکتے جو شخص اللہ پر افترا کرے اس سے بڑھ کر کوئی شریر نہیں اور جو صادق کو جھٹلائے وہ بھی سب سے زیادہ شریر انسان ہے۔ اور شریر و مفتری کبھی کامیاب نہیں ہو سکتا۔ اب صورت حال نے یہاں دو فوقیں پیدا کر دی ہیں۔ اگر میں مفتری علی اللہ ہوں تو مجھے ناکام و نامراد ہونا پڑیگا۔ اگر تم سچائی کے مکذب ہو تو تمہیں اس کا خمیازہ بھگتنا ہے۔ فیصلہ اللہ کے ہاتھ ہے اور اس کا قانون ہے کہ مجرموں کو فلاح نہیں دیتا۔

چنانچہ اللہ کا فیصلہ صادر ہو گیا جو مکذب تھے ان کا نام و نشان بھی باقی نہیں رہا۔ جو صادق تھا اس کا کلمہ صدق آج تک قائم ہے اور قائم رہے گا!

سورۂ انعام کی آیات (۳۷) اور (۴۴) اور سورۂ اعراف کی (۳۶) میں بھی یہی استشہاد گزر چکا ہے۔

پھر الگ الگ ہو گئے۔ اور اگر تمہارے پروردگار کی جانب سے پہلے ایک بات نہ ٹھہرا دی گئی ہوتی (یعنی لوگ الگ الگ راہوں میں چلینگے اور اسی اختلاف میں انکے لئے آزمایش عمل ہوگی) تو جن باتوں میں لوگ اختلاف کر رہے ہیں ان کا فیصلہ کبھی کا ہو چکا ہوتا!

اور یہ لوگ کہتے ہیں "کیوں ایسا نہ ہوا کہ اس پر (یعنی پیغمبر اسلام پر) اس کے پروردگار کی طرف سے کوئی نشانی اتری"؟ تو (اے پیغمبر) تم کہدو "غیب کا علم تو صرف اللہ ہی کے لئے ہے۔ پس انتظار کرو میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں ہوں!"

اور جب ایسا ہوتا ہے کہ ہم لوگوں کو درد و دکھ کے بعد اپنی رحمت کا مزہ چکھا دیتے ہیں تو فوراً ہماری (رحمت کی) افشانیوں میں باریک باریک حیلے نکالنا شروع کر دیتے ہیں (اے پیغمبر) تم کہدو "اللہ ان باریکیوں میں سب سے زیادہ تیز ہے۔ اس کے فرشتے تمہاری یہ ساری مکاریاں قلمبند کر رہے ہیں"

وہی ہے جس نے تمہارے لئے زمین کی خشکی اور تری میں سیر و گردش کا سامان کر دیا ہے۔ پھر جب ایسا ہوتا ہے کہ تم جہازوں میں سوار ہوتے ہو جہاز موافق ہوا پا کر تمہیں لے اڑتے ہیں مسافر خوش ہوتے ہیں (کہ کیا اچھی ہوا چل رہی ہے) پھر اچانک ہوائے تند کے جھونکے نمودار ہو جاتے اور ہر طرف سے موجیں ہجوم کرنے لگتی ہیں اور مسافر خیال کرتے ہیں بس اب

۱۹ ۲۰ ۲۱

(۱۳) آیت (۱۹) میں توحید الوہیت کا بیان ہے اس کی تفسیر سورت کے آخری نوٹ میں دیکھو۔

(۱۴) آیت (۱۹) کے ہم معنی آیت بقرہ (۲۰۹) میں بھی گزر چکی ہے اور مہمات معارف قرآنی میں سے ہے اس کی مزید تشریح سورۂ ہود کی تشریحات میں ملے گی۔

۱۴ ان میں گھر گئے (اور بچنے کی کوئی امید باقی - (۱۵۳)

هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ۝ وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيعًا ثُمَّ نَقُولُ لِلَّذِينَ أَشْرَكُوا مَكَانَكُمْ أَنْتُمْ وَ ۲۷
شُرَكَاؤُكُمْ فَزَيَّلْنَا بَيْنَهُمْ وَقَالَ شُرَكَاؤُهُمْ مَا كُنْتُمْ إِيَّانَا تَعْبُدُونَ ۝ فَكَفَىٰ بِاللَّهِ شَهِيدًا ۲۸
بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ إِنْ كُنَّا عَنْ عِبَادَتِكُمْ لَغَافِلِينَ ۝ هُنَالِكَ تَبْلُو كُلُّ نَفْسٍ مَا أَسْلَفَتْ وَ ۲۹
رُدُّوا إِلَى اللَّهِ مَوْلَاهُمُ الْحَقِّ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَفْتَرُونَ ۝ قُلْ مَنْ يَرْزُقُكُمْ مِنَ ع ۳۰
السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ أَمَّنْ يَمْلِكُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ

نہیں جو اس حقیقت سے بیخبر ہو، مگر کوئی نہیں جو اس غرور باطل کی گمراہیوں سے اپنی تمام راحت کر سکے!

یہی غفلت ہے جسے دین حق دور کرنا چاہتا ہے۔ وہ دنیا اور دنیا کی کامرانیوں سے نہیں روکتا۔ مگر ان کے غرور باطل اور بے اعتدالانہ انہماک کی راہیں بند کر دینی چاہتا ہے۔ کیونکہ انسان کی انفرادی اور سیاسی زندگی کے سارے فتنوں کا اصلی سرچشمہ یہی غرور باطل ہے۔

(۱۷) قرآن نے ہر جگہ ایمان کو روشنی سے اور کفر کو تاریکی سے تشبیہ دی ہے۔ اللہ ولی الذین اٰمنوا یخرجھم من الظلمات الی النور (۲: ۲۵۷) اور موجودہ کی پہچان یہ بتائی ہے کہ ان کے لئے سرخروئی اور شادمانی ہوگی۔ دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ وجوہ یومئذ ناضرۃ الی ربھا ناظرۃ (۷۵: ۲۳) تعرف فی وجوھھم نضرۃ النعیم (۸۳: ۲۴) وجوہ یومئذ ناعمۃ لسعیھا راضیۃ (۸۸: ۸-۹) اور کفر کے لئے سیاہ روئی اور خواری ہے: وجوہ یومئذ باسرۃ تظن ان یفعل بھا فاقرۃ (۷۵: ۲۵) وجوہ یومئذ خاشعۃ عاملۃ ناصبۃ تصلیٰ نارًا حامیۃ (۸۸: ۲-۴) اور آل عمران کی آیت (۱۰۶) میں گذر چکا ہے، یوم تبیض وجوہ و تسود وجوہ۔ یہاں آیات ۲۶ اور ۲۷ میں بھی یہی بات بیان کی ہے۔ خوشحالی و کامرانی سے چہروں کا چمک اٹھنا اور نامرادی و خواری سے سیاہ پڑ جانا ایک طبعی حالت ہے۔ پس فرمایا قیامت کے دن ایک گروہ کے چہرے چمک اٹھیں گے دوسرے کے سیاہ پڑ جائینگے اور سیاہ چہروں کا یہ حال ہوگا، گویا پردۂ شب نے ان کے چہرے ڈھانپ لئے ہیں!

(۱۸) آیت (۲۸) میں اس حقیقت کی طرف اشارہ ہے کہ تم

۲۷ ہمیشہ رہنے والے!

اور (دیکھو) جس دن ایسا ہوگا کہ ہم ان سب کو اپنے حضور اکٹھا کر لینگے، اور پھر ان لوگوں سے جنہوں نے شرک کیا ہے کہینگے "تم اور وہ سب جنہیں تم نے شریک ٹھہرایا تھا، اپنی جگہ سے نہ ہلو" (یعنی اپنے مقام میں رکے رہو۔ آگے نہ بڑھو) اور پھر ایسا ہوگا کہ ایک دوسرے سے انہیں الگ الگ کر دینگے (یعنی شرک کرنے والوں میں اور ان میں جنہیں شریک بنایا گیا، امتیاز پیدا ہو جائے گا) تب وہ ہستیاں جنہیں خدا کے ساتھ شریک بنایا گیا ہے کہیں گی: "یہ بات تو نہ تھی کہ تم ہماری ہی پرستش کرتے تھے۔ آج کے دن ہم میں اور ۲۸
تم میں اللہ کی گواہی بس کرتی ہے (وہ جانتا ہے کہ) تمہاری پرستاریوں سے ہم بیک قلم بے خبر تھے" ۲۹

پس اس دن ہر آدمی جانچ لے گا کہ جو کچھ وہ پہلے کر چکا ہے اسکی حقیقت کیا تھی۔ سب اللہ کے حضور کہ ان کا مالک حقیقی ہے لوٹائے جائیں گے، اور حقیقت کے خلاف جس قدر افترا پردازیاں کرتے رہے ہیں سب ان سے کھو دی جائینگی

(اے پیغمبر!) ان لوگوں سے پوچھو "وہ کون ہے جو تمہیں آسمان و زمین کی بخشائشوں کے ذریعہ روزی دیتا ہے؟ وہ

كَانْ لَّمْ تَغْنَ بِالْاَمْسِ ؕ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ۝ ۲۴
وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلٰى دَارِ السَّلٰمِ ۬ؕ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ ۲۵
لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَزِيَادَةٌ ؕ وَلَا يَرْهَقُ وُجُوْهَهُمْ قَتَرٌ وَّلَا ذِلَّةٌ ؕ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝ ۲۶
وَالَّذِيْنَ كَسَبُوا السَّيِّاٰتِ جَزَآءُ سَيِّئَةٍ بِمِثْلِهَا ۙ وَتَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ؕ مَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ عَاصِمٍ ۚ كَاَنَّمَآ اُغْشِيَتْ وُجُوْهُهُمْ قِطَعًا مِّنَ الَّيْلِ مُظْلِمًا ؕ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ

پوری زندگی کی ایک دائم اور مستقر حالت ہو جائے، یہی وجہ ہے کہ ایمان کی حالت پر فنا کی مصیبت کی گھڑی ہو یا راحت و سرور کا مقام، لیکن خدا کی یاد سے دل پر غفلت طاری ہو۔

ہم نے زمین کی ساری فصل اس طرح بیخ و بن سے کاٹ کے رکھ دی گویا ایک دن پہلے تک اس کا نام و نشان ہی نہ تھا! اس طرح ہم (حقیقت کی) دلیلیں کھول کھول کر بیان کر دیتے ہیں۔ ان لوگوں کے لئے جو غور و فکر کرنے والے ہیں!

(۱) "بغی" کے معنی سرکشی کے ہیں اور اس میں ہر طرح کی سرکشی داخل ہے لیکن جب "فی الارض" کے ساتھ کہا جائے جیسا کہ آیت (۲۳) میں ہے تو اس سے مقصود وہ لوگ ہوتے ہیں جنہیں دنیا کی دولت و ثروت حاصل ہو جاتی ہے اور وہ اس کے گھمنڈ میں آکر ظلم و فساد کو اپنا شیوہ بنا لیتے ہیں۔ چونکہ اس سرکشی کا اصل سرچشمہ دنیوی زندگی کے سروسامان کا غرور ہے اس لئے آیت (۲۴) میں فرمایا، دنیا کی زندگی کی مثال تو بالکل ایسی ہے جیسے کاشت کاری کا سامان۔ آسمان سے پانی برستا ہے اور تمہارے کھیت لہلہانے لگتے ہیں۔ پھر جب وہ وقت آتا ہے کہ تم سمجھنے ہو اب فصل پک گئی اور ہماری محنت کی کمائی ہمارے قبضہ میں ہے تو اچانک کوئی حادثہ پیش آجاتا ہے اور ساری فصل اس طرح تباہ ہو جاتی ہے گویا اس کا نام و نشان ہی نہیں تھا!

یعنی دنیوی زندگی کی ساری کامرانیاں اور دلفریبیاں بے ثبات اور ہیچ ہیں۔ تم یہاں کی کسی چیز اور حالت پر بھروسہ نہیں کر سکتے کہ ہر طرح ایسی ہی رہیگی اول تو زندگی ہی چند روزہ ہے، پھر اس کا بھی ٹھکانا نہیں۔ پھر زندگی کے عیش و نشاط کی جتنی دلفریبیاں ہیں سب کا حال یہ ہے کہ صبح ہیں تو شام نہیں شام کو نہیں تو صبح کو نہیں۔ ایسی حالت میں اس سے بڑھ کر غفلت و گمراہی کی اور کیا بات ہو سکتی ہے کہ انسان حق و راستی کی راہ چھوڑ کر سرکشی پر اتر آئے اور کس چیز کے بھروسے پر؟ اس زندگی کے سروسامان اور اقتدار کے بھروسے پر جسے چند لمحوں کے لئے بھی قطعی اور برقرار نہیں کہہ سکتا۔

لیکن انسانی غفلت کے عجائب کا یہی حال ہے کوئی

اور اللہ سلامتی کے گھر کی طرف بلاتا ہے اور جسے چاہتا ہے (کامیابی و نجات کی) سیدھی راہ پر لگا دیتا ہے۔

(اس کا قانون تو یہ ہے) جن لوگوں نے بھلائی کی ان کے لئے بھلائی ہی ہوگی اور (جتنی اور جیسی کچھ ان کی بھلائی تھی) اس سے بھی کچھ زیادہ ان کے چہروں پر نہ تو (محرومی کی) کالک لگے گی نہ ذلت کا اثر نمایاں ہوگا ایسے ہی لوگ جنتی ہیں، ہمیشہ جنت میں رہنے والے!

اور جن لوگوں نے برائیاں کمائیں تو برائی کا نتیجہ ویسا ہی نکلے گا جیسی کچھ برائی ہوگی اور ان پر خواری چھا جائیگی۔ اللہ (کے قانون) سے انہیں بچانے والا کوئی نہ ہوگا۔ ان کے چہروں پر اس طرح کالک چھا جائیگی جیسے اندھیری رات کا ایک ٹکڑا چہروں پر اڑھا دیا گیا ہو! سو ایسے ہی لوگ دوزخی ہیں۔ دوزخ میں

لَا يَهِدِّيٓ إِلَّآ أَن يُهْدَىٰ ۖ فَمَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُونَ ۝ وَمَا يَتَّبِعُ أَكْثَرُهُمْ إِلَّا ظَنًّا ۚ إِنَّ الظَّنَّ ۳۵
لَا يُغْنِي مِنَ الْحَقِّ شَيْـًٔا ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌۢ بِمَا يَفْعَلُونَ ۝ وَمَا كَانَ هَٰذَا الْقُرْءَانُ أَن يُفْتَرَىٰ مِن ۳۶
دُونِ اللَّهِ وَلَٰكِن تَصْدِيقَ الَّذِي بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيلَ الْكِتَٰبِ لَا رَيْبَ فِيهِ مِن رَّبِّ الْعَٰلَمِينَ ۝ ۳۷
أَمْ يَقُولُونَ افْتَرَىٰهُ ۖ قُلْ فَأْتُوا۟ بِسُورَةٍ مِّثْلِهِۦ وَٱدْعُوا۟ مَنِ ٱسْتَطَعْتُم مِّن دُونِ اللَّهِ إِن كُنتُمْ
صَٰدِقِينَ ۝ بَلْ كَذَّبُوا۟ بِمَا لَمْ يُحِيطُوا۟ بِعِلْمِهِۦ وَلَمَّا يَأْتِهِمْ تَأْوِيلُهُۥ ۚ كَذَٰلِكَ كَذَّبَ ٱلَّذِينَ مِن ۳۸
قَبْلِهِمْ فَٱنظُرْ كَيْفَ كَانَ عَٰقِبَةُ ٱلظَّٰلِمِينَ ۝ وَمِنْهُم مَّن يُؤْمِنُ بِهِۦ وَمِنْهُم مَّن لَّا يُؤْمِنُ بِهِۦ ۳۹

۳۵ جائے؟ (افسوس تم پر!) تمہیں کیا ہو گیا ہے؟ تم کیسے فیصلے کر رہے ہو؟"

اور ان لوگوں میں زیادہ تر ایسے ہی لوگ ہیں جو صرف وہم و گمان کی باتوں پر چلتے ہیں اور سچائی کی معرفت میں گمان کچھ کام نہیں دے سکتا۔ یہ جو کچھ کر رہے ۳۶
ہیں، اللہ اس سے بےخبر نہیں ہے!

اور اس قرآن کا معاملہ ایسا نہیں کہ اللہ کے سوا کوئی اپنے جی سے گڑھ لائے۔ وہ تو ان تمام وحیوں کی تصدیق ہے جو اس سے پہلے نازل ہو چکی ہیں اور کتاب اللہ کی تفصیل ہے (یعنی اللہ کی کتابوں میں جو کچھ تعلیم دی گئی ہے) وہ سب اس میں کھول کھول کر بیان کر دی گئی ہے) اس میں کوئی شبہ نہیں۔ تمام جہانوں کے پروردگار کی طرف سے ہے! ۳۷

کیا یہ لوگ کہتے ہیں کہ اس شخص نے (یعنی پیغمبر اسلام نے) اللہ کے نام پر یہ افترا کیا ہے؟ تم کہو اگر تم اپنے اس قول میں سچے ہو (اور ایک آدمی اپنے جی سے گڑھ کر ایسا کلام بنا لے سکتا ہے) تو قرآن کی مانند ایک سورت بنا کر پیش کر دو، اور خدا کے سوا جن جن ہستیوں کو اپنی مدد کے لیے بلا سکتے ہو (تمہیں پوری طرح اجازت ہے) بُلا لو! ۳۸

نہیں یہ بات نہیں ہے۔ اصل حقیقت یہ ہے کہ جس بات پر یہ اپنے علم سے احاطہ نہ کر سکے۔ اور جس بات کا نتیجہ ابھی پیش نہیں آیا، اس کے جھٹلانے پر آمادہ ہو گئے۔ ٹھیک اسی طرح ان لوگوں نے بھی جھٹلایا تھا جو ان سے پہلے گذر چکے ہیں۔ تو دیکھو ظلم کرنے والوں کا کیسا کچھ انجام ہو چکا ہے! ۳۹

اور (اے پیغمبر!) ان میں (یعنی تیری قوم میں) کچھ تو ایسے ہیں جو قرآن پر (آئندہ) ایمان لائیں گے۔ کچھ ایسے

(۲۱) آیت (۳۶) قرآن کے صفات معارف میں سے ہے اس کی تشریح آخری نوٹ میں ملے گی۔

(۲۲) آیت (۳۰) میں فرمایا۔ قرآن جس قسم کی چیز ہے ایسی چیز کبھی انسانی عبارت سے نہیں بن سکتی۔ پھر فرمایا، وہ تمام پچھلی صداقتوں کی تصدیق کرنے والا اور تمام پچھلی کتابوں کی تعلیمات پر حاوی ہے۔ قرآن کا یہ وصف کیوں اس بات کی دلیل بنا کہ وہ انسانی بناوٹ کا کلام نہیں؟ اس کے جواب کے لئے تفسیر سورۂ فاتحہ دیکھو۔ یہ مہمات رامیں قرآنیہ میں سے ہے۔

(۲۳) آیات (۳۸) اور (۳۹) اور (۴۱) کی ضروری تشریحات کے لیے آخری نوٹ دیکھنا چاہئے۔

وَمَنْ يُّخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَمَنْ يُّدَبِّرُ الْاَمْرَ ۭ فَسَيَقُوْلُوْنَ اللّٰهُ ۚ
فَقُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ۝ فَذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمُ الْحَقُّ ۚ فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ اِلَّا الضَّلٰلُ ۚ فَاَنّٰى تُصْرَفُوْنَ ۝ كَذٰلِكَ ۱-۳۲
حَقَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ عَلَى الَّذِيْنَ فَسَقُوْٓا اَنَّهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝ قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَاۗىِٕكُمْ مَّنْ يَّبْدَؤُا ۳۳
الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ ۭ قُلِ اللّٰهُ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ۝ قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَاۗىِٕكُمْ ۳۴
مَّنْ يَّهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ ۭ قُلِ اللّٰهُ يَهْدِيْ لِلْحَقِّ ۭ اَفَمَنْ يَّهِدِّيْٓ اِلَى الْحَقِّ اَحَقُّ اَنْ يُّتَّبَعَ اَمَّنْ

جن پیشواؤں کو اپنی حاجت روائیوں کے لئے پکارتے ہو ان تک نہ تو تمہاری پکار پہنچتی ہے نہ تمہاری پرستاریوں کی انہیں کچھ خبر ہے وہ تمہاری حاجت روائی کیا کرینگے؟ قیامت کے دن خدا مشرکوں کو اور ان کے بنائے ہوئے شریکوں کو ایک صف میں کھڑا کرے گا کیونکہ معبودوں کو اپنے پرستاروں کے حصے میں ہی ہونا چاہئے لیکن وہ مشرکوں کا ساتھی ہونا پسند نہیں کرینگے وہ کہیں گے ہمیں ان سے کوئی واسطہ نہیں۔ یہ گو ہمارا نام لیتے ہوں، لیکن فی الحقیقت ہمیں نہیں پوجتے تھے اپنی ہوا و نفس کے پجاری تھے۔ ہمیں تو ان کی پرستش کی خبر بھی نہیں!

۳۱

یہ ایسی ہی بات ہے جیسی مائدہ کے آخر میں حضرت مسیح علیہ السلام کی نسبت فرمائی ہے کہ قیامت کے دن عرض کرینگے میں عیسائیوں کے شرک سے بری ہوں۔ ما قلت لھم الا ما امرتنی بہ (۱۱۷:۵) مزید تشریح کے لئے آخری نوٹ میں وارد ان آخرت کا مبحث دیکھو۔

۳۲

(۱۹) آیت (۳۱) میں برہان ربوبیت کا استدلال ہے۔ اور توحید ربوبیت سے توحید الوہیت پر استشہاد کیا گیا ہے (برہان ربوبیت کی تفصیل تفسیر فاتحہ میں گزر چکی ہے)

(۲۰) آیت (۳۵) قرآن کے صعاب نص میں سے ہے مگر افسوس ہے کہ مفسرین نے اسکی حقیقت بھی اسی طرح ضائع کر دی جس طرح اکثر دلائل قرآنیہ ضائع کر دی ہیں۔ اسکی تشریح آخری نوٹ میں ہے گی۔

۳۴

کون ہے جس کے قبضہ میں تمہارا سننا اور دیکھنا ہے؟ وہ کون ہے جو زندہ کو مردہ سے نکالتا ہے اور مردہ کو زندہ سے؟ اور پھر وہ کون ہے جو تمام کارخانہ ہستی کا انتظام کر رہا ہے"؟ یہ (فوراً) بول اٹھینگے کہ "اللہ" پس تم کہو اگر ایسا ہی ہے تو پھر تم (الکار حق کے نتیجہ سے) ڈرتے نہیں؟

یہی اللہ فی الحقیقت تمہارا پروردگار ہے پھر تبلاؤ، سچائی کے جان لینے کے بعد اسے نہ ماننا گمراہی نہیں ہے تو اور کیا ہے؟ تم (حقیقت سے) منہ پھیرے کدھر کو جا رہے ہو؟

(اے پیغمبر!) اسی طرح تیرے پروردگار کا فرمودہ ان لوگوں پر صادق آگیا جو (دائرہ ہدایت سے) باہر ہو گئے ہیں کہ وہ ایمان لانے والے نہیں:

(اے پیغمبر!) ان سے پوچھو "کیا تمہارے ٹھہرائے ہوئے شریکوں میں کوئی ایسا ہے جو خلقت کی بدایش شروع کرے اور پھر اسے دہرائے؟ تم کہو یہ تو اللہ ہے جو ابتدا میں پیدا کرتا ہے پھر اسے دہرائیگا۔

پس غور کرو، تمہاری الٹی چال تمہیں کدھر کو لے جا رہی ہے؟

ان سے پوچھو "کیا تمہارے بنائے ہوئے شریکوں میں کوئی ہے جو حق کی راہ دکھاتا ہے۔ پھر جو حق کی راہ دکھائے وہ اس کا حقدار ہے کہ اسکی پیروی کی جائے، یا وہ جو خود ہی راہ نہیں پاتا۔ جب تک اسے راہ نہ دکھائی

وَإِمَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِي نَعِدُهُمْ أَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَإِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ ثُمَّ اللَّهُ شَهِيدٌ عَلَىٰ ۴۶
مَا يَفْعَلُونَ ۝ وَلِكُلِّ أُمَّةٍ رَسُولٌ ۖ فَإِذَا جَاءَ رَسُولُهُمْ قُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ وَهُمْ لَا
يُظْلَمُونَ ۝ وَيَقُولُونَ مَتَىٰ هَٰذَا الْوَعْدُ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ۝ قُل لَّا أَمْلِكُ لِنَفْسِي ضَرًّا وَلَا ۴۷ ـ ۴۹
نَفْعًا إِلَّا مَا شَاءَ اللَّهُ ۗ لِكُلِّ أُمَّةٍ أَجَلٌ ۚ إِذَا جَاءَ أَجَلُهُمْ

ہی قلیل مدت کا درمیانی وقفہ گذرا ہو۔ اس حالت کی مثال یوں سمجھو جیسے کبھی رات بھر سو کر تم اٹھتے ہو۔ اور اٹھنے کے بعد خیال کرتے ہو کہ بہت تھوڑی دیر نیند میں رہے۔ حالانکہ رات بھر نیند میں بسر کر چکے ہوتے ہو۔ حقیقت قرآن نے مختلف تعبیرات میں بیان کی ہے اور سب کا حاصل یہ ہے کہ یہ عظیم مدت جو انسان پر گذر گئی اس کو بہت ہی قلیل محسوس ہوگی۔ سورۂ مومنون آیت (۱۱۲) روم (۵۵) احقاف (۳۵) اور نازعات کی آخری آیت دیکھنی چاہیے۔

سورۂ روم کی آیت (۵۶) سے معلوم ہوتا ہے کہ اس ملمح کا احساس اگرچہ سب کو ہوگا، لیکن اہل علم و ایمان جن کے دلوں میں یوم آخرت کا یقین تھا، اس احساس سے مغلوب نہیں ہو جائیں گے۔ وہ پائینگے کہ یہ تمام مدت جو گزر چکی ہے دنیوی زندگی کی درمیانی مدت تھی اور اب قیامت کا دن ہمارے سامنے ہے۔

ان آیات کا یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ دنیوی زندگی اس دن اتنی حقیر و قلیل محسوس ہوگی، گویا گھڑی بھر کی زندگی تھی۔ لیکن پہلا مطلب زیادہ واضح اور موزوں ہے۔

(۳۶) آیت ۴۶ کا مطلب یہ ہے کہ وعدۂ حق کی فتحمندیوں اور منکروں کی نامرادیوں کی جو خبر دی گئی ہے، کچھ ضروری نہیں کہ وہ سب کچھ تیری زندگی ہی میں پیش آجائے بعض باتیں تیری موجودگی میں ہو کر رہینگی بعض بعد کو واقع ہونگی۔ پس منکروں کو یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ اس معاملہ کا سارا دارومدار اس شخص کی زندگی پر ہے۔ یہ نہ رہیگا تو کچھ نہ ہوگا۔ تو زندہ رہے یا نہ رہے، لیکن احکام حق کو پورا ہو کر رہنا ہے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

بیشمار ہی گھاٹے ہیں رہے جنہوں نے اللہ کی ملاقات کا اعتقاد جھٹلایا، اور وہ کبھی (کامیابی کی) راہ پانے والے نہ تھے۔! ۴۵

اور اے پیغمبر! ہم نے ان لوگوں سے (یعنی منکرین عرب سے) جن جن باتوں کا وعدہ کیا ہے (یعنی دعوت حق کے پیش آنے والے نتائج کی خبر دی ہے) ان میں سے بعض باتیں تجھے (تیری زندگی میں) دکھا دیں، یا (ان کے ظہور سے پہلے) تیرا وقت پورا کر دیں (لیکن بہرحال) انہیں ہماری ہی طرف لوٹنا ہے اور یہ جو کچھ کر رہے ہیں، اللہ اس پر شاہد ہے۔ ۴۶

اور (یاد رکھو) ہر امت کے لئے ایک رسول ہے (جو ان میں پیدا ہوتا اور انہیں دین حق کی طرف بلاتا ہے) پھر جب کسی امت میں اس کا رسول ظاہر ہو گیا، تو (ہمارا قانون یہ ہے کہ) ان کے درمیان انصاف کے ساتھ فیصلہ کر دیا جاتا ہے اور ایسا نہیں ہوتا کہ نا انصافی ہو۔ ۴۷

اور یہ لوگ کہتے ہیں "اگر تم سچے ہو تو بتلاؤ یہ بات (یعنی انکار حق کی پاداش) کب ظہور میں آئے گی"؟ اے پیغمبر! تم کہدو (یہ معاملہ کچھ میرے اختیار میں نہیں کہ بتلا دوں کب واقع ہوگا) میں تو خود اپنی جان کا بھی نفع نقصان اپنے قبضہ میں نہیں رکھتا۔ وہی ہوتا ہے جو اللہ نے چاہا ہے۔ ہر امت کے لئے (پاداش عمل کا) ایک مقررہ وقت ہے، اور جب وہ وقت ۴۸

(۳۷) آیت ۴۷ میں اللہ کے اس قانون کی طرف اشارہ ہے کہ جب کسی قوم کی ہدایت کے لئے اس کا رسول ظاہر ہوا، اور

وَرَبُّكَ أَعْلَمُ بِالْمُفْسِدِينَ ۝ وَإِنْ كَذَّبُوكَ فَقُلْ لِي عَمَلِي وَلَكُمْ عَمَلُكُمْ أَنْتُمْ بَرِيئُونَ
مِمَّا أَعْمَلُ وَأَنَا بَرِيءٌ مِمَّا تَعْمَلُونَ ۝ وَمِنْهُمْ مَنْ يَسْتَمِعُونَ إِلَيْكَ أَفَأَنْتَ تُسْمِعُ
الصُّمَّ وَلَوْ كَانُوا لَا يَعْقِلُونَ ۝ وَمِنْهُمْ مَنْ يَنْظُرُ إِلَيْكَ أَفَأَنْتَ تَهْدِي الْعُمْيَ وَلَوْ كَانُوا
لَا يُبْصِرُونَ ۝ إِنَّ اللَّهَ لَا يَظْلِمُ النَّاسَ شَيْئًا وَلَكِنَّ النَّاسَ أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ۝ وَيَوْمَ
يَحْشُرُهُمْ كَأَنْ لَمْ يَلْبَثُوا إِلَّا سَاعَةً مِنَ النَّهَارِ يَتَعَارَفُونَ بَيْنَهُمْ قَدْ خَسِرَ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِلِقَاءِ
اللَّهِ وَمَا كَانُوا مُهْتَدِينَ ۝

۴۰ ہیں جو ایمان لانے والے نہیں اور تیرا پروردگار خوب جانتا ہے کہ کون لوگ مفسد ہیں۔

۴۱ اور اگر یہ (اس قدر سمجھانے پر بھی) تجھے جھٹلائیں تو کہہ دے "میرے لئے میرا عمل ہے تمہارے لئے تمہارا۔ میں جو کچھ کرتا ہوں، اس کی ذمہ داری تم پر نہیں تم جو کچھ کرتے ہو اس کے لئے میں ذمہ دار نہیں" (ہر شخص کے لئے اس کا عمل ہے اور عمل کے مطابق نتیجہ۔ پس تم اپنی راہ چلو۔ مجھے اپنی راہ چلنے دو۔ اور دیکھو اللہ کا فیصلہ کیا ہوتا ہے)

۴۲ اور (اے پیغمبر!) ان میں کچھ لوگ ایسے ہیں جو تیری باتوں کی طرف کان لگاتے ہیں (اور تو خیال کرتا ہے یہ کلام حق سن کر اس کی سچائی پا لینگے، حالانکہ فی الحقیقت وہ سننے نہیں) پھر کیا تو بہروں کو بات سنائیگا اگرچہ وہ بات نہ پا سکتے ہوں؟

اور ان میں کچھ ایسے ہیں جو تیری طرف تکتے ہیں (اور تو خیال کرتا ہے یہ تجھے سمجھ کر دیکھتے ہیں، حالانکہ وہ دیکھتے نہیں) پھر کیا تو اندھے کو راہ دکھائے گا، اگرچہ اسے کچھ سوجھ نہ پڑتا ہو؟

۴۳-۴۴ یقیناً اللہ انسانوں پر ذرہ برابر بھی ظلم نہیں کرتا (کہ انہیں جبراً اندھا بہرا بنا دے) مگر خود انسان ہی ہے جو اپنے اوپر ظلم کرتا ہے (کہ اس کی بخشی ہوئی قوتوں سے کام نہیں لیتا اور ہٹ اور ضد میں آکر سچائی سے انکار کر دیتا ہے)

۴۵ اور جس دن ایسا ہوگا کہ اللہ ان سب کو اپنے حضور جمع کرے گا، اس دن انہیں ایسا معلوم ہوگا، گویا (دنیا میں) اس سے زیادہ نہیں ٹھہرے جیسے گھڑی بھر کو لوگ ٹھہر جاتے اور آپس میں صاحب سلامت کر لیں (تو) بلاشبہ وہ لوگ

(۴۲) آیت ۴۲ اور اس کے بعد کی آیات میں اسی حالت کی طرف اشارہ ہے جو جا بجا قرآن میں بیان کی گئی ہے یعنی جہل و فساد اور تعصب و تقلید کے جمود سے ایسی حالت کا پیدا ہو جانا جو انسان کی عقل و بصیرت کو یک قلم سلب کر دیتی ہے اور وہ اس قابل نہیں رہتا کہ سچائی اور حقیقت کا ادراک کر سکے۔ آیت ۴۳ میں فرمایا یہ حالت اس لئے پیش نہیں آتی کہ خدا نے کسی کو اس پر مجبور کر دیا ہے کیونکہ اگر ایسا ہو تو یہ ظلم ہے اور خدا کا یہ قانون نہیں کہ کسی جان پر ظلم ہو۔ یہ تو خود انسان ہی ہے جو خدا کی دی ہوئی روشنی ضائع کر کے اندھا بہرا بن جاتا ہے۔

(۴۵) آیت ۴۵ میں اس طرف اشارہ ہے کہ آخرت کی زندگی جب انسان پر طاری ہوگی، کرہ ارض کی مدت عمر کے بعد سے لیکر نشاۃ ثانیہ تک گذرتی ہے اسے ایسی محسوس ہوگی جیسے ایک بہت

اَلَآ اِنَّ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ اَلَآ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ ۝ ۵۵
هُوَ یُحْیٖ وَیُمِیْتُ وَاِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ ۝ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ ۵۶
شِفَآءٌ لِّمَا فِی الصُّدُوْرِ ۙ وَهُدًی وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ ۝ قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ ۵۷
فَلْیَفْرَحُوْا ؕ هُوَ خَیْرٌ مِّمَّا یَجْمَعُوْنَ ۝ قُلْ اَرَءَیْتُمْ مَّاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ لَكُمْ مِّنْ رِّزْقٍ فَجَعَلْتُمْ ۵۸
مِّنْهُ حَرَامًا وَّحَلٰلًا ؕ قُلْ آٰللّٰهُ اَذِنَ لَكُمْ اَمْ عَلَی اللّٰهِ تَفْتَرُوْنَ ۝ ۵۹

کسی طرح کی زیادتی واقع ہو!

۵۴ یاد رکھو، آسمانوں میں اور زمین میں جو کچھ ہے سب اللہ ہی کے لئے ہے (اس کے سوا کوئی نہیں جسے حکم و تصرف میں کچھ دخل ہو) اور یہ بات بھی نہ بھولو کہ اللہ کا وعدہ حق ہے۔ (وہ کبھی ٹل نہیں سکتا) مگر ان میں زیادہ تر ایسے ہیں جو یہ بات نہیں جانتے!

۵۵ وہی جلاتا ہے۔ وہی مارتا ہے۔ اور وہی ہے، جس کی طرف تم سب کو (آخر) لوٹنا ہے!

۵۶ اے لوگو! تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی جانب سے ایک ایسی چیز آگئی، جو موعظت ہے، دل کی تمام بیماریوں کے لئے شفا ہے، اور ہدایت اور رحمت ہے ان لوگوں کے لئے جو (اس پر) یقین رکھتے ہیں۔

۵۷ (اے پیغمبر!) تم کہو، یہ اللہ کا فضل ہے، اور اللہ کی رحمت ہے۔ پس چاہئے کہ اس پر خوشی منائیں اور یہ ان ساری چیزوں سے بہتر ہے جسے وہ (دنیا کی زندگی میں) جمع کرتے رہتے ہیں!

۵۸ (اے پیغمبر!) تم ان سے کہو "کیا تم نے اس بات پر بھی غور کیا کہ جو روزی اللہ نے تمہارے لئے پیدا کی ہے تم نے (محض اپنے اوہام و فنون کی بنا پر) اس میں سے بعض کو حرام ٹھہرا دیا، بعض کو حلال سمجھ لیا ہے" تم پوچھو (یہ جو تم نے حلال حرام کا حکم لگایا تو) کیا اللہ نے اس کی اجازت دی ہے یا تم اللہ پر

(۳۰) آیت (۵۷) میں قرآن کے چار وصف بیان کئے:

(ا) موعظت ہے یعنی دل میں اتر جانے والی دلیلوں اور روح کو تماشہ کرنے والوں طریقوں سے ان تمام باتوں کی ترغیب دیتا ہے جو خیر و حق کی باتیں ہیں، اور ان تمام باتوں سے روکتا ہے جو شر اور بطلان کی باتیں ہیں۔ کیونکہ عربی میں وعظ کا مفہوم صرف نصیحت ہی نہیں ہے بلکہ ایسی نصیحت جو موثر دلایل اور دلنشین اسلوبوں کے ساتھ کی جائے۔

(ب) شفاء لما فی الصدور۔ دل کی تمام بیماریوں کے لئے نسخۂ شفا ہے۔ جو فرد اور گروہ بھی اس نسخہ پر عمل کرے گا اس کے قلوب ہر طرح کے مفاسد و رذایل سے پاک ہو جائینگے

یاد رہے کہ عربی میں قلب، فواد، اور صدر کے الفاظ جب کبھی ایسے موقعہ پر بولے جائیں جیسا کہ یہ موقع ہے، تو ان سے مقصود انسان کی معنوی حالت ہوتی ہے، یعنی ذہن و فکر کی قوت عقلی ادراک، جذبات و عواطف، اخلاق و عادات، اندرونی حسیات، و غیرہ مقصود نہیں ہوتا جو فن تشریح کا دل اور سینہ ہے۔ پس دل کی شفا کا مطلب یہ ہوا کہ انسان کی فکری اور اخلاقی حالت کے جس قدر مرض ہو سکتے ہیں، ان سب کے لئے یہ نسخہ شفا ہے

(ج) یقین کرنے والوں کے لئے ہدایت ہے۔

(د) یقین کرنے والوں کے لئے پیام رحمت ہے یعنی علم و

فَلَا يَسْتَأْخِرُونَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُونَ ۝ قُلْ أَرَءَيْتُمْ إِنْ أَتَىٰكُمْ عَذَابُهُۥ بَيَٰتًا أَوْ نَهَارًا مَّاذَا ۴۹
يَسْتَعْجِلُ مِنْهُ ٱلْمُجْرِمُونَ ۝ أَثُمَّ إِذَا مَا وَقَعَ ءَامَنتُم بِهِۦٓ ءَآلْـَٰٔنَ وَقَدْ كُنتُم بِهِۦ تَسْتَعْجِلُونَ ۝ ۵۰-۵۱
ثُمَّ قِيلَ لِلَّذِينَ ظَلَمُوا۟ ذُوقُوا۟ عَذَابَ ٱلْخُلْدِ هَلْ تُجْزَوْنَ إِلَّا بِمَا كُنتُمْ تَكْسِبُونَ ۝ وَيَسْتَنۢبِـُٔونَكَ ۵۲
أَحَقٌّ هُوَ ۖ قُلْ إِى وَرَبِّىٓ إِنَّهُۥ لَحَقٌّ ۖ وَمَآ أَنتُم بِمُعْجِزِينَ ۝ وَلَوْ أَنَّ لِكُلِّ نَفْسٍ ظَلَمَتْ مَا فِى ٱلْأَرْضِ ۵۳
لَٱفْتَدَتْ بِهِۦ ۗ وَأَسَرُّوا۟ ٱلنَّدَامَةَ لَمَّا رَأَوُا۟ ٱلْعَذَابَ ۚ وَقُضِىَ بَيْنَهُم بِٱلْقِسْطِ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ۝ ۵۴

لوگوں نے چاہا ظلم و تشدد کے ذریعہ اسکی دعوت روک دیں، خدا نے ان دونوں فریقوں کے درمیان فیصلہ کر دیا، یعنی حق فتح مند ہوا باطل نامراد، اور چونکہ یہ فیصلہ حق و عدالت کا فیصلہ ہے اس لئے جا بجا اسے "قضی بالحق" اور "قضی بالقسط" سے تعبیر کیا ہے، تفصیل تفسیر سورۂ فاتحہ میں گذر چکی ہے۔

(۴۸) استعجال بالعذاب (آیت ۵۰) کی تشریح کے لئے تفسیر فاتحہ دیکھنی چاہیے۔

آ پہنچا ہے تو پھر نہ تو ایک گھڑی پیچھے رہ سکتے ہیں نہ ایک گھڑی آگے!

(اے پیغمبر!) تم ان لوگوں سے کہو کیا تم نے اس بات پر بھی غور کیا کہ تم کیا کرو گے اگر اس کا عذاب اچانک رات نازل ہو یا دن دھاڑے تم پر مسلط ہو جائے؟ پھر کیا بات ہے جس کیلئے مجرم جلدی مچا رہے ہیں؟

کیا جب وہ واقع ہو جائے گا، اس وقت تم یقین کرو گے؟ (لیکن اس وقت یقین کرنا کچھ سود مند نہ ہوگا۔ اس وقت تو کہا جائے گا) ہاں اب تم نے یقین کیا، اور تم ہی تھے کہ اس کی طلب میں جلدی مچایا کرتے تھے"! پھر ظلم کرنے والوں سے کہا جائے گا۔ اب ہمیشگی کا عذاب چکھو۔ تمہیں جو کچھ بدلہ مل رہا ہے یہ اس کے سوا کیا ہے کہ خود تمہارے ہی کرتوتوں کا نتیجہ ہے جو دنیا میں کماتے رہے ہو!

(۲۹) آیت ۵۲ میں ان لوگوں کا قول نقل کیا ہے جو منکر و جاحد نہ تھے، مگر تصدیق میں متامل تھے۔ وہ جب پیغمبر اسلام کی صداقت و دیانت پر غور کرتے جو تمام قوم میں اول دن سے مسلم تھی، تو ان کا دل کہتا، سچے آدمی کی زبان سے جھوٹی بات نہیں نکل سکتی۔ لیکن پھر جب دیکھتے کہ ان کی دعوت ایسی باتوں کا یقین دلاتی ہے جن سے وہ اور ان کے آباؤ اجداد یکسر نا آشنا ہے ہیں، تو طبیعت کھلتی نہیں، شک و حیرت کی حالت میں مبتلا ہو جاتے اور پوچھنے لگتے "کیا جو کچھ تم کہہ رہے ہو فی الحقیقت ایسا ہی ہے؟ فرمایا تم کہو جب تمہیں آج تک میری سچائی میں شبہ نہیں ہوا تو آج کیوں ہو رہا ہے؟ میں جو کچھ کہتا ہوں یہ حق ہے اور اس پر میرا پروردگار شاہد ہے۔

اور تجھ سے پوچھتے ہیں" کیا یہ بات واقعی سچ ہے؟ تم بلا تامل) کہو ہاں میرا پروردگار اس پر شاہد ہے کہ یہ سچائی کے سوا کچھ نہیں، اور تم کبھی ایسا نہیں کر سکتے کہ اسے (اس کے کاموں میں) عاجز کر دو۔

اور (آنے والا عذاب اس درجہ ہولناک ہے، اور اس کا وقوع اس درجہ قطعی ہے کہ) اگر ہر ظالم انسان کے قبضہ میں وہ سب کچھ آ جائے جو روئے زمین میں ہے تو وہ فروا سے اپنے فدیہ میں دیدے، اور دیکھو جب انہوں نے عذاب اپنے سامنے دیکھا تو (اپنی سرکشی و انکار بھلا کر کے) دل ہی دل میں پچھتانے لگے پھر ان کے درمیان (یعنی مومنوں اور سرکشوں کے درمیان انصاف کے ساتھ فیصلہ کر دیا گیا، اور ایسا کبھی نہ ہوگا کہ ان پر

الْاٰخِرَةِ ؕ لَا تَبْدِيْلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝ وَلَا يَحْزُنْكَ قَوْلُهُمْ ۘ اِنَّ ٦٤ يونس
الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ؕ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝ اَلَآ اِنَّ لِلّٰهِ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ ؕ وَ ٦٥
مَا يَتَّبِعُ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ شُرَكَآءَ ؕ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ ٦٦
هُوَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ
لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّسْمَعُوْنَ ۝ ٦٧

کو حرام ٹھہرا دیا ہو۔ چنانچہ قرآن نے جا بجا یہ حقیقت واضح کر دی ہے کہ اس نے صرف انہی چیزوں سے روکا ہے جو خبائث ہیں۔ یعنی مضر اور گندی ہیں۔ باقی جتنی چیزیں ہیں۔ طیبات ہیں۔

(ب) کسی چیز کو حرام ٹھہرا دینے کا حق صرف خدا کی شریعت کو ہے۔ پس کسی انسان کو یہ حق حاصل نہیں کہ محض اپنے قیاس و رائے سے کوئی چیز حرام ٹھہرا دے۔

(ج) قرآن نے جن باتوں کو افترا علی اللہ سے تعبیر کیا ہے یعنی خدا پر بہتان باندھنا، ان میں سے ایک بات یہ بھی ہے کہ کسی نفس قدسی کے محض اپنی رائے اور قیاس سے کوئی چیز حرام ٹھہرا دینے۔

(د) انسان کے عقائد و اعمال کی بنیاد علم و یقین پر ہونی چاہیے نہ کہ وہم و گمان پر۔ وہ مشرکوں کی بنیادی گمراہی ہی قرار دیتا ہے کہ علم و یقین کی کوئی روشنی اپنے سامنے نہیں رکھتے محض اوہام و ظنون کے پرستار ہیں۔

نزول قرآن سے پہلے اقوام عالم کی ایک عام گمراہی یہ بھی تھی کہ کھانے پینے کے بارے میں طرح طرح کے وہمی تصورات بنا لیے تھے۔ حلت و حرمت کی بنیاد علم و حقیقت کی کسی روشنی پر نہ تھی محض اوہام و خرافات پر تھی۔ قرآن نے نوع انسانی کو اس حالت سے نجات دلائی۔ اس نے اعلان کیا کہ زمین میں جتنی اچھی چیزیں خدا نے پیدا کی ہیں سب اسی لیے ہیں کہ انسان انہیں برتے اور خدا کے سوا کسی کو یہ اختیار نہیں کہ اس کی پیدا کی ہوئی کسی چیز کو حرام ٹھہرا دے۔

یہ آیت ان تمام فقہا، متقدمین کے خلاف حجت قاطع ہے جنہوں نے محض رائے و قیاس سے بعض مباحات حرام ٹھہرا دی ہیں اور ان تمام لوگوں کے خلاف بھی جو سمجھتے ہیں مباحات کا ترک اپنے اوپر تنگ کر لینا تقویٰ اور تقرب الٰہی کی بات ہے۔

(۳۴) قرآن کا اسلوب بیان یہ ہے کہ وہ کسی بات کے ٹھہرانے اور قطعی طور پر ناقابل تردید کرنے کے لئے کتابت کی تعبیر اختیار

اللہ کے فرمان اٹل ہیں کبھی بدلنے والے نہیں اور یہی سب سے بڑی فیروزمندی ہے جو انسان کے حصے میں آ سکتی ہے! ٦٤

(اور اے پیغمبر!) منکروں کی (معاندانہ) باتوں سے تم ازدہ نہ ہو۔ ساری عزتیں اللہ ہی کے لئے ہیں (وہ جسے چاہے عزت دے۔ جسے چاہے ذلت دے) وہ سننے والا جاننے والا ہے! ٦٥

یاد رکھو وہ تمام ہستیاں جو آسمانوں میں ہیں اور وہ جو زمین میں ہیں اللہ ہی کے تابع فرمان ہیں۔ اور جو لوگ اللہ کے سوا اپنے ٹھہرائے ہوئے شریکوں کو پکارتے ہیں تم جانتے ہو وہ کس بات کی پیروی کرتے ہیں؟ (کیا یقین و بصیرت کی؟ نہیں) محض وہم و گمان کی وہ اس کے سوا کچھ نہیں ہیں کہ (ہر بات میں) اپنی اٹکلیں دوڑاتے ہیں! ٦٦

وہی ہے جس نے تمہارے لئے رات کا وقت بنایا کہ اس میں آرام پاؤ اور دن کا وقت کہ اس کی روشنی میں دیکھ بھال لو۔ بلاشبہ اس بات میں ان لوگوں کے لئے (ربوبیت الٰہی کی) بڑی ہی نشانیاں ہیں جو (کلام حق) سنتے (اور سمجھتے) ہیں! ٦٧

وَمَا ظَنُّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ
اَكْثَرَهُمْ لَا يَشْكُرُوْنَ ۝ وَمَا تَكُوْنُ فِيْ شَاْنٍ ۚ وَمَا تَتْلُوْا مِنْهُ مِنْ قُرْاٰنٍ وَّلَا تَعْمَلُوْنَ مِنْ
عَمَلٍ اِلَّا كُنَّا عَلَيْكُمْ شُهُوْدًا اِذْ تُفِيْضُوْنَ فِيْهِ ۭ وَمَا يَعْزُبُ عَنْ رَّبِّكَ مِنْ مِّثْقَالِ ذَرَّةٍ فِي الْاَرْضِ
وَلَا فِي السَّمَاۗءِ وَلَآ اَصْغَرَ مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ اَكْبَرَ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ۝ اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَاۗءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ
عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ۝ لَهُمُ الْبُشْرٰى فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي

ع ۱۰

۶۲-۶۳

قساوت اور بغض و تنفر سے دنیا کو نجات دلاتا اور رحم و محبت اور امن و سلامتی کی روح سے معمور کرتا ہے۔

یہ نص قرآن کے ادعاء کا مدعیانہ اعلان ہی نہ تھا، بلکہ اس کی صداقت کی سب سے زیادہ موثر دلیل بھی تھی۔ اگر ایک شخص دعویٰ کرے کہ وہ طبیب ہے، تو سب سے زیادہ سہل اور یقینی طریقہ اس کے دعوے کی جانچ کا یہ ہوگا کہ دیکھا جائے، اس کے علاج سے بیماروں کو شفا ملتی ہے یا نہیں؟ اگر تم دیکھو کہ موت کی آغوش میں پہنچے ہوئے بیمار اس کے شفاخانہ میں داخل ہو کر اور تندرست ہو نکلے۔ تو تم یقیناً تسلیم کر لوگے کہ اپنے دعوے میں سچا ہے۔ قرآن نے بھی جانچ یہی جامع منکروں کے سامنے پیش کی ہے۔ اس نے کہا میں منبع شفا ہوں، اور ثبوت میں مومنوں اور متقیوں کی جماعت پیش کر دی جو اس کے دار الشفاء میں تیار ہوئی تھی کہ دیکھ لو، یہ تندرست ہو گئے ہیں یا نہیں؟ آج بھی اسکی دلیل اسی طرح قائم ہے جس طرح عہد نزول میں تھی۔ اگر اس نے عرب جاہلیت کے مریضان روح و دل میں سے ابو بکرؓ، عمرؓ، علیؓ، خالدؓ، سعدؓ، ابو ذرؓ، وغیرہم جیسی عظیم روحیں پیدا کر دی تھیں تو کیا اس کے نسخہ شفا ہونے میں شک کیا جا سکتا ہے؟

بہتان باندھتے ہو؟"

اور جن لوگوں کی جراتوں کا یہ حال ہے کہ اللہ کے نام پر جھوٹ بول کر افترا پردازی کر رہے ہیں۔ انہوں نے روز قیامت کو کیا سمجھ رکھا ہے (کیا وہ سمجھتے ہیں) اللہ کی جانب سے کوئی پرسش ہونے والی نہیں؟)

حقیقت یہ ہے کہ اللہ انسانوں کے لئے بڑا ہی فضل رکھتا ہے (کہ اس نے جزاء عمل کو آخرت پر اٹھا رکھا ہے اور دنیا میں سب کو مہلت عمل دیدی ہے) لیکن ان میں زیادہ تر ایسے ہیں جو اس کا شکر بجا نہیں لاتے

اور (اے پیغمبر!) تم کسی حال میں ہو اور قرآن کی کوئی سی آیت بھی پڑھ کر سناتے ہو اور (اے لوگو!) تم کوئی سا کام بھی کرتے ہو مگر وہ بات کرتے ہوئے ہماری نگاہوں سے غائب نہیں ہوتے، اور تو زمین میں نہ آسمان میں کوئی چیز تمہارے پروردگار کے علم سے غائب ہے۔ ذرہ بھر کوئی چیز ہو یا اس سے چھوٹی یا بڑی، سب کچھ ایک کتاب واضح میں مندرج ہے!

یاد رکھو جو اللہ کے دوست ہیں ان کے لئے نہ تو کسی طرح کا خوف ہوگا، نہ کسی طرح کی غمگینی۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ ایمان لائے اور زندگی ایسی بسر کی کہ برائیوں سے بچتے رہے ان کے لئے دنیا کی زندگی میں بھی (کامرانی و سعادت کی) بشارت ہے اور آخرت کی زندگی میں بھی

۶۰

۶۱

(۳۱) مشرکین عرب نے اپنے اوہام و خرافات کی بنا پر بہت سی چیزوں کا استعمال حرام ٹھہرا لیا تھا۔ چنانچہ سورۂ انعام میں آیت ۱۴۰ سے پہلے اس کا مفصل بیان گذر چکا ہے اور یہاں آیت ۵۹ میں بھی اسی طرف اشارہ کیا ہے۔ اس آیت سے اور اسکی ہم معنی آیات سے یہ بات قطعی طور پر ثابت ہو گئی کہ:

(۱) قرآن کے نزدیک ان تمام چیزوں میں جو کھانے پینے کی پیدا ہوتی ہیں، اصل اباحت ہے۔ کہ حرمت بھی جتنی چیزیں کھانے کے قابل ہیں سب حلال ہیں الا یہ کہ وحی الٰہی نے کسی چیز

اقْضُوْٓا اِلَيَّ وَلَا تُنْظِرُوْنِ ۝ فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَمَا سَاَلْتُكُمْ مِّنْ اَجْرٍ ۭ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَي اللّٰهِ ۙ وَاُمِرْتُ ۷۱
اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ۝ فَكَذَّبُوْهُ فَنَجَّيْنٰهُ وَمَنْ مَّعَهٗ فِي الْفُلْكِ وَجَعَلْنٰهُمْ خَلٰۗىِٕفَ وَ ۷۲
اَغْرَقْنَا الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۚ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُنْذَرِيْنَ ۝ ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ رُسُلًا ۷۳
اِلٰى قَوْمِهِمْ فَجَاۗءُوْهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَمَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا بِمَا كَذَّبُوْا بِهٖ مِنْ قَبْلُ ۭ كَذٰلِكَ نَطْبَعُ عَلٰي قُلُوْبِ

قوم کا معاملہ اس حقیقت کے لئے ایک ٹھوس حجت ہے۔ ان کا اعلان بھی یہی تھا کہ تم میری مخالفت میں جو کچھ کر سکتے ہو کر گزرو۔ اگر میں صادق ہوں تو تمہاری کوئی کوشش میرے خلاف کامیاب نہیں ہو سکے گی۔ نتیجہ نے فیصلہ کر دیا کہ کون صادق تھا، اور کون خدا کی سچائی جھٹلانے چلا تھا۔

خلاف کرنا ہے کر گزرو اور مجھے ذرا بھی مہلت نہ دو (اور دیکھو آخر کار کیا نتیجہ نکلتا ہے؟) ۷۱

"پھر اگر اس پر بھی تم باز نہ آئے (اور) مجھ سے روگردانی کی، تو (یاد رکھو اپنا ہی نقصان کرو گے) میں جو کچھ کر رہا ہوں اس کے لئے تم سے کسی مزدوری کا طلبگار نہیں ہوا تھا۔ میری مزدوری تو اللہ کے سوا اور کسی کے پاس نہیں۔ مجھے (اسی کی طرف سے) حکم دیا گیا ہے کہ اس کے فرمانبردار بندوں کے گروہ میں شامل رہوں!" ۷۲

اس پر بھی لوگوں نے اُسے جھٹلایا۔ پس ہم نے اسے اور ان لوگوں کو جو اس کے ساتھ کشتی میں سوار تھے (طوفان سے) بچا لیا، اور (غرق شدہ قوم کا) جا نشین بنایا، اور جن لوگوں نے ہماری نشانیاں جھٹلائی تھیں ان سب کو غرق کر دیا۔ تو دیکھو، ان لوگوں کا حشر کیسا ہوا جو (انکار و سرکشی کے نتائج سے) خبردار کر دیئے گئے تھے؟ ۷۳

پھر نوح کے بعد ہم نے (کتنے ہی) رسولوں کو ان کی قوموں میں پیدا کیا۔ وہ ان کے پاس روشن دلیلیں لے کر آئے تھے، اس پر بھی ان کی قومیں تیار نہ تھیں کہ جو بات پہلے جھٹلا چکی ہیں، اسے (دلیلیں دیکھ کر) مان لیں۔ سو دیکھو، جو لوگ (سرکشی اور فساد میں) حد سے گذر جاتے ہیں، ہم اسی طرح ان کے دلوں پر مہر لگا دیتے

(۳۵۱) آیت ۷۱ جو اوپر گذر چکی ہے، انبیاء کرام کی صداقت کی ایک بہت بڑی دلیل واضح کرتی ہے۔ یعنی وہ کامل یقین جو اپنے مرسل من اللہ اور صادق ہونے کا ان کے اندر موجود ہوتا ہے حضرت نوح نے کہا، اگر تم پر میری دعوت و تذکیر گراں گذرتی ہے اور مجھے اپنے بیان میں جھوٹا سمجھتے ہو، تو جو کچھ بھی تم میرے خلاف کر سکتے ہو زیادہ سے زیادہ کوشش، اور زیادہ سے زیادہ اہتمام کے ساتھ کر گزرو۔ تم سب جمع ہو کر ہمہ گیر مشورے کر لو، بہتر سے بہتر تدبیریں جو میرے مٹانے کے لئے سوچی جا سکتی ہیں سوچ لو، معاملہ کا کوئی پہلو ایسا نہ رہ جائے جس کا پہلے سے بندوبست نہ کر لیا ہو۔ پھر پورے عزم کے ساتھ اٹھ کھڑے ہو اور اپنے جائے بھر ذرا بھی مہلت نہ دو۔ پھر یہ سب کچھ کر کے دیکھ لو۔ تم مجھے اور میری دعوت کو مٹا سکتے ہو یا نہیں!

کیا ممکن ہے کہ محض بناوٹ اور افترا پردازی کی زندگی سے ایسا یقین اہل سکے؟ کیا ممکن ہے کہ ایک فرد واحد پوری قوم کو اس طرح مقابلہ کی دعوت دے اور اس کے دل میں ذرا بھی کھٹک موجود ہو کہ اپنے بیان میں سچا نہیں؟

(۳۵۲) حضرت نوح کے ذکر کے بعد فرمایا، ان کے بعد بہت سے رسول مختلف قوموں میں مبعوث ہوئے اور ایسا ہی معاملہ پیش آیا۔ پھر حضرت موسیٰ کے تذکرہ میں تفصیل کی۔ کیونکہ اہل عرب ان کے نام سے ناآشنا نہ تھے۔

حضرت نوح کے ذکر میں بھی اور حضرت موسیٰ کے حالات میں بھی صرف انہی پہلوؤں پر زور دیا ہے جو سورت کی موضوعات سے علق رکھتے ہیں۔ یعنی:

قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ ؕ هُوَ الْغَنِیُّ ؕ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ؕ اِنْ عِنْدَكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍۭ بِهٰذَا ؕ اَتَقُوْلُوْنَ عَلَی اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ قُلْ اِنَّ الَّذِیْنَ یَفْتَرُوْنَ عَلَی اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا یُفْلِحُوْنَ ۝ ۶۹-۷۰
مَتَاعٌ فِی الدُّنْیَا ثُمَّ اِلَیْنَا مَرْجِعُهُمْ ثُمَّ نُذِیْقُهُمُ الْعَذَابَ الشَّدِیْدَ بِمَا كَانُوْا یَكْفُرُوْنَ ۝ ع ۷۰
وَاتْلُ عَلَیْهِمْ نَبَاَ نُوْحٍ ۘ اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖ یٰقَوْمِ اِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَیْكُمْ مَّقَامِیْ وَتَذْكِیْرِیْ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ فَعَلَی اللّٰهِ تَوَكَّلْتُ فَاَجْمِعُوْٓا اَمْرَكُمْ وَشُرَكَآءَكُمْ ثُمَّ لَا یَكُنْ اَمْرُكُمْ عَلَیْكُمْ غُمَّةً ثُمَّ

کرتا ہے یعنی کتابت یہ بات لکھ دی گئی ہے مثلاً کتب علیکم الصیام (۲ : ۱۸۳) ان عدۃ الشھور عند اللہ اثنا عشر شھرا فی کتاب اللہ (۹ : ۳۶) کتب علیہ انہ من تولاہ فانہ یضلہ (۲۲ : ۴) اسی طرح اس مطلب کے لئے کہ حکمت الٰہی نے کارخانۂ ہستی کی ہر چیز کے لئے ایک قانون بنا دیا ہے اور یہاں جو کچھ ظہور میں آتا ہے وہ سب کچھ ضبط میں آچکا ہے "کتابت" اور "کتاب" کی تعبیر جا بجا ملتی ہے چنانچہ یہاں بھی آیت (۶۱) میں فرمایا آسمان و زمین میں ایک ذرہ بھی ایسا نہیں جو کتاب مبین کے انضباط سے باہر ہو یعنی علم الٰہی کی باہر ہو یا اللہ نے جو قوانین خلقت ٹھہرائے ہیں، ان کے احاطہ سے باہر ہو۔ ۶۸

احکام و قوانین کا شاہی فرمانوں میں لکھ دینا اور شاہی دفاتر میں درج کر دینا، دنیا کی نہایت پرانی رسم ہے۔ اسی لئے تقریباً تمام زبانوں میں کسی بات کے مکمل ہونے کا مطلب یہ ہو گیا ہے کہ بات پکی ہو گئی اور اب اس میں رد و بدل کی گنجائش نہیں باہمی عہد و پیمان بھی لکھے جاتے تھے اور جب لکھ دیے گئے تو سمجھا جاتا تھا اب ان کی خلاف ورزی نہیں کی جا سکتی۔ عربی میں بھی یہ تعبیر قدیم سے موجود ہے اور معلوم ہوتا ہے قرآن نے بھی اسی معنی میں یہ تعبیر اختیار کی ہے۔ ۶۹

البتہ یہ ظاہر ہے کہ ہم جزم و یقین کے ساتھ اس بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتے۔ کیونکہ یہ معاملہ عالم غیب سے تعلق رکھتا ہے اور عالم غیب کے حقائق ہماری عقل کی دسترس سے باہر ہیں۔

(۳۳) آیت ۶۲ کی تشریح آخری نوٹ میں ملے گی۔

(۳۴) قرآن کا عام اسلوب خطاب یہ ہے کہ پہلے وجدانی دلائل بیان کرتا ہے پھر واقعات و ایام کے شواہد سے استدلال کرتا ہے آیت ۶۹ میں تمام پچھلے مواعظ کا خلاصہ بیان کر دیا کہ مفتری علی اللہ فلاح نہیں پا سکتا۔ پھر آیت (۷۱) میں فرمایا انہیں حضرت نوح کی سرگذشت سناؤ یعنی حضرت نوح اور ان کی

یہ کہتے ہیں۔ اللہ نے اپنا ایک بیٹا بنا رکھا ہے! اس کے لئے تقدیس ہو! وہ تو (اس طرح کی تمام احتیاجوں سے) بے نیاز ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے سب اسی کے لئے ہے۔ تمہارے پاس ایسی بات کہنے کے لئے کوئی دلیل آگئی؟ کیا تم اللہ کے بارے میں ایسی بات کہنے کی جرأت کرتے ہو جس کے لئے تمہارے پاس کوئی علم نہیں؟

(اے پیغمبر!) تم کہو جو لوگ اللہ پر بہتان باندھتے ہیں، وہ کبھی فلاح پانے والے نہیں! ان کے لئے صرف دنیا ہی کی متاع ہے۔ پھر (آخر کار) ہماری طرف لوٹنا ہے تب ہم انہیں عذاب سخت کا مزہ چکھائینگے کہ جیسی کچھ کفر کی باتیں کرتے رہے ہیں، اس کا نتیجہ پالیں!

اور (اے پیغمبر!) انہیں نوح کا حال سناؤ جب ایسا ہوا تھا کہ اس نے اپنی قوم سے کہا تھا اے میری قوم! اگر تم پر یہ بات شاق گذرتی ہے کہ میں تم میں (دعوت و ہدایت کے لئے) کھڑا ہوں اور اللہ کی نشانیوں کے ساتھ پند و نصیحت کرتا ہوں، تو میرا بھروسہ صرف اللہ پر ہے۔ تم میرے خلاف جو کچھ کرنا چاہتے ہو اسے ٹھان لو اور اپنے شریکوں کو بھی ساتھ لے لو۔ پھر جو کچھ تمہارا منصوبہ ہو اسے اچھی طرح سمجھ بوجھ لو کہ کوئی پہلو نظر سے رہ نہ جائے پھر جو کچھ میرے

اللّٰهُ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ ۝ فَمَآ اٰمَنَ لِمُوْسٰٓى اِلَّا ذُرِّيَّةٌ مِّنْ قَوْمِهٖ عَلٰى خَوْفٍ ۸۲ ع ۱۲
مِّنْ فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهِمْ اَنْ يَّفْتِنَهُمْ ۭ وَاِنَّ فِرْعَوْنَ لَعَالٍ فِي الْاَرْضِ ۚ وَاِنَّهٗ لَمِنَ الْمُسْرِفِيْنَ ۝ ۸۳
وَقَالَ مُوْسٰي يٰقَوْمِ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ فَعَلَيْهِ تَوَكَّلُوْٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّسْلِمِيْنَ ۝ ۸۴
فَقَالُوْا عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا ۚ رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۝ ۸۵ - ۸۶
وَنَجِّنَا بِرَحْمَتِكَ مِنَ الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ۝
وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰى وَاَخِيْهِ اَنْ تَبَوَّاٰ لِقَوْمِكُمَا بِمِصْرَ بُيُوْتًا وَّاجْعَلُوْا

ثبوت اور قیام ہے یعنی جو بات ثابت ہوا اٹل ہوا اٹ ہوا اسے "حق" کہتے ہیں۔ اور "باطل" ٹھیک اس کا نقیض ہے۔ یعنی ایسی بات جو مٹ جانے والی اور باقی نہ رہنے والی ہو۔ پس قرآن نے سچائی کو حق سے اور انکار کو باطل سے تعبیر کرکے یہ بات واضح کر دی ہے کہ سچائی کا خاصہ ثبوت و قیام ہے اور انکار و سرکشی کے لئے نہ ٹک سکنا اور مٹ جانا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جا بجا اس طرح کی تعبیرات ہمیں ملتی ہیں کہ خدا حق کو حق کرے گا اور باطل کو باطل یعنی ثابت و قائم رہ کر اپنی حقانیت آشکارا کر دے گا، اور باطل نابود ہو کر اپنے بطلان کا ثبوت دیگا۔ مثلاً سورۂ انفال کی آیت ۸ میں گذر چکا ہے لیحق الحق و یبطل الباطل۔ اور یہاں بھی آیت ۸۲ میں اسی کی تعبیر اختیار کی ہے۔ یہ تعبیر قرآن کے دقائق براہین میں سے ہے۔ جس کی تشریح تفسیر سورۂ فاتحہ میں دیکھنی چاہئے۔

(۳۹) آیت ۸۳ میں ان لوگوں کو جو ایمان لائے "ذریۃ من قومہ" سے تعبیر فرمایا ہے۔ "ذریۃ" کے اصلی معنی کم سن اولاد کے ہیں، لیکن نسل و اولاد کے معنوں میں مطلقاً بھی بولا جاتا ہے۔ یہاں چونکہ قوم کے ساتھ ذریۃ کا لفظ آیا ہے اس لئے ضروری ہے کہ لغوی معنی میں مستعمل ہی آیا ہو، یعنی قوم بنی اسرائیل کے کم سن افراد۔

اس سے معلوم ہوا کہ جب کبھی مقاصد و عزائم کی راہ میں شدائد و محن کا سامنا کرنا پڑتا ہے تو قوم کے بڑے بوڑھوں سے بہت کم امید کی جا سکتی ہے۔ زیادہ تر نئی نسل کے نوجوان ہی آگے بڑھتے ہیں کیونکہ بڑے بوڑھوں کی ساری زندگیاں ظلم و فساد کی آب و ہوا میں بسر ہو چکتی ہیں اور محکومی کی حالت میں رہتے رہتے طبیعت کو شی کے عادی ہو جاتے ہیں۔ البتہ نوجوانوں میں نیا دماغ ہوتا ہے نیا خون ہوتا ہے نئی انگیزش ہوتی

۸۲ اگرچہ ان لوگوں کو جو مجرم ہیں، ایسا ہونا پسند نہ آئے"
تو دیکھو اس پر بھی ایسا ہوا کہ موسیٰ پر کوئی ایمان نہیں لایا مگر صرف ایک گروہ جو اسکی قوم کے نوجوانوں کا گروہ تھا۔ وہ بھی فرعون اور اس کے سرداروں سے ڈرتا ہوا کہ کہیں کسی مصیبت میں ڈال دیں،
اور اس میں شک نہیں کہ فرعون ملک (مصر) میں بڑا ہی سرکش (بادشاہ) تھا، اور اس میں بھی شک ۸۳ نہیں کہ (ظلم و استبداد میں) بالکل چھوٹ تھا۔
اور موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا "لوگو! اگر تم فی الحقیقت اللہ پر ایمان لائے ہو اور اسکی فرمانبرداری کرنی چاہتے ہو، تو چاہئے کہ صرف اسی پر بھروسہ کرو۔
۸۴ اور فرعون کی طاقت سے نہ ڈرو۔"
انہوں نے کہا "ہم نے اللہ پر بھروسہ کیا (ہم دعا کرتے ہیں کہا) پروردگار! ہمیں اس ظالم گروہ کے لئے آزمایشوں کا موجب نہ بنا (کہ اس کے ظلم و ستم کے مقابلہ میں کمزوری دکھائیں) اور اپنی رحمت سے ۸۵
۸۶ ایسا کیجیے کہ اس کافر گروہ کے پنجہ سے نجات پا جائیں"
اور ہم نے موسیٰ اور اس کے بھائی (ہارون) پر وحی کی کہ اپنی قوم کے لئے مصر میں مکان بناؤ، اور اپنے

۷۴ الْمُعْتَدِيْنَ ۝ ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْ بَعْدِهِمْ مُّوْسٰى وَهٰرُوْنَ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ بِاٰيٰتِنَا فَاسْتَكْبَرُوْا
۷۵،۷۶ وَكَانُوْا قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ ۝ فَلَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوْٓا اِنَّ هٰذَا لَسِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝ قَالَ مُوْسٰٓى
۷۷ اَتَقُوْلُوْنَ لِلْحَقِّ لَمَّا جَآءَكُمْ ۭ اَسِحْرٌ هٰذَا ۭ وَلَا يُفْلِحُ السّٰحِرُوْنَ ۝ قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا لِتَلْفِتَنَا عَمَّا
۷۸ وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَاۗءَنَا وَتَكُوْنَ لَكُمَا الْكِبْرِيَاۗءُ فِي الْاَرْضِ ۭ وَمَا نَحْنُ لَكُمَا بِمُؤْمِنِيْنَ ۝ وَقَالَ
۷۹،۸۰ فِرْعَوْنُ ائْتُوْنِيْ بِكُلِّ سٰحِرٍ عَلِيْمٍ ۝ فَلَمَّا جَآءَ السَّحَرَةُ قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰٓى اَلْقُوْا مَآ اَنْتُمْ مُّلْقُوْنَ ۝
۸۱ فَلَمَّآ اَلْقَوْا قَالَ مُوْسٰى مَا جِئْتُمْ بِهِ ۙ السِّحْرُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَيُبْطِلُهٗ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُصْلِحُ عَمَلَ الْمُفْسِدِيْنَ ۝ وَيُحِقُّ

ہیں۔

پھر ہم نے ان رسولوں کے بعد موسیٰ اور ہارون کو بھیجا۔ فرعون اور اس کے درباریوں کی طرف۔ وہ ہماری نشانیاں اپنے ساتھ رکھتے تھے۔ مگر فرعون اور اس کے درباریوں نے گھمنڈ کیا۔ ان کا گروہ مجرموں کا گروہ تھا۔

پھر جب ہماری جانب سے سچائی ان پر نمودار ہو گئی تو کہنے لگے "یہ اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ جادو ہے صریح جادو"

موسیٰ نے کہا "تم سچائی کے حق میں جب وہ نمودار ہو گئی، ایسی بات کہتے ہو؟ کیا یہ جادو ہے؟ حالانکہ جادوگر تو کبھی کامیابی نہیں پا سکتے"

انہوں نے (جواب میں) کہا "کیا تم اس لئے ہمارے پاس آئے ہو کہ جس راہ پر ہم نے اپنے باپ دادوں کو چلتے دیکھا ہے اس سے ہمیں ہٹا دو اور ملک میں تم دونوں بھائیوں کے لئے سرداری ہو جائے؟ ہم تو تمہیں ماننے والے نہیں"۔

اور فرعون نے کہا "میری مملکت میں جتنے ماہر جادوگر ہیں، سب کو میرے حضور حاضر کرو"

جب جادوگر آموجود ہوئے (اور مقابلہ کا میدان گرم ہوا) تو موسیٰ نے کہا "تمہیں جو کچھ میدان میں ڈالنا ہے ڈال دو"۔

جب انہوں نے (اپنی جادو کی رسیاں اور لاٹھیاں) ڈال دیں، تو موسیٰ نے کہا "تم جو کچھ بنا کر لائے ہو یہ جادو ہے اور یقیناً اللہ اسے ملیا میٹ کر دے گا۔ اللہ کا یہ قانون ہے کہ وہ مفسدوں کا کام نہیں سنوارتا

وہ حق و اپنے احکام کے مطابق ضرور ثابت کر دکھائیگا

(۳۸) الحق یہ حق سے ہے اور عربی میں "حق" کا معنی خلہ

(ا) مفتری علی اللہ فلاح نہیں پا سکتا۔

(ب) نہ وہ جو صادق کا مقابلہ کرے۔ یعنی اللہ کے رسول کا مقابلہ کرے۔

(ج) ہدایت ایسی چیز نہیں ہے کہ زبردستی کسی کو پلا دو۔ جو ماننے والے نہیں، وہ کبھی نہیں مانیں گے۔ خواہ کتنی ہی نشانیاں دیکھ لیں۔ ایسا ہی ہمیشہ ہوا ہے اور اب بھی ہوگا۔

(۳۷) حضرت موسیٰ نے کہا، تم حق کی نشانیوں کو جادو کہتے ہو، حالانکہ جو جادوگر ہو، وہ کبھی کامیاب نہیں ہو سکتا۔ کجکہ جادو انسان کی بناوٹ اور شعبدہ طرازی ہے، اور ایک انسان اپنی بناوٹوں اور کرتبوں میں کتنا ہی ہشیار ہو، لیکن حق کے مقابلہ میں کبھی نہیں ٹک سکتا۔

وَمَا تَكُونُ فِي شَأْنٍ وَمَا تَتْلُوا مِنْهُ مِنْ قُرْآنٍ وَلَا تَعْمَلُونَ مِنْ عَمَلٍ إِلَّا كُنَّا عَلَيْكُمْ شُهُودًا إِذْ تُفِيضُونَ فِيهِ ۚ وَمَا يَعْزُبُ عَنْ رَبِّكَ مِنْ مِثْقَالِ ذَرَّةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ وَلَا أَصْغَرَ مِنْ ذَٰلِكَ وَلَا أَكْبَرَ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُبِينٍ ۝ ٦١

أَلَا إِنَّ أَوْلِيَاءَ اللَّهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ۝ ٦٢

الَّذِينَ آمَنُوا وَكَانُوا يَتَّقُونَ ۝ ٦٣

لَهُمُ الْبُشْرَىٰ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ ۚ لَا تَبْدِيلَ لِكَلِمَاتِ اللَّهِ ۚ ذَٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ۝ ٦٤

وَلَا يَحْزُنْكَ قَوْلُهُمْ ۘ إِنَّ الْعِزَّةَ لِلَّهِ جَمِيعًا ۚ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ۝ ٦٥

أَلَا إِنَّ لِلَّهِ مَنْ فِي السَّمَاوَاتِ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ ۗ وَمَا يَتَّبِعُ الَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ شُرَكَاءَ ۚ إِنْ يَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَإِنْ هُمْ إِلَّا يَخْرُصُونَ ۝ ٦٦

هُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ اللَّيْلَ لِتَسْكُنُوا فِيهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِقَوْمٍ يَسْمَعُونَ ۝ ٦٧

قَالُوا اتَّخَذَ اللَّهُ وَلَدًا سُبْحَانَهُ ۖ هُوَ الْغَنِيُّ ۖ لَهُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۚ إِنْ عِنْدَكُمْ مِنْ سُلْطَانٍ بِهَٰذَا ۚ أَتَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ۝ ٦٨

قُلْ إِنَّ الَّذِينَ يَفْتَرُونَ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُونَ ۝ ٦٩

مَتَاعٌ فِي الدُّنْيَا ثُمَّ إِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ ثُمَّ نُذِيقُهُمُ الْعَذَابَ الشَّدِيدَ بِمَا كَانُوا يَكْفُرُونَ ۝ ٧٠

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ نُوحٍ ۘ إِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ يَا قَوْمِ إِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكُمْ مَقَامِي وَتَذْكِيرِي بِآيَاتِ اللَّهِ فَعَلَى اللَّهِ تَوَكَّلْتُ فَأَجْمِعُوا أَمْرَكُمْ وَشُرَكَاءَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُنْ أَمْرُكُمْ عَلَيْكُمْ غُمَّةً ثُمَّ اقْضُوا إِلَيَّ وَلَا تُنْظِرُونِ ۝ ٧١

فَإِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَمَا سَأَلْتُكُمْ مِنْ أَجْرٍ ۖ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَى اللَّهِ ۖ وَأُمِرْتُ أَنْ أَكُونَ مِنَ الْمُسْلِمِينَ ۝ ٧٢

فَكَذَّبُوهُ فَنَجَّيْنَاهُ وَمَنْ مَعَهُ فِي الْفُلْكِ وَجَعَلْنَاهُمْ خَلَائِفَ وَأَغْرَقْنَا الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا ۖ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُنْذَرِينَ ۝ ٧٣

ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْ بَعْدِهِ رُسُلًا إِلَىٰ قَوْمِهِمْ فَجَاءُوهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ فَمَا كَانُوا لِيُؤْمِنُوا بِمَا كَذَّبُوا بِهِ مِنْ قَبْلُ ۚ كَذَٰلِكَ نَطْبَعُ عَلَىٰ قُلُوبِ الْمُعْتَدِينَ ۝ ٧٤

ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْ بَعْدِهِمْ مُوسَىٰ وَهَارُونَ إِلَىٰ فِرْعَوْنَ وَمَلَئِهِ بِآيَاتِنَا فَاسْتَكْبَرُوا وَكَانُوا قَوْمًا مُجْرِمِينَ ۝ ٧٥

فَلَمَّا جَاءَهُمُ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوا إِنَّ هَٰذَا لَسِحْرٌ مُبِينٌ ۝ ٧٦

قَالَ مُوسَىٰ أَتَقُولُونَ لِلْحَقِّ لَمَّا جَاءَكُمْ ۖ أَسِحْرٌ هَٰذَا ۖ وَلَا يُفْلِحُ السَّاحِرُونَ ۝ ٧٧

قَالُوا أَجِئْتَنَا لِتَلْفِتَنَا عَمَّا وَجَدْنَا عَلَيْهِ آبَاءَنَا وَتَكُونَ لَكُمَا الْكِبْرِيَاءُ فِي الْأَرْضِ ۖ وَمَا نَحْنُ لَكُمَا بِمُؤْمِنِينَ ۝ ٧٨

وَقَالَ فِرْعَوْنُ ائْتُونِي بِكُلِّ سَاحِرٍ عَلِيمٍ ۝ ٧٩

فَلَمَّا جَاءَ السَّحَرَةُ قَالَ لَهُمْ مُوسَىٰ أَلْقُوا مَا أَنْتُمْ مُلْقُونَ ۝ ٨٠

فَلَمَّا أَلْقَوْا قَالَ مُوسَىٰ مَا جِئْتُمْ بِهِ السِّحْرُ ۖ إِنَّ اللَّهَ سَيُبْطِلُهُ ۖ إِنَّ اللَّهَ لَا يُصْلِحُ عَمَلَ الْمُفْسِدِينَ ۝ ٨١

وَيُحِقُّ اللَّهُ الْحَقَّ بِكَلِمَاتِهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُونَ ۝ ٨٢

فَمَا آمَنَ لِمُوسَىٰ إِلَّا ذُرِّيَّةٌ مِنْ قَوْمِهِ عَلَىٰ خَوْفٍ مِنْ فِرْعَوْنَ وَمَلَئِهِمْ أَنْ يَفْتِنَهُمْ ۚ وَإِنَّ فِرْعَوْنَ لَعَالٍ فِي الْأَرْضِ ۖ وَإِنَّهُ لَمِنَ الْمُسْرِفِينَ ۝ ٨٣

وَقَالَ مُوسَىٰ يَا قَوْمِ إِنْ كُنْتُمْ آمَنْتُمْ بِاللَّهِ فَعَلَيْهِ تَوَكَّلُوا إِنْ كُنْتُمْ مُسْلِمِينَ ۝ ٨٤

فَقَالُوا عَلَى اللَّهِ تَوَكَّلْنَا ۚ رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِلْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ۝ ٨٥

وَنَجِّنَا بِرَحْمَتِكَ مِنَ الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ ۝ ٨٦

وَأَوْحَيْنَا إِلَىٰ مُوسَىٰ وَأَخِيهِ أَنْ تَبَوَّآ لِقَوْمِكُمَا بِمِصْرَ بُيُوتًا وَاجْعَلُوا بُيُوتَكُمْ قِبْلَةً وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ ۗ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ ۝ ٨٧

وَقَالَ مُوسَىٰ رَبَّنَا إِنَّكَ آتَيْتَ فِرْعَوْنَ وَمَلَأَهُ زِينَةً وَأَمْوَالًا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا رَبَّنَا لِيُضِلُّوا عَنْ سَبِيلِكَ ۖ رَبَّنَا اطْمِسْ عَلَىٰ أَمْوَالِهِمْ وَاشْدُدْ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوا حَتَّىٰ يَرَوُا الْعَذَابَ الْأَلِيمَ ۝ ٨٨

قَالَ قَدْ أُجِيبَتْ دَعْوَتُكُمَا فَاسْتَقِيمَا وَلَا تَتَّبِعَانِّ سَبِيلَ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ ۝ ٨٩

وَجَاوَزْنَا بِبَنِي إِسْرَائِيلَ الْبَحْرَ فَأَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ وَجُنُودُهُ بَغْيًا وَعَدْوًا ۖ حَتَّىٰ إِذَا أَدْرَكَهُ الْغَرَقُ قَالَ آمَنْتُ أَنَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا الَّذِي آمَنَتْ بِهِ بَنُو إِسْرَائِيلَ وَأَنَا مِنَ الْمُسْلِمِينَ ۝ ٩٠

آلْآنَ وَقَدْ عَصَيْتَ قَبْلُ وَكُنْتَ مِنَ الْمُفْسِدِينَ ۝ ٩١

فَالْيَوْمَ نُنَجِّيكَ بِبَدَنِكَ لِتَكُونَ لِمَنْ خَلْفَكَ آيَةً ۚ وَإِنَّ كَثِيرًا مِنَ النَّاسِ عَنْ آيَاتِنَا لَغَافِلُونَ ۝ ٩٢

وَلَقَدْ بَوَّأْنَا بَنِي إِسْرَائِيلَ مُبَوَّأَ صِدْقٍ وَرَزَقْنَاهُمْ مِنَ الطَّيِّبَاتِ ۖ فَمَا اخْتَلَفُوا حَتَّىٰ جَاءَهُمُ الْعِلْمُ ۚ إِنَّ رَبَّكَ يَقْضِي بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فِيمَا كَانُوا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ۝ ٩٣

فَإِنْ كُنْتَ فِي شَكٍّ مِمَّا أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ فَاسْأَلِ الَّذِينَ يَقْرَءُونَ الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ لَقَدْ جَاءَكَ الْحَقُّ مِنْ رَبِّكَ فَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِينَ ۝ ٩٤

وَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِ اللَّهِ فَتَكُونَ مِنَ الْخَاسِرِينَ ۝ ٩٥

دی جائے گی تاکہ آنے والی قوموں کے لئے قدرت حق کی نشانی ہو اور اسی لئے قدیم مفسرین کو اس مطلب میں مشکلات پیش آئیں لیکن اگر وقت نظر سے کام لیا جائے تو مطلب بالکل واضح ہے

قدیم مصریوں میں حنوط کا طریقہ رائج تھا یعنی بادشاہوں اور امیروں کی لاشیں ایک خاص طرح کا مصالحہ لگا کر ایک عرصہ تک کے لئے محفوظ کر دیتے تھے۔ چنانچہ اٹھارویں صدی کے اوائل سے لے کر اس وقت تک بے شمار نعشیں مصر میں نکل چکی ہیں۔ اور دنیا کا کوئی عجائب خانہ نہیں جس کے حصے میں دو چار نعشیں نہ آئی ہوں۔ اس طرح کی نعشوں کے لئے "ممی" کا لفظ یونانیوں نے استعمال کیا تھا جو غالباً خود مصریوں ہی کی اصطلاح تھی۔

آیت کا مطلب یہ معلوم ہوتا ہے کہ فرعون سے تو نہیں کہا جا سکتا، لیکن تیرا جسم سمندر کی موجوں سے بچا لیا جائے گا تاکہ وہ حسب معمول ممی کر کے رکھا جائے اور آنے والی نسلوں کے لئے عبرت و تذکیر کا موجب ہو۔

اگر مصریات (ایجپٹالوجی) کے بعض علماء کی یہ تحقیق درست ہے کہ یہ فرعون رمیسیس ثانی تھا، تو اس بدن آج تک زائل نہیں ہوا ہے کیونکہ اسکی ممی نکل آئی ہے اور قاہرہ کے "الاتحاف" میں صحیح و سالم موجود ہے۔

اس سلسلہ میں متعدد امور بحث طلب ہیں جن کے لئے البیان کا انتظار کرنا چاہئے۔

(۱۱) قرآن کا اسلوب بیان یہ ہے کہ مومنوں سے خطاب مقصود ہوتا ہے، لیکن مخاطب پیغمبر اسلام کو کرتا ہے۔ مثلاً یا ایھا النبی اذا طلقتم النساء (۶۵:۱) پس یہاں بھی آیت (۹۴) میں اگرچہ خطاب پیغمبر اسلام سے ہے، اگر مقصود مومنوں کی وہ ابتدائی جماعت ہے جو آغاز دعوت کی بیچارگی و مظلومی میں ایمان لائی تھی۔

بعد آنے والے ہیں (قدرتِ حق کی) ایک نشانی ہو۔ اور اکثر انسان ایسے ہیں جو ہماری نشانیوں کی طرف سے یک قلم غافل رہتے ہیں! ۹۲

اور ہم نے بنی اسرائیل کو (اپنے وعدہ کے مطابق فلسطین میں) بسنے کا بہت اچھا ٹھکانا دیا تھا، اور پاکیزہ چیزوں سے ان کی روزی کا سامان کر دیا تھا۔ پھر جب کبھی انہوں نے (دین حق کے بارے میں) اختلاف کیا، تو علم کی روشنی فرمان پر مرتوار ہو گئی (یعنی ان میں یکے بعد دیگرے نبی مبعوث ہوتے رہے لیکن پھر بھی وہ حقیقت پر متفق نہ ہوئے) قیامت کے دن تمہارا پروردگار ان کے درمیان ان باتوں کا فیصلہ کر دے گا جن میں باہم اختلاف کرتے رہے ہیں! (یعنی انہیں معلوم ہو جائیگا کہ حقیقت حال کیا تھی) ۹۳

اور اگر تمہیں اس بات میں کسی طرح کا شک ہو جو ہم نے تمہاری طرف بھیجی ہے، تو ان لوگوں سے پوچھ لو جو تمہارے زمانے سے پہلے کی کتابیں پڑھتے رہتے ہیں (یعنی اہل کتاب) کہ یقیناً یہ سچائی ہے جو تمہارے پروردگار کی طرف سے تم پر اتری ہے، تو ہرگز ایسا نہ کرنا کہ شک ۹۴

کرنے والوں میں سے ہو جاؤ۔ اور نہ ان لوگوں میں سے جنہوں نے اللہ کی نشانیاں جھٹلائیں اور نتیجہ یہ نکلا کہ نامراد ہوئے! ۹۵

۸۷ بُيُوتَكُمْ قِبْلَةً وَّاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ ۭ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ وَقَالَ مُوْسٰى رَبَّنَآ اِنَّكَ اٰتَيْتَ فِرْعَوْنَ وَ
مَلَاَهٗ زِيْنَةً وَّاَمْوَالًا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۙ رَبَّنَا لِيُضِلُّوْا عَنْ سَبِيْلِكَ ۚ رَبَّنَا اطْمِسْ عَلٰٓى اَمْوَالِهِمْ
۸۸ وَاشْدُدْ عَلٰي قُلُوْبِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْا حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ۝ قَالَ قَدْ اُجِيْبَتْ دَّعْوَتُكُمَا
۸۹ فَاسْتَقِيْمَا وَلَا تَتَّبِعٰٓنِّ سَبِيْلَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ وَجٰوَزْنَا بِبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ الْبَحْرَ
فَاَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ وَجُنُوْدُهٗ بَغْيًا وَّعَدْوًا ۭ حَتّٰٓى اِذَآ اَدْرَكَهُ الْغَرَقُ ۙ قَالَ اٰمَنْتُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ
۹۰ اِلَّا الَّذِيْٓ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْٓا اِسْرَآءِيْلَ وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ۝ آٰلْـٰٔنَ وَقَدْ عَصَيْتَ قَبْلُ وَكُنْتَ
۹۱ مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ ۝ فَالْيَوْمَ نُنَجِّيْكَ بِبَدَنِكَ لِتَكُوْنَ لِمَنْ خَلْفَكَ اٰيَةً ۭ

ہیں اسمیں شداید وحن کا خوف مرعوب نہیں کر دیتا۔ وہی پہلے قدم اٹھاتے ہیں پھر تمام قوم ان کے پیچھے چلنے لگتی ہے۔

مصر میں حضرت موسیٰ کو ایسی ہی صورت پیش آئی فرعون کے قہر و استبداد نے بنی اسرائیل کے بڑے بوڑھوں کی ہمتیں سلب کر دی تھیں۔ وہ سکہ گذار ہونے کی جگہ الٹی شکایتیں کرتے۔ لیکن نوجوانوں کا یہ حال نہ تھا۔ ان میں ایک گروہ نکل آیا جس نے حضرت موسیٰ کے احکام کی تعمیل کی۔

مکانوں کو قبلہ رخ تعمیر کرو۔ نیز (ان میں) نماز قائم کرو، اور جو ایمان لاتے ہیں انہیں (کامیابی) کی بشارت دو۔

اور موسیٰ نے دعا مانگی "خدایا! تو نے فرعون اور اس کے سرداروں کو اس دنیا کی زندگی میں زیب و زینت کی چیزیں اور مال و دولت کی شوکتیں بخشی ہیں، تو خدایا! کیا یہ اس لئے ہے کہ تیری راہ سے یہ لوگ بھٹکائیں! خدایا ان کی دولت زایل کر دے، اور ان کے دلوں پر مہر لگا دے کہ اس وقت تک یقین نہ کریں۔ جب تک عذاب دردناک اپنے سامنے نہ دیکھ لیں!"۔

اللہ نے فرمایا "میں نے تم دونوں کی دعا قبول کی۔ تو اب تم (اپنی راہ میں) جم کر کھڑے ہو جاؤ اور ان لوگوں کی پیروی نہ کرو جو (میرا طریق کار) نہیں جانتے" (اور اس لئے جبر نہیں کر سکتے)

اور پھر ایسا ہوا کہ ہم نے بنی اسرائیل کو سمندر کے پار اتار دیا۔ یہ دیکھ کر فرعون اور اس کے لشکر نے پیچھا کیا۔ مقصود یہ تھا کہ ظلم و شرارت کریں۔ لیکن جب حالت یہاں تک پہنچ گئی کہ فرعون سمندر میں غرق ہونے لگا، تو اس وقت پکار اٹھا "میں یقین کرتا ہوں کہ اس ہستی کے سوا کوئی معبود نہیں جس پر بنی اسرائیل ایمان رکھتے ہیں، اور میں بھی اسی کے فرمانبرداروں میں ہوں!"

(ہم نے کہا) ہاں، اب تو ایمان لایا، حالانکہ پہلے برابر نافرمانی کرتا رہا، اور تو دنیا کے مفسد انسانوں میں سے ایک (بڑا ہی) مفسد تھا!"

(۹۲) آیت ۹۲ کا مضمون بظاہر عجیب معلوم ہوتا ہے یعنی مشیت الٰہی کا یہ فیصلہ کہ فرعون کے جسم کو غرق ہونے سے بچائے

پس آج ہم ایسا کرینگے کہ تیرے جسم کو (سمندر کی موجوں سے) بچا لیں گے، تاکہ ان لوگوں کے لئے جو تیرے

بِإِذْنِ اللّٰهِ وَيَجْعَلُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِينَ لَا يَعْقِلُونَ ۝ قُلِ انْظُرُوا مَاذَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ ۚ ۱۰۱
وَمَا تُغْنِي الْآيٰتُ وَالنُّذُرُ عَنْ قَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُونَ ۝ فَهَلْ يَنْتَظِرُونَ إِلَّا مِثْلَ أَيَّامِ الَّذِينَ خَلَوْا ۱۰۲
مِنْ قَبْلِهِمْ ۚ قُلْ فَانْتَظِرُوا إِنِّي مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِينَ ۝ ثُمَّ نُنَجِّي رُسُلَنَا وَالَّذِينَ آمَنُوا كَذٰلِكَ

نکلی جس نے داعی حق کی بات فوراً مان لی ہو اور عذاب اس پر سے ٹل گیا ہو۔ پھر اگر اکثر حالتوں میں ایسا ہی ہوا ہے، تو موجودہ حالت پر تعجب و مایوسی کیوں ہو؟

(۴۴) قرآن نے جا بجا یہ حقیقت واضح کی ہے کہ انسانی طبیعت، استعداد کا اختلاف فطری ہے اور خدا کی مشیت یہی ہوئی کہ یہ اختلاف ظہور میں آئے۔ اگر وہ چاہتا تو تمام انسانوں کو ایک ہی طرح کی طبیعت ایک ہی طرح کی استعداد ایک ہی طرح کی فکری عملی حالت پر مجبور کر دیتا، مگر اس نے ایسا نہیں چاہا۔ اس کی حکمت کا یہی فیصلہ ہوا کہ انسانی زندگی میں ہر طرح کی حالت پیدا کرنے کی استعداد ہو اور ہر طرح کی راہ اس کے آگے کھول دی جائے۔ وہ اگر اچھا ہو تو چاہے [illegible] سے زیادہ سے زیادہ اونچا ہو سکے، بدتر ہو تو چاہے [illegible] سے زیادہ پستیوں کے اسی تنوع استعداد کا نتیجہ ہے کہ فکر و عمل کے ہر گوشہ میں مختلف حالتیں پیدا ہو گئیں۔ ایک زوجیت کا ذوق ایک جوڑا ہوا، دوسرے کا دوسرا جوڑا۔ ایک کی پیدائش ایک طرح ہوئی، دوسرے کی دوسری طرح۔ ایک کو ایک چیز پسند آئی، دوسرے کو دوسری۔ ایک نے ایک راہ پسند کی، دوسرے نے دوسری۔ ایک نے ایمان کو قبول کیا، دوسرے نے انکار کیا کہ نہیں! اور یہی اختلاف فکر و عمل نے ہدایت و ضلالت، سعادت و شقاوت کی تقسیم پیدا کر دی ہے (فراق از پیش حالت سے تغیر کرنا ہے کہ تبدیلی کو ایک اصطلاح (۲۰:۶۷) دی ہے) کہ تمام زندگی میں آزمائش ہو، اور ہر ایک کو اس کے اعمال کا بدلہ ملے۔ یہ ہے زیادہ بہتر ہے ہیں کیونکہ اس شکل میں ناممکن ہی ہوگا کہ ایک دوسرے کے اعمال سے متاثر ہو، اور ہر ایک کا ہر ایک عمل اپنے ہی لیے مفید یا مضر ہوگا۔

۱۰۱ — یہاں آیت (۹۹) میں بھی اسی حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے اور غور کرو کتنے مختصر لفظوں میں کتنی عظیم الشان بات کہہ دی گئی ہے! فرمایا: مکہ استعداد کا اختلاف یہاں نہ کہ ہے اور ایسا کرنی ایسا چاہیے نہیں کہ زور و زبردستی سے سب کے اندر شعور پیدا کر دیا جائے۔ یہ تو اسی کے اندر پیدا ہو گا جس میں فہم و قبول کی استعداد ہے۔

پھر اگر تم پر یہ بات شاق گزر رہی ہے کہ کیوں لوگ ایمان نہیں لیتے، اگر تم کیا تم لوگوں پر جبر کر دو گے کہ نہیں، تمہیں ضرور

۱۰۰ — کہ کسی بات پر یقین لے آئے مگر یہ کہ اللہ کے حکم سے (یعنی اللہ نے اس بارے میں جو قانون طبیعت بنا دیا ہے اس کے اندر رہ کر۔ اس سے باہر کوئی نہیں جا سکتا) اور اس کا قانون ہے کہ) وہ ان لوگوں کو (محرومی و شقاوت کی) گندگی میں چھوڑ دیتا ہے جو عقل سے کام نہیں لیتے!

۱۰۱ — (اے پیغمبر!) تم ان لوگوں سے کہو جو کچھ آسمان میں (تمہارے اوپر) ہے اور جو کچھ زمین میں (تمہارے چاروں طرف) ہے اس سب پر نظر ڈالو (اور دیکھو وہ زبان حال سے کس حقیقت کی شہادت دے رہے ہیں؟) لیکن جو لوگ یقین نہیں رکھتے ان کے لیے نہ تو (قدرت کی) نشانیاں ہیں، کچھ سود مند ہیں نہ ہوشیار کرنے والوں کی) تنبیہیں!

۱۰۲ — پھر اگر یہ لوگ منتظر ہیں تو ان کا انتظار اس بات کے سوا اور کس بات کے لیے ہو سکتا ہے کہ جیسے کچھ (عذاب) ان سے پہلے لوگوں پر گزر چکے ہیں۔ ویسے ہی ان پر بھی آ موجود ہوں۔ تو تم کہہ دو اچھا انتظار کرو۔ میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں ہوں!

پھر (جب عذاب کی گھڑی آجاتی ہے تو ہمارا قانون ہے کہ) اپنے رسولوں کو اور مومنوں کو اس سے بچا لیتے ہیں۔ اسی طرح ہمیشہ اپنے اوپر ضروری ٹھہرا

۹۶ اِنَّ الَّذِیْنَ حَقَّتْ عَلَیْهِمْ كَلِمَتُ رَبِّكَ لَا یُؤْمِنُوْنَ ۝ وَلَوْ جَآءَتْهُمْ كُلُّ اٰیَةٍ حَتّٰى یَرَوُا الْعَذَابَ
۹۷ الْاَلِیْمَ ۝ فَلَوْلَا كَانَتْ قَرْیَةٌ اٰمَنَتْ فَنَفَعَهَاۤ اِیْمَانُهَاۤ اِلَّا قَوْمَ یُوْنُسَ ؕ لَمَّاۤ اٰمَنُوْا كَشَفْنَا عَنْهُمْ
۹۸ عَذَابَ الْخِزْیِ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَمَتَّعْنٰهُمْ اِلٰى حِیْنٍ ۝ وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَاٰمَنَ مَنْ فِی الْاَرْضِ
۹۹ كُلُّهُمْ جَمِیْعًا ؕ اَفَاَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتّٰى یَكُوْنُوْا مُؤْمِنِیْنَ ۝ وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تُؤْمِنَ اِلَّا

(اے پیغمبر!) جن لوگوں پر اللہ کا فرمان صادق آگیا ہے (یعنی اس کا یہ قانون کہ جو آنکھیں بند کر لیگا، اسے کچھ نظر نہیں آئے گا) وہ کبھی ایمان نہیں لائیں گے اگر (دنیا جہان کی) ساری نشانیاں بھی ان کے سامنے آجائیں جب بھی نہ مانیں یہانتک کہ عذاب دردناک اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں!

پھر کیوں ایسا ہوا کہ قوم یونس کی بستی کے سوا اور کوئی بستی نہ نکلی کہ (نزول عذاب سے پہلے) یقین کر لیتی اور ایمان کی برکتوں سے فائدہ اٹھاتی؟ یونس کی قوم جب ایمان لے آئی، تو ہم نے رسوائی کا وہ عذاب اس پر سے ٹال دیا جو دنیا کی زندگی میں پیش آنے والا تھا، اور ایک خاص مدت تک سروسامان زندگی سے بہرہ مند ہونے کی مہلت دے دی۔

اور (اے پیغمبر!) اگر تیرا پروردگار چاہتا تو جتنے آدمی روئے زمین پر ہیں سب کے سب ایمان لے آتے (اور دنیا میں اعتقاد و عمل کا اختلاف باقی ہی نہ رہتا) لیکن تو دیکھ رہا ہے کہ اللہ نے ایسا نہیں چاہا، اس کی مشیت یہی ہوئی کہ طرح طرح کی طبیعتیں اور طرح طرح کی استعدادیں ظہور میں آئیں پھر اگر لوگ نہیں مانتے تو) کیا تو اُن پر جبر کرے گا، کہ جب تک ایمان نہ لائیں چھوڑنے والا نہیں؟

اور (یاد رکھو) کسی جان کے اختیار میں نہیں ہے

(۴۲) آیت (۹۸) میں حضرت یونس کے واقعہ کی طرف اشارہ کیا ہے ان کا عبرانی نام "یونا" تھا جو عربی میں "یونس" ہو گیا۔ یہ بنی اسرائیل کے نبیوں میں سے ہیں اور عہد عتیق کے نوشتوں میں ایک نوشتہ ان کے نام سے بھی ہے اس نوشتہ سے معلوم ہوتا ہے انہوں نے باشندگان نینوا کو خبر دی تھی کہ چالیس دن کے بعد شہر تباہ ہو جائے گا (کیونکہ ان کا ظلم و فساد حد سے گزر گیا ہے یہ سن کر انہوں نے سرکشی نہیں کی، بلکہ بادشاہ سے لے کر اندریے تک سب توبہ و استغفار میں لگ گئے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ چالیس دن کی مدت گزر گئی مگر موعود تباہی ظہور میں نہ آئی۔ (۹۸) فرمایا۔ موعود عذاب ان پر سے اس لئے ٹل گیا کہ انہوں نے سرکشی نہیں کی۔ اس کے بعد فرمایا۔ ایک خاص مدت تک کے لیے انہیں مہلت دیدی گئی۔ چنانچہ حضرت یونس کے بعد تقریباً ۶۹۰ سال قبل مسیح میں ان کا ظلم و فساد پھر حد سے گزر گیا، اور ایک اور اسرائیلی نبی ناحوم نامی نے انہیں پیش آنے والی تباہی کی خبر دی۔ اس انذار کے ستر برس بعد اہل بابل نے ان پر حملہ کیا۔ اس وقت دریائے دجلہ میں اس زور کا سیلاب آیا کہ نینوا کی مشہور فلک بوس چار دیواری جا بجا سے گر گئی اور حملہ آوروں کے لئے کوئی روک باقی نہ رہی۔ چنانچہ آشوری تمدن کا یہ مرکز اس طرح نابود ہوا کہ ۶۰۰ سال قبل مسیح ہی اس کا جائے وقوع بھی لوگوں کو معلوم نہ تھا۔ جیسا کہ اس عہد کے ایک یونانی مورخ نے تصریح کی ہے۔ (۹۹) آیت کا مطلب یہ ہے کہ اگر اللہ کا منکر و سرکش گروہ ہیں تو یہ کوئی نئی بات نہیں ہے تمہیں غور کرنا چاہئے کہ کتنے ہی رسول عرب کے قرب و جوار میں آئے لیکن قوم یونس کے سوا کوئی قوم

فَمَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ۭ وَمَآ اَنَا عَلَيْكُمْ بِوَكِيْلٍ ۝ ۱۰۸
وَاتَّبِعْ مَا يُوْحٰٓى اِلَيْكَ وَاصْبِرْ حَتّٰى يَحْكُمَ اللّٰهُ ۚ وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ ۝ ۱۰۹ ع ۱۱

نقل کے ہیں، انہیں میں ہر جگہ ایسی ہی بات پائی جاتی ہے یعنی مذہبی صداقت کی دعوت کا معاملہ سرتاسر سمجھنے بوجھنے اور سمجھ بوجھ کر اختیار کر لینے کا معاملہ ہے۔ اس میں نہ تو کسی طرح کی زبردستی ہے نہ کسی طرح کا لڑائی جھگڑا۔ تمہاری بھلائی کے لئے ایک بات کہی گئی ہے۔ اگر سمجھ میں آجائے تو مان لو۔ نہ آئے، تو نہ مانو۔ تمہاری راہ تمہارے لئے ہماری راہ ہمارے لئے اگر مان لوگے تو اپنا ہی بھلا کروگے۔ نہ مانوگے تو اپنا ہی نقصان کروگے۔ ہر شخص اپنے نفس کا مختار ہے چاہے بھلائی کی راہ چلے اور بھلائی کمائے، چاہے برائی کی چال چلے اور برائی کمائے۔ اگر کوئی بھلائی کی راہ چلے گا تو کسی دوسرے کو کچھ نہیں ملیگا۔ کہ وہ اس کے پیچھے پڑ جائے۔ اگر برائی کی چال چلے گا۔ تو کسی دوسرے کا نقصان نہیں کرے گا کہ وہ اس سے بگڑنے لگے اپنی اپنی راہ ہے اور اپنی اپنی کمائی: ومن عمل صالحا فلنفسہ، ومن اساء فعلیہا، وما ربک بظلام للعبید (۴۱: ۴۶)

آگئی ہے۔ پس جو ہدایت کی راہ اختیار کرے گا، تو اپنے ہی بھلے کے لئے کرے گا، اور جو بھٹکے گا، تو اس کی گمراہی اسی کے آگے آئے گی۔ میں تم پر نگہبان نہیں ہوں (کہ زبردستی کسی راہ میں کھینچ لے جاؤں اور پھر اس سے نکلنے نہ دوں)

(اے پیغمبر!) جو کچھ تم پر وحی کی جاتی ہے اس پر چلتے رہو اور اپنی راہ میں جمے رہو۔ یہاں تک کہ اللہ فیصلہ کر دے اور وہ فیصلہ کرنے والوں میں سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے!

تذکیر و توکیل

ساتھ ہی واضح کر دیا کہ داعی حق کی حیثیت کیا ہے: وما انا علیکم بوکیل۔ میں داعی اور مذکر ہوں کچھ تم پر وکیل نہیں بنا دیا گیا ہوں۔ یعنی میرا کام یہ ہے کہ نصیحت کی بات سمجھا دوں۔ یہ نہیں ہے کہ نگہبان ہو کر تم پر مسلط ہو جاؤں اور سمجھوں، مجھے تمہاری ہدایت کی ٹھیکہ داری مل گئی ہے۔ دوسری جگہ پیغمبر اسلام کو مخاطب کرتے ہوئے یہی مطلب یوں ادا کیا ہے کہ وما انت علیہم بجبار (۵۰: ۴۵)، تو ان لوگوں پر ایک حاکم جابر کی طرح مسلط نہیں ہے کہ جبراً و قہراً بات منوا لے۔ نیز فرمایا: لست علیہم بمسیطر (۸۸: ۲۲) مجھے ان لوگوں پر داروغہ بنا کر نہیں بھیجا گیا ہے۔ کہ مانیں یا نہ مانیں لیکن تو انہیں راہ حق پر چلا لینے کا ذمہ دار ہو۔

نیز جا بجا مختلف پیرایوں میں یہ حقیقت واضح کر دی ہے کہ پیغمبر کا مقام اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ سچائی کی پکار بلند کرنے والا، پیام حق پہنچا دینے والا ہے، نصیحت کی بات سمجھا دینے والا ہے، ایمان و عمل کے نتائج کی خوش خبری دینا اور انکار و بد عملی کے نتائج سے خبردار کر دینا ہے۔ اس سے زیادہ اس کے سر کوئی ذمہ داری نہیں۔

غور کرو۔ اس سے زیادہ صاف بے لاگ اور امن و سلامتی کی کوئی راہ ہو سکتی ہے؟ اگر دنیا نے دعوت حق کی یہ روح سمجھ لی ہوتی تو کیا ممکن تھا کہ کوئی انسان دوسرے انسان سے محض اختلاف اعتقاد و عمل کی بنا پر لڑتا؟ لیکن مصیبت یہ ہے کہ انسان کے ظلم و سرکشی نے کبھی اس حقیقت کا اعتراف نہیں کیا۔ اور یہی بات ساری نزاعوں کی بنیاد بن گئی۔ قرآن نے پچھلی قوموں کی جس قدر سرگزشتیں بیان کی ہیں انہیں جا بجا پڑھو۔ ہر جگہ دیکھوگے کہ بنا نزاع یہی تھی۔ خدا کے رسولوں کا ہمیشہ اعلان یہی ہوا کہ ہم نصیحت کرنے والے ہیں، ماننا نہ ماننا تمہارا کام ہے اگر نہیں مانتے۔ تو تم اپنی راہ چلو۔ ہمیں اپنی راہ چلنے دو، اور دیکھو نتیجہ کیا نکلتا ہے۔ لیکن ان کے منکر کہتے تھے کہ نہیں، نہ تو ہم تمہاری بات مانیں گے۔ نہ تمہیں تمہاری راہ چلنے دینگے۔ سورۂ اعراف کی آیت (۸۸) میں حضرت شعیب کی سرگزشت گزر چکی ہے جب ان کی قوم کے سرکشوں نے کہا "اگر تم اور تمہارے ساتھی ہماری ملت میں پھر لوٹ نہ آئے، تو ہم ضرور تمہیں اپنی بستی سے جلا وطن کر دینگے" تو انہوں نے جواب میں کہا "اولو کنا کارہین؟" اگر تمہارے مذہب پر ہمارا دل مطمئن نہ ہو تو کیا جبراً اسے مان لیں؟

حَقًّا عَلَيْنَا نُنْجِ الْمُؤْمِنِينَ ۝ قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنْ كُنْتُمْ فِي شَكٍّ مِنْ دِينِي فَلَا أَعْبُدُ ۱۰۳
الَّذِينَ تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ وَلَكِنْ أَعْبُدُ اللَّهَ الَّذِي يَتَوَفَّاكُمْ وَأُمِرْتُ أَنْ أَكُونَ مِنَ ۱۰۴
الْمُؤْمِنِينَ ۝ وَأَنْ أَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّينِ حَنِيفًا وَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ۝ وَلَا تَدْعُ مِنْ ۱۰۵
دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَنْفَعُكَ وَلَا يَضُرُّكَ فَإِنْ فَعَلْتَ فَإِنَّكَ إِذًا مِنَ الظَّالِمِينَ ۝ وَإِنْ يَمْسَسْكَ اللَّهُ ۱۰۶
بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهُ إِلَّا هُوَ وَإِنْ يُرِدْكَ بِخَيْرٍ فَلَا رَادَّ لِفَضْلِهِ يُصِيبُ بِهِ مَنْ يَشَاءُ مِنْ
عِبَادِهِ وَهُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ ۝ قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَكُمُ الْحَقُّ مِنْ رَبِّكُمْ ۱۰۷

مان ہی لینا چاہیے؟

اس آیت سے یہ حقیقت بھی واضح ہو گئی کہ قرآن کے نزدیک دین و ایمان کا معاملہ ایک ایسا معاملہ ہے جس میں جبر و اکراہ کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ جبر و اکراہ کی صورت کا ذکر ایک ان ہونی اور ناکردنی بات کی طرح کیا گیا ہے۔ سورۂ بقرہ کی آیت (۲۵۶) اس بارے میں قرآن کا مقررہ قانون ہے کہ لا اکراہ فی الدین۔

(۱۰۴) آیت (۱۰۴) کا مطلب یہ ہے کہ اگر تم نے میری دعوتِ دین کی حقیقت ٹھیک ٹھیک نہیں سمجھی ہے اور اس وہم میں مبتلا ہو کہ شاید تمہارے مطلب کی باتیں بھی تھوڑی بہت مان لوں، تو یہ وہم اپنے ذہن سے نکال دو۔ میرا اعلان صاف یہ ہے کہ میں تمہارے گڑھے ہوئے معبودوں کو نہیں بلکہ صرف پروردگارِ عالم کی عبادت کرتا، اور اسی کی طرف سے دعوت سننے پر مامور ہوں۔ اب اس بات کو اچھی طرح سمجھ لینے کے بعد جو کچھ تمہارے جی میں آئے کرو۔ میری راہ میرے لئے ہے تمہاری تمہارے لئے اور فیصلہ اللہ کے ہاتھ ہے۔

لیا ہے کہ مومنوں کو بچا لیا کریں۔

(اے پیغمبر!) تم کہہ دو: "اے لوگو! اگر تم میرے دین کے بارے میں کسی طرح کے شبہ میں ہو، تو میں تمہیں دیتا ہوں کہ میرا طریقہ کیا ہے تم اللہ کے سوا جن ہستیوں کی بندگی کرتے ہو، میں ان کی بندگی نہیں کرتا۔ میں تو اللہ کی بندگی کرتا ہوں جس کے قبضہ میں تمہاری زندگی ہے، اور جس کے حکم سے تم پر موت طاری ہوتی ہے اور مجھے اسی کی طرف سے حکم دیا گیا ہے کہ مومنوں کے زمرے میں رہوں"۔

اور نیز مجھے کہا گیا ہے کہ ہر طرف سے ہٹ کر اپنا رخ اللہ کے دین کی طرف کرلے اور ایسا ہرگز نہ کیجیو کہ شرک کرنے والوں میں سے ہو جائے!

۱۰۵ اور (مجھے حکم دیا ہے کہ) اللہ کے سوا کسی کو نہ پکار اس کے سوا جو کوئی ہے، وہ نہ تو فائدہ پہنچا سکتا ہے نہ نقصان۔ اگر تو نے ایسا کیا، تو پھر یقیناً تو بھی ظلم کرنے والوں میں گنا جائے گا!

۱۰۶ "اور اگر اللہ کے حکم سے تجھے کوئی دکھ پہنچے، تو جان لے کہ اسے دور کرنے والا کوئی نہیں مگر اسی کی ذات اگر وہ تجھے کسی طرح کی خوبی بخشنی چاہے، تو جان لے کہ کوئی نہیں جو اس کا فضل روک سکے

۱۰۷ وہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہے، اپنا فضل کرے۔ وہ بخشنے والا، رحمت والا ہے!"

(اے پیغمبر!) ان لوگوں سے کہدو کہ "اے لوگو! تمہارے پروردگار کی طرف سے سچائی تمہارے پاس

(۲۵) قرآن حکیم میں تم جا بجا اس طرح کا اعلان پاؤ گے جیسا کہ آیت (۱۰۸) میں ہے۔ اس نے پہلے نبیوں کی جو مواعظ

لیکن اسے معلوم نہیں کہ اس کے اعلان کی تاریخ امریکہ اور فرانس کے اعلان حقوق انسانی سے شروع نہیں ہوئی ہے اس سے بارہ سو برس پہلے شروع ہو چکی تھی!

افسوس ہے کہ خود مسلمانوں نے بھی قرآن کی یہ تعلیم پس پشت ڈال دی۔ اگر انہوں نے یہ بات نہ بھلائی ہوتی، تو ملکن نہ تھا کہ مختلف مذہبی فرقہ بندیاں پیدا ہوتیں، اور ہر فرقہ دوسرے فرقہ سے محض اختلاف عقاید کی بنا پر دست و گریباں ہو جاتا۔

کائنات کا چھ ایام میں پیدا ہونا

(۴۶) اس سورت کے بعض مقامات کی ضروری تشریحات رہ گئی ہیں۔ وہ یہاں درج کر دی جاتی ہیں۔

(۱) آیت (۳) میں فرمایا، تمہارا پروردگار وہی ہے جس نے آسمان و زمین چھ "ایام" میں بنائے۔ یہی بات سورۂ اعراف کی آیت (۵۴) میں گذر چکی ہے اور اس کے نوٹ میں چھ "ایام" کا مطلب واضح کر دیا گیا ہے۔ یہاں ہم چاہتے ہیں وہ تمام اشارات جمع کر دیں، جو آسمان و زمین کی ابتدائی پیدائش کے بارے میں جا بجا کئے گئے ہیں:

(۱) آسمان و زمین کی پیدائش ایک ایسے مادہ سے ہوئی جسے قرآن "دخان" کے لفظ سے تعبیر کرتا ہے: ثم استوی الی السماء وھی دخان (۴۱:۱۱) "دخان" کے معنی دھوئیں کے ہیں یا ایسی بھاپ کے جو اوپر چڑھی ہوئی ہو۔

(۲) یہ مادۂ دخانیہ ابتدا میں ملا ہوا تھا۔ الگ الگ نہ تھا۔ پھر اس کے مختلف حصے ایک دوسرے سے جدا کر دیئے گئے، اور ان سے اجرام سماویہ کی پیدائش ظہور میں آئی: ان السماوات والارض کانتا رتقا ففتقناھما (۲۱: ۳۰)

(۳) یہ تمام کائنات بیک دفعہ ظہور میں نہیں آ گئی۔ بلکہ تخلیق کے مختلف دور یکے بعد دیگرے طاری ہوئے یہ دور چھ تھے جیسا کہ آیت زیر بحث میں ہے۔

(۴) سات ستاروں کی تکمیل دو دو دوروں میں ہوئی: فقضاھن سبع سماوات فی یومین (۴۱: ۱۲)

(۵) زمین کی پیدائش دو دوروں میں ہوئی۔ قل انکم لتکفرون بالذی خلق الارض فی یومین وتجعلون لہ اندادا ذلک رب العلمین (۴۱: ۹)

(۶) زمین کی سطح کی درستگی اور پہاڑوں کی نمود، اور قوت نشو و نما کی تکمیل بھی دو دوروں میں ہوئی، اور اس طرح یہ چار دور ہوئے: وجعل فیھا رواسی من فوقھا وبارک فیھا وقدر فیھا اقواتھا فی اربعۃ ایام سواء للسائلین (۴۱: ۱۰)

(۷) تمام اجسام حیہ (یعنی نباتات و حیوانات) کی پیدائش پانی سے ہوئی: وجعلنا من الماء کل شیء حی (۲۱: ۳۰)

(۸) انسان کے وجود پر بھی یکے بعد دیگرے مختلف حالتیں گزری ہیں: وقد خلقکم اطوارا (۷۱: ۱۴)

ان تمام اشارات کا حاصل بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ابتدا میں مادۂ دخانی تھا۔ پھر اس میں انقسام ہوا۔ یعنی بہت سے ٹکڑے ہو گئے۔ پھر ہر ٹکڑے نے ایک کرہ کی شکل اختیار کر لی، اور اسی کے ایک ٹکڑے سے زمین بھی کوئی ایک تہہ لی واقع ہوئی کہ دخانیت نے مائیت کی شکل اختیار کر لی یعنی پانی پیدا ہو گیا۔ پھر خشکی کے قطعات درست ہوئے پہاڑوں کے سلسلے نمایاں ہوئے۔ پھر زندگی کا نمود شروع ہوا اور نباتات ظہور میں آ گئیں۔

موجودہ زمانہ میں اجرام سماویہ کی ابتدائی تخلیق اور کرۂ ارضی کی ابتدائی نشو و نما کے جو نظریے تسلیم کر لئے گئے ہیں، یہ اشارات بظاہر ان کی تائید کرتے ہیں، اور اگر ہم چاہیں تو ان بنیادوں پر شرح و تفصیل کی بڑی بڑی عمارتیں اٹھا سکتے ہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ ایسا کرنا صحیح نہ ہوگا۔ یہ نظریے کتنے ہی مستند تسلیم کر لئے گئے ہوں، لیکن پھر نظریے ہیں اور نظریات جزم و یقین کے ساتھ حقیقت کا فیصلہ نہیں کر سکتے۔ پھر اس سے کیا فائدہ کہ ان کی روشنی میں قرآن کے

اسلام اور اس کے منکروں میں جو نزاع شروع ہوئی وہ بھی تم تریسی تھی۔ قرآن کہتا تھا۔ میری راہ تبلیغ و تذکیر کی ہے۔ مخالف کہتے تھے۔ ہماری راہ جبر و تشدد کی ہے۔ قرآن کہتا تھا۔ اگر میری بات سمجھ میں آئے تو مان لو۔ نہ سمجھ میں آئے تو جاننے والوں کو ان کی راہ چھوڑ دو۔ وہ کہتے تھے۔ ہماری بات تمہاری سمجھ میں آئے یا نہ آئے تمہیں ماننی ہی چاہیے۔ نہیں مانو گے تو جبراً منوائیں گے۔

حقیقت یہ ہے کہ قرآن نے اس آیت میں اور اسکی ہم معنی آیات میں جو بات کہہ دی ہے اگر دنیا اسے سمجھ لیتی تو نوع انسانی کی وہ تمام خون ریزیاں جو مذہب و عمل کے اختلاف سے پیدا ہوئیں ایک قلم ختم ہو جاتیں اور آج کل بھی جس قدر جھگڑے ہو رہے ہیں وہ سب ختم ہو جاتیں۔ غور کرو سارے جھگڑوں کی اصلی بنا کیا ہے؟ یہی ہے کہ لوگ "تذکیر" اور "توکیل" میں فرق نہیں کرتے اور قرآن کہتا ہے دونوں میں فرق کرو۔ تذکیر کی راہ یہ ہوتی کہ جو بات ٹھیک سمجھتے ہو اس کی دوسروں کو بھی ترغیب دو، مگر صرف ترغیب دو۔ اس سے آگے نہ بڑھو۔ یعنی یہ بات نہ بھول جاؤ کہ پسند کرنے نہ کرنے کا حق دوسروں کو ہے۔ تم اس کے لئے ذمہ دار نہیں ہو۔ "توکیل" یہ ہوئی کہ ڈنڈا لے کر کھڑے ہو جاؤ، اور جو کوئی تم سے متفق نہ ہو اس کے پیچھے پڑ جاؤ۔ گویا خدا نے تمہیں لوگوں کی ہدایت و گمراہی کا ٹھیکہ دار بنا دیا ہے۔ جب قرآن صاف کہتا ہے کہ خدا کے رسولوں کا منصب بھی تذکیر و تبلیغ کے اندر محدود تھا، حالانکہ وہ اللہ کی طرف سے مامور تھے، تو پھر ظاہر ہے کسی دوسرے انسان کے لئے وہ کب گوارا کر سکتا ہے کہ وکیل، مصیطر اور جبار بن جائے؟

دراصل اعمال انسانی کے تمام گوشوں میں اصلی سوال حدود ہی کا ہے اور ہر جگہ انسان نے اسی میں ٹھوکر کھائی ہے یعنی ہر بات کی جو حد ہے اس کے اندر نہیں رہنا چاہتا، دو حق ہیں۔ اور دونوں کو اپنی اپنی حدوں کے اندر رہنا چاہیے۔ ایک حق تذکیر و تبلیغ کا ہے۔ ایک پسند و قبولیت کا۔ ہر انسان کو اس کا حق ہے کہ جس بات کو درست سمجھتا ہے اسے دوسروں کو بھی سمجھائے لیکن اس کا حق نہیں ہے کہ دوسروں کے حق سے انکار کر دے یعنی یہ بات بھلا دے کہ جس طرح اسے ایک بات کے ماننے نہ ماننے کا حق ہے۔ ویسا ہی دوسرے کو بھی ماننے نہ ماننے کا حق ہے اور ایک فرد دوسرے کے لئے ذمہ دار نہیں۔

ہم نے ابھی جس بات کو خوش سے فہرست کیا ہے قرآن اسے سرانسان کا فرض قرار دیتا ہے یعنی وہ کہتا ہے جس بات کو تم ٹھیک سمجھتے ہو تمہارا فرض ہے کہ اسے دوسروں تک بھی پہنچاؤ۔ اگر اس میں کوتاہی کرو گے تو خدا کے آگے جواب دہ ہو گے۔ لیکن ساتھ ہی یاد رکھو کہ فرض تذکیر و تبلیغ کا ہے۔ توکیل و اجبار کا نہیں ہے اور جواب دہی اس میں ہے کہ تم نے تبلیغ کی یا نہیں کی۔ اس میں نہیں ہے کہ دوسروں نے مانا یا نہیں مانا۔ سورۃ اعراف کی آیت (۱۶۴) میں پڑھ چکے ہو کہ جو لوگ اصحاب سبت کو نصیحت کرتے تھے انہوں نے کہا تھا "معذرۃ الی ربکم" یعنی ہم جانتے ہیں کہ ان لوگوں نے سرکشی حد سے گزر چکی ہے لیکن یہ جاننے پر بھی نصیحت کئے جاتے ہیں تاکہ خدا کے سامنے کہہ سکیں ہم نے اپنا فرض ادا کر دیا تھا۔ اور اس خیال سے بھی کہ کون جانتا ہے؟ شاید باز آ جائیں۔

غور کرو قرآن نے کس درجہ صحت و اعتدال کے ساتھ معاملہ کے دونوں پہلوؤں کی حفاظت کی ہے، اور پھر ان کی حد بندیوں کا خط کھینچ دیا ہے؟ اس نے ایک طرف تذکیر و دعوت پر زور دیا، تاکہ حق کی طلب و قیام کی روح افسردہ نہ ہو۔ دوسری طرف انسان کی شخصی آزادی بھی محفوظ کر دی کہ جبر و تشدد سے بے جا مداخلت نہ کر سکے۔ حد بندی کا یہی خط ہے جو یہاں صحت و اعتدال کی حالت قائم رکھتا ہے۔ اسے اپنی جگہ سے ادھر ادھر کر دو، دونوں میں سے کوئی بات ضرور غلط ہو جائے گی اگر دعوت و تذکیر کا قدم آگے بڑھے گا، اعتقاد و مکر کی شخصی آزادی باقی نہیں رہے گی۔ اگر شخصی آزادی کے مطالبہ میں بڑھ جاؤ گے، حق و عدالت کے طلب و قیام کا سلسلہ مختل ہو جائے گا۔

قرآن کی بہت سی باتوں کی طرح اس بات کے سمجھنے میں بھی دنیا نے بہت دیر لگائی، اور تاریخ کو بارہ سو برس تک اس بات کا انتظار کرنا پڑا کہ ایک انسان دوسرے انسان کو محض اختلاف عقاید کی بنا پر ذبح نہ کرے اور اتنی بات سمجھ لے کہ تذکیر اور توکیل میں فرق ہے۔ اب ڈیڑھ سو برس سے یہ بات دنیا کے عقلی مسلمات میں سے سمجھی جاتی ہے

نہ تھے۔[1]

یہ نہیں کہا جا سکتا کہ عرب جاہلیت نے مجاور قوموں سے یہ حساب معلوم کیا، یا بطور خود اس نتیجہ تک پہنچے تھے، لیکن یہ قاعدہ ان میں رائج ضرور تھا اور اسے چاند کی منزلوں سے تعبیر کرتے تھے۔ علمائے اسلام نے ان منزلوں کو بطلیموس کے نقشہ مجسطی سے تطبیق دی تھی[2] اور علماء یورپ نے زمانہ حال کے اسماء و علام سے تطبیق دی ہے۔ ان منزلوں کے عربی نام حسب ذیل ہیں: الشرطین - البطین - الثریا - الدبران - الهقعه - الهنعه - الذراع - النثره الطرف الجبهه - الزبره - الصرفه العواء السماك الاعزل - الغفر - الزبانی - الاکلیل - القلب - الشولہ النعائم - البلدة - سعد الذابح - سعد بلع - سعد السعود - سعد الاخبیه - الفرغ الاول - الفرغ الثانی - بطن الحوت -

الفرغ الاول اور ثانی کے لئے فرغ الدلو المقدم اور فرغ الدلو المؤخر کے نام بھی ملتے ہیں، اور بطن الحوت کو رشاء بھی کہتے ہیں۔

(ج) ادیان عالم کے بنیادی عقاید میں سے ایک عقیدہ یہ ہے کہ انسان کی زندگی اسی دنیا میں ختم نہیں ہو جاتی جس کی بود بھی ایک زندگی ہے اور اس زندگی میں جیسے کچھ اعمال ہونگے، ویسے ہی نتائج دوسری زندگی میں پیش آئیں گے۔ قرآن میں ایمان باللہ کا ایک بنیادی عقیدہ یہی مسئلہ ہے البتہ اس نے جو تعبیر اختیار کی ہے وہ پیروان مذاہب کے عام تصور سے مختلف ہے وہ اس گوشہ کو کائنات ہستی کے عالمگیر قوانین خلقت سے الگ نہیں قرار دیتا، بلکہ اسی کے ماتحت لاتا ہے، وہ کہتا ہے جس طرح دنیا میں ہر چیز کے خواص اور ہر حادثہ کے نتائج ہیں۔ ٹھیک اسی طرح انسانی اعمال کے بھی خواص و نتائج ہیں اور یہاں مادیات کی طرح معنویات کے قوانین بھی کام کر رہے ہیں۔ پس اچھے عمل کا نتیجہ اچھا ہوگا۔ برے عمل کا نتیجہ برا ہی (اس مقام کی تفصیل تفسیر سورۂ فاتحہ کے مبحث الدین میں گذر چکی ہے)

یہ اچھے برے نتائج کس شکل میں پیش آئیں گے؟ قرآن کہتا ہے نیک عمل انسان اصحاب جنت ہیں ان کے لئے بہشتی زندگی کی خوشحالیاں ہوں گی اور لقاء الٰہی کی دائمی نعمت۔ بد عمل انسان اصحاب دوزخ ہیں۔ ان کے لئے دوزخی زندگی کی بدحالیاں ہوں گی۔ اور نعمت آخروی سے محرومی۔ پھر دونوں طرح کی زندگیوں کے احوال و واردات ہیں جنہیں جا بجا مختلف اسلوبوں سے بیان کیا گیا ہے۔

یہ جو کچھ بیان کیا گیا ہے اس کی حقیقت کیا ہے؟

اس بارے میں ہم اپنی عقل سے کوئی فیصلہ نہیں کر سکتے۔ کیونکہ یہ عالم ہمارے ادراک کی سرحد سے باہر ہے جس مقام کا ہم ادراک نہیں کر سکتے، وہاں کے حالات کی نسبت حکم کیسے لگائیں؟ اگر لگائیں گے تو یہ ظن و گمان ہوگا، اور ظن سے یقین پیدا نہیں ہو سکتا۔

لیکن پھر اس پر ہم یقین کیوں کریں۔

اس لئے کہ ہم وجدانی طور پر محسوس کرتے ہیں کہ سرحد محسوسات سے ماورا بھی ایک حقیقت موجود ہے اور اگر اس حقیقت سے انکار کر دیں تو کائنات ہستی کے مسئلہ کا کوئی حل باقی نہیں رہتا، اور خود ہماری عقل کہتی ہے کہ ایسا نہیں ہونا چاہئے۔

ہم دیکھتے ہیں کہ اللہ کی ہستی اور آخرت کی زندگی کا مبدء تسلیم نہیں کیا جاتا تو مسئلہ ہستی کے سارے سوالات لاینحل ہو جاتے ہیں لیکن جونہی یہ نقطہ تسلیم کر لیا جاتا ہے، معاً سارے سوالات حل ہو جاتے ہیں اور محبوبیت کی تاریکی کی جگہ عرفان و بصیرت کی روشنی ہر طرف نمایاں ہو جاتی ہے۔ پس ہمیں تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ یہ نقطہ بنیادی نہیں ہے حقیقی ہے۔

البتہ ایک بات بالکل واضح ہے۔ جب ہم عالم آخرت کے احوال و واردات سنتے ہیں، تو قدرتی طور پر ان کی وہی شکل سامنے آجاتی ہے جو اس زندگی کی محسوسات کے لحاظ سے ہو سکتی ہے لیکن خود قرآن و سنت کی تصریحات نے ہمیں بتلا دیا ہے

---

[1] ایسی کتاب بن دشن، جو ان کتابوں میں سے ہے جو ہند و ستان کے پارسیوں سے دستیاب ہوئیں [2] عبد الرحمن الصوفی نے کتاب الکواکب والصور میں اور البیرونی نے آثار الباقیہ میں انہیں ضبط کیا ہے۔ قزوینی کی عجائب المخلوقات میں بھی انکی تفصیل ملتی ہے لیکن ناقص ہے۔

بھی اور مستعمل اشارات کی تفسیر کی جائے۔ ذرا سوچو کہ آج ہم نے دخان اور دخان کے انقسام کا مطلب اسی روشنی میں آسانی سے کر دیا جو وقت کے نظریوں میں تسلیم کیا جاتا ہے لیکن کل کو کیا کریں گے۔ اگر ان نظریوں کی جگہ دوسرے نظریے پیدا ہو گئے؟ صاف بات یہی ہے کہ یہ معاملہ عالم غیب سے تعلق رکھتا ہے جس کی حقیقت ہم اپنے علم و ادراک کے ذریعہ معلوم نہیں کر سکتے، اور قرآن کا مقصود ان اشارات سے تخلیق عالم کی شرح و تحقیق نہیں ہے۔ خدا کی قدرت و حکمت کی طرف انسان کو توجہ دلانا ہے۔

یاد رہے کہ پیدائش عالم کے بارے میں مفسرین نے بہت سی روایات نقل کر دی ہیں جن کی صحت ثابت نہیں، اور جو تمام تر یہودیوں کے قصص و روایات سے ماخوذ ہیں۔ صحیح مسلم کی حدیث خلق اللہ التربۃ یوم السبت[1] کی نسبت بھی محققین نے یہی فیصلہ کیا ہے کہ اس کا رفع مشکوک ہے اور غالباً کعب احبار سے مروی ہے۔ حافظ ابن کثیر نے تفسیر میں اقوال جمع کر دیے ہیں۔

(ب) آیت (۵) میں فرمایا وقدرہ منازل یعنی چاند کے لئے یکے بعد دیگرے وارد ہونے کی منزلیں اندازہ کر کے ٹھہرا دیں۔ سورۂ یٰسین کی آیت (۳۹) میں بھی ان منزلوں کی طرف اشارہ کیا ہے: والقمر قدرنہ منازل حتی عاد کالعرجون القدیم۔ پس مختصراً ان منازل کا مطلب سمجھ لینا چاہئے۔

چاند زمین کے گرد گردش میں رہتا ہے اور اپنی گردش کے فلک کو ۲۷ دن ۷ گھنٹوں اور ۴۳ منٹوں میں قطع کر لیتا ہے۔ اس دور کو علماء ہیئت چاند کے نجومی دور سے یا نجومی مہینے سے تعبیر کرتے ہیں۔ کیونکہ اس دور کے ختم ہونے پر چاند پھر اسی ستارہ کے قریب دکھائی دیتا ہے جس کے پاس سے اس کی گردش شروع ہوئی تھی۔ نیز اپنی گردش کی ہر رات میں وہ کسی نہ کسی ستارہ یا ستاروں کے مجموعہ کے پاس ضرور پہنچ جاتا ہے اور وہ گویا اس کی گردش کے لئے ہر روز کی ایک منزل بن گیا ہے۔ وہ ہمیشہ ایک خاص منزل سے سفر شروع کرتا ہے، ہر روز کی مقررہ منزل میں نمایاں ہوتا ہے اور پھر وہیں پہنچ جاتا ہے جہاں سے زمین کا طواف شروع کیا تھا۔

اس طرح ۲۷ دن اور ۸ گھنٹے کی مدت نے ۲۸ منزلیں بنا دیں۔ جب ہم ۳۶۰ کے درجوں کو (جو کامل دور کی مقررہ مقدار ہے) ۲۸ راتوں پر تقسیم کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ چاند ہر روز تقریباً ۱۳ درجہ مسافت اپنے فلک کی طے کر لیا کرتا ہے۔ "تقریباً" اس لئے کہا گیا کہ حساب میں کچھ دقیقے زیادہ ہوتے ہیں۔

انسان کی نگاہ کے لئے آسمان کی کوئی چیز بھی اس درجہ نمایاں اور پرکشش نہیں جس قدر سورج اور چاند کا طلوع و غروب ہے۔ کیونکہ انہی دو ستاروں نے بغیر کسی کاوش اور پیچیدگی کے اسے اوقات شماری کا راز بتلا دیا۔ اس نے دیکھا کہ سورج نکلتا ہے اور پھر گھنٹے گھنٹے چھپ جاتا ہے۔ پس اُسے یہ اندازہ مقرر کر لینے میں ذرا بھی دیر نہیں لگی کہ یہ ایک معین وقت ہے جس میں کبھی خلل واقع نہیں ہو سکتا۔ اور اسے ایک دن ٹھہرا لینا چاہئے۔ پھر اس نے چاند کو دیکھا، اور فوراً معلوم کر لیا کہ اس کے طلوع و غروب کا بھی ایک خاص اندازہ مقرر ہے، وہ ایک خاص زمانہ تک دکھائی دیتا ہے۔ پھر غائب ہو جاتا ہے اور پھر نمایاں ہو کر بڑھنے گھٹنے لگتا ہے۔ پس اوقات شماری کا دوسرا اندازہ بھی اسے معلوم ہو گیا، اور اس نے چاند کے چھپنے اور نکلنے کی مدت کو مہینہ ٹھہرا دیا۔ یہی مطالعہ جب آگے بڑھا، تو معلوم ہوا، ہر رات چاند آسمان کے کسی نہ کسی ستارہ کے پاس دکھائی دیتا ہے اور یہ نظارہ ایسا ہے جس میں کبھی فرق نہیں پڑتا۔ پس ان ستاروں سے اس کی روزانہ منزلیں بن گئیں۔ اور ہر منزل کے لئے کسی خاص مناسبت سے ایک نام تجویز کر دیا گیا۔

معلوم ہوتا ہے، مطالعہ اور ضرورت کی یکساں حالت نے مختلف قوموں کو اسی نتیجہ تک پہنچا دیا تھا چنانچہ ہندو و ستارہ میں ان منازل کے لئے نچھتر کا لفظ اختیار کیا گیا، اور ستائیس نچھتر قرار دیے گئے جو اسوبنی سے شروع ہوتے اور ریوتی پر ختم ہوتے ہیں۔ چینیوں نے بھی اٹھائیس منزلیں بنائی تھیں اور اسے "سیلو" کہتے تھے۔ بابل و اشور کے باشندوں نے شاید سب سے پہلے اس کا سراغ لگایا۔ اور مجوسیوں کی ایک مذہبی کتاب سے معلوم ہوتا ہے کہ ایرانی بھی اس سے بے خبر

[1] لاطینی حروف میں اسے یوں ادا کیا ہے: Sabbata

فیھا و مساکن طیبۃ فی جنّٰت عدن و رضوان من اللہ اکبر۔ ذٰلک ھو الفوز العظیم (۹:۷۲)
"رضوان" سے مقصود اللہ کی خوشنودی کا اعلیٰ مرتبہ ہے اور اس سے معلوم ہوتا ہے وہ کوئی ایسی نعمت ہے جس کے لیئے بجز اس کے اور کوئی تعبیر نہیں ہو سکتی تھی کہ اللہ کی کامل ترین رضامندی کی بخشش و نوال کہی جائے۔

تناسخ

(۳) ہندوستان میں آخرت کی زندگی اور جزا کے لئے آواگون (تناسخ) کا عقیدہ پیدا ہوا۔ قدیم ہندو مذہب اور پیروان بودھ اور جینی، تینوں اس میں متفق ہیں۔ قدیم مصریوں کے عقائد میں بھی اس کا سراغ ملتا ہے اور بعض حکما، یونان بھی اسی طرف گئے ہیں۔ چونکہ قرآن نے آخرت کے معاملہ کے لئے "رجوع" کی تعبیر اختیار کی ہے یعنی وہ ہر جگہ کہتا ہے "والیہ ترجعون" تم اسی طرف لوٹائے جاؤ گے، اس لئے حال میں ایک تھیاسوفسٹ مصنف نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ قرآن کا عقیدۂ آخرت بھی تناسخ کے مبدء پر مبنی ہے وہ کہتے ہیں قرآن نے لوٹنے کی تعبیر اختیار کر کے اس طرف اشارہ کر دیا ہے کہ زندگی بار بار ظہور میں آتی اور بار بار اصل مرکز کی طرف لوٹتی ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس طرح کا استنباط کسی طرح صحیح نہیں ہو سکتا۔ بلا شبہ قرآن نے آخرت کی زندگی کو لوٹنے سے تعبیر کیا ہے۔ اور وہ اس معاملہ کو یوں قرار دیتا ہے گویا ہستی انسانی کہیں سے آئی ہے، اور پھر اسی کی طرف لوٹے گی لیکن صرف اتنی ہی بات سے تناسخ ثابت نہیں ہو جاتا۔ فلسفیانہ تناسخ کی بنیاد روح کے رجوع پر نہیں بلکہ زندگی کے بار بار اعادۂ گردش پر ہے اور مذہبی تناسخ کی بنیاد یہ ہے کہ جزائے عمل کا معاملہ اسی اعادۂ گردش سے مرتب ہوتا ہے، اور یہ ظاہر ہے کہ قرآن میں ان دونوں عقیدوں کے لئے کوئی تصریح نہیں ملتی۔

ہدایت حواس و عقل اور اس سے استدلال

(۴) آیت (۳۵) فرمایا: قل ھل من شرکآئکم من یھدی الی الحق؟ قل اللہ یھدی للحق۔ افمن یھدی الی الحق احق ان یتبع، امن لا یھدی الا ان یھدی؟ فما لکم کیف تحکمون!
یعنی جن لوگوں کو تم نے خدا کا شریک ٹھہرا لیا ہے ان میں کوئی ہے جو "حق" کی طرف "ہدایت" کرتا ہو؟ یہ تو اللہ ہی کی ذات ہے جو حق کی راہ چلاتی ہے اچھا تو پھر بتلاؤ جو ہستی حق کی طرف رہنمائی کرتی ہے وہ اس کی حقدار ہے کہ اس کے پیچھے چلیں یا اس کے پیچھے چلنا چاہیئے جو خود اسکی محتاج ہے کہ کوئی راہ سجھائے؟
یہ مقام قرآن کے مہمات دلایل میں سے ہے اور ضروری ہے کہ اسے اچھی طرح سمجھ لیا جائے۔ چونکہ اس آیت میں "ہدایت" اور "حق" کے الفاظ آئے ہیں، اس لئے مفسرین نے خیال کیا "ہدایت" سے مقصود ہدایت وحی ہے، اور حق سے مقصود دین حق، اور فارسی و اردو کے تمام مترجموں نے بھی انہی کی پیروی کی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ قرآن کے استدلال کی ساری حقیقت مفقود ہو گئی، اور آیت کا مطلب بھی کچھ سے کچھ ہو گیا۔ اس طرح کے تمام مقامات دیکھ کر سخت حیرانی ہوتی ہے۔ کہ مناظرین کا معیار نظر و مطالعہ کیوں اس درجہ پست ہو گیا تھا کہ قرآن کے صاف و صریح مطالب بھی آشنا نہ ہو سکے؟ علاوہ بریں یہ ظاہر ہے کہ یہاں خطاب مشرکین سے ہے جو سرے سے وحی و دین کے منکر تھے، اور مقام استدلال کا ہے۔ پھر اگر ہدایت سے مقصود ہدایت وحی و دین ہو، تو اس میں ان کے لئے دلیل کی بات کیا ہوئی؟ جب وہ وحی و دین کی ہدایت مانتے ہی نہ تھے، تو پھر اسی ہدایت سے ان پر دلیل کیونکر لائی جا سکتی ہے؟ کم از کم اتنی ہی بات پر ان بزرگوں نے غور کر لیا ہوتا۔
آیت کا اسلوب کہہ رہا ہے کہ یہاں پہلے ایک بات بطور ایک مسلمہ عقیدہ کے بیان کی گئی ہے جس سے مخاطب انکار نہیں کر سکتا یا نہیں کر سکتا۔ پھر جب اس کا مسلم ہونا واضح ہو گیا، تو اسی کو بنیاد استدلال ٹھہرایا گیا۔ یعنی پہلے کہا گیا: ھل من شرکآئکم من یھدی الی الحق؟ تمہارے بنائے ہوئے شریکوں میں کوئی ہے جو حق کی رہنمائی کرتا ہو؟ پھر کہا گیا: قل اللہ یھدی للحق۔ یعنی تم اس سے انکار نہیں کر سکتے کہ وہ ہستی جو رہنمائے حق ہے، وہ اللہ ہی کی ہستی ہے۔ پھر جب مسئلہ واضح ہو گیا تو اس سے استدلال کیا گیا کہ افمن یھدی الی الحق احق ان یتبع پس ضروری ہے کہ یہاں ہدایت سے مقصود کوئی ایسی بات ہو جس سے مخاطبوں کو انکار کی مجال نہ تھی۔ اب اگر ہدایت کا مطلب وحی و دین قرار دیا جاتا ہے تو سارا مطلب خبط ہو جاتا ہے۔ کیونکہ معلوم ہے کہ مخاطبوں کے لئے یہ مسلم بات نہیں

کہ عالم آخرت کی باتوں کو اس دنیا کی باتوں کی طرح نہیں سمجھنا چاہئے۔ مثلاً جب ہم سنتے ہیں کہ جہنم میں آگ ہوگی اور بہشت سے مقصود باغ ہے تو ہمارے سامنے آگ کی وہی شکل آجاتی ہے جو ہمارے چولہوں میں جلا کرتی ہے اور باغ کا وہی نقشہ کھنچ جاتا ہے جو اپنے مکان کے صحنوں میں اگایا کرتے ہیں حالانکہ یہ ظاہر ہے کہ عالم آخرت کی آگ اس دنیا کی آگ کی طرح نہیں ہو سکتی اور نہ وہاں کے باغ و چمن ہمارے لگائے ہوئے باغوں کی طرح ہوں گے۔ سورۂ سجدہ کی آیت (۱۷) میں ہے: فلا تعلم نفس ما اخفی لھم من قرۃ اعین جزاء بما کانوا یعملون۔ کوئی جان نہیں جانتی کہ اس کی نیک عملیوں کی جزا میں نگاہ کا کیسا سرور پردۂ غیب میں پوشیدہ ہے! اس سے معلوم ہوا کہ جنت کی راحت و سرور کی حقیقت کا ہم اس دنیا میں تصور بھی نہیں کر سکتے۔ ایک حدیث میں پیغمبر اسلامؐ نے جنت کی حقیقت یہ بتلائی ہے۔ لا عین رأت ولا اذن سمعت ولا خطر ببال احد بشر (مسلم) نہ تو کسی آنکھ نے دیکھی نہ کسی کان نے سنی نہ کسی فرد بشر کے خیال میں گزری۔ حضرت عبداللہ ابن عباس سے مروی ہے کہ جنت کی نعمتیں دنیا سے کوئی مشابہت نہیں رکھتیں۔ بجز اس کے کہ نام میں شراکت ہے (ابن کثیر) باقی رہی یہ بات کہ اگر عالم آخرت کے یہ معاملات دنیا کے معاملات کے مثل نہیں ہونگے تو پھر ان کی حقیقت کیسی ہوگی؟ تو اس بارے میں ہماری عقلی کاوش کچھ معلوم نہیں کر سکتی۔

اصل یہ ہے کہ مادی زندگی کے احساسات و مفہومات کی زنجیروں میں ہم کچھ اس طرح جکڑے ہوئے ہیں کہ ان سے آزاد ہو کر جمال حقیقت کا تصور ہی نہیں کر سکتے۔ پس اس کے سوا چارہ نہیں کہ جو کچھ بتلا دیا گیا ہے اس پر یقین کریں اور جو کچھ نہیں پا سکتے، اس کی کاوش میں سرگرداں نہ ہوں۔ اگر سرگرداں ہوں گے تو حقیقت کا سراغ تو نہیں ملے گا۔ البتہ نئے نئے وہموں اور گمانوں میں مبتلا ہو جائیں گے:

اے بروں از وہم و قیل و قال من — خاک بر فرق من و تمثیل من!

قرآن نے اسی لئے مطالب حق کی دو قسمیں ٹھہرا دی ہیں۔ محکمات اور متشابہات۔ متشابہات کی نسبت فرما دیا ہے کہ ان کی حقیقت انسان نہیں پا سکتا: لا یعلم تاویلہ الا اللہ (۳: ۷) یہ اور اس طرح کے تمام معاملات جو عالم غیب سے تعلق رکھتے ہیں، یعنی ماورائے محسوسات ہیں، متشابہات کی قسم میں داخل ہیں اور قرآن کہتا ہے جو علم میں کامل ہیں وہ ان کی کاوش میں نہیں پڑتے، بلکہ کہتے ہیں کہ آمنا بہ، کل من عند ربنا، وما یذکر الا اولوا الالباب (۳: ۷)

اس سلسلہ میں چند اور امور ہیں جو سمجھ لینے چاہئیں۔

(۱) قرآن کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نے آخرت کے معاملہ کو ہر جگہ "لقاء الٰہی" سے تعبیر کیا ہے۔ یعنی اللہ کے ملنے سے۔ چنانچہ تم جا بجا اس طرح کی تعبیرات پاؤ گے جو لوگ لقاء الٰہی کی توقع رکھتے ہیں۔ یا جن لوگوں نے لقاء الٰہی سے انکار کیا" یعنی آخرت سے انکار کیا وہ کہتا ہے، مومن وہ ہے جو لقاء الٰہی کی طلب کھتے ہے کافر وہ ہے جو دنیوی زندگی ہی پر قانع ہو گیا اور لقاء الٰہی کی اس میں کوئی طلب نہیں۔ چنانچہ اس سورت کی آیت (۷) میں فرمایا جو لوگ ہماری ملاقات کے متوقع نہیں اور صرف دنیوی زندگی ہی پر راضی ہو گئے ہیں، اور اس کے خلاف ان کے دل میں کوئی خلش نہیں اٹھتی اور وہ کہ ہماری نشانیوں سے یک قلم غافل ہو گئے ہیں۔ لقاء الٰہی

پھر جا بجا مومنوں کی نسبت فرمایا ہے کہ ان کی نگاہیں جمال الٰہی کا نظارہ کرینگی: وجوہ یومئذ ناضرۃ الی ربہا ناظرۃ (۷۵: ۲۳) اور کافروں کی نسبت فرماتا ہے کہ وہ اس نعمت سے محروم رہیں گے: کلا انھم عن ربھم یومئذ لمحجوبون (۸۳: ۱۵) پس ان تمام تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن نے آخرت کی زندگی اور اس کے نعائم کی جو حقیقت قرار دی ہے، وہ کوئی ایسی بات ہے جس کا حاصل لقاء الٰہی ہے، اور عذاب آخرت کا معاملہ کوئی ایسا معاملہ ہے جسے وہ محجوب رہنے سے تعبیر کرتا ہے۔

(۲) بعض تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ آخرت کی نعمتوں میں ایک نعمت وہ ہے جسے وہ جنت کی زندگی سے تعبیر کرتا ہے اور ساتھ اس کے علاوہ بھی ہے اس دوسری نعمت کو اس نے جا بجا "رضوان" سے تعبیر کیا ہے اور کہا ہے یہ جنتی زندگی کی نعمت سے بھی بڑی نعمت ہوگی: وعد اللہ المومنین والمومنات جنات تجری من تحتھا الانھار خالدین

آیت (۲۶) میں یہی بات کہی جا چکی ہے کہ ان الظن لا یغنی من الحق شیئا۔ ظن کی بنا پر یقین کی دعوت جھٹلاتے ہو۔ حالانکہ ظن کا بھروسہ انسان کو یقین سے مستغنی نہیں کر دے سکتا!

اگر تم غور کرو گے، تو معلوم ہو جائے گا کہ انسان کی ساری فکری ٹھوکروں کا اصلی سرچشمہ یہی بات ہے۔ یا تو وہ عقل و بینش سے اس قدر کورا ہو جاتا ہے کہ ہر بات بے سمجھے بوجھے مان لیتا ہے۔ اور ہر راہ میں آنکھیں بند کئے چلتا رہتا ہے۔ یا پھر سمجھ بوجھ کا اس طرح غلط استعمال کرتا ہے کہ جہاں کوئی حقیقت اسکی محض سمجھ سے بالاتر ہوئی، اس نے فوراً جھٹلا دی۔ گویا حقیقت کے اثبات و وجود کا سارا مدار صرف اسی بات پر ہے کہ ایک خاص فرد کی سمجھ ادراک کر سکتی ہے یا نہیں۔ دونوں حالتیں علم و بصیرت کے خلاف ہیں، اور دونوں کا نتیجہ عقل و بینش سے محرومی اور عقلی ترقی کا فقدان ہے۔ جس عقل و بصیرت کا تقاضا یہ ہوا کہ حقیقت اور وہم میں امتیاز کریں وہی متقاضی ہوئی کہ کوئی بات محض اس لئے نہ جھٹلا دیں کہ ہماری سمجھ سے بالاتر ہے۔ عقل کا پہلا تقاضا ہمیں وہم پرستی و جہل سے روکتا ہے۔ دوسرا شک و الحاد سے۔ قرآن کہتا ہے، دونوں حالتیں یکساں طور پر جہل و کوری کی حالتیں ہیں۔ اور اہل علم و عرفان وہ ہیں، جو نہ تو جہل و وہم کی راہ چلتے ہیں نہ شک و الحاد کی۔

یہاں سے ایک اور بات بھی معلوم ہو گئی کہ دو صورتیں ہیں، اور دونوں کا حکم ایک نہیں: ایک یہ کہ کوئی بات عقل کے خلاف ہو۔ ایک یہ کہ تمہاری عقل سے بالاتر ہو۔ بہت سی باتیں ایسی ہو سکتی ہیں جن کا تمہاری سمجھ احاطہ نہیں کر سکتی لیکن تم یہ فیصلہ نہیں کر سکتے کہ وہ سرے سے خلاف عقل ہیں۔ اول تو تمام افراد کی عقلی قوت یکساں نہیں ایک آدمی موٹی سی بات بھی نہیں سمجھ سکتا۔ دوسرا باریک سے باریک نکتے حل کر لیتا ہے۔ ثانیاً عقل انسانی برابر نشو و نما کی حالت میں ہے۔ ایک عہد کی عقل جن باتوں کا ادراک نہیں کر سکتی۔ دوسرے عہد کے لئے وہ عقلی مسلمات بن جاتی ہیں ثالثاً، انسانی عقل کا ادراک ایک خاص حد سے آگے نہیں بڑھ سکتا، اور عقل ہی کا فیصلہ ہے کہ حقیقت اسی حد پر ختم نہیں ہو جاتی۔

اچھا اب مذہب کے میدان سے باہر قدم نکالو، اور غور کرو، قرآن نے ان چند لفظوں کے اندر جو بات کہدی ہے وہ انسانی علم و عقل کی تمام ترقیوں کے لئے کس طرح اصل و اساس ثابت ہو رہی ہے؟ کونسی بات ہے جس نے علمی ترقی کے غیر محدود اور لامتناہی امکانات کا دروازہ نوع انسانی کے سامنے کھول دیا، اور علم و ادراک کی سینکڑوں ناممکن باتوں کو نہ صرف ممکن بلکہ واقعہ بنا دیا؟ کیا یہی بات نہیں ہے کہ کسی بات کے احاطہ نہ کر سکنے سے اس کا انکار لازم نہیں آ جاتا؟ اگر اصحاب علم و اکتشاف نے اس بات سے انکار کر دیا ہوتا، تو کیا ممکن تھا کہ عقلی ترقیات کے قدم یہاں تک پہنچ سکتے۔ اور آئندہ کے لئے اس قدر ممکنات سامنے آ جاتے؟ بلاشبہ علم و اکتشاف کے ہر عہد میں ایسی جلد باز طبیعتیں بھی ہوئیں، جنہوں نے محض عدم ادراک کی بنا پر انکار کر دیا، لیکن علم نے کچھ پروا نہ کی۔ اور اسی کا نتیجہ ہے کہ اس کا سفر برابر جاری رہا۔ اور کوئی نہیں کہہ سکتا کہ کب تک اور کہاں تک جاری رہے گا۔

ایک اور بات بھی یہاں سمجھ لینی چاہیے۔ جہاں تک عقل اور ماوراء عقل کی نزاع کا تعلق ہے، قرآن کے بعد تین دور بحث جو قطر کے گزر چکے ہیں۔ ایک دور متکلمین اسلام کا جنہوں نے عقلی طریقہ پر مذہبی عقاید کا اثبات کرنا چاہا۔ دوسرا یورپ کے نشاۃ ثانیہ کا جب اسی طرح مسیحی علم کلام مرتب کیا گیا۔ تیسرا علوم عصریہ کا جس نے بحث و نظر کے تمام گوشوں میں ایک نئی روح پیدا کر دی تاہم یہ واقعہ ہے کہ قرآن نے یہاں سیدھے سادے لفظوں میں جو بات کہدی ہے اس پر کوئی اضافہ نہ ہو سکا۔ بلاشبہ بحث و نظر کی کاوشیں دور دور تک گئیں، لیکن ہمیشہ ناکامیاب ہوئیں، اور ہمیشہ اصحاب عرفان و تحقیق کو اقرار کرنا پڑا کہ اس سے بہتر اور فیصلہ کن بات اور کوئی نہیں کہی جا سکتی۔

یہ مقام مہمات معارف میں سے ہے اور تفصیل اسکی مقدمہ میں ملے گی۔

(۲) عربی میں تاویل کے معنی کسی بات کے نتیجہ اور مآل کے ہیں، اور چونکہ الفاظ کے معانی بھی ان کی دلالت کا مآل و مصداق ہوتے ہیں، اس لئے مطالب معانی پر بھی اس کا اطلاق ہونے لگا۔ لیکن قرآن نے یہ لفظ ہر جگہ قریبی معنی میں

حقیقت، ماویل، مستعمل، قرآن

RENAISSANCE

ہو سکتی۔ وہ سرے سے وحی ہی کے منکر تھے۔

اصل یہ ہے کہ ان بزرگوں نے یہ علوم کرنے کی زحمت ہی گوارا نہیں کی کہ قرآن میں ہدایت کا لفظ کن کن معنوں میں استعمال ہوا ہے، اور اس کے مختلف مراتب و اشکال کیا کیا ہیں؟ یہی وجہ ہے کہ جہاں کہیں ہدایت کا لفظ دیکھتے ہیں اسے ہدایت دین ہی پر محمول کر لیتے ہیں۔ اگرچہ مطلب ٹھیک نہ بیٹھتا ہو۔

بہرحال یہاں ہدایت سے مقصود ہدایت وحی نہیں ہے، بلکہ وجدان و حواس اور عقل کی ہدایت ہے اور حق سے مقصود دین حق نہیں ہے بلکہ فحوی حق ہے یعنی سچا راستہ۔ درست راستہ۔ قرآن نے جا بجا یہ حقیقت واضح کی ہے کہ جس طرح اللہ کی ربوبیت نے مخلوقات کو ان کے مناسب حال وجود عطا فرمایا ہے، اسی طرح زندگی و معیشت کی راہ میں ان کی ہدایت کا قدرتی سامان بھی کر دیا ہے۔ یہ ہدایت کیونکر ظہور میں آئی؟ اس طرح کہ ان میں وجدان و حواس کی قوتیں رکھ دی گئیں، اور انسان کو وجدان و حواس کے ساتھ جوہر عقل سے بھی ممتاز کیا۔ چنانچہ اس مقام کی پوری تشریح تفسیر سورۂ فاتحہ کے مبحث ہدایت میں گذر چکی ہے، اور ربنا الذی اعطی کل شیء خلقہ ثم ھدی (۲۰: ۵۰) اور الذی خلقنی فھو یھدین (۲۶: ۷۸) اور الذی خلق فسوی، والذی قدر فھدی وغیرہا آیات میں ہدایت سے مقصود یہی ہدایت ہے۔

پس یہاں فرمایا، تم نے جن ہستیوں کو اللہ کا شریک ٹھہرا لیا ہے، ان میں کوئی ہے جو زندگی و معیشت کے ٹھیک راستہ پر انسان کو چلاتا ہو؟ یعنی جو دیکھنے سننے، سمجھنے، بوجھنے کی قوتیں بخشتا ہو؟ پھر فرمایا تم جانتے ہو کہ یہ کوئی نہیں کر سکتا۔ یہ صرف اللہ ہی کی کارفرمائی ہے۔ کیونکہ مشرکوں کو اللہ ہی کی ہستی اور اس کے خالق کل ہونے سے انکار نہیں تھا۔ البتہ وہ سمجھتے تھے کہ ہمیں ان ہستیوں کی بھی پرستش کرنی چاہیے جو اللہ کے حضور مقرب ہیں، اور جنہیں دنیا ہی حکم و تصرف کی قوتیں حاصل ہو گئی ہیں۔ پھر جب یہ بات واضح ہو گئی قرار دیا۔ جب تمہیں ہستیات سے انکار نہیں تو غور کرو انسان کو پیروی اسکی کرنی چاہیے جو ہدایت کرنے والا ہے یا اس کی جو خود کسی دوسرے کی ہدایت کا محتاج ہے؟ تمہیں کیا ہو گیا ہے؟ تم کیسے فیصلے کر رہے ہو؟

---

(۴) آیت (۳۹) میں منکرین قرآن کی نسبت فرمایا: بل کذبوا بما لم یحیطوا بعلمہ ولما یأتھم تاویلہ آیت کا مطلب ترجمہ میں واضح ہو چکا ہے۔ یہاں دو باتوں کی مزید تشریح کر دی جاتی ہے: عدم علم بنا تحقیق

اولاً تو قرآن نے بہ یک وقت دونوں باتوں کی مذمت کی ہے اسکی بھی کہ بغیر علم و بصیرت کے کوئی بات مان لی جائے اور اس کی بھی کہ محض عدم ادراک کی بنا پر کوئی بات جھٹلا دی جائے۔ چنانچہ اسی سورت کی آیت (۳۶) میں گذر چکا ہے کہ منکرین حق علم و یقین کی روشنی سے محروم ہیں۔ ان کا سرمایۂ اعتقاد محض ظن و گمان ہے۔ اور پھر اس آیت میں فرمایا کہ جس بات کا وہ اپنے علم سے احاطہ نہ کر سکے اس کے جھٹلانے پر آمادہ ہو گئے۔ اگرچہ بظاہر یہ دو باتیں الگ الگ معلوم ہوتی ہیں لیکن فی حقیقت ایک ہی بات ہے، اور دونوں کی بنیاد اسی ایک اصل عظیم پر ہے کہ نہ تو ظن و گمان کی بنا پر تصدیق کرنی چاہیے نہ ظن و گمان کی بنا پر تکذیب کرنی چاہیے۔ جو کچھ کرنا چاہیے علم و بصیرت کی بنا پر کرنا چاہیے۔

منکرین قرآن نے کونسی بات جھٹلائی تھی؟ یہ کہ انہی میں سے ایک آدمی پر اللہ کی وحی نازل ہوتی ہو۔ یہ بات انہیں عجیب معلوم ہوئی۔ اس لئے فوراً تکذیب پر آمادہ ہو گئے۔ قرآن کہتا ہے، تمہارے ماننے اور تمہارے جھٹلانے دونوں کا مدار ظن و گمان پر ہے۔ تم جو باتیں مان رہے ہو۔ ان کے لئے بھی تمہارے پاس کوئی علم نہیں، اور جس بات کے جھٹلانے میں اسقدر جلدی کی، اس کے لئے بھی تمہارے پاس کوئی یقین نہیں۔ حالانکہ سچائی کی راہ یہ ہے کہ جو کچھ کرو، علم و بصیرت کے ساتھ کرو۔ محض اٹکل پر نہ چلو۔ اگر ایک شخص علم و یقین کے ساتھ ایک بات پیش کر رہا ہے اور جتنی باتیں کسی بات کی درستگی اور صحت و قبولیت کی ہو سکتی ہیں سب اس کے ساتھ ہیں۔ اور تمہارے پاس اس کے خلاف ظن و گمان کے سوا کچھ نہیں، تو تمہارے لئے کیونکر جائز ہو سکتا ہے کہ جھٹ جھٹلانے پر آمادہ ہو جاؤ؟ اس سے پہلے

سُوْرَةُ هُوْدٍ

مکی - ۱۲۳ - آیات

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الٓرٰ كِتٰبٌ اُحْكِمَتْ اٰيٰتُهٗ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ خَبِيْرٍ ۝ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ ۭ اِنَّنِيْ لَكُمْ ۱
مِّنْهُ نَذِيْرٌ وَّبَشِيْرٌ ۝ وَّاَنِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ يُمَتِّعْكُمْ مَّتَاعًا حَسَنًا اِلٰٓى اَجَلٍ ۲
مُّسَمًّى وَّيُؤْتِ كُلَّ ذِيْ فَضْلٍ فَضْلَهٗ ۭ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ كَبِيْرٍ ۝ ۳
اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ ۚ وَهُوَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ اَلَآ اِنَّهُمْ يَثْنُوْنَ صُدُوْرَهُمْ لِيَسْتَخْفُوْا مِنْهُ ۭ ۴

(۱) یہ سورت بھی مکی ہے اور گو خطاب عامہ منکرین سے ہے، لیکن خصوصیت کے ساتھ مشرکین عرب مخاطب ہیں۔

(۲) قرآن نے گزشتہ دعوتوں، گزشتہ قوموں اور گزشتہ ایام و وقائع کا جابجا ذکر کیا ہے اور ہر جگہ حسب مقام ایک خاص موعظت اور ایک خاص استدلال ہے۔ ازانجملہ یہ سورت ہے جس میں حضرت نوح سے لے کر حضرت موسیٰ (علیہما السلام) تک تمام پچھلی دعوتوں کی سرگزشتیں بیان کی گئی ہیں۔ اور معلوم ہوتا ہے کہ ترتیب بیان تاریخی ہے یعنی جس دعوت کا ذکر جس دعوت کے بعد کیا گیا ہے، وہی اس کی تاریخی جگہ ہے۔ اس موعظت میں سورۂ اعراف کے بعد سب سے بڑی سورت یہی ہے۔

(۳) سب سے پہلے اس بات کا اعلان کیا ہے جو اول دن سے تمام دعوتوں کا عالمگیر اعلان رہا ہے۔ یعنی:
(ا) اللہ کے سوا اور کسی کی بندگی نہ کرو۔
(ب) میں اسی کی طرف سے مامور ہوں، اور اس نے مامور ہوں کہ تبشیر اور تنذیر کا فرض رسالت ادا کر دوں۔ یعنی انکار و سرکشی کے نتائج سے خبردار کر دوں، ایمان و نیک عملی کی کامرانیوں کی خوشخبری سنا دوں۔
(ج) پس سرکشی سے باز آجاؤ اور توبہ و استغفار کرو۔ اگر تم نے ایسا نہ کیا، تو مجھے اندیشہ ہے تم عذاب الٰہی میں گرفتار ہو جاؤ گے۔
(۴) اس کے بعد فرمایا، تمہارے اعمال کا ذرہ ذرہ اللہ کے سامنے ہے اس کے علم سے جب ایک حبہ بھی پوشیدہ نہیں تو انسان کے افکار و اعمال کیونکر پوشیدہ رہ سکتے ہیں؟

الف - لام - را

یہ کتاب ہے، جس کی آیتیں (اپنے مطالب و دلایل میں) مضبوط کی گئیں، پھر کھول کھول کر واضح کر دی گئیں، یہ اس کی طرف سے ہے جو حکمت والا (اور ساتھ ہی) ساری باتوں کی خبر رکھنے والا ہے! ۱

(اس کا اعلان کیا ہے؟) یہ کہ اللہ کے سوا کسی بندگی نہ کرو، یقین کرو، میں اسی کی طرف سے تمہیں خبردار کرنے والا اور خوشخبری دینے والا ہوں! ۲

اور یہ کہ اپنے پروردگار سے معافی کے طلبگار ہو، اور اس کی طرف لوٹ جاؤ۔ (ایسا کرو گے تو) وہ تمہیں ایک وقت مقرر تک زندگی کے فوائد سے بہت اچھی طرح بہرہ مند کرے گا۔ اور (اپنے قانون کے مطابق) ہر زیادہ (عمل) کرنے والے کو اس کی سعی مزید کا اجر بھی دے گا۔ لیکن اگر تم نے روگردانی کی، تو میں ڈرتا ہوں کہ تم پر عذاب کا ایک بڑا دن نمودار نہ ہو جائے۔ ۳

تم سب کو اللہ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے، اور اس کی قدرت سے کوئی بات باہر نہیں! ۴

(اے پیغمبر!) تو سن رکھ کہ یہ لوگ اپنے سینوں کو پیٹے ہیں کہ اللہ سے چھپیں (یعنی اپنے دل کی باتیں

استعمال کیا ہے۔ چنانچہ سورۂ آل عمران کی آیت (۷) اور اعراف کی (۵۳) میں بھی یہ لفظ گذر چکا ہے اور اس آیت میں بھی استعمال ہوتا ہے۔

لیکن بعد کو جب تفسیر کلام کے مختلف مذاہب پیدا ہوئے، تو "تاویل" کا لفظ ایک خاص مصطلح معنی میں بولا جانے لگا یعنی کسی لفظ کا ایسا مطلب ٹھہرانا جو اس کے ظاہری مدلول سے ہٹا ہوا ہو۔ مثلاً قرآن میں ید اللہ کا لفظ آیا ہے یعنی خدا کا ہاتھ۔ اور یہ تنزیہ کے خلاف ہے کہ خدا کا ہاتھ ہو، اس لئے ہاتھ کی جگہ اس کا کوئی دوسرا مطلب لینا پھر اس کے مختلف مراتب و اقسام ٹھہرائے گئے، اور مذہب تاویل و تفویض کی نزاعیں برپا ہوئیں۔ چونکہ متاخرین کے دماغوں میں یہ مصطلحات بسی ہوئی ہیں۔ اس لئے قرآن کی تفسیر کرتے ہوئے بھی وہ ان کے اثر سے باہر نہیں جا سکتے۔ چنانچہ قرآن کے لغوی "تاویل" کو بھی انہوں نے مصطلحات کلامیہ کا مصطلح "تاویل" سمجھ لیا، اور اس بحث و استدلال کی عمارتیں اٹھانے لگے۔ تفسیر کبیر میں اس آیت کی تفسیر پڑھو اور پھر غور کرو۔ کہ تفسیر قرآن کی راہ میں کیسے کیسے الجھاؤ ڈال دئے گئے ہیں، اور اصل حقیقت کس طرح مستور ہو گئی ہے۔

---

(۶) قرآن نے ایمان اور اہل ایمان کی نسبت جو کچھ کہا ہے اس میں کوئی بات بھی اس قدر نمایاں نہیں ہے جتنا یہ کہ لاخوف علیھم ولاھم یحزنون۔ خوف اور غم، دونوں سے وہ محفوظ ہو جائینگے۔ چنانچہ اس سورت کی آیت (۶۲) میں بھی یہی بات فرمائی ہے۔ غور کرنا چاہئے کہ قرآن نے اس قدر زور دیا؟

حقیقت یہی ہے کہ انسانی زندگی کی سعادت کے لئے اس سے زیادہ کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ اس کی شقاوت کی ساری سرگذشت انہی دو لفظوں میں سمٹی ہوئی ہے: خوف اور دکھ جونہی ان دو نالوں سے اسے رہائی مل گئی، اس کی ساری سعادتیں اس کے قبضے میں آ گئیں۔ زندگی کے جتنے بھی کانٹے ہو سکتے ہیں، سب کو ایک ایک کر کے چنو اور دیکھو خواہ جسم میں چبھتے ہوں، خواہ دماغ میں خواہ موجودہ زندگی کی مانیت میں خلل ڈالتے ہوں، خواہ آخرت کی، تم دیکھو گے کہ ان دو باتوں سے باہر نہیں ہیں۔ یا خوف کا کانٹا ہے یا غم کا۔ قرآن کہتا ہے ایمان کی راہ سعادت کی راہ ہے جس کے قدم اس راہ میں جم گئے، اس کے لئے دونوں کانٹے بے اثر ہو جاتے ہیں۔ اس کے لئے نہ تو کسی طرح کا اندیشہ ہوگا، نہ کسی طرح کی غمگینی۔

قرآن نے یہی حقیقت دوسرے پیرایوں میں بھی بیان کی ہے۔ مثلاً آخری پارہ میں سورۂ عصر اسی حقیقت کا اعلان ہے۔

بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝ وَلَئِنْ اَذَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنَّا رَحْمَةً ثُمَّ نَزَعْنٰهَا مِنْهُ اِنَّهٗ لَيَئُوْسٌ كَفُوْرٌ ۝ وَ ۹-۸ ع
لَئِنْ اَذَقْنٰهُ نَعْمَآءَ بَعْدَ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُ لَيَقُوْلَنَّ ذَهَبَ السَّيِّاٰتُ عَنِّيْ ۭ اِنَّهٗ لَفَرِحٌ فَخُوْرٌ ۝ ۱۰
اِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ كَبِيْرٌ ۝ فَلَعَلَّكَ تَارِكٌۢ بَعْضَ ۱۱
مَا يُوْحٰٓى اِلَيْكَ وَضَاۗىِٕقٌۢ بِهٖ صَدْرُكَ اَنْ يَّقُوْلُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ كَنْزٌ اَوْ جَاۗءَ مَعَهٗ مَلَكٌ ۭ
اِنَّمَآ اَنْتَ نَذِيْرٌ ۭ

تجھے (تم دیکھو گے کہ) وہی انہیں آ لگی ! ۸۰

اور اگر ہم انسان کو اپنی طرف سے رحمت کا مزہ چکھائیں (یعنی اسے ایک نعمت بخشیں) اور پھر اس سے وہ ہٹا لیں تو (وہ ذرا بھی صبر نہیں کر سکتا) یک قلم مایوس اور ناشکرا ہو جاتا ہے اور اگر اسے دکھ پہنچا ہو اور اس کے بعد راحت کا مزہ چکھا دیں تو پھر ایک قلم غافل ہو جاتا ہے اور) کہتا ہے اب تو برائیاں مجھ سے دور ہو گئیں (اب کیا غم ہے) حقیقت یہ ہے کہ انسان (ذرا سی بات میں) خوش ہو جانے والا اور ڈینگیں مارنے والا ہے ! ۹ ۱۰

مگر ہاں ! جو صبر کرتے ہیں اور نیک عملی کی راہ چلتے ہیں تو ان کا حال ایسا نہیں ہوتا۔ ایسے ہی لوگ ہیں جن کے لئے بخشش ہے اور بہت بڑا اجر ! ۱۱

پھر (اے پیغمبر !) کیا تو ایسا کرے گا کہ جو کچھ تجھ پر وحی کیا جاتا ہے اس میں سے کچھ باتیں چھوڑ دے گا اور اس کی وجہ سے دل تنگ ہو گا ؟ اور یہ اس لئے کہ لوگ کہہ اٹھیں گے "اس آدمی پر کوئی خزانہ آسمان سے (کیوں نہیں) اُتر آیا" یا "ایسا کیوں نہ ہوا کہ اس کے ساتھ ایک فرشتہ آ کر کھڑا ہو جاتا" ؟ نہیں تجھے تو دل تنگ نہیں ہونا چاہئے (تیرا مقام اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ انکار و بدعملی کے نتائج سے) خبردار کر دینے والا ہے (تجھ پر اس کی ذمہ داری نہیں کہ لوگ تیری

(۷) آیت ۹ میں خطرِ انسانی کی اس حالت کی طرف اشارہ کیا ہے کہ اگر مصیبت پیش آتی ہے تو فوراً مایوس ہو جاتا ہے، راحت پیش آتی ہے تو بے پروا ہو کر بڑائیاں مارنے لگتا ہے۔ پھر آیت (۱۱) میں فرمایا، اس عام حالت سے وہ مستثنیٰ ہیں جن کے اندر پیروی حق کی روح پیدا ہو گئی ہے اور جنہوں نے نیک عملی کی راہ اختیار کی ہے وہ نہ تو مصیبت میں مایوس ہونے والے ہیں اور نہ عیش و راحت میں غافل و ناشکر گزار۔

یہاں یہ بات اس لئے بیان کی گئی کہ منکرین حق عذاب کی خبر سنکر ہنسی اڑاتے تھے اور مومنوں پر مصیبت کی گھڑیاں شاق گزرتی تھیں۔ پس فرمایا، منکروں کی یہ حالت کوئی غیر معمولی حالت نہیں ہے انسان خوش حالیوں میں پڑ کر اسی طرح غافل ہو جاتا ہے، اور ڈینگیں مارنے لگتا ہے، لیکن مومنوں کو چاہئے وقت کی مصیبتوں سے تنگ ہو کر مایوس نہ ہو جائیں۔

(۸) دنیا میں ایک انسان کی زبان سے جتنی باتیں نکل سکتی ہیں ان میں کوئی بات بھی اس سے بڑھ کر بوجھل اور تھکا دینے والی نہیں کہ ایک آدمی ایک مطمئن اور خوش خرم قوم کے سامنے آ کھڑا ہو اور اچانک اعلان کر دے کہ "تمہاری ہلاکت کی گھڑی سر پر آ گئی۔ اگر سرکشی سے باز نہ آؤ گے تو نیست و نابود کر دئے جاؤ گے"۔ کتنا بڑا اور عجیب اعلان ہے ؟ کتنی عظیم اسکی ذمہ داری ہے ؟ اور کس درجہ مافوق انسانیت صبر و تحمل کی ضرورت ہے کہ وہ سب کچھ جھیل لیا جائے جو یہ اعلان سننے کے بعد لوگوں کی زبان سے نکلے گا ؟

لیکن خدا کے رسولوں کو یہ بوجھ اٹھانا پڑا۔ کیونکہ وہ اس کے

الجزء الثانی عشر ۱۲

۵ اَلَا حِیْنَ یَسْتَغْشُوْنَ ثِیَابَهُمْ یَعْلَمُ مَا یُسِرُّوْنَ وَمَا یُعْلِنُوْنَ ۚ اِنَّهٗ عَلِیْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝
وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِی الْاَرْضِ اِلَّا عَلَی اللّٰهِ رِزْقُهَا وَیَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَمُسْتَوْدَعَهَا ۚ كُلٌّ
فِیْ كِتٰبٍ مُّبِیْنٍ ۝ وَهُوَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ وَّكَانَ عَرْشُهٗ عَلَی الْمَآءِ
لِیَبْلُوَكُمْ اَیُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ۗ وَلَئِنْ قُلْتَ اِنَّكُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ مِنْۢ بَعْدِ الْمَوْتِ لَیَقُوْلَنَّ الَّذِیْنَ
۷ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِیْنٌ ۝ وَلَئِنْ اَخَّرْنَا عَنْهُمُ الْعَذَابَ اِلٰٓی اُمَّةٍ مَّعْدُوْدَةٍ لَّیَقُوْلُنَّ
مَا یَحْبِسُهٗ ۗ اَلَا یَوْمَ یَاْتِیْهِمْ لَیْسَ مَصْرُوْفًا عَنْهُمْ وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا

چھپا کر رکھتے ہیں) مگر یاد رکھو (انسان کی کوئی بات بھی اللہ سے پوشیدہ نہیں) یہ جب اپنے سارے کپڑے
اپنے اوپر ڈال لیتے ہیں تو اس وقت بھی چھپ نہیں سکتے۔ جو کچھ یہ چھپا کر کریں اور جو کچھ کھلم کھلا کریں
۵ سب اللہ کو معلوم ہے۔ وہ تو سینوں کے اندر کا بھید جاننے والا ہے!

اور زمین میں چلنے والا کوئی جاندار نہیں ہے
جس کی روزی کا انتظام اللہ پر نہ ہو اور وہ نہ
جانتا ہو کہ اس کا ٹھکانا کہاں ہے اور وہ جگہ کہاں
ہے جہاں بالآخر اس کا وجود سونپ دیا جائے گا؟
یہ سب کچھ (علم الٰہی کی) کتاب میں مندرج ہے۔

اور وہی ہے جس نے آسمانوں کو اور زمین کو
چھ ایام میں پیدا کیا، اور اس کے تختِ (حکومت)
کی فرمانروائی پانی پر تھی۔ اور اس لئے پیدا کیا کہ تمہیں
آزمائش میں ڈالے اور یہ بات ظاہر ہو جائے کہ
کون عمل میں بہتر ہے اور (اے پیغمبر!) اگر تو ان
لوگوں سے کہے "تم مرنے کے بعد اٹھائے جاؤ گے"
تو جو لوگ منکر ہیں وہ ضرور بول اٹھیں "یہ تو
صریح جادو کی سی باتیں ہیں"!

(۵) غور کرو۔ قرآن کے ایک ایک لفظ میں کیسی دقیق مناسبتیں پوشیدہ ہوتی ہیں؟ سورت کی تمام موضوعات کا مرکزی نقطہ جزاء عمل کا معاملہ ہے کیونکہ تمام دعوتوں نے اس کا اعلان کیا، اور تمام جماعتوں پر یہ طاری ہوا۔ پہلی آیت میں قرآن کا صرف یہی وصف بیان کیا کہ "احکمت آیاتہ" اس کے مطالب مضبوط اور ثابت ہیں یعنی اس کی کوئی بات ایسی نہیں جو کمزور اور کچھ نکلے۔ پھر فرمایا "من لدن حکیم خبیر" اس کی طرف سے جو حکیم اور خبیر ہے۔ یعنی چونکہ وہ حکیم ہے اس لئے ضروری تھا کہ جزائے عمل کا قانون ظہور میں آئے۔ ساتھ ہی وہ خبیر بھی ہے اس لئے ممکن نہیں کہ کوئی عمل اس سے پوشیدہ رہ جائے اور جزاء عمل کا نفاذ ٹھیک نہ ہو۔

چنانچہ آیت (۵) میں فرمایا، یہ اپنے سینوں کے بھید چھپاتے ہیں مگر نہیں جانتے کہ اس کے علم سے کوئی بات پوشیدہ نہیں۔

(۶) آیت (۷) میں فرمایا، اللہ کی حکومت پانی پر تھی، دوسری جگہ فرمایا کہ ہم نے تمام زندہ اجسام پانی سے پیدا کئے (۲۱ : ۳۰) اس سے معلوم ہوا کہ زمین پر ایک ابتدائی دور گزر چکا ہے جب کہ پانی تھا۔ یا ایسی چیز تھی جسے پانی سے تعبیر کیا گیا ہے اور قوانین الٰہی اس میں کام کر رہے تھے۔

اور اگر ان پر عذاب کا نازل کرنا ایک مقررہ مدت تک ہم نے ٹال دیا تو یہ ضرور کہنے لگیں "کونسی بات ہے جو اسے روک رہی ہے"؟ سوچ رکھو، جس دن عذاب ان پر آئے گا تو پھر کسی کے ٹالے ٹلنے والا نہیں! اور جس بات کی یہ ہنسی اڑایا کرتے

رَبِّهٖ وَيَتْلُوْهُ شَاهِدٌ مِّنْهُ وَمِنْ قَبْلِهٖ كِتٰبُ مُوْسٰٓى اِمَامًا وَّرَحْمَةً ۭ اُولٰۗىِٕكَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ۭ
وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ مِنَ الْاَحْزَابِ فَالنَّارُ مَوْعِدُهٗ ۚ فَلَا تَكُ فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْهُ ۣ اِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ
وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَي اللّٰهِ كَذِبًا ۭ اُولٰۗىِٕكَ يُعْرَضُوْنَ ۱۷
عَلٰي رَبِّهِمْ وَيَقُوْلُ الْاَشْهَادُ هٰٓؤُلَاۗءِ الَّذِيْنَ كَذَبُوْا عَلٰي رَبِّهِمْ ۚ اَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَي الظّٰلِمِيْنَ ۝ ۱۸
الَّذِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَيَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ۭ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ۝ اُولٰۗىِٕكَ لَمْ ۱۹

طرف سے آگیا ہو (یعنی اللہ کی وحی) اور اس سے پہلے موسیٰ کی کتاب بھی پیشوائی کرتی ہوئی اور سرتاپا رحمت آچکی ہو (اور تصدیق کر رہی ہو، تو کیا ایسے لوگ انکار کر سکتے ہیں؟ نہیں) یہ لوگ اس پر ایمان رکھتے ہیں اور (ملک کے مختلف) گروہوں میں سے جو کوئی اس سے منکر ہوا، تو یقین کرو (دوزخ کی) آگ ہی وہ ٹھکانا ہے جس کا اس سے وعدہ کیا گیا ہے پس اے پیغمبر! تو اس کی نسبت کسی طرح کے شک میں نہ پڑیو (یعنی دعوت قرآن کی کامیابی کے بارے میں کسی طرح کا شک نہ کیجیو) وہ تیرے پروردگار کی جانب سے امر حق ہے لیکن (ایسا ہی ہوتا ہے کہ) اکثر آدمی (سچائی پر) ایمان نہیں لاتے۔ ۱۷

اس کے بعد یہ حقیقت واضح کی ہے کہ اگر انکار و سرکشی پر بھی انہیں دنیوی فوائد مل رہے ہیں تو صرف اتنی ہی بات دیکھ کر یہ مغرور نہ ہو جاویں اور نہ مومنوں کو چاہیے کہ اس پر متعجب ہوں اللہ نے دنیا کے لیے ایسا ہی قانون ٹھہرا دیا ہے کہ انسان کا ہر عمل ایک نتیجہ رکھتا ہے اور جیسا کچھ عمل ہوتا ہے اسی کے مطابق نتیجہ بھی نکلتا ہے اگر ایک انسان آخرت کی طرف سے غافل ہے اور صرف دنیوی زندگی ہی کا خواہشمند ہے جب بھی ایسا نہ ہوگا کہ اس کی سعی و طلب بے اثر ہو جائے جیسی کچھ کوشش کریگا۔ اس کے مطابق نتیجہ حاصل کرے گا۔ اگر اچھی طرح ہل جتے گا اور تخم ریزی کرے گا، تو اچھی فصل پیدا ہو جائے گی۔ ادھورا کام کرے گا۔ تو ادھورا نتیجہ ملے گا البتہ ایسے آدمی کے لئے آخرت میں کچھ نہ ہوگا۔ ہاں اسے نظر آجائے گا کہ اس کے سارے کام اکارت گئے آخرت کے لئے کچھ سود مند نہ ہوئے۔

اور اس سے بڑھکر ظالم کون ہو سکتا ہے جو جھوٹ بول کر اللہ پر بہتان باندھے؟ جو ایسا کر رہے ہیں وہ اپنے پروردگار کے حضور پیش کیے جائیں گے اور اس وقت گواہ گواہی دینگے کہ یہ ہیں جنہوں نے اپنے پروردگار پر جھوٹ بولا تو سن رکھو ان ظالموں پر اللہ کی پھٹکار جو اللہ کی راہ سے اس کے بندوں کو روکتے ہیں اور چاہتے ہیں اس میں کجی پیدا کر دیں اور جو آخرت سے بھی منکر ہوئے! یہ لوگ تو زمین میں (اللہ کو) عاجز کر دینے والے تھے نہ اللہ کے سوا ان کا کوئی کارساز تھا انہیں دوگنا عذاب ہوگا کیونکہ ان کی سرکشی اور ہٹ دھرمی ایسی ۱۸ ۱۹

(۱۰) پھر آیت (۱۷) میں فرمایا جو لوگ اللہ کی طرف سے دلیل و حجت پر ہیں، اور انہوں نے راہ حقیقت پائی ہے وہ ان مغرور دنیا کی طرح نہیں ہو سکتے۔ ان کی راہ ہدایت الٰہی کی راہ ہے اور ہدایت الٰہی کی کامیابی شک و شبہ سے بالا تر ہے۔

پھر آیت (۱۸) میں فرمایا اس سے بڑھ کر ظالم کون ہو سکتا ہے جو اللہ پر افتراء کرے؟ یعنی مومن تو اللہ کی دلیل و حجت کے پیچھے، اور منکر اللہ پر افترا کر رہے ہیں۔ پس دونوں کی راہ ایک سی

وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ ۝ اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ۭ قُلْ فَاْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهٖ مُفْتَرَيٰتٍ وَّ ۱۲
ادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ فَاِلَّمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَكُمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَآ ۱۳
اُنْزِلَ بِعِلْمِ اللّٰهِ وَاَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝ مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ۱۴
وَزِيْنَتَهَا نُوَفِّ اِلَيْهِمْ اَعْمَالَهُمْ فِيْهَا وَهُمْ فِيْهَا لَا يُبْخَسُوْنَ ۝ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ لَيْسَ لَهُمْ ۱۵
فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا النَّارُ ۡ وَحَبِطَ مَا صَنَعُوْا فِيْهَا وَبٰطِلٌ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ اَفَمَنْ كَانَ عَلٰي بَيِّنَةٍ مِّنْ ۱۶

لئے مامور من اللہ تھے۔

۱۲ یہی مرحلہ پیغمبر اسلام کو بھی درپیش تھا۔ اسی لئے وحی الٰہی جا بجا اس بات پر زور دیتی ہے کہ لوگوں کی باتوں سے دل تنگ ہو اور اعلان امر میں ذرہ بھی مائل نہ کرو۔ چنانچہ آیت (۱۲) میں بھی یہی بات کہی گئی ہے۔

منکرین حق کہتے تھے۔ اگر خدا کے یہاں ایسی ہی تمہاری رسائی ہے تو کیوں نہیں کہتے، ایک خزانہ تم پر اتار دے، یا فرشتے بھیج دے کہ تمہاری باتوں کی سب کے سامنے تصدیق کر دیں؟ فرمایا ان کے

۱۳ اس انکار و استہزا سے دل تنگ ہو۔ کیونکہ تم تو صرف نذیر ہو۔ کچھ ان پر نگہبان بنا کر نہیں بھیجے گئے ہو کہ ان کے مان لینے کے بھی ذمہ دار ہو۔

"نذیر" کی حیثیت پر زور دے کر یہ بات بھی واضح کر دی کہ پیغمبر اس لئے نہیں آتے کہ خزانے بانٹتے پھریں یا طرح طرح کے اچنبھے دکھائیں۔ ان کا کام صرف یہ ہوتا ہے کہ انکار و بدعملی کے نتائج سے خبردار کر دیں اور سچائی کی راہ دکھا دیں۔

۱۴ جو کوئی صرف) دنیا کی زندگی اور اسکی دلفریبیاں ہی چاہتا ہے، تو ہمارا ٹھہرایا ہوا قانون یہ ہے کہ) اس کی کوشش و عمل کے نتائج یہاں پورے پورے دیدیتے ہیں ایسا نہیں ہوتا کہ دنیا میں اس کے

۱۵ ساتھ کمی کی جائے لیکن (یاد رکھو) یہ وہ لوگ ہیں جن کے لئے آخرت (کی زندگی) میں (دوزخ کی) آگ کے سوا کچھ نہ ہوگا۔ جو کچھ انہوں نے یہاں بنایا ہے سب اکارت جائے گا۔ اور جو کچھ کرتے

۱۶ رہے ہیں سب نابود ہونے والا ہے۔

(۹) کفار پیغمبر اسلام کے اعلانات حق کی ہنسی اڑاتے تھے اور جب قرآن سنایا جاتا تھا تو کہتے تھے، یہ تو تم نے اپنے جی سے گڑھ لیا ہے۔ آیت (۱۳) میں فرمایا، اگر یہ گڑھی ہوئی بات ہے تو تم بھی ایسی ہی بات گڑھ کر بنا لاؤ، اور اپنے بنائے ہوئے معبودوں سے دعائیں کرو کہ اس کام میں تمہاری مدد کریں۔

باتیں مان بھی لیں) اور ہر چیز پر اللہ ہی نگہبان ہے۔
پھر کیا یہ لوگ ایسا کہتے ہیں کہ اس آدمی نے قرآن اپنے جی سے گڑھ لیا ہے؟ (اے پیغمبر!) تو کہدے "اگر تم اپنی اس بات میں سچے ہو تو اس طرح کی دس سورتیں گڑھی ہوئی بنا کر پیش کر دو اور اللہ کے سوا جس کسی کو (اپنی مدد کے لئے) پکار سکتے ہو پکار لو"۔ "پھر اگر (تمہارے ٹھہرائے ہوئے معبود) تمہاری پکار کا جواب نہ دیں (اور تم اپنی کوشش میں کامیاب ہو) تو سمجھ لو کہ قرآن اللہ ہی کے علم سے اترا ہے اور یہ بات بھی سچ ہے کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں اب بتلاؤ کیا تم یہ بات تسلیم کرتے ہو؟

ایک روشن دلیل رکھتے ہوں (یعنی وجدان و عقل کا فیصلہ) اور اس کے ساتھ ہی ایک گواہ بھی اس کی

لہ یہ بات سورۂ بقرہ اور یونس میں بھی گذر چکی ہے اور آئندہ سورتوں میں بھی آئے گی، اسکی تشریح سورۂ اسریٰ آیت ۸۸ کے نوٹ میں دیکھنی چاہیے

كَفَرُوا مِنْ قَوْمِهٖ مَا نَرٰىكَ اِلَّا بَشَرًا مِّثْلَنَا وَمَا نَرٰىكَ اتَّبَعَكَ اِلَّا الَّذِيْنَ هُمْ اَرَاذِلُنَا بَادِيَ
الرَّاْيِ ۚ وَمَا نَرٰى لَكُمْ عَلَيْنَا مِنْ فَضْلٍ بَلْ نَظُنُّكُمْ كٰذِبِيْنَ ۝ قَالَ يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى ۲۷
بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ وَاٰتٰىنِيْ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِهٖ فَعُمِّيَتْ عَلَيْكُمْ ۭ اَنُلْزِمُكُمُوْهَا وَاَنْتُمْ لَهَا كٰرِهُوْنَ ۝ ۲۸
وَيٰقَوْمِ لَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مَالًا ۭ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَي اللّٰهِ وَمَآ اَنَا بِطَارِدِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۭ اِنَّهُمْ
مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَلٰكِنِّيْٓ اَرٰىكُمْ قَوْمًا تَجْهَلُوْنَ ۝ ۲۹

ہے۔

(۱۲) حضرت نوح نے کہا۔۔

(ا) اللہ کے سوا اور کسی کی بندگی نہ کرو۔

(ب) اگر تم سرکشی سے باز نہ آئے تو عذاب کا ایک بڑا ہی دردناک دن آنے والا ہے

(ج) لیکن قوم کے سرداروں اور اونچے درجہ کی جماعتوں نے انکار و سرکشی کی صرف وہ ایماں لائے جو قوم میں ذلیل سمجھے جاتے تھے۔

(د) منکروں نے کہا تم بھی ہماری ہی طرح ایک آدمی ہو پھر تمہاری بات کیوں مانیں ہمیں اگر تم میں کوئی ایسا چنندا پایا جاتا جو اور آدمیوں میں نہیں پایا جاتا۔ یا دیوتاؤں کی طرح اترتے آئے ہوتے، تو تمہاری تصدیق کرتے

(ج) منکروں نے کہا، جو ہم میں کمینے ہیں، وہی بے سمجھے بوجھے تمہیں مان رہے ہیں۔ پھر کیا ان بے وقوفوں کی طرح ہم بھی مان لیں؟ علاوہ بریں ہم ایسی جماعت میں کیونکر شریک ہو سکتے ہیں جہاں رذیل و شریف میں کوئی امتیاز نہیں؟

(د) حضرت نوح نے کہا انسان کی ہدایت تو انسان ہی کے ذریعہ ہو سکتی ہے، اور وہ اتنا ہی کر سکتا ہے جو اس کے اختیار میں ہے تم کہتے ہو میں جھوٹا ہوں لیکن بتلاؤ، اگر تم مجھے سچا سمجھتے تو کیا اس بات کی توقع کرتے کہ جبراً تمہیں سچائی کی راہ دکھا دوں؟ خدا کی طرف سے کتنی ہی واضح دلیل حق مجھے مل گئی ہو لیکن تم سمجھنے سے انکار کر دو، تو میں کیا کر سکتا ہوں؟

(ذ) انہوں نے کہا تم جن لوگوں کو ذلیل سمجھتے ہو، میں بھی نہیں کہوں گا کہ وہ ذلیل ہیں اور انہیں خوبی و سعادت نہیں مل سکتی۔ اگر میں ایسا کروں تو خدا کے مواخذہ میں گرفتار ہو جاؤں

(ج) انہوں نے کہا میرا دعویٰ صرف یہ ہے کہ سچائی کا پیغام لایا ہوں مجھے طاقت و تصرف کا دعویٰ نہیں نہ میں انسانیت سے کوئی بالاتر ہستی ہوں۔

ہو، اور جو لوگ تمہارے پیچھے چلے ہیں ان میں بھی ان لوگوں کے سوا کوئی دکھائی نہیں دیتا جو ہم میں کمینے ہیں اور بے سوچے سمجھے تمہارے پیچھے ہو لئے ہیں۔ ہم تو تم لوگوں میں اپنے سے کوئی برتری نہیں پاتے۔ بلکہ سمجھتے ہیں تم جھوٹے ہو"۔ ۲۷

نوح نے کہا "اے میری قوم کے لوگو! تم نے اس بات پر بھی غور کیا کہ اگر میں اپنے پروردگار کی طرف سے ایک دلیل روشن پر ہوں، اور اس نے اپنے حضور سے ایک رحمت بھی مجھے بخش دی ہو (یعنی راہ حق دکھا دی ہو) مگر وہ تمہیں دکھائی نہ دے، تو (میں اس کے سوا کیا کر سکتا ہوں جو کر رہا ہوں؟) کیا ہم جبراً تمہیں راہ دکھا دیں، حالانکہ تم اس سے بیزار ہو؟"۔ ۲۸

"لوگو! یہ جو کچھ میں کر رہا ہوں، تو اس پر مال و دولت کا تم سے طالب نہیں میری خدمت کی مزدوری جو کچھ ہے صرف اللہ پر ہے۔ اور یہ بھی سمجھ لو کہ جو لوگ ایمان لائے ہیں (وہ تمہاری نگاہوں میں کتنے ہی ذلیل ہوں مگر) میں کرنے والا نہیں کہ اپنے پاس سے انہیں ہنکا دوں۔ انہیں بھی اپنے پروردگار سے (ایک دن) ملنا ہے (لیکن) میں تمہیں سمجھاؤں تو کس طرح سمجھاؤں؟ میں دیکھتا ہوں کہ تم ایک جماعت ہو (حقیقت سے) جاہل ۲۹

يَكُونُوا مُعْجِزِينَ فِي الْأَرْضِ وَمَا كَانَ لَهُم مِّن دُونِ اللَّهِ مِنْ أَوْلِيَاءَ يُضَاعَفُ لَهُمُ الْعَذَابُ ۚ مَا كَانُوا
يَسْتَطِيعُونَ السَّمْعَ وَمَا كَانُوا يُبْصِرُونَ ۝ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ خَسِرُوا أَنفُسَهُمْ وَضَلَّ عَنْهُم
مَّا كَانُوا يَفْتَرُونَ ۝ لَا جَرَمَ أَنَّهُمْ فِي الْآخِرَةِ هُمُ الْأَخْسَرُونَ ۝ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ
وَأَخْبَتُوا إِلَىٰ رَبِّهِمْ ۙ أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ ۖ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ۝ مَثَلُ الْفَرِيقَيْنِ كَالْأَعْمَىٰ وَالْأَصَمِّ
وَالْبَصِيرِ وَالسَّمِيعِ ۚ هَلْ يَسْتَوِيَانِ مَثَلًا ۚ أَفَلَا تَذَكَّرُونَ ۝ وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا إِلَىٰ قَوْمِهِ
إِنِّي لَكُمْ نَذِيرٌ مُّبِينٌ ۝ أَن لَّا تَعْبُدُوا إِلَّا اللَّهَ ۖ إِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ أَلِيمٍ ۝ فَقَالَ الْمَلَأُ الَّذِينَ

۲۰ ۲۱-۲۲ ۲۳ ع ۲ ۲۴ ۲۵+۲۶

(۱۱) اس کے بعد آیت (۲۳) تک اسی حقیقت کی وضاحت کی ہے (۲۰) میں اس طرف اشارہ ہے کہ وہ دنیا میں کلمۂ حق کی راہ نہ روک سکیں گے کیونکہ انسان کتنا ہی زور و اقتدار میں بڑھ جائے، لیکن قوانین حق پر غالب نہیں آسکتا اسے مغلوب ہی ہونا پڑتا ہے۔

۲۰

۲۱

۲۲

۲۳

۲۴

۲۵

۲۶

(۱۲) آیت (۲۴) کو تمام پچھلی موعظت کا خلاصہ سمجھو فرمایا دونوں فریقوں کی مثال ایسی ہے جیسے ایک اندھا بہرا ہو، دوسرا دیکھنے سننے والا۔ پھر کیا دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟ کیا روشنی اور اندھیاری میں کوئی فرق نہیں؟ کیا بصارت اور کوری کا ایک حکم ہے؟

اگر نہیں ہے تو ضروری ہے کہ دونوں کے احوال و نتائج ایک دوسرے سے متضاد ہوں اور دنیا میں ہمیشہ ایسا ہی ہوتا ہوا جیسا کہ اب ہو رہا ہے۔

(۱۳) چنانچہ اس کے بعد ہی گذشتہ امم و وقائع کا بیان شروع ہو گیا ہے جو فی الحقیقت دلایل و حجج کا ایک پورا سلسلہ ہے۔ اس سلسلہ کی پہلی کڑی حضرت نوح (علیہ السلام) کی دعوت

سے متضاد ہوئی، اور نتائج بھی متضاد ہونگے۔ پہلے نے خدا کی بخشی ہوئی عقل سے کام لیا اور اس کی وحی پر ایمان لایا۔ دوسرے نے عقل و بصیرت سے انکار کیا اور خدا کی وحی جھٹلائی۔

تھی کہ نہ تو حق بات سن سکتے تھے نہ حقیقت کی روشنی پر نظر تھی!

یہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنی جانیں تباہی میں ڈالیں اور زندگی میں جو کچھ (حق کے خلاف) افترا پردازیاں کرتے رہے وہ سب (آخرت میں) ان سے کھو گئیں!

اس میں کوئی شک نہیں کہ یہی لوگ ہیں کہ آخرت میں سب سے زیادہ تباہ حال ہونگے!

لیکن جو لوگ ایمان لائے، نیک کام کئے، اور اپنے پروردگار کی طرف قرار پکڑ لیا، تو وہ جنت والے ہیں جنت کی (کامرانیوں) میں ہمیشہ رہنے والے!

ان دو فریقوں کی مثال ایسی ہے جیسے ایک اندھا بہرا، اور ایک دیکھنے سننے والا۔ پھر تبلاؤ۔ کیا دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟ کیا تم غور و فکر نہیں کرتے؟

اور یہ واقعہ ہے کہ ہم نے نوح کو اس کی قوم کی طرف بھیجا تھا۔ اس نے کہا (لوگو!) میں تمہیں (انکار و بدعملی کے نتائج سے) آشکارا خبردار کرنے والا ہوں اللہ کے سوا اور کسی کی بندگی نہ کرو۔ میں ڈرتا ہوں کہ تم پر عذاب کا ایک دردناک دن نہ آجائے"۔

اس پر قوم کے ان سرداروں نے جنہوں نے کفر کی راہ اختیار کی تھی کہا "ہم تو تم میں اس کے سوا کوئی بات نہیں دیکھتے کہ ہماری ہی طرح کے ایک آدمی

قُلْ إِنِ افْتَرَيْتُهُ فَعَلَيَّ إِجْرَامِي وَأَنَا بَرِيءٌ مِّمَّا تُجْرِمُونَ ۝ ۳۵ ع ۳ ۱۱ ۳
وَأُوحِيَ إِلَىٰ نُوحٍ أَنَّهُ لَن يُؤْمِنَ مِن قَوْمِكَ إِلَّا مَن قَدْ آمَنَ فَلَا تَبْتَئِسْ بِمَا كَانُوا يَفْعَلُونَ ۝ ۳۶
وَاصْنَعِ الْفُلْكَ بِأَعْيُنِنَا وَوَحْيِنَا وَلَا تُخَاطِبْنِي فِي الَّذِينَ ظَلَمُوا ۖ إِنَّهُم مُّغْرَقُونَ ۝ ۳۷
وَيَصْنَعُ الْفُلْكَ وَكُلَّمَا مَرَّ عَلَيْهِ مَلَأٌ مِّن قَوْمِهِ سَخِرُوا مِنْهُ ۚ قَالَ إِن تَسْخَرُوا مِنَّا فَإِنَّا نَسْخَرُ مِنكُمْ كَمَا تَسْخَرُونَ ۝ ۳۸
فَسَوْفَ تَعْلَمُونَ مَن يَأْتِيهِ عَذَابٌ يُخْزِيهِ وَيَحِلُّ عَلَيْهِ عَذَابٌ مُّقِيمٌ ۝ ۳۹
حَتَّىٰ إِذَا جَاءَ أَمْرُنَا وَفَارَ التَّنُّورُ ۙ قُلْنَا احْمِلْ فِيهَا مِن كُلٍّ زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ وَأَهْلَكَ إِلَّا مَن سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ وَ

گڑھ لی ہے؟ تو کہہ دے اگر میں نے یہ بات گڑھ لی ہے تو میرا جرم مجھ پر اور تم جو جرم کر رہے ہو (اس کی پاداش تمہارے لئے) میں اس سے بری الذمہ ہوں! ۳۵

اور نوح پر وحی کی گئی کہ "تیری قوم میں سے جو لوگ (ایمان لا چکے ہیں) ان کے سوا اب کوئی ایمان لانے والا نہیں۔ پس جو کچھ یہ کر رہے ہیں، اس پر (بیکار کو) غم نہ کھا"۔ ۳۶

اور (کہا گیا کہ) ہماری نگرانی میں اور ہمارے حکم کے مطابق ایک کشتی بنانا شروع کر دے اور ان ظالموں کے بارے میں اب ہم سے کچھ عرض معروض نہ کر۔ یقیناً یہ لوگ غرق ہو جانے والے ہیں"۔ ۳۷

چنانچہ نوح کشتی بنانے لگا۔

اور جب کبھی ایسا ہوتا کہ اس کی قوم کا کوئی گروہ اس پر سے گزرتا، [redacted] کشتی بناتے ہیں مشغول دیکھ کر) تمسخر کرنے لگتا۔ نوح انہیں جواب دیتا کہ "اگر تم ہماری ہنسی اڑاتے ہو تو (اڑا لو) اسی طرح ہم بھی (تمہاری بے وقوفیوں پر ایک دن) ہنسیں گے۔ وہ وقت دور نہیں جب تمہیں معلوم ہو جائیگا ۳۸

کون ہے جس پر ایسا عذاب آتا ہے کہ اُسے رسوا کرے، اور پھر دائمی عذاب بھی اس پر نازل ہو"! ۳۹

(یہ سب کچھ ہوتا رہا) یہاں تک کہ جب وہ وقت آگیا کہ ہماری ٹھہرائی ہوئی) بات ظہور میں آئے اور (فطرت کے) تنور نے جوش مارا، تو ہم نے (نوح کو) حکم دیا: "ہر قسم (کے جانوروں) کے دو دو جوڑے کشتی میں لے لو اور اپنے اہل و عیال کو بھی ساتھ لو مگر اہل و عیال میں وہ لوگ داخل نہیں جن کے لئے پہلے بات کہی جا چکی ہے (یعنی کہا جا چکا ہے، کہ انہیں غرق ہونا ہے) نیز ان لوگوں کو بھی لے لو جو

(ن) طوفان کا ظہور اور حضرت نوح کا کشتی میں سوار ہونا اور ان سب کو ساتھ لے لینا جن کے ساتھ لینے کا حکم ہوا۔ اس سے پہلے اتنا گہرا پانی جمع کر دیا تھا، اور طوفانی ہوا ان کا یہ عالم تھا کہ اونچی اونچی موجیں اٹھنے لگی تھیں۔

(ع) حضرت نوح کے لڑکے نے ان کا ساتھ نہ دیا اور غرق ہو گیا حضرت نوح نے کہا، خدایا وہ میرے اہل و عیال میں سے ہے۔ فرمایا نہیں، وہ بد عمل ہے، اور بد عمل تیرے اہل میں داخل نہیں ہے۔

یہ آیت اس باب میں قطعی ہے کہ جسمانی رشتہ نجات کے لئے کچھ سود مند نہیں ہے جو کچھ ہے ایمان و عمل ہے۔

حضرت نوح کو اپنے لڑکے کے کفر کی خبر نہ تھی اس لئے

۳۰ وَيٰقَوْمِ مَنْ يَّنْصُرُنِيْ مِنَ اللّٰهِ اِنْ طَرَدْتُّهُمْ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ۝ وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَآئِنُ
اللّٰهِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَآ اَقُوْلُ اِنِّيْ مَلَكٌ وَّلَآ اَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ تَزْدَرِيْٓ اَعْيُنُكُمْ لَنْ يُّؤْتِيَهُمُ اللّٰهُ
۳۱ خَيْرًا ۭ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ ۚ اِنِّيْٓ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ قَالُوْا يٰنُوْحُ قَدْ جٰدَلْتَنَا فَاَكْثَرْتَ
۳۲ جِدَالَنَا فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝ قَالَ اِنَّمَا يَاْتِيْكُمْ بِهِ اللّٰهُ اِنْ شَاۗءَ وَمَآ
۳۳ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ۝ وَلَا يَنْفَعُكُمْ نُصْحِيْٓ اِنْ اَرَدْتُّ اَنْ اَنْصَحَ لَكُمْ اِنْ كَانَ اللّٰهُ يُرِيْدُ اَنْ
۳۴ يُّغْوِيَكُمْ ۭ هُوَ رَبُّكُمْ ۣ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ۝ اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ۭ

(ط) حکموں نے ان دلایل و مواعظ پر غور کرنے سے انکار کر دیا وہ ان باتوں کو جہل سے تعبیر کرنے لگے، اور یہاں تک سرکشی کی کہ خود عذاب کے ظہور کا مطالبہ کرنے لگے۔

(ی) اس پر ارشاد الٰہی ہوا کہ کہدے تم کہتے ہو کہ میں مفتری ہوں، اچھا اگر میں مفتری ہوں تو میرا گناہ مجھ پر، اور اگر تم سچائی کو جھٹلا رہے ہو تو اس کی پاداش تمہیں جھیلنی ہے۔ میں اس سے بری ہوں اب فیصلہ کا انتظار کرو۔

۳۰ (ک) حضرت نوح کا وحی الٰہی سے مطلع ہونا کہ جو ایمان لا چکے ہیں، ان کے سوا کوئی ایمان لانے والا نہیں، اور یہ کہ ملک غرق ہونے والا ہے، پس ایک کشتی بنا لو۔

(ل) منکروں کا اس پر تمسخر کرنا۔

"اے میری قوم کے لوگو! مجھے بتلاؤ اگر میں ان لوگوں کو اپنے پاس سے نکال باہر کروں (اور اللہ کی طرف سے مواخذہ ہو جس کے نزدیک معیار قبولیت ایمان و عمل ہے نہ کہ تمہاری گڑھی ہوئی شرافت و رذالت) تو اللہ کے مقابلہ میں کون ہے جو میری مدد کرے گا؟ (افسوس تم پر!) کیا تم غور نہیں کرتے؟

"اور دیکھو میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں نہ یہ کہتا ہوں کہ میں غیب کی باتیں جانتا ہوں نہ میرا یہ دعویٰ ہے کہ میں فرشتہ ہوں میں یہ بھی نہیں کہتا کہ جن لوگوں کو تم حقارت کی نظر سے دیکھتے ہو اللہ انہیں کوئی بھلائی نہیں دے گا (جیسا کہ تمہارا اعتقاد ہے) اللہ ہی بہتر جانتا ہے جو کچھ ان لوگوں کے دلوں میں ہے۔ اگر میں (تمہاری ۳۱ خواہش کے مطابق) ایسا کہوں، تو جو میں ایسی بات کہوں میں ظالموں میں سے ہو گیا!"

اس پر ان لوگوں نے کہا "اے نوح! تو نے ہم سے جھگڑا کیا اور بہت جھگڑ چکا۔ (اب ان باتوں سے ۳۲ کچھ بننے والا نہیں) اگر تو سچا ہے تو جس بات کا وعدہ کیا ہے، وہ ہمیں لا دکھا"۔

نوح نے کہا "اگر اللہ کو منظور ہو گا تو بلاشبہ تم پر وہ بات لے آئے گا، اور تمہیں یہ قدرت نہیں کہ ۳۳ (اسے کسی بات سے) عاجز کر دو"۔

اور اگر اللہ کی مشیت یہی ہے کہ تمہیں ہلاک کرے، تو میں کتنا ہی نصیحت کرنا چاہوں، میری نصیحت کچھ سود مند نہ ہو گی۔ وہی تمہارا پروردگار ہے۔ اسی کی طرف تمہیں لوٹنا ہے" ۳۴

(حکم الٰہی ہوا۔ اے نوح!) کیا یہ لوگ کہتے ہیں۔ اس آدمی نے (یعنی نوح نے) اپنے جی سے یہ بات

الحٰكِمِيْنَ ۝ قَالَ يٰنُوْحُ اِنَّهٗ لَيْسَ مِنْ اَهْلِكَ ۚ اِنَّهٗ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ ۖ فَلَا تَسْـَٔلْنِ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ ۴۵
عِلْمٌ ۭ اِنِّىْٓ اَعِظُكَ اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ۝ قَالَ رَبِّ اِنِّىْٓ اَعُوْذُ بِكَ اَنْ اَسْـَٔلَكَ مَا لَيْسَ ۴۶
لِيْ بِهٖ عِلْمٌ ۭ وَاِلَّا تَغْفِرْ لِيْ وَتَرْحَمْنِيْٓ اَكُنْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝ قِيْلَ يٰنُوْحُ اهْبِطْ بِسَلٰمٍ مِّنَّا وَ ۴۷
بَرَكٰتٍ عَلَيْكَ وَعَلٰٓى اُمَمٍ مِّمَّنْ مَّعَكَ ۭ وَاُمَمٌ سَنُمَتِّعُهُمْ ثُمَّ يَمَسُّهُمْ مِّنَّا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ تِلْكَ مِنْ اَنْۢبَاۗءِ ۴۸
الْغَيْبِ نُوْحِيْهَآ اِلَيْكَ ۚ مَا كُنْتَ تَعْلَمُهَآ اَنْتَ وَلَا قَوْمُكَ مِنْ قَبْلِ هٰذَا ۛ فَاصْبِرْ ۭ اِنَّ الْعَاقِبَةَ لِلْمُتَّقِيْنَ ۝ ۴۹ ع معانقہ الوفقنی واحسن والا

تھے انہیں قدمات میں "امارات کا پہاڑ" کہا ہے۔ لیکن قرآن نے خاص اس پہاڑ کا ذکر کیا جس پر کشتی ٹھہری تھی۔ وہ جودی تھا۔

زمانہ حال کے بعض شارحین قدمات کے خیال میں "جودی" اس سلسلہ کوہ کا نام ہے جس نے امارات اور جارجیا کے سلسلہ کوہ کو ملا دیا ہے۔ وہ کہتے ہیں، سکندر کے زمانے کی یونانی تحریرات سے بھی اسکی تصدیق ہوتی ہے کم از کم یہ واقعہ تاریخی ہے کہ ساتویں صدی مسیحی تک وہاں ایک معبد موجود تھا، اور لوگوں نے اس کا نام "کشتی کا معبد" رکھ دیا تھا۔

(۸۸) ایک ایسے طوفان و سیلاب کے بعد ملک کی جو حالت ہو گئی ہوگی اس کی ہو لناکی محتاج بیان نہیں۔ قدرتی طور پر حضرت نوح اور ان کے ساتھیوں کو خیال گذرا ہوگا کہ یہ سرزمین زندگی اور زندگی کے تمام سامانوں سے خالی ہو گئی ہے اب اس "دشت کدہ" میں ہم کیونکر زندگی بسر کرینگے؟ پس اللہ نے وحی کی سلامتی اور برکتوں کے ساتھ زمین پر قدم رکھو یعنی تمہارے لئے اب خوف کی کوئی بات نہ ہوگی۔ اور سامان زندگی کی تمام برکتیں پھر ظہور میں آجائیں گی۔ چنانچہ آیت (۴۸) میں کہ خاتمہ سرگذشت ہے اسی طرف اشارہ کیا ہے "وامم سنمتعھم" کا مطلب یہ ہے کہ تمہارے بعد جو امتیں آئیں گی انہیں اگرچہ زندگی کی ساری کامرانیاں ملیں گی۔ لیکن پھر بداعمالی سے تباہی میں پڑیں گی۔

کرنے والا کوئی نہیں"۔

(خدا نے) فرمایا "اے نوح! وہ تیرے گھر کے لوگوں میں سے نہیں ہے[1] وہ تو (سرتاپا) عمل بد ہے پس جس حقیقت کا تجھے علم نہیں اس بارے میں سوال نہ کر میں تجھے نصیحت کرتا ہوں کہ ناواقفوں میں سے نہ ہو جانا"۔ ۴۶

(نوح نے) عرض کیا "خدایا! میں اس بات سے تیرے حضور پناہ مانگتا ہوں کہ ایسی بات کا سوال کروں، جس کی حقیقت کا مجھے علم نہیں اگر تو نے مجھے نہ بخشا اور رحم نہ فرمایا، تو میں ان لوگوں میں سے ہو جاؤں گا جو تباہ حال ہوئے!" ۴۷

حکم ہوا "اے نوح! اب کشتی سے اتر، ہماری جانب سے تجھ پر سلامتی اور برکتیں ہوں۔ نیز ان جماعتوں پر جو تیرے ساتھ ہیں۔ اور دوسری کتنی ہی جماعتیں ہیں (بعد کو آنے والی) جنہیں ہم (زندگی کے فائدوں سے) بہرہ مند کرینگے۔ لیکن پھر انہیں (پاداش عمل میں) ہماری طرف سے عذاب دردناک پہنچے گا"۔ ۴۸

(اے پیغمبر!) یہ غیب کی خبروں میں سے ہے جسے وحی کے ذریعہ تجھے بتلا رہے ہیں۔ اس سے پہلے نہ تو یہ باتیں تو جانتا تھا، نہ تیری قوم۔ پس صبر کر (اور منکروں کے جہل و شرارت سے دلگیر نہ ہو) انجام کار متقیوں ہی کے لئے ہے! ۴۹

[1] یعنی جو بے تیری راہ نہ چلا اور بد عملیوں کا ساتھی ہوا، تو فی الحقیقت تیرے علقہ قرابت سے باہر ہو گیا۔ اب اسے اپنا نہ سمجھ۔

مَنْ اٰمَنَ ۭ وَمَآ اٰمَنَ مَعَهٗٓ اِلَّا قَلِيْلٌ ۝ وَقَالَ ارْكَبُوْا فِيْهَا بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرٖىهَا وَمُرْسٰىهَا ۭ اِنَّ رَبِّيْ
لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ وَهِىَ تَجْرِيْ بِهِمْ فِيْ مَوْجٍ كَالْجِبَالِ ۡ وَنَادٰى نُوْحُ ِۨابْنَهٗ وَكَانَ فِيْ مَعْزِلٍ يّٰبُنَيَّ
ارْكَبْ مَّعَنَا وَلَا تَكُنْ مَّعَ الْكٰفِرِيْنَ ۝ قَالَ سَاٰوِيْٓ اِلٰى جَبَلٍ يَّعْصِمُنِيْ مِنَ الْمَاۗءِ ۭ قَالَ لَا عَاصِمَ
الْيَوْمَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ ۚ وَحَالَ بَيْنَهُمَا الْمَوْجُ فَكَانَ مِنَ الْمُغْرَقِيْنَ ۝ وَقِيْلَ يٰٓاَرْضُ
ابْلَعِيْ مَاۗءَكِ وَيٰسَمَاۗءُ اَقْلِعِيْ وَغِيْضَ الْمَاۗءُ وَقُضِيَ الْاَمْرُ وَاسْتَوَتْ عَلَي الْجُوْدِيِّ وَقِيْلَ بُعْدًا لِّلْقَوْمِ
الظّٰلِمِيْنَ ۝ وَنَادٰى نُوْحٌ رَّبَّهٗ فَقَالَ رَبِّ اِنَّ ابْنِيْ مِنْ اَهْلِيْ وَاِنَّ وَعْدَكَ الْحَقُّ وَاَنْتَ اَحْكَمُ

۴۰ تہالیم

۴۱

۴۲

۴۳

ویہ ۴۴

ایمان لا چکے ہیں" اور نوح کے ساتھ ایمان نہیں لائے تھے مگر بہت تھوڑے آدمی۔

اور نوح نے ساتھیوں سے کہا "کشتی میں سوار ہو جاؤ۔ اللہ کے نام سے اسے چلنا ہے اور اللہ ہی کے نام سے ٹھہرنا! بلاشبہ میرا پروردگار بخشنے والا رحمت والا ہے!"

۴۰ عرض کیا کہ وہ میری اہل میں سے ہے اور میرے اہل و عیال کی حفاظت کا تو نے وعدہ کیا ہے ارشاد ہوا کہ حقیقت حال دوسری ہے اور تمہیں اسکی خبر نہیں۔ وہ تو ان میں سے ہے جن کے لئے کہا جا چکا ہے کہ "لا خطاب فی الذین ظلموا" اور الا من سبق علیہ القول" جیسا کہ آیت (۳۷) اور (۴۰) میں گزر چکا۔

۴۱ اور (دیکھو) ایسی موجوں میں کہ پہاڑ کی طرح اٹھتی ہیں کشتی انہیں لے جا رہی ہے۔ اور نوح نے اپنے بیٹے کو پکارا۔ وہ کنارہ پر (کھڑا) تھا "اے میرے بیٹے! ہمارے ساتھ کشتی میں سوار ہو جا۔ کافروں کے ساتھ نہ رہ" اس نے کہا "میں کسی پہاڑ پر پناہ لے لوں گا وہ مجھے پانی کی زد سے بچا لے گا" نوح نے کہا "(تو کس خیال خام میں پڑا ہے؟) آج اللہ کی (ٹھہرائی ہوئی) بات سے بچانے والا کوئی نہیں مگر ہاں، وہی جس پر رحم کرے" اور (دیکھو) دونوں کے درمیان ایک موج حائل ہو گئی، پس وہ انہی میں ہوا جو ڈوبنے والے تھے!

۴۲

اور (پھر اللہ کا حکم ہوا) "اے زمین! اپنا پانی پی لے! اور اے آسمان! تھم جا!" اور پانی کا چڑھاؤ اتر گیا اور حادثہ انجام پا گیا، اور کشتی "جودی" پر ٹھہر گئی اور کہا گیا "نارادی اس گروہ کے لئے ہے کہ ظلم کرنے والا گروہ تھا!"

۴۳ (ف) طوفان اور سیلاب کا تھمنا، حادثہ کا ختم ہونا، اور کشتی کا جودی پہاڑ پر قرار پانا

سورۂ قمر کی آیت (۱۱) سے معلوم ہوتا ہے کہ آسمان سے لگاتار بارش ہوئی تھی اور زمین کی تمام نہروں میں سیلاب آ گیا تھا۔ تورات میں بھی یہی ہے لیکن اس میں یہ اشارہ بھی پایا جاتا ہے کہ بڑے سمندر کی تمام سوتیں پھوٹ نکلی تھیں (پیدائش ۷: ۱۲)

۴۴ حضرت نوح کا ظہور اس سرزمین میں ہوا تھا جو دجلہ اور فرات کی وادیوں میں واقع ہے۔ دجلہ اور فرات آرمینیا کے پہاڑوں سے نکلی ہیں اور بہت دور الگ الگ بہہ کر عراق زیریں میں باہم مل گئی ہیں اور پھر خلیج فارس میں سمندر سے ہم کنار ہوتی ہیں آرمینیا کے یہ پہاڑ "اراراط" کے علاقہ میں واقع ہیں۔ اسی

اور نوح نے اپنے پروردگار سے دعا کی اس نے کہا "خدایا! میرا بیٹا تو میرے گھر کے لوگوں میں سے ہے، اور یقیناً تیرا وعدہ سچا ہے تجھ سے بہتر فیصلہ

قَالَ إِنِّي أُشْهِدُ اللَّهَ وَاشْهَدُوا أَنِّي بَرِيءٌ مِّمَّا تُشْرِكُونَ ۝ مِن دُونِهِ فَكِيدُونِي جَمِيعًا ثُمَّ لَا ۵۴
تُنظِرُونِ ۝ إِنِّي تَوَكَّلْتُ عَلَى اللَّهِ رَبِّي وَرَبِّكُم ۚ مَّا مِن دَابَّةٍ إِلَّا هُوَ آخِذٌ بِنَاصِيَتِهَا ۚ إِنَّ رَبِّي عَلَىٰ ۵۵
صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ ۝ فَإِن تَوَلَّوْا فَقَدْ أَبْلَغْتُكُم مَّا أُرْسِلْتُ بِهِ إِلَيْكُمْ ۚ وَيَسْتَخْلِفُ رَبِّي قَوْمًا ۵۶
غَيْرَكُمْ ۖ وَلَا تَضُرُّونَهُ شَيْئًا ۚ إِنَّ رَبِّي عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ حَفِيظٌ ۝ وَلَمَّا جَاءَ أَمْرُنَا نَجَّيْنَا هُودًا ۵۷
وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا ۖ وَنَجَّيْنَاهُم مِّنْ عَذَابٍ غَلِيظٍ ۝ وَتِلْكَ عَادٌ ۖ جَحَدُوا ۵۸

اس طرح باتیں کرنے لگا ہے)

ہود نے کہا "میں اللہ کو گواہ ٹھہراتا ہوں اور تم بھی گواہ رہو کہ جن ہستیوں کو تم نے اس کا شریک بنا رکھا ہے مجھے ان سے کوئی سروکار نہیں تم سب مل کر میرے خلاف جو کچھ تدبیر کر سکتے ہو ضرور کر دیکھو ۵۴
مجھے (ذرا بھی) مہلت نہ دو (پھر دیکھو نتیجہ کیا نکلتا ہے؟)" ۵۵

"میرا بھروسہ اللہ پر ہے جو میرا بھی پروردگار ہے اور تمہارا بھی کوئی حرکت کرنے والی ہستی نہیں کہ اس کے قبضہ سے باہر ہو۔ میرا پروردگار (حق و عدل کی) سیدھی راہ پر ہے" (یعنی اس کی راہ ظلم کی راہ نہیں ہو سکتی) ۵۶

"پھر اگر (اس پر بھی) تم نے روگردانی کی تو جس بات کے لئے میں بھیجا گیا تھا، وہ میں نے پہنچا دی (اس سے زیادہ میرے اختیار میں کچھ نہیں ہے) اور (مجھے تو نظر آ رہا ہے کہ) میرا پروردگار کسی دوسرے گروہ کو تمہاری جگہ دے گا اور تم اس کا کچھ بگاڑ نہ سکو گے۔ یقیناً میرا پروردگار ہر چیز کا نگران حال ہے" ۵۷

اور (دیکھو) جب ہماری (ٹھہرائی ہوئی) بات کا وقت آ پہنچا تو ہم نے اپنی رحمت سے ہود کو بچا لیا، اور ان لوگوں کو بھی بچا لیا جو اس کے ساتھ (سچائی پر) ایمان لائے تھے اور ایسے عذاب سے بچایا کہ بڑا ہی سخت عذاب تھا! ۵۸

(۵۴) آیت ۵۶ میں "ربی و ربکم" کا زور جس بات پر ہے اسے سمجھ لینا چاہیے ان تمام منکر قوموں کو اس بات سے انکار نہ تھا کہ ایک خالق و پروردگار ہستی موجود ہے اور اصلی طاقت اسی کی ملکیت ہے یعنی وہ توحید ربوبیت سے بے خبر نہ تھے لیکن ساری گمراہی تھی کہ توحید الوہیت میں کھوئے گئے تھے۔ یعنی سمجھتے تھے، اس پروردگار ہستی کے ماتحت دوسری ہستیاں بھی ہیں جنہیں تصرف کا اختیار مل گیا ہے اور اس لئے ہمیں ان کی پوجا کرنی چاہیے۔ پس ربی و ربکم کا مطلب یہ ہوا کہ میرا بھروسہ تو اس پر ہے جسے میں بھی رب یقین کرتا اور تم بھی رب مانتے ہو۔

(۵۵) آیت ۵۹ سے معلوم ہوتا ہے کہ قوم عاد پر ظالم و سرکش بادشاہ حکمران تھے، اور فراعنہ مصر کی طرح اپنے آپ کو بجا تے تھے۔ فرمایا انہوں نے خدا کے رسولوں سے نافرمانی کی اور سرکش و ظالم حکمرانوں کا کہا مانا۔ یعنی جو حق و عدالت کی طرف بلاتے تھے، ان سے تو ضد سے، اور جو ظلم و سرکشی کرتے تھے ان کے پیچھے چلے! ایسے گروہ کے لئے بجز ہلاکت کے اور کیا ہو سکتا ہے۔

(۵۶) "اس لئے کہا کہ گو انہوں نے انکار ایک رسول کا کیا تھا لیکن اس کی تعلیم تمام رسولوں ہی کی تعلیم تھی۔ پس ایک

لہ آیت کا لفظی ترجمہ یہ ہے کہ کوئی چلنے والا وجود نہیں ہے مگر یہ کہ اللہ نے اسے اسکی پیشانی کے بالوں سے) پکڑ رکھا ہے یہ محاورہ ہے اور اسی معنی میں بولا جاتا ہے، جو معنی میں اختیار کئے گئے ہیں۔ ۱۲

۵۰ وَاِلٰى عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا ؕ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا مُفْتَرُوْنَ ۝
۵۱ يٰقَوْمِ لَاۤ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا ؕ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى الَّذِيْ فَطَرَنِيْ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝ وَيٰقَوْمِ اسْتَغْفِرُوْا
رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْۤا اِلَيْهِ يُرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا وَّيَزِدْكُمْ قُوَّةً اِلٰى قُوَّتِكُمْ وَلَا تَتَوَلَّوْا
۵۲ مُجْرِمِيْنَ ۝ قَالُوْا يٰهُوْدُ مَا جِئْتَنَا بِبَيِّنَةٍ وَّمَا نَحْنُ بِتَارِكِيْۤ اٰلِهَتِنَا عَنْ قَوْلِكَ وَمَا نَحْنُ
۵۳ لَكَ بِمُؤْمِنِيْنَ ۝ اِنْ نَّقُوْلُ اِلَّا اعْتَرٰىكَ بَعْضُ اٰلِهَتِنَا بِسُوْٓءٍ ؕ

(۱۵) قوم عاد میں حضرت ہود علیہ السلام کا ظہور ہوا۔
(ا) انہوں نے کہا اللہ کی بندگی کرو۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ تمہارے عقاید و اعمال حقیقت کے خلاف محض افترا ہیں۔
میں کسی صلے کا طالب نہیں۔ یہ محض ادائے فرض کا تقاضا ہے جو مجھے دعوت الی الحق پر مجبور کر رہا ہے۔
(ب) لیکن ان کی قوم نے ان مواعظ پر کان دھرنے سے انکار کر دیا۔ انہوں نے کہا تمہارے پاس کوئی ایسی بات نہیں جو ہمارے زوردار دلیل ہو، ہم تو اپنے معبودوں کی پرستش چھوڑنے والے نہیں۔
ہمارے خیال میں جو بات آتی ہے وہ تو یہ ہے کہ ہمارے معبودوں میں سے کسی کی مار تمہیں لگ گئی ہے۔ اسی لئے ایسے خیالات آنے لگے ہیں۔
(ج) حضرت ہود نے کہا تم کہتے ہو، تمہارے معبودوں کی مجھ پر مار ہے میں اعلان کرتا ہوں کہ مجھے تمہارے تمام معبودوں سے کوئی سروکار نہیں۔ اب تم اور تمہارے معبود جو کچھ میرے خلاف کر سکتے ہیں کر دیکھیں۔ تمہارا بھروسہ ان معبودوں پر ہے۔ میرا اللہ پر ہے جو میرا اور تمہارا سب کا پروردگار ہے!
میرا کام تبلیغ حق تھا میں نے کر دیا۔ اب اگر سچائی کی طرف سے تم نے رخ پھیر ہی لیا ہے تو جان لو کہ قانون الٰہی کے مطابق تمہاری جگہ کسی دوسری قوم کو لے لی جائے گی اور تم ہلاکت سے دوچار ہو گے۔
(د) چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ مومنوں نے نجات پائی سرکش ہلاک ہوئے۔

اور ہم نے (قوم) عاد کی طرف اس کے بھائی بندوں میں سے ہود کو بھیجا۔
ہود نے کہا "اے میری قوم کے لوگو! اللہ کی بندگی کرو۔ اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں یقین کرو تم اس کے سوا کچھ نہیں ہو کہ (حقیقت کے خلاف) افترا پردازیاں کر رہے ہو۔"
"اے میری قوم کے لوگو! میں اس بات کے لئے تم سے کوئی بدلہ نہیں مانگتا۔ میرا بدلہ تو اسی پر ہے جس نے مجھے پیدا کیا۔ پھر کیا تم (اتنی صاف بات بھی) نہیں سمجھتے؟"
"اور اے میری قوم کے لوگو! اپنے پروردگار سے (اپنے قصوروں کی) مغفرت مانگو۔ اور (آیندہ کے لئے) اس کی جناب میں توبہ کرو۔ وہ تم پر برستے ہوئے بادل بھیجتا ہے (جس سے تمہارے کھیت اور باغ شاداب ہو جاتے ہیں) اور تمہاری قوتوں پر نئی نئی قوتیں بڑھاتا ہے (کہ روز بروز گھٹنے کی جگہ اور زیادہ بڑھتے جاتے ہو) اور (دیکھو) جرم کرتے ہوئے اس سے منہ نہ موڑو۔"
(ان لوگوں نے) کہا "اے ہود! تو ہمارے پاس کوئی دلیل لے کر تو آیا نہیں (جسے ہم دلیل سمجھیں) اور ہم ایسا کرنے والے نہیں کہ تیرے کہنے سے اپنے معبودوں کو چھوڑ دیں، ہم تجھ پر ایمان لانے والے نہیں۔"
ہم جو کچھ کہہ سکتے ہیں وہ تو یہ ہے کہ ہمارے معبودوں میں سے کسی معبود کی تجھ پر مار پڑ گئی ہے" (اسی لئے

تَدْعُوْنَآ اِلَيْهِ مُرِيْبٍ ۝ قَالَ يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ وَاٰتٰىنِيْ مِنْهُ رَحْمَةً ۶۲
فَمَنْ يَّنْصُرُنِيْ مِنَ اللّٰهِ اِنْ عَصَيْتُهٗ ۚ فَمَا تَزِيْدُوْنَنِيْ غَيْرَ تَخْسِيْرٍ ۝ وَيٰقَوْمِ هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ ۶۳
لَكُمْ اٰيَةً فَذَرُوْهَا تَاْكُلْ فِيْٓ اَرْضِ اللّٰهِ وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابٌ قَرِيْبٌ ۝ فَعَقَرُوْهَا ۶۴
فَقَالَ تَمَتَّعُوْا فِيْ دَارِكُمْ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ ۭ ذٰلِكَ وَعْدٌ غَيْرُ مَكْذُوْبٍ ۝ فَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّيْنَا صٰلِحًا وَّ ۶۵
الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَمِنْ خِزْيِ يَوْمِئِذٍ ۭ

خاک میں ملا دیں۔ گویا بزرگی۔ پیشوائی کا طریقہ یہ نہیں ہے کہ جو بات حق معلوم ہو، اس کی لوگوں کو دعوت دی جائے۔ بلکہ یہ ہے کہ لوگ جسے حق سمجھتے ہیں اسکی پیروی کی جائے اور اسکی طرف لوگوں کو بھی دعوت دی جائے!

قرآن نے یہاں قوم ثمود کا جو جواب نقل کیا ہے اس کا مطلب یہی ہے۔

(ج) حضرت صالح نے کہا۔ تم غور نہیں کرتے کہ اگر ایک شخص پر اللہ نے علم و بصیرت کی راہ کھول دی ہو اور وہ دیکھ رہا ہو کہ سچائی وہ نہیں ہے جو لوگوں نے سمجھ رکھی ہے تو پھر کیا محض لوگوں کے پاس خاطر سے اس کا اظہار نہ کرے؟ (پھر بتلاؤ) اگر وہ حکم حق سے سرتابی کرے تو کوئی ہے جو خدا کے مواخذہ سے اُسے بچا لے گا؟ اگر میں محض اس خیال سے کہ تمہاری عداوت کو ٹھیس لگے، سچائی کا اعلان نہ کروں تو اس کا مطلب یہی ہوگا کہ آپ کو تباہی میں ڈال دوں۔

(د) بہرحال انہوں نے سرکشی کی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ مومنوں نے نجات پائی۔ سرکش ہلاک ہوئے۔

اونٹنی کے معاملہ کی تشریح اعراف (۷۳) کے نوٹ میں گزر چکی ہے۔

حضرت ہود اور حضرت صالح کی سرگزشتوں میں اختصار ملحوظ رہا۔ کیونکہ ان دونوں کا ظہور عرب ہی میں ہوا تھا۔ اور مخاطبین ان سے ناآشنا نہ تھے۔

ہمیں تو اس بات میں بڑا ہی شک ہے جس کی طرف تم دعوت دیتے ہو کہ ہمارے دل میں اتر نہیں۔"

صالح نے کہا "اے میری قوم کے لوگو! کیا تم نے اس بات پر بھی غور کیا کہ اگر میں اپنے پروردگار کی طرف سے ایک دلیل روشن پر ہوں اور اس نے اپنی رحمت مجھے عطا فرمائی ہو تو پھر کون ہے جو اللہ کے مقابلہ میں میری مدد کرے گا اگر میں اس کے حکم سے سرتابی کروں؟ (تم اپنی توقع کے مطابق دعوتِ کار دے کر) مجھے کوئی فائدہ نہیں پہنچا رہے تباہی کی طرف لیجانا چاہتے ہو۔"

"اور اے میری قوم کے لوگو! دیکھو، یہ اللہ کی اونٹنی (یعنی اس کے نام پر چھوڑی ہوئی اونٹنی) تمہارے لئے ایک (فیصلہ کن) نشانی ہے۔ پس اُسے چھوڑ دو اللہ کی زمین میں چرتی رہے۔ اسے کسی طرح کی اذیت نہ پہنچانا، ورنہ فوراً عذاب تمہیں آپکڑے گا۔"

لیکن لوگوں نے (اور زیادہ ضد میں آکر) اسے ہلاک کر ڈالا۔ تب صالح نے کہا "(اب تمہیں صرف) تین دن کی مہلت ہے، اپنے گھروں میں کھا پی لو یہ وعدہ ہے جھوٹا نہ نکلے گا۔"

پھر جب ہماری (ٹھہرائی ہوئی) بات کا وقت آپہنچا۔ تو ہم نے صالح کو اور ان لوگوں کو جو اُس کے ساتھ ایمان لائے تھے، اپنی رحمت سے بچا لیا۔ اور اس دن کی رسوائی سے نجات دے دی (اے پیغمبر!)

بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ وَعَصَوْا رُسُلَهٗ وَاتَّبَعُوْٓا اَمْرَ كُلِّ جَبَّارٍ عَنِيْدٍ ۝ وَاُتْبِعُوْا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا لَعْنَةً ۵۹
وَّيَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ اَلَآ اِنَّ عَادًا كَفَرُوْا رَبَّهُمْ ۭ اَلَا بُعْدًا لِّعَادٍ قَوْمِ هُوْدٍ ۝ وَاِلٰى ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا ع ۶۰
قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ۭ هُوَ اَنْشَاَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَاسْتَعْمَرَكُمْ فِيْهَا ۶۱
فَاسْتَغْفِرُوْهُ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ ۭ اِنَّ رَبِّيْ قَرِيْبٌ مُّجِيْبٌ ۝ قَالُوْا يٰصٰلِحُ قَدْ كُنْتَ فِيْنَا مَرْجُوًّا
قَبْلَ هٰذَآ ۣ اَتَنْهٰىنَآ اَنْ نَّعْبُدَ مَا يَعْبُدُ اٰبَاۗؤُنَا ۭ وَاِنَّنَا لَفِيْ شَكٍّ مِّمَّا

کو جھٹلانا کہہ کر جھٹلانا ہوا۔ نیز ان کے انکار کو "جحود" سے تعبیر کیا۔ جحدوا بایات ربھم۔ تاکہ واضح ہو جائے ان کے انکار کی نوعیت کیا تھی؟ جحود کے معنی یہ ہیں کہ جان بوجھ کر محض ہٹ اور شرارت سے انکار کرنا۔ چنانچہ تفصیل تفسیر فاتحہ میں گزر چکی ہے۔

یہ سرگذشت عاد کی انہوں نے اپنے پروردگار کی نشانیاں (ہٹ دھرمی اور سرکشی کرتے ہوئے) جھٹلائیں اور اس کے رسولوں کی نافرمانی کی اور ہر متکبر و سرکش کے حکم کی پیروی کی!

۵۹ اور ایسا ہوا کہ دنیا میں بھی ان کے پیچھے لعنت پڑی (یعنی رحمت الٰہی کی برکتوں سے محرومی ہوئی) اور قیامت کے دن بھی تو سن رکھو کہ قوم عاد نے اپنے پروردگار کی ناشکری کی! اور سن رکھو کہ قوم عاد نے اپنے پروردگار کی ناشکری کی! اور سن رکھو کہ عاد کے لئے محرومی کا اعلان ہوا جو ہود کی قوم تھی!

۶۰ (۱۶) قوم ثمود میں حضرت صالح (علیہ السلام) کا ظہور ہوا۔
(۹) انہوں نے کہا۔ اللہ کی بندگی کرو۔ اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں۔
دیکھو کون ہے جس نے تمہیں زمین سے پیدا کیا۔ یعنی ایسی چیز سے پیدا کیا جو زمین کی مٹی کا خمیر تھی (جیسا کہ دوسری جگہ صراحت کی ہے) اور پھر تم سے اسکی آبادی و رونق کردی (کیا پروردگار عالم کے سوا کوئی ہو سکتا ہے؟ پھر کیا وہی اس کا مستحق نہیں کہ اسکی بندگی کی جائے)
سرکشی سے باز آجاؤ اور اسکی طرف رجوع ہو۔
(ف) قوم نے کہا۔ ہمیں تو تمہاری ذات سے بڑی بڑی امیدیں تھیں کہ ہماری سرداری اور پیشوائی کروگے، یہ تمہیں کیا ہو گیا کہ ہمارے بزرگوں کے طریقہ کو برا کہتے ہو اور اس سے ہمیں ہٹانا چاہتے ہو؟

اور ہم نے قوم ثمود کی طرف اس کے بھائی بندوں میں سے صالح کو بھیجا۔
اس نے کہا "اے میری قوم کے لوگو! اللہ کی بندگی کرو۔ اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں وہی ہے جس نے تمہیں زمین سے پیدا کیا، اور پھر اسی میں تمہیں بسا دیا پس چاہئے کہ اس سے بخشش مانگو اور اس کی طرف رجوع ہو کر رہو، یقین کرو۔ میرا پروردگار (ہر ایک کے) پاس ہے اور (ہر ایک کی) دعاؤں کا جواب دینے والا ہے!"
لوگوں نے کہا "اے صالح! پہلے تو تو ایک ایسا آدمی تھا کہ ہم سب کی امیدیں تجھ سے وابستہ تھیں۔ پھر کیا تو ہمیں روکتا ہے کہ ان معبودوں کی پوجا نہ کریں جنہیں ہمارے باپ دادا پوجتے چلے آئے ہیں؟ (یہ کیسی بات ہے؟)

۶۱ ہمیشہ یہ بات دیکھی گئی ہے، اور اب بھی دیکھی جا سکتی ہے کہ جب کبھی ایک غیر معمولی قابلیت کا آدمی قوم میں پیدا ہوتا ہے، تو لوگ اس کی قابلیت سراہتے ہیں، اور اس سے بڑی بڑی امیدیں وابستہ کرتے ہیں کہ یہ ہمارا پیشوا ہوگا۔ باپ دادے کا نام روشن کرے گا۔ لیکن جب وہ کوئی ایسی بات کہتا ہے جو ان کے طور طریقہ کے خلاف ہوتی ہے، تو گردن موڑ لیتے ہیں اور کہتے ہیں۔ یہ تو نکما نکلا۔ ہماری ساری امیدیں

قَالَتْ يٰوَيْلَتٰى ءَاَلِدُ وَاَنَا عَجُوْزٌ وَّهٰذَا بَعْلِيْ شَيْخًا ۭ اِنَّ هٰذَا لَشَيْءٌ عَجِيْبٌ ۝ قَالُوْٓا اَتَعْجَبِيْنَ مِنْ ۷۲
اَمْرِ اللّٰهِ ۭ رَحْمَتُ اللّٰهِ وَبَرَكٰتُهٗ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ ۭ اِنَّهٗ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ ۝ فَلَمَّا ذَهَبَ عَنْ اِبْرٰهِيْمَ ۷۳
الرَّوْعُ وَجَاۗءَتْهُ الْبُشْرٰى يُجَادِلُنَا فِيْ قَوْمِ لُوْطٍ ۝ اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ لَحَلِيْمٌ اَوَّاهٌ مُّنِيْبٌ ۝ يٰٓاِبْرٰهِيْمُ ۷۴-۷۵
اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا ۚ اِنَّهٗ قَدْ جَاۗءَ اَمْرُ رَبِّكَ ۚ وَاِنَّهُمْ اٰتِيْهِمْ عَذَابٌ غَيْرُ مَرْدُوْدٍ ۝ وَلَمَّا جَاۗءَتْ ۷۶

نے بیک وقت وہ باتوں کی خبر دی۔ ایک میں ایمان و نیک عملی کی کامرانیوں کا اعلان تھا۔ دوسری میں انکار و بدعملی کی ہلاکتوں کا یعنی جس دن اس بات کی خبر دی گئی کہ سدوم اور عمورہ کا علاقہ بدعملیوں کی پاداش میں ہلاک ہونے والا ہے اسی دن اسکی بھی بشارت دیدی گئی کہ نیک عملی کے نتائج ایک نئی نسل تیار کر رہے ہیں، اور وہ عنقریب اس تمام ملک پر حکمرانی کرنے والی ہے!

پھر معاملہ کا ایک دوسرا پہلو بھی ہے، سدوم اور عمورہ کا علاقہ فلسطین کا سب سے زیادہ شاداب علاقہ تھا۔ اور سلوم ہے کہ سارہ تمام عمر اولاد کی تمنا میں کرتے کرتے بالآخر مایوس ہو چکی تھیں۔ پس قدرت الٰہی نے بیک وقت دونوں کرشمے دکھلائے۔ جو زمین سب سے زیادہ شاداب ہے وہ بد عملیوں کی پاداش میں ایسی اجڑے گی کہ پھر کبھی سرسبز و شاداب نہ ہو سکے گی۔ جو شجر امید بالکل سوکھ چکا ہے وہ اچانک اس طرح سرسبز ہو جائے گا کہ صدیوں تک اس کی شاخیں بارآور رہیں گی!

چنانچہ سدوم اور عمورہ کا علاقہ آتش فشاں مادہ کے انفجار سے ایسا بنجر ہوا کہ آج تک بنجر ہے اور بشارت پر پورا سال بھی نہیں گزرا تھا کہ حضرت اسحاق کی پیدائش ظہور میں آ گئی، اور پھر ان کی نسل روز بروز بڑھتی اور پھیلتی گئی۔

۷۲ وہ بولی: افسوس مجھ پر! کیا ایسا ہو سکتا ہے کہ میرے ولادت ہو حالانکہ میں بڑھیا ہو گئی ہوں اور یہ میرا شوہر بھی بوڑھا ہو چکا ہے؟ یہ تو بڑی ہی عجیب بات ہے۔

۷۳ انہوں نے کہا: کیا تو اللہ کے کاموں پر تعجب کرتی ہے؟ اللہ کی رحمت اور اسکی برکتیں تجھ پر ہوں اے اہل خانہ ابراہیم! (اس کے فضل و کرم سے یہ بات کچھ بعید نہیں ہے) بلاشبہ اسی کی ذات ہے جس کی ستائشیں کی جاتی ہیں اور وہی ہے جس کے لئے ہر طرح کی بڑائیاں ہیں"

۷۴ پھر جب ابراہیم کے دل سے اندیشہ دور ہو گیا اور اسے خوشخبری ملی تو قوم لوط کے بارے میں ہم سے جھگڑنے لگا (یعنی ہمارے فرستادوں سے بار بار سوال و جواب کرنے لگا کہ آنے والی بلا ٹل جائے) حقیقت یہ ہے کہ ابراہیم بڑا ہی بردبار، بڑا ہی نرم دل اور ہر حال میں اللہ کی طرف رجوع ہو کر رہنے والا تھا!

۷۵ (ہمارے فرستادوں نے کہا) "اے ابراہیم اب اس بات کا خیال چھوڑ دے تیرے پروردگار کی (ٹھہرائی ہوئی) بات جو تھی، وہ آ پہنچی، اور ان لوگوں پر عذاب آ رہا ہے جو کسی طرح ٹل نہیں سکتا"

۷۶ اور پھر جب ایسا ہوا کہ ہمارے فرستادے لوط کے پاس پہنچے تو وہ ان کے آنے سے خوش نہیں ہوا۔ ان کی موجودگی نے اسے پریشان کر دیا۔ وہ بولا "آج کا دن تو بڑی مصیبت کا دن

(۸) حضرت ابراہیم کی ایک بیوی سارہ تھی ایک باندی ہاجرہ۔ ہاجرہ سے حضرت اسمٰعیل پیدا ہوئے، لیکن سارہ سے کوئی اولاد نہیں ہوئی یہاں تک کہ وہ مایوس ہو گئی۔ پھر مایوسی کے بعد یہ بشارت ملی اور حضرت اسحٰق پیدا ہوئے۔

(۹) تورات (پیدائش ۱۹: ۲۳) میں ہے کہ حضرت ابراہیم نے بار بار التجائیں کیں کہ عذاب ٹل جائے۔ کیوں کہ ہو سکتا ہے

إِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْقَوِيُّ الْعَزِيزُ ۝ وَأَخَذَ الَّذِينَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ فَأَصْبَحُوا فِي دِيَارِهِمْ جَاثِمِينَ ۝
كَأَنْ لَمْ يَغْنَوْا فِيهَا ۗ أَلَا إِنَّ ثَمُودَ كَفَرُوا رَبَّهُمْ ۗ أَلَا بُعْدًا لِّثَمُودَ ۝ وَلَقَدْ جَاءَتْ رُسُلُنَا
إِبْرَاهِيمَ بِالْبُشْرَىٰ قَالُوا سَلَامًا ۖ قَالَ سَلَامٌ فَمَا لَبِثَ أَنْ جَاءَ بِعِجْلٍ حَنِيذٍ ۝ فَلَمَّا رَأَىٰ أَيْدِيَهُمْ
لَا تَصِلُ إِلَيْهِ نَكِرَهُمْ وَأَوْجَسَ مِنْهُمْ خِيفَةً ۚ قَالُوا لَا تَخَفْ إِنَّا أُرْسِلْنَا إِلَىٰ قَوْمِ لُوطٍ ۝ وَ
امْرَأَتُهُ قَائِمَةٌ فَضَحِكَتْ فَبَشَّرْنَاهَا بِإِسْحَاقَ ۙ وَمِن وَرَاءِ إِسْحَاقَ يَعْقُوبَ ۝

۷۴ بلاشبہ تیرا پروردگار ہی ہے جو قوت والا اور سب پر غالب ہے!
۷۵ اور جن لوگوں نے ظلم کیا تھا، ان کا یہ حال ہوا کہ ایک زور کی کڑک نے آلیا۔ جب صبح ہوئی تو
۷۶ سب اپنے گھروں میں اوندھے پڑے تھے۔ (وہ اس طرح اچانک مر گئے) گویا ان گھروں میں کبھی بسے ہی
۷۷ نہ تھے! تو سن رکھو کہ ثمود نے اپنے پروردگار کی ناشکری کی، اور ہاں سن رکھو کہ ثمود کے لئے محرومی ہی ہے!
۷۸ اور یہ واقعہ ہے کہ ہمارے بھیجے ہوئے (فرشتے) ابراہیم کے پاس خوشخبری لے کر آئے تھے۔
انہوں نے کہا "تم پر سلامتی ہو"
ابراہیم نے کہا "تم پر بھی سلامتی"۔
پھر ابراہیم فوراً ایک بھنا ہوا بچھڑا لے آیا (اور
ان کے سامنے رکھ دیا کہ یہ میرے مہمان ہیں)
پھر جب اس نے دیکھا، ان کے ہاتھ کھانے کی
طرف بڑھتے نہیں، تو ان سے بدگمان ہوا، اور جی میں
ڈرا (کہ یہ کیا بات ہے؟) انہوں نے کہا خوف نہ کر۔
ہم تو (اللہ کی طرف سے) قوم لوط کی طرف بھیجے گئے
ہیں"۔
۷۱ اور اس کی بیوی (سارہ) بھی (خیمہ میں) کھڑی
سن رہی تھی۔ وہ ہنس پڑی (یعنی اندیشہ کے دور
ہو جانے سے خوش ہو گئی) پس ہم نے اسے (اپنے
فرستادوں کے ذریعہ) اسحاق (کے پیدا ہونے)
کی خوشخبری دی، اور اس کی کہ اسحاق کے بعد یعقوب کا ظہور ہوگا

(۱۷) حضرت لوط (علیہ السلام) کی دعوت اور باشندگانِ سدوم کی ہلاکت۔

تورات میں ہے کہ حضرت لوط حضرت ابراہیم کے بھتیجے اور ہاران کے بیٹے تھے۔ یہ حضرت ابراہیم کے ساتھ شہر اور سے آئے اور سدوم میں مقیم ہو گئے جو دریائے یردن کی ترائی میں واقع تھا۔ چونکہ سدوم کی ہلاکت کی خبر پہلے حضرت ابراہیم کو دی گئی تھی، اس لئے سرگذشت کی ابتداء انہی کے ذکر سے ہوئی۔

۶۹ (۱) فرشتوں نے دو باتوں کی خبر دی۔ ایک یہ کہ قوم لوط کی ہلاکت کا وقت آگیا۔ دوسری یہ کہ سارہ کے بطن سے حضرت اسحاق کی پیدائش ہوگی، اور ان سے حضرت یعقوب پیدا ہوں گے۔ ان دونوں باتوں میں بظاہر کوئی علاقہ نظر نہیں آتا اس لئے خیال ہوتا ہے کہ کیوں دونوں کی خبر بیک وقت دی گئی، کیوں دونوں کا ذکر ایک ساتھ کیا گیا؟ لیکن فی الحقیقت ایسا نہیں ہے، دونوں باتیں ایک دوسرے سے ساتھ مربوط ہیں۔

۷۰ حضرت ابراہیم اور حضرت لوط (علیہما السلام) جب کسدیوں کے ملک سے آکر فلسطین میں مقیم ہوئے، تو یہ ملک ان کے لئے اجنبیوں کا ملک تھا، لیکن مشیت الٰہی کا فیصلہ ہو چکا تھا کہ ایک دن اسی سرزمین پر ان کی نسل حکمرانی کرے گی۔ اس نسل کا ظہور کس سے ہوا؟ اسرائیل سے یعنی حضرت یعقوب سے۔ وہ کس کے لڑکے تھے؟ حضرت اسحٰق کے۔ پس فرشتوں

۷۱

فَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا جَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهَا حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيْلٍ ۙ مَّنْضُوْدٍ ۝ مُّسَوَّمَةً ۸۲
عِنْدَ رَبِّكَ ۭ وَمَا هِيَ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ بِبَعِيْدٍ ۝ وَاِلٰى مَدْيَنَ اَخَاهُمْ شُعَيْبًا ۭ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا ۸۳ ع
اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ۭ وَلَا تَنْقُصُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيْزَانَ اِنِّىْٓ اَرٰىكُمْ بِخَيْرٍ وَّاِنِّىْٓ اَخَافُ
عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ مُّحِيْطٍ ۝ وَيٰقَوْمِ اَوْفُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ وَلَا تَبْخَسُوا ۸۴
النَّاسَ اَشْيَآءَهُمْ وَلَا تَعْثَوْا فِى الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ۝ بَقِيَّتُ اللّٰهِ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۚ

پھر جب ہماری ٹھہرائی ہوئی بات کا وقت آپہنچا تو (اے پیغمبر!) ہم نے اس (بستی) کی تمام بلندیاں پستی میں بدل دیں (یعنی تمام بلند عمارتیں گرا کر زمین کے برابر کر دیں) اور اس پر آگ میں پکے ہوئے پتھر لگاتار برسائے کہ تیرے پروردگار کے حضور (اس غرض سے) نشانی کئے ہوئے تھے[1]۔ (یہ بستی) ان ظالموں سے (یعنی اشرار مکہ سے) کچھ دُور نہیں ہے (یہ اپنی سیر و سیاحت میں وہاں سے گزرتے رہتے ہیں اور اگر چاہیں تو اس سے عبرت پکڑ سکتے ہیں)

اور ہم نے (قبیلۂ) مدین کی طرف اس کے بھائی شعیب کو بھیجا۔
اس نے کہا "اے میری قوم کے لوگو! اللہ کی بندگی کرو اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں اور ماپ اور تول میں کمی نہ کیا کرو۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ تم خوشحال ہو (یعنی خدا نے تمہیں بہت کچھ دے رکھا ہے بس کفرانِ نعمت سے بچو) میں ڈرتا ہوں کہ تم پر عذاب کا ایسا دن نہ آجائے جو سب پر چھا جائے گا۔"
اور اے میری قوم کے لوگو! ماپ تول انصاف کے ساتھ پوری پوری کیا کرو۔ لوگوں کو ان کی چیزیں ان کے حق سے کم نہ دو۔ ملک میں شر و فساد پھیلاتے نہ پھرو۔ اگر تم میرا کہا مانو تو جو کچھ اللہ کا دیا (کاروبار میں) بچ رہے اسی میں تمہارے لئے بہتری ہے اور (یہ میرا کام تو صرف نصیحت کر دینا ہے) میں کچھ تم پر

(۱۸) قبیلۂ مدین میں حضرت شعیب (علیہ السلام) کی دعوت کا ظہور ہوا۔
تورات میں ہے کہ قطورا کے بطن سے حضرت ابراہیم کے چھ لڑکے ہوئے جن میں سے ایک کا نام مدیان تھا (پیدائش ۲۵: ۱) یہی مدیان عربی میں مدین ہو گیا۔ اسکی اولاد بحر قلزم کے کنارے آباد ہو گئی تھی۔ جن میں حضرت شعیب کا ظہور ہوا۔ نبی اسرائیل انہیں نبی قطورہ کہتے تھے۔
(ا) حضرت شعیب نے کہا۔ اللہ کی بندگی کرو۔ اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں۔
اب قول میں خیانت نہ کرو۔ نہ تو حق سے زیادہ لو۔ نہ حق سے کم دو۔
ملک میں شر و فساد پھیلاتے نہ پھرو۔ یعنی لوٹ مار نہ کرو۔
میں دیکھتا ہوں کہ تم خوشحال ہو۔ لیکن میں ڈرتا ہوں کہ عذاب میں گرفتار نہ ہو جاؤ۔
(ب) لوگوں نے کہا۔ تم اپنے خدا کی جتنی عبادت کرنی چاہو شوق سے کرو۔ لیکن کیا تمہاری نمازیں یہ بھی کہتی ہیں کہ دوسروں کو ان کی راہ سے ہٹاؤ! اور اس راہ سے ہٹاؤ جس پر ان کے باپ دادا چلتے آئے ہیں؟ ہم اپنے مال کے مالک مختار ہیں جس طرح چاہیں خریدیں تم اپنے ماپ تول کی باتیں رہنے دو۔
معلوم ہوتا ہے ساری دنیا میں صرف تم ہی ایک نیک

[1] دیکھو احقاف آیت (۲۰) کا نوٹ ۔

۷۷ رُسُلُنَا لُوطًا سِيٓءَ بِهِمْ وَضَاقَ بِهِمْ ذَرْعًا وَقَالَ هَٰذَا يَوْمٌ عَصِيبٌ ۝ وَجَآءَهُ قَوْمُهُۥ يُهْرَعُونَ
إِلَيْهِ وَمِن قَبْلُ كَانُوا۟ يَعْمَلُونَ ٱلسَّيِّـَٔاتِ ۚ قَالَ يَٰقَوْمِ هَٰٓؤُلَآءِ بَنَاتِى هُنَّ أَطْهَرُ لَكُمْ ۖ فَٱتَّقُوا۟ ٱللَّهَ
۷۸ وَلَا تُخْزُونِ فِى ضَيْفِى ۖ أَلَيْسَ مِنكُمْ رَجُلٌ رَّشِيدٌ ۝ قَالُوا۟ لَقَدْ عَلِمْتَ مَا لَنَا فِى بَنَاتِكَ مِنْ حَقٍّ
۷۹-۸۰ وَإِنَّكَ لَتَعْلَمُ مَا نُرِيدُ ۝ قَالَ لَوْ أَنَّ لِى بِكُمْ قُوَّةً أَوْ ءَاوِىٓ إِلَىٰ رُكْنٍ شَدِيدٍ ۝ قَالُوا۟ يَٰلُوطُ إِنَّا
رُسُلُ رَبِّكَ لَن يَصِلُوٓا۟ إِلَيْكَ فَأَسْرِ بِأَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِّنَ ٱلَّيْلِ وَلَا يَلْتَفِتْ مِنكُمْ أَحَدٌ إِلَّا
۸۱ ٱمْرَأَتَكَ ۖ إِنَّهُۥ مُصِيبُهَا مَآ أَصَابَهُمْ ۚ إِنَّ مَوْعِدَهُمُ ٱلصُّبْحُ ۚ أَلَيْسَ ٱلصُّبْحُ بِقَرِيبٍ ۝

۷۷ سدوم میں چند آدمی ہی نیک کردار باقی رہ گئے ہوں، لیکن اللہ نے فرمایا۔ وہاں دس آدمی بھی ایسے نہ رہے جو نیک کردار ہوں ہو سکتا ہے کہ آیت (۴۰) میں یہاد دلانے سے مقصود یہی بات ہو۔ یا اسی طرح کی کوئی بات۔ بہرحال اللہ نے ان کی اس سخی کی مدح کی کہ یہ ان کے حلم اور رحم و شفقت کا نتیجہ تھی پھر واضح کر دیا کہ بات ٹلنے والی نہیں تھی، وقت آپہنچا تھا

(۷) حضرت لوط کو مہمانوں کے آنے سے اس لئے پریشانی ہوئی کہ وہ جانتے تھے، شر کے باشندے ضرور حملہ آور ہونگے کیونکہ ان کا قاعدہ تھا، جب کبھی کوئی اجنبی مسافر آٹھہتا تو اس پر حملہ کرتے اور سمجھ جاتے خبیثانہ افعال کے لئے ایک شکار ہاتھ آگیا چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

(۸) اوپر میں حضرت لوط کے وعظ و نصیحت اور قوم کی سرکشی کا حال گزر چکا ہے (آیت ۸۰) یہاں اس میں تفصیل کی کہ عذاب کا ظہور کن حالات میں ہوا۔ بہرحال نتیجہ یہی نکلا کہ قوم ہلاک ہوئی، اور حضرت لوط اور ان کے ساتھیوں پر کوئی آنچ نہ آئی۔

ہے!"

اور اس کی قوم کے لوگ (اجنبیوں کے آنے کی خبر سن کر) دوڑتے ہوئے آئے۔ وہ پہلے سے بُرے کاموں کے عادی ہو رہے تھے، لوط نے ان سے کہا لوگو! یہ میری بیٹیاں ہیں (یعنی بستی کی عورتیں نہیں وہ اپنی بیٹیوں کی جگہ سمجھتا تھا۔ اور جنہیں لوگوں نے چھوڑ رکھا تھا) یہ تمہارے لئے جائز اور پاک ہیں۔ پس (ان کی طرف ملتفت ہو، دوسری بات کا قصد نہ کرو اور) اللہ سے ڈرو۔ میرے مہمانوں کے معاملہ میں مجھے رسوا نہ کرو۔ کیا تم میں کوئی بھی بھلا آدمی نہیں؟"

۷۹ ان لوگوں نے کہا "تجھے معلوم ہو چکا ہے کہ تیری ان بیٹیوں سے ہمیں کوئی سروکار نہیں۔ اور تو اچھی طرح جانتا ہے ہم کیا کرنا چاہتے ہیں"

۸۰ لوط نے کہا "کاش تمہارے مقابلہ کی مجھے طاقت ہوتی، یا کوئی سہارا ہوتا جس کا آسرا پکڑ سکتا"

(تب) مہمانوں نے کہا "اے لوط! ہم تیرے پروردگار کے بھیجے ہوئے آئے ہیں۔ (گھبرانے کی کوئی بات نہیں) یہ لوگ کبھی تجھ پر قابو نہ پا سکینگے۔ تو یوں کر کہ جب رات کا ایک حصہ گزر جائے تو اپنے گھر کے آدمیوں کو ساتھ لے کر نکل چل اور تم میں سے کوئی اِدھر اُدھر نہ دیکھے (یعنی اور کسی بات کی فکر نہ کرے) مگر ہاں تیری بیوی (ساتھ دینے والی نہیں وہ پیچھے رہ جائے گی اور) جو کچھ ان لوگوں پر گزرنا ہے

۸۱ وہ اس پر بھی گزرے گا۔ ان لوگوں کے لئے عذاب کا مقررہ وقت صبح کا ہے، اور صبح کے آنے میں کچھ دیر نہیں

وَيٰقَوْمِ لُوْطٍ مِّنْكُمْ بِبَعِيْدٍ ۝ وَاسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ ۭ اِنَّ رَبِّيْ رَحِيْمٌ وَّدُوْدٌ ۝ ۹۰
قَالُوْا يٰشُعَيْبُ مَا نَفْقَهُ كَثِيْرًا مِّمَّا تَقُوْلُ وَاِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْنَا ضَعِيْفًا ۚ وَلَوْلَا رَهْطُكَ لَرَجَمْنٰكَ ۡ ۹۱
وَمَآ اَنْتَ عَلَيْنَا بِعَزِيْزٍ ۝ قَالَ يٰقَوْمِ اَرَهْطِيْٓ اَعَزُّ عَلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ ۭ وَاتَّخَذْتُمُوْهُ وَرَاۗءَكُمْ ۹۲
ظِهْرِيًّا ۭ اِنَّ رَبِّيْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ۝ وَيٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰي مَكَانَتِكُمْ اِنِّىْ عَامِلٌ ۭ سَوْفَ
تَعْلَمُوْنَ ۙ مَنْ يَّاْتِيْهِ عَذَابٌ يُّخْزِيْهِ وَمَنْ هُوَ كَاذِبٌ ۭ وَارْتَقِبُوْٓا اِنِّىْ مَعَكُمْ

اسی لیے حضرت شعیب نے کہا۔ انی اراکم بخیر (۸۴) میں تمہیں خوش حال پاتا ہوں۔

لیکن جب لوگوں کے اخلاق فاسد ہو گئے تو کاروبار میں خیانت کرنے لگے اور ماپ تول نے انصاف سے ناآشنا ہو گئے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت شعیب نے خصوصیت کے ساتھ اس معصیت سے روکا۔

(۷) جو مکالمہ گزر چکا ہے اس پر بھی طرح غور کرو۔ لوگوں نے کہا تم نماز پڑھتے ہو؟ کیا تمہاری نماز پڑھنے کا نتیجہ یہ ہے کہ ہم لوگوں کو بھی اسی راہ چلنے کی رغبت دو؟ یعنی کیوں نکلے کہ ہم لوگوں کو بھی اسی راہ چلنے کی رغبت دو؟ یعنی باہم نزاع عموماً اصل میں سے یہ ہے کہ دوسروں کو کیوں دعوت دیتے ہو؟ حضرت شعیب نے کہا بھی تو میرا اصلی کام ہے اسے کیسے چھوڑ دوں؟ پھانی کی رسی سے سامنے آ گئی ہے اور جب آ گئی ہے تو اس کے اعلان سے باز نہیں رہ سکتا البتہ عاشانہ مانتا تمہارا اختیار ہے۔ مجھے حق نہیں کہ کسی پر جبر کروں اس سے معلوم ہوا۔ اتباع حق کے لیے صرف اتنا ہی کافی نہیں کہ آدمی خود متبع ہو جائے، بلکہ ضروری ہے کہ دوسروں کو بھی اسکی دعوت دے۔

(۹) اتباع حق کی راہ میں نفاق خصومت اور شخصی سے بڑھ کر کوئی روک نہیں۔ اس سے یہ بات ٹپکتی ہے کہ قبیلہ کے سرداروں کو حضرت شعیب سے ذاتی خصومت ہو گی یہی وجہ ہے کہ انہوں نے ایسا نہ کرو کہ میری ضد میں آ کر میرا کام حق کے مخالف ہو جاؤ، اور خدا کے مواخذہ میں گرفتار ہو۔

(۱۰) انسان انسانوں کا پاس کرتا ہے لیکن سچائی کا پاس نہیں کرتا۔ وہ انسانوں کے خیال سے ایک بات چھوڑ دیتا ہے لیکن خدا کے خیال سے نہیں چھوڑے گا چنانچہ مکذبوں نے کہا ہے تجھے سنگسار کر دیتے لیکن تیرے قبیلہ کے خیال سے ایسا

۸۹ قوم لوط (کا معاملہ) تم سے کچھ دور نہیں[1]،
"اور دیکھو اللہ سے (اپنے گناہوں کی) معافی مانگو۔ اور اس کی طرف لوٹ جاؤ۔ میرا پروردگار بڑا ہی رحمت والا، بڑا ہی محبت والا ہے"۔
۹۰ لوگوں نے کہا "اے شعیب! تم جو کچھ کہتے ہو اس میں سے اکثر باتیں تو ہماری سمجھ ہی میں نہیں آتیں اور ہم دیکھ رہے ہیں کہ تم ہم لوگوں میں ایک کمزور آدمی ہو۔ اگر (تمہارے ساتھ) تمہاری برادری کے آدمی نہ ہوتے تو ہم ضرور تمہیں سنگسار کر دیتے تمہاری ہمارے مقابلہ میں کوئی ہستی نہیں"۔
۹۱ شعیب نے کہا "اے میری قوم کے لوگو! کیا اللہ سے بڑھ کر تم پر میری برادری کا دباؤ ہوا؟ اور اللہ تمہارے لیے کچھ نہ ہوا کہ اسے پیٹھ پیچھے ڈال دیا؟ (اچھا) جو کچھ تم کرتے ہو میرے پروردگار کے احاطہ (علم) سے باہر نہیں"۔
۹۲ "اے میری قوم کے لوگو! تم اپنی جگہ کام کیے جاؤ، میں بھی (اپنی جگہ) سرگرم عمل ہوں۔ بہت جلد معلوم کر لوگے کہ کس پر عذاب آتا ہے جو اسے رسوا کر دیگا اور کون فی الحقیقت جھوٹا ہے انتظار کرو میں بھی تمہارے

[1] یعنی ان کا معاملہ کچھ بہت پرانے زمانے کی بات نہیں۔ قریبی زمانہ کی بات ہے۔

۸۶ وَمَآ اَنَا عَلَيْكُمْ بِحَفِيْظٍ ۝ قَالُوْا يٰشُعَيْبُ اَصَلٰوتُكَ تَاْمُرُكَ اَنْ نَّتْرُكَ مَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَآ اَوْ اَنْ
۸۷ نَّفْعَلَ فِيْٓ اَمْوَالِنَا مَا نَشٰٓؤُا ۭ اِنَّكَ لَاَنْتَ الْحَلِيْمُ الرَّشِيْدُ ۝ قَالَ يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ
عَلٰي بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ وَرَزَقَنِيْ مِنْهُ رِزْقًا حَسَنًا ۭ وَمَآ اُرِيْدُ اَنْ اُخَالِفَكُمْ اِلٰي مَآ اَنْهٰىكُمْ عَنْهُ ۭ
۸۸ اِنْ اُرِيْدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ ۭ وَمَا تَوْفِيْقِيْٓ اِلَّا بِاللّٰهِ ۭ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ اُنِيْبُ ۝ وَ
يٰقَوْمِ لَا يَجْرِمَنَّكُمْ شِقَاقِيْٓ اَنْ يُّصِيْبَكُمْ مِّثْلُ مَآ اَصَابَ قَوْمَ نُوْحٍ اَوْ قَوْمَ هُوْدٍ اَوْ قَوْمَ صٰلِحٍ ۭ

اور خوش حال آدمی رہ گئے ہو!

(۳) حضرت شعیب نے کہا: اگر اللہ نے مجھ پر علم و بصیرت کی راہ کھول دی ہو اور میں دیکھ رہا ہوں کہ تم ہلاکت کی طرف جا رہے ہو تو بتلاؤ کیا میرا فرض نہیں ہے کہ تمہیں سلامتی کی راہ دکھاؤں؟ اس نے اپنے فضل و کرم سے مجھے رزق حسن (دولت ایمان) کی فراوانی عطا فرمائی ہے پھر کیا یہ کفران نعمت نہ ہوگا کہ (تمہاری خاطر) میں کوتاہی کروں اور پھر تم میری ضد میں آ کر کیوں حق سے منہ موڑو؟ میں ایسا تو نہیں کرتا کہ تمہیں ایک بات سے روکوں اور پھر خود وہی کام کرنے لگوں میں وہی بات کہتا ہوں جس پر خود عامل ہوں۔

اور تم میری تبلیغ سے بگڑتے کیوں ہو؟ میں کچھ تم پر مسلط نہیں کر دیا گیا ہوں کہ زبردستی تمہیں راہ حق پر لے آؤں۔ میں تو صرف اصلاح چاہتا ہوں۔ جہاں تک میرے بس میں ہے (اور بہتر کاموں کو بننا ہے تو اللہ ہی کی مدد سے بنتا ہے) میں نے بھروسہ کیا تو صرف اسی پر ہے!

۸۶ پر تمہیں ان نہیں (کہ جبراً اپنی راہ پر چلا دوں)

لوگوں نے کہا: اے شعیب! کیا تیری یہ نماز (جو تو اپنے خدا کے لئے پڑھتا ہے) تجھے یہ حکم دیتی ہے کہ ہمیں آ کر کہے: ان معبودوں کو چھوڑ دو جنہیں تمہارے باپ دادا پوجتے رہے ہیں یا یہ کہ تمہیں اختیار نہیں کہ اپنے مال میں جس طرح کا تصرف کرنا چاہو کرو؟ بس تم ہی ایک نرم دل اور راست باز آدمی رہ گئے ہو!"

۸۷ شعیب نے کہا: اے میری قوم کے لوگو! کیا تم نے اس بات پر غور نہیں کیا کہ اگر میں اپنے پروردگار کی طرف سے ایک بین روشن رکھتا ہوں اور اس کے فضل و کرم کا بہرہ حاصل ہو (اچھی سے اچھی روزی عطا فرمائی ہو) تو پھر جی میں جیسے ہوں اور تمہیں راہ حق کی طرف نہ بلاؤں؟) اور میں یہ نہیں چاہتا کہ جس بات سے تمہیں روکتا ہوں اس سے نہیں تو روکوں اور خود اس کے خلاف چلوں۔ (میں تمہیں جو کچھ کہتا ہوں اسی پر عمل بھی کرتا ہوں) میں اس کے سوا کچھ نہیں چاہتا کہ جہاں تک میرے بس میں ہے اصلاح حال کی کوشش کروں۔ میرا کام بنتا ہے تو اللہ ہی کی مدد سے بنتا ہے میں نے اسی پر بھروسہ کیا اور اسی کی طرف رجوع ہوں!"

۸۸ اور اے میری قوم کے لوگو! میری ضد میں آ کر کہیں ایسی بات نہ کر بیٹھنا کہ تمہیں بھی ویسا ہی معاملہ پیش آ جائے جیسا قوم نوح کو یا قوم ہود کو یا قوم صالح کو پیش آ چکا ہے اور

(۵) بحوالہ قلزم کی جو شاخ عرب اور جزیرہ نمائے سینا کے درمیان گزری ہے۔ اسی کے کنارے مدین کا قصبہ آباد تھا چونکہ یہ جگہ شام، افریقہ اور عرب کے تجارتی قافلوں کا نقطۂ اتصال تھی، اس لئے اشیاء تجارت کے مبادلہ کی بڑی منڈی بن گئی تھی اور لوگ خوش حال ہو گئے تھے

الْقُرٰى نَقُصُّهٗ عَلَيْكَ مِنْهَا قَآئِمٌ وَّحَصِيْدٌ ۝ وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰكِنْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَمَآ اَغْنَتْ ۱۰۰
عَنْهُمْ اٰلِهَتُهُمُ الَّتِيْ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ لَّمَّا جَآءَ اَمْرُ رَبِّكَ ۭ وَمَا زَادُوْهُمْ غَيْرَ ۱۰۱-۱۰۲
تَتْبِيْبٍ ۝ وَكَذٰلِكَ اَخْذُ رَبِّكَ اِذَآ اَخَذَ الْقُرٰى وَهِيَ ظَالِمَةٌ ۭ اِنَّ اَخْذَهٗٓ اَلِيْمٌ شَدِيْدٌ ۝
اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّمَنْ خَافَ عَذَابَ الْاٰخِرَةِ ۭ ذٰلِكَ يَوْمٌ مَّجْمُوْعٌ ۙ لَّهُ النَّاسُ وَذٰلِكَ يَوْمٌ ۱۰۳-۱۰۴
مَّشْهُوْدٌ ۝ وَمَا نُؤَخِّرُهٗٓ اِلَّا لِاَجَلٍ مَّعْدُوْدٍ ۝ يَوْمَ يَاْتِ لَا تَكَلَّمُ نَفْسٌ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ۚ فَمِنْهُمْ ۱۰۵
شَقِيٌّ وَّسَعِيْدٌ ۝

علم و بصیرت کی۔ ایک انذار ہے ان کی اور عبرت ہے ان کی اور ضروری ہے کہ دونوں کے چلنے والے اپنی حالت اور اپنے نتیجہ میں ایک ہی طرح کے نہ ہوں۔ پھر اس خفیف پر دلیل پیش کی تھی۔ یہ گذشتہ ایام و وقائع کا بیان تھا جو حضرت نوح کے تذکرہ سے شروع ہوا، اور حضرت موسیٰ کے تذکرہ پر ختم ہو گیا۔ اب آیت (۱۰۰) سے لے کر آخر سورت تک ان نتیجوں اور عبرتوں کی طرف توجہ دلائی ہے جو اس سلسلہ استدلال سے واضح ہوتی ہیں۔

(ا) ان قوموں کو جو کچھ پیش آیا تو اس لئے نہیں پیش آیا کہ اللہ نے ان پر زیادتی کی ہو۔ اس کا قانون جزا تو سراسر عدل و رحمت ہے۔ بلکہ اس لئے ہوا کہ انہوں نے خود اپنے اوپر ظلم کرنا چاہا، اور نجات کی راہ سے منہ موڑ کر ہلاکت کی طرف چلنے لگے۔

(ب) اس باب میں اللہ کا قانون ایسا ہی ہے اس کی رحمت نے ہدایتوں پر ضلالتیں دی ہیں، اور روشنی کو تاریکی سے بالکل الگ کر دیا ہے، لیکن اگر ایک قوم روشنی سے یکسر منہ موڑ لے پھر تاریخ و واقعات کا ظہور کبھی نہیں رک سکتا۔ ان کے ظہور کی دردناکی و شدت کبھی دور نہیں ہو سکتی۔

(ج) ہر اس انسان کے لئے جو آخرت کے خیال سے بے خوف نہ ہو اس بات میں حقیقت کی بڑی ہی نشانی ہے۔ کیونکہ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ جزا عمل کا قانون یہاں نافذ ہے، اور خدا کے رسولوں کا پیام جھوٹا نہیں۔

(د) اللہ کے یہاں ہر بات کے لئے ایک حساب ہے، اور ہر معاملہ کے لئے ایک مقررہ میعاد۔ جب تک وہ وقت نہ آئے اس بات کا ظہور نہیں ہو سکتا۔ آخرت کا دن بھی اسی لئے پیچھے ڈال دیا گیا کہ اپنے مقررہ وقت پر ظاہر ہو۔

(ہ) اس دن جو شقی لکھیں گے، ان کے لئے شقاوت ہوگی

نے ہی اپنے اوپر ظلم کیا۔ تو دیکھ جب تیرے پروردگار کی (ٹھہرائی ہوئی بات) آپہنچی تو ان کے وہ معبود کچھ بھی کام نہ آئے جنہیں اللہ کے سوا پکارا کرتے تھے، انہوں نے کچھ فائدہ نہ پہنچایا بجز اس کے کہ ہلاکی کا باعث ہوئے! ۱۰۱

اور تیرے پروردگار کی پکڑ ایسی ہی ہوتی ہے جب وہ انسانی آبادیوں کو ظلم کرتے ہوئے پکڑتا ہے یقیناً اس کی پکڑ بڑی ہی دردناک، بڑی ہی سخت ہے! ۱۰۲

(اور) اس بات میں اس کے لئے بڑی ہی عبرت ہے جو آخرت کے عذاب کا خوف رکھتا ہو!

یہ (آخرت کا دن) وہ دن ہے جب تمام انسان اکٹھے کئے جائینگے، اور یہ وہ دن ہے جس کا نظارہ کیا جائے گا!۔ ۱۰۳

اور ہم نے اس دن کو پیچھے نہیں ڈالا ہے، مگر صرف اس لئے کہ ایک مقررہ وقت پر اس کا ظہور ہو۔ ۱۰۴

جب وہ دن آپہنچے گا تو کسی جان کی مجال نہ ہوگی کہ بغیر اللہ کی اجازت کے زبان کھولے۔ پھر اس دن انسانوں کی دو قسمیں ہونگی) کچھ ایسے ہونگے جن کے لئے محرومی ہے، اور کچھ ایسے جن کے لئے سعادت۔ ۱۰۵

رَقِيبٌ ۝ وَلَمَّا جَاءَ أَمْرُنَا نَجَّيْنَا شُعَيْبًا وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَأَخَذَتِ الَّذِينَ ۹۳
ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ فَأَصْبَحُوا فِي دِيَارِهِمْ جَاثِمِينَ ۝ كَأَن لَّمْ يَغْنَوْا فِيهَا أَلَا بُعْدًا لِّمَدْيَنَ كَمَا ۹۴
بَعِدَتْ ثَمُودُ ۝ وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا مُوسَىٰ بِآيَاتِنَا وَسُلْطَانٍ مُّبِينٍ ۝ إِلَىٰ فِرْعَوْنَ وَمَلَئِهِ فَاتَّبَعُوا ۹۶-۹۵
أَمْرَ فِرْعَوْنَ ۖ وَمَا أَمْرُ فِرْعَوْنَ بِرَشِيدٍ ۝ يَقْدُمُ قَوْمَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَأَوْرَدَهُمُ النَّارَ ۖ وَبِئْسَ ۹۷
الْوِرْدُ الْمَوْرُودُ ۝ وَأُتْبِعُوا فِي هَٰذِهِ لَعْنَةً وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ ۚ بِئْسَ الرِّفْدُ الْمَرْفُودُ ۝ ذَٰلِكَ مِنْ أَنبَاءِ ۹۹-۱۰۰

نہیں کرتے، حضرت شعیب نے کہا، افسوس تم پر تمہیں میرے کنبہ کا قوی پاس ہوا لیکن خدا کا نہ ہوا۔ خدا کی بات تو تمہارے خیال میں کوئی بات ہی نہیں ہے۔

(ح) حضرت شعیب نے کہا اچھا تم اپنی راہ چلو میں اپنی راہ چل رہا ہوں۔ اور نتیجہ کا انتظار کرو۔ چنانچہ نتیجہ ظاہر ہو گیا۔ اہل ایمان محفوظ رہے سرکش ہلاک ہو گئے!

۹۳ ساتھ انتظار کرتا ہوں"۔

اور پھر جب ہماری (ٹھہرائی ہوئی) بات کا وقت آ پہنچا، تو ایسا ہوا کہ ہم نے شعیب کو اور ان کو جو اس کے ساتھ ایمان لائے تھے اپنی رحمت سے بچا لیا، اور جو لوگ ظالم تھے انہیں ایک سخت آواز نے آ

۹۴ پکڑا۔ پس جب صبح ہوئی تو اپنے اپنے گھروں میں اوندھے پڑے تھے!

۹۵ (وہ اس طرح اچانک ہلاک ہو گئے) گویا ان گھروں میں کبھی بسے ہی نہیں تھے!

تو سن رکھو کہ قبیلۂ مدین کے لئے بھی محرومی ہوئی، جس طرح قوم ثمود کے لئے محرومی ہوئی تھی!

۹۶ اور (یہ بھی ہو چکا ہے کہ) ہم نے موسیٰ کو اپنی نشانیوں اور واضح سند کے ساتھ بھیجا تھا۔ فرعون اور

(۱۹) حضرت موسیٰ کی دعوت اور اس کے نتائج کی طرف اشارہ اور ہندوؤں کی موعظت کا اختتام۔

اس کے سرداروں کی طرف مگر وہ فرعون کی بات پر چلے اور فرعون کی بات راست بازی کی بات نہ تھی۔

۹۷ قیامت کے دن وہ اپنی قوم کے آگے آگے ہوگا (جس طرح دنیا میں گمراہی کے لئے ہوا) اور انہیں

۹۸ دوزخ میں پہنچائے گا۔ تو دیکھو، کیا ہی پہنچنے کی بری جگہ ہے جہاں وہ پہنچ کر رہے!

اور اس دنیا میں بھی لعنت ان کے پیچھے لگی (کہ ان کا ذکر کبھی پسندیدگی کے ساتھ نہیں کیا جاتا) اور

۹۹ قیامت میں بھی (کہ عذاب آخرت کے مستحق ہوئے) تو دیکھو کیا ہی برا صلہ ہے جو ان کے حصے میں آیا!

(اے پیغمبر!) یہ (پچھلی) آبادیوں کی خبروں میں سے چند کا بیان ہے جو ہم تجھے سنا رہے ہیں، ان میں

(۲۰) سورت کی ابتدا میں قوم کو اتباع حق کی دعوت دی تھی اور سرکشی و فساد کے نتیجہ سے خبردار کیا تھا۔ نیز واضح کیا تھا کہ اس باب میں بنیادی امور کیا کیا ہیں۔ پھر آیت (۲۴) میں ان سب کا خلاصہ بیان کیا تھا کہ یہاں راہیں دو ہیں۔ ایک

۱۰۰ سے کچھ تو اس وقت تک قائم ہیں۔ کچھ بالکل اجڑ گئیں۔

اور ہم نے ان پر ظلم نہیں کیا۔ بلکہ خود انہوں

لَيُوَفِّيَنَّهُمْ رَبُّكَ أَعْمَالَهُمْ ۚ إِنَّهُ بِمَا يَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ۝ ١١١ فَاسْتَقِمْ كَمَا أُمِرْتَ وَمَنْ تَابَ مَعَكَ
وَلَا تَطْغَوْا ۚ إِنَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ۝ ١١٢ وَلَا تَرْكَنُوا إِلَى الَّذِينَ ظَلَمُوا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُمْ
مِنْ دُونِ اللَّهِ مِنْ أَوْلِيَاءَ ثُمَّ لَا تُنْصَرُونَ ۝ ١١٣ وَأَقِمِ الصَّلَاةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِنَ اللَّيْلِ ۚ
إِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ ۚ ذَٰلِكَ ذِكْرَىٰ لِلذَّاكِرِينَ ۝ ١١٤ وَاصْبِرْ فَإِنَّ اللَّهَ لَا
يُضِيعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ ۝ ١١٥

(۲۱) یہ آیت ۱۱۲ میں پیغمبر اسلام کو اور ان کے ان ساتھیوں کو جو ابتدائے حمد کی بے سروسامانیوں اور مظلومیوں میں ایمان لائے تھے مخاطب کیا ہے اور جن پر اس امر کی تلقین کی ہے۔ ان کے لئے اس سورت کی موعظت کا خلاصہ یہ ہے۔

(ا) جو راہ بتلا دی گئی ہے اس پر مضبوطی کے ساتھ قائم رہو اور اپنا کام کئے جاؤ۔

(ب) اپنی حد سے تجاوز نہ کرو یعنی استقامت کا رکا نتیجہ یہ نہیں ہونا چاہئے کہ مخالفوں پر کسی طرح کی زیادتی کرنے کا خیال کرنے لگو۔ یا لڑنے جھگڑنے لگو۔ ایسے دائرہ کے اندر رہو مگر اپنے طریقہ پر قائم رہو۔

(ج) لیکن یہ بھی نہیں ہونا چاہئے کہ مخالفوں کی طرف جھک پڑو۔ اور یہ سمجھ نہ بیٹھو کہ ان کی گمراہی کی پھیٹ ہم پر بھی پڑ جائے گی۔ اپنی حد سے تجاوز کرنا چاہئے نہ ان کی طرف جھکنا چاہئے

(د) نماز کو اس کی ساری حقیقتوں کے ساتھ اس کے تمام وقتوں میں ادا کرو۔ تمہاری طاقت کا اصلی خمیر یہی ہے۔ بڑی نیکی عملی ہے اور نیک عمل برائیوں کو دور کر دیتی ہے۔

(ہ) صبر کرو۔ اللہ کا قانون یہ ہے کہ وہ نیک کرداروں کا اجر ضائع نہیں کرتا یعنی ضروری ہے کہ آخر کار کامیابی انہی کے حصہ میں آئے۔

(و) یہ پچھلی قومیں جو یک سر ہلاک ہوئیں تو اس لئے ہوئیں کہ ان میں اہل خیر و صلاح معدوم ہو گئے تھے۔ کوئی نہیں، یا تھا جو سرو قد اٹھ کے اگر ان میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنے والے موجود ہوتے تو بھی اس حد سے وہ چارہ نہ ہوتے کیونکہ ایسا نہیں ہو سکتا کہ ایک بستی پر عذاب آئے اور اس کے باشندے معطل ہوں۔

اس بات میں اس طرف اشارہ ہے کہ اگر تم اپنی راہ میں مستقیم رہے اور ایک گروہ داعیان حق کا پیدا ہو گیا، تو یہ

وقت آئے گا تو تیرا پروردگار ان کے عمل انہیں پورے پورے دیدیگا (یعنی جیسے ان کے عمل ہونگے ویسے ہی ان کے نتائج بھی پورے پورے مل جائیں گے) جو کچھ لوگ کر رہے ہیں وہ اس کی پوری خبر رکھنے والا ہے!

۱۱۱ پس چاہئے کہ جس طرح تمہیں حکم دیا گیا ہے تم اور وہ سب جو توبہ کر کے تمہارے ساتھ ہوئے ہیں (اپنی راہ میں) استوار رہو جادہ اور حد سے نہ بڑھو۔

۱۱۲ یقین کرو تم جو کچھ کرتے ہو اللہ اسے دیکھ رہا ہے!

اور ایسا بھی نہ کرنا کہ ظالموں کی طرف جھک پڑو اور (ترغیب بننے کی وجہ سے) آگ تمہیں بھی چھو جائے اللہ کے سوا تمہارا کوئی رفیق نہیں پھر (اگر اس سے بچھڑے تو) تمہیں مدد نہ پاؤ گے۔

۱۱۳ نماز قائم کرو۔ اس وقت سے جب سے سورج ڈھلنے لگے شروع ہو کر رات کے اندھیرے تک اور (اس وقت جب رات کا ابتدائی حصہ گزر رہا ہو) یاد رکھو نیکیاں برائیوں کو دور کر دیتی ہیں یہ نصیحت ہے ان لوگوں کے لئے جو نصیحت پذیر ہیں!

۱۱۴ اور صبر کرو (یعنی راہ حق کی تمام مشکلیں جھیلتے رہو) کیونکہ اللہ نیک عملوں کا اجر ضائع نہیں کرتا!

فَأَمَّا الَّذِينَ شَقُوا فَفِي النَّارِ لَهُمْ فِيهَا زَفِيرٌ وَشَهِيقٌ ۝ خَالِدِينَ فِيهَا مَا دَامَتِ السَّمَاوَاتُ
وَالْأَرْضُ إِلَّا مَا شَاءَ رَبُّكَ إِنَّ رَبَّكَ فَعَّالٌ لِمَا يُرِيدُ ۝ وَأَمَّا الَّذِينَ سُعِدُوا فَفِي الْجَنَّةِ
خَالِدِينَ فِيهَا مَا دَامَتِ السَّمَاوَاتُ وَالْأَرْضُ إِلَّا مَا شَاءَ رَبُّكَ عَطَاءً غَيْرَ مَجْذُوذٍ ۝ فَلَا
تَكُ فِي مِرْيَةٍ مِمَّا يَعْبُدُ هَؤُلَاءِ مَا يَعْبُدُونَ إِلَّا كَمَا يَعْبُدُ آبَاؤُهُمْ مِنْ قَبْلُ وَإِنَّا لَمُوَفُّوهُمْ
نَصِيبَهُمْ غَيْرَ مَنْقُوصٍ ۝ وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ فَاخْتُلِفَ فِيهِ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ
مِنْ رَبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ وَإِنَّهُمْ لَفِي شَكٍّ مِنْهُ مُرِيبٍ ۝ وَإِنَّ كُلًّا لَمَّا

جو عقلمند نکلیں گے ان کے لیے سعادت۔

تو جو لوگ محروم ہوئے وہ دوزخ میں ہونگے ان کے لئے وہاں چیخنا چلانا ہوگا۔ وہ اسی میں رہیں گے جب تک آسمان و زمین قائم ہیں (اور اس کے خلاف کچھ نہ ہوگا) مگر ہاں اس صورت میں کہ تیرا پروردگار چاہے (اور) بلاشبہ تیرا پروردگار اپنے کاموں میں مختار ہے جو چاہتا ہے کرتا ہے!

اور جن لوگوں نے سعادت پائی، تو وہ بہشت میں ہونگے اور اسی میں رہینگے جب تک آسمان و زمین قائم ہیں (اس کے خلاف کچھ ہونے والا نہیں) مگر ہاں اس صورت میں کہ تیرا پروردگار چاہے یہ (سعیدوں کے لئے) بخشش ہے ہمیشہ جاری رہنے والی!

پس (اے پیغمبر!) یہ لوگ جو خدا کے سوا دوسری ہستیوں کی پرستش کرتے ہیں تو اس بارے میں تجھے کوئی شبہ نہ ہو (یعنی اس بارے میں کہ ان کا کیا حشر ہونے والا ہے؟) — اسی طرح پرستش کر رہے ہیں جس طرح ان سے پہلے ان کے باپ دادا کرتے رہے ہیں۔ ایسا ضرور ہونے والا ہے کہ ہم ان کے اعمال کے نتائج کا حصہ انہیں پورا پورا دیدیں۔ بغیر کمی کے۔

اور ہم نے موسیٰ کو کتاب دی تھی۔ پھر اس میں اختلاف کیا گیا، اور اگر تیرے پروردگار نے پہلے سے ایک بات نہ ٹھہرا دی ہوتی (یعنی یہ کہ دنیا میں ہر انسان کو اس کی مرضی کے مطابق مہلت عمل ملنی ہے) تو البتہ ان کے درمیان فیصلہ کر دیا جاتا۔ اور ان لوگوں کو اس کی نسبت شبہ ہے کہ حیرانی میں پڑے ہیں۔

اور (یقین کر) سب کے لئے یہی ہوتا ہے کہ جب

(۵) آیت ۱۰۸ میں پیغمبر اسلام سے خطاب ہے۔ تمہیں خیال نہ ہو کہ مشرکین عرب کیوں شرک سے باز نہیں آتے؟ اور کیوں انہیں مہلت مل رہی ہے، وہ تو اسی راہ پر چل رہے ہیں جس پر ان کے باپ دادا چلے اور انہیں ان کی سرکشیوں کا نتیجہ پورا پورا ملنے والا ہے۔

پھر فرمایا، تم سے پہلے حضرت موسیٰ کو بھی کتاب دی گئی تھی لیکن لوگ اختلاف میں پڑ گئے۔ مصلحت الٰہی کا فیصلہ یہی ہے کہ یہاں اختلاف عمل دور نہیں ہو سکتا۔

الْحَقُّ وَمَوْعِظَةٌ وَّذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ۝ وَقُلْ لِّلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ اِنَّا ۱۲۰
عٰمِلُوْنَ ۝ وَانْتَظِرُوْا اِنَّا مُنْتَظِرُوْنَ ۝ وَلِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاِلَيْهِ يُرْجَعُ الْاَمْرُ ۱۲۱-۱۲۲
كُلُّهٗ فَاعْبُدْهُ وَتَوَكَّلْ عَلَيْهِ ۭ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ۝ ۱۲۳ ع ۱۴

اصلاح کا عشق تجھے مضطرب رکھتا ہے : لعلك باخع نفسك الا یکونوا مومنین (۲۶ : ۳) فواں سرگرشتوں کا تفکر موجب تسکین ہوگا کہ تجھ سے پہلے بھی ہمیشہ ایسا ہی ہوا ہے بلکہ احوال و سرکشی کے اس سے بھی زیادہ سخت مطالبے ہو چکے ہیں۔

(ب) یہ سرگزشتیں حق کو واضح کر دیتی ہیں یعنی ان میں حقیقت کی دلیلیں اور روشنیاں ہیں۔ یہ بتلاتی ہیں کہ اس بارے میں اللہ کا ایک مقررہ قانون ہے اور اس میں کبھی تبدیلی ہونے والی نہیں۔

(ج) ان میں موعظت ہے یعنی ایسی باتیں ہیں جو سننے والوں کو عبرت دلاتی ہیں، نصیحت و پند کرتی ہیں، غرور و ناتوانی سے بیدار کر دیتی ہیں۔

(د) مومنوں کے لئے تذکیر ہے۔ یعنی سچائی کی یاد دلاتی ہیں، غفلت سے روکتی ہیں۔

(ا) اصل حال کی ایک غفلت یہ بھی تھی کہ کفار وہ سرو سامان تھے اور تمام ملک و تمدن پر تل گیا تھا۔ اس لئے کبھی کبھی مایوسی کے خیال آنے لگتے تھے۔

اب یہ چار باتیں سامنے رکھ کر قرآن کے قصص و وقائع کا مطالعہ کرو وہ تمام قفل کھل جائیں گے جنہیں ہمارے منطقی مفسروں کی دس دس جلدیں بھی نہ کھول سکیں۔

(۲۳) سورت کی ابتدا جس اعلان حق سے ہوئی تھی، اور پھر واضح کیا تھا کہ تمام پچھلی دعوتوں کا بھی یہی اعلان رہ چکا ہے، اسی پر اب سورت ختم ہوتی ہے۔ چنانچہ آخر کی تین آیتیں خاتمۃ موعظت ہیں۔

(ا) انکذیب سے دو ہی بات کہہ دو جو ہمیشہ کہی گئی ہے یعنی تم اپنی جگہ کام کئے جاؤ۔ ہم اپنی جگہ کر رہے ہیں تم بھی نتیجہ کا انتظار کرو ہم بھی منتظر ہیں۔ نتیجہ فیصلہ کر دے گا۔ جس طرح ہمیشہ کر چکا ہے۔

(ب) اللہ ہی جانتا ہے کہ پردۂ غیب میں کیا چھپا ہے اور سارے کام اسی کے ہاتھ میں ہیں اور

(ج) اور تمہیں اور تمہارے ساتھیوں کو کیا کرنا چاہیے؟ فاعبدہ و توکل علیہ! اس کی عبادت میں لگے رہو اس پر بھروسہ رکھو!

(۲۴) یہ سورت بھی من جملہ ان سورتوں کے ہے جن میں گزشتہ دعوتوں کے وقائع سے استشہاد کیا گیا ہے اور گو سورۂ اعراف کے ایک فوٹ میں اس طرف اشارات کئے جا چکے ہیں لیکن ضروری ہے کہ یہاں مزید وضاحت کر دی جائے۔ تاکہ آئندہ جہاں کہیں یہ بات آئے، ذہن فہم و تدبر کے لئے مستعد رہے!

(ا) قرآن نے تذکیر و موعظت کے لئے جو باتیں بطور دلایل کے اختیار کی ہیں اور جنہیں وہ جا بجا حجج، براہین، بینات اور بصائر سے تعبیر کرتا ہے، ان میں ایک نمایاں استدلال ایام و وقائع کا استدلال ہے۔ اس نے جہاں کہیں گزشتہ قوموں کے حالات بیان کئے ہیں، وہاں یہ بات بھی واضح کر دی ہے کہ اس بیان سے اس کا مقصود کیا ہے؟ جیسا کہ اسی سورت کی آیت ۱۲۰ میں

قرآن کے قصص اور ان کا حجج و براہین ہونا

فَلَوْلَا كَانَ مِنَ الْقُرُوْنِ مِنْ قَبْلِكُمْ اُولُوْا بَقِيَّةٍ يَّنْهَوْنَ عَنِ الْفَسَادِ فِي الْاَرْضِ اِلَّا قَلِيْلًا
مِّمَّنْ اَنْجَيْنَا مِنْهُمْ ۚ وَاتَّبَعَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مَآ اُتْرِفُوْا فِيْهِ وَكَانُوْا مُجْرِمِيْنَ ۝ وَمَا كَانَ رَبُّكَ
لِيُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمٍ وَّاَهْلُهَا مُصْلِحُوْنَ ۝ وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ اُمَّةً وَّاحِدَةً
وَّلَا يَزَالُوْنَ مُخْتَلِفِيْنَ ۝ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّكَ ۚ وَلِذٰلِكَ خَلَقَهُمْ ۗ وَتَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ
لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ۝ وَكُلًّا نَّقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الرُّسُلِ
مَا نُثَبِّتُ بِهٖ فُؤَادَكَ ۚ وَجَآءَكَ فِيْ هٰذِهِ

سزا میں عذاب استیصال سے محفوظ رہیگی یعنی ایسے عذاب سے جو یک قلم نابود کر دینے والا ہو جیسا کہ پچھلی قوموں پر آ چکا ہے

(ف) یاد رکھو دنیا میں اختلاف فکر و عمل ناگزیر ہے، ایسا نہیں ہو سکتا کہ سب ایک ہی راہ چلنے والے ہو جائیں اور حق و باطل کی کشمکش باقی نہ رہے پس اس بات سے مایوس ہو کہ تمام آدمی کیوں دعوت حق قبول نہیں کر لیتے؟ نہ تو پہلے ایسا ہوا، نہ اب ایسی توقع رکھنی چاہیے۔ بہت سے مانیں گے، بہت سے نہیں مانیں گے۔ تم اپنے کام میں سرگرم رہو۔

پھر (دیکھو) ایسا کیوں نہیں ہوا کہ جو عہد تم سے پہلے گذر چکے ہیں ان میں اہل خیر باقی رہے ہوتے اور لوگوں کو ملک میں شر و فساد کرنے سے روکتے؟ ایسا نہیں ہوا۔ مگر بہت تھوڑے عہدوں میں، جنہیں ہم نے نجات دی۔ ظلم کرنے والے تو اسی راہ پر چلے جس میں انہوں نے (اپنی نفس پرستیوں کی) سوگندگی پائی تھی اور (وہ سب احکام حق کے) مجرم تھے

۱۱۶

اور (یاد رکھو) ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا کہ تمہارا پروردگار آبادیوں کو ناحق ہلاک کر دے اور اس کے باشندے سنوارنے والے ہوں۔

۱۱۷

اور اگر تمہارا پروردگار چاہتا تو تمام انسانوں کو ایک امت بنا دیتا (یعنی سب ایک ہی راہ چلتے۔ لیکن تم دیکھ رہے ہو کہ اس نے ایسا نہیں چاہا، اور یہاں الگ الگ گروہ اور الگ الگ راہیں ہوئیں)

۱۱۸

اور لوگ ایسے ہی رہیں گے کہ مختلف ہوں۔ مگر ہاں جس پر تیرے پروردگار نے رحم فرمایا، (تو وہ حقیقت پالے گا اور اس بارے میں اختلاف نہیں کرے گا) اور اسی لئے انہیں پیدا کیا ہے اور (پھر دیکھو اسی اختلاف فکر و عمل کا نتیجہ ہے کہ) تمہارے پروردگار کی (ٹھہرائی ہوئی) بات پوری ہو کر رہی کہ

۱۱۹

البتہ ایسا ہوگا کہ میں جہنم کو کیا جن اور کیا انسان، سب سے بھر پور کر دوں!

(۲۲) یہاں آیت ۱۲۰ میں واضح کر دیا کہ گذشتہ رسولوں کی سرگزشتیں جو مختلف مقامات میں اور مختلف اسلوبوں میں بیان کی گئی ہیں ان سے قرآن کا مقصد کیا ہے۔

(۱) تاکہ تیرے دل کو تسکین ہو، یعنی قوم کو اعراض و سرکشی کی حالت میں دیکھ کر تیرا دل بیقرار ہے دعوت کا ولولہ اور

اور (اے پیغمبر!) رسولوں کی سرگزشتوں میں سے جو قصے ہم تجھے سناتے ہیں (یعنی جن جن اسلوبوں سے ہم سناتے ہیں) تو ان سب میں یہی بات ہے کہ تیرے دل کو تسکین و بدیں اور پھر ان کے اندر

فھل ینظرون الا سنۃ الاولین؟ فلن تجد لسنۃ اللہ تبدیلا۔ ولن تجد لسنۃ اللہ تحویلا۔ (۳۵:۴۳)

پھر یہ لوگ کس بات کی راہ تک رہے ہیں؟ کیا اس بات کی کہ جو کچھ اگلے لوگوں کے لیے سنت رہ چکی ہے ان کے لئے بھی ظہور میں آجائے؟ تو یاد رکھو تم اللہ کی سنت کو کبھی بدلتا ہوا نہیں پاؤ گے اور نہ کبھی ایسا ہو سکتا ہے کہ اس کی سنت کے احکام پھیر دیئے جائیں۔

سنۃ من قد ارسلنا قبلک من رسلنا ولا تجد لسنتنا تحویلا۔ (۱۷:۷۷)

(اے پیغمبر!) تجھ سے پہلے جن رسولوں کو ہم نے بھیجا ہے ان کے لئے ہماری سنت یہی رہی ہے اور ہماری سنت کبھی بدلنے والی نہیں!

استقرار کا یہ فطری ہے

دیکھیں گے

قرآن کا یہ استدلال فی الحقیقت طبیعت انسانی کا وجدانی اذعان ہے۔ انسان کی ذہنی فطرت کا مطالعہ کرو۔ تم دیکھو گے کہ وہ حوادث سے بالطبع متاثر ہوتی ہے۔ اور اس کے اندر کوئی چیز ہے جو اسے بتلا دیتی ہے کہ یہاں ایک مرتبہ کا حادثہ ایک ہی مرتبہ کا حادثہ نہیں ہے خواص و نتائج دائمی ہیں یعنی جو بات یہاں ایک مرتبہ ظہور میں آئی ہے وہ ہمیشہ ظہور میں آتی رہے گی یا ہمیشہ ظہور میں آسکتی ہے اور جس سبب کا جو خاصہ ایک مرتبہ فعل ہوا تھا وہی خاصہ ہمیشہ ظہور میں آئے گا چنانچہ بچوں کو دیکھو کس طرح یہ وجدانی علم ان کے اندر بول رہا ہے؟ ایک بچہ پہلی مرتبہ آگ میں انگلی ڈالتا ہے اور جلنے لگتی ہے پھر جب کبھی آگ اس کے سامنے آتی ہے خود بخود ہاتھ کھینچ لیتا ہے کیوں؟ اسی لئے کہ اس کے اندر کوئی چیز ہے جو اسے بتلا دیتی ہے کہ جس چیز نے ایک مرتبہ جلایا، وہ ہمیشہ جلائے گی یہ اعتقاد کہ "آگ ہمیشہ جلاتی ہے" اسے صرف اتنی بات سے حاصل ہو گیا کہ "آگ نے ایک مرتبہ جلایا تھا!"

طبیعت انسانی کا یہی وجدانی تازہ ہے جس نے ہمارے ذہن میں سنن کا اعتقاد پیدا کیا یعنی جزئیات کا تجزیہ کرنا، اور اس کے ذریعہ سے کلیات تک پہنچنا۔ اب ہمارے تمام علوم، معارف کا سنگ بنیاد یہی ہے۔

بہر حال قرآن کہتا ہے اگر تم وجدانی طور پر یہ بات محسوس کرتے ہو کہ خواص و نتائج کا تسلسل و اجرا ایک حقیقت ہے یعنی اگر ایک چیز سے بار بار ایک ہی طرح کا نتیجہ نکلا ہے تو یہ اس کا خاصہ ہے اور اس میں تبدیلی ممکن نہیں تو پھر تم کیسے انکار کر دینے ہو کہ اعمال انسانی کے لئے یہ حقیقت معطل ہو گئی، اور یہاں ایسا ہونا ضروری نہیں ہے؟ اگر تم کہتے ہو کہ فلاں بات سے ایسا نتیجہ ضرور نکلے گا کیونکہ بار بار ایسا ہی ہو چکا ہے، تو پھر اس بات سے کیوں انکار کرتے ہو کہ فلاں قسم کے اعمال کا نتیجہ یقیناً ہلاکت ہے، کیونکہ بار بار ایسا ہی ہو چکا ہے؟ چنانچہ یہی بات ہے کہ وہ جا بجا کہتا ہے تم ہی دنیا میں پہلی قوم نہیں ہو تم سے پہلے بھی بے شمار قومیں اسی زمین میں گزر چکی ہیں، ان کی بھی آبادیاں تھیں قوتیں اور شوکتیں تھیں سر سبز عمارتیں تھیں فکر و عمل کی سرگرمیاں تھیں۔ پس دنیا کی سیر کرو۔ گزری ہوئی سرگزشتیں سنو، مٹی ہوئی نشانیوں کا کھوج لگاؤ، اور پھر دیکھو سعادت و شقاوت کے قانون کا کیا عمل درآمد رہا ہے؟ اور اگر ہمیشہ ہی ایسا ہو چکا ہے تو کیا تم سمجھتے ہو خدا تمہارے لئے اپنا قانون ہستی معطل کر دے گا؟ یا اس طرح بدل دے گا کہ جو چیز کل تک سنگ میل رہ چکی ہے تمہارے لئے شہد ہو جائے؟

قد خلت من قبلکم سنن فسیروا فی الارض، فانظروا کیف کان عاقبۃ المکذبین؟ (۳:۱۳۷)

تم سے پہلے بھی (دنیا میں خدا کے) احکام و قوانین کے نتائج گزر چکے ہیں پس ملکوں کی سیر کرو۔ پھر دیکھو ان لوگوں کا انجام کیسا ہوا جنہوں نے خدا کی نشانیاں جھٹلائی تھیں؟

اولم یسیروا فی الارض، فینظروا کیف کان عاقبۃ الذین من قبلھم وکانوا اشد منھم قوۃ؟ (۳۵:۴۴)

کیا یہ لوگ ملکوں میں چلے پھرے نہیں کہ دیکھتے ان لوگوں کا کیسا انجام ہو چکا ہے جو ان سے پہلے گذر چکے ہیں اور جو ان لوگوں سے قوت میں کہیں زیادہ تھے؟

قرآن کی موعظت کا ایک خاص دائرہ ہے اور وہ جو کچھ کہتا ہے اسی کے اندر رہ کر کہتا ہے پس ضروری ہے کہ اس استدلال کو بھی اسی کے اندر رہ کر دیکھیں۔ اس سے باہر جانے کی کوشش نہ کریں۔ تاہم ایک بات ایسی ہے جو بغیر کسی تکلف کے خود بخود سامنے آجاتی ہے، اور ہم اپنے ذہن کو اس طرف جانے سے روک نہیں سکتے یعنی قرآن کے اس طرز استدلال سے

گزر چکا ہے، اور جب ہم اس پر غور کرتے ہیں، تو معلوم ہو جاتا ہے کہ مقصود یہ نہیں ہے کہ تورات کی طرح دنیا کی تاریخ بیان کی جائے، بلکہ کچھ باتیں ہیں جن کا وہ دلوں میں اذعان پیدا کرنا چاہتا ہے، اور سرگزشتیں اس کے لیے دلیلیں ہیں، حجتیں ہیں، براہین ہیں، پس سمجھ لینا چاہیے کہ کیونکر یہ سرگزشتیں دلیلیں ہوئیں۔ بات بالکل صاف تھی کیونکہ خود قرآن نے کھول کھول کر ہر جگہ بتلا دی ہے لیکن منطقی استدلال کے انہماک نے مفسروں کو سمجھنے کی مہلت نہ دی

(ب) اس مسئلے میں سب سے پہلے دو باتیں ذہن نشین کر لینی چاہئیں :-

قوانین فطرت

اوّلاً قرآن کہتا ہے کہ کائنات ہستی کے جس گوشہ پر بھی نظر ڈالو گے تمہیں ایک حقیقت ابھری ہوئی دکھائی دے گی بشرطیکہ دیکھنے سے انکار نہ کرو۔ وہ کیا ہے؟ قوانین فطرت کی وحدت، یعنی یہاں ہر جگہ ایک ہی قانون ایک ہی طرح پر کام کر رہا ہے کوئی گوشہ ایسا نہیں ہے جو اپنے قانون خلقت و فعل میں دوسروں سے ذرا بھی الگ ہو۔ بلاشبہ بھیس بہت سے ہو گئے ہیں، اور نام بھی یکساں نہیں۔ مگر حقیقت ایک ہی ہے، اور جونہی سامنے کے پردے ہٹاتے ہوئے اصلیت کی بے لاگ وحدت آ کھڑی ہوتی ہے۔ مثلاً تم کہتے ہو کہ حیوان کے لئے موت و حیات ہے پھولوں کے لئے کھلنا اور مرجھانا، پتھروں کے لئے بننا اور پامال ہونا ہے، اجزا کے لئے ملنا اور بکھر جانا ہے بھیس بہت سے ہو گئے مگر کیا صورتیں بھی بہت ہوئیں؟ نام کئی ہو گئے، مگر کیا حقیقت بھی متعدد ہو گئی؟ وہی قانون جو حیوانات میں موت و حیات تھا، نباتات میں کھلنا اور مرجھانا ہوا، جمادات میں بننا اور پامال ہونا۔ اجزا میں ملنا اور بکھرنا۔ الفاظ بدلتے جاؤ۔ معنی نہیں بدل سکتے!

عبارتنا شتی وحسنک واحد
وکل الی ذاک الجمال یشیر

وہ کہتا ہے جب کائنات ہستی کے ہر گوشہ میں وحدت قانون کی بنیاد دی جعل کام کر رہی ہے تو کیونکر ہو سکتا ہے کہ اعمال انسانی کا گوشہ اس سے باہر ہو؟ اور وہاں بھی کوئی قانون کام نہ کر رہا ہو؟ اور وہ وہی اور ویسا ہی نہ ہو جیسا تمام گوشوں میں ہے؟ وہ کہتا ہے کہ یہ گوشہ بھی دوسرے گوشوں کے ساتھ جڑا ہوا ہے۔ ٹھیک اسی طرح، جس طرح یہاں کا ہر گوشہ دوسرے گوشے سے مربوط ہے یہاں بھی وہی قانون کام کر رہا ہے جو عالم مادی کے تمام گوشوں میں کارفرما ہے، اور یہاں کے بھی وہی کام و نتائج ہیں جو دوسرے گوشوں میں نظر آ رہے ہیں۔ مثلاً اگر عالم مادی میں تم دیکھتے ہو کہ آگ کا خاصہ جلانا ہے اور ایسا نہیں ہو سکتا کہ آگ روشن ہو اور اس کے شعلوں سے ٹھنڈک نکلے، تو تمہیں اس سے انکار نہیں کرنا چاہیے کہ یہاں بھی کوئی بات آگ کی طرح ہو سکتی ہے اور جب وہ ظہور میں آ جائے تو اس سے گرمی ہی نکلے گی۔ ٹھنڈک نہیں نکل سکتی۔ یعنی مادیات کے خواص کی طرح معنویات کے بھی خواص ہیں، اور خواص و نتائج کا ایک ہی عالمگیر قانون یکساں طور پر دونوں جگہ کام کر رہا ہے۔ (مزید تشریح کے لیے تفسیر سورۂ فاتحہ اور مقدمہ دیکھنا چاہیے)

ثانیاً۔ وہ کہتا ہے جس طرح یہاں ہر بات کے لیے فطرت کے مقررہ قوانین ہیں اسی طرح قوموں اور جماعتوں کی سعادت و شقاوت اور حیات و ممات کا بھی ایک قانون ہوا اور جس طرح فطرت کے تمام قوانین یکساں ہیں، عالمگیر ہیں، غیر مبدّل ہیں، اسی طرح یہ قانون بھی ہمیشہ ایک ہی طرح رہا ہے اور ہمیشہ ایک ہی طرح کے احکام و نتائج ظاہر ہوئے ہیں، زمانوں اور قوموں کے اختلاف سے اس کی تاثیر مختلف نہیں ہو سکتی۔ جس طرح سنکھیا کا خاصہ ہلاکت ہی ہے، خواہ کسی ملک اور کسی عہد میں کھائی جائے، اسی طرح اس قانون کے احکام و نتائج بھی یکساں ہی ہوں گے خواہ کسی ملک اور کسی عہد میں پیش آئیں۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ اب سے ہزار برس پہلے تو سنکھیا کا خاصہ ہلاکت رہا ہو اور اب زندگی ہو جائے، پس جو کچھ باتیں ہیں پیش آ چکا ہے ضروری ہے کہ مستقبل میں بھی پیش آئے۔ اس میں کبھی تبدیلی نہیں ہو سکتی کیونکہ فطرت کے قوانین میں تبدیلی نہیں۔

سنۃ اللہ

اس نے جا بجا اس قانون کو سنۃ اللہ سے تعبیر کیا ہے :

سنۃ اللہ فی الذین خلوا من قبل ولن تجد لسنۃ اللہ تبدیلا (۳۳:۶۲)

جو لوگ تم سے پہلے گزر چکے ہیں، ان کے لئے اللہ کی سنت یہی رہی ہے (یعنی اللہ کے قانون کا دستور یہی رہا ہے) اور اللہ کی سنت میں تم کبھی رد و بدل نہیں پاؤ گے!

وکس قسم کے تھے؟ اور ان معاملات میں ان کا جو قول و فعل رہا، وہ کس قسم کا تھا؟ تم دیکھو گے کہ ان ساری باتوں میں ہر رسول دوسرے رسول کی تصویر تھا، اور ہر دعوت دوسری دعوت کا عکس تھی۔ کسی بات میں بھی تم ایک کو دوسرے سے جدا نہیں کر سکتے۔ سب اسی حال میں پیدا ہوئے کہ وہ بدی طاقتوں اور حکمرانیوں میں سے کچھ نہیں رکھتے تھے، سب کا ظہور ایسے ہی وقتوں میں ہوا جب خدا پرستی اور نیک عملی کی روشنی بجھ چکی تھی۔ سب انہی قوموں میں پیدا ہوئے جن قوموں کو انہوں نے مخاطب کیا تھا۔ سب کی زبانوں سے ایک ہی پکار نکلی، سب نے ایک ہی طرح پر لوگوں کو بلایا۔ سب نے کہا۔ اللہ کی بندگی کرو۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ سب نے کہا۔ ظلم و بد عملی سے باز آجاؤ۔ اس کا نتیجہ ہلاکت ہے۔ سب نے کہا۔ ہماری جد وجہد اور غرض سے مزدوری کی طلب نہیں۔ سب نے کہا ہمارے پاس علم و یقین ہے۔ ہم تمہیں ظن و جہل سے نجات دلانا چاہتے ہیں۔ سب نے کہا۔ ہمارا دعوی اس کے سوا کچھ بھی نہیں کہ ایمان و نیک عملی کے نتائج کی بشارت دینے والے ہیں۔ انکار و بد عملی کے نتائج سے متنبہ کر دینے والے۔ ماننا نہ ماننا تمہارا کام ہے۔ سب نے کہا تمہارا بھروسہ اپنی طاقتوں پر ہے۔ ہمارا پروردگار عالم پر تم جو کچھ کر سکتے ہو کر دیکھو۔ ہم اپنے کام سے باز آنے والے نہیں۔ سب نے کہا۔ اگر مانتے نہیں تو کم از کم حق کے مقابلے میں سرکشی کرنا چھوڑ دو۔ کیونکہ سرکشی کا نتیجہ عذاب ہے اور پھر سب نے کہا کہ تمہاری راہ تمہارے لئے ہے۔ ہماری راہ ہمارے لئے فیصلہ اللہ کے ہاتھ ہے۔ ہم بھی انتظار کرتے ہیں تم بھی انتظار کرو۔

پھر ان قوموں کی طرف نظر اٹھاؤ جن میں ان تمام دعوتوں کا ظہور ہوا تھا۔ کس طرح۔ یہاں بھی ہر قوم اپنے طرز عمل میں بھک ٹھیک دوسری قوم کی شبیہ ہے؟ اور کس طرح گمراہی کا چہرہ ہمیشہ ایک ہی طرح کا رہا، جس طرح ہدایت کا چہرہ ایک ہی طرح کا رہا ہے؟ غور کرو۔ کوئی بات بھی ایسی دکھائی دیتی ہے جس میں ظلم و فساد کی دوسری نمود سے ہم رنگ نہ رہی ہو؟ سب نے اپنی اپنی باری وہی سب کچھ کیا، جو ان میں سے کسی ایک نے کیا تھا۔ سب نے دعوت سے انکار کیا، سب نے دعوت کی ہنسی اڑائی۔ سب نے دلیلوں سے منہ موڑا۔ سب نے روشنیوں سے آنکھیں بند کر لیں۔ سب سرکشی اور گھمنڈ کی چال چلے۔ سب نے جبر و تشدد سے راہ روکنی چاہی۔ سب نے موعظت و دلایل کا جواب ظلم و تعدی سے دیا۔ سب کی زبانوں سے ایک ہی طرح کی صدائیں نکلیں۔ سب کے اعراض و انکار کا مزاج ایک ہی طرح کا مزاج رہا۔ اور پھر سب کو غرور و طغیان نے آخر وقت تک اس کی مہلت نہ دی کہ روشنی و تاریکی میں امتیاز کرتے!

پھر اگر انہیں ماننا تو کن لوگوں نے مانا اور کتنوں نے مانا؟ تو یہاں بھی ہر دعوت کا معاملہ دوسری دعوت کے معاملہ سے بالکل ہم آہنگ رہا ہے۔ ہمیشہ ایسا ہی ہوا ہے کہ بے نواؤں نے قبول کیا۔ اور سرداروں اور رئیسوں نے مقاومت کی۔ ہمیشہ ایسا ہی ہوا کہ جنہوں نے مانا، وہ تھوڑے تھے، جنہوں نے انکار کیا وہ بہت تھے۔

پھر دیکھو۔ نتیجہ بھی کس طرح ہمیشہ ایک ہی رہا، اور کبھی ایسا نہیں ہوا کہ اس ایک کے خلاف ہوا ہو؟ ہمیشہ خدا کے فیصلہ کا انتظار کیا گیا، اور ہمیشہ فیصلہ یہی ہوا کہ مومنوں نے نجات پائی۔ سرکشوں کے لئے ہلاکت ہوئی۔ یہ گویا اس معاملہ کا ایک قدرتی خاصہ تھا، اور خاصہ کبھی بدل نہیں سکتا۔ یہ آگ کے لئے گرمی تھی۔ برف کے لئے ٹھنڈک تھی۔ سنکھیا کے لئے ہلاکت تھی اور آگ جب کبھی سلگے گی، گرمی ہی دے گی، برف جب کبھی جمے گی، ٹھنڈک ہی ہوگی۔ سنکھیا جب کبھی کھائی جائے گی، ہلاکت ہی لائے گی: سنۃ اللہ فی الذین خلوا من قبل، ولن تجد لسنۃ اللہ تبدیلا!

(۱) قرآن کے اس استدلال کی ہم نے جو کچھ تشریح کی ہے، یہ کوئی دور کا مفسرانہ استنباط نہیں ہے بلکہ خود قرآن نے صاف صاف لفظوں میں یہ ساری باتیں واضح کر دی ہیں۔ ضرورت صرف تدبر و بصیرت کی ہے۔ قرآن کے ان بے شمار مقامات کا مطالعہ کرو جہاں گذشتہ رسولوں یا گذشتہ قوموں کی الگ الگ سرگذشتیں نہیں بیان کی ہیں بلکہ بعض اجمالی اشارہ کر دیا ہے اور پھر یکے بعد دیگرے ان عبرتوں پر توجہ دلائی ہے جو ان سب کی سرگذشتوں سے مجموعی طور پر نکلتی ہیں۔ مثلاً سورہ ابراہیم کی آیت ۹ میں فرمایا کیا ان قوموں کی خبریں تم تک نہیں پہنچیں جو تم سے پہلے گذر چکی ہیں۔ پھر ان قوموں کی طرف اشارہ کیا ہے "قوم نوح" "قوم عاد" "قوم ثمود" اور وہ قومیں، جو ان کے بعد ظہور میں آئیں اور جن کا

ایک زیادہ عام حقیقت کی طرف بھی اشارہ ضرور کر دیا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ تاریخ کا صحیح استعمال کیا ہونا چاہئے؟ قرآن کی ان تصریحات سے معلوم ہو گیا کہ گذشتہ کا مطالعہ اس لئے کرنا چاہئے کہ آئندہ کے لئے عبرت حاصل کی جائے یعنی جو کچھ گزر چکا ہے وہ آئندہ کے لئے ذخیرہ بصیرت ہے اور ماضی کے آئینہ میں مستقبل کی صورت دیکھ لی جا سکتی ہے۔ یہ کہنا ضروری نہیں کہ اس باب میں علم و نظر کی کاوشیں جس قدر بھی سرانجام لگا سکی ہیں وہ زیادہ سے زیادہ یہی ہے تاریخ میں ابن خلدون پہلا شخص تھا جس نے تاریخ کو اسی روشنی میں دیکھنا چاہا، اور اب فلسفۂ تاریخ کی ساری بنیادیں اصل پر چنی گئی ہیں البتہ اس وقت تک مسالہ ابتدائی حالت سے آگے نہیں بڑھ سکا۔ اگر بڑھتا تو ہم تاریخ کی ہر داستان میں مستقبل کی ایک نئی داستان پڑھ لیا کرتے

(۶) اب یہ دو اصل سامنے رکھ کر قرآن کے ان تمام مقامات کا مطالعہ کرو۔ جہاں گذشتہ ایام و وقائع کا ذکر کیا گیا ہے تم دیکھو گے کہ ہر جگہ یہی استدلال کام کر رہا ہے اور جونہی یہ بات سامنے رکھ لی جائے تمام وجوہ و روابط واضح ہو جاتے ہیں البتہ ہر مقام پر ایک ہی طرح کا بیان نہیں ہے اور نہ ہی ایک پہلو پر زور دیا گیا ہے کسی مقام پر شخصیت والا ذکر کیا گیا ہے کیونکہ وہاں اسی کی ضرورت تھی، کہیں قوموں کا ذکر کیا ہے کیونکہ وہاں کا مقتضا یہی تھا۔ کہیں وقائع کی طرف اشارہ کیا ہے کیونکہ وہاں کے لئے اسی قدر کافی تھا۔ اور پھر کہیں ایسا ہے کہ تمام سرگذشتیں ایک ہی مقام پر جمع کر دی ہیں اور ان سب سے یہ حیثیت مجموعی استدلال کیا ہے۔ تاکہ استدلال کے تمام پہلو آشکارا ہو جائیں۔

سورۂ ہود اور استقرار تاریخی

(۷) چنانچہ یہ سورت بھی من جملہ ان سورتوں کے ہے جن میں آخری صورت اختیار کی گئی ہے اور اس لئے اس استدلال کے جامع و مفصل مقامات میں سے ہے وہ کہتا ہے۔ گزرے ہوئے عہدوں کی طرف پلٹ کے دیکھو تم دیکھو گے کہ دنیا کی کوئی آبادی ایسی نہیں ہے جہاں ایک خاص طرح کا معاملہ پیش نہ آیا ہو اور خاص طرح کے نتائج پیدا نہ ہوئے ہوں۔ ہمیشہ ایسا ہوا ہے کہ قوموں میں ایک خاص طرح کی شخصیتیں پیدا ہوئیں، ہمیشہ ایسا ہوا ہے کہ انہوں نے خاص طرح کی صدائیں بلند کیں ہمیشہ ایسا ہوا ہے کہ ان کے اور ان کی قوم کے درمیان خاص طرح کے معاملات پیش آئے، اور پھر ہمیشہ ایسا ہوا ہے کہ ان کا خاتمہ ایک خاص طرح کے نتیجہ پر ضرور ہوا۔ اور اس نتیجہ نے تمام قضیہ کا فیصلہ کر دیا۔ تم یہ بھی دیکھو گے کہ یہ سارا معاملہ اپنی ساری باتوں میں کچھ اس طرح کا یکساں اور ہم رنگ واقع ہوا ہے کہ معلوم ہوتا ہے ایک ہی حقیقت ہے جو بار بار بھرتی اور اپنے آپ کو دہرا رہی ہے یا ایک ہی زنجیر ہے جس کی مختلف کڑیاں یکے بعد دیگرے نمایاں ہوتی ہیں اور ایسی کوئی کڑی دوسری کڑی سے الگ نہیں۔ پھر کیا یہ بات کہ ہمیشہ اور ہر جگہ ایک ہی طرح کی بات پیش آئی، اور ایک ہی طرح کا نتیجہ نکلا اس یقین کے لئے کافی نہیں کہ یہ ملکوں اور قوموں کی سعادت و شقاوت کا ایک الٰہی قانون ہے اور چونکہ ہمیشہ کام کرتا رہا ہے اس لئے اب بھی کام کرے گا؟

(۸) اب ان تمام سرگذشتوں پر نظر ڈالو جو اس سورت میں بیان کی گئی ہیں اور اعراف میں گزر چکی ہے اور آئندہ سورتوں میں بھی آئیں گی۔ یہ حضرت نوح علیہ السلام کی دعوت سے شروع ہوتی ہیں اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ذکر پر ختم کر دی جاتی ہیں۔ غور کرو کس طرح ان تمام دعوتوں کے ظہور میں، اعلانات میں، تذکیر و موعظت میں، احوال و ظروف میں، رد و قبول میں، نوعیت و حیثیت میں، اور پھر آخری نتیجہ میں کامل یکسانیت پائی جاتی ہے؟ اور کس طرح ان کی ہم آہنگی کے تمام نقطے صاف صاف ابھرے ہوئے ہیں؟ ساتھ ہی کس طرح قدم قدم پر بتلایا جا رہا ہے کہ ہدایت وحی کے ظہور کے عام قوانین کیا کیا ہیں؟ اور کس طرح دعوت وحی کا ہر چہرہ اپنے حال و خط میں قطعی اور آشکارا نظر آ رہا ہے کہ شک و اشتباہ کی پرچھائیں بھی اسے چھونے کی جرأت نہیں کر سکتی؟

(۹) سورہ اعراف کے ایک نوٹ میں اشارات گزر چکے ہیں اور اس سورت میں ہر دعوت کے وقائع کا خلاصۃً مقابل نوٹوں میں پڑھ چکے ہو۔ ان سب پر مکرر نظر ڈالو اور غور کرو۔ جتنے رسول پیدا ہوئے وہ کیسے وقتوں میں پیدا ہوئے؟ اور کن لوگوں میں پیدا ہوئے؟ ان کی پکار کیا تھی؟ اور پکار کی نوعیت کیا تھی؟ ان کی دلیلیں کیا تھیں جن پر انہوں نے زور دیا؟ ان کا طریق کار کیا تھا جس پر وہ برابر کاربند رہے؟ انہوں نے اپنے قدم جہاں ٹکائے تھے وہ جگہ کونسی تھی؟ اور سہارے کے لئے جس کی طرف ہاتھ بڑھایا تھا، وہ کون تھا؟ پھر ان میں اور ان کی قوموں میں جو معاملات پیش آئے

مالکم کیف تحکمون ؟

پس مسلوم ہوا ایماں کی تمام فطری اور عالمگیر حقیقتوں کی طرح ہدایت وحی کی بھی ایک حقیقت ہے۔ جو ہمیشہ ظہور میں آئی ایمان اور عمل صالح کے قانون کی بھی ایک حقیقت ہے جس کی ہمیشہ تعلیم دی گئی ہدایت اور ضلالت کی کشمکش کی بھی ایک حقیقت ہے جو ہمیشہ نمودار ہوئی۔ تصدیق رسل کے نتائج کی بھی ایک حقیقت ہے جو ہمیشہ ظہور میں آئے اور انکار و سرکشی کے نتائج بھی دنیا کی ایک ثابت شدہ حقیقت ہیں، کیونکہ ان میں کبھی تغیر نہیں ہوا[1]

قرآن نے صرف چند دعوتوں کا کیوں ذکر کیا ؟

(ی) اس سلسلہ میں یہ بات پیش نظر رہے کہ قرآن نے اگرچہ یہاں اور دیگر مقامات میں چند خاص خاص دعوتوں اور قوموں ہی کا ذکر کیا ہے لیکن اس کا دعوی عام ہے اور اسی پر یہ استدلال مبنی ہے اس نے جا بجا یہ بات واضح کر دی ہے کہ ہدایت وحی کا ظہور جمعیت بشری کا عالمگیر واقعہ ہے اور کوئی قوم نہیں جس میں اللہ کے کسی رسول کا ظہور نہ ہوا ہو۔ نیز یہ کہ بے شمار قومیں دنیا میں گزر چکی ہیں جن کا حال اللہ ہی کو معلوم ہے، چنانچہ سورۂ یونس کی آیت (۴۷) میں گزر چکا ہے :

ولکل امة رسول فاذا جآء رسولهم قضی بینهم بالقسط وهم لا یظلمون - اور دوسرے مقامات میں فرمایا : انما انت منذر ولکل قوم هاد (۱۳:۷)، ولقد بعثنا فی کل امة رسولا ان اعبدوا الله واجتنبوا الطاغوت (۱۶:۳۶) انا ارسلناك بالحق بشیرا و نذیرا، وان من امة الا خلا فیها نذیر (۳۵:۲۴) الم یاتکم نبؤا الذین من قبلکم قوم نوح وعاد و ثمود والذین من بعدهم لا یعلمهم الا الله ؟ (۱۴:۹)

لیکن ساتھ ہی اس نے یہ تصریح بھی کر دی ہے کہ قرآن میں تمام رسولوں کا ذکر نہیں کیا گیا۔ صرف چند کا ذکر کیا گیا ہے۔

ولقد ارسلنا رسلا من قبلك منهم من قصصنا علیك ومنهم من لم نقصص علیك (۴۰:۷۸)

اور (اے پیغمبر!) ہم نے تم سے پہلے کتنے ہی رسول مبعوث کئے۔ ان میں سے کچھ ایسے ہیں جن کے حالات تمہیں سنائے ہیں اور کچھ ایسے ہیں جن کے حالات نہیں سنائے۔

یہ ظاہر ہے کہ قومیں بے شمار گزر چکی ہیں اور یہ بھی ظاہر ہے کہ حسب تصریح قرآن ہر قوم میں دعوت حق کا ظہور ہوا ہے پس تسلیم کرنا پڑے گا کہ بے شمار قومیں اور بے شمار دعوتیں ہوئیں جن میں سے صرف چند ہی کا قرآن نے ذکر کیا باقی کا نہیں کیا

قرآن نے ایسا کیوں کیا ؟ تو اس کا سبب بالکل واضح ہے قرآن کا مقصود ان سرگزشتوں کے بیان سے یہ نہیں تھا کہ تاریخ کی طرح تمام واقعات کا استقصا کیا جائے۔ بلکہ صرف تذکیر و موعظت تھا، اور تذکیر و موعظت کے لئے اس قدر کافی تھا کہ چند دعوتوں اور قوموں کی سرگزشتیں بیان کر دی جائیں، اور باقی کے لئے کہہ دیا جائے کہ ان کا حال بھی انہی قوموں کا سا رہا ہوگا۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ اس بارے میں اس کا اسلوب بیان ہر جگہ عام ہے جا بجا اس طرح کی تعبیرات پائی جاتی ہیں کہ پچھلے قرنوں میں ایسا ہوا، پچھلی قوموں میں ایسا ہوا۔ پچھلی آبادیوں میں ایسا ہوا۔ پچھلے رسولوں کے ساتھ اس طرح کے معاملات پیش آئے۔ البتہ جہاں کہیں تخصیص کے ساتھ ذکر کیا ہے، وہاں صرف چند قوموں ہی کی سرگزشتیں بیان کی ہیں، جس کا صاف مطلب یہ ہوا کہ یہ چند سرگزشتیں پچھلی قوموں کے ایام و وقائع کا نمونہ سمجھی جائیں، اور ان سے اندازہ کر لیا جائے کہ اس بارہ میں تمام اقوام عالم کی روئداد میں کیسی رہ چکی ہیں ؟

البتہ کہا جا سکتا ہے کہ کیوں خصوصیت کے ساتھ ان چند قوموں ہی کا ذکر کیا گیا جو ایک خاص خطہ ارضی میں گذر چکی تھیں۔ دوسرے خطوں کی اقوام میں سے کسی کا ذکر نہیں کیا ؟

تو اس کے وجوہ بھی بالکل واضح ہیں اگر تھوڑی سی دقت نظر کام میں لائی جائے۔ یہ ظاہر ہے کہ ایام و وقائع کے ذکر سے مقصود بعض مقاصد کے لئے استشہاد تھا۔ اور یہ استشہاد جب ہی موثر ہو سکتا تھا کہ جن ایام و وقائع کا ذکر کیا جائے

---

[1] مسالک قرآن کا یہ مقام نہایت وسیع ہے، اور اس قدر تفصیل کے بعد بھی بے شمار اطراف بحث تشنہ رہ گئے ہیں، لیکن اس کے سوا چارہ نہیں کہ تکمیل بحث کے لئے مقدمہ کا انتظار کیا جائے۔

حال اللہ ہی کو معلوم ہے" پھر اس کے بعد ان سب کے ایام وقائع کی متفقہ اور مشترکہ عبرتیں بیان کی ہیں اور صاف طور پر واضح کر دیا ہے کہ تمام رسولوں کی صدائیں ایک ہی طرح کی رہیں، اور تمام قوموں کے انکار و سرکشی کا عنوان بھی ایک ہی رہا۔ پھر جو نتیجہ پیش آیا، وہ بھی سب کے لئے یکساں تھا اور ایک ہی تھا: فاوحی الیھم ربھم لنھلکن الظلمین ولنسکننکم الارض من بعدھم ذلک لمن خاف مقامی وخاف وعید (۱۴: ۱۳)

ایام اللہ

(۳) عربی میں ایسے واقعات کو جو بڑے اہم اور فیصلہ کن ہوتے ہیں اور قومی روایات کی حیثیت حاصل کر لیتے ہیں، یوں تعبیر کیا جاتا ہے کہ فلاں واقعہ کا دن۔ مثلاً یوم بدر، یوم احد، یوم حادیہ، اور اسی سے قومی معرکوں کے لئے "ایام" کی تعبیر پیدا ہو گئی ہے۔ چونکہ فیصلہ نتائج کے یہ دن جو تمام قوموں کو پیش آئے اللہ کے قانون حق کے نفاذ کے دن تھے، اور حق و باطل کا معرکہ آرائی تھی، اس لئے قرآن نے انہیں "ایام اللہ" سے تعبیر کیا ہے۔

قصص قرآن

ولقد ارسلنا موسی بایٰتنا ان اخرج قومک من الظلمات الی النور وذکرھم بایام اللہ ان فی ذلک لایات لکل صبار شکور (۱۴: ۵)

(۴) اس سورت میں بیان قصص کے بعد فرمایا ہے: وجاءتک فی ھذہ الحق وموعظۃ وذکری للمومنین (۱۲۰) ان سرگزشتوں نے تم پر حقیقت کھول دی اور وہ سرتاپا موعظت و تذکیر ہیں نیز بے شمار مقامات میں تصریح کی کہ ان سرگزشتوں میں حقیقت کی بڑی بڑی نشانیاں ہیں بڑی بڑی دلیلیں ہیں، تو اب غور کرو "ایام اللہ" کے اس استدلال سے کس طرح حقائق وحی کی تمام لمعات واضح ہو جاتی ہیں، اور کس طرح ہر حقیقت کے لئے موعظت و تذکیر مل جاتی ہے؟ تشریح کا یہ محل نہیں مقصود اشارات ہیں، تاکہ تمہارے سامنے تدبر کی راہیں خود بخود کھل جائیں مثلاً بنا۔ استدلال مساوات کی وحدت اور ان کا عالمگیر تسلسل ہے، تو اب غور کرو۔ یہ وحدت کس طرح ہر گوشہ میں علم و یقین کا اجالا پیدا کر رہی ہے؟

اولاً وحدت انبعاث۔ یعنی معلوم ہو گیا۔ ایک خاص معاملہ کے لحاظ سے تمام ملکوں اور قوموں کی حالت یکساں رہی ہے کوئی ملک، قوم ہو، لیکن سراغ ملتا ہے کہ وہاں کچھ لوگ ایسے ضرور پیدا ہوئے جنہوں نے اپنے جنس کو ایک خاص طرح کی تعلیم دی۔

ثانیاً وحدت دعوت۔ یعنی یہ تعلیم اگرچہ مختلف قوموں، مختلف ملکوں، مختلف پیرایوں، مختلف زبانوں میں دی گئی لیکن ان اختلافات سے تعلیم مختلف نہیں ہو گئی۔ وہ ہمیشہ ایک ہی رہی۔ گویا ایک ہی پیغام تھا جو کسی نے بست سے پیام بروں کو دے کر بھیج دیا ہو۔ اور زبانیں بہت سی ہو گئی ہوں مگر بات ایک ہی رہی ہو۔

ثالثاً، وحدت تذکیر و موعظت۔ یعنی تمام وحدتوں کی صرف تعلیم ہی یکساں نہ رہی۔ بلکہ تذکیر و موعظت کے اصول بھی ایک ہی رہے۔

رابعاً، وحدت شئون و دخالت۔ یعنی اگرچہ زمانے مختلف ہوئے، ملک مختلف ہوئے، قومیں مختلف ہوئیں احوال و ظروف مختلف ہوئے، اگرچہ معاملات پیش آئے، وہ اپنی نوعیت میں ہمیشہ ایک ہی طرح کے ہوئے۔

خامساً، وحدت تصدیق و انکار۔ یعنی دعوت کے ماننے نہ ماننے کے لحاظ سے بھی حالت ہمیشہ یکساں رہی۔

سادساً، وحدت ہدایت و ضلالت فکر۔ یعنی ہمیشہ ماننے والوں کی فکری حالت بھی ایک ہی طرح کی رہی، اور نہ ماننے والوں کی فکری حالت بھی ایک ہی طرح کی رہی۔ جنہوں نے مانا، ہمیشہ ایک ہی طرح پر مانا۔ جنہوں نے نہ مانا، ایک ہی طرح پر نہ مانا حتیٰ کہ تصدیق و یقین کی جتنی صدائیں اٹھیں، ہمیشہ ایک ہی طرح کی اٹھیں، اور انکار و شک کی جتنی باتیں کہی گئیں ہمیشہ ایک ہی طرح کی کہی گئیں۔

سابعاً، وحدت ظہور نتائج۔ یعنی پھر نتیجہ بھی ہمیشہ ایک ہی نکلا۔ ایک سے دو نہ ہوا۔

قرآن کہتا ہے۔ جب صورت حال یہ ہے تو کیا ایسی باتیں اصلیت سے خالی ہو سکتی ہیں؟ کیا ان کی قدامت ان کی عالمگیری، ان کا دائمی تسلسل، ان کا غیر منقطع عادہ ان کی بے داغ وحدت ان کی فطری صداقت کا اعلان نہیں کر رہی؟

نا آشنا تھے، یعنی نام تو سن لیا تھا۔ لیکن اسکی تفصیلات اور جزئیات کسی کو معلوم نہ تھیں، مثلاً اسی صورت میں حضرت نوح علیہ السلام کی سرگزشت بیان کرکے آیت ۴۹ میں تصریح کردی کہ یہ باتیں نہ تو تجھے معلوم تھیں، نہ تیری قوم کو۔

جدید اثری انکشافات اور اقوام قرآن

پھر فہم و تدبر کا ایک اور نقطہ بھی ہے، اور اس طرف بھی اشارہ کردینا ضروری ہے، قرآن نے جن خطوں کی اقوام کا ذکر کیا ہے، دنیا کو ان کی قدیم تاریخ بہت کم معلوم تھی۔ اور خود عرب اور عربی نسل کی ابتدائی سرگزشتیں بھی پردہ خفا میں مستور تھیں۔ انیسویں صدی سے آثار قدیمہ کی تحقیقات کا نیا سلسلہ شروع ہوا، اور پھر انیسویں صدی میں نئے نئے پرت اُٹھے اور بیسویں صدی کے اثری انکشافات روز بروز ایک خاص رخ پر جارہے ہیں۔ ان سے عرب، عراق، فلسطین، شام اور مصر کی قوموں اور تمدنوں کے جو حالات منکشف ہوئے ہیں، انہوں نے ان خطوں کی قدیم تاریخ کو بالکل ایک نئی شکل دیدی ہے اور روز بروز نئی نئی حقیقتیں ابھرتی جاتی ہیں۔ سب سے زیادہ عجیب بات یہ معلوم ہوئی ہے کہ عربی نسل اور عربی زبان کے متعلق اتنے ہی معنی نہیں ہیں جتنے آج تک سمجھے گئے ہیں، بلکہ یہ قوموں اور نسلوں کی ایک نہایت قدیم اور وسیع داستان ہے، اور دنیا کے ابتدائی تمدنوں میں عظیم الشان حصہ لے چکے ہیں۔

ان تحقیقات سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر عربی زبان اور اسکی ابتدائی شکلوں کے بولنے والوں کو ایک خاص نسل تسلیم کرلیا جائے، تو یہ در اصل بہت سے گروہوں اور قبیلوں کا ایک مجموعہ تھا اور عرب، فلسطین، شام، مصر اور عراق کے خطوں میں پھیلا ہوا تھا۔ اس نے دنیا کے ابتدائی تمدن کی تعمیر میں بڑے بڑے حصے لئے۔ ان ملکوں کی وہ تمام قدیم قومیں جو آج تک ایک دوسرے سے بالکل الگ سمجھی جاتی تھیں، مثلاً اشوری، سمیری، آرامی وغیرہم فی الحقیقت الگ نہ تھیں اور عربی زبان کا ابتدائی مواد اور عربی رسم الخط کے ابتدائی نقوش ان سب میں مشترک تھے۔ حتیٰ کہ انہی آریوں نے مصر کے تخت عظمت پر عرصہ تک شہنشاہی کی، اور اپنی زبان و تمدن کی تمام متمدن قوموں کو مستعار دیدی۔ چنانچہ دارا کے کتبوں اور مصر کے سہ لسانی نقوش میں عربی الفاظ آج کل پڑھے جاتے ہیں، اور یہ بات تو ایک تاریخی حقیقت کی طرح مان لی گئی ہے کہ یونانیوں نے فن کتابت کا پہلا سبق انہی اقوام سے سیکھا تھا۔

کون کہہ سکتا ہے کہ آئندہ اس سلسلے میں کیا کیا انکشافات ہونے والے ہیں؟ تاہم جس قدر انکشافات ہوچکے ہیں ان سے ایک بات واضح ہوگئی ہے۔ یعنی ایک زمانہ میں یہ تمام خطے ایک خاص نسل کے عروج و انشعاب کے مختلف میدان تھے۔ اور یہی نسل عربی قبائل کی ابتدائی نسل تھی۔ پس اگر قرآن نے صرف انہی خطوں کی اقوام کا ذکر کیا ہے، کوئی دوسری قوم اس دائرہ میں داخل نہیں ہوسکتی ہے، تو بہت ممکن ہے اس کی ملت اس سے کہیں زیادہ گہری ہو، جس قدر اس وقت تک ہم سمجھتے ہیں۔ اس سلسلے میں تین باتیں نمایاں طور پر سامنے آجاتی ہیں:

اولاً جن اقوام کا ذکر کیا گیا ہے، اس کی خصوصیت صرف اتنی ہی نہیں ہے کہ بعض سرزمین حجاز کے قرب و جوار میں گزری تھیں، اور بعض سے اہل کتاب واقف تھے، بلکہ اس سے بھی کوئی زیادہ گہری بات ہے، کیونکہ معلوم ہوتا ہے یہ تمام قومیں اصلاً ایک ہی نسلی حلقہ کی ہیں، حتیٰ کہ اگر مصریوں کا ذکر کیا گیا ہے، تو مصری بھی اس میں داخل ہیں۔

ثانیاً ان انکشافات کی روشنی میں ایک اور مسئلہ بھی بالکل صاف ہوجاتا ہے۔ قرآن نے جہاں کہیں ترتیب ظہور کے ساتھ دعوتوں کا ذکر کیا ہے، وہاں قوم نوح کے بعد قوم عاد اور عاد کے بعد قوم ثمود نمایاں ہوئی ہے، اور ان تینوں قوموں کو ایک دوسرے کا جانشین کہا ہے۔ چنانچہ سورہ اعراف کی آیت ۶۹ میں ہے کہ حضرت ہود نے اپنی قوم سے کہا، خدا کی یہ نعمت یاد کرو کہ اس نے تمہیں قوم نوح کے بعد اس کا جانشین بنایا۔ اور آیت ۷۴ میں ہے کہ اسی طرح حضرت صالح نے فرمایا، تم قوم عاد کے بعد اس کے جانشین بنائے گئے۔ چونکہ ان تینوں قوموں کا جغرافیائی محل ایک دوسرے سے الگ تھا، اس لئے یہ بات واضح نہیں ہوتی تھی کہ اس خطاب کا صحیح مطلب کیا ہے؟ لیکن اب بالکل واضح ہوگئی، اور ان توجیہوں کی ضرورت نہ رہی جو مفسرین نے اختیار کی ہیں۔

ثالثاً اس سوال پر بھی روشنی پڑتی ہے کہ قرآن نے ہر جگہ یہ تذکرہ حضرت نوح علیہ السلام ہی سے کیوں شروع کیا ہے؟ اس کے متعدد وجوہ سامنے آئے تھے، لیکن ان انکشافات کی روشنی نے ایک نیا پہلو واضح کردیا ہے۔ یعنی حضرت نوح کی دعوت فی الواقع اس قدیم نسل میں پہلی دعوت تھی، اور چونکہ پہلی دعوت تھی اس لئے ناگزیر تھا کہ اسکی دعوتوں کا تذکرہ اسی سے شروع ہو۔

ان کے وقوع سے مخاطب بخبر نہ ہوں کم از کم ان کی بھنک کانوں میں پڑ چکی ہو۔ یا نہ پڑی ہو تو اپنے پاس کے آدمیوں سے حال پوچھ سکتے ہوں ورنہ ظاہر ہے کہ لوگ کہہ دیتے پہلے ان وقائع کا وقوع ثابت کر دو۔ پھر ان سے ہمیں عبرت دلانا۔ اور اس طرح عبرت و تذکیر کا ہمارا مقصد ہی فوت ہو جاتا اب دیکھو قرآن نے جن ایام و وقائع کا ذکر کیا ہے، وہ تمام تر کن خطوں میں واقع ہوئے تھے؟ یعنی ان کی جغرافیائی حدود کیا ہیں؟ یہ تمام وقائع یا تو خود عرب میں ہوئے ہیں، یا سرزمین دجلہ و فرات میں یا پھر فلسطین اور مصر میں اور یہ تمام خطے ایک دوسرے سے متصل تھے، تجارتی قافلوں کی شاہراہوں سے باہم گرہ پیوستہ تھے، آمد و رفت کے علائق کا قدیمی سلسلہ رکھتے تھے، اور نسلی و لسانی تعلقات کے لحاظ سے بھی ایک دوسرے کے ساتھ جڑے ہوئے تھے۔ جیسا کہ آگے چل کر تمہیں معلوم ہوگا۔ پس قرآن نے انہی خطوں کا ذکر کیا جو فی الحقیقت تاریخ اقوام کا ایک ہی وسیع خطہ رہ چکا ہے۔ دوسرے خطوں سے تعرض نہیں کیا۔ کیونکہ مخاطبین کے لئے ان خطوں کا ذکر ان کی شب و روز کی باتوں کا ذکر تھا، اور وہ جھٹلانے کی جرأت نہیں کر سکتے تھے۔ عرب خود ان کا ملک تھا۔ عراق سے ان کے تعلقات تھے۔ فلسطین کے کھنڈروں پر ہر سال گذرتے رہتے مصر ان کے تجارتی قافلوں کی منڈی تھی ان ملکوں کا نام سننا گویا اپنے چاروں طرف نظر اٹھا کر دیکھ لینا تھا۔

پھر جن قوموں کا ذکر کیا گیا ان کے ناموں سے بھی وہ ناآشنا نہ تھے، قوم تبع اور اصحاب اخدود یمن سے تعلق رکھتے تھے اور یمن عرب میں ہے عاد اور ثمود کی بستیاں بھی عرب ہی کے حدود میں تھیں۔ قبیلۂ مدین بالکل عرب کے پڑوس میں تھا۔ قوم لوط کے کھنڈرات ان میں سے سیکڑوں اپنی آنکھوں سے دیکھ چکے تھے۔ سرزمین دجلہ و فرات کی قوموں اور ان کی راجدھانیوں سے بھی ناآشنا نہیں ہو سکتے تھے۔ مصر میں گو مصر کے فرعون اب نہیں رہے تھے لیکن مصر میں برابر آتے جاتے رہتے تھے فراعنہ کے نام ان کے لئے اجنبی نام نہیں ہو سکتے تھے۔

علاوہ بریں یہودی اور عیسائی خود ان کے اندر بسے ہوئے تھے۔ انبیاء بنی اسرائیل کے نام ان لوگوں کی زبانوں پر تھے، تفصیلات ربیوں اور راہبوں کو معلوم تھیں یہ ان سے پوچھ سکتے تھے، اور پوچھا کرتے تھے۔

چنانچہ یہی وجہ ہے کہ قرآن نے ایام و وقائع کے بیان و استدلال میں جا بجا اس طرح کا اسلوب اختیار کیا ہے جیسے ایک جانی بوجھی ہوئی بات کی طرف اشارہ کیا جائے، مثلاً جا بجا فرمایا ۱۱ الم یاتکم نبوا الذین من قبلکم ؟ (۱۴: ۹) جو قومیں تم سے پہلے گذر چکی ہیں، کیا تم تک ان کی خبریں نہیں پہنچ چکی ہیں؟ یا مثلاً جا بجا اس طرح کی تعبیرات پاؤ گے: ۱ اولم یسیروا فی الارض فینظروا کیف کان عاقبۃ الذین من قبلھم ؟ (۳۵: ۴۴) کیا یہ لوگ ملک میں چلے پھرے نہیں کہ دیکھتے پچھلی قوموں کا کیا انجام ہو چکا ہے؟ کیونکہ واقعہ یہ تھا کہ وہ برابر چلتے پھرتے رہتے تھے، یعنی مرموسم میں تجارت کے لئے نکلتے تھے، اور اثنار سفر میں کتنی ہی اجڑی ہوئی بستیاں، ٹوٹے ہوئے نشان اور سنسان کھنڈر ان کی نظروں سے گزرتے تھے، بلکہ لیلا و نہارا انہی میں نزول کرتے اور انہی کے سایوں میں دوپہر کاٹتے تھے، اور پھر جا بجا اس کی طرح کی بھی تصریحات ہیں کہ یہ مقامات تم سے کچھ دور نہیں کہ بعد کی وجہ سے بالکل بے خبر رہے ہو۔ اور یہ بھی کہا ہے کہ کیا علماء بنی اسرائیل سے یہ سرگزشتیں تم نے نہیں سنیں؟ اور اگر بے خبر ہو تو علم والوں سے یعنی علماء اہل کتاب سے دریافت کر لو جو تم ہی میں بسے ہوئے ہیں۔

اور پھر بعض مقامات میں عرب کے حوالی و اطراف کی تصریح بھی کر دی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ بیان وقائع میں قصداً یہ بات ملحوظ رکھی گئی ہے کہ سرزمین عرب اور اس کے اطراف و جوانب ہی کے وقائع ہوں۔ مثلاً سورہ احقاف کی آیت (۲۶) میں قوم عاد کے ذکر کے بعد فرمایا ولقد اھلکنا ما حولکم من القریٰ وصرفنا الآیات لعلھم یرجعون

البتہ یہ ظاہر و معلوم ہے کہ ان واقعات کی تفصیلات سے لوگ ناآشنا تھے۔ اور بعض وقائع ایسے تھے جن کی صرف کانوں میں بھنک پڑ چکی تھی، لیکن کوئی نہیں جانتا تھا کہ معاملہ کس طرح پیش آیا اور صحیح سرگزشت کیا ہے؟ نہ صرف عرب میں بلکہ ان خطوں میں بھی جہاں وہ پیش آئے تھے۔ جن وقائع کا ذکر تورات میں موجود تھا، ان کی بھی بعض حقیقتیں محو ہو گئی تھیں، یا بھلا دی گئی تھیں، اور خود اہل کتاب کو بھی خبر نہ تھی کہ اصلیت کیا رہ چکی ہے۔ پس قرآن نے ان کی حقیقت ٹھیک ٹھیک واضح کر دی۔ ہر معاملہ اپنی اصلی صورت میں نمایاں ہو گیا بعض وقائع کی نسبت تصریح کر دی کہ اس سے باشندگان عرب یا اہل

سُورَةُ يُوسُفَ (۱۲)

مکی - ۱۱۱ - آیتیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الٓرٰ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ۝ اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝ نَحْنُ نَقُصُّ ۱-۲
عَلَيْكَ اَحْسَنَ الْقَصَصِ بِمَآ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ هٰذَا الْقُرْاٰنَ ۚ وَاِنْ كُنْتَ مِنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ
الْغٰفِلِيْنَ ۝ اِذْ قَالَ يُوْسُفُ لِاَبِيْهِ يٰٓاَبَتِ اِنِّيْ رَاَيْتُ اَحَدَ عَشَرَ كَوْكَبًا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۳
رَاَيْتُهُمْ لِيْ سٰجِدِيْنَ ۝ قَالَ يٰبُنَيَّ لَا تَقْصُصْ رُءْيَاكَ عَلٰٓى اِخْوَتِكَ فَيَكِيْدُوْا لَكَ ۴
كَيْدًا ۭ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۝ ۵

(۱) یہ سورت بھی اُن سورتوں میں سے ہے جو اوائل دعوت میں نازل ہوئیں۔ اس میں اوّل سے لیکر آخر تک ایک ہی سرگزشت بیان کی گئی ہے اور وہ حضرت یوسف علیہ السلام کی سرگزشت ہے۔

(۲) گزشتہ سورت میں گزر چکا ہے کہ حضرت ابراہیم کو بشارت دی گئی تھی کہ ایک لڑکا پیدا ہوگا، اور پھر اس سے ایک لڑکا ہوگا، اور اسکی اولاد میں خدا برکت دے گا (آیت ۱۱)، چنانچہ حضرت اسحاق پیدا ہوئے اور ان کی اولاد میں حضرت یعقوب ہوئے حضرت یعقوب کے بارہ لڑکے تھے:

چھ لیاہ سے: روبن۔ شمعون۔ لاوی۔ یہوداہ۔ اشکار۔ زبلون۔

دو بلہا سے: دان۔ نفتالی۔

دو زلفہ سے: جد، آشر۔

دو راخل سے: یوسف۔ بن یمین۔

یوسف اور بن یمین سب سے چھوٹے تھے اور بن یمین کی پیدائش کے بعد ماں کا انتقال ہوگیا۔ پس گھرانے میں چودہ آدمی رہ گئے تھے بارہ لڑکے، باپ اور ان کی ایک بیوی

(۳) تورات میں ہے کہ لیاہ اور راخل میں سخت رقابت تھی اور اسکا اثر ان کی اولاد میں بھی پوری طرح نمایاں تھا حضرت یعقوب یوسف کو سب سے زیادہ چاہتے تھے، اور یہ بات سوتیلے بھائیوں پر بہت شاق تھی (پیدائش ۳۷: ۴) اسی لئے حضرت یعقوب نے روکا تھا کہ اپنا خواب بھائیوں سے نہ کہیو۔

الف۔ لام۔ را۔

یہ آیتیں ہیں روشن واضح کتاب کی! ۱

ہم نے اسے اس شکل میں اتارا کہ عربی زبان کا قرآن ہے، تاکہ تم سمجھو بوجھو۔ ۲

(اے پیغمبر!) اس قرآن کی وحی کرکے ہم تجھے بہتر سے بہتر طریقہ پر (پچھلی) سرگزشتیں سناتے ہیں، اور یقیناً قرآن کے نازل ہونے سے پہلے تو انہی لوگوں میں سے تھا جو (ان سرگزشتوں سے) بیخبر تھے۔ ۳

اور (دیکھو) جب ایسا ہوا تھا کہ یوسف نے اپنے باپ سے کہا تھا "اے میرے باپ! میں نے (خواب میں) دیکھا کہ گیارہ ستارے ہیں اور سورج اور چاند اور دیکھا کہ یہ سب مجھے سجدہ کر رہے ہیں!" ۴

(باپ نے) کہا "اے میرے بیٹے! اپنے اس خواب کا حال اپنے بھائیوں سے نہ کہنا بھجو کہ وہ تیرے خلاف کسی منصوبہ کی تدبیریں کرنے لگیں، یاد رکھ شیطان انسان کا صریح دشمن ہے"۔ ۵

ماخذات کی بنا پر سامی نسلوں اور زبانوں کی جو تقسیم کی گئی تھی، اور جو اٹھارھویں اور انیسویں صدی کے علماء انساب السنہ کے نزدیک بنیادی تقسیم رہی ہے، اب تنزلزل ہو رہی ہے، اور معلوم ہوتا ہے از سر نو تقسیمیں کرنی پڑینگی و لتعلمن نبأہ بعد حین! (۳۸ : ۸۸)

(۲۵) اس سورت کی تمہیدات میں ایک معاملہ اور تشریح طلب رہ گیا ہے اور ضروری ہے کہ اس طرف بھی اشارہ کر دیا جائے۔ قرآن نے جس طرح دوسری قوموں کے عذاب کا ذکر کیا ہے اسی طرح قوم نوح کے عذاب کا بھی ذکر کیا ہے اور اگر دوسری قوموں کا عذاب صرف انہی قوموں کے لئے تھا، تو کوئی وجہ نہیں کہ قوم نوح کا عذاب یعنی طوفان عالمگیر تصور کیا جائے لیکن چونکہ تورات کی کتاب پیدائش میں اس طرح کی تمہیدات موجود ہیں کہ طوفان عام تھا، اور یہودیوں اور عیسائیوں کا ایسا ہی اعتقاد رہا ہے اس لئے مسلمانوں میں بھی یہ خیال پھیل گیا ماوراس طرح کی تفسیر کی جانے لگی جو طوفان کے عموم پر مبنی تھی۔ بہرحال دو باتیں یاد رکھنی چاہئیں۔ ایک یہ کہ قرآن میں کوئی بات ایسی نہیں ہے جس سے طوفان نوح عام ثابت ہوتا ہو۔ دوسری یہ کہ تورات کے بقیہ اجزاء کے بارے میں کچھ ہی کہا جائے، لیکن موجودہ زمانہ میں علم و تحقیق کا قطعی فیصلہ ہو چکا ہے کہ کتاب پیدائش لائق اعتنا نہیں خصوصاً اس کا ابتدائی حصہ۔ تفصیل اس کی مقدمہ میں ملے گی

انیسویں صدی کی نئی تحقیقات اور قرآن اور عہد نامہ عتیق اسرائیل

(۲۶) انیسویں صدی کی اثری تحقیقات نے ایک نیا سوال بھی پیدا کر دیا ہے یعنی تورات اور قرآن میں حضرت یوسف اور حضرت موسیٰ (علیہما السلام) کی جو سرگزشتیں بیان کی گئی ہیں مصر کے تاریخی آثار میں ان کا کوئی سراغ نہیں ملتا۔ حتیٰ کہ بنی اسرائیل کے تو طن مصر اور خروج کا پورا واقعہ اثریات مصر کی تاریخ میں ایک غیر معلوم واقعہ ہے۔

دنیا کی کسی پرانی قوم نے اپنی تاریخ کی کتابت و حفاظت کا انتظام نہیں کیا جیسا کہ قدیم مصریوں نے کیا تھا۔ جس وقت تک پیپرس (قدیم مصری کاغذ) ایجاد نہیں ہوا تھا، تب بھی محلوں، مندروں، اور مقبروں کی دیواروں پر ہر عہد کے حالات مسلسل نقش کئے جاتے رہے اور جب پیپرس رائج ہو گیا، تو باقاعدہ دفاتر مدون ہونے لگے۔ علاوہ بریں ہر بادشاہ اور امیر کی وفات کے بعد اسکی نعش خوط (ممی) کر کے اس کے خاص مقبرہ میں رکھی جاتی تھی، اور نعش کے ساتھ اسکی زندگی کے وقائع بھی رکھ دیے جاتے تھے۔ اب یہ تمام آثار روشنی میں آگئے ہیں، اور انکی معلومات نے ایک مستند تاریخ کی شکل اختیار کر لی ہے

ان معلومات نے ہمیں پانچ ہزار برس پیشتر کے واقعات تک پہنچا دیا ہے۔ بدقسمتی سے واقعات کے لئے یونانی نوشتے موجود ہیں دونوں یک جا کر دی جائیں، تو یہ تین ہزار سال قبل از مسیح سے لے کر عہد سکندری تک کی ایک مسلسل تاریخ ہے۔ اس تمام عرصے میں اکتیس شاہی خاندانوں نے مصر پر حکومت کی۔ آخری خاندان فارس کی شہنشاہی کا تھا، جس کے بعد ۳۳۲ ق م قبل از مسیح میں سکندر اعظم کا تسلط قائم ہوا۔ ان اکتیس خاندانوں کے اکثر آزاد روشنی میں آگئے ہیں اور ان کے ناموں کی فہرستیں مرتب کر لی گئی ہیں۔

علماء آثار کہتے ہیں کہ حضرت یوسفؑ کا معاملہ ایک نہایت غیر معمولی نوعیت کا معاملہ تھا۔ پھر ان کے خاندان کا مصر آنا اور بس جانا اور حضرت موسیٰ کا ظہور بعد عون سے مقابلہ تمام تر ایسے واقعات ہیں جو نہایت اہمیت رکھتے ہیں ضروری تھا کہ آثار مصر میں ان کا ذکر آتا۔ لیکن کسی طرح کا بھی تذکرہ نہیں ملتا۔ تورات کی سنین کے مطابق حضرت کا یوسف کا زمانہ مصر کے ہیکسس (حالفہ) فرمانرواؤں کا زمانہ ہے اور حضرت موسیٰ کا زمانہ بیسویں شاہان خاندان کا زمانہ ہونا چاہیے جس میں رعمسیس سوم سے لیکر رعمسیس یازدہم تک کے فراعنہ گزرے ہیں لیکن ان تمام بادشاہوں کے جس قدر حالات معلوم ہوئے ہیں ان میں کوئی واقعہ ایسا نہیں ملتا جو حضرت یوسف اور حضرت موسیٰ (علیہما السلام) کی سرگزشتوں کی خبر دیتا ہو۔

اسی بنا پر بیسویں صدی کے علماء تاریخ کا عام رجحان اس طرف ہے کہ دونوں واقعوں کی تاریخی حیثیت قابل تسلیم نہیں لیکن کیا آثار مصر کا سکوت اس کے لئے کافی ہے کہ اسے تاریخ کی منفی شہادت تسلیم کر لیا جائے؟ اور کیا فی الحقیقت آثار مصر میں ان واقعات کے لئے کوئی روشنی نہیں؟ یہ ضروری سوالات ہیں جنہیں حل کرنا چاہئے۔ لیکن اس کا محل البیان ترجمان القرآن نہیں۔

إِن كُنتُمْ فَٰعِلِينَ ۝ قَالُوا يَا أَبَانَا مَا لَكَ لَا تَأْمَنَّا عَلَىٰ يُوسُفَ وَإِنَّا لَهُ لَنَاصِحُونَ ۝ أَرْسِلْهُ مَعَنَا ۱۰-۱۱
غَدًا يَرْتَعْ وَيَلْعَبْ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ ۝ قَالَ إِنِّي لَيَحْزُنُنِي أَن تَذْهَبُوا بِهِ وَأَخَافُ أَن ۱۲
يَأْكُلَهُ الذِّئْبُ وَأَنتُمْ عَنْهُ غَافِلُونَ ۝ قَالُوا لَئِنْ أَكَلَهُ الذِّئْبُ وَنَحْنُ عُصْبَةٌ إِنَّا إِذًا ۱۳
لَّخَاسِرُونَ ۝ فَلَمَّا ذَهَبُوا بِهِ وَأَجْمَعُوا أَن يَجْعَلُوهُ فِي غَيَابَتِ الْجُبِّ ۚ وَأَوْحَيْنَا إِلَيْهِ ۱۴
لَتُنَبِّئَنَّهُم بِأَمْرِهِمْ هَٰذَا وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ۝ وَجَاءُوا أَبَاهُمْ عِشَاءً يَبْكُونَ ۝ قَالُوا ۱۵
يَا أَبَانَا إِنَّا ذَهَبْنَا نَسْتَبِقُ وَتَرَكْنَا يُوسُفَ عِندَ مَتَاعِنَا فَأَكَلَهُ الذِّئْبُ ۖ وَمَا أَنتَ بِمُؤْمِنٍ

کو قتل مت کرو۔ اگر تمہیں کچھ کرنا ہی ہے تو کسی اندھے کنوئیں میں ڈال دو (گذرنے والے قافلوں میں سے) کوئی قافلہ (اس پر گرے گا اور) اسے نکال لے گا۔"

(تب سب مل کر باپ کے پاس آئے اور) انہوں نے کہا "اے ہمارے باپ! کیوں آپ یوسف کے بارے میں ہمارا اعتبار نہیں کرتے؟ (اور ہمارے ساتھ کہیں جانے نہیں دیتے؟) حالانکہ ہم تو اس کے دل سے خیر خواہ ہیں۔ کل ہمارے ساتھ اسے (جنگل میں) جانے دیجئے کہ کھائے پیئے کھیلے کودے ہم اس کی حفاظت کے ذمہ دار ہیں۔"

(باپ نے) کہا "یہ بات مجھے غم میں ڈالتی ہے کہ تم اسے اپنے ہمراہ لے جاؤ۔ اور میں ڈرتا ہوں، کہیں ایسا نہ ہو، بھیڑیا کھالے اور تم اس سے غافل ہو۔"

انہوں نے کہا "بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ بھیڑیا اسے کھالے اور ہمارا ایک پورا جتھا موجود ہو۔ اگر ایسا ہو تو پھر ہم نرے نکمے ہی نکلے!"

پھر جب یہ لوگ (باپ سے رخصت لے کر) یوسف کو ساتھ لے گئے، اور سب نے اس پر اتفاق کر لیا کہ اندھے کنوئیں میں ڈال دیں (اور ایسا ہی کر گذرے) تو ہم نے یوسف پر وحی بھیجی کہ (مایوس نہ ہو) ایک دن ضرور آنے والا ہے جب ان کا یہ معاملہ تو انہیں جتائے گا اور وہ نہیں جانتے (کہ کیا کچھ ہو چکا ہے)۔

اور وہ اپنے باپ کے پاس شام کو روتے پیٹتے آئے۔ انہوں نے کہا "اے ہمارے باپ! ہم ایک دوسرے سے آگے نکل جانے کے لئے دوڑ میں لگ گئے تھے، اور یوسف کو اپنے سامان کے پاس چھوڑ دیا تھا۔ پس ایسا

(۷) حضرت یعقوب کا اندیشہ ظاہر کرنا اور پھر اجازت دے دینی۔

اُس زمانہ میں قبایل کی دولت و ثروت کا بڑا مدار مویشی پر تھا۔ مرد دن بھر چرانے تھے۔ شام کو خیموں میں آ کر آرام کرتے تھے۔ ایسی ہی زندگی حضرت یعقوب کے گھرانے کی بھی تھی۔ بھیڑیے مویشی کے دشمن ہوتے ہیں۔ ہمیشہ کوئی نہ کوئی حادثہ ہوتا رہتا تھا اس لئے بے اعتبار حضرت یعقوب کی زبان سے نکل گیا کہیں ایسا ہی حادثہ یوسف کو پیش نہ آجائے۔ یوسف کے بھائیوں نے یہی بات پکڑ لی، اور اسی کا جھوٹا قصہ بنا کر سنا دیا۔

وَكَذٰلِكَ يَجْتَبِيكَ رَبُّكَ وَيُعَلِّمُكَ مِنْ تَأْوِيلِ الْأَحَادِيثِ وَيُتِمُّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكَ وَعَلٰى
اٰلِ يَعْقُوبَ كَمَا أَتَمَّهَا عَلٰى أَبَوَيْكَ مِنْ قَبْلُ إِبْرٰهِيمَ وَإِسْحٰقَ ۚ إِنَّ رَبَّكَ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ۝ ع ۶
لَقَدْ كَانَ فِي يُوسُفَ وَإِخْوَتِهِ آيَاتٌ لِّلسَّائِلِينَ ۝ ۷
إِذْ قَالُوا لَيُوسُفُ وَأَخُوهُ أَحَبُّ إِلٰى أَبِينَا مِنَّا وَنَحْنُ عُصْبَةٌ ۗ إِنَّ أَبَانَا لَفِي ضَلٰلٍ مُّبِينٍ ۝ ۸
اقْتُلُوا يُوسُفَ أَوِ اطْرَحُوهُ أَرْضًا يَخْلُ لَكُمْ وَجْهُ أَبِيكُمْ وَتَكُونُوا مِنْ بَعْدِهِ قَوْمًا صٰلِحِينَ ۝ ۹
قَالَ قَائِلٌ مِّنْهُمْ لَا تَقْتُلُوا يُوسُفَ وَأَلْقُوهُ فِي غَيٰبَتِ الْجُبِّ يَلْتَقِطْهُ بَعْضُ السَّيَّارَةِ

(۴) تورات میں ہے کہ یوسف کی عمر سترہ برس کی تھی، جب خواب کا معاملہ پیش آیا (پیدائش ۳۷: ۲)

(۵) خواب میں گیارہ ستاروں سے مقصود یوسف کے گیارہ بھائی تھے، اور سورج چاند سے باپ اور (سوتیلی) ماں تورات میں ہے کہ یوسف نے بھائیوں سے خواب کہہ دیا تھا، اور انہیں یہ بات بھی معلوم ہوگئی تھی کہ اس کی تعبیر کیا ہے (پیدائش ۳۷: ۱۱) غالباً حضرت یوسف باپ کی خدمت سے پہلے یہ بات ظاہر کر چکے تھے۔

"اور (اے میرے بیٹے! جس طرح تو نے دیکھا ہے کہ گیارہ ستارے اور سورج چاند تیرے آگے جھکے تو) اسی طرح تیرا پروردگار تجھے برگزیدہ کرنے والا ہے اور یہ بات سکھلانے والا ہے کہ باتوں کا نتیجہ و مطلب کیونکر ٹھہرایا جائے۔ نیز جس طرح وہ اب سے پہلے تیرے بزرگوں ابراہیم اور اسحاق پر اپنی نعمت پوری کر چکا ہے اسی طرح تجھ پر اور یعقوب کے گھرانے پر بھی پوری کرے گا۔ بلاشبہ تیرا پروردگار (سب کچھ جاننے والا اور (اپنے تمام کاموں میں) حکمت والا ہے!" ۶

"جو لوگ (حقیقت حال) پوچھنے والے ہیں (اگر وہ سمجھیں تو) ان کے لئے یوسف اور اس کے بھائیوں کے معاملہ میں (موعظت و عبرت کی) بڑی ہی نشانیاں ہیں! ۷

اور جب ایسا ہوا تھا کہ (یوسف کے سوتیلے بھائی آپس میں) کہنے لگے: "ہمارے باپ کو یوسف اور اس کا بھائی (بن یمین) ہم سب سے بہت زیادہ پیارا ہے حالانکہ ہم ایک پوری جماعت ہیں (یعنی ہماری اتنی بڑی تعداد ہے) اور یقیناً ہمارا باپ صریح غلطی پر ہے۔" ۸

(۶) بھائیوں کا یوسف کے بارے میں مشورہ کرنا اور اس پر متفق ہونا کہ اسے ایک اندھے کنوئیں میں ڈال دیا جائے، اور باپ سے اجازت مانگنی کہ یوسف کو اپنے ساتھ جنگل میں لے جائیں جہاں وہ روز مویشی چرانے جایا کرتے تھے۔

تورات میں ہے کہ جب بھائیوں نے مشورہ کیا تو روبن نے کہا قتل نہ کرو کنوئیں میں ڈال دو (پیدائش ۳۷: ۲۲) ۹

"پس (بہتر یہ ہے کہ) یوسف کو مار ڈالیں یا کسی جگہ پھینک آئیں تاکہ ہمارے باپ کی توجہ ہماری ہی طرف رہے اور اس کے نکل جانے کے بعد ہمارے سارے کام سدھر جائیں۔"

ان میں سے ایک کہنے والے نے کہا "نہیں یوسف

وَكَانُوا فِيهِ مِنَ الزَّاهِدِينَ ۝ ۲۰ ع ۱۲
وَقَالَ الَّذِي اشْتَرَاهُ مِن مِّصْرَ لِامْرَأَتِهِ أَكْرِمِي مَثْوَاهُ
عَسَىٰ أَن يَنفَعَنَا أَوْ نَتَّخِذَهُ وَلَدًا ۚ وَكَذَٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوسُفَ فِي الْأَرْضِ وَلِنُعَلِّمَهُ مِن
تَأْوِيلِ الْأَحَادِيثِ ۚ وَاللَّهُ غَالِبٌ عَلَىٰ أَمْرِهِ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ۝ ۲۱
وَلَمَّا بَلَغَ أَشُدَّهُ آتَيْنَاهُ حُكْمًا وَعِلْمًا ۚ وَكَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ۝ ۲۲
وَرَاوَدَتْهُ الَّتِي هُوَ فِي بَيْتِهَا

یعنی ان کا حسد کرنا، سازش کرنی، معاملہ کی ایک بھدی صورت بنا لینی، اور پھر سمجھنا، اس طرح ہم کامیاب بھی ہو جائینگے، اور ہمارا جھوٹ بھی نہیں کھلے گا۔ سب کی طرف اس میں اشارے ہو گئے۔

(۹) ایک عرب قافلہ کا کنوئیں پر سے گزرنا۔ حضرت یوسف کا ڈول میں بیٹھ کر نکل آنا، اور فروخت ہونا۔

قرات میں ہے کہ قافلہ اسماعیلیوں کا تھا جو گرم مصالحہ، بلسان، اور مُر مصر لے جا رہا تھا، اور اس وقت پہنچا تھا جب یوسف کے بھائی اپنا کام پورا کر کے روٹی کھانے بیٹھے تھے۔ تب یہودا نے کہا، بہتر ہے، ہم یوسف کو ان لوگوں کے ہاتھ بیچ ڈالیں۔ اس کے مار ڈالنے سے ہمیں کیا فائدہ ہوگا چنانچہ انہوں نے بیس سکوں پر بیچ ڈالا (پیدائش ۳۷: ۲۵) (اسماعیلی یعنی حجاز کے عرب جو حضرت اسماعیل کی نسل سے تھے)

اگر یہ معاملہ واقعی پیش آیا تھا، تو قرآن نے اسے حذف کر دیا۔ کیونکہ ضروری نہ تھا۔ اور آیت ۱۹ میں وہ واقعہ بیان کر دیا جو مصر پہنچنے کا ذریعہ ہوا۔

ڈول کھینچنے والے نے اظہار تعجب کی جگہ اظہار مسرت اس لئے کیا کہ غلامی کا رواج عام تھا، اور کم سن اور خوبصورت لڑکا ہاتھ لگ جاتا تو ایک قیمتی متاع سمجھی جاتی اور معقول قیمت وصول ہو جاتی۔ یہی وجہ ہے کہ فرمایا: واسروہ بضاعة۔

قرات میں ہے کہ یہ کنواں بیابان میں تھا اور اس میں ایک بوند پانی نہ تھا (پیدائش ۳۷: ۲۲ و ۲۴) پس حضرت یوسف کنوئیں میں پڑے تھے۔ جب قافلہ کے آدمی نے ڈول لٹکایا۔ تو سمجھے، شاید کوئی آدمی مجھے نکالنے آیا ہے اور ڈول میں بیٹھ گئے۔ اس طرح ان کی رہائی کا خود بخود سامان ہو گیا۔

کر دیا۔ اور وہ اس معاملہ میں (اچھی قیمت لینے کے چند ان) خواہشمند بھی نہ تھے (یعنی چونکہ لڑکا مفت مل گیا تھا، یا بہت کم داموں خریدا تھا، اس لئے بڑی قیمت کے چنداں خواہشمند نہ تھے) ۲۰

اور اہل مصر میں سے جس شخص نے یوسف کو قافلہ والوں سے مول لیا تھا، وہ (اسے لیکر اپنے گھر آیا، اور) اپنی بیوی سے بولا "اسے عزت کے ساتھ رکھو عجب نہیں یہ ہمیں فائدہ پہنچائے، یا ہم اسے اپنا بیٹا بنا لیں"۔

اور (دیکھو) اس طرح ہم نے یوسف کو سرزمین مصر میں قدم جما دیا، اور مقصود یہ تھا کہ اسے باتوں کا نتیجہ و مطلب نکالنا سکھا دیں اور اللہ کو جو معاملہ کرنا ہوتا ہے وہ کر کے رہتا ہے لیکن اکثر آدمی ایسے ہیں جو نہیں مانتے! ۲۱

اور پھر جب ایسا ہوا کہ یوسف اپنی جوانی کو پہنچا تو ہم نے اسے کارفرمائی کی قوت اور علم کی فراوانی بخشی ہم نیک عملوں کو ایسا ہی (ان کی نیک عملی کا) بدلہ عطا فرماتے ہیں! ۲۲

اور پھر ایسا ہوا کہ جس عورت کے گھر میں یوسف رہتا تھا (یعنی عزیز کی بیوی) وہ اس پر (ڈورے ڈالنے لگی، اور) ڈورے ڈالنے لگی کہ بے قابو ہو کر

لَنَا وَلَوْ كُنَّا صٰدِقِيْنَ ۝ ١٧ وَجَآءُوْ عَلٰى قَمِيْصِهٖ بِدَمٍ كَذِبٍ ۭ قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ
أَنْفُسُكُمْ أَمْرًا ۭ فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ ۭ وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰي مَا تَصِفُوْنَ ۝ ١٨ وَجَاءَتْ سَيَّارَةٌ
فَأَرْسَلُوْا وَارِدَهُمْ فَأَدْلٰى دَلْوَهٗ ۭ قَالَ يٰبُشْرٰى هٰذَا غُلٰمٌ ۭ وَأَسَرُّوْهُ بِضَاعَةً ۭ وَاللّٰهُ
عَلِيْمٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ۝ ١٩ وَشَرَوْهُ بِثَمَنٍۢ بَخْسٍ دَرَاهِمَ مَعْدُوْدَةٍ ۚ

ہوا کہ بھیڑیا آنکلا اور یوسف کو (پھاڑ کر) کھالیا۔ اور ہم جانتے ہیں کہ آپ ہماری بات کا یقین کرنے والے
نہیں۔ اگرچہ ہم کتنے ہی سچے ہوں"۔

اور وہ یوسف کے کرتے پر جھوٹ موٹ کا خون
لگا لائے تھے، باپ نے (اسے دیکھتے ہی) کہا "نہیں
(میں یہ نہیں مان سکتا) یہ تو ایک بات ہے جو تمہارے
نفس نے گڑھ کر تمہیں خوشنما دکھا دی ہے (اور تم
سمجھتے ہو چل جائیگی) خیر میرے لئے اب صبر کرنا ہے،
(اور) صبر (بھی ایسا کہ) پسندیدہ (ہو) اور جو کچھ تم بیان
کرتے ہو اس پر اللہ ہی سے مدد مانگنی ہے"!

اور (دیکھو) ایک قافلہ کا اس پر گزر ہوا (یعنی
اس کنوئیں پر جس میں یوسف کو ڈالا تھا) اور قافلہ
والوں نے پانی کے لئے اپنا سقہ بھیجا۔ پھر جونہی
اس نے اپنا ڈول لٹکایا (اور یہ سمجھ کر کہ پانی سے بوجھل ہو
چکا ہے اور کھینچا) تو (کیا دیکھتا ہے) ایک جیتا جاگتا
لڑکا اس میں بیٹھا ہے! وہ) پکار اٹھا "کیا خوشی کی بات
ہے! یہ تو ایک لڑکا ہے"! اور پھر (قافلہ والوں نے اسے
اپنا سرمایۂ تجارت سمجھ کر چھپا رکھا (کہ کوئی دعویدار نہ نکل
آئے) اور وہ جو کچھ کر رہے تھے، اللہ کے علم سے پوشیدہ
نہ تھا!

اور (پھر) انہوں نے یوسف کو بہت کم داموں
پر گنتی کے چند درہم تھے (بازار مصر میں) فروخت

(۱۷) یوسف کے بھائیوں کا یوسف کو کنوئیں میں ڈال دینا، بھیڑیے کے حملے کا جھوٹا قصہ بنانا، حضرت یعقوب کا ان کے کذب پر مطلع ہو جانا، مگر صبر جمیل کا شیوہ اختیار کرنا۔

"صبر" کے معنی شدائد جھیلنے کے ہیں "جمیل" ایسی بات جو پسندیدہ ہو۔ یعنی نہ صرف یہ کہ شدائد جھیل لیے جائیں۔ بلکہ بڑی خوبی کے ساتھ جھیلے جائیں۔ شدائد کا شکوہ نہ ہو۔ درد و الم کی شکایت زبان پر نہ آئے۔ چونکہ حضرت یعقوب کو ذریعہ نبوت سے یہ بات معلوم ہو گئی تھی کہ بھلی بشارتیں یوسف ہی کے ذریعہ پوری ہونے والی ہیں، اس لئے وہ کبھی باور نہیں کر سکتے تھے کہ اس طرح اس کی زندگی کا خاتمہ ہو جائے گا۔ پس فرمایا وصبر جمیل یعنی اس معاملہ میں حکمت الٰہی کا ہاتھ صاف نظر آ رہا ہے۔ پس میرے لئے اس کے سوا چارہ نہیں کہ بغیر شکوہ و شکایت کے درد و فراق جھیلتا رہوں اور اس کی کارفرمائیوں کے ظہور کا انتظار کروں۔ واللہ المستعان علی ما تصفون!

آیت ۱۸ میں خون آلود کرتے کا خصوصیت کے ساتھ ذکر کیا، کیونکہ اسی سے ان کا سارا جھوٹ کھل گیا تھا۔ انہوں نے اپنے خیال میں یہ بڑی ہوشیاری کی بات کی تھی کہ یوسف کے کرتے پر بکری کا خون لگا کر بطور شہادت کے لے آئے لیکن یہ سمجھے کہ اگر بھیڑیے نے حملہ کیا تھا تو کرتا کیسے بچ رہا؟ اس کے تو پرزے پرزے ہو جانے تھے۔ حضرت یعقوب نے جب کرتا دیکھا تو انہیں پورا یقین ہو گیا کہ ساری کہانی من گھڑت ہے۔

قرآن کی معجزانہ بلاغت دیکھو۔ حضرت یعقوب نے صرف اتنا کہہ کر کہ "سولت لکم انفسکم امرا" کس طرح ساری باتیں کہہ دیں جو اس معاملہ کے لئے کہی جا سکتی تھیں؟

أَوْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝ قَالَ هِيَ رَاوَدَتْنِي عَن نَّفْسِي وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ أَهْلِهَا إِن كَانَ قَمِيصُهُ ۲۵
قُدَّ مِن قُبُلٍ فَصَدَقَتْ وَهُوَ مِنَ الْكَاذِبِينَ ۝ وَإِن كَانَ قَمِيصُهُ قُدَّ مِن دُبُرٍ ۲۶
فَكَذَبَتْ وَهُوَ مِنَ الصَّادِقِينَ ۝ فَلَمَّا رَأَىٰ قَمِيصَهُ قُدَّ مِن دُبُرٍ قَالَ إِنَّهُ ۲۷
مِن كَيْدِكُنَّ ۖ إِنَّ

پھر فرمایا: واللہ غالب علی امرہ (دیکھو خدا جو چاہتا ہے کس طرح کر کے رہتا ہے؟ بھائیوں نے یوسف کو نامراد کرنا چاہا تھا، لیکن انہوں نے جو کچھ کیا، وہی اسکی فتح و فیروزی کا ذریعہ بن گیا!

(۱۲) حضرت یوسف کا بلوغ کو پہنچنا، اور دانش حکومت اور فضیلت علم کی تکمیل۔

اور تورات کی تصریح گذر چکی ہے کہ باپ سے علیحدگی کے وقت ان کی عمر سترہ برس کی تھی۔ پس آیت (۲۲) میں فرمایا جب برسوں یہاں کئی سال رہنے کے بعد جب وہ جوان ہو گئے تو علم الٰہی کی دانش اور علم کی بصیرت مرتبہ کمال کو پہنچ گئی اور تمام اہل مصر کی تاریخ شہادت دیتی ہے کہ نیک کرداروں کو اسی طرح ان کے حسن عمل کے نتائج ملا کرتے ہیں!

(۱۳) عزیز کی بیوی کا حضرت یوسف پر فریفتہ ہونا، اور ایک سخت تر بلا میں آزمائشی حالت میں ڈالنا، پھر ناکام رہ کر جھوٹا الزام لگانا، اور ان کا معصومیت سے بچے رہنا، اور حضرت انگیز طریقہ پر الزام کا بھی جھوٹا ثابت ہونا۔

آیت (۲۳) سے اس واقعہ کا بیان شروع ہوتا ہے جو حضرت یوسف کی زندگی کا سب سے زیادہ عظیم واقعہ ہے۔ تصریح اس کی آخری نوٹ میں ملے گی۔

تورات میں ہے کہ یوسف خوب صورت اور خوبرو تھا۔ (پیدائش ۳۹: ۶) پس جب جوانی کو پہنچے، تو اس کی بیوی ان پر فریفتہ ہو گئی، اور جب دیکھا، دوسری طرف سے جواب نہیں ملتا، تو جیسا کہ قاعدہ ہے، ملتفت کرنے کے لئے طرح طرح کی تدبیریں کام میں لائیں۔ پھر جب اس پر بھی وہ نہ پھسلے، تو ایک دن جوش فریفتگی میں وہ بات کر بیٹھی جو اس معاملہ کی انتہائی حد ہے یعنی ہر طرح سے مواقع جو کسی انسان کو ضبط نفس پر مجبور کر سکتے ہیں راہ سے دور کر دیتے اور کھلے لفظوں میں طالب وصل ہوئی،

نکل بھاگنے سے روکے) اور عورت نے یوسف کا کرتہ پیچھے سے کھینچا اور دو ٹکڑے کر دیا۔ اور (پھر اچانک) دونوں نے دیکھا کہ عورت کا خاوند دروازے کے پاس کھڑا ہے۔ تب عورت نے (اپنا جرم چھپانے کے لئے فوراً بات بنالی اور) کہا "جو آدمی تیرے اہل خانہ کے ساتھ بری بات کا ارادہ کرے اس کی سزا کیا ہونی چاہئے؟ کیا یہی نہیں ہونی چاہئے کہ اسے قید میں ڈالا جائے یا کوئی اور دردناک سزا دی جائے"؟

۲۵

(اس پر) یوسف نے کہا "خود اسی نے مجھ پر ڈورے ڈالے" اور مجبور کیا کہ پھسل پڑوں" (میں نے ہرگز ایسا نہیں کیا)

اور (پھر ایسا ہوا کہ) اس عورت کے کنبہ والوں میں سے ایک گواہ نے گواہی دی اس نے کہا "یوسف کا کرتہ (دیکھا جائے) اگر آگے سے ڈوٹکڑے ہوا ہے تو عورت سچی ہے یوسف جھوٹا ہے۔ اگر پیچھے سے ڈوٹکڑے ہوا ہے تو عورت نے جھوٹ بولا، یوسف سچا ہے" پس جب عورت کے خاوند نے دیکھا کہ یوسف کا کرتہ پیچھے سے ڈوٹکڑے ہوا ہے تو (اصلیت پاگیا اور) عورت سے کہا "کچھ شک نہیں یہ تم عورتوں کی مکاریوں میں سے

۲۶

۲۷

عَنْ نَّفْسِهٖ وَغَلَّقَتِ الْاَبْوَابَ وَقَالَتْ هَيْتَ لَكَ ؕ قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ اِنَّهٗ رَبِّيْۤ اَحْسَنَ
مَثْوَايَ ؕ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ۝ وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ ۚ وَهَمَّ بِهَا لَوْلَاۤ اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ ؕ ۲۳
كَذٰلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوْٓءَ وَالْفَحْشَآءَ ؕ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِيْنَ ۝ وَاسْتَبَقَا ۲۴
الْبَابَ وَقَدَّتْ قَمِيْصَهٗ مِنْ دُبُرٍ وَّاَلْفَيَا سَيِّدَهَا لَدَا الْبَابِ ؕ قَالَتْ مَا جَزَآءُ مَنْ
اَرَادَ بِاَهْلِكَ سُوْٓءًا اِلَّاۤ اَنْ يُّسْجَنَ

(۲۱) مصر کے ایک سردار کا حضرت یوسف کو خریدنا، اور اُن کے اخلاق وخصایل سے اس درجہ متاثر ہونا کہ اپنا سب کچھ ان کے سپرد کر دینا۔

توراۃ میں ہے کہ جس مصری نے خریدا تھا، اس کا نام فوطی فار تھا، اور وہ فرعون کا ایک امیر اور سردار فوج تھا۔ پیدایش ۳۷: ۳۶) قرآن نے بھی آگے چل کر اسے "عزیز" کہا ہے یعنی ایسا آدمی جو ملک میں بڑی جگہ رکھتا تھا۔

عزیز مصر نے پہلے تو خوبصورت غلام دیکھ کر خرید لیا تھا لیکن جب تھوڑے ہی دنوں کے اندر اس پر حضرت یوسف کے جوہر کھل گئے، تو ان کی راست بازی، نیک عملی، اور پاکی نفس سے اس درجہ متاثر ہوا کہ اپنے سارے گھر بار اور علاقہ کا مختار کل بنا دیا۔ توراۃ میں ہے کہ یوسف کے حسن انتظام سے فوطی فار کی آمدنی دوگنی ہو گئی تھی (پیدایش ۳۹: ۴)

غور کرو قرآن نے یہ سارا معاملہ ایک چھوٹی سی آیت میں بیان کر دیا۔ یعنی آیت ۲۱ میں عزیز کا اپنی بیوی سے یہ کہنا کہ اسے عزت کے ساتھ گھر میں رکھو، اسی طرف اشارہ ہے۔

(۱۱) حضرت یوسف کی مصری زندگی اور مصری کامرانیوں کی ابتدا۔

جب معاملہ یہاں تک پہنچ گیا، تو گویا حضرت یوسف کی مصری کامرانیوں کی بنیاد پڑ گئی، اور وہ میدان پیدا ہو گیا جہاں ان کے جوہر کھلنے والے اور تدریج تخت معرفت پہنچنے والے تھے۔ پس فرمایا: کذالک مکنا لیوسف فی الارض اس طرح ہم نے یوسف کے مصر میں قدم جمائے کہ غلام ہو کر بکا تھا۔ لیکن معزز و محترم ہو کر زندگی بسر کرنے لگا۔ نیز اس میں یہ مصلحت بھی تھی کہ اس پر "تاویل الاحادیث" کے علم کی راہ کھول دیں۔ جس کی خبر ستاروں والے خواب میں دی جا چکی تھی (تاویل الاحادیث کی تشریح آخری نوٹ میں ملے گی)

۲۳ (۱۲) عورت کا یوسف کو اپنی طرف مائل کرنا، اور یوسف کا اس سے بچنا۔

اور حقیقت یہ ہے کہ عورت یوسف کے پیچھے پڑ چکی تھی، اور (حالت ایسی ہو گئی تھی کہ بے قابو ہو کر) یوسف بھی اس کی طرف متوجہ ہو جاتا اگر اس کے پروردگار کی دلیل اس کے سامنے نہ آ گئی ہوتی۔ (تو دیکھیں) اس طرح (ہم نے نفس انسانی کی اس سخت آزمایش میں بھی اسے دلیل حق کے ذریعہ ہشیار رکھا) تاکہ برائی اور بے حیائی کی باتیں اس سے دور رکھیں۔ بلاشبہ وہ ہمارے ان بندوں میں سے تھا جو برگزیدگی کے لئے چن لئے گئے!

۲۴ اور (ایسا ہوا کہ) دونوں دروازہ کی طرف دوڑے، اس طرح، کہ ان میں سے ہر ایک دوسرے سے آگے نکل جانا چاہتا تھا (یوسف اس لئے کہ عورت سے بھاگ نکلے۔ عورت اس لئے کہ اُسے بات مان جائے۔ اس نے (ایک دن) دروازے بند کر دئے، اور بولی "لو آؤ"۔ یوسف نے کہا "معاذ اللہ! (مجھ سے ایسی بات کبھی نہیں ہو سکتی) تیرا شوہر میرا آقا ہے۔ اُس نے مجھے عزت کے ساتھ (گھر میں) جگہ دی ہے (میں اس کی امانت میں خیانت نہیں کروں گا) اور حد سے گزرنے والے کبھی فلاح نہیں پا سکتے!"

اور حقیقت یہ ہے کہ عورت یوسف کے پیچھے پڑ چکی تھی، اور (حالت ایسی ہو گئی تھی کہ بے قابو ہو کر) یوسف بھی اس کی طرف متوجہ ہو جاتا اگر اس کے پروردگار کی دلیل اس کے سامنے نہ آ گئی ہوتی۔ (تو دیکھیں) اس طرح (ہم نے نفس انسانی کی اس سخت آزمایش میں بھی اسے دلیل حق کے ذریعہ ہشیار رکھا) تاکہ برائی اور بے حیائی کی باتیں اس سے دور رکھیں۔ بلاشبہ وہ ہمارے ان بندوں میں سے تھا جو برگزیدگی کے لئے چن لئے گئے!

اور (ایسا ہوا کہ) دونوں دروازہ کی طرف دوڑے، اس طرح، کہ ان میں سے ہر ایک دوسرے سے آگے نکل جانا چاہتا تھا (یوسف اس لئے کہ عورت سے بھاگ نکلے۔ عورت اس لئے کہ اُسے

وَقُلْنَ حَاشَ لِلّٰهِ مَا هٰذَا بَشَرًا اِنْ هٰذَآ اِلَّا مَلَكٌ كَرِيْمٌ ۝ قَالَتْ فَذٰلِكُنَّ الَّذِيْ لُمْتُنَّنِيْ ۳۱
فِيْهِ ۭ وَلَقَدْ رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ فَاسْتَعْصَمَ ۭ وَلَىِٕنْ لَّمْ يَفْعَلْ مَآ اٰمُرُهٗ لَيُسْجَنَنَّ وَلَيَكُوْنًا
مِّنَ الصّٰغِرِيْنَ ۝ قَالَ رَبِّ السِّجْنُ اَحَبُّ اِلَيَّ مِمَّا يَدْعُوْنَنِيْٓ اِلَيْهِ ۚ وَاِلَّا تَصْرِفْ عَنِّيْ ۳۲
كَيْدَهُنَّ اَصْبُ اِلَيْهِنَّ وَاَكُنْ مِّنَ الْجٰهِلِيْنَ ۝ فَاسْتَجَابَ لَهٗ رَبُّهٗ فَصَرَفَ عَنْهُ كَيْدَهُنَّ ۳۳
اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝ ثُمَّ بَدَا لَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا رَاَوُا الْاٰيٰتِ ۳۴

یہ لوگوں کی شہادت سے جو حالات روشنی میں آئے ہیں ان سے بھی اس متمدن معاشرت کی تصدیق ہوتی ہے۔ خصوصاً ان نقوش سے جن میں امرا کی مجلسوں کا مرقع دکھایا گیا ہے اور جو قرآن کے ان اشارات کی پوری تفسیر ہیں۔

"سبحان اللہ! یہ تو انسان نہیں ہے۔ ضرور ایک فرشتہ ہے۔ بڑے مرتبہ والا فرشتہ!" ۳۱

تب (عزیز کی بیوی) بولی "تم نے دیکھا؟ یہ ہے وہ آدمی جس کے بارے میں تم نے مجھے طعنے دیے تھے۔ ہاں بیشک میں نے اس کا دل اپنے قابو میں لینا چاہا تھا مگر وہ بے قابو نہ ہوا۔ اور (اب) اسے سنا کے کہے دیتی ہوں کہ) اگر اس نے میرا کہا نہ مانا (اور اپنی ضد پر اڑا رہا) تو ضرور ایسا ہوگا کہ قید کیا جائے، اور بے عزتی میں پڑے" ۳۲

(۱۵) عزیز کی بیوی کا دھمکی دینا کہ اگر کہا نہ مانوگے تو قید ہوجاؤ گے اور حضرت یوسف کا معصیت پر قید کو ترجیح دینا، اور قید خانہ میں بھی تبلیغ حق سے غافل نہ ہونا۔

عزیز پر حضرت یوسف کی سچائی ظاہر ہوگئی تھی اس لیے ان کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کی تھی، لیکن اس کی بیوی کا عشق ایسا نہ تھا جو اس ناکامی سے سرد پڑ جاتا وہ اور زیادہ بڑھ گیا۔ اور جب دیکھا کہ طلب الحاح سے کسی طرح کام نہیں بنتا تو تختی پر اتر آئی، اور یوسف سے کہا یا تو میرا کہا مانو۔ نہیں تو قیدی بننے کی ذلت و رسوائی گوارا کرو۔ حضرت یوسف نے کہا، قید خانہ مجھے پسند ہے، لیکن بدکاری سے متصف ہونا پسند نہیں!

توراۃ میں ہے کہ "جب یوسف قید خانے میں ڈالا گیا، تو قید خانہ کا داروغہ اس پر مہربان ہوگیا، اور تمام قیدیوں کا انتظام اس کے سپرد کر دیا۔ وہ قید خانہ کا بالکل مختار ہوگیا تھا اور خداوند نے وہاں بھی اسے اس کے تمام کاموں میں اقبال مند کیا۔" (پیدائش ۳۹۔ ۲۲)

قرآن کی آیت (۳۶) میں بھی اس کے اشارات موجود ہیں اول تو دو قیدیوں کا خواب کی تعبیر دینا، جس کی وجہ یہ تھی کہ انہیں غیر معمولی علم و فضیلت کا آدمی سمجھا جاتا تھا۔

یوسف نے (یہ سن کر) اللہ کے حضور دعا کی: خدایا! مجھے قید میں رہنا اس بات سے کہیں زیادہ پسند ہے جس کی طرف یہ عورتیں بلا رہی ہیں۔ اگر تو نے (میری مدد نہ کی اور) ان کی مکاریوں کے دام سے نہ بچایا، تو عجب نہیں میں ان کی طرف جھک پڑوں، اور ان لوگوں میں سے ہو جاؤں جو نادان ہیں!" ۳۳

تو (دیکھو) اس کے پروردگار نے اس کی دعا قبول کر لی، اور اس سے عورتوں کی مکاریاں دفع کر دیں۔ بلاشبہ وہی ہے (دعاؤں کا) سننے والا (سب کچھ) جاننے والا! ۳۴

پھر (ایسا ہوا کہ) اگرچہ وہ لوگ (یعنی عزیز اور اس کے خاندان کے آدمی) نشانیاں دیکھ چکے تھے

كَيْدَكُنَّ عَظِيمٌ ۝ يُوسُفُ أَعْرِضْ عَنْ هَٰذَا ۖ وَاسْتَغْفِرِي لِذَنبِكِ ۖ إِنَّكِ كُنتِ ۲۸
مِنَ الْخَاطِئِينَ ۝ وَقَالَ نِسْوَةٌ فِي الْمَدِينَةِ امْرَأَتُ الْعَزِيزِ تُرَاوِدُ فَتَاهَا عَن نَّفْسِهِ ۖ قَدْ ۲۹ ع ۳
شَغَفَهَا حُبًّا ۖ إِنَّا لَنَرَاهَا فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ۝ فَلَمَّا سَمِعَتْ بِمَكْرِهِنَّ أَرْسَلَتْ إِلَيْهِنَّ وَأَعْتَدَتْ ۳۰
لَهُنَّ مُتَّكَأً وَآتَتْ كُلَّ وَاحِدَةٍ مِّنْهُنَّ سِكِّينًا وَقَالَتِ اخْرُجْ عَلَيْهِنَّ ۖ فَلَمَّا رَأَيْنَهُ أَكْبَرْنَهُ
وَقَطَّعْنَ أَيْدِيَهُنَّ

غور کرو آیت کے ابتدائی جملے ان ساری باتوں کی طرف کس طرح صاف صاف اشارات کر رہے ہیں؟

جس شخص نے انکشاف حقیقت کا طریقہ تبلایا، اسے ۲۸
"شاہد" کہا۔ کیونکہ اس نے کرتا دیکھ کر اصلیت پالی تھی، اور حضرت کی پاکی کی شہادت دی تھی، اور پھر ثبوت میں کہا تھا کہ تم خود بھی دیکھ لو، ان کے کرتے کا کیا حال ہے؟

یہ کون شخص تھا؟ خود اس عورت کے عزیزوں میں سے تھا۔ اس سے زیادہ قرآن نے تصریح نہیں کی۔ کیونکہ جو ۲۹
بات واضح کرنی تھی وہ صرف یہ بھی کہ حضرت یوسف کی پاکی اور راست بازی نے گھر کے تمام آدمیوں کو ان کا معتقد بنا دیا تھا۔ حتیٰ کہ خود عورت کے ایک رشتہ دار نے اپنے رشتہ داری کا لحاظ نہیں کیا، یوسف کی حمایت میں سچائی ظاہر کر دی۔

(۱۴) شہر کی ہم درجہ عورتوں میں اس کا بات کا چرچا ہونا ۳
عورتوں کا بناوٹ اور ریاکاری سے طعن تشنیع کرنا، عزیز کی بیوی کا سستا اور ضیافت کی محفل کا سامان کرنا، اور حضرت یوسف کی عصمت و پاکی کا اس آزمائش میں بھی بے داغ نکلنا۔

آیت (۳۰) میں جس واقعہ کا ذکر کیا ہے، یہ حضرت یوسف کے جمال سیرت کا ایک دوسرا مظاہرہ ہے، پہلے سے بھی زیادہ عظیم ہے۔ ضروری تشریح آخری نوٹ میں ملے گی۔

ضمناً یہ بات بھی معلوم ہو گئی کہ اس زمانہ کی مصری معاشرت کس درجہ شائستہ ہو چکی تھی؟ ضیافت کی مجلسیں خاص طور پر آراستہ کی جاتی تھیں، نشست کے لئے مسندیں لگائی جاتی تھیں کھانے کے لئے ہر شخص کے سامنے چھری رکھی جاتی تھی مسندوں کے اہتمام کا حال اس سے معلوم ہو گیا کہ واعتدت لھن متکا۔ مصر کے آثار قدیمہ اور یونانی

ایک مکاری ہے اور تم لوگوں کی مکاریاں بڑی ہی سخت مکاریاں ہیں!"

(پھر اس نے کہا) اے یوسف! اس (معاملہ) سے درگذر کر (یعنی جو کچھ ہوا اسے بھلا دے) اور (بیوی سے کہا) "اپنے گناہ کی معافی مانگ بلاشبہ تو ہی خطاوار ہے"۔

اور (پھر جب اس معاملہ کا چرچا پھیلا) تو شہر کی بعض عورتیں کہنے لگیں "دیکھو عزیز کی بیوی اپنے غلام پر ڈورے ڈالنے لگی کہ اسے رجھالے۔ وہ اس کی چاہت میں دل ہار گئی۔ ہمارے خیال میں تو وہ صریح بدچلنی میں پڑ گئی ہے"۔

جب عزیز کی بیوی نے مکاری کی یہ باتیں سنیں تو انہیں بلوا بھیجا، اور ان کے لئے مسندیں آراستہ کیں، اور (دستور کے مطابق) ہر ایک کو ایک ایک چھری پیش کر دی (کہ کھانے میں کام آئے) پھر (جب یہ سب کچھ ہو چکا تو) یوسف سے کہا، ان سب کے سامنے نکل آؤ۔ جب یوسف نکل آیا اور ان عورتوں نے اسے دیکھا، تو (ایسا پایا کہ) اس کی بڑائی کی قائل ہو گئیں۔ انہوں نے اپنے ہاتھ کاٹ لئے اور (بے اختیار) پکار اٹھیں

يٰصَاحِبَيِ السِّجْنِ ءَاَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ خَيْرٌ اَمِ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ۝ ۳۹
مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِلَّآ اَسْمَآءً سَمَّيْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ مَّا اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ۭ اِنِ الْحُكْمُ
اِلَّا لِلّٰهِ ۭ اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ ۭ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ ۴۰
يٰصَاحِبَيِ السِّجْنِ اَمَّآ اَحَدُكُمَا فَيَسْقِيْ رَبَّهٗ خَمْرًا ۭ وَاَمَّا الْاٰخَرُ فَيُصْلَبُ فَتَاْكُلُ الطَّيْرُ
مِنْ رَّاْسِهٖ ۭ قُضِيَ الْاَمْرُ الَّذِيْ فِيْهِ تَسْتَفْتِيٰنِ ۝ وَقَالَ لِلَّذِيْ ظَنَّ اَنَّهٗ نَاجٍ مِّنْهُمَا اذْكُرْنِيْ ۝ ۴۱
عِنْدَ رَبِّكَ ۡ فَاَنْسٰىهُ الشَّيْطٰنُ ذِكْرَ رَبِّهٖ فَلَبِثَ فِي السِّجْنِ بِضْعَ سِنِيْنَ ۝ ع ۱۵ ۴۲

"اے یارانِ مجلس! (تم نے اس بات پر بھی غور کیا کہ) جدا جدا معبودوں کا ہونا بہتر ہے۔ یا اللہ کا جو یگانہ اور سب پر غالب ہے؟ تم اس کے سوا جن ہستیوں کی بندگی کرتے ہو ان کی حقیقت اس سے زیادہ کیا ہے کہ محض چند نام ہیں جو تم نے اور تمہارے باپ دادوں نے رکھ لئے ہیں۔ اللہ نے ان کے لئے کوئی سند نہیں اتاری۔ حکومت تو اللہ ہی کے لئے ہے۔ اس کا فرمان یہ ہے کہ صرف اسی کی بندگی کرو۔ اور کسی کی نہ کرو۔ یہی سیدھا دین ہے مگر اکثر آدمی ایسے ہیں جو نہیں جانتے!"

"اے یارانِ مجلس! (اب اپنے اپنے خوابوں کا مطلب سن لو) تم میں ایک آدمی (وہ ہے جس نے دیکھا کہ انگور نچوڑ رہا ہے) تو وہ (قید سے چھوٹ جائے گا، اور بدستور سابق) اپنے آقا کو شراب پلائیگا۔ اور دوسرا آدمی (وہ ہے جس نے دیکھا اس کے سر پر روٹی ہے اور پرند روٹی کھا رہے ہیں) تو وہ سولی پر چڑھا جائے گا، اور پرند اس کا سر (نوچ نوچ کر) کھائینگے۔ جس بات کے بارے میں تم سوال کرتے ہو وہ فیصل ہو چکی۔ اور فیصلہ یہی ہے۔"

اور یوسف نے جس آدمی کی نسبت سمجھا تھا کہ نجات پائے گا، اس سے کہا "اپنے آقا کے پاس جب جاؤ تو مجھے یاد رکھنا (یعنی میرا حال اس سے ضرور کہہ دینا) لیکن (جب تعبیر کے مطابق اس نے نجات پائی۔ تو) شیطان نے یہ بات بھلا دی کہ اپنے آقا کے حضور پہنچکر اسے یاد کرتا۔ پس یوسف کئی برس تک قید خانہ میں رہا۔

اور پھر ایسا ہوا کہ (ایک دن) بادشاہ نے اپنے تمام درباریوں کو جمع کر کے) کہا "میں (خواب میں) کیا دیکھتا ہوں کہ سات گائیں ہیں موٹی تازی۔ انہیں سات دبلی پتلی گائیں نگل رہی ہیں اور

۴۱ اور فیصلہ یہی ہے۔"

۴۲

(۱۶) حضرت یوسف کا کو قیدیوں کو ان کے خواب کی تعبیر بتلانا اور اسی کے مطابق ظہور میں آنا، پھر بادشاہ مصر کا ایک عجیب و غریب خواب دیکھنا اور مصر کے تمام دانشمندوں اور جادوگروں کا تعبیر سے عاجز ہونا، اور بالآخر حضرت یوسف کو قید خانہ سے طلب کرنا۔

نوٹ: ہو سکتا ہے کہ حضرت یوسف نے ساقیوں کے سردار کو اس کے خواب کی تعبیر بتلائی تھی کہ تین دن کے اندر تجھے بری کر دیا جائے گا اور تو پہلے کی طرح بادشاہ کو شراب کا جام دے گا اور کہا تھا کہ تو خوش حال ہو

لَيَسْجُنُنَّهُ حَتّٰى حِيْنٍ ۝ وَدَخَلَ مَعَهُ السِّجْنَ فَتَيٰنِ ۖ قَالَ اَحَدُهُمَآ اِنِّيْٓ اَرٰىنِيْٓ اَعْصِرُ خَمْرًا ۖ
وَقَالَ الْاٰخَرُ اِنِّيْٓ اَرٰىنِيْٓ اَحْمِلُ فَوْقَ رَاْسِيْ خُبْزًا تَاْكُلُ الطَّيْرُ مِنْهُ ۖ نَبِّئْنَا بِتَاْوِيْلِهٖ ۚ اِنَّا نَرٰىكَ
مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ ۝ قَالَ لَا يَاْتِيْكُمَا طَعَامٌ تُرْزَقٰنِهٖٓ اِلَّا نَبَّاْتُكُمَا بِتَاْوِيْلِهٖ قَبْلَ اَنْ يَّاْتِيَكُمَا ۚ
ذٰلِكُمَا مِمَّا عَلَّمَنِيْ رَبِّيْ ۚ اِنِّيْ تَرَكْتُ مِلَّةَ قَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ
كٰفِرُوْنَ ۝ وَاتَّبَعْتُ مِلَّةَ اٰبَآءِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ ۚ مَا كَانَ لَنَآ اَنْ
نُّشْرِكَ بِاللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ۚ ذٰلِكَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ عَلَيْنَا وَعَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ
النَّاسِ لَا يَشْكُرُوْنَ ۝

ان دونوں کا یہ کہنا "کہ ہم دیکھتے ہیں تم بڑے نیک آدمی ہو" صاف طور پر واضح کر دیتا ہے کہ قید خانے میں ان کا تقدس عام طور پر تسلیم کیا جاتا تھا۔

تورات میں ہے کہ ان دو قیدیوں میں ایک بادشاہ کے ساقیوں کا سردار تھا۔ دوسرا روٹی پکانے والوں کا بادشاہ ان پر ناراض ہوا اور قید خانے میں بھیج دیا یوسف نے روز قیدیوں کا معائنہ کیا کرتا تھا۔ ایک دن انہیں دیکھا کہ بہت اداس بیٹھے ہیں۔ سبب پوچھا تو انہوں نے کہا۔ ہم نے آج رات کو ایسی ایسی باتیں خواب میں دیکھی ہیں (پیدائش ۴۰: ۱)

(یعنی یوسف کی پاکدامنی کی نشانیاں) پھر بھی انہیں یہی بات ٹھیک دکھائی دی کہ ایک خاص وقت تک کے لئے یوسف کو قید میں ڈال دیں۔

اور (دیکھو) ایسا ہوا کہ یوسف کے ساتھ دو جوان آدمی اور بھی قید خانے داخل ہوئے۔ ان میں سے ایک نے (یوسف سے) کہا۔ مجھے (خواب میں) ایسا دکھائی دیا ہے کہ شراب (بنانے) کے لئے (انگور کا عرق) نچوڑ رہا ہوں۔ دوسرے نے کہا مجھے ایسا دکھائی دیا ہے کہ سر پر روٹی اٹھائے ہوئے ہوں اور پرند اسے کھا رہے ہیں۔ ان دونوں نے درخواست کی کہ ہمیں بتلا دو اس بات کا نتیجہ کیا نکلنے والا ہے؟ ہم دیکھتے ہیں کہ تم بڑے نیک آدمی ہو۔"

یوسف نے کہا "کھانا تو نہیں" قبل اس کے کہ تمہارا مقررہ کھانا تم تک پہنچے میں تمہارے خوابوں کا مآل تمہیں بتلا دوں گا۔ اس بات کا علم بھی من جملہ اُن باتوں کے ہے جو مجھے میرے پروردگار نے تعلیم فرمائی ہیں۔ میں نے ان لوگوں کی ملت ترک کی جو اللہ پر ایمان نہیں رکھتے اور آخرت سے بھی منکر ہیں۔ میں نے اپنے باپ دادوں یعنی ابراہیم اور اسحاق اور یعقوب کی ملت کی پیروی کی ہم (اولاد ابراہیم) "یا نہیں کر سکتے کہ اللہ کے ساتھ کسی چیز کو بھی شریک ٹھیرائیں" یہ (ملت) اللہ کا ایک فضل ہے جو اس نے ہم پر اور لوگوں پر کیا ہے لیکن اکثر آدمی ہیں۔ جو (اس نعمت کا) شکر نہیں بجا لاتے۔"

قَالَ تَزْرَعُونَ سَبْعَ سِنِينَ دَأَبًا ۖ فَمَا حَصَدْتُمْ فَذَرُوهُ فِي سُنْبُلِهِ إِلَّا قَلِيلًا مِّمَّا
تَأْكُلُونَ ۝ ثُمَّ يَأْتِي مِن بَعْدِ ذَٰلِكَ سَبْعٌ شِدَادٌ يَأْكُلْنَ مَا قَدَّمْتُمْ لَهُنَّ إِلَّا قَلِيلًا مِّمَّا
تُحْصِنُونَ ۝ ثُمَّ يَأْتِي مِن بَعْدِ ذَٰلِكَ عَامٌ فِيهِ يُغَاثُ النَّاسُ وَفِيهِ يَعْصِرُونَ ۝ وَقَالَ
الْمَلِكُ ائْتُونِي بِهِ ۖ فَلَمَّا جَاءَهُ الرَّسُولُ قَالَ ارْجِعْ إِلَىٰ رَبِّكَ فَاسْأَلْهُ مَا بَالُ النِّسْوَةِ
اللَّاتِي قَطَّعْنَ أَيْدِيَهُنَّ ۚ إِنَّ رَبِّي بِكَيْدِهِنَّ عَلِيمٌ ۝ قَالَ مَا خَطْبُكُنَّ

بہت اچھی فصلیں ہونگی یہ گویا سات موٹی گائیں ہونگی اس کے بعد سات برس تک متواتر قحط رہے گا۔ یہ سات دبلی گائیں ہونگی انہوں نے موٹی گائیں نگل لیں یعنی فراوانی کو قحط نے نابود کر دیا۔ سات ہری بالوں اور سات سوکھی بالوں میں بھی یہی بات واضح کی گئی ہے۔ پھر فرمایا۔ اس آنے والی مصیبت سے ملک کو کیونکر بچایا جا سکتا ہے؟ اس کی تدبیر یہ ہے کہ بڑھتی کے سات برسوں میں قحط کے لئے اناج ذخیرہ کیا جائے اور اسے اس طرح محفوظ رکھا جائے کہ آنے والے سات قحط برسوں میں ملک کے لئے کفایت کرے۔

یہ قرآن کے ایجاز بلاغت میں سے ہے کہ تعبیر اور تدبیر کو الگ الگ بیان نہیں کیا۔ ایک ساتھ ہی بیان کر دیا۔ تاکہ تکرار بیان کی حاجت نہ رہے۔

جب سردار ساقی نے حضرت یوسف کا جواب بادشاہ کو سنایا، تو تعبیر اس درجہ واضح اور چسپاں تھی کہ اس نے سنتے ہی اسکی تصدیق کی اور ان کی ملاقات کا مشتاق ہو گیا۔ چنانچہ حکم دیا۔ فوراً انہیں قید خانے سے نکالا جائے اور دربار میں لایا جائے۔

یوسف نے کہا (اس خواب کی تعبیر اور اس کی بنا پر تمہیں جو کچھ کرنا چاہیئے وہ یہ ہے کہ) سات برس تک تم لگاتار کھیتی کرتے رہو گے (ان برسوں میں خوب بڑھتی ہوگی) پس (جب فصل کاٹنے کا وقت آیا کرے تو) جو کچھ کاٹو، اسے اس کی بالوں ہی میں رہنے دو (تاکہ اناج سڑنے گلنے نہیں) اور صرف اتنی مقدار الگ کر لیا کرو جو تمہارے کھانے کے لئے (ضروری) ہو۔ پھر اس کے بعد سات بڑے سخت مصیبت کے برس آئینگے جو وہ سب ذخیرہ کھا جائینگے جو تم نے (اس طرح) پہلے سے جمع کر رکھا ہوگا مگر ہاں تھوڑا سا جو تم روک رکھو گے بچ رہے گا۔ پھر اس کے بعد ایک برس ایسا آئے گا لوگوں پر خوب بارش بھیجی جائے گی۔ لوگ اس میں (پھلوں اور دانوں سے) عرق اور تیل خوب نکالیں گے"۔

(جب اس آدمی نے یہ بات بادشاہ تک پہنچائی تو) بادشاہ نے کہا "یوسف کو (فوراً) میرے پاس لاؤ" لیکن جب (بادشاہ) کا پیام برید یوسف کے پاس پہنچا، تو اس نے کہا "میں یوں نہیں جاؤنگا) تم اپنے آقا کے پاس واپس جاؤ، اور میری طرف سے دریافت کرو۔ ان عورتوں کا معاملہ کیا تھا، جنہوں نے اپنے ہاتھ کاٹ لئے تھے؟ (میں چاہتا ہوں پہلے اس کا فیصلہ ہو جائے) جیسی کچھ مکاریاں انہوں نے کی تھیں میرا پروردگار اسے خوب جانتا ہے"۔

(اس پر) بادشاہ نے ان عورتوں کو بلایا اور) کہا "صاف صاف بتلا دو تمہیں کیا معاملہ پیش

سَبْعَ بَقَرٰتٍ سِمَانٍ يَّاْكُلُهُنَّ سَبْعٌ عِجَافٌ وَّسَبْعَ سُنْۢبُلٰتٍ خُضْرٍ وَّاُخَرَ يٰبِسٰتٍ ۭ يٰٓاَيُّهَا الْمَلَاُ اَفْتُوْنِيْ فِيْ رُءْيَايَ اِنْ كُنْتُمْ لِلرُّءْيَا تَعْبُرُوْنَ ۝ قَالُوْٓا اَضْغَاثُ اَحْلَامٍ ۚ وَمَا نَحْنُ بِتَاْوِيْلِ الْاَحْلَامِ بِعٰلِمِيْنَ ۝ وَقَالَ الَّذِيْ نَجَا مِنْهُمَا وَادَّكَرَ بَعْدَ اُمَّةٍ اَنَا اُنَبِّئُكُمْ بِتَاْوِيْلِهٖ فَاَرْسِلُوْنِ ۝ يُوْسُفُ اَيُّهَا الصِّدِّيْقُ اَفْتِنَا فِيْ سَبْعِ بَقَرٰتٍ سِمَانٍ يَّاْكُلُهُنَّ سَبْعٌ عِجَافٌ وَّسَبْعِ سُنْۢبُلٰتٍ خُضْرٍ وَّاُخَرَ يٰبِسٰتٍ ۙ لَّعَلِّيْٓ اَرْجِعُ اِلَى النَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَعْلَمُوْنَ ۝

تو مجھے یاد دلایا اور (زعون سے میرا ذکر کیجو کہ لوگ عبرانیوں کے ملک سے مجھے چرا لائے، اور یہاں بھی بغیر کسی قصور کے نیسخانے میں ڈال دیا۔ اور ان دونوں بزدں کے سردار سے کہا تھا کہ تین دن کے اندر تیری موت کا فیصلہ ہو جائے گا، اور تیری لاش درخت پر لٹکائی جائے گی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا تیسرے دن زعون کی سالگرہ کا دن تھا۔ اس دن سردار ساقی بحال کر دیا گیا۔ مگر نان بزوں کے سردار کو سزا ہوئی لیکن سردار ساقی نے بحال ہو کر یوسف کو یاد نہ رکھا۔ وہ یہ معاملہ بھول گیا (پیدائش، ۴۰: ۱۲ و ۲۰)

چنانچہ حضرت یوسف کے حالات میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی وہ کئی سال تک قید خانہ میں پڑے رہے۔

اس کے بعد وہ معاملہ پیش آیا جس کی طرف آیت (۴۳) میں اشارہ کیا ہے، یعنی بادشاہ مصر نے ایک عجیب طرح کا خواب دیکھا، اور جب دربار کے دانشمندوں سے تعبیر دریافت کی تو کوئی تشفی بخش جواب نہ دے سکے۔ تورات میں ہے کہ بادشاہ نے مصر کے تمام حکیموں اور جادوگروں کو جمع کیا تھا۔ مگر کوئی اس کی تعبیر بتلا نہ سکا (پیدائش ۴۱: ۸)

یہاں قرآن نے درباریوں کا جو جواب نقل کیا ہے اس کا مطلب یہ معلوم ہوتا ہے کہ جب کوئی تشفی بخش بات معلوم نہ کر سکے تو کوشش کی کہ بادشاہ کے دل سے اس خواب کی اہمیت کا خیال نکال دیں پس انہوں نے کہا یہ کوئی روحانی بات نہیں ہے، ویسے ہی پریشان خیالی سے طرح طرح کی باتیں سوتے میں نظر آ گئی ہیں لیکن سردار ساقی کو خواب کی بات سن کر اپنے خواب کا معاملہ یاد آ گیا، اور ساتھ ہی یہ بات بھی یاد آ گئی کہ حضرت یوسف نے کیا کہا تھا؟ تب اس نے اپنا واقعہ بادشاہ کے گوش گزار کیا، اور قید خانہ میں جا کر حضرت یوسف سے ملا حضرت یوسف نے فرمایا۔ سات گایوں سے مقصود زراعت کے سات برس ہیں آئندہ سات برس تک سات بالیں ہری ہیں، اور سات دوسری سوکھی ہے اہل دربار اگر تم خواب کا مطلب حل کر لیا کرتے ہو تو بتلاؤ میرے خواب کا حل کیا ہے؟"

درباریوں نے (غور و فکر کے بعد) کہا یہ پریشان خواب و خیالات ہیں (کوئی ایسی بات نہیں جس کا کوئی خاص مطلب ہو) ہم سچے خوابوں کا مطلب تو حل کر سکتے ہیں لیکن) پریشان خوابوں کا حل نہیں جانتے"۔

اور جس آدمی نے (ان) دو قیدیوں میں سے نجات پائی تھی، اور جسے عرصہ کے بعد (یوسف کی) بات یاد آئی، وہ (خواب کا معاملہ سن کر) بول اٹھا "میں اس خواب کا نتیجہ تمہیں بتلا دوں گا۔ تم مجھے (ایک جگہ) جانے دو"

(چنانچہ وہ قید خانے میں آیا اور کہا:) "اے یوسف! اے کہ مجسم سچائی ہے! اس (خواب) کا ہمیں حل بتا کہ سات موٹی تازی گایوں کو سات دبلی پتلی گائیں نگل رہی ہیں اور سات بالیں ہری ہیں سات سوکھی۔ تاکہ (ان) لوگوں کے پاس واپس جا سکوں (جنہوں نے مجھے بھیجا ہے) کیا عجب ہے وہ (تمہاری قدر و منزلت) معلوم کر لیں۔

اَسْتَخْلِصْهُ لِنَفْسِیْ ۚ فَلَمَّا كَلَّمَهٗ قَالَ اِنَّكَ الْیَوْمَ لَدَیْنَا مَكِیْنٌ اَمِیْنٌ ۝ قَالَ اجْعَلْنِیْ عَلٰی ۵۴
خَزَآىِٕنِ الْاَرْضِ ۚ اِنِّیْ حَفِیْظٌ عَلِیْمٌ ۝ وَكَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِیُوْسُفَ فِی الْاَرْضِ ۖ یَتَبَوَّاُ مِنْهَا ۵۵
حَیْثُ یَشَآءُ ۖ نُصِیْبُ بِرَحْمَتِنَا مَنْ نَّشَآءُ وَلَا نُضِیْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِیْنَ ۝ وَلَاَجْرُ الْاٰخِرَةِ خَیْرٌ ۵۶
لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا یَتَّقُوْنَ ۝ وَجَآءَ اِخْوَةُ یُوْسُفَ فَدَخَلُوْا عَلَیْهِ فَعَرَفَهُمْ وَهُمْ لَهٗ ۵۷ ع
مُنْكِرُوْنَ ۝ وَلَمَّا جَهَّزَهُمْ بِجَهَازِهِمْ قَالَ ائْتُوْنِیْ بِاَخٍ لَّكُمْ مِّنْ اَبِیْكُمْ ۚ اَلَا تَرَوْنَ اَنِّیْٓ اُوْفِی ۵۸

ہاتھ ٹالے اور ایسی حالت میں ہاتھ ڈالے وہ متنفر اور گریزاں ہو؟

اس معاملہ میں ایک اور دقیق نکتہ بھی ہے آیت ۲۹ میں گزر چکا ہے کہ جب عزیز اپنی بیوی کا قصور ثابت ہو گیا تھا تو اس نے کہا تھا یوسف اعرض عن ھذا : اس بات سے درگذر کر یعنی جو ہوا سو ہوا۔ اب اس کا چرچا نہ کیجیو کہ اس میں میری بدنامی ہے۔ بعد کو اگرچہ عزیز اپنی بات پر نہ رہا اور حضرت یوسف کو قید میں ڈال دیا، لیکن حضرت یوسف کا اخلاق ایسا نہ تھا کہ یہ بات بھول جاتے۔ عزیز نے انہیں غلام کی حیثیت سے خریدا تھا اور پھر اپنے عزیزوں کی طرح عزت و آرام کے ساتھ رکھا تھا۔ وہ اس کا یہ احسان نہیں بھول سکتے تھے، پس ان کی طبیعت نے گوارا نہیں کیا کہ اس موقعہ پر اس کی بیوی کا ذکر کر کے اس کی رسوائی کا باعث ہوں۔ صرف ہاتھ کاٹنے والی عورتوں کا ذکر کر دیا کہ ان میں کوئی نہ کوئی ضرور نکل آئے گی جو سچائی کے اظہار سے باز نہیں رہے گی۔

لیکن عزیز کی بیوی اب وہ عورت نہیں رہی تھی جو چند سال پہلے تھی۔ اب وہ ہوس کی خام کاریوں سے نکل کر عشق کی پختگی و کمال تک پہنچ چکی تھی۔ اب ممکن نہ تھا کہ اپنی رسوائی کے خیال سے اپنے محبوب کے سر اتہام لگائے جب عورتوں نے یوسف کی پاکی کا اقرار کیا۔ تو اس نے بھی خود بڑھ کر اعلان کر دیا کہ سارا قصور میرا تھا وہ بے جرم اور راست باز ہے!

کے دن تو ہماری نگاہوں میں بڑا صاحب اقتدار اور امانت دار انسان ہے۔" ۵۴

یوسف نے کہا "مملکت کے خزانوں پر مجھے مختار کر دیجئے۔ میں حفاظت کر سکتا ہوں، اور میں اس کام کا جاننے والا ہوں" (چنانچہ بادشاہ نے اسے مملکت کا مختار کر دیا۔) ۵۵

اور (دیکھو) اس طرح ہم نے سرزمین مصر میں یوسف کے قدم جما دئے کہ جس جگہ سے چاہے حسب مرضی رہنے سہنے کا کام لے۔ ہم جسے چاہتے ہیں (اسی طرح) اپنی رحمت سے فیض یاب کر دیتے ہیں۔ اور نیک عملوں کا اجر کبھی ضائع نہیں کرتے! ۵۶

اور جو لوگ (اللہ پر) ایمان لائے اور (بد عملیوں سے) بچتے رہے ان کے لئے تو آخرت کا اجر اس سے کہیں بہتر ہے۔ ۵۷

(اور پھر قحط کے سالوں میں) ایسا ہوا کہ یوسف کے بھائی (کنعان سے غلہ خریدنے مصر) آئے۔ یوسف نے انہیں (دیکھتے ہی) پہچان لیا۔ لیکن انہوں نے نہیں پہچانا۔ ۵۸

اور جب یوسف نے ان کا سامان مہیا کر دیا، تو (جاتے وقت) کہا "اب کے آنا تو اپنے سوتیلے بھائی (بن یمین) کو بھی ساتھ لانا۔ تم نے اچھی طرح دیکھ لیا ہے کہ میں تمہیں پوری تول (غلہ) دیتا ہوں اور (باہر سے آنے والوں کے لئے) بہتر مہمان نواز ہوں۔ لیکن اگر تم اسے میرے پاس نہ لائے

إِذْ رَاوَدتُّنَّ يُوسُفَ عَن نَّفْسِهِ ۚ قُلْنَ حَاشَ لِلَّهِ مَا عَلِمْنَا عَلَيْهِ مِن سُوءٍ ۚ قَالَتِ امْرَأَتُ
الْعَزِيزِ الْآنَ حَصْحَصَ الْحَقُّ أَنَا رَاوَدتُّهُ عَن نَّفْسِهِ وَإِنَّهُ لَمِنَ الصَّادِقِينَ ﴿٥١﴾ ذَٰلِكَ لِيَعْلَمَ
أَنِّي لَمْ أَخُنْهُ بِالْغَيْبِ وَأَنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي كَيْدَ الْخَائِنِينَ ﴿٥٢﴾ وَمَا أُبَرِّئُ نَفْسِي ۚ إِنَّ النَّفْسَ
لَأَمَّارَةٌ بِالسُّوءِ إِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّي ۚ إِنَّ رَبِّي غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿٥٣﴾ وَقَالَ الْمَلِكُ ائْتُونِي بِهِ

(۱۷) حضرت یوسف کا مژدہ رہائی سننا مگر قید خانہ چھوڑنے سے انکار کر دینا اور بادشاہ کو کہلانا کہ پہلے میرے قضیہ کی تحقیقات کر لی جائے، بادشاہ کا تحقیق کرنا، اور ان کی پاکی و بے گناہی کا آشکارا ہو جانا، اور عزیز کی بیوی کا اعلان کرنا کہ وہ سچا ہے، سارا قصور میرا تھا!

تعبیر سنکر بادشاہ کے دل میں حضرت یوسف کا اس درجہ احترام پیدا ہو گیا کہ اس نے ایک خاص پیام بر ان کے لئے بھیجا جسے آیت (۵۰) میں رسول سے تعبیر کیا ہے۔ لیکن حضرت یوسف نے بغیر حکم سے انکار کر دیا۔ انہوں نے کہا۔ میں اس طرح رہا ہونا پسند نہیں کرتا۔ پہلے میرے معاملہ کی تحقیقات کر لی جائے کہ مجھے قید میں کیوں ڈالا گیا؟ اگر میں مجرم ہوں تو رہائی کا مستحق نہیں۔ اگر مجرم نہیں ہوں تو بلاشبہ مجھے رہا ہونا چاہئے۔

اس سلسلہ میں انہوں نے عزیز کی بیوی کی جگہ ان عورتوں کا ذکر کیوں کیا جنہوں نے مکاری سے ہاتھ کاٹ لئے تھے؟ اس لئے کہ:

(ا) قید کے معاملہ میں ان عورتوں کا بھی ہاتھ تھا۔ انہوں نے اپنی ناکامیابی کی ذلت مٹانے کے لئے جھوٹے الزام تراش لئے ہونگے۔ یہی وجہ ہے کہ قید کا معاملہ ان کے معاملہ کے بعد ظہور میں آیا۔

(ب) عزیز کی بیوی نے ان سب کے سامنے اس کی بے گناہی اور اپنی طلب و سعی کا اعتراف کیا تھا جیسا کہ آیت (۳۲) میں گزر چکا ہے۔ پس یہ سب اس بات کی گواہ تھیں کہ عزیز کی بیوی کے معاملہ میں ان کا دامن بے داغ ہے۔

(ج) ان سب کے ہاتھ جو معاملہ پیش آیا تھا، خود اس سے بھی عزیز کی بیوی کا الزام بے اصل ثابت ہوتا تھا۔ کیونکہ جس شخص کی باگ طمع کا یہ حال ہو کہ ان تمام فتنہ گران شہر اور خوبرویان عہد کا متفقہ اظہار عشق بھی اسے تحریف کر سکا، کیونکر باور کیا جا سکتا ہے کہ ایسا آدمی اپنے آقا کی بیوی

آیا تھا جب تم نے یوسف پر ڈورے ڈالے تھے کہ اسے اپنی طرف مائل کر لو؟" وہ بولیں "حاشا للہ! ہم نے اس میں برائی کی کوئی بات نہیں پائی" (یہ سنکر عزیز کی بیوی بھی بے اختیار) بول اٹھی "جو حقیقت تھی وہ اب ظاہر ہو گئی، ہاں وہ میں ہی تھی جس نے یوسف پر ڈورے ڈالے کہ اپنا دل ہار بیٹھے بلاشبہ وہ (اپنے بیان میں) بالکل سچا ہے"۔

"یہ میں نے اس لئے کہا کہ اسے معلوم ہو جائے (یعنی یوسف کو معلوم ہو جائے) میں نے اس کے پیٹھ پیچھے اس کے معاملہ میں خیانت نہیں کی نیز اس لئے کہ (واضح ہو جائے) اللہ خیانت کرنے والوں کی تدبیروں پر کبھی (کامیابی کی) راہ نہیں کھولتا۔ میں اپنے نفس کی پاکی کا دعویٰ نہیں کرتی آدمی کا نفس تو برائی کے لئے بڑا ہی ابھارنے والا ہے (اس کے غلبہ سے بچنا آسان نہیں) مگر ہاں اسی حال میں کہ میرا پروردگار رحم کرے۔ بلاشبہ میرا پروردگار بڑا ہی بخشنے والا، بڑا ہی رحم کرنے والا ہے!"

اور (پھر) بادشاہ نے حکم دیا "یوسف کو میرے پاس لاؤ کہ اسے خاص اپنے (کاموں کے) لئے مقرر کروں" پھر جب (وہ آیا تو بادشاہ نے) کہا آج

أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ ۝ وَلَمَّا فَتَحُوا مَتَاعَهُمْ وَجَدُوا بِضَاعَتَهُمْ رُدَّتْ إِلَيْهِمْ ۖ قَالُوا يَا أَبَانَا مَا ٦٤
نَبْغِي ۖ هَٰذِهِ بِضَاعَتُنَا رُدَّتْ إِلَيْنَا ۖ وَنَمِيرُ أَهْلَنَا وَنَحْفَظُ أَخَانَا وَنَزْدَادُ كَيْلَ بَعِيرٍ ۖ ذَٰلِكَ
كَيْلٌ يَسِيرٌ ۝ قَالَ لَنْ أُرْسِلَهُ مَعَكُمْ حَتَّىٰ تُؤْتُونِ مَوْثِقًا مِنَ اللَّهِ لَتَأْتُنَّنِي بِهِ إِلَّا أَنْ ٦٥
يُحَاطَ بِكُمْ ۖ فَلَمَّا آتَوْهُ مَوْثِقَهُمْ قَالَ اللَّهُ عَلَىٰ مَا نَقُولُ وَكِيلٌ ۝ وَقَالَ يَا بَنِيَّ ٦٦

رتھ سواری کو دی کہ شاہی رتھوں میں دوسری رتھ تھی پھر جب نکلا تو اس کے آگے آگے نقیب پکارتے تھے سب ادب سے رہو" اور فرعون نے حکم دیا یوسف کو صاحب ملکت کے لقب سے پکارا جائے (پیدائش ۴۱: ۳۷)

(د) حضرت یوسف کی مصری زندگی کے دو انقلاب انگیز نقطے تھے ایک وہ جب غلام ہو کر گئے، اور پھر عزیز کی نظروں میں ایسے معزز ہوئے کہ اس کے علاقہ کے حکمار ہو گئے۔ دوسرا یہ کہ قید خانہ سے نکلے اور نکلتے ہی وہاں پہنچ گئے کہ حکمرانی کی مسند اجلال پر جلوہ آرا نظر آئے! پس جب پہلے انقلاب تک سرگذشت پہنچی تھی، تو آیت (۲۱) میں حکمت الٰہی کی کرشمہ سنجیوں پر توجہ دلائی تھی کہ کذلک مکنا لیوسف فی الارض۔ اور اب کہ دوسرا انقلاب پیش آیا، تو اسی طرح آیت (۵۶) میں فرمایا: کذالک مکنا لیوسف فی الارض: وہاں چونکہ معاملہ مصر کی ابتدا ہوتی تھی، اور ابھی حضرت یوسف کو حکمرانی کی دانش سیکھنی باقی تھی، اس لئے فرمایا تھا: ونعلمہ من تاویل الاحادیث و اللہ غالب علی امرہ یہاں چونکہ تکمیل کار کے بعد اس کا نتیجہ ظاہر ہو گیا تھا، اس لئے فرمایا: لا نضیع اجر المحسنین یہ اس لئے ہوا کہ ہمارا قانون ہے نیک عملی کا بیج کبھی ضائع نہیں ہوتا۔ ضروری ہے کہ پھل لائے!

(ہ) تورات میں ہے کہ یوسف جب بادشاہ کے پاس آیا تو اس کی عمر تیس برس کی تھی (پیدائش ۴۱: ۴۶)

(و) اس کے بعد جو حالات پیش آئے، قرآن نے ان کی تفریح نہیں کی۔ کیونکہ خواب کی تعبیر میں ان کا بیان آچکا تھا اور چونکہ بعبیر سمجھی تھی، اس لئے ظاہر تھا کہ ویسے ہی حالات پیش آئے ہوں گے، اور یہ ایجاز بلاغت کی انتہا ہے۔

چنانچہ پہلے سات برس بڑھتی کے گذرے، اور جو تدبیر تجویز کی تھی۔ اس کے مطابق انہوں نے غلہ کے ذخیرے

بڑھ کر رحم کرنے والا کوئی نہیں!" ٦٤

اور جب ان لوگوں نے اپنا سامان کھولا تو دیکھا کہ ان کی پونجی انہی کو لوٹا دی گئی ہے۔ انہوں نے (اپنے باپ سے کہا) "اے ہمارے باپ! اس سے زیادہ ہمیں اور کیا چاہئے؟ دیکھ، یہ ہماری پونجی ہے۔ جو ہمیں لوٹا دی گئی ہے (ہمیں غلہ بھی اس نے دے دیا اور قیمت بھی واپس کر دی۔ پس ہمیں اجازت دے کہ ہم بن یمین کو ساتھ لے کر پھر جائیں) اور اپنے گھرانے کے لئے رسد لے آئیں۔ ہم اپنے بھائی کی حفاظت کریں گے اور ایک اونٹ کا بوجھ اور زیادہ لے لیں گے۔ یہ غلہ (جو اس مرتبہ لائے ہیں) بہت تھوڑا ہے"۔ ٦٥

باپ نے کہا "میں کبھی اسے تمہارے ساتھ بھیجنے والا نہیں جب تک کہ اللہ کے نام پر مجھ سے عہد نہ کرو۔ (تم عہد کرو کہ) بجز اس صورت کے ہم خود گھیر لئے جائیں (اور بے بس ہو جائیں) ہم ضرور اسے تیرے پاس واپس لے آئیں گے"۔ جب انہوں نے باپ کو (اس کے کہنے کے مطابق) اپنا پکا قول دے دیا، تو اس نے کہا "ہم تے جو قول و قرار کیا اس پر اللہ نگہبان ہو"۔ ٦٦

اور باپ نے انہیں (چلتے وقت) کہا "اے

الْكَيْلَ وَأَنَا خَيْرُ الْمُنزِلِينَ ۝ فَإِن لَّمْ تَأْتُونِي بِهِ فَلَا كَيْلَ لَكُمْ عِندِي وَلَا تَقْرَبُونِ ۝ ۶۰
قَالُوا سَنُرَاوِدُ عَنْهُ أَبَاهُ وَإِنَّا لَفَاعِلُونَ ۝ ۶۱
وَقَالَ لِفِتْيَانِهِ اجْعَلُوا بِضَاعَتَهُمْ فِي رِحَالِهِمْ ۶۲
لَعَلَّهُمْ يَعْرِفُونَهَا إِذَا انقَلَبُوا إِلَىٰ أَهْلِهِمْ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ۝ فَلَمَّا رَجَعُوا إِلَىٰ أَبِيهِمْ قَالُوا ۶۳
يَا أَبَانَا مُنِعَ مِنَّا الْكَيْلُ فَأَرْسِلْ مَعَنَا أَخَانَا نَكْتَلْ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ ۝ قَالَ هَلْ آمَنُكُمْ
عَلَيْهِ إِلَّا كَمَا أَمِنتُكُمْ عَلَىٰ أَخِيهِ مِن قَبْلُ فَاللَّهُ خَيْرٌ حَافِظًا ۖ وَهُوَ

(۱۸) حضرت یوسف کا بادشاہ سے ملنا، تمام مملکت کے انتظام کا فرد و اختیار پانا، پھر تعبیر کے مطابق قحط کے سالوں کا نمودار ہونا، بھائیوں کا غلہ کی طلب میں مصر آنا، اور بن یمین کا حضرت یوسف کے پہنچ جانا۔

(ا) جب تحقیقات کا نتیجہ آشکارا ہو گیا تو حضرت یوسف بادشاہ کو ملنے کے لئے تیار ہو گئے کیونکہ اب ان کی رہائی بادشاہ کی بخشش نہ، بلکہ ان کا حق ہو گئی۔

(ب) اس معاملہ نے بادشاہ کا اشتیاق اور زیادہ کر دیا۔ اس نے خیال کیا، جس شخص کی راست بازی، امانت داری اور وفائے عہد کا یہ حال ہے، اس سے بڑھ کر مملکت کے کاموں کے لئے کون موزوں ہو سکتا ہے؟ پس کہا فوراً میرے پاس لاؤ میں اسے اپنے کاموں کے لئے خاص کر لوں گا۔ چنانچہ حضرت یوسف آئے اور پہلی ہی ملاقات میں اس درجہ متاثر ہوا کہ بول اٹھا۔ مجھے تم پر پورا بھروسہ ہے۔ تم میری نگاہ میں بڑا مقام رکھتے ہو۔ مجھے بتلاؤ اس آنے والی مصیبت سے جس کی خبر خواب میں دی گئی ہے، مملکت کیونکر بچائی جا سکتی ہے۔ حضرت یوسف نے کہا۔ اس طرح کہ ملک کی آمدنی کے تمام وسائل میرے ماتحت کر دئے جائیں۔ میں علم و بصیرت کے ساتھ اس کی حفاظت کر سکتا ہوں۔ چنانچہ بادشاہ نے ایسا ہی کیا، اور جب وہ دربار سے نکلے، تو تمام مملکت مصر کے حکمران و مختار تھے!

(ج) تورات میں ہے کہ فرعون نے یوسف کی باتیں سن کر درباریوں سے کہا ہم ایسا آدمی کہاں پا سکتے ہیں جیسا یہ ہے، اور جس میں خدا کی روح بول رہی ہے؟ پھر یوسف سے کہا۔ دیکھ میں نے ساری زمین مصر پر تجھے حکومت بخشی۔ فقط ایک بخت نشینی ہی میں تجھ سے اوپر رہونگا۔ اور اس نے اپنی انگوٹھی اتار کر یوسف کو پہنا دی، اور گلے میں سونے کا طوق ڈالا، اور کتان کا لباس عطا کیا، اور اپنی

تو پھر یاد رکھو نہ تو تمہارے لئے میرے پاس کچھ خرید و فروخت ہو گی، نہ تم میرے نزدیک جگہ پاؤ گے"۔

انہوں نے کہا "ہم اس کے باپ کو اس بات کی ترغیب دینگے اور ہم ضرور ایسا کرینگے"۔

اور یوسف نے اپنے خدمت گاروں کو حکم دیا "ان لوگوں کی پونجی (جس کے بدلے میں انہوں نے غلہ مول لیا ہے) انہی کی بوریوں میں رکھ دو۔ جب یہ لوگ اپنے گھر کی طرف لوٹینگے، تو بہت ممکن ہے اپنی پونجی دیکھ کر پہچان لیں (کہ لوٹا دی گئی) اور پھر عجب نہیں کہ دوبارہ آئیں"۔

پھر جب یہ لوگ اپنے باپ کے پاس لوٹ کر گئے، تو کہا "اے ہمارے باپ! آئندہ کو غلہ کی فروخت ہم پر بند کر دی گئی ہے۔ پس ہمارے بھائی (بن یمین) کو ہمارے ساتھ بھیج دے کہ غلہ خرید لائیں اور ہم اس کے نگہبان ہیں"۔

باپ نے (یہ سنکر) کہا "کیا میں اس کے لئے اسی طرح تمہارا اعتبار کروں جس طرح پہلے اس کے بھائی (یوسف) کے بارے میں کر چکا ہوں؟ سو خدا ہی سب سے بہتر حفاظت کرنے والا ہے، اور اس سے

إِلَيْهِ أَخَاهُ قَالَ إِنِّي أَنَا أَخُوكَ فَلَا تَبْتَئِسْ بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝ فَلَمَّا جَهَّزَهُمْ بِجَهَازِهِمْ ۶۹
جَعَلَ السِّقَايَةَ فِي رَحْلِ أَخِيهِ ثُمَّ أَذَّنَ مُؤَذِّنٌ أَيَّتُهَا الْعِيرُ إِنَّكُمْ لَسَارِقُونَ ۝ قَالُوا ۷۰
وَأَقْبَلُوا عَلَيْهِمْ مَاذَا تَفْقِدُونَ ۝ قَالُوا نَفْقِدُ صُوَاعَ الْمَلِكِ وَلِمَنْ جَاءَ بِهِ حِمْلُ بَعِيرٍ وَأَنَا بِهِ زَعِيمٌ ۝ قَالُوا تَاللَّهِ لَقَدْ عَلِمْتُمْ مَا جِئْنَا لِنُفْسِدَ فِي الْأَرْضِ وَمَا كُنَّا سَارِقِينَ ۝ ۷۱-۷۳

اچھا، اسے بھی اپنے ساتھ لاؤ تاکہ تمہارے بیان کی تصدیق ہو جائے اور اس وقت تک کے لئے ایک آدمی یہاں چھوڑ جاؤ (پیدائش ۴۲ : ۱۰)

معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں پر جاسوسی کا شبہ ضرور کیا گیا تھا اگرچہ خود حضرت یوسف کی طرف سے نہ ہوا ہو اسی لئے حضرت یعقوب جب مجبور ہوئے کہ بن یمین کو ان کے ساتھ بھیج دیں تو نصیحت کی کہ ایک دروازہ سے شہر میں داخل نہ ہونا کہ کنعانیوں کا ایک پورا جتھا دیکھ کر مصریوں کو شبہ ہوگا۔ الگ الگ دروازوں سے ایک ایک دو دو کر کے داخل ہونا۔ نیز فرمایا: ان الحکم الا للہ۔ اصلی فرمانروائی تو اللہ ہی کے لئے ہے۔ وہ نہ چاہے تو مصر کا حکمران کیا کر سکتا ہے؟ پس جو کچھ بھروسہ ہے اسی پر ہے۔ البتہ اپنی طرف سے تدبیر و احتیاط ضرور کرنی چاہیے۔

لیکن جو کچھ پیش آنے والا تھا، وہ دوسرا ہی معاملہ تھا۔ جاسوسی کی بنا پر نہیں بلکہ ایک دوسری مصلحت کی بنا پر بن یمین کو روک لیا گیا، اور جس بات کی احتیاط کا بھی وہی پیش آگئی۔ یہی وجہ ہے کہ آیت (۶۸) میں فرمایا۔ یہ احتیاط کچھ کام نہ دے سکی۔ ہاں حضرت یعقوب نے ایک خطرہ محسوس کیا تھا۔ سو اپنی جگہ اس کی پیش بندی کر لی۔ پھر ان کے علم و دانش مندی کا بھی اظہار کر دیا۔ تاکہ واضح ہو جائے انہوں نے جو احتیاط کی تھی وہ گو کام نہ دے سکی لیکن یہ قصور علم کی وجہ سے نہیں ہوا۔ علم کا مقتضا تو یہی تھا کہ تدبیر و احتیاط میں کمی نہ کرتے، اور پھر سب کچھ اللہ پر چھوڑ دیتے جیسا کہ فی الحقیقت انہوں نے کیا۔

(ی) ہر حال بن یمین کو لے کر جب وہ بارہ گئے تو حضرت

(یوسف کی یہ لوگ تیرے ساتھ) کرتے آئے ہیں اس پر غمگین نہ ہو" (اور خوش ہو جا کہ اب نہ نہ پلٹ گیا) ۶۹

پھر جب یوسف نے ان لوگوں کا سامان ان کی روانگی کے لئے مہیا کیا، تو اپنے بھائی (بن یمین) کی بوری میں اپنا کٹورا رکھ دیا (تاکہ بطور نشانی کے اس کے پاس رہے) پھر ایسا ہوا کہ (جب یہ لوگ روانہ ہو گئے اور شاہی کارندوں نے پیالہ ڈھونڈھا اور نہ پایا، تو ان پر شبہ ہوا، اور) ایک پکارنے والے نے (ان کے پیچھے) پکارا "اے قافلہ والو (ٹھہرو) ہو نہ ہو تم ہی چور ہو"۔ ۷۰

وہ پکارنے والے کی طرف پھرے اور پوچھا تمہاری کونسی چیز کھو گئی ہے"؟ ۷۱

(شاہی کارندوں نے) کہا "ہمیں شاہی پیمانہ نہیں ملتا جو شخص اسے لا دے اس کے لئے ایک بار شتر (غلہ) انعام ہے اور (کارندوں کے سردار نے کہا) میں اس بات کا ضامن ہوں"۔ ۷۲

انہوں نے کہا "اللہ جانتا ہے ہم اس لئے یہاں نہیں آئے کہ ملک میں شرارت کریں اور یہ بات تم اچھی طرح جانتے ہو (کہ پہلے بھی ایک مرتبہ آچکے ہیں) اور ہمارا کبھی یہ شیوہ نہیں رہا کہ چوری کریں"۔ ۷۳

لَا تَدْخُلُوْا مِنْ بَابٍ وَّاحِدٍ وَّادْخُلُوْا مِنْ اَبْوَابٍ مُّتَفَرِّقَةٍ ۭ وَمَآ اُغْنِيْ عَنْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ
شَيْءٍ ۭ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ۭ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ ۚ وَعَلَيْهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ ۝ وَلَمَّا دَخَلُوْا مِنْ حَيْثُ ٦٧
اَمَرَهُمْ اَبُوْهُمْ ۭ مَا كَانَ يُغْنِيْ عَنْهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ اِلَّا حَاجَةً فِيْ نَفْسِ يَعْقُوْبَ قَضٰىهَا ۭ
وَاِنَّهٗ لَذُوْ عِلْمٍ لِّمَا عَلَّمْنٰهُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ وَلَمَّا دَخَلُوْا عَلٰي يُوْسُفَ اٰوٰٓى ع ٦٨

حج کرنے۔ پھر جب قحط کے سال شروع ہوئے تو وہی غلہ کام میں لائے گئے، اور حکومت کی جانب سے غلہ تقسیم ہونے لگا۔

تورات میں ہے کہ تمام روئے زمین پر کال تھا۔ پیدائش (۴۱: ۵۶) تمام روئے زمین کا مطلب یہ ہوگا کہ مصر کے اطراف وجوانب میں بھی کال تھا، اور وہاں کے باشندے بھی مصر آکر حضرت یوسف کی بخشش سے فائدہ اٹھاتے تھے کیونکہ یقیناً اس بات کا شہرہ دُور دور تک پہنچ گیا ہوگا کہ مصر میں غلہ کے وافر ذخیرے موجود ہیں۔

(ز) اسی زمانے کی بات ہے کہ کنعان سے یوسف کے بھائی بھی غلہ مول لینے مصر آئے، اور اس طرح اس سرگزشت کا آخری باب اپنی عجیب وغریب موعظتوں اور عبرتوں کے ساتھ ظہور میں آنا شروع ہوگیا۔ آیت (۵۸) سے اسی کا بیان شروع ہوتا ہے۔ ٥٧

(ح) حضرت یوسف انہیں دیکھتے ہی پہچان گئے۔ لیکن وہ کیونکر پہچان سکتے تھے؟ اول تو یوسف جب گھر سے جدا ہوئے سترہ برس کے لڑکے تھے، اور اب چالیس کے لگ بھگ عمر تھی۔ پھر اس بات کا کسے گمان ہوسکتا تھا کہ چند سکوں کا بکا ہوا غلام مصر کا حکمران ہوگا۔

حضرت یوسف نے جب انہیں دیکھا تو باپ کی اور اپنے ماں جائے بھائی بن یمین کی صورتیں سامنے آگئیں۔ ان سے کھود کھود کر گھر کے حالات پوچھے، اور چلتے وقت کہا۔ تمہارے یہاں محط چھایا ہوا ہے۔ تم غلہ لینے پھر آؤ گے۔ لیکن یاد رکھو۔ اب کے میں غلہ جبھی دوں گا کہ اپنے بھائی بن یمین کو بھی ساتھ لاؤ۔ ٦٨

(ط) تورات میں ہے کہ بہ صورت اس طرح پیش آئی کہ یوسف نے انہیں جاسوس کہا تھا جب انہوں نے اپنی بریت میں اپنے گھرانے کے حالات سنائے تو ان کی بات پکڑ لی، اور کہا تم سچے ہو۔ تمہارا ایک بھائی اور بھی ہے؟ میرے بیٹو! دیکھو (جب مصر پہنچو تو شہر کے) ایک ہی دروازے سے داخل نہ ہونا۔ جدا جدا دروازوں سے داخل ہونا۔ میں تمہیں کسی ایسی بات سے نہیں بچا سکتا جو اللہ کے حکم سے ہونے والی ہو (لیکن اپنی طرف سے حتی المقدور احتیاط کی ساری تدبیریں کرنی چاہئیں) فرمان روائی کسی کے لئے نہیں ہے مگر اللہ کے لئے۔ (دنیا کے سارے حکمرانوں کی طاقت اس کے آگے ہیچ ہے) میں نے اسی پر بھروسہ کیا۔ اور وہی ہے جس پر تمام بھروسہ کرنے والوں کو بھروسا کرنا چاہئے!"

(پھر جب یہ لوگ (مصر میں) داخل ہوئے اسی طرح جس طرح باپ نے حکم دیا تھا، تو (دیکھو) یہ بات اللہ کی مشیت) کے مقابلہ میں کچھ بھی کام آنے والی نہ تھی، مگر ہاں یعقوب کے دل میں ایک خیال پیدا ہوا تھا جسے اس نے پورا کر دیا۔ بلاشبہ وہ صاحب علم تھا کہ ہم نے اس پر علم کی راہ کھولدی تھی لیکن اکثر آدمی (اس بات کی حقیقت) نہیں جانتے!

اور جب ایسا ہوا کہ یہ لوگ یوسف کے پاس پہنچے، تو اس نے اپنے بھائی (بن یمین) کو اپنے پاس بٹھالیا، اور اسے (پوشیدگی میں) اشارہ کر دیا کہ میں تیرا بھائی (یوسف) ہوں۔ پس جو

يُسْرِقْ فَقَدْ سَرَقَ أَخٌ لَّهُ مِن قَبْلُ ۚ فَأَسَرَّهَا يُوسُفُ فِي نَفْسِهِ وَلَمْ يُبْدِهَا لَهُمْ ۚ قَالَ
أَنتُمْ شَرٌّ مَّكَانًا ۖ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا تَصِفُونَ ۝ قَالُوا يَا أَيُّهَا الْعَزِيزُ إِنَّ لَهُ أَبًا شَيْخًا كَبِيرًا ۷۷
فَخُذْ أَحَدَنَا مَكَانَهُ ۖ إِنَّا نَرَاكَ مِنَ الْمُحْسِنِينَ ۝ قَالَ مَعَاذَ اللَّهِ أَن نَّأْخُذَ إِلَّا مَن وَجَدْنَا ۷۸
مَتَاعَنَا عِندَهُ ۙ إِنَّا إِذًا لَّظَالِمُونَ ۝ فَلَمَّا اسْتَيْأَسُوا مِنْهُ خَلَصُوا نَجِيًّا ۚ قَالَ ۷۹ ع ۹

کہ اس کے چور ہونے میں انہیں شبہ ہوتا۔ وہ ان سب کو لے کر حضرت یوسف کے پاس پہنچے۔

جب حضرت یوسف نے یہ معاملہ سنا تو سمجھ گئے کہ اس حادثہ میں خدا کا ہاتھ کام کر رہا ہے، اور اس نے بن یمین کو روک لینے کا خود بخود سامان پیدا کر دیا ہے۔ وہ خاموش ہو رہے اور کہا، تو صرف یہی کہا کہ ہم اور کسی کو روک نہیں سکتے اسی کو روکیں گے جس کے پاس ہماری چیز نکلی۔ یہ درحقیقت وہی بات تھی جو خود ان لوگوں کی زبان سے نکل چکی تھی۔ ان سے جب کارندوں نے پوچھا تھا۔ اگر مال نکل آیا تو چوری کی کیا سزا؟ تو انہوں نے کہا تھا جس کے پاس سے نکلے، وہ خود اپنی سزا ہو یعنی بطور قیدی کے یا غلام کے اسے صاحب مال رکھ لے۔

یہی وجہ ہے کہ آیت ۷۶ میں اس معاملہ کے ذکر کے بعد ہی (زمایا۔ کذلک کدنا لیوسف۔ یوسف ملک کے قانون کے مطابق بن یمین کو نہیں روک سکتا تھا، اور اس نے روکنا چاہا بھی نہیں، اگرچہ دل اس کے لئے بیقرار تھا، لیکن حکمت الٰہی نے ایک مخفی اور دقیق تدبیر پیدا کر دی۔ جو انسان کے لئے نہیں ہو سکتی تھی۔ اور کید کے معنی مخفی اور دقیق تدبیر ہی کے ہیں۔

(۷۷) جھوٹوں کا قاعدہ ہے کوئی موقعہ کوئی بات ہو جھوٹ بولنے سے نہیں رکتے۔ اگر مدح کا موقعہ ہو، تو جھوٹی مدح کر دینگے۔ مذمت کا موقع ہو، تو کوئی جھوٹا الزام لگا دینگے جب بن یمین کی خورجی میں سے پیالہ نکل آیا، تو بھائیوں کا کوتاہ بین کا حسد جوش میں آ گیا۔ جھٹ بول اٹھے۔ اگر اس نے چوری کی تو کوئی عجیب بات نہیں۔ اس کا بھائی یوسف بھی چور تھا۔ پس یہ بغض و حسد کی ایک بات تھی اس کا مطلب یہ نہیں سمجھنا چاہئے کہ واقعی کوئی ایسی بات ہوئی بھی تھی۔ قرآن نے ضمیمہ کے ساتھ ان کی یہ بات اس لئے نقل کی، کہ واضح ہو جائے بغض و حسد انسان کو کیسی

بھائیوں نے کہا "اگر اس نے چوری کی تو یہ کوئی عجیب بات نہیں۔ اس سے پہلے اس کا (حقیقی) بھائی بھی چوری کر چکا ہے" تب یوسف نے (جس کے سامنے اب معاملہ پیش ہوا تھا) یہ بات اپنے دل میں رکھ لی ان پر ظاہر نہ کی (کہ میرے منہ پر مجھے چور بنا رہے ہو) اور (صرف اتنا) کہا کہ "سب سے بری جگہ تمہاری ہوئی (کہ اپنے بھائی پر جھوٹا الزام لگا رہے ہو) اور جو کچھ تم بیان کرتے ہو، اللہ اسے بہتر جاننے والا ہے"۔ ۷۷

انہوں نے کہا "اے عزیز! اس کا باپ بہت بوڑھا آدمی ہے (اور اس سے بہت محبت رکھتا ہے) پس اس کی جگہ ہم میں سے کسی کو رکھ لیجئے (مگر اسے نہ روکئے) ہم دیکھتے ہیں کہ آپ ان لوگوں میں سے ہیں جو احسان کرنے والے ہیں"۔ ۷۸

یوسف نے کہا "اس بات سے اللہ کی پناہ کہ ہم اس آدمی کو چھوڑ کر جس کے پاس ہمارا سامان نکلا، کسی دوسرے کو پکڑ لیں۔ اگر ایسا کریں تو ہم ظالم ٹھہریں"۔

پھر جب وہ یوسف سے مایوس ہو گئے (کہ یہ ماننے والا نہیں) تو مشورہ کے لئے (ایک جگہ) اکیلے میں بیٹھ گئے۔ جو ان میں بڑا تھا اس نے کہا "تم جانتے ہو کہ باپ نے (بن یمین کے بارے میں)

۷۴ قَالُوْا فَمَا جَزَآؤُهٗٓ اِنْ كُنْتُمْ كٰذِبِيْنَ ۝ قَالُوْا جَزَآؤُهٗ مَنْ وُّجِدَ فِيْ رَحْلِهٖ فَهُوَ جَزَآؤُهٗ ؕ
۷۵ كَذٰلِكَ نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ ۝ فَبَدَاَ بِاَوْعِيَتِهِمْ قَبْلَ وِعَآءِ اَخِيْهِ ثُمَّ اسْتَخْرَجَهَا مِنْ وِّعَآءِ
اَخِيْهِ ؕ كَذٰلِكَ كِدْنَا لِيُوْسُفَ ؕ مَا كَانَ لِيَاْخُذَ اَخَاهُ فِيْ دِيْنِ الْمَلِكِ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ ؕ
۷۶ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَآءُ ؕ وَفَوْقَ كُلِّ ذِيْ عِلْمٍ عَلِيْمٌ ۝ قَالُوْٓا اِنْ

یوسف نے اس پر اپنی حقیقت ظاہر کر دی، اور چونکہ جانتے تھے، سوتیلے بھائی ضرور اس کے ساتھ بدسلوکی کرتے ہوں گے اس لئے کہا۔ اب دن پھرنے والے ہیں، اس لئے آزردہ خاطر نہ ہو۔

۷۴ (کارندوں نے) کہا "اچھا، اگر تم جھوٹے نکلے تو بتلاؤ، چور کی سزا کیا ہونی چاہیے؟"

انہوں نے کہا "چور کی سزا یہ کہ جس کی بوری میں چوری کا مال نکلے، وہ آپ اپنی سزا

۷۵ (یعنی اپنے جرم کی پاداش میں پکڑا جائے) ہم زیادتی کرنے والوں کو اسی طرح سزا دیتے ہیں۔"

(۱۹) حضرت یوسف کا چاہنا کہ بن یمین کو اپنے پاس رکھ لیں لیکن اسکی کوئی راہ نہ پانا اور رخصت کر دینا۔ لیکن بحکمت الٰہی سے ایک عجیب و غریب حادثہ کا پیش آجانا، اور بن یمین کا ان کے پاس رہ جانا۔

(۱) بن یمین حضرت یوسف کا حقیقی بھائی تھا۔ اتنی مدت کے بعد دیکھا تو کسی طرح دل نہیں مانتا تھا کہ اُسے جدا ہونے دیں۔ لیکن مشکل یہ آپڑی کہ روک بھی نہیں سکتے تھے۔ اس بارے میں مصر کا قانون بہت سخت تھا۔ بلا وجہ کسی آدمی کو خصوصاً اجنبی کو روک لینا جائز نہ تھا۔ اور ابھی اس کا وقت بھی نہیں آیا تھا۔ کہ اپنی شخصیت بھائیوں پر ظاہر کریں۔ مجبور ہو کر رخصت کر دیا۔ اور اس غرض سے کہ اپنی ایک نشانی اسے دیدیں اس کے سامان میں اپنا چاندی کا کٹورا رکھ دیا۔ چونکہ بھائیوں پر اس بات کا اظہار خلاف مصلحت تھا، اس لئے یہ بات پوری پوشیدگی کے ساتھ عمل میں آئی۔

لیکن جب یہ لوگ روانہ ہو گئے، تو حضرت یوسف کے محل کے کارندوں نے پیالہ ڈھونڈا، اور جب نہ ملا تو ان لوگوں کے تعاقب میں نکلے۔ انہیں پیالہ کا حال معلوم نہ تھا۔ اور چونکہ ان لوگوں کے سوا کوئی اور آدمی محل میں ٹھیرا نہیں تھا۔ اس لئے سمجھے ہو نہ ہو۔ انہی اجنبیوں کی کارستانی ہے۔ پھر جب

۷۶ کارندوں کے سردار نے تلاشی لی (جس کی موجودگی کا پتہ آیت ۷۲ کے اس جملہ سے ملتا ہے کہ "انا بہ زعیم") تو بن یمین کی خرجی سے پیالہ نکل آیا۔ اب کوئی وجہ نہ تھی

پس (کارندوں کے سردار نے) ان کی بوریوں کی تلاشی شروع کی۔ قبل اس کے کہ یوسف کے بھائی (بن یمین) کی بوری کی تلاشی لیتے اور کچھ نہ پایا) پھر یوسف کے بھائی کی بوری (دیکھی اور اس میں) سے پیالہ نکال لیا۔ (تو دیکھو) اس طرح ہم نے یوسف کے لئے (بن یمین کو پاس رکھنے کی) تدبیر کر دی۔ وہ بادشاہ (مصر) کے قانون کی رو سے ایسا نہیں کر سکتا تھا کہ اپنے بھائی کو روک لے (اگرچہ ایسا کرنے کے لئے اس کا دل بیقرار تھا) مگر ہاں اسی صورت میں کہ اللہ کو (اس کی راہ نکال دینا منظور ہوتا (سو اس نے غیبی سامان کر کے راہ نکال دی) ہم جسے چاہتے ہیں مرتبوں میں بلند کر دیتے ہیں اور ہر علم والے کے اوپر ایک علم والی ہستی ہے (جس کا علم سب کو احاطہ کئے ہوئے ہے یعنی اللہ کی ہستی)

(جب بن یمین کی بوری سے کٹورا نکل آیا، تو

الْحُزْنِ فَهُوَ كَظِيمٌ ۝ قَالُوا تَاللّٰهِ تَفْتَؤُا تَذْكُرُ يُوسُفَ حَتّٰى تَكُونَ حَرَضًا أَوْ تَكُونَ مِنَ ۸۴
الْهَالِكِينَ ۝ قَالَ إِنَّمَا أَشْكُو بَثِّي وَحُزْنِي إِلَى اللّٰهِ وَأَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ۝ ۸۵-۸۶
يَا بَنِيَّ اذْهَبُوا فَتَحَسَّسُوا مِنْ يُوسُفَ وَأَخِيهِ وَلَا تَيْأَسُوا مِنْ رَوْحِ اللّٰهِ إِنَّهُ لَا يَيْأَسُ
مِنْ رَوْحِ اللّٰهِ إِلَّا الْقَوْمُ الْكَافِرُونَ ۝ فَلَمَّا دَخَلُوا عَلَيْهِ قَالُوا يَا أَيُّهَا الْعَزِيزُ مَسَّنَا وَأَهْلَنَا ۸۷
الضُّرُّ وَجِئْنَا بِبِضَاعَةٍ مُزْجَاةٍ فَأَوْفِ لَنَا الْكَيْلَ وَتَصَدَّقْ عَلَيْنَا إِنَّ اللّٰهَ يَجْزِي

آنکھیں سفید پڑ گئیں، اور اُس کا سینہ غم سے بھرا تھا! ۸۴

(باپ کا یہ حال دیکھ کر بیٹے) کہنے لگے، بخدا! تم تو ہمیشہ ایسے ہی رہو گے کہ یوسف کی یاد میں لگے رہو۔ یہاں تک کہ (اسی غم میں) گھل جاؤ، یا اپنے کو ہلاک کر دو۔" ۸۵

باپ نے کہا، "میں تو اپنی حاجت اور اپنا غم اللہ کی جناب میں عرض کرتا ہوں (کچھ تمہارا شکوہ نہیں کرتا) میں اللہ کی جانب سے وہ بات جانتا ہوں جو تمہیں معلوم نہیں۔" ۸۶

(پھر انہوں نے کہا) اے میرے بیٹو! (ایک بار پھر مصر) جاؤ، اور یوسف اور اُس کے بھائی کا سُراغ لگاؤ۔ اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو۔ اُسکی رحمت سے مایوس نہیں ہوتے مگر وہی لوگ جو منکر ہیں۔ ۸۷

پھر جب (باپ کے حکم کی تعمیل میں یہ لوگ مصر پہنچے اور) یوسف کے پاس گئے، تو (اپنے پھر آنے کی وجہ بیان کرتے ہوئے) کہا، اے عزیز ہم پر اور ہمارے گھر کے آدمیوں پر بڑی سختی کے دن گذر رہے ہیں (پس مجبور ہو کر غلہ کی طلب میں ہمیں پھر نکلنا پڑا) ہم تھوڑی سی پونجی لے کر آئے ہیں۔ اسے قبول کر لیجئے۔ اور غلہ کی پوری تول عنایت کیجئے۔ اور (اسے خرید و فروخت کا معاملہ نہ سمجھئے بلکہ ہمیں محتاج سمجھ کر) خیرات دیدیجئے۔ اللہ خیرات کرنے والوں

(۸۴) حضرت یعقوب کا جن بیٹوں کی گمراہی میں باز پرستی کی ایک نئی اُمید محسوس کرنا، اور بیٹوں کو جستجوئے مقصود میں روانہ کرنا، بالآخر پردۂ راز کا ہٹنا، اور کرشمۂ حقیقت کا سامنے آجانا!

(۱) اب یہ سرگزشت عبرت اپنی آخری منزل سے قریب ہو رہی ہے۔ جب یوسف کے بھائی بن یمین کے معاملہ میں مایوس ہو گئے، تو آپس میں مشورہ کرنے لگے کہ اب کیا کرنا چاہیے۔ تورات میں ہے کہ جب حضرت یعقوب راضی نہیں ہوتے تھے کہ بن یمین کو جدا کریں، تو روبن نے خصوصیت کے ساتھ اس کی حفاظت کا ذمہ لیا تھا (پیدائش ۴۲: ۳۸) اور روبن ہی ان سب میں بڑا تھا۔ پس اُس نے کہا۔ یوسف کے معاملہ میں ہم سے جو بد عہدی ہو چکی ہے، اس کا داغ اب تک باپ کے دل سے مٹا نہیں۔ اب بن یمین کے لئے ہم نے قول و قرار کیا تھا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا میری صلاح تو پڑتی نہیں کہ باپ کو جا کر منہ دکھاؤں تم جاؤ، اور جو کچھ گزرا ہے، بے کم و کاست سُنا دو۔ چنانچہ بھائیوں نے ایسا ہی کیا، اور گھر آکر تمام سرگزشت باپ کو سُنا دی۔

(ب) خود کردہ قرآن واقعہ کی جزئیات نقل کرنے میں کس طرح دقیق سے دقیق پیرو فطرت انسانی کے محفوظ رکھتا ہے۔

كَبِيرُهُمْ أَلَمْ تَعْلَمُوا أَنَّ أَبَاكُمْ قَدْ أَخَذَ عَلَيْكُمْ مَوْثِقًا مِنَ اللَّهِ وَمِنْ قَبْلُ مَا فَرَّطْتُمْ فِي
يُوسُفَ ۖ فَلَنْ أَبْرَحَ الْأَرْضَ حَتَّىٰ يَأْذَنَ لِي أَبِي أَوْ يَحْكُمَ اللَّهُ لِي ۖ وَهُوَ خَيْرُ الْحَاكِمِينَ ۝ ۸۰
ارْجِعُوا إِلَىٰ أَبِيكُمْ فَقُولُوا يَا أَبَانَا إِنَّ ابْنَكَ سَرَقَ ۖ وَمَا شَهِدْنَا إِلَّا بِمَا عَلِمْنَا وَمَا كُنَّا
لِلْغَيْبِ حَافِظِينَ ۝ وَاسْأَلِ الْقَرْيَةَ الَّتِي كُنَّا فِيهَا وَالْعِيرَ الَّتِي أَقْبَلْنَا فِيهَا ۖ وَإِنَّا لَصَادِقُونَ ۝ ۸۱-۸۲
قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ أَنْفُسُكُمْ أَمْرًا ۖ فَصَبْرٌ جَمِيلٌ ۖ عَسَى اللَّهُ أَنْ يَأْتِيَنِي بِهِمْ جَمِيعًا ۖ إِنَّهُ
هُوَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ ۝ وَتَوَلَّىٰ عَنْهُمْ وَقَالَ يَا أَسَفَىٰ عَلَىٰ يُوسُفَ وَابْيَضَّتْ عَيْنَاهُ مِنَ ۸۳

کیسی غلط بیانیوں کا مادی بنا دیتا ہے۔

اللہ کو شاہد ٹھہرا کر تم سے عہد لیا ہے، اور اس سے پہلے یوسف کے معاملہ میں بڑی تقصیر ہو چکی ہے۔ پس میں تو اب اس ملک سے ٹلنے والا نہیں، جب تک خود باپ مجھے حکم نہ دے، یا پھر اللہ میرے لئے کوئی دوسرا فیصلہ کر دے اور وہ سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔" ۸۰

"تم لوگ باپ کی طرف لوٹ جاؤ اور اس سے جا کر کہو "اے ہمارے باپ! (ہم کیا کریں) تیرے بیٹے نے (پرائے ملک میں) چوری کی۔ جو بات ہمارے جاننے میں آئی، وہی ہم نے ٹھیک ٹھیک کہدی، اور ہم غیب کی باتوں کی خبر رکھنے والے نہ تھے۔" (کہ پہلے سے جان لیتے۔ بن یمین سے ایسی بات سرزد ہونے والی ہے) ۸۱

"اور (یہ بھی کہہ دینا کہ) آپ اس بستی سے دریافت کر لیں جہاں ہم ٹھہرے تھے، اور اس قافلہ کے آدمیوں سے پوچھ لیں جس میں ہم آئے ہیں۔ ہم (اپنے بیان میں) بالکل سچے ہیں۔" ۸۲

(چنانچہ بھائیوں نے ایسا ہی کیا، اور کنعان آکر یہ ساری باتیں بات سے کہدیں) اس نے (سن کر) کہا "نہیں، یہ تو ایک بات ہے جو تمہارے جی نے تمہیں سجھا دی ہے (یعنی بن یمین کا چوری کرنا) خیر! میرے لئے صبر کے سوا چارہ نہیں۔ ایسا صبر کہ خوبی کا صبر ہو۔ اللہ (کے فضل) سے کچھ بعید نہیں ہے کہ وہ (ایک دن) ان سب کو میرے پاس جمع کر دے۔ وہی ہے جو (سب کچھ) جاننے والا (اور اپنے تمام کاموں میں) حکمت رکھنے والا ہے۔" ۸۳

اور اس نے ان لوگوں کی طرف سے رخ پھیر لیا، اور (چونکہ اس نئے زخم کی خلش نے پچھلا زخم تازہ کر دیا تھا، اس لئے) پکار اٹھا "آہ یوسف کا دردِ فراق! اور شدتِ غم سے (روتے روتے) اس کی

اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ ۝ اِذْهَبُوْا بِقَمِیْصِیْ هٰذَا فَاَلْقُوْهُ عَلٰی وَجْهِ اَبِیْ یَاْتِ بَصِیْرًا ۚ وَاْتُوْنِیْ ۹۳
بِاَهْلِكُمْ اَجْمَعِیْنَ ۝ وَلَمَّا فَصَلَتِ الْعِیْرُ قَالَ اَبُوْهُمْ اِنِّیْ لَاَجِدُ رِیْحَ یُوْسُفَ لَوْلَاۤ اَنْ ۹۴ ع
تُفَنِّدُوْنِ ۝ قَالُوْا تَاللّٰهِ اِنَّكَ لَفِیْ ضَلٰلِكَ الْقَدِیْمِ ۝ فَلَمَّاۤ اَنْ جَآءَ الْبَشِیْرُ اَلْقٰىهُ عَلٰی ۹۴-۹۵ الربع
وَجْهِهٖ فَارْتَدَّ بَصِیْرًا ۚ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ اِنِّیْۤ اَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ قَالُوْا یٰۤاَبَانَا اسْتَغْفِرْ ۹۶

کا بہانہ نہ تھا، بلکہ واقعی مصیبت کی تیز دستان تھی۔ جب حضرت یوسف نے یہ حالات سنے اور دیکھا کہ ان کے بھائی ان کے سامنے کھوٹے خیرات کی بھیک مانگ رہے ہیں تو جوش رحم و محبت سے بے اختیار ہو گئے، اور اب اپنے آپ کو ظاہر کر دیا۔ جب انہوں نے کہا تمہیں یاد ہے۔ تم نے یوسف کے ساتھ کیا کیا تھا؟ تو بھائی چونک اٹھے کہ عزیز مصر یوسف کا ذکر اس طرح کیوں کر رہا ہے؟ اور اب جو اسکی صورت اور آواز پر غور کیا تو صاف نظر آ گیا کہ یہ تو بالکل یوسف کی سی ہے۔ پس حیران ہو کر بول اٹھے: "انک لانت یوسف؟"

قرآن نے اس حیرت کا سارا مکالمہ صرف دو جملوں میں بیان کر دیا ہے۔ ایک حضرت یوسف کا ہے۔ دوسرا بھائیوں کا، لیکن غور کرو موقعہ کی طبیعت حال کا کونسا پہلو ہے جو ان دو جملوں کے اسلوب بیان اور طرز لہجہ میں نہیں آ گیا؟ بھائیوں نے یہ نہیں کہا "کیا تم یوسف ہو؟" بلکہ کہا "انک" اور "لانت یوسف" یعنی کیا فی الحقیقت تم ہی یوسف ہو؟ اس اسلوب استفہام نے وہ ساری حالتیں واضح کر دیں جو ان کے ذہن و نگہ پر اس وقت طاری ہو گئی تھیں، اور اس طرح کے موقع میں قدرتی طور پر طاری ہوا کرتی ہیں۔

(د) جب بھائیوں نے یوسف کی ہلاکت کی خبر باپ کو سنائی تھی، تو خون آلود کرتا جا کر دکھایا تھا۔ اب وقت آیا کہ زندگی و اقبال کی خوش خبری سنائی جائے تو اس کے لئے بھی کرتے ہی نے نشانی کا کام دیا۔ وہی چیز جو کبھی فراق کا پیام لائی تھی، اب وصال کی بشارت بن گئی۔

۹۲ وہ تمام رحم کرنیوالوں سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے!"

اب تم یوں کرو کہ میرا یہ کرتا (بطور علامت کے) اپنے ساتھ لے جاؤ، اور میرے باپ کے چہرے پر ڈال دو کہ اس کی آنکھیں روشن ہو جائیں۔ اور پھر اپنے گھرانے کے تمام آدمیوں کو لے کر میرے پاس آ جاؤ۔"

۹۳ اور پھر جب (یہ لوگ یوسف کے حکم کے مطابق کرتہ لے کر روانہ ہوئے اور) قافلہ نے مصر کی سرزمین چھوڑ دی، تو (اُدھر کنعان میں) ان کا باپ کہنے لگا۔ "اگر تم لوگ یہ نہ کہنے لگو کہ بڑھاپے سے اس کی عقل ماری گئی تو میں کہوں گا مجھے یوسف کی مہک آ رہی ہے۔"

۹۴ (اور مجھے اس کا یقین ہے) سننے والوں نے کہا، بخدا تم تو اب تک اپنے (اسی) پرانے خبط میں پڑے ہو۔ (یعنے یوسف کا تو نام و نشان بھی نہ رہا اور تمہیں اُس کی واپسی کے خواب آ رہے ہیں!)

۹۵ لیکن پھر جب (قافلہ کنعان پہنچ گیا، اور خوش خبری سنانے والا دوڑتا ہوا) آیا تو اُس نے آتے ہی یوسف کا کرتہ یعقوب کے چہرے پر ڈال دیا اور اُس کی آنکھیں پھر سے روشن ہو گئیں۔ تب اُس نے کہا، کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ میں اللہ کی جانب سے وہ بات جانتا ہوں جو تمہیں معلوم نہیں؟"

۹۶ وہ (شرم و ندامت میں ڈوب کر) بولے اے ہمارے باپ! ہمارے گناہوں کی مغفرت کے لئے

الْمُتَصَدِّقِيْنَ ۝ قَالَ هَلْ عَلِمْتُمْ مَّا فَعَلْتُمْ بِيُوْسُفَ وَاَخِيْهِ اِذْ اَنْتُمْ جٰهِلُوْنَ ۝ قَالُوْٓا
ءَاِنَّكَ لَاَنْتَ يُوْسُفُ ۭ قَالَ اَنَا يُوْسُفُ وَهٰذَآ اَخِيْ ۡ قَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا ۭ اِنَّهٗ مَنْ يَّتَّقِ وَيَصْبِرْ
فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ۝ قَالُوْا تَاللّٰهِ لَقَدْ اٰثَرَكَ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَاِنْ كُنَّا لَخٰطِـِٕيْنَ ۝
قَالَ لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ ۭ يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ ۡ وَهُوَ

۸۸ بن یمین ان سب کا بھائی تھا۔ ماں ایک نہ سہی، مگر باپ تو ایک ہی تھا۔ لیکن انھوں نے یہ نہیں کہا کہ ہمارے بھائی نے چوری کی۔ بلکہ کہا۔ تیرے لڑکے نے چوری کی۔ اس ایک بات میں کتنی باتیں چھپی ہوئی ہیں! اس میں طعن ہے، تحقیر ہے، ملامت ہے اپنی بڑائی ہے، منزوا نہ برتریت ہے۔ اور پھر حد جہ کی سنگدلی ہے کہ ایسے موقعہ پر بھی جب کہ بوڑھے باپ کے دل پر ایک نیا زخم لگنے والا تھا، طعن تشنیع سے باز نہ رہ سکے، اور کہا، یہ

۸۹ تیرا چہیتا بیٹا جس نے چوری کا ارتکاب کیا اور ہم سب کو مصیبت میں ڈالا۔

(ج) معلوم ہوتا ہے، حضرت یعقوب نے ابن یمین کی گم گشتگی میں یوسف کی بازگشت کی جھلک دیکھ لی تھی۔ اور یہ ان کی فراست نبوت کا کرشمہ تھا۔ اسی لئے فرمایا عسی اللہ ان یاتینی بھم جمیعا۔ اور یہ قرب وصال کے تصور کا نتیجہ تھا کہ درد فراق کی شدتیں بڑھ گئیں اور بے اختیار یا اسفیٰ علیٰ یوسف کی صدا نکل گئی۔ اور اسی لئے آخر میں اشارۃً کہا کہ انی اعلم من اللہ ما لا تعلمون!

(د) اس کے بعد حضرت یعقوب کا کہنا کہ مایوس ہو کر نہ بیٹھ جاؤ۔ جاؤ اور یوسف اور اس کے بھائی کا سراغ لگاؤ۔ واضح کر دیتا ہے کہ وحی الٰہی کا اشارہ ہو چکا تھا، اور وہ سمجھ چکے تھے کہ شمیم یوسف اسی رُخ سے آنے والی ہے

۹۰ اور نہ کوئی وجہ نہ تھی کہ یوسف کا نام اُن کی زبان سے نکلتا۔ کیونکہ جو معاملہ پیش آیا تھا، ابن یمین کا تھا۔ یوسف کا نہ تھا۔ چنانچہ آگے چل کر آیت (۹۶) سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے جب حضرت یوسف کا کرتہ اور پیام پہنچا تو انہوں نے کہا۔ الم اقل لکم انی اعلم من اللہ ما لا تعلمون،

۹۱ (ہ) ایک طرف تو یہ حالات پیش آ رہے ہیں، دوسری طرف قحط کی شدتیں بھی روز بروز بڑھتی جاتی تھیں۔ پس بھائیوں نے مصر آ کر جو کچھ حضرت یوسف سے کہا، وہ اپنے دو بار کام

کو اُن کا اجر دیتا ہے۔!"

(یہ حال سن کر) یوسف (کا دل بھر آیا۔ اُس) نے کہا، نہیں یاد ہے، تم نے یوسف اور اُس کے بھائی کے ساتھ کیا کیا تھا جب کہ تمہیں سمجھ بوجھ نہ تھی!؟

(یہ سُن کر بھائی چونک اُٹھے، اور اب جو عزیز کی صورت اور آواز پر غور کیا، تو ایک نیا خیال اُن کے اندر پیدا ہو گیا) انہوں نے کہا، کیا فی الحقیقت تم ہی یوسف ہو!

یوسف نے کہا، ہاں میں یوسف ہوں، اور یہ (بن یمین) میرا بھائی ہے۔ اللہ نے ہم پر احسان کیا اور حقیقت یہ ہے کہ جو کوئی (برائیوں سے) بچتا اور (مصیبتوں میں) ثابت قدم رہتا ہے، تو اللہ (کا قانون یہ ہے کہ وہ) نیک عملوں کا اجر کبھی ضائع نہیں کرتا!"

(یہ سُن کر بھائیوں کے سر شرم و ندامت سے جھک گئے) انہوں نے کہا، بخدا! اس میں کچھ شک نہیں کہ اللہ نے تجھے ہم پر برتری دی اور بلاشبہ ہم سراسر قصوروار تھے۔ یوسف نے کہا آج کے دن (میری جانب سے) تم پر کوئی سرزنش نہیں (جو ہونا تھا وہ ہو چکا) اللہ تمہارا قصور بخشے

الْبَدْوِ مِنْ بَعْدِ اَنْ نَّزَغَ الشَّيْطٰنُ بَيْنِيْ وَبَيْنَ اِخْوَتِيْ ۭ اِنَّ رَبِّيْ لَطِيْفٌ لِّمَا يَشَاۗءُ ۭ اِنَّهٗ
هُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ۝ رَبِّ قَدْ اٰتَيْتَنِيْ مِنَ الْمُلْكِ وَعَلَّمْتَنِيْ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ ۚ
فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ اَنْتَ وَلِيّٖ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ تَوَفَّنِيْ مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِيْ
بِالصّٰلِحِيْنَ ۝ ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَاۗءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ ۚ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ اَجْمَعُوْٓا
اَمْرَهُمْ وَهُمْ يَمْكُرُوْنَ ۝ وَمَآ اَكْثَرُ النَّاسِ

انہیں تسلی دی اور کہا اپنے دلوں میں پریشان نہ ہو یہ خدا کی مصلحت تھی کہ اس نے مجھے تم لوگوں سے پہلے اس سرزمین میں بھیج دیا دو برس سے زمین پر کال ہے اور ابھی پانچ برس اور کال رہے گا پس خدا نے مجھے اس لئے مصر کا حاکم بنا دیا کہ تمہاری اولاد باقی رہے اور تمہیں غموں سے نجات ملے تم اب فوراً میرے باپ کے پاس جاؤ اور اسے مع اپنے پورے گھرانے کے میرے پاس لے آؤ۔ میں اُسے جشن کی زمین میں رکھوں گا۔ (پیدائش ۴۵: ۴)

تورات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جب فرعون کو معلوم ہوا۔ یوسف کے بھائی آئے ہیں تو وہ بہت خوش ہوا اور اس نے یوسف کو کہا اپنے بھائیوں سے کہ اپنے باپ اور اپنے گھرانے کو میرے پاس لے آئیں۔ میں انہیں مصر کی ساری اچھی چیزیں دوں گا۔ نیز حکم دیا کہ ان کے لانے کے لئے رتھ اپنے ساتھ لے جائیں اور جو اسباب وہاں چھوٹ جائے اس کا افسوس نہ کریں مصر کی ساری خوشیاں ان کے لئے ہوں گی (۴۵: ۱۶)

(۵) چنانچہ کنعان سے حضرت یعقوب کا گھرانا روانہ ہوگیا۔ تورات میں ہے کہ وہ سب ۷۰ تھے اور اگر یوسف اور اس کے لڑکوں کو جو مصر میں پیدا ہوئے تھے ملا لیا جائے تو خاندان کی پوری تعداد ستر ہو جاتی ہے (پیدائش ۴۶: ۲۷)

(۶) جب قافلہ مصر کے قریب پہنچا تو حضرت یوسف نے ان کا استقبال کیا۔ اس زمانہ میں مصر کا دارالحکومت رعمسیس تھا، اور اسے جشن کا شہر کہتے تھے۔ کیونکہ سالانہ جشن وہیں ہوا کرتا تھا۔ پس یہ لوگ دارالحکومت میں آئے جہاں حضرت یوسف نے دربار منعقد کیا، اور اپنے والدین کے لئے بلند مسند بچھائی۔ اب وہ وقت آگیا تھا جس کا مرقع سالہا سال پہلے حضرت یوسف نے خواب میں دیکھا تھا۔ جونہی حضرت

پہنچا دیا اور یہ سب کچھ اس واقعہ کے بعد ہوا کہ شیطان نے مجھ میں اور میرے بھائیوں میں اختلاف ڈال دیا تھا! بلاشبہ میرا پروردگار ان باتوں کے لئے جو کرنی چاہئے بہتر تدبیر کرنے والا ہے۔ بلاشبہ وہی ہے کہ (سب کچھ) جاننے والا (اور اپنے سارے کاموں میں) حکمت رکھنے والا ہے!

(پھر یوسف نے دعا کی) "پروردگار! تو نے مجھے حکومت عطا فرمائی، اور باتوں کا مطلب اور نتیجہ نکالنا تعلیم فرمایا۔ اے آسمان و زمین کے بنانے والے تو ہی میرا کارساز ہے۔ دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ تو (اپنے فضل و کرم سے) ایسا کیجو کہ دنیا سے جاؤں تو تیری فرمانبرداری کی حالت میں جاؤں اور ان لوگوں میں داخل ہو جاؤں جو تیرے نیک بندے ہیں!"

(اے پیغمبر!) یہ غیب کی خبروں میں سے جس کی تجھ پر وحی کر رہے ہیں۔ ورنہ (ظاہر ہے کہ) جس وقت یوسف کے بھائی سازش میں مصمم ہو گئے تھے اور یوسف کے خلاف تدبیریں کر رہے تھے، تو تم اس وقت کچھ ان کے پاس کھڑے نہ تھے (کہ سب کچھ دیکھ سن لیا ہو) اور (اس پر بھی یاد رکھو) اکثر آدمیوں کا حال

لَنَا ذُنُوْبَنَآ اِنَّا كُنَّا خٰطِـِٕيْنَ ۝ قَالَ سَوْفَ اَسْتَغْفِرُ لَكُمْ رَبِّيْ ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۝ ۹۸
فَلَمَّا دَخَلُوْا عَلٰي يُوْسُفَ اٰوٰٓى اِلَيْهِ اَبَوَيْهِ وَقَالَ ادْخُلُوْا مِصْرَ اِنْ شَاۗءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ ۝ وَرَفَعَ ۹۹
اَبَوَيْهِ عَلَي الْعَرْشِ وَخَرُّوْا لَهٗ سُجَّدًا ۚ وَقَالَ يٰٓاَبَتِ هٰذَا تَاْوِيْلُ رُءْيَايَ مِنْ قَبْلُ ۡ قَدْ جَعَلَهَا
رَبِّيْ حَقًّا ۭ وَقَدْ اَحْسَنَ بِيْٓ اِذْ اَخْرَجَنِيْ مِنَ السِّجْنِ وَجَاۗءَ بِكُمْ مِّنَ

(اللہ کے حضور) دعا کرنی الحقیقت ہم سے سراسر قصور ہی ہوتے رہے"! ۹۷

(۲۱) حضرت یعقوب کے خاندان کا مصر پہنچنا، خواب کی تعبیر کا ظہور میں آنا، اور سرگذشت کا خاتمہ۔

(۱) ادھر کاروان بشارت نے کوچ کیا، اور ادھر کنعان میں حضرت یعقوب نے کہنا شروع کر دیا۔ انی لاجد ریح یوسف: مجھے یوسف کی مہک آرہی ہے: ۹۸

ولقد ذهب لی الصبا من هوضنا
فیلذ من هیوبها و یطیب!

اس سے معلوم ہوا کہ وحی الہی نے انہیں مطلع کر دیا تھا کہ اب ایام فراق قریب الاختتام ہیں اور خردہ وصال جلد پہنچنے والا ہے۔

(ب) جب بھائیوں نے حضرت یوسف کے آگے عجز و اعتراف کا سر جھکایا، تو انہوں نے بلا تامل کہہ دیا۔ لا تثریب علیکم الیوم۔ یغفر اللہ لکم وھو ارحم الراحمین لیکن جب حضرت یعقوب سے دعائے مغفرت کے طلبگار ہوئے تو کہا: سوف استغفر لکم ربی۔ میں عنقریب تمہارے لئے دعائے مغفرت کروں گا۔ یعنی طلب مغفرت کی دعا کو کسی آئندہ وقت پر ملتوی کر دیا۔ یہ اختلاف حال غالباً اس بات کا نتیجہ ہے کہ بھائیوں نے جو کچھ ظلم کیا تھا وہ حضرت یوسف کی ذات خاص پر کیا تھا۔ اس لئے انہیں عفو و درگذر میں تامل نہیں ہوا کیونکہ معاملہ خود ان کا معاملہ تھا لیکن حضرت یعقوب کو تامل ہوا۔ کیونکہ معاملہ صرف انہی کا نہیں بلکہ حضرت یوسف کا بھی تھا۔ پس فرمایا میں عنقریب ایسا کروں گا۔ یعنی عنقریب وہ وقت آنے والا ہے کہ سب نیچے ہوں گے، اور عفو و بخشش کا آخری فیصلہ ہو جائے گا۔ پھر میری دعائیں ہونگی اور تم ہوگے۔

(ج) تورات میں ہے کہ جب یوسف نے اپنے بھائیوں پر اپنے آپ کو ظاہر کر دیا تو وہ گھبرا گئے۔ لیکن یوسف نے

باپ نے کہا" وہ وقت دور نہیں کہ میں اپنے پروردگار سے تمہارے لئے دعائے مغفرت کروں وہ بڑا بخشنے والا بڑی ہی رحمت والا ہے"!

پھر جب (ایسا ہوا کہ یوسف کی خواہش کے مطابق) یہ لوگ (کنعان سے) روانہ ہو گئے، اور شہر کے باہر) یوسف سے ملے تو اُس نے اپنے باپ اور ماں کو (عزت و احترام سے) اپنے پاس جگہ دی اور کہا۔ اب شہر میں چلو۔ خدا نے چاہا تو تمہارے لئے ہر طرح کی سلامتی ہے"!

اور جب شہر میں داخل ہوئے تو اس نے اپنے والدین کو تخت پر اونچا بٹھایا، (باقی سب کے لئے نیچے نشستیں رکھیں) اور (دیکھو) اس وقت ایسا ہوا کہ سب اس کے آگے سجدے میں گر پڑے (اور مصر کے دستور کے مطابق اس کے منصب حکومت کی تعظیم بجا لائے) اس وقت (اسے اپنے بچپنے کا خواب یاد آگیا، اور بے اختیار) پکار اٹھا" اے باپ! یہ ہے تعبیر اس خواب کی جو مدت ہوئی میں نے دیکھا تھا۔ میرے پروردگار نے اسے سچا ثابت کر دیا۔ یہ اسی کا احسان ہے کہ مجھے قید سے رہائی دی، تم سب کو صحرا سے نکال کر میرے پاس

مَنِ اتَّبَعَنِیْ ؕ وَ سُبْحٰنَ اللّٰهِ وَ مَاۤ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ ۱۰۸ وَ مَاۤ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا
نُّوْحِیْۤ اِلَیْهِمْ مِّنْ اَهْلِ الْقُرٰی ؕ اَفَلَمْ یَسِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَیَنْظُرُوْا كَیْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِیْنَ
مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ وَ لَدَارُ الْاٰخِرَةِ خَیْرٌ لِّلَّذِیْنَ اتَّقَوْا ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۱۰۹ حَتّٰۤی اِذَا اسْتَایْـَٔسَ الرُّسُلُ وَ ظَنُّوْۤا
اَنَّهُمْ قَدْ كُذِبُوْا جَآءَهُمْ نَصْرُنَا ۙ فَنُجِّیَ مَنْ نَّشَآءُ ؕ وَ لَا یُرَدُّ بَاْسُنَا عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِیْنَ ۱۱۰ لَقَدْ كَانَ

گذشتہ واقعہ کی حکایت ہے۔ اسلامی احکام کی تشریح نہیں ہے۔

(ذ) اس طرح یہ سرگذشت جس خواب کے ذکر سے شروع ہوئی تھی اس کی تعبیر کے ظہور پر ختم ہو گئی۔

(ح) حضرت یوسف نے اس موقعہ پر جو کچھ فرمایا، اور اس کے بعد جو دعا فرمائی وہ ان کی سیرت مطہرہ کا سب سے زیادہ اہم مقام ہے، اور اسکی مختصر تشریح آگے آئے گی۔

(۲۲) سورت کا خاتمہ۔

سرگذشت ختم ہو گئی۔ اب آیت (۱۰۸) سے خطاب پیغمبر اسلام کی جانب ہے، اور دعوت حق کی بعض مہمات واضح کی جاتی ہیں۔

(ا) اس سرگذشت میں جو کچھ بیان کیا گیا ہے یہ سرتاسر غیب کی باتیں ہیں۔ اگر وحی الٰہی کا فیضان نہ ہوتا، تو ممکن نہ تھا کہ اس واقعہ کی ایک ایک جزئیات پر تم مطلع ہوتے اور دنیا کے آگے اس طرح پیش کر دیتے۔ یہ ظاہر ہے کہ واقعہ تم سے دو ہزار سال پہلے کا ہے، اور دنیا میں گذشتہ واقعات کے علم و معلومات کے جتنے وسیلے ہو سکتے ہیں ان میں سے کوئی وسیلہ بھی تمہارے لئے موجود نہیں، اور اگر موجود بھی ہو تو یہ قطعی ہے کہ اس باب میں کچھ مفید نہیں ہو سکتا۔

(ب) لیکن کیا منکرین حق تمہاری سچائی کی یہ دلیل واضح دیکھ کر ایمان لے آئیں گے؟ نہیں تم کتنا ہی چاہو جو ماننے والے نہیں ہیں وہ کبھی ماننے والے نہیں۔

(ج) خدا کی کائنات تو سرتاسر حقیقت کی نشانی ہے۔ آسمان و زمین کا کون گوشہ ہے جو اس کی نشانیوں سے خالی ہے، اور شب و روز انسان کو دعوت فکر و عبرت نہیں دے رہا ہے؟ با ایں ہمہ بندگان غفلت کا کیا حال ہے؟ یہ ہے کہ ان پر سے گزر جاتے ہیں، اور نگاہ اٹھا کر دیکھتے بھی نہیں!

قرآن نے یہاں اور دوسرے مقامات میں آسمان و زمین کی نشانیوں پر توجہ دلائی ہے، اور ان کے مطالعہ و تفکر کو معرفت حق کا سرچشمہ ٹھہرایا ہے، اور یہی بات اس کے تمام استدلال کا مبدأ و اساس ہے چنانچہ پچھلی سورتوں کے نوٹوں

۱۰۸ ہیں نہیں ہوں!

اور (اے پیغمبر!) ہم نے تم سے پہلے کسی رسول کو نہیں بھیجا ہے، مگر اسی طرح کہ وہ باشندگان شہر ہی میں سے ایک آدمی تھا اور ہم نے اس پر وحی اتاری تھی (ایسا کبھی نہیں ہوا کہ آسمان سے فرشتے اترے ہوں) پھر کیا یہ لوگ (جو تمہارے اعلان رسالت پر متعجب ہو رہے ہیں) زمین میں چلے پھرے نہیں کہ دیکھتے، ان لوگوں کا انجام کیسا کچھ ہو چکا ہے جو پہلے گزر چکے ہیں؟ اور جو لوگ (برائیوں سے) بچتے ہیں تو یقیناً آخرت کا گھر ان کے لئے کہیں بہتر ہے۔ پھر (اے گروہ مخاطب!) کیا تم سمجھتے بوجھتے نہیں؟

۱۰۹ (اور ان گزری ہوئی قوموں پر فوراً عذاب نہیں آ گیا تھا۔ انہیں مہلت ملتی رہی) یہاں تک کہ جب اللہ کے رسول (ان کے ایمان لانے سے) مایوس ہو گئے، اور لوگوں نے خیال کیا، ان سے جھوٹا وعدہ کیا گیا تھا، تو پھر (اچانک) ہماری مدد ان کے پاس آ پہنچی، پس ہم نے جسے بچانا چاہا بچا لیا، اور (جو مجرم تھے، تو) ایسا کبھی نہیں ہو سکتا کہ مجرموں سے ہمارا عذاب ٹل جائے!

۱۱۰ یقیناً ان لوگوں کے قصہ میں دانشمندوں

وَلَوْ حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِيْنَ ۝ وَمَا تَسْـَٔلُهُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۭ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝ وَكَاَيِّنْ
مِّنْ اٰيَةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يَمُرُّوْنَ عَلَيْهَا وَهُمْ عَنْهَا مُعْرِضُوْنَ ۝ وَمَا يُؤْمِنُ اَكْثَرُهُمْ
بِاللّٰهِ اِلَّا وَهُمْ مُّشْرِكُوْنَ ۝ اَفَاَمِنُوْٓا اَنْ تَاْتِيَهُمْ غَاشِيَةٌ مِّنْ عَذَابِ اللّٰهِ اَوْ تَاْتِيَهُمُ
السَّاعَةُ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ۝ قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ ۣ عَلٰي بَصِيْرَةٍ اَنَا وَ

یوسف دربار میں نمودار ہوئے تمام درباریوں نے مصر کے دستور کے مطابق تعظیم دی، اور تعظیم یہ تھی کہ سجدے میں گر پڑے۔ جب حضرت یوسف کے والدین اور بھائیوں نے یہ دیکھا تو وہ بھی سجدے میں جھک گئے، اور درباریوں کا ساتھ دیا۔ تب حضرت یوسف کو اپنے خواب کی بات یاد آگئی۔ وہ بے اختیار پکار اٹھے! ھذا تاویل رؤیای من قبل۔ قد جعلھا ربی حقا۔ انہوں نے خواب میں دیکھا تھا کہ سورج چاند، اور گیارہ ستارے ان کے آگے جھکے ہیں۔ تو سورج اور چاند ان کے والدین تھے اور گیارہ ستارے گیارہ بھائی آج یہ سب ان کی عظمت و اجلال کے آگے جھک گئے، اور وقت کی سب سے بڑی مملکت کے اوج و اقبال نے اپنا تخت ان کے لئے خالی کر دیا!۔

(و) حضرت یعقوب اور انکے بیٹوں کا یہ سجدہ تعظیم کا سجدہ تھا۔ دنیا میں قدیم سے یہ دستور چلا آتا ہے کہ حکمرانوں اور پیشواؤں کے آگے سجدے کرتے ہیں اور اسے تعظیم و احترام کی خاص علامت سمجھتے ہیں مصر، بابل، ایران، ہندوستان اور سلاطین بنی اسرائیل، سب کے یہاں تعظیم و احترام کا یہی طریقہ رائج تھا۔ اور ہندوستان میں اب تک رائج ہے۔ لیکن قرآن نے توحید کے اعتقاد و عمل کا جو اعلیٰ معیار قائم کیا، وہ اس طرح کے رسوم و اشکال کا تحمل نہیں ہو سکتا تھا۔ اس نے سجدہ کی ہر قسم اور ہر صورت صرف اللہ ہی کی عبادت کے لئے مخصوص کر دی اور کسی حال میں جائز نہ رکھا کہ کسی دوسری ہستی کے لئے سر نیاز جھکایا جائے۔ اس نے صرف سجدہ ہی کو نہیں روکا جو پیشانی کے زمین پر رکھنے کا نام ہے بلکہ یہ بھی جائز نہ رکھا کہ کوئی انسان کسی دوسری ہستی کے آگے اپنا جسم دہرا کرے۔ ہر جھکاؤ ہر خمیدگی ہر رکوع، جو کسی قامت پر طاری ہو سکتا ہے وہ کہتا ہے، صرف اللہ ہی کے لئے ہے اور کوئی دوسری ہستی اس میں شریک نہیں ہو سکتی!

پس یاد رہے کہ یہاں جو کچھ بیان کیا گیا ہے۔ جیسا ایک

ہے کہ تم کتنا ہی چاہو (اور کتنی ہی دلیلیں پیش کرو) کبھی ایمان لانے والے نہیں!

حالانکہ تم ان سے اس بات کے لئے کوئی مزدوری نہیں مانگتے۔ یہ تو اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ تمام جہان کے لئے پند و وعظ ہے!

اور (دیکھو!) آسمانوں میں اور زمین میں (اللہ کی قدرت و حکمت کی) کتنی ہی نشانیاں ہیں جن پر سے لوگ گزر جاتے ہیں اور نظر اٹھا کر دیکھتے بھی نہیں۔

اور ان میں سے اکثروں کا حال یہ ہے کہ اللہ پر یقین لاتے ہیں، تو اس حال میں لاتے ہیں کہ اس کے ساتھ شریک بھی ٹھہرائے جاتے ہیں!

پھر کیا یہ لوگ اس بات سے مطمئن ہو گئے ہیں کہ اللہ کے عذاب میں سے کوئی آفت ان پر آئے اور چھا جائے؟ یا اچانک قیامت آجائے اور وہ بیخبری میں پڑے ہوں؟

(اے پیغمبر!) تم کہدو "میری راہ تو یہ ہے۔ میں اس روشنی کی بنا پر جو میرے سامنے ہے، اللہ کی طرف بلاتا ہوں، اور (اس راہ میں) جن لوگوں نے میرے پیچھے قدم اٹھایا ہے، وہ بھی (اسی طرح) بلاتے ہیں اللہ کے لئے پاکی ہو۔ میں شرک کرنے والوں

پاس بھی علم یقین میں سے کچھ ہے؟ اگر نہیں ہے تو اتباع یقین و عرفان کا کرنا چاہیے یا جہل و کوری اور شک و گمان کا؟ اس مقام کی تشریح پچھلی سورتوں کی تشریحات میں بار بار گزر چکی ہے۔

قرآن کے اوصاف اربعہ

(۵) آخری آیت میں فرمایا۔ قرآن انسان کی بناوٹ نہیں ہے، بلکہ وحی الٰہی کی سچائی ہے اور پھر اس کے چار وصف بیان کئے ہیں جو کبھی کذب و افترا کے ساتھ صاف نہیں ہو سکتے:

اولاً، وہ پچھلی صداقتوں کی تصدیق ہے، اگر بناوٹ ہوتی تو پچھلی کڑیوں کے ساتھ اس طرح نہ جڑ جاتی، گویا ایک زنجیر کی مختلف قدرتی کڑیاں ہیں، اور ہر کڑی دوسری کڑی کو سہارا دے رہی ہے۔

ثانیاً، ارباب یقین کے لئے اس میں دین کی ساری باتوں کی تفصیل ہے یعنی ہر بات اس طرح الگ الگ کر کے بیان کر دی گئی ہے کہ شبہ و التباس کی کوئی گنجائش نہیں رہی ہے۔

ثالثاً، ارباب یقین کے لئے سرتا سر رہنمائی ہے یعنی انسان کو کامیابی و سعادت کی منزلوں تک پہنچاتی اور ہر طرح کی گمراہیوں سے بچاتی ہے۔

رابعاً، ارباب یقین کے لئے رحمت ہے یعنی ہر طرح کی شقاوتوں اور نامرادیوں سے نجات دلانے والی ہے۔

سورۂ یوسف کے مواعظ

(۲۴) سورت کی ضروری تشریحات ختم ہو چکیں لیکن ضروری ہے کہ اب حضرت یوسف کی سرگذشت پر حیثیت مجموعی ایک نظر ڈال لیجائے، تاکہ اسکی موعظتیں اور عبرتیں پوری وضاحت کے ساتھ واضح ہو جائیں۔ اس سلسلہ میں حسب ذیل امور قابل غور ہیں:

مصری تمدن عروج

(۱) حضرت مسیح (علیہ السلام) سے تقریباً دو ہزار سال پہلے دنیا کے نقشہ کا یہ حال تھا کہ سرزمین مصر وقت کے تہذیب و تمدن کا گہوارہ بن چکی تھی لیکن اس کے اطراف و جوانب کی قومیں ابھی تمدن و حضارت سے آشنا نہیں ہوئی تھیں اور صحرا نشینی و بدوت کی زندگی بسر کر رہی تھیں۔ مصر سے ایک قریب تر علاقہ وہ تھا جو آگے چل کر فلسطین کے نام سے مشہور ہوا، اور جسے خاکائے سینا نے سرزمین افرنطہ سے ملا دیا ہے۔ اس علاقہ کی تمام پچھلی آبادیاں مٹ چکی تھیں اب محض ایک صحرائی علاقہ تھا۔ جو مویشی کے لئے چراگاہوں کا کام دیتا تھا، اور مختلف بدوی قبائل وہاں بود و باش رکھتے تھے۔ انہی قبایل میں ایک چھوٹا سا قبیلہ حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کے خاندان کا بھی تھا۔

حضرت ابراہیم اور ان کا خاندان

حضرت ابراہیم کا ظہور تمدن قدیم کے ایک دوسرے مرکز یعنی سرزمین دجلہ و فرات میں ہوا تھا۔ انہوں نے وہاں سے ہجرت کی اور کنعان میں مقیم ہو گئے۔ کنعان سے مقصود وہ علاقہ ہے جو بحیرۂ میت کی مغربی جانب واقع ہے اور دریائے یردن سے سیراب ہوتا ہے۔ تورات میں ہے کہ انہوں نے یہ علاقہ وحی الٰہی سے منتخب کیا تھا، اور اللہ نے فرمایا تھا "تو جس جگہ کھڑا ہے اس کے چاروں طرف دیکھ۔ یہ تمام ملک میں تجھے اور تیری نسل کو دوں گا، اور تیری نسل کو میں خاک کے ذروں کی مانند بنا دوں گا۔ اگر کوئی خاک کے ذروں کو گن سکتا ہے تو تیری نسل بھی گن لی جائے گی" پیدائش (۱۳: ۱۵) قرآن نے بھی جا بجا اس بشارت کی طرف اشارہ کیا ہے۔

جب حضرت ابراہیم یہاں مقیم ہو گئے، تو وقتاً فوقتاً انہیں اور بشارتیں بھی ملتی رہیں ان تمام بشارتوں کا حاصل یہ تھا کہ اللہ نے انہیں امتوں کا پیشوا، نسلوں کا مورث، اور بادشاہوں کا جد بنایا ہے اور ان کی نسل کو اپنی برکتوں کے لئے چن لیا ہے جب تک ان کی نسل ظلم و ضلالت سے آلودہ نہ ہوگی، وعدہ کی برکتوں کی مستحق رہے گی۔ یہ بشارتیں اس خاندان میں اللہ کا "عہد" بھی جاتی تھیں۔ یعنی اللہ کا وعدہ جو کبھی ٹل نہیں سکتا۔ خاندان کا ہر بزرگ اسے محفوظ رکھتا اور پھر اپنے وارث کو اس کی وصیت کرتا۔ یہ عہد دو باتوں پر مشتمل تھا۔ ایک یہ کہ نسل ابراہیمی اللہ کے دین پر قائم رہے گی اور اسکی عبادت کرے گی دوسری یہ کہ اللہ اسے برکت دے گا اور اس کی دعوت کامیاب ہوگی۔ قرآن نے ان تمام بشارتوں کا جا بجا ذکر کیا ہے چنانچہ سورۂ بقرہ کی آیت (۱۲۴) اور ہود کی آیت (۷۱) میں دو بشارتیں گزر چکی ہیں۔

تورات سے یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ ایک موقعہ پر حضرت ابراہیم کو ایک خاص واقعہ کی خبر دی گئی تھی۔ یعنی یہ کہ

فِيْ قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ ۭ مَا كَانَ حَدِيْثًا يُّفْتَرٰى وَلٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيْلَ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝

کے لیے بڑی ہی عبرت ہے یہ کوئی جی سے گڑھی ہوئی بات نہیں ہے، بلکہ اس کتاب کی تصدیق ہے جو اس سے پہلے آچکی ہے نیز ان لوگوں کے لیے جو یقین رکھتے ہیں (ہدایت کی) ساری باتوں کی تفصیل ہے (یعنی الگ الگ کرکے واضح کر دیتا ہے) اور رہنمائی ہے اور رحمت ہے!

ع ۱۱ ۱۲

میں اس طرف اشارات کر چکے ہیں، اور تفصیل کے لیے تفسیر فاتحہ کا مطالعہ کرنا چاہیے۔

(۵) آیت (۱۰۸) کے پانچ چھ لفظوں میں وہ سب کچھ بیان کر دیا جو بات توحید میں دعوت قرآنی کا حاصل ہے۔ فرمایا کہ مشرکوں کا حال یہ ہے کہ خدا کی ہستی پر یقین بھی رکھتے ہیں اور ساتھ ہی دوسروں کو اس کا شریک بھی ٹھیرا لیتے ہیں۔ یعنی ان کا خدا کو ماننا ایسا ماننا نہیں ہے جو شرک سے انہیں باز رکھے۔

دنیا کی تمام قوموں کی دینی ذہنیت کی یہ کیسی مکمل تفسیر ہے جو چند لفظوں کے اندر بیان کر دی گئی ہے؟ نزول قرآن کے وقت دنیا کی تمام خدا پرست جماعتوں کی خدا پرستی کا یہی حال تھا۔ احباب بھی دیکھ لو یہی حال ہے وہ خدا پر ایمان رکھتے تھے لیکن ان کا ایمان طرح طرح کے شرکانہ عقاید و اعمال سے آلودہ ہو گیا تھا۔ وہ نہیں سمجھتے تھے کہ ایمان بھی کے ساتھ شرک جمع نہیں ہو سکتا۔ عرب کے بت پرستوں کو بھی اس سے انکار نہ تھا کہ آسمان و زمین کا پیدا کرنے والا اللہ کے سوا کوئی نہیں ولئن سألتهم من خلق السموت والارض، وسخر الشمس والقمر؟ ليقولن الله؛ فانى يؤفكون (۲۹: ۶۱) لیکن یہ بات ان کی سمجھ میں نہیں آتی تھی۔ کہ کیوں صرف اسی کی ایک ہستی ہر طرح کی بندگیوں کی مستحق سمجھی جائے؟ کیوں دوسری ہستیوں کی بھی بندگی نہ کی جائے؟ کیوں خدا اور بندے کے درمیان کوئی درمیانی قوت وسیلہ تقرب و نزلف نہ ہو؟

قرآن کی دعوت توحید

لیکن قرآن کی دعوت توحید یہ تھی کہ اس طرح کی خدا پرستی سچی خدا پرستی نہیں ہے سچی خدا پرستی یہ ہے کہ نہ صرف اسے مانا جائے بلکہ جو کچھ اس کے لیے مانا جائے، اس میں کسی دوسری ہستی کو شریک نہ کیا جائے۔ اس نے کما ہر طرح کی بندگی و نیاز کی مستحق صرف اسی کی ذات ہے۔ پس اگر تم نے عابدانہ عجز و نیاز کے ساتھ کسی دوسری ہستی کے سامنے سر جھکایا، تو سچی خدا پرستی باقی نہ رہی، اس نے کہا۔ دعا، استعانت، رکوع و سجود، عجز و نیاز، اعتماد و توکل اور اسی طرح کے تمام عبادت گزارانہ اور نیاز مندانہ اعمال۔ وہ اعمال ہیں جو خدا اور اس کے بندوں کا باہمی رشتہ قائم کرتے ہیں۔ پس اگر ان اعمال میں دوسروں کو بھی شریک کر لیا، تو خدا کے رشتہ عبودیت کی یگانگت باقی نہ رہی۔ اور جب یگانگت باقی نہ رہی، تو سچی خدا پرستی بھی نہ ہوئی۔ اسی طرح عظمتوں، کبریائیوں، کارسازیوں، اور بے نیازیوں کا جو تصور تمہارے اندر خدا کا اعتقاد پیدا کرتا ہے، وہ صرف خدا ہی کے لیے مخصوص ہونا چاہیے، اگر تم نے ویسا ہی اعتقاد کسی دوسری ہستی کے لیے پیدا کر لیا، تو تم نے اسے خدا کا شریک بنا دیا، اور جب شریک بنا دیا تو صرف اسی کو نہیں مانا۔ دوسروں کو بھی مان لیا، حالانکہ اس کے ماننے کے معنی تو یہ تھے کہ صرف اسی کو مانا جائے!

دعوت وحی علم و بصیرت ہے

(۵) آیت (۱۰۸) میں جو بات کہی گئی ہے، قرآن کے محاورات معارف میں سے ہے۔ فرمایا۔ تم اعلان کر دو۔ میری راہ یہ ہے کہ علم و یقین کی بنا پر خدا پرستی کی دعوت دیتا ہوں، اور کہتا ہوں میری راہ شرک کرنے والوں کی راہ نہیں ہے برخلاف اس کے تمہارا حال یہ ہے کہ شرک کے داعی ہو، اور نہ یا دعوت علم و یقین نہیں ہے۔ جہل و ظن ہے۔ اب فیصلہ اللہ کے ہاتھ ہے، اور ایسے ہی فیصلے پچھلی قوموں کے لیے بھی ہو چکے ہیں۔

یہاں "بصیرۃ" کا لفظ فرمایا۔ بصیرۃ کے معنی علم معرفت اور یقین کے ہیں، اور اسی لیے دلیل و حجت پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے پس قرآن کہتا ہے، میں جس راہ کی طرف بلاتا ہوں اس کے لیے میرے سامنے علم و یقین ہے پھر کیا تمہارے

امتحان محبت

معاملہ وہ تھا جب اس زرخرید غلام کے سامنے بیک وقت دو باتیں پیش کی گئیں کہ دونوں میں سے جسے چاہے اپنے لئے پسند کرلے: ولئن لم یفعل ما آمرہ لیسجنن ولیکونا من الصاغرین (۳۲) نفسانی زندگی کی سب سے بڑی عشرت و کامرانی، اور انسانی زندگی کی سب سے بڑی محرومی و نامرادی۔ پہلی میں نفس کی عشرت مگر حق کی معصیت تھی۔ دوسری میں نفس کی محرومی مگر حق کی اطاعت تھی۔ وہ پہلی سے بھاگتا ہے اور دوسری کے لئے آرزو میں کرتا ہے۔ پہلی سے اس طرح بھاگتا ہے گویا اس سے بڑھ کر کوئی مصیبت نہیں، دوسری کے لئے اس طرح التجائیں کرتا ہے گویا اس سے بڑھ کر کوئی محبوب شے نہیں:

رب السجن احب الی مما یدعوننی الیہ! (۳۳)

تمنت سلیمی ان نموت بجیھا واھون فلی عندنا ما تمنتہ

مصر میں کسی انسان کی ذلت و نامرادی کے جتنے سامان ہو سکتے تھے، اب وہ سب جمع ہو گئے۔ اول تو عبرانی قبیلہ کا ایک زرخرید غلام۔ پھر کیسا فرد؟ زرخرید غلام۔ کیسا غلام؟ جسے اس کے آقا نے ایک بڑے جرم کا مرتکب پایا اور سزا کا مستحق تصور کیا۔ کیسی سزا؟ قید خانے میں ڈالے جانے کی سزا، جو ذلت و خواری اور تذلیب و عقوبت کی بڑی سے بڑی سزا سمجھی جاتی تھی۔ اب وہ مصریوں کی نگاہ میں قابل نفرت عبرانی بھی ہے۔ غلام بھی ہے۔ مجرم بھی ہے۔ اور قیدی بھی!

قید خانہ اور تخت مصر!

لیکن پھر غور کرو دنیا کی کونسی بات اس سے زیادہ عجیب ہو سکتی ہے کہ اسی قیدی کے لئے اچانک قید خانے کے دروازے کھول دئے جاتے ہیں، اور کھولنے والا کون ہوتا ہے؟ خود مصر کا بادشاہ۔ اور پھر کیوں کھولتا ہے؟ اس لئے کہ ایک عبرانی قیدی کو قید خانہ سے نکالے اور مصر کے تخت فرمانروائی پر بٹھائے۔ گویا مصر کے قید خانے اور مصر کے تخت حکومت کا درمیانی فاصلہ ایک قدم سے زیادہ نہ تھا۔ اس نے قید خانہ سے قدم اٹھایا، اور اس نے تخت فرمانروائی پر قدم رکھ دیا۔

طے می شود ایں رہ بہ زنجیدن و تفے ما بے خبراں منتظر شیح و چہ و خیم!

پھر اس عجیب و غریب انقلاب کا نتیجہ کیا نکلا؟ ایسا، کہ ان ساری باتوں سے بھی زیادہ عجیب ہے، اور جسے قرآن کی ایجاز بلاغت نے صرف ایک جملہ میں واضح کر دیا ہے: وکذلک مکنا لیوسف فی الارض؟ متبوأ منھا حیث یشاء (۵۶) اللہ نے سرزمین مصر میں اس کے قدم اس طرح جمادئے کہ اس کے جس حصے کو چاہے اپنے کام میں لائے چنانچہ اس نے اپنے تمام خاندان کو کنعان سے مصر بلا لیا۔ اور عین دارالحکومت میں کہ حبشن کی سرزمین تھی، عزت و احترام کے ساتھ وہ بسائے گئے۔ اب وہی صحرا کے بدوی جو مصریوں کو قابل نفرت سمجھے جاتے تھے، مصری دارالحکومت کے معزز باشندے ہو گئے، اور وہاں ان کی نسل میں اس درجہ برکت ہوئی کہ جب چار سو برس کے بعد مصر سے نکلے تو کئی لاکھ تک تعداد پہنچ چکی تھی! کئی لاکھ انسانوں کی یہ قوم جو مصر سے نکلی، کن لوگوں کی نسل سے بنی تھی؟ اسی لڑکے کی نسل سے جو غلام بن کر آیا تھا، اور زندوا بن کر چکا تھا، اور اس کے گیارہ بھائیوں کی نسل سے جنہوں نے اسے ہلاک کرنا چاہا تھا، لیکن اس نے انہیں زندگی اور زندگی کی کامرانیاں بخشدیں۔

(۳) اس طرح اس "عہد" کی کرشمہ سازیوں کا قافلہ شروع ہو گیا، جس کی بشارتیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دی گئی تھیں اور پھر حضرت اسحٰق اور حضرت یعقوب سے بھی ان کی تجدید ہوئی تھی۔

روحانی صداقت اور مادی ترقیات کا مقابلہ ہے

اور اب سے پہلی بات جو اس سلسلہ میں سامنے آتی ہے، وہ روحانی صداقت اور مادی ترقیات کا مقابلہ ہے حضرت یعقوب کا گھرانا دین حق کی امانت رکھتا تھا۔ وحی الٰہی کی برکتوں سے فیض یاب تھا، لیکن مادی ترقیوں اور دنیوی شوکتوں میں سے کوئی بات بھی اسے میسر نہ تھی۔ حتی کہ شہری زندگی کی ابتدائی خصوصیات سے بھی آشنا نہیں ہوا تھا۔ اس کے تمام افراد صحرا میں رہتے تھے مویشی چراتے تھے، اور قدرتی زندگی کی سادگی پر قانع تھے!

لیکن مصر کی حالت بالکل اس سے مختلف تھی وہ دین حق کے علم و عمل اور وحی الٰہی کے فیضان سے محروم تھا، لیکن وقت کی تمام مادی ترقیوں کا سرمایہ دار تھا۔ اس کے دارالحکومت کے لوگ لکھنے پڑھنے میں ماہر تھے۔ اس کے امراء و اشراف حکمرانی و دانشوری میں ترقی یافتہ تھے۔ اس کے مندروں کے کاہن حقائق ہشیار کے بھید جانتے والے تھے، اور اس کے حکیم علوم و صنائع کے عجائب خزانے سکھلانے والے تھے۔ آج آثریات مصر نے ایک مدون علم کی حیثیت اختیار کر لی ہے۔ اس کے مطالعہ

تیری اولاد ایک ایسے ملک میں جائے گی جو ان کا ملک نہ ہوگا۔ وہاں لوگ اسے غلام بنالیں گے، وہ چار سو برس تک وہاں رہیں گی"
(پیدائش ۱۵: ۱۳)

حضرت ابراہیم سے حضرت اسمٰعیل اور حضرت اسحٰق پیدا ہوئے۔ حضرت اسمٰعیل حجاز میں بس گئے اور حضرت اسحٰق کنعان میں خاندان کے جانشین ہوئے۔ حضرت اسحٰق سے یعقوب پیدا ہوئے۔ یہ پہلے حاران گئے۔ تاکہ اپنی خالہ زاد بہن سے نکاح کریں۔ پھر بیس برس کے بعد کنعان واپس آئے اور وہیں مقیم ہو گئے۔ تورات میں ہے کہ اللہ نے نسل ابراہیمی کا عہد ان سے تازہ کیا تھا، اور قرآن اسکی تصدیق کرتا ہے۔

فلسطین کے تمام علاقہ کی طرح حضرت یعقوب کے خاندان کی زندگی بھی بالکل بدویانہ زندگی تھی۔ مویشی چراتے تھے، اور ان کے گوشت، اون اور دودھ پر گزران کرتے تھے۔

مصریوں کا خود تمدن

لیکن اس علاقہ سے تھوڑے فاصلہ پر مصر کی سرزمین تمدن و حضارۃ میں شہرہ آفاق ہو رہی تھی، اور ایک بڑی مملکت کی پائے گاہ تھی۔ اس کا دارالحکومت رعمسیس وقت کے علوم و صنائع کا مرکز تھا، اور وہاں کے باشندوں میں شہریت، امارت کی خصوصیتیں نشو و نما پا چکی تھیں جیسا کہ قاعدہ ہے، مصر کے لوگ اپنے آپ کو متمدن اور ترقی یافتہ سمجھتے اور اطراف و جوانب کے بدویوں کو حقارت کی نظر سے دیکھتے خصوصاً کنعانی اور عبرانی ان کی نگاہوں میں بڑے ہی ذلیل تھے۔ وہ انہیں "چرواہا" کہہ کر پکارتے، اور اس قابل نہ سمجھتے کہ اپنی مجلسوں میں جگہ دیں۔ یہ بات بھی ان میں عام تھی کہ کوئی مصری کنعانی کے ساتھ ایک دسترخوان پر بیٹھ کر کھانا نہ کھاتا (پیدائش ۴۳: ۳۲) اور مصر کے دیہاتی بھی انہیں اس درجہ برا سمجھتے کہ اپنی آبادیوں میں ان کا بسنا گوارا نہ کرتے (پیدائش ۴۶: ۳۴)

یہ الٰہی کی پہ ساری

(۱) لیکن قدرت الٰہی سے ایک عجیب و غریب واقعہ پیش آیا۔ کنعان کے اس بدوی قبیلہ کا ایک کمسن لڑکا بغیر اپنی خواہش اور مرضی کے مصر پہنچ گیا، اور کچھ عرصہ کے بعد دنیا نے دیکھا کہ اس عظیم الشان مملکت کی حکومت کی باگ ڈور اسی کنعانی کے ہاتھوں میں ہے، اور بادشاہ سے لے کر مصر کی ادنیٰ رعایا تک سب اسکی عظمت و فضیلت کے آگے جھکے ہوئے ہیں! گویا وقت کی سب سے بڑی پرشوکت، سب سے بڑی متمدن، سب سے بڑی مغرور مملکت کے تخت حکمرانی پر اچانک کون پہنچ گیا؟ اسی بدوی قبیلہ کا ایک چرواہا، جسے اس متمدن آبادی کا ہر فرد نفرت و حقارت کی نظر سے دیکھتا تھا!

اور پھر یہ عجیب و غریب معاملہ کن حالات میں ظہور پذیر ہوا؟ ایسے حالات میں، جو اصل معاملہ سے بھی کہیں زیادہ عجیب و غریب تھے۔ اسے سوتیلے بھائیوں نے ہلاک کرنے کے لئے کنوئیں میں ڈال دیا۔ کنواں خشک تھا، اور شاہراہ سے الگ اس لئے انہیں یقین تھا کہ کوئی انسان وہاں نہیں پہنچ سکے گا۔ لیکن اتفاق سے ایک قافلہ راہ بھول کر وہاں آنکلتا ہے، اور پانی کے لئے ڈول ڈالتا ہے۔ لڑکا سمجھتا ہے، میرے بھائیوں کو رحم آگیا۔ اب مجھے نکالنے کے لئے ڈول ڈال رہے ہیں۔ وہ اس میں بیٹھ جاتا ہے اور اس طرح اسکی رہائی کا سامان ہو جاتا ہے!

کنعانی غلام

لیکن کیسی رہائی؟ ایسی رہائی جس میں ایک ہلاکت سے جو تھوڑی دیر کی تھی نجات مل گئی، لیکن دوسری ہلاکت جو عمر بھر جاری رہنے والی ہلاکت تھی نمودار ہو گئی یعنی بھائیوں نے اسے اپنا بھاگا ہوا غلام ظاہر کر کے قافلہ والوں کے ہاتھ بیچ ڈالا وہ اسے کسی دوسرے گاہک کے ہاتھ بیچنے کے لئے مصر لے آئے۔

اس طرح مصر میں اس کا داخلہ، ایک غلام کا داخلہ تھا۔ اور غلام بھی ایسا جو کم سے کم قیمت میں خریدا گیا، اور اب کم سے کم قیمت پر فروخت کیا جا رہا ہے۔ نہ تو بیچنے والے اس کی قدر و قیمت بڑھانے کے خواہشمند تھے، نہ اب بازار مصر میں اس جنس کی گرانی کا کوئی سامان ہے!

لالی کا خواجگی آقائی ہو جانا

لے چلے دکھلانے اسے مصر کا بازار ۔۔۔ خواہاں نہیں پر کوئی وہاں جنسِ گراں کا

بہرحال ایک خریدار کی نظر پڑ جاتی ہے۔ یہ اس کے گھر میں ایک نو خرید غلام کی حیثیت سے داخل ہوتا ہے، مگر اپنے حسن عمل سے خواجگی و آقائی کا درجہ حاصل کر لیتا ہے۔ یہ انقلاب حال بجائے خود عجیب و غریب تھا، لیکن اس سے بھی عجیب تر

کے کرشمے اور اچنبھے پیدا کر دے سکتے ہو۔ لیکن مشکل یہ ہے کہ تم چاہتے ہی نہیں اور اسی لئے قانون عمل کے کرشمے تو پر کھلتے بھی نہیں دنیا میں یوسف کی سرگزشت ایک ہی مرتبہ گذری، لیکن یوسف کے حسن عمل کی سرگزشت ایک ہی مرتبہ کے لئے نہ تھی۔ بلاشبہ مصر کا بازار اب باقی نہیں رہا، لیکن دنیا کا بازار کس نے بند کیا ہے؟ آج بھی جس کا جی چاہے شانِ یوسفیت پیدا کر کے دنیا کے تخت عظمت و اجلال اس کا استقبال کرتے ہیں یا نہیں!

ہر کس نہ شناسند، راز ست، وگرنہ ایں ہا ہمہ راز ست کہ معلوم عوام است

یہی وجہ ہے کہ سورت میں جا بجا اس حقیقت کی طرف اشارات کئے گئے کہ ارباب دانش کے لئے اس میں عبرتیں ہیں، موعظتیں ہیں، نشانیاں ہیں۔ سرگزشت کی ابتدا ہی اس اعلان سے ہوتی ہے کہ لقد کان فی یوسف واخوتہ ایات للسائلین (۷) پھر خاتمہ بھی اسی پر ہوتا ہے کہ لقد کان فی قصصہم عبرۃ لاولی الالباب (۸) نیز جا بجا اہم واقعات کے ظہور کے بعد وضاحت کر دی ہے کہ کذلک نجزی المحسنین (۲۲) انہ لا یفلح الظالمون (۲۳) انہ من یتق ویصبر فان اللہ لا یضیع اجر المحسنین (۹۰) یعنی یہ سب کچھ جو ظہور میں آیا، عمل کا نتیجہ ہے بدلے، مکافات ہے اور جب نتیجہ ہے تو ضروری ہے کہ ہمیشہ ظہور میں آئے، جب بدلہ ہے تو ضروری ہے کہ ہمیشہ کام کرنے والوں کو ملے۔ حسد و بغض کا نتیجہ وہی ہے جو بھائیوں نے پایا۔ راست بازی اور نیک عملی کا نتیجہ وہی ہے جو حضرت یوسف کو ملا۔ صبر جمیل کبھی اس نتیجہ سے محروم نہیں رہ سکتا۔ جو حضرت یعقوب کے حصے میں آیا تھا۔ مصیبت کے بیج سے ہمیشہ وہی پھل پیدا ہوگا جو امرأۃ العزیز کو نصیب ہوا تھا۔ جھوٹ کتنا ہی سوچ سمجھ کر بنایا گیا ہو سچ نہیں ہو جا سکتا۔ سچ کتنے ہی ناموافق حالات میں اپنے کو پائے لیکن جھوٹ نہیں ہو جا سکتا۔ علم و فضیلت ہر حال میں ایک نگران قوت ہے۔ سب کو اس کے آگے جھکنا پڑے گا۔ حسن عمل ہر حال میں ایک متحد حقیقت ہے۔ سب کو اس کا لوہا ماننا پڑے گا۔

سرگزشت کی شخصیتیں اور ان کی سیرت

(۱) سرگزشت کی اصلی عبرت، اس کی خاص خاص شخصیتیں ہیں، اور ضروری ہے، انہیں اچھی طرح پہچان لیا جائے:۔

سب سے پہلے حضرت یعقوب (علیہ السلام) کی شخصیت نمایاں ہوتی ہے۔ اس میں درد و غم کی انتہا ہے مگر ساتھ صبر اور یقین کی روح بھی چھائی ہوئی ہے، اور اس طرح چھائی ہوئی ہے کہ معلوم ہوتا ہے، درد و غم کے طوفان اٹھ رہے ہیں، لیکن صبر و یقین سے ٹکرا کر رہ جاتے ہیں۔ اس پر غالب نہیں آ سکتے۔ اور یہی صورت حال اس سیرت مقدس کا اسوۂ حسنہ ہے۔

حضرت یعقوب علیہ درد و غم

قرآن کی معجزانہ بلاغت یہ ہے کہ وہ داستان سرائی نہیں کرتا ایک دو لفظوں کے اندر سب کچھ کہہ دیا کرتا ہے، پس غور کرو صورت حال کے یہ تینوں عنصر کس طرح اپنی انتہائی اور کامل صورتوں میں نمایاں ہوئے ہیں؟ درد و غم کی شدت جب نمایاں ہوتی ہے تو معلوم ہوتا ہے، آتش فراق کے شعلوں کا دھواں آنکھوں سے بے اختیار بہہ رہا ہے، اور جسم کا ایک ایک ریشہ اس طرح گھل گیا ہے گویا سرتا پا جاں گدازی و ہلاکت کی تصویر ہے: وتولی عنہم وقال یا اسفی علی یوسف! وابیضت عیناہ من الحزن فہو کظیم! (۸۴) اور یہ حالت ایک دن کی حالت نہ تھی بلکہ اس مدت فراق کی ہر صبح اور ہر شام اسی الم میں بسر ہوئی تھی: قالوا تاللہ تفتؤا تذکر یوسف حتی تکون حرضا او تکون من الہالکین! (۸۵)

یذکرنی طلوع الشمس صخرا واذکرہ بکل غروب شمس

یقین

لیکن پھر یقین کی روشنی چمکتی ہے، تو اس کی نمود کا یہ حال ہے کہ دنیا کے سارے سہارے جواب دے چکے ہیں، امید کے سارے رشتے یکے بعد دیگرے ٹوٹ چکے ہیں، ہر طرف سے صدا اٹھ رہی ہے کہ یوسف کی اب کوئی امید نہیں، لیکن ان کے دل کے ایک ایک ریشے کی صدا یہ ہے کہ انما اشکو بثی وحزنی الی اللہ واعلم من اللہ ما لا تعلمون (۸۶) اور اذہبوا فتحسسوا من یوسف واخیہ، ولا تایئسوا من روح اللہ! (۸۷) حتی کہ ہر زبان جھٹلا رہی ہے۔ اور ہر نگاہ دیوانہ سمجھ رہی ہے، لیکن ان کی زبان سے بے اختیار نکل رہا ہے: انی لاجد ریح یوسف! (۹۴) مجھے یوسف کی مہک آ رہی ہے!

تفاوت است میان شنیدن من و تو تو لبتن در و من فتح باب می شنوم!

معنی صبر جمیل

پھر دیکھو۔ جب صبر کا مقام نمایاں ہوتا ہے، تو اس کی مضبوطی کیسی غیر متزلزل، کیسی اٹل ہے؟ جب یوسف کے فراق

سے معلوم ہوتا ہے کہ اس عہد کا فرعون غالباً وہ شخص تھا جسے آثارِ مصر میں "آبوفی" کے نام سے پکارا گیا ہے اس کے عہد میں مصری تمدن پوری طرح ترقی کر چکا تھا۔

لیکن جب عجیب و غریب اتفاقات نے اس صحرائی گھرانے کے ایک فرد کو مصر پہنچا دیا، اور ایسی حالتوں میں پہنچایا جو کسی حال میں بھی عزت و کامرانی کا ذریعہ نہیں ہو سکتی تھیں، تو پھر کیا نتیجہ نکلا؟ یہ نکلا کہ دونوں قوتوں میں مقابلہ ہوا۔ اور بالآخر دینِ حق کے علم و عمل اور وحی الٰہی کے فیضان نے وقت کی تمام مادی فضیلتوں کو سپر کر لیا!

حضرت یوسف کے پاس دینِ حق کے سوا اور کچھ نہ تھا۔ مصریوں کے پاس دینِ حق کے سوا اور سب کچھ تھا۔ یہ صرف دینِ حق کی فضیلت سے آراستہ تھے۔ وہ ہر طرح کی مادی فضیلتوں میں تفوق رکھتے تھے۔ بااین ہمہ ہر مقابلہ میں فتحمندی حضرت یوسف ہی کی سیرت و عمل کو ہوئی، اور قدم قدم پر مادی فضیلتوں کو اپنے تفوق کو اپنے تفوق سے دست بردار ہونا پڑا۔ حتیٰ کہ جب مملکت کی سلامتی خطرہ میں پڑ گئی، تو اس کی نجات کے لئے مادی فضائل کی کوئی پیداوار بھی کام نہ دے سکی۔ اسی عبرانی نوجوان کے آگے مصر کو جھکنا پڑا کہ اسی کی سلامتی کی راہ نکال سکے!

جب حضرت یوسف نے بادشاہ مصر سے کہا تھا: اجعلنی علیٰ خزائن الارض انی حفیظ علیم (۵۵) تو فی الحقیقت یہ دینِ حق اور فیضانِ وحی کا ایک اعلان تھا جو وقت کے سب سے بڑے مرکزی تمدن کے مقابلہ میں کیا گیا تھا۔ یعنی آج ملکت کی نجات کے لئے ایسے شخص کی ضرورت ہے جو علم و کاردانی کے ساتھ حفاظت کرنے والا ہو۔ لیکن ایسا شخص پیش کرنے سے مصر کی پوری مدنیت عاجز ہو گئی۔ اس کا عظیم الشان دارالحکومت جو کاردانوں اور دانشمندوں اور کاہنوں سے بھرا ہوا ہے ایک فرد بھی پیش نہ کر سکا جو یہ بوجھ اٹھانے کا اہل ہو، لیکن میں تیار ہوں کہ یہ بوجھ اٹھا لوں۔ میں دنیا کی سب سے بڑی مملکت کو اس کی ہلاکت کی گھڑیوں میں بچا لوں گا۔ کیونکہ میں حفاظت کرنے والا، علم رکھنے والا ہوں۔

مصر نے کنعان کے صحرائی کا یہ اعلان سنا، اور اس کے آگے سر نیاز خم کر دیا، یہی معنی ہیں اس آیت کے کہ: و کذلک مکنا لیوسف فی الارض، یتبوّا منها حیث یشآء نصیب برحمتنا من نشآء، ولا نضیع اجر المحسنین - ولاجر الآخرة خیر للذین اٰمنوا وکانوا یتقون! (۵۷)

(۱۷) لیکن یہ معاملہ کتنا ہی عجیب معلوم ہوتا ہو، اور کیسی ہی عجیب حالتوں میں پیش آیا ہو، قرآن کہتا ہے کہ تو انینِ الٰہی کے تدریجی نتائج کا ظہور تھا، اور حقیقت شناسوں کے لئے اس میں کوئی اچنبھے کی بات نہیں۔ یہ سب کچھ ٹھیک اسی طرح ہوا جس طرح آگ کے جلانے سے گرمی نکلے، یا پانی پینے سے پیاس بجھ جائے۔ کیونکہ اللہ نے ہشیار کی طرح اعمال کے بھی خواص و نتائج ٹھہرا دیے ہیں اور جب کبھی ایک خاص طرح کا عمل وجود میں آتا ہے ایک خاص طرح کا نتیجہ بھی ضرور ظہور میں آ جاتا ہے۔ یہاں ہر گوشے میں علت کے ساتھ معلول کا دامن باندھ دیا گیا ہے۔ بھائیوں نے جو کچھ یوسف کے ساتھ کیا۔ وہ اس کے سوا کیا تھا۔ کہ ایک خاص طرح کا انسانی عمل تھا۔ اور جب خاص طرح کا عمل تھا، تو خاص طرح کا نتیجہ نکلنا ہی تھا اور نتیجہ نکلا حضرت یوسف زندگی کی مختلف آزمائشوں میں جو کچھ کہنے سہے اس کی حقیقت بھی اس کے سوا کیا تھی۔ کہ ایک خاص سیرت کے خاص اعمال تھے، اور جب اعمال تھے، تو ضروری تھا کہ جیسے کچھ اعمال ہوں ویسا ہی نتیجہ بھی نکلے۔ اور ویسا ہی نتیجہ نکلتا رہا۔ اسی طرح سرگذشت کی تمام سیرتوں پر نظر ڈالو ہر شخص ایک خاص طرح کے عمل میں لگی ہوئی ہے، اور ہر عمل ایک خاص طرح کا نتیجہ پیدا کر رہا ہے۔ سب اپنے اپنے بیج بو رہے تھے اس لئے سب کو اپنے اپنے پھل ملنے تھے، اور سب نے اپنے پھل پائے۔ پس جہاں تک اعمال و نتائج کا تعلق ہے، یہ تاریخ انسانیت کا کوئی مستثنیٰ حادثہ نہ تھا، بلکہ سنت الٰہی کی وہی کارفرمائی تھی، جو ہمیشہ سے کارفرما ہے اور ہمیشہ کارفرما رہیگی، جب کبھی ایسے احوال و ظروف میں ایسے اعمال ظہور پذیر ہونگے ضروری ہے کہ اسی طرح کے نتائج بھی ظہور میں آئیں: سنة الله فی الذین خلوا من قبل ولن تجد لسنة الله تبدیلا (۳۳:۶۲)

بلاشبہ حوادث کی نوعیت عجیب تھی، اور نتائج بھی عجیب طرح کے نکلے۔ لیکن سنت الٰہی کی کرشمہ سازیوں کا تو ہمیشہ ایسا ہی حال رہتا ہے۔ وہ ایسی کس بات میں عجیب نہیں؟ وہ تو سراسر معجزہ ہے۔ تم جیب چاہو اپنے عمل کی قوت سے ہر طرح

قوانین عمل۔ نتائج عمل

نہ ہوتا، جو جبلت خیر سے متاثر نہ ہونے کا مقام ہوتا۔ اور ایسی حالت یا تو فرشتوں کی مخلوق کی ہو سکتی ہے یا ایسے انسان کی جس کے لحاظات مطلق ہو چکے ہیں۔ لیکن حضرت یعقوب انسان تھے، فرشتہ نہ تھے، اور اسی حیثیت سے قرآن نے ان کا اسوۂ حسنہ پیش کیا ہے، ان کی روح صبر و یقین سے معمور تھی، وہ یوسف کے خواب میں اس کا مستقبل دیکھ چکے تھے۔ وہ جانتے تھے کہ کسی نہ کسی دن یہ جدائی ختم ہونے والی ہے۔ تاہم دل کے ہاتھوں مجبور تھے۔ جس کی جدائی ایک گھڑی کے لئے شاق تھی، وہ برسوں کے لئے ان سے جدا ہو گیا تھا۔ یہ جانتے پر بھی کہ وہ زندہ و سلامت موجود ہے اس کے فراق کا زخم بھر نہیں سکتا تھا۔ بلکہ اس بات سے تصور لے کہ وہ زندہ موجود ہے مگر مجھ سے دور ہے درد فراق کی چبھن اور زیادہ کر دی تھی۔

بلائے ہجر و ارد انتظار پیر کنعانی ! کسے داند کہ چوں یوسف عزیزے در سفر دارد!

فی الحقیقت اس صورت حال کی ساری عظمت اسی میں ہے کہ یہ ایک ماورا انسانیت سیرت نمودار نہیں کرتی بلکہ ایسی حالتوں میں ایک کامل صابر و مومن کی زندگی کی جو تصور ہو سکتی ہے، وہ سامنے آ گئی ہے۔ دل آتش فراق میں جھلسا جا رہا ہے اور ہزار کوشش کی جائے، لیکن یہ آگ اس طرح بجھنے والی نہیں لیکن ساتھ ہی روح ایمان و یقین سے معمور ہے اور دماغ صبر و جمیل کا عزم کر چکا ہے۔ بس غم کو دیکھا جائے تو وہ اپنی جگہ ہے، صبر و یقین کو دیکھا جائے تو وہ اپنی جگہ ہے۔ اگر دل اپنی بیقراریوں میں کبھی کمی نہیں کرتا، تو دماغ بھی اپنے شیوۂ صبر و رضا میں کبھی متزلزل نہیں ہو سکتا۔ کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ دل کی بے تابیاں حد سے گزر جاتی ہیں اور "یا اسفی علی یوسف" بے اختیار زبان سے نکل جاتا ہے۔ لیکن یہی نکلتا ہے تو کس کے آگے نکلتا ہے؟ اس کے آگے جس کے آگے اپنا درد و غم پیش نہ کیجئے، تو یہی شان عبودیت کے خلاف ہے! انما اشکو بثی وحزنی الی اللہ واعلم من اللہ ما لا تعلمون ! (۸۶)

کمن تغافل ازیں بیشتر کہ می ترسم گماں برند کہ ایں بندہ بے خداوندست!

یوسف علیہ السلام

پھر حضرت یعقوب کے بعد حضرت یوسف (علیہ السلام) کی شخصیت نمایاں ہوتی ہے اور یہی سرگزشت کی اصلی شخصیت ہے۔ یہاں پہنچتے ہی ایک خاص ہیئت کی جلوہ نمائی شروع ہو جاتی ہے، اور جس جس رخ سے دیکھئے، اور جہاں کہیں دیکھئے اسی کی نمود سامنے آتی رہتی ہے یعنی انسان کی سیرت (کیریکٹر) کی فضیلت اور اس فضیلت کی اٹل کامرانیاں۔ ان کی سیرت کا مطالعہ ہمیں بتلاتا ہے کہ انسانی زندگی کی سب سے بڑی قوت اس کی سیرت کی فضیلت ہے اور اگر یہ فضیلت موجود ہو، تو پھر اس کے لئے فتح و کامرانی کے سوا اور کچھ نہیں ہو سکتا۔ دنیا کی ساری طاقتیں اسکی راہ روک نہیں، جب بھی وہ اپنی راہ نکال لے گا دنیا کے سارے سمندر اور پہاڑ اس کی راہ میں حائل ہو جائیں جب بھی اسکی رفتار نہیں رکے گی۔ حوادث و وقائع اس پر غالب نہیں آ سکتے۔ احوال و ظروف اس پر غالب نہیں آ سکتے۔ افراد و جماعات کی کوشش اسے مسخر نہیں کر سکتیں۔ اس کے لئے ہر حال میں کامرانی ہے، اس کے لئے ہر گوشہ میں فتحمندی ہے۔ اس کے لئے ہر طاقت پر فرمانروائی ہے۔ وہ اعمال و نتائج کی اس امتحان گاہ میں صرف اسی لئے ہے کہ سربلند ہو۔ عجز و درماندگی کی آلودگی کبھی اسے چھو نہیں سکتی!

تیرہ برس کا ایک کم سن لڑکا باپ کی آغوش محبت سے جبراً چھین لیا جاتا ہے، اور اچانک اپنے آپ کو ان لوگوں میں پاتا ہے جو چند سکوں کے بدلے اسے غلام بنا کر بیچ رہے ہیں۔ دنیا کی ایک لاکھ انسانی طبیعتیں ایسی حالت میں کیا کریں؟ مگر غور کرو۔ اس نے کیا کیا؟ اچانک ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے ایک تجربہ کار دانشمند کی طرح اس نے صورت حال کا پورا جائزہ لے لیا ہو اور پھر فیصلہ کر لیا ہو کہ جو حالت بھی پیش آ جائے، اسے صبر و سکون کے ساتھ جھیل لینا چاہئے، اور اسی کے مطابق کام کئے جانا چاہئے۔ قافلہ والوں نے انہیں غلام کی حیثیت میں پیش کیا۔ وہ ایک غلام کی طرح بیچ دیئے گئے۔ عزیز مصر نے غلام کی طرح خرید کیا انہوں نے غلام کی طرح اس کی خدمت شروع کر دی، اور اس کے ساتھ اسی طرح پیش آئے جس طرح ایک مطاعت شعار اور وفادار غلام کو اپنے آقا کے ساتھ پیش آنا چاہئے۔ کہیں سے بھی کوئی ایسی بات منتشر نہیں ہوئی کہ ایک کرتے میں انہیں کوئی شامل ہوا ہو۔ گویا یہ ناگہانی مصیبت جو ہزاروں لاکھوں انسانوں کے لئے پوری زندگی کی سوگواری بن جاتی، ان کے لئے کوئی مصیبت ہی نہ تھی۔ باپ کے آغوش محبت سے نکل کر اچانک ایک اجنبی ملک میں ایک اجنبی غلام بن جانا، ان کے لئے ایسی ہی بات ہوئی جیسے اپنی مرضی سے زندگی کا ایک عیش چھوڑ کر دوسرا عیش اختیار کر لینا

کا داغ لگا، تو اس وقت بھی زبان سے یہی نکلا کہ بل سولت لکم انفسکم امرا، فصبرٌ جمیل و اللہ المستعان علی ما تصفون! (۱۸) اور پھر جب بن یمین کی جدائی کی خبر سنی تو اس وقت بھی اس کے سوا کچھ زبان سے نہ نکلا کہ فصبرٌ جمیل عسی اللہ ان یاتینی بھم جمیعا۔ انہ ھو العلیم الحکیم! (۸۳) پھر باوجودے کہ بے خبر نہ تھے۔ علم و یقین کے ساتھ سمجھ چکے تھے کہ یوسف کے خلاف سازش کی گئی ہے۔ لیکن پوری سرگزشت میں کہیں کوئی اشارہ اس کا نہیں ملتا کہ دو باتوں سے زیادہ اس باب میں کچھ زبان سے نکلا ہو ایک تو یہ کہ بل سولت لکم انفسکم امرا۔ اور دوسرا وہ جو اس وقت زبان سے نکل گیا، جب بھائیوں نے بن یمین کو ساتھ لے جانا چاہا: ھل امنکم علیہ الا کما امنتکم علی اخیہ من قبل؟ (۶۴) اور ان دونوں جملوں میں بھی نہ تو ملامت کی سختی ہے نہ شکایت کی تیزی۔ بلکہ صورت حال کی ایسی تعبیر ہے جس سے زیادہ نرم اور دھیمی تعبیر ہو ہی نہیں سکتی۔ پہلے جملہ میں صرف اس کا اظہار تھا کہ جو بات کہہ رہے ہو اصلیت اس کے خلاف ہے۔ لیکن خیر، صبر کے سوا چارہ نہیں۔ دوسرے میں صرف پہلے واقعہ کا تتبع یاد دلایا ہے۔ کسی طرح کا الزام نہیں دیا ہے یعنی مجھے بھروسہ کرنے کے لئے کہتے ہو، لیکن اگر بھروسہ کروں تو کیا اسی طرح کروں جس طرح پہلے کر چکا ہوں اور اس کا جو نتیجہ نکل چکا ہے وہ تمہیں معلوم ہے؟

اتنا ہی نہیں بلکہ اگر غور کیا جائے، تو پہلے جملہ کا اسلوب ایسا واقع ہوا ہے کہ سرزنش سے کہیں زیادہ رحم و تاسف پر مبنی ہے اور فی طبعوں کے لئے ایک طرح کی معذرت کا پہلو پیدا کر رہا ہے یعنی یہ نہیں فرمایا کہ تم جھوٹ بول رہے ہو۔ یا تم نے یوسف کے خلاف سازش کی ہے۔ بلکہ کہا۔ تمہارے جی نے تمہارے لئے ایک بات بنا دی ہے اور اسے تمہارے خیال میں خوشنما دکھا دیا ہے۔ کیونکہ "تسویل" کے معنی یہ ہیں کہ کسی بات کا جامہ نیا خوشنما بنا کر دکھا دینا، اور اس کے لئے طمع و خواہش کا بہا ہو جانا۔ پس گویا یہ ایک ہمدردوں کا تاسف تھا کہ افسوس تم نفس کے دام میں پھنس گئے اور اس کے دھوکے سے بچ نہ سکے۔ پھر ساتھ ہی ان کے اس طرز عمل کے لئے معذرت کے پہلو کا بھی اعتراف ہے کہ طمع نفس میں اکثر ایسا کر بیٹھے ہو، اور انسان نفس کے ہاتھوں بے بس ہو جاتا ہے!

ایک ایسے صدمۂ جانکاہ میں جیسا کہ حضرت یعقوب کو ناگہاں پہنچا تھا، اور کسی طرح کی بات کا زبان پر نہ آنا صبر اسی جملہ کا نکلنا، صبر کا کیا عظیم الشان مظاہرہ ہے؟ یہ ممکن ہے کہ صدمہ کے فوری تاثر کے بعد ایک ضابطہ اور تحمل آدمی اپنے دل و زبان کی نگرانی کرے، لیکن میں اس وقت جب صدمہ کی پہلی چوٹ لگ ہی ہو، اور دل کی بے تابیاں بے اختیار زبان کی طرف اٹھنے لگی ہوں ممکن نہیں کہ دل و زبان کی نگہداشت کی جا سکے۔ ضابط سے ضابط دل بھی اس عالم میں چیخ اٹھتا ہے۔ مضبوط سے مضبوط طبیعتیں بھی بے اختیار متزلزل ہو جاتی ہیں۔ لیکن حضرت یعقوب کا مقام صبر ایسا نہ تھا جو کسی حال میں بھی متزلزل ہو سکے۔ اس مقام میں بھی زبان کھلتی ہے تو ایسا سنبھلا ہوا جملہ نکلتا ہے گویا بے حالی و جانکاہی کا کوئی معاملہ پیش ہی نہیں آیا ہے!

یہی وہ صبر ہے جسے "صبر جمیل" فرمایا۔

صبر، درد و غم؟

یقین ہوتا

بظاہر خیال ہوتا ہے کہ یہ تینوں باتیں بہ یک وقت جمع نہیں ہو سکتیں۔ اگر صبر کامل ہے تو پھر درد و غم کی شدتیں کیوں ہوں؟ اور اگر یقین موجود تھا، تو درد و غم کو محو ہو جانا چاہئے تھا۔ یہی وجہ ہے کہ بعض مفسرین نے اس مقام میں مشکلات محسوس کیں اور طرح طرح کی توجیہوں کی جستجو میں نکلے۔ لیکن اگر وقت نظر سے کام لیا جائے تو معاملہ بالکل واضح ہے اور کسی ایسی توجیہ کی ضرورت نہیں جو بے تکلف پیدا کی جائے۔ یہ ظاہر ہے کہ حضرت یعقوب کا مقام صبر کا مقام تھا، اور صبر جبھی صبر ہو سکتا ہے جب بے صبری کے اسباب موجود ہوں، اور زیادہ سے زیادہ موجود ہوں اگر درد و غم کی ٹیس نہیں اٹھ رہی ہے، تو تم کیسے کہہ سکتے ہو کہ جھیلنے اور اف نہ کرنے کی حالت موجود ہے؟ جھیلنا تو اسی کا جھیلنا ہوگا جو برابر آگ کی جلن محسوس کر رہا ہو، لیکن پھر بھی زبان سے اُف نہ نکالے۔ اگر حضرت یعقوب کا درد و غم اس طرح محو ہو جاتا کہ اس کی جلن باقی ہی نہ رہتی، یا رہتی تو بہت دبی دبائی رہتی۔ تو یہ مقام صبر کا مقام

حال میں بھی اپنی جگہ سے بے جگہ نہ ہوا۔ اس کو عصمت کے لئے ذرا سی بھی جنبش نہ تھی!

پھر دیکھو۔ امراۃ العزیز کی دعوت عیش کے جواب میں جو کچھ ان کی زبان سے نکلا، وہ کیا تھا؟ معاذ اللہ انہ ربی احسن مثوای (۲۳) یہ اشوہر میرا آقا ہے، اس نے مجھ پر احسان کیا۔ عزت و احترام کے ساتھ رکھا۔ پھر یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اس کے حسن سلوک کا بدلہ میں یہ دوں کہ اس کی امانت میں خیانت کرنے لگوں! غور کرو۔ یہ برائی ایسی برائی تھی کہ اسے برائی دکھلانے کے لئے نفی ہی باتیں کہی جا سکتی تھیں۔ لیکن ان کا ذہن اسی بات کی طرف گیا، اور اسی کو قرآن نے بھی نمایاں کر کے دکھایا۔ اس سے معلوم ہوا کہ ان کی سیرت کا (اصلی) جوہر جس چیز کو ڈھونڈنا چاہیے، امانت، راستی، راست بازی اور ادائے فرض کی روح اس طرح ان پر چھائی ہوئی تھی کہ ہر موقعہ پر یہی پہلے سامنے آتی تھی۔

پھر اس کے بعد لامحالہ کا معاملہ پیش آتا ہے اب صرف ایک امراۃ العزیز ہی کا فتنہ نہ تھا۔ دارالحکومت مصر کے تمام فتنہ گران حسن جمع ہو گئے تھے کہ ان کی مساعی ضبط و تحمل کی خاکستر یوں میں حصہ لیں۔

وائے بر صید کہ یک باشد و صیاد چند!

مگر یہاں بھی کیا نتیجہ نکلا؟ قل حاش للہ! ما ھذا بشرا ان ھذا الا ملک کریم! (۳۱)

ہزار دام سے نکلا ہوں ایک جنبش میں چسے غرور ہو آئے، کرے شکار مجھے!

پھر دیکھو۔ راست بازی و حق پرستی کی آزمائشوں نے ابتلا کی کیسی صورت اختیار کر لی؟ دنیا میں انسانوں کو سزائیں اس لئے بھگتنی پڑتی ہیں کہ جرم و معصیت سے اپنے کو نہیں روک سکے لیکن اب حضرت یوسف کے سامنے قید کی سزا اس لئے لائی جا رہی ہے کہ جرم و معصیت سے کیوں اپنے آپ کو روک رہے ہیں! لوگوں کو قید و بند کی مصیبت اس لئے برداشت کرنی پڑتی ہے کہ عیش حیات ڈھونڈھتے ہیں، اور جب نہیں ملتا تو جزا لینا چاہتے ہیں۔ لیکن حضرت یوسف کو اس لئے قید خانے کی دھمکی دی جا رہی ہے کہ عیش حیات نے اپنی ساری دلفریبیوں اور رعنائیوں کے ساتھ انہیں دعوت دی انہوں نے اس سے منہ موڑ لیا!

یہ حضرت یوسف کی سیرت کا سب سے زیادہ عظیم الشان مظاہرہ ہے یہ عشق حق کا نمونہ ہے یہ پرستاری صدق کا دستور العمل ہے۔ یہ ایمان کامل کا معیار ہے۔ جب ان کے سامنے دو باتیں پیش کی گئیں: زندگی کا عیش مگر معصیت حق کی راہ میں۔ زندگی کے شدائد مگر راست بازی کی راہ میں۔ تو ان کا فیصلہ قطعی اور بغیر کسی تامل کے یہ تھا کہ السجن احب الی مما یدعوننی الیہ (۳۳) قید خانہ مجھے محبوب ہے۔ مگر وہ بات نہیں جس کی مجھے دعوت دی جا رہی ہے!

ہمارے مفسرین لکھتے ہیں کہ یہ حضرت یوسف کی بدشگونی تھی کہ خود قید خانہ کی بات بول اٹھے۔ اگر جلدی میں اگر ایسا نہ کہہ دیتے تو یہ ابتلا پیش نہ آتی۔ افسوس کس درجہ حقیقت فراموشی ہے! حضرت یوسف کی جو بات ان کی پاکی و عصمت کا سب سے بڑا جوہر تھی وہی ان حقیقت ناآشناؤں کی نظر میں ان کی لغزش ہو گئی گویا حضرت یوسف کا قید خانہ کو معصیت پر ترجیح دینا، اور اسے خوشی خوشی اختیار کر لینا، کوئی ایسی بات تھی جو نہ ہونی چاہیے تھی اور صرف اس لئے ہو گئی کہ حضرت یوسف نے بدشگونی کی بات کہدی تھی! غور کرو۔ قرآن کہاں ہے اور اس کے شارح کہاں پہنچ گئے ہیں!

مرلوا بکرۃ فی قباین ھاشم مرت بالبیداء بعد منزل!

پھر دیکھو۔ حضرت یوسف کی یہی سیرت ہے جو قید خانہ کی تنگ و تاریک کوٹھری کو بھی اسی طرح روشن کر دیتی ہے جس طرح عزیز مصر کے ایوان عزت و اقبال کو اس نے روشن کر دیا تھا۔ کیونکہ چراغ جہاں کہیں بھی رکھ دیا جائے روشنی ہی دے گا، اور ہیرے کی چمک اس سے کم نہیں ہو جائے گی کہ وہ مرغانہ شاہی میں رہنے کی جگہ کوڑے کرکٹ میں ڈال دیا گیا۔ تورات کی تصریح بڑھ چکے ہو کہ قید خانہ کا افسر ان کا معتقد ہو گیا تھا، اور قید خانہ میں انہی کی افسری قائم ہو گئی تھی۔

نہ پچھلی حالت کا ماتم ہے، نہ موجودہ حالت سے جھجک، نہ گذشتہ کی یاد میں سوگواری ہوئی۔ نہ آئندہ کے اندیشہ میں بدحالی اس عازم اور بے پروا ملاح کی طرح، جسے نہ تو کنارہ چھوٹنے کا غم ستاتا ہے، نہ آنے والے طوفان کا اندیشہ، اس نے اپنی کشتی چلانی شروع کر دی اور دیکھئے بالآخر ساحل مقصود تک پہنچ کر رہی۔ حوادث و انقلاب کے ترکش میں اس سے بڑھ کر اور کون تیر ہو سکتا تھا جو اس پر چلایا گیا تھا؟ لیکن اس کے صبر و عزم نے اسے پرکاہ کے برابر بھی نہ سمجھا، اور اس طرح بے داغ نکل گیا، گویا گردش حوادث کا ہاتھ اس کے خلاف اٹھا ہی نہ تھا:

چیں بر جبیں زخنجر ہر خس نمی رسد — در یار دلاں چو موج گہر آرمیدہ اند

غور کرو۔ ہر اس انسان کے لئے جو دنیا کی مصیبتوں اور ناموافقتوں میں اپنی راہ نکالنا چاہتا ہو، اس معاملہ میں کیسی عظیم الشان عبرت ہے؟ اگر حضرت یوسف نے مصائب و محن کی پہلی ہی منزل میں صبر و عزم، اعتماد نفس اور توکل علی اللہ کی یہ روح عظیم اپنے اندر نہ پیدا کر لی ہوتی، تو کیا ممکن تھا کہ اس منزل مقصود تک پہنچ سکتے جو بالآخر ان کی منزل مقصود ثابت ہوئی؟

پھر دیکھو زمانہ کی گردشیں کس طرح آزمایشوں پر آزمایشیں پیدا کرتی رہیں، اور ان کی غیر متزلزل اور بے داغ سیرت کس طرح فتحمندیوں پر فتح مندیاں حاصل کرتی گئی؟

سب سے پہلے عزیز مصر کے ساتھ ان کا معاملہ سامنے آتا ہے، اس نے بہ حیثیت غلام کے انہیں خرید کیا تھا اور مصر کے آثار و نقوش ہمیں بتلاتے ہیں کہ مصریوں کا سلوک غلاموں کے ساتھ کیا ہوا کرتا تھا۔ وہ غلاموں کے لئے اتنے ہی سنگدل تھے جتنی سنگدل دنیا کی تمام پرانی قومیں رہ چکی ہیں۔ تاہم انہوں نے تھوڑے ہی عرصہ کے اندر اپنے حسن سیرت سے اس کا دل ایسا مسخر کر لیا کہ غلامی کی جگہ آقائی کرنے لگے، اور اس نے اپنی بیوی سے کہا۔

اکرمی مثواہ عسی ان ینفعنا او نتخذہ ولدا (۲۱)

غور کرو۔ یہ انقلاب حال کیونکر پیدا ہوا ہوگا، وہ کیسی وفاداری و دیانت اور راست بازی و امانت شعاری ہوگی جس نے ایک مصری امیر کو اس درجہ متاثر کر دیا کہ ایک عبرانی غلام کو اپنے فرزند کی طرح چاہنے لگا، اور اپنے تمام گھر بار اور علاقہ کا مختار کل بنا دیا؟

پھر امرأۃ العزیز کا معاملہ رونما ہوتا ہے۔ پچھلی آزمایشیں ذہن و دماغ کی آزمایش تھی۔ یہ جذبات کی تھی، اور انسان کے لئے سب سے بڑی آزمایش جذبات ہی کی آزمایش ہوتی ہے۔ وہ سمندر کی موجوں سے ہراساں نہیں ہوتا، پہاڑ کی چٹانوں سے نہیں گھبراتا، آسمان کی بجلیوں سے نہیں لرزتا، وہ مردوں کے مقابلہ سے منہ نہیں موڑتا۔ تلواروں کے سائے میں کھیلنے لگتا ہے، لیکن نفس کی ایک چھوٹی سی ترغیب اور جذبات کی ایک ادنیٰ سی کشش کا بھی مقابلہ نہیں کر سکتا۔ لیکن حضرت یوسف کی سیرت کی چٹان یہاں بھی متزلزل نہ ہو سکی۔ ان کی بے داغ فضیلت پر نفس انسانی کا سب سے بڑا فتنہ بھی دھبہ نہ لگا سکا۔

قرآن کی معجزانہ بلاغت نے چند لفظوں کے اندر صورت حال کی پوری تصویر کھینچ دی ہے اور اگر ان اشاروں کو تشریح و بیان کا پورا جامہ پہنایا جائے تو کئی صفحوں کی داستان بن جائے۔ تم چشم تصور سے کام لو، اور دیکھو ترمیمات کی قہرو سلطنی کا کیا حال تھا، اور عیش نفس کی یہ دعوت کیسے شکیب آزما سامانوں اور صبر ربا حالتوں کے ساتھ پیش آئی تھی، عریمن عروج شباب کی عمر، اور معاملہ محبت کا نہیں محبوبیت کا، طلب کا نہیں مطلوبیت کا۔ پھر طلب بھی ہوئی تو کیسی طلب؟ دیوانگی کی طلب اور دل باختگی کا تعاقب پھر سب سے بڑھ کر یہ کہ موانع بھی کلی مرتفع ہو گئے۔ کوئی انسانی آنکھ دیکھنے والی نہیں کوئی پردہ حجاب حائل ہونے والا نہیں کون ہے جو ایسی حالت میں بھی اپنے آپ کو قابو میں رکھ سکتا ہے، عفت و پاکی کا کونسا پہاڑ ہے جو ان بجلیوں کی تاب لا سکتا ہے، لیکن ایک پہاڑ تھا جسے یہ بجلیاں بھی جنبش میں نہ لا سکیں یہ حضرت یوسف کی سیرت تھی جو کسی حال میں بھی متزلزل نہیں ہو سکتی تھی۔ خود امرأۃ العزیز کے لفظوں میں (اور اس سے بڑھ کر اس معاملہ کا کون شاہد ہو سکتا ہے) انا راودتہ عن نفسہ فاستعصم (۳۲) وہ تھا

ذلکما مما علمنی ربی۔ انی ترکت ملۃ قوم لا یومنون باللہ وھم بالاخرۃ ھم کافرون (۳۷) اپنے خواب کی تعبیر میں بہت جلد بتلاؤں گا۔ کیونکہ میرے پروردگار نے مجھے اس کا علم دیا ہے۔ لیکن میرے علم کو اس طرح کا علم نہ سمجھنا جس طرح اپنے کاہنوں اور جادوگروں کا سمجھا کرتے ہو۔ میرا طریقہ دوسری ہے۔ میں تمہارے طریقہ پر کاربند نہیں۔ پھر اس طرح بات میں سے بات نکالتے ہوئے دین حق کی دعوت شروع کر دی کہ یا صاحبی السجن ءاربابٌ متفرقون خیر ام اللہ الواحد القھار (۳۹)

پھر دیکھو۔ اس سیرت کی فضیلت کا کیسا عجیب منظر سامنے آجاتا ہے جب یاد ہوگا ہر خواب دیکھنا ہے اور سرداری آکر یہ معاملہ ان میں سناتا ہے۔ دنیا کا ہر انسان ایسے موقعہ پر کیا کرتا؟ دنیا کا ہر زندہ قیدی کیا کرتا؟ جسے بغیر کسی جرم و گناہ کے قید خانے میں ڈال دیا گیا ہو اور سالہا سال سے اس حالت میں بے یار و مددگار پڑا ہو؟ یقیناً اسے تائید غیبی سمجھ کر اس سے فائدہ اٹھانا چاہتا اور کہتا۔ میں یہ مشکل حل کر دوں گا۔ مجھے یہاں سے نکالئے اور بادشاہ کے حضور حاضر ہونے کا دفعہ دیا جائے۔ مگر ہم دیکھتے ہیں، حضرت یوسف کی جانب سے کوئی اس طرح کی خواہش ظاہر نہیں ہوتی۔ انہوں نے خواب سنتے ہی اسی تعبیر سنا دی۔ اس کا خیال بھی نہیں، نہیں گزرا کہ اپنی مطلب براری کی بات بھی کہہ دیں۔ یہ بات تو بھی رہی، اس کا بھی روک نہ سکے کہ صحیح بات پوچھی گئی تھی، بتلا دی تھی بلکہ اس سے بھی زیادہ علم و فضل کی جستجو سائل کے دامن میں ڈال دی۔ یعنی خواب میں ایک آنے والی ہولناکی کی خبر دی گئی تھی۔ انہوں نے قبل از وقت یہ بھی بتلا دیا کہ اس ہولناک مصیبت سے بچنے کی سبیل کیا ہو سکتی ہے۔ سوال بادشاہ کی طرف سے تھا لیکن جس نے جواب دیا، وہ قید خانہ کی کوٹھری میں بیٹھا تھا۔ اپنے علم و فضیلت کی بخشش میں بادشاہوں سے بھی زیادہ فیاض تھا:

ساقیا ہست باقی از نظرت عرقی کہ بجام کرمش بخشند و بدریا نخشند است

حضرت یوسف نے اپنا جواب سنا دینے کے ساتھ ہی ان کے ساتھ یہ بھی کیا تھا کہ دنیا کے ان کے علم و ہدایت کے سرچشمہ کو اور کوئی شے اپنے سایہ تلے چھپا نہ سکے تھی۔ جب انہوں نے خواب سنا اور خواب کا حاصل ان کے علم و بصیرت نے معلوم کر لیا تھا، تو وہ ایک لمحہ کے لئے بھی علم و ہدایت کا فیضان انسانوں پر نہیں روک سکتے تھے۔ ان کا فرض تھا کہ جب کبھی طلب اعانت کا ہاتھ ان کے آگے بڑھے وہ اسکی دستگیری کریں۔ اور انہوں نے دستگیری کی۔ اگر نہ کرتے تو داعی حق نہ ہوتے۔ ان کا پہلے لوش جیسا کہ خود ان کے اس جملہ سے ظاہر ہے، مطلب براری کا نہ تھا نہیں ہو سکتا تھا کہ ایک سائل کی سکل اور احتیاج کو اپنی رہائی کا ذریعہ بنائیں۔

پھر جب بادشاہ ملاقات کا خواہاں ہوا اور اپنا پیام بھیجا، تو چاہئے تھا کہ جوش مسرت سے اس پیام کا استقبال کرتے کیونکہ اب خود بخود رہائی سامنے آگئی تھی اور ایسی حالت میں آئی تھی کہ بادشاہ وقت خود ملاقاتی، یا زیارت ہو رہا تھا، لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت یوسف کی نگاہوں میں معاملہ نے دوسری ہی شکل اختیار کی۔ انہوں نے قید خانہ چھوڑنے اور بادشاہ کی ملاقات سے انکار کر دیا، اور کہلایا کہ پہلے میرے معاملہ کی تحقیقات کر لی جائے۔

اب یہاں پھر بے اختیار یہی سوال سامنے آجاتا ہے کہ دنیا کا ہر مظلوم قیدی ایسی حالت میں کیا کرتا اور اس پیکر صدق و صفا نے کیا کیا؟ غور کرو۔ ان کی سیرت کیسے جوہروں سے گوندھی گئی تھی اور کس بلند پایہ فطرت کی مدیم النظیر فوقوں کے ساتھ خود داری اور عزت نفس کی روح اس کے ایک ایک ذرہ میں رچی ہوئی تھی؟ حضرت یوسف نے اس انکار و استظار میں ان کی اخلاقی ذہانت کی ایک پوری دنیا پوشیدہ ہے۔ گویا وہ زبان حال سے کہہ رہے تھے کہ قید سے رہائی بلاشبہ ایک خوشخبری ہے، لیکن ایسی رہائی مجھے کیا خوش کر سکتی ہے جو میری بے جرمی کی وجہ سے ظاہر میں نہ آرہی ہو، بلکہ محض بادشاہ کا ایک عطیہ اور بخشش ہو؟ میں تھا تو مجرم، لیکن چونکہ بادشاہ نے خواب دیکھا، کسی سے تعبیر بن نہ آئی، میں نے بتلا دی، اس لئے خوش ہو کر بادشاہ نے رہا کر دیا۔ میں یہ بادشاہ کا احسان ہوا۔ حق و انصاف کا فیصلہ نہ ہوا۔ نہیں، میں اپنی رہائی بطور ایک احسان کے قبول نہیں کر سکتا۔ اگر میں مجرم ہوں تو سزا کا سزاوار ہوں

پھر دیکھو، عین قید خانہ کی زندگی میں دعوت حق کا واجبہ ان کے قلب مبارک میں اٹھتا ہے اس وقت تک انہوں نے مصر میں دین حق کی تبلیغ نہیں کی تھی اگرچہ خود ان پر تمام حقیقتیں منکشف ہو چکی تھیں اب وقت آگیا تھا کہ خاندانی نبوت کا ان میں ظہور ہو، چنانچہ اسی کا نتیجہ ہے کہ اب انکا دل اپنے قلب کو دعوت و تبلیغ سے معمور پاتا ہے لیکن یہاں کون تھا جو اس تبلیغ کا مخاطب ہوتا؟ صرف قید خانہ کے چند ساتھی تھے جو طبعی طرح کے جرموں کی پاداش میں یہاں پہنچا دیئے گئے تھے، مگر غور کرو انہوں نے رہائی کا انتظار نہیں کیا انہی قیدیوں میں تبلیغ حق شروع کر دی اور اب مصر کا قید خانہ دعوت حق کی تعلیم و تربیت کی ایک درس گاہ بن گیا۔

پھر دیکھو۔ تبلیغ حق کے جوش و طلب کا کیا حال ہے؟ دو نئے قیدی آتے ہیں جو بادشاہ کے خاص پیش خدمتوں میں سے تھے، اور اپنا اپنا خواب بیان کرتے ہیں، خواب سن کر حضرت یوسف معلوم کر لیتے ہیں کہ ایک کی رہائی قریب ہے دوسرے کی موت قریب ہے، بس جانتے ہیں کہ فرصت کا ایک لمحہ بھی ضائع نہ کریں، فوراً ہم حق سے انہیں آگاہ کر دیں ممکن ہے کہ سچائی قبول کر لے اور دنیا سے جائے تو راہ حق پر جائے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں، انہوں نے خواب سنتے ہی اس کی تعبیر نہیں بتلا دی، بلکہ ان کی توجہ رجوع سے فائدہ اٹھا کر ایک موعظہ بھی ساتھ شروع کر دیا۔ انی ترکت ملة قوم لا یؤمنون باللہ وھم بالاخرة ھم کافرون (۳۷)

ان کی سیرت کے اس مقام سے ہم معلوم کر سکتے ہیں کہ دعوت حق کا فریضہ کیونکر ادا کرنا چاہیئے اور داعی حق کے جوش و طلب دعوت کا کیا حال ہونا ہے؟ قید خانے کی زندگی بھی ادا فرض دعوت سے مانع نہ ہوئی۔ اس حالت میں بھی نہ اس کی نہ تھی کہ میں کیونکر قید سے رہائی پاؤں۔ بلکہ تمام تر اس کی تھی کہ خدا کے بندے جہل و گمراہی سے کیونکر نجات پائیں؟ فرصت جب کبھی ملی اور جس حال میں ملی معاً اسی مقصد کے لئے کام میں لائی گئی، اور جس طرح اس آدمی کی ہدایت میں جلدی کی جبھی مدتوں زندہ رہنے والا تھا، اسی طرح اس کی ہدایت کے لئے بھی تعبیر نہ کر سکے جس کے سر پر اجل کی تلوار لٹک رہی تھی۔ کیونکہ ہدایت پانا ہر انسان کا قدرتی حق ہے، اور زندہ رہنے والا ہو یا مرنے والا ہو اسے اس کا حق فوراً ملنا چاہیئے۔

پھر دیکھو، معاملہ صرف اتنے ہی پر ختم نہیں ہو جاتا۔ بلکہ حتی الوسع کوشش کرتے ہیں کہ جہاں تک پہنچا سکتے ہیں پہنچا دیں، جونہی یہ بات معلوم ہوتی کہ ان میں ایک آدمی بادشاہ کے ساقیوں کا سردار ہے اور پھر اسی منصب پر مامور ہونے والا ہے، معاً ان کا ذہن اس طرف چلا گیا کہ ایسے آدمی کو جو خلوت و جلوت میں بادشاہ کے حضور رہنے والا ہے کتنا اچھا موقعہ حاصل ہوگا کہ پیام حق بادشاہ کے کانوں تک پہنچا دے؟ چنانچہ تعبیر بیان کرنے کے بعد اس سے فرمایا: اذکرنی عند ربك (۴۲) اپنے آقا کے پاس جائیو تو مجھے یاد رکھیو، یعنی میری تعلیم و دعوت یاد رکھیو اور اپنے آقا سے بعنوان مناسب اس کا تذکرہ کر دیجیو، ممکن ہے کہ پیام حق کام کر جائے۔

عام طور پر حضرت یوسف کے اس قول کا مطلب یہ سمجھا گیا ہے کہ انہوں نے اپنی رہائی کے لئے کہا تھا۔ یعنی اپنے آقا سے میری سفارش کیجیو، لیکن جس محل میں یہ بات کہی گئی ہے، اس سے اس کی تائید نہیں ہوتی۔ قیدیوں سے جو کچھ بھی ان کی گفتگو ہوئی ہے، یا تو تعبیر کے بارے میں ہے یا دین کے حق کے بارے میں ہے۔ اس کا کوئی اشارہ نہیں پایا جاتا کہ انہوں نے اپنے قید و حبس کے مصائب کا کوئی ذکر کیا ہو۔ پس اس بات کا وہی مطلب موزون معلوم ہوتا ہے جو اوپر بیان کیا گیا ہے۔

یہ بات بھی صاف ہو گئی کہ قیدیوں کا خواب سن کر آپ نے بغیر فوراً کیوں بیان نہیں کر دی تھی۔ مفسرین کہتے ہیں تاخیر اس لئے کی کہ وحی کا انتظار تھا، لیکن اگر آپ انتظار کی حالت میں ہوتے تو اس وثوق کے ساتھ کیونکر وعدہ کر لیتے کہ لا یاتیکما طعام ترزقانه الا نبأتکما بتاویله (۳۷)؟ اور فیضان وحی سے تو آپ کا قلب معمور ہو رہا تھا۔ تعبیر کے لئے انتظار کرنے کی کیوں ضرورت پیش آتی، صاف بات یہی ہے کہ تاخیر قصداً کی تھی اور اس خیال سے کی تھی کہ تعبیر کی احتیاج نے ان دونوں کو میری طرف متوجہ کر دیا ہے، چاہیئے کہ اس توجہ سے فوراً فائدہ اٹھایا جائے اور دین حق کی دعوت چھیڑ دی جائے۔ چنانچہ اس کا ذکر اس مناسبت سے شروع کر دیا کہ:

اخوتی (۱۰۰) جب ایسا ہوا تھا کہ شیطان نے مجھ میں اور میرے بھائیوں میں اختلاف ڈال دیا تھا یعنی اول تو اس معاملہ کو شیطان کی طرف منسوب کر دیا کہ بھائیوں پر اس کا بوجھ نہ پڑے۔ گویا یہ شیطان کا ایک فتنہ تھا، ورنہ میرے بھائی ایسا کیوں کرتے، پھر سارے معاملہ کو محض ایک طرح کے اختلاف سے تعبیر کیا تاکہ اصل واقعہ کی شناعت کم ہو جائے پھر جتنا کچھ بھی ہونا ظاہر کیا، وہ اس طریقہ پر کیا کہ "مجھ میں اور میرے بھائیوں میں اختلاف پڑ گیا تھا" گویا یہ بھائیوں کا بلا وجہ جور و ستم نہ تھا۔ کوئی ایسی بات تھی جیسے بھائیوں میں ہمدگر پیش آجایا کرتی ہے اور دونوں جانبوں کو اختلاف کے وجوہ میں دخل ہوتا ہے۔ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ کسی ایک ہی جانب کا قصور تھا۔

غور کرو عفو و بخشش کا وہ کیسا مقام ہے، ہمت کا وہ کیسا علو ہے، ظرف کی وہ کیسی پہنائی ہے؟ خلق کی وہ کیسی عظمت ہے جو دشمنی کرنے والوں کے ساتھ ایسا سلوک کر سکتی ہے؟ اور جس سیرت کا یہ حال ہو اس کے لئے فضیلت کی اور کونسی بات باقی رہ گئی؟

شنیدم کہ مردانِ راہِ خدا ۔۔۔ دلِ دشمناں ہم نہ کردند تنگ
ترا کے میسر شود ایں مقام ۔۔۔ کہ با دوستانت خلاف است و جنگ

مظلومی و بیچارگی کی حالت میں صبر کر لینا بلاشبہ ایک بڑائی ہے، لیکن طاقت و اختیار کی حالت میں بدلہ نہ لینا اور بخش دینا سب سے بڑی بڑائی ہے۔ ولمن صبر وغفر ان ذلک لمن عزم الامور (۴۲) اور اس عبرت کی عظمت میں دونوں مقام جمع ہو گئے۔ جب بیچارگی تھی، تو ذات تک نہ کی۔ جب طاقت ملی تو انتقام کا وہم و گمان بھی نہ گذرا، اور بلاشبہ یہ اس کی زندگی کا سب سے بڑا، سو حسنہ ہے!

سب کے آخر میں ان کی دعا نمایاں ہوئی ہے اور یہ فی الحقیقت ایک سرچشمہ ہے جس میں ان کی سیرت کا ایک ایک خط و خال دیکھ لیا جا سکتا ہے عظمت و کامرانی کے اس مقام پر پہنچ جانے کے بعد بھی جو صدا ان کے دل و دماغ سے نکل سکتی تھی وہ یہی تھی کہ فاطر السمٰوٰت والارض انت ولی فی الدنیا والاخرۃ توفنی مسلما والحقنی بالصالحین (۱۰۱) یعنی زندگی کی ساری کامرانیوں کا آخری ماحصل جس کی طلب و آرزو سے کبھی دل خالی نہیں ہو سکتا یہی ہے کہ اطاعتِ حق پر خاتمہ ہو، اور الحاق ان کے ساتھ ہو جو تیرے صالح بندے ہیں!

امراۃ العزیز

حضرت یوسف کے بعد سرگذشت کی نمایاں شخصیت امراۃ العزیز کی شخصیت ہے کیونکہ حضرت یوسف کی سحری زندگی کے حوادث میں بڑا حصہ اسی کا ہے۔ اس شخصیت میں ہم دیکھتے ہیں کہ شش و ہوس کے مختلف مراتب کیسے بعد و تدریج نمایاں ہوئے ہیں، اور قرآن حکیم نے ایک عجیب اسلوب بلاغت کے ساتھ انہیں ہر جگہ ابھارا ہے اور ہر مرتبہ کی خصوصیت واضح کر دی ہے۔

سب سے پہلے وہ موقعہ سامنے آتا ہے جب اس نے حضرت یوسف کو دعوتِ عیش دی اور ناکام رہی۔ و لقد ھمت بہ وھم بھا لولا ان را برھان ربہ (۲۴) اور جب پردہ فاش ہو گیا اور شوہر سامنے کھڑا نظر آیا، تو اپنی ذلت و رسوائی برداشت نہ کر سکی۔ جھٹ اپنا جرم دوسرے کے سر ڈال دیا، اور پھر کس دوسرے کے سر؟ اسی کے سر جس کی محبت و شیفتگی کی بدولت بنی تھی: قالت ما جزآء من اراد باھلک سوءا الا ان یسجن او عذاب الیم (۲۵) اس سے معلوم ہوا کہ محبت میں ابھی کچی تھی اور ہوس سے معاملہ آگے نہیں بڑھا تھا۔ کیونکہ اگر محبت کامل ہوتی تو محبت کی راہ میں ذلت و رسوائی سے نہ ڈرتی، اور خود اپنے محبوب کے سر جھوٹا الزام نہ لگاتی۔

لیکن پھر جب کچھ دن گزر گئے تو معلوم ہوتا ہے اس حالت نے دوسرا رنگ اختیار کیا۔ اب اسے لامات کے سامنے تو اظہارِ محبت میں عار نہ آیا۔ لیکن دنیا کے آگے اقرار نہ کر سکی۔ انا راودتہ عن نفسہ فاستعصم (۳۲) ابھی محبت ابھی اس درجہ تک نہیں پہنچی تھی کہ اپنے نفس کی کامجوئیوں پر محبوب کی رضی کو ترجیح دیتی:

قبول خاطرِ معشوق شرطِ دیدار است ۔۔۔ بہ حکمِ شوق تماشا مکن کہ بے ادبی است

اس لئے دھمکیاں دے کر رام کرنا چاہا: ولئن لم یفعل ما امرہ لیسجنن ولیکونا من الصاغرین

کیوں مجھے کوئی بخشے؟ اگر مجرم نہیں ہوں، تو میری بے جرمی کا اعتراف کرنا چاہیے۔ اور اس لئے رہا کرنا چاہیے کہ سزا کا مستحق نہ تھا۔ اس لیے نہیں کہ کسی نے بخش دیا۔

عزت نفس اور استقامت حق کا کیسا بلند مقام ہے؟ اور اخلاقی بصیرت کی کیسی عجیب مضبوطی ہے جس میں کہیں سے بھی کوئی لچک پڑتی دکھائی نہیں دیتی؟ جس رخ سے دیکھو اور جہاں کہیں دیکھو اس کی بے داغ خصوصیتیں یکساں طور پر نمایاں ہیں۔ اور اس سورج کی روشنی کبھی مدہم نہیں پڑ سکتی!

کانہ علم فی راسہ نار!

فی الحقیقت جمال یوسف کی یہی رعنائیاں تھیں جنہوں نے ایک ہی نظارہ میں بادشاہ کا دل مسخر کر لیا تھا

انک الیوم لدینا مکین امین! (۵۴)

پھر سب سے آخر اس موقعہ کا مطالعہ کرو۔ جب حضرت یوسف کے بھائی ان کے سامنے آکر کھڑے ہوتے ہیں۔ کون بھائی؟ جنہوں نے قتل کا سامان کیا اور پھر غلام بنا کر اجنبیوں کے ہاتھ بیچ ڈالا۔ کس کے سامنے؟ اسی مظلوم کے سامنے جو آج ظالم نہیں ہے، بلکہ وقت کی سب سے بڑی مملکت کا مالک اور قحط سالی کی سب سے بڑی مصیبت میں سامان زندگی کا سنبھالنے والا ہے۔ کیسا عجیب موقعہ تھا، اور نفس انسانی کے لیے ولولہ انتقام کی کیسی صبر آزما آزمائش! ذرا غور کرو اول سے لے کر آخر تک حضرت یوسف کا طرز عمل کیسا رہا ہے؟ کہیں بھی کوئی بات ایسی دکھائی دیتی ہے کہ کہہ سکو نہیں، انتقام تو بدلہ کی کوئی ہلکی سی بھی پرچھائیں پڑ رہی ہے؟ اتنا ہی نہیں بلکہ وہ تو ان کے لئے سراپا شفقت و رحمت ہو گئے تھے۔ انتقام و سزا کش کا کیا ذکر ہے۔ ان کی زبان سے تو ایک لفظ بھی ایسا نہیں نکلا جس سے بھائیوں کے دل کو ذرا سی ٹھیس لگتی۔ عاجز نظر آرہا ہے کہ ان کی شرمندگی و پشیمانی کا رنج ان سے کہیں زیادہ خود والا ہے ان کے گناہ ہیں اور اب ندامت تو اس بات کی کہ کس طرح ان کے دلوں کے لئے تسکین خاطر کے سامان بہم پہنچائیں!

جب میری مربیہ بھائی کہتے، اور اپنے مسیحوں کی داستان سناتی، مسنا و اھلنا الضر، اور ہم و ہمارے اہل پر سختی پڑ رہی ہے، تو جوش محبت سے بیقرار ہو گئے۔ اس وقت ان کے سامنے اور کوئی بات نہ تھی صرف یہی کہ میرے بھائی فقر و فاقہ میں مبتلا ہیں، میں مسند فرمانروائی پر بیٹھا ہوں اور وہ مریضہ مگروں کی طرح دست سوال دراز کئے ہوئے ہیں۔ اے احتیاط دل کا جی چاہا کہ اپنے آپ کو ظاہر کر دیں، ھل علمتم ما فعلتم بیوسف و اخیہ؟ تمہیں وہ بات بھی یاد ہے جو یوسف اور اس کے بھائی کے ساتھ کی تھی؟ کہنے کو تو یہ کہہ گئے، اور یہ کہے بغیر چارہ بھی نہ تھا، کیونکہ یہ کہنا تھا کہ میں مصر کیونکر پہنچا، لیکن ہمارا خیال ہے کہ اس معاملہ کی یاد میں ان کے لئے سراسر سرزنش و ملامت ہے اس لئے فوراً ایک ایسی بات بھی کہہ دی کہ ان کے لیے ایک معذرت کا پہلو نکل آئے اور شرمندگی کا بوجھ محسوس نہ کریں: اذ انتم جاھلون (۸۹) اس وقت کی بات ہے جب تمہارا ہی نادانیوں کا زمانہ تھا۔ یہی اس معاملہ پر شرمندہ ہونے کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ نادانیوں کے زمانے کی ایک بات ہے، اور دنیا میں کون ہے جس پر کوئی نہ کوئی زمانہ نادانیوں کا نہ گزرا ہو؟

یہ سنتے ہی جب انہوں نے پہچان لیا اور عجز و ندامت کا سر جھکا کر بولے۔ قالوا ائنک لانت یوسف قال انا یوسف و ھذا اخی قد من اللہ علینا انہ من یتق و یصبر فان اللہ لا یضیع اجر المحسنین (۹۰) قالوا تاللہ لقد اثرک اللہ علینا و ان کنا لخاطئین (۹۱) تو فوراً جواب ملا۔ لا تثریب علیکم الیوم۔ یغفر اللہ لکم و ھو ارحم الراحمین (۹۲) نہیں آج کا دن بچھڑے ہوؤں کے ملنے اور ٹوٹے ہوئے رشتوں کے جڑنے کا دن ہے۔ ملامت و الزام کی باتوں کا یہاں گزر نہیں، یہ دل تو ہر طرح کی رنجشوں سے صاف ہے۔ باقی راہ خدا کا معاملہ، تو اس کے لئے بھی ہم تمہارے ساتھ ہیں۔ وہ تمہارے قصور بخشے اور وہ ضرور بخشے گا، کیونکہ اس سے بڑھ کر رحم کرنے والا اور کون ہے!

پھر آگے چل کر جب وقت آیا کہ اللہ کے فضل و کرم کا تذکرہ ادا کرتے ہوئے گزرے ہوئے واقعات کی طرف اشارہ کریں تو دیکھو، اس معاملہ کی طرف کیونکر اشارہ کرتے ہیں؟ من بعد ان نزغ الشیطان بینی و بین

کا اعتراف کرنا پڑا۔ ایک ایسے شخص میں جو ابھی چند سال ہوئے، صحرا کے ویرانوں سے نکل کر آیا تھا۔ یہ قوت علمی کیسے پیدا ہوگئی کہ تمام باتوں کا نبض شناس اور تمام معاملات و مہمات کی کل بٹھانے والا ہوگیا؟ یقیناً مبدأ فیاض نے کرشمۂ فیضان سے۔ لیکن اس کرشمہ فیضان کا نام کیا ہے؟ علم "تاویل الاحادیث" کا سکھا دینا۔ اب جبکہ صناعی علوم کی تدوین اور فنی مصطلحات کی بناؤں نے ہمیں طرح طرح کی تعبیرات سکھا دی ہیں، ہم اس طرح کے علم و بصیرت کے لئے بہت سے مصطلح الفاظ بولیں گے۔ لیکن قرآن کی زبان صناعی مصطلحات کی زبان نہیں ہے، نہ علمی مصطلحات سے اس وقت عربی زبان آشنا ہوئی تھی۔ اس نے ان ساری باتوں کے لئے ایک ایسی ترکیب استعمال کی جو ادا مطلب کا قدرتی اور سیدھا سادھا اسلوب ہو سکتا ہے۔ یعنی باتوں کے مطلب اور مآل پا لینے کا علم۔ تعلیم کی ساری کاوشیں، تربیت ذہنی کی ساری محنتیں، تجربہ و آشنائی کی ساری کوششیں کس غرض سے ہوتی ہیں؟ اسی لئے کہ باتوں کا مطلب و مآل بوجھ لینے کی استعداد پیدا ہو جائے۔ علم و دانش کا تمام تر حاصل و مقصود کیا ہے؟ یہی کہ باتوں کی کل بٹھانی آجائے جس مطلب کے لئے ہم نے بے شمار علمی اصطلاحیں بنا لی ہیں، قرآن نے اسی کو بغیر کسی پیچ و خم کے اس طرح کہدیا، جو ادا مطلب کا ایک صاف اور قدرتی طریقہ ہو سکتا ہے، اور یہ اس کی بلاغت کی معجزانہ خصوصیت ہے۔

چونکہ حضرت یوسف نے خواب کی تعبیر بتلائی تھی، اس لئے مفسرین اس طرف گئے ہیں کہ یہ خواب کی سچی تعبیر معلوم کر لینے کا علم تھا۔ بلاشبہ خواب کی بات بھی احادیث میں داخل ہے، اور اس لئے کہا جا سکتا ہے کہ ایک گوشہ اس کا یہ بھی تھا۔ لیکن یہ بات درست نہیں معلوم ہوتی کہ براہ راست علم تعبیر مراد ہے اس کا اطلاق ہوا ہو۔ یہ ظاہر ہے کہ خواب کی سچی تعبیر معلوم کر لینا نبوت کے عام خصائص میں سے نہیں اور ہر نبی وحی الٰہی سے مطلع ہو کر خواب کی حقیقت معلوم کر لیتا ہے۔ خود حضرت یعقوب نے حضرت یوسف کا خواب سنتے ہی حقیقت معلوم کر لی تھی اور حضرت دانیال اور عزیر وغیرہما کی سرگزشتیں ہمیں معلوم ہیں۔ پس اگر یہی بات مقصود ہوتی، تو اس کی کوئی ضرورت نہ تھی کہ خصوصیت کے ساتھ تاویل الاحادیث کا ذکر کیا جاتا۔ یہ نبوت کے اعمال و خصائص میں سے تھی، اور جب نبوت کا مقام مل رہا تھا، تو لازمی طور پر اس طرح کی تمام باتوں کی قابلیت بھی مل رہی تھی۔ لیکن حضرت یعقوب نے خواب سن کر کہا۔ وکذلک یجتبیک ربک ویعلمک من تاویل الاحادیث، ویتم نعمته علیک وعلی آل یعقوب کما اتمها علی ابویک من قبل (۶) یعنی اللہ تجھے برگزیدگی عطا فرمائے گا، تاویل الاحادیث کا علم سکھائے گا، اور جس طرح تیرے بزرگوں پر اپنی نعمتیں پوری کر چکا ہے، اسی طرح تجھ پر اور آل یعقوب پر بھی کرے گا۔ اس بیان میں برگزیدگی سے مقصود امتیاز اور تفوق ہے اور اتمام نعمت سے مقصود نبوت ہے، پس تاویل الاحادیث کی تعلیم سے مقصود کوئی تیسری چیز ہونی چاہئے۔ اگر تعبیر خواب خواب ہی کی بات ہوتی، تو وہ چھوٹی نبوت کی بشارت میں آگئی تھی۔ خصوصیت کے ساتھ الگ کر کے نہ دکھائی جاتی۔

علاوہ بریں ایک نبی کے لئے تعبیر خواب کا ملکہ کوئی ایسی بڑی بات نہیں کہ خصوصیت کے ساتھ اسے اللہ کا ایک خاص عطیہ قرار دیا جاتا۔

پھر اگر ان تینوں مقامات پر غور کیا جائے جہاں تاویل احادیث کا ذکر کیا گیا ہے تو یہ حقیقت اور زیادہ نمایاں ہو جاتی ہے، لیکن اس کی تفصیل ابھی بیان میں ملے گی۔

عزیز مصر کا اپنی بیوی کے ساتھ معاملہ

(م) عزیز مصر کا اپنی بیوی کے ساتھ معاملہ مفسرین کے لئے ایک حیرت انگیز معاملہ رہا ہے، اور بعض مجبور ہوئے ہیں کہ طرح طرح کی دور از کار توجیہیں کریں، وہ کہتے ہیں اس پر اپنی بیوی کی بدچلنی بالکل واضح ہو گئی تھی۔ اس نے صاف صاف کہہ دیا تھا کہ انه من کیدکن، ان کیدکن عظیم (۲۸) لیکن پھر بھی ہم دیکھتے ہیں اس نے اس معاملہ کو اس سے زیادہ اہمیت نہ دی کہ بیوی سے کہا: استغفری لذنبك۔ انك کنت من

لیکن پھر جب وہ وقت آیا کہ عشق کی خامیاں پختگی و کمال تک پہنچ گئیں، تو اب نہ تو ننگ و ناموس کی جھجک باقی رہی تھی نہ زور و طاقت سے کام نکالنے کا گھمنڈ۔ جونہی سنا کہ یوسف کے معاملہ کی پوچھ گچھ ہو رہی ہے، بے پردہ اور مزیج اعلان کر دیا: الآن حصحص الحق ۱۰ انا راودته عن نفسه و انه لمن الصادقين! (۵۱) وہ تو سرتاسر سچا ہے جو کچھ بھی قصور تھا، میرا تھا:

ہاں بانگ بلند ست ایں، پوشیدہ کی گویم!

اب اظہار محبت میں نہ تو کسی طرح کا عار محسوس ہوتا تھا، نہ عشق کی رسوائی رہی تھی۔ اب تو ہر بات جو محبوب کی راہ میں پیش آئے، محبوب ہی کی طرح محبوب ہو گئی تھی:

احب الملامة فی هواك الذ بذكرك فيلمنى اللوم جدالك

محبت کی خامی، پختگی کے یہ مراتب قدرتی ہیں، اور عام ہیں۔ جب کبھی اور جہاں کہیں بھی آئے گی، ان تین حالتوں میں سے کوئی حالت ضرور ہو گی۔

خام بودم، پختہ شدم، سوختم!

لاحادیث

(ل) حضرت یوسف کے حالات میں جا بجا "تاویل الاحادیث" کا لفظ آیا ہے اور اس طرح آیا ہے کہ معلوم ہوتا ہے، یہ ایک علم تھا جو اللہ نے انہیں سکھا دیا تھا۔ پس معلوم ہونا چاہئے کہ اس علم سے مقصود کونسا علم ہے؟ عربی میں "تاویل" کے معنی کسی بات کے نتیجہ (اور مآل کار کے) ہیں، اور باتوں کے مطلب و مقصد پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے چنانچہ سورۂ یونس کی آیت (۳۹) کے نوٹ میں اس کی تشریح گزر چکی ہے "احادیث" یعنی ماثل، پس لاحادیث کا مطلب یہ ہوا کہ باتوں کا مطلب، نتیجہ، اور مآل بوجھ لینے کا علم یعنی انسان میں علم و بصیرت کی ایسی قوت کا پیدا ہو جانا کہ ہر بات کے مطلب اور کمال کا شناسا ہو جائے، معاملات کی تہ تک پہنچ جائے، امور و مہمات کے بھیدوں کا رمز شناس ہو جائے، ہر بات کی نبض پہچان لینی ہر واقعہ کا مطلب پا لینا، کوئی بات کتنی ہی الجھی ہوئی ہو، لیکن اس طرح سمجھ لینا کہ ساری باتوں کی کل ٹھیک بیٹھ جائے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کا ظہور کنعان کے صحرا میں ہوا تھا اور ایک ایسے خاندان میں جو پشتہا پشت سے صحرا کی بدویانہ زندگی بسر کر رہا تھا۔ پیدائش سے لے کر عنفوان شباب تک اسی عام میں زندگی بسر ہوئی نہ تو کسی طرح کی خارجی تعلیم و تربیت کا موقعہ ملا۔ نہ شہری زندگی کے رسم و راہ سے آشنا ہو سکے۔ جب شہری زندگی ہی سے آشنا نہ تھے: تو ظاہر ہے، اجتماعی زندگی کی تمدنی خصوصیات سے کیونکر باخبر ہو سکتے تھے؟ ملکی معاملات اور انتظامی مہمات کی تو ان کے کانوں میں بھنک بھی نہ پڑی ہو گی۔

بسا اوقات خاندان کے موروثی اثرات خارجی اثرات سے بے نیاز کر دیتے ہیں، لیکن حضرت یوسف کا خاندانی ورثہ نبوت تھا۔ شہریاری و ملک داری نہ تھی اور حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کے توطن کنعان کے بعد سے تو شہری زندگی کا علاقہ بھی یک قلم مفقود ہو گیا تھا۔

یا ایں ہمہ جب گردش حوادث نے انہیں مصر جیسی متمدن سرزمین میں پہنچا دیا، تو وہ نہ صرف اس کے نظم و نسق کے لئے سب سے بہتر حکمران ثابت ہوئے، بلکہ ان کی کاردانی و حقایق فہمی نے مملکت کو اس کی سب سے بڑی ہولناک بربادی سے بچا لیا اور ان کے فضل و کمال کے آگے سب نے سر جھکایا۔ خود بادشاہ وقت کو اپنے عجز و ماندگی

لہ اس آیت کے بعد کی آیت ذلك ليعلم انى لم اخنه بالغيب الخ اور وما ابرئ نفسى الخ امراۃ العزیز کے قول کا بقیہ حصہ بھی ہو سکتا ہے، اور حضرت یوسف کا قول بھی ہو سکتا ہے۔ سیاق بیان پہلی بات کے حق میں ہے اور بعض وجوہ قرائن دوسری کے حق میں۔ عام طور پر مفسرین نے دوسری صورت اختیار کی ہے۔ لیکن ہم نے پہلی کو ترجیح دی کیونکہ ظاہر سیاق یہی ہے۔

کرنا بھی ہو سکتا ہے جب کہ لکھنؤ کی اصطلاح میں "شوقینی" وقت کا فیشن ہو گئی ہو اور شوقین عورتیں پوری طرح آزاد ہوں۔

پس عزیز کے طرزِ عمل کے لیے اس کے سوا اور کسی توجیہ کی ضرورت نہیں کہ مصر کے ایک امیر کا طرزِ عمل تھا، اور اسے ایسا ہی ہونا تھا۔ اس نے بیوی کو ملامت کر دی کہ قصور تیرا ہی ہے۔ یوسف سے کہا اس بات کو اب آگے نہ بڑھانا، امید ہے عاملہ تم ہو گیا۔ اس سے زیادہ نہ تو وہ کچھ کر سکتا تھا، اور نہ وقت کے احساسات متقاضی تھے کہ کرے۔

تفسیر آیت عظیم

(ن) عزیز کے اس قول میں کہ "ان کیدکن عظیم" (۲۸) جو رائے ظاہر کی گئی ہے، وہ ظاہر ہے کہ اپنے وقت اور اپنے شہر کی عورتوں کی نسبت ہے نہ کہ دنیا جہان کی تمام عورتوں کے لیے۔ اور پھر جو کچھ بھی ہے عزیز کا قول ہے خود قرآن کا حکم نہیں ہے۔ بیحد افسوس ہے کہ لوگوں نے اس فقرہ کا اس طرح استعمال شروع کر دیا گویا عورتوں کے متعلق اخلاق کے لئے یہ قرآن کا فیصلہ ہے، اور اس کے نزدیک عورتوں کی جنس مردوں کے مقابلہ میں زیادہ مکار اور بے عصمتی کی گھاتیں نکالنے میں زیادہ ہشیار ہے۔ چنانچہ ہم طرح طرح پر ہمارے مفسروں نے اس کا ایسا ہی مطلب قرار دیا ہے اور پھر حسبِ عادت وجوہ و مباحث کی دور دراز وادیوں میں گم ہو گئے ہیں۔ پہلے اسے عورتوں کی جنس کی نسبت قرآن کا عام و مطلق حکم قرار دیتے ہیں۔ پھر حیرانی میں پڑتے ہیں کہ شیطان کے کید کو تو ضعیف کہا ہے: ان کید الشیطان کان ضعیفا، عورتوں کا کید ایسا "عظیم" ہو گیا؟ پھر توجیہوں کی وادیوں میں قدم اٹھاتے ہیں اور جہاں تک عقل جا سکتی ہے نکل جاتے ہیں بعضوں کو مان لینا پڑتا ہے کہ شیطان کے کید سے بھی عورتوں کا کید بڑا ہے، کیونکہ آیت اس بارے میں نص قطعی ہے۔ بعضوں کی دقیقہ سنجی اس پر مطمئن نہیں ہوتی وہ کہتے ہیں: ہیں علی الاطلاق؟ ہیں ہو سکتا ہے صرف جنسی تعلقات کے معاملہ میں ہے اس میدان میں مردان سے بازی نہیں لے جا سکتے! حالانکہ نہ تو قرآن کا یہ حکم ہے نہ عزیز کا قول ایسے محل میں ہے کہ اطلاق و عموم کے یہ سوالات پیدا ہوں۔ بحث و تفسیر کی پوری عمارت بنیاد سے لے کر چوٹی تک، بالکل بے اصل ہے۔

بلاشبہ مردوں نے اپنی خانہ ساز خوبیوں سے عورتوں کے بارے میں ہمیشہ ایسے ہی فیصلے کئے ہیں، لیکن قرآن کا یہ فیصلہ نہیں ہے۔ اس نے ہر جگہ مرد اور عورت، دونوں کا مساویانہ حیثیت سے ذکر کیا ہے اور فضائل و خصائل کے لحاظ سے، وہ دونوں میں کسی طرح بھی تفریق نہیں کرتا۔ سورۂ احزاب میں جہاں ازواجِ نبی کو احکام کی تشریح ہے، وہاں صاف صاف تصریح کر دی ہے کہ فضائل و محاسن کے لحاظ سے دونوں یکساں درجہ پر اپنی اپنی راہیں رکھتے ہیں اور دونوں کے لیے ایک ہی طرح پر فضیلتوں کا دروازہ کھول دیا گیا ہے: لان حال نصیب مما اکتسبوا، وللنساء نصیب مما اکتسبن، واسئلوا اللہ من فضلہ ان اللہ کان بکل شیء علیما (۴: ۳۲)۔ چنانچہ جس طرح وہ نیک مردوں کے فضائل و مدائح بتاتا ہے اسی طرح نیک عورتوں کے بھی بتلاتا ہے، اور جس طرح بدعمل مردوں کی برائیاں بتلائی ہیں اسی طرح بدعمل عورتوں کی بھی بتلائی ہیں۔ کہیں بھی دونوں میں کسی طرح کا امتیاز اس نے جائز نہیں رکھا ہے۔ مردوں کے لیے اگر فرمایا: التائبون العابدون الحامدون، السائحون الراکعون الساجدون الآمرون بالمعروف و الناھون عن المنکر، والحافظون لحدود اللہ (۹: ۱۲) تو عورتوں کے لیے بھی فرمایا: مسلمات مؤمنات، قانتات، تائبات، عابدات، سائحات (۶۶: ۵) منافقوں کا ذکر کیا۔ تو صرف مردوں ہی کا نہیں کیا، دونوں جنسوں کا کیا: المنافقون والمنافقات بعضھم من بعض یامرون بالمنکر و ینھون عن المعروف (۹: ۶۷) مومنوں کا ذکر کیا، تو صرف مردوں ہی کا نہیں کیا، دونوں کا کیا۔ والمومنون والمومنات بعضھم اولیاء بعض، یامرون بالمعروف وینھون عن المنکر (۹: ۷۱) مردوں اور عورتوں کی یہ اخلاقی مساوات اس کا عام اسلوب ہے۔ جہاں جگہ تم دیکھو گے کہ وہ دونوں کو ایک ہی صف میں کھڑا کرتا، ایک ہی درجہ میں رکھتا، اور ایک ہی طرح پر ذکر و خطاب کرتا ہے:

الخاصۃ ص ۲۹۱) اور پھر اسی طرح مختار و آزاد چھوڑ دیا، جس طرح پہلے تھی۔ چنانچہ شہر کی عورتوں کی دعوت، مجلس طرب کی آراستگی، اور حضرت یوسف کی طلبی، سب بعد کے واقعات ہیں۔ نیز اس کا اختیار و تصرف اس سے ظاہر ہے کہ قید کرنے کی دھمکی دیتی ہے اور اسے پورا کر کے دکھا دیتی ہے۔ گویا بیوی کی بدچلنی کو کوئی ایسی بات نہ تھی جو عزیز کو استعفری لذنبک کہنے سے زیادہ کسی سرزنش اور مخالفانہ اقدام پر آمادہ کرتی۔ کیونکر ممکن ہے کہ ایک شریف اور معزز آدمی اس بارے میں اس قدر بے حس اور بے پروا واقع ہو؟

لیکن اگر مفسرین کے سامنے اس عہد کی مصری معاشرت کی تفصیلات ہوتیں تو اس معاملہ پر انہیں ذرا بھی استعجاب نہ ہوتا۔ انہوں نے دو ڈھائی ہزار پیشتر کی مصری معاشرت اور اس کے اخلاقی احساسات کو اپنے وقتوں کی معاشرت و احساسات پر قیاس کیا، اور اسی کے مطابق توجیہات کے جامے تراشنے لگے۔

اس بارے میں ہمارے پاس معلومات حاصل کرنے کے دو ذریعے ہیں۔ ایک براہ راست اسی زمانے سے تعلق رکھنے والے مصری آثار۔ دوسرا بعد کے عہدوں سے پہلا اثر بیات مصر (اجنبیا) لوجیا ہے ماخوذ ہے۔ دوسرا بعض یونانی تحریرات سے جو سنہ مسیحی سے کچھ عرصہ پیشتر لکھی گئی ہے۔ اور یہ دونوں ذریعے اس بارے میں متفق ہیں کہ اس عہد کی مصری معاشرت کی حالت بالکل ٹھیک ویسی ہی تھی جس کی تصویر اس موقعہ پر قرآن نے کھینچ دی ہے۔ یعنی امراء کے طبقہ کی معاشرتی اور ازدواجی حالت عامۃ الناس سے بالکل مختلف تھی۔ ان کی عورتیں اپنے اعمال و تصرف میں بالکل آزاد تھیں۔ مردوں کے دباؤ میں رہنا پسند نہیں کرتی تھیں ازدواجی زندگی میں بدانتظامی کا بھاری رہنا اخلاقی حیثیت سے معاملہ نے ایسی صورت اختیار کر لی تھی کہ عصمت و بے عصمتی کا معاملہ عملاً غیر اہم ہو گیا تھا۔ لوگ سب کچھ جانتے تھے اور کچھ اسے ناگزیر حالت سمجھ کر برداشت کر لیا کرتے تھے۔ گویا اس اعتبار سے پندرہ سو سال قبل مسیح مصری سوسائٹی کا حال ٹھیک ویسا ہی تھا، جیسا ایک ہزار سال بعد رومۃ الکبریٰ کے دار الحکومت میں ہمیں دکھائی دیتا ہے، اور جس کا نمونہ خود جولیس سیزر کی بیویوں کی زندگی میں ہم دیکھ سکے ہیں۔ انہیں شک و شبہ سے اس لئے بالاتر کہا گیا تھا کہ شک و شبہ کا سب سے بڑا محل انہی کی زندگی تھی! دراصل یونان اور روم کا تمدن اور بہت سی باتوں کی طرح اس بات میں بھی، بابل اور مصر ہی کے نقش قدم پر چلا تھا۔

مصر کی یہ حالت برابر رہی۔ امراۃ العزیز کے عہد سے لے کر کلیوپیٹرا تک وہ صرف نسوانی حسن و جمال ہی میں نہیں بلکہ ازدواجی زندگی کی بے باکیوں اور مطلق العنانیوں میں بھی شہرہ آفاق رہی۔

خود اس سرگذشت میں بھی اس کی اندرونی شہادت موجود ہے۔ عزیز پر جب معاملہ کھل گیا، تو جو بات اس کی زبان پر بے اختیار آ گئی، غور کرو وہ کیا تھی؟ انہ من کیدکن۔ ان کیدکن عظیم: (۲۸) ہاں معلوم ہوا گیا یہ تم عورتوں کا چرتر ہے۔ تم لوگوں کے چرتر بڑے ہی چرتر ہوتے ہیں! اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت عورتوں کی نسبت سوسائٹی کے عام خیالات کیا تھے، اور کس طرح یہ بات دلوں میں بیٹھی ہوئی تھی کہ مکر و فریب میں طاق ہیں ان کے فریب سے عہدہ برآ ہونا آسان نہیں۔ اگر ایسا نہ ہوتا، تو ممکن نہ تھا کہ اس موقعہ پر اس طرح کی بات بے اختیار عزیز کی زبان سے نکل جاتی۔ چرتر جو کچھ بھی کہا تھا اس کی بیوی نے کہا تھا تمام عورتوں نے نہیں کیا تھا۔ لیکن چونکہ وقت کی معاشرتی زندگی عام طور پر ایسی ہی ہو رہی تھی، اس لئے جب ایک عورت کا معاملہ سامنے آیا، تو بے اختیار زبان سے نکل گیا۔ تم سب کا یہی حال ہے۔ تمہارے مکر و فریب سے خدا کی پناہ!"

پھر عجیب تر جو معاملہ پیش آیا اس سے بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ اس بارے میں وقت کے نسوانی اخلاق کا معیار کیا تھا شہر کی امیرزادیوں نے جونہی یہ خبر سنی کہ ایک عبرانی غلام ایسا طرحدار ہے کہ امراۃ العزیز جان دینے لگی ہے اور وہ قابو میں نہیں آتا، تو بے اختیار اس سے ملنے کی مشتاق ہو گئیں، اور پھر جب مجلس ضیافت آراستہ ہوئی اور یوسف بلائے گئے، تو کوئی نہ تھا جس نے اپنی دلربائیوں اور شیوہ طرازیوں کے لے باکانہ تیروں سے انہیں چھلنی نہ کر دینا چاہا ہو۔ ظاہر ہے کہ سوسائٹی کی عورتوں کا اس طرح بے حجابانہ کھل کھیلنا، اور بغیر کسی جھجک کے ایک پورے مجمع کا اس طرح تعرض

دوسرے سے زیادہ ذمہ داری ہو۔

بہرحال یہ بات یاد رہے کہ سورۂ یوسف کی اس آیت سے جو استدلال کیا جا رہا ہے، وہ قطعاً بے اصل ہے اور جہاں تک عورتوں کے جنسی اخلاق کا تعلق ہے، قرآن میں کہیں کوئی ایسی بات موجود نہیں جس سے مترشح ہوتا ہو کہ عورت کی جنس مرد سے فروتر ہے، یا بے عصمتی کی راہوں میں زیادہ مکار اور شاطر ہے۔

امراۃ العزیز کا نام

(ن) تورات میں ہے کہ مصر کے جس امیر نے حضرت یوسف کو خریدا تھا، اس کا نام فوطی فار تھا (پیدائش ۳۷: ۳۶) لیکن اس کی بیوی کا نام نہیں لکھا ہے۔ نہیں معلوم ہمارے مفسرین نے کہاں سے یہ بات معلوم کر لی ہے کہ اس کا نام زلیخا تھا؟ بہرحال اس کی کوئی قابل اعتنا اصلیت پائی نہیں جاتی۔ البتہ مفسرین کا یہ بیان بالکل صحیح ہے کہ اس وقت مصر کا حکمران خاندان عمالقہ میں سے تھا۔ یہ عمالقہ وہی ہیں جنہیں مصر کی تاریخ میں ہیکسوس کے نام سے تعبیر کیا گیا ہے، اور جن کی اصلیت یہ بتائی گئی ہے کہ چرواہوں کی ایک قوم تھی۔ یہ چرواہوں کی قوم مصر میں کہاں سے آئی تھی؟ جدید تحقیقات سے معلوم ہوتا ہے کہ عرب سے آئی تھی، اور یہ در اصل عربی قبائل عاربہ ہی کی ایک شاخ تھی۔ قدیم قبطی اور عربی زبان کی مشابہت ان کے عرب ہونے کی ایک مزید دلیل ہے۔

حضرت یوسف کا انتقال

(س) تورات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت یوسف زندگی بھر مصر کے اقتدار و مختار رہے، اور جب ان کا آخری وقت آیا تو اپنے بھائیوں اور اپنی اولاد سے کہا: "ایک وقت آئے گا جب خدا تمہیں پھر اسی سرزمین کنعان میں لے جائے گا، جس کا ابرہام، اسحاق، اور یعقوب سے اس نے وعدہ کیا ہے، تو جب وہ وقت آئے تم میری ہڈیاں اپنے ساتھ لے جانا، اور میرے بزرگوں کے پاس دفن کر دینا۔ چنانچہ ان کے خاندان کے لوگوں نے ان کی نعش میں خوشبو بھری اور ایک صندوق میں محفوظ کر دی (پیدائش ۵۰: ۲۴)

خوشبو بھرنے کا غالباً مطلب یہ ہے کہ مصریوں کے طریقہ کے مطابق ممی کر کے رکھی گئی تھی۔ جب چار سو برس بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ظہور ہوا، اور وہ بنی اسرائیل کو ساتھ لے کر مصر سے نکلے، تو انہوں نے حضرت یوسف کی نعش بھی اپنے ساتھ لے لی تھی۔ اس طرح حضرت یوسف کی وصیت کی تعمیل ظہور میں آ گئی۔

ع) سورۂ یوسف کے بعد سائر و حکم کی طرح اس کے مباحث و مسائل کا دائرہ بھی بہت وسیع ہے لیکن مزید تفصیل کی یہاں گنجائش نہیں ✦

ان المسلمین والمسلمات، والمؤمنین والمؤمنات، والقانتین والقانتات والصادقین والصادقات، والصابرین والصابرات، والخاشعین والخاشعات، والمتصدقین والمتصدقات، والصائمین والصائمات، والحافظین فروجهم والحافظات، والذاکرین اللہ کثیرًا والذاکرات، اعد اللہ لهم مغفرة واجرًا عظیمًا (۳۳: ۳۵) یعنی جس طرح مردوں میں مسلم و مومن ہیں، اسی طرح عورتوں میں بھی مسلمہ و مومنہ ہیں جس طرح مردوں میں قانت مرد ہیں، اسی طرح عورتوں میں بھی قانتہ عورتیں ہیں جس طرح مردوں میں صادق مرد ہیں، اسی طرح عورتوں میں بھی صادقہ عورتیں ہیں، جس طرح مردوں میں اللہ کا خوف رکھنے والے اور بکثرت اس کا ذکر کرنے والے ہیں، اسی طرح عورتوں میں بھی اللہ کا خوف رکھنے والیاں اور بکثرت ذکر کرنے والیاں ہیں، اور پھر جس طرح مردوں میں ایسے پاکباز ہیں کہ نفسانی خواہشوں کے تیلسے اپنی حفاظت کرتے ہیں، اسی طرح عورتوں میں بھی ایسی پاکباز ہستیاں ہیں جو اپنی حفاظت سے کبھی غافل نہیں ہوتیں۔ غور کرو کسی وصف میں بھی تفریق نہیں، کسی فضیلت میں بھی امتیاز نہیں، کسی بڑائی میں بھی عدم مساوات نہیں، پھر کیا ممکن ہے کہ جس قرآن نے مردوں اور عورتوں کی اخلاقی مساوات اس درجہ ملحوظ رکھی ہو، اسی قرآن کا یہ فیصلہ ہو کہ عورتوں کی جنس مردوں کے مقابلہ میں زیادہ بداخلاق ہے؟ اور مرد بڑے پاکباز ہوتے ہیں۔ مگر بدبخت عورتیں جو نفس پرست اور ہوسناک ہیں؟ افسوس قرآن کی تاریخ کی یہ کیسی بوالعجبی ہے کہ ایک مصری بت پرست کے قول کو اللہ کا زمان سمجھ لیا گیا۔ اور اس سے اس طرح استدلال کیا جا رہا ہے۔ گویا عورتوں کی جنسی پستی و بداخلاقی کے لئے کتاب اللہ کا حکم موجود ہے!

حقیقت یہ ہے کہ اگر پاکبازی و عصمت کے لحاظ سے دونوں جنسوں میں تفریق کی جائے تو ہر طرح کی نفس پرستیوں اور مکاریوں کی حیوانیت مرد کے حصہ میں آئے گی، اور ہر طرح کی پاکیوں اور نفس کی زیرکی عورت کے لئے ثابت ہوگی۔ یہ مرد ہی ہے جس کی حیوانیت پر عورت کی فرشتگی شاق گزرتی ہے۔ وہ چاہتا ہے اسے بھی اپنی ہی طرح کا حیوان بنائے اس لئے اپنے کید عظیم کے سارے قتنے کام میں لاتا اور برائیوں کی زینت ایک راہ سے اسے آشنا کر کے چھوڑتا ہے۔ پھر جب وہ اس کے پیچھے قدم اٹھا دیتی ہے تو اس سے گردن موڑ لیتا ہے، اور کہنے لگتا ہے اس کا کید تو سب سے بڑا کید اور اس کی برائی سب سے بڑی برائی ہے! فی الحقیقت سب سے بڑا کید تو مرد ہی کا کید ہے جو پہلے اسے اپنی کامجوئیوں کا آلہ بناتا ہے اور جب بن جاتی ہے تو خود پاک بنتا اور ساری ناپاکیوں کا بوجھ اس معصوم کے سر ڈال دیتا ہے۔

دنیا میں کوئی عورت بُری نہ ہوتی اگر مرد اسے بُرا بننے پر مجبور نہ کرتا۔ عورت کی بُرائی کتنی ہی سخت اور مکروہ صورت میں نمایاں ہوتی ہو لیکن اگر جستجو کرو گے تو تہہ میں ہمیشہ مرد ہی کا ہاتھ دکھائی دے گا، اور اگر اس کا ہاتھ نظر نہ آئے تو ان برائیوں کا ہاتھ ضرور نظر آئے گا جو کسی نہ کسی شکل میں اسی کی پیدا کی ہوئی ہیں۔

تورات میں ہے کہ شجر ممنوعہ کے پھل کھانے کی ترغیب آدم کو حوا نے دی تھی، اس سے نافرمانی کا پہلا قدم جو انسان نے اٹھایا وہ عورت کا تھا۔ اسی بنا پر یہودیوں اور عیسائیوں میں یہ اعتقاد پیدا ہو گیا کہ عورت کی خلقت میں مرد سے زیادہ بُرائی اور نافرمانی ہے اور وہی مرد کو سیدھی راہ سے بھٹکاتی رہی ہے۔ لیکن قرآن نے اس قصہ کی کہیں بھی تصدیق نہیں کی، بلکہ ہر جگہ اس معاملہ کو آدم اور حوا دونوں کی طرف منسوب کیا۔ انہیں جو حکم دیا گیا تھا وہ بھی یکساں طور پر دونوں کے لئے تھا: ولا تقربا هذه الشجرة فتكونا من الظلمين (۲: ۲۵) اور لغزش بھی ہوئی تو ایک ہی طرح پر دونوں سے ہوئی: فازلهما الشيطن عنها، فاخرجهما مما كانا فيه (۲: ۳۶) شیطان نے دونوں کے قدم ڈگمگائے، اور دونوں کے نکلنے کا باعث ہوا۔ یعنی جو لغزش ہوئی، اس میں یکساں طور پر دونوں کا حصہ تھا۔ یہ بات نہ تھی کہ کسی ایک پر

الَّيْلَ النَّهَارَ ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ ۝ وَفِي الْأَرْضِ قِطَعٌ ۳
مُّتَجَاوِرَاتٌ وَجَنَّاتٌ مِّنْ أَعْنَابٍ وَزَرْعٌ وَنَخِيلٌ صِنْوَانٌ وَغَيْرُ صِنْوَانٍ يُسْقَىٰ بِمَاءٍ وَاحِدٍ
وَنُفَضِّلُ بَعْضَهَا عَلَىٰ بَعْضٍ فِي الْأُكُلِ ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ ۝ وَإِن تَعْجَبْ فَعَجَبٌ ۴
قَوْلُهُمْ أَإِذَا كُنَّا تُرَابًا أَإِنَّا لَفِي خَلْقٍ جَدِيدٍ ۗ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا بِرَبِّهِمْ ۖ وَأُولَٰئِكَ
الْأَغْلَالُ فِي أَعْنَاقِهِمْ ۖ وَأُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ ۖ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ۝ ۵

کے پھلوں کے جوڑے، دو دو قسموں کے اُگائے۔ اس نے رات اور دن رکھے (یہ تدریج ظاہر ہوتے) کا

اور اس میں شک نہیں لیکن فی طبیعی دعوت میں بڑی تعداد ایسے لوگوں کی ہے جو اسے نہیں مانتے، پس ضرورت ہے کہ ان کے مقابلہ میں اس کی حقانیت آشکارا ہو جائے۔

پھر اللہ کی ہستی اور آخرت کی زندگی پر برہان حکمت و ربوبیت کا استدلال کیا ہے۔ اور یہ حقیقت واضح کی ہے کہ آسمان و زمین کی ہر چیز کسی ایسی ہستی کی موجودگی کی شہادت دے رہی ہے جس نے جو کچھ بنایا ہے مصلحتوں اور حکمتوں کے ساتھ بنایا ہے اور یہاں کا ذرہ ذرہ اسی کی تدبیر و انتظام سے چل رہا ہے۔ پھر فرمایا ان دلیلوں کا تفکر لوگوں میں یقین پیدا کر دیتا ہے کہ انسانی زندگی کی طرف اتنے ہی کے لئے نہیں ہو سکتی جتنی حیات دنیوی میں نظر آ رہی ہے ضروری ہے کہ کوئی دوسرا مرحلہ بھی پیش آنے والا ہو، اور وہ ایسا ہو کہ مجرموں کو جزا کے لئے حضور میں پیش کر دے۔

اصل بحث میں قدرت و حکمت الٰہی کے تین رخ بیان کئے ہیں

(۱) سب سے پہلے یہ کہ اجرام سماویہ کو پیدا کیا اور فضا میں معلق بنا دیا۔ وہ بلند ہیں لیکن کوئی سہارا نہیں جو انہیں تھامے ہوئے ہو، محض جذب و انجذاب کا قانون ہے، جس کے توازن نے انہیں اپنی اپنی جگہ معلق و قائم رکھا ہے

(ب) ہوا کی پیدائش تھی لیکن انسان کے قیام و اجرا کے لئے ضروری تھا کہ احکام و قوانین ہوں، اگر نافذ ہو جائیں پس اس تمام کائنات ہستی پر اللہ کی فرمانروائی نافذ ہو گئی، یعنی اس کا تخت حکومت بچھ گیا، اس کے احکام کے آگے سب جھک گئے:

(ج) یہ احکام و قوانین کس طرح نافذ ہوئے؟ اس طرح کہ سورج اور چاند کو دیکھو، احکام الٰہی نے کس طرح انہیں مسخر کر رکھا ہے؟ بال برابر ان کی خلاف ورزی نہیں کر سکتے ان کی سرگردش کے لئے جو میعادیں ٹھیرا دی گئی ہیں ٹھیک

ایسا قاعدہ بنا دیا کہ دن کی روشنی کو رات کی تاریکی ڈھانپ لیا کرتی ہے، یقیناً اس بات میں ان لوگوں کے لئے کتنی ہی نشانیاں ہیں جو غور و فکر کرنے والے ہیں! ۳

اور دیکھو زمین میں طرح طرح کے ٹکڑے ہیں ایک دوسرے سے ملے ہوئے۔ ان میں انگور کے باغ ہیں، غلہ کی کھیتیاں ہیں کھجور کے درخت ہیں باہم دگر ملتے جلتے ہوئے اور بعض ایسے کہ ملتے جلتے ہوئے نہیں ہیں سب ایک ہی پانی سے سیراب ہوتے ہیں مگر ہم بعض پھلوں کو بعض پر مزہ میں برتری دیتے ہیں یقیناً اس بات میں ان لوگوں کے لئے بڑی ہی نشانیاں ہیں جو عقل سے کام لیتے ہیں! ۴

اور اے مخاطب! اگر تو عجیب بات دیکھنی چاہتا ہے تو (سب سے زیادہ عجیب بات ان منکروں کا یہ قول ہے کہ "جب ہم (مرنے کے بعد گل سڑ کر) مٹی ہو گئے تو پھر کیا ہم پر ایک نئی پیدائش طاری ہو گی؟" (یہ بات تو سمجھ میں آتی نہیں!) تو یقین کرو یہی لوگ ہیں جنہوں نے اپنے پروردگار سے انکار کیا اور یہی ہیں جن کی گردنوں میں طوق پڑے ہوں گے اور یہی ہیں کہ

سُورَةُ الرَّعْدِ

مکی - ۴۳ آیات

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الٓمّٓرٰ ۚ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ ۗ وَالَّذِيْٓ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ الْحَقُّ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝ ۱
اَللّٰهُ الَّذِيْ رَفَعَ السَّمٰوٰتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۝
كُلٌّ يَّجْرِيْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى ۭ يُدَبِّرُ الْاَمْرَ يُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ بِلِقَاۗءِ رَبِّكُمْ تُوْقِنُوْنَ ۝ ۲
وَهُوَ الَّذِيْ مَدَّ الْاَرْضَ وَجَعَلَ فِيْهَا رَوَاسِيَ وَاَنْهٰرًا ۭ وَمِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ جَعَلَ فِيْهَا زَوْجَيْنِ

الف - لام - را -

اے پیغمبر، یہ الکتاب (یعنی قرآن) کی آیتیں ہیں، اور جو کچھ تیرے پروردگار کی جانب سے تجھ پر نازل ہوا ہے، وہ امر حق ہے (اس کے سوا کچھ نہیں) مگر اکثر آدمی ایسے ہیں کہ (اس پر) ایمان نہیں لاتے

۱ یہ اللہ ہی ہے جس نے آسمانوں کو بلند کر دیا اور تم دیکھ رہے ہو کہ کوئی ستون انہیں تھامے ہوئے نہیں ہے، پھر وہ اپنے تخت (حکومت) پر متوجہ ہوا (یعنی مخلوقات میں اس کے احکام جاری ہو گئے) اور سورج اور چاند کو کام پر لگا دیا کہ ہر ایک اپنی ٹھہرائی ہوئی میعاد تک (اپنی اپنی راہ) چلا جا رہا ہے، وہی (اس تمام کارخانۂ خلقت کا) انتظام کر رہا ہے اور (اپنی قدرت و حکمت کی) نشانیاں الگ الگ کر کے بیان کر دیتا ہے تاکہ تمہیں یقین ہو جائے کہ (ایک دن) اپنے

۲ پروردگار سے ملنا ہے!

اور (دیکھو) وہی ہے جس نے زمین کی سطح پھیلا دی، اسی میں پہاڑ بنا دئے، نہریں جاری کر دیں اور ہر طرح

یہ سورت بھی مکی ہے اور خطاب بھی مشرکین مکہ سے ہے۔

(۱) مکی سورتوں کی طرح اس میں بھی دین حق کے بنیادی عقاید کا بیان ہے یعنی توحید، رسالت، وحی اور جزا و عمل، لیکن خصوصیت کے ساتھ جس بات پر زور دیا گیا ہے اور جو سورت کی تمام موعظت و تذکیر کے لئے مرکز بیان و خطاب ہے، وہ "حق" اور "باطل" کی حقیقت اور ان کی باہمی آویزش کا قانون ہے۔ چنانچہ سورت کی ابتدا بھی اسی اعلان سے ہوئی ہے کہ والذی انزل الیک ھو الحق (۱) اور خاتمہ بھی اسی پر ہوا ہے کہ قل کفی باللہ شھیدا بینی و بینکم (۲) حق و باطل کے امتیاز کا یہی حاکمانہ اور فیصلہ کن قانون ہے۔ جو دعوت قرآنی کی حقانیت اور عدم حقانیت کا فیصلہ کرے گا۔ اگر دعوت اسلام کا اعلان رسالت "حق" ہے تو "حق" کا خاصہ یہی ہے کہ باقی رہے اور فتح مند ہو۔ اگر "باطل" ہے تو بلاشبہ "باطل" کے لئے مٹ جانا اور نامراد ہونا ہے۔ یہی اللہ کی شہادت ہے جس سے بڑھکر کوئی فیصلہ کن شہادت نہیں ہو سکتی۔ اور اب اس شہادت کے ظہور کا انتظار کرنا چاہیے۔

(۲) سورت کی ابتدا اس اعلان سے ہوئی ہے کہ قرآن کسی انسانی کوشش کا نتیجہ نہیں ہے، اللہ کی جانب سے نازل ہوا ہے،

الْكَبِيْرُ الْمُتَعَالِ ۝ سَوَآءٌ مِّنْكُمْ مَّنْ اَسَرَّ الْقَوْلَ وَمَنْ جَهَرَ بِهٖ وَمَنْ هُوَ مُسْتَخْفٍۢ ۹
بِالَّيْلِ وَسَارِبٌۢ بِالنَّهَارِ ۝ لَهٗ مُعَقِّبٰتٌ مِّنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ يَحْفَظُوْنَهٗ مِنْ ۱۰
اَمْرِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ ۭ وَاِذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِقَوْمٍ سُوْۗءًا
فَلَا مَرَدَّ لَهٗ ۚ وَمَا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّالٍ ۝ هُوَ الَّذِيْ يُرِيْكُمُ الْبَرْقَ خَوْفًا وَّطَمَعًا وَّيُنْشِئُ ۱۱
السَّحَابَ الثِّقَالَ ۝ وَيُسَبِّحُ الرَّعْدُ بِحَمْدِهٖ وَالْمَلٰۗىِٕكَةُ مِنْ خِيْفَتِهٖ ۚ وَيُرْسِلُ الصَّوَاعِقَ ۱۲

درخت کے پھل دو قسموں کے ضرور ہوتے ہیں بشلاً کھٹے اور میٹھے خوش ذائقہ اور بد ذائقہ۔ اچھی قسم کے اور گری ہوئی قسم کے پھر اس کی حکمت فرمائی کا یہ کرشمہ دیکھو کہ رات دن کا دائمی انقلاب طاری ہوتا رہتا ہے جو نباتات کی نمود کی اور بخگی کے لئے ضروری تھا۔ جب دن کی تپش انہیں خوب اچھی طرح گرم کر دیتی ہے تو رات آتی ہے اور زمین کو ٹھنڈا کر دیتی ہے اور اس کی چادر کے تلے وہ خنکی و برودت کی مطلوبہ مقدار حاصل کر لیتے ہیں!

پھر ربوبیت الٰہی کی یہ کارفرمائی دیکھو کہ زمین کی سطح ایک ہے، مگر اس کے مختلف خطعات یکساں نہیں۔ سب ایک دوسرے سے ملے ہوئے ہیں لیکن اپنی روئیدگی اور پیداوار کی مختلف حدمنیں انجام دے رہے ہیں۔ ایک قطعہ میں باغ ہیں، ایک میں کھیت ہیں، ایک میں نخلستان ہیں۔ پھر اگر چہ زمین ایک ہے اور ایک ہی پانی سے ہر قطعہ سیراب ہوتا ہے لیکن ہر درخت کا پھل یکساں نہیں کسی جگہ ایک ہی پھل اعلیٰ درجہ کا ہوتا ہے کسی جگہ کا ادنیٰ درجہ کا کسی جزء کچھ ہوتا ہے کسی کا کچھ۔

کائنات ہستی کے ان تمام کارخانوں کا اس نگرانی اور دقیقہ سنجی کے ساتھ نافع و کارآمد ہونا، اور مخلوقات کی ضروریات زندگی کا اس عجیب و غریب کارفرمائی کے ساتھ انتظام پانا کیا اس حقیقت کا اعلان نہیں ہے کہ ایک پرورش کنندہ اور مدبر ہستی موجود ہے، اور یہاں جو کچھ ہو رہا ہے کسی مقصد اور منتہی کے لئے ہو رہا ہے؟

بڑا بلند مرتبہ! ۹

تم میں کوئی چپکے سے کوئی بات کہے، یا پکار کے کہے رات کی تاریکی میں چھپا ہو، یا دن کی روشنی میں راہ چل رہا ہو، ساری حالتیں اس کے لئے یکساں ہیں (اس کے علم سے کوئی بات مخفی نہیں) ۱۰

انسان کے آگے اور پیچھے ایک کے بعد ایک آنے والی (قوتیں) ہیں جو اللہ کے حکم سے اس کی حفاظت کرتی ہیں۔ اللہ کبھی اس حالت کو نہیں بدلتا جو کسی گروہ کو حاصل ہوتی ہے جب تک کہ وہ خود ہی اپنی صلاحیت نہ بدل ڈالے، اور (پھر) جب اللہ چاہتا ہے کسی گروہ کو (اس کی تغیر صلاحیت کی پاداش میں) مصیبت پہنچے تو (مصیبت پہنچ ہی کر رہتی ہے۔ وہ) کسی کے ٹالے ٹل نہیں سکتی، اور اللہ کے سوا کوئی نہیں جو اس کا کارساز ہو۔ ۱۱

وہی ہے جو تمہیں بجلی کی چمک دکھاتا ہے وہ دلوں میں ہراس بھی پیدا کر دیتی ہے اور امید بھی اور وہی ہے جو بادلوں کو (پانی سے) بوجھل کر دیتا ہے اور بادلوں کی گرج اس کی ستایش کرتی ہے اور فرشتے بھی اسکی دہشت سے سرگرم ستایش رہتے

وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالسَّيِّئَةِ قَبْلَ الْحَسَنَةِ وَقَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمُ الْمَثُلٰتُ ۭ ۵
وَاِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ لِّلنَّاسِ عَلٰي ظُلْمِهِمْ ۚ وَاِنَّ رَبَّكَ لَشَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝ ۶
وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ۭ اِنَّمَآ اَنْتَ مُنْذِرٌ وَّلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ ۝ ۷
اَللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تَحْمِلُ كُلُّ اُنْثٰى وَمَا تَغِيْضُ الْاَرْحَامُ وَمَا تَزْدَادُ ۭ وَكُلُّ شَيْءٍ عِنْدَهٗ ۸
بِمِقْدَارٍ ۝ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ

ٹھیک اس کے مطابق چل رہے ہیں۔

پھر اس کے بعد اس معاملہ کی وضاحت کر دی کہ "مدبر الامر" اور یہاں یہی بات بنا رہا ہے۔ یعنی یہ سب کچھ جو ہوا اور ہو رہا ہے اس حقیقت کی شہادت ہے کہ یہاں تدبیر امور کرنے والا ایک ہاتھ موجود ہے ورنہ ممکن نہ تھا کہ یہ سب کچھ ظہور میں آجاتا اور قائم و جاری رہتا۔ اور اگر تدبیر امور کی قوت کام کر رہی ہے تو کیونکر ممکن ہے کہ اعمال انسانی کے لئے اس نے کوئی انتظام نہ کیا ہو اور انسانی زندگی ایک فعل عبث کی طرح رائیگاں جائے؟

۵

دوزخی ہوئے، ہمیشہ دوزخ میں رہنے والے!

اور (اے پیغمبر) یہ تم سے برائی کے لئے جلدی مچاتے ہیں قبل اس کے کہ بھلائی کے لئے خواستگار ہوں۔ حالانکہ ان سے پہلے ایسی سرگزشتیں گزر چکی ہیں جن کی (دنیا میں) کہاوتیں بن گئیں۔ (مگر یہ ہیں کہ عبرت نہیں پکڑتے) تو اس میں شک نہیں کہ تیرا پروردگار لوگوں کے ظلم سے بڑا ہی درگزر کرنے والا ہے اور اس میں بھی شک نہیں کہ تیرا پروردگار سزا دینے میں بڑا ہی سخت ہے!

۶

اور جن لوگوں نے کفر کا شیوہ اختیار کیا ہے وہ کہتے ہیں "اس آدمی پر اس کے پروردگار کی جانب سے کوئی نشانی کیوں نہیں اتری؟" حالانکہ تو اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ (انکار و بدعملی کے نتائج سے) خبردار کر دینے والا ایک رہنما ہے اور ہر قوم کے لئے ایک رہنما ہوا ہے۔

۷

(اللہ کے علم کا تو یہ حال ہے کہ وہ) جانتا ہے ہر مادہ کے پیٹ میں کیا ہے (یعنی کیسا بچہ ہے) اور کیوں پیٹ گھٹتے ہیں اور کیوں بڑھتے ہیں (یعنی درجہ بدرجہ شکم مادر میں کیسی کیسی تبدیلیاں ہوتی رہتی ہیں) اس کے یہاں ہر چیز کا ایک اندازہ ٹھہرا ہوا ہے۔ وہ غیب اور شہادت (یعنی محسوس اور غیر محسوس دونوں کا جاننے والا ہے۔ سب سے

(۴ آیت (۲) میں عالم سماویہ کا ذکر کیا تھا۔ آیت (۳) میں زمانا، زمین کو دیکھو وہ کیک گیند کی طرح مدور اور گول ہے لیکن اسکی سطح کا ہر حصہ ایسا واقعہ ہوا ہے کہ گولائی کہیں بھی نہیں ہوتی۔ ایسا دکھائی دیتا ہے جیسے ایک سطح فرش بچھا ہوا ہو۔ پھر اس میں پہاڑ پیدا کر دیے گئے جن کی چوٹیوں پر برف جمی اور پگھلتی رہتی ہے، اور اس طرح ان نہروں کی روانی کا سامان ہوتا رہتا ہے جو میدانی زمینوں سے گذرتی ہیں اور انہیں سیراب کرتی رہتی ہیں۔

پھر زمین میں روئیدگی کی کیسی عجیب و غریب قوت پیدا کر دی کہ اسکی تمام سطح طرح طرح کی خوش ذائقہ غذاؤں کا خوان نعمت بن گئی ہے۔ ہر طرح کے پھلوں کے درخت ہیں ہر طرح کے دانوں کی فصلیں ہیں۔ سب میں دو دو قسموں اور جوڑوں کا قانون کام کر رہا ہے اس اعتبار سے بھی کہ نباتات کی کوئی قسم نہیں جس میں حیوانات کی طرح نر اور مادہ کی جنسی تقسیم نہ ہو اور اس اعتبار سے بھی کہ ہر

قُلِ اللّٰهُ ۭ قُلْ اَفَاتَّخَذْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَاۗءَ لَا يَمْلِكُوْنَ لِاَنْفُسِهِمْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا ۭ قُلْ
هَلْ يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ ۙ اَمْ هَلْ تَسْتَوِي الظُّلُمٰتُ وَالنُّوْرُ ۚ اَمْ جَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَاۗءَ خَلَقُوْا
كَخَلْقِهٖ فَتَشَابَهَ الْخَلْقُ عَلَيْهِمْ ۭ قُلِ اللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ۝ اَنْزَلَ ۱۶
مِنَ السَّمَاۗءِ مَاۗءً فَسَالَتْ اَوْدِيَةٌۢ بِقَدَرِهَا فَاحْتَمَلَ السَّيْلُ زَبَدًا رَّابِيًا ۭ وَمِمَّا

ہے؟ لیکن منکرین حشر کی عقل و بینش کا یہ حال ہے کہ انہیں کہا جا رہا ہے زندگی صرف اتنی ہی نہیں ہے اور وہ ہیں کہ حیران ہو کر کہتے ہیں جب مر گئے اور گل سڑ کر مٹی ہو گئے تو کیا پھر ہمیں زندگی کا ایک نیا جامہ مل جائے گا۔؟

(۵) آیت ۶ میں انکار وجود کی اس حالت کی طرف اشارہ کیا ہے کہ انسان بھلائی کی جگہ برائی کے لئے جلدی مچانے لگتا ہے۔ یعنی کہنے لگتا ہے اگر انکار و بدعملی کا برا نتیجہ نکلنے والا ہے تو وہ نتیجہ کہاں ہے؟ کیوں پیش نہیں آجاتا؟ فرمایا اس لئے کہ اللہ بڑا ہی بخشنے والا اور درگزر کرنے والا ہے پس فوراً نتیجہ بد پیش نہیں آجاتا۔ مہلتوں پر مہلتیں دی جاتی ہیں۔ لیکن جب وقت آجائے تو وہ شدید العقاب بھی ہے کیونکہ پاداش عمل کبھی ٹلنے والی نہیں اور نہ کسی طرح کی نرمی کرنے والی ہے۔

(اُدھر ہو جایا کرتے ہیں)

(اے پیغمبر!) ان لوگوں سے پوچھو آسمانوں کا اور زمین کا پروردگار کون ہے؟ تم کہو "اللہ ہے" اس کے سوا کوئی نہیں" پھر ان سے کہو "جب وہی پروردگار ہے تو پھر یہ کیا ہے کہ تم نے اس کے سوا دوسروں کو اپنا کارساز بنا رکھا ہے جو خود اپنی جانوں کا نفع نقصان بھی اپنے اختیار میں نہیں رکھتے؟" نیز ان سے کہو کیا اندھا اور دیکھنے والا، دونوں برابر ہیں؟ یا ایسا ہو سکتا ہے کہ اندھیرا اور اجالا برابر ہو جائے؟ یا پھر یہ بات ہے کہ ان کے ٹھہرائے ہوئے شریکوں نے بھی اسی طرح مخلوقات پیدا کی جس طرح اللہ نے پیدا کی ہے، اور اس لئے پیدا کرنے کا معاملہ انہیں مشتبہ ہو گیا (کہ صرف اللہ ہی کے لئے نہیں ہے۔ دوسروں کے لئے بھی ہو سکتا ہے؟) تم ان سے کہو "اللہ ہی ہے جو ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے" اور وہ (اپنی ساری باتوں میں) یگانہ ہے سب کو مغلوب رکھنے والا!" ۱۶

اس نے آسمان سے پانی برسایا تو اپنی سمائی کے مطابق وادیاں بہہ نکلیں، اور میل کچیل سے جھاگ بن بن کر پانی کی سطح پر اٹھا، تو سیلاب کی رو اسے بہا لے گئی اور دیکھو اسی طرح کا جھاگ (میل کچیل سے) اس وقت بھی اٹھتا ہے جب لوگ زیور یا

(۶) انسان کی ایک عالمگیر گمراہی یہ رہی ہے کہ وہ سچائی کو سچائی میں نہیں ڈھونڈتا بلکہ دوسری چیزوں میں تلاش کرتا ہے۔ ان میں سے کہ چیزوں اور عجائب کاریوں کو سچائی کی دلیل سمجھتا ہے اور خیال کرتا ہے سب سے زیادہ سچا انسان وہ ہے جو سب سے زیادہ عجیب و غریب ہو!

قرآن نے جن بنیادی گمراہیوں کا ازالہ کیا ہے ان میں سے ایک گمراہی یہ ہے اس نے جا بجا یہ حقیقت واضح کی ہے کہ دعوت حق شناخت خود دعوت ہے، نہ کہ عجائب و غرائب کا ظہور جسے لوگوں نے دلیل صداقت سمجھ رکھا تھا۔

آیت (۸) میں فرمایا۔ یہ لوگ کہتے ہیں، عجیب و غریب قسم کی نشانیاں اس شخص کے لئے کیوں ظاہر نہیں ہوتیں؟ لیکن وہ نہیں جانتے کہ انبیاء کا ظہور عجائب نمائیوں کے لئے نہیں ہوتا۔ ہدایت خلق کے لئے ہوتا ہے۔ جس طرح دنیا کی ہر قوم میں ایک ہدایت کرنے والا انسان پیدا ہو چکا ہے اسی

فَيُصِيبُ بِهَا مَنْ يَّشَآءُ وَهُمْ يُجَادِلُوْنَ فِي اللّٰهِ ۚ وَهُوَ شَدِيْدُ الْمِحَالِ ۝ لَهٗ دَعْوَةُ الْحَقِّ ۭ ۱۳
وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَسْتَجِيْبُوْنَ لَهُمْ بِشَيْءٍ اِلَّا كَبَاسِطِ كَفَّيْهِ اِلَى الْمَاۗءِ لِيَبْلُغَ
فَاهُ وَمَا هُوَ بِبَالِغِهٖ ۭ وَمَا دُعَاۗءُ الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ ۝ وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَ ۱۴
الْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا وَّظِلٰلُهُمْ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ ۝ قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ ۱۵

ہیں۔ وہ بجلیاں گراتا ہے اور جسے چاہتا ہے ان کی زد میں لے آتا ہے لیکن یہ منکر ہیں کہ (اللہ کی قدرت و حکمت کی ان ساری نشانیوں سے آنکھیں بند کئے ہوئے) اس (کی ہستی و یگانگت) کے بارے میں جھگڑ رہے ہیں۔ حالانکہ وہ (اپنی قدرت میں) بڑا ہی سخت اور اٹل ہے! ۱۳

اسی کو پکارنا سچا پکارنا ہے جو لوگ اس کے سوا دوسروں کو پکارتے ہیں، وہ پکارنے والوں کی کچھ نہیں سنتے۔ ان کی مثال ایسی ہے جیسے ایک آدمی (پیاس کی شدت میں) دونوں ہاتھ پانی کی طرف پھیلائے کہ بس (اس طرح کرنے سے) پانی اس کے منہ تک پہنچ جائے گا، حالانکہ وہ اس تک پہنچنے والا نہیں اور (یقین کرو) منکرین حق کی پکار اس کے سوا کچھ نہیں کہ ٹیڑھے ستونوں میں پھنکے پھرنا! ۱۴

اور آسمانوں میں اور زمین میں جو کوئی بھی ہے اللہ ہی کے آگے سجدہ میں گرا ہوا ہے (یعنی اللہ کے احکام۔ قوانین کے آگے جھکے بغیر اسے چارہ نہیں) خوشی سے ہو یا مجبوری سے۔ اور (دیکھو) ان کے سائے صبح و شام (کس طرح گھٹتے بڑھتے اور کبھی ادھر کبھی ۱۵

(۱۴ویں آیت (۵) میں فرمایا کائنات ہستی کی ہر بات یقین دلا رہی ہے کہ یہ کارخانہ تدبیر و حکمت بغیر کسی مصلحت و مقصد کے نہیں ہو سکتا، اور ضروری ہے کہ انسان کی زندگی صرف اتنی ہی نہ ہو کہ پیدا ہوا، کھایا پیا، اور فنا ہو گیا، بلکہ اس کے بعد بھی کچھ نہ کچھ ہونے والا ہو۔ ورنہ تدبیر و مصلحت کا سارا کارخانہ باطل ہو جاتا ہے۔ لیکن اگر اس پر بھی لوگوں کی غفلت کا یہ حال ہے کہ حیات آخرت کی بات ان کی سمجھ میں نہیں آتی، تو اس سے زیادہ کونسی بات عجیب ہو سکتی ہے؟ عجیب بات نہیں ہے کہ مرنے کے بعد پھر انسان پر ایک دوسری زندگی طاری ہو گی، کیونکہ اسکی شہادت تو دنیا کی ہر چیز دے رہی ہے۔ عجیب بات یہ ہے کہ انسان صرف حیات دنیوی پر قانع و مطمئن ہو جائے، اور سمجھ لے اس کی پیدائش سے جو کچھ مقصود تھا، وہ صرف اتنا ہی تھا کہ ایک مرتبہ پیدا ہوا اور کچھ دنوں کھا پی کر مر گیا؟

عقل و بینش کا مقتضا تو یہ تھا کہ اگر کہا جاتا یہ زندگی صرف دنیا ہی کی زندگی ہے تو طبیعتیں کسی طرح مطمئن نہ ہوتیں، اور شک و شبہ میں پڑ جاتیں کہ کیا ایسا ہو ۱۴

لہ پانی کو مٹھی میں ایسا چاہا ہو تو وہ کسی بھی ہوائی چیز کی طرح کبھی مٹھی میں نہیں آئے گا اس لئے عربی میں کہتے ہیں فلاں آدمی قبض علی الماء کی کوشش کرتا ہے یعنی ایسی بات کے درپے ہے جو ہونے والی نہیں۔ اردو میں بھی کہتے ہیں۔ پانی مٹھی میں بند کرنا چاہتا ہے۔ پس یہاں فرمایا۔ جو لوگ سچے سارے ہوئے معبودوں کو پکارتے ہیں۔ ان کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی پیاسا مٹھی میں پانی بند کرنا چاہے، حالانکہ یہ بات ہونے والی نہیں۔ وہ کتنی ہی مرتبہ پانی کو مٹھی میں لے گا پانی ٹلے گا نہیں، اور اس کے لب تشنہ کے تشنہ ہی رہ جائیں گے۔

الْحَقُّ كَمَنْ هُوَ اَعْمٰى ؕ اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۙ﴿۱۹﴾ الَّذِيْنَ يُوْفُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَلَا يَنْقُضُوْنَ
الْمِيْثَاقَ ۙ﴿۲۰﴾ وَالَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَيَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ وَيَخَافُوْنَ
سُوْٓءَ الْحِسَابِ ۙ﴿۲۱﴾ وَالَّذِيْنَ صَبَرُوا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِمْ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْفَقُوْا
مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً وَّيَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عُقْبَى الدَّارِ ۙ﴿۲۲﴾
جَنّٰتُ عَدْنٍ يَّدْخُلُوْنَهَا وَمَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَآئِهِمْ وَاَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَدْخُلُوْنَ

یعنی عمل اس بارے میں خود انسان کا عمل ہے، وہ جیسی حالت چاہے اپنے عمل اور صلاحیت عمل سے حاصل کر لے سکتا ہے۔ اگر ایک قوم بدحال ہے اور وہ اپنے اندر ایسی تبدیلی پیدا کر لیتی ہے جس سے خوش حالی پیدا ہو سکتی ہے، تو خدا کا قانون یہ ہے کہ یہ تبدیلی ہوتے ہی اس کی حالت بدل دے گی اور بدحالی کی جگہ خوش حالی میں آجائیگی اسی طرح خوشحالی سے بدحالی کا تغیر بھی سمجھ لو۔

پھر فرمایا جب ایک قوم نے اپنی عملی صلاحیت کھو دی اور اس طرح تبدیل حالت کی مستحق ہو گئی، تو ضرور ہی ہے کہ اسے برائی پہنچے، یہ برائی کبھی ٹل سکتی نہیں۔ کیونکہ یہ خود خدا کی جانب سے ہوتی ہے یعنی اس کے ٹھہرائے ہوئے قانون کا نفاذ ہوتا ہے، اور خدا کے قانون کا نفاذ کون ہے جو روک سکے، اور کون ہے جو کسی کو اس کی زد سے بچا سکے؟

(۸) لیکن یہ برائی جو پہنچتی ہے، تو کیا اس لئے پہنچتی ہے کہ اس نے برائیوں کا سامان کر دیا ہے؟ آیت ۱۲ میں فرمایا کہ نہیں اس نے تو جو کچھ بھی کیا ہے وہ جزا اچھائی اور خوبی کے اور کچھ نہیں ہے لیکن اچھائی اور خوبی کی بڑی سے بڑی بات بھی تمہاری عاجز اور درماندہ نگاہوں کے لئے خوف و دہشت کی ہولناکی بن جاتی ہے تم اپنی حالت اور اضافت کے لحاظ سے سمجھنے لگتے ہو کہ برائی ہے، اور تمہارے لئے برائی ہو بھی جاتی ہے لیکن اس لئے نہیں کہ وہ فی نفسہٖ برائی ہے بلکہ اس لئے کہ تمہاری حالت اور اضافت کے لحاظ سے برائی ہو گئی:

کفر ہم نسبت بہ خالق حکمت است
چوں بما نسبت کنی، کفر آفت است

یہ مقام تشریح طلب ہے، اور تشریح کے لئے تفسیر فاتحہ کا مبحث "برہان رحمت" دیکھنا چاہئے۔

چنانچہ اس حقیقت کی وضاحت کے لئے ایک ایسی مثال بیان کی جو ہر انسان کے علم و مشاہدہ میں ہمیشہ آتی رہتی

انزی ہے حق ہے اور وہ جو (اس حقیقت کے مشاہدہ سے) اندھا ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ وہی لوگ سمجھتے بوجھتے ہیں جو دانشمند ہیں! ۱۹

یہ وہ لوگ ہیں کہ اللہ کے ساتھ اپنا عہد (عبودیت) پورا کرتے ہیں اپنا قول و قرار توڑنے والے نہیں! ۲۰

یہ وہ لوگ ہیں کہ اللہ نے جن رشتوں کے جوڑنے کا حکم دیا، انہیں جوڑے رکھتے ہیں، اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں، حساب کی سختی کے خیال سے اندیشہ ناک رہتے ہیں! ۲۱

اور یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اللہ سے محبت کرتے ہوئے (ہر طرح کی ناگواریوں اور سختیوں میں) صبر کیا، نماز قائم کی، جو کچھ روزی انہیں دے رکھی ہے اس میں سے خرچ کرتے رہے، پوشیدگی میں بھی اور کھلے طور پر بھی، انہوں نے برائی کے مقابلہ میں برائی نہیں کی جب بھی پیش آئے اچھائی ہی سے پیش آئے، تو بلاشبہ یہی لوگ ہیں کہ ان کے لئے عاقبت کا گھر ہے ہمیشگی کے باغ جن میں وہ خود بھی داخل ہونگے اور ان کے آباؤ اجداد، بیویوں اور اولاد میں سے جو نیک کردار ہونگے) وہ بھی جگہ ۲۲

يُوقِدُونَ عَلَيْهِ فِي النَّارِ ابْتِغَاءَ حِلْيَةٍ أَوْ مَتَاعٍ زَبَدٌ مِّثْلُهُ ۚ كَذَٰلِكَ يَضْرِبُ اللَّهُ الْحَقَّ وَالْبَاطِلَ ۚ فَأَمَّا الزَّبَدُ فَيَذْهَبُ جُفَاءً ۖ وَأَمَّا مَا يَنفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِي الْأَرْضِ ۚ كَذَٰلِكَ يَضْرِبُ اللَّهُ الْأَمْثَالَ ۝ لِلَّذِينَ اسْتَجَابُوا لِرَبِّهِمُ الْحُسْنَىٰ ۖ وَالَّذِينَ لَمْ يَسْتَجِيبُوا لَهُ لَوْ أَنَّ لَهُم مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا وَمِثْلَهُ مَعَهُ لَافْتَدَوْا بِهِ ۚ أُولَٰئِكَ لَهُمْ سُوءُ الْحِسَابِ ۙ وَمَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ ۖ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ۝ أَفَمَن يَعْلَمُ أَنَّمَا أُنزِلَ إِلَيْكَ مِن رَّبِّكَ

ع ۱۷ علیہ السلام
ع ۱۸ النصف

طرح تم بھی ہدایت کے لئے ظاہر ہوئے ہو۔ تمہارا دعویٰ یہ نہیں ہے کہ میں اپنے کو دکھانے کے لئے آیا ہوں۔ دعویٰ یہ ہے کہ ہدایت کی راہ دکھانے آیا ہوں۔ پس لازم ہے حق کو دیکھنا چاہئے کہ تمہاری زندگی تمہاری تعلیم تمہارا طور طریقہ واقعی ہدایت کا ہے یا نہیں ہے؟

یہی بات آگے چل کر آیت (۱۹) میں بھی فرمائی ہے اور وہاں زیادہ وضاحت ہوگئی ہے۔ فرمایا۔ الذین اٰمنوا وتطمئن قلوبھم بذکر اللہ۔ جو ایمان لائے ہیں، وہ تو اس طرح لائے ہیں کہ ذکر الٰہی سے ان کے دلوں کو قرار مل گیا۔ تمام شکوک دور ہوگئے۔ انہیں اسکی ضرورت نہ ہوئی کہ اچنبھوں کی فرمائش کرتے۔

۱۷

پھر آیت ۸ میں فرمایا اللہ کے علم سے کوئی بات اور کوئی حالت پوشیدہ نہیں، اور اس نے ہر بات کے لئے ایک اندازہ مقرر کر دیا ہے۔ اس سے باہر کوئی بات نہیں جا سکتی پس وہ تمہاری نیتوں اور خیالوں سے بے خبر نہیں۔ اس نے ہدایت و شقاوت کے معاملہ کے لئے بھی اندازے ٹھہرائے ہیں۔ جو ہدایت پائیگا اسی کے مطابق پائے گا، جو نہیں پائے گا، اسی کے مطابق نہیں پائے گا۔

کوئی اور چیز بنانے کے لئے (دھاتوں کو) آگ میں تپاتے ہیں۔ حق اور باطل کے معاملہ کی مثال ایسی ہی سمجھو جو اللہ بیان کر دیتا ہے۔ پس (میل کچیل کا) جھاگ (جو کسی کام کا نہ تھا) رائیگاں گیا اور جس چیز میں انسان کے لئے نفع تھا وہ زمین میں رہ گئی۔ اسی طرح اللہ لوگوں کی سمجھ بوجھ کے لئے) مثالیں بیان کر دیتا ہے:

جن لوگوں نے اپنے پروردگار کا حکم قبول کیا تو ان کے لئے سرتاسر خوبی ہے۔ جنہوں نے قبول نہیں کیا، (ان کے تمام اعمال رائیگاں جائینگے وہ نامرادی و بدحالی سے کسی طرح بچ نہیں سکتے) اگر کرۂ ارضی کی تمام دولت ان کے اختیار میں آ جائے اور اسے دوگنا کر دیا جائے، تو یہ لوگ اپنے بدلہ میں ضرور اسے بطور فدیہ کے دیدیں (کہ کسی طرح عذاب نامرادی سے بچاؤ ہو جائے، مگر انہیں ملنے والا نہیں) یہی لوگ ہیں جن کے لئے حساب کی سختی ہے اور ٹھکانا جہنم، اور (جس کا ٹھکانا جہنم ہو تو) کیا ہی بُرا ٹھکانا ہے!

(اے پیغمبر!) کیا ایسا ہو سکتا ہے کہ دونوں آدمی برابر ہو جائیں؟ وہ جو یہ بات جان گیا ہے کہ جو بات تجھ پر تیرے پروردگار کی جانب سے اتری

(۱۷) ہدایت و شقاوت کا یہ اندازہ یعنی مقررہ قانون کیا ہے؟ آیت (۱۱) میں فرمایا عمل اور صلاحیت عمل کا قانون ہے۔ یہی ایک کے بعد ایک آنے والی قوتیں ہیں جو حکم الٰہی سے انسان کی محافظت کرتی ہیں۔ یہ اس کے گزشتہ اعمال ہیں۔ جن سے اس کا حال پیدا ہوتا ہے اور حال کے اعمال ہیں جو اس کا مستقبل بناتے ہیں۔

۱۸

پھر اسی تشریح کرتے ہوئے فرمایا، خدا کسی قوم کی حالت نہیں بدلتا، جب تک کہ وہ خود اپنی حالت نہ بدل ڈالے۔

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَتَطْمَئِنُّ قُلُوْبُهُمْ بِذِكْرِ اللّٰهِ ۗ اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ ۝ ۲۸
الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ طُوْبٰى لَهُمْ وَحُسْنُ مَاٰبٍ ۝ ۲۹
كَذٰلِكَ اَرْسَلْنٰكَ فِيْٓ اُمَّةٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهَآ اُمَمٌ لِّتَتْلُوَا عَلَيْهِمُ الَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَهُمْ يَكْفُرُوْنَ
بِالرَّحْمٰنِ ۗ قُلْ هُوَ رَبِّيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۗ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ مَتَابِ ۝ ۳۰
وَلَوْ اَنَّ قُرْاٰنًا سُيِّرَتْ بِهِ الْجِبَالُ اَوْ قُطِّعَتْ بِهِ الْاَرْضُ

(۹) قرآن کا عام اسلوب بیان یہ ہے کہ توحید ربوبیت و خالقیت سے توحید الوہیت پر استدلال کرتا ہے چنانچہ یہاں بھی آیت ۱۲ سے سلسلۂ بیان اسی طرف پھر گیا ہے۔ فرمایا جو دعوت کی سچی پکار وہی ہے جس کا خطاب اللہ سے ہو۔ جو لوگ اس کے سوا دوسروں کو پکارتے ہیں ان کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص میں پانی بند کرنا چاہے اور اسے اپنے تشنہ لبوں تک لے جانا چاہے۔ معلوم ہے کہ وہ اپنی کوشش میں کبھی کامیاب نہ ہوگا۔ اسکی کوششیں بھٹک بھٹک کر رہ جائیں گی!

آیت ۱۵ میں فرمایا۔ تمام مخلوقات اسی کے آگے چار و ناچار جھکی ہوئی ہے کوئی مانے یا نہ مانے، لیکن ہر آنکھ دیکھ سکتی ہے کہ حقیقت اس کے سوا کچھ نہیں۔ تم جو احکام الٰہی سے سرتابی کرنی چاہتے ہو خود اپنے سائے ہی کو دیکھ لو۔ جو انداز اس باب میں بنا دیا گیا ہے اس سے کبھی وہ باہر نہیں جا سکتا صبح کو جب دھوپ ہو یا شام کو ڈھلتی دھوپ میں اس کا ایک خاص ڈھنگ ہوتا ہے۔ شام کو ڈھلتی دھوپ میں ایک خاص ڈھنگ۔ اگر غور کرو تو قدرت الٰہی کے احکام و قوانین کے آگے ٹھیک اسی طرح تمہاری ہستیاں بھی سجدہ میں ہیں خواہ تمہیں اقرار ہو خواہ انکار۔

(۱۰) آیت ۱، امہات معارف میں سے ہے اور سورت کے تمام مواعظ کے لئے مرکزی موعظت ہے۔ فرمایا۔ یہ جو کچھ بھی ہے "حق" اور "باطل" کی آویزش ہے، لیکن "حق" اور "باطل" کی حقیقت کیا ہے؟ کونسا قانون الٰہی ہے جو اس کے اندر کام کر رہا ہے؟ یہاں واضح کیا ہے کہ یہ "بقاء نفع" کا قانون ہے یعنی اللہ نے کائنات ہستی کے قیام و اصلاح کے لئے یہ قانون ٹھہرا دیا ہے کہ یہاں وہی چیز باقی رہ سکتی ہے جس میں نفع ہو جس میں نفع نہیں وہ ٹھیر نہیں سکتی، اسے نابود ہو جانا ہے

(جو اس کی طرف رجوع ہوئے تو یہ) وہ لوگ (ہیں) کہ ایمان لائے، اور ان کے دل اللہ کے ذکر سے مطمئن ہو گئے اور یاد رکھو یہ اللہ کا ذکر ہی ہے جس سے دلوں کو چین اور قرار ملتا ہے (اور شک و شبہ اور خوف و غم کے سارے کانٹے نکل جاتے ہیں!) ۲۸

جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کئے تو ان کے لئے خوش حالیاں ہیں، اور (بالآخر) بہت اچھا ٹھکانا! ۲۹

اور (اے پیغمبر!) اسی طرح یہ بات ہوئی کہ ہم نے تجھے ایک امت کی طرف بھیجا جس سے پہلے بہت سی امتیں گزر چکی ہیں (اور ان سب میں سچائی کے پیغام پر اپنے اپنے وقتوں میں ظاہر ہو چکے ہیں) اور اس لئے بھیجا کہ جو بات تجھ پر اتاری ہے، وہ ان لوگوں کو پڑھ کر سنا دے اور ان کا حال یہ ہے کہ سرے سے خدائے رحمٰن ہی کے قائل نہیں! ۳۰

تم (ان سے) کہدو وہی میرا پروردگار ہے کوئی معبود نہیں ہے مگر وہی۔ اسی پر میں نے بھروسہ کیا۔ اور اسی کی طرف میں رجوع ہوتا ہوں!

اور (دیکھو) اگر ایسا ہو سکتا کہ کسی قرآن سے پہاڑ چلنے لگتے، یا زمین کی (بڑی بڑی) مسافتیں طے

عَلَيْهِمْ مِّنْ كُلِّ بَابٍ ۝ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ ۝ وَالَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ ۲۳-۲۴
عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ وَيَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَيُفْسِدُوْنَ فِى الْاَرْضِ ۙ
اُولٰٓئِكَ لَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوْٓءُ الدَّارِ ۝ اَللّٰهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ ۚ وَفَرِحُوْا ۲۵
بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۗ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا فِى الْاٰخِرَةِ اِلَّا مَتَاعٌ ۝ وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ ع ۲۶
عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ۭ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ يُضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ اَنَابَ ۝

ہے فرمایا۔ بجلی کا چمکنا مایوسیوں کے لئے پیام امید ہوتا ہے اگر نہ چمکے تو بارانِ رحمت کے ظہور کا پیغام بھی نہ ملے لیکن تمہارے لئے یہ معاملہ خوف و امید کا معاملہ بن گیا۔ بارش کی امید سے خوش ہوتے ہو لیکن ساتھ ہی بجلی کی تیزی سے ڈرنے بھی لگتے ہو، پھر وہی بجلی جو زمین کے لئے زندگیوں کا پیام ہے جب کسی انسان پر گرتی ہے تو اس کے لئے موت کا پیام بن جاتی ہے، اسی طرح بادل کا گرجنا تمہارے لئے سرنا سر دہشت و ہولناکی ہے حالانکہ وہ فی الحقیقت ہولناکی نہیں ہے سراسر خدا کی محمودیت کا اعلان ہے وہ گرج گرج کر اسکی ستائشوں کا اعلان کرتا، اس کی تقدیس و تسبیح میں رطب اللسان ہوتا ہے۔ فرشتے اس کے خوف سے نہیں ڈرتے خدا کے خوف سے ترساں رہتے ہیں مگر تمہارے لئے وہ کائنات جو کی سب سے بڑی ہولناکی ہوگی ہے!

"وھم یجادلون فی اللہ" یعنی اللہ کی قدرت و حکمت کی یہ نشانیاں ہمیشہ انسان کے علم و مشاہدہ میں آتی رہتی ہیں، اس پر بھی اسکی غفلت کا یہ حال ہے کہ اللہ کی ہستی اور اس کی یگانگت کے بارے میں ہمیشہ جھگڑتا رہتا ہے۔ گویا یہ حقیقتیں ثابت نہیں، یہ نشانیاں کبھی ظہور ہی میں نہیں آئیں!۔

۲۳

۲۴

۲۵

۲۶

پائینگے اور (وہاں کی زندگی ایسی ہوگی کہ) ہر دروازہ سے فرشتے انپر آئینگے اور کہینگے "یہ جو تم نے (دنیا کی زندگی میں) صبر کیا، تو اس کی وجہ سے (آج) تم پر سلامتی ہو" پھر کیا ہی اچھا عاقبت کا ٹھکانا ہے جو ان لوگوں کے حصہ میں آیا!

اور جن لوگوں کا حال یہ ہے کہ اللہ کا عہد مضبوط کرنے کے بعد پھر اسے توڑ دیتے ہیں اور جن رشتوں کے جوڑنے کا حکم دیا ہے انہیں قطع کر ڈالتے ہیں اور ملک میں شر و فساد برپا کرتے ہیں تو ایسے ہی لوگ ہیں کہ ان کے لئے لعنت ہے اور ان کے لئے برا ٹھکانا ہے

اللہ جس کی روزی چاہتا ہے فراخ کر دیتا ہے (جس کی چاہتا ہے) تنگ کر دیتا ہے، لوگ دنیا کی (چند روزہ) زندگی (اور اس کے عارضی فوائد) پر شادمانیاں کرتے ہیں۔ حالانکہ دنیا کی زندگی تو آخرت کی زندگی کے مقابلہ میں کچھ بھی نہیں ہے، محض تھوڑا سا برت لینا ہے!

جن لوگوں نے کفر کی راہ اختیار کی ہے، وہ کہتے ہیں "ایسا کیوں نہ ہوا کہ اس شخص پر اس کے پروردگار کی طرف سے کوئی (عجیب و غریب) نشانی اترتی؟" (اے پیغمبر!) تم کہدو۔ اللہ جسے چاہتا ہے (کامیابی و سعادت کی) راہ میں گم کر دیتا ہے، اور جو اس کی طرف رجوع ہوتا ہے تو اسے اپنی طرف بڑھنے کی راہ دکھا دیتا ہے"۔

فَكَيْفَ كَانَ عِقَابِ ۳۲ أَفَمَنْ هُوَ قَائِمٌ عَلَىٰ كُلِّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ ۗ وَجَعَلُوا لِلَّهِ شُرَكَاءَ ۚ قُلْ سَمُّوهُمْ ۚ أَمْ تُنَبِّئُونَهُ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي الْأَرْضِ أَمْ بِظَاهِرٍ مِّنَ الْقَوْلِ ۚ بَلْ زُيِّنَ لِلَّذِينَ كَفَرُوا مَكْرُهُمْ وَصُدُّوا عَنِ السَّبِيلِ ۗ وَمَن يُضْلِلِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِنْ هَادٍ ۳۳ لَّهُمْ عَذَابٌ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ۖ وَلَعَذَابُ الْآخِرَةِ أَشَقُّ ۖ وَمَا لَهُم مِّنَ اللَّهِ مِن وَاقٍ ۳۴ مَّثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِي وُعِدَ

کیونکہ مصلح وہی ہے جو کارخانۂ ہستی کو فطرت میں بناٹ اور کمل ہے، اور تکمیل بھی ہو سکتی ہے جبکہ مرتب نافع اشیاء ہی باقی رکھی جائیں غیر نافع چھانٹ دی جائیں۔

یہی حقیقت ہے جسے قرآن نے جا بجا "قضا بالحق" سے بھی تعبیر کیا ہے یعنی حق کا فیصلہ۔ مزید تشریح کے لئے تفسیر فاتحہ کا مطالعہ کرنا چاہئے۔

پھر آیت ۱۰ میں وضاحت کرتے ہوئے فرمایا۔ اسی قانون کا نتیجہ ہے کہ جو لوگ احکام حق قبول کرتے ہیں ان کے لئے خوبی ہوتی ہے، جو نہیں کرتے ان کے لئے محرومی ہوتی ہے۔ کیونکہ جنہوں نے قبول کیا ان کے اعمال نافع ہو گئے۔ اب نافع عمل مٹ نہیں سکتا جنہوں نے انکار کیا وہ غیر نافع ہو گئے غیر نافع باقی نہیں رہ سکتا۔

(۱۱) آیت ۱۹ میں فرمایا: جسے حق کا علم و عرفان حاصل ہو گیا اور جس نے جان لیا کہ یہ بات سچائی ہے۔ یہ سچائی نہیں کیا اس کا اور اس آدمی کا ایک ہی حکم ہو سکتا ہے۔ جو اندھیری میں ہے اور حق کے مشاہدے سے اندھا ہو رہا ہے (یعنی پہلا تو علم و بصیرت پیش کر رہا ہے دوسرے کے پاس اس کے سوا کچھ نہیں کہ کہتا ہے کہ مجھے دکھائی نہیں دیتا میں بینے کی جگہ علم کی ہوئی دوسرے کی جہل و کوری کی ہوئی۔ دونوں کیسے برابر ہو سکتے ہیں؟ انما یتذکر اولوا الالباب نصیحت پذیر وہی ہو سکتے ہیں جو اصحاب دانش ہیں جنہوں نے دانش و فہم سے منہ موڑ لیا ان سے کوئی توقع نہیں۔

(۱۲) اس کے بعد ان لوگوں کے اعمال گنائے ہیں جنہوں نے احکام حق قبول کئے اور دنیا کے لئے نافع ہو گئے یہ اعمال کیا کیا ہیں؟

(ا) اللہ کی بندگی کا عہد پورا کرتے ہیں اپنی عبودیت میں سچے اور کامل ہیں۔

(ب) اللہ نے جو رشتے جوڑے ہیں، انہیں ظلم و ناانصافی سے توڑتے نہیں، بلکہ ہر رشتہ کا پاس کرتے، اور ہر علاقہ کا حق ادا کرتے ہیں۔ اس عمل میں تمام حقوق العباد آ گئے،

مقررہ قانون کے مطابق) پہلے انہیں ڈھیل دی پھر گرفت کر لیا تو دیکھو ہمارا ٹھہرایا ہوا بدلہ کیسا تھا اور کس طرح ظہور میں آیا؟ ۳۲

پھر جس ہستی کے علم و احاطہ کا یہ حال ہے کہ ہر جان پر نگاہ رکھتی ہے کہ اس نے اپنے عملوں سے کیسی کمائی کی؟ (وہ کیا ان ہستیوں کی طرح سمجھ لی جا سکتی ہے جنہیں ان لوگوں نے معبود بنا رکھا ہے؟) اور انہوں نے اللہ کے لئے شریک ٹھہرا رکھے ہیں (اے پیغمبر) ان سے پوچھ، وہ کون ہے؟ ان کے اوصاف بیان کرو یا پھر تم اللہ کو ایسی بات کی خبر دینی چاہتے ہو جو خود اسے بھی معلوم نہیں کہ زمین میں کہاں ہے؟ یا پھر محض ایک کھوکھلے کی بات ہے جس کی تہ میں کوئی اصلیت نہیں"؟ اصل یہ ہے کہ منکروں کی نگاہوں میں ان کی مکاریاں خوشنما بن گئیں اور راہ حق میں قدم اٹھانے سے رک گئے اور جس پر اللہ کامیابی کی) راہ بند کر دے تو کون ہے جو اسے راہ دکھانے والا ہو سکتا ہے؟ ۳۳

ان کے لئے دنیا کی زندگی میں بھی عذاب ہے اور آخرت میں بھی اور آخرت کا عذاب یقیناً بہت زیادہ سخت ہو گا اور کوئی نہیں جو انہیں اللہ کے عذابوں کی پکڑ سے بچا سکے۔ ۳۴

متقی انسانوں کے لئے جس جنت کا وعدہ کیا گیا ہے

أَوْ كُلِّمَ بِهِ الْمَوْتَىٰ ۗ بَل لِّلَّهِ الْأَمْرُ جَمِيعًا ۗ أَفَلَمْ يَايْئَسِ الَّذِينَ آمَنُوا أَن لَّوْ يَشَاءُ اللَّهُ لَهَدَى النَّاسَ جَمِيعًا ۗ وَلَا يَزَالُ الَّذِينَ كَفَرُوا تُصِيبُهُم بِمَا صَنَعُوا قَارِعَةٌ أَوْ تَحُلُّ قَرِيبًا مِّن دَارِهِمْ حَتَّىٰ يَأْتِيَ وَعْدُ اللَّهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيعَادَ ۝ وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّن قَبْلِكَ فَأَمْلَيْتُ لِلَّذِينَ كَفَرُوا ثُمَّ أَخَذْتُهُمْ ۖ ع ۳۱

اس نازک اور دقیق حقیقت کے لئے کیسی صاف اور عامۃ الورود مثال بیان کردی جس کے معائنہ سے کوئی انسانی نگاہ بھی محروم نہیں ہوسکتی؟ فرمایا جب پانی برستا ہے اور زمین کے لئے شادابی و گل ریزی کا سامان مہیا ہونے لگتا ہے تو تم دیکھتے ہو کہ تمام وادیاں نہروں کی طرح رواں ہوجاتی ہیں لیکن پھر کیا تمام پانی رک جاتا ہے؟ کیا میل کچیل اور کوڑا کرکٹ اپنی اپنی جگہ تھمے رہتے ہیں؟ کیا زمین کی گودان کی حفاظت کرتی رہتی ہے؟ نہیں زمین کو اپنی نشو ونما کے لئے جس قدر پانی کی ضرورت ہوتی ہے وہ جذب کرلیتی ہے، ندی نالوں میں جس قدر سمائی ہوتی ہے اتنا پانی وہ روک لیتے ہیں، باقی پانی جس تیزی کے ساتھ گرا تھا، ویسی ہی تیزی سے بہہ بھی جاتا ہے میل کچیل کوڑا کرکٹ جھاگ بن بن کر سمٹتا اور ابھرتا ہے پھر پانی کی روانی اُسے اس طرح اٹھا کرلے جاتی ہے کہ تھوڑی دیر کے بعد وادی کا ایک ایک گوشہ دیکھ جاؤ۔ کہیں ان کا نام و نشان بھی نہیں ملے گا!

اسی طرح جب چاندی سونا یا اور کسی طرح کی دھات آگ پر تپائے ہوتو کھوٹ الگ ہوجاتا ہے، خالص دھات الگ نکل آتی ہے۔ کھوٹ کے لئے نابود ہوجانا ہے۔ خالص دھات کے لئے باقی رہنا۔

ایسا کیوں ہوتا ہے؟ اس لئے کہ یہاں بقاء النفع کا قانون کام کررہا ہے یہاں باقی رہنا اسی کے لئے ہے جو نافع ہو، جو نافع نہیں وہ چھانٹ دیا جائے گا یہی حقیقت حق اور باطل کی ہے۔ حق وہ بات ہے جس میں نفع ہے پس وہ کبھی مٹنے والی نہیں ٹکنا، ثابت ہونا، باقی رہنا، اس کا قدرتی خاصہ ہے اور "حق" کے معنی ہی قیام و ثبات کے ہیں۔ لیکن "باطل" وہ ہے جو نافع نہیں اس لئے اس کا قدرتی خاصہ یہی ہوا کہ مٹ جائے، محو ہوجائے، ٹل جائے۔ ان الباطل کان زھوقا!

اسی حقیقت کا ایک گوشہ ہے جسے ہم نے "بقاء اصلح" کی شکل میں دیکھا ہے، لیکن قرآن نے "اصلح" نہیں کہا "انفع"

ہوجاتیں، یا مُردے بول اُٹھتے (تو ضرور اس قرآن سے بھی ایسا ہی ہوتا) مگر نہیں، ساری باتوں کا اختیار اللہ ہی کو ہے (اور اس کی یہ سنت نہیں کہ ایسا کرے وہ اپنا کلام ارشاد و ہدایت کے لئے نازل کرتا ہے۔ نہ کہ عجائب آفرینیوں کے لئے) پھر جو لوگ ایمان لائے ہیں کیا وہ (اس بات سے) مایوس نہیں ہوگئے کہ (نہ ماننے والے کبھی ماننے والے نہیں؟ کیا انہوں نے یہ بات نہیں پالی کہ) اگر اللہ چاہتا، تو تمام انسانوں کو (ایک ہی) راہ حق دکھا دیتا؟ (مگر اس نے ایسا نہیں چاہا۔ اس کی حکمت کا فیصلہ یہی ہوا کہ یہاں استعداد و عمل کی آزمائشیں ہوں) اور جن لوگوں نے کفر کی راہ اختیار کی ہے (وہ یوں ماننے والے نہیں) انہیں ان کے کرتوتوں کی پاداش میں کوئی نہ کوئی سخت عقوبت پہنچتی ہی رہے گی، یا ایسا ہوگا کہ ان کے ٹھکانے کے قریب ہی آتا نازل ہوگی یہاں تک کہ وہ وقت آجائے، جب اللہ کا وعدہ ظہور میں آنے والا ہے۔ بلاشبہ (اس کا وعدہ سچا ہے) وہ کبھی وعدہ خلافی نہیں کرتا!

اور (اے پیغمبر!) تجھ سے پہلے بھی ایسا ہی ہوچکا ہے کہ پیغمبروں کی ہنسی اڑائی گئی، اور ہم نے (اپنے

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّن قَبْلِكَ وَجَعَلْنَا لَهُمْ أَزْوَاجًا وَذُرِّيَّةً ۚ وَمَا كَانَ لِرَسُولٍ أَن
يَأْتِيَ بِآيَةٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ ۗ لِكُلِّ أَجَلٍ كِتَابٌ ۝ ۳۸ يَمْحُو اللَّهُ مَا يَشَاءُ وَيُثْبِتُ ۖ وَعِندَهُ أُمُّ
الْكِتَابِ ۝ ۳۹ وَإِن مَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِي نَعِدُهُمْ أَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَإِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلَاغُ وَعَلَيْنَا
الْحِسَابُ ۝ ۴۰ أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّا نَأْتِي الْأَرْضَ نَنقُصُهَا مِنْ أَطْرَافِهَا ۚ وَاللَّهُ يَحْكُمُ لَا مُعَقِّبَ
لِحُكْمِهِ ۚ وَهُوَ سَرِيعُ الْحِسَابِ ۝ ۴۱

اور یہ واقعہ ہے کہ ہم نے تجھ سے پہلے بھی (بے شمار) پیغمبر قوموں میں پیدا کئے اور (وہ تیری ہی طرح انسان تھے) ہم نے انہیں بیویاں بھی دی تھیں اور اولاد بھی اور کسی پیغمبر کے لئے یہ بات نہ ہوئی کہ وہ (خود) کوئی نشانی لا دکھاتا، مگر اسی وقت کہ اللہ کا حکم ہوا ہو۔ ہر وقت کے لئے ایک کتاب ہے۔ ۳۸

اللہ جو بات چاہتا ہے مٹا دیتا ہے، جو چاہتا ہے نقش کر دیتا ہے اور کتاب کی اصل و بنیاد اسی کے پاس ہے۔ ۳۹

اور ہم نے ان لوگوں سے (یعنی کفار مکہ سے ظہور نتائج کے) جو وعدے کئے ہیں (کچھ ضرور نہیں کہ یہ یک قلم سب ظہور میں آجائیں) ہو سکتا ہے کہ ان میں سے بعض باتیں ہم تجھے تیری زندگی ہی میں دکھا دیں ہو سکتا ہے کہ ان سے پہلے تیرا وقت پورا کر دیں۔ بہرحال جو کچھ تیرے ذمہ ہے وہ یہی ہے کہ پیام حق پہنچا دینا۔ ان سے (ان کے کاموں کا) حساب لینا ہمارا کام ہے تیرا کام نہیں۔ ۴۰

پھر کیا یہ لوگ دیکھتے نہیں کہ ہم اس سرزمین کا قصد کر رہے ہیں؟ اسے اطراف سے گھٹاتے ہوئے (اور ظالموں پر عرصۂ حیات تنگ کرتے ہوئے؟) اور اللہ ہے جو فیصلہ کرتا ہے۔ کوئی نہیں جو اس کا فیصلہ ٹال سکے وہ حساب لینے میں بہت تیز ہے! ۴۱

(۱۴) آیت ۳۸ میں فرمایا لکل اجل کتاب اس کا ایک مطلب تو وہ ہے جو ہم نے ترجمہ میں اختیار کیا ہے دوسرا یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ہر بات کے مقررہ وقت کے لئے ایک نوشتہ ہے یعنی طے شدہ میعاد ہے اور وہ اس سے پہلے ظہور میں نہیں آسکتی۔

(۱۵) آیت (۴۰) سے آخر سورت تک، سورت کے تمام مواعظ کا خلاصہ ہے۔ فرمایا تمہارے ذمے جو کچھ ہے وہ تو یہ ہے کہ پیام حق پہنچا دو۔ محاسبہ اللہ کا کام ہے اور وہ حساب لے کر رہے گا۔ ہو سکتا ہے کہ جن جن باتوں کا وعدہ کیا گیا ہے تمہاری زندگی ہی میں ظاہر ہو جائیں۔ ہو سکتا ہے کہ تمہارے بعد ظہور میں آئیں۔ یہ بات کہ ان نتائج و عواقب کا ظہور تمہارے سامنے نہ ہوا، مواعید الٰہی کی صداقت پر کچھ اثر نہیں ڈال سکتی۔

یہ بات مختلف صورتوں میں بار بار کہی گئی ہے معلوم ہوتا ہے اس سے مقصود صرف یہی نہیں تھا کہ مستقبل کی خبر دے دی جائے بلکہ یہ حقیقت بھی واضح کر دی تھی کہ کوئی شخصیت کتنی ہی اہم ہو لیکن پھر شخصیت ہے اور کار و بار حق کا معاملہ اس کی موجودگی و عدم موجودگی پر موقوف نہیں جو کچھ ہونا چاہیے اور جو کچھ ہونے والا ہے بہرحال ہو کر رہے گا۔ خواہ پیغمبر اپنی زندگی میں اس کا ظہور دیکھ لے یا نہ دیکھ سکے۔

پھر غور کرو نتائج کا ظہور بھی ٹھیک اسی طرح ہوا جن باتوں کی خبر دی گئی تھی، ان کا بڑا حصہ تو خود پیغمبر اسلام کی زندگی ہی میں ظاہر ہو گیا، یعنی انہوں نے دنیا چھوڑنے سے پہلے تمام

الْمُتَّقُوْنَ ۭ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۭ اُكُلُهَا دَاۗىِٕمٌ وَّظِلُّهَا ۭ تِلْكَ عُقْبَى الَّذِيْنَ اتَّقَوْا ۠ وَّعُقْبَى الْكٰفِرِيْنَ النَّارُ ۝ وَالَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَفْرَحُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمِنَ الْاَحْزَابِ ۳۵
مَنْ يُّنْكِرُ بَعْضَهٗ ۭ قُلْ اِنَّمَآ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ اللّٰهَ وَلَآ اُشْرِكَ بِهٖ ۭ اِلَيْهِ اَدْعُوْا وَاِلَيْهِ مَاٰبِ ۝ وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ حُكْمًا عَرَبِيًّا ۭ وَلَىِٕنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَاۗءَهُمْ بَعْدَ مَا جَاۗءَكَ مِنَ ۳۶
الْعِلْمِ ۙ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا وَاقٍ ۝ ۳۷ ع

جس طرح پہلی بات میں حقوق اللہ آگئے ہیں۔

(ج) آخرت کی فکر سے بے پرواہ نہیں ہوتے۔ جو کچھ کرتے ہیں اس میں خوف آخرت کی کشمکش موجود ہوتی ہے وہ تمیز رکھتے ہیں کہ کسی کے آگے ایک دن حساب دینا ہے اور حساب کی سختی پیش آنے والی ہے۔

(د) اللہ کی محبت میں ہر طرح کی ناگوار حالتیں صبر و ثبات کے ساتھ جھیل لیتے ہیں۔ شدتوں اور محنتوں سے منہ نہیں موڑتے، آزمائشوں کو پیٹھ نہیں دکھاتے۔

(ہ) نماز اسکی ساری شرطوں کے ساتھ قائم رکھتے ہیں۔

(و) جو کچھ کماتے ہیں اسے صرف اپنے نفس ہی پر خرچ نہیں کرتے۔ دوسروں پر بھی خرچ کرتے ہیں۔ اور ہر حال میں خرچ کرتے ہیں کھلے طور پر بھی۔ پوشیدہ طور پر بھی۔

(ز) بدی کے بدلے بدی کرنا ان کا شیوہ نہیں کوئی ان کے ساتھ کتنی ہی برائی کرے یہ بھلائی ہی سے پیش آتے ہیں

(۱۳) آیت (۳۱) میں یہ حقیقت واضح کی کہ اللہ کی کتاب ہدایت خلق کے لیے نازل ہوتی ہے عجائب آفرینیوں کے لیے نازل نہیں ہوتی۔ اگر کوئی کتاب اس لئے نازل ہوئی ہوتی کہ پہاڑوں کو چلائے اور مردوں سے صدائیں نکال دے تو تم پر بھی ایسی ہی چیز اترتی لیکن نہ ایسا ہوا ہے نہ اب ہوگا۔ اس طرح کی عجائب آفرینیوں کی فرمائش اس بات کی دلیل ہے کہ دلوں میں سچائی کی طلب نہیں۔ اگر طلب ہوتی تو پہاڑوں کے چلنے کا انتظار نہ کرتے، یہ دیکھتے کہ انسانوں کے دلوں کو کس راہ چلاتی ہے اور مردہ جسموں کی جگہ مردہ روحوں کو کس طرح زندہ کر دیتی ہے؟

اس کی مثال ایسی ہے جیسے ایک باغ ہے اور اس کے تلے نہریں رواں ہیں (جن کی آبیاری اسے ہمیشہ سرسبز و شاداب رکھتی ہے) اس کے پھل دائمی ہیں (کبھی ختم ہونے والے نہیں) اس کے درختوں کی چھاؤں بھی ہمیشگی کی (کبھی مٹنے والی نہیں) یہ ہے ان لوگوں کا انجام جنہوں نے تقویٰ کی راہ اختیار کی، اور کافروں کا انجام آگ ہے!

اور (اے پیغمبر!) جن لوگوں کو ہم نے کتاب (ہدایت) دی ہے (یعنی یہود و نصاریٰ) وہ اس بات سے خوش ہوتے ہیں جو تجھ پر اتاری گئی ہے اور ان جماعتوں میں ایسے لوگ بھی ہیں جنہیں اس کی بعض باتوں سے انکار ہے تو تم کہہ دو مجھے تو بس یہی حکم دیا گیا ہے کہ اللہ کی بندگی کروں اور کسی ہستی کو اس کا شریک نہ ٹھہراؤں۔ اسی کی طرف تمہیں بلاتا ہوں اور اسی کی طرف میرا رجوع ہے۔

اور اسی طرح یہ بات ہوئی کہ ہم نے اسے (یعنی قرآن کو) ایک عربی فرمان کی شکل میں اتارا (یعنی عربی زبان میں اتارا) اگر حصول علم کے بعد تو نے ان لوگوں کی خواہشوں کی پیروی کی، تو سمجھ لے کہ پھر اللہ کے مقابلہ میں نہ تو نیز اکوئی کارساز ہوگا نہ بچانے والا!

سُورَۃُ اِبرَاھِیم

مکی ۵۲ - آیات

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

الٓرٰ ۚ كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۙ بِاِذْنِ رَبِّهِمْ اِلٰى صِرَاطِ
الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ ○ اللّٰهِ الَّذِيْ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَوَيْلٌ لِّلْكٰفِرِيْنَ مِنْ عَذَابٍ ۱
شَدِيْدِ ○ الَّذِيْنَ يَسْتَحِبُّوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا عَلَى الْاٰخِرَةِ وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ ۲
يَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ۭ اُولٰۗىِٕكَ فِيْ ضَلٰلٍۢ بَعِيْدٍ ○ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ لِيُبَيِّنَ ۳
لَهُمْ ۭ فَيُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ يَّشَاۗءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ○ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا ۴

---

(۱) اس سورت کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں انبیاء کے ظہور اور اس کے احوال و ظروف اور نتائج کو مجموعی طور پر پیش کیا گیا ہے۔ بیان حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زبانی ہے یعنی اس باب میں ان کی موعظت نقل کی گئی ہے پھر سلسلہ بیان دعوت قرآن کے ظہور پر متوجہ ہو گیا ہے اور واقعہ کی ہے کہ جو سنگ میل گذشتہ منزل کر چکے ہیں وہ ویسے ہی نتائج اب بھی نکلیں گے۔

آخر میں اس حقیقت کی طرف توجہ دلائی ہے کہ دعوت قرآن در اصل دعوت ابراہیمی کی تجدید ہے اور اسی عہد الٰہی کا ظہور ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کیا گیا تھا۔

ایک خاص بات یہ بھی نمایاں ہے کہ خطاب کا رخ زیادہ تر قوم قریش کی طرف ہے جن کے ہاتھ میں ملک کی سیادت و پیشوائی کی باگ تھی۔

(۲) ہدایت روشنی ہے اور ضلالت تاریکی۔ سنت الٰہی یہ ہے کہ جب تاریکی پھیل جاتی ہے تو وہ ہدایت وحی کے ذریعے انسانوں کو تاریکی سے نکالتی اور روشنی میں لاتا ہے۔ چنانچہ قرآن کا ظہور بھی روشنی کا پیام ہے اور ایسا ہی پیام حضرت موسیٰ نے بھی دیا تھا۔

الٓرٰ - لام - را

یہ ایک کتاب ہے جو ہم نے تجھ پر اتاری ہے تاکہ لوگوں کو ان کے پروردگار کے حکم کی تعمیل میں تاریکیوں سے نکالے اور روشنی میں لائے۔ غالب اور ستودہ خدا کی راہ ہے وہ اللہ کہ جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے سب اسی کا ہے (اور سب اسی کے احکام کے آگے جھکے ہوئے ہیں) اور عذاب سخت کی خرابی ہے ان منکروں کے لئے جنہوں نے آخرت چھوڑ کر دنیا کی زندگی پسند کر لی۔ جو اللہ کی راہ سے انسانوں کو روکتے ہیں اور چاہتے ہیں اس میں کجی ڈال دیں یہی لوگ ہیں کہ بڑی گہری گمراہی میں جا پڑے۔

اور ہم نے کوئی پیغمبر دنیا میں نہیں بھیجا مگر اس طرح، کہ اپنی قوم ہی کی زبان میں پیام حق پہنچانے والا تھا تاکہ لوگوں پر مطلب واضح کر دے پس اللہ جس پر چاہتا ہے (کامیابی کی) راہ گم کر دیتا ہے، جس پر چاہتا ہے کھول دیتا ہے وہ غالب ہے حکمت والا!

اور دیکھو! یہ واقعہ ہے کہ ہم نے اپنی نشانیوں کے ساتھ موسیٰ کو بھیجا تھا کہ اپنی قوم کو تاریکیوں

وَقَدْ مَكَرَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلِلَّهِ الْمَكْرُ جَمِيعًا ۖ يَعْلَمُ مَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ ۗ وَسَيَعْلَمُ
الْكُفَّارُ لِمَنْ عُقْبَى الدَّارِ ۝ وَيَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَسْتَ مُرْسَلًا ۚ قُلْ كَفَىٰ بِاللَّهِ شَهِيدًا
بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ ۙ وَمَنْ عِنْدَهُ عِلْمُ الْكِتَابِ ۝

۴۲
ع ۴۳

جزیرہ عرب کو حلقہ بگوشِ اسلام پایا۔ البتہ بعض باتوں کا ظہور آپ کے بعد ہوا۔ مثلاً منافقوں کا استیصال، بیرونی فتوحات کا حصول، اور خلافت ارضی کے وعدہ کی تکمیل۔

آیت (۴۱) میں خبر دی گئی ہے کہ وہ سریع الحساب ہے، اس لئے ظہور نتائج کیلئے وقت دور نہیں۔ نیز یہ کہ دعوتِ حق کی فتحمندی اس طرح ظہور میں آئے گی کہ بہ تدریج مکہ کے اطراف وجوانب قریش مکہ کے تسلط سے نکلتے جائیں گے، اور بالآخر مکہ بھی فتح ہو جائے گا۔

۴۲

آخری آیت میں واضح کر دیا کہ حق و باطل کی موجودہ آویزش کا نقطۂ نزاع کیا ہے؟ فرمایا مدعا دعویٰ ہے کہ اللہ کی طرف سے بھیجے ہوئے ہو، منکر کہتے ہیں، نہیں، تم بھیجے ہوئے نہیں۔ اب قانون قضا بالحق کے مطابق فیصلہ اللہ کے ہاتھ ہے، اور اسکی شہادت بس کرتی ہے۔

۴۳

اللہ کی شہادت سے مقصود بھی قضا بالحق اور بقاء النفع کے قانون کا نفاذ ہے جو ظاہر ہو کر تبلا دیتا ہے کہ حق کس کے ساتھ تھا اور باطل کا کون پرستار تھا۔ مزید تشریح کے لئے تفسیر سورۂ فاتحہ کا مطالعہ کرو۔

اور جو لوگ ان سے پہلے گزر چکے ہیں انہوں نے بھی (دعوتِ حق کے مقابلہ میں) مخفی تدبیریں کی تھیں، سو (یاد رکھو) ہر طرح کی تدبیریں اللہ ہی کے لئے ہیں۔ وہ جانتا ہے کہ ہر انسان کیا کمائی کر رہا ہے۔ اور وہ وقت دور نہیں کہ کافروں کو معلوم ہو جائے گا، کس کا انجام بہ خیر ہونے والا ہے!

اے پیغمبر! منکرین حق کہتے ہیں۔ تو خدا کا بھیجا ہوا نہیں۔ تو کہدے میرے اور تمہارے درمیان اللہ کی گواہی بس کرتی ہے، اور اس کی جس کے پاس کتاب کا علم ہے!

وَقَالَ مُوسٰٓى اِنْ تَكْفُرُوْٓا اَنْتُمْ وَمَنْ فِى الْاَرْضِ جَمِيْعًا ۙ فَاِنَّ اللّٰهَ لَغَنِىٌّ حَمِيْدٌ ۝ اَلَمْ يَاْتِكُمْ
نَبَؤُا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ قَوْمِ نُوْحٍ وَّعَادٍ وَّثَمُوْدَ ۛ وَالَّذِيْنَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ ۛ لَا يَعْلَمُهُمْ اِلَّا
اللّٰهُ ۭ جَاۗءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَرَدُّوْٓا اَيْدِيَهُمْ فِيْٓ اَفْوَاهِهِمْ وَقَالُوْٓا اِنَّا كَفَرْنَا بِمَآ
اُرْسِلْتُمْ بِهٖ وَاِنَّا لَفِيْ شَكٍّ مِّمَّا تَدْعُوْنَنَآ اِلَيْهِ مُرِيْبٍ ۝ قَالَتْ رُسُلُهُمْ اَفِي اللّٰهِ شَكٌّ
فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ يَدْعُوْكُمْ لِيَغْفِرَ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ وَيُؤَخِّرَكُمْ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ۭ
قَالُوْٓا اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ۭ تُرِيْدُوْنَ اَنْ تَصُدُّوْنَا عَمَّا كَانَ يَعْبُدُ اٰبَاۗؤُنَا فَاْتُوْنَا
بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ۝ قَالَتْ لَهُمْ رُسُلُهُمْ اِنْ نَّحْنُ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ

گزنمار ہو جاتی ہے اور یہ اللہ کا سخت عذاب ہے، جو کسی انسانی گروہ کے حصے میں آتا ہے۔

غور کرو حقیقت حال کی کتنی سچی تعبیر ہے، جو فرد یا جو گروہ خدا کی بخشی ہوئی نعمتوں کی قدر کرتا ہے۔ مثلاً خدا نے اسے فہمندی و کامرانی عطا فرمائی ہے، وہ اس نعمت کو پہچانتا ہے، ٹھیک طریقہ پر کام میں لاتا اور اس کے بخشنے والے سے غافل نہیں ہوتا وہ اور زیادہ نعمتوں کے حصول کا مستحق ہو جاتا ہے یا نہیں؟ جو ایسا نہیں کرتا، کیا اس کی نامرادی و تباہی میں کوئی شک ہو سکتا ہے؟

سخت عذاب ہے!"

اور موسیٰ نے کہا "اگر تم اور وہ سب جو زمین میں بستے ہیں کفرانِ نعمت کریں، تو اللہ کو اس کی کیا پروا ہو سکتی ہے؟ اللہ کی ذات تو بے نیاز اور ستودہ ہے (لیکن محرومی و ہلاکت خود تمہارے لئے ہو گی)"

پھر کیا تم تک ان لوگوں کی خبر نہیں پہنچی جو تم سے پہلے گذر چکے ہیں؟ قوم نوح، قوم عاد، قوم ثمود اور وہ قومیں جو ان کے بعد ہوئیں، اور جن کا حال اللہ ہی کو معلوم ہے؟ ان تمام قوموں کے پاس ان کے رسول روشن دلیلوں کے ساتھ آئے تھے، لیکن انہوں نے ان کی باتیں انہی پر لوٹا دیں اور کان دھرنے سے انکار کر دیا۔ انہوں نے کہا جو بات لے کر تم آئے ہو، ہمیں اس سے انکار ہے، اور جس بات کی طرف تم بلاتے ہو ہمیں اس پر یقین نہیں ہم شک و شبہ میں پڑ گئے ہیں"۔

ان کے رسولوں نے کہا "کیا تمہیں اللہ کے بارے میں شک ہے؟ وہ اللہ کہ آسمان و زمین کا بنانے والا ہے؟ وہ تمہیں بلا رہا ہے کہ تمہارے گناہ بخشے، اور ایک مقررہ وقت تک (زندگی و کامرانی کی) مہلتیں دے"۔

اس پر قوموں نے کہا "تم اس کے سوا کیا ہو کہ ہماری ہی طرح کے ایک آدمی ہو۔ اور پھر چاہتے ہو جن معبودوں کو ہمارے باپ دادا پوجتے آئے ہیں ان کی پوجا کرنے سے ہمیں روک دو۔ اچھا۔ (اگر ایسا ہی ہے تو) کوئی واضح دلیل پیش کرو"

ان کے رسولوں نے جواب میں کہا "ہاں ہم اس کے سوا کچھ نہیں ہیں کہ تمہاری ہی طرح آدمی ہیں،

مُوْسٰی بِاٰیٰتِنَآ اَنْ اَخْرِجْ قَوْمَكَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۙ وَ ذَكِّرْهُمْ بِاَيّٰىمِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ فِیْ
ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ۝ وَ اِذْ قَالَ مُوْسٰی لِقَوْمِهِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ ۵
اِذْ اَنْجٰىكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ ۚ وَ يُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ وَ يَسْتَحْيُوْنَ
نِسَآءَكُمْ ؕ وَ فِیْ ذٰلِكُمْ بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ ۝ وَ اِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكُمْ لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ ع ۱ ۶ ۱۲ ۷
وَ لَئِنْ كَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِیْ لَشَدِيْدٌ ۝

(۴۱) سورۂ ہود کے آخری نوٹ میں یہ بات واضح کی جا چکی ہے کہ کیوں گذشتہ اقوام کے وقائع و ایام کو "ایام اللہ" سے تعبیر کیا گیا ہے۔ یہاں فرمایا کہ حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کو وحی الٰہی سے ایسا ہوا تھا کہ اپنی قوم کو "ایام اللہ" کی عبرتیں اور بصیرتیں یاد دلائیں۔ کیونکہ ان میں صبر و شکر کرنے والوں کے لئے فتح و کامرانی کی بڑی بڑی نشانیاں پوشیدہ ہیں۔ ۵

بنی اسرائیل مصر میں عرصہ تک مظلومی و مقہوری کی زندگی بسر کر چکے تھے۔ اس لئے لیقینوں میں مایوسی و بے ہمتی سرایت کر گئی تھی۔ مستقبل کے فتح و اقبال کی بشارتیں سنتے مگر اپنے دل میں عزم و ثبات کے ولولے نہیں پاتے تھے۔ پس حضرت موسیٰ کو حکم ہوا کہ انہیں "ایام اللہ" کے تذکرے سناؤ۔ ان تذکروں میں قوانین حق کی بڑی بڑی نشانیاں ہیں یعنی بڑی بڑی دلیلیں ہیں یہ دلیلیں واضح کر دیں گی کہ جو لوگ مصائب محن کے مقابلہ میں ہمت نہیں ہارتے۔ سچائی کی راہ میں جمے رہتے ہیں اور سعی و عمل سے گھبراتے نہیں ان کی کامیابی قطعی اور اٹل ہوتی ہے اور ہمیشہ ایسے ہی لوگ فتح و مراد سے ہم آغوش ہوئے ہیں!

یہی وجہ ہے کہ آیت (۵) میں فرمایا۔ اس تذکرہ میں صبر شکر کرنے والوں کے لئے نشانیاں ہیں۔

(۴۲) صبر کے معنی یہ ہیں کہ مشکلوں مصیبتوں کے مقابلہ میں جمے رہنا۔ "شکر" کے معنی یہ ہیں کہ اللہ کی بخشی ہوئی قوتوں کی قدر کرنا، انہیں ٹھیک ٹھیک کام میں لانا ۶

آیت (۷) میں فرمایا خدا کا یہ مقررہ قانون ہے کہ جو قوم شکر کرتی ہے یعنی خدا کی بخشی ہوئی نعمتوں کی قدر بجا لاتی ہے اور انہیں ٹھیک طور پر کام میں لاتی ہے خدا اُسے اور زیادہ بخشیں عطا فرماتا ہے۔ لیکن جو کفرانِ نعمت کرتی ہے یعنی قدر شناسی نہیں کرتی، وہ محرومی و نامرادی کے عذاب میں

سے نکالے اور روشنی میں لائے نیز یہ اللہ کے (فیصلہ کن) واقعات کا تذکرہ کر کے وعظ و نصیحت کرے کیونکہ ہر اس انسان کے لئے جو صبر و شکر کرنے والا ہے اس تذکرہ میں (عبرت و موعظت کی) بڑی ہی نشانیاں ہیں!

اور پھر جب ایسا ہوا تھا کہ موسیٰ نے اپنی قوم کو وعظ و نصیحت کرتے ہوئے) کہا تھا: "اللہ نے تم پر جو احسان کئے ہیں انہیں نہ بھولو۔ اس نے تمہیں خاندانِ فرعون کی غلامی سے نجات دی (اور یہ اس کا کتنا بڑا احسان ہے؟) وہ تمہیں کیسے جانکاہ عذابوں میں ڈالتے تھے؟ تمہارے بیٹوں کو ذبح کر ڈالتے (تاکہ تمہاری تعداد بڑھنے نہ پائے) تمہاری لڑکیوں کو زندہ چھوڑ دیتے۔ (کہ ان کی باندیاں بن کر زندگی بسر کریں) دیکھو اس صورت حال میں تمہارے پروردگار کی طرف سے تمہارے لئے کیسی سخت آزمائش تھی؟"

"اور کیا وہ وقت بھول گئے جب تمہارے پروردگار نے (اپنے اس قانون کا) اعلان کیا تھا، اگر تم نے شکر کیا، تو میں تمہیں اور زیادہ نعمتیں بخشوں گا، اور اگر ناشکری کی تو پھر یاد رکھو میرا عذاب بھی بڑا

مِّن وَّرَآئِهٖ جَهَنَّمُ وَيُسْقٰى مِنْ مَّآءٍ صَدِيْدٍ ۝ يَّتَجَرَّعُهٗ وَلَا يَكَادُ يُسِيْغُهٗ وَيَاْتِيْهِ الْمَوْتُ ۱۶
مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَّمَا هُوَ بِمَيِّتٍ ۚ وَمِنْ وَّرَآئِهٖ عَذَابٌ غَلِيْظٌ ۝ مَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ ۱۷
اَعْمَالُهُمْ كَرَمَادِ ِۨاشْتَدَّتْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ يَوْمٍ عَاصِفٍ ۖ لَا يَقْدِرُوْنَ مِمَّا كَسَبُوْا عَلٰى
شَيْءٍ ۚ ذٰلِكَ هُوَ الضَّلٰلُ الْبَعِيْدُ ۝ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ۚ اِنْ يَّشَاْ ۱۸
يُذْهِبْكُمْ وَيَاْتِ بِخَلْقٍ جَدِيْدٍ ۝ وَّمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ ۝ وَبَرَزُوْا لِلّٰهِ جَمِيْعًا فَقَالَ ۲۰-۱۹

سرکش ضدی (جس نے حق کا مقابلہ کیا تھا) نامراد ہوا۔ اس کے پیچھے دوزخ ہے (یعنی دنیا کی نامرادی کے بعد آخرت کی نامرادی پیش آنیوالی ہے) وہاں خون اور پیپ کا پانی پلایا جائے گا۔ ۱۶
وہ ایک ایک گھونٹ کر کے منہ میں لے گا اور گلے سے اتار نہ سکے گا۔ ہر طرف سے اس پر موت آئے گی مگر مرے گا نہیں۔ اس کے پیچھے ایک سخت عذاب لگا ہوا ہے! ۱۷
جن لوگوں نے اپنے پروردگار کا انکار کیا، توان کے اعمال کی مثال ایسی ہے جیسے راکھ کا ڈھیر کہ آندھی کے دن ہوا لے اڑے، جو کچھ انہوں نے (اپنے اعمال کے ذریعہ) کمایا ہے اس میں سے کچھ بھی ان کے ہاتھ نہ آئے گا۔ یہی گمراہی کی حالت ہے جو بڑی ہی گہری گمراہی ہے! ۱۸
کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ نے آسمانوں کو اور زمین کو ایک فعل عبث کی طرح نہیں بنا دیا ہے کسی مصلحت سے بنایا ہے اگر وہ چاہے تو تم سب کو ہٹا دے اور ایک نئی پیدائش نمودار کر دے۔ ایسا کرنا اس پر کچھ دشوار نہیں! ۱۹-۲۰
اور دیکھو قیامت کے دن، سب لوگ اللہ کے روبرو حاضر ہو گئے۔ پس ناتوانوں نے سرکشوں سے کہا ہم (دنیا میں) تمہارے پیچھے چلنے والے تھے،

کی قومیں تھیں جن کا شمار اللہ ہی کو معلوم ہے تم ان کا احاطہ نہیں کر سکتے۔

(۷) آیت (۱۰) پر غور کرو۔ قوموں کا ہمیشہ یہی جواب رہا کہ ہمیں تمہاری دعوت کی سچائی میں شک ہے ہم نہیں مانتے لیکن پیغمبروں کی پکار بھی یہی رہی کہ افی اللہ شک فاطر السمٰوٰت والارض؟ کس بارے میں تمہیں شک ہو رہا ہے؟ اللہ کے بارے میں جو آسمان و زمین کا بنانے والا ہے؟ یعنی اس ہستی کے بارے میں جس کا اعتقاد تمہاری فطرت کے خمیر میں موجود ہے اور تمہارے دل کا ایک ایک ذرہ کہہ رہا ہے کہ ایک فاطر السمٰوٰت والارض ہستی موجود ہے؟ دنیا کی ہر بات میں تم شک کر سکتے ہو لیکن اس بارے میں تم شک نہیں کر سکتے تم کیونکر جرأت کر سکتے ہو کہ اپنے دل کے یقین سے انکار کر دو؟ اپنی روح کے اعتقاد سے منکر ہو جاؤ۔ خود اپنی نسبت شک کرنے لگو؟

یہ قرآن کی بے مثال بلاغت ہے کہ صرف ایک چھوٹے سے جملے اور استفہام تقریری میں وہ سب کچھ بیان کر دیا، جو زیادہ سے زیادہ اس بارے میں کہا جا سکتا ہے، اور جو استدلال کی انتہا، اثبات کی تکمیل اور سارے برہانوں اور حجتوں کا جامع و مانع خلاصہ ہے یعنی افی اللہ شک فاطر السمٰوٰت و الارض؟ (تفصیل کے لئے دیکھو تفسیر سورہ فاتحہ)

(۸) آیت ۱۲ میں پیغمبروں کا قول نقل کیا ہے کہ وما لنا الا نتوکل علی اللہ وقد ھدانا سبلنا؟ اس آیت میں "ہدایت" اور "سبیل" سے مقصود ہدایت وحی اور سبیل دین نہیں ہے جیسا کہ مفسروں اور مترجموں نے سمجھا ہے بلکہ ہدایت ربوبیت کلام یعنی ہے اور اسی میں اسلوب خطاب کا استدلال پوشیدہ

وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَمُنُّ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۚ وَمَا كَانَ لَنَآ اَنْ نَّاْتِيَكُمْ بِسُلْطٰنٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ
وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝ ۱۱ وَمَا لَنَآ اَلَّا نَتَوَكَّلَ عَلَى اللّٰهِ وَقَدْ هَدٰىنَا سُبُلَنَا ۚ وَ
لَنَصْبِرَنَّ عَلٰى مَآ اٰذَيْتُمُوْنَا ۚ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ ۝ ۱۲ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا
لِرُسُلِهِمْ لَنُخْرِجَنَّكُمْ مِّنْ اَرْضِنَآ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِيْ مِلَّتِنَا ۚ فَاَوْحٰٓى اِلَيْهِمْ رَبُّهُمْ لَنُهْلِكَنَّ
الظّٰلِمِيْنَ ۝ ۱۳ وَلَنُسْكِنَنَّكُمُ الْاَرْضَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ ۚ ذٰلِكَ لِمَنْ خَافَ مَقَامِيْ وَخَافَ
وَعِيْدِ ۝ ۱۴ وَاسْتَفْتَحُوْا وَخَابَ كُلُّ جَبَّارٍ عَنِيْدٍ ۝ ۱۵

لیکن اللہ جس بندہ کو چاہتا ہے اپنے فضل و احسان کے لئے چن لیتا ہے۔ اور یہ بات ہمارے اختیار میں نہیں کہ تمہیں کوئی سند لا دکھائیں مگر ہاں یہ اللہ کے حکم سے ہو اور اللہ ہی ہے جس پر ایمان رکھنے والوں کا بھروسہ رہے!

اور ہمیں کیا ہو گیا ہے کہ اللہ پر بھروسہ نہ کریں؟ حالانکہ اسی نے ہماری (زندگی و معیشت کی) راہوں میں ہماری رہنمائی کی ہے ہم ان ایذاؤں پر صبر کریں گے جو تم ہمیں دے رہے ہو بس اللہ ہی ہے جس پر بھروسہ کرنے والوں کو بھروسہ کرنا چاہیے!

اور منکروں نے اپنے رسولوں سے کہا، ہم تمہیں اپنے ملک سے ضرور نکال باہر کریں گے یا پھر تم ہمارے مذہب میں لوٹ آؤ۔"

(جب معاملہ یہاں تک پہنچ گیا) تو ہم نے رسولوں پر وحی بھیجی: "اب ایسا ضرور ہو گا کہ ہم ان ظالموں کو ہلاک کر ڈالیں اور ان کے بعد تمہیں اس سرزمین میں جگہ دیں" یہ ہے نتیجہ اس کے لئے جو ہماری (حکومت و عدالت کی) جگہ سے ڈرا۔ نیز (باداشِ عمل کی) تنبیہ سے!

غرضکہ پیغمبروں نے فتح مندی طلب کی اور ہر

(۵۱) سورہ ہود کے آخری نوٹ میں ایام و وقائع کا بحث گذر چکا ہے۔ اسے پیش نظر رکھئے اور دیکھئے یہاں تمام ایام و وقائع کے بھولی نتائج و سنن کس طرح بیان کئے جاتے ہیں، اور کس طرح ان کے جزئیات کو ایک کلی حقیقت کی صورت میں پیش کیا جا رہا ہے۔ سبھی سب کا طرز ایک ہی طرح ہوا تھا سب کے ساتھ ان کی قوموں نے ایک ہی طرح کا سلوک کیا تھا، سب کی دعوت ایک ہی تھی، سب کو جوابات ایک ہی طرح کے ملے تھے، اور پھر نتیجہ بھی ہر واقعہ میں ایک ہی طرح کا نکلا۔ ہر رسول اور اس کے ساتھی کامیاب ہوئے، ہر سرکش اور مقابل ناکام و نامراد ہوا۔

قرآن کے یہی مقامات ہیں جنہوں نے ایام و وقائع کے سنن و بصائر صاف صاف واضح کر دئے ہیں اور اس باب میں ہم نے جو مبادی و اصول مرتب کئے ہیں، وہ تمام تر انہی تصریحات سے ماخوذ ہیں۔

(۶) حضرت موسیٰ (علیہ السلام) نے فرمایا۔ کیا پچھلی قوموں کے ایام و وقائع تم تک نہیں پہنچے؟ یعنی تم نہیں سن چکے ہو؟ پھر تین قوموں کا ذکر کیا جن کے حالات سے نہ تو بنی اسرائیل بے خبر تھے نہ معرکے باشندے بے خبر ہو سکتے تھے جہاں ان کی نشو و نما ہوئی تھی۔ بقیہ قوموں کا حال چونکہ اسی درجہ مشہور نہ تھا، اس لئے صرف اشارہ کر کے چھوڑ دیا۔

والذین من بعدھم لا یعلمھم الا اللہ۔ لا یعلمھم الا اللہ میں یہ پہلو بھی موجود ہے کہ بہت

الظّٰلِمِیْنَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ۝ وَاُدْخِلَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ ۲۳
مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ تَحِیَّتُهُمْ فِیْهَا سَلٰمٌ ۝ اَلَمْ تَرَ كَیْفَ ضَرَبَ ۲۴
اللّٰهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَیِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَیِّبَةٍ اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّفَرْعُهَا فِی السَّمَآءِ ۝ تُؤْتِیْۤ اُكُلَهَا
كُلَّ حِیْنٍ بِاِذْنِ رَبِّهَا ؕ وَیَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ یَتَذَكَّرُوْنَ ۝ وَمَثَلُ ۲۵
كَلِمَةٍ خَبِیْثَةٍ كَشَجَرَةٍ خَبِیْثَةِ ِۨاجْتُثَّتْ مِنْ فَوْقِ الْاَرْضِ مَا لَهَا مِنْ قَرَارٍ ۝ یُثَبِّتُ اللّٰهُ ۲۶
الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَفِی الْاٰخِرَةِ ۚ وَیُضِلُّ اللّٰهُ الظّٰلِمِیْنَ ۙ

نیک کام کئے تھے، وہ (نعیم ابدی کے) باغوں میں داخل ہوگئے، ان کے تلے نہریں بہہ رہی ہیں، اپنے
پروردگار کے حکم سے ہمیشہ انہی میں رہینگے (ان کی
راحتوں کے لئے کبھی زوال نہیں) وہاں ان کے
لئے (ہر طرف سے) دعاؤں کی پکار یہی ہے کہ "تم پر ۲۳
سلامتی ہو!"
کیا تم نے غور نہیں کیا کہ اللہ نے کس طرح ایک
مثال بیان کی؟ ایک اچھی بات کی مثال ایسی ہے
جیسے ایک اچھا درخت۔ جڑ اس کی جمی ہوئی اور
ٹہنیاں آسمان میں پھیلی ہوئیں۔ اپنے پروردگار ۲۴
کے حکم سے ہر وقت پھل پیدا کرتا رہتا ہے (اس کی
ٹہنیاں کبھی بغیر پھل کے نہیں رہ سکتیں) اللہ
لوگوں کے لئے مثالیں بیان کرتا ہے تاکہ وہ سوچیں
سمجھیں! ۲۵
اور نکمی بات کی مثال کیا ہے؟ جیسے ایک
نکما درخت۔ زمین کی سطح پر اس کی جڑ ٹھوکھلی جب
چاہا اکھاڑ پھینکا۔ اس کے لئے جماؤ نہیں۔ ۲۶
اللہ ایمان والوں کو جمنے اور مضبوط رہنے والی بات کے ذریعہ جماؤ اور مضبوطی دیتا ہے۔ دنیا کی
زندگی میں بھی اور آخرت کی زندگی میں بھی۔ اور
نافرمانوں پر (جماؤ اور مضبوطی کی) راہ گم کر دیتا ہے

(۱۰) آیت (۲۱) میں جماعتوں کی گمراہی کی ایک سب سے بڑی علت کی طرف اشارہ کیا ہے، یعنی اپنے گمراہ سرداروں، امیروں، بادشاہوں، اور پیشواؤں کی اندھی تقلید و اطاعت کرنا، اور خود اپنی عقل و بصیرت سے کام نہ لینا۔ فرمایا۔ کیا تمہارے یہ پیشوا تمہیں نتائج اعمال کی گرفت سے بچا سکتے ہیں؟ قیامت کے دن جماعتوں کے کمزور افراد یعنی عوام اپنے اپنے پیشواؤں اور سرداروں سے کہیں گے، دنیا میں ہم نے تمہاری پیروی کی تھی آج عذاب الٰہی کی پکڑ سے ہمارا بچاؤ کر دو۔ وہ کہیں گے ہم خود اپنے کو نہیں بچا سکتے ہمیں کس طرح بچائیں؟
آیت میں قریش مکہ کی طرف اشارہ ہے جو قوم کے سردار و پیشوا تھے، اور نہ صرف قبائل حجاز بلکہ تمام باشندگان عرب ان کے طور پر طریقہ کی پیروی کرتے تھے جب انہوں نے دعوت اسلام کی مخالفت میں قدم اٹھایا۔ تو تمام قبائل عرب نے ان کی پیروی کی۔

(۱۱) قرآن نے ہر جگہ ایمان کی خصوصیت یہ بتلائی ہے کہ سرتاسر سلامتی ہے۔ اور کفر کی پہچان یہ بتلائی ہے کہ سرتاسر اضطراب و محرومی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جنت کی زندگی کے مرقع میں بھی سب سے زیادہ نمایاں بات یہی نظر آتی ہے، وہ سلامتی کی زندگی ہوگی، اور وہاں ہر طرف سے سلامتی ہی کی پکاریں سنائی دیں گی!

(۱۲) آیت (۲۴) قرآن کے مہمات معارف میں سے ہے لیکن افسوس ہے ہمارے مفسروں کو اس کی مہلت نہ ملی کہ

الضُّعَفٰٓؤُا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا كُنَّا لَكُمْ تَبَعًا فَهَلْ اَنْتُمْ مُّغْنُوْنَ عَنَّا مِنْ عَذَابِ اللّٰهِ
مِنْ شَيْءٍ ۭ قَالُوْا لَوْ هَدٰىنَا اللّٰهُ لَهَدَيْنٰكُمْ ۭ سَوَاۗءٌ عَلَيْنَآ اَجَزِعْنَآ اَمْ صَبَرْنَا مَا لَنَا مِنْ مَّحِيْصٍ ۝ وَ ۳ ع ۲۱ ۱۵
قَالَ الشَّيْطٰنُ لَمَّا قُضِيَ الْاَمْرُ اِنَّ اللّٰهَ وَعَدَكُمْ وَعْدَ الْحَقِّ وَوَعَدْتُّكُمْ فَاَخْلَفْتُكُمْ ۭ وَمَا كَانَ
لِيَ عَلَيْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ اِلَّآ اَنْ دَعَوْتُكُمْ فَاسْتَجَبْتُمْ لِيْ ۚ فَلَا تَلُوْمُوْنِيْ وَلُوْمُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ۭ
مَآ اَنَا بِمُصْرِخِكُمْ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُصْرِخِيَّ ۭ اِنِّىْ كَفَرْتُ بِمَآ اَشْرَكْتُمُوْنِ مِنْ قَبْلُ ۭ اِنَّ

ہے یعنی ہم تمہارے ظلم و تشدد سے کیوں ہراساں ہوں، کیا ہم اللہ کی تائید و نصرت پر بھروسہ نہ کریں؟ جس ہستی نے زندگی و معیشت کی تمام راہوں میں ہماری رہنمائی کا سامان کر دیا ہے، کیا حق و باطل کی اس آویزش میں ہم پر راہ نجات نہ کھولے گی؟ یہی وجہ ہے کہ اس کے بعد کہا ولنصبرن علی ما اٰذیتمونا ہم ضرور صبر کریں گے، اور ضرور ایسا ہوگا کہ صبر کا نتیجہ ہمارے حصہ میں آئے۔

اگر بیان ہدایت کو "ہدایت وحی" سمجھا جائے تو خطاب کا سارا زور اور استدلال مفقود ہو جاتا ہے۔ ۲۱

(۹۱) آیت ۱۸ پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کا وعظ اور ایام اللہ کا تذکرہ ختم ہو گیا۔ آیت (۱۹) سے نیا خطاب شروع ہوتا ہے۔ البتہ یہ خطاب بھی پچھلے بیان ہی کا تتمہ ہے۔ فرمایا۔ کیا تم تخلیق بالحق کی حقیقت پر غور نہیں کرتے؟ یعنی اس بات پر غور نہیں کرتے کہ کائنات ہستی کی ہر چیز اس طرح واقع ہوئی ہے کہ صاف نظر آتا ہے کہ یہ سب کچھ کسی خاص مصلحت و مقصد سے بنایا گیا ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ بغیر کسی سوچے ہوئے مقصد اور ٹھہرائی ہوئی مصلحت کے ویسے ہی ظہور میں آ گیا ہو۔ پھر اگر تم دیکھ رہے ہو کہ آسمان و زمین کی ہر چیز کسی مصلحت کے ساتھ بنائی گئی ہے تو کیونکر ممکن ہے کہ خود تمہاری ہستی کی پیدائش میں کوئی خاص مصلحت پوشیدہ نہ ہو، اور کرۂ ارضی کی یہ سب سے بڑی اور اشرف مخلوق محض بیکار و عبث بنا دی گئی ہو۔

اگر وہ چاہے تو تمہیں چھانٹ دے اور ایک نئی قوم کی تخلیق کا سامان کر دے، کیونکہ اس کا ٹھہرایا ہوا قانون یہی ہے کہ جو جماعت غیر نافع ہو جائے، اسے مٹ جانا ہے، اور اس کی جگہ نافع و صالح جماعت کو ظہور میں آنا ہے۔ وما ذلک علی اللہ بعزیز! ۲۲

بچاؤ کر دو؟" انہوں نے کہا "اگر اللہ ہم پر بچاؤ کی کوئی راہ کھولتا تو ہم بھی تمہیں کوئی راہ دکھاتے (ہم تو خود ہی عذاب میں پڑے ہوئے ہیں) خواہ جھیل لیں خواہ روئیں پیٹیں، ہمارے لئے دونوں حالتیں برابر ہو گئیں۔ ہمارے لئے آج کسی طرح چھٹکارا نہیں"

اور (دیکھو) جب فیصلہ ہو چکا تو شیطان بولا بلاشبہ اللہ نے تم سے وعدہ کیا تھا سچا وعدہ (اور وہ پورا ہو کر رہا) اور میں نے بھی تم سے وعدہ کیا تھا مگر اسے پورا نہ کیا مجھے تم پر کسی طرح کا تسلط نہ تھا کہ تم میری پیروی پر مجبور ہو گئے ہو) جو کچھ پیش آیا، وہ صرف یہ ہے، کہ میں نے تمہیں بلایا اور تم نے میرا بلاوا قبول کر لیا پس اب مجھے ملامت نہ کرو خود اپنے آپ کو ملامت کرو آج کے دن نہ تو میں تمہاری فریاد کو پہنچ سکتا ہوں نہ تم میری فریاد کو پہنچ سکتے ہو۔ تم نے اب سے پہلے (دنیا میں) جو مجھے (اللہ کا) شریک ٹھہرا لیا تھا (کہ اس کے احکام کی طرح میرے حکموں کی بھی اطاعت کرنے لگے تھے) تو میں اس سے بیزاری ظاہر کرتا ہوں۔ بلاشبہ ظلم کرنے والوں کے لئے بڑا ہی دردناک عذاب ہے!"

اور (دیکھو) جو لوگ ایمان لائے تھے اور جنہوں نے

الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا
لَّكُمْ ۚ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْفُلْكَ لِتَجْرِیَ فِی الْبَحْرِ بِاَمْرِهٖ ۚ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْاَنْهٰرَ ۝ وَسَخَّرَ لَكُمُ الشَّمْسَ ۳۲
وَالْقَمَرَ دَآىِٕبَیْنِ ۚ وَسَخَّرَ لَكُمُ الَّیْلَ وَالنَّهَارَ ۝ وَاٰتٰىكُمْ مِّنْ كُلِّ مَا سَاَلْتُمُوْهُ ۚ وَاِنْ تَعُدُّوْا ۳۳
نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ۚ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَظَلُوْمٌ كَفَّارٌ ۝ وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِیْمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا ۳۴ ع
الْبَلَدَ اٰمِنًا وَّاجْنُبْنِیْ وَبَنِیَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ ۝ رَبِّ اِنَّهُنَّ اَضْلَلْنَ كَثِیْرًا مِّنَ النَّاسِ ۚ ۳۵

یہ اللہ ہے جس نے آسمانوں کو اور زمین کو پیدا کیا اور (زمین پر) اوپر سے پانی برسایا، جس کی آبیاری سے طرح طرح کے پھل پیدا ہوتے ہیں کہ تمہارے لئے غذا کا سامان ہیں اور جہاز تمہارے لئے مسخر کر دئے کہ اس کے حکم سے (یعنی اس کے ٹھہرائے ہوئے قانون کے ماتحت) سمندر میں چلنے لگیں۔ نیز دریا بھی تمہارے لئے مسخر کر دیے۔ اسی طرح سورج اور چاند بھی مسخر کر دئے ہیں کہ ایک خاص دستور پر برابر چلے جا رہے ہیں اور رات اور دن کا ظہور بھی مسخر ہے۔ غرضکہ تمہیں (اپنی زندگی کی کار برآریوں اور کامرانیوں کے لئے) جو کچھ مطلوب تھا، سب اس نے عطا فرما دیا۔ اگر تم اللہ کی نعمتیں گننی چاہو تو وہ اتنی ہیں کہ کبھی ان کا احاطہ نہ کر سکو۔ حقیقت یہ ہے کہ انسان بڑا ہی ناانصاف بڑا ہی ناشکرا ہے۔

اور (یاد کرو) جب ایسا ہوا تھا کہ ابراہیم نے دعا مانگی تھی "اے میرے پروردگار! اس شہر کو امن کی جگہ بنا دیجیو، اور مجھے اور میری نسل کو اس بات سے دور رکھیو کہ بتوں کی پوجا کرنے لگیں"۔ پروردگار! ان بتوں نے بہت سے آدمیوں کو راہ حق سے بھٹکا دیا ہے تو جو میرے پیچھے چلا، (اور بت پرستی کی گمراہی میں نہ پڑا) وہ میرا ہوا، جیسا

ما لھا من قرار۔

(۱۳) اس کے بعد آیت (۲۸) میں قریش مکہ کی طرف اشارہ کیا ہے کہ ملک کی ریاست و پیشوائی کی باگ انہی کے ہاتھ میں تھی، اور عامۃ الناس انہی کے پیچھے چلتے تھے۔ فرمایا ان کی محرومی دیکھو کہ کس طرح اللہ کی نعمت کی ناشکری کر رہے ہیں اور کلمہ طیبہ کی جگہ کلمہ خبیثہ کو اپنا شعار بنا لیا ہے؟ اللہ نے انہیں قوم کی پیشوائی دی تھی۔ پس ان کا فرض تھا کہ دعوت حق کی قبولیت میں سب سے آگے ہوتے، اور قوم کی سچی رہنمائی کرتے، مگر انہوں نے استبدال نعمت کی راہ پسند کی۔ خود بھی گمراہ ہوئے اور اپنی قوم کو بھی گمراہی میں دھکیل دیا۔

قریش مکہ کے کفران نعمت کے ذکر کے بعد ہی روئے سخن مومنوں کی طرف متوجہ ہو گیا ہے۔ آیت (۳۱) میں فرمایا۔ انہیں چاہیے، نعمت الٰہی کی قدر بجا لائیں اور ناشکری سے بچیں۔ اس شکر گذاری نعمت کے سب سے بڑے اعمال کونسے ہیں؟ فرمایا۔ قیام صلوٰۃ، اور انفاق فی سبیل اللہ۔ ان دو عملوں میں سرگرم رہیں۔

(۱۴) آیت ۳۲ میں برہان ربوبیت کا استدلال ہے۔ فرمایا۔ اپنی زندگی کی احتیاجوں کو دیکھو اور پھر ربوبیت الٰہی کی بخششوں اور کارفرمائیوں پر نظر ڈالو۔ زندگی کی کوئی قدرتی احتیاج ایسی نہیں ہے، جس کا قدرتی انتظام نہ کر دیا گیا

وَيَفْعَلُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ ۝ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ بَدَّلُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ كُفْرًا وَّاَحَلُّوْا قَوْمَهُمْ دَارَ ۲۸
الْبَوَارِ ۝ جَهَنَّمَ يَصْلَوْنَهَا ۭ وَبِئْسَ الْقَرَارُ ۝ وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا لِّيُضِلُّوْا عَنْ سَبِيْلِهٖ ۭ ۲۹
قُلْ تَمَتَّعُوْا فَاِنَّ مَصِيْرَكُمْ اِلَى النَّارِ ۝ قُلْ لِّعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَيُنْفِقُوْا ۳۰
مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيْهِ وَلَا خِلٰلٌ ۝ اَللّٰهُ ۳۱

کہ اس کے حقایق کی وسعت کا مشاہدہ کر سکتے۔

۲۷ فرمایا عجائب آباد ہستی کا کوئی گوشہ دیکھو تمہیں دو طرح کی باتیں نظر آئیں گی۔ ایک کو قرار ہے۔ دوسری کو قرار نہیں ایک میں جاؤ ہے۔ دوسری میں جاؤ نہیں۔ ایک اس لئے ہے کہ پھلے پھولے۔ دوسری اس لئے ہے کہ پامال ہو، پہلی کلمہ طیبہ ہے۔ دوسری کلمہ خبیثہ ہے۔ یعنی پہلی اچھائی ہے، پاکیزگی ہے، نفع و فیضان ہے۔ دوسری برائی ہے، گندگی ہے، ضرر و نقصان ہے۔

۲۸ پہلی کی مثال ایسی ہے جیسے ایک اچھا درخت۔ اچھے درخت کی خصوصیات کیا ہوتی ہیں؟ جڑ کی مضبوطی کہ اکھڑنے والی نہیں

۲۹ شاخوں کی بلندی کہ جھکنے والی نہیں

دوسری کی مثال ایسی ہے جیسے ایک نکما درخت۔ زمین میں جگہ پکڑ نہیں سکتا۔ ٹہنیاں مسدوم، پھل نابود، جب چاہو پکڑ کے کھینچ لو۔ جڑ سمیت اکھڑ آئے۔

اس کے بعد فرمایا۔ اللہ کا قانون یہ ہے کہ جو ایمان لاتے ہیں، وہ انہیں جمنے والی اور مضبوط باتوں کے ساتھ جاؤ دیتا ہے۔ ان کی یہ خصوصیت دنیا کی زندگی میں بھی نمایاں ہوتی

۳۰ ہے، اور آخرت میں بھی نمایاں ہوگی۔ لیکن جو لوگ ظلم و نافرمانی کی راہ اختیار کرتے ہیں انہیں یہ بات نہیں مل سکتی۔ ان پر جاؤ اور استقرار کی راہ بند ہو جاتی ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ اہل ایمان کی خصوصیت یہ ہے کہ ان کی ساری باتیں جاؤ اور مضبوطی کی باتیں ہوتی ہیں، جمنے والی، اکھڑ جانے والی، اور اپنی جگہ سے ہل جانے والی نہیں ہوتیں۔ ان کا اعتقاد، ان کا عمل، ان کا طور طریقہ، ان کے دلائل و شواہد، ان کے تمام کام، الثابت القول ہوتے ہیں، اور ان کی مثال شجرۂ طیبہ کی ہوتی ہے۔ لیکن جو لوگ ایمان حق سے محروم ہیں ان کی کوئی بات بھی القول الثابت کی بات نہیں ہو سکتی۔ ان کی مثال شجرہ خبیثہ کی ہوتی ہے کہ

۳۱

اور وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے (اس کی حکمت کا فیصلہ یہی ہوا کہ ایسا کرے!)

(اے پیغمبر!) کیا تم نے ان لوگوں کی حالت پر نظر نہیں کی جنہیں اللہ نے نعمت عطا فرمائی تھی مگر انہوں نے کفرانِ نعمت سے اسے بدل ڈالا، اور اپنے گروہ کو ہلاکت کے گھر میں جا اتارا؟ یعنی دوزخ میں جا اتارا جس میں وہ داخل ہونگے؟ (پھر جس کا ٹھکانا دوزخ ہوا، تو) کیا ہی برا ٹھکانا ہے!

اور انہوں نے اللہ کے لئے اس کے ہم درجہ بنائے کہ لوگوں کو اس کی راہ سے بھٹکائیں۔

(اے پیغمبر!) تم کہدو "اچھا، زندگی کے چند روزہ فائدے برت لو۔ پھر بالآخر تمہاری راہ آتش دوزخ ہی کی طرف ہے!"

(اے پیغمبر!) میرے بندوں کو جو ایمان لائے ہیں، یہ پیام پہنچا دو "اس سے پہلے کہ وہ (ہولناک) دن آموجود ہو جبکہ (نجات کے لئے) نہ تو کسی طرح کا لین دین کام دے گا نہ کسی طرح کی دوستی (اپنے لئے نجات کا سامان کریں یعنی) نماز قائم کریں اور ہماری دی ہوئی روزی میں سے ظاہر و پوشیدہ خرچ کرتے رہیں"

لَسَمِيعُ الدُّعَاءِ ۝ رَبِّ اجْعَلْنِي مُقِيمَ الصَّلٰوةِ وَمِنْ ذُرِّيَّتِي ۖ رَبَّنَا وَتَقَبَّلْ دُعَاءِ ۝ رَبَّنَا ۴۰-۴۱
اغْفِرْ لِي وَلِوَالِدَيَّ وَلِلْمُؤْمِنِينَ يَوْمَ يَقُومُ الْحِسَابُ ۝ وَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ غَافِلًا عَمَّا ۴۱
يَعْمَلُ الظّٰلِمُونَ ۚ إِنَّمَا يُؤَخِّرُهُمْ لِيَوْمٍ تَشْخَصُ فِيهِ الْأَبْصَارُ ۝ مُهْطِعِينَ مُقْنِعِي ۴۲
رُءُوسِهِمْ لَا يَرْتَدُّ إِلَيْهِمْ طَرْفُهُمْ ۖ وَأَفْئِدَتُهُمْ هَوَاءٌ ۝ وَأَنْذِرِ النَّاسَ يَوْمَ يَأْتِيهِمُ ۴۳
الْعَذَابُ فَيَقُولُ الَّذِينَ ظَلَمُوا رَبَّنَا أَخِّرْنَا إِلٰى أَجَلٍ قَرِيبٍ ۙ نُجِبْ دَعْوَتَكَ وَنَتَّبِعِ
الرُّسُلَ ۗ أَوَلَمْ تَكُونُوا أَقْسَمْتُمْ مِنْ قَبْلُ مَا لَكُمْ مِنْ زَوَالٍ ۝ ۴۴

کس سربرشاداب ملک میں مل سکتی ہیں، اس بنجر سرزمین میں ہیں مہیا ہوگئیں، یہ انقلاب حال کیونکر ظہور میں آیا؟ اس طرح کہ حضرت ابراہیم نے یہاں دین حق کی عبادت گاہ بنائی، اور اس کی پاسبانی اپنی اولاد کے سپرد کی، انہوں نے دعا مانگی تھی کہ خدایا، اس ویرانے کو آباد کر دیجیو، چنانچہ ان کی دعا مقبول ہوئی اور یہ ویرانہ اس طرح آباد ہوگیا کہ تمام عرب اطراف عرب کے سالانہ اجتماع کا مرکز بن گیا۔

روسا، قریش انہی ہی کی نسل سے ہیں، اور انہی کی برکتوں کا ظہور ہیں، لیکن انہوں نے اس نعمت کا حق کس طرح ادا کیا؟ یوں ادا کیا کہ ملت ابراہیمی سے منحرف ہوگئے، ظلم و گمراہی کو اپنا شیوہ بنالیا، وہ دین حق جس کے قیام کے لئے یہ عبادت گاہ بنائی گئی تھی، صنم پرستی سے بدل گیا۔ اور اب اپنی تمام طاقتیں اس دعوت کی مخالفت میں خرچ کر رہے ہیں، جو اسی ملت ابراہیمی کی تجدید ہے۔

پروردگار (اپنے بندوں کی) دعائیں سنتا اور قبول کرتا ہے"! ۳۹
خدایا! مجھے توفیق دے کہ میں نماز قائم کروں، اور میری نسل کو بھی اس کی توفیق ملے! پروردگار! میری یہ دعا تیرے حضور قبول ہو! ۴۰
پروردگار! جس دن اعمال کا حساب لیا جائے گا تو مجھے اور میرے ماں باپ کو، اور ان سب کو جو ایمان لائے (اپنے فضل وکرم سے) بخش دیجیو (اور حساب کی سختی میں نہ ڈالیو!) ۴۱
اور (اے پیغمبر!) ایسا خیال نہ کرنا کہ اللہ ان ظالموں کے کاموں سے غافل ہے (یعنی روسا، مکہ کے کاموں سے) دراصل اللہ نے ان کا معاملہ اس دن تک کے لئے پیچھے ڈال دیا ہے، جب نتائج عمل کی ہلاکتیں ظہور میں آئیں گی۔ اس دن ان کو لوگوں کا یہ حال ہوگا کہ شدت خوف و حیرت سے) آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی۔ حیران، سر سیمہ نظریں ۴۲
اٹھائے ہوئے، دوڑے ہوئے جا رہے ہونگے، گاہیں ہیں کہ لوٹ کر آنے والی نہیں، اور دل ہیں کہ (خوف و حیرانگی کے سوا ہر خیال سے) خالی ہو رہے ہیں! ۴۳
اور (اے پیغمبر!) لوگوں کو اس دن کی آمد سے خبردار کر دو جبکہ ان پر عذاب نمودار ہو جائے گا۔ اس دن ظلم کرنے والے کہینگے "پروردگار! تھوڑی سی مدت کے لئے ہمیں مہلت دیدے ہم (اب ہرگز انکار و سرکشی نہیں کرینگے اور) تیری پکار کا جواب دینگے اور پیغمبروں کی پیروی کرینگے" (لیکن انہیں جواب ملے گا:) کیا تم ۴۴

فَمَنْ تَبِعَنِي فَإِنَّهُ مِنِّي ۖ وَمَنْ عَصَانِي فَإِنَّكَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝ رَبَّنَا إِنِّي أَسْكَنتُ مِن ۳۶
ذُرِّيَّتِي بِوَادٍ غَيْرِ ذِي زَرْعٍ عِندَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ ۙ رَبَّنَا لِيُقِيمُوا الصَّلَاةَ فَاجْعَلْ أَفْئِدَةً
مِّنَ النَّاسِ تَهْوِي إِلَيْهِمْ وَارْزُقْهُم مِّنَ الثَّمَرَاتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُونَ ۝ رَبَّنَا إِنَّكَ تَعْلَمُ مَا ۳۷
نُخْفِي وَمَا نُعْلِنُ ۗ وَمَا يَخْفَىٰ عَلَى اللَّهِ مِن شَيْءٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ ۝ الْحَمْدُ لِلَّهِ ۳۸
الَّذِي وَهَبَ لِي عَلَى الْكِبَرِ إِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ ۚ إِنَّ رَبِّي

اور کارخانہ عالم کا کوئی گوشہ ایسا نہیں ہے۔ جو تمہارے لئے اتنی وہ دقیقہ ان نہ رکھتا ہو حتی کہ معلوم ہوتا ہے دنیا کی ہر چیز صرف اسی لئے بنی ہے کہ تمہاری کوئی نہ کوئی ضرورت پوری کر دے، اور کسی نہ کسی شکل میں خدمت و نفع رسانی کا ذریعہ ہو۔ پھر کیا ممکن ہے کہ یہ سب کچھ بغیر کسی ارادہ کے ظہور میں آ گیا ہو، اور کوئی ربوبیت رکھنے والی ہستی موجود نہ ہو؟ اور اگر ایک ایسی ہستی موجود ہے تو ہر طرح کی عبادتوں کی مستحق اس کی ذات ہی یا ان کی جو اپنی احتیاجوں میں خود کسی پروردگار کی پروردگاریوں کے محتاج ہیں؟

اس مقام میں اما کم من کل ما سألتموہ و ان تعدوا نعمة الله لا تحصوها کہہ کر جس حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے، وہ نہایت اہم اور تشریح طلب ہے۔ تشریح اس کی سورۂ فاتحہ میں ملے گی۔

(۱۵) پچھلی آیت میں انسان کی اس غفلت کا ذکر کیا تھا کہ وہ اللہ کی نعمتوں کا شکر گزار نہیں۔ اور یہی گمراہی اس کی تمام محرومیوں کا سرچشمہ ہے: ان الانسان لظلوم کفار۔ اب آیت (۳۵) میں اس ناشکری کی ایک مناسب مقام مثال بیان کر دی، فرمایا اس سے بڑھ کر ناشکری اور کیا ہو سکتی ہے جو قریش مکہ نے کی ہے؟ وہ دنیا کے ایک ایسے گوشہ میں سکونت رکھتے ہیں جو انسانی آبادی کے لئے زیادہ سے زیادہ ناموزوں مقام تھا۔ کہ ایک بے آب و گیاہ ریگستان، جہاں درندے بھی بھٹ نہ بنائیں، اور پرند بھی ہوائیں اڑنا پسند نہ کریں لیکن اللہ نے اپنے فضل و کرم سے اسے ایسا دلچسپ اور معمور مقام بنا دیا کہ انسانی گروہوں کے دل بے اختیار اس کی طرف کھنچنے لگے۔ اور زمین کی ساری پیداواریں جو

نے میرے طریقہ سے نافرمانی کی، (اس سے میرا کوئی رشتہ نہیں) اور (تو بخشنے والا، رحمت فرمانے والا ہے: اے ہم سب کے پروردگار! (تو دیکھ رہا ہے کہ) ایک ایسے میدان میں جہاں کھیتی کا نام و نشان نہیں، میں نے اپنی بعض اولاد تیرے محترم گھر کے پاس لاکر بسائی ہے، اور خدایا! اس لئے بسائی ہے کہ نماز قائم رکھیں (تاکہ یہ محترم گھر عبادت گذاران توحید سے خالی نہ رہے) پس تو (اپنے فضل و کرم سے) ایسا کر کہ لوگوں کے دل ان کی طرف مائل ہو جائیں، اور ان کے لئے زمین کی پیداوار سے سامان رزق مہیا کر دے تاکہ (بے آب و گیاہ ریگستان میں رہ کر بھی ضروریات معیشت سے محروم نہ رہیں اور) تیرے شکر گزار ہوں"

"اے ہمارے پروردگار! ہم جو کچھ چھپاتے ہیں، وہ بھی تو جانتا ہے، جو کچھ ظاہر کرتے ہیں، وہ بھی تیرے علم میں ہے، آسمان اور زمین کی کوئی چیز نہیں جو تجھ سے پوشیدہ ہو"

(اور ابراہیم نے کہا) ساری ستائش اللہ کے لئے ہے جس نے باوجود بڑھاپے کے مجھے اسمٰعیل اور اسحٰق (اور فرزند) عطا فرمائے۔ بلاشبہ میرا

سُوْرَةُ الْحِجْر ۱۵

مکی - ۱۹ - آیات

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الٓرٰ ۚ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ وَقُرْاٰنٍ مُّبِيْنٍ ۝ رُبَمَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ كَانُوْا مُسْلِمِيْنَ ۝ ۱-۲
ذَرْهُمْ يَاْكُلُوْا وَيَتَمَتَّعُوْا وَيُلْهِهِمُ الْاَمَلُ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ۝ ۳
وَمَآ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ اِلَّا وَلَهَا كِتَابٌ مَّعْلُوْمٌ ۝ مَا تَسْبِقُ مِنْ اُمَّةٍ اَجَلَهَا وَمَا يَسْتَاْخِرُوْنَ ۝ ۴-۵

الف - لام - را -

یہ آیتیں ہیں الکتاب کی، اور قرآن کی جو (اپنی ساری باتوں میں) واضح اور روشن ہے! ۱

جن لوگوں نے (اس کتاب کی سچائی سے) انکار کیا ہے، ایک وقت آنے والا ہے کہ آرزو میں کریں گے، کاش ہم ماننے والوں میں ہوتے! ۲

(اے پیغمبر!) انہیں ان کے حال پر چھوڑ دو، کھائیں پئیں، عیش و آرام کریں، (باطل) امیدوں پر بھولے رہیں، لیکن وہ وقت دور نہیں کہ انہیں معلوم ہو جائے گا (وہ کیسے دھوکے میں پڑے ہوئے تھے!) ۳

ہم نے کبھی کسی بستی کے باشندوں کو ہلاک نہیں کیا، مگر اسی طرح کہ اس کے لئے ایک ٹھہرائی ہوئی بات تھی (یعنی ایک مقررہ قانون تھا کہ جب حالت اس طرح کی ہو گی، اور اس مقدار میں ہو گی، ۴

تو ایسا نتیجہ ضرور نکلے گا) کوئی امت نہ تو اپنے وقت سے آگے بڑھ سکتی ہے، نہ پیچھے رہ سکتی ہے! ۵

(۱) قرآن نے جا بجا اپنے اس وصف پر زور دیا ہے کہ وہ "مبین" ہے یعنی ظاہر ہے، نمایاں ہے، روشن ہے۔ لیکن کس بات میں؟

اپنے مطالب میں، اپنی دعوت میں، اپنے دلائل و آیات میں یعنی اس کی کوئی بات نہیں جو الجھی ہوئی ہو مشکل ہو، ناقابل فہم ہو۔ ہر ذہن اسے بوجھ سکتا ہے، ہر دل اسے قبول کر سکتا ہے، ہر روح اس پر مطمئن ہو جا سکتی ہے وہ زیادہ سے زیادہ سیدھی سادھی بات ہے جو انسان کے دل و دماغ کے لئے ہو سکتی ہے۔ کیونکہ وہ سچائی ہے اور سچائی کی کوئی بات مشکل اور الجھی ہوئی نہیں ہو سکتی!

یہی وجہ ہے کہ قرآن نے اپنے کو "النور" بھی کہا ہے یعنی روشنی۔ روشنی کا خاصہ ہے کہ ہر بات کو نمایاں کر دیتی ہے کوئی بات چھپی نہیں رہ سکتی۔ اگر وضاحت اور نمود نہیں ہے تو یہ اجالا بھی نہیں۔ اجالا جب کبھی ہو گا، نمودہ وضاحت اپنے ساتھ لائے گا!

(۲) جن لوگوں نے اس کے خلاف انکار و سرکشی کی راہ اختیار کی ہے وہ اپنی ہلاکت کا اپنے ہاتھوں سامان کر رہے ہیں لیکن انہیں معلوم نہیں۔ ایک دن آنے والا ہے جب وہ حسرت و ندامت کے ساتھ کہیں گے کاش ہم نے انکار نہ کیا ہوتا۔

بقیہ نوٹ صفحہ ۲۹۶ (ج) ارباب فہم و دانش کے لئے سرمایۂ نصیحت ہو۔

اب سورت کے تمام مطالب پر از سر نو نظر ڈالو، اور دیکھو ان تینوں مقاصد پر وہ مشتمل ہے یا نہیں؟

وَسَكَنتُمْ فِي مَسَاكِنِ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَنفُسَهُمْ وَتَبَيَّنَ لَكُمْ كَيْفَ فَعَلْنَا بِهِمْ وَضَرَبْنَا لَكُمُ
الْأَمْثَالَ ۝ وَقَدْ مَكَرُوا مَكْرَهُمْ وَعِندَ اللَّهِ مَكْرُهُمْ وَإِن كَانَ مَكْرُهُمْ لِتَزُولَ مِنْهُ ۴۵
الْجِبَالُ ۝ فَلَا تَحْسَبَنَّ اللَّهَ مُخْلِفَ وَعْدِهِ رُسُلَهُ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ ذُو انتِقَامٍ ۝ يَوْمَ تُبَدَّلُ ۴۶-۴۷
الْأَرْضُ غَيْرَ الْأَرْضِ وَالسَّمَاوَاتُ وَبَرَزُوا لِلَّهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ۝ وَتَرَى الْمُجْرِمِينَ يَوْمَئِذٍ ۴۸
مُقَرَّنِينَ فِي الْأَصْفَادِ ۝ سَرَابِيلُهُم مِّن قَطِرَانٍ وَتَغْشَىٰ وُجُوهَهُمُ النَّارُ ۝ لِيَجْزِيَ ۴۹-۵۰
اللَّهُ كُلَّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ إِنَّ اللَّهَ سَرِيعُ الْحِسَابِ ۝ هَٰذَا بَلَاغٌ لِّلنَّاسِ وَلِيُنذَرُوا بِهِ ۵۱
وَلِيَعْلَمُوا أَنَّمَا هُوَ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ وَلِيَذَّكَّرَ أُولُو الْأَلْبَابِ ۝ ۵۲ ع

وہی نہیں ہو کہ اب سے پہلے قسمیں کھا کھا کر کہا کرتے تھے، ہمیں کسی طرح کا زوال نہ ہوگا؟ تم انہی لوگوں کی بستیوں میں بسے تھے جنہوں نے اپنی جانوں کے ساتھ ناانصافی کی تھی، اور تم پر اچھی طرح واضح ہو گیا تھا کہ ہم نے ان کے ساتھ کیا کیا، نیز تمہیں سمجھانے کے لئے طرح طرح کی مثالیں بھی ہم نے بیان کر دیں (پھر بھی تم سرکشی سے باز نہ آئے) ان لوگوں نے اپنی ساری تدبیریں کر ڈالی تھیں اور اگرچہ ان کی تدبیریں ایسی تھیں کہ پہاڑوں کو جگہ سے ہلا دیں، مگر اللہ کے پاس ان کی ساری تدبیروں کا جواب تھا۔" (ان کی کوئی تدبیر بھی ظہورِ نتائج کو نہ روک سکی!)

پس ایسا خیال نہ کرنا کہ اللہ اپنے رسولوں سے جو وعدہ کر چکا ہے اس کے خلاف کرے گا۔ ایسا ہونا ممکن نہیں وہ (سب پر) غالب ہے، اور اعمال بد کی) سزا دینے والا ہے!

(۱۶) آیت ۴۸ سے معلوم ہوا کہ جس حادثہ کو قرآن نے قیامت سے تعبیر کیا ہے وہ اجرامِ سماویہ کا کوئی ایسا حادثہ ہوگا جو کرۂ ارضی کو بالکل بدل دے گا۔ نہ تو زمین وہ زمین رہے گی جیسی کہ اب ہے، نہ آسمان ویسا آسمان ہوگا جیسا اب نظر آ رہا ہے۔

وہ دن، کہ جب یہ زمین بدل کر ایک دوسری ہی زمین ہو جائیگی اور آسمان بھی بدل جائیں گے اور سب لوگ خدائے یگانہ و غالب کے حضور حاضر ہوں گے!

تم اس دن مجرموں کو دیکھو گے کہ زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہیں۔ ان کے کرتے گندھک کے ہونگے اور چہرے آگ کے شعلوں سے ڈھنپے ہوئے۔ یہ اس لئے ہوگا کہ اللہ ہر جان کو اس کی کمائی کے مطابق بدلہ دے دے۔ بلاشبہ وہ حساب لینے میں بہت تیز ہے!

یہ انسانوں کے لئے ایک پیام ہے، اور اس لئے بھیجا گیا ہے کہ لوگوں کو خبردار کیا جائے، اور وہ معلوم کر لیں کہ ان کا معبود ایک ہی معبود ہے، نیز اس لئے کہ سمجھ بوجھ والے اس سے نصیحت پکڑیں!

(۱۷) آخری آیت میں فرمایا۔ یہ سورت ایک پیام حق ہے، اور یہ پیام اس لئے بھیجا گیا ہے کہ:-
(ا) لوگ فساد و بد عملی کے نتائج سے متنبہ کئے جائیں۔
(ب) یہ حقیقت واضح ہو جائے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ (بقیہ نوٹ بر صفحہ ۲۹۵)

وَّ زَيَّنّٰهَا لِلنّٰظِرِيْنَ ۝ وَ حَفِظْنٰهَا مِنْ كُلِّ شَيْطٰنٍ رَّجِيْمٍ ۝ اِلَّا مَنِ اسْتَرَقَ السَّمْعَ فَاَتْبَعَهٗ ۱۶-۱۷
شِهَابٌ مُّبِيْنٌ ۝ وَ الْاَرْضَ مَدَدْنٰهَا وَ اَلْقَيْنَا فِيْهَا رَوَاسِيَ وَ اَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ ۱۸
مَّوْزُوْنٍ ۝ وَ جَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ وَ مَنْ لَّسْتُمْ لَهٗ بِرٰزِقِيْنَ ۝ وَ اِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا ۱۹-۲۰
عِنْدَنَا خَزَآئِنُهٗ وَ مَا نُنَزِّلُهٗۤ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ ۝ وَ اَرْسَلْنَا الرِّيٰحَ لَوَاقِحَ فَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ ۲۱

کو عربی زبان میں "برج" کا لفظ ستاروں کی ان بارہ فرضی اشکال کے لئے مستعمل ہوگیا جو قدما نے دورۂ شمسی کے انضباط کے لئے قرار دی تھیں اس لئے سوال پیدا ہوا کہ آیا ان میں بھی یہ لفظ اسی مصطلح معنی میں بولا گیا ہے اور مقصود بارہ بُرج ہیں؟ یا لغوی معنی میں مستعمل ہوا ہے اور مقصود بڑے بڑے روشن ستارے ہیں جو بحر و بر کی ظلمتوں میں مسافروں کی راہ نمائی کرتے ہیں۔

بارہ برجوں کی تقسیم سب سے پہلے اہل بابل نے کی۔ پھر سریانی اقوام ان سے آشنا ہوئیں اور بالآخر یونانیوں نے اختیار کر لیا۔ عربی زبان اپنی ابتدائی منزلوں میں عراق مصر اور شام کی حکمران زبان رہ چکی ہے اور ان ملکوں کے ساتھ عربوں کے قدیم تجارتی تعلقات بھی معلوم و مسلم ہیں۔ پس اگر چاند کی منزلوں کی طرح سورج کے بارہ برجوں سے بھی عربی زبان آشنا ہو چکی ہو تو یہ کوئی عجیب بات نہ ہوگی لیکن اس میں شک نہیں کہ عرب جاہلیت کے کلام سے اس کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ عبدالرحمن بن عمر الصوفی نے الکواکب و الصور میں ان تمام کواکب کے نام جمع کرتے ہیں جو عرب جاہلیت میں مشہور تھے اور جن کی تعداد ڈھائی سو کے قریب ہے، لیکن ان میں بارہ برجوں کی صورتوں کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ اور تبریزی نے ابو العلا کا قول نقل کیا ہے "لم یکن العرب تعرفها فی القدیم"[1]

پس زیادہ صاف بات یہی معلوم ہوتی ہے کہ یہاں بُرج سے مقصود روشن کواکب ہیں۔ چنانچہ حضرت ابن عباس سے

پھٹکارے ہوئے شیطان سے اس کی حفاظت کر دی ۱۷
الا یہ کہ کوئی گن سن لینا چاہے تو پھر ایک چمکتا ۱۸
ہوا شعلہ ہے جو اس کا تعاقب کرتا ہے۔
اور (دیکھو) ہم نے زمین (کی سطح) پھیلا دی (یعنی ایسی بنا دی کہ تمہارے لئے بچھے ہوئے فرش کی طرح ہوگئی) اور اس میں پہاڑ گاڑ دئے۔ نیز جتنی ۱۹
چیزیں اس میں اگائیں سب وزن کی ہوئی اگائیں اور تمہارے لئے معیشت کا سارا سامان مہیا کر دیا اور ان مخلوقات کے لئے بھی کر دیا جن کے لئے تم ۲۰
روزی مہیا کرنے والے نہیں ہو!
اور (دیکھو) کوئی چیز ایسی نہیں ہے کہ اس کے ذخیرے ہمارے پاس نہ ہوں مگر ہم انہیں ایک ۲۱
ٹھہرائے ہوئے اندازہ کے مطابق ہی بھیجتے ہیں
اور (دیکھو) ہم نے ہوائیں چلائیں کہ (پانی کے ذرّوں سے) بار دار تھیں۔ پھر آسمان سے پانی برسا دیا، اور وہ تمہارے پینے کے کام آیا اور تم ۲۲
نے اسے ذخیرہ کر کے نہیں رکھا تھا۔

[1] شرح التبریزی علی الحماسہ جلد ۲ صفحہ ۱۳۵۔ طبع مصر۔ قس بن ساعدۃ الایادی کی طرف جو خطبہ منسوب ہے، اس میں بلاشبہ بُرُوج کا لفظ آیا ہے: سبل داج، و سماذات ابراج۔ لیکن اول تو اس کی صحت بہت مشکوک ہے، ثانیاً اس میں بھی بُرج کا استعمال لغوی معنی میں ہو سکتا ہے ضروری نہیں کہ مصطلح فلکیین ہو۔ عربی میں "برج" کے اصلی معنی ظہور و نمایش کے ہیں اور اسی سے تبرّج ہے۔ یعنی زینت کی نمایش کرنا۔ پھر اس کا اطلاق قصر، محل، منزل اور شاہراہ پر بھی ہونے لگا کہ یہ تمام چیزیں ظاہر و نمایاں ہوتی ہیں۔

۶ وَقَالُوا يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْ نُزِّلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ اِنَّكَ لَمَجْنُوْنٌ ۝ لَوْ مَا تَاْتِيْنَا بِالْمَلٰٓئِكَةِ اِنْ كُنْتَ مِنَ
۷-۸ الصّٰدِقِيْنَ ۝ مَا نُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ اِلَّا بِالْحَقِّ وَمَا كَانُوْٓا اِذًا مُّنْظَرِيْنَ ۝ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا
۹-۱۰ الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ۝ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ فِيْ شِيَعِ الْاَوَّلِيْنَ ۝ وَمَا يَاْتِيْهِمْ
۱۱-۱۲ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝ كَذٰلِكَ نَسْلُكُهٗ فِيْ قُلُوْبِ الْمُجْرِمِيْنَ ۝ لَا يُؤْمِنُوْنَ
۱۳-۱۴ بِهٖ وَقَدْ خَلَتْ سُنَّةُ الْاَوَّلِيْنَ ۝ وَلَوْ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَابًا مِّنَ السَّمَآءِ فَظَلُّوْا فِيْهِ يَعْرُجُوْنَ ۝
ع ۱ ۱۵ لَقَالُوْٓا اِنَّمَا سُكِّرَتْ اَبْصَارُنَا بَلْ نَحْنُ قَوْمٌ مَّسْحُوْرُوْنَ ۝ وَلَقَدْ جَعَلْنَا فِي
السَّمَآءِ بُرُوْجًا

۶ اور (اے پیغمبر) ان لوگوں نے تم سے کہا "اے وہ آدمی کہ تجھ پر نصیحت اُتری ہے تو (ہمارے خیال میں)
۷ یقیناً دیوانہ ہے۔ اگر تو اپنے دعوے میں سچا ہے تو ایسا کیوں نہیں کرتا کہ فرشتے اتار کر ہمیں دکھا دے؟"
ہم فرشتے بیکار کو نہیں اتارا کرتے جبھی اتارتے ہیں کہ کوئی مصلحت ہوتی ہے اور (جب فرشتے
۸ اتریں گے) تو اس وقت انہیں مہلت عمل نہیں ملے گی (وہ تو فیصلۂ عمل کا دن ہوگا)
۹ بلاشبہ خود ہم نے الذکر (یعنی قرآن کہ سراپا نصیحت ہے) اتارا ہے اور بلاشبہ خود ہم ہی اس کے
نگہبان ہیں۔
۱۰ اور (اے پیغمبر) یہ واقعہ ہے کہ ہم نے تم سے پہلے بھی پچھلے گروہوں میں پیغمبر بھیجے لیکن ایسا کبھی نہیں
ہوا کہ کسی گروہ میں کوئی پیغمبر آیا ہو اور لوگوں نے اس کی ہنسی نہ اڑائی ہو یہ پہلے سے ہوتا آیا ہے اور
۱۱ اب بھی ہو رہا ہے)
تو دیکھو اس طرح ہم مجرموں کے دلوں میں کلام حق کی مخالفت بٹھا دیتے ہیں (یعنی ہمارا ٹھیرایا ہوا
۱۲ قانون ایسا ہی ہے کہ جن دلوں میں جرم ہوتا ہے ان میں حق کی مخالفت بھی جم جاتی ہے) وہ اس
۱۳ پر ایمان لانے والے نہیں اور جو پہلے گذر چکے ہیں ان کا بھی ایسا ہی دستور رہ چکا ہے۔
۱۴ اگر ہم ان پر آسمان کا ایک دروازہ کھول دیں اور یہ دن دہاڑے اس پر چڑھنے لگیں جب بھی
۱۵ نہیں مانیں گے۔ یہ کہنے لگیں گے "ضرور ہماری آنکھیں متوالی ہو گئی ہیں یا ہم پر جادو کر دیا گیا ہے"

(اور دیکھو) یہ ہماری ہی کارفرمائی ہے کہ آسمان میں برج بنائے (یعنی روشن کواکب پیدا کر دیے) اور اسے دیکھنے والوں کے لئے خوشنما کر دیا۔ نیز ہر

(۱۶) یہاں آیت (۱۶) میں نیز دوسرے مقامات میں بھی، قرآن نے "برج" کا لفظ استعمال کیا ہے، تبارک الذی جعل فی السماء بروجا وجعل فیھا سراجا و قمرا منیرا (۲۵/۶۱) والسماء ذات البروج (۸۵/۱) چونکہ بعد

لَهٗ سٰجِدِيْنَ ۝ فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ ۝ اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ اَبٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ مَعَ السّٰجِدِيْنَ ۝ ۲۹-۳۱
قَالَ يٰٓاِبْلِيْسُ مَا لَكَ اَلَّا تَكُوْنَ مَعَ السّٰجِدِيْنَ ۝ قَالَ لَمْ اَكُنْ لِّاَسْجُدَ لِبَشَرٍ خَلَقْتَهٗ مِنْ صَلْصَالٍ ۳۲
مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ۝ قَالَ فَاخْرُجْ مِنْهَا فَاِنَّكَ رَجِيْمٌ ۝ وَّاِنَّ عَلَيْكَ اللَّعْنَةَ اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ ۝ ۳۳-۳۵
قَالَ رَبِّ فَاَنْظِرْنِيْٓ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ۝ قَالَ فَاِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ ۝ اِلٰى يَوْمِ الْوَقْتِ ۳۶-۳۸
الْمَعْلُوْمِ ۝ قَالَ رَبِّ بِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ لَاُزَيِّنَنَّ لَهُمْ فِى الْاَرْضِ وَلَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝ ۳۹
اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ ۝ قَالَ هٰذَا صِرَاطٌ عَلَيَّ

سورج کی زرافشانی، غرض کہ آسمان کا کونسا منظر ہے جس میں نگاہوں کے لئے زینت نہیں، جس میں دلوں کے لئے راحت و سکون نہیں؟ یہ استدلال مہمات دلائل قرآنی میں سے ہے اور ضروری ہے کہ تفسیر سورۂ فاتحہ کے مبحث مرہاں فصل رحمت کا مطالعہ کر لیا جائے

ہو جاؤ"۔ چنانچہ جتنے فرشتے تھے سب اس کے آگے سربسجود ہو گئے۔ مگر ابلیس اس پر یہ بات شاق گذری کہ سجدہ کرنے والوں میں سے ہوا۔

۲۹-۳۱

۳۲

اللہ نے فرمایا "اے ابلیس! تجھے کیا ہوا کہ سجدہ کرنے والوں میں شامل نہ ہوا؟"

کہا "مجھ سے یہ نہیں ہو سکتا کہ ایسے بشر کو سجدہ کروں جسے تو نے خمیر اٹھے ہوئے گارے سے بنایا ہے جو سوکھ کر بجنے لگتا ہے"

۳۳

حکم ہوا "اگر ایسا ہے تو یہاں سے نکل جا، کہ تو راندہ ہوا اور جزا کے دن تک تجھ پر لعنت ہوئی"

۳۴-۳۵

اس نے کہا "خدایا! مجھے اس دن تک مہلت دے جب انسان (دوبارہ) اٹھائے جائیں گے"۔

۳۶

فرمایا "اس مقررہ وقت کے دن تک مجھے مہلت دی گئی"۔

۳۷-۳۸

اس نے کہا "خدایا! چونکہ تو نے مجھ پر (نجات و سعادت کی) راہ بند کر دی، تو اب میں ضرور ایسا کرونگا کہ زمین میں ان کے لئے (جھوٹی) خوشنمائیاں بنا دوں (اور راہ حق سے) گمراہ کروں۔ ہاں ان میں جو تیرے مخلص بندے ہونگے (میں جانتا ہوں) میرے بہکانے میں آنے والے نہیں"۔

۳۹

۴۰

فرمایا "میں بھی سیدھی راہ ہے جو مجھ تک پہنچانے

(۵) آیت (۱۷) سے معلوم ہوتا ہے کہ اجرام سماوی کی حفاظت کا سامان نہ کر دیا گیا ہوتا، تو ایسی شیطانی قوتیں تھیں جو ان کے اعمال میں خلل انداز ہوتیں۔ نیز یہ کہ جب کوئی ایسی قوت ٹوہ لگانا چاہتی ہے تو شعلے بھڑکتے ہیں اور انہیں قریب نہیں آنے دیتے۔

آیت میں "شہاب مبین" کا لفظ آیا ہے۔ شہاب شعلہ کو کہتے ہیں۔ لیکن چونکہ اس کا اطلاق اس ستارے پر بھی ہوتا ہے جو راتوں کو ٹوٹتا ہوا دکھائی دیتا ہے، اس لئے مفسرین نے خیال کیا، یہاں شہاب سے مقصود وہی ستاروں کا ٹوٹنا ہے لیکن قرآن میں کوئی ایسی تفصیل نہیں جس سے یہ بات متعین کی جا سکے۔ صرف "شہاب" کا لفظ ہے اور اس کے معنی شعلے کے ہیں۔ باقی رہی اس معاملہ کی حقیقت تو یہ عالم غیب کے معاملات میں سے ہے جسے ہم اپنے وسائل علم و ادراک سے معلوم نہیں کر سکتے۔ وحی الٰہی نے جس قدر تصریح کر دی ہے اس پر یقین کرنا چاہئے اور مزید کاوش میں نہیں پڑنا چاہئے۔

(۶) زمین گیند کی طرح گول ہے لیکن حکمت الٰہی نے اس

مَاءٍ فَاسْقَيْنٰكُمُوْهُ ۚ وَمَآ اَنْتُمْ لَهٗ بِخٰزِنِيْنَ ۝ وَاِنَّا لَنَحْنُ نُحْيٖ وَنُمِيْتُ وَنَحْنُ الْوٰرِثُوْنَ ۝
وَلَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَقْدِمِيْنَ مِنْكُمْ وَلَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَاْخِرِيْنَ ۝ وَاِنَّ رَبَّكَ هُوَ يَحْشُرُهُمْ ۭ
اِنَّهٗ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ۝ وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ۝ وَالْجَاۗنَّ
خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ مِنْ نَّارِ السَّمُوْمِ ۝ وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰۗىِٕكَةِ اِنِّىْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ
صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ۝ فَاِذَا سَوَّيْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ فَقَعُوْا

۲۳-۱

۲۴

۲۶ ۲۵

۲۷

۲۸

ایسی ہی تفسیر منقول ہے، اور ترجمہ میں ہم نے اسی کو ترجیح دی ہے۔

(۴۱) اس آیت میں فرمایا وزینا للنظرین ہم نے اس فضا کو جو تمہارے اوپر پھیلی ہوئی ہے، اس طرح بنا دیا کہ دیکھنے والوں کے لئے اس میں خوشنمائی پیدا ہو گئی یہ مقام بھی من جملہ ان مقامات کے ہے جہاں قرآن نے جمال فطرت سے استدلال کیا ہے یعنی اس بات سے استدلال کیا ہے۔ کہ کائنات ہستی کے تمام مظاہر اس طرح واقع ہوئے ہیں کہ ان میں حسن و جمال کی کیفیت پیدا ہو گئی ہے اور یہ اس حقیقت کا ثبوت ہے کہ رحمت و فیضان کا کوئی ارادہ یہاں ضرور کام کر رہا ہے جو چاہتا ہے کہ جو کچھ بنے حسن و خوبی کے ساتھ بنے اور اس میں روحوں کے لئے سرور اور نگاہوں کے لئے عیش و نشاط ہو!

اگر ایک صاحب رحمت ہستی کی یہ کارفرمائی نہیں ہے تو پھر کس کی ہے؟ نہیں تمہاری فطرت کہہ رہی ہے کہ یہ سب کچھ کسی ایسی ہستی کی کارگیری ہے جو حسن و جمال کا فیضان ہو!

یہاں فرمایا کہ آسمان کو دیکھو۔ عربی میں سماء کے معنی بلندی کے ہیں۔ مکان کے لئے اس کی چھت اس کی سماء ہوتی ہے۔ پس یہ جو بلندی تمہیں نظر آ رہی ہے کس طرح دیکھنے والوں کے لئے حسین و جمیل بنا دی گئی ہے؟ چاندنی راتوں میں چاند کی شب افروزیاں دیکھو۔ اندھیری راتوں میں ستاروں کی جلوہ ریزیوں کا نظارہ کرو، صبح جب اپنی ساری دلفریبیوں کے ساتھ آتی ہے، شام جب اپنی ساری رعنائیوں کے ساتھ چھپتی ہے، گرمیوں میں صاف و شفاف آسمان کا نکھرنا، بارش میں بادلوں کا ہر طرف سے امنڈنا، شفق کی لالہ گونی، قوس قزح کی بوقلمونی

اور یہ ہم ہی ہیں کہ جلاتے ہیں اور موت طاری کرتے ہیں اور ہمارے ہی قبضہ میں سب کی کمائی آتی ہے۔

اور بلاشبہ ہم نے ان لوگوں کو بھی جانا جو تم میں پہلے آنے والے تھے، اور انہیں بھی جو پیچھے آنے والے ہیں!

اور (اے پیغمبر!) یہ تیرا پروردگار ہی ہے جو ان سب کو (قیامت کے دن اپنے سامنے) جمع کرے گا۔ وہ حکمت والا علم والا ہے!

اور بلاشبہ یہ واقعہ ہے کہ ہم نے انسان کو خمیر اٹھے ہوئے گارے سے بنایا، جو سوکھ کر بجنے لگتا ہے اور ہم جان کو اس سے پہلے جلتی ہوئی ہوا کی گرمی سے پیدا کر چکے تھے

اور (اے پیغمبر!) جب ایسا ہوا تھا کہ تیرے پروردگار نے فرشتوں سے کہا تھا میں خمیر اٹھے ہوئے گارے سے جو سوکھ کر بجنے لگتا ہے، ایک بشر پیدا کرنے والا ہوں (یعنی نوع انسانی پیدا کرنے والا ہوں) تو جب ایسا ہو کہ میں اسے درست کر دوں (یعنی وہ وجود تکمیل کو پہنچ جائے) اور اس میں اپنی روح پھونک دوں، تو چاہئے کہ تم سب اس کے آگے سربسجود

إِذْ دَخَلُوا عَلَيْهِ فَقَالُوا سَلَامًا ۖ قَالَ إِنَّا مِنكُمْ وَجِلُونَ ۝ قَالُوا لَا تَوْجَلْ إِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلَامٍ ۵۲
عَلِيمٍ ۝ قَالَ أَبَشَّرْتُمُونِي عَلَىٰ أَن مَّسَّنِيَ الْكِبَرُ فَبِمَ تُبَشِّرُونَ ۝ قَالُوا بَشَّرْنَاكَ بِالْحَقِّ ۵۳-۵۴
فَلَا تَكُن مِّنَ الْقَانِطِينَ ۝ قَالَ وَمَن يَقْنَطُ مِن رَّحْمَةِ رَبِّهِ إِلَّا الضَّالُّونَ ۝ قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ ۵۵-۵۶
أَيُّهَا الْمُرْسَلُونَ ۝ قَالُوا إِنَّا أُرْسِلْنَا إِلَىٰ قَوْمٍ مُّجْرِمِينَ ۝ إِلَّا آلَ لُوطٍ ۖ إِنَّا لَمُنَجُّوهُمْ ۵۷-۵۸
أَجْمَعِينَ ۝ إِلَّا امْرَأَتَهُ ۵۹

لیا کرتے ہیں کہ رتی بھر بھی ادھر اُدھر نہ ہو جائے پس ہر چیز کے موزوں ہونے کا مطلب یہ ہوا کہ زمین میں جتنی نباتات اگتی ہیں، ان کے لئے حکمت الٰہی نے ایک خاص اندازہ ٹھہرا دیا ہے۔ ہر چیز اپنی نوعیت، اپنی کمیت، اپنی کیفیت میں ایک جچی تلی حالت رکھتی ہے، جس سے کبھی باہر نہیں جا سکتی۔ ممکن نہیں کہ گھاس کی ایک شاخ بھی ایسی اگ آئے جو گھاس کے مقررہ اندازہ اور تناسب کے خلاف ہو۔

طرح طرح کے غلے، طرح طرح کے پھول، طرح طرح کے پھل، طرح طرح کی سبزیاں، طرح طرح کے درخت، طرح طرح کی گھاسیں ہر طرف اگ رہی ہیں، اور نہیں معلوم کب سے اگ رہی ہیں، لیکن کوئی چیز بھی ان میں ایسی نہیں ہے جس کی شکل و مثل، رنگ، خوشبو، مزہ اور خاصہ کا ایک خاص مقررہ اندازہ نہ ہو، اور ٹھیک ٹھیک کانٹے کی تول نہ ہو۔ ایک دانہ اٹھاؤ، پھول کی ایک کلی توڑ لو، گھاس کی ایک تنکی سامنے رکھ لو، اور دیکھو، ان کی ساری باتیں کس طرح تلی ہوئی اور کس دقیقہ سنجی کے ساتھ سانچے میں ڈھلی ہوئی ہیں۔ اگر حجم ہے تو اس کا ایک مقررہ اندازہ ہے۔ لاکھ مرتبہ بو، کروڑ مرتبہ بو۔ اس اندازہ میں فرق آنے والا نہیں۔ اگر شکل ہے تو اس کا ایک خاص اندازہ ہے۔ وہ چیز جب اُگے گی اسی شکل میں اُگے گی۔ اگر رنگت ہے، خوشبو ہے، مزہ ہے، خاصہ ہے، تو سب کا ایک مقررہ اندازہ ہے، اور یہ اندازہ قطعی ہے دائمی ہے، اٹل ہے، اٹوٹ ہے، اور ہمیشہ اس یکسانیت کے ساتھ ظہور میں آتا ہے گویا مٹی کے ایک ایک ذرہ میں ایک ایک ترازو رکھ دیا گیا ہے، اور وہ ایک ایک دانے، ایک ایک پتے، ایک ایک پھول کو تول تول کر بانٹ رہا ہے۔ ممکن نہیں اس تول میں کبھی خرابی پڑے!

"موزوں" میں تناسب و اعتدال کا مفہوم بھی داخل ہے یعنی جتنی چیزیں اگتی ہیں، اپنی ساری باتوں میں تناسب و

جب یہ مہمان اس کے پاس آئے، تو کہا "تم پر سلامتی ہو"۔
ابراہیم نے کہا "ہمیں تم سے اندیشہ ہے" ۵۲
(کہ تم کون لوگ ہو؟)
انہوں نے کہا "ڈرو مت، ہم تو تمہیں ایک علم والے فرزند کی پیدائش کی خوش خبری سناتے ہیں" ۵۳
ابراہیم نے کہا "تم مجھے اس بات کی خوشخبری دیتے ہو حالانکہ مجھ پر بڑھاپا طاری ہو گیا ہے، کونسی امید اب رہ گئی ہے کہ یہ خوشخبری مجھے سناؤ"۔ ۵۴
انہوں نے کہا "ہم نے تمہیں سچائی کے ساتھ خوشخبری سنائی پس تمہیں ناامید نہ ہونا چاہیے"۔ ۵۵
ابراہیم نے کہا "نہیں، میں اللہ کی رحمت سے ناامید نہیں ہوں۔ کیونکہ گمراہوں کے سوا کون ہے جو اپنے پروردگار کی رحمت سے مایوس ہو سکتا ہے"! ۵۶
پھر اس نے پوچھا "تم لوگ جو بھیجے ہوئے آئے ہو، تو تمہیں اور کونسی مہم درپیش ہے؟" ۵۷
انہوں نے کہا "ہم ایک مجرم گروہ کی طرف بھیجے گئے ہیں (کہ ہلاک ہونے والا ہے) مگر (ہاں) ایک خاندان وہاں لوط کا ہے، اس کے تمام افراد کو ہم بچا لیں گے۔ البتہ اس کی بیوی نہیں بچے گی۔ اس کیلئے ۵۸ ۵۹

مُسْتَقِيمٌ ۝ إِنَّ عِبَادِي لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطَانٌ إِلَّا مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْغَاوِينَ ۝ وَإِنَّ
جَهَنَّمَ لَمَوْعِدُهُمْ أَجْمَعِينَ ۝ لَهَا سَبْعَةُ أَبْوَابٍ لِكُلِّ بَابٍ مِنْهُمْ جُزْءٌ مَقْسُومٌ ۝ إِنَّ
الْمُتَّقِينَ فِي جَنَّاتٍ وَعُيُونٍ ۝ ادْخُلُوهَا بِسَلَامٍ آمِنِينَ ۝ وَنَزَعْنَا مَا فِي صُدُورِهِمْ مِنْ
غِلٍّ إِخْوَانًا عَلَىٰ سُرُرٍ مُتَقَابِلِينَ ۝ لَا يَمَسُّهُمْ فِيهَا نَصَبٌ وَمَا هُمْ مِنْهَا بِمُخْرَجِينَ ۝ نَبِّئْ
عِبَادِي أَنِّي أَنَا الْغَفُورُ الرَّحِيمُ ۝ وَأَنَّ عَذَابِي هُوَ الْعَذَابُ الْأَلِيمُ ۝ وَنَبِّئْهُمْ عَنْ
ضَيْفِ إِبْرَاهِيمَ ۝

۴۱-۴۲
۴۳-۴۴
۴۵-۴۶
۴۷-۴۸
۴۹-۵۰
قفلہ ۵۱

۴۱ کی کروبیت کا نشیب و فراز اس طرح پھیلا دیا ہے کہ کوئی آنکھ اوج بیج محسوس نہیں کر سکتی، اور اس کا ہر گوشہ اپنی جگہ ایک بچھے ہوئے فرش کی طرح مسطح ہے۔ اگر سطحیت کی یہ حالت پیدا نہ ہوتی تو وہ تمام ارضی خصوصیات بھی ظہور میں نہ آتیں جنہوں نے زمین کو زندگی و معیشت کے لئے خوشگوار بنا دیا ہے۔

۴۲ یہی وجہ ہے کہ قرآن جا بجا اس کی سطح کے پھیلاؤ پر زور دیتا ہے اور کہتا ہے خدا نے اسے فرش کی طرح بچھا دیا۔ یہاں بھی آیت (۱۹) میں اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

۴۳ لیکن زمین کے قابل معیشت و سکون ہونے کے لئے صرف اسی قدر کافی نہ تھا۔ اس کی بھی ضرورت تھی کہ اس میں جا بجا ایسی بلندیاں ہوتیں جو پانی کے خزانے جمع کریں اور پھر بلندی سے اس طرح گرائیں کہ سینکڑوں کوسوں تک بہتا ہوا چلا

۴۴ جاتا۔ اور میدانی علاقوں کو سرسبز و شاداب کر دیتا۔ پس فرمایا: وألقينا فيها رواسي ہم نے اس کی سطح پھیلا دی۔ پھر اس میں پہاڑ پیدا کر دئے، جو اس لحاظ سے بھی کہ طرح طرح کی معدنیات کا سرچشمہ ہیں اور اس لحاظ سے بھی کہ دریاؤں کی روانگی کا منبع ہیں، زمین کی آبادی و نوعیت

۴۵ کے لئے ایک ضروری عنصر تھے۔

۴۶

۴۷ (۷) آیت (۱۹) میں زمین کی نسبت تین باتیں ہیں۔ پہلی یہ کہ بچھی ہوئی ہے۔ دوسری یہ کہ پہاڑوں کی بلندیاں ہیں۔ تیسری یہ کہ جتنی چیزیں اس میں اگتی ہیں، سب

۴۸ موزون ہیں۔

۴۹ موزون یعنی وزن کی ہوئی۔ اگر کسی چیز کو ٹھیک ٹھیک

۵۰ کسی خاص اندازہ پر رکھنا ہوتا ہے تو اسے کانٹے میں تولتے

۵۱

والی ہے۔ جو میرے (مخلصین) بندے ہیں ان پر تیرا کچھ زور نہیں چلے گا۔ صرف انہی پر چلے گا۔ جو (بندگی کی) راہ سے بھٹک گئے، اور ان سب کے لئے جہنم کے عذاب کا وعدہ ہے (جو کبھی ٹلنے والا نہیں) اس کے سات دروازے ہیں۔ ان کی ہر ٹولی کے حصہ میں ایک دروازہ آئے گا، جس سے جہنم میں داخل ہونگے"۔

بلاشبہ متقی انسان (اس دن) باغوں اور چشموں (کے عیش و راحت) میں ہونگے (انہیں کہا جائے گا) سلامتی کے ساتھ بہ اطمینان ان باغوں میں داخل ہو جاؤ۔ ان کے دلوں میں جو کچھ (باہمی) رنجشیں تھیں، سب ہم نے نکال دیں۔ وہ بھائیوں کی طرح ایک دوسرے کے سامنے تختوں پر بیٹھے ہوں گے۔ وہاں کسی طرح کا صدمہ انہیں چھو نہیں سکے گا۔ نہ وہاں سے کبھی نکالے جائیں گے۔

(اے پیغمبر!) میرے بندوں کو آگاہ کر دے کہ بلا شبہ میں ہی ہوں کہ بخشنے والا، رحمت والا ہوں، اور بلاشبہ میرا عذاب بڑا دردناک عذاب ہے!

اور انہیں ابراہیم کے مہمانوں کا معاملہ بھی سنا دو

أَهْلُ الْمَدِينَةِ يَسْتَبْشِرُونَ ۝ قَالَ إِنَّ هَٰؤُلَاءِ ضَيْفِي فَلَا تَفْضَحُونِ ۝ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَ ۶۸-۶۸
لَا تُخْزُونِ ۝ قَالُوا أَوَلَمْ نَنْهَكَ عَنِ الْعَالَمِينَ ۝ قَالَ هَٰؤُلَاءِ بَنَاتِي إِنْ كُنْتُمْ فَاعِلِينَ ۝ ۶۹-۷۱
لَعَمْرُكَ إِنَّهُمْ لَفِي سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُونَ ۝ فَأَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ مُشْرِقِينَ ۝ فَجَعَلْنَا عَالِيَهَا ۷۲ - ۷۳
سَافِلَهَا وَأَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ حِجَارَةً مِنْ سِجِّيلٍ ۝ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِلْمُتَوَسِّمِينَ ۝ ۷۴-۷۵

یہ بات کہ پانی کے جمع ہونے اور ایک خاص ترتیب اور اندازہ کے ساتھ بہتے رہنے کا ایک پورا کارخانہ بنا ہوا ہے اور وہ زمین کی احتیاج کے ٹھیک ٹھیک مطابق ہے یہاں استدلال کا اصلی نقطہ ہے۔ کیونکہ تقدیر و نظم کی یہ حالت بغیر اس کے نہیں ہو سکتی کہ ربوبیت کا کوئی ارادہ پس پردہ کام کر رہا ہو۔ اس حقیقت کو ہم نے تفسیر سورۂ فاتحہ میں "نظام ربوبیت" سے تعبیر کیا ہے اور ضروری ہے کہ اس پر نظر ڈال لی جائے۔

اس کے بعد فرمایا ہم ہی ہیں کہ جلاتے ہیں اور موت طاری کرتے ہیں اور اس کا علم رکھتے ہیں کہ کون پیچھے آنے والوں میں ہے، کون پیچھے آنے والوں میں ہے۔ یعنی جس طرح ہم نے تمام چیزوں کی تقدیر کر دی ہے یعنی مقررہ اندازہ ٹھہرا دیا ہے اسی طرح موت و حیات کا بھی ایک خاص اندازہ ٹھہرا دیا ہے اور قوموں کے تقدم و تاخر کے لئے بھی مقررہ اندازہ ہے۔ ہر ہستی جو پیدا ہوتی ہے اپنے مقررہ اندازہ کے مطابق پیدا ہوتی ہے اور ہر ہستی جو مرتی ہے مقررہ اندازہ کے مطابق مرتی ہے۔ تقدیر اشیاء و اجسام کا قانون عالمگیر قانون ہے ہستی کا کوئی گوشہ نہیں جو اس سے باہر ہو۔

یہاں سے یہ بات بھی واضح ہو گئی کہ قرآن میں "قدر" اور "تقدیر" کا مطلب کیا ہے؟ نیز ان تمام غلط فہمیوں کا ازالہ ہو گیا جو اس بارہ میں پھیلی ہوئی ہیں۔

(۹) اس کے بعد آیت (۲۵) میں فرمایا۔ وان ربک ھو یحشرھم انہ حکیم علیم۔ یعنی ایسا ضرور ہونے والا ہے کہ تمہارا پروردگار جزا و عمل کے لئے انہیں اپنے حضور جمع کرے کیونکہ تمام باتوں کی طرح اس بات کے لئے بھی اس نے ایک اندازہ ٹھہرا دیا ہے۔۔۔ حکیم و علیم ہے اور جب وہ حکیم ہے تو ممکن نہیں کہ اس نے انسان کے اعمال کے لئے کوئی اندازہ نہ ٹھہرایا ہو، اور جب وہ علیم ہے تو ممکن نہیں کہ انسان کے اعمال اس کی نظر سے پوشیدہ رہ سکیں۔

(۱۰۱) اس کے بعد یہ حقیقت واضح کی کہ قدرت الٰہی نے کس طرح

اور اس اثنا میں ایسا ہوا کہ) شہر کے لوگ خوشیاں مناتے ہوئے آ پہنچے۔ ۶۷

لوط نے کہا "دیکھو یہ (نئے آدمی) میرے مہمان ہیں تو میری فضیحت نہ کرو۔ اللہ سے ڈرو۔ تم میری رسوائی کے کیوں درپے ہو گئے ہو؟" ۶۸ ۶۹

انہوں نے کہا "کیا ہم نے تجھے اس بات سے نہیں روک دیا تھا کہ کسی قوم کا آدمی ہو، لیکن اپنے یہاں نہ ٹھہراؤ" (اگر ٹھہراؤ گے تو پھر جو کچھ ہمارے جی میں آئے گا کر گذریں گے) ۷۰

لوط نے کہا "اگر ایسا ہی ہے تو دیکھو یہ میری بیٹیاں کھڑی ہیں (یعنی باشندگان شہر کی بیویاں جن کی طرف وہ ملتفت نہیں ہوتے تھے) ان کی طرف ملتفت ہو" ۷۱

(تب فرشتوں نے لوط سے کہا) "تمہاری زندگی کی قسم، یہ لوگ تو اپنی بدمستیوں میں کھوئے گئے ہیں" (تمہاری باتیں ماننے والے نہیں) ۷۲

غرض کہ سورج نکلتے نکلتے ایک ہولناک آواز نے انہیں آ لیا۔ پس ہم نے وہ بستی زیر و زبر کر ڈالی اور پکی ہوئی مٹی کے پتھروں کی ان پر بارش کی ۷۳ ۷۴

بلاشبہ اس واقعہ میں ان لوگوں کے لئے بڑی ہی نشانیاں ہیں جو (حقیقت کی) پہچان رکھنے والے ہیں۔ ۷۵

قَدَّرْنَآ ۙ اِنَّهَا لَمِنَ الْغٰبِرِيْنَ ۝ فَلَمَّا جَآءَ اٰلَ لُوْطِ ِۨالْمُرْسَلُوْنَ ۝ قَالَ اِنَّكُمْ قَوْمٌ مُّنْكَرُوْنَ ۝
قَالُوْا بَلْ جِئْنٰكَ بِمَا كَانُوْا فِيْهِ يَمْتَرُوْنَ ۝ وَاَتَيْنٰكَ بِالْحَقِّ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ۝ فَاَسْرِ
بِاَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِّنَ الَّيْلِ وَاتَّبِعْ اَدْبَارَهُمْ وَلَا يَلْتَفِتْ مِنْكُمْ اَحَدٌ وَّامْضُوْا حَيْثُ تُؤْمَرُوْنَ ۝
وَقَضَيْنَآ اِلَيْهِ ذٰلِكَ الْاَمْرَ اَنَّ دَابِرَ هٰٓؤُلَآءِ مَقْطُوْعٌ مُّصْبِحِيْنَ ۝ وَجَآءَ

اعتدال کی حالت رکھتی ہیں۔ کوئی شے نہیں جو اپنی کمیت وکیفیت میں غیر متناسب اور غیر معتدل ہو۔

ہمارا اندازہ ہو چکا۔ وہ پیچھے رہ جانے والوں کا ساتھ دے گی"۔

پھر جب ایسا ہوا کہ بھیجے ہوئے (فرشتے) خاندان لوط کے پاس پہنچے، تو اُس نے کہا "تم لوگ اجنبی آدمی معلوم ہوتے ہو"۔

۸۱ تفسیر سورۂ فاتحہ میں "نظام ربوبیت" کی بحث گذر چکی ہے آیت (۲۰) کا ہاشمی رشمی میں مطالعہ کرو اور دیکھو کتنے مختصر اور کیسے سیدھے سادھے لفظوں میں کتنی بڑی حقیقت بیان کر دی گئی ہے۔ فرمایا۔ جعلنا لکم فیها معایش۔ ہم نے زمین میں تمہارے لئے زندگی و معیشت کے سارے سروساماں مہیا کر دیئے لیکن کس طرح مہیا کئے؟ اس طرح کہ اگرچہ ہر چیز کے ہمارے پاس ذخیرے ہیں، لیکن ان کی بخشش ایک مقررہ اندازے ہی کے ساتھ ہوتی ہے، ایسا نہیں ہوتا کہ بغیر کسی اندازہ اور نظام کے تمام چیزیں بکھیر دی ہوں۔ اور یہ جو ایک مقررہ اندازہ کا نظام ہے یعنی تقدیر و اختیار کا، تو یہی ہے جو بتلا رہا ہے کہ یہاں کوئی اندازہ مقرر کرنے والی اور اسے قائم رکھنے والی ہستی ضرور ہے۔ کیونکہ اگر ایسا نہ ہوتا، تو ممکن نہ تھا کہ اس اندازہ شناسی اور انضباط کے ساتھ ہر ضروری چیز کی بخشش کا نظام قائم ہو جاتا۔

پھر اس کے بعد بارش کی مثال دے کر مزید وضاحت فرما دی۔ فرمایا۔ بارش زمین کی شادابی اور روئیدگی کا ذریعہ ہے۔ اگر یہ نہ ہو، تو زمین کی روئیدگی بھی نہ ہو۔ لیکن دیکھو کس طرح یہ معاملہ ظہور میں آتا ہے، اور کس طرح مقررہ اندازوں اور پیمانوں کا ایک پورا نظام کام کر رہا ہے؟ پہلے سمندر سے بھاپ اٹھتی ہے۔ وہ پانی کے ذروں سے بار دار ہو کر (یعنی انہیں اپنے اندر لے کر) بلندی کی طرف چڑھتی ہے، پھر بلندی میں ابر کی چادریں بنتی ہیں، اور چادریں فضا میں پھیل جاتی ہیں۔ پھر وہی چادریں بارش کے قطرے بن کر گرنے لگتی ہیں، اور زمین کے ایک ایک ذرے کو شاداب کر دیتی ہیں۔ تم نے پانی کے ذخیرے جمع کر کے نہیں رکھے تھے، لیکن آسمان جمع کرتا رہتا ہے، اور پھر ٹھیک ٹھیک تمہاری حسب حاجت کے مطابق مطلوبہ مقدار تمہیں بخش دیتا ہے!

انہوں نے کہا "نہیں، یہ بات نہیں ہے بلکہ ہم تمہارے پاس وہ بات لے کر آئے ہیں، جس میں لوگ شک کیا کرتے تھے (یعنی ہلاکت کے ظہور کی خبر جس کا لوگوں کو یقین نہ تھا) ہمارا آنا ایک امر حق کے لئے ہے اور اپنے بیان میں سچے ہیں پس چاہئے کہ کچھ رات رہے اپنے گھر کے لوگوں کو لے کر نکل جاؤ اور ان کے پیچھے قدم اٹھاؤ اور اس بات کا خیال رکھو کہ کوئی پیچھے مڑ کے نہ دیکھے جہاں جانے کا حکم دیا گیا ہے (اسی طرف رخ کئے) چلے جائیں"۔

غرض کہ ہم نے لوط پر حقیقت حال واضح کر دی کہ ہلاکت کا ظہور ہونے والا ہے اور باشندگان شہر کی بیخ و بنیاد صبح ہوتے ہوتے اکھڑ جانے والی ہے۔

وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ ۭ وَاِنَّ السَّاعَةَ لَاٰتِيَةٌ ۭ فَاصْفَحِ
الصَّفْحَ الْجَمِيْلَ ۝ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِيْمُ ۝ وَلَقَدْ اٰتَيْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ ۸۵-۸۷
وَالْقُرْاٰنَ الْعَظِيْمَ ۝ لَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖٓ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ وَلَا تَحْزَنْ ۸۸
عَلَيْهِمْ وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِلْمُؤْمِنِيْنَ ۝ وَقُلْ اِنِّىْٓ اَنَا النَّذِيْرُ الْمُبِيْنُ ۝ ۸۸-۸۹

حجاز سے فلسطین کی طرف جائیں خواہ مصر کی طرف، اُن کے کھنڈر راہ میں ضرور پڑتے تھے، شہر حجر میں بسنے والی قوم یعنے قوم ثمود جس کا مقام بھی اسی شاہراہ پر واقع تھا۔ یعنے حجاز اور شام کی شاہراہ پر۔

(۱۲) قرآن میں "الساعۃ" کا لفظ کہیں تو روزِ قیامت کے لیے بولا گیا ہے کہیں ایک ایسے فیصلہ کن دن کے لیے جو دعوتِ حق اور اُس کے مخالفوں کے درمیان فیصلہ کر دے گا آیت (۸۵) میں الساعۃ سے مقصود ایسا ہی دن ہے۔ قیامت کا دن نہیں ہے جیسا کہ اکثر مفسروں اور مترجموں نے قرار دیا ہے مطلب یہ ہے کہ جس طرح پچھلے رسولوں سے مقابلہ کرنے والے ناکام رہے اسی طرح اب بھی مخالف و سرکش ناکام رہیں گے، اور وہ دن دور نہیں جب حق و باطل کی اس کشمکش کا فیصلہ ہو جائے گا۔

اس کے بعد فرمایا: فاصفح الصفح الجمیل۔ ان ربك هو الخلاق العلیم۔ یعنے جب صورت حال ایسی ہے تو چاہیے کہ لوگوں کی سرکشی و شرارت سے آزردہ خاطر نہ ہو، اور حسن و خوبی کے ساتھ درگزر کرتے رہو۔ اللہ سب کا پیدا کرنے والا اور سب کی حالت جاننے والا ہے۔ پس اُس کے بندوں کا معاملہ اُسی پر چھوڑ دینا چاہیے۔

کسی بات سے درگذر کرنے کی ایک صورت تو یہ ہوتی ہے کہ آدمی بے بس ہوتا ہے، اس لیے مجبور ہو کر بدلہ نہیں لیتا درگزر کر دیتا ہے، لیکن دلی نفرت و انتقام سے لبریز رہتا ہے۔ یہ صفح ہے۔ مگر صفح جمیل نہیں ہے۔

"صفح جمیل" یہ ہے کہ مجبور ہو کر نہیں بلکہ خود اپنی مرضی اور خواہش سے درگزر کیا جائے، اور نفرت و انتقام کا کوئی جذبہ دل میں نہ اُٹھے۔ اگر اُٹھے، تو غالب نہ آسکے۔ مغلوب ہو کر رہ جائے۔ پس فرمایا، تمہیں مخالفوں کے ساتھ "صفح جمیل" کرنا چاہیے۔

(۱۳) آیت (۸۷) سے آخر تک سورت کا خاتمہ ہے اور اس کی تمام وعظت و ارشاد کا خلاصہ۔ خطاب اگرچہ پیغمبر اسلام سے ہے، مگر فی الحقیقت مومنوں کی وہ ابتدائی جماعت مخاطب ہے جو مکہ میں ایمان لائی تھی اور مظلومی و

ہم نے آسمان اور زمین کو اور جو کچھ اُن میں ہے کسی مصلحت ہی سے بنایا ہے (بیکار کو نہیں بنایا ہے) اور یقیناً مقررہ وقت آنے والا ہے پس (اے پیغمبر!) چاہیے کہ حسن و خوبی کے ساتھ (مخالفوں کی مخالفتوں سے) درگزر کرو۔ تمہارا پروردگار ہی ہے جو (سب کا) پیدا کرنے والا اور (سب کی حالت) جاننے والا ہے!

اور بلاشبہ ہم نے تمہیں دُہرائی جانے والی آیتوں میں سے سات آیتوں کی سورت عطا فرمائی ہے (یعنی سورۂ فاتحہ) اور قرآنِ عظیم (اور اُس کا دُہرا دُہرا کر نماز میں پڑھنا تمہارے لیے کفایت کرتا ہے)

(اور) یہ جو ہم نے اُن میں سے کئی قسم کے لوگوں کو (فوائدِ زندگی سے) بہرہ مند کر دیا ہے، تو تم (رشک کی نظر سے) اُنہیں نہ دیکھو، اور نہ ایسا ہو کہ اُن کی حالت پر بیکار کو غم کھانے لگو۔ تم مومنوں کے لیے اپنے بازو پھیلا دو (یعنی انہی کی طرف ہمہ تن متوجہ ہو جاؤ) اور اعلان کر دو کہ میں (انکار و بدعملی کے نتائج سے) خبردار کرنے والا ہوں۔ آشکارا۔

وَإِنَّهَا لَبِسَبِيلٍ مُّقِيمٍ ۝ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لِّلْمُؤْمِنِينَ ۝ وَإِن كَانَ أَصْحَابُ الْأَيْكَةِ
ظَالِمِينَ ۝ فَانتَقَمْنَا مِنْهُمْ ۖ وَإِنَّهُمَا لَبِإِمَامٍ مُّبِينٍ ۝ وَلَقَدْ كَذَّبَ أَصْحَابُ الْحِجْرِ
الْمُرْسَلِينَ ۝ وَآتَيْنَاهُمْ آيَاتِنَا فَكَانُوا عَنْهَا مُعْرِضِينَ ۝ وَكَانُوا يَنْحِتُونَ مِنَ الْجِبَالِ
بُيُوتًا آمِنِينَ ۝ فَأَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ مُصْبِحِينَ ۝ فَمَا أَغْنَىٰ عَنْهُم مَّا كَانُوا يَكْسِبُونَ ۝

۷۶-۷۷
ع ۴۵
۷۸-۷۹
۸۰-۸۱
۸۲-۸۴

ایک حقیر تریں چیز سے جو ہمیشہ تمہارے قدموں سے پامال ہوتی رہتی ہے تمہاری ہستی پیدا کی اور اسے اس درجہ تک بلند کیا کہ ملائکہ کی مسجود ہوگئی، اور دنیا کی تمام قوتیں اس کے اختیار و تصرف میں دیدی گئیں البتہ ایک قوت تمہارے آگے نہیں نہیں جھکی وہ ابلیس کی تھی، یہ تمہارے آگے جھکتی نہیں بلکہ تمہیں اپنے آگے جھکانا چاہتی ہے فرمایا جو انساں اس سے مغلوب ہوگیا، اس نے راہ سعادت گم کردی، جو مغلوب نہیں ہوا۔ بلکہ اسے اپنے سے مغلوب رکھا، وہ اللہ کا سچا بندہ ہوا یعنی اس نے انسانیت کا وہ بلند ترین مقام پالیا، جو حکمت الٰہی نے اسے عطا فرمایا ہے۔

۷۶

۷۷

نیز فرمایا۔ جو اللہ کے مخلص بندے ہیں ان پر ابلیس کا داؤ چلنے والا نہیں۔ مغلوب وہی ہوتے ہیں جو راہِ عبودیت سے بھٹک گئے۔

۷۸

قرآن حکیم نے مختلف سورتوں میں نوع انسانی کی پیدائش کا ذکر کیا ہے۔ ضروری ہے کہ ان تمام مقامات پر بحیثیت مجموعی نظر ڈالی جائے، اور معلوم کیا جائے کہ اس باب میں قرآن کی تعلیم کیا ہے، چونکہ آگے چل کر سورہ ص میں یہ بیان پھر آنے والا ہے، اس لیے یہاں صرف ربط مطالب کی تشریح پر اکتفا کرتے ہیں۔ باقی تمام تشریحات سورۂ مذکور کے تشریحی نوٹ میں ملیں گی۔

۷۹

اس آیت میں "جان" کی پیدائش کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔ "جان" اور جن کے لئے سورہ جن کا نوٹ دیکھنا چاہیے۔

۸۰

۸۱

۸۲

(۱۱) پھر آیت (۲۹) میں واضح کردیا کہ اس باب میں خانون الٰہی کیا ہے؟ فرمایا۔ بخشش اور رحمت ہے، لیکن جو لوگ اس سے فائدہ نہ اٹھائیں تو ان کے لئے عذاب بھی ہے اور یہ عذاب بڑا ہی دردناک عذاب ہوتا ہے۔

۸۳

۸۴

اس کے بعد گذشتہ قوموں کے ایام و وقائع کی طرف توجہ دلائی ہے کہ انکار و بدعملی اور شرارت و سرکشی کا نتیجہ کیسے دردناک عذابوں کی شکل میں ظاہر ہوا" اس سلسلہ میں صرف تین قوموں کا ذکر کیا ہے جن کی آبادیوں پر سے عرب کے قافلے گذرتے رہتے تھے، اور ان کی ہولناک بلاکتوں کے مناظر ان کی نگاہوں کے اوجھل نہ تھے۔ یعنی قوم لوط جس کی بستیاں عرب اور فلسطین کے درمیان شاہراہ عام پر واقع تھیں

اور (قوم لوط کی) یہ بستی (کسی غیر معروف گوشہ میں نہ تھی وہ) ایسی راہ پر واقع ہے جہاں آمد و رفت کا (اب بھی) سلسلہ قائم ہے (اور تم اپنی آنکھوں سے دیکھ سکتے ہو) بلاشبہ اس بستی کی حالت) میں ایمان رکھنے والوں کے لئے ایک بڑی نشانی ہے۔

اور (اسی طرح) گھنے جنگل کے باشندے بڑے ظالم تھے (یعنی قبیلۂ مدین کے لوگ) انہیں بھی ہم نے (ظلم و سرکشی کی) سزا دی، اور یہ دونوں بستیاں (یعنی قوم لوط کی اور قبیلۂ مدین کی) شارع عام پر سب کو دکھائی دیتی ہیں۔

اور (دیکھو) حجر کے لوگوں نے بھی رسولوں کی بات جھٹلائی ہم نے اپنی نشانیاں انہیں دکھائیں مگر وہ روگردانی ہی کرتے رہے۔ وہ پہاڑ تراش کے گھر بناتے تھے (محفوظ رہیں، لیکن (یہ حفاظتیں کچھ بھی کام نہ آئیں) ایک دن صبح کو اٹھے تو ایک ہولناک آواز نے آپکڑا تھا۔ اور اور جو کچھ انہوں نے اپنی سعی و عمل سے کمایا تھا وہ کچھ بھی ان کے کام نہ آیا۔

؎ قبیلہ مدین کی بستی بحر قلزم کے کنارے تھی۔ اور

وَلَقَدْ نَعْلَمُ أَنَّكَ يَضِيقُ صَدْرُكَ بِمَا يَقُولُونَ ۝ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَكُنْ مِنَ السَّاجِدِينَ ۝ وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتَّىٰ يَأْتِيَكَ الْيَقِينُ ۝

۹۷ ۔ ۹۸ ۹۹ ع

ہم اس سے بے خبر نہیں کہ ان لوگوں کی باتوں سے تمہارا دل تنگ ہونے لگتا ہے۔ سو چاہیے کہ اپنے پروردگار کی ستائش کو (شب و روز) ورد زباں کر لو، اس کے حضور سجدے میں گرے رہو۔ اس کی بندگی میں لگے رہو۔ یہاں تک کہ یقین تمہارے سامنے آجائے!

۹۷

۹۸

۹۹

بسم اللہ اس کی پہلی آیت ہے۔ یہ مفصل بحث البیان میں ملے گی۔

اور پھر یہی وجہ ہے کہ احادیث سے معلوم ہوتا ہے، آنحضرت (صلعم) سورۂ فاتحہ سات وقفوں کے ساتھ پڑھا کرتے تھے، اور ہر آیت کا آخری لفظ کسی قدر کھینچ کر ختم کرتے تھے جو اختتام صورت کی قدرتی صورت ہے۔ ایسا نہیں کرتے تھے کہ صرف تین وقفوں میں پوری صورت ختم کر دیں۔ یعنے الحمد سے لے کر یوم الدین تک ایک سانس میں۔ اور پھر اہدنا الصراط المستقیم سے لے کر ولا الضالین تک ایک سانس میں جیسا کہ آج کل قرأت کا تمام طریقہ اختیار کر لیا گیا ہے۔ راوی نے صرف اتنی ہی تصریح پر قناعت نہیں کی ہے بلکہ آیتیں پڑھ کر بتلا بھی دیا ہے کہ آپ اس طرح ہر آیت الگ الگ کر کے پڑھتے تھے۔ اور اس طرح ہر آیت پر وقفہ کرتے تھے۔ یعنے الحمد للہ رب العلمین (وقف) الرحمٰن الرحیم (وقف) مالک یوم الدین (وقف) ایاک نعبد وایاک نستعین (وقف) اھدنا الصراط المستقیم (وقف)

اور فی الحقیقت سورۂ فاتحہ کے پڑھنے کا قدرتی اور صحیح طریقہ یہی ہو سکتا ہے۔ سورۂ فاتحہ ایک دعا ہے، اور اس کی ہر آیت سائل کی زبان سے نکلی ہوئی طلب والحاح کی ایک صف کا حکم رکھتی ہے۔ جب ایک سائل کسی کے آگے کھڑا ہوتا ہے، اور اس کی مدح وثنا کر کے حرف مطلب زبان پر لاتا ہے، تو ایسا نہیں کرتا کہ ایک خطیب کی طرح مسلسل تقریر کرنا شروع کر دے۔ اور ایک ہی سانس میں سب کچھ کہہ جائے۔ بلکہ طلب ونیاز کے لہجہ میں ٹھہر ٹھہر کر ایک ایک بات کہے گا۔ طلب ونیاز اور عجز والحاح کی حالت اسے مہلت ہی نہ دے گی کہ ایک مرتبہ میں سب کچھ کہہ جائے۔ مثلاً کہیگا۔ آپ فیاض ہیں۔ آپ کریم ہیں۔ آپ کی جود وسخا کی دھوم ہے۔ اگر آپ سے نہ مانگوں تو کس سے مانگوں؟ اور یہاں ہیں سے ہر بول دوسرے بول سے ملا کر نہیں کہے گا، الگ الگ کر کے اور ٹھہر ٹھہر کر کہے گا۔ بلاشبہ ان میں سے ہر جملہ بہ اعتبار مطلب کے دوسرے سے ملا ہوا ہے۔ بات ایک ہی جملہ میں پوری نہیں ہو جاتی لیکن وقف واتصال کے لیے صرف اتنی ہی بات کافی نہیں ہے۔ طریق خطاب وکلام کا انداز شناس جانتا ہے کہ زور کلام اور حسن خطاب کے لیے کہاں وقفہ کرنا چاہیے۔ کہاں نہیں کرنا چاہیے۔

یہ حقیقت اور زیادہ واضح ہو جاتی ہے جب قرآن کے ان تمام مقامات پر نظر ڈالی جائے، جہاں آنحضرت (صلعم) کا وقف کرنا روایات سے ثابت ہوتا ہے۔ ان میں متعدد مقامات ایسے ہیں یہاں متاخرین قراء کے نزدیک وقف نہیں ہونا چاہیے لیکن آنحضرت کا وقف کرنا ثابت ہے۔ اور اگر مقام کی نوعیت پر غور کریں گے تو واضح ہو جائے گا کہ طریق خطیبانہ اسلوب یہی چاہتا ہے کہ یہاں وقفہ ہو۔ بغیر اس کے زور کلام ابھرتا نہیں۔ اور گو آیت میں بات پوری نہیں ہوئی ہے لیکن موقع کا قدرتی اسلوب خطاب یہی ہے کہ وقفہ کیا جائے۔ اتصال صورت نہ ہو۔

كَمَآ أَنزَلْنَا عَلَى الْمُقْتَسِمِينَ ۝ الَّذِينَ جَعَلُوا الْقُرْآنَ عِضِينَ ۝ فَوَرَبِّكَ لَنَسْـَٔلَنَّهُمْ
أَجْمَعِينَ ۝ عَمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝ فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَأَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِينَ ۝
إِنَّا كَفَيْنَاكَ الْمُسْتَهْزِئِينَ ۝ الَّذِينَ يَجْعَلُونَ مَعَ اللَّهِ إِلَٰهًا آخَرَ ۖ فَسَوْفَ يَعْلَمُونَ ۝

۹۰-۹۱
۹۲-۹۴-۹۶
۹۵-۹۶

بے سروسامانی کی زندگی بسر کر رہی تھی - فرمایا تم دیکھتے ہو کہ مخالفوں کے پاس ہر طرح کی دنیوی آسائشیں اور دنیوی طاقتیں ہیں - تمہارے پاس ان میں سے کوئی چیز بھی نہیں، لیکن تم بھولتے ہو - تمہارے پاس بھی ایک چیز ہے جس سے تمہارے مخالف یک قلم تہی دست ہیں - اور وہ اللہ کا کلام ہے - ولقد اتیناک سبعا من المثانی والقرآن العظیم - اور اگر یہ نعمت تمہارے پاس موجود ہے، تو پھر کوئی وجہ نہیں کہ تم مخالفوں کی موجودہ خوشحالیوں کو حسرت و رشک کی نظر سے دیکھو - یہی ایک نعمت تمہیں دین و دنیا کی تمام نعمتوں سے سرفراز کر دینے والی ہے -

۹۰
۹۱
۹۲
۹۳
۹۴

احادیث سے ثابت ہے کہ یہاں سبعا من المثانی سے مقصود سورۂ فاتحہ ہے -

۹۵

یہاں خصوصیت کے ساتھ سورۂ فاتحہ کا اس لیے ذکر کیا کہ وہ قرآن کی تمام تعلیم کا خلاصہ اور ایمان و عمل کی زندگی کا روزانہ دستور العمل ہے اور جس فرد اور جماعت کی زندگی ان سات آیتوں کی ورد و مداومت میں بسر ہو رہی ہو ممکن نہیں کہ وہ دینی و دنیوی سعادتوں سے محروم رہے -

۹۶

نیز اس کے اس وصف پر زور دیا کہ وہ دہرائی جانے والی چیز ہے - یعنے ایک مومن زندگی کے لیے شب و روز کا ورد اسی میں ہے وہ ہر روز اپنی نمازوں میں اور نماز کی ہر رکعت میں اسے دہراتا رہتا ہے - اس پر صبح آتی ہے تو اسی کی صدائیں چھیڑتی ہے، شام ہوتی ہے تو اسی کی صدائیں اٹھتی ہیں - اس کی دوپہر کا نغمہ بھی یہی ہوتا ہے، اور اس کی راتوں کا ترانہ بھی اس کے سوا کوئی نہیں -

جز نغمۂ محبت سازم نوا نہ دارد

اس آیت سے سورۂ فاتحہ کی بڑی ہی خصوصیت اور فضیلت ثابت ہوتی ہے - لیکن تشریح کی یہاں ضرورت نہیں کیونکہ یہ مبحث تفسیر فاتحہ میں گزر چکا ہے -

(۱۴) اس آیت سے یہ بات بھی متحقق ہو گئی کہ سورۂ فاتحہ کی سات آیتیں ہیں، اور اس کے کلمات کی کوئی ایسی تقسیم صحیح نہیں ہو سکتی جس سے آیتوں کی یہ تعداد گھٹ جائے یا بڑھ جائے - چنانچہ جب اس اعتبار سے دیکھا جاتا ہے، تو معلوم ہوتا ہے، یا تو بسم اللہ الرحمن الرحیم بھی اس میں شامل ہے - یعنے اس کی پہلی آیت ہے، یا پھر صراط الذین انعمت علیہم اور غیر المغضوب علیہم ولا الضالین دو آیتیں ہیں - ایک آیت نہیں ہیں - کیونکہ پھر اس کے سات آیتوں کی تعداد بچتی نہیں - روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ و تابعین کی ایک بڑی جماعت اس طرف گئی ہے

(اے پیغمبر!) ہم نے اسی طرح یہ کلام تم پر نازل کیا ہے جس طرح ان لوگوں پر نازل کیا تھا جنہوں نے (دین حق کے) ٹکڑے ٹکڑے کر دیے ہیں، اور (اپنے) قرآن کو پارہ پارہ کر دیا ہے - تو دیکھو، تمہارا پروردگار شاہد ہے کہ ان سب سے ضرور اُن کے کاموں کی باز پرس ہو گی - پس جو کچھ تمہیں حکم دیا گیا ہے، لوگوں پر آشکار کرو، اور مشرکوں کی کچھ پروا نہ کرو - ان ہنسی اڑانے والوں کے لیے ہم تمہاری طرف سے بس کرتے ہیں - (یہ ہنسی اڑانے والے) جو اللہ کے ساتھ دوسری ہستیوں کو بھی کو معبود بنائے ہیں عن قریب معلوم کر لیں گے کہ حقیقت حال کیا تھی؟

رِيْشًا وَّمَتَاعًا اِلٰى حِيْنٍ ۝ وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّمَّا خَلَقَ ظِلٰلًا وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الْجِبَالِ اَكْنَانًا وَّجَعَلَ لَكُمْ سَرَابِيْلَ تَقِيْكُمُ الْحَرَّ وَسَرَابِيْلَ تَقِيْكُمْ بَاْسَكُمْ ۚ كَذٰلِكَ يُتِمُّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تُسْلِمُوْنَ ۝ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ۝ يَعْرِفُوْنَ نِعْمَتَ اللّٰهِ ثُمَّ يُنْكِرُوْنَهَا وَاَكْثَرُهُمُ الْكٰفِرُوْنَ ۝ وَيَوْمَ نَبْعَثُ مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ شَهِيْدًا ثُمَّ لَا يُؤْذَنُ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُوْنَ ۝ وَاِذَا رَاَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الْعَذَابَ فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ۝ وَاِذَا رَاَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا شُرَكَآءَهُمْ قَالُوْا رَبَّنَا هٰٓؤُلَآءِ شُرَكَآؤُنَا الَّذِيْنَ كُنَّا نَدْعُوْا مِنْ دُوْنِكَ ۚ فَاَلْقَوْا اِلَيْهِمُ الْقَوْلَ اِنَّكُمْ لَكٰذِبُوْنَ ۝ وَاَلْقَوْا اِلَى اللّٰهِ يَوْمَئِذِ ِۨالسَّلَمَ ۚ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ۝ اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ زِدْنٰهُمْ عَذَابًا فَوْقَ الْعَذَابِ بِمَا كَانُوْا يُفْسِدُوْنَ ۝ وَيَوْمَ نَبْعَثُ فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ شَهِيْدًا عَلَيْهِمْ مِّنْ اَنْفُسِهِمْ وَجِئْنَا بِكَ شَهِيْدًا عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ ۚ وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ ۝ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِيْتَآئِ ذِي الْقُرْبٰى وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ ۚ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ۝ وَاَوْفُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ اِذَا عٰهَدْتُّمْ وَلَا تَنْقُضُوا الْاَيْمَانَ بَعْدَ تَوْكِيْدِهَا وَقَدْ جَعَلْتُمُ اللّٰهَ عَلَيْكُمْ كَفِيْلًا ۚ اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا تَفْعَلُوْنَ ۝ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّتِيْ نَقَضَتْ غَزْلَهَا مِنْ بَعْدِ قُوَّةٍ اَنْكَاثًا ۚ تَتَّخِذُوْنَ اَيْمَانَكُمْ دَخَلًا بَيْنَكُمْ اَنْ تَكُوْنَ اُمَّةٌ هِيَ اَرْبٰى مِنْ اُمَّةٍ ۚ اِنَّمَا يَبْلُوْكُمُ اللّٰهُ بِهٖ ۚ وَلَيُبَيِّنَنَّ لَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ۝ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ يُّضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَلَتُسْـَٔلُنَّ عَمَّا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝ وَلَا تَتَّخِذُوْٓا اَيْمَانَكُمْ دَخَلًا بَيْنَكُمْ فَتَزِلَّ قَدَمٌ بَّعْدَ ثُبُوْتِهَا وَتَذُوْقُوا السُّوْٓءَ بِمَا صَدَدْتُّمْ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ وَلَكُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝ وَلَا تَشْتَرُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۚ اِنَّمَا عِنْدَ اللّٰهِ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ ۚ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ ۚ وَلَنَجْزِيَنَّ الَّذِيْنَ صَبَرُوْٓا اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً ۚ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ فَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ۝ اِنَّهٗ لَيْسَ لَهٗ سُلْطٰنٌ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ۝ اِنَّمَا سُلْطٰنُهٗ عَلَى الَّذِيْنَ يَتَوَلَّوْنَهٗ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِهٖ مُشْرِكُوْنَ ۝ وَاِذَا بَدَّلْنَآ اٰيَةً مَّكَانَ اٰيَةٍ ۙ وَّاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يُنَزِّلُ قَالُوْٓا اِنَّمَآ اَنْتَ مُفْتَرٍ ۚ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ قُلْ نَزَّلَهٗ رُوْحُ الْقُدُسِ مِنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ لِيُثَبِّتَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ ۝ وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ اِنَّمَا يُعَلِّمُهٗ بَشَرٌ ۚ لِسَانُ الَّذِيْ يُلْحِدُوْنَ اِلَيْهِ اَعْجَمِيٌّ وَّهٰذَا لِسَانٌ عَرَبِيٌّ مُّبِيْنٌ ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ۙ لَا يَهْدِيْهِمُ اللّٰهُ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ اِنَّمَا يَفْتَرِي الْكَذِبَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ ۝ مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ اِيْمَانِهٖٓ اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَقَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّۢ بِالْاِيْمَانِ وَلٰكِنْ مَّنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا فَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ مِّنَ اللّٰهِ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمُ اسْتَحَبُّوا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا عَلَى الْاٰخِرَةِ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَسَمْعِهِمْ وَاَبْصَارِهِمْ ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ ۝ لَا جَرَمَ اَنَّهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝ ثُمَّ اِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِيْنَ هَاجَرُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا فُتِنُوْا ثُمَّ جٰهَدُوْا وَصَبَرُوْٓا ۙ اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ يَوْمَ تَاْتِيْ كُلُّ نَفْسٍ تُجَادِلُ عَنْ نَّفْسِهَا وَتُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ۝ وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا قَرْيَةً كَانَتْ اٰمِنَةً مُّطْمَئِنَّةً يَّاْتِيْهَا رِزْقُهَا رَغَدًا مِّنْ كُلِّ مَكَانٍ فَكَفَرَتْ بِاَنْعُمِ اللّٰهِ فَاَذَاقَهَا اللّٰهُ لِبَاسَ الْجُوْعِ وَالْخَوْفِ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ۝ وَلَقَدْ جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مِّنْهُمْ فَكَذَّبُوْهُ فَاَخَذَهُمُ الْعَذَابُ وَهُمْ ظٰلِمُوْنَ ۝ فَكُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا ۚ وَّاشْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ۝ اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَا تَصِفُ اَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هٰذَا حَلٰلٌ وَّهٰذَا حَرَامٌ لِّتَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ۚ اِنَّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُوْنَ ۝ مَتَاعٌ قَلِيْلٌ ۖ وَّلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ وَعَلَى الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا مَا قَصَصْنَا عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ ۚ وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ۝ ثُمَّ اِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِيْنَ عَمِلُوا السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْٓا ۙ اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ كَانَ اُمَّةً قَانِتًا لِّلّٰهِ حَنِيْفًا ۚ وَلَمْ يَكُ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝ شَاكِرًا لِّاَنْعُمِهِ ۚ اِجْتَبٰىهُ وَهَدٰىهُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ وَاٰتَيْنٰهُ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً ۚ وَاِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝ ثُمَّ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ۚ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝ اِنَّمَا جُعِلَ السَّبْتُ عَلَى الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ۚ وَاِنَّ رَبَّكَ لَيَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ۝ اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ۚ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ۝ وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ ۚ وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصّٰبِرِيْنَ ۝ وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ اِلَّا بِاللّٰهِ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُ فِيْ ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُوْنَ ۝ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّالَّذِيْنَ هُمْ مُّحْسِنُوْنَ ۝

القدس" سے تعبیر کیا ہے۔ اور حوریوں نے بھی اسی معنے میں اسے استعمال کیا ہے۔ اگرچہ بعد کو اس کی حقیقت عیسائیوں پر مشتبہ ہوگئی۔

ہیں (یعنے اُن کی کھال اور اون میں) تمہارے لیے گرم کرنے والی پوشش ہے۔ نیز طرح طرح کے فائدے اور انہی میں ایسے جانور بھی ہیں جن کا تم گوشت کھاتے ہو۔

اور دیکھو (انہیں کس طرح پیدا کیا کہ) ان میں تمہاری نگاہوں کے لیے خوش نمائی پیدا ہوگئی ہے جب تم شام کے وقت اُنہیں (میدانوں سے چراکر) واپس لاتے ہو، اور جب صبح کو (میدانوں میں) چھوڑ دیتے ہو (تو اُس وقت اُن کا منظر کیسا خوشنما ہوتا ہے؟)

(اور پھر دیکھو) یہی جانور ہیں جو تمہارا بوجھ اُٹھاکر ایسے (دور دراز) شہروں تک لے جاتے ہیں کہ تم وہاں تک نہیں پہنچ سکتے تھے، مگر بڑی جانکاہی کے ساتھ۔ بلاشبہ تمہارا پروردگار۔ بڑا ہی شفقت رکھنے والا، بڑا ہی رحمت رکھنے والا ہے!

اور (دیکھو) گھوڑے، خچر، اور گدھے پیدا کر دیے ہیں کہ تم اُن سے سواری کا کام لو اور ویسے اُن میں خوشنمائی اور رونق بھی ہے۔ وہ اور بہت سی چیزیں بھی پیدا کرتا ہے، جن کی تمہیں خبر نہیں۔

اور یہ اللہ کا کام ہے کہ راہِ حق واضح کر دے اور راہوں میں ٹیڑھی راہیں بھی ہیں۔ وہ اگر چاہتا تو تم سب کو (ایک ہی) راہ دکھا دیتا (اور مختلف راہیں یہاں پیدا ہی نہ ہوتیں۔ لیکن تم دیکھ رہے ہو

(۳۴) آیت (۲) میں فرمایا تھا کہ یہ اللہ کی مقرر سنت ہے کہ وہ ہدایت خلق کے لیے کسی بندہ کو چن لیتا ہے اور اُسے وحی کی روح سے معمور کر دیتا ہے۔ اور اس ہدایت وحی کی دعوت کیا ہوتی ہے؟ توحید الٰہی کی یقین۔ یعنے اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں پس صرف اسی کی بندگی کرو۔

اب آیت (۳) سے توحید الٰہی کے دلائل کا بیان شروع ہوتا ہے۔ مبدء استدلال "تخلیق بالحق" کی حقیقت ہے جس کی تشریح پہلے گزر چکی، اور مزید تشریح کے لیے تفسیر فاتحہ دیکھنی چاہیے۔

(۳۵) آیت (۴) میں قدرت الٰہی کی اس کرشمہ سازی پر توجہ دلائی ہے کہ نطفہ کے ایک قطرۂ حقیر سے ایک ایسا عقیل و مفکر رجل پیدا ہو جاتا ہے جس میں بحث و نزاع کی قوت ہوتی ہے اور جو بال کی کھال نکالنے لگتا ہے۔ پس یہاں "فاذا هو خصيم مبين" سے مقصود بیان واقعہ ہے نہ کہ مذمت و ملامت جیسا کہ بعض دوسرے مقامات میں ہے۔

(۳۶) پہلے تخلیق بالحق کی حقیقت پر توجہ دلائی کہ کارخانہ ہستی کی ہر چیز کسی سوچی سمجھی ہوئی مصلحت سے بنائی گئی ہے بیکار و عبث نہیں بنی ہے۔ اس کے بعد فرمایا۔ انسان خود اپنی ہستی کو دیکھے اور اپنے چاروں طرف نظر ڈالے کہ کس طرح ہر شے بول رہی ہے کہ مجھے کسی رب و رحیم ہستی نے بنایا ہے جو پرورش کرنا چاہتی ہے، فائدہ پہنچانا چاہتی ہے، ساری احتیاجیں اور ضرورتیں پوری کر رہی ہے، اور سرتاسر بخشش، فضل، احسان، اور

سُوْرَةُ النَّحْل

مکی - ۱۲۸ - آیات

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

۱ اَتٰۤى اَمْرُ اللّٰهِ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْهُ ؕ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝ يُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ بِالرُّوْحِ مِنْ
۲ اَمْرِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖۤ اَنْ اَنْذِرُوْۤا اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنَا فَاتَّقُوْنِ ۝ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ
۳ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ؕ تَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ فَاِذَا هُوَ خَصِيْمٌ
۴ مُّبِيْنٌ ۝ وَالْاَنْعَامَ خَلَقَهَا ۚ لَكُمْ

(۱) یہ سورت من جملہ ان سورتوں کے ہے جو مکی عہد کے آخری ایام میں نازل ہوئیں۔

"امر اللہ" سے مقصود اللہ کی یہ ٹھہرائی ہوئی بات ہے کہ دعوتِ وحی کامیاب ہونی ہے، اور اس کی مخالف قومیں ناکام رہتی ہیں۔ اسی حقیقت کو قرآن نے قضاء بالحق اور شہادت الٰہی سے بھی تعبیر کیا ہے۔ منکر اس بات کی ہنسی اڑاتے تھے۔ اور کہتے تھے، اگر سچ مچ ایسا ہونے والا ہے تو کیوں نہیں ہو چکتا؟ یعنے کیوں اللہ کا حکم ظہور میں نہیں آجاتا؟ ابتدائی عہد کی سورتوں میں کہا گیا تھا کہ قانونِ حق نے ہر بات کے لیے ایک وقت ٹھہرا دیا ہے اور وہ اپنے وقت ہی پر ظاہر ہوتی ہے۔ اس سورت میں فرمایا۔ وہ وقت آگیا ہے۔ یعنے اب بالکل قریب ہے۔ کیونکہ اب مخالفوں کا ظلم و تشدد انتہائی حد تک پہنچ چکا تھا، مومنوں پر زندگی دشوار ہو گئی تھی عنقریب ہجرت مدینہ کا معاملہ ظہور میں آنے والا تھا، اور اس کا ظہور فیصلہ امر کا اعلان تھا۔

(۲) قرآن نے جا بجا وحی الٰہی کو "الروح" سے تعبیر کیا ہے۔ یہاں آیت (۲) میں بھی "الروح" سے مقصود وحی ہے اور ظاہر ہے کہ وحی کے لیے اس سے بہتر تعبیر نہیں ہو سکتی۔ وہ نظر نہیں آتی لیکن جس جسم پر اترتی ہے، وہ اس سے معمور ہو جاتا ہے، اور اس کے اندر سے اس کی صدائیں اٹھنے لگتی ہیں۔ نیز اس اعتبار سے بھی وہ الروح ہے کہ انسانی سعادت کی زندگی اسی سے قائم ہے۔ استجیبوا للہ و للرسول اذا دعاکم لما یحییکم (۸ : ۲۴)

حضرت مسیح علیہ السلام نے اسی حقیقت کو "روح

اللہ کا حکم آپہنچا۔ پس اس کے لیے جلدی نہ مچاؤ۔ (اور انتظار کرو) (اے مخاطب!) اس کی ذات ان باتوں سے پاک اور بلند ہے جو یہ لوگ شرک کی کر رہے ہیں!

وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے اس غرض سے چن لیتا ہے کہ اپنے حکم سے فرشتے الروح کے ساتھ اس پر بھیجے (یعنی وحی کے ساتھ بھیجے) اور اسے حکم دے کہ لوگوں کو اس حقیقت سے خبردار کر دو "میرے سوا کوئی معبود نہیں ہے، پس مجھ سے ڈرو"۔ (اور انکار و بدعملی سے باز آجاؤ)

اس نے آسمان و زمین کا تمام کارخانہ تدبیر و مصلحت سے پیدا کیا ہے۔ (بیکار کو نہیں بنایا) اس کی ذات اس بات سے (پاک و) بلند ہے جو یہ لوگ شرک کی کر رہے ہیں!

اس نے انسان کو نطفہ (کے ایک قطرہ) سے پیدا کیا پھر دیکھو، وہ ایک جھگڑنے والا اور ابھرنے والا وجود ہو گیا!

اور دیکھو۔ اس نے چارپائے پیدا کیے۔ ان

مَوَاخِرَ فِيهِ وَلِتَبْتَغُوا مِنْ فَضْلِهِ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ۝ وَأَلْقَىٰ فِي الْأَرْضِ رَوَاسِيَ أَنْ ۱۴
تَمِيدَ بِكُمْ وَأَنْهَارًا وَسُبُلًا لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ۝ وَعَلَامَاتٍ ۚ وَبِالنَّجْمِ هُمْ يَهْتَدُونَ ۝ ۱۵-۱۶
أَفَمَنْ يَخْلُقُ كَمَنْ لَا يَخْلُقُ ۗ أَفَلَا تَذَكَّرُونَ ۝ وَإِنْ تَعُدُّوا نِعْمَةَ اللَّهِ لَا تُحْصُوهَا ۗ إِنَّ اللَّهَ لَغَفُورٌ ۱۸
رَحِيمٌ ۝ وَاللَّهُ يَعْلَمُ مَا تُسِرُّونَ وَمَا تُعْلِنُونَ ۝ وَالَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ لَا يَخْلُقُونَ ۱۸-۱۹
شَيْئًا وَهُمْ يُخْلَقُونَ ۝ أَمْوَاتٌ غَيْرُ أَحْيَاءٍ ۖ وَمَا يَشْعُرُونَ أَيَّانَ يُبْعَثُونَ ۝ إِلَٰهُكُمْ إِلَٰهٌ ۲۰-۲۱ ع ۸
وَاحِدٌ ۚ فَالَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ قُلُوبُهُمْ مُنْكِرَةٌ وَهُمْ

اور (دیکھو) اُسی نے زمین میں پہاڑ قائم کر دیے، کہ وہ تمہیں لے کر (کسی طرف کو) جھک نہ پڑے اور اس نے نہریں رواں کر دیں اور راستے نکال دیے تاکہ تم (تری اور خشکی کی راہیں قطع کر کے) اپنی منزلِ مقصود تک پہنچو۔ ۱۵

اور دیکھو، اُس نے (قطع مسافت کے لیے طرح طرح کی) علامتیں پیدا کر دیں، اور ستاروں سے لوگ رہنمائی پاتے ہیں! ۱۶

پھر بتلاؤ۔ کیا دونوں ہستیاں برابر ہو گئیں؟ وہ، جو پیدا کرتی ہے، (یعنی جس نے ربوبیت و فیضان کا تمام کارخانہ بنا دیا ہے) اور وہ، جو کچھ پیدا نہیں کرتی (بلکہ خود اپنی ہستی کے لیے پروردگارِ عالم کی ربوبیت کی محتاج ہے؟) پھر کیا تم سمجھتے بوجھتے نہیں؟ ۱۷

اور اگر تم اللہ کی نعمتیں گننی چاہو، تو وہ اتنی ہیں کہ کبھی گن نہ سکو۔ بلاشبہ اللہ بڑا ہی بخشنے والا، بڑا ہی رحمت والا ہے! ۱۸

اور اللہ سب کچھ جانتا ہے۔ جو کچھ تم چھپاتے ہو، اور جو کچھ ظاہر کرتے ہو، کوئی بات اُس سے پوشیدہ نہیں! ۱۹

اور اللہ کے سوا جن ہستیوں کو یہ پکارتے ہیں، اُن کا حال یہ ہے کہ وہ کوئی چیز پیدا نہیں کر سکتے۔ خود کسی کے پیدا کیے ہوئے ہیں۔ ۲۰

وہ مردے ہیں نہ کہ زندگی رکھنے والے۔ انہیں اس کی بھی خبر نہیں کہ کب (موت سے) اُٹھائے جائیں گے! ۲۱

(۶) آیت (۲۰) اور اس کے بعد کی آیتوں میں دلائل سے نتیجہ نکالا ہے۔ ایسا نتیجہ جو خود بخود اُبھر رہا اور ہر نگاہ کے سامنے آ رہا تھا۔ یعنے جس پروردگار نے اپنی پروردگاریوں کا یہ تمام کارخانہ پیدا کر دیا ہے، کیا کوئی دوسری ہستی اُس کے

تمہارا معبود تو ایک ہی معبود ہے (اُس کے سوا کوئی نہیں) پھر جو لوگ آخرت کی زندگی پر یقین نہیں رکھتے، تو ضرور اُن کے دل انکار میں ڈوبے

لَكُمْ أَجْمَعِينَ ۝ هُوَ الَّذِي أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً لَكُمْ مِنْهُ شَرَابٌ وَمِنْهُ شَجَرٌ ۹
فِيهِ تُسِيمُونَ ۝ يُنْبِتُ لَكُمْ بِهِ الزَّرْعَ وَالزَّيْتُونَ وَالنَّخِيلَ وَالْأَعْنَابَ وَمِنْ كُلِّ الثَّمَرَاتِ ۱۰
إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لِقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ ۝ وَسَخَّرَ لَكُمُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۱۱
وَالنُّجُومُ مُسَخَّرَاتٌ بِأَمْرِهِ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِقَوْمٍ يَعْقِلُونَ ۝ وَمَا ذَرَأَ لَكُمْ فِي الْأَرْضِ ۱۲
مُخْتَلِفًا أَلْوَانُهُ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لِقَوْمٍ يَذَّكَّرُونَ ۝ وَهُوَ الَّذِي سَخَّرَ الْبَحْرَ لِتَأْكُلُوا ۱۳
مِنْهُ لَحْمًا طَرِيًّا وَتَسْتَخْرِجُوا مِنْهُ حِلْيَةً تَلْبَسُونَهَا وَتَرَى الْفُلْكَ

حکمت ہے؟

پھر اگر ایک ایسی ربوبیت و رحمت رکھنے والی ہستی موجود ہے، تو ہر طرح کی پرستاریوں کا مستحق اُسے ہونا چاہیے یا انہیں جو خود اپنی پرورش کے لیے اس کی پروردگاری کے محتاج ہیں؟ اور اگر وہ پروردگار ہستی تمہاری تمام جسمانی ضرورتوں اور آسائشوں کا انتظام کر رہی ہے، تو کیا ضروری نہ تھا کہ تمہاری روحانی سعادت و زندگی کا بھی سروسامان کر دیتی؟ یہی سروسامان ہے جو ہدایت وحی اور ترسیل رسل کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ پھر کیوں تمہیں اس پر انکار و تعجب ہو؟

کہ مختلف راہیں ہوئیں، اور اس کی حکمت کا ایسا ہی فیصلہ ہوا)

وہی ہے جس نے آسمان سے پانی برسایا۔ اس میں سے کچھ تو تمہارے پینے کے کام آتا ہے کچھ زمین کو سیراب کرتا ہے۔ اس سے درختوں کے جنگل پیدا ہو جاتے ہیں، اور تم اپنے مویشی ان میں چراتے ہو!

اسی پانی سے وہ تمہارے لیے (ہر طرح کے غلوں کی) کھیتیاں بھی پیدا کر دیتا ہے۔ نیز زیتون کھجور انگور اور ہر طرح کے پھل۔ یقیناً اس بات میں اُن لوگوں کے لیے ایک بڑی نشانی ہے جو غور و فکر کرنے والے ہیں!

اور (دیکھو) اُس نے تمہارے لیے رات اور دن اور سورج اور چاند مسخر کر دیے (کہ تمہاری کار برداریوں کے لیے کام کر رہے ہیں) اور اسی طرح ستارے بھی اُس کے حکم سے تمہارے لیے مسخر ہو گئے ہیں۔ یقیناً اس بات میں ان لوگوں کے لیے بڑی ہی نشانیاں ہیں جو عقل سے کام لیتے ہیں!

اور زمین کی سطح پر طرح طرح کے رنگوں کی پیداوار جو تمہارے لیے پیدا کر دی ہیں (اُن پر غور کرو)۔ بلا شبہ اس میں اُن لوگوں کے لیے ایک نشانی ہے جو سوچنے سمجھنے والے ہیں!

اور (دیکھو) وہی ہے جس نے سمندر تمہارے لیے مسخر کر دیا کہ اُس سے تر و تازہ گوشت نکالو اور کھاؤ اور زیور کی (قیمتی اور خوشنما) چیزیں نکالو جنہیں آرائش کے لیے پہنتے ہو۔ نیز تم دیکھتے ہو کہ جہاز پانی چیرتے ہوئے چلے جاتے ہیں) تاکہ اس کا فضل تلاش کرو (یعنی جہازوں کے ذریعہ تجارت کرو) اور (اس کی نعمتوں کی قدر بجا لا کر) شکر گزار ہو!

يَقُولُ أَيْنَ شُرَكَاءِيَ الَّذِينَ كُنتُمْ تُشَاقُّونَ فِيهِمْ ۚ قَالَ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ إِنَّ الْخِزْيَ
الْيَوْمَ وَالسُّوءَ عَلَى الْكَافِرِينَ ۝ الَّذِينَ تَتَوَفَّاهُمُ الْمَلَائِكَةُ ظَالِمِي أَنفُسِهِمْ ۖ فَأَلْقَوُا السَّلَمَ ۴۷
مَا كُنَّا نَعْمَلُ مِن سُوءٍ ۚ بَلَىٰ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ۝ فَادْخُلُوا أَبْوَابَ جَهَنَّمَ ۴۸
خَالِدِينَ فِيهَا ۖ فَلَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِينَ ۝ وَقِيلَ لِلَّذِينَ اتَّقَوْا مَاذَا أَنزَلَ رَبُّكُمْ ۚ ۴۹
قَالُوا خَيْرًا ۗ لِّلَّذِينَ أَحْسَنُوا فِي هَٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ ۚ وَلَدَارُ الْآخِرَةِ خَيْرٌ ۚ وَلَنِعْمَ
دَارُ الْمُتَّقِينَ ۝ جَنَّاتُ عَدْنٍ يَدْخُلُونَهَا ۵۰

پوچھے گا "بتلاؤ، آج وہ ہستیاں کہاں گئیں جنہیں تم نے میرا شریک بنایا تھا، اور جن کے بارے میں تم (اہلِ حق سے) لڑا کرتے تھے؟" اُس وقت وہ لوگ جنہیں (حقیقت کا) علم دیا گیا تھا، پکار اُٹھیں گے "بے شک، آج کے دن کی رسوائی اور خرابی سرتاسر کافروں کے لیے ہے۔ اُن کافروں کے لیے کہ فرشتوں نے جب اُن کی روحیں قبض کی تھیں تو اپنی جانوں پر خود اپنے ہاتھوں ظلم کر رہے تھے"۔ ۲۷

تب وہ اطاعت کا اظہار کر دینگے اور کہیں گے "ہم نے تو (اپنی دانست میں) کوئی بُرائی کی بات نہیں کی تھی"۔ (لیکن اہلِ علم جواب دیں گے) "ہاں، تم نے ضرور کی، اور تم جو کچھ کرتے رہے ہو، اللہ اس سے اچھی طرح واقف ہے!" ۲۸

پس اب تمہارے لیے یہی ہے کہ جہنم کے دروازوں میں (گروہ گروہ ہو کر) داخل ہو جاؤ۔ تمہیں ہمیشہ کے لیے اسی میں رہنا ہے" تو دیکھو (حق کے مقابلہ میں گھمنڈ کرنے والوں کا کیا ہی بُرا ٹھکانا ہوا! ۲۹

اور (جب متقیوں سے پوچھا گیا "وہ کیا بات ہے جو تمہارے پروردگار نے نازل کی ہے؟" تو انہوں نے کہا "سرتاسر خیر و برکت کی بات" سو (دیکھو) جن لوگوں نے اس دنیا میں اچھائی کی، اُن کے لیے اچھائی ہی ہے، اور یقیناً (اُن کے لیے) آخرت کا گھر بھی خیر و برکت ہی کا گھر ہے پس متقیوں کا ٹھکانا کیا ہی اچھا ٹھکانا ہوا! ۳۰

دائمی (راحت و سرور کے) باغ جن میں وہ داخل

(۷) بُرائی اور معصیت کرنے کو ہر جگہ قرآن نے ظلموا انفسھم اور اسرفوا علیٰ انفسھم سے تعبیر کیا ہے۔ یعنے انہوں نے اپنی جانوں کے ساتھ ناانصافی کی، اپنی جانوں پر زیادتی کی۔ یہاں بھی آیت (۲۸) میں ایسی ہی تعبیر ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ قرآن کے نزدیک کفر و بدعملی کی حقیقت اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ یہ خود اپنے ہاتھوں اپنی جانوں کو نقصان و ہلاکت میں ڈالنا ہے۔

اس بات کی مثال بالکل ایسی ہے، جیسے کسی آدمی کو ہم سنکھیا کھاتے دیکھتے ہیں، تو بے اختیار کہہ اُٹھتے ہیں کہ کیوں اپنی جان کے پیچھے پڑے ہو! اپنے ہاتھوں اپنے کو ہلاک کر رہے ہو؟ قرآن کے نزدیک کفر و معصیت بھی ایسی ہی چیز ہے یہ دودھ پینے کی جگہ سنکھیا کھانا ہے، اور جو کھاتا ہے، وہ خود ہی اپنی جان کے ساتھ ناانصافی کرتا ہے۔ اور خود اپنے اوپر زیادتی کرنے والا ہوتا ہے۔

(۸) آیت (۲۴) سے آیت (۳۲) تک دو گروہوں کی دو متضاد حالتیں اور متضاد نتیجے بیان کیے ہیں،

مُّسْتَكْبِرُونَ ۝ لَا جَرَمَ أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّونَ وَمَا يُعْلِنُونَ إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُسْتَكْبِرِينَ ۝ ۲۲-۲۳
وَإِذَا قِيلَ لَهُم مَّاذَا أَنزَلَ رَبُّكُمْ ۙ قَالُوا أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ ۝ ۲۴
لِيَحْمِلُوا أَوْزَارَهُمْ كَامِلَةً يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۙ وَمِنْ أَوْزَارِ الَّذِينَ يُضِلُّونَهُم بِغَيْرِ عِلْمٍ ۗ أَلَا سَاءَ مَا يَزِرُونَ ۝ ۲۵
قَدْ مَكَرَ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ فَأَتَى اللَّهُ بُنْيَانَهُم مِّنَ الْقَوَاعِدِ فَخَرَّ عَلَيْهِمُ السَّقْفُ مِن فَوْقِهِمْ وَأَتَاهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُونَ ۝ ۲۶
ثُمَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يُخْزِيهِمْ وَ

برابر ہو سکتی ہے؟ کیا وہ ہستی جو سب کچھ پیدا کر رہی ہے، اور وہ جو پیدا نہیں کر سکتی، دونوں برابر ہو سکتی ہیں؟ اگر نہیں ہو سکتیں، تو اس سے بڑھ کر عقل کی کوری اور روح کی موت کیا ہو سکتی ہے کہ تم دوسری ہستیوں کو بھی پروردگار عالم کے ساتھ معبودیت میں شریک گردان رہے ہو؟

آیت (۱۸) میں فرمایا۔ ان چند ہستیوں کی پیدائش ہی پر موقوف نہیں۔ اس کی نعمتیں تو اتنی ہیں کہ اگر گننا چاہو تو تمہاری طاقت سے باہر ہے کہ گن سکو۔ تمہاری زندگی کا ہر سانس اس کی کسی نہ کسی نعمت کا رہین منت ہے۔ کارخانۂ ہستی کا ہر ذرہ کسی نہ کسی بخشش و کرم کی نشانی ہے۔ درختوں کا ہر پھول، دھوپ کی ہر کرن، ہوا کا ہر جھونکا، بارش کا ہر قطرہ، چاند کی ہر نمود، ستاروں کی ہر چمک، پرندوں کی ہر چہچہاہٹ، اس کی ربوبیت کی ایک پروردگاری اور اس کی رحمت کی ایک چارہ سازی ہے۔ تم اگر درختوں کے سبز پتے، پھولوں کے رنگین ورق اور سورج کی سنہری کرنیں گن سکتے ہو، تو اس کی نعمتیں بھی گن لو۔ تم درختوں کے ہر پتے سے پوچھو، بارش کے ہر قطرے سے سوال کرو، سورج کی ہر کرن کا منہ دیکھو تمہیں یہی جواب ملے گا کہ ان اللہ لغفور رحیم! جس نے یہ سب کچھ بنایا ہے وہ بڑا ہی بخشنے والا، بڑا ہی رحمت والا ہے!

ہوئے ہیں۔ وہ (سچائی کے مقابلہ میں) گھمنڈ کر رہے ہیں۔

یقیناً (اللہ) اُن کے حال سے بے خبر نہیں) یہ جو کچھ (اپنے دل میں) چھپائے ہوئے ہیں اور جو کچھ زبان پر) ظاہر کرتے ہیں، سب اس کے علم میں ہے وہ گھمنڈ کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

اور جب ان لوگوں سے پوچھا جاتا ہے "وہ کیا بات ہے جو تمہارے پروردگار نے اتاری ہے؟" تو کہتے ہیں "کچھ نہیں، محض اگلے وقتوں کے افسانے ہیں" (ان کے اس کہنے کا نتیجہ کیا ہے!) یہ کہ قیامت کے دن پورا پورا (اپنے گناہوں کا) بوجھ اٹھائیں، اور ان لوگوں کے بوجھ کا بھی ایک حصہ، جنہیں (اس طرح کی باتیں کہہ کہہ کر) یہ بغیر علم و روشنی کے گمراہ کر رہے ہیں۔ تو دیکھو، کیا ہی بُرا بوجھ ہے جو یہ اپنے اوپر لادے چلے جا رہے ہیں!

ان سے پہلے جو گزر چکے ہیں، انہوں نے بھی (دعوتِ حق کے خلاف) تدبیریں کی تھیں، لیکن (کیا نتیجہ نکلا؟) انہوں نے اپنی تدبیروں کی جو عمارت بنائی تھی، اللہ نے اس کی بنیاد کی اینٹیں تک ہلا دیں۔ پس ان کے اوپر (انہی کی بنائی ہوئی) چھت آ گری، اور ایسی راہ سے عذاب نمودار ہوا جس کا انہیں وہم و گمان بھی نہ تھا!

پھر (اس کے بعد) قیامت کا دن (پیش آنے والا) ہے، جب وہ انہیں رسوائی میں ڈالے گا، اور

وَقَالَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا عَبَدْنَا مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَيْءٍ نَّحْنُ وَلَآ اٰبَآؤُنَا وَ
لَا حَرَّمْنَا مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَيْءٍ ؕ كَذٰلِكَ فَعَلَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۚ فَهَلْ عَلَى الرُّسُلِ
اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ۝ وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ ۚ ۳۵
فَمِنْهُمْ مَّنْ هَدَى اللّٰهُ وَمِنْهُمْ مَّنْ حَقَّتْ عَلَيْهِ الضَّلٰلَةُ ۚ فَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا
كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ۝ اِنْ تَحْرِصْ عَلٰى هُدٰىهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ ۳۶

اور مشرکوں نے کہا "اگر اللہ چاہتا تو کبھی ایسا نہ ہوتا کہ ہم یا ہمارے باپ دادا اُس کے سوا دوسری ہستیوں کی پوجا کرتے، اور نہ ایسا ہوتا کہ بغیر اُس کے حکم کے کسی چیز کو (اپنے جی سے) حرام ٹھہرا لیتے" ایسی ہی روش اُن لوگوں نے بھی اختیار کی تھی جو ان سے پہلے گزر چکے ہیں۔ پھر (تبلاؤ) پیغمبروں کے ذمے اس کے سوا اور کیا ہے کہ صاف صاف پیغامِ حق پہنچا دیں؟ ۳۵

اور یہ واقعہ ہے کہ ہم نے (دنیا کی) ہر امت میں کوئی نہ کوئی رسول ضرور پیدا کیا، (تاکہ اُس پیام حق کا اعلان کر دے) کہ اللہ کی بندگی کرو، اور سرکش قوتوں سے بچو۔ پھر ان امتوں میں سے بعض ایسی تھیں جن پر اللہ نے (کامیابی کی) راہ کھول دی بعض ایسی تھیں جن پر گمراہی ثابت ہو گئی۔ پس ملکوں کی سیر کرو اور دیکھو، جو قومیں (سچائی کی) جھٹلانے والی تھیں، انہیں بالآخر کیسا انجام پیش آیا؟ ۳۶

(اے پیغمبر!) تم ان لوگوں کے ہدایت پانے کے کتنے ہی خواہشمند ہو، لیکن (یہ راہ پانے والے نہیں۔ کیونکہ) اللہ اس آدمی پر (کامیابی کی) راہ کبھی نہیں کھولتا جس پر (اُس کے انکار و سرکشی کی وجہ سے) راہ گم کر دیتا ہے، اور ایسے لوگوں کے

(۹) قرآن نے جا بجا مشرکوں کا یہ قول نقل کیا ہے کہ "اگر شرک بُرائی ہے، تو خدا کیوں ہمیں بُرائی کرنے دیتا ہے؟ اگر وہ چاہتا کہ اُس کے سوا اور کسی کی بندگی نہ کی جائے، تو کبھی ایسا نہ ہو سکتا کہ ہم اور ہمارے آباؤ اجداد ایسی بات کر سکتے۔ اگر وہ چاہے تو اب بھی ہمیں روک دے سکتا ہے۔ اِس شور و ہنگامہ کی جگہ جو تم نے بپا کر رکھا ہے، کیوں خدا سے نہیں کہتے کہ ہمیں روک دے؟" چنانچہ یہاں بھی آیت (۳۵) میں اُن کا یہی قول نقل کیا ہے، اور پھر اس کا جواب دیا ہے۔

فرمایا۔ یہ کوئی نئی بات نہیں ہے جو انہوں نے کہہ دی۔ پہلے بھی لوگ ایسی ہی روش اختیار کر چکے ہیں لیکن یہ روش گمراہی اور ہٹ دھرمی کی روش ہے۔ اللہ کے رسول اس لیے نہیں آتے کہ لوگوں سے بُرائی کرنے کی طاقت سلب کر لیں اور انہیں ایسا بنا دیں کہ بُرائی کر ہی نہ سکیں۔ وہ تو پیامِ حق پہنچانے والے ہیں۔ اور پیام پہنچانے والے کا کام صرف یہ ہے کہ صاف صاف اور روشن طریقہ پر پیام پہنچا دے۔ اب اُسے ماننا یا نہ ماننا، یہ سننے والوں کا کام ہے۔ پیام پہنچانے والا اس کے لیے ذمہ دار نہیں۔

اور جب اللہ کی مشیت یہی ہوئی کہ انسان کو کسی ایک حالت پر مجبور نہ کر دیا جائے، بلکہ ہر طرح کی حالت اختیار کرنے کی قدرت دی جائے، تو اللہ کے رسولوں سے کیوں اس کی توقع کی جائے کہ لوگوں سے یہ قدرت سلب کر لیں؟

پھر فرمایا دنیا کی کوئی اُمت نہیں جس میں اللہ کا رسول نہ آیا ہو۔ اور اُس نے توحید و خدا پرستی کی تعلیم نہ دی

۳۱ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ لَهُمْ فِيْهَا مَا يَشَآءُوْنَ ۭ كَذٰلِكَ يَجْزِي اللّٰهُ الْمُتَّقِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ
۳۲ تَتَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰۗىِٕكَةُ طَيِّبِيْنَ ۙ يَقُوْلُوْنَ سَلٰمٌ عَلَيْكُمُ ۙ ادْخُلُوا الْجَنَّةَ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝
هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ تَاْتِيَهُمُ الْمَلٰۗىِٕكَةُ اَوْ يَاْتِيَ اَمْرُ رَبِّكَ ۭ كَذٰلِكَ فَعَلَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ
۳۳ وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ۝ فَاَصَابَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا عَمِلُوْا وَحَاقَ
ع ۴ ۳۴ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝

ایک گروہ منکروں کا ہے۔ ایک متقی انسانوں کا۔
منکروں کے نزدیک وحی کی حقیقت کیا ہے؟ قالوا: اساطیر الاولین۔ یہ تو وہی اگلوں کے افسانے ہیں۔ اس کے سوا کچھ نہیں۔ لیکن جو لوگ متقی ہیں۔ اُن کے نزدیک اس ۳۱ کی حقیقت کیا ہے؟ قالوا خیرا۔ سرتاسر خیر و برکت!
پہلے گروہ پر جب موت آتی ہے تو اس حال میں آتی ہے کہ بُرائیوں میں سرگرم ہوتے ہیں۔ تتوفٰھم الملٰئکۃ ظالمی انفسھم۔ لیکن دوسرے گروہ پر جب آتی ہے تو وہ ایمان و یقین اور پاکیٔ عمل کی روح سے خوش حال ہوتے ہیں تتوفٰھم الملٰئکۃ طیبین!
جزاء عمل کے لحاظ سے بھی دونوں کی حالتیں متضاد ہوئیں۔ پہلے گروہ کو کہا جائے گا: ادخلوا ابواب جھنم دوسرے سے کہا جائے گا: ادخلوا الجنۃ۔
۳۲ پہلے کے لیے خواری و عذاب کا پیام ہوگا: ان الخزی الیوم والسوء علی الکٰفرین! دوسرے کے لیے سلامتی کا پیام: سلام علیکم ادخلوا الجنۃ!
پہلے نے گھمنڈ کیا تھا، تو گھمنڈ کرنے والوں کا کیا ہی بُرا ٹھکانا ہوا: فلبئس مثوی المتکبرین! دوسرے نے تقویٰ کی روش اختیار کی تھی، تو تقویٰ کی راہ چلنے والوں کا کیا ہی اچھا ٹھکانا ہوا! ولنعم دار المتقین!
پہلے کے لیے عذاب دائمی ہوا: خٰلدین فیھا۔ دوسرے کے لیے نعیم و سرور کی زندگی دائمی ہوئی: جنٰت عدن یدخلونھا!

ہونگے۔ اُن کے نیچے نہریں بہ رہی ہیں (اس لیے بھی خشک ہونے والے نہیں) جو کچھ چاہیں گے وہاں اُن کے لیے مہیا ہو جائے گا۔ اسی طرح اللہ متقیوں کو (اُن کی نیک عملی کا) بدلہ دیتا ہے!
وہ (متقی) جنہیں فرشتے اس حال میں وفات دیتے ہیں کہ (دل کے اطمینان اور ایمان کے یقین کی وجہ سے) خوش حال ہوتے ہیں۔ فرشتے اُنہیں کہتے ہیں "تم پر سلامتی ہو! جنت میں داخل ہو جاؤ، یہ نتیجہ ہے اُن کاموں کا جو تم کرتے رہے ہو!"
(اے پیغمبر!) یہ لوگ جو انتظار کر رہے ہیں، تو اس بات کے سوا اور کونسی بات اب باقی رہ گئی ہے کہ فرشتے اُن پر آ جائیں، یا تیرے پروردگار کا (حتمی) حکم ظہور میں آ جائے؟ ایسا ہی ان لوگوں نے بھی کیا تھا جو ان سے پہلے گزر چکے ہیں (کہ سرکشی و فساد سے باز نہ آئے یہاں تک کہ حکم الٰہی ظہور میں آ گیا) اور اللہ نے اُن پر ظلم نہیں کیا تھا بلکہ وہ خود ہی اپنے ۳۳ اوپر ظلم کرتے رہے!
اس صورت حال کا نتیجہ یہ نکلا کہ جیسے کچھ اُن کے کام تھے، ویسے ہی بُرے نتیجے بھی ملے، اور جس ۳۴ بات کی ہنسی اڑایا کرتے تھے، وہی اُنہیں آ لگی!

يَتَوَكَّلُونَ ۝ وَمَآ أَرْسَلْنَا مِن قَبْلِكَ إِلَّا رِجَالًا نُّوحِيٓ إِلَيْهِمْ فَسْـَٔلُوٓا۟ أَهْلَ ٱلذِّكْرِ إِن ۴۲
كُنتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ۝ بِٱلْبَيِّنَٰتِ وَٱلزُّبُرِ ۗ وَأَنزَلْنَآ إِلَيْكَ ٱلذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ ۴۳
إِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ ۝ أَفَأَمِنَ ٱلَّذِينَ مَكَرُوا۟ ٱلسَّيِّـَٔاتِ أَن يَخْسِفَ ٱللَّهُ بِهِمُ ۴۴ ع
ٱلْأَرْضَ أَوْ يَأْتِيَهُمُ ٱلْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُونَ ۝ أَوْ يَأْخُذَهُمْ فِى تَقَلُّبِهِمْ فَمَا ۴۵
هُم بِمُعْجِزِينَ ۝ ۴۶

اور اختلافات پیدا ہوتے رہتے ہیں، ان کا فیصلہ ہو جائے اور حقیقت سب کے سامنے آجائے۔ نیز اس لیے کہ گمراہ اور بدعمل اپنی گمراہی و بدعملی اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں۔

یعنے دنیوی زندگی میں پردوں کا نہ اٹھنا اور مشاہدۂ حقیقت کا نہ ہونا، بتلا رہا ہے کہ کوئی اور زندگی ضرور ہے جہاں بالآخر پردے اٹھیں گے۔ پس یہ صورتِ حال گو یا خالقِ ہستی کی طرف سے ایک وعدہ ہوئی کہ اب نہیں، لیکن آئندہ ایسا ہونے والا ہے، اور ضروری ہے کہ یہ وعدہ پورا ہو کر رہے۔

اور (اے پیغمبر!) تجھ سے پہلے ہم نے جتنے رسولوں کو بھیجا، تو اسی طرح بھیجا کہ آدمی تھے۔ اُن اُن پر ہم وحی بھیجتے تھے۔ (ایسا کبھی نہیں ہوا کہ آسمان کے فرشتے اُتر آئے ہوں) پس (اے منکرینِ حق!) اگر خود تمہیں (یہ بات) معلوم نہیں تو اُن لوگوں سے دریافت کر لو جو (آسمانی کتابوں کی) سمجھ بوجھ رکھتے ہیں (یعنے یہودیوں اور عیسائیوں سے) ۴۳

ہم نے ان رسولوں کو روشن دلیلوں اور کتابوں کے ساتھ بھیجا تھا، اور (اسی طرح) تجھ پر بھی "الذکر" (یعنے قرآن) نازل کیا، تاکہ جو تعلیم لوگوں کی طرف بھیجی گئی ہے، وہ اُن پر واضح کر دے۔ نیز اس لیے کہ وہ غور و فکر کریں (اور ہدایت کی راہ پالیں) ۴۴

پھر جن لوگوں نے (اپنے بُرے مقصدوں کے لیے تدبیریں کی ہیں، کیا وہ اس بات سے مطمئن ہو گئے ہیں کہ اللہ انہیں زمین میں دھنسا دے؟ یا ایک ایسی راہ سے عذاب آنا نازل ہو جس کا انہیں وہم و گمان بھی نہ ہو؟ ۴۵

یا ایسا ہو کہ عین اس وقت جب وہ (اپنی کوششوں میں) تگ و دو کر رہے ہوں، عذابِ الٰہی انہیں آ پکڑے؟ کہ وہ اللہ کو (اپنی تدبیروں سے) عاجز نہیں ۴۶

(۱۱) آیت (۴۰) میں فرمایا، تمہیں انسان کے دوبارہ زندہ ہونے پر اس لیے تعجب ہو رہا ہے کہ اللہ کی قدرت کا صحیح اندازہ نہیں۔ تم اسی راز دسے اُس کے کام بھی تولنا چاہتے ہو جس سے اپنے کام تولا کرتے ہو۔

وہ کسی چیز کے ظہور میں لانے کے لیے نہ تو کسی سروسامان کا محتاج ہے نہ کسی دوسری ہستی کی موجودگی کا صرف اُس کا ارادہ ہی ہر طرح کی علت ہے، ہر طرح کا سروسامان ہے، ہر طرح کا مواد ہے۔ وہ جب چاہتا ہے کہ ایک چیز ظہور میں آجائے تو بس اُس کا چاہنا ہی سب کچھ ہے۔ جونہی اُس کی مشیت کا فیصلہ ہوا، ہر چیز ظہور میں آگئی!

یاد رہے کہ "ان یقول لہ کن" کا یہ مطلب نہیں ہے کہ عربی کا لفظ "کن" جو کاف اور نون سے مرکب ہے۔ بولنے میں آتا ہے۔ یا کلمہ خطاب امر کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ چیزیں وجود میں آجاتی ہیں، بلکہ صاف مطلب یہ ہے کہ صرف اُس کا ارادہ تخلیق کے لیے کافی ہے، اور اُس کی قدرت کا یہ حال ہے کہ جس بات کا حکم دے دیتا ہے، وہ بمجرد حکم ظہور میں آجاتی ہے۔

مَنْ يُّضِلُّ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ۝ وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ ۙ لَا يَبْعَثُ اللّٰهُ مَنْ
يَّمُوْتُ ۭ بَلٰى وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ لِيُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِيْ
يَخْتَلِفُوْنَ فِيْهِ وَلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰذِبِيْنَ ۝ اِنَّمَا قَوْلُنَا لِشَيْءٍ اِذَآ اَرَدْنٰهُ
اَنْ نَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ۝ وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِي اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا لَنُبَوِّئَنَّهُمْ فِي الدُّنْيَا
حَسَنَةً ۭ وَلَاَجْرُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ۝ الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَعَلٰي رَبِّهِمْ

۳۷ ہو پھر کسی نے مانا، اور اللہ نے فلاح و سعادت کی راہ اس پر کھول دی۔ کسی نے نہیں مانا، اور گمراہی کی بات ثابت ہو گئی۔ اور گمراہی کا نتیجہ پیش آ گیا۔ پس اللہ کا قانون ہدایت و شقاوت ایسا ہی چلا آیا ہے۔ یہ کبھی نہیں ہوا کہ لوگوں کو جبراً ہدایت یافتہ بنا دیا گیا ہو۔

۳۸ دوبارہ نہیں اُٹھائے گا" ہاں ضرور اُٹھائے گا۔ یہ اُس کا وعدہ ہے، اور اُس کا پورا کرنا اُس پر لازم ہے لیکن اکثر آدمی ہیں جو اس بات کا علم نہیں رکھتے!

(۱۰) یہ اعتقاد کہ انسان کی زندگی صرف اتنی ہی نہیں ہے جتنی دنیا میں بسر کرنا ہے۔ بلکہ اس کے بعد بھی ایک زندگی ہے، اور اُس زندگی میں جزاء عمل کا معاملہ پیش آنے والا ہے تمام مذاہب عالم کا عالمگیر اعتقاد ہے لیکن مشرکین عرب اِس سے بے خبر تھے۔ اِس لیے جب قرآن نے آخرت کی زندگی اور حشرِ اجساد کا اعلان کیا تو انہیں بڑی ہی عجیب بات معلوم ہوئی۔ وہ کہتے تھے، جب آدمی مر گیا تو مر گیا پھر اس کے بعد زندگی کیسے ہو سکتی ہے؟ چنانچہ قرآن نے جا بجا ان کے اقوال نقل کیے ہیں، اور جواب دیا ہے، یہاں آیت (۳۸) میں فرمایا۔ یہ لوگ یقین کے ساتھ کہتے ہیں کہ اللہ مُردوں کو دوبارہ زندہ نہیں کرے گا، لیکن نہیں جانتے کہ اللہ کے لیے ایسا کرنا ضروری ہے۔ کیونکہ یہ اس کا وعدہ ہے، یعنے اُس کی ٹھہرائی ہوئی بات ہے، اور ضروری ہے کہ ظہور میں آئے۔

یہ اُس کا وعدہ کیونکر ہے؟ اس طرح کہ خود دنیوی زندگی کی ہر بات کہہ رہی ہے کہ اُسے ایسا کرنا ہے اور وہ ضرور کرے گا چنانچہ اس کے بعد فرمایا لیبین لھم الذی یختلفون فیہ، ولیعلم الذین کفروا انھم کانوا کاذبین تاکہ جن حقیقتوں کا انسان دنیوی زندگی میں فیصلہ نہیں کر سکتا

۳۹

۴۰

۴۱

۴۲

لیے کوئی مددگار بھی نہیں ہوتا (کہ انہیں نتائج عمل سے بچا لے)

اور (دیکھو) ان لوگوں نے اللہ کی سخت سے سخت قسمیں کھائیں کہ "جو مر جاتا ہے، اُسے اللہ کبھی

(اور پھر کیوں اُٹھائے گا؟) اِس لیے کہ جن باتوں میں لوگ اختلاف کرتے ہیں، اُن کی حقیقت کھول دے اور اِس لیے کہ منکر جان لیں، وہ (اپنی روش میں) جھوٹے تھے۔

جب ہم ارادہ کرتے ہیں کہ کوئی چیز پیدا کر دیں تو اس کے سوا ہمیں اور کچھ کہنا نہیں ہوتا کہ کہہ دیتے ہیں "ہو جا"، اور بس وہ ہو جاتا ہے!

اور (یاد رکھو) جن لوگوں پر (اُن کے ایمان لانے کی وجہ سے) ظلم ہوا، اور ظلم سہنے کے بعد انہوں نے اللہ کی راہ میں ہجرت کی، تو ہم ضرور انہیں دنیا میں اچھا ٹھکانا دینگے اور آخرت کا بدلہ تو کہیں بڑھ کر ہے اگر یہ لوگ جان لیتے!

یہ لوگ جو ہر طرح کی مصیبتوں میں ثابت قدم رہے اور جو اپنے پروردگار پر بھروسہ رکھتے ہیں!

مَسَّكُمُ الضُّرُّ فَإِلَيْهِ تَجْأَرُونَ ۝ ثُمَّ إِذَا كَشَفَ الضُّرَّ عَنْكُمْ إِذَا فَرِيقٌ مِّنْكُم بِرَبِّهِمْ ۵۳
يُشْرِكُونَ ۝ لِيَكْفُرُوا بِمَا آتَيْنَاهُمْ فَتَمَتَّعُوا فَسَوْفَ تَعْلَمُونَ ۝ وَيَجْعَلُونَ لِمَا لَا ۵۴-۵۵
يَعْلَمُونَ نَصِيبًا مِّمَّا رَزَقْنَاهُمْ تَاللَّهِ لَتُسْأَلُنَّ عَمَّا كُنتُمْ تَفْتَرُونَ ۝ وَيَجْعَلُونَ لِلَّهِ الْبَنَاتِ ۵۶
سُبْحَانَهُ وَلَهُم مَّا يَشْتَهُونَ ۝ وَإِذَا بُشِّرَ أَحَدُهُمْ بِالْأُنثَىٰ ظَلَّ وَجْهُهُ ۵۷

(۱۲) جب دشمن ظلم و تشدد اس حد تک پہنچ گیا کہ مسلمانوں پر زندہ رہنا دشوار ہو گیا، تو پیغمبر اسلام نے اجازت دے دی کہ حبش (ابی سینا) کی طرف ہجرت کر جائیں چنانچہ پہلے بارہ مرد اور چار عورتوں کا قافلہ مکہ سے نکلا جس کے رئیس حضرت عثمان بن عفان تھے۔ اس کے بعد اور لوگ نکلے جن کی تعداد ۸۳ مردوں اور ۱۸ عورتوں تک پہنچ گئی۔

تاریخ اسلام کی یہ پہلی ہجرت ہے۔ دوسری ہجرت یثرب کی ہجرت تھی۔

آیت (۴۱) میں جن مہاجرین کا ذکر کیا ہے اُس سے مقصود ابی سینا کے مہاجرین ہیں۔ فرمایا۔ انھوں نے اللہ کی سچائی کی راہ میں اپنا گھر بار چھوڑا ہے اور ہجرت کی مصیبتیں برداشت کی ہیں، تو ضروری ہے کہ اللہ اُن کا مددگار ہو، اور اُن کے لیے دنیا میں اچھا ٹھکانا پیدا کر دے۔

چنانچہ ایسا ہی ہوا، اور ابی سینا کا دار غربت ان کے لیے امن و عزت کا مہمان سرا بن گیا۔ وہی ابی سینا ہے جس کے ایک سپہ سالار ابرہہ نے پچاس برس پہلے مکہ پر حملہ کیا تھا، لیکن اب اُسی مکہ کے مظلوموں کا اخلاص و محبت کے ساتھ استقبال کر رہا ہے!

اتنا ہی نہیں بلکہ مظلومیت کی یہ ہجرت تبلیغ حق کی کامرانیوں کا ایک عجیب و غریب وسیلہ بن گئی یعنے ابی سینا کے بادشاہ کا دل قبولیت حق کے لیے کھل گیا اور دعوت اسلام پر ایمان لے آیا۔ چنانچہ سورۂ مائدہ کی آیۃ (۸۳) میں اس کا ذکر گذر چکا ہے۔

(۱۳) قوانین الٰہی کی عجائب آفرینیوں میں سے ایک عجیب و غریب منظر "ظل" یعنے اجسام کے سائے کا ہے۔ نظام شمسی کے تمام کرشمے اس چیز میں ہم دیکھ لے سکتے ہیں۔ یہ ہمارے

پہنچتا ہے، تو اُسی کے آگے زار نالی کرتے ہو! ۵۳

پھر جب ایسا ہوتا ہے کہ وہ تم سے دکھ دور کر دیتا ہے، تو دیکھو، تم میں سے ایک گروہ اپنے پروردگار کے ساتھ دوسری ہستیوں کو شریک بنانے لگتا ہے تاکہ جو نعمت ہم نے اُسے دی تھی، اُس کی (پوری طرح) ناشکری کرے! ۵۴

اچھا، (زندگی کے چند روزہ) فائدے اُٹھا لو پھر ایک وقت آئے گا کہ (اپنی ان ناشکریوں کا نتیجہ) معلوم کر لوگے! ۵۵

اور پھر دیکھو ہم نے جو کچھ رزق انھیں عطا کیا ہے، اُس میں یہ ان ہستیوں کا بھی حصہ ٹھہراتے ہیں جن کی حقیقت کی انھیں خبر نہیں۔ بخدا تم سے ضرور اس بارے میں باز پرس ہوگی کہ (حقیقت کے خلاف) کیسی افترا پردازیاں کرتے رہتے ہو! ۵۶

اور یہ اللہ کے لیے بیٹیاں ٹھہراتے ہیں! اس کے لیے پاکی ہو! (بھلا اللہ کے لیے بیٹیاں!) اور خود ان کے لیے کیا؟ وہ، جس کے یہ بڑے خواہشمند ہیں! (یعنے بیٹے) ۵۷

جب ان لوگوں میں سے کسی کو بیٹی پیدا ہونے کی خوشخبری دی جاتی ہے، تو (مارے رنج کے) اُس کا

أَوْ يَأْخُذَهُمْ عَلَىٰ تَخَوُّفٍ فَإِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوفٌ رَّحِيمٌ ۝ أَوَلَمْ يَرَوْا إِلَىٰ مَا خَلَقَ اللَّهُ مِن
شَيْءٍ يَتَفَيَّأُ ظِلَالُهُ عَنِ الْيَمِينِ وَالشَّمَائِلِ سُجَّدًا لِّلَّهِ وَهُمْ دَاخِرُونَ ۝ وَلِلَّهِ يَسْجُدُ مَا
فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ مِن دَابَّةٍ وَالْمَلَائِكَةُ وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُونَ ۝ يَخَافُونَ رَبَّهُم
مِّن فَوْقِهِمْ وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ ۝ وَقَالَ اللَّهُ لَا تَتَّخِذُوا إِلَٰهَيْنِ اثْنَيْنِ إِنَّمَا هُوَ
إِلَٰهٌ وَاحِدٌ فَإِيَّايَ فَارْهَبُونِ ۝ وَلَهُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَلَهُ الدِّينُ وَاصِبًا
أَفَغَيْرَ اللَّهِ تَتَّقُونَ ۝ وَمَا بِكُم مِّن نِّعْمَةٍ فَمِنَ اللَّهِ ثُمَّ إِذَا

۴۷ وہ اپنے ارادہ اور حکم کے نفاذ میں کسی دوسری چیز کا محتاج نہیں۔

پس ہمارے مفسرین نے یہاں جس قدر فلسفیانہ کاوشیں کی ہیں اور خطاب بہ معدوم وغیرہ کے سوالات اٹھائے ہیں، سب بے محل اور بے معنی ہیں سادہ اور فطری التفات نہیں۔

غور کرو کس طرح چند لفظوں کے اندر اللہ کی خالقیت وقدرت کی کامل تصویر کھینچ دی ہے؟ ایسی تصویر کہ اس سے زیادہ لاثانی تصور نہ تو کچھ سوچ سکتا ہے، نہ سوچ سکنے کی قدرت رکھتا ہے۔ اس نے تمام کارخانہ ہستی کیونکر پیدا کیا؟ وہ جو کچھ پیدا کرنا چاہتا ہے کس طرح ظہور میں آجاتا ہے؟ اس طرح کہ اس کا حکم ہوتا ہے اور اس کا حکم ہی ساری علتوں کی علت اور سارے سببوں کا آخری سبب ہے!

۴۸ اور آسمان میں جتنی چیزیں ہیں، اور زمین میں جتنے جانور ہیں، سب اللہ کے آگے سربسجود ہیں۔ نیز فرشتے، اور وہ سرکشی نہیں کرتے۔

۴۹ وہ اپنے پروردگار سے ڈرتے رہتے ہیں جو ان کے اوپر موجود ہے۔ اور جو کچھ حکم انہیں دیا جاتا ہے اس کی تعمیل کرتے ہیں!

۵۰ اور اللہ نے فرمایا۔ "دو دو معبود اپنے لیے نہ بناؤ حقیقت اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ وہی ایک معبود ہے۔ تو دیکھو، صرف میں ہی ہوں، پس صرف مجھی سے ڈرو!

۵۱ اسی کے لیے ہے، جو کچھ آسمان اور زمین میں ہے، اور اسی کے لیے دین ہے دائمی۔ پھر کیا تم اللہ کے سوا دوسری ہستیوں سے ڈرتے ہو؟

۵۲ اور نعمتوں میں سے جو کچھ تمہارے پاس ہے، سب اللہ ہی کی طرف سے ہے۔ پھر جب تمہیں کوئی دکھ

کر دے سکتے۔

یا ایسا ہو کہ انہیں (پہلے) ڈرا دے، پھر پکڑے، کیونکہ بلاشبہ تمہارا پروردگار بڑا ہی شفقت والا اور بڑا ہی رحمت والا ہے۔

کیا ان لوگوں نے اللہ کی مخلوقات میں سے کسی چیز پر بھی غور نہیں کیا؟ انہوں نے نہیں دیکھا، کہ ہر چیز کا سایہ دہنی طرف سے اور بائیں طرف سے ڈھلتا رہتا ہے، اللہ کے آگے سجدہ کرتے ہوئے ڈھلتا رہتا ہے؟ اور یہ کہ سب اس کے آگے عاجز و درماندہ ہیں!

تَصِفُ اَلْسِنَتُهُمُ الْكَذِبَ اَنَّ لَهُمُ الْحُسْنٰى ؕ لَا جَرَمَ اَنَّ لَهُمُ النَّارَ وَاَنَّهُمْ مُّفْرَطُوْنَ ۝ ۶۲
تَاللّٰهِ لَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰٓى اُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ فَهُوَ وَلِيُّهُمُ
الْيَوْمَ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ اِلَّا لِتُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِى اخْتَلَفُوْا ۶۳
فِيْهِ ۙ وَهُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝ وَاللّٰهُ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَحْيَا بِهِ ۶۴
الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ؕ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّسْمَعُوْنَ ۝ وَاِنَّ لَكُمْ فِى الْاَنْعَامِ ۶۵ ع ۱۴

وما فی الارض من دابۃ۔

ترجمہ: (یہ) زبانیں جھوٹے دعوؤں میں بے باک ہیں (یہ کہتے ہیں) کہ ان کے لئے (ہر حال میں) اچھائی ہی اچھائی ہے۔ ہاں البتہ ان کے لئے (دوزخ کی) آگ ہے۔ البتہ یہ سب سے پہلے اس میں پہنچنے والے ہیں! ۶۲

(اے پیغمبر!) اس بات کی سچائی پر ہم شاہد ہیں کہ ہم نے تجھ سے پہلے کتنی ہی امتوں کی طرف رسول بھیجے۔ پھر ایسا ہوا کہ شیطان نے لوگوں کو ان کی بداعمالیاں اچھی کر دکھائیں (اور وہ سچائی کی دعوت پر کان بند کئے ہوئے) سو وہی حال آج بھی ہو رہا ہے، وہی شیطان ان منکروں کا رفیق ہے اور (بالآخر) ان کے لئے عذاب دردناک ہے! ۶۳

اور ہم نے تجھ پر الکتاب نہیں اتاری ہے مگر اس لئے کہ جن باتوں میں یہ لوگ اختلاف کر رہے ہیں ان کی حقیقت ان پر واضح کر دے اور ایمان والوں کے لئے یہ ہدایت ہے اور رحمت:۔ ۶۴

اور (دیکھو) اللہ نے آسمان سے پانی برسایا پھر اس کی آب باشی سے زمین کو جو مردہ ہو چکی تھی (از سر نو) زندہ کر دیا۔ بلاشبہ اس صورت حال میں ان لوگوں کے لئے ایک نشانی ہے جو (صدائے حق کو جی لگا کر) سنتے ہیں! ۶۵

اور بلاشبہ تمہارے لئے چارپایوں میں سوچنے

(۱۴) انسان میں مرد اور عورت کا امتیاز سے لوگوں نے خیال کیا کہ اسی طرح روحانی قوتوں میں بھی دو جنسیں ہونی چاہئیں۔ مرد دیوتا ہیں۔ عورتیں دیویاں ہیں۔ چنانچہ دنیا کی تمام اصنام پرست اقوام کی دیومالاؤں میں یہ خیال عام طور پر نمایاں رہا ہے۔

مشرکین عرب میں بھی یہ تخیل پیدا ہو گیا تھا۔ قبیلہ خزاعہ اور کنانہ کی نسبت بیان کیا گیا ہے کہ وہ فرشتوں کا تصور دیویوں کی شکل میں کرتے تھے اور کہتے تھے یہ خدا کی بیٹیاں ہیں۔ قرآن نے جا بجا یہ خیال نقل کیا ہے اور اس کی سخافت پر توجہ دلائی ہے۔ یہاں (۵۷) میں بھی اسی طرف اشارہ ہے

وہ فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں سمجھتے تھے لیکن خود عورتوں کی جنس کے لئے ان کے تصورات کیا تھے! یہ کہ زیادہ سے زیادہ ذلیل و حقیر مخلوق ہے۔ جب کسی کے یہاں بیٹی پیدا ہوتی تو اسے بڑی غمگینی اور بدنصیبی کی بات سمجھتا بعض قبائل جنہیں اپنے نسلی شرف کا بڑا گھمنڈ تھا، بیٹی کے باپ ہونے میں ایسی ذلت سمجھتے کہ اکثر حالتوں میں اسے خود اپنے ہاتھ سے زندہ گاڑ کر مار ڈالتے۔ جب ان میں سے کسی کو بیٹی پیدا ہونے کی خبر ملتی، تو مارے شرم کے لوگوں کے سامنے نہ آتا، اور سوچنے لگتا کہ ذلت گوارا کر کے بیٹی والا بن جائے یا ایک باعزت آدمی کی طرح اسے زمین میں زندہ دفن کر دے!

یہاں ایک طرف تو ان کے عقیدے کی سخافت دکھلائی ہے کہ جس بات کو خود اپنے لئے ذلت کی بات سمجھتے ہیں اسے خدا کے لئے تجویز کرتے ہیں انہیں پاک نہیں۔ دوسری طرف

مُسْوَدًّا وَّهُوَ كَظِيْمٌ ۝ يَتَوَارٰى مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوْٓءِ مَا بُشِّرَ بِهٖ ۭ اَيُمْسِكُهٗ عَلٰي هُوْنٍ ۝ ۵۸
اَمْ يَدُسُّهٗ فِي التُّرَابِ ۭ اَلَا سَاۗءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ۝ لِلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ مَثَلُ السَّوْءِ ۝ ۵۹
وَلِلّٰهِ الْمَثَلُ الْاَعْلٰى ۭ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِظُلْمِهِمْ مَّا تَرَكَ عَلَيْهَا ۝ ۶۰ ع ۱۳
مِنْ دَاۗبَّةٍ وَّلٰكِنْ يُّؤَخِّرُهُمْ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ۚ فَاِذَا جَاۗءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً ۝ ۶۱
وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ۝ وَيَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ مَا يَكْرَهُوْنَ ۝

چہرہ کالا پڑ جاتا ہے، اور وہ غم میں ڈوب جاتا ہے۔

جس بات کی اسے خوش خبری دی گئی ہے وہ ایسی برائی کی بات ہوئی کہ (شرم کے مارے) لوگوں سے چھپتا پھرے، (اور سوچ میں پڑ جائے کہ) ذلت قبول کر کے بیٹی کو لیے رہے، یا مٹی کے تلے گاڑ دے۔ افسوس ان پر! کیا ہی برا فیصلہ ہے جو یہ کرتے ہیں!

حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ آخرت پر یقین نہیں رکھتے، اُن کے لیے یہی ہے کہ (اللہ کی صفتوں کا) برا تصور کریں، حالانکہ اللہ کے لیے تو (ہر اعتبار سے) بلند ترین تصور ہے، وہ سب پر غالب ہے، حکمت والا ہے!

اور اگر ایسا ہوتا کہ اللہ لوگوں کو اُن کے ظلم پر (فوراً) پکڑتا، تو ممکن نہ تھا کہ زمین کی سطح پر ایک حرکت کرنے والی ہستی بھی باقی رہتی، لیکن وہ انہیں ایک خاص ٹھہرائے ہوئے وقت تک ڈھیل دے دیتا ہے۔ پھر جب وہ مقررہ وقت آ پہنچا، تو نہ تو ایک گھڑی پیچھے رہ سکتے ہیں، نہ ایک گھڑی آگے!

اور (دیکھو) یہ اللہ کے لیے ایسی باتیں ٹھہراتے ہیں، جنہیں خود (اپنے لیے) پسند نہیں کرتے، ان کی

۵۸ جسم کے ساتھ ساتھ رہتا اور ساتھ ساتھ چلتا ہے۔ لیکن لاکھوں میل فاصلہ کی خبر دے دیتا ہے۔ سورج کا طلوع، عروج، زوال۔ غروب، ساری حالتیں ہم اس آئینہ میں دیکھ لے سکتے ہیں!

یہ کبھی بڑھتا ہے، کبھی گھٹتا ہے۔ کبھی اُبھرتا ہے کبھی عائب ہو جاتا ہے کبھی کھڑا ہوتا ہے، کبھی جھکتا ہے۔ کبھی دہنے ہوتا ہے، کبھی بائیں۔ اس کی ان تمام حالتوں کا قانون اس درجہ قطعی، اس درجہ یکساں، اس درجہ منظم ہے، کہ اس میں فتور پڑنے کا ہمیں وہم و گمان بھی نہیں ہو سکتا۔ جب ۵۹ وقت تک گھڑیاں ایجاد نہیں ہوئی تھیں، یہی سایہ گھڑی کا کام دیتا تھا۔ اور اسی سے دھوپ گھڑی بنی تھی۔ آج کل بھی میدانوں اور دیہاتوں میں جہاں گھڑیاں نہیں ہوتیں، دہقان سایہ دیکھ کر معلوم کر لیتا ہے کہ کتنا دن چڑھ چکا ہے، کتنا ڈھل چکا ہے۔ سایہ جب مساوی ہو جائے تو دوپہر کا وقت ہے۔ جب گھٹنے بڑھنے لگے تو اس کی ہر ۶۰ مقدار گھڑی کی سوئی ہے!

یہی وجہ ہے کہ قرآن قوانین الٰہی کے احاطہ و نفاذ کا ذکر کرتے ہوئے سائے کی طرف توجہ دلاتا ہے، اور کہتا ہے یہ تم سے دور نہیں۔ ہر وقت تمہارے جسم کے ساتھ ساتھ چل رہا ہے، ہمیشہ اس پر تمہاری نگاہیں رہتی ہیں۔ کیونکہ اسی سے وقت کا اندازہ لگایا کرتے ہو۔ پس غور کرو۔ اس کی حقیقت کیا ہے؟ کس طرح یہ شہادت دے رہا ہے کہ یہاں کی ہر چیز کسی مدبر و حکیم ہستی کے احکام کے آگے سر بسجود ہے اور اس نے جس چیز کے لیے جو حکم نافذ کر دیا ہے، تخلف نہیں ۶۱ کر اس کی تعمیل میں بال برابر بھی انحراف ہو! یہاں بھی آیت (۴۸) میں اسی حقیقت کی طرف توجہ دلائی ہے۔ چنانچہ اس کے بعد ہی فرمایا یسجد ما فی السموات

وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ ثُمَّ يَتَوَفّٰىكُمْ وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرَدُّ اِلٰٓى اَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَيْ لَا يَعْلَمَ بَعْدَ عِلْمٍ شَيْـًٔا ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ قَدِيْرٌ ۝ وَاللّٰهُ فَضَّلَ بَعْضَكُمْ عَلٰي بَعْضٍ فِي الرِّزْقِ ۚ فَمَا الَّذِيْنَ فُضِّلُوْا بِرَاۗدِّيْ رِزْقِهِمْ عَلٰي مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَهُمْ فِيْهِ سَوَاۗءٌ ۭ اَفَبِنِعْمَةِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ ۝ وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ بَنِيْنَ وَحَفَدَةً وَّرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ ۭ اَفَبِالْبَاطِلِ يُؤْمِنُوْنَ

ہے جو غور و فکر کرنے والے ہیں!

اور (دیکھو) اللہ ہی نے تمہیں پیدا کیا، پھر وہی ہے کہ تمہاری زندگی پوری کر دیتا ہے اور تم میں سے کوئی ایسا بھی ہوتا ہے جو (بڑھاپے کی) بدترین عمر تک پہنچ جاتا ہے کہ (ذہن و عقل کی) سمجھ بوجھ رکھنے کے بعد پھر نادان ہو جائے۔ بے شک اللہ (سب کچھ جاننے والا) ہر بات کی قدرت رکھنے والا ہے! ۷۰

اور (دیکھو) اللہ نے تمہیں سے بعض کو بعض پر یہ اعتبار روزی کے برتری دی ہے (کہ کوئی زیادہ کماتا ہے کوئی کم کماتا ہے) پھر ایسا نہیں ہوتا کہ جس کسی کو زیادہ روزی دی گئی ہے وہ اپنی روزی اپنے زیر دستوں کو لوٹا دے حالانکہ سب اس میں برابر کے حقدار ہیں۔ پھر کیا یہ لوگ اللہ کی نعمتوں سے صریح منکر ہو رہے ہیں؟ ۷۱

اور (دیکھو) اللہ نے تم ہی میں سے تمہارے لئے جوڑے پیدا کر دیے (یعنی مرد کے لئے عورت اور عورت کے لئے مرد) اور تمہارے جوڑوں سے تمہارے لئے بیٹے اور پوتے پیدا کر دیے (کہ ان سے تمہاری زندگی ایک وسیع خاندان کی نوعیت اختیار کر لیتی ہے) نیز تمہاری روزی کے لئے اچھی اچھی چیزیں مہیا کر دیں۔ پھر کیا یہ لوگ جھوٹی باتیں تو مان لیتے ہیں

(۱۵) انسان کے لئے اس بات کے تصور سے بڑھ کر اور کوئی تصور تذلیلی اور تحقیقی نہیں ہو سکتا کہ ایک خالق و پروردگار کائنات موجود ہے لیکن وہ ہستی کیسی ہے؟ اس کی صفتوں کا بھی تصور کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟ اور اگر کیا جا سکتا ہے تو وہ صفتیں کیا کیا ہیں اور کس نوعیت کی ہیں؟ یہاں سے انسانی عقل کی درماندگیاں شروع ہو جاتی ہیں اور پھر کوئی گمراہی ایسی نہیں ہے جس میں وہ گم ہو جانے کے لئے مستعد نہ ہو جاتا ہو حتی کہ بعض اوقات بھٹکتے بھٹکتے اتنا دور چلا جاتا ہے کہ جس درجہ پر خود کھڑا ہے اس سے بھی صدا کا تصور نیچے گرا دیتا ہے: دجعلوں اللہ ما یکرھون!

مشرکین عرب کی سخافت تصور کا ذکر کرنے کے بعد آیت (۷۰) میں اسی بات کی طرف اشارہ کیا ہے۔

(۱۶) آیت ۶۱ میں خاتون اعمال کی طرف اشارہ کیا ہے جس کی تشریح پچھلی سورتوں کے نوٹوں میں گزر چکی ہے اور مزید تشریح کے لئے فقیر فاتحہ دیکھنی چاہیے۔

(۱۷) قرآن نے جا بجا کہا ہے کہ ہدایت وحی کا ظہور تبیین حقیقت اور رفع اختلاف کے لئے ہوتا ہے یعنی جن باتوں کو انسان اپنی عقل و ادراک سے نہیں پا سکتا، اور اس لئے طرح طرح کے اختلافات میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ کوئی کچھ سمجھنے لگتا ہے کوئی کچھ، وحی الٰہی نمودار ہوتی ہے تاکہ ان اختلافات کو دور کرے اور بتلائے کہ اصل حقیقت کیا ہے۔ چنانچہ یہاں بھی آیت (۶۴) میں قرآن کے نزول کا ایک مقصد یہ بتلایا کہ لتبین لھم الذی اختلفوا فیہ۔

لَعِبْرَةً ۚ نُسْقِيكُمْ مِمَّا فِي بُطُونِهِ مِنْ بَيْنِ فَرْثٍ وَدَمٍ لَبَنًا خَالِصًا سَائِغًا لِلشَّارِبِينَ ۝
وَمِنْ ثَمَرَاتِ النَّخِيلِ وَالْأَعْنَابِ تَتَّخِذُونَ مِنْهُ سَكَرًا وَرِزْقًا حَسَنًا ۗ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ
لَآيَةً لِقَوْمٍ يَعْقِلُونَ ۝ وَأَوْحَىٰ رَبُّكَ إِلَى النَّحْلِ أَنِ اتَّخِذِي مِنَ الْجِبَالِ بُيُوتًا وَ
مِنَ الشَّجَرِ وَمِمَّا يَعْرِشُونَ ۝ ثُمَّ كُلِي مِنْ كُلِّ الثَّمَرَاتِ فَاسْلُكِي سُبُلَ رَبِّكِ
ذُلُلًا ۚ يَخْرُجُ مِنْ بُطُونِهَا شَرَابٌ مُخْتَلِفٌ أَلْوَانُهُ فِيهِ شِفَاءٌ لِلنَّاسِ ۗ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ
لَآيَةً لِقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ ۝

۶۶ ۶۷ ۶۸ ۶۹

اس گمراہی کا ابطال کیا ہے کہ عورت کی جنس کو جو مرد ہی کی طرح ایک انسانی جنس ہے، ذلیل و حقیر سمجھتے ہیں۔ حتی کہ اپنی اولاد کو خود اپنے ہاتھوں قتل کر دینے کے لئے آمادہ ہو جاتے ہیں: چنانچہ آیت ۵۹ میں فرمایا: الا ساء ما یحکمون! دیکھو، کیا ہی بُرا فیصلہ ہے جو انہوں نے اس معاملہ میں کیا!

۶۴

مردوں کا عورتوں کے ساتھ سارا ظلم و معصیت کی ایک مسلسل سرگزشت ہے اور اس سرگزشت کا ایک سب سے زیادہ وحشیانہ واقعہ اختر کشی کی رسم ہے۔ اسلام کا جب ظہور ہوا تو عرب کے اکثر قبیلوں میں یہ رسم اسی طرح جاری تھی جس طرح ہندوستان کی مختلف قوموں میں پچھلی صدی تک جاری رہ چکی ہے۔ لوگ اس پر فخر کرتے تھے اور کہتے تھے ہمارے قبیلہ کے افراد بیٹی کے باپ ہونے کا ننگ گوارا نہیں کر سکتے۔ لیکن اسلام نے صرف یہ رسم مٹا دی بلکہ وہ ذہنیت بھی مٹا دی جو ان تمام وحشیانہ مظالم کے اندر کام کر رہی تھی اس نے اعلان کیا کہ مرد اور عورت کا جنسی اختلاف کسی فضیلت اور محرومی کی بنیاد نہیں ہو سکتا۔ دونوں کو اللہ نے بہ حیثیت انسان ہونے کے ایک درجہ میں رکھا ہے، اور دونوں کے آگے یکساں طریقہ پر ہر طرح کی فضیلتوں کی راہ کھول دی ہے: للرجال نصیب مما اکتسبوا، وللنساء نصیب مما اکتسبن و سئلوا اللہ من فضلہ (۴: ۳۲)

۶۷

سورۂ تکویر میں جہاں قیامت کے دن کی ہولناکیوں کا نقشہ کھینچا ہے۔ وہاں پرسش اعمال میں سب سے زیادہ نمایاں جگہ اسی ظلم کو دی ہے: واذا الموؤدۃ سئلت بای ذنب قتلت؟ (۸۱: ۸)

۶۸

سمجھنے کی بڑی عبرت ہے، ہم ان کے جسم سے خون اور کثافت کے درمیان، دودھ پیدا کر دیتے ہیں، یہ پینے والوں کے لئے ایسی لذیذ چیز ہوتی ہے کہ بے غل و غش اٹھا کر پی لیتے ہیں۔

اسی طرح کھجور اور انگور کے درختوں کے پھل ہیں کہ ان سے نشہ آور شرق اور اچھی غذا، دونوں طرح کی چیزیں تم حاصل کرتے ہو، بلاشبہ اس بات میں ان لوگوں کے لئے (فہم و بصیرت کی) ایک نشانی ہے جو عقل سے کام لیتے ہیں۔

اور (دیکھو) تمہارے پروردگار نے شہد کی مکھی کے دل میں یہ بات ڈال دی کہ پہاڑوں میں درختوں میں، اور ان ٹٹیوں میں جو اس غرض سے بلندی میں بنا دی جاتی ہیں، اپنا چھتہ بنائے پھر ہر طرح کے پھولوں سے رس چوستی پھرے پھر اپنے پروردگار کے ٹھہرائے ہوئے طریقہ پر پوری فرمانبرداری کے ساتھ گامزن ہو جائے (تو دیکھو) اس کے پیٹ سے مختلف رنگتوں کا رس نکلتا ہے اس میں انسان کے لئے شفا ہے۔ بلاشبہ اس صورت حال میں ان لوگوں کے لیے ایک نشانی

هَلْ يَسْتَوِيْ هُوَ ۙ وَمَنْ يَّاْمُرُ بِالْعَدْلِ ۙ وَهُوَ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ وَلِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ ۷۶
وَالْاَرْضِ ۭ وَمَآ اَمْرُ السَّاعَةِ اِلَّا كَلَمْحِ الْبَصَرِ اَوْ هُوَ اَقْرَبُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ وَاللّٰهُ ۷۷
اَخْرَجَكُمْ مِّنْۢ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ شَيْـــًٔا ۙ وَّجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ۙ
لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝ اَلَمْ يَرَوْا اِلَى الطَّيْرِ مُسَخَّرٰتٍ فِيْ جَوِّ السَّمَاۗءِ ۭ مَا يُمْسِكُهُنَّ اِلَّا اللّٰهُ ۭ ۷۸
اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝ وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْۢ بُيُوْتِكُمْ سَكَنًا وَّجَعَلَ ۷۹

تمہاری غذا میں تین چیزیں سب سے زیادہ مفید اور لذیذ ہیں: دودھ، پھلوں کا عرق، اور شہد، تم میں سے کوئی نہیں جو ان تین نعمتوں سے آشنا نہ ہو۔ یہ تمہاری روزانہ غذا کا جوہر لذت طعم کا ذریعہ اور جسمانی شفا کا نسخہ ہے۔

(ا) لیکن یہ دودھ جو طفولیت سے لے کر بڑھاپے تک تمہاری سب سے زیادہ دل پسند غذا ہوتی ہے کس طرح اور کہاں سے پیدا ہوتا ہے، تم نے کبھی غور کیا؟ اگر غور کرتے تو تمہارے فہم و عبرت کے لئے صرف یہی ایک بات کافی تھی کہ اسی جسم میں جہاں ہے جس جسم میں غلاظت بنتی ہے، جو طرح طرح کی آلائشوں سے بھرا ہوا ہے۔ جس میں اگر کوئی سیال شے موجود ہوتی ہے تو خون ہے۔ جسے کبھی ہونٹوں سے لگانا پسند نہ کرو۔ پھر دیکھو جانوروں میں اس کے اترنے کا مخرج کہاں ہے؟ وہیں جس کے قریب ہی بول و براز کا مخرج ہے یعنی ایک ہی کارخانہ میں ایک ہی مادہ سے اور ایک ہی طرح کے ظروف میں، ایک طرف تو غلاظت بنتی اور نکلتی رہتی ہے جسے تم دیکھنا بھی پسند نہ کرو۔ دوسری طرف ایک ایسا جوہر غذا و لذت بھی بنتا اور نکلتا ہے، جسے تم دیکھتے ہی اٹھا لو اور بے غل و غش ایک ایک قطرہ پی جاؤ!

کون ہے جس کی حکمت نے یہ عجیب و غریب کارخانہ بنا دیا؟ کون ہے جو ایسے عجیب طریقوں سے زندگی کے بہترین وسایل بخش رہا ہے، اور پھر کیا ممکن ہے کہ قدرت کی یہ کارفرمائی حکمت کی یہ صنعت طرازی، ربوبیت کی یہ چارہ سازی، بغیر کسی قدیر، حکیم، اور رب العالمین ہستی کے ظہور میں آگئی ہو؟

(ب) پھلوں میں طرح طرح کے خوش ذائقہ عرق پیدا ہوتے ہیں اور انہیں مختلف طریقوں سے تم کام میں لاتے ہو۔ مثلاً کھجور اور انگور کے درخت ہیں۔ ان کے عرق سے نشہ کی چیز بنا لیتے ہو، اور اچھی اور جائز غذائیں بھی اس

دوسرا ایسا ہے کہ (گونگے ہونے کی جگہ) لوگوں کو عدل و انصاف کی باتوں کا حکم دیتا ہے، اور خود بھی (عدل و راستی کے) سیدھے راستے پر ہے۔

کیا پہلا آدمی اور یہ دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟

اور آسمانوں اور زمین کی جتنی مخفی باتیں ہیں سب کا علم اللہ ہی کے پاس ہے۔ اور (آنے والے) مقررہ وقت کا معاملہ بس ایسا سمجھو جیسے آنکھ کا جھپکنا، بلکہ اس سے بھی جلد تر۔ بے شک اللہ کی قدرت سے کوئی بات باہر نہیں!

اور (دیکھو) اللہ نے تمہیں تمہاری ماؤں کے شکم سے نکالا، اس حال میں نکالا کہ تم کچھ بھی نہیں جانتے تھے (یعنی علم و ادراک سے محروم تھے) پھر تمہارے لئے شنوائی، بینائی، اور عقل کی قوتیں پیدا کر دیں تاکہ تم شکر گزار ہو!

کیا پرندوں کو نہیں دیکھتے جو آسمان کی فضا میں مطیع و منقاد (اڑتے) ہیں؟ اللہ کے سوا کون ہے جو انہیں تھامے ہوئے ہے؟ بلا شبہ ایمان والوں کے لئے اس بات میں (قدرت حق کی) بڑی ہی نشانیاں ہیں!

اور (دیکھو) اللہ نے تمہارے گھروں کو

وَبِنِعْمَتِ اللّٰهِ هُمْ يَكْفُرُوْنَ ۝ وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَهُمْ رِزْقًا مِّنَ ۷۲
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ شَيْـًٔا وَّلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ۝ فَلَا تَضْرِبُوْا لِلّٰهِ الْاَمْثَالَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ ۷۳
وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا عَبْدًا مَّمْلُوْكًا لَّا يَقْدِرُ عَلٰي شَيْءٍ وَّمَنْ رَّزَقْنٰهُ ۷۴
مِنَّا رِزْقًا حَسَنًا فَهُوَ يُنْفِقُ مِنْهُ سِرًّا وَّجَهْرًا ۭ هَلْ يَسْتَوٗنَ ۭ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ۭ بَلْ اَكْثَرُهُمْ
لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا رَّجُلَيْنِ اَحَدُهُمَآ اَبْكَمُ لَا يَقْدِرُ عَلٰي شَيْءٍ وَّهُوَ كَلٌّ ۷۵
عَلٰي مَوْلٰىهُ ۙ اَيْنَمَا يُوَجِّهْهُّ لَا يَاْتِ بِخَيْرٍ ۭ

۷۲ یہ باتیں کونسی ہیں جن میں لوگ اختلاف کرتے ہیں، اور جن کا اختلاف بغیر اس کے دور نہیں ہو سکتا کہ کتاب الٰہی آئے اور پردہ اٹھائے؟ وہ تمام باتیں جو انسان کے عقل اور ادراک کی سرحد سے ماورا ہیں، اللہ کی صفات کے بعد کی زندگی

۷۳ عالم معاد کے احوال، اور اعمال و جزائے عمل کا قانون عالم غیب کے حقایق، یعنی وہ ساری باتیں جن کے اعتقاد و عمل کی درستگی سے روحانی سعادت کی زندگی پیدا ہو سکتی ہے انسان جب کبھی اس راہ میں وحی الٰہی کی روشنی سے الگ ہو کر قدم اٹھاتا ہے

۷۴ اختلافات کی تاریکیوں میں گم ہو جاتا ہے لیکن جونہی اس روشنی کی نمود میں آجاتا ہے، حقیقت واضح ہو جاتی ہے اور ہر طرح کے اختلافات و شکوک معدوم ہو جاتے ہیں!

اور اللہ کی نعمتوں کی حقیقت سے انکار کرتے ہیں؟
یہ اللہ کے سوا ان ہستیوں کی پوجا کرتے ہیں جو آسمان و زمین سے رزق دینے کا کچھ اختیار نہیں رکھتے اور نہ انہیں کسی بات کا مقدور ہے۔
پس (دنیا کے بادشاہوں پر قیاس کر کے) اللہ کے لئے مثالیں نہ گڑھو۔ اللہ جانتا ہے اور تم کچھ نہیں جانتے!
اللہ ایک مثال بیان کرتا ہے (اس پر غور کرو) ایک غلام ہے کسی دوسرے آدمی کی ملک وہ خود کسی بات کی قدرت نہیں رکھتا، اور ایک دوسرا آدمی ہے (خود مختار) ہم نے اپنے فضل سے اسے اچھی روزی دے رکھی ہے، اور وہ ظاہر و پوشیدہ (جس طرح چاہتا ہے) اسے خرچ کرتا ہے۔ اب بتلاؤ کیا یہ دونوں آدمی برابر ہو سکتے ہیں؟ ساری ستایش اللہ کے لئے ہے! (اس کے برابر کوئی نہیں) مگر اکثر آدمی ہیں جو نہیں جانتے!
اور (دیکھو) اللہ نے ایک (اور) مثال بیان فرمائی: دو آدمی ہیں۔ ایک گونگا ہے کسی بات کے کرنے کی قدرت نہیں اپنے آقا پر ایک بوجھ جہاں کہیں بھیجے کوئی خوبی کی بات اس سے بن آئے

(۱۸) آیت ۶۴ میں فرمایا تھا کہ الکتاب کا نزول ہدایت و رحمت ہے آیت ۶۵ میں فرمایا یہ معاملہ ایسا ہی ہے جیسے باران رحمت کا نزول، وہ مردہ زمین کو زندہ کر دیتی ہے۔ یہ مردہ دلوں کو زندہ کر دیتا ہے اس اسلوب موعظت کی تشریح پچھلی سورتوں کے نوٹوں میں گزر چکی ہے نیز تفسیر فاتحہ میں۔

۷۵ (۱۹) آیت ۱۶ سے ۶۹ تک ربوبیت الٰہی کی تجلیوں کا نقشہ کھینچا ہے۔ ساتھ ہی اس کی صنعت و حکمت کی کرشمہ سازیوں پر بھی توجہ دلائی ہے، اور بہ حیثیت مجموعی ربوبیت، رحمت، اور حکمت کا استدلال ہے۔ فرمایا۔

الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ۝ يَعْرِفُوْنَ نِعْمَتَ اللّٰهِ ثُمَّ يُنْكِرُوْنَهَا وَاَكْثَرُهُمُ الْكٰفِرُوْنَ ۝ وَيَوْمَ نَبْعَثُ ۸۳ ع
مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ شَهِيْدًا ثُمَّ لَا يُؤْذَنُ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُوْنَ ۝ وَاِذَا رَاَ الَّذِيْنَ ۸۴
ظَلَمُوا الْعَذَابَ فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ۝ وَاِذَا رَاَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا شُرَكَآءَهُمْ ۸۵
قَالُوْا رَبَّنَا هٰٓؤُلَآءِ شُرَكَآؤُنَا الَّذِيْنَ كُنَّا نَدْعُوْا مِنْ دُوْنِكَ فَاَلْقَوْا اِلَيْهِمُ الْقَوْلَ اِنَّكُمْ ۸۶ التلاوة
لَكٰذِبُوْنَ ۝ وَاَلْقَوْا اِلَى اللّٰهِ يَوْمَئِذِ ِۨالسَّلَمَ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ۝ ۸۷-۸۸

پھر چونکہ اس بات پر توجہ دلانا مقصود تھا کہ جو راہ عمل ٹھہرا دی گئی ہے اس پر ٹھیک ٹھیک چلتی رہتی ہے کبھی ایسا نہیں ہو سکتا کہ ذرا بھی ادھر اُدھر ہو، اس لئے فرمایا "ذللا" حکم الٰہی کے آگے جھکی ہوئی کام کئے جا۔ چنانچہ اس کا ہر فرد اس طرح حکم الٰہی کے آگے جھک گیا ہے کہ ممکن نہیں کسی کو راہ عمل سے منحرف ہوتا ہوا پاؤ!

یاد رہے کہ جس وقت تک ہندوستان کا گنا دوسرے ملکوں میں نہیں پہنچا تھا میٹھی غذاؤں کے بنانے کا تمام تر دارومدار شہد ہی پر تھا، یا پھر ایسے پھلوں پر جو بہت زیادہ میٹھے ہوتے ہیں، جیسے کھجور۔ سکندر اعظم جب ہندوستان آیا تھا۔ اور یونانیوں نے یہاں کی قند کھائی تھی، تو خیال کیا تھا یہ بلور کی طرح کوئی معدنی چیز ہے جس کا مزہ شہد کی طرح میٹھا ہوتا ہے۔ غالباً سب سے پہلے عربوں نے ہندوستانی گنے کی کاشت مصر میں کی اور پھر مصر سے "مصری" یورپ میں بھیجی۔

پس شہد کا ذکر خصوصیت کے ساتھ اس لئے کیا گیا کہ دنیا کے اکثر حصوں میں میٹھا اس کا مادہ اس کے سوا اور کچھ نہ تھا۔ نیز یہ محض لذیذ غذا ہی نہیں ہے بلکہ کتنی ہی بیماریوں کے لئے نسخہ شفا بھی ہے۔

"وحی" مخفی اشارہ کو کہتے ہیں، اور یہاں لغوی معنوں میں مستعمل ہوا ہے، فرمایا۔ یہ ربوبیت الٰہی کی وحی ہے جو تمام مخلوقات کو ان کے کاموں پر لگاتی ہے اور جس نے ایک حقیر سے جانور میں سعی و عمل کی ایسی حیرت انگیز قوت پیدا کر دی ہے

یہ اللہ کی نعمتیں پہچانتے ہیں پھر بھی اس سے انکار کرتے ہیں، اور اکثر ایسے ہیں جنہیں سچائی سے (قطعاً) انکار ہے!

۸۳ اور جس دن ایسا ہوگا ہم ہر امت میں سے ایک گواہی دینے والا (یعنی پیغمبر) اٹھا کھڑا کریں گے، پھر کافروں کو اجازت نہ دی جائے گی (کہ زبان کھولیں) نہ ہی ان سے کہا جائے گا کہ توبہ کریں۔

۸۴ جن لوگوں نے ظلم کیا ہے جب وہ عذاب اپنے سامنے دیکھیں گے تو ایسا ہرگز نہ ہوگا کہ ان پر عذاب ہلکا کر دیا جائے۔ نہ ہی انہیں مہلت دی جائے گی،

۸۵ اور جن لوگوں نے اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرائے ہیں جب (قیامت کے دن) اپنے بنائے ہوئے شریکوں کو دیکھیں گے تو پکار اٹھیں گے "اے پروردگار! یہ ہیں ہمارے (بنائے ہوئے) شریک جنہیں ہم تیرے سوا پکارا کرتے تھے اس پر وہ بنائے ہوئے شریک ان کی طرف اپنا جواب بھیجیں گے "نہیں تم سراسر جھوٹے ہو!

۸۶ اور اس دن سب اللہ کے آگے سر اطاعت جھکا دینگے وہ ساری افترا پردازیاں ان سے کھوئی جائیں گی جو (دنیا میں) کیا کرتے تھے!

۸۷

لَكُمْ مِّنْ جُلُوْدِ الْاَنْعَامِ بُيُوْتًا تَسْتَخِفُّوْنَهَا يَوْمَ ظَعْنِكُمْ وَيَوْمَ اِقَامَتِكُمْ ۙ وَمِنْ اَصْوَافِهَا
وَاَوْبَارِهَا وَاَشْعَارِهَآ اَثَاثًا وَّمَتَاعًا اِلٰى حِيْنٍ ۝ وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّمَّا خَلَقَ ظِلٰلًا وَّجَعَلَ ۸۰
لَكُمْ مِّنَ الْجِبَالِ اَكْنَانًا وَّجَعَلَ لَكُمْ سَرَابِيْلَ تَقِيْكُمُ الْحَرَّ وَسَرَابِيْلَ تَقِيْكُمْ بَاْسَكُمْ ۭ
كَذٰلِكَ يُتِمُّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تُسْلِمُوْنَ ۝ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْكَ ۸۱

سے بنتی ہیں۔ لیکن یہ پھل پیدا کس طرح ہوتے؟ کھجور اور انگور کا دانہ شیرینی اور غذائیت کی ایک سمر بمر شیشی ہے جو درختوں سے لٹکتے لگتی ہے، اور تم ہاتھ بڑھا کے لیتے ہو۔ لیکن شیرینی کس کارخانے میں ہے؟ زمین اور مٹی میں، یعنی اس مٹی میں جس کا ایک ذرہ بھی تمہارے منہ میں پڑ جاتا ہے، تو بے اختیار ہو کر تھوکنے لگتے ہو!

تم خشک کٹھلیاں مٹی میں پھینک دیتے ہو۔ مٹی وہی گٹھلی ان نعمتوں کی شکل میں تمہیں واپس دیدیتی ہے۔

کون ہے جس کی ربوبیت و حکمت مٹی کے ذروں سے یہ خزانے اگلوا رہی ہے؟ خوشبو، ذائقہ، اور غذائیت کے خزانے؟ ۸۰

(ج) پھر شہد کے چھتوں کو۔ یہ کارخانے ہیں جن میں تمہارے لئے شب و روز شہد تیار ہوتا رہتا ہے۔ تم دنیا کے سارے پھول اور پھل جمع کر کے چاہو کہ شہد کا ایک قطرہ بنا لو، تو کبھی نہ بنا سکو گے۔ لیکن ایک چھوٹی سی مکھی بنا لیتی رہتی ہے، اور اس نظم و انضباط، محنت و استقلال، تحسین و تدفین، ترتیب و تناسب، اجتماع و اشتراک، اور یکسانیت و ہم آہنگی کے ساتھ بناتی رہتی ہے کہ اس کی ہر بات ہماری عقلوں کو درماندہ کر دینے والی، اور ہماری فکروں کی ساری توجیہوں اور تعلیلوں پر دروازہ بند کر دینے والی ہے۔

قرآن کے الفاظ پر غور کرو، کس طرح معاملہ کے دقائق واضح کر رہے ہیں؟ چونکہ شہد کی مکھی کی یہ صنعت گری جد و جہد، نظم و انضباط، اور سرگرمی و باقاعدگی کا ایک پورا سلسلہ ہے جو عرصہ تک جاری رہتا ہے، اور یکے بعد دیگرے بہت سی منزلوں سے گزر کر مکمل ہوتا ہے اس لئے اس کے کاموں کو "سبل" سے تعبیر کیا یعنی عمل کی راہوں سے نا سلکی سبل (بک) اور ۸۱

تمہارے لئے سکونت کی جگہ بنا دیا۔ نیز تمہارے لئے چارپایوں کی کھالوں سے گھر بنائے۔ (یعنی خیمے جنہیں ایک جگہ سے دوسری جگہ اپنے ساتھ لئے پھرتے ہو) کوچ کر دیا اقامت کی حالت میں ہو، دونوں حالتوں میں نہایت سبک اور پھر چارپایوں کی اون سے اور روؤں سے اور بالوں سے کتنے ہی سامان اور مفید چیزیں بنا دیں کہ ایک خاص وقت تک کام دیتی ہیں۔

اور اللہ نے اپنی پیدا کی ہوئی چیزوں سے تمہارے لئے سائے پیدا کر دئے (کہ جنہیں خیمے میسر نہیں ہوتے وہ درختوں، مکانوں، اور پہاڑوں کے سائے میں پناہ لیتے ہیں) اور پہاڑوں میں پناہ لینے کی جگہیں بنا دیں، اور لباس پیدا کر دیا کہ (لو کی) گرمی سے بچاتا ہے۔ نیز آہنی لباس جو (ہتھیاروں کی) زد سے بچاتا ہے (دیکھو) اس طرح اللہ اپنی نعمتیں پوری طرح بخش رہا ہے تاکہ اس کے آگے (اطاعت میں) جھک جاؤ!

پھر (اے پیغمبر!) اگر اس پر بھی لوگ اعراض کریں (اور سمجھنے بوجھنے کے لئے تیار نہ ہوں) تو (ان کی فکر چھوڑ دو) تمہارے ذمے جو کچھ ہے، وہ صرف یہی ہے کہ صاف صاف پیغام حق پہنچا دینا۔

إِيتَآئِ ذِي الْقُرْبٰى وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ ۚ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ۝ ۹۰
وَأَوْفُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ إِذَا عٰهَدْتُّمْ وَلَا تَنْقُضُوا الْأَيْمَانَ بَعْدَ تَوْكِيْدِهَا وَقَدْ جَعَلْتُمُ اللّٰهَ
عَلَيْكُمْ كَفِيْلًا ۚ إِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا تَفْعَلُوْنَ ۝ ۹۱ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّتِيْ نَقَضَتْ غَزْلَهَا مِنْ بَعْدِ
قُوَّةٍ أَنْكَاثًا ۚ تَتَّخِذُوْنَ أَيْمَانَكُمْ دَخَلًا بَيْنَكُمْ أَنْ تَكُوْنَ

ایک حصہ کمزوروں کو لوٹا دیں"۔ لوٹا دیں"۔ کیونکہ فی الحقیقت کمائی کی یہ زیادہ مقدار ان افراد کے لئے تھی جو کمزوری کی وجہ سے حاصل نہ کر سکے۔ اب چلی گئی ہے طاقت ور افراد کے پاس اس لئے چاہئے کہ حقداروں کو لوٹا دی جائے، یعنی جہاں کا حق ہے وہ انہیں مل جائے،

وہ کہتا ہے، یہ بات کہ تمہیں سامانِ معیشت کے زیادہ کمانے کا موقعہ مل گیا ہے، تمہیں بہانہ کا حقدار نہیں بنا دیتی کہ اپنی ساری کمائی صرف اپنی انفرادی زندگی ہی کے لئے روک لو۔ کیونکہ دنیا کے وسائل زندگی کسی خاص انسان کی حقیقی ملکیت نہیں ہو سکتے۔ یہاں جو کچھ ہے تمام نوع کے لئے ہے۔ پس اگر ایک فرد نے زیادہ کما لیا، تو کما سکتا ہے، لیکن ایسا نہیں سمجھ سکتا کہ ساری کمائی اسی کی ہو گئی۔ جو کچھ اس نے کمایا ہے، دراصل نوعِ انسانی کی ایک امانت ہے، اور اس کے قبضہ میں آ گئی ہے۔ وہ اس پر قابض رہ سکتا ہے لیکن اسے صرف اپنے ہی لئے خاص نہیں کر لے سکتا۔ اس کا فرض ہے کہ خود بھی کھائے اور ان کمزوروں کو بھی کھلائے جو حصولِ معیشت سے محروم رہ گئے ہیں۔

دراصل قرآن کی اس تعلیم کی تہ میں یہ بنیادی اصل کام کر رہی ہے کہ وہ نوعِ انسانی کے مختلف افراد اور جماعتوں کو ایک دوسرے سے الگ اور منقطع تسلیم نہیں کرتا، بلکہ سب کو ایک ہی گھرانے کے مختلف افراد قرار دیتا ہے۔ ایسے افراد جو آپس میں ایک دوسرے سے جڑے ہوئے ہیں، ایک دوسرے کے شریک حال ہیں، اور ایک دوسرے سے تعاون کرنے والے ہیں۔ بلاشبہ ان میں کا ہر فرد اپنے اپنے طور پر اپنی اپنی استعداد کے مطابق جد و جہد معیشت میں لگا ہوا ہے، اور کوئی زیادہ کماتا ہے کوئی کم، لیکن ایسا نہیں ہو سکتا کہ ایک فرد دوسرے فرد کی حالت سے بے پروا ہو جائے۔ جو زیادہ کماتا ہے وہ اپنی کمائی دوسرے کو اٹھا کر نہیں دے دیتا۔ لیکن ایسا بھی نہیں کر سکتا کہ دوسرے کی یک قلم محرومی برداشت کرے، اور اس کے لئے اپنے کو ذمہ دار نہ سمجھے۔ جو زیادہ کماتا ہے، اس کے پاس زیادہ کمائی رہتی ہے، جو کم کماتا ہے، اس کے پاس کم رہتی ہے۔ لیکن کھاتے پیتے سب ہیں بھوکا کوئی نہیں رہ سکتا۔ کمائی میں سب الگ الگ جد و جہد کرنے کے کھانے میں سب

قرابت داروں کے ساتھ سلوک کرو۔ اور تمہیں روکتا ہے (کن باتوں سے؟) بے حیائی کی باتوں سے ہر طرح کی برائیوں سے، اور ظلم و زیادتی کے کاموں سے۔ وہ تمہیں نصیحت کرتا ہے، تاکہ سمجھو اور (نصیحت پکڑو! ۹۰

اور جب تم آپس میں قول و قرار کرو تو (سمجھ لو کہ یہ اللہ کے نزدیک ایک عہد ہو گیا تو) چاہئے کہ اللہ کا عہد پورا کرو، اور ایسا نہ کرو کہ قسمیں پکی کر کے انہیں توڑ دو، حالانکہ تم اللہ کو اپنے اوپر نگہبان ٹھہرا چکے ہو (یعنی اس کے نام کی قسم کھا کر اسے شاہد قرار دے چکے ہو) یقین کرو تم جو کچھ کرتے ہو اللہ سے پوشیدہ نہیں، اس کا علم ہر بات کا احاطہ کئے ہوئے ہے، ۹۱

اور دیکھو تمہاری مثال اس عورت کی سی ہو جائے جس نے بڑی محنت سے سوت کاتا، پھر توڑ کر ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ تم آپس کے معاملہ میں اپنی قسموں کو مکر و فساد کا ذریعہ بناتے ہو۔ اس لئے کہ

اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ زِدْنٰهُمْ عَذَابًا فَوْقَ الْعَذَابِ بِمَا كَانُوْا ۸۸
يُفْسِدُوْنَ ۝ وَيَوْمَ نَبْعَثُ فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ شَهِيْدًا عَلَيْهِمْ مِّنْ اَنْفُسِهِمْ وَجِئْنَا بِكَ
شَهِيْدًا عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ ۭ وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً وَّبُشْرٰى
لِلْمُسْلِمِيْنَ ۝ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَ

(۱۹) دنیا میں انسانی معیشت کا کارخانہ اس طرح چل رہا ہے کہ ہر طرح کے ذرائع و وسائل کے حصول کا دروازہ ہر انسان اور ہر گروہ پر کھول دیا گیا ہے۔ اگر کوئی چیز کسی کو خود نہیں مل جاتی۔ اسی کو ملتی ہے جو اس کے لئے جد و جہد کرے اور وہ تمام طریقے کام میں لائے جو حصول مقصد کے لئے ضروری ہیں۔ ۸۸

لیکن ہر انسان کی ذہنی و جسمانی استعداد یکساں نہیں ہوتی، اور چونکہ یکساں نہیں ہوتی، اس لئے وسایل معیشت کے حصول کے اعتبار سے بھی سب کی حالت یکساں نہیں ہوتی۔ کسی نے وسائل معیشت پر زیادہ قابو پا لیا۔ کسی نے کم کمانے کے زیادہ مواقع حاصل ہو گئے کسی کو تھوڑے۔ پہلے جسمانی قوت میں مقابلہ ہوا اور طاقت ور نے کمزور کو مغلوب کر لیا۔ پھر ذہن و جسم کا مقابلہ شروع ہوا اور ذہنی قوت نے جسمانی قوت کو مقہور کر لیا۔

آیت ۷ بھی قرآن کی ان آیتوں میں سے ہے جن سے ہم معلوم کر سکتے ہیں، کہ اس بارے میں قرآن کی تعلیم کا رخ کس طرف ہے؟ اس سے معلوم ہوا کہ قرآن اس صورت حال سے نہ تو غافل نہیں کہ نا کہ معیشت کے اعتبار سے تمام انسانوں کی حالت یکساں نہیں۔ کسی کے پاس زیادہ سامان معیشت ہے کسی کے پاس کم۔ لیکن وہ یہ صورت حال برداشت نہیں کر سکتا کہ حصول رزق کے اعتبار سے لوگوں کی حالت یکساں نہ ہو۔ کسی کو ملے کسی کو نہ ملے۔ وہ کہتا ہے ہر انسان جو دنیا میں پیدا ہوا، دنیا کے سامان ارزق سے حصہ پانے کا یکساں طور پر حقدار ہے اور کسی فرد اور گروہ کو حق نہیں کہ اس سے اسے محروم کر دے۔ خواہ وہ طاقت ور ہو یا کمزور، متمدن ہو یا بیمار، قابل ہو یا نا قابل، دولت مندوں کے گھر پیدا ہوا ہو یا فقیروں کے۔ لیکن اگر انسان سے، تو ماں کے پیٹ سے وہ یہ حق لے کر آیا ہے کہ زندہ رہے اور زندگی کا سر و سامان پائے!

لیکن ہر فرد زندگی کا سر و سامان کیونکر پا سکتا ہے؟ جو کمزور ہے یا جو ایسے حالات میں پڑ گیا ہے کہ کمانے کا موقعہ نہیں پاتا یا جو معذور اور لاچار ہو گیا ہے، وہ سر و سامان معیشت کہاں سے پائے گا؟ قرآن کہتا ہے اس طرح کہ جن لوگوں کو کمائی کا زیادہ موقعہ ملا ہے ان کے ذمے حق ہے کہ اس کا فرض بھی زیادہ عائد ہو گیا ہے۔ وہ اپنی کمائی کا

جن لوگوں نے کفر کیا اور لوگوں کو اللہ کی راہ سے روکا، تو ان کی شرارتوں کی پاداش میں ہم نے ان کے عذاب پر ایک اور عذاب بڑھا دیا (کہ ایک عذاب کفر کا ہوا۔ دوسرا راہ حق سے روکنے کا)

اور وہ (آنے والا) دن جب ہم ہر ایک امت میں ایک گواہ (یعنی پیغمبر!) اٹھا کھڑا کریں گے جو انہی میں سے ہو گا۔ اور جو بتائے گا کہ کس طرح اس نے پیام حق پہنچایا، اور کس طرح لوگوں نے اس کا جواب دیا) اور (اے پیغمبر!) تجھے ان لوگوں کے لئے (جو آج تجھے جھٹلا رہے ہیں) گواہ بنائیں گے (یہی بات ہے کہ) ہم نے تجھ پر الکتاب نازل کی (دین کی) تمام باتیں بیان کرنے کے لئے، اور اس لئے کہ مسلمانوں کے لئے رہنمائی ہو اور رحمت اور خوش خبری!

(مسلمانو!) اللہ حکم دیتا ہے کہ (ہر معاملہ میں) انصاف کرو (سب کے ساتھ) بھلائی کرو، اور

۸۹

وَلَا تَتَّخِذُوْٓا اَيْمَانَكُمْ دَخَلًۢا بَيْنَكُمْ فَتَزِلَّ قَدَمٌۢ بَعْدَ ثُبُوْتِهَا وَتَذُوْقُوا السُّوْٓءَ بِمَا صَدَدْتُّمْ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ وَلَكُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝ وَلَا تَشْتَرُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۭ اِنَّمَا عِنْدَ ۹۴

اور (دیکھو) آپس کے معاملات میں اپنی قسموں کو مکر و فریب کا ذریعہ نہ بناؤ کہ لوگوں کے پاؤں جمنے کے بعد اکھڑ جائیں اور اس بات کی پاداش میں کہ اللہ کی راہ سے لوگوں کو روکا بڑے نتیجوں کا تمہیں مزہ چکھنا پڑے اور بالآخر ایک بڑے عذاب کے سزاوار ہو!

اور اللہ کے نام پر کئے ہوئے عہد (دنیا کے) بہت تھوڑے فائدے کے بدلے نہ بیچو (راست بازی کا) جو اجر اللہ کے پاس ہے وہی تمہارے حق میں

میں سب کی راہیں الگ ہو گئی۔ قبضہ و تصرف میں بھی سب الگ الگ رہیں گے، لیکن کھانے میں الگ نہیں رہ سکتے۔ یہ خدا کے اس عالمگیر گھرانے کے ہر فرد کا قدرتی حق ہے۔ وہ کما سکے یا نہ کما سکے، لیکن اسے زندہ رہنے کا سامان ملنا چاہئے۔

وہ کہتا ہے کمائی کے حق کا دامن انفاق کی ذمہ داری سے بندھا ہوا ہے، یہ دونوں لازم و ملزوم ہیں۔ تم انہیں ایک دوسرے سے الگ نہیں کر سکتے۔ یہاں کمائی کرنے کے معنی ہی یہ ہیں کہ خروج کرنے کی ذمہ داری اٹھائی جائے۔ اگر تم کچھ نہیں کما سکتے، تم پر کوئی ذمہ داری نہیں ہے۔ جونہی تم کمانے لگے تم پر ذمہ داری عاید ہو گئی۔ اب یہ جتنی بڑھتی جائے گی، انفاق کی ذمہ داری بھی بڑھتی جائے گی۔ ہر پیسہ جو تمہاری جیب میں آئے گا انفاق کی ایک تازہ ذمہ داری اپنے ساتھ لائے گا۔ تمہاری کمائی کی راہ میں کوئی روک نہیں تم جس قدر کما سکتے ہو کماؤ۔ بلکہ چاہئے کہ زیادہ سے زیادہ کماؤ لیکن یہ نہ بھولو کہ زیادہ سے زیادہ کمانا، زیادہ سے زیادہ خروج کرنے کو کہتے ہیں!

وہ کہتا ہے، افراد کے ہاتھ کمائی کے لئے ہیں لیکن جماعت کا حق خروج کرانا ہے، افراد جتنا کما سکتے ہیں، کمائیں، لیکن ڈھیر لگانے کے لئے نہیں خروج کرنے کے لئے۔

یہی وجہ ہے کہ وہ "اکتناز" کو روکنا چاہتا ہے۔ یعنی چاندی سونے کے ڈھیر لگانے کو اور کہتا ہے ان کے لئے عذاب الیم کی بشارت ہے جو ڈھیر لگاتے ہیں اور خرچ نہیں کرتے: والذین یکنزون الذھب والفضۃ ولا ینفقونھا (۹: ۳۴) شرح اس کی سورۂ توبہ میں گزر چکی۔

اس تمام تفصیل سے معلوم ہوا کہ جہاں تک نظام معیشت کا تعلق ہے قرآن نے اکتساب مال کا معاملہ انفاق مال کے ساتھ وابستہ کر دیا ہے۔ وہ فرد کے حق اکتساب سے تعرض نہیں کرتا۔ لیکن اس حق کو انفاق کی ذمہ داری کے ساتھ باندھ دیتا ہے جس قدر کما سکتے ہو۔ کماؤ۔ لیکن کوئی کمائی جائز تسلیم نہیں کی جا سکتی اگر انفاق سے انکار کرتی ہو۔ ہر وہ کمائی جو محض "اکتناز" کے لئے ہو، اور انفاق کے لئے دروازہ کھلا نہ رکھے قرآن کے نزدیک ناجائز، ناپاک اور مستحق عقوبت ہے:۔

چنانچہ یہاں آیت ۷۱ میں فرمایا واللہ فضل بعضکم علیٰ بعض فی الرزق۔ سروسامان رزق کے اعتبار سے سب کی حالت یکساں نہ ہونی کسی کے پاس زیادہ ہے، کسی کے پاس کم ہے کوئی بالکل محروم ہے۔ فما الذین فضلوا برادی رزقھم علیٰ ما ملکت ایمانھم پھر جن لوگوں کو رزق میں برتری دی گئی ہے، وہ ایسا کرنے والے نہیں کہ اپنے کمائے ہوئے رزق اپنے غلاموں اور زیردستوں کو دیدیں۔ فھم فیہ سواء حالانکہ جو رزق انہوں نے کمائی ہے، وہ کچھ ان کی خلق کی ہوئی نہیں ہے۔ اللہ ہی کی دی ہوئی ہے، اور اس لئے رزق کے حقدار ہونے میں وہ سب برابر ہیں۔ خواہ کوئی زیردست ہو کر محروم ہو گیا، خواہ کوئی زبردست ہو کر خرچ مال ہو گیا ہو۔ افبنعمۃ اللہ یجحدون؟ پھر کیا یہ اللہ کی نعمت کے منکر ہیں؟ اللہ کی نعمت کے سچے منکر دنیا میں

أُمَّةٌ هِيَ أَرْبَىٰ مِنْ أُمَّةٍ ۚ إِنَّمَا يَبْلُوكُمُ اللَّهُ بِهِ ۚ وَلَيُبَيِّنَنَّ لَكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مَا
كُنْتُمْ فِيهِ تَخْتَلِفُونَ ۝ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَجَعَلَكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً وَلَٰكِنْ يُضِلُّ مَنْ يَشَاءُ ۚ ۹۲
وَيَهْدِي مَنْ يَشَاءُ ۚ وَلَتُسْأَلُنَّ عَمَّا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ۝ ۹۳

ایک دوسرے کے شریک ہو جائیں گے!

دنیا میں نسل و توارث کے قدرتی رشتوں نے خاندانوں کی بنیاد ڈال دی ہے۔ یہ خاندانی زندگی ٹھیک ٹھیک اس زندگی کا ایک نمونہ ہے جو قرآن چاہتا ہے کہ تمام نوع انسانی کی ہو جائے۔ ایک خاندان میں مختلف افراد ہوتے ہیں۔ اور استعداد و کار کے لحاظ سے تمام افراد کی حالت یکساں نہیں ہوتی کوئی فرد زیادہ کماؤ ہوتا ہے کوئی کم۔ کوئی ایسا بھی ہوتا ہے کہ کچھ نہیں کماتا، یا کچھ نہیں کما سکتا۔ جو زیادہ کماتا ہے وہ اپنی کمائی اپنے ہی پاس رکھتا ہے ایسا نہیں کرتا کہ اٹھا کر دوسرے کو دیدے لیکن باہمی رشتہ داری نے باہمی فرائض و تعاون کا جو فرض عاید کر دیا ہے، اسے خاندان کا کوئی فرد نظر انداز نہیں کر سکتا، ایسا نہیں ہو سکتا کہ خاندان کا ایک فرد خود تو عیش و عشرت کی زندگی بسر کرے لیکن دوسروں کو فقر و فاقہ کی حالت میں ہلاک ہونے کے لئے چھوڑ دے۔ کمانے میں سب کی راہیں الگ ہوتی ہیں، اور نتائج بھی سب کو ایک طرح کے پیش نہیں آتے، لیکن کھانے میں سب ایک دوسرے کے شریک ہوتے ہیں۔ اور ایک دوسرے کی فکر سے غافل نہیں ہو سکتے۔ اگر خاندان کا ایک فرد زیادہ کماتا ہے تو وہ محسوس کرتا ہے کہ خرچ کرنے کی ذمہ داری بھی اس پر زیادہ عاید ہو گئی ہے، اور دوسرے بھی سمجھتے ہیں کہ یہ زیادہ کماتا ہے، تو اسے ہماری خبر گیری بھی دوسروں سے زیادہ کرنی چاہئے۔

ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک ہی خاندان کے مختلف افراد ہوتے ہیں۔ مگر باہمی تعاون و اشتراک کا فرض بھلا دیتے ہیں۔ ایک بھائی لاکھوں کماتا ہے۔ دوسرا بھائی بھوکا مرتا ہے لیکن دنیا ایسے آدمی کو ملامت کرے گی، وہ کہیگی یہ ننگ خاندان ہے۔ اس نے یہ بات کیسے گوارا کر لی کہ خود تو عیش و عشرت کی زندگی بسر کرے اور اس کا بھائی ایک ایک دانہ کو ترسے۔

قرآن چاہتا ہے ایسا ہی اعتقاد نوع انسانی کے تمام افراد میں پیدا ہو جائے۔ وہ کہتا ہے۔ تمام افراد انسانی درحقیقت ایک ہی گھرانے کے مختلف افراد ہیں۔ انسانیت ان کی نسل ہے اور کرہ ارضی ان کا وطن ہے۔ بلاشبہ ان میں کا ہر فرد حق رکھتا ہے کہ اپنی اپنی حالت اور اپنی اپنی استعداد کے مطابق معیشت کے وسائل حاصل کرے لیکن اس کا حق نہیں رکھتا کہ اپنی کمائی کو صرف اپنے ہی لئے سمجھ لے اور اپنے کمزور بھائی کے لئے کچھ نہ نکالے۔ کمانے

ایک گروہ (کسی) دوسرے گروہ سے (طاقت میں) بڑھ چڑھ گیا ہے (یاد رکھو) اللہ اس معاملہ میں تمہاری (راست بازی و استقامت کی) آزمایش کرتا ہے (کہ تم طاقتور گروہ کا پاس کرنے لگتے ہو یا اپنے قول و قرار کا) جن جن باتوں میں تمہارے اختلافات ہیں ضرور ایسا ہو گا کہ وہ قیامت کے دن (حقیقت حال) تم پر آشکارا کر دے۔

اور (دیکھو) اگر اللہ چاہتا تو تم سب کو ایک ہی امت بنا دیتا (یعنی مختلف گروہوں اور مختلف طریقوں کا اختلاف ظہور ہی میں نہ آتا) لیکن (تم دیکھ رہے ہو کہ اس نے ایسا نہیں چاہا) وہ جس کسی پر چاہتا ہے (کامیابی کی) راہ گم کر دیتا ہے۔ جس کسی پر چاہتا ہے کھول دیتا ہے اور (پھر) ضرور ایسا ہوتا ہے کہ تم سے ان کاموں کی باز پرس ہو جو (دنیا میں) کرتے رہتے ہو!

الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ۝ اِنَّهٗ لَيْسَ لَهٗ سُلْطٰنٌ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۹۸
وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ۝ اِنَّمَا سُلْطٰنُهٗ عَلَى الَّذِيْنَ يَتَوَلَّوْنَهٗ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِهٖ مُشْرِكُوْنَ ۝ ۹۹-۱۰۰

انسان کی ساری ماندگی اس راہ میں یہ ہے کہ اپنے ہی خیال سے اللہ کا تصور آپ بہ تکلف کرنا چاہتا ہے، اور اس کے لئے شمائل تراشتا ہے، حالانکہ اس کے سارے تصور، اس کے سارے قیاسات اس کی ساری تمثیلیں، اس کے لئے ٹھوکروں پر ٹھوکریں اور گمراہیوں پر گمراہیاں ہو جاتی ہیں۔ وہ اپنی سوچی ہوئی تمثیلوں میں جتنا بڑھتا جاتا ہے، اتنا ہی حقیقت سے دور ہوتا جاتا ہے، کیونکہ وہ جتنی بھی تمثیلیں بناتا ہے، اپنے ادراک و احساسات کے اندر رہ کر بناتا ہے، اور ذات مطلق اس دائرہ کی رسائی سے ماوراء ہے۔

لے بروں از وہم و قال و قیل من
خاک بر فرق من و تمثیل من!

جہاں تک تصور الٰہی کی تنزیہہ کا تعلق ہے، قرآن کی دو چھوٹی چھوٹی آیتوں میں سب کچھ کہہ دیا گیا ہے، جن میں سے ایک آیت یہ ہے، دوسری لیس کمثلہ شیٔ (۴۲: ۱۱) تنزیہ کے بارے میں ہم جو کچھ بھی کہو، اس سے زیادہ نہیں کہہ سکتے۔ اس کے لئے تمثیلیں نہ گھڑو، وہ ان ساری چیزوں میں سے کسی چیز کے بھی مثل نہیں ہے جس کا تم تصور کر سکتے ہو!

لیکن اگر قرآن نے تصور الٰہی کی تنزیہہ کا یہ حال ہے، تو پھر کیوں اس نے صفات کا اثبات کیا، صفات کے اثبات کا لازمی نتیجہ تشخص ہے، اور تشخص پیدا ہوا، تو اطلاق باقی نہ رہا، اور اطلاق باقی نہیں رہا۔ تو تنزیہہ بھی اپنی بلندی سے نیچے اتر آئی۔

اس لئے کہ اگر تنزیہہ کا مطلب یہ سمجھا جائے، تو انسان کے تصور کے لئے کچھ باقی نہیں رہتا۔ خدا کا تصور محض ایک سلبی تصور ہو جاتا ہے اور سلبی تصور سے خدا پرستی کی زندگی پیدا نہیں ہو سکتی۔ خدا کا ایسا تصور اس کی فطرت کے لئے ایک ناقابل برداشت بوجھ ہو جائے گا۔ وہ وجدانی طور پر ایک خالق و پروردگار ہستی کا یقین رکھتا ہے، اور جب یقین رکھتا ہے تو ناگزیر ہے کہ اس کا تصور بھی کرے، اور جب تصور کرے گا تو تشخص کے ساتھ ہی کرے گا، غیر شخص اور سلبی حقیقت کا تصور اس کی فطری طاقت سے باہر ہے، اور اگر بتکلف وہ ایسا تصور پیدا بھی کرنا چاہے، تو یہ اس کے لئے کوئی زندہ اور عامل تصور نہیں ہو سکتا۔

یہ بات کہ اس کی فطرت میں ایک ایسی ہستی کا وجدانی اعتقاد موجود ہے، اس بات کا بھی فطری ثبوت ہے کہ اُسے اُس کا تصور کرنا چاہئے یعنی فطرت کا تقاضا ہے کہ وہ تصور کرے۔ وہ وجدانی طور پر مجبور ہے کہ تصور کرے، لیکن جب وہ تصور کرے گا تو یہ ایک انسان ہی کا ہی تصور ہوگا۔ ماورائے انسانیت تصور نہیں ہوگا، اور انسانی تصور تشخص کی پرچھائیں سے منزہ نہیں ہو سکتا۔

اس تصور کا ولولہ انسان کی فطرت میں کیوں اہل رہا ہے؟ اس لئے کہ اس کے معنی ارتقاء کے لئے ایک نصب العین کی ضرورت تھی، اور یہ نصب العین اللہ کی ہستی کے سوا اور کچھ نہیں ہو سکتا۔ مخلوقات میں جتنی چیزیں ہیں، سب

پس جب تم قرآن پڑھنے لگو، تو چاہئے کہ شیطان مردود (کے وسوسوں سے) اللہ کی پناہ مانگ لیا کرو
جو لوگ ایمان والے ہیں اور اپنے پروردگار پر بھروسہ رکھتے ہیں، ایسا کبھی نہیں ہو سکتا کہ ان پر اس کا زور چلے۔
اس کا زور تو انہی پر چلتا ہے جو اسے اپنا رفیق بناتے ہیں، اور جو اس کی وجہ سے شرک کا ارتکاب کرتے ہیں۔

لہ شخص سے یہاں مفہوم، تصور کی وہ نوعیت ہے جسے انگریزی میں "پرسنل گاڈ" سے تعبیر کیا جاتا ہے۔
لہ سلبی تصور سے مقصود یہ ہے کہ صرف نفی کی جائے اثبات نہ ہو یعنی کہا جائے وہ ایسا نہیں ہے، ایسا نہیں ہے

اللّٰهِ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ ۝ مَا عِندَكُمْ يَنفَدُ ۖ وَمَا عِندَ اللّٰهِ بَاقٍ ۗ وَلَنَجْزِيَنَّ الَّذِينَ ۹۵
صَبَرُوا أَجْرَهُم بِأَحْسَنِ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝ مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّن ذَكَرٍ أَوْ أُنثَىٰ وَهُوَ مُؤْمِنٌ ۹۶
فَلَنُحْيِيَنَّهُ حَيَاةً طَيِّبَةً ۖ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ أَجْرَهُم بِأَحْسَنِ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝ فَإِذَا قَرَأْتَ ۹۷

بہتر ہے۔ بشرطیکہ تم سمجھتے بوجھتے ہو!

جو کچھ تمہارے پاس ہے (ایک ایک دن) ختم ہو جائے گا، اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ ختم ہونے والا نہیں جن لوگوں نے صبر کیا (اور زندگی کی عارضی مشکلیں جھیل گئے) ہم ضرور انہیں ان کا اجر عطا فرمائیں گے۔ انہوں نے جیسے جیسے اچھے کام کئے ہیں اسی کے مطابق ہمارا اجر بھی ہوگا۔

جس کسی نے اچھا کام کیا خواہ مرد ہو خواہ عورت اور وہ ایمان بھی رکھتا ہے تو (یاد رکھو) ہم ضرور اسے (دنیا میں) اچھی زندگی بسر کرائیں گے اور آخرت میں بھی ضرور اسے اجر دینگے انہوں نے جیسے جیسے اچھے کام کئے ہیں اسی کے مطابق ہمارا اجر بھی ہوگا

۹۵ جس قدر سروسامانِ معیشت ہے وہ مدِ اہلِ فطرت ہی کی پیدا وار ہے کسی غیر انسانی کی پیدا کی ہوئی نہیں ہے، اور اگر ایک فرد کے قبضہ میں آجاتی ہے، تو یہ ایک اللہ کا فضل ہے پس چاہئے کہ اس کی شکر گذاری بجا لائی جائے، نہ یہ کہ کفرانِ نعمت کیا جائے۔ اس کی شکر گذاری کیا ہے؟ ان افراد پر خرچ کرنا جو اس کے حصول سے محروم ہیں۔

اس آیت سے دو باتیں معلوم ہوئیں۔ ایک یہ کہ سرو سامانِ معیشت سب کے پاس یکساں نہیں اور یہ اختلاف

۹۶ حال قدرتی ہے اسی لئے اسے اللہ نے براہ راست اپنی طرف منسوب کیا۔ دوسری یہ کہ رزق کے حقدار ہونے میں سب برابر ہوئے۔ خواہ کوئی آقا ہو، کوئی مملوک، کوئی طاقت ور ہو، کوئی زیر دست، چونکہ یہ دونوں باتیں یک جا ہو کر اس سوال پر روشنی ڈالتی ہیں کہ نظامِ معیشت کے معاملہ میں قرآن کا رخ کس طرف ہے اس لئے ضروری تھا کہ مندرجۂ صدر تشریحات اسی محل میں کر دی جائیں۔

اس آیت میں "فهم فيه سواء" کا مطلب قرار دیتے

۹۷ ہوئے بعض مفسرین نے اسے عدم تساوی حال پر محمول کیا ہے اور تقدیرِ عبارت یوں قرار دی ہے کہ "افهم فيه سواء"؟ بعضوں نے فہم کی فا کو حتی کے معنوں میں لیا ہے۔ لیکن جملہ صاف صاف مطلب وہی ہے جو ہم نے قرار دیا ہے، یعنی یہ مرتع تساوی حال کی خبر ہے نہ کہ اس کی نفی، اور جب مطلب ٹھیک ٹھیک بیٹھ رہا ہے تو پھر کونسی وجہ ہے کہ جگہ سے ہٹنے کے لئے مضطرب ہوں۔

---

(۲۰) آیت ۲، میں ربوبیتِ الٰہی کی نعمتوں میں سے تین نعمتوں کا ذکر کیا ہے۔ ایک یہ کہ اس نے انسان کی زندگی دو مختلف جنسوں مرد اور عورت میں تقسیم کر دی۔ اور پھر ایک کو دوسرے کا ساتھی بنا دیا۔ یعنی ازدواجی زندگی کا نظام قائم کر دیا۔ دوسری یہ کہ ازدواجی زندگی سے خاندانی زندگی پیدا ہو گئی۔ اولاد پیدا ہوتی ہے پھر ان کی اولاد ہوتی ہے، اور اس طرح ایک دائرہ قریبی رشتہ داروں کا بن جاتا ہے، جس کا ہر فرد دوسرے فرد سے وابستہ ہوتا ہے اور اسی وابستگی سے جماعتی زندگی کی ساری برکتیں اور رحمتیں حاصل ہوتی ہیں۔ تیسری یہ کہ اس کی غذا کے لئے اچھی چیزیں پیدا کر دیں، جو نہ صرف مفید ہیں، بلکہ خوشگوار ہیں، خوش رنگ ہیں، خوشبو ہیں۔

اس مقام کی تشریح کے لئے تفسیر فاتحہ کا مبحث "تکمیلِ حیات" دیکھنا چاہئے۔

---

(۲۱) آیت ۴، میں فرمایا لا تضربوا لله الامثال۔ اپنے جی سے اللہ کے لئے مثالیں نہ گڑھو۔

وَبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ ۝ وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ اِنَّمَا يُعَلِّمُهٗ بَشَرٌ ۭ لِسَانُ الَّذِيْ يُلْحِدُوْنَ اِلَيْهِ اَعْجَمِيٌّ وَّهٰذَا لِسَانٌ عَرَبِيٌّ مُّبِيْنٌ ۝ ۱۰۲ ۱۰۳

فرمانبردار بندوں کے لئے رہنمائی ہو، اور (نجات و سعادت کی) خوشخبری!

۱۰۲ اور بلاشبہ ہم جانتے ہیں کہ یہ لوگ (قرآن کے بارے میں کیا کہتے ہیں۔ یہ) کہتے ہیں "اس شخص کو تو ایک آدمی (یہ باتیں) سکھا دیتا ہے"۔ حالانکہ اس آدمی کی زبان جس کی طرف اسے منسوب کرتے ہیں عجمی ہے، اور یہ صاف اور آشکارا عربی زبان ہے!

۱۰۳

اسی سورت کی آیت ۶۰ میں گزر چکا ہے: للذین لا یومنون بالاخرۃ مثل السوء، ولله المثل الاعلیٰ۔ افسوس ہے کہ اس آیت کا مطلب لوگوں نے نہیں سمجھا۔ اس میں بھی یہی حقیقت واضح کی گئی ہے۔ قرآن اس سے نہیں روکتا کہ انسان خدا کے تصور کے لئے ایک بات وجدان میں لائے، لیکن وہ بات کیسی ہونی چاہئے؟ یہیں اسے ہمیشہ ٹھوکر لگی۔ وہ اسے نہیں پا سکا وہ حسن و جمال، کبریائی و کمال اور علو و عظمت کی بات تھی، لیکن اس نے گمراہی فکر سے بُری باتیں، گری ہوئی باتیں، ناسزا باتیں گڑھ لیں۔ یعنی "مثل السوء" سے کام لیا۔ "المثل الاعلیٰ" نہ پا سکا۔ حالانکہ اللہ کے لئے جو بات ہوگی "المثل الاعلیٰ" ہی کی ہوگی "مثل السوء" کی نہیں ہو سکتی۔ قرآن نے اسی "المثل الاعلیٰ" کا جمال حقیقت نمایاں کر دیا ہے، اور یہی "المثل الاعلیٰ" ہے جسے سورۂ اعراف میں "اسماء الحسنیٰ" سے تعبیر کیا، اور مثل السوء کے لئے الحاد فی الاسماء کی تعبیر اختیار کی: وللہ الاسماء الحسنیٰ فادعوہ بھا و ذروا الذین یلحدون فی اسمائہ، سیجزون ما کانوا یعملون (۷: ۱۸۰)

ایک دوسری جگہ فرمایا: لہ الاسماء الحسنیٰ، یسبح لہ ما فی السموٰت والارض، وھو العزیز الحکیم (۵۹: ۲۴) اس کے لئے حسن و خوبی کی صفتیں ہیں اور آسمانوں میں اور زمین میں جتنی مخلوقات ہیں، سب اسکی تسبیح کر رہی ہیں یعنی تمام کائنات ہستی ان صفتوں کی شہادت دے رہی ہے۔ آسمان و زمین کی ہر چیز ان صفتوں کا اعتراف ہے، ان صفتوں کی نمود ہے اس کی پاکی و کبریائی کے اعلان میں تسبیح کی زبان ہے تقدیس کی پکار ہے۔

بہرحال اثبات صفات ایک ایسی حقیقت ہے جس کی وجدانی طلب فطرت انسان میں موجود ہے، اور اس لئے اس وقت تک شخص کا ہونا فطری مطالبہ پورا کرتا ہے۔ اگر اس سے اغماض کیا جائے گا، تو غیر فطری بات ہو جائے گی، اور انسان کی وجدانی پیاس کبھی نہیں بجھے گی ہندوستان کے فلسفہ و دیانت نے اور اس کے بعد بودھ مذہب کے حکماء نے

لہ انیسویں صدی میں جن مستشرقین نے بودھ مذہب کی تحقیقات کی ان میں سے اکثر اس غلط فہمی میں مبتلا ہو گئے کہ گوتم بدھ کے عقیدہ میں خدا کے لئے کوئی جگہ نہ تھی، لیکن اب عام طور پر تسلیم کر لیا گیا ہے کہ یہ بدھ مذہب کی زیادہ سے زیادہ غلط تعبیر ہے جہاں تک خدا کے اعتقاد و تصور کا تعلق ہے گوتم بدھ نے بھی وہی راہ اختیار کی جو اپنشد کی ہے لیکن اس پر حقیقت کے اطلاق کا استغراق اس درجہ طاری ہو گیا تھا کہ کوئی مثبت بات اس بارے میں نہ کہہ سکا۔ اس کا مسلک انکار ذات کا نہ تھا۔ نفی صفات کا تھا۔

یہ خیال بھی صحیح نہیں ہے کہ اس نے زندگی میں رنج و عذاب کے سوا کچھ نہ دیکھا، اور نجات کی راہ اس کے نزدیک ترک و فنا میں ہے۔ وہ زندگی کے رنج و عذاب کا یقین ضرور پیدا کرنا چاہتا ہے لیکن اس لئے کہ رنج و عذاب سے نکلنے اور طمانیت و سعادت حاصل کرنے کی طلب پیدا کرے، اس نے نجات کی راہ ترک خواہشات نہیں قرار دی ہے بلکہ "درمیانی راہ" پر زور دیا ہے۔ یعنی نہ تو نہ خواہشوں کا استغراق اور نہ ترک بیچ کی راہ۔

میں خود بھی عرصہ تک اسی غلط فہمی میں مبتلا رہا لیکن اب مطالعہ و تحقیق کے بعد اس لئے کی غلطی واضح ہو گئی ہے۔

وَإِذَا بَدَّلْنَا آيَةً مَّكَانَ آيَةٍ ۙ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا يُنَزِّلُ قَالُوا إِنَّمَا أَنتَ مُفْتَرٍ ۚ بَلْ أَكْثَرُهُمْ
لَا يَعْلَمُونَ ۝ قُلْ نَزَّلَهُ رُوحُ الْقُدُسِ مِن رَّبِّكَ بِالْحَقِّ لِيُثَبِّتَ الَّذِينَ آمَنُوا وَهُدًى

۱۰۱

سب اس سے پست ہیں، وہ بلند ہونے کے لئے ان کی طرف نہیں دیکھ سکتا۔ اسے ایک ایسی ہستی کی ضرورت ہے جو سب سے بلند تر ہو، اور زیادہ سے زیادہ بلندیوں تک اسے کھینچنے والی ہو یہ صرف اللہ کا تصور ہے۔ یہی تصور ہے جو اس کے لئے اٹھنے اور اونچے ہونے کا ایک ایسا نصب العین بہم پہنچا دیتا ہے جس سے بلند تر کوئی نصب العین نہیں ہو سکتا۔ اور یہاں جو کچھ ہے سب اس سے فروتر ہے۔ یہ اس کے آگے مقام انسانیت کی غیر محدود ترقیوں کی شاہراہ کھول دیتا ہے۔ پس ضروری ہے کہ وہ اپنے سامنے ایک تصور رکھے اور تصور رکھے تو یہ ایک ایجابی تصور ہو، محض نفی و سلب نہ ہو۔ نفی و سلب اسے کچھ نہیں دے سکتا۔ اسے کھینچ نہیں سکتا، اسے اپنی آغوش میں لے نہیں سکتا۔ اور اس کا وجدان ایک ایسی ہستی کے لئے تشنہ ہے جو بڑھنے والی ہو، بلانے والی ہو، کھینچنے والی ہو، اپنے حسن و جمال کی صفتوں کے اندر سے جھانکنے والی ہو!

اور جب ہم ایک آیت کی جگہ دوسری آیت نازل کرتے ہیں، اور اللہ ہی بہتر جاننے والا ہے کہ وہ کیا نازل کر رہا ہے تو یہ لوگ کہتے ہیں "تم تو بس اپنے جی سے گڑھ لیا کرتے ہو" حالانکہ ان میں سے اکثروں کو معلوم نہیں کہ حقیقت حال کیا ہے۔

اے پیغمبر! تم کہدو "یہ میرے جی کی بناوٹ نہیں ہے اور نہ ہو سکتی ہے) یہ تو فی الحقیقت تمہارے پروردگار کی طرف سے روح القدس نے اتاری ہے اور اس لئے اتاری ہے کہ ایمان والوں کے دل جمادے،

۱۰۱

اس کی پیاس صرف اس سے نہیں بجھ سکتی کہ اسے بتلا دیا جائے، خدا کی ذات ایسی نہیں ہے ایسی نہیں ہے، اس کی طلب و احتیاج تو کسی ایسے کو ڈھونڈ رہی ہے جو بتلائے میں ایسا ہوں اور مجھ میں ایسی ایسی صفتیں ہیں!

پھر تمام کائنات ہستی کی پکار کیا ہے جو انسان کے چاروں طرف پھیلی ہوئی ہے؟ اور خود اسکی ہستی کا ایک ایک لمحہ کیا کہہ رہا ہے؟ کیا ممکن ہے کہ ان اسکی طرف سے کان بند کر لے؟ کیا ہو سکتا ہے کہ وہ آنکھیں کھولنے سے انکار کر دے؟ یہاں کی ہر چیز گواہی دے رہی ہے کہ کسی کو بنانے اور سنوارنے کی صفتیں ہیں اور اسی صفتوں کے ہم نقش و نگار ہیں۔ انسان یہ سارے نقش و نگار دیکھتا ہے اور ان میں حقیقتیں پاتا ہے، پس ان کا تصور اسے کرنا ہی پڑے گا وہ دیکھتا ہے کہ یہاں حسن و جمال ہے، اس لئے اسے تصور کرنا ہی پڑے گا کہ اس میں حسن و جمال ہے، وہ دیکھتا ہے کہ یہاں پروردگار ہی ہے، اس لئے اسے تصور کرنا ہی پڑے گا کہ وہ پروردگار ہے۔

پس اس راہ کی ٹھوکر اثبات صفات میں نہ ہوئی۔ اس میں ہوئی کہ صفات کیسی ہونی چاہئیں؟ ذہن انسانی نے جب کبھی نقشہ کھینچنا چاہا تو اپنی رسائی فکر کے مطابق تمثیلیں بنائیں، اور اسی میں گمراہ ہوا۔ انبیاء کرام کی دعوت کا مقصد یہ رہا کہ اس گمراہی سے دنیا کو نجات دلائیں اور صفات الٰہی کا صحیح تصور پیدا کر دیں۔ قرآن کا تصور الٰہی اسی لئے تصور کی تکمیل ہے کہ اس نے تنزیہ کا مقصد بھی پورا کر دیا، اور صفات الٰہی کا کامل نقشہ بھی کھینچ دیا۔ اس نے ایک طرف تو ہر طرح کے تمثل و تجسم کا دروازہ بند کر دیا کہ لا نضرب للہ الامثال اور لیس کمثلہ شئ۔ اور دوسری طرف اس کی صفتوں سے بھی ہمیں آشنا کر دیا۔ جو تمام تر "حسنیٰ" ہیں یعنی حسن و خوبی کی صفتیں ہیں، اور جنہیں ہم کائنات ہستی کے ایک ایک ذرہ سے پوچھ سکتے ہیں اور ایک ایک ذرہ کے منہ سے سن سکتے ہیں! شھد اللہ انہ لا الٰہ الا ھو والملٰئکۃ واولوا العلم قائما بالقسط، لا الٰہ الا ھو العزیز الحکیم (۳:۱۸)

اس کی تنزیہ بھی کامل ہے کیونکہ تشبیہ اور تجسیم کی پرچھائیں بھی برداشت نہیں کر سکتی۔ اسکی تبلائی ہوئی صفتیں بھی اعلیٰ ہیں۔ کیونکہ سرتاسر حسن، سرتاسر کبریائی، سرتاسر عظمت و جلال ہیں۔

مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْ بَعْدِ اِيْمَانِهٖٓ اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَقَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّۢ بِالْاِيْمَانِ وَلٰكِنْ مَّنْ شَرَحَ
بِالْكُفْرِ صَدْرًا فَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ مِّنَ اللّٰهِ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝ ۱۰۶

جو کوئی ایمان لانے کے بعد اللہ سے منکر ہوا، اور اس کا دل اس انکار پر رضامند ہو گیا، تو ایسے لوگوں پر اللہ کا غضب ہے، اور ان کے لیے بہت بڑا عذاب ہے، مگر ہاں جو کوئی کفر پر مجبور کیا جائے (اور بے بس ہو کر بخوف جان کوئی ایسی بات کہہ دے) اور اس کا دل اندر سے ایمان پر مطمئن ہو (تو ایسے لوگوں سے مواخذہ نہیں)

ساتھیوں کے لیے بوجھ۔ کوئی کام بھی اُس سے بن نہ پڑے دوسرا منعکم اور رہنما، فلاح و کامیابی کی راہ چلنے والا اور دوسروں کو بھی راہ دکھانے والا۔ تو کیا ان دونوں کی حالت میں تمہیں کوئی فرق نہیں دکھائی دے گا؟ تمہاری نگاہ میں دونوں کا حکم ایک ہی ہوگا؟ اگر نہیں ہوگا اور تم بے اختیار بول اٹھو گے کہ کہاں ایک گونگا بہرا، اور کہاں ایک گویا اور کارفرما، تو پھر تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم ایمان کی زندگی پر کفر کی زندگی کو ترجیح دیتے ہو؟ ایمان کی زندگی کیا ہے؟ عقل و بصیرت کی زندگی، جو خدا کے دیے ہوئے حواسوں سے کام لیتی، خود بھی سیدھی راہ چلتی اور دوسروں کی بھی رہنمائی کرتی ہے۔ کفر کی زندگی کیا ہے؟ بہری گونگی زندگی، عقل و حواس تاراج کر دینے والی۔ جس راہ میں قدم اُٹھائے کوئی خوبی کی بات حاصل نہ کر سکے۔

قرآن ہر جگہ ایمان کو عقل و بصیرت اور ہدایت و رہنمائی کی راہ قرار دیتا ہے اور کفر کو جہل و کوری اور تعطل و ہیچ کاری سے تعبیر کرتا ہے۔

---

(۲۳) آیت (۷۸) میں فرمایا۔ وہ کون ہے جس نے عقل و حواس کا چراغ تمہارے نہاں خانۂ دماغ میں روشن کر دیا ہے؟ جب تم پیدا ہوتے ہو، تو تمہاری تمام ذہنی قوتیں بظاہر معدوم ہوتی ہیں لیکن پھر جوں جوں بڑھتے جاتے ہو حواس کی قوتیں اُبھرنے لگتی ہیں، ادراک کا جوہر پلنے لگتا ہے، اور عقل کا چراغ روشن ہو جاتا ہے۔

(۲۴) آیت اور اس کی ہم معنی آیات میں ربوبیت الٰہی کی معنوی پرورگاریوں سے ہستہ لال کیا ہے، اور یہ حقیقت واضح کی ہے کہ اللہ کی ربوبیت نے انسان کے لیے عقلی ہدایت کا سروسامان کر دیا، اور یہی ہدایت ہے جس نے اُسے تمام مخلوقات ارضی میں سب سے بلند مقام پر پہنچا دیا ہے۔ تشریح کے لیے تفسیر فاتحہ کے سحت "یہ ہاں ربوبیت" کا مطالعہ کرو۔

اس کے بعد کی آیات میں بھی ربوبیت الٰہی کی بخشائشوں پر توجہ دلائی ہے کہ کس طرح کرۂ ارضی کی ہر پیداوار میں تمہارے لیے وفا اور فیضان کی نوعیت پیدا ہو گئی ہے۔ اور کوئی شے نہیں جو تمہاری کسی نہ کسی کاربرآری کا ذریعہ نہ ہو۔ اس مقام کی تشریح تفسیر فاتحہ کے سحت "افادہ و فیضانِ فطرت" میں ملے گی۔

---

(۲۴) آیت (۸۹) میں سلسلۂ بیان نے یہ رُخ اختیار کیا تھا کہ نزلنا علیك الکتاب ہم نے تجھ پر ایک کتاب نازل کی جو دین کی تمام باتیں واضح کرتی ہے، اور مسلمانوں کے لیے ہدایت، رحمت، اور بشارت ہے۔

لیکن وہ مسلمانوں کے لیے ہدایت، رحمت، اور بشارت کیونکر ہوئی؟ اس طرح ہوئی کہ انہیں فلاح و سعادت کی راہ پر جانے سے۔ یہ عملیوں کی راہوں سے روکتی ہے۔ چنانچہ اس کے بعد ہی سلسلۂ بیان مسلمانوں کی طرف متوجہ ہو گیا، اور فرمایا: ان اللہ یامر بالعدل والاحسان۔ اللہ کا تمہارے لیے فرمان یہ ہے کہ عدل کو اپنا شیوہ بناؤ، نیک کرداری میں سرگرم رہو، قرابت والوں کے ساتھ حسن سلوک کرو، فحش کاموں سے بچو۔ ہر طرح کی بُرائیوں سے

۱۰۴ اِنَّ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ ۙ لَا یَهْدِیْهِمُ اللّٰهُ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ۝ اِنَّمَا یَفْتَرِی
۱۰۵ الْكَذِبَ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ ۝

نفی صفات کا مسلک اختیار کیا اور شخص کو مٹانا چاہا، لیکن حتمًا نتیجہ کیا نکلا؟ یہ نکلا کہ نہ صرف تشخص کی بلکہ تجسم تک کی لوگوں کو اجازت دیدینی پڑی، کیونکہ انہوں نے محسوس کیا کہ غیر متشخص تصور سے خدا پرستی کی پیاس بجھ نہیں سکتی، اور ضروری ہے کہ نگرانسانی کے سامنے ایک چیز لائی جائے اس کا وجدان بغیر اس کے مطمئن نہیں ہو سکتا کہ کوئی نہ کوئی صورت سامنے دیکھے اگر صفات کی صورت نہ ہوگی، تو پتھر کی مورتی تراش لے گا۔

کرے کیا کعبہ میں جو بت خانہ سے آگے ہے
یہاں تو کوئی صورت بھی نہیں واں اللہ ہی اللہ ہے

یا تو تنزیہ میں اس قدر بلند ہونا چاہا تھا کہ اثبات صفات بھی ان پر شاق گزرا جی کہ اس کے بھی روادار نہ ہوئے کہ اس کی طرف "وہ" کہہ کے اشارہ کریں، کیونکہ ہمارا وہ کہنا بھی تشخص کی آلودگی سے منزہ نہیں ہو سکتا۔ یا پھر تجسم کی پستی میں گرے تو ایسے گرے کہ نہ صرف تشخص کو اس کی ساری تمثیلوں اور جسمانیتوں کے ساتھ جائز کر دیا، بلکہ اس کے بھی زیادہ ادنیٰ اور اسفل درجہ کی بھی اجازت دیدی۔ یعنی مورتی پوجا کی! چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ ویدانت کی توحید وجودی کا مسلک اور بودھسٹ حکما کے سلب ونفی کا تصور فلسفہ کا ایک مذہب بن گیا، لیکن انسان کا عملی مذہب بن سکا عملی مذہب کے لئے اصنام پرستی ہی اختیار کرنی پڑی نفی صفات اور استغراق الطلاق کا یہی مسلک ہے جسے اصحاب حدیث نے تعطیل سے تعبیر کیا ہے۔ قرآن کی توحید تنزیہ پر مبنی ہے تعطیل پر نہیں ہے۔

تاریخ اسلام میں سب سے پہلے نفی صفات کی صدا جہم بن صفوان نے بلند کی، جس کی طرف جہمیہ منسوب ہیں پھر متکلمین و نظار کے مختلف گروہ اس سے کم وبیش متاثر ہوئے، باطنیہ کا مذہب اثبات ونفی بھی اسی پر مبنی تھا۔ یعنی وہ اثبات کے ساتھ نفی بھی کر دیتے تھے، اور کہتے تھے "النور لا نور" اور الحکیم لا حکیم" توجیہ اس کی یہ کرتے تھے کہ اثبات حقیقتِ صفات کے لئے ہے۔ نفی تشبیہ کے لئے۔

اصل یہ ہے کہ جو لوگ (دیدہ و دانستہ) اللہ کی آیتوں پر یقین نہیں کرتے اللہ انہیں کامیابی کی راہ کبھی نہیں دکھاتا، اور ان کے لئے دردناک عذاب ہونا ہے۔

اپنے جی سے جھوٹ گڑھنا تو انہی کا کام ہے جو اللہ کی آیتوں پر ایمان نہیں رکھتے (اللہ پر ایمان رکھنے والا تو کبھی افترا پردازی نہیں کر سکتا) یہی ہیں کہ سرتاسر جھوٹے ہیں!

۱۰۴

۱۰۵

(۲۲) اس آیت کے بعد ۲ مثالیں بیان کی ہیں۔ ضرب اللہ مثلا عبدًا مملوکا اور ضرب اللہ مثلا رجلین احدھما ابکم:

(ا) پہلی مثال میں فرمایا۔ اگر تمہیں احتیاج ہو، تو تم کس کے پاس جاؤ گے؟ ایک غلام کے پاس جو کسی دوسرے کے اختیار میں ہے اور خود کوئی اختیار نہیں رکھتا، یا اس کے پاس جو مالک و مختار ہے اور جس طرح چاہے اپنا مال خرچ کر سکتا ہے؟ کیا دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟ ایک بے بس غلام اور ایک مالک مختار آقا؟ اگر نہیں ہو سکتے، تو اس سے بڑھ کر عقل کی ہلاکت اور کیا ہو سکتی ہے کہ تم اپنی حاجتوں اور مصیبتوں میں ان کے آگے جھکتے ہو جو خود اللہ کے بندے ہیں اور اپنی ساری احتیاجوں میں اسکی بخشایش کے مفتاح اور اسکی طرف سے گردن موڑ لیتے ہو، جس کے اختیار میں سب کچھ ہے، اور کوئی نہیں جو اس کا ہاتھ پکڑنے والا ہو؟

(ب) دوسری مثال ایمان اور کفر کی مثال ہے۔ فرمایا فرض کرو۔ دو آدمی ہوں۔ ایک گونگا بہرا، اپنے .....

لَا جَرَمَ أَنَّهُمْ فِي الْآخِرَةِ هُمُ الْخَاسِرُونَ ۝ ثُمَّ إِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِينَ هَاجَرُوا مِنْ بَعْدِ مَا فُتِنُوا ثُمَّ جَاهَدُوا وَصَبَرُوا إِنَّ رَبَّكَ مِنْ بَعْدِهَا لَغَفُورٌ رَحِيمٌ ۝

۱۰۹ ۱۱۰ ع ۱۴

فہمندی کی ایک ہشیاری اور دانشمندی سمجھیں گے۔ خصوصاً اگر بدعہدی کسی ایسے گروہ کے ساتھ کرنی پڑے جس سے دشمنی اور لڑائی ہو۔ آج بیسویں صدی میں دنیا کی متمدن اقوام کا سیاسی اخلاق ہمارے سامنے ہے۔ ان کے جو افراد چھوٹی سی چھوٹی بات میں بھی یہ گوارا نہیں کر سکتے کہ وعدہ خلاف ثابت ہوں قومی اور سیاسی معاملات میں ہر طرح کی بدعہدیاں اور خلاف ورزیاں جائز سمجھتے ہیں۔ اور تاریخ کے اوراق کو آج تک اس کی مہلت نہیں ملی ہے کہ سیاسی معاہدوں کی شکست کی افسانہ سرائی سے فارغ ہو جائے!

لا محالہ یہی لوگ ہیں کہ آخرت میں تباہ حال ہونگے!

۱۰۹

اور پھر جن لوگوں کا یہ حال ہوا کہ (کفر و ایمان کی) آزمائشوں میں پڑنے کے بعد ہجرت کی، اور پھر (راہ حق میں) جہاد بھی کیا اور (ہر طرح کی مصیبتوں میں) صابر رہے، تو بلاشبہ تمہارا پروردگار ان اعمال کے بعد ضرور بخشنے والا، ضرور رحمت فرمانے والا ہے!

۱۱۰

ایک انگریز، ایک فرنچ، ایک جرمن کی انفرادی زندگی کی سیرت (کیرکٹر) دیکھو وہ اپنے وعدوں میں سچا اور اپنے قول و قرار میں بے داغ ہوگا۔ اس کے لیے اس سے بڑھ کر توہین کی کوئی بات نہیں ہو سکتی کہ اس کے وعدہ میں شک کیا جائے، لیکن انہی افراد کا مجموعہ جب ایک جماعتی ذہنیت کی شکل اختیار کر لیتا ہے اور قومی اور سیاسی معاہدوں کی پابندی اس کی خود غرضانہ کام جوئیوں کی راہ میں حائل ہونے لگتی ہے۔ تو پھر کیا ہوتا ہے؟ کیا ایک لمحہ کے لیے بھی یہ انفرادی سیرت جماعتی بدعہدی کی راہ روک سکتی ہے؟ نہیں بلکہ سب سے بڑا مدبر السان وہی سمجھا جاتا ہے جو سب سے زیادہ عہد شکنیوں میں بے باک ہو!

جس جماعت کے افراد ایک فرد واحد کے ساتھ بدعہدی کرنا گوارا نہیں کر سکتے وہ لاکھوں کروڑوں افراد کے ساتھ بد عہدی کرنے میں کوئی بداخلاقی محسوس نہیں کرتے!

ہندوستان میں انگریزی اقتدار کی تخم ریزی اس وقت شروع ہوئی، جب کہ انگریزی قوم کی قومی سیرت اپنے بہترین سانچوں میں ڈھل رہی تھی، اور ان کا اخلاقی پیمانہ روز بروز اونچا ہو رہا تھا۔ سترھویں صدی کے اوائل میں۔ لیکن ہمیں دور جانے کی ضرورت نہیں، ہم صرف ہندوستان کی گزشتہ دو صدیوں کی تاریخ ہی میں دیکھ لے سکتے ہیں کہ اس بارے میں انگریزی قوم کے جماعتی اخلاق کا معیار کیا رہا ہے؟ ہر معاہدہ جو طاقتور فریق کے ساتھ کیا گیا اور وہ طاقتور رہا، معاہدہ تھا۔ ہر معاہدہ جو کمزور فریق کے ساتھ کیا گیا اور وہ کمزور ہی رہا، معاہدہ نہ تھا۔ امی چند، میر جعفر، میر قاسم، شاہ عالم، راجہ جیت سنگھ، نواب فیض اللہ، سعادت علی خاں، نظام علی خاں، برار، جے پور، میران سندھ کے لیے معاہدے کچھ مفید نہ ہو سکے لیکن حیدر علی، ہلکر، اور رنجیت سنگھ کے معاہدوں کی اخلاقی قدر و قیمت سے انکار نہیں کیا گیا۔ جماعتی معاہدے اگر پورے کیے جاتے ہیں تو اس لیے نہیں کہ معاہدے ہیں، اور معاہدوں کا پورا کرنا ضروری ہے بلکہ اس لیے کہ طاقتور فریق سے کیے گئے ہیں، اور ان کی شکست مفید ہونے کی جگہ مضر ہوگی!

عہد جاہلیت میں عربوں کا بھی یہی حال تھا۔ وہ وفائے عہد کی اخلاقی قیمت سے بے خبر نہ تھے۔ ان میں ایسے لوگ بھی تھے جو اپنے اور اپنے قبیلہ کے مفاخر میں سب سے زیادہ نمایاں جگہ وفائے عہد ہی کو دیتے تھے، لیکن جہاں تک جماعتی معاہدوں کا تعلق ہے، وفائے عہد کا عقیدہ کوئی عملی قدر و قیمت نہیں رکھتا تھا۔ آج ایک قبیلہ ایک قبیلہ سے عہد کرتا تھا۔ کل دیکھتا تھا کہ اس کے مخالف زیادہ طاقتور ہو گئے ہیں، تو بے دریغ اُن سے جا ملتا تھا، اور معاہد و حلیف پر حملہ کر دیتا تھا۔ اگر کسی دشمن فریق سے، من کا معاہدہ کرتے، اور پھر دیکھتے کہ اس کی کمزوری سے فائدہ اٹھانے

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمُ اسْتَحَبُّوا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا عَلَى الْاٰخِرَةِ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ۝ ۱۰۷
اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَسَمْعِهِمْ وَاَبْصَارِهِمْ ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ ۝ ۱۰۸

اجتناب کرو، ظلم و زیادتی سے کبھی آلودہ نہ ہو۔

جو لوگ مسلمان ہو چکے تھے، اُن کے لیے اب آزمائش عقائد میں تھی، اعمال میں تھی، اِس لیے اِس آیت میں عملی زندگی کی تمام مہمات بیان کر دیں۔ یہ گویا قرآن کے اس وصف کی تفسیر ہے جو پچھلی آیت میں بیان کیا گیا تھا کہ تبیانًا لکل شیء، اس لیے مفسرین نے اسے جوامع آیات میں شمار کیا ہے۔

عدل تمام محاسنِ اعمال کی اصل ہے۔ جس انسان کے اندر یہ بات پیدا ہو گئی کہ جو بات کرنی چاہیے، انصاف کے ساتھ کرنی چاہیے، اس نے سب کچھ پا لیا۔ احسان سے یہاں مقصود حسنِ عمل ہے۔ جو بات کرو حسن و خوبی کی کرو، نیکی اور بھلائی کی کرو۔ یعنی بنیاد عمل بھلائی ہو۔ برائی نہ ہو۔ جس نے یہ بات پالی، اس کے لیے اور کیا باقی رہا؟ پھر جو ہم سے قریب کا رشتہ رکھتے ہیں، وہ ہمارے حسنِ سلوک کے زیادہ حقدار ہیں، اِس لیے ایتاء ذی القربیٰ کی رعایت بھی ضروری ہوئی، اور اس حکم کی پہلو دار کا معاملہ پورا ہو گیا۔ پھر فحشاء، منکر، اور بغی سے روک کر نواہی کے سارے مقاصد پورے کر دیے۔ فحش سے مقصود وہ برائیاں ہیں جو حد درجہ کی برائیاں تسلیم کر لی گئی ہیں۔ مثلاً زنا، کنجوسی افترا پردازی۔ منکر میں ہر طرح اور ہر قسم و درجہ کی برائیاں آگئیں۔ بغی میں ہر طرح کی زیادتی آگئی۔ کسی گوشہ اور کسی شکل میں کی گئی ہو۔

جو کتاب ایسے سانچے لے کر آئی ہو، جس سے ایسے اعمال ڈھلتے ہوں، جو ایسی زندگیاں بناتی ہو، اگر وہ ہدایت، رحمت اور بشارت نہیں ہے، تو اور کس نام سے اُسے پکارا جا سکتا ہے!

---

(۲۵) اس کے بعد خصوصیت کے ساتھ ایک معاملہ پر زور دیا جو عموماً طرح طرح کی لغزشوں کا باعث ہوتا ہے۔ اور مسلمانوں کو بحیثیت ایک جماعت کے سب سے زیادہ اس میں سرگرم و استوار ہونے کی ضرورت تھی۔ یعنی ایفائے عہد پر۔ جب تم نے کسی فرد سے یا جماعت سے کوئی قول و قرار لیا۔ تو اب یہ قرآن کے نزدیک عہد اللہ" ہو گیا۔ یعنے ایسا عہد جس کے لیے تم اللہ کے آگے ذمہ دار ہو گئے۔ اگر تم نے اسے پورا نہیں کیا، تو اللہ کے آگے جواب دہ ہو گئے۔ چنانچہ فرمایا: واوفوا بعهد الله اذا عاهدتم۔

عہد و میثاق کے معاملات میں سب سے زیادہ اہم اور سب سے زیادہ نازک معاملہ جماعتوں کے معاہدوں کا ہے۔ اور اسی میں اُس کی اصلی آزمائش ہے۔ افراد بحیثیت فرد کے بہت کم عہد شکنی کرتے ہیں۔ اور کریں تو اُس کے قبائح شخصی دائرہ سے باہر نہیں جاتے، لیکن جماعتیں بہ حیثیت جماعت کے اکثر عہد شکن ہوتی ہیں، اور اُس کے نتائج سینکڑوں ہزاروں افراد کے حصہ میں آتے ہیں۔ بسا اوقات ایک جماعت کے افراد کبھی گوارا نہیں کریں گے کہ اپنی انفرادی زندگی کے معاملات میں عہد شکنی کا عار گوارا کریں۔ لیکن اگر انہی لوگوں کو بہ حیثیت ایک جماعت، قوم اور حکومت کے بد عہدی کرنی پڑے تو ایک لمحہ کے لیے بھی اس میں تامل نہیں کریں گے، اور اسے جماعتی کام جوئی تو

یہ اِس وجہ سے کہ اُنہوں نے آخرت چھوڑ کر دنیا کی زندگی سے محبت کی۔ نیز اس وجہ سے کہ اللہ کا قانون ہے، وہ) منکروں پر (فلاح و سعادت کی) راہ نہیں کھولتا!

یہ وہ لوگ ہیں کہ اللہ نے اُن کے دلوں پر، کانوں پر، اور آنکھوں پر مُہر کر دی (کیونکہ اُس کا مقرر قانون ہے کہ جو عقل و حواس سے کام نہیں لیتے وہ اُس کی روشنی سے محروم ہو جاتے ہیں) اور یہی ہیں کہ غفلت میں ڈوب گئے ہیں!

فَكَفَرَتْ بِاَنْعُمِ اللّٰهِ فَاَذَاقَهَا اللّٰهُ لِبَاسَ الْجُوْعِ وَالْخَوْفِ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ۝ وَلَقَدْ ۱۱۲
جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مِّنْهُمْ فَكَذَّبُوْهُ فَاَخَذَهُمُ الْعَذَابُ وَهُمْ ظٰلِمُوْنَ ۝ فَكُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ ۱۱۳
اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا ۖ وَّاشْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ۝ اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ ۱۱۴
وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَاِنَّ اللّٰهَ
غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَا تَصِفُ اَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هٰذَا حَلٰلٌ وَّهٰذَا حَرَامٌ لِّتَفْتَرُوْا ۱۱۵
عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ۭ اِنَّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ

کھاتا پیتا تھا۔ لیکن پھر ایسا ہوا کہ انہوں نے اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کی۔ تو اللہ نے بھی اُن کے کاموں کی پاداش میں اُنہیں نعمتوں سے محروم کر دیا۔ (تنعم کی جگہ) فاقہ اور (اطمینان کی جگہ) خوف اُن پر چھا گیا! ۱۱۲

اور پھر خود انہی میں سے ایک رسول بھی اُن کے سامنے آیا (اور کامیابی و سعادت کی راہ کی دعوت دی) مگر اُنہوں نے اُسے جھٹلایا۔ پس عذاب میں گرفتار ہو گئے، اور وہ (خود اپنے اوپر ظلم کرنے والے تھے! ۱۱۳

پس چاہیے کہ اللہ نے جو رزق تمہیں عطا کیا ہے، اُسے شوق سے کھاؤ۔ حلال اور پاکیزہ چیزیں ہیں۔ اور (ساتھ ہی) چاہیے کہ اللہ کی نعمت کا شکر بھی بجا لاؤ، اگر فی الحقیقت تم صرف اُسی کے پجاری ہو۔ ۱۱۴

جو کچھ تم پر حرام کیا گیا ہے، وہ تو صرف یہ ہے کہ مردار جانور، لہو، سور کا گوشت، اور وہ جانور جسے خدا کے سوا کسی دوسری ہستی کے لیے پکارا جائے۔ پھر جو کوئی (حلال غذا نہ ملنے کی وجہ سے) ناچار ہو جائے، اور نہ تو (حکم الٰہی سے) سرتابی کرنے والا ہو۔ نہ (حد ضرورت سے) گزر جانے والا (اور وہ جان بچانے کے لیے کچھ کھا لے) تو اللہ بخشنے والا رحمت والا ہے! ۱۱۵

اور (دیکھو) ایسا نہ کرو کہ تمہاری زبانوں پر جو جھوٹی بات آ جائے، بے دھڑک نکال دیا کرو اور (اپنے جی سے ٹھہرا کر) حکم لگا دو۔ یہ چیز حلال ہے۔ یہ چیز حرام ہے۔ اس طرح حکم لگانا اللہ پر افترا پردازی کرنا ہے۔ (اور یاد رکھو) جو لوگ اللہ پر افترا پردازیاں کرتے ہیں وہ کبھی

(۲۶) سورۂ انعام میں گزر چکا ہے کہ مشرکین عرب نے اپنے اوہام سے طرح طرح کی چیزیں حرام ٹھہرا دی تھیں۔ یہودیوں نے بھی کھانے پینے میں طرح طرح کی رکاوٹیں اختیار کر لی تھیں اور سمجھتے تھے، یہ شریعت کا حکم ہے۔

يَوْمَ تَأْتِي كُلُّ نَفْسٍ تُجَادِلُ عَنْ نَّفْسِهَا وَتُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ۝ ۱۱۱
وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا قَرْيَةً كَانَتْ اٰمِنَةً مُّطْمَئِنَّةً يَّاْتِيْهَا رِزْقُهَا رَغَدًا مِّنْ كُلِّ مَكَانٍ

کا موقعہ پیدا ہوگیا ہے۔ تو ایک لمحہ کے لیے بھی معاہدہ کا احترام انہیں حملہ کر دینے سے نہیں روکتا تھا اور بے خبر دشمن پر جا گرتے۔

لیکن قرآن راست بازی کی جو روح پیدا کرنی چاہتا تھا، وہ ایک لمحہ کے لیے بھی یہ بداخلاقی گوارا نہیں کر سکتی تھی۔ اس نے وفاء عہد اور احترام مواثیق کا جو معیار قائم کیا ہے، وہ اس درجہ بلند، قطعی، بے لچک اور حاکمگیر ہے کہ انسانی اعمال کا کوئی گوشہ بھی اس سے باہر نہیں رہ سکتا۔ وہ کہتا ہے، فرد ہو یا جماعت، ذاتی معاملات ہوں یا سیاسی، عزیز ہو یا اجنبی، ہم قوم و مذہب ہو، یا غیر قوم و مذہب، دوست ہو یا دشمن، امن کی حالت ہو یا جنگ کی، لیکن کسی حال میں بھی عہد شکنی جائز نہیں۔ وہ ہر حال میں جرم ہے، معصیت ہے، اللہ کے ساتھ ایک بات کر کے اُسے توڑ دینا ہے۔ عذاب عظیم کا اپنے کو مستحق ثابت کرنا ہے۔

چنانچہ یہی وجہ ہے کہ قرآن نے جا بجا وفاء عہد پر زور دیا ہے، اور جہاں کہیں مومنوں کے ایمانی خصائل کی تصویر کھینچی ہے، یہ وصف سب سے زیادہ ابھرا ہوا نظر آتا ہے۔ والموفون بعهدهم اذا عٰهدوا (۱۷۷) و الذين هم لاماناتهم وعهدهم راعون (۲۳ ۸) اور احادیث میں ہر جگہ منافق کی یہ پہچان بتلائی گئی ہے کہ اذا وعد اخلف (صحیحین) جب وعدہ کرے گا، پورا نہیں کرے گا۔

یہاں خصوصیت کے ساتھ جماعتی عہد و فاء کے احترام پر زور دیا ہے۔ چنانچہ فرمایا تتخذون ایمانکم دخلا بینکم ان تکون امة هی اربی من امة۔ اگر تم نے ایک گروہ سے معاہدہ کیا ہے، اور کل کو اس کا مخالف گروہ زیادہ طاقتور نظر آئے، تو محض اس لیے کہ طاقتور کا ساتھ دینا تمہارے لیے زیادہ مفید ہوگا، نہ کمزور کا، بدعہدی پر آمادہ نہ ہو جاؤ۔ جب تم نے ایک گروہ سے قول و قرار کر لیا تو ہر حال میں اس کا پورا کرنا لازمی ہوگا۔ خواہ وہ کمزور ہو گیا ہو، خواہ طاقتور۔ اگر اس کے مخالف طاقتور ہو گئے ہیں اور ان کے خلاف جانے میں تمہارے لیے خطرات ہیں، تو تمہارا فرض ہے کہ خطرات برداشت کرو۔ کیونکہ عہد کر چکے ہو۔

پھر اس طرح کی بدعہدی کی مثال کیا ہے؟ فرمایا کالتی نقضت غزلها من بعد قوة انكاثا۔ اس عورت کی سی ہے جس نے بڑی جانفشانی سے سوت کاتا۔ اور پھر خود ہی ٹکڑے ٹکڑے کر کے برباد کر دیا۔ یعنی جب ایک شخص یا ایک گروہ کوئی معاہدہ کرتا ہے، تو اس کی پختگی کے لیے بڑی بڑی باتیں کرتا ہے؛ اور ہر طرح دوسرے فریق کو یقین دلاتا ہے، پھر اگر ایک بات اتنی کوشش کے بعد پختہ کی گئی ہے، تو کیونکر جائز ہو سکتا ہے کہ جس نے کل پختہ کی تھی وہی آج اسے اپنے ہاتھوں سے توڑ کر رکھ دے؟

اس کے بعد آیت (۹۴) میں فرمایا۔ اپنی قسموں کو لوگوں کے لیے ٹھوکر نہ بناؤ۔ کیونکہ اگر تم نے بدعہدی کی تو لوگوں کا یقین تم سے اٹھ جائے گا۔ وہ کہیں گے ایسے لوگوں کا دین کیا جو اپنی بات کے پکے نہیں۔ اس طرح نہ صرف بدعہدی کے مجرم ہو گے۔ بلکہ دوسروں کو روکنے کا باعث ہو گے۔

وہ (قیامت کا) آنے والا دن، جب ہر جان صرف اپنے ہی لیے سوال و جواب کرتی ہوئی آئے گی (یعنی کسی کو کسی کی فکر نہ ہوگی) اور جس دن ہر جان کو اس کے عمل کا پورا پورا نتیجہ مل جائے گا، کسی کے ساتھ زیادتی نہ ہوگی!

اور دیکھو اللہ نے ایک مثال بیان کی۔ ایک بستی تھی جہاں ہر طرح کا امن چین تھا۔ ہر جگہ سے سامانِ رزق آتا رہتا اور ہر شخص فراغت سے

وَاٰتَيْنٰهُ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً ۭ وَاِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝ ثُمَّ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ اَنِ ۱۲۲
اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ۭ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝ اِنَّمَا جُعِلَ السَّبْتُ عَلَي الَّذِيْنَ ۱۲۳
اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ۭ وَاِنَّ رَبَّكَ لَيَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ۝ اُدْعُ اِلٰى ۱۲۴
سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ۭ اِنَّ رَبَّكَ
هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ۝ ۱۲۵

پس کیوں قرآن اس سے نہیں روکتا؟ فرمایا یہودیوں کو جو اس سے روکا گیا تھا، تو اس لیے نہیں کہ سبت کے دن حلال جانور شکار کیا جائے تو وہ حرام ہو جاتا ہے۔ بلکہ یہ اُن کے اختلاف اور عدم اطاعت کی ایک سزا تھی یعنے جب اُنہوں نے احکام سبت کی تعمیل نہ کی اور حیلے بہانے نکال کر شکار کرنے لگے تو سدًّا للذریعہ سبت کے شکار کا گوشت ممنوع قرار دیا گیا۔

اسے دنیا میں بھی بہتری دی، اور بلاشبہ آخرت میں اس کی جگہ صالح النسانوں میں ہوگی! ۱۲۲

اور پھر (اے پیغمبر!) ہم نے تمہاری طرف وحی بھیجی کہ (اسی) ابراہیم کے طریقہ کی پیروی کرو۔ ہر طرف سے ہٹا ہوا (صرف دین حق ہی پر کاربند رہنے والا) اور جو مشرکوں میں سے نہ تھا۔ ۱۲۳

"سبت" منانے کا حکم تو صرف انہی لوگوں کو دیا گیا تھا جو اس بارے میں اختلاف کرنے لگے تھے اور بلاشبہ تمہارا پروردگار قیامت کے دن ان کے درمیان فیصلہ کر دے گا کہ جن جن باتوں میں اختلافات کرتے رہے، اُن کی اصل حقیقت کیا تھی۔ ۱۲۴

(۲۸) آیت (۱۲۵) میں واضح کیا ہے کہ دعوت الی الحق کا طریقہ کیا ہے؟ فرمایا سرتاسر حکمت اور موعظۂ حسنہ ہے "حکمت" یعنے دانائی کی باتیں "موعظۂ حسنہ" یعنی پند و نصیحت کی باتیں جو خوبی کے ساتھ کی جائیں اس کے بعد فرمایا "وجادلہم بالتی ھی احسن" اور اگر بحث و نزاع کرنی پڑے، تو کر سکتے ہو، لیکن ایسی ہی بحث و نزاع جو نہایت اچھے طریقہ پر ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ دعوت حق کا طریقہ حکمت اور موعظۂ حسنہ کا طریقہ ہے۔ اور بحث و نزاع کی اجازت صرف اس صورت میں ہے کہ احسن طریقہ پر ہو۔ پس ہر بحث و نزاع جو احسن طریقہ پر نہ ہو دعوت کا طریقہ نہیں ہوگی۔

(اے پیغمبر!) اپنے پروردگار کی راہ کی طرف لوگوں کو بلاؤ۔ اس طرح، کہ حکمت کی باتیں بیان کرو، اور اچھے طریقہ پر پند و نصیحت کرو، اور مخالفوں سے بحث و نزاع کرو تو (وہ بھی) ایسے طریقہ پر کہ جو حسن و خوبی کا طریقہ ہو۔ تمہارا پروردگار ہی بہتر جانتا ہے کہ کون اس کی راہ سے بھٹک گیا ہے، اور وہی جانتا ہے کہ کون راہ راست پر ہے۔ ۱۲۵

احسن طریقہ سے مقصود کیا ہے؟ یہ کہ مقصود طلب حق ہو، اپنی بات کی ہیچ نہ ہو۔ مخالف کے اندر یقین پیدا کرنا ہو، اُسے باتوں سے ہرانا نہ ہو۔ اگر وہ چپ ہو گیا اور دل کا کانٹا نہ نکلا، تو بحث سے کیا فائدہ ہوا؟ ایسا اسلوب، ایسا طریقۂ خطاب، ایسا لب و لہجہ، اس طرح کے الفاظ اختیار نہ کیے جائیں جو مخالف کے دل کو دکھ پہنچانے والے ہوں، یا اُسے سننے والوں کی نظروں میں ذلیل و رسوا کرنے والے ہوں۔ کیونکہ اگر بحث سے مقصود دعوت حق ہے تو مخاطب کے دل کو نرمی و محبت سے حق کی طرف متوجہ کرنا چاہیے، نہ یہ کہ عداوت پہنچانا، ضد میں لانا، اور جوش نفرت سے بھر دینا۔

لَا يُفْلِحُونَ ۝ مَتَاعٌ قَلِيلٌ وَّلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝ وَعَلَى الَّذِينَ هَادُوا حَرَّمْنَا مَا قَصَصْنَا
عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ وَمَا ظَلَمْنَاهُمْ وَلَٰكِنْ كَانُوا أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ۝ ثُمَّ إِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِينَ
عَمِلُوا السُّوءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابُوا مِنْ بَعْدِ ذَٰلِكَ وَأَصْلَحُوا إِنَّ رَبَّكَ مِنْ بَعْدِهَا لَغَفُورٌ
رَّحِيمٌ ۝ إِنَّ إِبْرَاهِيمَ كَانَ أُمَّةً قَانِتًا لِلَّهِ حَنِيفًا وَلَمْ يَكُ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ۝ شَاكِرًا
لِأَنْعُمِهِ اجْتَبَاهُ وَهَدَاهُ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ۝

۱۱۶-۱۱۷ آیت (۱۱۶) میں فرمایا۔ اپنی زبانوں کو کذب سرائی کے لیے بے لگام نہ چھوڑ دو کہ جس چیز کو چاہا اپنی رائے اور قیاس سے حرام ٹھہرا دیا، جس کو چاہا حلال کہہ دیا۔ حلال و حرام ٹھہرانے کا حق تو صرف وحی الٰہی کو ہے، اور تمہارے پاس اپنے اوہام و آرا کے سوا کوئی وحی کی روشنی نہیں جو قرآن کے خلاف پیش کر سکو۔

یہ آیت اُن لوگوں کے خلاف حجت قاطع ہے جو محض اپنے گھڑے ہوئے قیاسوں کی بنا پر جس چیز کو چاہتے ہیں حرام ٹھہرا دیتے ہیں۔ اگرچہ کوئی نص قطعی موجود نہ ہو۔ اصل قرآنی اس بارے میں یہ ہے (جیسا کہ سورۂ اعراف کی آیت (۳۲) میں تصریح گزر چکی ہے) کہ خدا کی تمام پیدا کی ہوئی چیزیں انسان کے برتنے کے لیے ہیں۔ الّا وہ جو مضر ہیں، اور وحی الٰہی نے اُن سے روک دیا ہے۔ پس معلوم ہوا کہ ہر چیز مباح ہے جب تک کہ شریعت اُسے حرام نہ ٹھہرا دے۔ اور شریعت کے معنی قرآن و سنت کے نصوص قطعیہ ہیں۔ نہ کہ کسی فرد یا گروہ کی مجرد رائے اور قیاس

۱۱۶ فلاح پانے والے نہیں!

۱۱۷ (یہ دنیا کے) بہت تھوڑے فائدے ہیں جو اُٹھا لیں۔ (آخر کار) اُنہیں عذابِ دردناک پیش آنے والا ہے!

۱۱۸ اور (اے پیغمبر!) یہودیوں پر ہم نے وہ چیزیں حرام کر دی تھیں جن کی سرگزشت تجھے پہلے سنا چکے ہیں، اور (یہ پابندیاں جو اُن پر لگائی گئیں، تو خود انہی کی گمراہیوں کا نتیجہ تھیں) ہم نے اُن پر زیادتی نہیں کی (کیونکہ یہ ہمارا شیوہ نہیں) وہ خود اپنے ہاتھوں اپنے اوپر ظلم کرتے رہے۔

۱۱۹ ہاں، جو لوگ نادانی سے بُرائیوں میں پڑ گئے، لیکن اس کے بعد تائب ہو گئے، اور توبہ کے بعد اپنی حالت بھی سنوار لی، تو تمہارا پروردگار، ہاں، بلاشبہ تمہارا پروردگار اس صورت حال کے بعد ضرور بخشنے والا، رحمت فرمانے والا ہے!

۱۲۰ بلاشبہ ابراہیم (اپنی شخصیت میں) ایک پوری اُمت تھا۔ اللہ کے آگے جھکا ہوا، تمام (بناوٹی) راہوں سے ہٹا ہوا، اور ہرگز مشرکوں میں سے نہ تھا۔

۱۲۱ وہ اللہ کی نعمتوں کا شکر بجالانے والا تھا۔ اللہ نے اُسے برگزیدگی کے لیے چن لیا۔ اور سچائی کے) سیدھے راستے پر لگا دیا!

(۲۷) مشرکین عرب اپنے اوہام و خرافات کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف منسوب کرتے تھے۔ آیت (۱۲۰) میں اس نسبت کی غلیط کی ہے اور واضح کیا ہے کہ ان کی راہ ہی راہ تھی جس کی طرف پیغمبر اسلام دعوت دے رہے ہیں

ایک اور شبہ جو علت و حرمت کے بارے میں کیا گیا تھا یہ تھا کہ سبت کے دن کا شکار یہودیوں پر حرام کر دیا گیا تھا،

زیادہ سخت برائی ہو جائے۔ بہتری تو اس میں ہے کہ سختی کا جواب سختی سے نہ دو۔ جھیل جاؤ۔ پروانہ کرو۔ بخش دو۔ اسی میں تمہاری اصل جیت ہے۔ لیکن اگر طبیعت پر قابو نہیں پاتے۔ اور سختی کا جواب سختی سے دینا چاہتے ہو، تو پھر انصاف کا سررشتہ ہاتھ سے نہ چھوٹے۔ جتنی اور جیسی سختی تمہارے ساتھ کی گئی ہے، ویسی ہی اور اتنی ہی تم بھی کر لو۔ اس سے آگے نہ بڑھو۔ ذرا بھی بڑھے، تو یہ ظلم ہوگا، اور ظلم راستی کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتا۔

غور کرو۔ قرآن کا محض ایک لفظ یا محض ایک ترکیب کس طرح مقاصد و مسائل کے فیصلے کر دیا کرتی ہے؟ پہلے بصیغۂ امر دعوت کا حکم دیا گیا تھا، ادع الی سبیل ربك پس چاہیے تھا کہ یہاں بھی بدلہ لینے کا حکم دیا جاتا اور کہا جاتا۔ اگر تمہارے ساتھ سختی کی گئی ہے، تو تم بھی ویسی ہی سختی کرو۔ مگر تمہیں ایسا نہیں فرمایا۔ بلکہ کہا: وان عاقبتم۔ اگر ایسا ہو کر تم مخالف کی سختی کے جواب میں سختی کرنا چاہو، تو چاہیے کہ حد سے نہ بڑھو۔ اس سے معلوم ہوا کہ سختی کے جواب میں سختی کا حکم نہیں ہے۔ محض اجازت ہے۔ یعنی اگر ایک آدمی وہ مقام حاصل نہیں کر سکتا جو اس بارے میں بہتری اور خوبی کا اصلی مقام ہے، : جھیل جانا اور بخش دینا، تو پھر اسے بدلے کی اجازت دیدی گئی ہے، لیکن اجازت کو بمثل ما عوقبتم سے مقید کر دیا ہے تاکہ زیادتی کا دروازہ بکلی بند ہو جائے۔ اب دو ہی راہیں کھلی رہ گئیں: عزیمت تو اس میں ہوئی کہ جھیل جاؤ اور بخش دو۔ رخصت اس کی ہوئی کہ جتنی سختی کی گئی ہے، اتنی ہی تم بھی کر لو۔ اس سے آگے قدم نہیں بڑھا سکتے۔

اس آیت کی تفسیر میں امام غزالی (رحمۃ اللہ علیہ) کی ایک تقریر بہت مقبول ہوئی ہے، جو انہوں نے قسطاس المستقیم میں لکھی ہے۔ اور بعد کے مفسرین نے عموماً اسے اختیار کر لیا ہے۔ وہ کہتے ہیں، استعداد و فہم کے لحاظ سے ہر انسان کی طبیعت یکساں نہیں، اور ہر ذہنی حالت ایک خاص طرح کا اسلوب خطاب چاہتی ہے۔ ارباب دانش کے لیے استدلال کی ضرورت ہوتی ہے، عوام کے موعظت کی، اور اصحاب خصومت کے لیے جدل کی۔ پس اس آیت میں قرآن نے تینوں جماعتوں کے لیے یہ تینوں طریقے بتلا دیے ہیں۔ ارباب دانش کو حکمت کے ساتھ مخاطب کرو۔ عوام کو موعظت کے ساتھ۔ اور ارباب خصومت کے لیے جدال کی بھی اجازت ہے مگر بطریق احسن۔

---

(۲۹) آخر میں سورت ختم کرتے ہوئے پیغمبر اسلام کو مخاطب کیا ہے کہ:

(ا) صبر کر، اور تیرا صبر کرنا اللہ ہی کی مدد و توفیق سے ہے۔

(ب) منکروں کی محرومی پر تنگ نہ کھا۔ جو مانتے والے نہیں ہیں، وہ کبھی نہیں مانیں گے۔

(ج) دعوت حق کی مخالفت میں وہ جو کچھ مخفی تدبیریں اور سازشیں کر رہے ہیں، ان سے دل تنگ نہ ہو۔

(د) یہ قانون الٰہی یاد رکھ کہ اللہ کی نصرت انہی کا ساتھ دیتی ہے، جو برائیوں سے بچتے ہیں اور جن کی زندگی نیک کرداروں کی زندگی ہوتی ہے!

وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ ؕ وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصّٰبِرِيْنَ ۝ وَ ۱۲۶
اصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ اِلَّا بِاللّٰهِ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُ فِيْ ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُوْنَ ۝ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ ۱۲۷
الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّالَّذِيْنَ هُمْ مُّحْسِنُوْنَ ۝ ۱۲۸ ع ۱۶/۱۲

بدقسمتی سے دنیا میں طلبِ حق کی راہ بھی محض جدل و نزاع کی راہ بن گئی ہے۔ ہم اپنے دنیوی اغراض و مقاصد کے لیے لڑنے جھگڑنے کے عادی ہیں۔ جب کبھی کوئی ایسا جھگڑا پیش آجاتا ہے۔ تو صرف اپنی جیت ہی کے لیے لڑتے ہیں۔ اِس خیال سے نہیں لڑتے کہ حق و انصاف کیا ہے؛ اکثر اوقات خود ہمارا ضمیر گواہی دیتا ہے کہ ہم برسرِ حق نہیں ہیں اور انصاف مخالف کے ساتھ ہے لیکن چونکہ ہمارا مطلب کسی نہ کسی طرح حاصل کرنا ہوتا ہے۔ اِس لیے کبھی اعترافِ حقیقت کے لیے تیار نہیں ہوتے۔ حق اور انصاف ہم سے جس قدر الگ ہوتا جاتا ہے، بحث و نزاع کی سرگرمی اُلٹی ہی زیادہ بڑھتی جاتی ہے۔ اگر ہمارا مقدمہ سب سے زیادہ کمزور ہوگا، تو ہم خیال کرینگے کہ ہماری بحث و نزاع کی سرگرمی سب سے زیادہ ہونی چاہیے:

اور مخالفوں کی سختی کے جواب میں سختی کرو، تو چاہیے کہ ویسی ہی اور اتنی ہی کرو جیسی تمہارے ساتھ کی گئی ہے، اور اگر تم نے صبر کیا یعنے جھیل گئے، اور سختی کا جواب سختی سے نہیں دیا تو بلاشبہ صبر کرنے والوں کے لیے صبر ہی بہتر ہے!

(اے پیغمبر!) صبر کر، اور تیرا صبر کرنا نہیں ہے مگر اللہ کی مدد سے، اور ان لوگوں کے حال پہ غم نہ کھا، نہ ہی اُن کی مخالفانہ تدبیروں سے دل تنگ ہو۔ یقیناً اللہ انہی کا ساتھی ہے جو متقی ہیں اور نیک عملی میں سرگرم رہتے ہیں!

۱۲۶ لیکن چونکہ ہمارا مطلب

۱۲۷ ۱۲۸ چاہیے تو یہ تھا کہ کم از کم دین کے معاملہ میں ہم ایسا نہ کرتے۔ دنیوی معاملات میں کچھ نہ کچھ لینا دینا ہوتا ہے۔ اس لیے غرض پرست آدمی اپنی بات کی سچ کرنا ہی رہے گا لیکن دین کی راہ لین دین کی راہ نہیں ہے، سچ کو سچ مان لینے کی راہ ہے۔ اور جونہی ہم نے کسی بات کو سچ نہ سمجھ کر بھی سچ ثابت کرنا چاہا، دین کی راہ نہ رہی۔ یہیں اُس کی ضد ہوگئی۔ لیکن مصیبت یہ ہے کہ ہم نے سچائی کے کام کو بھی جھوٹ کا کاروبار بنا دیا ہے۔ مذہب کے امر سے میں بھی ٹھیک اُسی طرح جھگڑتے ہیں جس طرح دنیا کے معاملات میں۔ ہم جب کبھی کسی سے بحث کرینگے، تو ہمارے وہم و گمان میں بھی یہ خیال نہیں گزرے گا کہ اس راہ میں اصل مقصود طلبِ حق ہے، اور جونہی حق سامنے آجائے ہمارا فرض ہے کہ اعتراف کرلیں، بلکہ بحث کرینگے ہی اس لیے کہ اپنی اور اپنے فریق کی بات منوانی ہے، اور خواہ کچھ ہو، فریقِ مخالف کو ہرانا ہے۔ اگر دلیلیں گئے کہ حق اور معقولیت ہمارے ساتھ نہیں ہے تو غیر متعلق باتوں پر زور دینے لگیں گے، بدزبانی پر اتر آئیں گے، مارنے مرنے کے لیے تیار ہوجائیں گے اور پھر کہیں گے کہ ہم جیت گئے!

قرآن کہتا ہے۔ یہ "جدل" کا طریقہ ہے۔ "دعوت" کا طریقہ نہیں ہے۔ اور دین کی راہ دعوت کی راہ ہے جدل کی راہ نہیں ہے۔ اگر جدل کرنا ہی پڑے، تو صرف اُسی حالت میں کیا جاسکتا ہے کہ احسن طریقہ پر ہو یعنے راست بازی دیانت شیریں زبانی، اور شائستگی کے ساتھ کیا جائے۔ آگے چل کر سورۂ عنکبوت میں بھی یہی حکم ملے گا: ولا تجادلوا اھل الکتاب، الا بالتی ھی احسن (۴۶)

اِس کے بعد فرمایا: وان عاقبتم فعاقبوا بمثل ما عوقبتم بہ، ولئن صبرتم لھو خیر للصابرین! اگر مخالف ناحق کوشی میں سرگرم ہے اور سختی و زیادتی پر اُتر آیا ہے، تو ایسا نہیں ہونا چاہیے کہ تم بھی آپے سے باہر ہوجاؤ ایسا کرنا راست بازی کا طریقہ نہ ہوگا۔ ایک بُرائی کے جواب میں دوسری بُرائی کا ارتکاب ہوگا جو ممکن ہے پہلی سے بھی

عُلُوًّا كَبِيرًا ۝ فَإِذَا جَاءَ وَعْدُ أُولَاهُمَا بَعَثْنَا عَلَيْكُمْ عِبَادًا لَّنَا أُولِي بَأْسٍ شَدِيدٍ فَجَاسُوا ۴
خِلَالَ الدِّيَارِ ۚ وَكَانَ وَعْدًا مَّفْعُولًا ۝ ثُمَّ رَدَدْنَا لَكُمُ الْكَرَّةَ عَلَيْهِمْ وَأَمْدَدْنَاكُم بِأَمْوَالٍ ۵
وَبَنِينَ وَجَعَلْنَاكُمْ أَكْثَرَ نَفِيرًا ۝ إِنْ أَحْسَنتُمْ أَحْسَنتُمْ لِأَنفُسِكُمْ ۖ وَإِنْ أَسَأْتُمْ ۶
فَلَهَا ۚ فَإِذَا جَاءَ وَعْدُ الْآخِرَةِ لِيَسُوءُوا وُجُوهَكُمْ وَلِيَدْخُلُوا الْمَسْجِدَ كَمَا دَخَلُوهُ أَوَّلَ
مَرَّةٍ وَلِيُتَبِّرُوا مَا عَلَوْا تَتْبِيرًا ۝ عَسَىٰ رَبُّكُمْ أَن يَرْحَمَكُمْ ۚ وَإِنْ عُدتُّمْ عُدْنَا ۘ وَجَعَلْنَا ۷ ع ۱
جَهَنَّمَ لِلْكَافِرِينَ حَصِيرًا ۝ إِنَّ هَٰذَا الْقُرْآنَ ۸

کی خبر دیدی گئی تھی۔ پہلی بربادی بابل کے بادشاہ بنوکد نزر (بخت نصر) کے حملہ سے ہوئی، دوسری رومیوں کے حملہ سے جو ٹیٹس کے زیر قیادت ہوئی تھی۔

بڑی ہی سخت درجہ کی سرکشی کرو گے۔ پھر جب ان دو وقتوں میں سے پہلا وقت آگیا، تو (اے بنی اسرائیل!) ہم نے تم پر اپنے ایسے بندے ۴
بھیج دیے جو بڑے ہی خوفناک تھے۔ پس وہ تمہاری آبادیوں کے اندر پھیل گئے، اور اللہ کا وعدہ
تو اسی لیے تھا کہ پورا ہو کر رہے! ۵

پھر (دیکھو) ہم نے زمانہ کی گردش تمہارے دشمنوں کے خلاف اور تمہارے موافق کر دی، اور مال و
دولت اور اولاد کی کثرت سے تمہاری مدد کی۔ اور تمہیں (پھر) ایسا بنا دیا کہ بڑے چھٹے والے ہو گئے۔ ۶

اگر تم نے بھلائی کے کام کیے، تو اپنے ہی لیے کیے، اور اگر برائیاں کیں، تو بھی اپنے ہی لیے کیں۔ پھر
جب دوسرے وعدے کا وقت آیا (تو ہم نے اپنے دوسرے بندوں کو بھیج دیا) تاکہ تمہارے چہروں پر
رسوائی پھیر دیں، اور اسی طرح ہیکل کی مسجد میں داخل
ہو جائیں جس طرح پہلی مرتبہ حملہ آور گھسے تھے، اور
جو کچھ پائیں، توڑ پھوڑ کر برباد کر ڈالیں۔ ۷

کچھ عجب نہیں کہ تمہارا پروردگار تم پر رحم فرمائے
(اگر اب بھی باز آجاؤ) لیکن اگر تم پھر سرکشی و فساد
کی طرف لوٹے، تو (اللہ فرماتا ہے) ہماری طرف سے
بھی پاداشِ عمل لوٹ آئے گی۔ اور (یاد رکھو)
ہم نے منکرینِ حق کے لیے جہنم کا قید خانہ طیار کر
رکھا ہے! ۸

بلاشبہ یہ قرآن اُس راہ کی طرف رہنمائی کرتا ہے

(۳) بابل کے حملے نے صرف یہودیا کی آبادیوں ہی کو پامال نہیں کیا تھا، بلکہ بنی اسرائیل کی نسل و قومیت بھی ہلاک (منتشر) ہو گئی تھی۔ لیکن ایک صدی کے بعد گردش زمانہ نے پھر پلٹا کھایا، اور کارسازِ قدرت نے وقت کی سب سے بڑی فاتح شہنشاہیت کو ان کی اعانت و دستگیری کے لیے کھڑا کر دیا۔ یعنے شہنشاہِ فارس کو۔ اب یہودیا کی تمام اُجڑی بستیاں پھر آباد ہو گئیں، اور یہودی جمعیت کا جسم مردہ پھر زندہ ہو گیا۔ آیت (۶) میں اسی عہد کی طرف اشارہ کیا ہے۔ فرمایا اگر تم نے اچھے کام کیے تھے تو اپنے ہی لیے کیے تھے یعنے اس کے نتائج تمہارے ہی حصہ میں آئے۔ اور بدعملیاں کی تھیں تو وہ بھی اپنے ہی لیے کی تھیں۔ اس کی پاداش بھی تمہارے ہی حصے میں آئی۔ چنانچہ جب ایسا ہوا کہ اس دوسری مہلت کی بھی تم نے قدر نہ کی، اور اپنی توبہ خیانت کے وہ تمام عہد بھلا دیے جو بابل کی اسیری کے زمانہ میں کیے تھے

سُوْرَةُ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ ۱۷

المنزل ۴
الجزء ۱۵

مکی - ۱۱۱ - آیات

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِیْ بٰرَكْنَا حَوْلَهٗ
لِنُرِیَهٗ مِنْ اٰیٰتِنَا ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ ۝ وَاٰتَیْنَا مُوْسَی الْكِتٰبَ وَجَعَلْنٰهُ هُدًی لِّبَنِیْٓ ۱
اِسْرَآءِیْلَ اَلَّا تَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِیْ وَكِیْلًا ؕ ذُرِّیَّةَ مَنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوْحٍ ؕ اِنَّهٗ كَانَ عَبْدًا شَكُوْرًا ۝ ۲-۳
وَقَضَیْنَآ اِلٰی بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ فِی الْكِتٰبِ لَتُفْسِدُنَّ فِی الْاَرْضِ مَرَّتَیْنِ وَلَتَعْلُنَّ

(۱) ہجرتِ مدینہ سے تقریباً ایک سال پہلے پیغمبر اسلام (صلی اللہ علیہ وسلم) کو اسرا کا معاملہ پیش آیا جو عام طور پر معراج کے نام سے مشہور ہے۔ اس سورت کی ابتدا اسی واقعہ کے ذکر سے کی گئی ہے، اور واضح کیا ہے کہ اس معاملے سے مقصود کیا تھا۔ لنریہ من اٰیٰتنا۔ تاکہ اللہ کی نشانیاں ان کے مشاہدہ میں آجائیں۔ یعنی دلائلِ حقیقت کا عینی مشاہدہ کرلیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ معاملہ وحی کی تکمیل تھا۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ اس کے بعد فرمایا۔ واٰتینا موسی الکتٰب۔ اسی طرح حضرت موسیٰ کا معاملہ وحی بھی کوہِ طور کے اعتکاف میں مکمل ہوا تھا کہ ولما جآء موسیٰ لمیقاتنا وکلمہ ربہ (۷ : ۱۴۳) اور انہیں کتاب شریعت دی گئی تھی۔

"انہ ھو السمیع البصیر" وہی ہے جو سننے والا دیکھنے والا ہے پس جسے چاہے اس سے زیادہ سنا دے جتنا سب سن رہے ہیں۔ اور اس سے زیادہ دکھا دے جتنا سب دیکھ رہے ہیں!

یہاں مسجدِ حرام سے مقصود مکہ ہے، اور مسجدِ اقصیٰ سے بیت المقدس کا ہیکل۔ اسے اقصیٰ اس لیے فرمایا کہ عرب کے لیے قریب کی عبادت گاہ خانہ کعبہ تھی، اور دور کی عبادت گاہ ہیکل۔

(۲) آیت (۴) میں کتاب سے مقصود انبیاء بنی اسرائیل کے صحیفے ہیں۔ چنانچہ یسعیاہ، یرمیاہ، اور حزقیل کی کتابوں میں بنی اسرائیل کے دو بڑے فسادوں اور دو بڑی بربادیوں

پاکی ہے اُس ذات کے لیے جس نے اپنے بندے کو (یعنی پیغمبر اسلام کو) راتوں رات مسجدِ حرام سے مسجدِ اقصیٰ تک کہ اس کے طرف کو ہم نے بڑی ہی برکت دی ہے، سیر کرائی اور اس لیے سیر کرائی کہ اپنی نشانیاں اُسے دکھا دیں۔ بلاشبہ وہی ذات ہے جو سننے والی، دیکھنے والی ہے!

اور (اسی طرح) ہم نے موسیٰ کو کتاب (شریعت) دی اور اُسے بنی اسرائیل کے لیے ہدایت کا ذریعہ ٹھہرایا (اور حکم دیا) کہ (دیکھو!) میرے سوا اور کسی کو اپنا کارساز نہ ٹھہراؤ!

تم اُن لوگوں کی نسل ہو جنہیں ہم نے طوفان کی ہلاکت سے نجات دی تھی اور نوح کے ساتھ (کشتی میں) سوار کرایا تھا۔ اور وہ ایک شکر گزار بندہ تھا!

اور (دیکھو) ہم نے کتاب میں (یعنی تورات میں) بنی اسرائیل کو اس فیصلہ کی خبر دیدی گئی تھی کہ تم ضرور ملک میں دو مرتبہ خرابی پھیلاؤ گے اور

فَصَّلْنٰهُ تَفْصِيْلًا ۝ وَكُلَّ اِنْسَانٍ اَلْزَمْنٰهُ طٰٓئِرَهٗ فِيْ عُنُقِهٖ ۭ وَنُخْرِجُ لَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ كِتٰبًا ۱۲
يَّلْقٰىهُ مَنْشُوْرًا ۝ اِقْرَاْ كِتٰبَكَ ۭ كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيْبًا ۝ مَنِ اهْتَدٰى ۱۳-۱۴
فَاِنَّمَا يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ۭ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ۭ وَمَا كُنَّا
مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا ۝ وَاِذَآ اَرَدْنَآ اَنْ نُّهْلِكَ قَرْيَةً اَمَرْنَا مُتْرَفِيْهَا فَفَسَقُوْا ۱۵
فِيْهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ فَدَمَّرْنٰهَا تَدْمِيْرًا ۝ وَكَمْ اَهْلَكْنَا مِنَ الْقُرُوْنِ مِنْۢ بَعْدِ نُوْحٍ ۭ ۱۶
وَكَفٰى بِرَبِّكَ بِذُنُوْبِ عِبَادِهٖ خَبِيْرًۢا بَصِيْرًا ۝ مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعَاجِلَةَ عَجَّلْنَا لَهٗ فِيْهَا ۱۷
مَا نَشَاۗءُ لِمَنْ نُّرِيْدُ ثُمَّ جَعَلْنَا لَهٗ جَهَنَّمَ ۚ يَصْلٰىهَا مَذْمُوْمًا

نہ اٹھایا، اور محرومی و نامرادی کی مُہر ہمیشہ کے لیے اُن کی قسمت پر لگ گئی!

۱۲ ہے!

اور ہم نے ہر انسان کی شامت خود اُس کی گردن سے باندھ دی ہے (کہیں باہر سے اُس پر آکر نہیں گرتی) قیامت کے دن ہم اُس کے لیے (نامۂ اعمال کی) ایک کتاب نکال کر پیش کر دینگے۔ وہ اُسے اپنے سامنے کھلا دیکھ لے گا۔ (ہم کہیں گے) "اپنا نامۂ اعمال پڑھ لے۔ آج کے دن خود تیرا وجود ہی تیرے احتساب کے لیے بس کرتا ہے!" ۱۳

جو سیدھے رستے چلا، تو اپنے ہی لیے چلا، اور جو بھٹک گیا تو بھٹکنے کا خمیازہ بھی وہی اُٹھائیگا، کوئی بوجھ اُٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اُٹھاتا (ہر جان کو خود اپنے ہی اعمال کا بوجھ اُٹھانا ہے) اور ہم کبھی ایسا نہیں کرتے کہ (کسی قوم کو) عذاب دیں، مگر اُسی وقت، جبکہ اُس میں ایک رسول پیدا کر دیتے ہیں (اور پھر بھی لوگ سرکشی و فساد سے باز نہیں آتے) ۱۵

اور جب ہمیں منظور ہوتا ہے کہ کسی بستی کو ہلاک کریں، تو ایسا ہوتا ہے کہ اس کے خوشحال لوگوں کو حکم دیتے ہیں (یعنے وحی کے ذریعہ احکامِ حق پہنچا دیتے ہیں) پھر وہ بجائے اس کے کہ اس کی تعمیل کریں، نافرمانی میں سرگرم ہو جاتے ہیں، پس اُن پر عذاب کی بات ثابت ہو جاتی ہے، اور (پاداشِ عمل میں) اُنہیں برباد و ہلاک کر ڈالتے ہیں! ۱۶

اور (دیکھو) نوح کے بعد قوموں کے کتنے ہی دور گزر چکے ہیں۔ جنہیں ہم نے ہلاک کر دیا، اور (اے پیغمبر!) تیرے پروردگار کی خبرداری اور نگرانی اُس کے بندوں کے (گناہوں کے) لیے بس کرتی ہے! ۱۷

جو کوئی فوری فائدہ (اِسی دنیا میں) چاہتا ہے، تو جس کسی کو ہم دینا چاہیں، اور جتنا دینا چاہیں، اِسی دنیا میں دیدیتے ہیں۔ پھر آخر کار اس کے لیے جہنم بنا دی ہے۔ اُس میں داخل ہوگا۔ بدحال،

إِنَّ هٰذَا الْقُرْآنَ يَهْدِي لِلَّتِي هِيَ أَقْوَمُ وَيُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِينَ الَّذِينَ يَعْمَلُونَ الصَّالِحَاتِ أَنَّ لَهُمْ أَجْرًا كَبِيرًا ۝ ٩
وَأَنَّ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ أَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ۝ وَيَدْعُ الْإِنْسَانُ بِالشَّرِّ ع ١٠
دُعَاءَهُ بِالْخَيْرِ وَكَانَ الْإِنْسَانُ عَجُولًا ۝ وَجَعَلْنَا الَّيْلَ وَالنَّهَارَ آيَتَيْنِ فَمَحَوْنَا آيَةَ الَّيْلِ ١١
وَجَعَلْنَا آيَةَ النَّهَارِ مُبْصِرَةً لِتَبْتَغُوا فَضْلًا مِنْ رَبِّكُمْ وَلِتَعْلَمُوا عَدَدَ السِّنِينَ وَالْحِسَابَ
وَكُلَّ شَيْءٍ

تو پھر دوسری ہلاکت کا وقت نمودار ہوگیا، یعنے رومی حملہ کا یہ بنی اسرائیل کی آخری ہلاکت تھی۔ اس کے بعد پھر نہ سنبھل سکے۔

(۴) آیت (۸) نے دو لفظوں کے اندر وہ سب کچھ کہہ دیا جو جو اسے عمل کے بارے میں کہا جا سکتا ہے، اور اس سے قرآن کی معجزانہ بلاغت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ وان عدتم عدنا۔ اگر تم پھر انہی شرارتوں کی طرف لوٹے، تو ہم بھی لوٹیں گے۔ یعنے اگر تم بدعملیوں کی طرف لوٹو گے تو اللہ کا قانونِ مجازات بھی پاداش و عقوبت کی طرف لوٹے گا۔ جونہی تم نے برائی کا رُخ کیا، نتائجِ عمل کا قانون بھی پاداش و عقوبت میں سرگرم ہوگیا۔ "عمل" اور "نتیجہ" دو ایسی لازم و ملزوم حقیقتیں ہیں جو کسی حال میں ایک دوسرے سے جُدا نہیں ہو سکتیں۔ یہ نتیجہ عمل کا سایہ ہے۔ جہاں عمل آیا اُس کا سایہ بھی ساتھ آگیا۔ تم نے اچھے عمل کی طرف رُخ کیا، اور اچھے نتائج بھی تمہاری طرف تکنے لگے۔ تم نے بُرے عمل کی طرف قدم اُٹھایا، بُرے نتائج کے بھی قدم اُٹھ گئے۔ اس راہ میں جتنے بڑھتے جاؤ، اور جس قدر بھی غور کرو حقیقت ہر جگہ یہی نظر آئے گی کہ وان عدتم عدنا۔

آیت کا مطلب یہ ہے کہ دو ہلاکتیں ہو چکیں۔ اب تیسری مہلت تمہیں ملی ہے۔ یعنے دعوتِ حق کے ظہور نے رحمت الٰہی کی بخشائشوں کا دروازہ کھول دیا ہے، اگر انکار و سرکشی سے باز آجاؤ تو تمہارے لیے سعادت و کامرانی ہے۔ باز نہ آؤ گے تو پھر جس طرح دو مرتبہ نتائجِ عمل کا قانون اپنی عقوبتیں دکھلا چکا ہے، تیسری مرتبہ بھی دکھلائے گا۔

چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ یہودیوں نے جس طرح اس مہلت سے فائدہ نہیں اُٹھایا تھا جو حضرت مسیح علیہ السلام کے ظہور نے انہیں دی تھی، اسی طرح دعوتِ اسلام سے بھی فائدہ

جو سب سے زیادہ سیدھی راہ ہے، اور ایمان والوں کو جو نیک عملی میں سرگرم رہتے ہیں، بشارت دیتا ہے کہ انہیں بہت بڑا اجر ملنے والا ہے!

اور (نیز اس بات کا بھی اعلان کرتا ہے کہ) جو لوگ آخرت کا یقین نہیں رکھتے، اُن کے لیے ہم نے عذابِ دردناک طیار کر رکھا ہے!

اور (دیکھو) جس طرح انسان اپنے لیے بھلائی کی دعائیں مانگتا ہے، اُسی طرح (بسا اوقات) بُرائی بھی مانگنے لگتا ہے (اگرچہ نہیں جانتا کہ یہ اس کے لیے بُرائی ہے) اور حقیقت یہ ہے کہ انسان بڑا ہی جلد باز ہے!

اور (دیکھو) ہم نے رات اور دن کو ایسا بنایا کہ (ہماری قدرت و حکمت کی) دو نشانیاں ہوگئیں۔ سو رات کی نشانی دھیمی کر دی (کہ راحت و سکون کا وقت بن جائے) اور دن کی نشانی روشن کر دی کہ اس کے اجالے میں) اپنے پروردگار کا فضل ڈھونڈو۔ (یعنے معیشت کا سامان مہیا کرو) نیز (رات کے اختلاف سے) برسوں کی گنتی اور (برسوں کی گنتی سے ہر طرح کا) حساب بھی معلوم کر لو۔ ہم نے (قرآن میں) ہر چیز کا بیان کھول کھول کر الگ الگ، واضح کر دیا

إِمَّا يَبْلُغَنَّ عِندَكَ الْكِبَرَ أَحَدُهُمَا أَوْ كِلَاهُمَا فَلَا تَقُل لَّهُمَا أُفٍّ وَلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُل لَّهُمَا
قَوْلًا كَرِيمًا ۝ وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُل رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيَانِي ۲۳
صَغِيرًا ۝ رَّبُّكُمْ أَعْلَمُ بِمَا فِي نُفُوسِكُمْ إِن تَكُونُوا صَالِحِينَ فَإِنَّهُ كَانَ لِلْأَوَّابِينَ غَفُورًا ۝ ۲۴-۲۵
وَآتِ ذَا الْقُرْبَىٰ حَقَّهُ وَالْمِسْكِينَ وَابْنَ السَّبِيلِ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيرًا ۝ إِنَّ الْمُبَذِّرِينَ ۲۶
كَانُوا إِخْوَانَ الشَّيَاطِينِ وَكَانَ الشَّيْطَانُ لِرَبِّهِ كَفُورًا ۝ وَإِمَّا تُعْرِضَنَّ عَنْهُمُ ۲۷

سے اس کی حفاظت کرے۔ یہی رہنمائی ہدایت وحی کی رہنمائی ہوتی، اور اسی لیے انسان کسی ایسی رہنمائی کا بالطبع محتاج ہوا۔

(۷) اس کے بعد آیت (۱۲) میں اس طرف اشارہ کیا ہے کہ کس طرح ربوبیت الٰہی نے تمہاری ہدایت کا فطری سامان کر دیا ہے، اور کس طرح کارخانۂ ہستی کا ہر معاملہ تمہاری کارسازیوں کا ذریعہ ہے۔ اور جب ربوبیت الٰہی کی یہ کارفرمائیاں شب و روز دیکھ رہے ہو تو اس سے تمہیں کیوں انکار ہو، اگر وہ وحی و نبوت کے قیام کے ذریعہ تمہاری ہدایت کا مزید سامان کر دے؟

اُس کے سوا اور کسی کی بندگی نہ کرو، اور اپنے ماں باپ کے ساتھ بھلائی کرو، اگر ماں باپ میں سے کوئی ایک، یا دونوں، تمہاری زندگی میں بڑھاپے کی عمر تک پہنچ جائیں (اور اُن کی خدمت کا بوجھ تم پر آپڑے) تو اُن کی کسی بات پر اُف نہ کرو (یعنے کوئی بات کتنی ہی ناگوار گزرے مگر حرفِ شکایت زبان پر نہ لاؤ) اور نہ تیزی میں آکر جھڑکنے لگو، اُن سے بات چیت ادب و عزت کے ساتھ کرو!

اُن کے آگے محبت و مہربانی کے ساتھ عاجزی کا سر جھکائے رکھو، اُن کے حق میں (ہمیشہ) دعا کرو کہ پروردگار! جس طرح اُنہوں نے مجھے صغر سنی میں پالا پوسا اور بڑا کیا، تو اسی طرح تو بھی اُن پر رحم کیجیو!

تمہارا پروردگار خوب جانتا ہے جو کچھ تمہارے جی میں ہوتا ہے۔ اگر تم نیک کردار ہوئے (اور بغیر قصد کے تم سے کوئی فروگذاشت ہوگئی) تو (اس کی وجہ سے تمہیں مضطرب نہیں ہونا چاہیے) وہ بلاشبہ توبہ کرنے والوں کے لیے بڑا ہی بخشنے والا ہے!

اور (دیکھو) جو لوگ تمہارے قرابت دار ہیں، جو مسکین ہیں، جو بے یار و مددگار مسافر ہیں، ان سب کا تم پر حق ہے۔ ان کا حق ادا کرتے رہو، اور مال و دولت کو بے محل خرچ نہ کرو جیسا کہ بے محل خرچ کرنا ہوتا ہے۔

بے محل خرچ کرنے والے شیطان کے بھائی بند ہیں، اور شیطان اپنے پروردگار کی نعمتوں کا کفران کرنے والا ہے۔

اور اگر ایسا ہو کہ تم اپنے پروردگار کی مہربانی کی راہ دیکھ رہے ہو (یعنے تنگ دستی کی حالت میں ہو

مَحْذُوْرًا ۝ وَمَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ وَسَعٰى لَهَا سَعْيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ كَانَ سَعْيُهُمْ ۱۸
مَّشْكُوْرًا ۝ كُلًّا نُّمِدُّ هٰٓؤُلَآءِ وَهٰٓؤُلَآءِ مِنْ عَطَآءِ رَبِّكَ ۚ وَمَا كَانَ عَطَآءُ رَبِّكَ مَحْظُوْرًا ۝ اُنْظُرْ ۱۹-۲۰
كَيْفَ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۚ وَلَلْاٰخِرَةُ اَكْبَرُ دَرَجٰتٍ وَّاَكْبَرُ تَفْضِيْلًا ۝ لَا تَجْعَلْ مَعَ ۲۱
اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتَقْعُدَ مَذْمُوْمًا مَّخْذُوْلًا ۝ وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ ۲۲ ع ۲
وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ۚ

(۵) آیت (۸) میں فرمایا تھا۔ عجب نہیں کہ پروردگار تم پر رحم فرمائے، اگر سرکشی و فساد سے باز آجاؤ، اور دعوتِ حق پر لبیک کہو۔ پس آیت (۹) میں اس کی مزید تشریح کی اور فرمایا: اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَهْدِيْ لِلَّتِيْ هِيَ اَقْوَمُ قرآن ہدایت کی ایسی راہ دکھاتا ہے، جو سب سے زیادہ سیدھی راہ ہے، اور اُن لوگوں کے لیے جو اس راہ پر چلیں، ہر طرح کی کامیابیوں کی بشارت ہے ۱۸

قرآن نے اپنے جس قدر اوصاف بیان کیے ہیں، اُن سب میں جامع ترین وصف یہی ہے۔ زندگی اور سعادت کے ہر گوشہ میں اُس کی رہنمائی سیدھی سے سیدھی بات کے لیے کبھی کسی طرح کی کجی کبھی کسی طرح کا پیچ و خم، کبھی کسی طرح کا الجھاؤ کبھی کسی طرح کی افراط تفریط اُس کی رہنمائی میں نہیں ہو سکتی۔ یہی حقیقت دوسری جگہ صراط مستقیم اور دین القیم سے تعبیر کی گئی ہے۔ ۱۹

(۶) آیت (۱۱) میں انسان کی اس کمزوری کی طرف اشارہ کیا ہے کہ وہ خیر و شر میں امتیاز نہیں کرتا، اور بسا اوقات شر کا اِس طرح طالب ہو جاتا ہے جس طرح اُسے خیر کا خواستگار ہونا چاہیے۔ ۲۰

یہ حالت اُس سے کیوں پیش آتی ہے؟ اس لیے کہ اس کی طبیعت میں جلد بازی ہے۔ یعنی ایسی خواہشیں ہیں جو فوراً پورا ہونا چاہتی ہیں، اور جب چھا جاتی ہیں تو ایک لمحہ کے لیے بھی صبر و انتظار نہیں کر سکتیں۔ نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ وہ اچھائی کی طلبگاری کرتے ہوئے برائیوں کا طلبگار ہو جاتا ہے اور نہیں جانتا کہ اس کی طلبگاری اُسے برائیوں کی طرف لے جا رہی ہے۔ ۲۱

پس معلوم ہوا کہ اُسے ایک رہنمائی کی ضرورت ہے جو خیر و شر کا امتیاز سکھلائے، اور خواہشوں کی ٹھوکروں ۲۲

ٹھکرایا ہوا!

لیکن جو کوئی آخرت کا طالب ہوا اور اس کے لیے جیسی کچھ کوشش کرنی چاہیے، ویسی کوشش کی، نیز ایمان بھی رکھتا ہے، تو اُس کے لیے (ہمیشہ) کامیابیاں ہیں اور) ایسے ہی لوگ ہیں جن کی کوشش مقبول ہو گی!

ہم ہر فریق کو اپنی پروردگاری کی بخشائشوں سے (دنیا میں) مدد دیتے ہیں۔ اُن کو بھی (کہ صرف دنیا ہی کے پیچھے پڑ گئے) اور اُن کو بھی (کہ آخرت کے طالب ہوئے اور راہِ حق پر چلے) اور (اے پیغمبر!) تیرے پروردگار کی بخشش عام کسی پر بند نہیں

دیکھو! ہم نے کس طرح (یہاں) بعض لوگوں کو بعض لوگوں پر برتری دیدی ہے (کہ کوئی کسی حال میں نظر آتا ہے، کوئی کسی میں) اور حقیقت یہ ہے کہ آخرت کے درجے سب سے بڑھ کر ہیں، اور سب سے برتر!

اللہ کے ساتھ کوئی دوسرا معبود نہ ٹھہراؤ ورنہ ایسے ہو رہو گے کہ ہر طرف سے تفرین کے مستحق اور ہر طرف سے درماندگی میں پڑے ہوئے!

اور تمہارے پروردگار نے یہ بات ٹھہرا دی کہ

مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ حَتّٰى يَبْلُغَ اَشُدَّهٗ ۚ وَاَوْفُوا بِالْعَهْدِ ۚ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ
مَسْئُوْلًا ۝ وَاَوْفُوا الْكَيْلَ اِذَا كِلْتُمْ وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيْمِ ۭ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ۝
وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ۭ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰۗىِٕكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلًا ۝
وَلَا تَمْشِ فِي الْاَرْضِ مَرَحًا ۚ اِنَّكَ لَنْ تَخْرِقَ الْاَرْضَ وَلَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُوْلًا ۝ كُلُّ ذٰلِكَ
كَانَ سَيِّئُهٗ عِنْدَ رَبِّكَ مَكْرُوْهًا ۝ ذٰلِكَ مِمَّآ

۳۴ اُسے خرچ کرنے کا ارادہ بھی نہ کرنا مگر ہاں ایسے طریقہ پر جو بہتر ہو۔ یہاں تک کہ یتیم جوان ہو جائیں (اور تم اُن کی امانت اُن کے حوالہ کر دو) اور (دیکھو) اپنا عہد پورا کرو۔ عہد کے بارے میں تم سے باز پرس کی جائے گی!

۳۵ اور جب کوئی چیز ماپو، تو پیمانہ بھرپور رکھا کرو۔ (اس میں کمی نہ کرو) اور جب تولو تو درست ترازو سے تولو (یعنے نہ تو ترازو غلط ہو، نہ تولنے میں ڈنڈی دبائی جائے) یہ (معاملہ کا) بہتر طریقہ ہے اور اچھا انجام لانے والا ہے!

۳۶ اور دیکھو جس بات کا تمہیں علم نہیں اس کے پیچھے نہ پڑو (اپنی حد کے اندر رہو) یاد رکھو، کان، آنکھ، عقل، اِن سب کے بارے میں باز پرس ہونے والی ہے!

۳۷ اور زمین پر اکڑ کر نہ چلو۔ یقیناً تم زمین میں شگاف نہیں ڈال سکتے۔ اور نہ پہاڑوں کی لمبائی تک پہنچ سکتے ہو!

۳۸ ان ساری باتوں کا یہ حال ہے کہ ان کی بُرائی تمہارے پروردگار کے نزدیک بڑی ہی ناپسندیدہ ہے!

(اے پیغمبر!) یہ اُن دانائی کی باتوں میں سے

آیت (۱۹) نے یہ حقیقت بھی واضح کر دی کہ سعادتِ اخروی کی شرائط کیا ہیں۔ فرمایا دو شرطیں ہیں اول یہ کہ سعادتِ اخری کے لیے کوشش کرے لیکن کیسی کوشش! ویسی کوشش جو اس کے لیے صحیح کوشش ہو سکتی ہے۔ یعنے جو اللہ کی وحی نے بتلا دی ہے۔ دوسری یہ کہ اللہ پر اور اُس کی صداقتوں پر ایمان ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ آخرت کی سعادت کی کوئی سعی بغیر ان دو شرطوں کے مقبول نہیں ہو سکتی۔

(۱۰) آیت (۲۳) سے سلسلۂ بیان اوامر و نواہی کی طرف متوجہ ہوا ہے، اور واضح کیا ہے کہ طالبِ آخرت گروہ کے اعمال کیسے ہونے چاہئیں۔ طالبینِ آخرت کی کامیابی اس پر مشروط کر دی کہ وہ سلکی لہا سعیہا، اب اس کی تشریح کی ہے کہ سعادتِ اخروی کے لیے سعی اس طرح کرنی چاہیے۔

سب سے پہلے توحید فی العبادت کی تلقین کی کہ اللہ کے سوا اور کسی کی بندگی نہ کرو۔ کیونکہ نفسِ توحید کا اعتقاد تو تمام پیروانِ مذاہب میں موجود تھا۔ لیکن توحید فی العبادت کی حقیقت مفقود ہو گئی تھی۔ پھر والدین کے حقوق پر توجہ دلائی۔ کیونکہ انسان کے لیے والدین کی ربوبیت ربوبیتِ الٰہی کا پرتو ہے۔ اور اس لیے عبودیتِ الٰہی کے بعد جو عمل اس کے لیے مقدم ہو سکتا ہے وہ یہی ہے کہ والدین کے حقوقِ پروردش سے غافل نہ ہو۔

ابْتِغَآءَ رَحْمَةٍ مِّنْ رَّبِّكَ تَرْجُوْهَا فَقُلْ لَّهُمْ قَوْلًا مَّيْسُوْرًا ۝ وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰى
عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُوْمًا مَّحْسُوْرًا ۝ اِنَّ رَبَّكَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ
يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ ۚ اِنَّهٗ كَانَ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرًۢا بَصِيْرًا ۝ وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ ۭ نَحْنُ
نَرْزُقُهُمْ وَاِيَّاكُمْ ۭ اِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْاً كَبِيْرًا ۝ وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰٓى اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً ۭ وَ
سَآءَ سَبِيْلًا ۝ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ۭ وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُوْمًا فَقَدْ
جَعَلْنَا لِوَلِيِّهٖ سُلْطٰنًا فَلَا يُسْرِفْ فِّي الْقَتْلِ ۭ اِنَّهٗ كَانَ مَنْصُوْرًا ۝ وَلَا تَقْرَبُوْا

۲۸ ۲۹ ۳۰ ۳۱ ۳۲ ۳۳

اور رزق کی جستجو کر رہے ہو اور اس لیے تمہیں (ان حقداروں سے) منہ پھیرنا پڑے، تو چاہیے کہ نرمی سے انہیں سمجھا دو (سختی سے پیش نہ آؤ)

۲۸

اور (دیکھو) نہ تو اپنا ہاتھ اتنا سکیڑ لو کہ گردن میں بندھ جائے، اور نہ بالکل ہی پھیلا دو۔ دونوں صورتوں کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ ہر طرف سے ملامت پڑے اور درماندہ ہو کر رہ جاؤ!

۲۹

تمہارا پروردگار جس کسی کی روزی چاہتا ہے، فراخ کر دیتا ہے، اور جس کی چاہتا ہے تنگ۔ وہ اپنے بندوں (کی حالت) کی خبر رکھنے والا اور (سب کچھ) دیکھنے والا ہے!

۳۰

اور دیکھو، افلاس کے ڈر سے اپنی اولاد کو ہلاک نہ کرو۔ ہم ہی ہیں کہ انہیں بھی اور تمہیں بھی روزی دیتے ہیں۔ انہیں ہلاک کرنا بڑے ہی گناہ کی بات ہے!

۳۱

اور زناکاری کے قریب بھی نہ جاؤ یقین کرو وہ بڑی ہی بے حیائی کی بات اور بڑی برائی کا چلن ہے!

۳۲

اور کسی جان کو ناحق قتل نہ کرو، جسے قتل کرنا اللہ نے حرام ٹھہرا دیا ہے۔ جو کوئی ظلم سے مارا جائے تو ہم نے اس کے وارث کو (قصاص کے مطالبہ کا) اختیار دیدیا ہے پس چاہیے کہ خونریزی میں زیادتی نہ کرے (یعنے حق سے زیادہ بدلہ لینے کا قصد نہ کرے) وہ (حق) کے اندر رہتے ہیں فتح مند ہے۔

۳۳

اور یتیموں کے مال کے قریب بھی نہ جانا (یعنے

(۸) آیت (۱۲) سے آیت (۱۷) تک یہ حقیقت واضح کی ہے کہ انسان اپنے اعمال کے نتائج سے بندھا ہوا ہے، اور جو برائی بھی اس سے پیش آتی ہے، خود اسی کے اعمال کی پیدا کردہ ہے۔ یہ مقام تشریح طلب ہے اس کی تشریح سورت کے آخری نوٹ میں ملے گی۔

(۹) آیت (۱۸) میں فرمایا کہ نتائج عمل کے لحاظ سے انسان کے دو گروہ ہو گئے ہیں۔ ایک وہ ہے جس کی ساری طلب دنیا کی چند روزہ زندگی ہی کے لیے ہے۔ دوسرا وہ ہے جو یقین رکھتا ہے کہ اس زندگی کے بعد بھی ایک زندگی ہے، اور اس لیے اس دوسری زندگی کی سعادت کا بھی طالب ہے۔ جہاں تک دنیا کی زندگی کا تعلق ہے، ہمارا قانون یہ ہے کہ دونوں کے آگے یکساں طریقہ پر دنیوی نتائج کا دروازہ کھول دیا جائے، اور سب کو کارخانۂ ربوبیت کا فیضان مل رہا ہے۔ انہیں بھی جو صرف دنیا کے ہو رہے۔ انہیں بھی جو آخرت کے بھی طالب ہوئے۔ لیکن جہاں تک آخرت کی سعادتوں کا تعلق ہے، پہلے کے لیے محرومیاں ہوں گی۔ دوسرے کے لیے کامرانیاں۔

وَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ جَعَلْنَا بَيْنَكَ وَبَيْنَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ حِجَابًا مَّسْتُوْرًا ۝ ۴۵
وَّجَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ وَفِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ۭ وَاِذَا ذَكَرْتَ رَبَّكَ فِي الْقُرْاٰنِ
وَحْدَهٗ وَلَّوْا عَلٰٓى اَدْبَارِهِمْ نُفُوْرًا ۝ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَسْتَمِعُوْنَ بِهٖٓ اِذْ يَسْتَمِعُوْنَ اِلَيْكَ وَاِذْ هُمْ ۴۶
نَجْوٰٓى اِذْ يَقُوْلُ الظّٰلِمُوْنَ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا ۝ اُنْظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوْا لَكَ الْاَمْثَالَ ۴۷
فَضَلُّوْا فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَبِيْلًا ۝ ۴۸

(۲۶) ماں باپ کے بعد قرابت داروں کے حقوق ہیں، اور پھر اُن سب کے ہیں جو ہماری خبر گیری کے محتاج ہوں۔ پس آیت (۲۶) میں اس کا حکم دیا، اور فرمایا ولا تبذر تبذیرا۔ تمہارے خرچ کرنے کا صحیح محل یہ ہے۔ پس مال و دولت بے محل خرچ نہ کرو۔

پھر فرمایا جو لوگ تبذیر کرتے ہیں۔ یعنے خدا کی دی ہوئی دولت بے محل خرچ کر ڈالتے ہیں، مثلاً محض اپنے نفس کی عیش پرستیوں میں اُڑا دیں گے، تو وہ شیطان کے بھائی بندوں میں سے ہیں، کیونکہ شیطان کی راہ کفران کی راہ ہے، اور انہوں نے بھی کفرانِ نعمت کی راہ اختیار کی۔

مال و دولت کے بے جا استعمال کی دو ہی صورتیں ہو سکتی ہیں۔ ایک یہ کہ آدمی نہ تو اپنے اوپر خرچ کرے نہ دوسروں پر بلکہ منع کر کے رکھے۔ دوسری یہ کہ صرف اپنے اوپر خرچ کرے۔ دوسروں پر خرچ نہ کرے۔ قرآن نے دونوں صورتوں کو معصیت قرار دیا ہے۔ پہلی صورت "اکتناز" کی ہے والذین یکنزون الذھب والفضۃ (۹:۳۴) دوسری تبذیر کی یہاں تبذیر سے روکا ہے۔

(۱۲) آیت (۲۹) جوامع مواعظ میں سے ہے فرمایا، مال و دولت خرچ کرنے میں اور ہر بات میں اعتدال کی راہ اختیار کرو۔ کسی ایک ہی طرف کو جھک نہ پڑو۔ مثلاً خرچ کرنے پر آئے تو سب کچھ اُڑا دیا۔ احتیاط کرنی چاہی تو اتنی کی کہ کنجوسی پر اتر آئے۔

دراصل تمام محاسن و فضائل کی بنیادی حقیقت توسط و اعتدال ہے، اور جتنی بُرائیاں بھی پیدا ہوتی ہیں، افراط و تفریط سے پیدا ہوتی ہیں۔

(اے پیغمبر!) جب تو قرآن پڑھتا ہے تو ہم تجھ میں اور اُن لوگوں میں جو آخرت پر یقین نہیں رکھتے، ایک پوشیدہ پردہ حائل کر دیتے ہیں (یعنے ہمارا ٹھہرایا ہوا قانون یہ ہے کہ ایسے لوگوں میں اور صداقت حق میں ایک پردہ سا حائل ہو جاتا ہے) ۴۵

اور ہم نے اُن کے دلوں پر غلاف ڈال دیے کہ سمجھ کام نہیں دیتی اور کانوں میں گرانی کہ کچھ سُنائی نہیں دیتا جب تو قرآن میں تن تنہا، صرف اپنے پروردگار ہی کا ذکر کرتا ہے، اور یہ اپنے ٹھہرائے شریکوں کا ذکر نہیں پاتے تو پیٹھ پھیر کے بھاگنے لگتے ہیں۔ نفرت میں بھرے ہوئے! ۴۶

جب یہ لوگ تمہاری طرف کان لگاتے ہیں تو جو کچھ اُن کا سننا ہوتا ہے، ہم سے ہم اچھی طرح جانتے ہیں، اور جب یہ ظالم باہم سرگوشیاں کرتے ہیں، اور سرگوشیاں کرتے ہوئے کہتے ہیں "تم جس آدمی کے پیچھے پڑے ہو وہ اس کے سوا کیا ہے کہ جادو سے مارا ہوا ہے" تو اس سے بھی ہم بے خبر نہیں ہیں! ۴۷

(اے پیغمبر!) غور کر! ان لوگوں نے تیری نسبت کیسی کیسی باتیں بنائی ہیں جس کی وجہ سے گمراہی میں پڑ گئے پس اب راہ نہیں پا سکتے۔ ۴۸

۳۹ اُوْحٰٓى اِلَيْكَ رَبُّكَ مِنَ الْحِكْمَةِ ۭ وَلَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتُلْقٰى فِيْ جَهَنَّمَ مَلُوْمًا مَّدْحُوْرًا ۝
۴۰ اَفَاَصْفٰىكُمْ رَبُّكُمْ بِالْبَنِيْنَ وَاتَّخَذَ مِنَ الْمَلٰۗىِٕكَةِ اِنَاثًا ۭ اِنَّكُمْ لَتَقُوْلُوْنَ قَوْلًا عَظِيْمًا ۝
۴۱ وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لِيَذَّكَّرُوْا ۭ وَمَا يَزِيْدُهُمْ اِلَّا نُفُوْرًا ۝ قُلْ لَّوْ كَانَ مَعَهٗٓ اٰلِهَةٌ كَمَا
۴۲ يَقُوْلُوْنَ اِذًا لَّابْتَغَوْا اِلٰى ذِي الْعَرْشِ سَبِيْلًا ۝ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يَقُوْلُوْنَ عُلُوًّا كَبِيْرًا ۝
۴۳ تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ ۭ وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ
۴۴ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ ۭ اِنَّهٗ كَانَ حَلِيْمًا غَفُوْرًا ۝

ہیں جو تیرے پروردگار کی جانب سے تجھ پر وحی کی گئی ہیں۔ اور (تمام باتوں کی جڑ یہ ہے کہ) اللہ کے ساتھ کوئی دوسرا معبود نہ ٹھہراؤ کہ بالآخر دوزخ میں ڈالے جاؤ، ملامت کے مستوجب اور ٹھکرائے ہوئے!

کیا ایسا ہو سکتا ہے کہ تمہارے پروردگار نے تمہیں تو اس برگزیدگی کے لیے چن لیا ہو کہ بیٹے والے ہو اور خود اپنے لیے یہ پسند کیا ہو کہ فرشتوں کو بیٹیاں بنائے؟ افسوس تم پر! کیسی سخت بات ہے جو تم کہہ رہے ہو!

اور (دیکھو) ہم نے اس قرآن میں طرح طرح کے طریقوں سے (مطالب حق) بیان کیے تاکہ یہ لوگ نصیحت پکڑیں، لیکن ان پر کوئی اثر نہیں ہوا۔ ہوا تو یہ ہوا کہ (سچائی سے) اور زیادہ نفرت بڑھ گئی!

(اے پیغمبر!) تم کہہ دو "اگر اللہ کے ساتھ اور بہت سے معبود ہوتے جیسا کہ یہ لوگ کہتے ہیں، تو اس صورت میں ضروری تھا کہ وہ فوراً صاحب تخت ہستی تک (مقابلہ کی) راہ نکال لیتے" (اور کارخانۂ ہستی میں فساد پڑ جاتا)

ان ساری باتوں سے جو یہ کہتے ہیں، اس کی ذات پاک اور بلند ہے۔ بے حد بلند ہے!

ساتوں آسمان اور زمین اور جو کوئی ان میں ہے، اس کی پاکیزگی و کبریائی کا زمزمہ بلند کر رہے ہیں۔ یہاں کوئی چیز نہیں جو اس کی حمد و ثنا میں زمزمہ سنج نہ ہو۔ مگر تم اُن کی زمزمہ سنجیاں سمجھتے نہیں۔ بلاشبہ بڑا ہی بردبار ہے، بڑا ہی بخشنے والا!

والدین کی خدمت و اطاعت کی آرائش کا اصلی وقت ان کے بڑھاپے کا وقت ہوتا ہے۔ کیونکہ بڑھاپے کی کمزوریاں انہیں دوسروں کی خدمت و اعانت کا محتاج بنا دیتی ہیں اور اولاد اپنی جوانی کی امنگوں اور عیش پرستیوں میں اس کی بہت کم مہلت پاتی ہے کہ اپنے محتاج اور عاجز ماں باپ کی خبر گیری کرے پس یہاں سب سے زیادہ زور اسی بات پر دیا۔ کیونکہ جو اولاد اپنے بوڑھے ماں باپ کی خدمت و اطاعت میں کوتاہی نہیں کرے گی وہ دوسرے وقتوں میں کب کوتاہی گوارا کر سکتی ہے

انسان کی اخلاق کے دو ہی وقت ہوتے ہیں۔ طفولیت اور بڑھاپا۔ طفولیت میں ماں باپ نے خدمت کی فکر پر مجبور ہیں اولاد کو کرنی چاہیے۔ یہی وجہ ہے کہ فرمایا وقل ارحمھما کما ربیانی صغیرا

وَقُلْ لِّعِبَادِيْ يَقُوْلُوا الَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ۭ اِنَّ الشَّيْطٰنَ يَنْزَغُ بَيْنَهُمْ ۭ اِنَّ الشَّيْطٰنَ كَانَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوًّا مُّبِيْنًا ۝ رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِكُمْ ۭ اِنْ يَّشَاْ يَرْحَمْكُمْ اَوْ اِنْ يَّشَاْ يُعَذِّبْكُمْ ۭ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ وَكِيْلًا ۝ وَرَبُّكَ اَعْلَمُ بِمَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَلَقَدْ فَضَّلْنَا بَعْضَ النَّبِيّٖنَ عَلٰي بَعْضٍ وَّاٰتَيْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا ۝ قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ فَلَا يَمْلِكُوْنَ كَشْفَ الضُّرِّ عَنْكُمْ وَلَا تَحْوِيْلًا ۝ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ

۵۳ ۵۴ ۵۵ ۵۶

عربی میں من ذوی العقول کے لیے آتا ہے اس لیے پہلے فرمایا، آسمان اور زمین میں جتنی ذوی العقول ہستیاں ہیں سب تسبیح الٰہی میں سرگرم ہیں۔ پھر فرمایا وان من شیء۔ اور کائنات ہستی میں کوئی شے نہیں جو اس تسبیح میں اُن کی شریک نہ ہو۔ عربی میں "شے" کا اطلاق نہ صرف اُن چیزوں پر ہوتا ہے جو جسم و حجم رکھتی ہوں، بلکہ ہر بات اور ہر حادثہ پر ہوتا ہے۔ حتیٰ کہ دروازہ کھلنے کی آواز کو بھی شے کہیں گے۔ پس مطلب یہ ہوا کہ کائنات ہستی کا ہر وجود، ہر ہستی، ہر چیز، ہر حالت، ہر حادثہ اپنے بنانے والے کی یکتائی اور صنعت گری کی تصویر ہے، اور خود تصویر سے بڑھ کر اور کس کی زبان ہو سکتی ہے جو مصور کے صنعت و کمال کا اعلان کرے؟

اگر ایک باکمال سنگ تراش موجود ہے، تو اس کی صناعی و کمال کی تعریف نہ زبانوں سے نہیں کر سکتے۔ اس کی مجسم تعریف و توصیف خود اس کی بنائی ہوئی مورتی ہوتی ہے۔ اس مورتی کا حسن، اس کا تناسب، اس کا انداز: اس کی ساری باتیں اپنے سنگ تراش کے دست صناعی کی اُبھرتی ہوئی تعریف اور ابلتی ہوئی مدح و ثنا ہوتی ہے!

اس آیت نے یہ حقیقت بھی واضح کر دی کہ کارخانۂ ہستی میں جو کچھ ہے سرتاسر حسن و خوبی ہی ہے۔ کیونکہ حمد کے معنی تناسب جمیل کے ہیں، اور تمام چیزوں کا صدائے حمد ہونا، اس امر کا ثبوت ہے کہ بنانے والے نے جتنی چیزیں بنائی ہیں حسن و خوبی ہی کی بنائی ہیں۔ اگرچہ تمہاری کوتاہ بینی اُسے نہ پا سکے۔ اس مقام کی مزید تشریح کے لیے تفسیر فاتحہ کا مبحث برہان رحمت دیکھنا چاہیے۔

لیکن کیا کائنات ہستی کی یہ تسبیح محض صدائے حال ہی کی تسبیح ہے، صدائے مقال کا اس میں کوئی حصہ نہیں؟ کون کہہ

اور (اے پیغمبر!) میرے بندوں سے کہہ دو (یعنی اُن سے جو دعوت حق پر ایمان لائے ہیں مخالفوں سے گفتگو کرتے ہوئے) جو بات کہو، ایسی کہو کہ خوبی کی بات ہو۔ شیطان لوگوں کے درمیان فساد ڈالتا ہے یقیناً شیطان انسان کا صریح دشمن ہے۔ ۵۳

تمہارا پروردگار تمہارے حال سے خوب واقف ہے۔ وہ چاہے تو تم پر رحم کرے، چاہے تو عذاب میں ڈالے۔ اور (اے پیغمبر!) ہم نے تجھے ان لوگوں پر پاسبان بنا کر نہیں بھیجا ہے (کہ تو ان کے ہدایت پانے کا ذمہ لے) ۵۴

آسمان و زمین میں جو کوئی ہے، تیرا پروردگار سب کا حال بہتر جاننے والا ہے۔ ہم نے بعض نبیوں کو بعض پر برتری دی، اور ہم نے داؤد کو زبور عطا فرمایا۔ ۵۵

(اے پیغمبر!) ان لوگوں سے کہہ دو "تم نے اپنے خیال میں اللہ کے سوا جن ہستیوں کو معبود سمجھ رکھا ہے انہیں اپنی حاجتوں اور مشکلوں میں) پکار دیکھو۔ تم تو وہ اس کی طاقت رکھتے ہیں کہ تمہارا کوئی دکھ دور کر دیں، اور نہ تمہاری حالت بدل سکتے ہیں!" ۵۶

یہ لوگ جن ہستیوں کو پکارتے ہیں، (اور اللہ کے

وَقَالُوْٓا ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا وَّرُفَاتًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ خَلْقًا جَدِيْدًا ۝ قُلْ كُوْنُوْا حِجَارَةً اَوْ ۴۹
حَدِيْدًا ۝ اَوْ خَلْقًا مِّمَّا يَكْبُرُ فِيْ صُدُوْرِكُمْ ۚ فَسَيَقُوْلُوْنَ مَنْ يُّعِيْدُنَا ۭ قُلِ الَّذِيْ فَطَرَكُمْ ۵۰
اَوَّلَ مَرَّةٍ ۚ فَسَيُنْغِضُوْنَ اِلَيْكَ رُءُوْسَهُمْ وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هُوَ ۭ قُلْ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ قَرِيْبًا ۝ ۵۱
يَوْمَ يَدْعُوْكُمْ فَتَسْتَجِيْبُوْنَ بِحَمْدِهٖ وَتَظُنُّوْنَ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا ۝ ۵۲ ع

(۱۳) قرآن نے قتلِ نفس کو انسان کی سب سے بڑی معصیت قرار دیا ہے۔ شرک کے بعد اگر کوئی بُرائی ہو سکتی ہے تو وہ یہی ہے۔ والذین لا یدعون مع اللہ الٰھا اٰخر ولا یقتلون النفس التی حرم اللہ الا بالحق (۲۵: ۶۸)

اِس بارے میں طبیعت انسانی کے بے اصلی آزمائش کا وقت وہ ہوتا ہے جب انتقام کا جوش اُبھر آتا ہے، اور بسا اوقات ایک قتل کے بدلے سینکڑوں جانوں کا خون بہا دیا جاتا ہے پس یہاں آیت (۳۳) میں خصوصیت کے ساتھ اس فتنہ پر توجہ دلائی: فلا یسرف فی القتل جو شخص کسی ظلم سے مارا جائے تو اُس کے وارثوں کو قصاص کے مطالبہ کا حق دیا گیا ہے، لیکن اس حق کا بے جا استعمال نہیں ہونا چاہیے کہ ایک تحریر ی کے بدلے بہت سی خونریزیاں ہو جائیں۔ ۴۱

(۱۴) آیت (۳۶) مہمات معارف قرآنی میں سے ہے اس کی تشریح آخری نوٹ میں ملے گی۔

(۱۵) آیت (۴۴) میں فرمایا۔ کائناتِ ہستی میں کوئی چیز نہیں جو اللہ کی حمد و تسبیح نہ کر رہی ہو، لیکن تم میں سمجھ نہیں کہ ان کی تسبیح و تقدیس پر غور کرو۔

یہ تسبیح جو کائناتِ ہستی کی ہر چیز کر رہی ہے، کیا محض صداؤں کی تسبیح ہے؟ نہیں، وہ اپنی ہستی میں، اپنی بناوٹ میں، اپنی صورت میں، اپنے افعال و خواص میں مجسم تسبیح و تقدیس ہیں، اُن کی ہستی ہی تسبیح کا ترانہ اور اُن کی موجودگی ہی سراسر حمد و ثنا ہے۔ وہ اپنی ہر بات میں کسی بنانے والے کی صنعت، کسی پرورش کرنے والے کی پروردش، اور کسی سرچشمۂ حسن و کمال کی حسن افروزیاں ہیں۔ اور اس لیے زبانِ حال سے اس کی خالقیت و حکمت اور ربوبیت و رحمت کی تحمید و تسبیح کر رہی ہیں۔ ۵۰ ۵۱

ساوقت تھا! ۵۲

اور (دیکھو) اُنہوں نے کہا "جب ہم (مرنے کے بعد) محض چند ہڈیوں کی شکل میں رہ گئے اور گل سڑ گئے، تو پھر کیا ایسا ہو سکتا ہے کہ از سرِ نو اُٹھا کھڑے کیے جائیں!"

تم کہدو "ہاں تم (مرنے کے بعد) کچھ ہی کیوں نہ ہو جاؤ۔ پتھر ہو جاؤ، لوہا ہو جاؤ، یا کوئی اور چیز جو تمہارے خیال میں (دوبارہ زندہ ہونے کے لیے) بہت ہی سخت ہو"۔ لیکن قدرتِ الٰہی تمہیں دوبارہ زندہ کر کے رہے گی)

یہ سُن کر وہ کہیں گے "لیکن کون ہے جو اس طرح ہمیں دوبارہ زندہ کر دے گا؟"

تم کہو "وہی جس نے پہلی مرتبہ تمہیں پیدا کیا!"

اِس پر یہ لوگ تیرے آگے سر ہلانے لگیں گے، اور کہیں گے "ایسا کب ہوگا؟" تم کہو "عجب نہیں کہ اس کا وقت قریب ہو"

وہ دن کہ اللہ تمہیں بلائے گا، اور تم اس کی حمد کرتے ہوئے اُس کی پکار کا جواب دو گے، اور ایسا خیال کرو گے کہ (دونوں زندگیوں کے درمیان) تم نے جو وقت گزارا، وہ کوئی بڑی مدت نہ تھی تھوڑا

أَحَاطَ بِالنَّاسِ ۚ وَمَا جَعَلْنَا الرُّءْيَا الَّتِيٓ أَرَيْنَٰكَ إِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ وَالشَّجَرَةَ الْمَلْعُونَةَ فِي
الْقُرْءَانِ ۚ وَنُخَوِّفُهُمْ ۖ فَمَا يَزِيدُهُمْ إِلَّا طُغْيَٰنًا كَبِيرًا ۝ ٦٠ وَإِذْ قُلْنَا لِلْمَلَٰٓئِكَةِ ٱسْجُدُوا۟ لِءَادَمَ ع ٦
فَسَجَدُوٓا۟ إِلَّآ إِبْلِيسَ ۖ قَالَ ءَأَسْجُدُ لِمَنْ خَلَقْتَ طِينًا ۝ ٦١ قَالَ أَرَءَيْتَكَ هَٰذَا ٱلَّذِي كَرَّمْتَ
عَلَيَّ لَئِنْ أَخَّرْتَنِ إِلَىٰ يَوْمِ ٱلْقِيَٰمَةِ لَأَحْتَنِكَنَّ ذُرِّيَّتَهُۥٓ إِلَّا قَلِيلًا ۝ ٦٢ قَالَ ٱذْهَبْ فَمَن
تَبِعَكَ مِنْهُمْ فَإِنَّ جَهَنَّمَ

دکھائی نہیں دیتا۔ اور دکھائی دے کس طرح؟ وہ لکڑی کا یا اینٹوں کا پردہ تو ہوتا نہیں۔ وہ تو اعراض و غفلت کا پردہ ہوتا ہے جسے تمہاری ظاہر بین نگاہیں پا نہیں سکتیں۔

(۱۵) قرآن حکیم نے جا بجا نشأۃ اولیٰ سے نشأۃ ثانیہ پر استدلال کیا ہے یعنی جس خالق و قدیر نے تمہیں پہلی مرتبہ زندگی دی، کیا وہ تمہیں دوبارہ زندگی نہیں دے سکتا؟ پھر اس پر اچنبھا کیوں ہو۔

یہاں بھی آیت (۵۱) میں یہی استدلال ہے۔ پہلی زندگی سے مراد نوع کی زندگی بھی ہو سکتی ہے، اور فرد کی بھی۔ ہر فرد اپنی ہستی میں غور کر سکتا ہے۔ اس کا وجود نہ تھا مگر ظہور میں آ گیا۔ اور کس طرح ظہور میں آیا؟ محض نطفہ کے ایک خورد بینی کیڑے سے جو "علقہ" کی طرح ہوتا ہے۔ یعنے جونک کی طرح پھر اگر کیڑے کے ایک ذرہ سے اس کا وجود بن جا سکتا تھا، تو کیا اس کے پورے وجود کے ذرات سے دوبارہ وجود نہیں بن سکتا؟ مالکم کیف تحکمون؟

(یعنے اب وہ دعوتِ حق کے دائرے سے باہر نکل نہیں سکتے) اور رؤیا جو ہم نے تجھے دکھائی تو اسی لیے دکھائی کہ لوگوں کے لیے ایک آزمائش ہو۔ اسی طرح اس درخت کا ذکر جس پر قرآن میں لعنت کی گئی ہے۔ ہم انہیں (طرح طرح سے) ڈراتے ہیں، لیکن ان پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ پڑتا ہے تو صرف یہی کہ اپنی سرکشیوں میں اور زیادہ بڑھتے جاتے ہیں! ٦٠

اور دیکھو جب ایسا ہوا تھا کہ ہم نے فرشتوں کو حکم دیا "آدم کے آگے جھک جاؤ!" اس پر سب جھک گئے مگر ایک ابلیس نہ جھکا۔ اس نے کہا "کیا میں ایسی ہستی کے آگے جھکوں جسے تو نے مٹی سے بنایا ہے؟" ٦١

پھر اس نے کہا "کیا تیرا ایسی ہی فیصلہ ہوا کہ تو نے اس (حقیر ہستی کو مجھ پر بڑائی دی)؟ "اگر تو مجھے قیامت کے دن تک مہلت دیدے تو میں ضرور اس کی نسل کی بیخ بنیاد اکھاڑ کے رہوں تھوڑے آدمی اس ہلاکت سے بچیں، اور کوئی نہ بچے" اللہ نے فرمایا "جا، اپنی راہ لے۔ جو کوئی بھی ان میں سے تیرے پیچھے چلے گا، تو اس کے لیے اور تیرے لیے ٦٢

(۱۶) آیت (۵۳) میں مسلمانوں کو حکم دیا ہے کہ مشرکین اسلام سے گفتگو کریں تو پسندیدہ طریقہ پر کریں۔ اس طرح کی باتیں نہ کہو جس سے باہم فتنہ و فساد پیدا ہو، اور بجائے کھینچنے کے اور زیادہ لوگ متنفر ہو جائیں۔

احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض مسلمانوں نے بعض مشرکوں کو کہا تھا "انکم من اھل النار" تم جہنمی ہو، اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ اور مسلمانوں کو اس بات سے روکا گیا کہ تعیین کے ساتھ کسی

يَبْتَغُوْنَ اِلٰى رَبِّهِمُ الْوَسِيْلَةَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ وَيَرْجُوْنَ رَحْمَتَهٗ وَيَخَافُوْنَ عَذَابَهٗ ۭ اِنَّ عَذَابَ
رَبِّكَ كَانَ مَحْذُوْرًا ۝ وَاِنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اِلَّا نَحْنُ مُهْلِكُوْهَا قَبْلَ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ اَوْ مُعَذِّبُوْهَا ۵۷
عَذَابًا شَدِيْدًا ۭ كَانَ ذٰلِكَ فِي الْكِتٰبِ مَسْطُوْرًا ۝ وَمَا مَنَعَنَآ اَنْ نُّرْسِلَ بِالْاٰيٰتِ اِلَّآ اَنْ ۵۸
كَذَّبَ بِهَا الْاَوَّلُوْنَ ۭ وَاٰتَيْنَا ثَمُوْدَ النَّاقَةَ مُبْصِرَةً فَظَلَمُوْا بِهَا ۭ وَمَا نُرْسِلُ بِالْاٰيٰتِ اِلَّا
تَخْوِيْفًا ۝ وَاِذْ قُلْنَا لَكَ اِنَّ رَبَّكَ ۵۹

جو ایسا کہنے کی جرأت کر سکتا ہے؟ ابھی چند آیتوں کے بعد اسی سورت میں تم پڑھو گے: وما اوتیتم من العلم الا قلیلا!

حضور انہیں وسیلہ تقرب سمجھتے ہیں) وہ تو خود اپ
پروردگار کے حضور (بندگی واطاعت کے ذریعہ) وسیلہ
ڈھونڈتے رہتے ہیں کہ کون اس راہ میں زیادہ قریب ہوتا ہے، نیز اُس کی رحمت کے متوقع رہتے ہیں، ا
اُس کے عذاب سے ترساں۔ فی الحقیقت تمہارے پروردگار کا عذاب بڑے ہی ڈرنے کی چیز
ہے!

اور روز قیامت سے پہلے ضرور ایسا ہو
والا ہے کہ (نافرمانوں کی) جتنی بستیاں ہیں، ہم انہیں
ہلاک کر دیں، یا عذاب سخت میں مبتلا کر دیں۔ یہ با
(قانونِ الٰہی کے) نوشتہ میں لکھی جا چکی ہے!

اور (جو نشانیاں منکر طلب کرتے ہیں، ان
کے بھیجنے سے ہمیں کون روک سکتا ہے؟ مگر یہ کہ
ہیں، پچھلے عہد کے لوگ ایسی ہی نشانیاں جھٹلا
ہیں۔ ہم نے قوم ثمود کو اونٹنی دی کہ ایک آشکارا
تھی، لیکن انہوں نے اس پر ظلم کیا (اور نشانی سے
نہ پکڑی) اور ہم نشانیاں تو صرف اس لیے بھیجتے ہ
لوگ (انکار و سرکشی کے نتائج سے) ڈریں۔

اور (اے پیغمبر! وہ وقت یاد کر) جب
پروردگار نے تجھ سے کہا تھا "یقین کر، تیر
پروردگار نے لوگوں کو گھیرے میں لے لیا

(۱۴) پچھلی آیت میں منکرین حق کی یہ حالت بیان کی تھی کہ وہ نفقہون تسبیحہم، اب آیت ۴۶ میں فرمایا۔ یہی حال ان کا قرآن کے بارے میں ہے کہ اس کی طرف رُخ نہیں کرتے، اسے سننا نہیں چاہتے، اسے سمجھنے کے لیے تیار نہیں۔

اللہ کا مقررہ قانون یہ ہے کہ اگر تم آنکھیں نہیں کھولو گے تو تمہارے آگے ایک سیاہ پردہ حائل ہو جائے گا، اگر تم سننا نہیں چاہو گے، تو تمہارے کان بہروں کے کان ہو جائیں گے۔ اگر تم سوچنے سے انکار کر دو گے، تو تمہاری عقل پر پردے پڑ جائیں گے اس کی روشنی کا کام نہیں دے سکے گی۔ قرآن نے انکار و اعراض کی یہ حالت جا بجا بتلائی ہے۔ ملاحظہ یہاں بھی اس طرف اشارہ کیا ہے۔

منکروں کی یہ حالت خود انہی کی پسند کی ہوئی حالت تھی یہ قانون اللہ کا مظہرایا ہوا ہے کہ نہ دیکھنے والوں کی آنکھوں پر پردہ پڑ جاتا ہے، لیکن اسی وقت پڑتا ہے جب دیکھنے والا دیکھنے سے انکار کر دیتا ہے۔ یہاں تین باتیں بیان کی گئی ہیں آنکھوں کے آگے حجاب، کانوں میں گرانی، اور عقل پر تہہ در تہہ غلافوں کا چڑھ جانا لیکن یہ وہی تین حالتیں ہیں جو خود منکروں نے اپنے لیے پسند کر لی تھیں "وقالوا" قلوبنا فی اکنۃ مما تدعونا الیہ، وفی اذاننا وقر، ومن بیننا و بینک حجاب" (۴۱: ۵)

حجابا مستورا۔ یعنی ایسا پردہ جو حائل تو ہو جاتا ہے۔ مگر

نجّٰىكُمْ إِلَى الْبَرِّ أَعْرَضْتُمْ ۚ وَكَانَ الْإِنسَانُ كَفُورًا ۝ ٦٧ أَفَأَمِنتُمْ أَن يَخْسِفَ بِكُمْ جَانِبَ الْبَرِّ
أَوْ يُرْسِلَ عَلَيْكُمْ حَاصِبًا ثُمَّ لَا تَجِدُوا لَكُمْ وَكِيلًا ۝ ٦٨ أَمْ أَمِنتُمْ أَن يُعِيدَكُمْ فِيهِ تَارَةً أُخْرَىٰ
فَيُرْسِلَ عَلَيْكُمْ قَاصِفًا مِّنَ الرِّيحِ فَيُغْرِقَكُم بِمَا كَفَرْتُمْ ثُمَّ لَا تَجِدُوا لَكُمْ عَلَيْنَا بِهِ تَبِيعًا ۝ ٦٩ وَ
لَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ وَحَمَلْنَاهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنَاهُم مِّنَ الطَّيِّبَاتِ وَفَضَّلْنَاهُمْ عَلَىٰ كَثِيرٍ مِّمَّنْ
خَلَقْنَا تَفْضِيلًا ۝ ٧٠ يَوْمَ نَدْعُو كُلَّ أُنَاسٍ بِإِمَامِهِمْ ۖ فَمَنْ أُوتِيَ كِتَابَهُ بِيَمِينِهِ فَأُولَٰئِكَ يَقْرَءُونَ كِتَابَهُمْ ع ۱۰

نعقود ہو جاتا ہے۔ اِس کے بعد فرمایا ربکم اعلم بکم۔ یہ اللہ کا کام ہے کہ جسے چاہے نجات دے۔ جسے چاہے عذاب میں ڈالے وما ارسلناک علیہم وکیلا۔ اے پیغمبر ہم نے تجھے لوگوں پر نگہبان بنا کر نہیں بھیجا ہے کہ لوگوں کی نجات و عدم نجات کے لیے ذمہ دار ہو، اور جب خود پیغمبر کو یہ منصب حاصل نہیں تو اور کسی کے لیے کب جائز ہو سکتا ہے کہ اپنے کو جنت و دوزخ کا داروغہ سمجھ لے۔

(۱۷) آیت (۵۸) میں انذرد کا ذکر نہیں ہے۔ جا عاد اور قوموں کی بستیوں کا ہے۔ اِس سے معلوم ہوا کہ دنیا میں ہر بد حال گروہ کو اس کے اعمال بد کی پاداش کا مل جانا ضروری ہے خواہ ہلاکت کی صورت میں ہو خواہ کسی دوسرے عذاب کی صورت میں۔

(۱۸) آیت (۵۹) نے قطعی طور پر یہ حقیقت واضح کر دی کہ پیغمبروں نے جو نشانیاں دکھائی تھیں، اُن کی حقیقت کیا تھی؟ فرمایا: وما نرسل بالآیات، الا تخویفا۔ نشانیاں اس لیے نہیں دی گئیں کہ سچائی کی دلیل تھیں، یا ہدایت کا معاملہ ان پر موقوف ہوتا ہے۔ بلکہ صرف اِس لیے کہ وہ ظہور عذاب کا مقدر تھیں۔ یعنے جو قومیں سرکشی سے باز نہیں آئیں، انہیں ظہور نتائج کی خبر دیدی گئی اور اس خبر کا ظہور ایک نشانی کی صورت میں ہوا۔ چنانچہ قوم ثمود جب سرکشی سے باز نہ آئی، تو اونٹنی کا معاملہ اس کے لیے ایک فیصلہ کن نشانی ہو گئی۔ اور اس نشانی کے بعد موعودہ عذاب ظہور میں آ گیا۔

آیت میں خطاب منکرین عرب سے ہے جو اپنی بات بنانے کے لیے نشانیوں کی فرمائشیں کرتے تھے۔ فرمایا جو طالب حق ہیں اُن کے لیے سچائی کی دعوت ہی سب سے بڑی نشانی ہے، اور جو ماننے والے نہیں اُن کے لیے کوئی نشانی بھی سود مند نہیں ہوتی۔ چنانچہ پچھلے عہدوں میں

اور خشکی پر پہنچا دیتا ہے۔ تو تم اس سے گردن موڑ لیتے ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ انسان بڑا ہی ناشکرا ہے!

پھر کیا تمہیں اس سے امن مل گیا ہے کہ وہ تمہیں خشکی کے گوشے میں دھنسا دے یا تم پر پتھر برسانے والی آندھیاں بھیج دے، اور تم اس حال میں کسی کو اپنا مددگار نہ پاؤ؟ یا تم اس بات سے بے خوف ہو گئے ہو کہ اللہ تمہیں دوبارہ ویسی ہی مصیبت میں ڈال دے اور ہوا کا ایک سخت طوفان بھیج دے، اور تمہاری ناشکری کی پاداش میں تمہیں غرق کر دے، اور پھر کسی کو نہ پاؤ جو اس کے لیے ہم پر دعویٰ کرنے والا ہو؟

اور البتہ ہم نے بنی آدم کو بزرگی دی۔ اور خشکی اور تری دونوں کی قوتیں اس کے تابع کر دیں کہ اسے اٹھائے پھرتی ہیں، اور اچھی چیزیں اس کی روزی کے لیے مہیا کر دیں، نیز جو مخلوقات ہم نے پیدا کی ہیں ان میں سے اکثر پر اسے برتری دیدی، پوری برتری جیسی کہ ہونی چاہیئے!

وہ (آنے والا دن، جب کہ ہم تمام انسانوں کو ان کے پیشواؤں کے ساتھ بلائیں گے (اور اپنے حضور جمع کریں گے) پھر جو کوئی اپنا نوشتۂ (اعمال) اپنے دہنے ہاتھ میں پائے گا، تو وہ ان لوگوں میں ہو گا جو اپنا نوشتہ پڑھ لیں گے، اور ان پر رائی برابر بھی زیادتی نہیں

جَزَآؤُكُمْ جَزَآءً مَّوْفُورًا ۝ وَاسْتَفْزِزْ مَنِ اسْتَطَعْتَ مِنْهُمْ بِصَوْتِكَ وَأَجْلِبْ عَلَيْهِمْ بِخَيْلِكَ ۶۳
وَرَجِلِكَ وَشَارِكْهُمْ فِي الْأَمْوَالِ وَالْأَوْلَادِ وَعِدْهُمْ ۚ وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطَانُ إِلَّا غُرُورًا ۝ ۶۴
إِنَّ عِبَادِي لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطَانٌ ۚ وَكَفَىٰ بِرَبِّكَ وَكِيلًا ۝ رَبُّكُمُ الَّذِي يُزْجِي لَكُمُ الْفُلْكَ ۶۵
فِي الْبَحْرِ لِتَبْتَغُوا مِن فَضْلِهِ ۚ إِنَّهُ كَانَ بِكُمْ رَحِيمًا ۝ وَإِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فِي الْبَحْرِ ۶۶
ضَلَّ مَن تَدْعُونَ إِلَّا إِيَّاهُ ۖ فَلَمَّا

انسان یا جماعت کو ایسا نہ کہیں کہ تم جہنمی ہو۔ کیونکہ کوئی نہیں جانتا کہ کس آدمی کا خاتمہ کس حال پر ہونے والا ہے؟ بہت ممکن ہے، جسے تم جہنمی کہہ رہے ہو اُسے ہدایت کی توفیق ملنے والی ہو۔ اور اُس کی جگہ جنتیوں میں ہو۔ بلاشبہ تم کہہ سکتے ہو یہ بات حق ہے اور یہ حق نہیں۔ لیکن کسی خاص جماعت یا فرد کی نسبت حکم نہیں لگا سکتے کہ یہ ضرور جہنمی ہے۔ ایسا کہنے کا کسی انسان کو حق نہیں۔

اس موقعہ پر سورۂ انعام کی یہ آیت بھی یاد کر لو ولا تسبوا الذین یدعون من دون اللہ، فیسبوا اللہ عدوا بغیر علم، کذلک زینا لکل امۃ عملھم، ثم الی ربھم مرجعھم فینبئھم بما کانوا یعملون (۱۰۸:۶) اور یہ حکم بھی نہ بھولو وجادلھم بالتی ھی احسن جو پچھلی سورت کے خاتمہ میں گزر چکا ہے۔ ۶۳

غور کرو کس طرح قرآن قدم قدم پر یہ بات یاد دلاتا رہتا ہے کہ فکر میں رعایت ہونی چاہیے۔ حکم میں احتیاط ہونی چاہیے تم جس بات کو حق سمجھتے ہو اُس پر جم جاؤ اور دوسروں کو بھی اس کی دعوت دو، مگر یہ نہ بھولو کہ انسان کی نجات و عدم نجات کی ٹھیکہ داری تمہیں نہیں دیدی گئی۔ کون نجات پانے والا ہے اور کس کے لیے بالآخر محرومی ہے؟ اس کا علم خدا ہی کو ہے، تمہیں حق نہیں کہ اس طرح کے حکم لگاتے پھرو۔ علاوہ ازیں اگر ایک انسان غلط راہ چل رہا ہے تو تمہارے جہنمی کہہ دینے سے وہ جنتی نہیں بن جائے گا، بلکہ بہت ممکن ہے، اور زیادہ اپنی ضلالت میں مضبوط ہو جائے۔ پس جو کچھ بھی زبان سے نکالو حسن و خوبی کی بات ہو۔ سختی و خشونت کی بات نہ ہو۔ ۶۵

چنانچہ فرمایا ان الشیطان ینزغ بینھم۔ شیطان چاہتا ہے، لوگوں میں تفرقہ و فساد ڈالے، یعنی اس طرح کا طریق کلام تفرقہ و فساد پیدا کرتا ہے اور اصل مقصود کو ہدایت و ارشاد سے۔ ۶۶

جہنم کی سزا ہوئی۔ پوری پوری سزا۔"

"ان میں سے جس کسی کو تو اپنی صدائیں سُنا کر بہکا سکتا ہے بہکانے کی کوشش کرلے، اپنے لشکر کے سواروں اور پیادوں سے حملہ کر ان کے مال اور اولاد میں شریک ہو جا، ان سے (طرح طرح کی باتوں کے) وعدے کر اور شیطان کے وعدے تو اس کے سوا کچھ نہیں ہیں کہ سراسر دھوکا"

"جو میرے سچے) بندے ہیں، اُن پر تو قابو پانے والا نہیں۔ تیرا پروردگار کارسازی کے لیے بس کرتا ہے"

(اے لوگو!) تمہارا پروردگار تو وہ ہے جو تمہاری کاروباریوں کے لیے سمندر میں جہاز چلاتا ہے تاکہ تم (سیر و سیاحت کے ذریعہ) اُس کا فضل تلاش کرو۔ بلاشبہ وہ تم پر بڑی ہی رحمت رکھنے والا ہے!

اور جب کبھی ایسا ہوتا ہے کہ تم سمندر میں ہوتے ہو اور مصیبت آ لگتی ہے، تو اس وقت وہ تمام ہستیاں تم سے کھوئی جاتی ہیں جنہیں تم پکارا کرتے ہو۔ صرف ایک اللہ ہی کی یاد باقی رہ جاتی ہے۔ پھر جب وہ تمہیں مصیبت سے نجات دے دیتا ہے

اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ اِلٰى غَسَقِ الَّيْلِ وَقُرْاٰنَ الْفَجْرِ ۭ اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوْدًا ۷۸
وَمِنَ الَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ ۖ عَسٰٓى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا ۷۹
وَقُلْ رَّبِّ اَدْخِلْنِيْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِيْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّاجْعَلْ لِّيْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطٰنًا نَّصِيْرًا ۸۰
وَقُلْ جَاۗءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ۭ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا ۸۱ وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ

(۱۷) آیت (۶۱) میں ابلیس کی سرکشی کا تذکرہ کیا تاکہ واضح ہو جائے، جس کے مقابلہ میں سرکشی کی چال چلنا۔ ابلیس کی چال ہے، اور یہ قدیم سے چلی آتی ہے۔ پھر آیت (۶۶) سے سلسلہ بیانِ انسان کی غفلت و گمراہی کے تذکرہ پر متوجہ ہو گیا ہے۔ اور جن حالات کی طرف اشارہ کیا ہے، اُن کی تشریحات گذشتہ سورتوں کے نوٹوں میں گزر چکی ہیں۔

(۱۸) آیت (۷۳) میں فرمایا۔ اگر وحی الٰہی کی روشنی تیری راہنمائی کے لیے موجود نہ ہوتی، تو وقت کی تاریکی اتنی شدید تھی کہ ممکن نہ تھا، اس بے لاگ ثبات و استقامت کے ساتھ ایسی راہ چلتا رہتا۔ کام کی دشواریاں ضرور تجھے مغلوب کر لیتیں، لوگوں کی مقاومتیں ضرور تجھے تھکا دیتیں، طاقتور اقوام کی تمنیتیں اور التجائیں ضرور تجھے متوجہ کر لیتیں۔ طرح طرح کی مصلحتیں ضرور دامنگیر ہو جاتیں۔ لغزشیں ٹوک کر میں قدم قدم پہ مزاحم ہوتیں۔ لیکن اب کوئی چیز بھی تیری راہ نہیں روک سکتی۔ کوئی فتنہ بھی تجھے قابو میں نہیں لا سکتا۔ یہ وحی الٰہی کی راہنمائی ہے، اور وحی الٰہی کی راہنمائی پر کوئی انسانی طاقت غالب نہیں آ سکتی۔

(۱۹) آیت (۷۸) نے نماز اوقات معین کر دیے۔ فرمایا۔ سورج کے ڈھلنے سے لے کر رات کے اندھیرے تک نماز کے اوقات ہیں۔ یعنے ظہر، عصر، مغرب، اور عشا کے اوقات نیز صبح کی تلاوت ہے یعنے صبح کی نماز ہے۔

"نفل" کے معنے کسی ایسی بات کے ہیں جو اصل مطلوب سے زیادہ ہو۔ پس فرمایا: تا فلة لك رات کا بھی کچھ حصہ جاگنے اور عبادت میں صرف کیا کرو۔ یہ تمہارے لیے عبادت کی مزید زیادتی ہوگی۔

اس آیت میں خطاب اگرچہ پیغمبر اسلام سے ہے لیکن حکم عام ہے اس سے معلوم ہو گیا کہ شب بیداری کی عبادت یعنی تہجد ایک مزید عبادت ہے اگر بن پڑے۔

(اے پیغمبر!) نماز قائم کر سورج کے ڈھلنے کے وقت سے لے کر رات کے اندھیرے تک (یعنے ظہر، عصر، مغرب اور عشا کے وقتوں میں) نیز صبح کی تلاوتِ قرآن (یعنے صبح کی نماز) بلاشبہ صبح کی تلاوت قرآن ایک ایسی تلاوت ہے جو (خصوصیت کے ساتھ) دیکھی جاتی ہے! ۷۸

اور (اے پیغمبر!) رات کا کچھ حصہ (یعنے پچھلا پہر) شب بیداری میں بسر کر۔ یہ تیرے لیے ایک مزید عمل ہے۔ قریب ہے کہ اللہ تجھے ایک ایسے مقام میں پہنچا دے جو نہایت پسندیدہ مقام ہو! ۷۹

اور تیری دعا یہ ہونی چاہیے کہ "اے پروردگار! مجھے (جہاں کہیں پہنچا، تو) سچائی کے ساتھ پہنچا، اور (جہاں کہیں سے نکال، تو) سچائی کے ساتھ نکال، اور اپنے حضور سے قوت عطا فرما۔ ایسی قوت کہ (ہر حال میں) مدد گاری کرنے والی ہو!" ۸۰

اور تیرا اعلان یہ ہو کہ "دیکھو حق ظاہر ہو گیا، اور باطل نابود ہوا۔ اور باطل اسی لیے تھا کہ نابود ہو کر رہے!" ۸۱

اور ہم نے جو کچھ قرآن میں سے نازل کیا ہے، تو وہ یقین کرنے والوں کے لیے (روح کی ساری بیماریوں

وَلَا يُظْلَمُونَ فَتِيلًا ۝ وَمَنْ كَانَ فِي هٰذِهٖٓ اَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى وَاَضَلُّ سَبِيْلًا ۝ وَاِنْ كَادُوْا لَيَفْتِنُوْنَكَ عَنِ الَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ لِتَفْتَرِيَ عَلَيْنَا غَيْرَهٗ ۖ وَاِذًا لَّاتَّخَذُوْكَ خَلِيْلًا ۝ وَلَوْلَآ اَنْ ثَبَّتْنٰكَ لَقَدْ كِدْتَّ تَرْكَنُ اِلَيْهِمْ شَيْـًٔا قَلِيْلًا ۝ اِذًا لَّاَذَقْنٰكَ ضِعْفَ الْحَيٰوةِ وَضِعْفَ الْمَمَاتِ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ عَلَيْنَا نَصِيْرًا ۝ وَاِنْ كَادُوْا لَيَسْتَفِزُّوْنَكَ مِنَ الْاَرْضِ لِيُخْرِجُوْكَ مِنْهَا وَاِذًا لَّا يَلْبَثُوْنَ خِلٰفَكَ اِلَّا قَلِيْلًا ۝ سُنَّةَ مَنْ قَدْ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنْ رُّسُلِنَا وَلَا تَجِدُ لِسُنَّتِنَا تَحْوِيْلًا ۝

ہمیشہ ایسا ہی ہوچکا ہے۔ کوئی نشانی بھی سرکشوں کے لیے سود مند نہ ہوسکی۔

نیز فرمایا ہمارا قانون یہ ہے کہ اس طرح کی نشانیاں تخویف و انذار ہی کے لیے بہ وافر ہوتی ہیں۔ پس اگر اب بھی اُن تک نوبت پہنچی، تو منکروں کے لیے مزید عذاب ناگزیر ہوگا، اور مشیت الٰہی کا یہ فیصلہ نہیں ہے کہ عذاب ملد میں آئے۔

اس کے بعد آیت (۶۰) میں دو باتوں کی طرف اشارہ کیا ہے اسریٰ کا واقعہ، اور اس درخت کا معاملہ جس کا قرآن میں ذکر کیا گیا ہے۔ یعنی ان الشجرۃ الزقوم طعام الاثیم جہنم میں تھوہر کا درخت مجرموں کی غذا ہوگی۔ منکروں نے ان دونوں باتوں کی ہنسی اڑائی تھی، جیسا کہ روایات صحیحہ سے ثابت ہے اسریٰ کا معاملہ جب بیان کیا گیا تو کہنے لگے یہ جنوں کی انتہا ہے اور جہنم کے احوال و شدائد کی جب آیتیں سنائی گئیں تو کہنے لگے جہنم بھی عجیب جگہ ہوئی جہاں آگ کے شعلوں میں درخت پیدا ہوں گے!

فرمایا، ان دونوں باتوں میں ان لوگوں کے لیے آزمائش ہوئی۔ اگر طالب حق ہوتے تو ہنسی اڑانے کی جگہ عقل و بصیرت سے کام لیتے۔

ہوگی۔

اور جو کوئی اس دنیا میں اندھا رہا (اور اُس نے اللہ کے دیے ہوئے ہوش و حواس سے کام نہیں لیا) تو یقین کرو۔ آخرت میں بھی وہ اندھا ہی رہے گا اور راستہ سے یک قلم بھٹکا ہوا!

اور (اے پیغمبر!) ان لوگوں نے تو اس میں کوئی کسر اُٹھا نہیں رکھی تھی کہ تجھے فریب دے کر اُس کلام (کی تبلیغ) سے باز رکھیں جو ہم نے بذریعہ وحی نازل کیا ہے، اور مقصد ان کا یہ تھا کہ اس کلام کی جگہ دوسری باتیں کہہ کر تو ہم پر افترا پردازی کرے، اور پھر اس سے خوش ہو کر یہ تجھے اپنا دوست بنالیں۔

اور اگر (راہ حق میں) ہم نے تجھے جما نہ دیا ہوتا، تو تو ضرور ان کی طرف کچھ نہ کچھ میلان کر ہی بیٹھتا، اور اس صورت میں ہم تجھے [illegible] ہوتا کہ ہم تجھے زندگی کا بھی دوہرا عذاب چکھاتے اور موت کا بھی، اور پھر تجھے ہمارے مقابلہ میں کوئی مددگار نہ ملتا۔

اور انہوں نے اس میں بھی کوئی کسر اُٹھا نہ رکھی تھی کہ تجھے اس سرزمین سے عاجز کر کے نکال دیں۔ اور اگر ایسا کر بیٹھتے تو (یاد رکھ) تیرے (نکالے جانے کے) پیچھے مہلت نہ پاتے مدت تھوڑی سی۔ ہم تجھ سے پہلے جو پیغمبر بھیج چکے ہیں، اُن سب کے معاملہ میں ہمارا ایسا ہی قاعدہ رہا ہے اور ہمارے ٹھہرائے ہوئے قاعدوں کو کبھی بدلتا ہوا نہ پائے گا!

قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ
بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا ۝ وَلَقَدْ صَرَّفْنَا لِلنَّاسِ فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ ۚ فَاَبٰٓى اَكْثَرُ النَّاسِ ۸۸
اِلَّا كُفُوْرًا ۝ وَقَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْاَرْضِ يَنْۢبُوْعًا ۝ اَوْ تَكُوْنَ لَكَ ۸۹-۹۰
جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّعِنَبٍ فَتُفَجِّرَ الْاَنْهٰرَ خِلٰلَهَا تَفْجِيْرًا ۝ اَوْ تُسْقِطَ السَّمَآءَ كَمَا زَعَمْتَ عَلَيْنَا ۹۱
كِسَفًا اَوْ تَاْتِيَ بِاللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ قَبِيْلًا ۝ اَوْ يَكُوْنَ لَكَ بَيْتٌ مِّنْ زُخْرُفٍ اَوْ تَرْقٰى فِي السَّمَآءِ ۭ ۹۲
وَلَنْ نُّؤْمِنَ لِرُقِيِّكَ حَتّٰى تُنَزِّلَ عَلَيْنَا كِتٰبًا نَّقْرَؤُهٗ ۭ قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا ۹۳ ع ۱۰

کیونکہ روحیں حسن ہی سے عشق کر سکتی ہیں اور زبانیں کمال ہی کی تلاش میں کھل سکتی ہیں۔ لیکن حسن و کمال کی مملکت، وہ مملکت نہیں جسے شہنشاہوں اور فاتحوں کی تلواریں مسخر کر سکیں!

غور کرو جس وقت سے نوعِ انسانی کی تاریخ معلوم ہے؟ نوعِ انسانی کے دلوں کا احترام اور زبانوں کی ستائشیں کن انسانوں کے حصے میں آئی ہیں؟ شہنشاہوں اور فاتحوں کے حصہ میں یا خدا کے ان رسولوں کے حصہ میں جنہوں نے جسم و ملک کو نہیں روح و دل کو فتح کیا تھا؟

یہی مقامِ محمود ہے جس کی خبر ہمیں ایک دوسری آیت میں دی گئی ہے، اور فخر کے ساتھ امر بھی ہے: ان اللہ و ملائکتہ یصلون علی النبی۔ یا یہا الذین اٰمنوا صلوا علیہ و سلموا تسلیما (۳۳ ۵۶)

بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اس مقام کا ایک مشہد وہ معاملہ ہوگا جو قیامت کے دن پیش آئے گا۔ جب کہ اللہ کی حمد و ثنا کا علم آپ بلند کریں گے، اور بلاشبہ محمودیت کا مقام دنیا و آخرت دونوں کے لیے ہے۔ جو ہستی یہاں محمود خلائق ہے، وہاں بھی محمود و ممدوح ہوگی۔

(اے پیغمبر!) اس بات کا اعلان کر دے کہ اگر تمام انسان اور جن اکٹھے ہو کر چاہیں کہ اس قرآن کے مانند کوئی کلام پیش کر دیں، تو کبھی پیش نہیں کر سکیں گے۔ اگرچہ ان میں سے ہر ایک دوسرے کا مددگار ہی کیوں نہ ہو۔ ۸۸

اور ہم نے اس قرآن میں ہر طرح کی مثالیں بار بار لوٹا کر بیان کیں (کہ لوگ سمجھیں بوجھیں) لیکن ان میں سے اکثروں نے کوئی بات قبول نہیں کی، اور قبول کی تو صرف ناسپاسی! ۸۹

اور انہوں نے کہا "ہم تو اس وقت تک تجھے ماننے والے نہیں، جب تک کہ تو اس طرح کی باتیں کر کے نہ دکھا دے۔ (مثلاً) ایسا ہو کہ تو حکم کرے اور زمین سے ایک چشمہ پھوٹ نکلے۔ یا تیرے پاس کھجوروں اور انگوروں کا ایک باغ ہو اور اس کے درمیان بہت ۹۰

سی نہریں رواں کر کے دکھا دے، یا جیسا کہ تو نے خیال کیا ہے، آسمان ٹکڑے ٹکڑے ہو کر ہم پر آ گرے، یا ۹۱
اللہ اور اس کے فرشتے ہمارے سامنے آ کھڑے ہوں، یا ہم دیکھیں کہ سونے کا ایک محل تیرے لیے مہیا ہو ۹۲
گیا ہے، یا ایسا ہو کہ تو بلند ہو کر آسمان پر چلا جائے۔ اور اگر تو آسمان پر چلا بھی گیا تو بھی یہ بات ماننے والے نہیں، جب تک کہ ایک (لکھی لکھائی) کتاب ہم پر نہ اتار لائے، اور ہم خود اسے پڑھ کر جانچ نہ لیں" (اے پیغمبر!) ان لوگوں سے کہدے "سبحان اللہ! (میں کچھ خدائی کا دعویٰ تو کیا نہیں) میں اس کے سوا کیا ہوں کہ ایک آدمی ہوں پیغام حق پہنچانے والا"! ۹۳

شِفَآءٌ وَّ رَحۡمَةٌ لِّلۡمُؤۡمِنِيۡنَ ۙ وَلَا يَزِيۡدُ الظّٰلِمِيۡنَ اِلَّا خَسَارًا ۝ ۸۲
وَاِذَآ اَنۡعَمۡنَا عَلَى الۡاِنۡسَانِ اَعۡرَضَ وَنَاٰ بِجَانِبِهٖ ۚ وَاِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ كَانَ يَـُٔوۡسًا ۝ ۸۳
قُلۡ كُلٌّ يَّعۡمَلُ عَلٰى شَاكِلَتِهٖ ؕ فَرَبُّكُمۡ اَعۡلَمُ بِمَنۡ هُوَ اَهۡدٰى سَبِيۡلًا ۝ ۸۴
وَيَسۡـَٔلُوۡنَكَ عَنِ الرُّوۡحِ ؕ قُلِ الرُّوۡحُ مِنۡ اَمۡرِ رَبِّىۡ وَمَاۤ اُوۡتِيۡتُمۡ مِّنَ الۡعِلۡمِ اِلَّا قَلِيۡلًا ۝ ۸۵
وَلَئِنۡ شِئۡنَا لَنَذۡهَبَنَّ بِالَّذِىۡۤ اَوۡحَيۡنَاۤ اِلَيۡكَ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ بِهٖ عَلَيۡنَا وَكِيۡلًا ۝ ۸۶ اِلَّا رَحۡمَةً مِّنۡ رَّبِّكَ ؕ اِنَّ فَضۡلَهٗ كَانَ عَلَيۡكَ كَبِيۡرًا ۝ ۸۷

(۲۰) آیت (۷۹) میں مقام محمود سے مقصود والیسا درجہ ہے جس کی عام طور پر ستائش کی جائے۔ فرمایا کچھ بعید نہیں کہ تمہارا پروردگار تمہیں ایسے مقام پر پہنچا دے جو عالمگیر اور دائمی ستائش کا مقام ہو۔

۸۲ یہ آیت اس وقت نازل ہوئی تھی جب پیغمبر اسلام کی مکی زندگی کے آخری سال گذر رہے تھے اور مظلومیت اور بے سروسامانی اپنے انتہائی درجوں تک پہنچ چکی تھی حتیٰ کہ مخالف قتل کی تدبیروں میں سرگرم تھے۔ ایسی حالت میں کون امید کر سکتا تھا کہ انہی مظلومیتوں سے فتح و کامرانی پیدا ہو سکتی ہے لیکن وحی الٰہی نے صرف فتح و کامرانی ہی کی بشارت نہیں دی کیونکہ فتح و کامرانی کی عظمت کوئی غیر معمولی عظمت نہ تھی۔ بلکہ ایک ایسے مقام تک پہنچنے کی خبر دی جو نوع انسانی کے لیے عظمت و ارتفاع کی سب سے آخری بلندی ہے۔ یعنی عسیٰ ان یبعثک ربک مقاماً محموداً

۸۳ حسن و کمال کا ایسا مقام جہاں پہنچ کر محمودیت خلائق کی عالمگیر اور دائمی مرکزیت حاصل ہو جائے گی۔ کوئی عہد ہو، کوئی ملک ہو، کوئی نسل ہو، لیکن کروڑوں دلوں میں اس کی ستائش ہوگی۔ اَن گنت زبانوں پر اس کی مدحت طرازی ہوگی محمود یعنی سرتاسر ممدوح ہستی ہو جائے گی:

ما شئت قل فیہ فانت مصدق
فالحب یقضی والمحاسن تشہد!

۸۵ یہ مقام انسانی عظمت کی انتہا ہے۔ اس سے زیادہ اونچی جگہ اولاد آدم کو نہیں مل سکتی۔ اس سے بڑھ کر انسانی رفعت کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ انسان کی سعی و ہمت ہر طرح کی بلندیوں تک بڑھ جا سکتی ہے، لیکن یہ بات نہیں پا سکتی کہ روحوں کی ستائش ۸۶ اور دلوں کی مداحی کا مرکز بن جائے سکندر کی ساری فتوحات خود اس کے عہد و ملک کی ستائش اسے نہ دلا سکیں، اور نپولین کی ساری جہاں ستانیاں اتنا بھی نہ کر سکیں کہ کورسیکا کے چند غدار باشندوں ہی میں اسے محمود و ممدوح بنا دیتیں جہاں وہ پیدا ہوا تھا۔ محمودیت اسی کو حاصل ہو سکتی ہے جس میں حسن و کمال ہو

کی) شفاء اور رحمت ہے۔ اور جو ناقرمان ہیں، تو انہیں کچھ فائدہ ہونے والا نہیں۔ بجز اس کے کہ (انکار و شقاوت کی وجہ سے) اور زیادہ تباہ ہوں!

اور جب ہم انسان پر انعام کرتے ہیں، تو ہم سے منہ پھیر لیتا ہے اور پہلو تہی کرتا ہے، اور جب اسے دکھ پہنچ جائے، تو دیکھو، بالکل مایوس ہو کر بیٹھ رہتا ہے!

(اے پیغمبر!) کہدو "ہر انسان اپنے طور طریقہ کے مطابق عمل کرتا ہے پس تمہارا پروردگار ہی بہتر جانتا ہے، کون سب سے زیادہ ٹھیک راہ پر ہے!

اور (اے پیغمبر!) یہ لوگ تجھ سے روح کے بارے میں سوال کرتے ہیں۔ تو کہہ دے "روح میرے پروردگار کے حکم سے ہے، اور تمہیں (اسرار کائنات کا) علم جو کچھ دیا گیا ہے، وہ بہت تھوڑا ہے (اس سے زیادہ تم نہیں پا سکتے)"

اور (اے پیغمبر!) جو کچھ ہم نے تجھ پر وحی کی ہے، اگر ہم چاہیں تو اسے بھی سلب کر لیں پھر تجھے کوئی نہ ملے جو اس کے لیے ہم پر اپنی وکالت چلائے۔

مگر یہ محض تیرے پروردگار کی رحمت ہے (کہ وہ ایسا نہیں کرتا) اس میں شک نہیں کہ اس کا تجھ پر بڑا ہی فضل ہے!

قُلْ لَّوْ اَنْتُمْ تَمْلِكُوْنَ خَزَآئِنَ رَحْمَةِ رَبِّيْٓ اِذًا لَّاَمْسَكْتُمْ خَشْيَةَ الْاِنْفَاقِ ۭ وَكَانَ الْاِنْسَانُ
قَتُوْرًا ۝ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسٰي تِسْعَ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ فَسْـَٔـلْ بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ اِذْ جَاۗءَهُمْ فَقَالَ لَهٗ فِرْعَوْنُ
اِنِّىْ لَاَظُنُّكَ يٰمُوْسٰي مَسْحُوْرًا ۝ قَالَ لَقَدْ عَلِمْتَ مَآ اَنْزَلَ هٰٓؤُلَاۗءِ اِلَّا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ
وَاِنِّىْ لَاَظُنُّكَ يٰفِرْعَوْنُ مَثْبُوْرًا ۝ فَاَرَادَ اَنْ يَّسْتَفِزَّهُمْ مِّنَ الْاَرْضِ فَاَغْرَقْنٰهُ وَمَنْ مَّعَهٗ
وَقُلْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ لِبَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ اسْكُنُوا الْاَرْضَ فَاِذَا جَاۗءَ وَعْدُ الْاٰخِرَةِ جِئْنَا بِكُمْ لَفِيْفًا ۝ وَ
بِالْحَقِّ اَنْزَلْنٰهُ وَبِالْحَقِّ نَزَلَ ۭ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا مُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ۝ وَقُرْاٰنًا فَرَقْنٰهُ لِتَقْرَاَهٗ عَلَى

(اے پیغمبر!) کہدے اگر میرے پروردگار کی رحمت کے خزانے تمہارے اختیار میں ہوتے، تو تم ضرور خرچ ہوجانے کے ڈر سے انہیں روکے رکھتے (لیکن وہ اپنی رحمت کا فیضان روکنے والا نہیں۔ اس کی بخششیں اتنی نپی تلی نہیں ہیں کہ صرف دنیا کی چند روزہ زندگی ہی میں خرچ ہو جائیں) حقیقت یہ ہے کہ انسان بڑا ہی تنگ دل ہے (وہ رحمت الٰہی کی وسعت کا اندازہ نہیں کرسکتا!)

اور (اے پیغمبر!) ہم نے موسیٰ کو نو آشکار نشانیاں دی تھیں جب وہ بنی اسرائیل میں ظاہر ہوا تھا، تو تم بنی اسرائیل سے دریافت کرلے (کہ کیا ماجرا گزر چکا ہے) فرعون نے اس سے کہا تھا "اے موسیٰ! میں خیال کرتا ہوں، تجھ پر کسی نے جادو کر دیا ہے"

موسیٰ نے اس پر کہا تھا "تو یقیناً جان چکا ہے کہ یہ نشانیاں مجھ پر کسی اور نے نہیں اتاری ہیں مگر اسی نے جو آسمان و زمین کا پروردگار ہے، اور (ان میں عبرت و تذکیر کے لیے) سمجھنے بوجھنے کی روشنی ہے۔ اور اے فرعون! میں تو سمجھتا ہوں، تو نے اپنے کو ہلاکت میں ڈال دیا ہے!"

تو (دیکھو) فرعون نے چاہا تھا کہ بنی اسرائیل پر ملک میں رہنا دشوار کر دے، لیکن ہم نے اسے اور اس سب کو جو اس کے ساتھ تھے (سمندر میں) غرق کر دیا!

اور ہم نے اس واقعہ کے بعد بنی اسرائیل سے کہا تھا "اب اس سرزمین میں (فارغ البال ہوکر) بسو (تمہارے لیے کوئی کھٹکا نہیں رہا) پھر جب آخرت کا وعدہ وقوع میں آجائے گا تو ہم تم سب کو اپنے حضور اکٹھا کرلیں گے"

اور ہم نے قرآن کو سچائی کے ساتھ اتارا، اور وہ سچائی ہی کے ساتھ اترا بھی، اور ہم نے تجھے نہیں بھیجا ہے مگر صرف اسی حیثیت سے کہ (ایمان و عمل کے نتائج کی) بشارت دینے والا اور (انکار و بدعملی کے نتائج سے) خبردار کر دینے والا ہے۔

اور ہم نے قرآن کو الگ الگ ٹکڑوں میں منقسم کر دیا، تاکہ تم ٹھہر ٹھہر کر لوگوں کو سناتے رہو، اور (یہی وجہ

وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ يُّؤْمِنُوْٓا اِذْ جَآءَهُمُ الْهُدٰٓى اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا رَّسُوْلًا ۝ قُلْ لَّوْ ۹۴
كَانَ فِي الْاَرْضِ مَلٰٓئِكَةٌ يَّمْشُوْنَ مُطْمَئِنِّيْنَ لَنَزَّلْنَا عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَلَكًا رَّسُوْلًا ۝ قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ ۹۵
شَهِيْدًا بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ۭ اِنَّهٗ كَانَ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرًۢا بَصِيْرًا ۝ وَمَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلْ ۹۶
فَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ اَوْلِيَاۗءَ مِنْ دُوْنِهٖ ۭ وَنَحْشُرُهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَلٰي وُجُوْهِهِمْ عُمْيًا وَّبُكْمًا وَّصُمًّا ۭ
مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۭ كُلَّمَا خَبَتْ زِدْنٰهُمْ سَعِيْرًا ۝ ذٰلِكَ جَزَاۗؤُهُمْ بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا وَقَالُوْٓا ءَاِذَا كُنَّا ۹۷
عِظَامًا وَّرُفَاتًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ خَلْقًا جَدِيْدًا ۝ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ۹۸
قَادِرٌ عَلٰٓي اَنْ يَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ وَجَعَلَ لَهُمْ اَجَلًا لَّا رَيْبَ فِيْهِ ۭ فَاَبَى الظّٰلِمُوْنَ اِلَّا كُفُوْرًا ۝ ۹۹

اور حقیقت یہ ہے کہ جب کبھی اللہ کی ہدایت (دنیا میں) ظاہر ہوئی، تو صرف اسی بات نے لوگوں کو ایمان لانے سے روکا (متعجب ہو کر) کہنے لگے، کیا اللہ نے (ہماری طرح کا) ایک آدمی پیغمبر بنا کر بھیج دیا ہے؟" ۹۴

(اے پیغمبر!) کہدے اگر ایسا ہوا ہوتا کہ زمین میں (انسانوں کی جگہ) فرشتے بسے ہوتے، اور اطمینان سے چلتے پھرتے، تو ہم ضرور آسمان سے ایک فرشتہ پیغمبر بنا کر اتار دیتے۔" ۹۵

(نیز کہدے) "میرے اور تمہارے درمیان (اب) اللہ کی گواہی بس کرتی ہے۔ یقیناً وہ اپنے بندوں کے حال سے واقف اور سب کچھ دیکھنے والا ہے!" ۹۶

جس کسی کو اللہ (سعادت و کامیابی کی) راہ پر لگا دے، فی الحقیقت وہی راہ پر ہے، اور جس کسی پر اس نے (کامیابی کی) راہ گم کر دی، تو تم اللہ کے سوا اس کا کوئی مددگار نہیں پاؤ گے۔ قیامت کے دن ہم ایسے لوگوں کو ان کے منہ کے بل اٹھائیں گے۔ اندھے، گونگے، بہرے۔ ان کا آخری ٹھکانا دوزخ ہوگا۔ جب کبھی اس کی آگ بجھنے کو ہوگی، اسے اور زیادہ بھڑکا دیں گے! ۹۷

یہ ان کی سزا ہوگی۔ اس لیے کہ انہوں نے ہماری آیتوں سے انکار کیا تھا۔ اور کہا تھا "بھلا جب (مرنے کے بعد گل سڑ کر) محض ہڈیاں ہی ہڈیاں ہو گئے، اور ریزہ ریزہ، تو ایسا ہو سکتا ہے کہ از سر نو پیدا کر کے اٹھائے جائیں گے؟" ۹۸

کیا ان لوگوں نے اس بات پر غور نہیں کیا کہ وہ اللہ جس نے آسمان و زمین کی یہ تمام کائنات پیدا کر دی ہے، ضرور اس پر قادر ہے کہ ان کی موجودہ زندگی کی طرح ایک دوسری زندگی پیدا کر دے؟ نیز یہ بات، کہ ضرور اس نے ان کے لیے (آخری فیصلہ کی) ایک میعاد مقرر کر رکھی ہے جس میں کسی طرح کا شک نہیں کیا جا سکتا؟ اس پر بھی دیکھو، ان ظالموں نے کوئی چال چلنی نہ چاہی مگر انکار حقیقت کی! ۹۹

تعبیر ہو سکتی ہے۔ صحیحین کی ایک حدیث میں ہے کہ آپ نے فرمایا۔ جب وحی آتی ہے تو ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے صلصلۃ الجرس کی آواز ہو۔ ظاہر ہے کہ یہ ایک تمثیل ہے جو اس لئے اختیار کی گئی کہ اس معاملہ کا ایک تجربی تخیل ہمارے اندر پیدا ہو جائے ورنہ وحی کی آمد محض گھنٹیوں کی آواز کی طرح نہیں ہو سکتی۔

پس اسری کے معاملہ کے لئے بھی ہماری محدود تعبیرات کام نہیں دے سکتیں۔ یہی وجہ ہے کہ صحابہ کے تاثرات مختلف ہوئے جن لوگوں نے اس کی نفی کی کہ یہ خواب میں پیش آیا تھا، وہ اس طرف گئے کہ یہ ہماری جسمانی نقل و حرکت کی طرح کا معاملہ نہ تھا جن لوگوں نے اس پر زور دیا کہ بیداری میں پیش آیا تھا، وہ اس طرف گئے کہ اسے محض خواب کی طرح کا معاملہ نہیں کہہ سکتے۔ ان میں سے نہ تو صحیحین، دونوں اپنے تاثرات میں برسرحق تھے۔ خود صحیحین کی حدیث میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ میں اس وقت ایک ایسے عالم میں تھا کہ نہ تو سوتا تھا نہ جاگتا تھا۔ بین النائم والیقظان اس سے معلوم ہو گیا کہ اس معاملہ کو نہ تو ایسا معاملہ قرار دے سکتے ہیں جیسا ہیں جاگتے میں پیش آیا کرتا ہے نہ ایسا جیسا سوتے میں دیکھا کرتے تھے۔ وہ ان دونوں حالتوں سے ایک مختلف قسم کی حالت تھی، اور ہماری تعبیرات میں اس کے لئے کوئی تعبیر نہیں ہے۔

اس مقام کی مزید تشریح البیان میں ملے گی۔

(ب) آیت ۶۰ وما جعلنا الرءیا التی ارینٰک الا فتنۃ للناس۔ میں "رؤیا" سے مقصود یہی واقعہ ہے۔ چنانچہ عبداللہ بن عباس، سعید بن جبیر، حسن، عروق، قتادہ، مجاہد، عکرمہ، ابن جریج وغیرہم سے ایسا ہی مروی ہے اور حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ اس پر محققین تفسیر کا اجماع ہو چکا ہے۔ پس جن مفسروں نے یہاں رؤیا سے مراد کوئی دوسری رؤیا لی ہے مثلاً فتح مکہ کی رؤیا وہ قابل اعتنا نہیں۔ کیونکہ سورت بالاتفاق مکی ہے اور وہ معاملہ ایک عرصہ کے بعد مدینہ میں پیش آیا تھا، اور سیاق کے لئے طرح طرح کے تکلفات کرنا قرآن کو چیستان بنا دینا ہے۔ ان مفسروں نے یہ تکلفات اس لئے کئے کہ رؤیا اطلاق خواب پر ہوتا ہے اور اگر رؤیا سے مقصود واقعہ اسری ہو تو پھر ان صحابہ کا قول تسلیم کر لینا پڑے گا جو اس کے بیداری میں ہونے کے قائل نہیں۔ لیکن عجب ہے کہ ان لوگوں نے حضرت عبداللہ بن عباس کی تفسیر پر نظر نہ ڈالی۔ حضرت عبداللہ بن عباس ان صحابہ میں ہیں جو معراج کو عالم بیداری کا معاملہ سمجھتے تھے، اور اس مذہب کے سب سے بڑے پیشرو تھے۔ بایں ہمہ انہوں نے بھی اس آیت میں "رؤیا" کی یہی تفسیر کی ہے کہ واقعہ اسری مراد ہے۔ رویا عین اریھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (بخاری) آنکھوں سے دیکھی ہوئی رؤیا جو لیلۃ الاسری میں آنحضرت کو دکھائی گئی تھی۔ اگر حضرت ابن عباس کو اس آیت کی اس تفسیر میں کوئی دقت پیش نہ آئی، جو اس مذہب کے سب سے بڑے قائل تھے، تو پھر اور لوگوں کو کیوں دور از کار توجیہوں کی ضرورت پیش آئے؟

اور یہ جو حضرت عباس نے فرمایا "رؤیا عین اریھا" تو اس نے سارا مسئلہ حل کر دیا، اور وہ حقیقت آشکارا ہو گئی جس کی طرف ابھی ہم اشارہ کر چکے ہیں یعنی یہ جو کچھ پیش آیا تھا، رؤیا لیکن کیسی رؤیا؟ ویسی ہی رؤیا جیسی عام خواب میں ہم دیکھا کرتے ہیں؟ نہیں "رؤیا عین" ایسی رؤیا جس میں آنکھیں غافل نہیں ہوتیں۔ بیدار ہوتی ہیں۔ جو کچھ دیکھا جاتا ہے وہ ایسا ہوتا ہے جیسے آنکھوں سے دیکھا جا رہا ہو۔ ما زاغ البصر وما طغی، ولقد رأی من آیات ربہ الکبرٰی (۵۳/۱۷)

اعراض اور مایوسی دونوں ہلاکت ہے

---

(۱۷) آیت واذا انعمنا علی الانسان اعرض ونا بجانبہ، واذا مسہ الشر کان یئوسا (۸۳) میں انسان کی اس کمزوری کی طرف اشارہ کیا ہے کہ جب اسے خوش حالی ملتی ہے تو غافل ہو جاتا ہے اور جب رنج و غم پہنچتا ہے تو مایوس ہو جاتا ہے۔ حالانکہ دونوں حالتوں میں اس کے لئے نامرادی ہے۔ سعادت کی راہ یہ ہے کہ خوش حالی میں غافل نہ ہو۔ کیونکہ غفلت کا نتیجہ محرومی ہے۔ بدحالی میں مایوس ہو کر بیٹھ نہ رہے۔ کیونکہ مایوسی کا نتیجہ ہلاکت ہے۔

غور کرو طبیعت انسانی کی کیسی سچی تصویر ہے انسان جب اپنی کوششوں میں کامیاب ہوتا ہے تو خوش حالی کا گھمنڈ اسے غافل و سرشار کر دیتا ہے وہ سمجھنے لگتا ہے اب میرے لئے کوئی کھٹکا نہیں رہا۔ حالانکہ نہیں جانتا کتنا ہی خوش حال ہو جائے، اگر غفلت

الْقُرْاٰنَ عَلٰى مُكْثٍ وَّنَزَّلْنٰهُ تَنْزِيْلًا ۝ قُلْ اٰمِنُوْا بِهٖٓ اَوْ لَا تُؤْمِنُوْا ۭ اِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ ۱۰۷
مِنْ قَبْلِهٖٓ اِذَا يُتْلٰى عَلَيْهِمْ يَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ سُجَّدًا ۝ وَّيَقُوْلُوْنَ سُبْحٰنَ رَبِّنَآ اِنْ كَانَ وَعْدُ ۱۰۸
رَبِّنَا لَمَفْعُوْلًا ۝ وَيَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ يَبْكُوْنَ وَيَزِيْدُهُمْ خُشُوْعًا ۝ قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا ۱۰۹
الرَّحْمٰنَ ۭ اَيًّا مَّا تَدْعُوْا فَلَهُ الْاَسْمَاۗءُ الْحُسْنٰى ۚ وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا وَ ۱۱۰
ابْتَغِ بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا ۝ وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ لَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ يَكُنْ لَّهٗ شَرِيْكٌ ۱۱۱
فِي الْمُلْكِ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ وَلِيٌّ مِّنَ الذُّلِّ وَكَبِّرْهُ تَكْبِيْرًا ۝

ہے کہ) اُسے بہ یک دفعہ نہیں اُتارا دیا۔ بتدریج اُتارا۔

(اے پیغمبر!) ان لوگوں سے کہدے تم قرآن کو (کلام الٰہی) مانو یا نہ مانو لیکن جن لوگوں کو پچھلی کتابوں کا علم دیا گیا ہے (یعنے اہل کتاب) اُنہیں جب یہ کلام سنایا جاتا ہے تو وہ بے اختیار سجدہ میں گر پڑتے ہیں، اور پکار اُٹھتے ہیں کہ ہمارے پروردگار کے لیے پاکی ہو! بلاشبہ ہمارے پروردگار کا وعدہ اسی لیے تھا کہ پورا ہو کر رہے!"

وہ ٹھوڑیوں کے بل (اُس کے آگے) گر پڑتے ہیں۔ اُن آنکھیں اشک بار ہو جاتی ہیں۔ کلام حق کی سماعت اُن کی عاجزی اور زیادہ کر دیتی ہے!

(اے پیغمبر!) کہدے تم اللہ کہہ کر (اُسے) پکارو یا رحمان کہہ کر جس نام سے پکارو، اُس کے سارے نام حُسن و خوبی کے نام ہیں" اور (اے پیغمبر!) تو جب نماز میں مشغول ہو، تو نہ تو چلا کر پڑھ، نہ بالکل چپکے چپکے۔ چاہیے کہ دونوں کی راہ اختیار کی جائے۔

اور کہہ ساری ستائشیں اللہ کے لیے ہیں جو نہ تو اولاد رکھتا ہے، نہ اُس کی فرمانروائی میں کوئی اُس کا شریک ہے، اور نہ کوئی ایسا ہے کہ اُس کی درماندگی کی وجہ سے اُس کا مددگار ہو۔ (وہ ان ساری باتوں سے بے نیاز ہے) اُس کی بڑائی کی پکار بلند کر۔ جیسی پکار بلند کرنی چاہیے!

---

(۱۹) اس سورت کے بعض مقامات کی تفسیر سحابت رہ گئی ہیں۔ ضروری ہے کہ ان پر ایک نظر ڈال لی جائے،

واقعہ اسریٰ

(۱) واقعہ اسریٰ کی نوعیت کیا تھی! یہ عالم بیداری میں پیش آیا یا عالم خواب میں؟ صرف روح پر طاری ہوا تھا، یا جسم بھی اس میں شریک تھا۔ اس بارے میں صحابہ و سلف کا اختلاف معلوم ہے۔ اکثر صحابہ و تابعین اس طرف گئے ہیں کہ روح و جسم دونوں پر طاری ہوا لیکن حضرت عائشہ، حذیفہ بن الیمان، حسن، معاویہ، ابن اسحاق وغیرہم سے مروی ہے کہ یہ ایک روحانی معاملہ تھا۔

اصل یہ ہے کہ انبیائے کرام (علیہم السلام) کے احوال و واردات ایک ایسے عالم سے تعلق رکھتے ہیں جن کے لیے ہماری عام تعبیرات کام نہیں دے سکتیں۔ ہمارا کوئی تعبیر کسی ایسی حالت کا تصور پیدا کر دے گی جو عام طور پر ہمیں پیش آتی رہتی ہیں لیکن انبیاء کرام کو جو حالات پیش آتے ہیں، اُن کی نوعیت ہی دوسری ہوتی ہے۔ وہ ہمارے محسوسات و مفہومات کے دائرہ سے باہر کے معاملات ہیں۔

خود نبوت کی حقیقت کیا ہے؟ وحی کا معاملہ کیونکر انجام پاتا ہے؟ کیا اس بارے میں ہماری کوئی تعبیر بھی حقیقت حال کی کامل

اصل حقیقت کے مقابلہ میں بہت ہی تھوڑا ہے۔ وہ اس سمندر میں چند قطروں سے زیادہ نہیں، اور تمہیں اسی پر قناعت کرنا چاہیے انسان کے علم و ادراک کی حقیقت کیا ہے؟ یہ کہ اسے حواس دئے گئے ہیں۔ انہی کے ذریعے وہ محسوسات کا ادراک حاصل کرتا ہے لیکن خود محسوسات کے دائرہ کا کیا حال ہے؟ یہ کہ کائنات ہستی کے سمندر میں ایک قطرہ سے زیادہ نہیں، پھر اگر انسان تمام عالم محسوسات کا علم حاصل بھی کرلے تو اسکی مقدار حقیقت کے مقابلہ میں کیا ہوگی؟ ایک قطرہ کا علم اس سے زیادہ نہیں۔ اور حالت یہ ہے کہ انسان محسوسات کے بھی کامل علم کا دعویٰ نہیں کرسکتا۔ وہ ہمیشہ اسی ایک قطرہ کے لئے پیاسا رہا، اور آج تک پیاسا ہے

اس پہلو پر بھی نظر ہے کہ فرمایا من امر ربی۔ میرے پروردگار کے حکم سے، یعنی وہ پروردگار ہے اور پروردگاری یہی چاہتی تھی کہ یہ جوہر پیدا ہو۔

اعتراضوں کی فرمائش اور قرآن کا جواب

(۹) آیت (۸۹) سے (۹۶) تک جو بات بیان کی گئی ہے، وہ اگرچہ پچھلی سورتوں میں بھی گزر چکی ہے اور آئندہ بھی آئے گی لیکن یہاں زیادہ تفصیل کے ساتھ بیان کی گئی ہے اور مہمات معارف میں سے ہے۔

قرآن نے جابجا منکرین حق کے عقاید و اقوال نقل کرکے دو خاص گمراہیوں پر توجہ دلائی ہے۔

ایک یہ کہ لوگ سمجھتے ہیں، روحانی ہدایت کا سلسلہ ایک ایسا سلسلہ ہے جو محض ایک انسان کے ذریعے ظاہر نہیں ہوسکتا ضروری ہے کہ انسانیت سے کوئی بالاتر ہستی ہو۔ اسی خیال نے دیوتاؤں کے ظہور اور ان کی عجائب آفرینیوں کا اعتقاد پیدا کیا۔ چنانچہ سورۂ اعراف اور ہود میں گذر چکا ہے کہ ہر داعی حق کے منکروں نے یہ بات ضرور کہی: ما نراک الا بشرا مثلنا۔ تم تو ہماری ہی طرح کے ایک بشر ہو۔ پھر تمہارا یہ دعویٰ کیسے مان لیں۔ مشرکین مکہ بھی یہی کہتے تھے۔ مالھذا الرسول یاکل الطعام و یمشی فی الاسواق۔ یہ کیسا خدا کا فرستادہ ہے کہ ہماری طرح کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے۔

دوسری یہ کہ سچائی کو خود سچائی میں نہیں ڈھونڈھتے۔ چیزوں اور کرشموں کی ڈھونڈھ میں رہتے ہیں، اور سمجھتے ہیں، جو آدمی سب سے زیادہ عجیب قسم کی باتیں کر دکھائے، وہی سب سے زیادہ سچائی کی بات بتلانے والا ہے! گویا سچائی اس سے سچائی نہ ہوسکی کہ وہ سچائی ہے۔ کیونکہ اس لئے کہ عجیب عجیب طرح کے کرشمے اس کے پیچھے کھڑے ہیں!

چنانچہ یہاں بھی فرمایا۔ ولقد صرفنا فی ھذا القرآن من کل مثل فابی اکثر الناس الا کفورا۔ ہم نے قرآن میں عبرت و موعظت کی تمام باتیں دہرا دہرا کر بیان کردیں، مگر یہ باتیں انہی کے دلوں کو پکڑ سکتی ہیں جن میں سچائی کی طلب ہے ورنہ اکثروں کا یہ حال ہے کہ انکار و سرکشی میں بڑھے ہی چلے جاتے ہیں پھر ان کی انکار و سرکشی کی باتیں نقل کی ہیں فرمایا وہ کہتے ہیں ہم تو جبھی مانیں گے جب تم ہمیں اس اس طرح کی باتیں کر دکھاؤ۔ مثلاً مکہ کی ریگستانی زمین میں اچانک ایک نہر پھوٹ نکلے۔ آسمان کے ٹکڑے ہوکر گر پڑیں۔ اللہ اور اس کے فرشتے ہمارے سامنے آجائیں۔ سونے کا ایک بنا بنایا محل نمودار ہوجائے تم ہمارے سامنے آسمان پر چڑھ دوڑو اور وہاں سے ایک لکھی لکھائی کتاب لاکر ہمارے ہاتھوں میں پکڑا دو۔ پھر پیغمبر اسلام کو حکم دیا ہے کہ ان فرمائشوں کے جواب میں کہہ دو: سبحان ربی! ھل کنت الا بشرا رسولا! میرے پروردگار کے لئے پاکی ہو! میری حیثیت اس کے سوا کیا ہے کہ ایک آدمی ہوں خدا کا بھیجا ہوا۔

دعویٰ اور دلیل کی مطابقت

سبحان اللہ قرآن کی معجزانہ بلاغت! کہ اس جملہ کے اندر وہ سارے دفتر آگئے جو انکار و سرکشی کی ان صداؤں کے جواب میں کہے جاسکتے تھے، ھل کنت الا بشرا رسولا۔ میں نے کچھ خدائی کا دعویٰ نہیں کیا ہے میں نے یہ نہیں کہا ہے کہ آسمان کو زمین اور زمین کو آسمان بنا دینے والا ہوں۔ اور دنیا کی ساری قوتیں میرے تصرف و اختیار میں ہیں۔ میرا دعویٰ جو کچھ ہے وہ تو یہ ہے کہ ایک آدمی ہوں، پیام حق پہنچانے والا پھر تم مجھ سے یہ فرمائشیں کیوں کرتے ہو؟ کیوں میرے لئے ضروری ہو کہ میں سونے کا محل دکھاؤں اور آسمان پر سیڑھی لگا کر چڑھ جاؤں؟

اس جملہ پر غور کرو جس پر جواب کا اصلی زور پڑ رہا ہے۔

اگر ایک شخص نے کسی بات کا دعویٰ کیا ہے تو ہم دیکھیں گے اس کا دعویٰ کیا ہے اور اسی کے مطابق اس سے دلیل مانگیں گے مگر اس شخص نے دعویٰ کیا ہے کہ لوہار ہے۔ تو ہم دیکھیں گے کہ وہ لوہے کا سامان بنا سکتا ہے یا نہیں؟ اگر

میں پڑگیا ہے تو اس کے لئے کھٹکا ہی کھٹکا ہے۔ اسکی خوش حالیاں کبھی پائدار نہیں ہوسکتیں۔ پھر جب ایسا ہوتا ہے کہ اس کی کوششیں کامیاب نہیں ہوتیں تو بجائے اس کے کہ اپنی طلب وسعی میں اور زیادہ سرگرم ہوجائے' یک قلم مایوس ہوجاتا ہے اور سمجھنے لگتا ہے' اب میرے لئے کچھ نہیں ہا۔ حالانکہ نہیں جانتا کہ اس کے لئے سب کچھ ہے' بشرطیکہ ہمت نہ ہارے' اور اللہ کے فضل وکرم سے مایوس نہ ہو۔

کتنے ہی انسان ہیں جنہوں نے خوش حالیاں پائیں' لیکن ان کی خوش حالیاں بدحالیوں سے بدل گئیں کیونکہ غفلت میں پڑگئے' اور خوش حالی کی قدر نہ کی کتنے ہی ناکام انسان ہیں جو اچانک کامیاب ہوگئے کیونکہ ناکامیاں انہیں مایوس نہ کرسکیں اور کسی حال میں بھی وہ خدا کے فضل سے ناامید نہ ہوئے۔

فی الحقیقت انسانی سعی وطلب کی ساری نامرادیاں انہی دو دروازوں سے آتی ہیں۔ غفلت اور مایوسی۔ کامرانیوں اور خوش حالیوں کے متوالے غفلت کے زہر سے مرتے ہیں اور ناکامیوں اور بدحالیوں کے نامراد مایوسی کے زہر سے جس فرد اور گروہ نے ان دو ہلاکتوں سے اپنی نگرانی کرلی' اس نے فلاح وسعادت کی ساری دولتیں پالیں۔ اسکی کامرانیوں کے لئے کبھی زوال نہ ہوگا۔ اس کی سعی وطلب ہمیشہ بارآور ہوکر رہیگی۔

مادیات کی طرح روحانیات میں بھی یہی قانون کام کررہا ہے۔ دنیا کی طرح آخرت کی محرومیاں بھی انہی دو مہلک راہوں سے آتی ہیں۔ عابدوں اور پارساؤں کے لئے گھمنڈ میں موت ہے اور گناہگاروں کے لئے مایوسی میں۔ جو نیک و پارسا ہوکر غرور میں مبتلا ہوگیا۔ اس نے اپنی پارسائی کی ساری کمائی ضائع کردی۔ جو گناہوں کے بوجھ سے دب کر مایوسی میں پڑ گیا۔ اس نے رحمت الٰہی کی چارہ سازیوں سے اپنے کو محروم کردیا جس نے غرور سے ان دونوں ہلاکتوں سے اپنی نگہداشت کرلی' پارسائی کی کمائی پر مغرور نہ ہوا' نافرمانی وگناہ کی حالت میں مایوس نہ ہوا' اس نے جاودانی سعادت پالی۔ اور اس کے لئے نامرادی کا کوئی کھٹکا باقی نہ رہا۔

(۱) عربی میں "شکل" بکسر کے معنی ہیئت کے ہیں اور "شکل" بالفتح کے معنی طریقہ کے۔ چنانچہ ایسے راستے کو جس سے بہت سی راہیں ادھر ادھر نکلی ہوں طریق ذوشواکل کہتے ہیں اور بول چال میں عام طور پر کہا جاتا ہے لست علیٰ شکلی ولا علیٰ شاکلتی پس آیت کل یعمل علیٰ شاکلتہ' فربکم اعلم بمن ھو اھدیٰ سبیلا (۸۴) کا مطلب یہ ہوا کہ دنیا میں ہر انسان کا کوئی نہ کوئی طریقہ ہے اور وہ اسی کے مطابق کام کررہا ہے۔ کوئی اس طرف جارہا ہے کوئی اس طرف کسی نے ایک ڈھنگ اختیار کیا ہے کسی نے دوسرا کسی کو ایک طرح کی بات بھاتی ہے کسی کو دوسری طرح کی اور اللہ جانتا ہے۔ کون سیدھی راہ پر ہے۔ کون کامیاب ہونے والا ہے۔

بعض مفسرین نے "شاکلہ" کو "جبلت" کے معنوں میں لیا ہے یعنی ہر آدمی کی ایک فطری بناوٹ ہے اور وہ اسی کے مطابق کام کرتا ہے لیکن مندرجہ صدر تصریح سے واضح ہوگیا کہ شاکلہ کے معنی جبلت کے نہیں ہوسکتے۔ طریقہ اور مسلک کے ہیں۔

---

(۲) ترمذی' نسائی اور مسند میں ہے کہ قریش مکہ نے علماء یہود سے سن کر یہ سوال کیا تھا کہ روح کیا ہے؟ اس پر آیت اتری: ویسئلونک عن الروح۔ قل الروح من امر ربی (۸۵) تورات اور انجیل میں "روح" کا لفظ فرشتہ کے لئے بولا گیا ہے اور قرآن نے فرشتہ اور وحی دونوں کے لئے استعمال کیا ہے۔ پس یہاں "الروح" سے مقصود جسم انسانی کی روح ہے' یا فرشتہ؟ اس بارے میں ائمہ تفسیر کی رائیں مختلف ہوئیں لیکن اکثر مفسر اس طرف گئے ہیں کہ یہاں "الروح" سے مقصود جسم انسانی کی روح ہے۔ نہ کہ فرشتہ بہرحال سوال دونوں کی نسبت ہوسکتا ہے۔ اور جواب بھی دونوں کے لئے بطابقت رکھتا ہے اور آیت کی اصلی موعظت سوال کی تفصیل میں نہیں ہے جواب کی نوعیت میں ہے فرمایا من امر ربی۔ اس معاملہ کے لئے جو کچھ بھی تمہیں بتلایا جاسکتا ہے وہ یہ ہے کہ اللہ کا حکم کام کررہا ہے۔ اس سے زیادہ تم پا نہیں سکتے۔ اور اس سے زیادہ پانے کی کاوش کیوں کرو؟ وما اوتیتم من العلم الا قلیلا۔ تمہارا دائرہ علم نہایت محدود ہے تم اپنے محدود ادراک میں ایک خاص حد سے آگے بڑھ نہیں سکتے۔ تم علم میں سے جو کچھ پاسکتے ہو وہ

نہ ماننے کے لئے کوئی بات بنالے، وہ طرح طرح کی باتیں ادھر ادھر کی نکالنے گا۔ کبھی ایک بات کہے گا۔ کبھی دوسری پہلے کسی ایک بات پر زور دے گا کہ اس کا جواب کیا ہے؟ جب اس کا جواب مل جائے گا تو کوئی دوسری بات ڈھونڈ نکالے گا اور کہے گا اس کا جواب تمہارے پاس کوئی نہیں یہاں تک کہ اگر تم اس کی ساری کٹ حجتیوں کا جواب دیدو، اور ساری شرطیں اور فرمائشیں پوری کردو، جب بھی وہ کوئی نہ کوئی اور بات ڈھونڈ نکالے گا، اور راست بازی کی راہ کبھی نہیں چلے گا۔ چنانچہ قرآن نے جا بجا منکروں کی اس حالت کا ذکر کیا ہے۔ اور واضح کیا ہے کہ وہ کبھی ماننے والے نہیں۔ اگر ماننے والے ہوتے تو اس طرح کی روش کبھی اختیار نہ کرتے۔ سورۂ انعام کی آیت (۱۱۱) میں گزر چکا ہے: ولو اننا نزلنا الیھم الملٰئکۃ، و کلمھم الموتی، وحشرنا علیھم کل شیٔ قبلا، ما کانوا لیؤمنوا، الا ان یشآء اللہ ولکن اکثرھم یجھلون!

ان آیات میں ان کے جو اقوال نقل کئے ہیں، ان پر غور کرو۔ پہلے کہا، نہر بہادو، باغ اگادو، سونے کا محل لا دکھاؤ۔ خود اللہ اور اس کے فرشتوں کو ہمارے سامنے لا کھڑا کرو۔ پھر کہا آسمان پر چڑھ جاؤ۔ لیکن کیا آسمان پر چڑھ جانا کافی ہوگا؟ نہیں اس پر بھی وہ ماننے والے نہیں۔ یہ بھی ہونا چاہئے وہاں سے ایک لکھی لکھائی کتاب اپنی سامنے سے اترے ہوئے واپس آؤ۔ اور پھر وہ لکھی ہوئی بھی ایسی ہو کہ وہ خود اسے پڑھ کر جانچ لیں۔ تب کہیں جا کر ان کی شرط پوری ہوگی۔ ظاہر ہے کہ کسی راست باز آدمی کی زبان سے ایسی باتیں نہیں نکل سکتیں اس کے معنی صریح یہی تھے کہ وہ کبھی ماننے والے نہیں۔

برہان رحمت اور حیات اخروی

(ز) آیت (۱۰۰) میں حیات اخروی پر رحمت الٰہی کی وسعت سے استدلال کیا ہے اس کی حقیقت سمجھ لینی چاہئے

انسان کی زندگی کیا ہے؟ قرآن کہتا ہے اللہ کی رحمت کا فیضان ہے۔ یہ رحمت ہے جو چاہتی تھی کہ وجود ہو، یہ وجود ہو، حسن ہو، کمال ہو، اور اس لئے سب کچھ ظہور میں آگیا۔

اچھا اگر رحمت الٰہی کا یہ مقتضی ہوا کہ انسان کو زندگی ملی تو کیا اسی رحمت کا مقتضی یہ نہیں ہونا چاہئے کہ زندگی جس حد تک بھی نہ ہو۔ اس کے بعد بھی ہو۔ رحمت کا فیضان برابر جاری ہے؟ اس کی حکمت ابدی ہے پھر کیا اس کا فیضان دائمی نہ ہوگا؟ اگر دائمی ہونا چاہئے تو کیوں انسانی زندگی اس سے محروم ہو جائے؟ کیوں اس گوشہ میں کہ خود جانداروں کی سب سے بلند گوشہ ہے وہ ایک بہت ہی محدود اور حقیر حد سے آگے نہ بڑھے؟

انسان کی دنیوی زندگی کی مقدار کیا ہے؟ محض چند گنے ہوئے دنوں کی زندگی پھر کیا خدا کی رحمت کا فیضان اتنا ہی تھا کہ چار دن کی زندگی دیا کرے۔ اور وہ ہمیشہ کے لئے ختم ہو جائے اس سے زیادہ وہ کچھ نہیں دے سکتی تھی؟

چنانچہ فرمایا۔ قل لو انتم تملکون خزآئن رحمۃ ربی اذا لامسکتم خشیۃ الانفاق! ان منکروں سے کہدو اگر میرے پروردگار کی رحمت کے خزانے میرے قبضہ میں ہوتے تو ضرور تم ہاتھ روک روک کے خرچ کرتے کہ کہیں خرچ نہ ہو جائے۔ لیکن وہ تمہارے قبضہ میں نہیں ہیں۔ وہ اس کے قبضہ میں ہیں جس کی بخشش کی کوئی انتہا نہیں۔ جس کے خزانے کبھی ختم ہونے والے نہیں جس کا فیضان دائمی اور لگاتار ہے!

اس مقام کے سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ تفسیر فاتحہ کے مبحث "برہان فضل و رحمت" کا مطالعہ کیا جائے تفسیروں میں یہ چیز نہیں ملے گی۔

وحدت مسمی اور کثرت اسماء

(ح) آیت (۱۱۰) قل ادعوا اللہ او ادعوا الرحمٰن ایا ما تدعوا، فلہ الاسمآء الحسنیٰ میں ایک بہت بڑی حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے، اور افسوس ہے کہ لوگوں کی نظر بحث و تفسیر میں اس طرف نہیں گئی

دنیا میں انسان کے اکثر اختلافات محض لفظ و صورت کے اختلافات ہیں۔ وہ معنی پر نہیں لڑتا۔ لفظ پر لڑتا ہے۔ بسا اوقات ایک ہی حقیقت سب کے سامنے ہوتی ہے لیکن چونکہ نام مختلف رکھتے ہیں، صورتیں مختلف ہوتی ہیں، اسلوب اور ڈھنگ مختلف ہوتے ہیں، اس لئے ہر انسان دوسرے انسان سے لڑنے لگتا ہے اور نہیں جانتا کہ یہ

ایک شخص نے دعوٰی کیا ہے کہ طبیب ہے، تو ہم دیکھیں گے کہ علاج میں ماہر ہے یا نہیں اور بیماروں کو اس سے شفا ملتی ہے یا نہیں ایسا نہیں کریں گے کہ کسی نے دعوٰی تو کیا ہو طبابت کا اور ہم اس سے دلیل وہ مانگنے لگیں جو آپ لوہار سے مانگنی چاہئے یعنی کہیں ہمیں لوہے کے شہتیر بنا کر دکھا دو۔ اگر ایسا کہنے لگے تو یہ صریح بے عقلی کی بات ہوگی۔ یہ بات یعنی دعوٰی اور دلیل کی مطابقت ایک ایسی عام اور قدرتی بات ہے کہ ہر آدمی خواہ کتنی ہی موٹی عقل کا ہو خود اسے پالیتا ہے۔ جونہی ایک آدمی کہے گا میں لوہار ہوں وہ سنتے ہی فرمائش کر دے گا کہ قفل بنا دو کبھی اس کی زبان سے نہیں نکلے گا کہ شیشے کا برتن بنا دو۔

اچھا ایک انسان آتا ہے اور کہتا ہے میں رسول ہوں۔ پیام حق پہنچانے والا ہوں۔ اب اس کا دعوٰی کیا ہوا؟ یہ کہ خدا نے اس پر سچائی کی راہ کھول دی ہے اور وہ دوسروں کو بھی اسی راہ چلانا چاہتا ہے۔ جب دعوٰی یہ ہوا تو اسی کے مطابق دلیل بھی ہونی چاہئے، قدرتی حد پر اسکی دلیل یہی ہو سکتی ہے کہ دیکھا جائے وہ سچائی کی راہ پر ہے یا نہیں اور اس کی بتلائی ہوئی راہ پر چل کر سچائی ملتی ہے یا نہیں۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ دعوٰی تو اس نے سچائی کی راہ دکھانے کا کیا ہو، اور ہم دلیل یہ مانگنے لگیں کہ سیارہ کو سونا بنا دے یا آسمان پر اڑ کر چلا جائے؟

طبیب کہتا ہے میں بیماروں کو چنگا کر دیتا ہوں اور ہم دیکھتے ہیں کہ علاج سے بیمار چنگے ہوتے ہیں یا نہیں اسی طرح خدا کا رسول کہتا ہے میں روح و دل کی بیماریاں دور کر دیتا ہوں اور اگر ہم طالب حق ہیں تو ہمیں دیکھنا چاہئے کہ اس کے علاج سے روح و دل کے مریض کو شفا ملتی ہے یا نہیں؟ اگر ہر حکمت سے کہیں بڑا دعوٰی ہم کبھی نہ مانیں گے جب تو آسمان پر اڑ کر چلا جائے تو یقیناً وہ کہے گا میں نے طبابت کا دعوٰی کیا ہے آسمان پر اڑنے کا نہیں کیا ہی ہو سکتا ہے طبیب کے اڑنے کی بھی کافت دیں لیکن طبابت کے دعوے کا اڑنے سے کیا واسطہ؟ اگر میرا دعوٰی پرکھنا چاہتے ہو تو آؤ معیار علاج پر کس کے اپنی طبابت کا ثبوت دے دوں۔

ٹھیک یہی معنی اس جواب کے ہیں کہ ھل کنت الا بشرًا رسولا۔ میں نے یہ کب کہا ہے کہ آسمان میں کے قلابے ملا دوں گا؟ میرا دعوٰی تو صرف یہ ہے کہ پیام حق پہنچانے والا ہوں۔ اس طالب حق سو تو میرا سلام پرکھ لو۔ میرے پاس نسخہ شفا ہے کہ نہیں؟ میں صراط مستقیم پر چلا سکتا ہوں کہ نہیں؟ میں تمہارا ہادی اور حق نما ہوں کہ نہیں

پھر اس جواب میں صرف یہی نہیں کہ میں رسول ہوں بلکہ "بشرًا" کے لفظ پر بھی زور دیا کیونکہ یہ جہالت منکروں کے دماغ میں کام کر رہی تھی، وہ یہی تھی کہ ایک آدمی جس میں کوئی مافوق انسانیت کی شان نہیں پایا جاتا، خدا کا فرستادہ کیسے ہو سکتا ہے اور کیوں ہم اس پر ایمان لائیں؟ فرمایا، میں تو اس کے سوا کچھ نہیں ہوں کہ ایک آدمی ہوں۔ پیام حق پہنچانے والا آدمی۔ میں نے یہ دعوٰی نہیں کیا کہ فرشتہ ہوں، یا کوئی ماورا انسانیت مخلوق۔

اس کے بعد فرمایا: وما منع الناس ان یومنوا اذ جاءھم الھدٰی الا ان قالوا ابعث اللہ بشرًا رسولا۔ جب کبھی دنیا میں خدا کی ہدایت نمودار ہوئی، ہمیشہ اسی جہالت فاسدہ نے لوگوں کو قبولیت حق سے روکا کہ کہنے لگے کیا خدا نے ایک آدمی کو پیغمبر بنا کر بھیجا ہے؟ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ہماری ہی طرح کا آدمی کھانے پینے والا آدمی خدا کا پیغمبر ہو جائے۔ پھر اس کا جواب دیا ہے کہ قل لو کان فی الارض ملٰئکۃ یمشون مطمئنین لنزلنا علیھم من السماء ملکا رسولا۔ اگر زمین میں انسانوں کی جگہ فرشتے بسے ہوتے تو ان کی ہدایت کے لئے فرشتے ہی اترتے لیکن چونکہ انسان بسے ہیں اور انسانوں ہی کی ہدایت مقصود ہے پس ان کی ہدایت کی صدائیں انسانوں ہی کی زبان سے نکلیں گی۔ فرشتے نہیں اتر سکتے، اور نہ کبھی فرشتے اترے ہیں۔

یہ بھی واضح رہے کہ منکروں کی یہ فرمائشیں حجت و برہان کے طلب میں نہ تھیں، بلکہ محض سرکشی اور ہٹ دھرمی کی باتیں تھیں جو اس لئے کہی جاتی تھیں کہ کوئی نہ کوئی بات کہہ کر اپنے انکار کے لئے سہارا پیدا کیا جائے۔ اور ہمیشہ راست بازوں کے مقابلہ میں نہ ماننے والوں کا ایسا ہی طرز عمل رہا ہے۔ جب کبھی سچائی کی کوئی بات کہی جاتی ہے، تو طالب حق کہنے والے [illegible] اور کسی طرف نہیں جاتیں۔ خود اسی بات پر غور کرتی ہیں، اور جب سچائی پا لیتی ہیں [illegible] کر لیتی ہیں۔ لیکن ایک سرکش اور ہٹ دھرم آدمی کبھی ایسا نہیں کرتا۔ وہ پہلے سے طے کر لیتا ہے کہ کبھی مانے [illegible] پھر کوشش کرتا ہے کہ [illegible]

سُوْرَۃُ الْکَھْفِ (۱۸)

مکی - ۱۱۰ - آیات

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ عَلٰی عَبْدِہِ الْکِتٰبَ وَلَمْ یَجْعَلْ لَّہٗ عِوَجًا ۜ قَیِّمًا لِّیُنْذِرَ بَاْسًا شَدِیْدًا ۱
مِّنْ لَّدُنْہُ وَیُبَشِّرَ الْمُؤْمِنِیْنَ الَّذِیْنَ یَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَھُمْ اَجْرًا حَسَنًا ۝ مَّاکِثِیْنَ فِیْہِ ۲
اَبَدًا ۝ وَّیُنْذِرَ الَّذِیْنَ قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰہُ وَلَدًا ۝ مَا لَھُمْ بِہٖ مِنْ عِلْمٍ وَّلَا لِاٰبَآئِھِمْ ۭ کَبُرَتْ کَلِمَۃً ۳-۴
تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاھِھِمْ ۭ اِنْ یَّقُوْلُوْنَ اِلَّا کَذِبًا ۝ فَلَعَلَّکَ بَاخِعٌ نَّفْسَکَ عَلٰٓی اٰثَارِھِمْ اِنْ لَّمْ ۵
یُؤْمِنُوْا بِھٰذَا الْحَدِیْثِ اَسَفًا ۝ اِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَی الْاَرْضِ زِیْنَۃً لَّھَا لِنَبْلُوَھُمْ اَیُّھُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ۝ ۶-۷

(۱) سچائی کے لئے دنیا کی عالمگیر نظیر یہ ہے کہ وہ سیدھی بات ہے اس میں ٹیڑھ پن نہیں۔

جس بات میں کبھی ہو، پیچ و خم ہو، الجھی ہوئی ہو، وہ سچائی کی بات نہیں ہو سکتی۔

یہی، وجہ ہے کہ قرآن نے سعادت کی راہ کو صراط مستقیم سے تعبیر کیا، اور ہر جگہ وہ اپنا وصف یہ بیان کرتا ہے کہ اس میں کوئی بات بھی کجی کی بات نہیں ہے وہ اپنی ہر بات میں دنیا کی زیادہ سے زیادہ سیدھی بات ہے!

چنانچہ اس سورت کی ابتدا میں بھی اسی حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے۔

اس کے بعد اس کے نزول کا مقصد واضح کیا کہ "تبشیر" اور "تنذیر" ہے۔ کیونکہ ہدایت وحی جب کبھی ظاہر ہوئی ہے، اسی لئے ظاہر ہوئی ہے کہ ایمان و عمل کے نتائج کی بشارت دے۔ انکار و بدعملی کے نتائج سے متنبہ کر دے۔

ساری ستائشیں اللہ کے لئے ہیں جس نے اپنے بندے پر الکتاب اتاری (یعنی قرآن اتارا) اور اس میں کسی طرح کی بھی کجی نہ رکھی۔ بالکل سیدھی بات! (ہر طرح کے پیچ و خم سے پاک!) اور اس لئے اتاری کہ لوگوں کو خبردار کر دے اللہ کی جانب سے ایک سخت ہولناکی (اتر آسکتی ہے) اور مومنوں کو جو اچھے اچھے کام کرتے ہیں خوشخبری دیدے کہ یقیناً ان کے لئے بڑی ہی خوبی کا اجر ہے ہمیشہ اس میں خوش حال رہیں گے! نیز ان لوگوں کو متنبہ کر دے جنہوں نے (ایسی سخت بات منہ سے نکالی کہ) کہا، اللہ بھی اولاد رکھتا ہے! اس بارے میں انہیں کوئی علم نہیں نہ ان کے باپ دادوں کے پاس کوئی علم تھا۔ کیسی سخت بات ہے جو ان کی زبانوں سے نکلتی ہے! یہ کچھ نہیں کہتے سر تا سر جھوٹ!

(اے پیغمبر!) تیری حالت تو ایسی ہو رہی ہے کہ جب لوگ یہ (واضح) بات بھی نہ مانیں تو عجب نہیں ان (کی ہدایت) کے پیچھے مارے افسوس کے اپنی جان ہلاکت میں ڈال دے (حالانکہ یہ ماننے والے نہیں)

روئے زمین میں جو کچھ بھی ہے اسے ہم نے زمین کی خوشنمائی کا موجب بنایا ہے اور اس لئے بنایا ہے کہ لوگوں کو آزمائش میں ڈالیں کون ایسا ہے جس کے کام سب سے زیادہ اچھے ہوتے ہیں۔

ساری لڑائی لفظ کی لڑائی ہے معنی کی لڑائی نہیں ہے۔ مولانا روم نے چار دوستوں کی نزاع کا قصہ سنایا ہے جن میں سے ہر شخص انگور کا خواہشمند تھا، لیکن چونکہ ایک آدمی "عنب" کہتا تھا، دوسرا "تاک" اس لئے تلواریں نیام سے نکل آئی تھیں۔

اگر دنیا صرف اتنی بات پالے تو نوع انسانی کے دو تہائی اختلافات جنہوں نے دائمی نزاعوں اور جنگوں کی صورت اختیار کر لی ہے۔ ہمیشہ کے لئے ختم ہو جائیں۔

اس آیت میں اور اسکی ہم معنی آیات میں اسی بات کی طرف اشارہ کیا ہے مشرکین عرب "اللہ" کے لفظ سے آشنا تھے، کیونکہ یہ لفظ پروردگار عالم کے لئے بطور اسم ذات کے قدیم سے مستعمل رہا ہے، لیکن دوسرے ناموں سے آشنا نہ تھے جن کا قرآن نے اس کی صفتوں کے لئے اعلان کیا تھا۔ مثلاً "الرحمن" رحمٰن کا لفظ بولا جاتا تھا۔ لیکن وہ نہیں جانتے تھے کہ اسے اللہ کے لئے بولنا چاہئے۔ پس جب ایسے اسماء سنتے تو متعجب ہوتے، اور طرح طرح کے اعتراضات کرتے۔ قرآن کہتا ہے، تم اسے اللہ کہکر پکارو یا "الرحمن" کہہ کر پکارو جس نام سے بھی پکارو، پکارا اسی کے لئے ہے اور ناموں کے تعدد سے حقیقت متعدد نہیں ہو جاسکتی۔ اس کا نام ایک ہی نہیں۔ اس کے بہت سے نام ہیں، لیکن جتنے نام ہیں حسن و خوبی کے نام ہیں۔ کیونکہ وہ سرتاسر حسن و کمال اور کبریائی و جلال ہے۔ تم ان ناموں میں سے کوئی نام بھی لو۔ تمہارا مقصود و مطلوب وہی ہوگا۔

عبارتنا شتی وحسنك واحد
وكل الى ذاك الجمال يشير!

ملک محمد شفیع مالک مکتبہ مصطفائی کشمیری بازار لاہور

عَلَيْهِمْ بِسُلْطٰنٍ بَيِّنٍ ۚ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ۝ ۱۵
وَاِذِ اعْتَزَلْتُمُوْهُمْ وَمَا يَعْبُدُوْنَ
اِلَّا اللّٰهَ فَاْوٗٓا اِلَى الْكَهْفِ يَنْشُرْ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِّنْ رَّحْمَتِهٖ وَيُهَيِّئْ لَكُمْ مِّنْ اَمْرِكُمْ مِّرْفَقًا ۝ ۱۶
وَتَرَى الشَّمْسَ اِذَا طَلَعَتْ تَّزٰوَرُ عَنْ كَهْفِهِمْ ذَاتَ الْيَمِيْنِ وَاِذَا غَرَبَتْ تَّقْرِضُهُمْ ذَاتَ الشِّمَالِ وَهُمْ فِيْ فَجْوَةٍ مِّنْهُ ۚ ذٰلِكَ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ ۚ مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ
وَلِيًّا مُّرْشِدًا ۝ ۱۷ ع ۱۲ وَتَحْسَبُهُمْ اَيْقَاظًا وَّهُمْ رُقُوْدٌ ۚ وَنُقَلِّبُهُمْ ذَاتَ الْيَمِيْنِ وَذَاتَ الشِّمَالِ ۚ
وَكَلْبُهُمْ بَاسِطٌ ذِرَاعَيْهِ بِالْوَصِيْدِ ۚ لَوِ اطَّلَعْتَ عَلَيْهِمْ لَوَلَّيْتَ مِنْهُمْ فِرَارًا

لئے کوئی (ٹھوس) دلیل پیش نہیں کرتے؟ (ان کے پاس تو کوئی دلیل نہیں) پھر اس سے بڑھ کر ظالم کون ہو ۱۵
سکتا ہے جو اللہ پر جھوٹ گھڑ کر بہتان باندھے؟"

(پھر وہ آپس میں کہنے لگے کہ) جب ہم نے ان لوگوں سے اور ان سے جنہیں یہ اللہ کے سوا پوجتے ہیں کنارہ کشی کر لی تو چاہیے کہ غار میں چل کر پناہ لیں۔ ہمارا پروردگار اپنی رحمت کا سایہ ہم پر پھیلائے گا، اور ہمارے ۱۶
اس معاملہ کے لئے (سامانِ) سروسامان مہیا کر دے گا۔"

اور وہ جس غار میں جا کر بیٹھے وہ اس طرح واقع ہوئی ہے کہ جب سورج نکلے تو تم دیکھو کہ ان کے دہنے جانب سے ہٹا ہوا رہتا ہے اور جب ڈوبے تو بائیں طرف کترا کر نکل جاتا ہے (یعنی کسی حال میں بھی اس کی شعاعیں اندر نہیں پہنچتیں) اور وہ اس کے اور ایک کشادہ جگہ میں پڑے ہیں۔ یہ اللہ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے (کہ انہوں نے حق کی خاطر دنیا اور دنیا کے سارے علائق چھوڑ دیے) جس کسی پر وہ (کامیابی کی) راہ کھول دے تو وہی راہ پر رہے اور جس پر گم کر دے تو تم کسی کو اس کا کارساز اس کا راہ دکھانے والا نہ پاؤ گے۔ ۱۰

اور تم انہیں دیکھو تو خیال کرو کہ یہ جاگ رہے ہیں (یعنی زندہ ہیں) حالانکہ وہ سوئے ہوئے ہیں (یعنی مُردہ ہیں) ہم انہیں دہنے بائیں پلٹتے رہتے ہیں (یعنی اُنکے رُخ پلٹتے رہتے ہیں) اور ان کا کتا چوکھٹ کی جگہ اپنے دونوں بازو پھیلائے بیٹھا ہے۔ اگر تم انہیں جھانک کر دیکھو تو اُلٹے پاؤں بھاگ کھڑے ہو

(۳۴) آیت (۹) سے اصحاب کہف کی سرگزشت شروع ہوئی۔ اس کی تشریح سورت کے آخری نوٹ میں ملے گی۔

فرمایا یہ چند نوجوان تھے جنہوں نے اللہ کی راہ میں ہجرت کیا تھا اور ایک پہاڑ کے غار میں جا چھپے تھے۔ کئی برسوں تک یہ اس میں پوشیدہ رہے۔ آبادی سے ان کا کوئی تعلق نہیں رہا۔ زندگی کی کوئی صدا ان کے کانوں تک نہیں پہنچتی تھی۔ پھر وہ اٹھائے گئے۔ یعنی ظاہر ہوئے اور یہ سارا معاملہ اس لئے ہوا کہ واضح ہو جائے، دونوں جماعتوں میں سے کونسی جماعت ایسی تھی جو وقت کے واقعات اور ان کے نتائج کا بہتر اندازہ کر سکی تھی۔

دو جماعتوں سے مقصود اصحاب کہف اور ان کی قوم، ملک کے لوگ ہیں۔

یعنی یا اسی تمام معاملہ کا محمل ہے، اس کے بعد اسکی ضروری تفصیلات آتی ہیں چنانچہ آیت (۱۳) میں فرمایا نحن نقص علیک نبأھم بالحق۔

(۱) ایک گمراہ اور ظالم قوم سے چند حق پرست نوجوانوں کا کنارہ کشی کر لینا اور ایک پہاڑ کے غار میں جا کر پوشیدہ ہو جانا۔ ان کی قوم پاستی تھی انہیں سنگسار کر دے یا جبراً اپنے دین میں واپس لے آئے انہوں نے دنیا چھوڑ دی مگر حق سے منہ نہ موڑا۔

وَاِنَّا لَجَاعِلُوْنَ مَا عَلَيْهَا صَعِيْدًا جُرُزًا ۝ اَمْ حَسِبْتَ اَنَّ اَصْحٰبَ الْكَهْفِ وَالرَّقِيْمِ كَانُوْا مِنْ اٰيٰتِنَا
عَجَبًا ۝ اِذْ اَوَى الْفِتْيَةُ اِلَى الْكَهْفِ فَقَالُوْا رَبَّنَآ اٰتِنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً وَّهَيِّئْ لَنَا مِنْ اَمْرِنَا
رَشَدًا ۝ فَضَرَبْنَا عَلٰٓى اٰذَانِهِمْ فِى الْكَهْفِ سِنِيْنَ عَدَدًا ۝ ثُمَّ بَعَثْنٰهُمْ لِنَعْلَمَ اَىُّ الْحِزْبَيْنِ اَحْصٰى
لِمَا لَبِثُوْٓا اَمَدًا ۝ نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ نَبَاَهُمْ بِالْحَقِّ ۭ اِنَّهُمْ فِتْيَةٌ اٰمَنُوْا بِرَبِّهِمْ وَزِدْنٰهُمْ
هُدًى ۝ وَّرَبَطْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اِذْ قَامُوْا فَقَالُوْا رَبُّنَا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَنْ نَّدْعُوَا مِنْ
دُوْنِهٖٓ اِلٰهًا لَقَدْ قُلْنَآ اِذًا شَطَطًا ۝ هٰٓؤُلَاۗءِ قَوْمُنَا اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اٰلِهَةً ۭ لَوْلَا يَاْتُوْنَ

(۲) یہ سورت بھی مکی عہد کی آخری سورتوں میں سے ہے یہ وہ وقت تھا کہ مشرکوں کی سرکشی انتہائی حد تک پہنچ چکی تھی اور پیغمبر اسلام کا قلب مبارک لوگوں کی شقاوت و محرومی سے بڑا ہی دلگیر ہو رہا تھا، ان کے جوش دعوت اصلاح یہ حال تھا کہ چاہتے تھے ہدایت گھونٹ کر پلا دیں اور منکروں کا یہ حال تھا کہ سیدھی سے سیدھی بات بھی ان کے دلوں کو نہیں پکڑتی۔

انبیاء کرام ہدایت اصلاح کے طرف طالب ہی نہیں ہوتے عاشق ہوتے ہیں۔ ان کی گمراہی ان کے دلوں کا ناسور ہوتی ہے اور انسان کی ہدایت سے بڑھ کر ان کے دل کے ایک ایک رقبہ کا عشق اس سے بڑھ کر ان کے لئے کوئی عگبنی نہیں ہو سکتی کہ ایک انسان بھائی سے منہ موڑے اس سے بڑھ کر ان کے لئے کوئی شادمانی نہیں ہو سکتی کہ ایک گمراہ قدم راہ راست پر آجائے:

قرآن میں اس صورت حال کی جا بجا شہادتیں ملتی ہیں یہاں آیت (۶) میں اسی طرف اشارہ کیا ہے۔ ان کی یہ گمراہی عجب نہیں تجھے شدت غم سے بے حال کر دے، لیکن جو گمراہی میں ڈوب چکے ہیں وہ کبھی اچھلنے والے نہیں پھر اس کے بعد آیت ۷، میں واضح کیا ہے کہ قانون الٰہی اس بارے میں ایسا ہی واقع ہوا ہے یہ دنیا آزمایش گاہ عمل ہے یہاں جو چیز کار آمد نہیں ہوتی چھانٹ دی جاتی ہے۔ پس جن لوگوں نے اپنی ہستی خراب کر دی ہے ضروری ہے کہ چھانٹ دیے جائیں۔ ان کی محرومی پر غم کرنا لاحاصل ہے۔

اور پھر ہم ہی ہیں کہ جو کچھ زمین پر ہے اسے نابود کر کے چٹیل میدان بنا دیتے ہیں۔

(اے پیغمبر) کیا تو خیال کرتا ہے کہ غار اور رقیم والے ہماری نشانیوں میں سے کوئی عجیب نشانی تھے؟

جب ایسا ہوا تھا کہ چند جوان غار میں جا بیٹھے تھے اور انہوں نے دعا کی تھی پروردگار! تیرے حضور سے ہم پر رحمت ہو اور تو ہمارے اس کام کے لیے کامیابی کا سامان مہیا کر دے"۔ پس غار میں کئی برسوں تک ہم نے ان کے کان (دنیا کی طرف سے) بند کر رکھے پھر انہیں اٹھا کھڑا کیا تاکہ واضح ہو جائے دونوں جماعتوں میں سے کون ہے جو گذری ہوئی مدت کا زیادہ بہتر طریقہ پر احاطہ کر سکتا ہے۔

(اے پیغمبر) ہم ان لوگوں کی خبر ٹھیک ٹھیک سچائی کے ساتھ بیان کر دیتے ہیں، وہ چند نوجوان تھے کہ اپنے پروردگار پر ایمان لائے تھے، ہم نے انہیں ہدایت میں زیادہ مضبوط کر دیا۔ اور ان کے دلوں کی رہبری (استقامت میں) بندش کر دی۔ وہ جب (راہ حق میں) کھڑے ہوئے تو انہوں نے اصاف صاف کہہ دیا۔ "ہمارا پروردگار تو وہی ہے جو آسمان و زمین کا پروردگار ہے۔ ہم اس کے سوا کسی اور معبود کو پکارنے والے نہیں۔ اگر ہم ایسا کریں، تو یہ بڑی ہی بے جا بات ہوگی"۔

یہ ہماری قوم کے لوگ ہیں جو اللہ کے سوا دوسرے معبودوں کو پکڑ بیٹھے ہیں وہ اگر معبود ہیں تو کیوں ان کے

الَّذِيْنَ غَلَبُوْا عَلٰٓى اَمْرِهِمْ لَنَتَّخِذَنَّ عَلَيْهِمْ مَّسْجِدًا ۝ سَيَقُوْلُوْنَ ثَلٰثَةٌ رَّابِعُهُمْ كَلْبُهُمْ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ ۲۱
خَمْسَةٌ سَادِسُهُمْ كَلْبُهُمْ رَجْمًۢا بِالْغَيْبِ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ سَبْعَةٌ وَّثَامِنُهُمْ كَلْبُهُمْ ۭ قُلْ رَّبِّيْٓ اَعْلَمُ بِعِدَّتِهِمْ مَّا
يَعْلَمُهُمْ اِلَّا قَلِيْلٌ ۣ فَلَا تُمَارِ فِيْهِمْ اِلَّا مِرَآءً ظَاهِرًا ۠ وَّلَا تَسْتَفْتِ فِيْهِمْ مِّنْهُمْ اَحَدًا ۝ وَلَا تَقُوْلَنَّ ع ۲۲
لِشَايْءٍ اِنِّىْ فَاعِلٌ ذٰلِكَ غَدًا ۝ اِلَّآ اَنْ يَّشَاۗءَ اللّٰهُ ۭ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ اِذَا نَسِيْتَ وَقُلْ عَسٰٓى اَنْ يَّهْدِيَنِ رَبِّيْ ۲۳ ۳
لِاَقْرَبَ مِنْ هٰذَا رَشَدًا ۝ وَلَبِثُوْا فِيْ كَهْفِهِمْ ثَلٰثَ مِائَةٍ سِنِيْنَ وَازْدَادُوْا تِسْعًا ۝ قُلِ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثُوْا ۲۴ ۲۵

پانچ تھے بعض کہتے ہیں سات تھے۔ مگر یہ سب اندھیرے میں تیر چلانے ہیں حقیقت حال اللہ ہی کو معلوم ہے، اور جو کہنے کی یہ بات نہیں ہے کہ ان کی تعداد کتنی تھی؟ دیکھنا چاہئے کہ ان کی حق پرستی کا کیا حال تھا؟

آیت (۲۲) میں فرمایا جو کھلی ہوئی اور پکی بات ہے وہ تذکیر و عبرت کے لئے کفایت کرتی ہے۔ اس سے زیادہ کاوش میں نہ پڑو، اور نہ بحث و نزاع کرو اور نہ کبھی کسی ایسی بات کے لئے جس کا علم اللہ ہی کو ہے زور دے کر کہو کہ میں ضرور ایسا کر کے رہوں گا۔ یہ اللہ کے ہاتھ ہے کہ جتنی باتیں چاہے، وحی کے ذریعے بتلا دے۔ فہمی احمدی انسان کی کاوشیں کچھ کام نہیں دے سکتیں۔

(۲۳) آیت (۲۴) میں اس طرف اشارہ ہے کہ عنقریب ایسا ہی معاملہ تمہیں پیش آنے والا ہے یعنی اپنی قوم سے راہ حق میں کارکشی کرو گے اور غار ثور میں کئی دن تک مقیم رہو گے۔ پھر تم پر فتح و کامرانی کی ایسی راہ کھولی جائے گی جو اس معاملہ سے بھی کہیں عظیم تر ہوگی۔

کہ معاملات پر غالب آ گئے تھے، کہا ٹھیک ہے، ہم ضرور ان کے مرقد پر ایک عبادت گاہ بنائیں گے" ۲۱

کچھ لوگ کہیں گے، غار والے تین آدمی تھے۔ چوتھا ان کا کتا تھا کچھ لوگ ایسا بھی کہتے ہیں نہیں پانچ تھے، چھٹا ان کا کتا تھا۔ یہ سب اندھیرے میں تیر چلاتے ہیں بعض کہتے ہیں، سات تھے آٹھواں ان کا کتا۔ (اے پیغمبر!) کہدے "ان کی اصل گنتی تو میرا پروردگار ہی بہتر جانتا ہے کیونکہ ان کا حال بہت کم لوگوں کے علم میں آیا ہے" (اور جب صورت حال یہ ہے) تو لوگوں سے اس بارے میں بحث و نزاع نہ کر۔ مگر صرف اس حد تک کہ صاف صاف بات میں ہو (یعنی باریکیوں میں نہیں پڑنا چاہئے کہ کتنے آدمی تھے، کتنے دنوں تک رہے تھے) اور نہ ان لوگوں میں سے کسی سے اس بارے میں کچھ دریافت کر۔ ۲۲

اور کوئی بات ہو، مگر کبھی ایسا نہ کہو "میں کل اسے ضرور کر کے رہوں گا" الّا یہ کہ ساتھ ہی جو اللہ چاہے گا، اور جب کبھی بھول جاؤ تو اپنے پروردگار کی یاد تازہ کر لو تم کہو امید ہے میرا پروردگار اس سے بھی زیادہ کامیابی کی راہ بھر پر کھول دے گا" ۲۳ ۲۴

اور (کہتے ہیں) وہ غار میں تین سو برس تک رہے اور لوگوں نے نو برس اور بڑھائے ہیں (اے پیغمبر!) تو کہدے اللہ ہی بہتر جانتا ہے وہ کتنی مدت تک رہے

(۴) آیت ۲۷ میں فرمایا اللہ کی کتاب کی تلاوت میں مشغول رہو۔ کلمات وحی نے جن باتوں کا اعلان کیا ہے انہیں کوئی بدل نہیں سکتا۔ اور انقلاب حال کا وقت اب دور نہیں ہے۔

جو ماننے والے نہیں، ان کی فکر نہ کرو۔ جو ایمان لائے ہیں اور شب و روز اللہ کی عبادت میں مشغول رہتے ہیں وہی تمہارے بہت ہیں انہی میں جی لگاؤ۔ یہی دعوت حق کے چند بیج ہیں جو عنقریب ایک تناور درخت کی صورت اختیار کر لیں گے

وَلَمُلِئْتَ مِنْهُمْ رُعْبًا ۝ وَكَذٰلِكَ بَعَثْنٰهُمْ لِيَتَسَآءَلُوْا بَيْنَهُمْ ۭ قَالَ قَآئِلٌ مِّنْهُمْ كَمْ لَبِثْتُمْ ۭ قَالُوْا لَبِثْنَا يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ ۭ قَالُوْا رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثْتُمْ ۭ فَابْعَثُوْٓا اَحَدَكُمْ بِوَرِقِكُمْ هٰذِهٖٓ اِلَى الْمَدِيْنَةِ فَلْيَنْظُرْ اَيُّهَآ اَزْكٰى طَعَامًا فَلْيَاْتِكُمْ بِرِزْقٍ مِّنْهُ وَلْيَتَلَطَّفْ وَلَا يُشْعِرَنَّ بِكُمْ اَحَدًا ۝ اِنَّهُمْ اِنْ يَّظْهَرُوْا عَلَيْكُمْ يَرْجُمُوْكُمْ اَوْ يُعِيْدُوْكُمْ فِيْ مِلَّتِهِمْ وَلَنْ تُفْلِحُوْٓا اِذًا اَبَدًا ۝ وَكَذٰلِكَ اَعْثَرْنَا عَلَيْهِمْ لِيَعْلَمُوْٓا اَنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّاَنَّ السَّاعَةَ لَا رَيْبَ فِيْهَا ۚ اِذْ يَتَنَازَعُوْنَ بَيْنَهُمْ اَمْرَهُمْ فَقَالُوا ابْنُوْا عَلَيْهِمْ بُنْيَانًا ۭ رَبُّهُمْ اَعْلَمُ بِهِمْ ۭ قَالَ

تم پر (ان کے منظر سے) دہشت چھا جائے!

(ب) وہ جب غار میں اٹھے تو اس کا اندازہ نہ کر سکے کہ کتنے عرصہ تک یہاں رہے ہیں انہوں نے اپنا ایک آدمی شہر میں کھانا لانے کے لئے بھیجا، اور کوشش کی کہ کسی کو خبر نہ ہو، لیکن ملک الٰہی کا فیصلہ دوسرا تھا خبر ہو گئی۔ اور یہ معاملہ لوگوں کے لئے تذکیر و عبرت کا موجب ہوا۔

اور (دیکھو) اسی طرح یہ بات ہوئی کہ ہم نے انہیں پھر اٹھا کھڑا کیا۔ تاکہ آپس میں ایک دوسرے سے پوچھ گچھ کریں ان میں سے ایک کہنے والے نے کہا تم یہاں کتنی دیر تک رہے ہو گے؟ سب نے کہا ایک دن یا ایک دن کا کچھ حصہ پھر (جب ٹھیک ٹھیک مدت معلوم نہ کر سکے تو) بولے "ہمارا پروردگار ہی بہتر جانتا ہے کتنی دیر تک یہاں پڑے رہے ہیں اچھا ایک آدمی کو یہ سکہ[1] دے کر شہر میں بھیجو جا کر دیکھے کس کے یہاں اچھا کھانا ملتا ہے، اور جہاں کہیں سے ملے تھوڑی بہت غذا لے آئے اور ہاں چپکے سے جائے کسی کو ہماری خبر نہ ہونے پائے اگر لوگوں نے خبر پالی تو وہ چھوڑنے والے نہیں۔ یا تو سنگسار کریں گے، یا مجبور کریں گے کہ پھر ان کے دین میں آ کر چلے جائیں اگر ایسا ہوا تو پھر کبھی تم فلاح نہ پا سکو گے"[2]

اور (پھر دیکھو) اسی طرح یہ بات بھی ہوئی کہ ہم نے لوگوں کو ان کے حال سے واقف کر دیا۔ (ان کی بات پوشیدہ نہ رہ سکی) اور اس لئے واقف کر دیا کہ لوگ جان لیں، اللہ کا وعدہ سچا ہے، اور قیامت کے آنے میں کوئی شبہ نہیں!

اسی وقت کی بات ہے کہ لوگ آپس میں بحث کرنے لگے، ان لوگوں کے معاملہ میں کیا کیا جائے؟ بعض لوگوں نے کہا اس غار پر ایک عمارت بنا دو (کہ یادگار رہے) اس سے زیادہ اس معاملہ کے پیچھے نہ پڑو، ان پر جو کچھ گزر چکی، ان کا پروردگار ہی اسے بہتر جانتا ہے" تب ان لوگوں نے

(ج) جس قوم کے ظلم سے عاجز ہو کر انہوں نے غار میں پناہ لی تھی، وہی ان کی اس درجہ معتقد ہوئی کہ ان کے مرقد پر ایک مسجد تعمیر کر گئی

(د) اس واقعہ کی تفصیلات لوگوں کو معلوم نہیں، طرح طرح کی باتیں مشہور ہو گئی ہیں بعض کہتے ہیں۔ وہ تین آدمی تھے بعض

[1] قرآن میں "ورق" کا لفظ ہے "ورق" چاندی کے ٹکڑے کو کہتے ہیں۔ خواہ مسکوک ہو خواہ مسکوک نہ ہو لیکن قرینہ کہہ رہا ہے کہ مقصود سکہ تھا، اس لئے ہم نے ترجمہ میں یہ لفظ اختیار کیا

مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَّيَلْبَسُوْنَ ثِيَابًا خُضْرًا مِّنْ سُنْدُسٍ وَّاِسْتَبْرَقٍ مُّتَّكِـِٕيْنَ فِيْهَا عَلَى ۳۱ ع ۱۹
الْاَرَآئِكِ ۭ نِعْمَ الثَّوَابُ ۭ وَحَسُنَتْ مُرْتَفَقًا ۝ وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلًا رَّجُلَيْنِ جَعَلْنَا لِاَحَدِهِمَا جَنَّتَيْنِ ۳۲
مِنْ اَعْنَابٍ وَّحَفَفْنٰهُمَا بِنَخْلٍ وَّجَعَلْنَا بَيْنَهُمَا زَرْعًا ۝ كِلْتَا الْجَنَّتَيْنِ اٰتَتْ اُكُلَهَا وَلَمْ تَظْلِمْ مِّنْهُ شَيْـــًٔا ۙ وَّفَجَّرْنَا ۳۳-۳۴
خِلٰلَهُمَا نَهَرًا ۝ وَّكَانَ لَهٗ ثَمَرٌ ۚ فَقَالَ لِصَاحِبِهٖ وَهُوَ يُحَاوِرُهٗٓ اَنَا اَكْثَرُ مِنْكَ مَالًا وَّاَعَزُّ نَفَرًا ۝
وَدَخَلَ جَنَّتَهٗ وَهُوَ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ ۚ قَالَ مَآ اَظُنُّ اَنْ تَبِيْدَ هٰذِهٖٓ اَبَدًا ۝ ۳۵
وَّمَآ اَظُنُّ السَّاعَةَ قَآئِمَةً ۙ وَّلَئِنْ رُّدِدْتُّ اِلٰى رَبِّيْ لَاَجِدَنَّ خَيْرًا مِّنْهَا مُنْقَلَبًا ۝ ۳۶

(۵) پہلے زیا تھا جس کا جی چاہے مانے جس کا جی چاہے نہ مانے جہنم میں گے۔ انہیں اپنی بداعملیوں کا نتیجہ بھگتنا ہے۔ جو مانینگے ان کے لئے ان کی نیک عملیوں کا اجر ہے۔ پھر اخروی عذاب و ثواب کا نقشہ کھینچا تھا کہ منکروں کے لئے آگ کی جلن ہوگی مومنوں کے لئے ہمیشگی کے باغ۔ اب یہ حقیقت واضح کی ہے کہ آخرت کی طرح دنیا میں بھی منکریں دعوت کو محرومیاں ملنے والی ہیں وہ اپنی موجودہ خوشحالیوں پر مغرور نہ ہوں اور نہ مومن اپنی موجودہ بے سروسامانیاں دیکھ کر دل تنگ ہو جائیں۔ دنیا کی خوشحالیوں کا کوئی ٹھکانا نہیں ہے۔ وہ جب ٹلنے پر آتی ہے تو لمحوں میں مٹ جاتی ہیں اور انسان کی کوئی سعی و تدبیر انہیں بچا نہیں سکتی۔

چنانچہ اس حقیقت کے لئے ایک مثال بیان کی۔ فرض کرو۔ دو آدمی تھے لیکن سب کچھ میسر تھا دوسرے کو کچھ میسر نہ تھا۔ پہلا گھمنڈ میں آکر دوسرے کو حقیر سمجھتا۔ اور کہتا میں تم سے زیادہ خوشحال ہوں اور میری خوشحالی کبھی نہ گھٹنے والی نہیں۔ دوسرا اسے سمجھاتا کہ ان خوشحالیوں پر مغرور نہ ہو کون جانتا ہے پل کے پل میں کیا سے کیا ہو جائے چنانچہ ایک دن کیا ہوا کہ اس کے سارے باغ جن کی شادابیوں پر اسے ناز تھا، اچانک اجڑ گئے، اور وہ اپنی نامرادیوں پر کف افسوس ملتا رہ گیا۔

اس مثال میں خوشحال آدمی سے مقصود مکہ کے سردار ہیں اور دوسرے آدمی سے مقصود مومنوں کی جماعت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ خوشحالیوں کے لئے باغوں کا تصور پیدا کیا گیا۔ عرب میں اس سے بڑھ کر مثول و خوش حالی کی اور کوئی بات نہیں ہو سکتی تھی کہ شام کے ساکنانوں کی طرح باغ ہوں جن کے گرداگرد کھجور کے درختوں کا احاطہ وسط میں قدرتی نہر کے دونوں طرف لہلہاتی ہوئی کھیتیاں۔

کی طرح) سونے کے کنگن پہنے ہوئے، سبز ریشم کے باریک اور دبیز کپڑوں سے آراستہ مسندوں پر تکیہ لگائے، بیٹھے ہونگے، تو کیا ہی اچھا ان کا ثواب ہوگا، اور کیا ہی اچھی انہوں نے جگہ پائی۔ ۳۱

اور (اے پیغمبر!) ان لوگوں کو ایک مثال سناؤ۔ دو آدمی تھے۔ ان میں سے ایک کے لئے ہم نے انگور کے دو باغ مہیا کر دئے، گرداگرد کھجور کے درختوں کا احاطہ تھا۔ بیچ کی زمین میں کھیتی تھی۔ بس ایسا ہوا کہ دونوں باغ پھلوں سے لد گئے۔ پیداوار میں کسی طرح کی بھی کمی نہ ہوئی۔ ہم نے ان کے درمیانی (آب پاشی کے لئے) ایک نہر جاری کر دی تھی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ آدمی دولت مند ہو گیا۔ ۳۲ ۳۳

تب ایک دن (گھمنڈ میں آکر) اپنے دوست سے (جسے یہ خوشحالیاں میسر نہ تھیں) باتیں کرتے کرتے بول اٹھا "دیکھو میں تم سے زیادہ مالدار ہوں اور میرا جتھا بھی بڑا طاقتور جتھا ہے"۔ ۳۴

پھر وہ (یہ باتیں کہتے ہوئے) اپنے باغ میں گیا، اور وہ اپنے ہاتھوں اپنا نقصان کر رہا تھا۔ اس نے کہا میں نہیں سمجھتا کہ ایسا شاداب باغ کبھی ویران ہو سکتا ہے۔ مجھے توقع نہیں کہ (قیامت کی) گھڑی برپا ہو۔ اور اگر ایسا ہوا بھی کہ میں اپنے پروردگار کی طرف لوٹایا گیا تو (جیسے یہ کھٹکا ہی مجھے فرضاً وہاں بھی) اس سے بہتر ٹھکانا ملے گا"۔ ۳۵ ۳۶

لَهٗ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَبْصِرْ بِهٖ وَاَسْمِعْ ۭ مَا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا يُشْرِكُ فِيْ حُكْمِهٖٓ
اَحَدًا ۝ وَاتْلُ مَآ اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنْ كِتَابِ رَبِّكَ ۭ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ ۚ وَلَنْ تَجِدَ مِنْ دُوْنِهٖ مُلْتَحَدًا ۝
وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ ۚ وَلَا تَعْدُ عَيْنٰكَ
عَنْهُمْ ۚ تُرِيْدُ زِيْنَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ وَكَانَ اَمْرُهٗ
فُرُطًا ۝ وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ ۡ فَمَنْ شَاۗءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَاۗءَ فَلْيَكْفُرْ ۭ اِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلظّٰلِمِيْنَ نَارًا ۙ
اَحَاطَ بِهِمْ سُرَادِقُهَا ۭ وَاِنْ يَّسْتَغِيْثُوْا يُغَاثُوْا بِمَاۗءٍ كَالْمُهْلِ يَشْوِي الْوُجُوْهَ ۭ بِئْسَ الشَّرَابُ ۭ وَ
سَاۗءَتْ مُرْتَفَقًا ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ اِنَّا لَا نُضِيْعُ اَجْرَ مَنْ اَحْسَنَ عَمَلًا ۝ اُولٰۗىِٕكَ
لَهُمْ جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ يُحَلَّوْنَ فِيْهَا

آیت (۲۹) میں مزید تشریح کی۔ فرمایا، آخری اعلان کر دو کہ خدا کی سچائی سب کے سامنے آگئی اب جس کا جی چاہے مانے، جس کا جی چاہے نہ مانے جو مانیں گے ان کے لئے ان کا اجر ہوگا۔ جو نہیں مانیں گے ان کے لئے ان کا عذاب:

وہ آسمان و زمین کی ساری پوشیدہ باتیں جاننے والا ہے، بڑا ہی دیکھنے والا، بڑا ہی سننے والا! اس کے سوا لوگوں کا کوئی کارساز نہیں اور نہ وہ اپنے حکم میں کسی کو شریک کرتا ہے!

اور (اے پیغمبر) تیرے پروردگار کی کتاب جو تجھ پر وحی کی گئی ہے اس کی تلاوت میں لگا رہ۔ اللہ کی باتیں کوئی بدل نہیں سکتا، اور تجھے اس کے سوا کوئی پناہ کا سہارا دینے والا نہیں!

اور جو لوگ صبح شام اپنے پروردگار کو پکارتے رہتے ہیں اور اس کی محبت میں سرشار ہیں، تو انہی کی صحبت پر اپنے جی کو قانع کر لو۔ ان کی طرف سے کبھی تمہاری نگاہ نہ پھرے کہ دنیوی زندگی کی رونقیں ڈھونڈھنے لگو جس کے دل کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا (یعنی ہمارے ٹھہرائے ہوئے قانون نتائج کے مطابق جس کا دل غافل ہو گیا) اور وہ اپنی خواہش کے پیچھے پڑ گیا، تو ایسے آدمی کی باتوں پر کان نہ دھرو۔ اس کا معاملہ حد سے گزر گیا

اور کہہ دو یہ سچائی تمہارے پروردگار کی جانب سے ہے اب جو چاہے مانے، جو چاہے نہ مانے، ہم نے ظالموں کے لئے ایسی آگ تیار کر رکھی ہے جس کی چادریں چاروں طرف سے انہیں گھیر لینگی۔ وہ (پانی کے لئے) فریاد کرینگے، تو ان کی فریاد کے جواب میں ایسا پانی ملے گا جیسے پگھلا ہوا سیسہ ہو! وہ ان کے منہ (گرمی سے) پکا دے گا۔ تو دیکھو پینے کی کیا ہی بری چیز انہیں ملی، اور بیٹھنے کی کیا ہی بری جگہ!

مگر جو لوگ ایمان لائے اور اچھے کام کئے، تو ان کے لئے کوئی اندیشہ نہیں) جس نے اچھے کام کئے ہوں ہم کبھی اس کا اجر ضائع نہیں کرتے۔

یہ لوگ ہیں، جن کے لئے ہمیشگی کے باغ ہونگے۔ اور باغوں کے تلے نہریں بہہ رہی ہونگی یہ باشندے

بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ فَاَصْبَحَ هَشِيْمًا تَذْرُوْهُ الرِّيٰحُ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ مُّقْتَدِرًا ۝ ۴۵
الْمَالُ وَالْبَنُوْنَ زِيْنَةُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَالْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ اَمَلًا ۝ ۴۶
وَيَوْمَ نُسَيِّرُ الْجِبَالَ وَتَرَى الْاَرْضَ بَارِزَةً ۙ وَّحَشَرْنٰهُمْ فَلَمْ نُغَادِرْ مِنْهُمْ اَحَدًا ۝ ۴۷
وَعُرِضُوْا عَلٰي رَبِّكَ صَفًّا ۭ لَقَدْ جِئْتُمُوْنَا كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ ۭ بَلْ زَعَمْتُمْ اَلَّنْ نَّجْعَلَ لَكُمْ مَّوْعِدًا ۝ ۴۸
وَوُضِعَ الْكِتٰبُ فَتَرَى الْمُجْرِمِيْنَ مُشْفِقِيْنَ مِمَّا فِيْهِ

گوشہ گوشہ سبشت زار ہوجاتا ہے جس طرف نگاہ اٹھاؤ، پھولوں کا حسن و جمال ہے یا پتوں اور پھلوں کا فیضان و نوال۔ لیکن پھر اس کے بعد کیا ہوتا ہے؟ وہی کھیت جن کا ایک ایک درخت زندگی کا سرمایہ اور خوشی والوں کا کارخانہ تھا، اچانک کس روپ میں نظر آتے لگتے ہیں؟ ھشیما تذروہ الریاح! بھوسے کے ڈھیر جنہیں ہوا کے جھونکے اڑا کے منتشر کر دیتے ہیں: نہ کوئی انہیں بچانا چاہتا ہے نہ وہ کسی مصرف کے ہوتے ہیں۔ بہت کام دیئے تو چولھے میں جلنے کے لئے ڈال دیئے جائیں گے۔

انسان کی دنیوی زندگی اور اس کی جد و جہد کی یہ کیسی جامع مثال ہے! جس پہلو سے بھی دیکھو گے اس سے بہتر مثال نہیں ملے گی۔

(ا) دنیوی زندگی کی دلفریبیاں جب نکھرتی ہیں۔ تو ٹھیک ٹھیک ان کا ایسا ہی حال ہوتا ہے۔

(ب) لیکن حاصل ہوتی ہیں پائدار نہیں۔ فطرت نے جو وقت مقرر کر رکھا ہے جو بھی وہ پورا ہوا، پھر کچھ بھی باقی نہیں رہتا۔

(ج) زمین ایک ہے، پانی بھی ایک ہی طرح کا ہے روئیدگی بھی ایک ہی طرح پر ہوتی ہے مگر پھل یکساں نہیں ہی حال دنیوی زندگی کا ہے۔ زندگی ایک طرح کی ہے۔ مگر ہر زندگی کا پھل یکساں نہیں فطرت کی بخشش سب کی یکساں طور پر رکھوالی کرتی ہے مگر سب ایک طرح کا پھل نہیں لاتے۔ کوئی اچھا ہوتا ہے کوئی ناقص کوئی بالکل نکما۔

(د) عذاب و ثواب اور سعادت و محرومی کا مسئلہ بھی حل ہوگیا تم زمین میں کاشت کرتے ہو لیکن کیوں کرتے ہو؟ جھاڑ اور پھل کے لئے۔ پتوں اور شاخوں کے لئے نہیں جب فصل پکتی ہے تو دانے لیتے ہو جس میں تمہارے لئے نفع ہے۔ باقی سب کچھ چھانٹ دیتے ہو جس میں نفع نہیں۔ یہی حال دنیوی زندگی کا بھی ہے۔ فطرت نے وجود انسانی کی کاشت کی ہے اور اس لئے کی ہے کہ اسکا احسن عمل۔ کون وجہ ہے جو اچھے عمل کا پھل لاتا ہے پس وہ پھل لیتی ہے باقی

پھول) پھر (کیا ہوا) یہ کہ سب کچھ سوکھ کر چورا چورا ہو گیا۔ ہوا کے جھونکے اسے اڑا کے منتشر کر رہے ہیں! اور کونسی بات ہے جس کے کرنے پر اللہ قادر نہیں؟

مال و دولت اور آل اولاد دنیوی زندگی کی دلفریبیاں ہیں (مگر چند روزہ ناپائدار) اور جو نیکیاں باقی رہنے والی ہیں تو وہی تمہارے پروردگار کے نزدیک باعتبار ثواب کے بہتر ہیں اور وہی ہیں جن کے نتائج سے بہتر امید رکھی جا سکتی ہے۔

اور (دیکھو وہ آنے والا) دن جب ہم پہاڑوں کو چلا دینگے اور زمین کو تم دیکھو گے کہ اپنی اصلی حالت میں ابھر آئی ہے اور (اس وقت) ہم تمام انسانوں کو (اپنے حضور) اکٹھا کر دینگے کوئی نہ ہوگا جسے چھوڑ دیا ہو

اور ان کی صفیں (ایک کے بعد ایک) تمہارے پروردگار کے سامنے پیش ہونگی (تب ان سے کہا جائے گا) جس طرح ہم نے تمہیں پہلی مرتبہ پیدا کیا تھا، اسی طرح تمہیں آج ہمارے سامنے حاضر ہونا پڑا۔ مگر تم نے خیال کیا تھا، ہم نے تمہارے لئے اس کا کوئی وقت نہیں ٹھہرایا ہے!

اور (اس وقت) نوشتے لائے جائیں گے۔ تو تم دیکھو گے جو کچھ ان میں لکھا ہے اس سے مجرم ہراساں ہو رہے ہیں

قَالَ لَهٗ صَاحِبُهٗ وَهُوَ يُحَاوِرُهٗٓ اَكَفَرْتَ بِالَّذِيْ خَلَقَكَ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ سَوّٰىكَ
رَجُلًا ۝ لٰكِنَّا۠ هُوَ اللّٰهُ رَبِّيْ وَلَآ اُشْرِكُ بِرَبِّيْٓ اَحَدًا ۝ وَلَوْلَآ اِذْ دَخَلْتَ جَنَّتَكَ قُلْتَ مَا شَآءَ اللّٰهُ ۙ لَا
قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ ۚ اِنْ تَرَنِ اَنَا اَقَلَّ مِنْكَ مَالًا وَّوَلَدًا ۝ فَعَسٰى رَبِّيْٓ اَنْ يُّؤْتِيَنِ خَيْرًا مِّنْ جَنَّتِكَ
وَيُرْسِلَ عَلَيْهَا حُسْبَانًا مِّنَ السَّمَآءِ فَتُصْبِحَ صَعِيْدًا زَلَقًا ۝ اَوْ يُصْبِحَ مَآؤُهَا غَوْرًا فَلَنْ تَسْتَطِيْعَ
لَهٗ طَلَبًا ۝ وَاُحِيْطَ بِثَمَرِهٖ فَاَصْبَحَ يُقَلِّبُ كَفَّيْهِ عَلٰى مَآ اَنْفَقَ فِيْهَا وَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا وَيَقُوْلُ يٰلَيْتَنِيْ
لَمْ اُشْرِكْ بِرَبِّيْٓ اَحَدًا ۝ وَلَمْ تَكُنْ لَّهٗ فِئَةٌ يَّنْصُرُوْنَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَمَا كَانَ مُنْتَصِرًا ۝ هُنَالِكَ الْوَلَايَةُ
لِلّٰهِ الْحَقِّ ۭ هُوَ خَيْرٌ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ عُقْبًا ۝ وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَآءٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ

یہ سن کر اس کے دوست نے کہا، اور ہم گفتگو کا سلسلہ جاری تھا، کیا تم اس ہستی کا انکار کرتے ہو جس نے تمہیں پہلے مٹی سے اور پھر نطفہ سے پیدا کیا، اور پھر آدمی بنا کر نمودار کر دیا؟ لیکن میں تو یقین رکھتا ہوں کہ وہی اللہ میرا پروردگار ہے اور میں اپنے پروردگار کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتا۔ اور پھر جب تم اپنے باغ میں آئے (اور اس کی شادابیاں دیکھیں) تو کیوں تم نے یہ نہ کہا کہ وہی ہوتا ہے جو اللہ چاہتا ہے۔ اس کی مدد بغیر کوئی کچھ نہیں کر سکتا؟ اور یہ جو تمہیں دکھائی دے رہا ہے کہ میں تم سے مال اور اولاد کمتر رکھتا ہوں (تو اس پر مغرور نہ ہو) کیا عجب ہے میرا پروردگار تمہارے اس باغ سے بھی بہتر (باغ) مجھے دیدے اور تمہارے باغ پر آسمان سے کوئی ایسی اندازہ کی ہوئی بات اتار دے کہ چٹیل میدان ہو کر رہ جائے یا پھر (بربادی کی کوئی اور ناگہانی صورت نکل آئے۔ مثلاً) اس کی نہر کا پانی بالکل نیچے اتر جائے، اور تم کسی طرح بھی اس تک نہ پہنچ سکو"۔

اور پھر (دیکھو) ایسا ہی ہوا کہ اس کی دولت (بربادی کے) گھیرے میں آ گئی۔ وہ ہاتھ مل مل کر افسوس کرنے لگا۔ کہ ان باغوں کی درستگی پر میں نے کیا کچھ خرچ کیا تھا (وہ سب برباد ہو گیا) اور باغوں کا یہ حال ہوا کہ ٹٹیاں گر کے زمین کے برابر ہو گئیں۔ اب وہ کہتا ہے اے کاش میں اپنے پروردگار کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرتا! اور دیکھو کوئی جتھا نہ ہوا کہ اللہ کے سوا اس کی مدد کرتا، اور نہ خود اس نے یہ طاقت پائی کہ بربادی سے بچ سکتا! یہاں سے معلوم ہو گیا کہ فی الحقیقت سارا اختیار اللہ ہی کے لئے ہے وہی ہے جو بہتر ثواب دینے والا ہے اور اسی کے ہاتھ بہتر انجام ہے!

اور (اے پیغمبر!) انہیں دنیا کی زندگی کی مثال سنا دو۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے (زمین کی روئیدگی کا معاملہ) آسمان سے ہم نے پانی برسایا، اور زمین کی روئیدگی اس سے مل جل کر ابھر آئی (اور خوب پھلی

(۴۶) پھر جو کچھ بھی ہو دنیا کی یہ عارضی خوشحالیاں ہیں کیا؟ محض چار گھڑی کی دھوپ: اس سے زیادہ نہیں قرار نہیں اس سے زیادہ ان کی کوئی قدر و قیمت نہیں:

(یہ دنیوی زندگی کی مثال ایسی ہے جیسے زمین کی روئیدگی آسمان سے پانی برستا ہے اور طرح طرح کی بوٹیوں اور کائیوں سے زمین کا

وَكَانَ الْإِنْسَانُ أَكْثَرَ شَيْءٍ جَدَلًا ۝ وَمَا مَنَعَ النَّاسَ أَنْ يُؤْمِنُوا إِذْ جَاءَهُمُ الْهُدَىٰ وَيَسْتَغْفِرُوا ۵۴
رَبَّهُمْ إِلَّا أَنْ تَأْتِيَهُمْ سُنَّةُ الْأَوَّلِينَ أَوْ يَأْتِيَهُمُ الْعَذَابُ قُبُلًا ۝ وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِينَ إِلَّا مُبَشِّرِينَ ۵۵
وَمُنْذِرِينَ ۚ وَيُجَادِلُ الَّذِينَ كَفَرُوا بِالْبَاطِلِ لِيُدْحِضُوا بِهِ الْحَقَّ وَاتَّخَذُوا آيَاتِي وَمَا أُنْذِرُوا هُزُوًا ۵۶
وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِآيَاتِ رَبِّهِ فَأَعْرَضَ عَنْهَا وَنَسِيَ مَا قَدَّمَتْ يَدَاهُ ۚ إِنَّا جَعَلْنَا عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ أَكِنَّةً
أَنْ يَفْقَهُوهُ وَفِي آذَانِهِمْ وَقْرًا ۖ وَإِنْ تَدْعُهُمْ إِلَى الْهُدَىٰ فَلَنْ يَهْتَدُوا إِذًا أَبَدًا ۝ وَرَبُّكَ الْغَفُورُ ۵۰
ذُو الرَّحْمَةِ ۖ لَوْ يُؤَاخِذُهُمْ بِمَا كَسَبُوا لَعَجَّلَ لَهُمُ الْعَذَابَ ۚ بَل لَّهُم مَّوْعِدٌ لَّن يَجِدُوا

اور جب لوگوں کے سامنے ہدایت آگئی تو ایمان لانے اور طلب مغفرت ہونے سے انہیں کونسی بات روک سکتی ہے؟ مگر یہی کہ اگلی قوموں کا سا معاملہ انہیں بھی پیش آجائے، یا ہمارا عذاب سامنے آکھڑا ہو! ۵۵
اور ہم تو پیغمبروں کو صرف اس لئے بھیجتے ہیں کہ (ایمان و عمل کی کامرانیوں کی) بشارت دیں اور (انکار و بدعملی کے نتائج سے) خبردار کردیں، مگر جنہوں نے کفر کی راہ اختیار کی ہے وہ جھوٹی باتوں کی آڑ پکڑ کے جھگڑنے لگتے ہیں کہ اس طرح سچائی کو متزلزل کردیں، انہوں نے ہماری نشانیوں کو اور اس بات کو جس سے انہیں خبردار کیا گیا ہے تمسخر کی بات بنا رکھا ہے! ۵۶
اور اس سے بڑھ کر ظالم کون ہو سکتا ہے، جسے اس کے پروردگار کی آیتیں یاد دلائی جائیں اور وہ ان سے گردن موڑ لے اور اپنی بدعملیاں بھول جائے جو پہلے کرچکا ہے؟ بلاشبہ ہم نے ان کے دلوں پر پردے ڈال دیے ہیں کہ کوئی بات پا نہیں سکتے اور کانوں میں گرانی (کہ صدائے حق سن نہیں سکتے) تم انہیں کتنا ہی سیدھی راہ کی طرف بلاؤ، مگر وہ کبھی راہ پانے والے نہیں! ۵۷
مگر اے پیغمبر! تیرا پروردگار بڑا ہی بخشنے والا ہے، بڑا ہی رحمت والا ہے اگر وہ ان لوگوں کو ان کے عمل کی کمائی پر پکڑنا چاہتا تو فوراً عذاب نازل کردیتا، لیکن ان کے لئے ایک میعاد ٹھہرا دی گئی ہے اس کے سوا کوئی پناہ

(۷۱) قرآن کا یہ اسلوب کیوں ہوا کہ ایک ہی مطلب بار بار دہرایا جاتا ہے اور مختلف موقعوں پر اور مختلف شکلوں پر ایک ہی بات لوٹ لوٹ کر آتی ہے؟ ایسا نہ ہوا کہ ہماری علمی کتابوں کی طرح ضبط و ترتیب کے ساتھ تمام مطالبات مدون کردئے جاتے؟

قرآن خود ہی بات کو جا بجا آیتوں، مثالوں، اور نصیحتوں کی تعریف سے تعبیر کرتا ہے یعنی لوٹا لوٹا کر بیان کرنے سے، چنانچہ یہاں بھی اس طرف اشارہ کیا ہے اور ان مقامات پر غور کرنے سے اس کے اسلوب بیان کی علت واضح ہو جاتی ہے

سورہ بنی اسرائیل کی آیت (۴۱) میں گذر چکا ہے ولقد صرفنا فی ھذا القرآن لیذکروا۔ یعنی قرآن میں مطالب کو لوٹ لوٹ کر بیان میں لائے اس لئے ہے کہ تذکیر و موعظت کا ذریعہ ہو پس معلوم ہوا اس اسلوب بیان کی علت تذکیر ہے اس بات پر غور کرتے جاؤ، قرآن کے اسلوب بیان کے سارے بھید کھلتے جائیں گے۔ قرآن کا مقصد تذکیر تھا اور تذکیر کا مقصد اسی طرح حاصل ہو سکتا تھا کہ اسلوب بیان ایک واعظ خطیب کی موعظت کا ہو ایک علمی کے درس کا نہ ہو۔

لہ یعنی ہم نے ایسا ہی قانون ٹھہرا دیا ہے کہ جو سچائی سے اعراض کرتا ہے اس کے دلوں پر پردے پڑ جاتے ہیں۔ تشریح اسکی پچھلی سورتوں کے نوٹوں میں بار بار گزر چکی ہے۔

وَيَقُولُونَ يٰوَيْلَتَنَا مَالِ هٰذَا الْكِتٰبِ لَا يُغَادِرُ صَغِيرَةً وَّلَا كَبِيرَةً إِلَّآ أَحْصٰهَا ۚ وَوَجَدُوا مَا
عَمِلُوا حَاضِرًا ۗ وَلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ أَحَدًا ۝ وَإِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوا لِأٰدَمَ فَسَجَدُوٓا إِلَّآ إِبْلِيسَ ۖ
كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ أَمْرِ رَبِّهِۦٓ ۗ أَفَتَتَّخِذُونَهُۥ وَذُرِّيَّتَهُۥٓ أَوْلِيَآءَ مِن دُونِى وَهُمْ لَكُمْ عَدُوٌّ ۖ
بِئْسَ لِلظّٰلِمِينَ بَدَلًا ۝ مَّآ أَشْهَدتُّهُمْ خَلْقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَلَا خَلْقَ أَنفُسِهِمْ ۖ وَمَا كُنتُ
مُتَّخِذَ الْمُضِلِّينَ عَضُدًا ۝ وَيَوْمَ يَقُولُ نَادُوا شُرَكَآءِىَ الَّذِينَ زَعَمْتُمْ فَدَعَوْهُمْ فَلَمْ يَسْتَجِيبُوا
لَهُمْ وَجَعَلْنَا بَيْنَهُم مَّوْبِقًا ۝ وَرَأَ الْمُجْرِمُونَ النَّارَ فَظَنُّوٓا أَنَّهُم مُّوَاقِعُوهَا وَلَمْ يَجِدُوا عَنْهَا
مَصْرِفًا ۝ وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِى هٰذَا الْقُرْءَانِ لِلنَّاسِ مِن كُلِّ مَثَلٍ

جو کچھ ہو جاتا ہے، پھانٹ دیتی ہے نم سوکھی شاخوں اور تنوں کو کیا کرتے ہو؟ چولہے میں جلاتے ہو۔ اس نے بھی ایک چولھا گرم کر رکھا ہے اسی کا نام دوزخ ہے۔

وہ بول اٹھینگے "افسوس ہم پر! یہ کیسا نوشتہ کہ کوئی بات چھوٹی ہوئی نہیں۔ بڑی ہو یا چھوٹی اس کو اس نے ضبط کر لیا ہے!" غرضیکہ جو کچھ انہوں نے (دنیا میں) کیا تھا، سب اپنے سامنے موجود پائینگے اور تمہارا پروردگار کسی پر زیادتی نہیں کرتا (جو جس نے کیا ہے اسے ٹھیک ٹھیک وہی اس کے آگے آئے گا)

اور جب ایسا ہوا تھا کہ ہم نے فرشتوں کو حکم دیا تھا "آدم کے آگے جھک جاؤ" اور سب جھک گئے تھے مگر ابلیس نہیں جھکا تھا۔ وہ جن میں سے تھا پس اپنے پروردگار کے حکم سے باہر ہو گیا۔ پھر کیا تم مجھے چھوڑ کر (کہ تمہارا پروردگار ہوں) اسے اور اس کی نسل کو اپنا کارساز بناتے ہو، حالانکہ وہ تمہارے دشمن ہیں؟ (دیکھو) ظلم کرنے والوں کے لئے کیا ہی بُری تبدیلی ہوئی!

میں نے انہیں اپنے ساتھ شریک نہیں کیا تھا، جب آسمان و زمین کو پیدا کیا، اور نہ اس وقت وہ شریک ہوئے جب خود انہیں پیدا کیا (اور جب وہ خود مخلوق ہیں تو اپنی خلقت کے وقت کیسے موجود ہو سکتے تھے؟) میں ایسا نہ تھا کہ گمراہ کرنے والوں کو اپنا دست و بازو بناتا!

اور (دیکھو) وہ دن جب اللہ فرمائے گا "جن ہستیوں کو تم سمجھتے تھے میرے ساتھ شریک ہیں، اب انہیں بلاؤ" وہ پکاریں گے، مگر کچھ جواب نہیں پائیں گے ہم نے ان دونوں کے درمیان آڑ کر دی ہے (ایک دوسرے کی سننے والے نہیں)

اور مجرم دیکھیں گے آگ بھڑک رہی ہے اور سمجھ جائینگے اس میں نہیں گرنا ہے وہ کوئی گریز کی راہ نہ پائیں گے!

اور (دیکھو) ہم نے اس قرآن میں لوگوں کی ہدایت کے لئے ہر طرح کی مثالیں لوٹا لوٹا کر بیان کر دیں، مگر انسان بڑا ہی جھگڑالو واقع ہوا ہے!

مِنْ عِبَادِنَآ اٰتَيْنٰهُ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَعَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا ۝ قَالَ لَهٗ مُوْسٰى هَلْ اَتَّبِعُكَ عَلٰٓى اَنْ ٦٥
تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا ۝ قَالَ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا ۝ وَكَيْفَ تَصْبِرُ عَلٰى مَا لَمْ تُحِطْ بِهٖ ٦٦ - ٦٨
خُبْرًا ۝ قَالَ سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ صَابِرًا وَّلَآ اَعْصِيْ لَكَ اَمْرًا ۝ قَالَ فَاِنِ اتَّبَعْتَنِيْ فَلَا تَسْـَٔلْنِيْ ٦٩
عَنْ شَيْءٍ حَتّٰٓى اُحْدِثَ لَكَ مِنْهُ ذِكْرًا ۝ فَانْطَلَقَا ۟ حَتّٰٓى اِذَا رَكِبَا فِي السَّفِيْنَةِ خَرَقَهَا ۭ قَالَ اَخَرَقْتَهَا ٧٠
لِتُغْرِقَ اَهْلَهَا ۚ لَقَدْ جِئْتَ شَيْـــًٔا اِمْرًا ۝ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا ۝ قَالَ لَا ٧١ - ٧٢
تُؤَاخِذْنِيْ بِمَا نَسِيْتُ وَلَا تُرْهِقْنِيْ مِنْ اَمْرِيْ عُسْرًا ۝ فَانْطَلَقَا ۟ حَتّٰٓى اِذَا لَقِيَا غُلٰمًا فَقَتَلَهٗ ۙ قَالَ ٧٣

سرکشوں کے لئے اس وقت کامرانیاں ہیں، مومنوں کے لئے محرومیاں۔ لیکن کیا فی الحقیقت سرکشوں کی کامرانیاں کامرانیاں ہیں اور مومنوں کی محرومیاں، محرومیاں؟ اس کا تم فیصلہ نہیں کر سکتے۔ جب پردہ اٹھے گا، تو دیکھ لوگے کہ حقیقت حال کیا تھی۔ اس حقیقت کی وضاحت کے لئے ایک واقعہ بیان کیا ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پیش آیا تھا۔

(پھر جب چٹان کے پاس پہنچے) تو انہیں ہمارے (خاص) بندوں میں سے ایک بندہ مل گیا۔ اس شخص پر ہم نے خصوصیت کے ساتھ مہربانی کی تھی۔ اسے اپنے پاس سے (براہ راست) ایک علم عطا فرمایا تھا۔ ٦٥

موسیٰ نے اس سے کہا "آپ اجازت دیں تو آپکے ساتھ رہوں۔ بشرطیکہ جو علم آپ کو اس خوبی کے ساتھ سکھایا گیا ہے، اس میں سے کچھ مجھے بھی سکھا دیں" ٦٦

اس نے جواب دیا "ہاں مگر تم میرے ساتھ رہ کر صبر نہ کر سکو گے۔ جو بات تمہاری سمجھ کے دائرہ سے باہر ہے، تم دیکھو اور صبر کرو، یہ کیسے ہو سکتا ہے؟" ٦٧ ٦٨

موسیٰ نے کہا "اگر خدا نے چاہا، تو آپ مجھے صابر پائیں گے۔ میں آپ کے کسی حکم کی خلاف ورزی نہیں کرونگا" ٦٩

اس نے کہا "اچھا، اگر تمہیں میرے ساتھ رہنا ہی ہے، تو اس بات کا خیال رکھو کہ جب تک میں خود تم سے کچھ نہ کہوں، تم کسی بات کی نسبت سوال نہ کرنا"۔ ٧٠

پھر ایسا ہوا کہ دونوں سفر میں نکلے۔ یہاں تک کہ سمندر کے کنارے پہنچے اور کشتی میں سوار ہوئے۔ اب موسیٰ کے ساتھی نے یہ کیا کہ کشتی میں ایک جگہ ڈرار نکال دی۔ یہ دیکھتے ہی موسیٰ بول اٹھا "آپ نے کشتی میں ڈرار نکال دی کہ مسافر غرق ہو جائیں؟ آپ نے کیسی خطرناک بات کی"۔ اس نے کہا "کیا میں نے نہیں کہا تھا، تم میرے ساتھ صبر نہ کر سکو گے؟" موسیٰ نے کہا "بھول ہو گئی۔ اس پر نہ پکڑیے۔ اگر ایک بات بھول چوک میں ہو جائے تو آپ سخت گیری کیوں کریں؟" ٧١ ٧٢ ٧٣

(۹۱) حضرت موسیٰ کی ملاقات جس شخص سے ہوئی، اسکی نسبت فرمایا "ہم نے اسے اپنے پاس سے ایک علم عطا فرمایا تھا"۔ قرآن جب کبھی کسی ایسی بات کو اس طرح بولتا ہے، تو اس کا مطلب ہوتا ہے کہ وہ بات براہ راست ظہور میں آئی تھی یعنی دنیوی

پھر وہ دونوں آگے چلے۔ یہاں تک کہ (ایک بستی کے قریب پہنچے اور) انہیں ایک لڑکا ملا۔ موسیٰ کے ساتھی نے اسے قتل کر ڈالا۔ اس پر موسیٰ بول اٹھا "آپ نے

مِنْ دُوْنِهٖ مَوْبِلًا ۝ وَتِلْكَ الْقُرٰٓى اَهْلَكْنٰهُمْ لَمَّا ظَلَمُوْا وَجَعَلْنَا لِمَهْلِكِهِمْ مَّوْعِدًا ۝ وَاِذْ قَالَ
مُوْسٰى لِفَتٰىهُ لَآ اَبْرَحُ حَتّٰٓى اَبْلُغَ مَجْمَعَ الْبَحْرَيْنِ اَوْ اَمْضِيَ حُقُبًا ۝ فَلَمَّا بَلَغَا مَجْمَعَ بَيْنِهِمَا نَسِيَا حُوْتَهُمَا
فَاتَّخَذَ سَبِيْلَهٗ فِي الْبَحْرِ سَرَبًا ۝ فَلَمَّا جَاوَزَا قَالَ لِفَتٰىهُ اٰتِنَا غَدَآءَنَا لَقَدْ لَقِيْنَا مِنْ سَفَرِنَا هٰذَا
نَصَبًا ۝ قَالَ اَرَءَيْتَ اِذْ اَوَيْنَآ اِلَى الصَّخْرَةِ فَاِنِّيْ نَسِيْتُ الْحُوْتَ وَمَآ اَنْسٰىنِيْهُ اِلَّا الشَّيْطٰنُ اَنْ اَذْكُرَهٗ
وَاتَّخَذَ سَبِيْلَهٗ فِي الْبَحْرِ عَجَبًا ۝ قَالَ ذٰلِكَ مَا كُنَّا نَبْغِ فَارْتَدَّا عَلٰٓى اٰثَارِهِمَا قَصَصًا ۝ فَوَجَدَا عَبْدًا

کی جگہ نہیں پائیں گے (یعنی سب کو بالآخر اس مقررہ میعاد کی جگہ پہنچنا ہے)

اور دیکھو یہ (پرانی) بستیاں ہیں۔ جب ان کے باشندوں نے ظلم کا شیوہ اختیار کیا تو ہم نے انہیں ہلاک کر دیا۔ ہم نے ان کی ہلاکت کے لئے ایک میعاد ٹھہرا دی تھی۔

اور (دیکھو) جب ایسا ہوا تھا کہ موسیٰ نے اپنے ساتھی خادم سے کہا تھا "میں اپنی کوشش سے باز آنے والا نہیں جب تک اس جگہ نہ پہنچ جاؤں جہاں دو تو سمندر آ ملے ہیں میں تو اپنی راہ چلتا ہی رہوں گا"

پھر جب وہ دونوں سمندروں کے ملنے کی جگہ پہنچ گئے تو اس مچھلی کا انہیں خیال نہ رہا جو اپنے ساتھ رکھ لی تھی اس نے سمندر میں جانے کے لئے سرنگ کی طرح ایک راہ نکال لی۔

جب وہ آگے بڑھے تو موسیٰ نے اپنے آدمی سے کہا "آج کے سفر نے ہمیں بہت تھکا دیا۔ لاؤ صبح کا کھانا کھا لیں"۔

اس نے کہا "کیا آپ نے نہیں دیکھا؟ جب ہم (سمندر کے کنارے) چٹان کے پاس ٹھیرے تھے تو مجھے مچھلی کا کچھ خیال نہیں رہا تھا۔ اس نے عجیب طریقہ پر سمندر میں جانے کی راہ نکال لی۔ اور یہ شیطان ہی کا کام ہے کہ میں اس کا ذکر کرنا بالکل بھول گیا"۔

موسیٰ نے کہا "جو بات ہم چاہتے تھے، وہ یہی ہے" پس وہ اپنے پاؤں کا نشان دیکھتے ہوئے لوٹ گئے۔

(۸) آیت (۵۹) سے (۵۹) تک فرمایا تھا کہ منکر بن قرآن کی شقاوت انتہائی حد تک پہنچ چکی ہے۔ قلب جن کی جگہ جدل و نزاع اور عبرت پذیری کی جگہ تمسخر و استہزا ان کا شیوہ ہے، ان کی عقلیں ماری گئی ہیں اور حواس معطل ہو چکے ہیں۔ تم کتنی ہی سعی کرو راہ پانے والے نہیں!

پھر آیت (۵۹) میں فرمایا منکروں کی ان سرکشیوں کا نتیجہ کیوں اچانک ظہور میں نہیں آ جاتا؟ کیوں ان کے لئے خوشحالیاں ہیں اور پیروانِ حق کے لئے درماندگیاں؟ اس لئے کہ تمہارا پروردگار رحمت والا ہے اور یہاں رحمت کا قانون کام کر رہا ہے۔ رحمت کا مقتضا یہی تھا کہ ایک خاص وقت تک سب کو مہلت کار دے چکے۔ مہلت کی رسی ڈھیلی دے رہی ہے لیکن جو شے ہے، تو وہ وقت آ گیا پھر نہ تو کوئی ٹال سکنے والا نہیں!

اب آیت ۶۰ میں اسی مسئلہ کا ایک دوسرا پہلو واضح کیا ہے اور وہ ہے انفصمت کائنات ہستی کے مسائل میں سے ایک نہایت اہم مسئلہ کا حل ہے۔

فرمایا۔ بلاشبہ موجودہ حالت ایسی ہی ہے کہ سرکشوں کے لئے کامرانیاں دکھائی دیتی ہیں، مومنوں کے لئے محرومیاں، لیکن عبرت اتنی ہی بات دیکھ کر حقیقت حال کا فیصلہ نہ کر لو۔ یہاں معاملات کی حقیقت یہ ہی نہیں ہوا کرتی جو ظاہر دکھائی دیا کرتی ہے۔ کتنی ہی اچھائیاں ہیں جو فی الحقیقت برائیاں ہوتی ہیں، اور کتنی ہی برائیاں ہیں جو فی الحقیقت اچھائیاں ہوتی ہیں۔ تمہاری عقل صرف ظواہر دیکھ کر حکم لگا دیتی ہے مگر نہیں جانتی، ان ظواہر کی تہ میں کیسے بواطن پوشیدہ ہیں +

۶۳

۶۴

وَاَمَّا الْغُلٰمُ فَكَانَ اَبَوٰهُ مُؤْمِنَيْنِ فَخَشِيْنَآ اَنْ يُّرْهِقَهُمَا طُغْيَانًا وَّكُفْرًا ۸۰ فَاَرَدْنَآ اَنْ يُّبْدِلَهُمَا
رَبُّهُمَا خَيْرًا مِّنْهُ زَكٰوةً وَّاَقْرَبَ رُحْمًا ۸۱ وَاَمَّا الْجِدَارُ فَكَانَ لِغُلٰمَيْنِ يَتِيْمَيْنِ فِى الْمَدِيْنَةِ وَ
كَانَ تَحْتَهٗ كَنْزٌ لَّهُمَا وَكَانَ اَبُوْهُمَا صَالِحًا ۚ فَاَرَادَ رَبُّكَ اَنْ يَّبْلُغَآ اَشُدَّهُمَا وَيَسْتَخْرِجَا كَنْزَهُمَا
رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ۚ وَمَا فَعَلْتُهٗ عَنْ اَمْرِىْ ۚ ذٰلِكَ تَاْوِيْلُ مَا لَمْ تَسْطِعْ عَّلَيْهِ صَبْرًا ۸۲ وَيَسْـَٔلُوْنَكَ
عَنْ ذِى الْقَرْنَيْنِ ۚ قُلْ سَاَتْلُوْا عَلَيْكُمْ مِّنْهُ ذِكْرًا ۸۳ اِنَّا مَكَّنَّا لَهٗ فِى الْاَرْضِ وَاٰتَيْنٰهُ مِنْ كُلِّ
شَىْءٍ سَبَبًا ۸۴ فَاَتْبَعَ سَبَبًا ۸۵ حَتّٰٓى اِذَا بَلَغَ مَغْرِبَ الشَّمْسِ وَجَدَهَا تَغْرُبُ

کیونکہ اسی پر وہ سے عمل کی ساری آزمائش قائم ہے اور ضروری ہے کہ آزمائشیں ہوتی رہے۔

۷۹ تاکہ جیسی دیکھ کر بادشاہ کے آدمی چھوڑ دیں)
"باقی رہا لڑکے کا معاملہ، تو اس کے ماں باپ
۸۰ مومن ہیں۔ میں یہ دیکھ کر ڈرا کہ انہیں سرکشی اور کفر کر کے اذیت پہنچائے گا پس میں نے چاہا کہ ان کا
۸۱ پروردگار اس لڑکے سے بہتر انہیں لڑکا دے۔ دینداری میں بھی اور محبت کرنے میں بھی"
اور وہ جو دیوار درست کر دی گئی، تو (اس کا معاملہ بھی ایسا ہی ہے۔ وہ) شہر کے دو یتیم لڑکوں کی ہے
جس کے نیچے ان کا خزانہ گڑا ہوا ہے۔ ان کا باپ ایک نیک آدمی تھا۔ پس تمہارے پروردگار نے چاہا
دونوں لڑکے اپنی جوانی کو پہنچیں اور اپنا خزانہ محفوظ پا کر نکال لیں۔ (اگر وہ دیوار گر جاتی تو ان کا خزانہ محفوظ
نہ رہتا، اس لئے ضروری ہوا کہ اسے مضبوط کر دیا جائے) یہ ان لڑکوں کے حال پر پروردگار کی ایک مہربانی
تھی جو اس طرح ظہور میں آئی۔ اور یاد رکھو، میں نے جو کچھ کیا، اپنے اختیار سے نہیں کیا (اللہ کے حکم سے کیا)

(۱۲) اہل کتاب سے معلومات حاصل کر کے لوگوں نے بعض سوالات کئے تھے انہی میں ایک سوال ذوالقرنین کی نسبت تھا۔ یہاں اس کا جواب دیا ہے۔ فرمایا ہم نے اسے زمین میں حکمرانی دی تھی، اور فتوحات کے سارے ساز و سامان مہیا کر دئے تھے۔
پھر اس کی تین مہموں کا ذکر کیا ہے:۔
(ا) وہ پچھم کی طرف بڑھتا گیا۔ یہاں تک کہ ایک بڑے سمندر کے کنارے پہنچ گیا جس کا پانی کیچڑ سے ملا ہوا گدلا تھا۔ اور معلوم ہوتا تھا روز سورج اسی پانی میں ڈوب جاتا ہے۔ کیونکہ حد نگاہ تک خشکی دکھائی نہیں دیتی تھی۔
(ب) پھر وہ اتر کی طرف چلا، یہاں تک کہ وحشی قبائل کی ٹولیاں اسے ملیں، وہ کھلے میدانوں میں زندگی بسر کرتے تھے
(ج) پھر وہ نکلا اور ایک ایسی جگہ پہنچا جہاں دو پہاڑوں نے دو دیواروں کی شکل اختیار کر لی ہے یاجوج اور ماجوج اسی

۸۲ یہ ہے حقیقت ان باتوں کی جن پر تم صبر نہ کر سکے!"
(اے پیغمبر!) تم سے ذوالقرنین کا حال دریافت
کرتے ہیں تم کہدو میں اس کا کچھ حال تمہیں (کلام
۸۳ الٰہی میں پڑھ کر) سنا دیتا ہوں۔
ہم نے اسے زمین میں حکمرانی دی تھی نیز اس کے
۸۴ لئے ہر طرح کا ساز و سامان مہیا کر دیا تھا۔
تو (دیکھو) اس نے (پہلے) ایک (مہم کے لئے)
۸۵ ساز و سامان کیا، (اور پچھم کی طرف نکل کھڑا ہوا)
یہاں تک کہ (چلتے چلتے) سورج کے ڈوبنے کی جگہ پہنچ گیا
وہاں اسے سورج ایسا دکھائی دیا۔ جیسے ایک سیاہ دلدل

أَقَتَلْتَ نَفْسًا زَكِيَّةً بِغَيْرِ نَفْسٍ لَقَدْ جِئْتَ شَيْئًا نُكْرًا ۝ قَالَ أَلَمْ أَقُلْ لَكَ إِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيعَ
مَعِيَ صَبْرًا ۝ قَالَ إِنْ سَأَلْتُكَ عَنْ شَيْءٍ بَعْدَهَا فَلَا تُصَاحِبْنِي قَدْ بَلَغْتَ مِنْ لَدُنِّي عُذْرًا ۝ فَانْطَلَقَا
حَتَّىٰ إِذَا أَتَيَا أَهْلَ قَرْيَةٍ اسْتَطْعَمَا أَهْلَهَا فَأَبَوْا أَنْ يُضَيِّفُوهُمَا فَوَجَدَا فِيهَا جِدَارًا يُرِيدُ أَنْ
يَنْقَضَّ فَأَقَامَهُ ۖ قَالَ لَوْ شِئْتَ لَتَّخَذْتَ عَلَيْهِ أَجْرًا ۝ قَالَ هَٰذَا فِرَاقُ بَيْنِي وَبَيْنِكَ ۚ سَأُنَبِّئُكَ
بِتَأْوِيلِ مَا لَمْ تَسْطِع عَّلَيْهِ صَبْرًا ۝ أَمَّا السَّفِينَةُ فَكَانَتْ لِمَسَاكِينَ يَعْمَلُونَ فِي الْبَحْرِ فَأَرَدْتُ
أَنْ أَعِيبَهَا وَكَانَ وَرَاءَهُم مَّلِكٌ يَأْخُذُ كُلَّ سَفِينَةٍ غَصْبًا ۝

وسائل کو اس میں دخل نہ تھا۔ پس معلوم ہوا، وہ شخص صاحب ولایت اور اللہ نے اسے براہ راست علم عطا فرمایا تھا۔ چنانچہ آگے چل کر اس کا قول آ رہا ہے۔ ما فعلتہ عن امری۔ میں نے جو کچھ کیا، اللہ کے حکم سے کیا، اپنی سمجھ سے نہیں کیا۔

۷۱ علم حاصل ہوا سے دیا گیا تھا، بعضاً یہ تھا کہ بعض امور کے بواطن و اسرار اس پر کھول دئے گئے تھے۔

ایک بے گناہ کی جان لیلی، حالانکہ اس نے کسی کی جان نہیں لی تھی۔ آپ نے کیسی بُرائی کی بات کی"، اس نے کہا "کیا میں نے نہیں کہہ دیا تھا، تم میرے ساتھ صبر نہ کر سکو گے"؟ موسیٰ نے کہا "اگر پھر میں نے کچھ پوچھا تو تُو اپنے ساتھ نہ رکھے گا۔ اس صورت میں آپ

۷۶ پوری طرح معذور سمجھے جائیں گے"۔

وہ دونوں اور آگے بڑھے۔ یہاں تک کہ ایک گاؤں کے پاس پہنچے۔ گاؤں والوں سے کہا، ہمارے کھانے کا انتظام کر دو۔ انہوں نے مہمان نوازی کرنے سے صاف انکار کر دیا۔ پھر ان دونوں نے دیکھا گاؤں میں ایک (پرانی) دیوار ہے اور گرنا چاہتی ہے۔ یہ دیکھ کر موسیٰ کے ساتھی نے (اس کی مرمت شروع کر دی اور) اسے از سر نو مضبوط کر دیا۔ اس پر موسیٰ (سے نہ رہا گیا) بول اٹھا "اگر آپ چاہتے تو اس محنت کا کچھ معاوضہ ان لوگوں سے وصول کرتے" (بغیر معاوضہ کے بیکار کی محنت کیوں کی؟) تب موسیٰ کے ساتھی نے

۷۷ کہا "بس اب مجھ میں اور تم میں جدائی کا وقت آ گیا ہاں جن باتوں پر تم سے صبر نہ ہو سکا، ان کی حقیقت تمہیں بتلا دیتا ہوں"۔

۷۸ سب سے پہلے کشتی کا معاملہ لو۔ وہ چند مسکینوں کی تھی جو سمندر میں محنت مزدوری کرتے ہیں۔ وہ جس طرف بڑھ رہے تھے، وہاں ایک بادشاہ ہے (ظالم جس کسی کی (اچھی) کشتی پاتا ہے، زبردستی لے لیتا ہے) میں نے چاہا، اس کی کشتی میں ایک عیب نکال دوں"

(۱۰) حضرت موسیٰ نے ارادہ کیا تھا کہ خاموش رہیں گے لیکن ان کا ارادہ چل نہ سکا ہر مرتبہ بول اٹھے۔ اس سے معلوم ہوا، انسانی فعل مجبور ہے کہ ظاہر پر حکم لگائے۔ وہ اس سے رک نہیں سکتی، مگر یہیں ٹھوکر کھاتی ہے۔ کیونکہ بواطن و حقایق تک نہیں پہنچ سکتی۔

(۱۱) حضرت موسیٰ کے ساتھ نے تین باتیں کیں۔ تینوں کا ظاہر بُرا تھا لیکن تینوں کی نہ میں بہتری ہی بہتری تھی۔ حضرت موسیٰ ظاہر دیکھ رہے تھے، لیکن ان کے ساتھی پر اللہ نے باطن روشن کر دیا تھا۔ اگر اسی طرح ظاہر کا پردہ اٹھ جائے، اور حقیقتیں سب کے سامنے آ جائیں جو حضرت موسیٰ کے ساتھی کے سامنے آ گئی تھیں، تو دنیا کا کیا حال ہو؟ سارے احکام کس طرح بدل جائیں؟ لیکن نہیں، حکمت الٰہی یہی ہے کہ پردہ نہ اٹھے،

فَاَعِيْنُوْنِيْ بِقُوَّةٍ اَجْعَلْ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ رَدْمًا ۝ اٰتُوْنِيْ زُبَرَ الْحَدِيْدِ ۭ حَتّٰٓى اِذَا سَاوٰى بَيْنَ ٩٥
الصَّدَفَيْنِ قَالَ انْفُخُوْا ۭ حَتّٰٓى اِذَا جَعَلَهٗ نَارًا ۙ قَالَ اٰتُوْنِيْٓ اُفْرِغْ عَلَيْهِ قِطْرًا ۝ فَمَا اسْطَاعُوْٓا اَنْ ٩٦
يَّظْهَرُوْهُ وَمَا اسْتَطَاعُوْا لَهٗ نَقْبًا ۝ قَالَ هٰذَا رَحْمَةٌ مِّنْ رَّبِّيْ ۚ فَاِذَا جَاۗءَ وَعْدُ رَبِّيْ جَعَلَهٗ دَكَّاۗءَ ٩٧
وَكَانَ وَعْدُ رَبِّيْ حَقًّا ۝ وَتَرَكْنَا بَعْضَهُمْ يَوْمَىِٕذٍ يَّمُوْجُ فِيْ بَعْضٍ وَّنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَجَمَعْنٰهُمْ جَمْعًا ۝ ٩٨-٩٩
وَّعَرَضْنَا جَهَنَّمَ يَوْمَىِٕذٍ لِّلْكٰفِرِيْنَ عَرْضَۨا ۝ الَّذِيْنَ كَانَتْ اَعْيُنُهُمْ فِيْ غِطَاۗءٍ عَنْ ذِكْرِيْ ١٠٠
وَكَانُوْا لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَمْعًا ۝ ع اَفَحَسِبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا ١٠١

پھر جب (تمام سامان مہیا ہو گیا، اور) دونوں پہاڑوں کے درمیان دیوار اٹھا کر ان کے برابر بلند کر دی تو حکم دیا (بھٹیاں سلگاؤ اور) اسے دھونکو۔ پھر جب (اس قدر دھونکا گیا کہ) بالکل آگ (کی طرح لال) ہو گئی تو کہا "گلا ہوا تانبا لاؤ۔ اس پر انڈیل دیں"۔ ٩٦

(۱۳) جب دیوار تیار ہو گئی، تو ذوالقرنین نے کہا، باللہ کی مہربانی ہے کہ اب عظیم الشان کام میرے ہاتھوں انجام پا گیا۔ اب اسے کوئی ڈھا نہیں سکتا۔ ہاں جب وہ معینہ وقت آئے گا، جس کی اللہ نے خبر دیدی ہے تو بلاشبہ یہ ریزہ ریزہ ہو کر رہ جائے گی اور یہاں ہر چیز کو بالآخر فنا ہونا ہے!

ذوالقرنین کے اس قول پر اسکی سرگزشت ختم ہو گئی اب آئندہ ٩٩ میں فرمایا، مقررہ وقت آئے گا، تو یہ قومیں نکلیں گی اور سمندر کی موجوں کی طرح ایک دوسرے پر آ پڑیں گی۔ پھر ایک وقت آئے گا جب سب کو اکٹھا ہو جانا ہے اور اس وقت منکرین حق دیکھ لیں گے کہ دوزخ ان کے سامنے ہے!

جب لوگوں کو جمع کرنا مقصود ہوتا ہے تو نرسنگا پھونکا جاتا ہے اور اسکی آواز سنتے ہی ہر گوشہ سے لوگ نکل آتے ہیں۔ فرمایا ایک ایسی ہی بات اس دن ہونے والی ہے نرسنگا پھونکا جائیگا کہ سب اکٹھے ہو جائیں!

چنانچہ (اس طرح) ایک ایسی سد بن گئی کہ (یاجوج اور ماجوج) نہ تو اس پر چڑھ سکتے تھے، نہ اس میں رخنہ لگا سکتے تھے۔ ٩٧

ذوالقرنین نے (تکمیل کار کے بعد) کہا "یہ (جو کچھ ہوا، تو فی الحقیقت) میرے پروردگار کی مہربانی ہے جب میرے پروردگار کی (فنائی ہونی) بات ظہور میں آئیگی، تو وہ اسے ڈھا کر ریزہ ریزہ کر دیگا (مگر اس سے پہلے کوئی اسے ڈھا نہیں سکتا) اور میرے پروردگار کی (فنائی ہونی) بات سچ ہے ٹلنے والی نہیں"! ٩٨

اور جس دن وہ بات ظہور میں آئیگی، تو اس دن ہم ایسا کرینگے کہ (سمندر کی لہروں کی طرح ان قوموں میں سے) ایک (قوم) دوسری (قوم) کے درمیان بہنے لگیگی اور نرسنگا پھونکا جائے گا، اور ساری قوموں کی بھیڑ اکٹھی ہو جائے گی! ٩٩

اس دن ہم منکروں کے سامنے دوزخ اس طرح نمودار کر دینگے جسے ایک حیز بالکل سامنے دکھائی دے وہ منکر، جن کی نگاہوں پر ہمارے ذکر سے پردہ پڑ گیا تھا۔ اور (کانوں میں ایسی گرانی کہ کوئی بات سن نہیں سکتے تھے! ١٠٠

(۱۴) آیت (۱۰۲) سے سلسلۂ خطاب پھر منکرین دعوت کی طرف ١٠١

جن لوگوں نے کفر کی راہ اختیار کی ہے کیا انہوں نے

فِيْ عَيْنٍ حَمِئَةٍ وَّوَجَدَ عِنْدَهَا قَوْمًا ۭ قُلْنَا يٰذَا الْقَرْنَيْنِ اِمَّآ اَنْ تُعَذِّبَ وَاِمَّآ اَنْ تَتَّخِذَ فِيْهِمْ
حُسْنًا ۝ قَالَ اَمَّا مَنْ ظَلَمَ فَسَوْفَ نُعَذِّبُهٗ ثُمَّ يُرَدُّ اِلٰى رَبِّهٖ فَيُعَذِّبُهٗ عَذَابًا نُّكْرًا ۝ وَاَمَّا مَنْ
اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهٗ جَزَاۗءَ ۨ الْحُسْنٰى ۚ وَسَنَقُوْلُ لَهٗ مِنْ اَمْرِنَا يُسْرًا ۝ ثُمَّ اَتْبَعَ سَبَبًا ۝
حَتّٰٓى اِذَا بَلَغَ مَطْلِعَ الشَّمْسِ وَجَدَهَا تَطْلُعُ عَلٰي قَوْمٍ لَّمْ نَجْعَلْ لَّهُمْ مِّنْ دُوْنِهَا سِتْرًا ۝ كَذٰلِكَ ۭ
وَقَدْ اَحَطْنَا بِمَا لَدَيْهِ خُبْرًا ۝ ثُمَّ اَتْبَعَ سَبَبًا ۝ حَتّٰٓى اِذَا بَلَغَ بَيْنَ السَّدَّيْنِ وَجَدَ مِنْ دُوْنِهِمَا
قَوْمًا ۙ لَّا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ قَوْلًا ۝ قَالُوْا يٰذَا الْقَرْنَيْنِ اِنَّ يَاْجُوْجَ وَمَاْجُوْجَ مُفْسِدُوْنَ فِي
الْاَرْضِ فَهَلْ نَجْعَلُ لَكَ خَرْجًا عَلٰٓى اَنْ تَجْعَلَ بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمْ سَدًّا ۝ قَالَ مَا مَكَّنِّيْ فِيْهِ رَبِّيْ خَيْرٌ

راہ سے آتے تھے اور اس طرف کی بستیوں میں لوٹ مار کرتے تھے۔ وہاں کے باشندوں کی استدعا پر اس نے وہاں ایک دیوار بنا دی جس کی وجہ سے حملہ آوروں کا راستہ بالکل بند ہو گیا۔

کی جھیل میں ڈوب جاتا ہے اور اس کے قریب ایک گروہ کو بھی آباد پایا۔ ہم نے کہا "اے ذوالقرنین! (اب یہ لوگ تیرے اختیار میں ہیں) تو چاہے انہیں

۸۶ عذاب میں ڈالے چاہے اچھا سلوک کر کے اپنا بنا لے۔

ذوالقرنین نے کہا "ہم ناانصافی کرنے والے نہیں۔ جو سرکشی کرے گا، اسے ضرور سزا دینگے۔ پھر اسے

۸۷ اپنے پروردگار کی طرف لوٹنا ہے وہ (بداعمالوں کو) سخت عذاب میں مبتلا کرے گا۔ اور جو ایمان لائیگا اور اچھے

۸۸ کام کریگا تو اس کے بدلے اسے بھلائی ملے گی اور ہم اُسے ایسی ہی باتوں کا حکم دینگے جس میں اس کے لئے آسانی و راحت ہو"

۸۹ اس کے بعد پھر اس نے تیاری کی اور (پورب کی طرف) چلا۔ یہاں تک کہ سورج نکلنے کی آخری حد تک پہنچ

۹۰ گیا اس نے دیکھا، سورج ایک گروہ پر نکلتا ہے جس سے ہم نے کوئی آڑ نہیں رکھی ہے۔ ان کی حالت ایسی ہی تھی

۹۱ اور جو کچھ ذوالقرنین کے پاس تھا، اس کی ہمیں پوری پوری خبر ہے!

اس نے پھر ساز و سامان تیار کیا (اور تیسری مہم میں نکلا) یہاں تک کہ دو (پہاڑوں کی) دیواروں کے

۹۲ درمیان پہنچ گیا۔ وہاں اس نے دیکھا، پہاڑوں کے اس طرف ایک قوم آباد ہے جس سے بات کہی جائے

۹۳ تو بالکل نہیں سمجھتی۔ اس قوم نے (اپنی زبان میں) کہا "اے ذوالقرنین! یاجوج اور ماجوج اس ملک میں آکر

۹۴ لوٹ مار کرتے ہیں۔ کیا ایسا ہو سکتا ہے کہ آپ ہمارے اور ان کے درمیان ایک روک بنا دیں اور اس غرض

سے ہم آپکے لئے کچھ خراج مقرر کر دیں؟" ذوالقرنین نے کہا "میرے پروردگار نے جو کچھ میرے قبضہ میں دے

۹۵ رکھا ہے وہی میرے لئے بہتر ہے (تمہارے خراج کا محتاج نہیں مگر تم اپنی قوت سے (اس کام میں) میری

مدد کرو۔ میں تمہارے اور یاجوج و ماجوج کے درمیان ایک مضبوط دیوار کھڑی کر دوں گا"۔

(اس کے بعد اس نے حکم دیا) "لوہے کی سلیں میرے لئے مہیا کر دو"

إِنَّمَا إِلٰهُكُمْ إِلٰهٌ وَاحِدٌ ۖ فَمَن كَانَ يَرْجُو لِقَاءَ رَبِّهِ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهِ أَحَدًا ۝ ۱۱۰ ع ۱۲

پر وحی کی ہے کہ "تمہارا معبود وہی ایک ہے۔ اس کے سوا کوئی نہیں" پس جو کوئی اپنے پروردگار سے ملنے کی آرزو رکھتا ہے چاہیئے کہ اچھے کام انجام دے اور اپنے پروردگار کی بندگی میں کسی دوسری ہستی کو شریک نہ کرے (بس اس کے سوا میرا کوئی پیغام نہیں!) ۱۱۰

اصحاب کہف

(۱۵۱) مسیحی مذہب کے ابتدائی قرنوں میں متعدد واقعات ایسے گذرے ہیں کہ راسخ الاعتقاد عیسائیوں نے مخالفوں کے ظلم و وحشت سے عاجز آکر پہاڑوں کے غاروں میں پناہ لے لی اور آبادیوں سے کنارہ کش ہوگئے۔ یہاں تک کہ وہیں وفات پاگئے، اور ایک عرصہ کے بعد ان کی ہڈیاں برآمد ہوئیں۔ چنانچہ ایک واقعہ خود روم کے اطراف میں گزرا تھا۔ ایک انطاکیہ کی طرف منسوب ہے ایک افسس میں بیان کیا جاتا ہے۔

اب یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس سورت میں جو واقعہ بیان کیا گیا ہے، وہ کہاں پیش آیا تھا؟

قرآن نے "کہف" کے ساتھ "الرقیم" کا لفظ بھی بولا ہے، اور بعض ائمہ تابعین نے اس کا یہی مطلب سمجھا تھا کہ یہ ایک شہر کا نام ہے، لیکن چونکہ اس نام کا کوئی شہر عام طور پر مشہور نہ تھا، اس لئے اکثر مفسر اس طرف چلے گئے کہ یہاں "رقیم" کے معنی کتابت کے ہیں یعنی ان کے غار پر کوئی کتبہ لگا دیا گیا تھا۔ اس لئے کتبہ والے مشہور ہوگئے۔

الرقیم

لیکن اگر انہوں نے تورات کی طرف رجوع کیا ہوتا تو معلوم ہو جاتا کہ "رقیم" وہی لفظ ہے جسے تورات میں "رقیم" کہا گیا ہے، اور یہ فی الحقیقت ایک شہر کا نام تھا جو آگے چل کر "پیٹرا" کے نام سے مشہور ہوا، اور عرب اسے "بطرا" کہنے لگے

عالمگیر جنگ کے بعد آثار قدیمہ کی تحقیقات کے جو نئے نئے گوشے کھلے ہیں ان میں ایک پیٹرا بھی ہے اور ان کے انکشافات نے بحث و نظر کا ایک نیا میدان مہیا کر دیا ہے۔

جزیرہ نمائے سینا اور خلیج عقبہ سے سیدھے شمال کی طرف بڑھیں تو دو پہاڑی سلسلے متوازی شروع ہو جاتے ہیں، اور سطح زمین بلندی کی طرف اٹھنے لگتی ہے۔ یہ علاقہ نبطی قبائل کا علاقہ تھا، اور اسی کی ایک پہاڑی سطح پر "رقیم" کا شہر آباد تھا۔ دوسری صدی عیسوی میں جب رومیوں نے شام اور فلسطین کا الحاق کر لیا، تو یہاں کے دوسرے شہروں کی طرح راقیم نے بھی ایک رومی نو آبادی کی حیثیت اختیار کر لی، اور یہی زمانہ ہے جب پیٹرا کے نام سے اس کے عظیم الشان مندروں اور تھیٹروں کی شہرت دور دور تک پہنچی۔ ۶۳۴ء میں جب مسلمانوں نے یہ علاقہ فتح کیا، تو راقیم کا نام بہت کم زبانوں پر رہا تھا۔ یہ رومیوں کا پیٹرا اور عربوں کا بطرا تھا۔

جنگ کے بعد سے اس علاقہ کی از سر نو آثاری پیمائش کی جا رہی ہے اور نئی نئی باتیں روشنی میں آ رہی ہیں۔ از انجملہ اس علاقہ کے عجیب و غریب غار ہیں جو دور دور تک چلے گئے ہیں اور نہایت وسیع ہیں۔ نیز اپنی نوعیت میں ایسے واقع ہوئے ہیں کہ دن کی روشنی کسی طرح بھی ان کے اندر نہیں پہنچ سکتی۔ ایک غار ایسا بھی ملا ہے جس کے دہانہ کے پاس قدیم عمارتوں کے آثار پائے جاتے ہیں اور بے شمار مستونوں کی کرسیاں تراشی گئی ہیں۔ خیال کیا گیا ہے کہ یہ کوئی معبد ہوگا جو یہاں تعمیر کیا گیا تھا۔

اس انکشاف کے بعد قدرتی طور پر یہ بات سامنے آجاتی ہے کہ اصحاب کہف کا واقعہ اسی شہر میں پیش آیا تھا، اور قرآن نے صاف صاف اس کا نام "الرقیم" بتلا دیا ہے، اور جب اس نام کا ایک شہر موجود تھا، تو پھر کوئی وجہ نہیں کہ رقیم کے معنی میں تکلفات کئے جائیں، اور بغیر کسی بنیاد کے اسے کتبہ پر محمول کیا جائے۔

علاوہ بریں دوسرے قرائن بھی اس بات کی تصدیق کرتے ہیں۔

قرآن نے جس طرح اس واقعہ کا ذکر کیا ہے، اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس واقعہ کی عرب میں تہرت تھی، لوگ اس بارے میں بحثیں کیا کرتے تھے، اور اسے ایک نہایت ہی عجیب و غریب بات تصور کرتے تھے۔ اب بظاہر یہ ہے کہ مشرکین عرب کے وسائل

۱۰۲ اَنْ یَّتَّخِذُوْا عِبَادِیْ مِنْ دُوْنِیْٓ اَوْلِیَآءَ ؕ اِنَّآ اَعْتَدْنَا جَهَنَّمَ لِلْكٰفِرِیْنَ نُزُلًا ۝ قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ
۱۰۳،۱۰۴ بِالْاَخْسَرِیْنَ اَعْمَالًا ؕ اَلَّذِیْنَ ضَلَّ سَعْیُهُمْ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَهُمْ یَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ یُحْسِنُوْنَ صُنْعًا ۝
۱۰۵ اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِاٰیٰتِ رَبِّهِمْ وَلِقَآئِهٖ فَحَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فَلَا نُقِیْمُ لَهُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ وَزْنًا ۝
۱۰۶ ذٰلِكَ جَزَآؤُهُمْ جَهَنَّمُ بِمَا كَفَرُوْا وَاتَّخَذُوْٓا اٰیٰتِیْ وَرُسُلِیْ هُزُوًا ۝ اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا
۱۰۸-۱۰۷ الصّٰلِحٰتِ كَانَتْ لَهُمْ جَنّٰتُ الْفِرْدَوْسِ نُزُلًا ۝ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا لَا یَبْغُوْنَ عَنْهَا حِوَلًا ۝ قُلْ
لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمٰتِ رَبِّیْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ كَلِمٰتُ رَبِّیْ وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهٖ
۱۱۰ مَدَدًا ۝ قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ یُوْحٰٓی

ترجمہ ہو گیا ہے اور اس طرف اشارہ کیا ہے کہ ان کی تمام کوششیں اکارت جانے والی ہیں اور کلمہ جن کی کامیابی اٹل ہے۔

آیت ۱۰۳ میں انسان کی نامرادیوں کی کیسی کامل تصویر کھینچ دی ہے؟ جن لوگوں کی کوشش اس زندگی میں کھوئی جاتی ہیں اور وہ اس دھوکے میں رہتے ہیں کہ ہم بڑے بڑے کارخانے بنا رہے ہیں۔

غور کرو! کتنی ہی زندگیاں ہیں جن کا ہر لمحہ طرح طرح کی کوششوں میں بسر ہوتا ہے، لیکن ان کی کوئی کوشش بھی کامیاب نہیں ہوتی اور جب پردہ غفلت ہٹتا ہے تو صاف دیکھ لیتے ہیں کہ جدوجہد کی ساری زندگی رائیگاں گئی! وہ ہمیشہ اسی دھوکے میں رہتے ہیں کہ ہم نے فلاں بات نالی۔ اور فلاں کارخانہ درست کر لیا، حالانکہ خبث باطن کچھ بھی نہیں ہر تار سنگ ٹوٹا ہی جاتا ہے:

خیال کیا ہے، ہمیں چھوڑ کر ہمارے بندوں کو اپنا کارساز بنا لیں؟ (انہیں معلوم ہونا چاہئے کہ) ہم نے کافروں کی مہمانی کے لئے دوزخ تیار کر رکھی ہے!

(اے پیغمبر!) تو کہدے، ہم تمہیں خبر دیدیں کون لوگ اپنے کاموں میں سب سے زیادہ نامراد ہیں؟ وہ جن کی ساری کوششیں دنیا کی زندگی میں کھوئی گئیں اور وہ اس دھوکے میں پڑے ہیں کہ بڑا اچھا کارخانہ بنا رہے ہیں!

یہی لوگ ہیں کہ اپنے پروردگار کی آیتوں سے اور اس کے حضور حاضر ہونے سے منکر ہوئے پس ان کے سارے کام اکارت گئے، اور اس لئے قیامت کے دن ہم ان کے اعمال کا کوئی وزن تسلیم نہیں کرینگے۔ انہوں نے جیسی کچھ کفر کی راہ اختیار کی تھی، اور ہماری آیتوں اور رسولوں کی ہنسی اڑائی تھی، تو عذاب دوزخ، اس کا (لازمی) نتیجہ ہے!

لیکن جو لوگ ایمان لائے اور اچھے کام کئے، تو ان کی مہمانی کے لئے فردوس کے باغ ہونگے۔ وہ ہمیشہ ان میں رہینگے۔ کبھی نہیں چاہینگے کہ اپنی جگہ بدلیں!

(اے پیغمبر!) اعلان کر دے اگر میرے پروردگار کی باتیں لکھنے کے لئے دنیا کے تمام سمندر سیاہی بن جائیں تو سمندر کا پانی ختم ہو جائے گا۔ مگر میرے پروردگار کی باتیں ختم نہ ہونگی۔ اگر ان سمندروں کا ساتھ دینے کے لئے ویسے ہی سمندر اور بھی پیدا کر دیں، جب بھی وہ کفایت نہ کریں!

(نیز) کہدے "میں تو اس کے سوا کچھ نہیں ہوں کہ تمہارے ہی جیسا ایک آدمی ہوں۔ البتہ اللہ نے مجھ

کیا، آبادی سے منہ موڑ لیں اور کسی غار میں معتکف ہو کر ذکر الٰہی میں مشغول ہو جائیں چنانچہ ایک غار میں مقیم ہو گئے۔

غار کی توجیہ

ان کا ایک وفادار کتا تھا، وہ بھی ان کے ساتھ غار میں چلا گیا۔ جس غار میں انہوں نے پناہ لی، وہ اس طرح کی واقع ہوئی ہے کہ اگرچہ اندر سے کشادہ ہے اور دہانہ کھلا ہوا، لیکن سورج کی کرنیں اس میں راہ نہیں پا سکتیں۔ نہ تو چڑھتے دن میں، نہ ڈھلتے میں۔ جب سورج نکلتا ہے تو داہنی جانب ہٹتے ہوئے گزر جاتا ہے۔ جب ڈھلتا ہے تو بائیں جانب ہٹتے ہوئے غروب ہو جاتا ہے۔ یعنی غار اپنے طول میں شمال و جنوب رویہ واقع ہے۔ ایک طرف دہانہ ہے، دوسری طرف سنفذ۔ روشنی اور ہوا دونوں طرف سے آتی ہے، لیکن دھوپ کسی طرف سے بھی راہ نہیں پا سکتی۔

اس صورت حال سے بیک وقت دو باتیں معلوم ہوتیں۔ ایک تو زندہ رہنے کے لئے وہ نہایت محفوظ اور موزوں مقام ہے کیونکہ ہوا اور روشنی کی راہ موجود ہے مگر دھوپ کی تپش پہنچ نہیں سکتی۔ پھر اندر سے کشادہ ہے جگہ کی کمی نہیں۔ دوسری یہ کہ باہر سے دیکھنے والوں کے لئے اندر کا منظر بھیانک قسم کا ہو گیا ہے کیونکہ روشنی کے منافذ موجود ہیں اس لئے بالکل اندھیرا نہیں۔ تاہم سورج کسی وقت سامنے آتا نہیں، اس لئے بالکل اجالا بھی نہیں ہوتا۔ مدھم روشنی اور اندھیری کی ملی جلی حالت رہتی ہے، اور جس غار کی اندرونی فضا ایسی ہو اسے باہر سے جھانک کر دیکھا جائے۔ تو اندر کی ہر چیز ضرور ایک بھیانک منظر پیش کرے گی۔

انقلاب حال

یہ لوگ کچھ عرصہ تک غار میں رہے اس کے بعد نکلے تو انہیں کچھ اندازہ نہ تھا، کتنے عرصہ تک اس میں رہے ہیں۔ وہ سمجھتے تھے باشندوں کا وہی حال ہو گا، جس حال میں انہیں چھوڑا تھا۔ لیکن اس عرصہ میں یہاں انقلاب ہو چکا تھا۔ اب قصہ ان لوگوں کا تھا جو اصحاب کہف ہی کی طرح خدا پرستی کی راہ اختیار کر چکے تھے۔ جب ان کا ایک آدمی شہر میں پہنچا تو اسے یہ دیکھ کر حیرت ہوئی اب وہی لوگ جنہوں نے انہیں سنگسار کرنا چاہا تھا، ان کے ایسے معتقد ہو گئے کہ ان کی غار نے زیارت گاہ عام کی حیثیت اختیار کر لی اور امراء شہر نے فیصلہ کیا کہ یہاں ایک ہیکل تعمیر کیا جائے۔

ضرب علی الآذان

(۳۰) اصحاب کہف نے یہ مدت کس حال میں بسر کی تھی؟ اس بارے میں قرآن نے صرف اس قدر اشارہ کیا ہے کہ فضربنا علی اذانھم فی الکھف سنین عددا (۱۱) "ضرب علی الآذان" کے صاف معنی تو یہ ہیں کہ ان کے کان دنیا کی طرف سے بند ہو گئے تھے۔ یعنی دنیا کی کوئی صدا ان تک نہیں پہنچتی تھی۔ لیکن مفسرین نے اسے نیند پر محمول کیا ہے یعنی ان پر نیند طاری ہو گئی تھی اور چونکہ نیند کی حالت میں آدمی کوئی آواز نہیں سنتا، اس لئے اس حالت کو "ضرب علی الآذان" سے تعبیر کیا گیا۔ اس تعبیر میں مآل کا یہ ہے کہ عربی میں نیند کی حالت کے لئے "ضرب الاذان" کی تعبیر ملتی نہیں۔ لیکن وہ کہتے ہیں، یہ ایک طرح کا استعارہ ہے۔ گہری نیند کی حالت کو ضرب علی الآذان کی حالت سے تشبیہ دی گئی ہے۔ نفی الکلام تجوز بطریق الاستعارۃ التبعیہ۔

اصل یہ ہے کہ اصحاب کہف کا جو قصہ عام طور پر مشہور ہو گیا تھا، وہ یہی تھا کہ غار میں برسوں تک سوتے رہے، اس لئے کوئی عجیب بات نہیں کہ بعد کو بھی اسی طرح کی روایتیں مشہور ہو گئیں جو اس قصہ کے اصلی راوی نہیں تھے، اور ہم دیکھتے ہیں کہ اس قصہ کی اکثر تفصیلات تغییر کے انہی راویوں پر جا کر منتہی ہوتی ہیں جو اہل کتاب کے قصوں کی روایت میں مشہور ہو چکے ہیں مثلاً ضحاک اور سدی۔ بہرحال اگر یہاں ضرب علی الآذان سے مقصود نیند کی حالت ہو، تو پھر مطلب قرار پائے گا کہ وہ غیر معمولی مدت تک نیند کی حالت میں پڑے رہے، اور ثم بعثناھم کا مطلب کرنا پڑے گا کہ اس کے بعد نیند سے بیدار ہو گئے۔

یہ بات کہ ایک آدمی پر غیر معمولی مدت تک نیند کی حالت طاری رہے اور پھر بھی زندہ رہے طبی تجارب کے مسلمات میں سے ہے، اور اس کی مثالیں ہمیشہ تجربہ آتی رہتی ہیں۔ پس اگر اصحاب کہف پر قدرت الٰہی سے کوئی ایسی حالت طاری ہو گئی ہو جس نے غیر معمولی مدت تک انہیں سلائے رکھا، تو یہ کوئی مستبعد بات نہیں۔ البتہ قرآن حکیم کی تصریح اس بارے میں ظاہر اور قطعی نہیں ہے اس لئے احتیاط اسی میں ہے کہ جزم و یقین کے ساتھ کچھ نہ کہا جائے۔

(۳۱) آیت (۱۸) وتحسبھم ایقاظا وھم رقود الخ میں اس صورت حال کی طرف اشارہ کیا ہے جو نزول قرآن کے وقت تھی، یا جو حالت اس غار کی ایک مدت تک رہی۔

اس سے معلوم ہوا کہ انقلاب حال کے بعد اصحاب کہف نے غار کی گوشہ نشینی ترک نہیں کی تھی۔ اسی میں رہے یہاں تک کہ انتقال کر گئے۔ ان کے انتقال کے بعد غار کی حالت ایسی ہو گئی کہ باہر سے کوئی دیکھے تو معلوم ہو، زندہ آدمی موجود ہیں۔ دہانے کے

معلومات محدود تھے۔ بہت کم امکان ہے کہ دور کی باتیں ان کے علم میں آئی ہوں، جس ضروری ہے کہ یہ قرب و جوار ہی کی کوئی بات ہو اور ان لوگوں کی زبانی سنی جائے جن سے ہمیشہ عربوں کا ملنا جلنا رہتا ہو۔ ایسے لوگ کون ہو سکتے تھے؟ اگر اسے پیٹرا کا واقعہ قرار دیا جائے تو بات بالکل واضح ہو جاتی ہے۔ اول تو خود یہ مقام عرب ہی کے ذیب تھا یعنی حوب کی سرحد سے ساٹھ ستر میل کے فاصلہ پر شمالاً نبطیوں کی وہاں آبادی تھی اور نبطیوں کی وہاں آبادی تھی، اور نبطیوں کے تجارتی قافلے برابر حجاز میں آتے رہتے تھے۔ یقیناً نبطیوں میں اس واقعہ کی شہرت ہوگی اور انہی سے عربوں نے سنا ہوگا۔

خود قریش مکہ کے تجارتی قافلے بھی ہر سال شام جایا کرتے تھے اور سفر کا ذریعہ وہی شاہراہ تھی جو رومیوں نے ساحل خلیج سے لے کر ساحل مارمورا تک تعمیر کر دی تھی[1]۔ پیٹرا اسی شاہراہ پر واقع تھا۔ بلکہ اس نواح کی سب سے پہلی تجارتی منڈی تھی۔ اس نے اس سے زیادہ قدرتی بات اور کیا ہو سکتی ہے کہ یہ واقعہ ان کے علم میں آ گیا ہو۔

اس سلسلہ میں چند باتیں اور تشریح طلب ہیں:

واقعہ

(ا) آیت ۹ ام حسبت ان اصحاب الکہف والرقیم کانوا من آیاتنا عجبا؟ کا اسلوب خطاب صاف کہہ رہا ہے کہ کچھ لوگ "اصحاب الکہف والرقیم" کے نام سے مشہور ہیں۔ ان کا معاملہ قدرت الٰہی کا ایک عجیب و غریب کرشمہ سمجھا جاتا ہے۔ لوگوں نے پیغمبر اسلام سے ان کا ذکر کیا ہے اور اب وحی الٰہی اس معاملہ کی حقیقت واضح کر رہی ہے چنانچہ پہلے مجملاً اس کا خلاصہ اور نتیجہ بتلا دیا کہ جو کچھ پیش آیا تھا، وہ اس سے زیادہ نہیں ہے اور جو کچھ عبرت و تذکیر کی بات ہے، وہ یہ ہے۔ پھر آیت ۱۳ میں فرمایا نحن نقص علیک نبأھم بالحق۔ اب ہم تجھے ان کی سچی خبر سناتے ہیں یعنی واقعہ کی چند ضروری تفصیلات بیان کرتے ہیں چنانچہ اس کے بعد تفصیلات بیان کی ہیں۔

یہ مجمل خلاصہ جو آیت ۱۰ سے ۱۲ تک بیان کیا ہے، تمام سرگزشت کا حاصل ہے۔ اسی کی روشنی میں بقیہ تفصیلات پڑھنی چاہئیں فرمایا۔ چند نوجوان تھے جنھوں نے سچائی کی راہ میں دنیا اور دنیا کی راحتوں سے منہ موڑا اور ایک غار میں پناہ گزین ہو گئے۔ ان کے پیچھے ظلم و ستم کی قوتیں تھیں، سامنے غار کی تاریکی و وحشت۔ تاہم وہ ذرا بھی ہراساں نہ ہوئے، انہوں نے کہا خدایا! تیری ہی رحمت کا آسرا ہے اور تیری ہی چارہ سازی پر بھروسہ: چنانچہ کئی سال تک وہ وہیں رہے اور اس طرح رہے کہ دنیا کی صداؤں کی طرف سے ان کے کان بالکل بند تھے پھر ہم نے انہیں اٹھا کھڑا کیا، تاکہ واضح ہو جائے، ان دونوں جماعتوں میں سے کون گروہ تھا جس نے اس عرصہ میں تاریخ عمل کا بہتر اندازہ کیا ہے؟ یعنی صورت حال نے دو جماعتیں پیدا کر دی تھیں ایک اصحاب کہف تھے ایک ان کے مخالف ایک نے حق کی ہیروی کی۔ دوسرے نے ظلم و کفر پر کمر باندھی یہ چند برسوں کی مدت دونوں جماعتوں پر گزری تھی۔ اس پر بھی وہ نہ رہیں پا مینے پر مجبور ہوئی اور اس پر بھی جس نے غار میں نیا مہینے کے لئے انہیں مجبور کیا۔ اب دیکھنا یہ تھا کہ دونوں میں سے کس نے کھویا ہے؟ اور کس نے کھویا ہے؟ کون ان دونوں میں وقت کا بہتر اندازہ شناس تھا؟

رمین ی؟

چنانچہ آگے چل کر جو تفصیلات آتی ہیں، ان سے واضح ہو جاتا ہے کہ ظالم جماعت کے ظلم کی عمر بہت تھوڑی تھی اور بالآخر وہی راہ فتح مند رہنے والی تھی جو اصحاب کہف نے اختیار کی تھی۔ کیونکہ بالآخر مسیحی دعوت تمام ملک میں پھیل گئی، اور جب کچھ عرصہ کے بعد وہ غار سے نکلے اور ایک آدمی کو آبادی میں بھیجا، تو اب مسیحی ہونا کوئی ناقابل معافی جرم نہیں تھا۔ خوف و سراسیمگی کی سب سے بڑی عظمت تھی!

صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ ان پرستاران حق کی استقامت ہی تھی جس نے دعوت حق کو فتح مند کیا۔ اگر وہ مظالم سے تنگ آ کر اتباع حق سے دست بردار ہو جاتے، تو یقیناً یہ انقلاب ظہور میں نہیں آتا۔

(ب) اس کے بعد واقعہ کی بعض تفصیلات واضح کر دی ہیں۔ جو لوگ خدا پرستی کی راہ اختیار کرتے تھے ان کی مخالفت میں تمام باشندے کمر بستہ ہو جاتے۔ اور اگر وہ اپنی روش سے باز نہ آتے، تو سنگسار کرتے۔ یہ حالت دیکھ کر انہوں نے فیصلہ

---

[1] جنگ کے بعد اس شاہراہ کا سراغ لگایا گیا تو پوری طرح نمایاں ہو گئی۔ اب یہ اپنے اصل خط پر دوبارہ تعمیر کی جا رہی ہے اور عقبہ سے عمان تک تعمیر ہو چکی ہے۔ آج کل جہاں عقبہ ہے۔ وہاں پہلے تنیس آباد تھا۔ جہاں سے حضرت سلیمان علیہ السلام کے جہاز ہند و سندھ جایا کرتے تھے، اور بحر احمر کے تجارتی بیڑے کا مرکز تھا۔

ہوئے تھے، تو برابر کھڑے ہی رہتے اور اسی حالت میں جان دیدیتے۔ اگر گھٹنے کے بل رکوع کی حالت اختیار کی تھی تو یہی حالت آخر تک قائم رہتی۔ اگر سجدے میں گر کھدیا تھا تو پھر سجدے ہی میں پڑے رہتے اور مرنے کے بعد بھی اسی وضع میں نظر آتے۔ زیادہ تر گھٹنے کے بل رکوع کی وضع اختیار کی جاتی تھی کیونکہ عیسائیوں میں قنوت و تضرع کے لئے یہی وضع رائج ہوگئی تھی[1]۔

غذا کی طرف سے یہ لوگ بالکل بے پرواہ رہتے تھے۔ اگر آبادی قریب ہوتی تو لوگ روٹی اور پانی پہنچا دیا کرتے نہیں ہوتی تو یہ اس کی جستجو نہیں کرتے، عبادت کا استغراق جستجو کی مہلت ہی نہیں دیتا۔ اس اعتبار سے ان کی حالت ویسی ہی تھی، جیسی ہندوستان کے یوگیوں کی رہ چکی ہے، اور اب بھی گاہ گاہ نظر آجاتی ہے۔

جس طرح زندگی میں انہیں کوئی نہیں چھیڑتا تھا، اسی طرح مرنے کے بعد بھی کوئی ہمکی جرأت نہ کرتا۔ مدتوں تک ان کی نعشیں اسی حالت میں باقی رہتیں جس حالت میں انہوں نے زندگی کے آخری لمحے بسر کئے تھے۔ اگر موسم موافق ہوتا۔ اور درندوں سے حفاظت ہوتی تو صدیوں تک ڈھانچے باقی رہتے اور فاصلہ سے دیکھنے والے انہیں زندہ انسان تصور کرتے۔ چنانچہ ڈسکان کے تہ خانوں میں بے شمار ڈھانچے آج تک محفوظ ہیں جو اسی طرح کے مقامات سے برآمد ہوئے تھے اور اپنی اصلی وضع و ہیئت پر باقی تھے۔

ابتداء اس غرض سے زیادہ تر پہاڑوں کی غاریں یا پرانی عمارتوں کے کھنڈر اختیار کئے گئے تھے، لیکن آگے چل کر یہ طریقہ اس درجہ عام ہوگیا کہ خاص خاص عمارتیں اسی غرض سے تعمیر کی جانے لگیں۔ یہ عمارتیں اس طرح بنائی جاتی تھیں کہ ان میں آمد و رفت کے لئے کوئی دروازہ نہیں ہوتا تھا۔ کیونکہ جو جاتا تھا، وہ پھر باہر نہیں نکلتا تھا۔ صرف ایک چھوٹی سی سلاخدار کھڑکی رکھی جاتی تھی۔ جو ہوا اور روشنی کا ذریعہ ہوتی اور اسی کے ذریعہ لوگ غذا بھی پہنچا دیتے۔

بعد کو جب مناسٹک ارم (رہبانیت) کے باقاعدہ ادارے قائم ہوگئے تو اس طرح کے انفرادی انزوا کی مثالیں کم ہوتی گئیں۔ تاہم تاریخ کی شہادت موجود ہے کہ ازمنہ وسطیٰ تک یہ طریقہ عام طور پر جاری تھا، اور یورپ کی کوئی آبادی ایسی نہ تھی جو اس طرح کی عمارتوں سے خالی ہو۔ ان مقامات کو عام طور پر Lag ettes کہتے تھے۔ اور جب ایک راہب یا راہبہ کا ان میں انتقال ہوجاتا تو ان پر یہ لاطینی لفظ کندہ کردیا جاتا کہ R.I.P. یعنی اس کے لئے دعا کرو۔

تمام نارتھیں متفق ہیں کہ مسیحی رہبانیت سب سے پہلے مشرق میں شروع ہوئی، اور اس کا بڑا مرکز فلسطین اور مصر تھا۔ پھر چوتھی صدی مسیحی میں یہ یورپ پہنچی، اور سینٹ بینی ڈکٹ (Benedict) نے سب سے پہلے اس کے قواعد و ضوابط منضبط کئے۔ سینٹ بینی ڈکٹ نے بھی ایک پہاڑ کی غار ہی میں گوشہ نشینی اختیار کی تھی۔

مسیحی رہبانیت کی تاریخ کے مطالعہ سے یہ بات بھی واضح ہوجاتی ہے کہ اس کی ابتدا اضطراری حالات سے ہوئی تھی۔ آگے چل کر اس نے ایک اختیاری عمل کی نوعیت پیدا کرلی۔ مبنی ابتدا میں لوگوں نے مخالفوں کے ظلم و تشدد سے مجبور ہوکر غاروں، اور جنگلوں میں گوشہ نشینی اختیار کی۔ پھر ایسے حالات پیش آئے کہ یہ اضطراری طریقہ زہد و تعبد کا ایک اختیاری اور مقبول طریقہ بن گیا۔ مزید تشریح اس مقام کی سورہ حدید کی تشریحات میں ملے گی۔

بہرحال معلوم ہوتا ہے کہ اصحاب کہف کا معاملہ بھی تمام تر اسی نوعیت کا تھا۔ ابتدا میں قوم کے ظلم نے انہیں مجبور کیا تھا کہ غار میں پناہ لیں، لیکن جب کچھ عرصہ تک وہاں مقیم رہے تو زہد و عبادت کا استغراق کچھ اس طرح ان پر چھا گیا کہ پھر دنیا کی طرف لوٹنے پر آمادہ نہ ہوسکے، اور گو ملک کی حالت بدل گئی تھی لیکن وہ بدستور غار ہی میں معتکف رہے۔ یہاں تک کہ ان کا انتقال ہوگیا۔ انتقال اس حال میں ہوا کہ جس شخص نے ذکر و عبادت کی جو وضع اختیار کرلی تھی وہی وضع آخری لمحوں تک باقی رہی، ان کے وفادار کتے نے بھی آخر تک ان کا ساتھ دیا۔ پاسبانی کے لئے دہانے کے قریب بیٹھا رہتا تھا۔ جب اس کے مالک مرگئے، تو اس نے بھی وہیں بیٹھے بیٹھے دم توڑ دیا۔

اب اس واقعہ کے بعد غار کے اندرونی منظر نے ایک عجیب ہیئت انگیز نوعیت پیدا کرلی۔ اگر کوئی باہر سے جھانک کر دیکھے تو اسے

---

[1] عیسائیوں نے عبادت کی یہ وضع غالباً رومیوں سے لی کیونکہ یہودیوں کے اوضاع نماز میں اس وضع کا پتہ نہیں چلتا۔ ان کا رکوع تقریباً ویسا ہی ہوتا ہے جیسا ہم نماز میں کیا کرتے ہیں۔

دنیا کی مختلف قوموں نے بندگی و نیازمندی کے اظہار کے لئے مختلف وضعیں اختیار کرلی تھیں۔ رومی گھٹنا ٹیک کر جھک جاتے اور بادشاہ کے قدموں کو بادامن کو بوسہ دیتے۔ مجوسیوں کے لئے بھی ضروری تھا کہ مجمر یٹ کا مصلہ گھٹنے ٹیک کر سنبھالیں۔ مصر، بابل، اور ایران میں سجدہ کی رسم پیدا ہوئی اور ہندوستان میں ادھے منہ ہوکر بالکل لیٹ جانے کی۔ وکل حزب بما لدیھم فرحون!

قریب ایک کتا دونوں ہاتھ آگے کیے بیٹھا ہے۔ حالانکہ نہ تو آدمی زندہ ہیں نہ کتا ہی زندہ ہے!

لیکن باہر سے دیکھنے والا انہیں زندہ اور جاگتا کیوں سمجھے؟ اگر اُن کی غنیمیں پڑی ہیں تو غنیموں کو کوئی توجہ تعہد نہیں کر سکتا۔ اگر "رقود" سے مقصود سونے کی حالت ہے، اور وہ لیٹے ہوئے ہیں، تو کوئی وجہ نہیں کہ ایک لیٹا ہوا آدمی دیکھنے والے کو جاگتا دکھائی دے۔

مفسرین نے یہ اشکال محسوس کیا لیکن اس کا کوئی حل دریافت نہ کر سکے۔ بعضوں نے کہا وہ اس لئے جاگتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں کہ آنکھیں کھلی ہوئی ہیں لیکن اگر ایک بے حس و حرکت نعش پڑی دکھائی دے، اور اس کی آنکھیں کھلی ہوں تو دیکھنے والا اسے ہشیار و بیدار کیوں سمجھنے لگا؟ یہی سمجھے گا کہ مر گیا ہے مگر آنکھیں کھلی رہ گئی ہیں۔ بعضوں نے کہا تقلبھم ذات الیمین وذات الشمال وجہ سے وہ بیدار دکھائی دیتے ہیں۔ بینی چونکہ وہ اپنے دائیں کروٹ بدلتے رہتے ہیں اس لئے دیکھنے والا خیال کرتا ہے جیسا ہیں لیکن یہ توجیہ پہلے سے بھی زیادہ بے معنی ہے۔ اول تو کروٹ بدلنا بیداری کی دلیل نہیں آدمی گہری نیند میں ہوتا ہے اور کروٹ بدلتا ہے ثانیاً اگر کروٹ بدلتے ہونگے تو کچھ وقفہ کے بعد بدلتے ہونگے۔ یہ تو نہیں ہو سکتا کہ ہر آن کروٹ بدلتے ہی رہتے ہوں اور جب بھی کوئی جھانک کر دیکھے انہیں کروٹ بدلتا ہی پائے! لطف یہ ہے کہ تقلبھم ذات الیمین وذات الشمال کی تفسیر میں یہی مفسرین بتلاتے ہیں کہ بعضوں کے نزدیک سال میں دو دفعہ کروٹ بدلتے ہیں بعضوں کے نزدیک ایک مرتبہ بعض کہتے ہیں تین سال بعد بعض کہتے ہیں نو سال بعد!

علامہ برہان قرآن نے یہ بات جس اسلوب و شکل میں بیان کی ہے اس پر ان نکتہ سنجوں نے غور نہیں کیا۔ لوا طلعت علیھم لولیت منھم فرارا ولملئت منھم رعبا۔ یعنی غار کے اندر کا منظر اس درجہ دہشت انگیز ہے کہ اگر تم جھانک کر دیکھو تو خوف کے مارے کانپ اٹھو اور الٹے پاؤں بھاگ کھڑے ہو۔ اس سے معلوم ہوا غار کے اندر اصحاب کہف نے اجمالی ایسا منظر پیدا کر دیا ہے جو بھی دہشت انگیز ہے اگر کوئی آدمی باہر سے دیکھے تو دیکھنے کے ساتھ ہی اس پر دہشت چھا جائے۔ مثلاً الٹے پاؤں بھاگ کھڑا ہو۔ اب اگر اندر کا منظر صرف اتنا ہی تھا کہ چند آدمی لیٹے ہوئے ہیں اور آنکھیں کھلی ہوئی ہیں تو یہ کوئی ایسی بات نہ تھی جس سے اس درجہ دہشت انگیزی پیدا ہو سکے۔ علاوہ بریں جو آدمی باہر سے جھانکے گا، وہ اتنا باریک بین نہیں ہو سکتا کہ غار کی تاریکی میں لیٹے ہوئے آدمیوں کی آنکھیں بھی دیکھ لے۔ اول نظر دیکھ لے اور وہ بھی اس حالت میں کہ دہنے یا بائیں کروٹ پر لیٹے ہوتے ہوں!

در اصل یہ سارا معاملہ ہی دوسرا ہے، اور جب تک مفسرین کے پیدا کئے ہوئے تخیل سے بالکل الگ ہو کر تحقیق نہ کی جائے، اصلیت کا سراغ نہیں مل سکتا۔

سب سے پہلے یہ سمجھ لینا چاہئے کہ جو حالت اس آیت میں بیان کی گئی ہے وہ کس وقت کی ہے؟ اس وقت کی ہے جب وہ نئے نئے غار میں جا کر مقیم ہوئے تھے؟ یا اس وقت کی جب انکشاف حال کے بعد دوبارہ منکشف ہو گئے؟ مفسرین نے خیال کیا، اس کا تعلق پہلے وقت سے ہے، اور یہی بنیاد کی غلطی ہے جس نے سارا الجھاؤ پیدا کر دیا ہے۔ در اصل اس کا تعلق بعد کے حالات سے ہے۔ یعنی جب وہ ہمیشہ کے لئے غار میں گوشہ نشین ہو گئے۔ اور پھر کچھ عرصہ کے بعد وفات پا گئے، تو غار کے اندر وفی منظر کی یہ نوعیت ہو گئی تھی۔ تحسبھم ایقاظا وھم رقود "الفاظ" سے مقصود ان کا زندہ ہونا ہے اور "رقود" سے مردہ ہونا۔ نہ کہ بیداری اور خواب۔ چنانچہ عربی میں زندگی و موت کے لئے یہ تعبیر عام و معلوم ہے۔

پھر یہ بات سامنے لانی چاہئے کہ یہ واقعہ مسیحی دعوت کی ابتدائی صدیوں کا ہے اور جنہیں پیش آیا تھا وہ عیسائی تھے۔ صرف اتنی بات پر غور کرنے سے سارا معاملہ حل ہو جاتا ہے۔

مسیحی دعوت کے ابتدائی قرنوں ہی میں زہد و ترک دنیا کی ایک خاص زندگی شروع ہو گئی تھی جس نے آگے چل کر رہبانیت (مناسٹک ازم) کی مختلف شکلیں اختیار کر لیں۔ اس زندگی کی ایک نمایاں خصوصیت یہ تھی کہ لوگ ترک علائق کے بعد کسی پہاڑ کی غار میں یا کسی غیر آباد گوشہ میں معتکف ہو جاتے تھے۔ اور پھر ان پر استغراق عبادت کی ایسی حالت طاری ہو جاتی تھی کہ وضع و نشست کی جو حالت اختیار کر لیتے اسی میں پڑے رہتے یہاں تک کہ زندگی ختم ہو جاتی۔ مثلاً اگر قیام کی حالت میں مشغول

حسب ذیل کتابیں دیکھنی چاہئیں :

The Paradise or Garden of the Holy Fathers By. E. A. W. Budge.
The Evolution of the Monastic Ideal, By. H. Workman.
Five Centuries of Religion. By. G. G. Coulton.
The Mediaeval Mind By. H. O. Taylor.

صاحب موسیٰ علیہ السلام

(۱۶) آیت ۶۵ میں حضرت موسیٰ کے جس شخص سے ملنے کا ذکر کیا گیا ہے، اور جسے اللہ تعالیٰ نے ایک خاص علم عطا فرمایا تھا وہ کون تھا؟ اس کے بارے میں قرآن نے کوئی تعرض نہیں کی ہے، لیکن صحیحین کی روایت سعید بن جبیر سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا نام خضر تھا۔ اس بارے میں بہت سی روایتیں مفسرین نے نقل کر دی ہیں جن کی صحت محل نظر ہے اور تصریحات منافقوں اور زیادہ تر اسرائیلیات سے ماخوذ ہیں۔

ذوالقرنین

(۱۷) اس سورت میں تیسرا واقعہ جو بیان کیا گیا ہے، وہ ذوالقرنین کا ہے، کیونکہ لوگوں نے اس بارے میں سوال کیا تھا۔ تمام مفسرین متفق ہیں کہ سوال یہودیوں کی جانب سے تھا۔ اگرچہ عامۂ مشرکین مکہ کی زبانی ہوا کیونکہ سورت مکی ہے۔

(۱) قرآن نے ذوالقرنین کی نسبت جو کچھ بیان کیا ہے اس پر بحیثیت مجموعی نظر ڈالی جائے تو حسب ذیل امور سامنے آجاتے ہیں :

اولاً جس شخصیت کی نسبت پوچھا گیا ہے وہ یہودیوں میں ذوالقرنین کے نام سے مشہور تھا، یعنی ذوالقرنین کا لقب خود قرآن نے تجویز نہیں کیا ہے، پوچھنے والوں کا مجوزہ ہے کیونکہ فرمایا و یسئلونک عن ذی القرنین (۸۳)

ثانیاً اللہ نے اپنے فضل و کرم سے اسے حکمرانی عطا فرمائی تھی، اور ہر طرح کا ساز و سامان جو ایک حکمراں کے لئے ہو سکتا تھا، اس کے لئے فراہم ہو گیا تھا۔

ثالثاً اس کی بڑی مہمیں تین تھیں۔ پہلے مغربی ممالک فتح کئے۔ پھر مشرق۔ پھر ایک ایسے مقام تک فتح کرتا ہوا چلا گیا جہاں پہاڑی درہ تھا، اور اس کی دوسری طرف سے یاجوج اور ماجوج آکر لوٹ مار چایا کرتے تھے۔

رابعاً۔ اس نے وہاں ایک نہایت محکم سد تعمیر کر دی اور یاجوج و ماجوج کی راہ بند ہو گئی۔

خامساً، وہ ایک عادل حکمران تھا۔ جب وہ مغرب کی طرف فتح کرتا ہوا دور تک چلا گیا، تو ایک قوم ملی جس نے بیان کیا کہ دنیا کے تمام بادشاہوں کی طرح ذوالقرنین بھی ظلم و تشدد کرے گا یا تعین ذوالقرنین نے اعلان کیا کہ بے گناہوں کے لئے کوئی اندیشہ نہیں ہے، جو لوگ نیک عملی کی راہ چلیں گے، ان کے لئے دنیا میں بھی اچھی ہوگی۔ البتہ ڈرنا انہیں چاہئے جو ظلم و بدعملی کا ارتکاب کرتے ہیں (۸۵) سادساً، وہ خدا پرست اور راست باز انسان تھا، اور آخرت کی زندگی پر یقین رکھتا تھا۔ (۸۷ - ۹۸)

سابعاً، وہ نفس پرست بادشاہوں کی طرح طامع اور حریص نہ تھا۔ جب ایک قوم نے کہا یاجوج اور ماجوج ہم پر حملہ آور ہوتے ہیں۔ آپ ہمارے اور ان کے درمیان ایک سد تعمیر کر دیں ہم خراج دینگے، تو اس نے کہا۔ ما مکنی فیہ ربی خیر۔ جو کچھ خدا نے مجھے دے رکھا ہے وہی میرے لئے بہتر ہے میں تمہارے خراج کا طامع نہیں۔ یعنی میں خراج کی طمع سے یہ کام نہیں کروں گا۔ اپنا فرض سمجھ کر انجام دوں گا۔

تاریخ قدیم کی جس شخصیت میں یہ تمام اوصاف و اعمال پائے جائیں، وہی ذوالقرنین ہو سکتا ہے سوال یہ ہے کہ کون شخص تھا؟

مفسرین کی جہالت۔

سب سے پہلا حل طلب مسئلہ جو مفسرین کے سامنے آیا وہ اس کے لقب کا تھا۔ عربی میں بھی اور عبرانی میں بھی "قرن" کے معنی سینگ کے ہیں۔ پس "ذوالقرنین" کا مطلب ہوا دو سینگوں والا۔ لیکن چونکہ تاریخ میں کسی ایسے بادشاہ کا سراغ نہیں ملا جس کا ایسا

واہمہ کا ایک بچہ آنکھ بچا کر تعبد میں مشغول دکھائی دے گا۔ کوئی گھٹنے کے بل رکوع کی حالت میں ہے۔ کوئی سجدے میں پڑا ہے کوئی ہاتھ جوڑے اوپر کی طرف دیکھ رہا ہے۔ دہانے کے قریب ایک کتا ہے۔ وہ بھی بازو پھیلائے باہر کی طرف منہ کئے ہوئے ہے یہ منظر دیکھ کر ممکن نہیں کہ آدمی دہشت سے کانپ اٹھے کیونکہ اس نے یہ سمجھ کر جھانکا تھا کہ مردوں کی قبر ہے۔ مگر منظر جو دکھائی دیا وہ زندہ انسانوں کا ہے!

(ف) یہ تفسیر سامنے رکھ کر معاملہ کے تمام پہلوؤں پر نظر ڈالو۔ ہر بات اس طرح واضح ہو جاتی ہے گویا تمام قفلوں کو کھلنے کے لئے صرف اسی ایک کنجی کا انتظار تھا۔ جب ہم اتقاظاھم رقود کا مطلب بھی ٹھیک ٹھیک اپنی جگہ بیٹھ گیا۔ کسی دور از کار توجیہ کی ضرورت باقی نہیں رہی کیونکہ اس طرح کا منتشر سی خیال پیدا کرے گا کہ لوگ زندہ ہیں۔ حالانکہ زندہ نہیں۔ ولملئت منھم رعبا کی علت بھی سامنے آگئی، اور وہ تم کے معنی (جیسیں غیر ضروری ہو گئیں جن پر ایام لازمی محمول ہوئے ہیں۔ اگر تم کسی قبر کے اندر جھانک کر دیکھو اور تمہیں مردہ نعش کی جگہ ایک آدمی نماز پڑھتا دکھائی دے تو تمہارا کیا حال ہوگا؟ یقیناً مارے دہشت کے چیخ اٹھو گے! اسی طرح وتقلبھم ذات الیمین وذات الشمال کی تفسیر میں بھی کسی تکلف کی احتیاج باقی نہ رہی۔ غار شمال وجنوب رویہ واقع تھا اور ان دونوں جہتوں میں ہوا اور روشنی کے مناقذ تھے جیسا کہ آیت وتری الشمس اذا طلعت سے متبادر ہوتا ہے پس بالمقابل مناقذ ہونے کی وجہ سے ہوا برابر اندر چلتی رہتی تھی، اور ان کے ڈھانچے جو بائیں اور دہنی جانب اس طرح متحرک رہتے تھے جیسے ایک زندہ آدمی ایک طرف سے پلٹ کر دوسری طرف کروٹ لیتا ہے۔

اس تفسیر کے بعد اس سوال کا جواب بھی خود بخود مل گیا کہ قرآن نے خصوصیت کے ساتھ یہ بات کیوں بیان کی کہ سورج کی کرنیں غار کے اندر نہیں پہنچتی تھیں۔ جب ہم نے دیکھ لیا کہ آیت ۱۷ میں ہے اور کہیں اسے قدرت الٰہی کی ایک نشانی فرمایا کہ ذلک من اٰیات اللہ؟ معلوم ہو گیا کہ یہ دراصل اسی بات کی تمہید تھی جو بعد کو آیت (۱۰) میں بیان کی گئی ہے کہ نحسبھم ایقاظا وھم رقود۔ یعنی چونکہ یہ بات بیان کرنی تھی کہ مرنے کے بعد ان کی سنتیں عرصہ تک باقی رہیں حتیٰ کہ دیکھنے والوں کو زندہ انسانوں کا گمان ہوتا تھا، اس لئے پہلے اسکی علت واضح کر دی کہ جس غار میں معتکف ہوئے تھے وہ اس طرح کی واقع تھی کہ اس کی جسم زیادہ سے زیادہ عرصہ تک اس میں قائم رہ سکتا تھا۔ کیونکہ سورج کی روشنی اس میں پہنچتی رہتی تھی نہ سورج کی تپش کا اس میں گذر نہ تھا۔ جو چیز نعش کو جلد گلا سڑا دیتی ہے وہ سورج کی تپش ہے اور جو چیز تازگی پیدا کرتی ہے وہ ہوا اور روشنی ہے۔ ہوا چلتی رہتی تھی روشنی پہنچتی رہتی ہے مگر تپش سے پوری حفاظت تھی وذلک من اٰیات اللہ!

(ح) ولبثوا فی کھفھم ثلاث مائۃ سنین وازدادوا تسعا (۲۵) کا کیا مطلب ہے؟ کیا یہ خود قرآن کی تصریح ہے کہ وہ لوگ اتنی مدت تک غار میں پڑے رہے؟ لیکن اگر ایسا ہے تو پھر اس کے بعد کیوں فرمایا کہ قل اللہ اعلم بما لبثوا؟ مفسر جو کو اس اشکال کے دور کرنے میں طرح طرح کے تکلفات کرنے پڑے، حالانکہ صاف مطلب یہی ہے جو حضرت عبداللہ ابن عباس سے مروی ہے۔ پھر جس طرح پہلے ان کی تعداد کے بارے میں لوگوں کے مختلف اقوال نقل کئے تھے اسی طرح یہاں مدت بقا کے بارے میں لوگوں کا قول نقل کیا ہے جسے کچھ لوگ کہتے ہیں غار میں تین سو برس تک رہے بعضوں نے اس پر نو برس اور بڑھائے تم کہدو اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ فی الحقیقت کتنی مدت گزر چکی ہے پس یہ قرآن کی تصریح نہیں ہے۔ لوگوں کا قول ہے اور "یقولون" سے نقل اقوال کا جو سلسلہ شروع ہوا ہے اسی سلسلہ کی یہ آخری کڑی ہے[1] حضرت عبداللہ ابن مسعود سے بھی ایسی ہی تفسیر مروی ہے[2]۔

(ط) امام زہری نے حضرت ابن عباس کا قول نقل کیا ہے کہ اولئک قوم فتوا وعدموا منذ مدۃ طویلۃ یعنی اصحاب کہف کی موت پر ایک مدت گزر چکی ہے۔ ان کے اجسام فنا ہو گئے جس طرح ہر جسم فنا ہو جاتا ہے[3] ایک روایت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ شام کی غزوات میں بعض صحابہ کا گزر اصحاب کہف کی غار پر ہوا تھا اور انہیں ان کی ہڈیاں ملی تھیں۔ اگر یہ روایت صحیح ہو تو اس سے اس کی بھی مزید تصدیق ہو گئی کہ یہ واقعہ پیڑا میں پیش آیا تھا۔

مسیحی ربیانیت کے طریقہ کی نسبت مندرجہ صدر بیان میں جو اشارات کئے گئے ہیں ان کی تفصیلات کے لئے

---

[1] اخرج ابن ابی حاتم وابن مردویہ عن ابن عباس۔ قال ان الرحل لیقرء الایۃ یری انہا کذلک فھری ابعد ما بین السماء والارض ثم تلا، ولبثوا فی کھفھم" ثم قال کم لبث القوم؟ قالوا ثلاث مائۃ وتسع سنین۔ قال لو کانوا لبثوا کذلک لم یعبل اللہ قل اللہ اعلم بما لبثوا" ولکنہ حکی مقالۃ القوم فقال "سیقولون ثلاثۃ" الی قولہ "رجما بالغیب" قاخبر انھم لا یعلمون۔ ثم قال سیقولون لبثوا فی کھفھم ثلاث مائۃ سنین وازدادوا تسعا (فتح القدیر) اس سے یہ بات بھی معلوم ہوگئی کہ جو لوگ اس آیت کو قرآن کی تصریح قرار دیتے تھے حضرت ابن عباس کے نزدیک وہ سخت غلطی میں تھے اور حقیقت سے بالکل دور گئے تھے۔

[2] اخرج ابن جریر عن قتادۃ فی حرف ابن مسعود وقالوا "ولبثوا فی کھفھم" سبعا بما قالہ الناس الا تری انہ قال "قل اللہ اعلم بما لبثوا

ہیں اور سر پر مینڈھے کی طرح دو سینگ ہیں۔ اوپر فقط یہی ہے جو کتبہ کندہ تھا، اس کا بڑا حصہ ٹوٹ کر ضائع ہو چکا ہے۔ مگر جس قدر باقی ہے وہ اس کے لئے کافی ہے کہ تمثال کی شخصیت واضح ہو جائے[1]۔ اس سے معلوم ہو گیا کہ ماد اور فارس کی مملکتوں کو دو سینگوں سے تشبیہ دینے کا تخیل ایک مقبول اور عام تخیل تھا، اور یقیناً سائرس کو "ذوالقرنین" کے لقب سے پکارا جاتا تھا۔ تمثال میں پروں کا ہونا اس کے ملکوتی صفات و فضائل کی طرف اشارہ ہے کیونکہ نہ صرف پارسیوں میں بلکہ تمام معاصر قوموں میں یہ اعتقاد عام طور پر پیدا ہو گیا تھا کہ وہ ایک غیر معمولی نوعیت کا انسان ہے۔

دو سینگوں کا تخیل ابتدا میں کیونکر پیدا ہوا؟ کیا اس کی بنیاد دانیال نبی کا خواب تھا یا بطور خود سائرس نے یا باشندگان پارس نے یہ تخیل پیدا کیا؟ اس کا فیصلہ مشکل ہے، لیکن اگر تورات کی روایات تسلیم کر لی جائیں تو سائرس سے لے کر آرٹا زرکسیز[2] (ارتخشت) اول تک تمام شہنشاہان پارس اپنیا ربنی اسرائیل سے عقیدت رکھتے تھے، اور اس لئے ہو سکتا ہے کہ اسی خواب سے "ذوالقرنین" کا لقب پیدا ہو گیا ہو۔ بہرحال اب اس میں شک کی کوئی گنجایش نہیں رہی کہ سائرس کو ذوالقرنین سمجھا جاتا تھا۔ اور یقیناً عرب کے یہودی بھی اسے اسی لقب سے پکارا کرتے تھے۔

(ب) اس حقیقت کی وضاحت کے بعد جب سائرس کے ان حالات پر نظر ڈالی جاتی ہے جو یونانی مورخوں کی زبانی ہم تک پہنچے ہیں، تو معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کے بیان کی ہو بہو تصویر ہے، اور دونوں بیان اس درجہ ہم مطابقت رکھتے ہیں کہ ممکن نہیں کسی دوسری شخصیت کا وہم و گمان بھی کیا جا سکے۔

سائرس کے تاریخی

زمانہ حال کے محققین تاریخ نے فارس کی تاریخ کو تین عہدوں میں تقسیم کیا ہے۔ پہلا عہد حملہ اسکندر سے پہلے کا ہے۔ دوسرا پارتھوی یا ملوک الطوائف کا۔ تیسرا ساسانی سلاطین کا۔ فارسی شہنشاہی کی عظمت کا اصلی عہد وہی ہے جو حملہ اسکندر سے پہلے گزرا اور جس کی تاریخ سائرس کے ظہور سے شروع ہوتی ہے۔ لیکن بدقسمتی سے اس عہد کے حالات معلوم کرنے کے ذرائع مفقود ہو گئے ہیں[3]۔ جس قدر بھی حالات روشنی میں آئے ہیں، تمام تر یونانی تحریروں سے ماخوذ ہیں۔ ان میں زیادہ معتمد نہیں مورخ ہیں: ہیروڈوٹس (Herodotus) ٹی سیاس (Ctesias) اور زینوفن (Xenophon)

فتح ایران کے بعد جب عرب مورخین نے ایران کی تاریخ مرتب کرنی چاہی تو انہیں جس قدر مواد ہاتھ آیا، وہ تمام تر پارسیوں کی قومی روایات پر مشتمل تھا۔ ان روایات میں حملہ اسکندر سے پہلے کا زمانہ اسی طرح کے قومی افسانوں کی نوعیت رکھتا ہے جس طرح ہندوستان میں پرانوں کے افسانے یا مہابھارت اور رامائن کے قصے ہیں۔ البتہ پچھلے دو عہدوں کی روایتیں تاریخی بنیاد پر مبنی تھیں جب دقیقی اور فردوسی نے شاہنامہ نظم کرنا چاہا تو انہیں عربی میں یہی مواد ملا، اور اسی کو انہوں نے نظم کا جامہ پنہا دیا۔ پس یہ تمام ذخیرہ قبل از سکندر عہد کے لئے کچھ سود مند نہیں ہے۔ اور سائرس کے حالات کے لئے ہمیں تمام تر یونانی مورخین کی شہادت ہی پر اعتماد کرنا ہے۔

پارسی

حضرت مسیح سے پانچ سو ساٹھ برس پہلے ایران کی سرزمین دو مملکتوں میں بٹی ہوئی تھی جنوبی حصہ پارس کہلاتا تھا، اور شمالی مغربی میڈیا[4]۔ چونکہ ان کے ہمسایہ میں آشوری اور بابلی حکومتیں انتہائی عروج تک پہنچ چکی تھیں، اس لئے قدرتی طور پر یہ ان سے دبی

---

[1] اس تمثال کے لئے دیکھئے مصنف (Last antique emperses of Pieulatay marcel)

[2] یاد رکھنا چاہئے کہ تاریخ فارس کے مختلف زمانوں میں مختلف صورتیں اختیار کر لی ہیں، اور انہی کی وجہ سے مورخوں نے سخت غلطیاں کی ہیں۔ سائرس کا اصلی نام خانیا گورو یا گودرز تھا جیسا کہ دارا کے کتبہ بے ستون سے معلوم ہوتا ہے لیکن یونانی اسے سائرس Cyrus کہتے لگے۔ اور یہودیوں نے اس کا لفظ خورس کی شکل میں کیا، چنانچہ میسیا (Media) اور دانیال کے صحائف میں جا بجا یہ نام آیا ہے۔ اور یہی کوشش ہے جس نے عربی میں خسرو کی شکل اختیار کر لی۔ چنانچہ عرب مورخ اسے کیخسرو کے نام سے پکارتے ہیں۔ سائرس کا ولی کیمبی سیز Cambyses ہوا یہ بھی یونانی تلفظ ہے۔ اس کا پارسی نام کمبوجیہ تھا، جس نے یہودیوں اور عربوں کی زبان پر کیقباد کی شکل اختیار کر لی شاہنامہ نے بھی اسی کو اختیار کیا۔ کیونکہ انہی کی بنیاد عربی نژاد پر تھی۔ کیقباد کے بعد اماریوش ہوا جسے عام طور پر دارا کے نام سے یاد کیا جاتا ہے اور تلمہات میں بھی یہی نام آیا ہے۔ دارا کے بعد ارٹا زرکسز ہے جسے قرآن میں ارتخشت کے نام سے یاد کیا ہے اور عبرانیوں میں ارتیر مشہد ہو گیا۔

[3] دارا اور ارتیر کے چند کتبوں کا اس سے مستثنیٰ کر دینا چاہئے جو مرو دشت کے گرد نواح میں موجود ہیں جہاں قدیم دارالحکومت پاسرگاد آباد تھا۔ ان کتبوں سے خصوصاً دارا کے کتبہ بے ستون سے بعض اہم تاریخی انکشافات ہوئے ہیں، اور ہیروڈوٹس کے بعض بیانات کی تصدیق بھی ہو گئی ہے۔

[4] دارا کے کتبہ بے ستون میں اس کا نام ماد آیا ہے، اس لئے میڈیا یونانی تلفظ سمجھا جائے عرب مورخوں نے اسے ماہات سے تعبیر کیا ہے۔

لقب رہا ہو اس نے بجز اقرن کے معنی میں طرح طرح کے تکلفات کرنے پڑے۔ پھر چونکہ فتوحات کی وسعت اور مغرب و مشرق کی کھرائی کے لحاظ سے سکندر مقدونی کی شخصیت سب سے زیادہ مشہور رہی ہے اس لئے مفسرین کی نظر بھی اسی کی طرف اٹھ گئیں چنانچہ امام رازی نے سکندر ہی کو ذوالقرنین قرار دیا ہے اور اگرچہ حسب عادت وہ تمام اعتراضات نقل کرتے ہیں جو اس تفسیر پر وارد ہوتے ہیں لیکن پھر حسب عادت ان کے بے محل جوابات سے مطمئن بھی ہو گئے ہیں۔ حالانکہ کسی اعتبار سے بھی قرآن کا ذوالقرنین سکندر مقدونی نہیں ہو سکتا۔ نہ تو وہ خدا پرست تھا۔ نہ عادل تھا۔ نہ فتوحات کے لئے فیاض تھا، اور نہ ہی اس نے کوئی سد بنائی۔

بہرحال مفسرین ذوالقرنین کی شخصیت کا سراغ نہ لگا سکے۔

اگر ذوالقرنین کے معدوم کا کوئی سراغ ملتا تھا، تو وہ صرف ایک دور کا اشارہ تھا جو حضرت دانیال کی کتاب میں ملتا ہے یعنی ایک خواب جو انہوں نے بابل کی اسیری کے زمانے میں دیکھا تھا۔

بابل کی اسیری کا زمانہ یہودیوں کے لئے نہایت مایوسی کا زمانہ تھا۔ ان کی قومیت پامال ہو چکی تھی، ان کا ہیکل منہدم ہو چکا تھا ان کے شہر اجاڑ تھے، اور وہ نہیں جانتے تھے کہ اس ہلاکت کے بھنور کی زندگی کا کیا سامان ہو سکتا ہے۔ اسی زمانہ میں حضرت دانیال نمودار ہوا جو اپنے علم و حکمت کی وجہ سے شاہان بابل کے دربار میں نہایت مقرب ہو گئے تھے، انہی کی نسبت تورات میں بیان کیا گیا ہے کہ بلیش خارشاہ بابل کی سلطنت کے تیسرے برس انہوں نے ایک خواب دیکھا تھا، اور اس خواب میں انہیں آنے والے واقعات کی بشارت دی گئی تھی۔

چنانچہ کتاب دانیال میں ہے "میں کیا دیکھتا ہوں کہ ندی کے کنارے ایک مینڈھا کھڑا ہے جس کے دو سینگ ہیں۔ دونوں سینگ اونچے تھے لیکن ایک دوسرے سے بڑا تھا اور بڑا دوسرے کے پیچھے تھا۔ میں نے دیکھا کہ پچھم اور اتر اور دکھن کی طرف وہ سینگ مارتا ہے یہاں تک کہ کوئی جانور اس کے سامنے کھڑا نہ رہ سکا۔ اور وہ بہت بڑا ہو گیا۔ میں یہ بات سوچ ہی رہا تھا کہ دیکھو پچھم کی طرف سے ایک بکرا آکے تمام رُوئے زمین پر پھر گیا۔ اس بکرے کی دونوں آنکھوں کے درمیان ایک عجیب طرح کا سینگ تھا وہ دو سینگ والے مینڈھے کے پاس آیا اور اس پر غضب سے بھرا ہوا دوڑا اور اس کے دونوں سینگ توڑ ڈالے اور مینڈھے کو قوت نہ تھی کہ اس کا مقابلہ کرے" دانیال (۸: ۱-۱۰) پھر اس کے بعد ہے کہ جبرئیل نمایاں ہوا اور اس نے اس خواب کی یہ تعبیر بتلائی کہ دو سینگوں والا مینڈھا مادہ اور فارس کی قومیت ہے اور بکرا یونان کی۔ جو بڑا سینگ کی آنکھوں کے درمیان دکھائی دیا ہے وہ اس کا پہلا بادشاہ ہوگا (۸: ۱۵-۲۱)

اس بیان سے معلوم ہوا کہ مادہ (میڈیا) اور فارس کی مملکتوں کو دو سینگوں سے تشبیہ دی گئی تھی، اور چونکہ یہ دونوں مملکتیں مل کر ایک تنہا شاہی بننے والی تھیں اس لئے شہنشاہ مادہ و فارس کو دو سینگوں والے مینڈھے کی شکل میں ظاہر کیا گیا۔ پھر اس مینڈھے کو جس نے شکست دی وہ یونان کے بکرے کا پہلا سینگ تھا یعنی سکندر مقدونی تھا جس نے فارس پر حملہ کیا، اور کیانی شہنشاہی کا خاتمہ ہو گیا

اس خواب میں بنی اسرائیل کے لئے بشارت یہ تھی کہ ان کی آزادی و خوش حالی کا نیا دور اسی دو سینگوں والی شہنشاہی کے ظہور سے وابستہ تھا۔ یعنی شہنشاہ فارس بابل پر حملہ کر کے نتح مند ہونے والا تھا، اور پھر اسی کے ذریعہ بیت المقدس کی از سر نو تعمیر اور یہودی قومیت کی دوبارہ شیرازہ بندی ہونے والی تھی۔ چنانچہ چند برسوں کے بعد سائرس کا ظہور ہوا۔ اس نے میڈیا اور پارس کی مملکتیں ملا کر ایک عظیم الشان شہنشاہی قائم کر دی، اور پھر بابل پر پے در پے حملے کر کے اسے مسخر کر لیا۔

چونکہ اس خواب میں میڈیا اور فارس کی مملکتوں کو دو سینگوں سے تشبیہ دی گئی تھی۔ اس لئے خیال ہوتا تھا کہ عجب نہیں فارس کے شہنشاہ کے لئے یہودیوں میں ذوالقرنین کا لقب پیدا ہو گیا ہو یعنی دو سینگوں والی شہنشاہی، اور وہ اسے اس لقب سے پکارتے ہوں تاہم یہ محض ایک قیاس تھا۔ اس کی تائید میں کوئی تاریخی شہادت موجود نہ تھی۔

لیکن ۱۸۳۷ء کے ایک انکشاف نے جس کے نتائج بہت عرصہ کے بعد منظر عام پر آئے اس قیاس کو ایک تاریخی حقیقت ثابت کر دیا اور معلوم ہو گیا کہ فی الحقیقت شہنشاہ سائرس کا لقب ذوالقرنین تھا، اور یہ محض یہودیوں کا کوئی مذہبی تخیل نہ تھا۔ بلکہ خود سائرس کا باشندگان فارس کا مجوزہ اور پسندیدہ نام تھا۔

اس انکشاف نے شک و تخمین کے تمام پردے اٹھا دیئے۔ یہ خود سائرس کی ایک سنگی نشان ہے جو (Pasargadae) کے کھنڈروں میں دستیاب ہوئی۔ اس میں سائرس کا جسم اس طرح دکھایا گیا ہے کہ اس کے دونوں طرف عقاب کی طرح پر نکلے ہوئے

فتح بابل

تقریباً یہی زمانہ ہے جب باشندگانِ بابل نے اس سے درخواست کی ہے کہ بیل شاراذر (Belshazzar) کے ظلم سے انہیں نجات دلائے۔

نینوہ کی تباہی نے ایک نئی بابلی شہنشاہی کی بنیادیں استوار کر دی تھیں اور بنوکد نضر (بخت نصر) کی قاہرانہ فتوحات نے تمام مغربی ایشیا کو مسخر کر لیا تھا۔ اس کا حملہ بیت المقدس تاریخ کا ایک انقلاب انگیز واقعہ ہے۔ وہ صرف بادشاہوں کو مسخر ہی نہیں کرتا تھا بلکہ قوموں کو غلام بناتا اور ملکوں کو تباہ کر ڈالتا تھا۔ لیکن اس کے مرنے کے بعد کوئی ایسی شخصیت پیدا نہیں ہوئی جو اسکی جگہ جریانہ قوتوں کی جانشین ہوتی۔ اس کے بعد بابل کے مندروں کے پجاریوں نے (جو ملک میں سب سے زیادہ اثر و مقبولیت رکھتے تھے) نابونی دس (Nabonidus) کو تخت نشین کیا تھا لیکن اس نے حکومت کا تمام کاروبار سیل شازار کے ہاتھ چھوڑ دیا۔ جو ظلم و عیاشی کا مجسمہ تھا۔ اسی کی نسبت دانیال نبی کے صحیفہ میں ہم پڑھتے ہیں کہ بیت المقدس کے ہیکل کے مقدس پیالوں میں اس نے شراب پی تھی۔ اور ایک غیبی ہاتھ نے نمایاں ہو کر "منے منے تقیل اور فرسین" کے الفاظ دیوار پر لکھ دئے تھے (دانیال ۵:۱)

تمام مورخین متفق ہیں کہ اس عہد میں بابل سے زیادہ مستحکم اور ناقابل فتح کوئی شے نہ تھی اس کی چار دیواری اتنی موٹی تہ در تہ اور اونچی تھی کہ اسے مسخر کرنے کا وہم و گمان بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔ یا ایں ہمہ سائرس نے باشندگانِ بابل کی فریاد پر لبیک کہا اور دوآبہ کا تمام علاقہ فتح کرتا ہوا شہر کے سامنے نمودار ہو گیا۔ چونکہ خود باشندگانِ شہر بیل شازار کے نظام سے تنگ آ گئے تھے اور سائرس کے لئے چشم براہ تھے اس لئے انہوں نے ہر طرح اس کا ساتھ دیا۔ خود بابلی مملکت کا ایک سابق گورنر گوب رہ اس (Gobryas) اس کی فوج کے ساتھ تھا۔ ہیروڈوٹس کا بیان ہے کہ اسی شخص نے دریا میں نہریں کاٹ کر اس کا بہاؤ دوسری طرف ڈال دیا۔ اور دریا کی جانب سے فوج شہر میں داخل ہو گئی۔ قبل اس کے کہ خود سائرس شہر میں پہنچے شہر فتح ہو چکا تھا۔

بنی اسرائیل کی رہائی اور ہیکل کی تعمیر۔

تورات کی شہادت یہ ہے کہ سائرس کا ظہور اور بابل کی فتح بنی اسرائیل کے لئے زندگی و خوشحالی کا نیا پیام تھا، اور یہ ٹھیک اسی طرح ظہور میں آئی جس طرح یسعیاہ نبی نے ایک سو ساٹھ برس پہلے اور یرمیاہ نے ساٹھ برس پہلے وحی الٰہی سے مطلع ہو کر خبر دیدی تھی۔ چنانچہ سائرس نے دانیال نبی کی نہایت توقیر کی، یہودیوں کو یروشلم میں بسنے کی اجازت دیدی۔ نیز اپنی تمام مملکت میں اعلان کیا کہ "خداوند نے مجھے حکم دیا ہے کہ یروشلم میں اس کے لئے ایک ہیکل بناؤں (یعنی قدیم برباد شدہ ہیکل سلیمان کو از سر نو تعمیر کروں) پس تم لوگوں کو ہر طرح کا سازو سامان اس کے لئے مہیا کرنا چاہئے" اس نے سونے چاندی کے وہ تمام ظروف، جو بنوکد نضر ہیکل سے لوٹ کر لایا تھا، بابل کے خزانہ سے نکلوائے اور یہودیوں کے ایک امیر شیشبضر کے حوالے کر دئے کہ ہیکل کی تعمیر کے بعد اس میں بدستور رکھ دئے جائیں (عزرا - باب اول)

بابل کی فتح کے بعد سائرس کی عظمت تمام مغربی ایشیا میں مسلم ہو گئی۔ ۵۳۹ء قبل مسیح میں صرف اسی کی تنہا شخصیت عظمت و حکمرانی کے عالمگیر تخت پر نمایاں نظر آتی ہے۔ بارہ برس پہلے وہ پارس کے پہاڑوں کا ایک گمنام انسان تھا، لیکن اب ان تمام مملکتوں کا تنہا فرمانروا ہے جو صدیوں تک قوموں کی ابتدائی عظمتوں اور فتح مندیوں کا مرکز رہ چکی ہیں۔ فتح بابل سے وہ تقریباً دس برس تک زندہ رہا اور ۵۲۹ء قبل مسیح میں انتقال کر گیا۔

سائرس کے ظہور کی پیشینگوئی۔

(۱۸) اب قبل اس کے کہ قرآن کے بیان کردہ حالات پر نظر ڈالی جائے اس بات پر غور کر لینا چاہئے کہ انبیاء بنی اسرائیل کی ان پیشین گوئیاں اس شخصیت کے بارے میں کیا تھیں، اور یہودیوں کے اعتقاد میں کس طرح وہ حرف بحرف پوری ہوئیں؟

اس سلسلہ میں سب سے پہلے پیشین گوئی یسعیاہ نبی کی ہے، جن کا ظہور سائرس کے فتح بابل سے ایک سو ساٹھ برس پہلے ہوا تھا۔ انہوں نے پہلے بیت المقدس کی تباہی کی خبر دی ہے کہ بابل کے ہاتھوں ظہور میں آئے گی۔ اس کے بعد اسکی دوبارہ

لہ دانیال نبی کی کتاب میں اسے داجا حشتی فار کے نام سے پکارا گیا ہے لیکن بابل کے کتبوں سے اس کا صحیح نام جو معلوم ہوا ہے یہی ہے علاوہ بریں معلوم ہوتا ہے کہ یونانی تحقیق کے تحقیق والوں نے سائرس اور دارا کے دو مختلف حملوں کا امتیاز ملحوظ نہیں رکھا ہے، اور کمبیسس سائرس کی جگہ دارا کا نام آ گیا ہے کہیں دارا کی جگہ سائرس کا نام۔ اصلی حقیقت سے جو واقعہ ثابت ہوا ہے وہ یہ ہے کہ بابل پر فارس کے دو حملے ہوئے ہیں پہلا سائرس نے کیا دوسرا دارا نے۔ سائرس نے بابل فتح کر کے اسکی اندرونی حکومت و ملکی امور کے ہاتھ چھوڑ دی تھی پھر تقریباً بیس برس بعد امراء بابل نے بغاوت کی اور دارا مجبور ہوا کہ دوبارہ بابل کو فتح کرے۔

ہوتی تھیں۔ دونوں مملکتوں میں مختلف قبائل کے امرار تھے جو اپنے اپنے حلقوں میں قبائلی حکومت رکھتے تھے۔ سنہ ۶۱۲ قبل مسیح میں جب نینوا تباہ ہوگیا اور آشوری فرمانروائی ہمیشہ کے لئے ختم ہوگئی، تو میڈیا کے باشندے آزاد ہوگئے، اور بتدریج ایک قومی حکومت نشو و نما پانے لگی۔ اسی طرح پارس کے امرا قبائل میں سے بھی بعض امیروں کو سر اٹھانے کا موقعہ ملا۔ اور حکمران خاندان پیدا ہوگیا۔ تاہم یہ دونوں مملکتیں وقت کی بے اثر حکومتیں تھیں اور بابل کی شہنشاہی جسے نبوکدرضر (بخت نصر) کی تاجدارانہ فتحمندیوں نے تمام ایشیا میں سربلند کر دیا تھا، سب پر چھائی ہوئی اور سب کو مقہور رکھے ہوئے تھی۔

رس کا ظہور

لیکن ۵۵۹ قبل از مسیح میں ایک غیر معمولی شخصیت غیر معمولی حالات کے اندر ابھری اور اچانک تمام دنیا کی نگاہیں اسکی طرف اٹھ گئیں۔ یہ پارس کے ایکیمنی خاندان کا ایک نوجوان گورش تھا۔ جسے یونانیوں نے سائرس، عبرانیوں نے خورش اور عربوں نے خسرو کے نام سے پکارا۔ اسے پہلے پارس کے تمام امیروں نے اپنا فرمانروا تسلیم کر لیا۔ پھر بغیر کسی خونریزی کے میڈیا کی مملکت پر فرمانروا ہوگیا۔ اور اس طرح دونوں مملکتوں نے ملکر ایران کی ایک عظیم الشان شہنشاہی کی صورت اختیار کر لی۔

پھر اسکی فتوحات کا سلسلہ شروع ہوا۔ وہ فتوحات نہیں جو ظلم و قہر کی خونریزیوں کے ذریعہ حاصل کی جاتی تھیں، بلکہ ان نیت و عدالت کی فتوحات جو تمام تر اس لئے تھیں کہ مظلوم قوموں کی دادرسی اور پامال ملکوں کی دستگیری ہو۔ چنانچہ ابھی بارہ برس کی مدت بھی پوری نہیں ہوئی تھی کہ بحر اسود سے لے کر بکٹریا (بلخ) تک ایشیا کی تمام عظیم الشان مملکتیں اس کے آگے سربسجود ہو چکی تھیں۔

فی زندگی

دنیا کی تمام غیر معمولی شخصیتوں کی طرح سائرس کے ابتدائی حالات نے بھی ایک پُر اسرار افسانہ کی نوعیت اختیار کر لی ہے اور ہمیں اسکی جھلک تنہا مورخ کے افسانوں میں صاف صاف نظر آجاتی ہے۔ اس کا اٹھان زندگی کے عام اور معمولی حالات میں نہیں ہوا، بلکہ ایسے عجیب حالات میں جو ہمیشہ پیش نہیں آتے اور جب کبھی پیش آتے ہیں تو یہ قدرت کی ایک غیر معمولی کرشمہ سنجی ہوتی ہے قبل اس کے کہ وہ پیدا ہو اس کے نانا اسٹیاگس (Astyages) نے اس کی موت کا سامان پیدا کر دیا تھا، لیکن وہ ایک حیرت انگیز طریقہ پر بچ لیا جاتا ہے، اور اسکی ابتدائی زندگی جنگلوں اور پہاڑوں میں بسر ہوتی ہے۔ پھر ایک وقت آتا ہے کہ اس کی غیر معمولی قابلیتیں اور اعلیٰ اخلاق و خصائل اسے ملک میں نمایاں کرتے ہیں اور اسکی خاندانی شخصیت پہچان لی جاتی ہے اب اسے پورا موقعہ حاصل تھا کہ اپنے دشمنوں سے انتقام لے، لیکن اسے ایک لمحہ کے لئے بھی اس کا خیال نہیں گذرتا حتیٰ کہ خود اسٹیاگس کی زندگی بھی اس کے ہاتھوں محفوظ رہتی ہے۔

میڈیا کی فتح

تخت نشینی کے بعد سب سے پہلی جنگ جو اسے پیش آئی وہ لیڈیا (Lydia) کے بادشاہ کرسس (CROESUS) سے تھی۔ مؤرخین تمام متفق ہیں کہ حملہ کرسس کی طرف سے ہوا تھا، اور اس نے سائرس کو دفاع پر مجبور کر دیا تھا۔ لیڈیا سے مقصود ایشیائے کوچک کا مغربی اور شمالی حصہ ہے جو یونانی تمدن کا ایشیائی مرکز بن گیا تھا، اور جسکی حکومت بھی اپنے تمام عناصر میں ایک یونانی حکومت تھی۔ جنگ میں سائرس فیضیاب ہوا۔ لیکن رعایا کے ساتھ کسی طرح کی بدسلوکی نہیں کی گئی انہیں محسوس بھی نہیں ہوا کہ ملک ایک انقلاب جنگ کی حالت سے گزر رہا ہے۔ البتہ کرسس کی نسبت یونانی روایت یہ ہے کہ اس کے عزم و ہمت کی آزمائش کے لئے سائرس نے حکم دیا تھا، چتا تیار کی جائے اور اسے جلا دیا جائے لیکن جب اس نے دیکھا وہ مردانہ وار چتا پر بیٹھ گیا ہے تو فوراً اسکی جان بخشی کر دی، اور اس نے بقیہ زندگی عزت و احترام کے ساتھ بسر کی۔

شرقی فتوحات

اس جنگ کے بعد اسے مشرق کی طرف متوجہ ہونا پڑا، کیونکہ گیڈروسیا (مکران) اور بکٹریا (بلخ) کے وحشی قبائل نے سرکشی کی تھی۔ یہ مہم ۵۵۰ قبل مسیح کی درمیانی مدت میں واقع ہوئی ہوگی۔

لہ دارا نے بے ستون کے کتبہ میں اپنا سلسلۂ نسب منخامنش نامی بادشاہ سے ملایا ہے۔ یہی ہخامنش یونانی میں (Achaemenes) ہوگیا) ہیروڈوٹس کی روایت کے مطابق یہ سائرس کا پڑدادا تھا یعنی اکیمنی سے ٹیرپیز (جائش پش) پیدا ہوا اس سے کمبیسیز (کمبوجیہ یا کیقباد) اول اور کمبیسیز سے سائرس۔ سائرس نے اپنے بڑے لڑکے کا نام بھی کمبیسیز لکھا تھا۔

(۱) سب سے پہلے اس بات پر غور کرو کہ ذوالقرنین کی نسبت سوال بالاتفاق یہودیوں کی جانب سے ہوا تھا، اور یہ ظاہر ہے کہ اگر کسی غیر یہودی بادشاہ کی شخصیت یہودیوں میں عزت و احترام کی نظر سے دیکھی جا سکتی تھی، تو وہ صرف سائرس ہی کی تھی۔ نبیوں کی پیشین گوئیوں کا مصداق، دانیال نبی کے خواب کا فلغۂ رحمتِ الٰہی کی واپسی کی بشارت، بنی اسرائیل کا نجات دہندہ، خدا کا فرستادہ چرواہا اور مسیح پر مسلم کی تعمیر ثانی کا وسیلہ: پس اس سے زیادہ قدرتی بات اور کیا ہو سکتی ہے کہ اسی کی نسبت ان کا سوال ہو؟

سدی کی ایک روایت میں بھی جو طبری وغیرہ نے نقل کی ہے اس طرف صریح اشارہ ملتا ہے: قال قالت الیھود۔ اخبرونا عن نبی لم یدرکہ اللہ فی التورات الا فی مکان واحد۔ قال ومن؟ قالوا ذوالقرنین۔ یعنی یہودیوں نے آنحضرت سے کہا۔ اس نبی کی نسبت ہمیں خبر دیجئے جس کا نام تورات میں صرف ایک ہی مقام پر آیا ہے۔ آپ نے فرمایا، وہ کون؟ کہا ذوالقرنین۔ چونکہ سائرس کے ذوالقرنین ہونے کا اشارہ صرف دانیال نبی کے خواب ہی میں آیا ہے اس لئے یہودیوں کا یہ بیان ٹھیک اسی طرف اشارہ تھا

علاوہ بریں سائرس کے تمثال کے انکشاف نے قطعی طور پر یہ بات آشکارا کر دی ہے کہ اس کے سر پر دو سینگوں کا تاج رکھا گیا تھا، اور یہ فارس اور مادہ کی مملکتوں کے اجتماع و اتحاد کی علامت تھی۔

تفسیر انا مکنا لہ فی الارض

(۲) اس کے بعد قرآن کی تصریحات سامنے لاؤ سب سے پہلا وصف جو اس کا بیان کیا ہے، یہ ہے کہ انا مکنا لہ فی الارض واتینہ من کل شئ سببا (۸۴) ہم نے اسے زمین میں قدرت دی تھی اور ہر طرح کا ساز و سامان مہیا کر دیا تھا۔ قرآن جب کبھی انسان کی کسی کامرانی، خوش حالی کو راہ راست خدا کی طرف منسوب کر کے کہتا ہے جیسا کہ یہاں کہا ہے، تو اس سے مقصود عموماً کوئی ایسی بات ہوتی ہے جو عام حالات کے خلاف محض اس کے فضل و کرم سے ظہور میں آئی ہو۔ مثلاً حضرت یوسف کی نسبت فرمایا۔ کذلک مکنا لیوسف فی الارض (۱۲ ۵۶) اس طرح ہم نے سرزمین مصر میں یوسف کو حکومت دیدی" ہم نے دیدی"۔ کیونکہ یہ ظاہر ہے کہ حضرت یوسف کو ہر طرح کے ناموافق حالات میں محض فضل الٰہی سے ایک غیر معمولی بات حاصل ہو گئی تھی۔ یہ بات نہ تھی کہ عام حالات کے مطابق ظہور میں آئی ہو۔ پس ضروری ہے کہ ذوالقرنین کو بھی حکمرانی کا مقام ایسے ہی حالات میں ملا ہو جو بالکل غیر معمولی قسم کے ہوں۔ اور انہیں محض توفیق الٰہی کی کرشمہ سازی سمجھا جا سکے کیونکہ اس کے تمکن فی الارض کو براہ راست خدا کی طرف نسبت دی ہے

لیکن اس اعتبار سے سائرس کی زندگی ٹھیک ٹھیک اس آیت کی تصویر ہے۔ اس کی ابتدائی زندگی ایسے حالات میں بسر ہوئی جنہیں حیرت انگیز حوادث نے ایک افسانہ کی شکل دیدی ہے۔ قبل اس کے کہ پیدا ہو، خود اس کا نانا اس کی موت کا خواہشمند ہو گیا تھا۔ ایک وفادار آدمی اسکی زندگی بچاتا ہے اور وہ شاہی خاندان سے بالکل الگ ہو کر ایک گمنام گڈریے کی طرح پہاڑوں میں زندگی بسر کرتا ہے۔ پھر اچانک نمایاں ہوتا ہے، اور بغیر کسی جنگ و مقابلہ کے میڈیا کا تخت اس کے لئے خالی ہو جاتا ہے بلاشبہ یہ صورت حال واقعات و حوادث کی عام رفتار نہیں ہے جو ہمیشہ پیش آتی ہو۔ نوادر ہستی کی ایک غیر معمولی عجائب آفرینی ہے، اور صاف نظر آ رہا ہے کہ قدرت کا مخفی ہاتھ کسی خاص مقصد سے ایک خاص ہستی تیار کر رہا ہے، اور زمانہ کی عام رفتار تھم گئی ہے تاکہ اسکی راہ صاف ہو جائے۔

تین مہمیں

(۳) اس کے بعد اسکی تین بڑی مہموں کا ذکر آتا ہے ایک مغرب الشمس کی طرف یعنی پچھم کی طرف۔ ایک مطلع الشمس کی طرف یعنی پورب کی طرف[1]۔ تیسری ایک ایسے مقام تک جہاں کوئی وحشی قوم آباد تھی اور یاجوج اور ماجوج وہاں آ کر لوٹ مار مچایا کرتے تھے۔ اب دیکھو یہ تمام تفصیلات کس طرح ٹھیک ٹھیک سائرس کی فتوحات پر منطبق ہوتی ہیں؟

اوپر پڑھ آئے ہو کہ سائرس نے ابھی فارس اور میڈیا کا تاج سر پر رکھا ہی تھا کہ ایشیائے کوچک کے بادشاہ کروسس نے حملہ کر دیا۔

ایشیائے کوچک کی یہ بادشاہت جو لیڈیا کے نام سے مشہور ہوئی پچھلی صدی کے اندر ابھری تھی اس کا دارالحکومت سارڈیس (Sardis) تھا۔ سائرس کی تخت نشینی سے پہلے میڈیا اور لیڈیا میں کئی جنگیں ہو چکی تھیں۔ بالآخر کروسس کے باپ نے سائرس کے نانا اسٹیاگس کے باپ سے صلح کر لی، اور باہمی اتحاد کے استحکام کے لئے باہمی ازدواج کا رشتہ بھی قائم ہو گیا

[1] یاد رہے کہ پچھم اور پورب کے لئے مغرب الشمس اور مطلع الشمس کی تعبیر تورات میں بھی جا بجا آئی ہے مثلاً ذکریاہ نبی کی کتاب میں ہے رب الافواج فرماتا ہے میں اپنے لوگوں کو سورج نکلنے کے ملک اور اس کے ڈوبنے کے ملک سے چھڑا لوں گا (۸: ۷)

تعمیر کی بشارت دی ہے اور اس سلسلہ میں خورس (سائرس) کے ظہور کا ذکر کیا ہے: "خداوند تیرا نجات دینے والا یوں فرماتا ہے کہ .... یروشلم پھر آباد کیا جائے گا۔ یہوداہ کے شہر بنائے جائینگے۔ میں اس کے ویران مکانوں کو تعمیر کروں گا ..... میں خورس کے حق میں کہتا ہوں کہ وہ میرا چرواہا ہے۔ وہ میری ساری مرضی پوری کرے گا ..... خداوند اپنے مسیح خورس کے حق میں یوں فرماتا ہے کہ میں نے اس کا داہنا ہاتھ پکڑا تاکہ قوموں کو اس کے تابع کروں اور بادشاہوں کی کمریں کھلوا دوں اور دروازے اس کے لئے کھول دوں۔ ہاں میں تیرے آگے چلوں گا۔ میں ٹیڑھی جگہوں کو سیدھا کروں گا۔ میں پیتل کے دروازوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دوں گا۔ میں گڑھے ہوئے خزانے اور چھپے ہوئے مکانوں کے گنج تجھے عطا کروں گا۔ اور یہ سب کچھ اس لئے کرونگا تاکہ تو جان لے کہ میں خداوند اسرائیل کا خدا ہوں جس نے اپنی برگزیدہ قوم اسرائیل کے لئے تجھے تیرا نام صاف صاف لے کے بلایا ہے" (یسعیاہ ۴۵: ۱-۴)

اس پیشین گوئی میں خدا کا یہ فرمان نقل کیا ہے کہ خورس (سائرس) میرا چرواہا ہوگا، اور میں نے اسے اس لئے پکارا ہے کہ بنی اسرائیل کو بابلیوں کے ظلم سے نجات دلائے۔ نیز اسے "خدا کا مسیح" بھی کہا ہے۔

اسی طرح یرمیاہ نبی نے ساٹھ برس پہلے پیشین گوئی کی تھی "قوموں کے درمیان منادی کرو اور اسے مت چھپاؤ۔ تم کہو، بابل لے لیا گیا۔ بعل رسوا ہوا۔ مردوک سراسیمہ کیا گیا: اس کے بت جھل ہوئے۔ اس کی مورتیں پریشان کی گئیں۔ کیونکہ اتر سے ایک قوم اس پر چڑھتی ہوئی آ رہی ہے جو اس کی سرزمین اجاڑ دے گی یہاں تک کہ اس میں کوئی نہیں رہے گا" (۵۰: ۱)

یرمیاہ نبی نے اسکی بھی پیشین گوئی کر دی تھی کہ ستر برس تک یہ دی بابل میں قید رہیں گے اور اس کے بعد بیت المقدس کی نئی تعمیر ہوگی "خداوند کہتا ہے جب بابل پر ستر برس گذر چکیں گے تو میں تمہاری خبر لینے آؤں گا۔ تب تم مجھے پکارو گے اور میں جواب دونگا۔ تم مجھے ڈھونڈھو گے اور مجھے پا لوگے۔ میں تمہاری اسیری ختم کر دوں گا۔ تمہیں تمہارے مکانوں میں واپس لے آؤں گا۔" (۲۹: ۱۰)

اس پیشین گوئی میں خدا نے اپنی رحمت کی واپسی کو فتح بابل کے واقعہ سے وابستہ کر دیا ہے۔ گویا سائرس کا ظہور اس کی رحمت کا ظہور ہوگا جو بنی اسرائیل پر پھر لوٹ آئے گی۔

نبوت کی حیثیت

تورات سے یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ جب سائرس نے بابل فتح کیا، تو دانیال نبی نے (جو شاہان بابل کے دربار میں داخل ہو گئے تھے) اسے یسعیاہ نبی کی پیشین گوئی دکھائی کہ ایک سو ساٹھ برس پہلے اس کے ظہور کی خبر دیدی گئی تھی۔ یہ بات دیکھ کر بے حد متاثر ہوا، اور بیان کیا جاتا ہے کہ اسی کا نتیجہ وہ فرمان تھا جو اس نے تعمیر ہیکل کے لئے جاری کیا۔

زمانہ حال کے نقاد ان پیشین گوئیوں کی اصلیت پر مطمئن نہیں ہیں۔ وہ کہتے ہیں ہو سکتا ہے کہ پیشین گوئیاں واقعات کے ظہور کے بعد بڑھا دی گئی ہوں خصوصاً یسعیاہ کی پیشین گوئی جس میں حضرت خورس (سائرس) کا نام موجود ہے لیکن وہ اس اشتباہ کی تائید میں عقلی استغراب کے سوا اور کوئی دلیل پیش نہیں کر سکتے، اور محض عقلی استغراب ان صحائف کے خلاف حجت نہیں ہو سکتا جن کی نسبت یقین کیا گیا ہے کہ الہام سے لکھے گئے تھے۔ علاوہ بریں تورات کے آخری صحائف جو فتح بیت المقدس کے اثنا میں یا اسیری بابل کے زمانے میں لکھے گئے ہیں۔ تاریخی حیثیت سے محفوظ تسلیم کر لئے گئے ہیں کیونکہ وہ اس وقت سے برابر یہودیوں میں متداول ہے اور کوئی حادثہ ایسا رونما نہیں ہوا کہ ان کے نسخے نابود ہو گئے ہوں۔ ممکن ہے کہ یسعیاہ نبی کی پیشین گوئی میں بھی دانیال نبی کے خواب کی طرح خورس کا نام نہ تبلایا گیا ہو صرف قوم و ملک کا ذکر ہو (اور بعد کو یہ نام بڑھا دیا گیا ہو) لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ یہودیوں کا عام اعتقاد برابر یہی رہا کہ سائرس کا ظہور یہودیوں کی پیشین گوئی کے مطابق ہوا تھا، اور وہ خدا کی ایک پسندیدہ ہستی تھی جو اسی لئے پیدا کی گئی تھی۔ کہ مظلوموں کی مادر سی ہو اور بابلیوں کے ظلم و شرارت سے قوموں کو نجات ملے۔

(۱۹) اب غور کرو۔ قرآن کی تصریحات نے جو جامہ تیار کیا ہے، وہ کس طرح ٹھیک ٹھیک صرف سائرس ہی کے جسم پر راست آتا ہے؟ ہم نے اس بحث کے آغاز میں تصریحات قرآنی کا خلاصہ دیدیا ہے جو سات وفات پر مشتمل ہیں ان پر پھر ایک نظر ڈال لو۔

ان کی تصریحات سائرس

یہ خانہ بدوش قبائل کون تھے؟ ان مورخین کی صراحت کے مطابق بکٹر یا بلخ کے علاقہ کے قبائل تھے۔ نقشہ پر اگر نظر ڈالو گے تو صاف نظر آجائے گا کہ بکٹر ٹھیک ایران کے لئے مشرق قصیٰ کا حکم رکھتا ہے۔ کیونکہ اس کے آگے پہاڑ ہیں اور انھوں نے راہ روک دی ہے۔ اس کا بھی اشارہ ملتا ہے کہ گیڈروسیا کے وحشی قبیلوں نے اسکی مشرقی سرحد میں بدامنی پھیلائی تھی اور ان کی گوشمالی کے لئے نکلنا پڑا۔ گیڈروسیا سے مقصود وہی علاقہ ہے جو آج کل مکران کہلاتا ہے اس سلسلہ میں ہندوستان کی طرف ہمیں کوئی اشارہ نہیں ملتا۔ اس لئے قیاس کہتا ہے کہ مکران سے نیچے اس کے قدم نہیں اترے ہونگے۔ اور اگر اترے ہونگے تو دریائے سندھ سے آگے نہیں بڑھے ہونگے کیونکہ دارا کے زمانہ میں بھی اسکی جنوب مشرقی سرحد دریائے سندھ ہی تک معلوم ہوتی ہے۔

شمالی مہم

تیسری لشکر کشی اس نے ایسے علاقہ تک کی جہاں یاجوج ماجوج کے حملے ہوا کرتے تھے یہ یقیناً اس کی شمالی مہم تھی۔ جس میں وہ بحر خزر (کاسپین) کو دہنی طرف چھوڑتا ہوا کاکیشیا (Caucasus) کے سلسلہ کوہ تک پہنچ گیا تھا، اور وہاں اسے ایک درہ ملا تھا جو دو پہاڑی دیواروں کے درمیان تھا۔ اسی راہ سے یاجوج ماجوج آکر اس طرف کے علاقہ میں تاخت و تاراج کیا کرتے تھے اور یہیں اس نے سد تعمیر کی۔

قرآن نے اس مہم کا حال ان لفظوں میں بیان کیا ہے کہ حتی اذا بلغ بین السدین وجد من دونھما قوما لا یکادون یفقھون قولا (۹۳) یہاں تک کہ وہ دو (پہاڑی) دیواروں کے درمیان پہنچ گیا۔ ان کے اس طرف اسے ایک قوم ملی جو کوئی بات بھی سمجھ نہیں سکتی تھی۔ بس صاف معلوم ہوتا ہے "سدین" سے مقصود کاکیشیا کا پہاڑی درہ ہے۔ کیونکہ اس کے دہنی طرف بحر خزر ہے جس نے شمال اور مغرب کی راہ روک رکھی ہے۔ بائیں جانب بحر اسود ہے جو شمالی مغرب کے لئے قدرتی روک ہے۔ درمیانی علاقے میں جو کاسپین سلسلہ کوہ ایک قدرتی دیوار کا کام دے رہا ہے پس اگر شمالی قبائل کے حملوں کے لئے کوئی راہ باقی رہی تھی تو وہ صرف اس سلسلۂ کوہ کا ایک عریض درہ یا وسطی وادی تھی، اور یقیناً ذہین سے یاجوج ماجوج کو دوسری طرف پہنچنے کا موقعہ ملتا تھا۔ اس راہ کے بند ہوجانے کے بعد نہ صرف بحر خزر سے بحر اسود تک کا علاقہ محفوظ ہوگیا۔ بلکہ سمندروں اور پہاڑوں کی ایک ایسی دیوار قائم ہوگئی جس نے تمام مغربی ایشیا کو اپنی پناہ میں لے لیا، اور شمالی کی طرف سے حملے کا کوئی خطرہ باقی نہ رہا اب ایران تمام عراق عرب ایشیائے کوچک، بلکہ مصر بھی شمال کی طرف سے بالکل محفوظ ہوگیا تھا۔

نقشہ میں یہ مقام دیکھو۔ تمام مغربی ایشیا نیچے ہے اور شمال میں بحر خزر ہے اس سے بائیں جانب شمال مغرب میں بحر اسود ہے۔ درمیان میں بحر خزر کے مغربی ساحل سے بحر اسود کے مشرقی ساحل تک کاکیشیا کا سلسلۂ کوہ چلا گیا ہے۔ ان دو سمندروں اور درمیان کے سلسلہ کوہ نے ملکر سینکڑوں میلوں تک ایک قدرتی روک پیدا کر دی ہے۔ اب اس روک میں اگر کوئی شگاف رہ گیا تھا۔ جہاں سے شمالی اقوام کے قدم اس روک کو لانگ سکتے تھے، تو وہ صرف یہی دو پہاڑوں کے درمیان کی راہ تھی۔ ذوالقرنین نے اسے بھی بند کر دیا، اور اس طرح شمال اور مغربی ایشیا کا یہ درمیانی پھاٹک پوری طرح مقفل ہوگیا۔

شمالی قوم

باقی رہا یہ سوال کہ وہاں جو قوم ذوالقرنین کو ملی تھیں اور جو بالکل ناسمجھ تھی، وہ کونسی قوم تھی؟ تو اس سلسلہ میں دو قومیں نمایاں ہوتی ہیں اور دونوں کا اس زمانہ میں وہاں قریب قریب آباد ہونا تاریخ کی روشنی میں آچکا ہے۔ پہلی قوم وہ ہے جو بحر خزر کے مشرقی ساحل پر آباد تھی اسے یونانی مورخوں نے "کاسپین" کے نام سے پکارا ہے اور اسی کے نام سے بحر خزر کا نام بھی کاسپین پڑ گیا ہے۔ دوسری قوم وہ ہے جو اس مقام سے آگے بڑھ کر عین کاکیشیا کے دامن میں آباد تھی۔ یونانیوں نے اسے "کولچی" یا "کولخی" کے نام سے پکارا ہے اور دارا کے کتبۂ بستون میں اس کا نام "کورشیہ" آیا ہے[1]۔ انہی دو قوموں میں سے کسی نے یا دونوں

---

[1] دارا یوش اول کا کتبہ جو بابل قدیم کا ایک نہایت قیمتی سرمایہ ہے۔ اس میں اس نے اپنے تمام مفتوحہ ممالک اور زیر حکومت صوبوں کے نام گنائے ہیں جو تعداد میں ۲۱ ہیں۔ ان میں سے اکثر ناموں کا جغرافیائی حل روشنی میں آچکا ہے صرف ایک دو ناموں کی حقیقت اب تک حل طلب ہے۔

[2] ہم نے Caucasus کے لئے ہائقف کا لفظ استعمال کیا ہے، یہ اگرچہ اس کے لئے مرادف نقطہ نہیں ہے، لیکن چونکہ اطلاق کا مطلب بہتر طریقہ پر واضح کرتا ہے۔ ۔۔ یونانیوں کا عقیدہ تھا کہ سمندروں میں ہائقف نیچی کی صدائیں سنی جاتی ہیں اور خاص بچاریوں پر دیوتاؤں کا الہام ہوتا ہے اس غرض سے خاص خاص سمندروں کی تہہ تک جاتے تھے۔ لوگ چڑھاوے چڑھا کر اپنے سوالات پیش کرتے اور مجاور دیوتاؤں کی طرف سے جوابات سناتے

لیکن کروسس نے یہ تمام حصہ پیمان اور باہمی علائق بھلائے۔ وہ سائرس کی یہ کامرانی برداشت نہ کرسکا کہ فارس اور میڈیا کی مملکتیں متحد ہوکر ایک عظیم مملکت کی حیثیت اختیار کررہی ہیں۔ اس نے پہلے بابل ہمعہ اور اسپارٹا کی مملکتوں کو اس کے خلاف ابھارا، اور پھر اچانک حملہ کرکے سرحدی شہر پٹریا (Pteria) پر قبضہ کرلیا۔

سائرس مجبور ہوگیا کہ بلا توقف اس حملہ کا مقابلہ کرے۔ وہ میڈیا کے دارالحکومت ہگ متانہ[1] سے (جو اب ہمدان کے نام سے پکارا جاتا ہے) نکلا، اور اس تیزی کے ساتھ بڑھا کہ صرف دو جنگوں کے بعد جو پٹریا اور سارڈیس کے قریب واقع ہوئی تھیں، لیڈیا کی تمام مملکت پر قابض ہوگیا!

ہیروڈوٹس نے اس جنگ کی سرگزشت پوری تفصیل کے ساتھ بیان کی ہے اور اس کی بعض تفصیلات نہایت دلچسپ اور اہم ہیں لیکن یہ موضع الطناب کا نہیں۔ وہ کہتا ہے سائرس کی فتح مندی ایسی عجیب اور معجزانہ تھی کہ پٹریا کے معرکہ کے بعد صرف چودہ دن کے اندر لیڈیا کا محکم دارالحکومت سخر ہوگیا، اور کروسس ایک جنگی قیدی کی حیثیت میں سائرس کے آگے سرنگوں کھڑا تھا

وجدھا تغرب فی عین حمئۃ

اب تمام ایشیائے کوچک بحر شام سے لے کر بحر اسود تک اس کے زیر نگیں تھا۔ وہ برابر بڑھتا گیا۔ یہاں تک کہ مغربی ساحل تک پہنچ گیا۔ قدرتی طور پر اس کے قدم یہاں پہنچکر اسی طرح رک گئے جس طرح بارہ سو سال بعد طارق کے قدم افریقہ کے شمالی ساحل پر رک جانے والے تھے۔ اس کے فتح مند قدموں کے لئے صحراؤں کی وسعتیں اور پہاڑوں کی بلندیاں روک نہ ہوسکیں اس نے فارس سے لے کر لیڈیا تک چودہ سو میل کا فاصلہ طے کرلیا تھا۔ لیکن سمندر کی موجوں پر چلنے کے لئے اس کے پاس کوئی سواری نہ تھی اس نے نظر اٹھا کر دیکھا تو حد نظر تک پانی ہی پانی دکھائی دیتا تھا اور سوفیصد اس کی لہروں میں ڈوبا تھا!

یہ لشکر کشی جو اسے پیش آئی، مرتع مغرب کی لشکر کشی تھی۔ کیونکہ وہ ایران سے مغرب کی طرف چلا اور خشکی کے مغربی کنارہ تک پہنچ گیا۔ یہ اس کے لئے مغرب الشمس کی آخری حد تھی۔

ایشیائے کوچک کا مغربی ساحل نقشہ میں نکالو۔ تم دیکھو گے تمام ساحل اس طرح کا واقع ہوا ہے کہ چھوٹے چھوٹے خلیج پیدا ہوگئے ہیں اور سمرنا کے قریب اس طرح کے جزیرے نکل آئے ہیں جنہوں نے ساحل کو ایک جھیل یا حوض کی سی شکل دیدی ہے لیڈیا کا دارالحکومت سارڈیس مغربی ساحل کے قریب تھا، اور اس کا محل موجودہ سمرنا سے بہت زیادہ فاصلہ پر نہ تھا پس جب سائرس سارڈیس کی تسخیر کے بعد آگے بڑھا ہوگا تو یقیناً بحر الجبس کے اسی ساحل مقام پر پہنچا ہوگا، جو سمرنا کے قرب وجوار میں واقع ہے یہاں اس نے دیکھا ہوگا کہ سمندر نے ایک جھیل کی سی شکل اختیار کرلی ہے، ساحل کی سیپ سے پانی گدلا ہو رہا ہے، اور شام کے وقت اسی میں سورج ڈوبتا دکھائی دیتا ہے۔ اسی صورت حال کو قرآن نے ان لفظوں میں بیان کیا ہے کہ وجدھا تغرب فی عین حمئۃ (۸۶) اسے ایسا دکھائی دیا کہ سورج ایک گدلے حوض میں ڈوب رہا ہے!

یہ ظاہر ہے کہ سورج کسی مقام میں بھی ڈوبتا نہیں، لیکن ہم سمندر کے کنارے کھڑے ہوکر دیکھتے ہیں تو ایسا ہی دکھائی دیتا ہے کہ ایک سنہری تھالی آہستہ آہستہ سمندر میں ڈوب رہی ہے۔

مشرقی مہم

دوسری لشکر کشی مشرق کی طرف تھی۔ جب ہیروڈوٹس اور ٹی سیاز[2] دونوں اسکی مشرقی لشکر کشی کا ذکر کرتے ہیں جو لیڈیا کی فتح کے بعد اور بابل کی فتح سے پہلے پیش آئی تھی، اور دونوں نے تصریح کی ہے کہ "مشرق کے بعض وحشی اور صحرا نشین قبائل کی سرکشی اس کا باعث ہوئی تھی" یہ ٹھیک ٹھیک قرآن کے اس اشارہ کی تصدیق ہے کہ حتی اذا بلغ مطلع الشمس وجدھا تطلع علی قوم لم نجعل لھم من دونھا سترا (۹۰) جب وہ مشرق کی طرف پہنچا تو اسے ایسی قوم ملی جو سورج کے لئے کوئی آڑ نہیں رکھتی تھی۔ یعنی خانہ بدوش قبائل تھے۔

---

[1] داراکے کتبوں میں اس کا نام بھی آیا ہے مگر ہیروڈوٹس وغیرہ یونانی مورخوں نے اسے اک بتانا (Agbatana) لکھا ہے، اور یہی نام یورپ میں مشہور ہوگیا تھا۔

[2] ہیروڈوٹس مترجمہ اے ڈی گاڈلی Godley (Loeb edition)

[3] ٹی سیاز (Ctesias) ایک یونانی تھا جو ۴۱۴ سے ۳۹۸ ق م تک تقریباً سولہ برس تک شاہان پارس کا درباری طبیب رہا اور اس مدت کے کچھ عرصہ بعد اس نے اپنی مشہور تاریخ لکھی جسکے یونانی مورخوں نے اس کے بعض بیانات شبہ کی نگاہ سے دیکھے ہیں اور اس لئے اسے مستند کا وہ درجہ حاصل نہ ہوسکا جو ہیروڈوٹس (المتولد ۴۸۴ قبل مسیح) کی تاریخ کو حاصل ہوا ہے مگر موجودہ سارے کے محققین تاریخ کا ایسا خیال نہیں

اور اس پر کروئیسس کو بٹھا کر آگ لگا دی جائے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اور آگ لگا دی گئی، لیکن پھر جب کروئیسس کی بعض باتیں سنیں تو بے حد متاثر ہوا اور آگ بجھانے کا حکم دیا۔ لیکن اب آگ پوری طرح مشتعل ہو گئی تھی، ممکن نہ تھا کہ اسے فوراً بجھا دیا جائے۔ بہر حال دیکھ کر کروئیسس نے اپالو دیوتا کو پکارا۔ اور باوجودیکہ آسمان بالکل صاف تھا، اچانک بارش شروع ہو گئی اور اس طرح اس مجوسی نے بروقت ظاہر ہو کر اپنی جان بچا لی۔

لیکن خود ہیروڈوٹس اور زینوفن کی تفہیر بجائے ہے جو حقیقت معلوم ہوتی ہے وہ صرف اتنی ہے کہ سائرس یا تو کروئیسس کے عزم و صبر کا امتحان لینا چاہتا تھا، یا یہ بات آشکارا کر دینی چاہتا تھا کہ یونانیوں کے خود ساختہ دیوتا اپنے عبادت گزاروں کی کچھ مدد نہیں کر سکتے، اور جن دیوتاؤں کی مزعومہ شفاعت پر اعتماد کر کے جنگ کی گئی تھی ان میں اتنی بھی طاقت نہیں کہ اپنے پرستار کو زندہ جلنے کے عذاب سے بچا لیں یعنی مقصود یہ تھا کہ پہلے اسے چتا پر بٹھایا جائے، آگ بھی لگا دی جائے، لیکن جب وہ خود اور تمام لوگ دیکھ لیں کہ دیوتاؤں کا کوئی معجزہ ظاہر نہیں ہوا تو پھر اسے بخشے، اور عزت و احترام کے ساتھ اپنے ہمراہ لے جائے، دوسری علت زیادہ قوی معلوم ہوتی ہے۔ کیونکہ خود ہیروڈوٹس کی روایت میں اس کی جھلک موجود ہے، اور یونانی افسانہ میں اپالو کے معجزہ کی نمود بھی اسی طرف اشارہ کر رہی ہے۔ صاف معلوم ہوتا ہے کہ سائرس نے اپنے عمل سے جو حقیقت آشکارا کر دی تھی یونانی افسانہ نے اسی کا توڑ کرنے کے لئے اپالو کا معجزہ گڑھ لیا۔

سائرس کے حالات و قوانین

قرآن نے ذوالقرنین کا یہ اعلان نقل کیا ہے کہ آئندہ جو ظلم کرے گا، سزا پائے گا جو حکم مانے گا اور نیک عمل ہو گا اسے انعام ملے گا۔ بعینہٖ زینوفن کی بھی ایسی ہی روایت ہے۔ قرآن میں ہے کہ وسنقول لہ من امرنا یسرا۔ اگر لوگوں نے نیک عملی اختیار کی تو دیکھ لیں گے میرے احکام و قوانین میں ان کے لئے سختی نہ ہو گی۔ تمام مورخ بالاتفاق شہادت دیتے ہیں کہ اس کے احکام و قوانین ایسے ہی تھے وہ مفتوحہ ممالک کے باشندوں کے لئے سراسر شفقت و مرحمت تھا۔ اس نے ان تمام بوجھل ٹیکسوں اور خراجوں سے رعایا کو نجات دیدی جو اس عہد کے تمام حکمران وصول کیا کرتے تھے۔ اس نے جس قدر احکام و قوانین نافذ کئے وہ زیادہ سے زیادہ نرم اور زیادہ سے زیادہ ہلکے تھے۔

(۵) یہ تو صرف اس کی مغربی فتوحات مندی کی سرگزشت تھی۔ اب دیکھنا چاہئے کہ اس کے اعمال کی عام رفتار کیسی رہی؟ اور قرآن کا بیان کردہ وصف کہاں تک اس پر راست آتا ہے؟

مورخین کی عام شہادت

لیکن قبل اس کے کہ ہم یونانی مورخوں کی شہادتوں پر متوجہ ہوں، یہ بات سمجھ لینی چاہئے کہ یونانی مورخ سائرس کے ہم قوم نہیں تھے ہم وطن نہیں تھے۔ ہم مذہب نہیں تھے۔ اتنا ہی نہیں بلکہ دوست بھی نہیں تھے۔ سائرس نے لیڈیا کو شکست دی تھی اور لیڈیا کی شکست یونانی قومیت، یونانی تہذیب، اور سب سے زیادہ یہ کہ یونانی مذہب کی شکست تھی۔ پھر سائرس کے جانشینوں نے براہ راست یونانیوں کو زیر کیا تھا، اور ہمیشہ کے لئے دونوں قومیں ایک دوسرے کی حریف ہو گئی تھیں۔ ایسی حالت میں قدرتی طور پر یہ توقع نہیں کی جا سکتی کہ یونانی دماغ اپنے حریف کی مدحت سرائی کا شایق ہو گا۔ تاہم ہم دیکھتے ہیں کہ ان میں سے ہر مورخ اس کی غیر معمولی عظمتوں اور ملکوتی صفتوں کی مدحت سرائی میں رطب اللسان ہے اور اس سے تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ اس کے محاسن نے ایک ایسے عالمگیر اعتراف و تاثر کی نوعیت اختیار کر لی تھی کہ دوست و دشمن کا کوئی امتیاز باقی نہیں رہا تھا۔ سب کے دلوں ان کا اعتقاد پیدا ہو گیا تھا، سب کی زبانوں پر ان کی مدحت سرائی تھی اور محاسن وہی ہیں جن کی حریفوں کو بھی شہادت دینی پڑے۔

وفضلہ شہدت بہا ضراتہا والفضل ما شہدت بہ الاعداء

زینوفن لکھتا ہے سائرس ایک نہایت دانشمند، سنجیدہ، اور ساتھ ہی رحم دل فرمانروا تھا۔ اس کی شخصیت ہر طرح کے شاہی اوصاف اور حکیمانہ فضائل کا ایک اعلیٰ ترین نمونہ تھی۔ یہ بات عام طور پر تسلیم کر لی گئی ہے کہ اس کی شوکت و حشمت سے کہیں زیادہ اس کی عالی حوصلگی اور عیش منشی تھی، اور اس کی تیامنی اور رحم دلی اپنی کوئی دوسری مثال نہیں رکھتی۔ انسان کی خدمت اور ہمدردی اس کی شاہانہ طبیعت کا سب سے بڑا جوہر تھا۔ وہ ہمیشہ اس فکر میں رہتا تھا کہ مصیبت زدہ انسانوں کی دستگیری کرے مظلوموں کو ظلم سے نجات دلائے، اور ماندہ انسانوں کا ہاتھ پکڑے، غم زدوں کے دکھ درد میں شریک ہو پھر ان تمام عالی

قوموں نے ذوالقرنین سے یاجوج ماجوج کی شکایت کی ہوگی، اور چونکہ یہ غیر متمدن قومیں تھیں، اس لئے ان کی نسبت فرمایا کہ لا یکادون یفقھون قولا۔

سائرس کے غیر معمولی فضائل

(۱) اس کے بعد ذوالقرنین کا جو وصف سامنے آتا ہے، وہ اس کی عدالت گستری اور خدمت انسانی کی فیاضانہ سرگرمی ہے۔ اور یہ اوصاف سائرس کی تاریخی سیرت کی اس درجہ آشکار حقیقتیں ہیں کہ مورخ کی نگاہ کسی دوسری طرف اٹھ ہی نہیں سکتی!

قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ اسے مغرب میں جو قوم ملی تھی، اسکی نسبت حکم الٰہی ہوا تھا: یاذا القرنین! اما ان تعذب و اما ان تتخذ فیھم حسنا (۸۶) یعنی یہ قوم اب تیرے بس میں ہے جس طرح چاہے تو ان کے ساتھ سلوک کر سکتا ہے۔ خواہ سزائے، خواہ انہیں اپنا دوست بنالے۔ یقیناً یہ لیڈیا کی یونانی قوم تھی۔ اس سے پادشاہ کروئسس نے تمام عہد و پیمان اور باہمی رشتہ داریاں بھلا کر بلاوجہ سائرس پر حملہ کر دیا تھا۔ اور حرف خود ہی حملہ آور نہیں ہوا تھا بلکہ وقت کی تمام طاقتور حکومتوں کو بھی اس کے خلاف ابھار کر اپنے ساتھ کر لیا تھا۔ اب جب ناصر الٰہی نے اپنا کرشمہ دکھایا اور تمام لیڈیا مسخر ہو گیا، تو حکم الٰہی ہوا۔ یہ لوگ بالکل تیرے رحم پر ہیں۔ تو چاہے ان کے ساتھ کر سکتا ہے کیونکہ یہ اپنے ظلم و شرارت کی وجہ سے ہر طرح سزا کے مستحق ہیں۔ مطلب یہ تھا۔ کہ تائید الٰہی نے تیرا ساتھ دیا۔ دشمنوں کو مسخر کر دیا۔ اب وہ بالکل تیرے اختیار میں ہیں، لیکن تجھے بدلہ نہیں لینا چاہیے۔ وہی کرنا چاہیے جو نیکی و فیاضی کا مقتضا ہے۔ چنانچہ ذوالقرنین نے ایسا ہی کیا: قال اما من ظلم فسوف نعذبہ ثم یرد الی ربہ فیعذبہ عذابا نکرا۔ و اما من اٰمن و عمل صالحا فلہ جزآء الحسنیٰ و سنقول لہ من امرنا یسرا (۸۸) اس نے اعلان کیا کہ میں پچھلے جرم کی بنا پر کسی کو سزا نہیں دینا چاہتا۔ میری جانب سے عام بخشش کا اعلان ہے۔ البتہ آئندہ جو کوئی سرکشی کرے گا، بلاشبہ اسے سزا دونگا۔ پھر اسے مرنا ہے اور آخرت کا عذاب سخت جھیلنا ہے۔ اور جو لوگ میرے احکام مانیں گے اور نیک کردار ثابت ہونگے تو ان کے لئے ویسا ہی بہتر اجر بھی ہوگا، اور وہ میرے احکام بھی بہت آسان یا نرمی سے ہیں بندگان خدا پر سختی کرنا نہیں چاہتا۔ یہ ہو بہو اس طرز عمل کی تعبیر ہے جس کی تفصیل ہمیں یونانی تاریخوں کے صفحات میں ملتی ہے اور جسے زمانہ حال کے تمام محققین تاریخ نے ایک مسلمہ تاریخی حقیقت تسلیم کر لیا ہے۔

تمام یونانی مورخ بالاتفاق شہادت دیتے ہیں کہ سائرس نے فتح کے بعد باشندگان لیڈیا کے ساتھ جو سلوک کیا، وہ صرف منصفانہ ہی نہ تھا۔ وہ اس سے بھی زیادہ تھا۔ وہ فیاضانہ تھا۔ وہ اگر اپنے دشمنوں کے ساتھ سختی کرتا، تو یہ انصاف ہوتا، کیونکہ زیادتی انہی کی تھی۔ لیکن وہ صرف منصف ہونے پر قانع نہیں ہوا۔ اس نے رحم و بخشش کا شیوہ اختیار کیا۔ ہیروڈوٹس لکھتا ہے کہ سائرس نے اپنی فوج کو حکم دیدیا تھا۔ کہ دشمن کی فوج کے سپاہیوں کے سوا اور کسی انسان پر ہتھیار نہ اٹھائیں، اور دشمن کی فوج میں سے بھی جو کوئی نیزہ جھکائے، اسے ہرگز قتل نہ کیا جائے۔ کروئسس شاہ لیڈیا کی نسبت صریح حکم تھا کہ کسی حال میں بھی اسے گزند نہ پہنچائی جائے، اگر وہ مقابلہ کرے، جب بھی اس پر تلوار نہیں اٹھانی چاہیے۔ اس حکم کی فوج نے اس دیانت داری کے ساتھ تعمیل کی کہ باشندگان لیڈیا کو جنگ کی مصیبت در اصل بھی محسوس نہ ہوئی۔ یہ گویا محض فرمانروا خاندان کا ایک شخصی انقلاب تھا کہ کروئسس کی جگہ سائرس نے لے لی اس سے زیادہ کوئی انقلاب ملک و قوم کو محسوس ہی نہیں ہوا!

کروئسس کا واقعہ اور یونانی روایات

یہ یاد رکھنا چاہیے کہ سائرس کی فتح یونانی دیوتاؤں کی شکست تھی، کیونکہ وہ اس مصیبت سے اپنے پرستار کروئسس کو نہ بچا سکے، حالانکہ حملہ سے پہلے اس نے مندروں کے ہاتف سے استصواب کر لیا تھا، اور ڈلفی کے ہاتف نے فتح و کامرانی کی بشارت دی تھی پس قدرتی طور پر واقعات کی رفتار یونانیوں کے لئے خوشگوار نہ ہوئی، اور اس امر کی کوشش شروع ہو گئی کہ اس شکست میں بھی اخلاقی اور مذہبی فتح مندی کی شان پیدا کر دی جائے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ کروئسس کا معاملہ اچانک ایک پراسرار افسانہ کی شکل اختیار کر لیتا ہے اور یونانی دیوتا اپنے سارے معجزوں کے ساتھ نمایاں ہو جاتے ہیں۔ ہیروڈوٹس لیڈیا کے باشندوں کی یہ روایت نقل کرتا ہے کہ ڈلفی کے ہاتف کا جواب غلط نہ تھا، اگر کروئسس نے جنگ کے جوش طلب میں اس کا صحیح مطلب نہیں سمجھا۔ ہاتف نے کہا تھا "اگر اس نے پارسیوں پر حملہ کیا تو وہ ایک بڑی مملکت تباہ کر دے گا" یعنی خود اپنی مملکت تباہ کر دے گا، مگر اس نے خیال کیا بڑی مملکت سے مقصود پارسیوں کی مملکت ہے، نیز وہ کہتا ہے پہلے سائرس نے حکم دیا تھا کہ لکڑیوں کی چتا تیار کی جائے

ف ۱ حاشیہ صفحہ گزشتہ پر دیکھا جائے

کی خلعت اور اخلاق و انسانیت کی فضیلت جمع ہو گئی تھی اور وہ جس عہد میں ظاہر ہوا، اس عہد میں اس کی شخصیت ہر اعتبار سے انسانیت کا ایک پیام اور قوموں کی نجات تھی!

آکسفورڈ یونیورسٹی کے پروفیسر جی بی گرنڈی (G.B. Grundy) جو موجودہ زمانے میں تاریخ قدیم کے ایک مستند ماہر ہیں اور جن کی کتاب "گریٹ پرشین وار" نہایت مقبول ہو چکی ہے، لکھتے ہیں:

"یہ حقیقت بالکل آشکارا ہے کہ سائرس کی شخصیت اپنے عہد کی ایک غیر معمولی شخصیت تھی۔ اس نے اپنی تمام معاصر قوموں کے دلوں پر اپنا حیرت انگیز تاثر نقش کر دیا۔ اس کی ابتدائی نشو و نما بالائی فارس کے خیمہ آباد اور دور دراز گوشوں میں ہوئی جس کی سرگذشت نے ایک افسانہ کی حیثیت اختیار کر لی ہے۔ اس کی ابتدائی تربیت کی روایتیں اس سے ڈیڑھ سو برس بعد زینوفن نے مدون کیں جو سقراط کا شاگرد تھا، اور ہم دیکھتے ہیں کہ ان تمام روایتوں میں اس کے فضائل انسانیت کا جوہر عام طور پر نمایاں ہے۔ خواہ ہم ان روایتوں کو اہمیت دیں خواہ نہ دیں، تاہم یہ حقیقت ہر حال میں غیر متزلزل رہتی ہے کہ اس کی تدبیر و سیاست کا دامن اس کی انسانیت و فضیلت کے جوہر سے بندھا ہوا تھا، اور جب یہ خصوصیت آشوری اور بابلی شہنشاہوں کی بد عملیوں کے مقابلہ میں لائی جاتی ہے تو اس کی شریفانہ نمود اور زیادہ درخشندہ ہو جاتی ہے"۔

پھر آگے چل کر لکھتے ہیں:

"فی الحقیقت ایک حیرت انگیز کامیابی تھی۔ بارہ برس پہلے وہ ایک چھوٹی سی دیامت انشان کا ایک گمنام رئیس تھا، اور اب ایشیا کی وہ تمام مملکتیں اس کے زیر فرمان تھیں، جہاں پچھلی قوموں کی بڑی بڑی عظمتیں ظہور میں آ چکی تھیں۔ ان تمام بادشاہتوں میں جنہوں نے زمین کے مالک ہونے کے دعوے کئے، ایک بادشاہت بھی ایسی نہ تھی جو اب اپنی ہستی کا کوئی موثر ظہور رکھتی ہو۔ آشوری مملکت کے تمام صوبے سارگون سے لے کر نبوکد نزار (بخت نصر) تک، سب کی مملکتیں اس کے آگے سربسجود ہو گئی تھیں . . . وہ صرف ایک بڑا فاتح ہی نہیں تھا۔ وہ ایک بڑا حکمران تھا۔ قوموں نے بنیاد و رصرف قبول ہی نہیں کیا بلکہ اس کا استقبال کیا ان دو برسوں میں جو فتح بابل کے بعد گزرے اس کی تمام وسیع مملکت میں ایک بد دلی کا واقعہ بھی نظر نہیں آتا۔ بلاشبہ اس کی رعایا پر اس کی طاقت کا رعب چھایا ہوا تھا، لیکن وہ کوئی وجہ نہیں رکھتی تھی کہ اس کی سخت گیری سے ہراساں ہو اس کی حکومت قتل و صلب کی سزاؤں سے یا کثرت ناآشنا رہی۔ اب تازیانوں سے مجرموں کو نہیں پیٹا جاتا تھا۔ اب قتل عام کے احکام صادر نہیں ہوتے تھے۔ اب قوموں اور قبیلوں کو جلاوطن نہیں کیا جاتا تھا۔ برخلاف اس کے ہم دیکھتے ہیں کہ اس نے آشوری اور بابلی بادشاہوں کے تمام مظالم کے آثار یک قلم محو کر دیئے۔ جلاوطن قومیں اپنے وطنوں میں لوٹائی گئیں، ان کے معبد اور معبود انہیں واپس دیدئے گئے، قدیم رسوم اور عبادتوں کے خلاف کوئی جبر و تشدد باقی نہیں رہا۔ ہر قوم کے ساتھ پوری طرح داد رسی کی گئی، ہر مذہب کے پیروؤں کو پوری مذہبی آزادی دی گئی، دنیا کی گذشتہ عالمگیر دہشتناکی کی جگہ ایک عالمگیر رواداری اور عفو و بخشش کا مبارک دور شروع ہو گیا!

غور کرو قرآن نے چند لفظوں کے اندر جو اشارات کر دیے ہیں، آج تاریخ کا داستان سرا کس طرح اس کے ایک ایک حرف کی شرح و تفصیل سنا رہا ہے۔

(۶) اب چند لمحوں کے لئے ان تصریحات پر غور کرو جو تورات کے صحائف میں مندرج ہیں کس طرح وہ سائرس کی شخصیت کی سب سے بڑی خصوصیت واضح کر رہے ہیں اور کس طرح قرآن کے اشارات بھی ٹھیک ٹھیک ان کی تصدیق ہیں! یسعیاہ نبی کی کتاب میں ہے کہ "خداوند کہتا ہے خورس میرا چرواہا ہے" اور پھر یہ بھی کہا ہے کہ "وہ میرا مسیح ہے" اور یرمیاہ نبی کا بیان اوپر گزر چکا ہے کہ وہ بابلیوں کے ظلم سے نجات دلائے گا۔ اب دیکھو اس کی شخصیت ٹھیک ٹھیک ایک موعود اور منتظر نجات دہندہ کی شخصیت تھی یا نہ تھی؟

جب ہم اس عہد کی تاریخ کا مطالعہ کرتے ہیں۔ اور پھر سائرس کے حالات پر نظر ڈالتے ہیں تو یہ اول نظر یہ حقیقت آشکارا ہو جاتی ہے کہ اس کا ظہور ٹھیک ٹھیک ایک ایسی شخصیت کا ظہور تھا جس کے لئے وقت کی تمام قوتیں چشم براہ ہوں۔ قوموں کا انتظار رائی کی زبانوں پر نہیں ہوتا۔ ان کے حالات کے قدرتی تقاضے میں ہوتا ہے۔ غور کرو اس عہد کی رفتار زمانہ کا قدرتی تقاضہ کیا تھا؟

لہ یہ دفیر صوف کے اس مقالہ کے لئے یونیورسل ہسٹری آف دی ورلڈ کی دوسری جلد (صفحہ ۱۰۵۰) کا مطالعہ کرنا چاہئے جو ہمارے ہمرٹن (A. Hammerton) نے مرتب کی ہے اور حال میں شائع ہوئی ہے۔

صفتوں کے ساتھ ماخوذ ہی وہ اکساہی اس کے حسن کمال کا سب سے بڑا زیور تھا' اس نے ایک ایسے تخت پر بیٹھ کر جس کے آگے تمام قوموں کے سر جھک گئے تھے' اور ایک ایسے خزانہ کا مالک ہو کر جس میں تمام دنیا کی دولت سمٹ آئی تھی' کبھی گوارا نہیں کیا کہ فخر و غرور کو اپنے دماغ میں جگہ دے"

ہیروڈوٹس لکھتا ہے "وہ ایک نہایت ہی مخیر بادشاہ تھا۔ اسے دنیا کے تمام بادشاہوں کی طرح دولت جمع کرنے کی حرص نہیں تھی بلکہ جود و سخاوت کا جوش تھا۔ وہ کہتا تھا' سب سے بڑی دولت ہے کہ نوع انسانی کی بھلائی کا موقع ملے اور مظلوموں کی دادرسی ہو"

زینوفن سا ز لکھتا ہے اس کا عقیدہ یہ تھا کہ دولت بادشاہوں کے ذاتی عیش و آرام کے لئے نہیں ہے بلکہ اس لئے ہے کہ رفاہ عام کے کاموں میں خرچ کی جائے' اور ماتحتوں کو اس سے فیض پہنچے چنانچہ اسی فیض رسانی نے اس کی تمام رعایا کے دل اس کے ہاتھوں میں دیدیے تھے۔ وہ اس کے لئے خوشی خوشی اپنی گردنیں کٹوا دیتے۔

سارس کی شخصیت غیر معمولی نمود

سب سے زیادہ نمایاں بات جو ان تمام مورخوں کے صفحات پر ملتی ہے' وہ سارس کی شخصیت کی غیر معمولی نمود ہے سب کہتے ہیں کہ وہ جس عہد میں پیدا ہوا اس کی مخلوق نہیں تھا۔ ایک بالاتر شخصیت تھی جسے قدرت نے اپنا کرشمہ دکھانے کے لئے منوار کر دیا تھا۔ دنیا کے کسی حکیم نے اس کی تربیت نہیں کی۔ وقت کے متمدن ملکوں میں سے کسی ملک میں اسکی پرورش نہیں ہوئی وہ محض قدرت کا پروردہ تھا' اور قدرت ہی کے ہاتھوں نے اسے اٹھایا تھا۔ اس کی تمام ابتدائی زندگی صحراؤں کی گود اور پہاڑوں کی آغوش میں بسر ہوئی۔ وہ فارس کے مشرقی پہاڑوں کا چرواہا تھا۔ تاہم یہ کیسی عجیب بات ہے کہ یہی چرواہا جب دنیا کے سامنے آیا تو حکمرانی کا سب سے بڑا جلوہ' دانش کا سب سے بڑا پیکر' فضیلت کا سب سے بڑا نمونہ ان کے سامنے تھا!

اور سکندر

سکندر نے ہم کو ارسطو کی تعلیم و تربیت نے تیار کیا تھا اور بلاشبہ وہ بہت بڑا فاتح نکلا' لیکن کیا انسانیت و اخلاق کا بھی کوئی گوشہ فتح کر سکا؟ سارس کے لئے ہمیں کوئی ارسطو نہیں ملتا۔ اس نے انسانی حکمت کی درسگاہ کی جگہ قدرت کی درسگاہ میں پرورش پائی تھی' تاہم اس نے سکندر کی طرح صرف ملکوں ہی کو نہیں' بلکہ انسانیت و فضائل کی مملکتوں کو بھی سحر کر لیا تھا!

سکندر کی تمام فتوحات کی عمر اس سے زیادہ نہ تھی جتنی خود اسکی عمر تھی' لیکن سارس کی فتوحات نے جو آئینیں چن دی تھیں' وہ دو سو برس تک ہل سکیں۔ سکندر کے دم توڑتے ہی اسکی مملکت کے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے۔ لیکن سارس نے جب دنیا چھوڑی تو اس کی مملکت روز بروز وسیع و مستحکم ہونے والی تھی۔ اس کی فتوحات میں صرف مصر کا خانہ خالی رہ گیا تھا۔ اس کے فرزند کیفیاد نے اسے بھی بھر دیا' اور پھر چند برسوں کے بعد دنیا کی وہ عالمگیر سلطنت ظہور میں آگئی جو ایشیا' افریقہ اور یورپ کے اٹھائیس ملکوں میں پھیلی ہوئی تھی اور اس پر سارس کا جانشین دارا یوش تن تنہا حکمران تھا!

سکندر کی فتوحات صرف جسم کی فتوحات تھیں جنہیں قہر و طاقت نے سر کیا تھا' لیکن سارس کی فتوحات روح و دل کی فتوحات تھیں جنہیں انسانیت و فضیلت نے سر کیا تھا۔ یہی سر اٹھاتی ہے لیکن ٹک نہیں کر سکتی۔ دوسری ٹک جاتی ہے اور پھر ٹلتی نہیں۔

سارس نے بابل کے بعد دس برس تک زندہ رہا۔ اب اسکی حکومت عرب سے لیکر بحر اسود تک اور ایشیائے کوچک سے بلخ تک پھیلی ہوئی تھی' اور ایشیا کی تمام قومیں اس کے ماتحت آچکی تھیں' لیکن تاریخ شاہد ہے کہ اس تمام عرصہ میں بغاوت اور سرکشی کا ایک حادثہ بھی نہیں ہوا' کیونکہ زینوفن کے لفظوں میں "وہ صرف بادشاہ ہی نہ تھا بلکہ انسانوں کا شفیق مربی اور قوموں کا رحیم باپ تھا" اور رعایا سخت گیر حکمرانوں سے بغاوت کر سکتی ہے۔ لیکن اولاد اپنے شفیق باپ سے باغی نہیں ہو سکتی۔ موجودہ زمانے کے تمام مورخ تسلیم کرتے ہیں کہ یہ ایک حیرت انگیز خصوصیت تھی' یہ ایسی خصوصیت تھی جو آگے چل کر رومن امپائر کو بھی نصیب نہ ہوئی۔

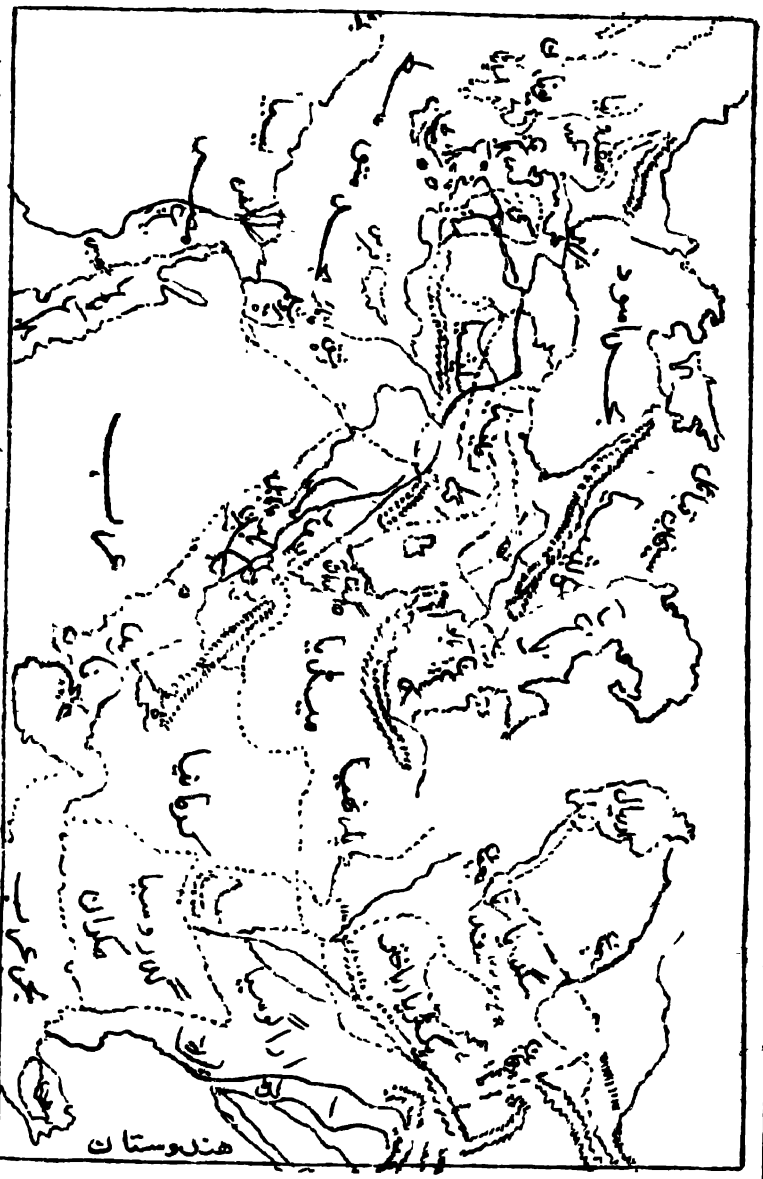
سب متفقہ شہادت دیتے ہیں کہ اس عہد کے بادشاہوں کی سخت گیری' قساوت قلبی اور بہیمیت انگیز طریق تعذیب کی چھوٹی سی چھوٹی مثال بھی سارس کے عہد میں نہیں ملتی۔

محققین تاریخ کی شہادت

یا دہے کہ یہ محض قدیم یونانی مورخوں کی روایات ہی نہیں ہیں' بلکہ موجودہ زمانے کے تمام محققین تاریخ کی تاریخی تسلیمات ہیں تاہم اتفاق یہ بات تسلیم کر لی گئی ہے کہ سارس تاریخ قدیم کی سب سے بڑی شخصیت ہے جس میں بہ یک وقت فتوحات کی وسعت فرمانروائی

لیکن تم بھی فضیلت پڑھنے کے بعد کون کہ سکتا ہے کہ نہیں تھا؟

ذوالقرنین کی مغربی، مشرقی اور شمالی فتوحات :-



اس نقشہ میں فارسی شہنشاہی کا وہ رقبہ دکھایا گیا ہے جو سائرس کی فتوحات سے پندرہ برس بعد دارا کے زمانہ میں قائم ہو گیا تھا۔

اس نقشہ میں ذوالقرنین کی مغربی، مشرقی اور شمالی فتوحات دکھائی گئی ہیں۔ ذوالقرنین کا دارالحکومت بابل تھا۔ اس کا دارالحکومت بابل سے شمال مغرب کی طرف تھا۔ یعنی ہمدان، ہمدان سے شمال مغرب کی طرف رے یا ری ہے۔ رے سے شمال مغرب کی طرف آذربائیجان کا علاقہ ہے جس میں مراغہ اور تبریز واقع ہیں۔ مراغہ سے شمال کی طرف بحر خزر یا بحر کیسپین ہے۔ آذربائیجان سے شمال کی طرف ارمینیا کا علاقہ ہے جس میں وان کی جھیل واقع ہے۔ ارمینیا سے شمال کی طرف بحر اسود یا بحر اکسین ہے۔ ارمینیا سے مغرب کی طرف ایشیائے کوچک ہے۔ ایشیائے کوچک سے مغرب کی طرف بحر ایجیئن ہے۔ ایشیائے کوچک سے جنوب کی طرف شام ہے۔ شام سے جنوب کی طرف فلسطین ہے۔ فلسطین سے جنوب کی طرف مصر ہے۔ مصر سے مغرب کی طرف لیبیا ہے۔ لیبیا سے مغرب کی طرف بحر اوقیانوس ہے۔ اس کا دارالحکومت بابل سے مشرق کی طرف ایران ہے۔ ایران سے مشرق کی طرف افغانستان ہے۔ افغانستان سے مشرق کی طرف ہندوستان ہے۔ ہندوستان سے مشرق کی طرف بحر ہند ہے۔ ہندوستان سے جنوب کی طرف بحر ہند ہے۔ ہندوستان سے شمال کی طرف ہمالیہ ہے۔ ہمالیہ سے شمال کی طرف تبت ہے۔ تبت سے شمال کی طرف چین ہے۔ چین سے شمال کی طرف منگولیا ہے۔ منگولیا سے شمال کی طرف سائبیریا ہے۔ سائبیریا سے شمال کی طرف بحر منجمد شمالی ہے۔ (نقشہ ۱۰ سے لیا گیا ہے)

بنو کدرزار کی شہنشاہی کا ظہور ہوا۔ اور ہمیں معلوم ہے کہ اس نے ہیکل المقدس پر پے در پے تین حملے کر کے نہ صرف دنیا کا سب سے بڑا زندہ خیز علاقہ تاراج و ویران کر دیا۔ بلکہ فلسطین کی پوری آبادی کو اس طرح ہنکا کر بابل لے گیا کہ جو زلیفس کے لفظوں میں "کوئی سخت سے سخت بے رحم قصائی بھی اس وحشت و خونخواری کے ساتھ بھیڑوں کو مذبح میں نہیں لے جاتا"۔ پھر کیا ان حالات کا قدرتی تقاضہ یہ نہ تھا کہ دنیا ایک نئی شخصیت کے لئے چشم راہ ہو؟ تو میں ایک نجات دہندہ کی راہ تک رہی ہوں؟ ایک ایسے نجات دہندہ کی جو انسانوں کے گلہ کے لئے خدا کا بھیجا ہوا "چرواہا" جو ان کی بیڑیاں کاٹے اور ان کے سروں کا بوجھ ہلکا کرے، جو دنیا کو اس ربانی صداقت کا سبق دے دے کہ انسانی حکمرانی نوع انسانی کی خدمت کے لئے ہونی کی خدمت کے لئے ہونی چاہیے۔ دہشت انگیزی اور خونفشانی کے لئے نہیں؟

خدا کا بھیجا ہوا "چرواہا"

دنیا بادشاہوں کے ہاتھوں سے تنگ آ چکی تھی۔ اب وہ ایک "چرواہے" کے لئے مضطرب تھی اور یسعیاہ نبی کے لفظوں میں خدا کا وہ فرستادہ چرواہا نمودار ہو گیا!

چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ زینوفن کے لفظوں میں "قوموں نے اسے قبول ہی نہیں کیا بلکہ اس کے استقبال کے لئے بے اختیار پکیں" کیونکہ وہ وقت کی جستجو کا قدرتی سراغ اور زمانہ کی طلب کا قدرتی جواب تھا۔ اور اگر رات کی تاریکی کے بعد صبح کی روشنی کا خیر مقدم کیا جاتا ہے، تو ممکن نہ تھا کہ انسانی شقاوت کی اس طولانی تاریکی کے بعد صبح سعادت کی اس جہاں تابی کا استقبال نہ کیا جاتا!

غور کرو یسعیاہ نبی کا یہ جملہ صورت حال کی کیسی ہو بہو تصویر ہے کہ "وہ میرا چرواہا ہوگا۔ وہ میری ساری مرضی پوری کرے گا۔ میں اس کا داہنا ہاتھ پکڑ کے قوموں کو اس کے قابو میں دیدوں گا، اور بادشاہوں کی کمر کھولوں گا۔ میں اس کے آگے چلوں گا میں ٹیڑھے راستے اس کے لئے سیدھے کر دوں گا"۔ (۴۴: ۲۸) سائے مورخ گو ابھی سینکڑوں برس کی دوری پر ہے وہ ایک چرواہے کی طرح آیا اور اس نے بندگان خدا کی رکھوالی کی۔ سب کہہ رہے ہیں کہ اس نے جس ملک کا رخ کیا۔ اس کی شقاوت ختم ہو گئی وہ جس قوم کی طرف بڑھا، اس کی بیڑیاں کٹ گئیں، اس نے جس گروہ کے سر پر ہاتھ رکھا، اس کے سارے بوجھ ہلکے ہو گئے۔

وہ صرف بنی اسرائیل ہی کا نہیں بلکہ تمام قوموں کا نجات دہندہ تھا!

خدا کا مسیح

یاد رہے کہ یسعیاہ نبی کی اسی پیشین گوئی میں اُسے "خدا کا مسیح" بھی کہا ہے اور تورات کی اصطلاح میں "مسیح" وہ ہوتا ہے جسے خدا اپنی برکتوں کے ظہور کے لئے برگزیدہ کرلے اور خدا کے براہ راست ممسوح ہونے کی وجہ سے مقدس ہو۔ چنانچہ حضرت داؤد کی نسبت بھی آیا ہے کہ "مسیح" تھے۔ سائرس کی نسبت بھی یہی کہا ہے اور اسی طرح بنی اسرائیل کی نجات کے لئے ایک آخری مسیح کی بھی پیشین گوئیاں موجود ہیں۔

سائرس کو "مسیح" کہنا، اس میں شک نہیں کہ اس کے تقدس اور الٰہی برگزیدگی کی سب سے زیادہ واضح اور قطعی اسرائیلی شہادت ہے۔

(۵) اس سلسلہ میں آخری وصف جو ذوالقرنین کا سامنے آتا ہے وہ اس کا ایمان باللہ ہے۔ قرآن کی آیتیں اس بارے میں بالکل قطعی ہیں کہ وہ ایک خدا پرست انسان تھا، آخرت پر یقین رکھتا تھا، احکام الٰہی کے مطابق عمل کرتا تھا اور اپنی تمام کامرانیوں کو اللہ کا فضل و کرم سمجھتا تھا۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا سائرس کا بھی ایسا ہی اعتقاد و عمل تھا؟

برس قبل مسیح قرار دیا بعضوں نے یہ مدت دو ہزار برس قبل مسیح تک بڑھا دی۔ اسی طرح حمل کے تعین میں بھی اختلاف ہوا۔ بعضوں نے بلاخ، بعضوں نے خراسان، بعضوں نے میڈیا اور شمالی ایران قرار دیا لیکن اب بیسویں صدی کی ابتدا سے اکثر محققین تاریخ محققین کی اس بات پر متفق ہو گئے ہیں اور عام طور پر تسلیم کر لیا گیا ہے کہ زردشت کا زمانہ وہی تھا جو سارس کا تھا۔ اور گشتاسپ والی روایت اگر صحیح ہے تو اس سے مقصود ہی گشتاسپ ہے جو دارا کا باپ اور ایک صوبہ کا گورنر تھا۔ مذہ دشت کا ظہور شمال مغربی ایران یعنی آذربائیجان میں ہوا جسے اوستا کے حصہ "ویندی داد" میں "ایریانہ ویجو" سے تعبیر کیا ہے۔ البتہ کامیابی بالاخر میں ہوئی جس کا گورنر گشتاسپ تھا[1]۔

اس تحقیق کے مطابق زردشت کا سال وفات تقریباً ۵۵۰ سنہ قبل مسیح سے لیکر ۵۸۳ سنہ قبل مسیح تک ہونا چاہیئے اور سارس کی تخت نشینی بالاتفاق ۵۵۰ سنہ ق م میں ہوئی یعنی زردشت کی وفات کے بیس سال بعد یا بیس اسی سال۔

سارس دین زردشتی کا پہلا حکمران تھا۔

لیکن اگر سارس زردشت کا معاصر تھا، تو کیا کوئی براہ راست تاریخی شہادت موجود ہے جس سے اس کا دین زردشتی قبول کرنا ثابت ہو؟ نہیں ہے، لیکن اگر وہ تمام قرائن جمع کئے جائیں جو خود تاریخ کی روشنی نے مہیا کر دئے ہیں، تو بقیناً ایک بالواسطہ شہادت نمایاں ہو جاتی ہے اور اس میں کچھ شبہ باقی نہیں رہتا کہ سارس نہ صرف دین زردشتی پر عامل تھا، بلکہ اس کا پہلا حکمران وہی تھا۔ اور اسی نے یہ ورثہ اپنے جانشینوں کے لئے چھوڑا جو دو سو برس تک بلا استثنا دین زردشتی پر عمل پیرا رہے۔

اس سلسلہ میں سب سے زیادہ روشنی جن واقعات سے پڑتی ہے وہ دو ہیں، اور دونوں کی تاریخی نوعیت مسلم ہے۔ پہلا واقعہ "گوماتہ" کی بغاوت کا ہے جو سارس کی وفات کے آٹھ برس بعد ظہور میں آئی۔ دوسرے دارا کے کتبے ہیں جن سے اس کے دینی عقاید کی نوعیت آشکارا ہو گئی ہے۔

سارس کا بالاتفاق ۵۲۹ سنہ قبل مسیح میں انتقال ہوا۔ اس کے بعد اس کا بیٹا کم بی سیز (کمبوجیہ یا کیقباد) تخت نشین ہوا اس نے ۵۲۶ سنہ ق م میں مصر فتح کیا لیکن ابھی مصر میں ہی تھا کہ معلوم ہوا ایران میں بغاوت ہو گئی ہے اور ایک شخص "گوماتہ" نامی اپنے آپ کو سارس کا دوسرا لڑکا سمرڈیس (فارسی: برویہ) مشہور کر دیا ہے۔ جو بہت پہلے مر چکا تھا۔ یا اس کو مار ڈالا گیا تھا۔ یہ خبر سن کر وہ مصر سے لوٹا لیکن ابھی شام میں تھا کہ ۵۲۲ سنہ ق م میں اچانک انتقال کر گیا۔ اب چونکہ سارس کی براہ راست نسل سے کوئی شہزادہ موجود نہ تھا اس لئے اس کا عم زاد بھائی داریوش ابن گشتاسپ تخت نشین ہو گیا۔ دارا نے بغاوت فرو کی، گوماتہ کو قتل کیا، اور نئی مملکت کو اس کے عروج و کمال تک پہنچا دیا۔ دارا کی تخت نشینی بالاتفاق ۵۲۱ سنہ ق م میں ہوئی ہے۔ پس اس کا عہد سارس کے انتقال سے آٹھ برس بعد شروع ہو گیا تھا۔

یونانی مورخوں کی شہادت موجود ہے کہ یہ بغاوت میڈیا کے قدیم مذہب کے پیروؤں کی بغاوت تھی، اور خود دارا اپنے کتبہ بے ستون میں "گوماتہ کو" "موگوش" کہتا ہے یعنی مجوس، اور مجوسی مذہب کے مقصود قدیم مذہب ہے[2]۔ تاریخ میں اس کا بھی سراغ ملتا ہے کہ پرانے مذہب کے پیروؤں کی سرکشی اس کے بعد بھی جاری رہی۔ چنانچہ دوسری بغاوت "پراورتیش" نامی مجوس نے کی تھی جسے دارا نے بمدان میں قتل کیا، اور تیسری "چترتخمہ" نامی نے جو اریں میں قتل ہوا۔

دوسرا واقعہ دارا کے کتبوں سے روشنی میں آیا ہے۔ یہ دنیا کی خوش قسمتی ہے کہ دارا نے بعض کتبے پہاڑوں کی محکم چٹانوں پر نقش کرائے جنہیں سکندر کا حملہ بھی برباد نہ کر سکا۔ ان میں سب سے زیادہ اہم کتبہ بے ستون کا ہے جس میں دارا نے گوماتہ مجوسی کی بغاوت اور اپنی تخت نشینی کی سرگذشت قلمبند کی ہے۔ دوسرا کتبہ کا ہے جس میں اپنے تمام ماتحت ممالک کے نام گنوائے ہیں، ان دونوں میں

---

[1] گشتاسپ کو یونانیوں نے ہسٹاسپیز (Hystaspes) لکھا ہے۔

[2] اے۔ وی ولیمن جیکسن پروفیسر کولمبیا یونیورسٹی کی کتاب "انشیئنٹ پرشیا ایڈیشن پراف" کا مطالعہ اس باب میں کفایت کرے گا۔

[3] موگوش کا لفظ ایک جگہ اوستا میں بھی آیا ہے، اور یہ بات اب قطعی طور پر تسلیم کر لی گئی ہے کہ موگوش سے مقصود میڈیا کے اس مذہب کے پیرو ہیں جو زردشت کے ظہور سے پہلے وہاں رائج تھا۔ چونکہ میڈیا کے یا شتہ نے بابل اور شام میں موگوش مشہور ہو گئے تھے اس لئے عربوں میں بھی یہی نام مشہور ہو گیا اور موگوش نے مجوس کی شکل اختیار کر لی۔ پھر تمام ایرانیوں کو مجوس کہنے لگے۔ زردشتی اور غیر زردشتی کا امتیاز باقی نہیں رہا۔ حالانکہ اصلاً اصلاً مجوسی زردشتیوں کے مخالف تھے۔

یہودیوں کے صحائف کی واضح شہادت موجود ہے کہ خدا نے اسے اپنا فرستادہ اور مسیح کیا، اور وہ نبیوں کا موعود و منتظر تھا۔ ظاہر ہے کہ ایسی ہستی خدا کی نافرمان ہستی نہیں ہو سکتی جس کا "دہنا ہاتھ خدا نے پکڑا ہو"۔ اور جس کی ٹیڑھی راہیں وہ درست کرتا جائے"۔ یقیناً وہ خدا کا ناپسندیدہ بندہ نہیں ہو سکتا۔ خدا صرف انہی کا ہاتھ پکڑتا ہے جو برگزیدہ اور مقدس ہوتے ہیں اور صرف انہی کو اپنا فرستادہ کہتا ہے جو اس کے چنے ہوئے اور اس کی ٹھہرائی ہوئی راہوں پر چلنے والے ہوتے ہیں۔

اسرائیلی نبیوں کی شہادت

آج کل کے اصحاب نقد و نظر عیسیٰ نبی کی اس پیشین گوئی کو شبہ سمجھتے ہیں کیونکہ یہ سائرس سے ڈیڑھ سو برس پہلے کی گئی تھی۔ لیکن اگر اس سے قطع نظر کر لی جائے، جب بھی صورت حال پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ کیونکہ خود سائرس کے عہد میں جو اسرائیلی نبی موجود تھے ان کی شہادتیں موجود ہیں، اور وہ صاف کہہ رہے ہیں کہ یہودیوں کا عام اعتقاد یہی تھا۔ اور اسی حیثیت سے اس کا استقبال کیا تھا۔ حزقیل اور دانیال سائرس کے معاصر تھے۔ اور دانیال دارا کے عہد تک زندہ رہے ان دونوں کی تصریحات سائرس کی نسبت موجود ہیں۔ پھر دارا کے زمانہ میں حجی اور زکریاہ کے صحیفے مرتب ہوئے اور زکریاہ (اردشیر بار خشت) کے عہد میں عزرا اور نحمیاہ کا ظہور ہوا۔ ان سب کی شہادتیں بھی موجود ہیں، اور ان سب سے قطعی طور پر یہ بات واضح ہوتی ہے کہ سائرس بنی اسرائیل کی ایک موعود ہستی تھی، اور خدا نے اسے برگزیدگی کے لئے چن لیا تھا۔

اگر یہودیوں کا عام اعتقاد یہ تھا، تو کیا ایک لمحہ کے لئے یہ بات تسلیم کی جا سکتی ہے کہ وہ ایک بت پرست انسان کی نسبت ایسا اعتقاد رکھنے کی جرات کرتے؟ فرض کرو یہ تمام پیشین گوئیاں سائرس کے ظہور کے بعد بنائی گئیں۔ لیکن پھر ظاہر ہے کہ یہودیوں ہی نے بنائیں اور یہودیوں ہی میں پھیلیں حتیٰ کہ ان کی مقدس کتاب میں داخل ہو گئیں۔ پھر کیا ممکن تھا کہ ایک بت پرست انسان کے لئے ایسی پیشین گوئیاں بنائی جا سکتیں؟ کیا ممکن تھا کہ ایک بت پرست کو اسرائیلی وحی کا ممدوح اور اسرائیلی نبیوں کا موعود بنا دیا جاتا۔

یہودیوں کا اعتراف

یہ حقیقت بھی فراموش نہیں کرنی چاہیے کہ اجنبیوں اور غیر اسرائیلیوں کے خلاف یہودیوں کا تعصب بہت ہی سخت تھا۔ ان کے نسلی غرور پر اس سے زیادہ اور کوئی بات شاق نہیں گذرتی تھی کہ کسی غیر اسرائیلی انسان کی بزرگی کا اعتراف کریں۔ ظہور اسلام کے وقت بھی یہی عصبیت انہیں اعتراف حق سے روکتی تھی کہ ولا تؤمنوا، الا لمن تبع دینکم (۳:۷۳) تاہم وہ سائرس کی فضیلت کے آگے جھک گئے جو ان کے لئے ہر اعتبار سے اجنبی تھا، اور نہ صرف اس کی بزرگی ہی کا اعتراف کیا، بلکہ نبیوں کا موعود اور خدا کا برگزیدہ تسلیم کر لیا۔ یہ صورت حال اس بات کا قطعی ثبوت ہے کہ سائرس کی شخصیت ان کے لئے بڑی ہی محبوب شخصیت تھی، اور اس کی فضیلتیں ایسی قطعی اور آشکارا تھیں کہ ان کے اعتراف میں نسلی عصبیت کا جذبہ بھی حائل نہ ہو سکا۔ ظاہر ہے کہ ایک بت پرست انسان کے لئے جو اجنبی بھی ہو، اور یہودیوں میں ایسی محبوبیت نہیں پیدا ہو سکتی تھی۔ اگر ایک بت پرست بادشاہ نے انہیں نجات دلائی تھی، تو وہ اس کی شاہانہ عظمتوں کی مداحی کرتے مگر خدا کا مسیح اور برگزیدہ کبھی نہ سمجھتے ضروری ہے کہ اسکی فضیلتیں مذہبی ہوں۔ ضروری ہے کہ مذہبی حیثیت سے بھی عقاید کا توافق موجود ہو۔ یہ یہودیوں کی پوری تاریخ میں غیر اسرائیلی فضیلت کے اعتراف کا تنہا واقعہ ہے اور ممکن نہیں کہ ایک ایسے انسان کے لئے ہو جسے وہ مذہبی حیثیت سے محترم نہ سمجھتے ہوں۔

سائرس کے دین کا تعین

لیکن اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ سائرس کے دینی عقاید کے بارے میں ہماری معلومات کیا ہیں!

تاریخی حیثیت سے یہ قطعی ہے کہ سائرس زردشت کا پیرو تھا جسے یونانیوں نے زارو سٹرو کے نام سے پکارا ہے اتنا ہی نہیں بلکہ غالباً اسی کی شخصیت ہے جو اس نئی دعوت کی تبلیغ و ترویج کا ذریعہ ہوئی۔ اس نے فارس اور میڈیا میں نئی شہنشاہی کی بنیاد ہی نہیں رکھی تھی بلکہ قدیم مجوسی دین کی جگہ نئے زردشتی دین کی بھی تخم ریزی کی تھی۔ وہ ایران میں نئی شہنشاہی اور نئے دین، دونوں کا بانی تھا۔

زردشت کے ظہور کا زمانہ

زردشت کی ہستی کی طرح اس کے ظہور کا زمانہ اور محل بھی تاریخ کا ایک مختلف فیہ موضوع بن گیا ہے اور انیسویں صدی کا پورا زمانہ مختلف نظریوں اور قیاسوں کے رد و کد میں بسر ہو چکا ہے بعضوں کو اس کی تاریخی ہستی ہی سے انکار ہوا بعضوں نے شاہنامہ کی روایت کو ترجیح دی اور گشتاسپ والا قصہ تسلیم کر لیا۔ بعضوں نے اس کا زمانہ ایک ہزار

میڈیا کا قدیم مذہب

زردشت کے ظہور سے پہلے فارس اور میڈیا کے باشندوں کے عقاید کی بھی نوعیت وہی تھی جو انڈو یورپین آریاؤں کی تمام دوسری شاخوں کی رہ چکی ہے۔ ہندوستان کی کے آریوں کی طرح ایران کے آریوں میں بھی پہلے مظاہر قدرت کی پرستش شروع ہوئی۔ پھر سورج کی عظمت کا تصور پیدا ہوا پھر زمین میں آگ نے سورج کی قائم مقامی پیدا کرلی کیونکہ تمام مادی عناصر میں روشنی اور حرارت کا سرچشمہ وہی تھی۔ یونانیوں میں ایسے دیوتاؤں کا تصور پیدا ہوا جن سے اچھائی اور برائی، دونوں ظہور میں آتی تھیں۔ لیکن ایرانیوں کے تصور نے دیوتاؤں کو دو متقابل قوتوں میں تقسیم کر دیا۔ ایک قوت پاک روحانی ہستیوں کی تھی جو انسان کو زندگی کی تمام خوشیاں بخشتی تھی، دوسری قوت برائی کے عفریتوں کی تھی جو نوع انسانی کے جانی دشمن تھے۔ روحانی ہستیوں کی نمود روشنی میں ہوئی اور شیطان کی تاریکی میں۔ نور و ظلمت کی یہی کشمکش ہے جس سے تمام اچھے برے حوادث ظہور میں آتے ہیں۔ چونکہ روشنی پاک روحانیتوں کی نمود ہے۔ اس لئے ہر طرح کی عبادتیں اور قربانیاں اسی کے لئے ہونی چاہئیں۔ اس روشنی کا مظہر آسمان میں سورج اور زمین میں آگ تھی۔ اچھائی برائی کا جس قدر تصور تھا وہ یونانیوں کی طرح صرف مادی زندگی کی راحتوں اور محرومیوں ہی میں محدود تھا۔ روحانی زندگی اور اسکی سعادت و شقاوت کا کوئی تصور پیدا نہیں ہوا تھا۔

آگ کی پرستش کی قربان گاہیں بنائی جاتی تھیں، اور اس کے خاص پجاریوں کا ایک مقدس گروہ بھی پیدا ہو گیا تھا۔ اس کے افراد "موگوش" کے لقب سے پکارے جاتے تھے۔ آگے چل کر اسی لقب نے آتش پرستی کا مفہوم پیدا کر دیا۔

زردشت کی تعلیم کی خصوصیت

لیکن زردشت نے ان تمام عقاید سے انکار کر دیا، اس نے خدا پرستی، روحانی سعادت و شقاوت اور آخرت کی زندگی کا عقیدہ پیدا کیا۔ اس نے کہا۔ یہاں نہ تو خیر کی بہت سی روحانی ہستیاں ہیں نہ شر کے نجاست سے عفریت۔ یہاں صرف ایک "اہورہ" کی ہستی ہے جو یگانہ ہے، قوی ہے، قدوس ہے، حکیم ہے، قدیر ہے، اور تمام کائنات ہستی کی خالق ہے۔ کوئی ہستی بھی جو اس کے مثل ہو، یا اس کے ہمتا ہو، یا اس کی شریک ہو تم نے جن روحانی قوتوں کو خیر کا خالق سمجھ رکھا ہے، وہ خالق و قادر نہیں ہیں بلکہ "اہورہ موزدہ" کے پیدا کئے ہوئے "امشہ سپند" ہیں یعنی ملائکہ ہیں، اور شر کا: یہ دیوؤں کی خوفناک قوت نہیں ہے بلکہ "انرومینو" (اہرمن) کی ہستی ہے یعنی شیطان کی ہستی ہے۔ یہ پانچ دسوہہ اندازوں سے انسان کو تاریکی کی طرف دھکیلے جاتی ہے۔

تعلیم کا عملی پہلو

زردشت کی تعلیم کا عملی پہلو سب سے زیادہ اہم ہے یونانیوں کی طرح اس کا اخلاقی تصور مذہب سے الگ نہیں تھا، بلکہ عین مذہب میں تھا۔ اس نے مذہب کو محض ایک قومی اور ملکی مذہب کی شان نہیں دی، بلکہ انفرادی زندگی کا روزانہ دستور العمل بنا دیا۔ نفس کی طہارت اور اعمال کی درستگی اس کی تعلیم کا اصلی محور ہے۔ انسانی زندگی کا ہر خیال، ہر قول، ہر فعل ضروری ہے کہ اس معیار پر پورا اترے۔ "فکر کی راستی، گفتار کی راستی اور کردار کی راستی" پرستاران اہورہ موزدہ کے لئے تین بنیادی اصول تھے، پروفیسر گرنڈی کے لفظوں میں "اس کا مذہب حقیقت اور عمل کا مذہب تھا۔ یونانی مذہب کی طرح محض رسموں اور رستوں کا مذہب نہ تھا۔ اس نے مذہب کو ایرانیوں کی روزانہ زندگی کی ایک حقیقت بنا دیا، اور اخلاق اس مذہب کا مرکزی عنصر تھا"[1]

عبادت کا تصور

اس کی عبادت کا تصور ہر طرح کے اصنامی اثرات سے پاک تھا۔ عبادت ہمیں اس لئے نہیں کرنی چاہئے کہ خدا کے غضب و انتقام سے بچیں، بلکہ اس لئے کہ برکتیں اور سعادتیں حاصل کریں۔ اگر ہم اہورہ موزدہ کی عبادت نہیں کرینگے تو وہ ہمیں یونانی اور ہندوستانی دیوتاؤں کی طرح اپنے غضب کا نشانہ نہیں بنائے گا، لیکن خود ہم سعادت سے محروم رہ جائیں گے۔

آخرت کی زندگی۔

اس کی تعلیم کا سب سے زیادہ نمایاں پہلو آخرت کی زندگی کا اعتقاد ہے۔ وہ کہتا ہے انسان کی زندگی صرف اتنی ہی نہیں ہے جتنی اس دنیا میں گزرتی ہے۔ اس کے بعد بھی ایک زندگی پیش آئے گی۔ اس زندگی میں دو عالم ہونگے۔ ایک اچھائی اور سعادت کا۔ دوسرا برائی اور شقاوت کا جن لوگوں نے اس زندگی میں نیک عمل کئے ہیں وہ پہلے عالم میں جائیں گے۔ جنہوں نے برے عمل کئے ہیں۔ دوسرے عالم میں۔ اور اس کا فیصلہ اس دن ہوگا۔ جسے وہ "آخری فیصلہ" کا دن قرار دیتا ہے۔

بقاء روح کا مسئلہ اس کے مذہب کی بنیادی چٹان ہے۔ انسان فانی ہے مگر اس کی روح فانی نہیں۔ وہ اس کے جسم کے بعد بھی باقی رہتی ہے، اور ثواب و عقاب کے دو عالموں میں سے کسی عالم میں داخل ہو جاتی ہے۔

پیروان زردشت اخلاق تھے

موجودہ عہد کے تمام محققین تاریخ متفق ہیں کہ زردشت کی تعلیم نے انسان کے اخلاق اور فکری ارتقاء میں نہایت مؤثر

[1] دیکھو پروفیسر گرنڈی کا مقابلہ۔ یونیورسل ہسٹری آف دی ورلڈ جلد ۲ صفحہ ۱۱۳۰۔

وہ بار بار "اہورمزدہ" کا نام لیتا ہے اور اپنی تمام کامرانیوں کو اس کے فضل و کرم سے منسوب کرتا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ "اہورمزدہ" زردشت کی تعلیم کا "اللہ" ہے۔

ان دو واقعوں پر ایک تیسرے واقعہ کا بھی اضافہ کر دینا چاہئے یعنی تاریخ میں کوئی اشارہ اس کا نہیں ملتا کہ کم بی سیز نے کوئی نیا دین قبول کیا تھا، یا دارا کو اس طرح کا کوئی معاملہ پیش آیا تھا۔ پیرو فلوٹس نے دارا کی وفات سے پچاس ساٹھ برس بعد اپنی تاریخ لکھی ہے[1]۔ اس کے لئے دارا کے عہد کے واقعات بالکل قریبی زمانے کے واقعات تھے اور ایڈیا میں فارسی حکومت قائم ہو جانے کی وجہ سے یونانیوں اور فارسیوں کے تعلقات بھی روز بروز بڑھ رہے تھے۔ تاہم وہ کسی ایسے واقعہ کا ذکر نہیں کرتا۔ پس سائرس کی وفات اور دارا کی تخت نشینی کے درمیان آٹھ برس کی جو مدت گزری ہے ہم وثوق کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ اس عرصہ میں کسی نئی مذہبی دعوت کے ظہور و قبول کا کوئی واقعہ نہیں گزرا۔

اب غور کرو ان واقعات کا لازمی نتیجہ کیا نکلتا ہے؟ اگر سائرس کے بعد کم بی سیز اور دارا نے کوئی نئی دعوت قبول نہیں کی تھی اور وہ دین زردشتی پر قائم تھا، تو کیا اس سے ثابت نہیں ہو رہا ہے کہ دارا اور کم بی سیز سے پہلے زردشتی دین خاندان میں آچکا ہے؟ اگر سائرس کی وفات کے چند سال بعد قدیم مذہب کے پیرو اس لئے بغاوت کرتے ہیں کہ کیوں ایک نیا مذہب قبول کر لیا گیا ہے، تو کیا یہ اس بات کا ثبوت نہیں ہے کہ سائرس نیا مذہب قبول کر چکا تھا، اور تبدیل مذہب کا معاملہ نیا نیا پیش آیا تھا؟ پھر اگر زردشت سائرس کا معاصر تھا، تو کیا یہ اس بات کا مزید ثبوت نہیں ہے کہ سب سے پہلے سائرس ہی نے یہ دعوت قبول کی تھی، اور وہ فارس اور میڈیا کا نیا شہنشاہ بھی تھا اور نئی دعوت کا پہلا حکمران داعی بھی؟

زردشت اور سائرس

انتہا ہی نہیں بلکہ ہم غور کرتے ہیں تو اس زنجیر کی کڑیاں اور آگے تک بڑھتی جاتی ہیں۔ البتہ ہم اسے ایک قیاس سے زیادہ کہنے کی جرات نہیں کریں گے۔ اگر سائرس زردشت کا ابتدائی زمانہ خاندان سے الگ اور گمنامی میں بسر ہوا، تو کیا اسی زمانہ میں دونوں شخصیتیں ایک دوسرے کے قریب نہیں پہنچ جاتیں؟ اور کیا ایسا نہیں سمجھا جا سکتا کہ اسی زمانہ میں سائرس زردشت کی تعلیم و صحبت سے بہرہ مند ہوا؟ سائرس کی ابتدائی زندگی کی سرگذشت تاریخ کی ایک گم شدہ داستان ہے۔ پھر کیا اس داستان کا سراغ ہمیں ان دونوں شخصیتوں کی معاصرت کے واقعہ میں نہیں مل جاتا؟

مورخ زینوفن نے سائرس کی ابتدائی زندگی کا افسانہ ہمیں سنایا ہے اس افسانہ میں ایک پراسرار شخص کی پرچھائیں صاف نظر آرہی ہے جو دشت و جبل کے اس پروردۂ قدرت کو آنے والے کارناموں کے لئے تیار کر رہا تھا۔ کیا اس پرچھائیں میں ہم خود زردشت کی مقدس شخصیت کی نمود نہیں دیکھ رہے؟ اگر زردشت کا ظہور شمال مغربی ایران میں ہوا تھا، اور اگر سائرس کی ابتدائی گمنامی کا زمانہ بھی شمالی کوہستانیوں میں بسر ہوا، تو کیوں یہ دونوں کڑیاں باہم مل کر ایک گم شدہ داستان کا سراغ نہ دیں جائیں سائرس کی شخصیت وقت کے تمام ذہنی اور اخلاقی رجحانات کے برخلاف ایک انقلاب انگیز شخصیت تھی۔ ایسی شخصیت کسی انقلاب انگیز داعی کی دعوت ہی سے پیدا ہو سکتی ہے۔ اور صاف نظر آرہا ہے کہ وہ داعی شخصیت زردشت ہی کی تھی۔

بہرحال سائرس نے اپنی ابتدائی گمنامی کے عہد میں نئی دعوت قبول کی ہو یا تخت نشینی کے بعد لیکن یہ قطعی ہے کہ وہ دین زردشتی پر قائم تھا۔

زردشت کی حقیقی تعلیم!

لیکن اگر ذوالقرنین دین زردشتی پر قائم تھا، اور قرآن ذوالقرنین کے ایمان باللہ اور ایمان بالآخرت کا اثبات کرتا ہے اتنا ہی نہیں بلکہ اسے ہم من اللہ قرار دیتا ہے، تو کیا اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ زردشت کی تعلیم دین حق کی تعلیم تھی؟ یقیناً لازم آتا ہے لیکن کوئی وجہ نہیں کہ اس لزوم سے بچنے کی ہم کوشش کریں، کیونکہ یہ حقیقت اب پوری طرح روشنی میں آچکی ہے کہ زردشت کی تعلیم سرتاسر خدا پرستی اور نیک عملی کی تعلیم تھی، اور آتش پرستی اور تنویت کا اعتقاد اس کا پیدا کیا ہوا اعتقاد نہیں ہے بلکہ قدیم مجوسیت کے کارنامہ میں داخل ہے

جس طرح روم کی مسیحیت قدیم رومی بت پرستی کے رد عمل سے محفوظ نہ رہ سکی اسی طرح زردشت کی خالص خدا پرستانہ تعلیم بھی قدیم مجوسیت کے رد عمل سے نہ بچ سکی خصوصاً ساسانی عہد میں جب وہ از سر نو مدون ہوئی، تو اصل تعلیم سے بالکل ایک مختلف چیز بن چکی تھی

[1] دارا کی وفات بالاتفاق ۴۸۶ ق م میں ہوئی۔ اور ہیروڈوٹس ۴۸۴ ق م میں پیدا ہوا تھا۔ یعنی دارا کی وفات سے صرف دو سال بعد۔

میں بت پرستی کا کوئی شکل بھی سر نہ اٹھا سکی۔ قدیم مجوسی مذہب میں بھی اس کا کوئی سراغ نہیں ملتا۔ لیکن ایران میں دارا اور اس کے بعد کے عہد کے جو آثار ملے ہیں ان میں ایک خاص صورت کا نقش پایا جاتا ہے۔ یہ بادشاہ کی تصویر نہیں ہو سکتی کیونکہ بادشاہ کی شخصیت مرقع میں الگ نمایاں ہے اس کا محل ہر جگہ بلندی میں اور سب سے اوپر واقع ہوا ہے اس لئے فروری ہے کہ وہ خود بادشاہ سے بھی ایک بلند تر ہستی ہو۔ سوال یہ پیدا ہوا کہ یہ کون ہستی ہے؟ جب پہلے پہل یہ صورت بے ستون کے مرقع میں زیر بحث ہوئی، جب ۱۸۴۷ء میں کرنیل رالینسن نے اپنی شرح دعل کے ساتھ اصل مرقع کا چربہ شائع کیا۔ پھر بھی صورت متقدد نقوش میں ملی۔ مثلاً دارا کی سرکاری مہر کے مرقع میں نقش رستم میں جو دراصل دارا کی قبر ہے۔ تخت کے محل شاہی کے دروازہ پر جو غالباً درمیانی دروازہ ہے۔ رالینسن سے پہلے رابرٹ کیر پورٹر نے یہ نظریہ قائم کر لیا تھا کہ یہ کوئی ماقوق انسانیت ہستی ہونی چاہیے جو خود بادشاہ سے بھی اوپر اپنی جگہ رکھتی ہے۔ رالینسن نے ایک قدم اور آگے بڑھا، اور اس نے فیصلہ کر لیا کہ یہ اہورمزدہ کی ہستی ہے۔ یعنی خدا کی۔ چنانچہ اس وقت سے یہ رائے برابر مقبول ہوتی گئی۔ اب عام طور پر تسلیم کر لیا گیا ہے کہ ایرانی اگرچہ بت پرستی سے مجتنب رہے لیکن انہوں نے اہورمزدہ کی ہستی کے لئے ایک مزور (یعنی ۶۵۷ء سے ۶۵۷ء) تشخص کا تصور فرض قائم کر لیا تھا جو ان تصویروں میں نمایاں ہے اور یہ مصریوں اور آشوریوں کے مرموز تجسم کا اثر تھا جس سے وہ بھی متاثر ہو گئے تھے[1]

لیکن ۱۹۱۲ء سے (جبکہ میں نے پہلے پہل ایرانی آثار قدیمہ کا بغور مطالعہ کیا) میں محسوس کر رہا ہوں کہ یہ قیاس اول دن سے غلط رخ پر چلا ہے اور تمام تاریخی اور عقلی قرائن اس کے خلاف ہیں:

اولاً۔ تمام تاریخی شہادتیں اور خود پارسیوں کا مسلسل تعامل ثابت کر رہا ہے کہ انہوں نے الوہیت کا تصور کبھی کسی انسانی جسم و صورت میں نہیں کیا، اور کبھی کسی مجسمہ کو تقدیس کی نظر سے نہیں دیکھا۔

ثانیاً اگر امتداد زمانہ سے یہ چیز پیدا بھی ہو گئی ہو، جب بھی کسی طرح یہ بات سمجھ میں نہیں آسکتی کہ خود دارا کے عہد میں پیدا ہو گئی ہو، جو زردشت کی تعلیم کا ابتدائی عہد تھا، اور جب یونانی مورخوں کی شہادت کے مطابق ایرانی یونانی بت پرستی کو حقارت کی نظر سے دیکھا کرتے تھے۔

ثالثاً اس شبہ میں کوئی ایسی بات نہیں جو معبودیت و الوہیت کی کوئی خاص شان رکھتی ہو۔ ہر جگہ اس کی ایک ہی صورت اور وضع ہے اور وہ ایک معمولی انسان کی ہے جس نے اس زمانہ کا عام لباس پہن رکھا ہے۔ وہی لباس جو خود دارا اور اس کے حاشیہ نشینوں کا تھا۔ یہ بھی لکھا گیا ہے صرف اتنی بات اس میں زیادہ ہے کہ ایک حلقہ اس کی کمر سے پیچھے چاروں طرف بنا دیا گیا ہے اور عقب میں ایک ایسا طولانی نقش ہے جس میں لہروں کی سی شان پیدا ہو گئی ہے۔ اس حلقہ اور لہروں کو سورج کی مرموز شکل قرار دیا گیا ہے۔ اگرچہ رائے تسلیم بھی کر لی جائے جب بھی یہ اس کے لئے کافی نہیں کہ محض یہ متبسط حلقہ اور متموجہ لہریں ایک خالق ہستی کے تصور کے لئے پیروان زردشت کا منتہا خیال تھا۔ بالفرض اگر یہ بات مان بھی لی جائے کہ اس حلقہ اور لہروں میں ایک ماورائے انسانیت ہستی کا تصور مرموز تھا جب بھی یہ اہورمزدہ کی ہستی کیوں ہو جس کی بہت سے زردشت نے تقدیس و علو کا اس درجہ بلند تعامل کیا ہے؟ کیوں یہ کسی ایسے انسان کی صورت نہ ہو جو اگرچہ انسان تھا مگر اپنی انسانیت کی رفعت و تقدیس کی وجہ سے ایک غیر معمولی ہستی سمجھا جاتا تھا؟ مثلاً خدا کی ایک فرستادہ ہستی؟

بہرحال اس رخ پر ہم جس قدر بڑھتے ہیں یہ بات واضح ہوتی جاتی ہے کہ اسے اہورمزدہ کی ہستی سے کوئی تعلق نہیں ہونا چاہیے یہ یا تو خود زردشت کی تصویر ہے جو ایرانی مذہب کا بانی تھا یا کسی ایسے ہی ہستی کی ہے جو اس مذہب کا حکمراں پیشوا رہی ہو۔ مذہبی شہنشاہی کا ہیلا تا تھا۔

چونکہ اس صورت کے بائیں ہاتھ میں ہر جگہ ایک عصا دکھایا گیا ہے، اور قدیم تصورات میں صلقہ کی شکل حکومت و مالکیت کی

---

[1] ہم نے بھی ہو گئی ہے لیکن ایسی صدیوں سے اٹھتی ہیں جن سے اس زمانے سے انتقلت ہوا کہ رالینسن کی اس رائے کے چند سال بعد فنات شرقیہ کے ایک عالم ریورنڈ چارلس فارسٹر ۱۸۵۲ء نے یہ خیال ظاہر کیا تھا کہ یہ تصویر اس لفاستان کی ہے جس نے مرقع نقش کیا تھا۔ اور جو حلقہ اسکی کمر کے گرد نظر آرہا ہے یہ معماروں کی ٹوکری ہے جس میں بیٹھ کر بلندی پر کام کیا کرتے تھے (دیکھو مصنف مذکور کی کتاب one principle of Language جلد سوم صفحہ ۱۷۹)

حصہ لیا ہے' اس نے پانچ سو برس قبل مسیح ایرانیوں کو اخلاقی پاکیزگی کی ایک ایسی سطح پر پہنچا دیا تھا جہاں سے ان کے معاصر یونانیوں اور رومیوں کی پست ہی پست دکھائی دیتی ہے۔ ایک ایسا مذہب جس کی تعلیم کا رخ سراسر انفرادی زندگی کی پاکیزگی کی طرف تھا۔ اور جو اپنے پیروؤں کی اخلاقی روش کے لئے نہایت بلند سطح پیش رکھتا تھا' ضروری تھا کہ اعمال و خصائل کے بہتر سانچے ڈھال دے' اور تاریخ شہادت دے رہی ہے کہ اس نے ڈھال دئے تھے۔ یہ شہادت کن لوگوں کے قلم سے نکلی ہے؟ ان لوگوں کے قلم سے جو کسی طرح بھی ایرانیوں کے دوست نہیں سمجھے جا سکتے۔ پانچویں اور چوتھی صدی قبل مسیح کا تمام زمانہ ایرانیوں اور یونانیوں کی مسلسل آویزش کا زمانہ رہا ہے' اور ہیرو ڈوٹس اور زینوفون نے جب تاریخیں لکھی ہیں' تو یونان کے حریفانہ جذبات پوری طرح ابھرے ہوئے تھے۔ تاہم ہم دیکھتے ہیں کہ وہ ایرانیوں کی اخلاقی فضیلت سے انکار نہیں کر سکتے۔ انہیں ماننا پڑتا ہے کہ ان میں بعض ایسی عظیم فضیلتیں ہیں جو یونانیوں میں نہیں پائی جاتیں" ہم یہاں پروفیسر گرنڈی کے الفاظ پھر مستعار لینگے کہ" ایرانی سچائی اور دیانت کی ایسی فضیلتیں رکھتے تھے جو اس عہد کے تو موں میں عام طور پر دکھائی نہیں دیتی "

دارا کے فرامین

ان کی راستبازی' رحم دلی' فیاضی' اور بلند نظری کا سب اعتراف کرتے ہیں' اور یہ یقیناً زردشت کی تعلیم کے لازمی نتائج تھے' دارائے اول کا زمانہ اس مذہب کی بلند آہنگی کا شاندار زمانہ ہے اس کے کتبوں میں ہمیں زردشتی تعلیم کی صدائیں صاف سنائی دے رہی ہیں' اور ان سے ہم حقیقت حال معلوم کر سکتے ہیں۔ تخت کا کتبہ ڈھائی ہزار برس پیشتر کی یہ منادی آج تک بلند کر رہا ہے :

"خدائے برتر اہورمزدہ ہے۔ اسی نے زمین پیدا کی' اسی نے آسمان بنایا۔ اسی نے انسان کی سعادت بنائی' اور وہی ہے جس نے دارا کو بہتوں کا تنہا حکمران اور آئیں ساز بنایا "

"دارا اعلان کرتا ہے کہ اہورمزدہ نے اپنے فضل سے مجھے بادشاہت دی' اور اسی کے فضل سے میں نے زمین میں امن و امان قائم کیا۔ میں اہورمزدہ سے دعا کرتا ہوں کہ مجھے' میرے خاندان کو' اور تمام ملکوں کو محفوظ رکھے۔ اے اہورمزدہ! میری دعا قبول کر!

صراط مستقیم کی دعوت

اے انسان! اہورمزدہ کا تجھ سے حکم ہے کہ برائی کا دھبا' نہ کر۔ صراط مستقیم کو نہ چھوڑ۔ گناہ سے بچا رہ[1]"

یہ ہے کہ دارا سارس کا معاصر تھا۔ اور اس کی وفات سے صرف آٹھ برس بعد تخت نشین ہوا۔ پس دارا کی صدائوں میں ہم خود سارس کی صدائیں سن رہے ہیں۔ اس کا بار بار اپنی کامرانیوں کو اہورمزدہ کے فضل و کرم سے منسوب کرنا ٹھیک ٹھیک وہی القرنین کے اس طرفی خطاب کی تصدیق ہے کہ ھذا رحمۃ من ربی (۹۸)

زردشتی مذہب کا اختلاط و تغیر!

لیکن چوتھی صدی قبل مسیح کے بعد زردشتی مذہب کا تنزل شروع ہو گیا۔ ایک طرف مجوسی مذہب نے آہستہ آہستہ سر اٹھایا' دوسری طرف خلدجی اثرات بھی کام کرنے لگے۔ یہاں تک کہ انٹائین (Artaxerxes) شہنشاہ اوم کے زمانہ میں ہم دیکھتے ہیں کہ سائرس اور دارا کے عہد کے زردشتی مذہب نے بالکل ایک دوسری ہی شکل اختیار کر لی ہے۔ پھر سکندر اعظم کی فتوحات کا سیلاب اٹھا اور وہ ایران کی صد صد سالہ شہنشاہی ہی نہیں' بلکہ اس کا مذہب بھی بہا لے گیا۔ ایرانیوں کا قومی افسانہ کہتا ہے کہ زردشت کا مقدس صحیفہ اوستا بارہ ہزار بیلوں کی مذکوح کھالوں پر آب زر سے لکھا ہوا تھا جو سکندر کے حملہ آور ہونے تک جل کر راکھ ہو گیا بارہ ہزار بیلوں کی کھال کا قصہ تو محض مبالغہ ہے' لیکن اس میں شک نہیں کہ بخت نصر کے حملہ بیت المقدس کی جو سلوک تورات کے ساتھ کیا تھا وہی سکندر کے حملہ ایران نے اوستا کے ساتھ کیا۔ یعنی دونوں جگہ مذہب کا اصلی نوشتہ مفقود ہو گیا۔

پھر جب پانچ سو پچاس برس کے بعد ساسانی دور حکومت شروع ہوا' تو مذہب زردشت کی از سر نو تدوین کی گئی' اور جس طرح قید بابل کے بعد عزرا نے نئی تورات مرتب کی تھی' اسی طرح اردشیر بابکان نے از سر نو اوستا کا نسخہ مرتب کرایا۔ لیکن اب مذہب کی تمام حقیقی خصوصیات طرح طرح کی تبدیلیوں' تحریفوں' اور اضافوں سے یک قلم مسخ ہو چکی تھیں۔ چنانچہ صاف دکھائی دیتا ہے کہ ساسانی عہد کا مذہب قدیم مجوسیت' زردشتیت' اور یونانیت کا ایک مخلوط مرکب ہے۔ اور اس کا بیرونی رنگ و روغن تو تمام تر مجوسیت ہی نے فراہم کیا ہے' اسی ساسانی اوستا کا ایک ناقص اور محرف ٹکڑا ہے جو ہندوستان کے پارسیوں کے ذریعہ ہم تک پہنچا ہے' اور جس کے لئے ہم ایک فرنچ مستشرق آنکتیل کی الوالعزمیوں اور علمی قربانیوں کے شکر گزار ہیں۔

اہورمزدہ کی نرومہ شبیہ

اس سلسلہ میں ایک بحث طلب سوال اور ہے' اور ضروری ہے کہ اس پر بھی تطرڈال لی جائے۔ یہ مسلم ہے کہ پیروان زردشت

[1] ج ۔ رالین سن (Rawlinson) "فاؤنڈریٹ مناریکز آف دی انشینٹ ایسٹرن ورلڈ"

آئے گا، کہ لوٹ مار کرے۔ دوسری یہ کہ "ماجوج پر اور ان پر جو جزیروں میں سکونت رکھتے ہیں" تباہی آئے گی۔ تیسری یہ کہ جو لوگ اسرائیل کے شہروں میں بسنے والے ہیں، وہ بھی ماجوج کے مقابلہ میں حصہ لیں گے اور ان کے بے شمار ہتھیار ان کے ہاتھ آئیں گے۔ چوتھی یہ کہ ماجوج کی تباہی کا گورستان "مسافروں کی وادی" میں بنے گا جو "سمندر کے یورپ میں ہے" ان کی لاشیں عرصہ تک وہاں پڑی رہیں گی۔ لوگ انہیں گاڑتے رہیں گے تاکہ ہر گز رصاف ہو جائے (باب ۳۸-۳۹)

یہ واضح رہے کہ اس پیشین گوئی سے پہلے سارس کے ظہور اور یہودیوں کی آزادی و خوش حالی کی پیشین گوئی بیان کی جا چکی ہے اور اس پیشین گوئی کا محل ٹھیک اس مکاشفہ کے بعد ہے جس میں حزقیئل نبی اسرائیل کی سوکھی ہڈیوں کو زندہ ہوتے دیکھا تھا اور جسے قرآن نے بھی سورۂ بقرہ کی آیت او کالذی مر علی قریۃ وھی خاویۃ علی عروشھا (۲: ۲۵۹) میں بیان کیا ہے۔ پس ضروری ہے کہ جوج اور ماجوج کا معاملہ بھی اسی زمانے کے لگ بھگ پیش آنے والا ہو۔ یعنی سارس کے زمانہ میں اور یہ سارس کے ذوالقرنین ہونے کا ایک مزید ثبوت ہے۔ کیونکہ قرآن صاف کہہ رہا ہے کہ اسی نے یاجوج و ماجوج کے حملوں کی روک تھام کے لئے ایک سد تعمیر کی تھی۔

گاگ اور مے گاگ

عہد عتیق کے بعد یہ نام ہمیں مکاشفات یوحنا میں بھی ملتا ہے۔ جس میں بیان کیا گیا ہے کہ "جب ہزار برس پورے ہو چکیں گے تو شیطان قید سے چھوڑ دیا جائے گا، اور وہ ان قوموں کو جو زمین کے چاروں طرف ہوں گی، یعنی یاجوج و ماجوج کو گمراہ کرنے اور لڑنے کے لئے جمع کرنے لگے گا۔ ان کا شمار سمندر کی ریت کے برابر ہوگا۔ وہ تمام زمین کی وسعتوں پر چڑھ جائیں گی" (۲۰: ۷)

یاجوج اور ماجوج کے لئے یورپ کی زبانوں میں Gog اور Magog کے نام مشہور ہو گئے ہیں، اور شارحین تورات کہتے ہیں کہ یہ نام سب سے پہلے تورات کے ترجمۂ سبعینی[1] میں اختیار کئے گئے تھے۔ لیکن کیا اس لئے اختیار کئے گئے کہ جوج اور ماجوج کا یونانی تلفظ یہی ہو سکتا تھا، یا خود یونانی میں پہلے سے یہ نام موجود تھے؟ اس بارے میں شارحین کی رائیں مختلف ہیں۔ لیکن زیادہ قوی بات یہی معلوم ہوتی ہے کہ دونوں نام اسی طرح یا اس کے قریب قریب یونانیوں میں بھی مشہور تھے۔

شمال مشرقی قبائل

اب سوال یہ ہے کہ یہ کون قوم تھی؟ تمام تاریخی قرائن متفق طور پر شہادت دے رہے ہیں کہ اس سے مقصود صرف ایک ہی قوم ہو سکتی ہے، اس کے سوا کوئی نہیں۔ یعنی شمال مشرقی میدانوں کے وہ وحشی مگر طاقت ور قبائل جن کا سیلاب قبل از تاریخ عہد سے لیکر نویں صدی مسیحی تک برابر مغرب کی طرف امنڈتا رہا، جن کے مشرقی حملوں کی روک تھام کے لئے چینیوں کو سینکڑوں میل لمبی دیوار بنانی پڑی تھی، جن کی مختلف شاخیں تاریخ میں مختلف ناموں سے پکاری گئی ہیں اور جن کا آخری قبیلہ یورپ میں میگر کے نام سے روشناس ہوا۔ اور ایشیا میں تاتاریوں کے نام سے۔ اسی قوم کی ایک شاخ تھی جسے یونانیوں نے سیتھین Scythians کے نام سے پکارا ہے اور اسی کے حملوں کی روک تھام کے لئے سارس نے سد تعمیر کی تھی۔

منگولیا

شمالی سترپ کے اس علاقہ کا بڑا حصہ اب "منگولیا" کہلاتا ہے۔ لیکن "منگول" لفظ کی ابتدائی شکل کیا تھی؟ اس کے لئے جب ہم چین کے تاریخی مصادر کی طرف رجوع کرتے ہیں (اور ہمیں اسی طرف رجوع ہونا چاہئے۔ کیونکہ وہ منگولیا کے ہم سایہ میں ہے) تو معلوم ہوتا ہے کہ قدیم نام "موگ" ہے جو چھ سو برس قبل مسیح یونانیوں میں "میگ" اور "مے گاگ" پکارا جاتا ہوگا اور یہی عبرانی میں "ماجوج" ہو گیا۔

چین کی تاریخ میں ہمیں اس علاقہ کے ایک اور قبیلہ کا ذکر بھی ملتا ہے جو "یواچی" (Yue Chi) کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ یہی "یواچی" ہے جس نے مختلف قوموں کے فی رچ د تلفظ سے گزر کر کوئی ایسی شکل اختیار کر لی تھی کہ عبرانی میں "یاجوج" ہو گیا۔ اس امر کی وضاحت کے لئے ضروری ہے کہ ان نتائج پر ایک اجمالی نظر ڈال لی جائے جو مختلف قوموں کے لسانی جغرافیائی اور لغوی علائق کی بحث و تنقیب سے پیدا ہوئے ہیں، اور جو موجودہ زمانے میں تاریخ اقوام کے طے شدہ مبادیات ہیں۔

منگولیا کا قبائلی سرچشمہ اور اقوام قدیم کا انشعاب

کرۂ ارضی کی بلند سطح کا وہ حصہ جو شمال مشرق میں واقع ہے اور جسے آج کل منگولیا اور چینی ترکستان کے نام سے پکارا جاتا ہے تاریخ قدیم کی بے شمار قوموں کا ابتدائی گہوارہ رہ چکا ہے۔ یہ نسل انسانی کا ایک بڑا سرچشمہ تھا جہاں یا تو برابر ابلتا اور جمع ہوتا رہتا۔ اور جب بہت بڑھ جاتا تو مشرق و مغرب کی طرف امنڈنا چاہتا۔ اس کے مشرق میں چین تھا، مغرب و جنوب

[1] ترجمۂ سبعینی سے مقصود تورات کا وہ پہلا یونانی ترجمہ ہے جو اسکندریہ میں شاہی حکم سے ہوا تھا، اور جس میں ستر علماء یہود شریک تھے۔

علامت بھی باقی تھی، اس لئے زیادہ قرین قیاس یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ سائرس کی تصویر ہو۔[1]

یا ذا القرنین جی تھا!

(۸) جہاں تک قرآن کی تفسیر کا تعلق ہے ایک اہم سوال اور باقی رہ گیا ہے۔ قرآن میں ہے قلنا یا ذا القرنین۔ ہم نے کہا اے ذو القرنین۔ اس خطاب کا مطلب کیا ہے؟ کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ ذو القرنین براہ راست وحی الٰہی سے مخاطب تھا؟ مفسرین نے اس پر طبع آزمائیاں کی ہیں، اور چونکہ امام رازی سکندر مقدونی کو ذو القرنین بنانا چاہتے ہیں اور وہ بنتا نہیں۔ اس لئے مجبور ہوتے ہیں کہ یہاں قلنا کے منطوق پر اس کے مفہوم کو ترجیح دیں۔

اس میں شک نہیں کہ قلنا کا ایک مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ بالواسطہ خطاب ہو یعنی النبی علیہ السلام کے کسی سفیر کے ذریعہ ذو القرنین کو مخاطب کیا گیا ہو۔ جیسا کہ فقلنا اضربوہ ببعضھا (۲: ۷۳) میں ہے۔ یا خطاب قولی نہ ہو تکوینی ہو جیسا کہ قیل یا ارض ابلعی ماءک و یا سماء اقلعی (۱۱: ۴۴) اور قلنا یا نار کونی بردًا و سلامًا علی ابراھیم (۲۱: ۶۹) وغیرہ آیات میں ہے۔ لیکن اس طرح کا مطلب جب ہی قرار دینا چاہئے کہ اس کے لئے قوی وجوہ موجود ہوں۔ اور یہاں کوئی وجہ موجود نہیں۔ آیت کا صاف صاف مطلب یہی ہے کہ ذو القرنین کو اللہ نے براہ راست مخاطب کیا، اور اس پر اللہ کی وحی نازل ہوتی تھی باقی رہی یہ بات کہ یہ وحی نبوت کی وحی تھی، یا اس طرح کی وحی تھی جیسی حضرت موسیٰ کی والدہ کی نسبت بیان کی گئی ہے کہ واوحینا الی ام موسیٰ ان ارضعیہ (۲۸: ۷) تو صحابہ و سلف سے جو تفسیر منقول ہے وہ یہی ہے کہ ذو القرنین نبی نہ تھا، اور متاخرین میں شیخ الاسلام ابن تیمیہ اور ان کے شاگرد حافظ ابن کثیر بھی اسی تفسیر کی تائید کرتے ہیں۔

اور غور کرو، قرآن کا یہ بیان سائرس کی شخصیت پر کس طرح ٹھیک ٹھیک منطبق ہو رہا ہے؟ تاریخ اس کی پیغمبرانہ شخصیت کی شہادت دے رہی ہے اور عہد عتیق کے انبیاء اسے مسیح خدا کا برگزیدہ اس کا مسیح، اور اس کی مرضی پورا کرنے والا کہہ رہے ہیں عزرا سی کی کتاب میں اس کا جو زمان تعمیر بیت المقدس کے لئے نقل کیا گیا ہے، اس میں وہ خود اعلان کرتا ہے "خدا نے مجھے حکم دیا ہے کہ یہود یا کے ملک میں اسکی عبادت کے لئے ایک ہیکل تعمیر کروں" اس کا یہ کہنا کہ "خدا نے مجھے حکم دیا ہے"۔ ٹھیک ٹھیک قلنا یا ذا القرنین! کی تصدیق ہے۔ ہم اس سے پہلے اس کی خدا پرستی کے اثبات میں جو کچھ لکھ چکے ہیں اس میں سے ہر بات ٹھیک ٹھیک اس کی نبوت کے ثبوت میں بھی کہی جا سکتی ہے۔

یاجوج و ماجوج

(۹) اب صرف ایک مسئلہ کی تشریح باقی رہ گئی ہے یعنی یاجوج اور ماجوج سے کون سی قوم مراد ہے؟ اور جو سد سائرس نے بنائی تھی، اس کی تاریخی نوعیت کیا ہے؟

قرآن مجید نے یاجوج اور ماجوج کا دو جگہ ذکر کیا ہے۔ ایک تو یہاں ہے۔ دوسرا سورۂ انبیاء میں ہے حتی اذا فتحت یاجوج و ماجوج و ھم من کل حدب ینسلون (۲۱: ۶۹)

یاجوج اور ماجوج کا نام سب سے پہلے عہد عتیق میں آیا ہے۔ حزقیل نبی کی کتاب میں جنہیں بخت نصر اپنے آخری حملہ میں بیت المقدس میں گرفتار کر کے بابل لے گیا تھا، اور جو سائرس کے ظہور تک زندہ رہے، یہ پیشین گوئی ہے:

متین نبی کی پیش گوئی

"اور خداوند کا کلام مجھ تک پہنچا۔ اس نے کہا۔ اے آدم زاد! تو جوج کی طرف اپنا منہ کر کے اس کے برخلاف نبوت کر۔ جوج کی طرف، جو ماجوج کی سرزمین کا ہے، اور روس، مسک اور توبال کا سردار ہے۔ خداوند یہوواہ یوں کہتا ہے کہ میں تیرا مخالف ہوں میں تجھے پھرا دوں گا۔ تیرے جبڑوں میں بنسیاں ماروں گا اور تیرے سارے لشکر اور گھوڑوں اور سواروں کو جو جنگی پوشاک پہنے چوپر یاں اور سپر لئے ہوئے ہیں، اور سب شمشیر بکف ہیں، کھینچ نکالوں گا۔ اور میں ان کے ساتھ فارس اور کوش اور فوط کو بھی کھینچ نکالونگا۔ جو سپر لئے ہوئے اور خود پہنے ہونگے۔ نیز جومراد رشمال بعید کے اطراف کے باشندگان تجرمہ اور ان کا سارا لشکر۔ اس کے بعد دور تک تفصیلات چلی گئی ہیں اور چار مابہ خصوصیت کے ساتھ کہی گئی ہیں، ایک یہ کہ جوج شمال کی طرف سے

---

[1] ۱۹۱۳ء میں میں نے اپنا یہ خیال سٹراڈوڈ براؤن، پروفیسر کیمبرج یونیورسٹی و مصنف ہسٹری آف پرشیا (ہسٹری آف پرشیا ایمپائر) کو لکھا تھا۔ انہوں نے مجھ سے اتفاق کیا تھا، اور بہت اصرار کے ساتھ لکھا تھا کہ بعض مستشرقین جرمنی سے اس بارے میں مراسلت کروں۔ پھر کچھ دنوں کے بعد انہوں نے لکھا، وہ خود اس کے بارے میں خط و کتابت کر رہے ہیں لیکن اس کے بعد جنگ عظیم شروع ہو گئی اور میری خط و کتابت کا سلسلہ مستشرق کی سخت گیر یوں نے بالکل مسدود کر دیا۔ پھر میں نظر بند ہو گیا، اور جب چھوٹا تو اس کے چند دنوں بعد ان کے انتقال کی خبر آئی۔

میں مغربی اور جنوبی ایشیا۔ اور شمال مغرب میں یورپ۔ چنانچہ یکے بعد دیگرے قوموں اور قبیلوں کے سیلاب امنڈتے رہے۔ کچھ وسط ایشیا میں آباد ہو گئے۔ کچھ آگے بڑھے اور شمالی یورپ تک پہنچ گئے۔ کچھ وسط ایشیا سے نیچے اتر گئے، اور جنوبی اور مغربی ایشیا پر قابض ہو گئے۔ یہ قبایل جس علاقہ سے نکلے تھے، مختلف ملکوں میں بس کر وہاں کی خصوصیات اختیار کر لیتے تھے اور رفتہ رفتہ ایک مقامی قوم بن جاتے تھے لیکن ان کا دلی سرچشمہ اپنی اصلی حالت پر باقی رہتا۔ یہاں تک کہ پھر قبایل کا ایک نیا سیلاب اٹھتا اور کسی نئے علاقہ میں پہنچ کر نئی مقامی وحدت کی تخلیق کر دیتا۔

یہ علاقہ صدیوں تک اپنی اصلی وحشیانہ حالت پر باقی رہا۔ لیکن جو قبایل یہاں سے نکل نکل کر مختلف ملکوں میں بسنے گئے۔ انہوں نے مقامی خصوصیات اختیار کر کے تہذیب و تمدن کی طرف بڑھنا شروع کر دیا۔ یہاں تک کہ چند صدیوں کے بعد ان کی حالت اس درجہ مختلف ہو گئی کہ ان میں اور ان کے قدیم ہم وطنوں میں کوئی بات بھی مشترک باقی نہیں رہی۔ وہ اب مہذب ہو رہے تھے۔ یہ بدستور وحشی تھے۔ وہ تہذیب کے صنعتی ہتھیاروں سے لڑتے تھے۔ یہ وحشت کی قدرتی ہیجت اور زندگی سے ان میں زراعت، صناعت اور ذہنی ترقی کی مختلف شاخیں ابھر رہی تھیں۔ وہ ان سب سے ناآشنا تھے۔ سرد علاقہ کی صحرائی زندگی اور وحشیانہ خصایل کی خشونت نے انہیں وقت کی شائستہ اقوام کے لئے ایک خوفناک ہستی بنا دیا تھا۔

قبل اس کے کہ تاریخی عہد کی صبح طلوع ہو شمال مشرقی قبایل کی یہ مہاجرت شروع ہو چکی تھی، اور اس کا سلسلہ تاریخی عہد میں بھی بدستور جاری رہا۔

آریا

انہی قبایل کا ایک ابتدائی گروہ وہ تھا جو آرین نسل کے نام سے پکارا گیا ہے۔ اس کا ایک حصہ وسط ایشیا سے یورپ کی طرف بڑھ گیا۔ ایک نیچے اتر کر پنجاب میں آباد ہو گیا۔ ایک مغرب کی طرف بڑھا اور فارس اور میڈیا اور اناطولیا میں بس گیا۔ اسے اب انڈو یورپین آریا کے نام سے شناخت کیا جاتا ہے کیونکہ یہ ہندوستان اور یورپ دونوں کی آریائی اقوام کے مورث اعلیٰ تھے۔ ان کا جو حصہ شمالی ہند میں بس گیا تھا۔ اس نے اپنا نسلی خطاب برابر یاد رکھا اور اپنے کو آریا ورتھ کہتا رہا۔ جو فارس اور میڈیا میں گیا اس نے اپنی ابتدائی قیام گاہ کو ایریانہ کے نام سے موسوم کیا (جسے اوستا میں ایریانہ ویجھ کہا گیا ہے) اور یہی ایریانہ ایران ہو گیا۔ جو قبایل اناطولیا تک پہنچ گئے تھے، وہ (غالباً) ہٹی (Hittite) کے نام سے پکارے گئے جنہیں تورات کی پیدایش میں "حتی" کہا گیا ہے، اور مصر کے قدیم نوشتوں میں "ختتی" پایا جاتا ہے۔

یورپ کے قبایل

جو قبایل یورپ میں پہنچے وہ گوتھ، فرانک الامان، رنڈال، ٹیوٹان اور مین کے نام سے مشہور ہوئے اور انہی کی ایک وسیع شاخ وہ تھی جو بحر اسود سے کر دریائے ڈینیوب کی بالائی وادی تک پھیل گئی اور یستھین کے نام سے پکاری گئی۔ وسط ایشیا کے مشرقی قبایل بھی جو بکٹریا (بلخ) پر تاخت و تاراج کرتے رہتے تھے، یستھین ہی تسلیم کئے گئے ہیں۔ اور خود دارا نے اپنے کتبہ (بستخر) میں انہیں اسی نام سے پکارا ہے۔

اقوام ثلاثہ

ان قبایل کی جو تین شاخیں شمالی ہند، اناطولیا (ایشیائے کوچک) اور ایران میں بس گئی تھیں، انہیں ایسا ماحول ملا جو زراعت کے لئے موزوں تھا۔ اس لئے بہت جلد انہوں نے زرعی زندگی اختیار کر لی اور پھر تہذیب و حضارت کی طرف بڑھنے لگیں لیکن جو شاخیں یورپ کی طرف بڑھیں، انہیں ایسا ماحول میسر نہیں آیا۔ اس لئے صحرائی زندگی کی تمام خصوصیات ان میں بدستور باقی رہیں اور صدیوں تک متغیر نہ ہوئیں۔ اب گویا ان قبایل کی تین حالتیں ہو گئی تھیں۔

اولاً، منگولیا کے اصلی باشندے جو یک قلم وحشی اور صحرائی تھے اور ان کی یہ حالت بغیر کسی تغیر کے برابر قائم رہی۔

ثانیاً، بحر اسود کے شمالی ساحل اور شمالی یورپ کے قبایل جو گو اپنے مولد اصلی سے الگ ہو گئے تھے، لیکن ان کی وحشیانہ خصوصیات نہیں بدلی تھیں۔

ثالثاً، ہندوستان، ایران اور اناطولیا کے قبائل جو بتدریج شہریت و حضارت میں ترقی کرنے لگے اور پھر آگے چل کر یونان قدیم تہذیب بنیاد کے بانی ہوئے۔

یاجوج ماجوج کا اطلاق

تقریباً ششصد قبل مسیح سے لے کر پانچویں صدی مسیحی تک یاجوج ماجوج یا گوگ اور ماگوگ کا اطلاق یہی دونسلوں پر ہوتا رہا۔ پہلی پر اس لئے کہ قومیت اور مقام کے لحاظ سے وہی یاجوج و ماجوج تھی۔ دوسری پر اس لئے کہ گو اپنے مولد و مقام سے الگ

سنہ ۶۰۰ قبل مسیح میں یاجوج ماجوج کے مغربی ایشیا پر حملے اور سد ذوالقرنین کی تعمیر:۔



پھر جب چوتھی صدی مسیحی سے ان کے اندر ایسے فائدے پیدا ہونے لگے جنہوں نے نظم حاضرہ کا راز پا لیا تھا، تو اچانک ان کی طاقت کا ایک نیا دور شروع ہو گیا۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ پانچویں صدی میں اٹیلا (۴۳۴ء تا ۴۵۳ء) نے جو ہن قبیلہ کا قائد تھا، ایک عظیم فاتح کی حیثیت اختیار کر لی اور رومن امپائر کی دونوں شرقی و مغربی مملکتوں کو لرزہ براندام کر دیا۔ پھر یہی قبائل ہیں جو بالآخر اس طرح تمام یورپ پر چھا گئے کہ نہ صرف رومن امپائر کو بلکہ رومی تمدن کو ہمیشہ کے لئے پامال کر دیا۔

چند صدیوں کے بعد تاریخ یہ منظر پھر دہراتی ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ خود منگولیا میں ایک نیا منگولی فاتح چنگیز خاں پیدا ہو گیا ہے، وہ تمام تاتاری قبائل کو اپنے ماتحت ایک قوم بنا چکا ہے اور پھر فتح و تسخیر کا ایک ایسا ہولناک سیلاب امنڈتا ہے جسے اسلامی ممالک کی کوئی متمدن قوت بھی نہ روک سکی۔ وسط ایشیا سے لے کر عراق تک جو ملک اس کے سامنے آیا، خس و خاشاک کی طرح بہہ گیا۔

منگولی نسل کے انشعاب مختلف

بہرحال اس میں کوئی شبہ نہیں کہ یاجوج و ماجوج سے مقصود یہی منگولین قوم اور اسکی تمام صحرانورد اور وحشی شاخیں ہیں۔

اب ہم چاہتے ہیں ان کے خروج و ظہور کے مختلف ادوار تاریخی ترتیب سے منضبط کر لیں۔ اسی ضمن میں یہ بھی واضح ہو جائے گا کہ سائرس کے زمانہ میں یہ قوم کہاں تھی، اور کیوں اسے سد تعمیر کرنے کی ضرورت پیش آئی؟ اس بارے میں تاریخ کی شہادتوں کا خلاصہ حسب ذیل ہے

(۱) پہلا دور تاریخی عہد سے پہلے کا ہے جب شمال مشرق سے ان قبائل کے ابتدائی گروہ نکلے اور وسط ایشیا میں آباد ہو گئے، پھر جنوب اور مغرب میں پھیلنے لگے۔ اس خروج و انشعاب کی رفتار بہت سست رہی ہو گی اور بے شمار صدیوں میں پیش آئی ہو گی۔

(۲) دوسرا دور صحیح تاریخ کا ہے لیکن روشنی ابھی دھندلی ہے۔ اب اقامت گزینی اور صحرانوردی کی درمیانی مختلف اور متوازی معیشتوں کا سراغ لگایا جا سکتا ہے۔ شمالی ہند، ایران، اور اناطولیہ کے قبائل اقامت گزینی کی زندگی میں بدل چکے ہیں مگر وسط ایشیا سے لے کر بحر اسود تک صحرانورد قبائل کے جتھے پھیلتے جاتے ہیں، اور مشرق سے نئے نئے قبیلوں کے اقدام کا سلسلہ برابر جاری ہے۔ یہ زمانہ تقریباً ۳۰۰۰ سنہ قبل مسیح سے ۱۵۰۰ سنہ قبل مسیح تک کا تصور کرنا چاہئے[1]

(۳) تیسرا دور تاریخ کی روشنی میں پوری طرح نمایاں ہیں۔ یہ تقریباً ایک ہزار سال قبل مسیح سے شروع ہوتا ہے۔ اب بحر خزر اور بحر اسود کا علاقہ ایک وحشی اور خونخوار قوم کا مرکز بن چکا ہے، اور وہ مختلف ناموں میں اور مختلف جہتوں سے نمایاں ہوتی رہتی ہے، پھر اچانک تاریخ کے افق پر سیتھین "قوم کا نام ابھرتا ہے" یہ وسط ایشیا سے لے کر بحر اسود کے شمالی کناروں تک آباد ہے اور اطراف و جوانب میں برابر حملہ آور ہوتی رہتی ہے۔ یہ زمانہ اشوری تمدن کے خلود اور بابل اور نینوی کے عروج کا تھا اور ہیروڈوٹس کی زبانی ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ آشوریین کی شمال سرحد پر سیتھین قبائل کی غارت گریاں برابر جاری ہیں۔ یہ شمالی سرحد بحر خزر کے جنوبی ساحل اور آرمینیا کے سلسلۂ کوہ تک پہنچی ہوئی تھی، اور وہ کاکیشیا کے درے سے اتر کر آشوری آبادیوں پر حملہ آور ہوتے تھے۔ پھر ۶۲۰ سنہ قبل مسیح میں اچانک ان کا ایک عظیم گروہ اسی راہ سے اترتا ہے اور ایران کا تمام مغربی حصہ پامال کر دیتا ہے، یونانی مورخ کہتے ہیں کہ آشوری مملکت کی تباہی کا ایک بڑا باعث یہی غارت گری تھی[2]

(۴) چوتھا دور ۵۰۰ سنہ قبل مسیح کا قرار دینا چاہئے جب سائرس کا ظہور ہوا اور فارس اور میڈیا کی متحدہ شہنشاہی کی بنیاد پڑی۔ اس عہد میں مغربی ایشیا کا تمام علاقہ سیتھین حملوں سے محفوظ ہو جاتا ہے اور صدیوں تک ان کے حملوں کی کوئی صدا تاریخ کی سماعت تک نہیں پہنچتی۔ اس عہد میں صرف دو موقعوں پر ان کا ذکر آتا ہے۔ پہلا سائرس کے زمانہ میں جب وہ فتح بابل سے پہلے سیتھین" قبائل کے سرحدی حملوں کا تدارک کرتا ہے۔ دوسرا دارا کے زمانہ میں جب وہ باسفورس عبور کر کے دریائے ڈینیوب کی وادیوں میں پہنچ جاتا ہے اور ان قبائل کو دور تک بھگا دیتا ہے۔

دارا کے حملہ کے بعد ان کا دباؤ شمالی یورپ کی طرف بڑھنے لگا۔

---

[1] یہ تعین اس طرح کے تمام تعینات کی طرح محض تاریخی قیاسات پر مبنی ہے اور اسی لئے اس بارے میں نظار تاریخ کی رائیں مختلف ہوئیں۔ البتہ حال کے انکشافات سے ایک بات تقریباً پایہ ثبوت تک پہنچ چکی ہے، یعنی ڈھائی ہزار سال قبل مسیح انا تولیا میں "حتی" یا "حتی" تمدن شروع ہو چکا تھا۔ اور قدیم مصری تمدن کا معاصر تھا۔ بوغاز کوئی میں جو حتی کتب خانہ برآمد ہوا ہے اور جس میں بیس ہزار کے قریب منقوش تختیاں نکلی ہیں اس نے انیسویں صدی کے تاریخی تخیلات بہت کچھ بدل دیئے ہیں، اور اب یہ رجحان ہے کہ اس زمانے کی مدت گھٹائی جائے۔ القریباً مفقود ہو رہا ہے۔ [2] ہیروڈوٹس ۱-۱۰۴۔

ہو چکی تھی لیکن اپنی وحشیانہ خصوصیات میں بالکل متغیر نہیں ہوئی تھی۔ تیسری قسم چونکہ یکسر منقلب ہو چکی تھی، اس نے اب وہ یاجوج وماجوج نہیں رہی تھی، بلکہ خود یاجوج ماجوج کی غارت گریوں کا نشانہ بن گئی تھی۔ البتہ جب پانچویں صدی مسیحی میں یورپ کے قبایل کی حالت بھی منقلب ہونا شروع ہو گئی اور مسیحیت اختیار کر کے تہذیب و حضارت کی طرف بڑھنے لگے، تو قوموں کے حافظہ سے ان کا نام بھی اتر گیا اور یاجوج ماجوج کا اطلاق صرف اسی خطہ میں سمٹ آیا، جہاں سے پھیلنا شروع ہوا تھا یعنی صرف منگولیا کے صحرانورد قبایل ہی یاجوج وماجوج سمجھے جانے لگے۔ چنانچہ قرآن نے سورۂ انبیاء میں ان کے جس خروج کی خبر دی ہے، وہ منگولیا کے تاتاریوں کا آخری خروج تھا۔

صحرانوردی اور وطن کا اختلاف معیشت

یورپ کی تمام موجودہ قومیں (فنلینڈ نسل مستثنیٰ کر دینے کے بعد) براہ راست انہی قبایل کی نسل سے ہیں، جیسا کہ معلوم و مسلّم ہے۔

اس موقعہ پر یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ نسل انسانی نے اکثر حالتوں میں پہلے صحرانوردی اور خانہ بدوشی کی زندگی بسر کی ہے۔ پھر وطن اور اقامت گزینی اختیار کی ہے اور اس انقلاب حالت نے ہمیشہ دو طرح کے انسانی گروہوں سے دنیا کو آباد رکھا ہے صحرانورد قبایل کے گروہ اور اقامت گزین قبایل کے گروہ معیشت کی یہ دونوں حالتیں اس درجہ مختلف تھیں کہ ایک ہی نسل کے دو قبیلوں میں سے ایک قبیلہ اگر صحرانورد رہتا تھا اور دوسرا اقامت گزیں ہو جاتا تھا تو چند صدیوں کے بعد نہ صرف ایک دوسرے سے اجنبی ہو جاتے تھے بلکہ بالکل متضاد قسم کی مخلوق بن جاتے تھے۔ صحرانورد قبایل کو غذا کے لئے جانوروں کے دودھ اور شکار کئے گوشت پر اعتماد کرنا پڑتا تھا۔ اقامت گزین قبایل کو اناج پر وہ گھوڑوں کی برہنہ پیٹھ پر زندگی بسر کرتے یہ کھیتوں میں اور مکانوں کی چار دیواری میں۔ ان کی زندگی کا ماحول صحرائیت تھی۔ ان کا ماحول شہریت ان کو نشو و نما کے لئے جنگ کی ضرورت تھی۔ ان کو امن کی۔ ان کا جسم روز بروز طاقتور اور محنت پسند ہوتا جاتا تھا۔ ان کا روز بروز کمزور اور راحت پسند وہ بعد بروز وحشت و خونخواری میں بڑھتے جاتے تھے۔ یہ روز بروز تہذیب و حضارت میں، تہذیب و حضارت کا لازمی نتیجہ تھا کہ جذبات و خصائل میں لطافت اور نرمی پیدا ہو۔ صحرائیت و خانہ بدوشی کا لازمی نتیجہ تھا کہ جذبات تند اور خصایل میں وحشت و خشونت ہو۔ نتیجہ یہ نکلتا کہ جوں جوں اقامت گزیں قبایل شائستہ ہوتے جاتے، صحرانورد قبایل کی ہستی ان کے لئے ہولناک اور ناقابل مزاحمت ہوتی جاتی۔ جب کبھی دونوں میں مقابلہ ہوتا، تو شہری قبایل دیکھتے کہ صحرانورد قبایل عفریتوں کی طرح خونخوار اور درندوں کی طرح خونخوار ہیں، اور صحرانورد قبایل معلوم کرتے کہ ان کی غارت گریوں کے لئے شہری آبادی سے زیادہ کوئی سہل شکار نہیں۔

البتہ صحرانورد قبایل متفرق تھے، اور اقامت گزینی کے طریقوں سے ناآشنا، اقامت گزیں قبایل باہم مربوط تھے اور معیشت کے مسلّم طریقوں سے آشنا، اس لئے قدرتی طور پر صحرانوردوں کے حملے ایک خاص حد سے آگے نہیں بڑھ سکتے۔ وہ خونناک درندوں کی طرح آبادیوں پر گرتے، اور قتل و غارت کر کے نکل جاتے۔ لیکن جم کر ٹک نہیں سکتے تھے، اور نہ علاقے فتح کر کے اپنے قبضہ میں رکھ سکتے تھے۔ مگر جب کبھی صدیوں کے بعد ان میں کوئی حکمران قائد پیدا ہو جاتا، اور وہ بہت سے قبیلوں کو متحد کر کے ایک فوج کی نوعیت دیدیتا۔ تو پھر قتل و غارت گری کی ایک ایسی متظلم طاقت پیدا ہو جاتی جو صرف وقتی حملوں ہی پر قانع نہیں رہتی بلکہ ملکوں اور قوموں پر قابض ہو جاتی اور شہری آبادیوں کی بڑی سے بڑی توپیں بھی اس کی راہ نہیں روک سکتیں۔

یاجوج ماجوج صحرانوردی کی خونناک قوت تھی

تاریخ شاہد ہے کہ صحرانورد اور غیر متمدن اقوام کے مقابلہ میں شہری اور متمدن اقوام کا ہمیشہ ایسا ہی حال رہا۔ یہاں تک کہ علم و صناعت نے ایسے ہتھیار اور جنگی وسائل پیدا کر دئے جن کے مقابلہ سے غیر متمدن اقوام عاجز آ گئیں۔

چنانچہ ان شمال مشرقی قبایل کی پوری تاریخ اسی حقیقت کا افسانہ ہے، ان کی جن شاخوں نے اقامت گزینی کی زندگی اختیار کر لی تھی وہ بالکل ایک دوسری قوم بن گئی، اور جنہیں ایسے حالات میسر نہیں آئے، وہ بدستور صحرانورد رہیں۔ اقامت گزیں قبایل کے لئے صحرانورد قبایل صرف اجنبی ہی نہیں ہو گئے تھے بلکہ خوفناک بھی ہو گئے تھے، کیونکہ ان کی روز افزوں شہریت ان کی صحرائی وحشت ناکیوں کا مقابلہ نہیں کر سکتی تھی۔ یہ جب کبھی موقعہ پاتے قرب و جوار کی آبادیاں غارت کرتے، اور اگر قبائل کا کوئی فاید نکل آتا تو ان کی غارت گریاں دور دور تک بھی پہنچ جاتیں۔ صدیوں تک ان کی حالت ایسی ہی رہی۔ پھر

قبل مسیح میں ہوا ہے اور چوتھی صدی مسیحی میں یورپ کے منگولین قبائل نے رومی مملکت پر حملے شروع کئے ہیں۔ پس یاجوج ماجوج کا یہ خروج سقوط بابل کے ہزار برس بعد ظہور پذیر ہوا ہے۔

کتاب پیدائش کی تفسیر ج!

"ماجوج" کا ذکر تورات کی کتاب پیدائش میں بھی آیا ہے جہاں حضرت نوح کے تین لڑکوں سام، حام اور یافث سے اقوام عالم کا پیدا ہونا بیان کیا گیا ہے۔ چنانچہ یافث کی نسبت لکھا ہے کہ اس کے "جومر، ماجوج، مادی، یونان، توبال، مسک اور تیراس پیدا ہوئے" (۱۰:۲) اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ ماجوج سے مقصود منگولین نسل ہے کیونکہ قدیم مورخوں نے اسی تفریق کی بنا پر انہیں یافثی نسل قرار دیا ہے۔ علاوہ بریں اگر یہ صحیح ہے کہ کتاب پیدائش کا مواد قبل بابل کے زمانے میں تیار ہوا ہے تو اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ اس زمانہ میں ماجوج اور مادیوں کو ہم نسل سمجھا جاتا تھا۔

یہ سچ ہے کہ اگرچہ دنیا عرصہ تک کتاب پیدائش کے اس بیان پر مطمئن رہی اور ہم خود یہ تسلیم کر لیتے کہ تمام قومیں حضرت نوح علیہ السلام کے تین لڑکوں ہی سے پیدا ہوئی ہیں لیکن اب اس کی علمی خدمت یک قلم مشتبہ ہو گئی ہے اور اب کوئی بھی اس نظر سے نہیں دیکھتا جس نظر سے ایک تاریخی بیان کو دیکھنا چاہئے۔ زیادہ سے زیادہ یہ ایک ایسا فوشتہ ہے جس میں مسیح قبل مسیح کے یہودی تصورات نظر آجاتے ہیں۔ بلاشبہ ان میں ایک عنصر ان مقدس روایتوں کا بھی ہے جو قومی حافظہ نے محفوظ رکھی تھیں لیکن ساتھ ہی بابلی اور آشوری روایتوں کا بھی ایک عنصر شامل ہو گیا ہے جو قیام بابل کی طویل مدت کا قدرتی نتیجہ تھا۔

سد یاجوج

(۱۰) اب ہمیں یہ معلوم کرنا چاہئے کہ سائرس نے جو سد تعمیر کی تھی اس کا تتبع محل کیا تھا، اور موجودہ زمانہ کے نقشہ میں اسے کہاں ڈھونڈھنا چاہئے؟

بحر خزر کے مغربی ساحل پر ایک قدیم شہر دربند آباد ہے۔ یہ ٹھیک اس مقام پر واقع ہے جہاں کاکیشیا کا سلسلہ کوہ ختم ہوتا اور بحر خزر سے مل جاتا ہے۔ اس مقام پر قدیم زمانے سے ایک عریض و طویل دیوار موجود ہے جو سمندر سے شروع ہو کر تقریباً تیس میل تک مغرب میں چلی گئی ہے اور اس مقام تک پہنچ گئی ہے جہاں کاکیشیا کا مشرقی حصہ بہت زیادہ بلند ہو گیا ہے۔ اس طرح اس دیوار نے ایک طرف بحر خزر کا ساحلی نظام سد کر دیا تھا، دوسری طرف پہاڑ کا تمام وہ حصہ بھی روک دیا تھا جو ڈھلوان ہونے کی وجہ سے قابل عبور ہو سکتا تھا۔ رہا اس کی طرف یہ دیوار دہری ہے یعنی اگر آدمی پہاڑیوں سے ساحل ہوتے ہوئے آگے بڑھیں تو پہلے ایک دیوار ملتی ہے جو سمندر سے برابر مغرب کی طرف چلی گئی ہے۔ اس میں بیچ ایک دروازہ تھا۔ دروازہ سے جب گذرتے تھے تو شہر دربند ملتا تھا۔ اب یہ صورت باقی نہیں رہی۔ دربند سے آگے پھر اسی طرح کی ایک دیوار ملتی ہے لیکن یہ دہری دیوار صرف دو میل تک گئی ہے۔ اس کے بعد اگرچہ دیوار کا سلسلہ ہے دونوں دیواریں جدا جدا ہیں جگہ جگہ ملی ہیں وہاں ایک قلعہ ہے۔ قلعہ تک پہنچکر دونوں کا درمیانی فاصلہ سو گز سے زیادہ نہیں رہتا لیکن ساحل کے پاس یہ فاصلہ بڑھ کر سے دو گز تک ہو گیا ہے اور اسی باغ دو گز کے وقفہ میں دربند آباد ہے۔ اس دہری دیوار کو ایرانی قدیم سے "دوبارہ" کہتے آئے ہیں۔ یعنی دہرا سلسلہ۔

دیوار دربند

یہ قطعی ہے کہ طلوع اسلام سے پہلے ساسانی عہد میں یہ مقام موجود تھا، اور اسے "دربند" کہا جاتا تھا یعنی "بند دروازہ" کیونکہ مقدسی، ہمدانی، مسعودی، اصطخری، یاقوت اور قزوینی وغیرہ تمام مسلمان مورخوں اور جغرافیہ نویسوں نے اسی نام سے اس کا ذکر کیا ہے اور سب لکھتے ہیں کہ سارا عہد میں یہ مقام شمالی سرحد کا سب سے زیادہ اہم مقام تھا، کیونکہ اسی راہ سے شمال کے حملہ آور ایران کی طرف بڑھ سکتے تھے۔ یہ ایرانی مملکت کی کنجی تھی جس کے ہاتھ یہ کنجی آتی وہ یورپی مملکت کا مالک ہو جاتا۔ اسی لئے ضروری ہوا کہ اس کی حفاظت کا [illegible] انتظام کیا جائے[1]

باب الابواب

مسلمانوں نے پہلی صدی ہجری میں جب یہ علاقہ فتح کیا تو اسی اہمیت کی طرح انہوں نے بھی اس مقام کی اہمیت محسوس کی۔ اسے "باب الابواب" اور "الباب" کے نام سے پکارنے لگے۔ کیونکہ مملکت کے لئے یہی مقام شمال کا دروازہ تھا، اور ان بہت سے دروازوں میں سے آخری دروازہ جو اس دیوار کے طول میں بنائے گئے تھے بعضوں نے اسے "باب الترک اور باب الخزر" کے نام سے بھی پکارا ہے کیونکہ ترکمانیوں اور تاتاری النسل کاکیشین قبیلوں کی آمد و رفت کی راہ یہی تھی۔

---

[1] عرب جغرافیہ نویس دربندی کے ہم معنی اس کا ذکر کرتے ہیں لیکن چونکہ یہ نام باب الابواب پڑ گیا تھا، اس لئے عنوان کے لئے اکثروں نے باب الابواب اختیار کیا ہے چنانچہ یاقوت نے معجم البلدان میں اس مقام کا حال "باب الابواب" ہی کے نام سے لکھا ہے پس وہم نہ کھانا چاہئے کہ دو الگ ہیں۔

(۵) پانچواں دور تیسری صدی مسیح کا ہے۔ اس عہد میں منگولین قبائل کا ایک نیا سیلاب اٹھتا ہے اور پہلے چین کی آبادی پر ٹوٹتا ہے۔ پھر آہستہ آہستہ وسط ایشیا کی قدیم شاہراہ اختیار کرتا ہے چین کی تاریخ میں انہیں ہیونگ نُو (Hiung-nu) کے نام سے پکارا گیا ہے اور یہی نام آگے چل کر ہن ہو گیا ہے۔

یہی زمانہ ہے جب شہنشاہ چین شی ہوانگ ٹی نے ان حملوں کے روکنے کے لئے وہ عظیم الشان دیوار تعمیر کی جو دیوار چین کے نام سے مشہور ہے اور پندرہ سو میل تک چلی گئی ہے۔ اس کی تعمیر ۲۱۴ قبل مسیح میں شروع ہوئی اور بیان کیا جاتا ہے کہ دس برس میں ختم ہوئی۔ اس نے شمال اور مغرب کی طرف سے منگولین قبائل کے حملوں کی تمام راہیں مسدود کر دی تھیں اس لئے ان کا رخ پھر وسط ایشیا کی طرف مڑ گیا۔

(۶) چھٹا دور تیسری صدی مسیحی کا ہے جب ان قبائل نے یورپ میں ایک نئی کروٹ لی اور بالآخر رومی مملکت اور رومی تمدن کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ کر دیا۔

(۷) ساتواں اور آخری دور بارھویں صدی مسیحی میں اور چھٹی صدی ہجری کا ہے جب منگولیا میں تازہ دم قبائل کی ایک بڑی تعداد پھر تیار ہو گئی اور چنگیز خان نے انہیں متحد کر کے ایک نئی فتح مند طاقت پیدا کر دی۔

مندرجہ صدر خلاصہ سے یہ بات بھی واضح ہو گئی کہ چھٹی صدی قبل مسیح میں مغربی ایشیا کا تمام علاقہ سیتھین قبائل کے حملوں سے غارت ہو رہا تھا اور جس یکلخت نے اچانک ظاہر ہو کر ان کے حملے روک دئے اور پھر ہمیشہ کے لئے مغربی ایشیا کو محفوظ ہو گیا، وہ سائرس کا ہاتھ تھا۔ پس یقیناً منگولین نسل کے یہی سیتھین قبائل تھے جو یاجوج ماجوج کے نام سے پکارے جاتے تھے، اور ذوالقرنین یعنی سائرس نے انہی کی راہ روکنے کے لئے سد تعمیر کی۔ جس طرح تین صدیوں کے بعد چینی مجبور ہوئے کہ انہیں روکنے کے لئے ایک دیوار تعمیر کریں۔

یاجوج ماجوج کے عہد ذوالقرنین

اب غور کرو سیتھین قبائل کے یہ حملے کس جانب سے ہوتے تھے۔ ہیروڈوٹس وغیرہ یونانی مورخ بتلاتے ہیں کہ صرف ایک راہ سے یعنی کاکیشیا کے درہ سے۔ یہی مقام بحیرہ اسود تک دونوں طاقتوں میں درمیان کا پھاٹک رہا ہے۔ اب اگر سائرس ان حملوں سے محفوظ ہونا چاہتا تھا تو کیا اس کے لئے ضروری نہ تھا کہ یہ پھاٹک بند کر دے؟ فقدرتی طور پر ضروری تھا، اور اس لئے اس نے سد تعمیر کر کے یہ راہ مسدود کر دی۔ چونکہ ان حملوں کی صرف یہی ایک راہ تھی اور وہ اس طرح بند کر دی گئی اس لئے یاجوج ماجوج حملوں کا بھی یکسر خاتمہ ہو گیا۔

چین قبائل درہ کاکیشیا

اب غور کرو قرآن نبی کی پیشین گوئی پر ایک نظر ڈالو۔ اس میں جوج کو روش، مسک اور توبال کا سردار کہا ہے اور یہ ٹھیک ٹھیک انہی قبائل کے نام ہیں۔ "روش" وہی ہے جس سے "رشیا" نکلا "مسک" وہی ہے جو "موسکو" ہوا اور "توبال" بحر اسود کا بالائی علاقہ تھا۔ پھر کہا ہے کہ "میں تجھے پھرا دوں گا"۔ اور "تیرے چھڑوں میں جنبیاں مار دوں گا"۔ یہ وہی واقعہ ہے کہ سائرس نے سیتھین قبائل کے منہ پھرا دئے اور سد تعمیر کر کے ان کی ایران کی راہ روک دی۔ پھر کہا ہے "ایسا معاملہ واقع ہو گا کہ ان کے تمام ہتھیار جلائے جائیں گے" اور "راہگزروں کی ایک وادی میں جو سمندر کے پورب میں ہے ان قوموں کا گورستان بنے گا، نیز عرصہ تک لوگ لاشیں گاڑتے رہیں گے تاکہ "راہ صاف کریں"۔ یہ واقعہ ہے جو دارا کے حملہ یورپ میں پیش آیا۔ دارا کی فوج مملکت کی تمام اقوام سے مرکب تھی۔ اس میں یہودیوں کی بھی ایک بڑی تعداد تھی۔ وہ باسفورس عبور کر کے مشرقی یورپ میں پہنچ گیا تھا، اور اگرچہ یونانیوں کی بے وفائی کی وجہ سے اسے واپس ہونا پڑا، لیکن اس لشکر کشی میں بے شمار سیتھین مارے گئے، اور ان کی قوت عرصہ تک کے لئے مضمحل ہو گئی۔

توبال کی پیشین گوئی کا مصداق

باقی رہی وہ پیشین گوئی جو مکاشفات یوحنا میں ہے، تو مکاشفات کے اکثر مقامات کی طرح اس مقام کی بھی کوئی حتمی ہوئی تفسیر شاید چین اتھیل نہ کر سکے۔ اس میں ایک ہزار برس کی مدت بتلائی گئی ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس مدت سے مقصود کونسی مدت ہے اور کب سے شروع ہوتی ہے؟ اگر حضرت مسیح سے شروع ہوتی تو ظاہر ہے کہ دسویں صدی مسیحی میں کوئی ایسا واقعہ ظہور میں نہیں آیا۔ ہو سکتا ہے کہ ہزار برس سے مقصود وہ مدت ہو جو سقوط بابل سے شروع ہوتی ہے کیونکہ اس معاملہ سے پہلے بابل کی تباہی کا ذکر کیا گیا ہے اگر ایسا ہی ہے تو پھر ایک بات بن سکتی ہے بابل کا سقوط چھٹی صدی

مکاشفات یوحنا ۲۰ : ۲

ایسی فروست پیش نہیں آئی سائرس کی نسبت ہیروڈوٹس اور زینوفن کی شہادت موجود ہے کہ نسخ لیڈیا کے بعد متصیین قوم کے سرحدی حملوں کی روک تھام کی۔ سکندر کی نسبت کوئی ایسی شہادت موجود نہیں۔ ان دو باتوں کے جمع کرنے سے جو نتیجہ قرینہ پیدا ہوتا ہے وہ یہی ہے کہ سد سائرس نے تعمیر کی ہوگی نہ کہ سکندر کے حکم سے کسی افسر نے۔

ثانیاً، پلوٹارچ کے علاوہ دوسرے قدیم مورخوں نے بھی اس کا ذکر کیا ہے۔ مثلاً سٹی تس (۲ ۷ ۷ ۲ ۲ ۲

درۂ داریال کی دیوار

اس مقام سے جب مغرب کی طرف کاکیشیا کے اندرونی حصوں میں اور آگے بڑھتے ہیں، تو ایک اور مقام ملتا ہے جو درۂ داریال (Daryal Pass) کے نام سے مشہور ہے اور موجودہ زمانہ کے نقشہ میں اس کا محل ولادی کیوکز (Vladi Kaakaz) اور ٹفلس کے درمیان دکھایا جاتا ہے۔ یہ کاکیشیا کے نہایت بلند حصوں میں سے ہو کر گزرا ہے اور دو تنگ و بلند چوٹیوں سے گھرا ہوا ہے یہاں بھی قدیم زمانے سے ایک دیوار موجود ہے اور ارمنی روایتوں میں اسے "آہنی دروازہ" کے نام سے پکارا گیا ہے۔

نوشیرواں کا انتساب

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ دیوار کس نے تعمیر کی تھی؟ تمام عرب مورخوں کا بیان ہے کہ نوشیرواں نے تعمیر کی تھی۔ چنانچہ مسعودی نے اس کی تعمیر کی بعض تفصیلات بھی بیان کی ہیں[1]۔ اور بعد کے تمام مصنف اسے نقل کرتے آئے ہیں۔ لیکن جب ہم قبل از اسلام عہد کے تاریخی نوشتوں کا مطالعہ کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ نوشیراں کے عہد سے بہت پہلے یہاں ایک دیوار موجود تھی اور اس نے شمال سے جنوب کا راستہ روک رکھا تھا۔ چنانچہ سب سے پہلے پہلی صدی مسیحی میں مشہور جغرافی مورخ جوزیفس اس کا ذکر کرتا ہے پھر پروکوپیس (Procopius) چھٹی صدی مسیحی کے اوائل میں خود اپنا عینی مشاہدہ نقل کرتا ہے۔ کیونکہ ۵۲۸ء میں جب رومن جنرل بلی ساریوس (Belisarius) نے اس علاقہ پر حملہ کیا ہے تو یہ اس کے ہمراہ تھا۔ نوشیراں کا زمانہ ۵۳۱ء سے ۵۷۹ء تک تھا۔ اس سے ظاہر ہے کہ یہ استحکامات اس کے بنائے ہوئے نہیں ہو سکتے۔

سکندر کا انتساب

اب یہاں ایک اور الجھاؤ پڑتا ہے جوزیفس اور پروکوپیس دونوں یہ روایت نقل کرتے ہیں کہ ان استحکامات کا بانی سکندر تھا۔ حالانکہ سکندر کی فتوحات کا کوئی واقعہ تاریخ کی نظر سے پوشیدہ نہیں ہے اور کہیں سے بھی ثابت نہیں ہوتا کہ وہ اس علاقہ میں آیا ہو، یا یہاں کوئی جنگ کی ہو۔

زمانہ حال کے ایک امریکن مورخ مسٹر اے ڈی ولیمس جیکسن (پروفیسر کولمبیا یونیورسٹی) نے اس علاقہ کی سیاحت کی ہے اور اس کے تفصیلی حالات اپنے سفرنامہ میں بیان کئے ہیں وہ اس مشکل کا یہ حل تجویز کرتے ہیں کہ سکندر کے کسی جنرل نے یہ استحکامات تعمیر کئے ہونگے۔ کم از کم درۂ داریال کے استحکامات۔ بعد کو ساسانی فرمانرواؤں نے انہیں اور زیادہ وسیع اور مکمل کر دیا۔ چونکہ ابتدائی تعمیر سکندر کے عہد کی تھی، اس لئے سکندر کی طرف منسوب ہو گئی[2]۔

لیکن جہاں تک سکندر کے تمام فوجی اعمال خود اس کے عہد میں اور خود اس کے ساتھیوں نے قلمبند کئے ہیں اور ان میں کہیں بھی کاکیشیا کی لڑائی یا کاکیشیا کے استحکامات کی تعمیر کا اشارہ نہیں ملتا۔ تو پھر کیونکر ممکن ہے کہ اس طرح کی توجیہات قابل اطمینان تسلیم کر لی جائیں۔

اس طرح کے عظیم الشان استحکامات جبھی تعمیر کئے جا سکتے ہیں جبکہ اس کی ضرورت نے انہیں ناگزیر کر دیا ہو۔ لیکن سکندر کو اپنی تمام فتوحات میں اس طرح کی کوئی ضرورت کبھی پیش ہی نہیں آئی اس کے زمانے میں یہ علاقہ ایران کی قدیم شہنشاہی کے ماتحت تھا اس نے شام کی راہ سے ایران پر حملہ کیا، اور پھر وسط ایشیا ہوتا ہوا ہندوستان چلا گیا۔ ہندوستان سے واپسی ابھی بابل ہی میں تھا کہ انتقال کر گیا ایسی حالت میں وہ کونسے حالات ہو سکتے ہیں جو کاکیشیا کے استحکامات پر اسے مجبور کر سکتے تھے، اور اگر یہ پیش آئے تو کب؟

سکندر کا انتساب صحیح نہیں

اصل یہ ہے کہ یہ استحکامات سکندر سے دو سو برس پہلے سائرس نے تعمیر کئے تھے اور درۂ داریال کی سد وہی سد ہے جس کا قرآن نے ذکر کیا ہے۔

حسب ذیل وجوہ قرائن سے اس رائے کی تائید ہوتی ہے:۔

اولاً، سائرس اور سکندر کی دو باتیں تاریخ کی قطعی روشنی میں آ چکی ہیں۔ سائرس کے زمانے میں یہاں سے سینتھین قوم کے حملے ہو رہے تھے۔ سکندر کے زمانے میں کوئی حملہ آور نہیں تھا سائرس کے لئے ضروری تھا کہ راہ روکے سکندر کو کوئی

---

[1] مروج الذہب صفحہ ۲۰۔

[2] سب سے لچسپ ہے کہ سکندر کی نسبت یہ خیال اس بنا پر پیدا ہو گیا ہو کہ بعض مورخوں نے غلطی سے اس سلسلہ کو کوکاکیسس لکھ دیا ہے جو بحر خزر کے مشرقی جانب واقع ہے اور جسے سکندر نے وسط ایشیا سے ہندوستان جاتے ہوئے طے کیا تھا۔ سٹرابو نے اس غلطی کی طرف اشارہ کیا ہے۔

[3] دیکھو پروفیسر موصوف کی کتاب فرام کولمبس ٹو ڈی ہوم آف عمر خیام صفحہ ۶۲ جہاں ان کی ایک دوسری تصنیف کا زرتشت کے حالات میں حوالہ دیئے ہیں۔ [4] یونانی کاکیشیا اور ہندی کیوکز اور فارسی قفقاز ایک ہی لفظ ہے۔

سورۃ مریم ۱۹

رکوع ۔ ۹۸ آیات

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۱-۲-۳ کٓهٰیٰعٓصٓ ۝ ذِكْرُ رَحْمَتِ رَبِّكَ عَبْدَهٗ زَكَرِيَّا ۝ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗ نِدَآءً خَفِيًّا ۝ قَالَ رَبِّ اِنِّيْ وَهَنَ
۴ الْعَظْمُ مِنِّيْ وَاشْتَعَلَ الرَّاْسُ شَيْبًا وَّلَمْ اَكُنْۢ بِدُعَآئِكَ رَبِّ شَقِيًّا ۝ وَاِنِّيْ خِفْتُ الْمَوَالِيَ مِنْ
۵ وَّرَآءِيْ وَكَانَتِ امْرَاَتِيْ عَاقِرًا فَهَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا ۝ يَّرِثُنِيْ وَيَرِثُ مِنْ اٰلِ يَعْقُوْبَ ۖ
۶-۷ وَاجْعَلْهُ رَبِّ رَضِيًّا ۝ يٰزَكَرِيَّآ اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمِ ِۨاسْمُهٗ يَحْيٰى لَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ سَمِيًّا ۝
۸ قَالَ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّكَانَتِ امْرَاَتِيْ عَاقِرًا وَّقَدْ بَلَغْتُ مِنَ الْكِبَرِ عِتِيًّا ۝

نزول کے اعتبار سے یہ پہلی سورت ہے جس میں حضرت مسیح علیہ السلام کے خاندان کے حالات بتفصیل بیان کئے گئے ہیں اور ان گمراہیوں کا ازالہ کیا ہے، جو یہودیوں اور عیسائیوں میں اس مقدس شخصیت کے بارے میں پھیلی ہوئی تھیں۔

تمام انجیلیں متفق ہیں کہ حضرت یحییٰ (یوحنا) کا ظہور دعوت مسیحی کے ظہور کا مقدمہ تھا۔ چنانچہ لوقا کی انجیل میں پہلے حضرت یوحنا کی پیدائش کا واقعہ بیان کیا ہے۔ پھر اس کے بعد حضرت مسیح کا۔ قرآن نے بھی یہاں اسی طریقہ پر بیان شروع کیا ہے۔

۱ کٓهٰیٰعٓصٓ ۔ ہا۔ یا۔ عین۔ صاد۔

۲ (اے پیغمبر!) تیرے پروردگار نے اپنے بندے زکریاہ پر جو مہربانی کی تھی یہ اس کا بیان ہے۔

۳ جب ایسا ہوا تھا کہ زکریا نے چپکے چپکے اپنے پروردگار کو پکارا۔ اس نے عرض کیا پروردگار! میرا جسم کمزور پڑ گیا ہے میرے سر کے بال بڑھاپے سے بالکل سفید ہو گئے۔ خدایا! کبھی ایسا نہیں ہوا کہ میں نے تیری جناب میں دعا کی ہو اور محروم رہا ہوں مجھے اپنے مرنے

۴ کے بعد اپنے بھائی بندوں سے اندیشہ ہے (کہ نہیں معلوم وہ کیا کریں گے) اور میری بیوی بانجھ ہے (اس لئے بظاہر

۵ حالات اولاد کی امید نہیں) پس تو اپنے خاص فضل سے مجھے ایک وارث بخش دے ایسا وارث جو میرا بھی وارث ہو اور

۶ خاندان یعقوب (کی برکتوں) کا بھی۔ اور پروردگار! اسے ایسا کر دے کہ (تیرے اور تیرے بندوں کی نظر میں) پسندیدہ ہو۔"

(۲) لوقا کی انجیل میں ہے کہ "ابیاہ کی جماعت میں سے زکریاہ نام ایک کاہن تھا۔ اس کی بیوی الیشبع ہارون کی اولاد میں سے تھی دونوں راست باز اور خداوند کے حکموں پر بے عیب چلنے والے تھے ان کے اولاد نہ تھی۔ کیونکہ الیشبع بانجھ تھی، وہ دونوں عمر رسیدہ تھے (۱:۵)

ہیکل کی تقدس رسوم ادا کرنے کے لئے کاہن مقرر تھے اور ہر جماعت کے آدمی کی نوبت مقرر تھی ایک مرتبہ جب حضرت زکریاہ کی نوبت آئی اور وہ قربان گاہ میں خوشبو جلانے کے لئے داخل ہوئے تو خداوند کا فرشتہ انہیں نظر آیا۔ اس نے کہا "تیری دعا قبول ہوئی

۷ (اس پر حکم ہوا) "اے زکریا! ہم تجھے ایک لڑکے کی (پیدائش کی) خوشخبری دیتے ہیں اس کا نام یحییٰ رکھا جائے اس سے پہلے ہم نے کسی کے لئے یہ نام نہیں ٹھیرایا ہے"

۸ زکریا نے (متعجب ہو کر) کہا پروردگار! میرے یہاں لڑکا کیسے ہو سکتا ہے، میری بیوی بانجھ ہو چکی اور میرا بوڑھاپا دور تک پہنچ چکا۔"

اف ایکلو پیڈیا برٹانیکا اور جیوئش انسائیکلو پیڈیا میں لفظ Cyrus کا مقالہ دیکھنا چاہئے۔

(۱۲) ہم نے ذوالقرنین کے بحث میں پوری تفصیل سے کام لیا ہے کیونکہ زمانہ حال کے مستشرقین قرآن نے اس مقام کو سب سے زیادہ اپنے معاندانہ استہزار کا نشانہ بنایا ہے۔ وہ کہتے ہیں ذوالقرنین کی کوئی تاریخی اہمیت نہیں ہے یہ محض عرب بدویوں کی ایک کہانی تھی جو پیغمبر اسلام نے اپنی خوش اعتقادی سے صحیح سمجھ کر نقل کر دی۔ اس لئے ضروری تھا کہ ایک مرتبہ یہ مسئلہ اس طرح صاف کر دیا جائے کہ شک و تردد کا کوئی پہلو باقی نہ رہے۔

استدراک

(۱) ہم نے سارس کے جس مجسمہ کا اوپر ذکر کیا ہے، اور جس سے قطعی طور پر یہ بات واضح ہو گئی ہے کہ "ذوالقرنین" اسی کا لقب تھا، وہ قدیم سنگ تراشی کی صناعیوں کا ایک نہایت نادر نمونہ ہے اور موجودہ عہد کے تمام اہل نظر کا فیصلہ ہے کہ یونانی سنگ تراشی کے نمونوں کی صف میں اگر کوئی ایشیائی نمونہ رکھا جا سکتا ہے تو وہ یہی سارس کا مرمری مجسمہ ہے یہ ایران کے قدیم دارالحکومت استخر سے تقریباً پچاس میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ یہاں دارا نے شاہی محل تعمیر کیا تھا۔ اب اس کا بقیہ صرف چند مرمری ستون رہ گئے ہیں، انہی میں سے ایک مربع ستون پر یہ مجسمہ ابھارا گیا تھا۔

سب سے پہلے ۱۸۳۷ء میں جیمس موریر (Morier) نے اس کی موجودگی سے علمی دنیا کو روشناس کیا۔ پھر چند سال بعد سر رابرٹ کیر پوٹر (Robert Ker Porter) نے اس مقام کی علمی پیمائش و تحقیق کر کے مفصل معلومات بہم پہنچائی، اور اپنے سفرنامہ جا رجیاۂ ایران میں مجسمہ کی وہ نقل بھی شائع کر دی جو اس نے پنسل سے تیار کی تھی۔ اس وقت تک قدیم پہلوی زبان اور میخی خطوط کا مسئلہ پوری طرح حل نہیں ہوا تھا۔ تاہم یہ بات واضح ہو گئی تھی کہ مجسمہ سارس ہی کا ہے بعد کی تحقیقات نے مزید تصدیق کر دی۔ پھر ۱۸۸۲ء میں ڈی لافوئے (Dieulafoy) نے اپنی مشہور کتاب "حمدان، سوسہ اور پرسی پولس" (L'Acropole de Suse) میں اس کا اصلی عکس شائع کر دیا، اور اس طرح مجسمہ کی اصلی نوعیت دنیا کے سامنے آ گئی۔

اس وقت سے لے کر یہ مجسمہ تاریخ قدیم کے مباحث کا ایک عام موضوع رہا ہے لیکن یہ عجیب بات ہے کہ آج تک کسی یورپین مستشرق کا ذہن اس طرف منتقل نہیں ہوا کہ اس کی نوعیت میں قرآن کے "ذوالقرنین" کی طرز اور فطرت تصدیق نمایاں ہو گئی ہے ہم یہ تو نہیں کہہ سکتے کہ یہ تغافل مذہبی تعصب کا نتیجہ ہے کیونکہ ان میں کافی تعداد ایسے اہل علم کی ہے جو بعینہٖ ان تعصبات کی آلودگیوں سے اپنی حفاظت کر سکے ہیں تاہم اس میں شک نہیں یہ تغافل علم و نظر کے عجائب مستبعدات میں سے ہے

(۲) اس مجسمہ میں سارس کے سر پر دو سینگ نکلے ہوئے ہیں اور اطراف میں عقاب کے سے پر سینگوں کا مطلب واضح ہو چکا لیکن عقاب کے سے پر کیوں بنائے گئے

اس کا جواب بھی ہمیں یسعیاہ نبی کے صحیفہ سے مل جاتا ہے۔ اس میں جہاں سارس کے ظہور کی خبر دی گئی ہے وہاں یہ بھی "دیکھو میں ایک عقاب کو پورب سے بلاتا ہوں۔ اس شخص کو جو ایک دور کے ملک سے آ کر میری ساری مرضی پوری کرے گا" (۴۶: ۱۱)

اس سے معلوم ہوا کہ جس طرح دو سینگوں کا معاملہ دانیال نبی کے مکاشفہ سے تعلق رکھتا ہے، اسی طرح عقاب کی تشبیہ یسعیاہ نبی کی پیشین گوئی میں آ گئی ہے۔ خواہ یہ پیشین گوئی یہاں بعد کو بنائی گئی ہوں، خواہ فی الحقیقت پیشتر کی ہو۔ لیکن یہ ظاہر ہو گیا کہ سارس کے لئے دو سینگوں کا اور عقاب کا تخیل پیدا ہو چکا تھا، اور ٹھیک ٹھیک یہی تخیل ہے جو اس مجسمہ میں متشکل ہو گیا ہے۔

متشکل

رِجَابًا ۝ فَاَرْسَلْنَآ اِلَيْهَا رُوْحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا ۝ قَالَتْ اِنِّيْٓ اَعُوْذُ بِالرَّحْمٰنِ مِنْكَ اِنْ ۱۷
كُنْتَ تَقِيًّا ۝ قَالَ اِنَّمَآ اَنَا رَسُوْلُ رَبِّكِ ۖ لِاَهَبَ لَكِ غُلٰمًا زَكِيًّا ۝ قَالَتْ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ ۱۸ - ۱۹
وَّلَمْ يَمْسَسْنِيْ بَشَرٌ وَّلَمْ اَكُ بَغِيًّا ۝ قَالَ كَذٰلِكِ ۚ قَالَ رَبُّكِ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ ۚ وَلِنَجْعَلَهٗٓ اٰيَةً لِّلنَّاسِ وَ ۲۰ الربع
رَحْمَةً مِّنَّا ۚ وَكَانَ اَمْرًا مَّقْضِيًّا ۝ فَحَمَلَتْهُ فَانْتَبَذَتْ بِهٖ مَكَانًا قَصِيًّا ۝ فَاَجَآءَهَا الْمَخَاضُ اِلٰى ۲۰ - ۲۲
جِذْعِ النَّخْلَةِ ۚ قَالَتْ يٰلَيْتَنِيْ مِتُّ قَبْلَ هٰذَا وَكُنْتُ نَسْيًا مَّنْسِيًّا ۝ فَنَادٰىهَا مِنْ تَحْتِهَآ اَلَّا ۲۳
تَحْزَنِيْ قَدْ جَعَلَ رَبُّكِ تَحْتَكِ سَرِيًّا ۝ وَهُزِّيْٓ اِلَيْكِ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ ۲۴

نیز یہ کہ "مریم زکریاہ کی بیوی الیشبع کی رشتہ دار تھی" اور بشارت کے بعد اُس سے ملنے گئی (۱: ۳۹)

(۵) آیت (۱۶) میں مکاناً شرقیاً کا مطلب یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مریم میکل چھوڑ کر جہاں اُن کی پرورش ہوئی تھی، اپنے آبائی وطن ناصرہ میں چلی گئیں۔ یہ یروشلم کے شمال مشرق میں واقع ہے، اور باشندگان یروشلم کے لیے مشرق کا حکم رکھتا ہے۔ انجیل سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے کیونکہ وہ اس معاملہ کا محل وقوع ناصرہ ہی بتلاتے ہیں۔

(لوقا ۱: ۲۶)

چنگے آدمی کے روپ میں نمایاں ہوگیا۔ مریم اُسے دیکھ کر گھبرا گئی۔ وہ بولی "اگر تو نیک آدمی ہے، تو میں خدائے رحمان کے نام پر تجھ سے پناہ مانگتی ہوں!" ۱۷ ۱۸

فرشتہ نے کہا "میں تو تیرے پروردگار کا فرستادہ ہوں اور اس لیے خبردار ہوا ہوں کہ تجھے ایک پاک فرزند دیدوں"۔ ۱۹

مریم بولی "یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ میرے لڑکا ہو، حالانکہ کسی مرد نے مجھے چھوا نہیں اور نہ میں بدچلن ہوں!" ۲۰

فرشتہ نے کہا "ہوگا ایسا ہی۔ تیرے پروردگار نے فرمایا کہ یہ میرے لیے کچھ مشکل نہیں۔ وہ کہتا ہے۔ یہ اس لیے ہوگا کہ ہے لوگوں کے لیے ایک نشانی بنا دوں، اور میری رحمت کا اُس میں ظہور ہو۔ اور یہ ایسی بات ہے جس کا ہونا طے پا چکا!" ۲۱

پھر اُس ہونے والے فرزند کا حمل ٹھہر گیا۔ وہ (اپنی یہ حالت چھپانے کے لیے) لوگوں سے الگ ہو کر دور چلی گئی۔ ۲۲

(۶) آیت (۲۱) میں حضرت مسیح کی نسبت دو باتیں فرمائی ہیں ایۃ للناس و رحمۃ منا! ان دو لفظوں نے کس طرح ان کی شخصیت کی پوری تصویر نمایاں کر دی ہے؟ وہ اپنی ساری باتوں میں کرشمہ ساز قدرت کی ایک نشانی تھے۔ ان کے ظہور کے تمام سرانجام نوع انسانی کے لیے رحم و محبت کا پیام تھا!

گویا ان کی شخصیت کی پوری تاریخ ان دو لفظوں میں سمٹی ہوئی ہے ایۃ للناس و رحمۃ منا!

پھر اُسے دردِ زہ (کا اضطراب) کھجور کے ایک درخت کے نیچے لے گیا (وہ اُس کے تنہ کے سہارے بیٹھ گئی۔) اس نے کہا "کاش میں اِس سے پہلے مر چکی ہوتی۔ میری ہستی لوگ یک قلم بھول گئے ہوتے!" ۲۳

اُس وقت ایک پکارنے والے (فرشتہ) نے اُسے نیچے سے پکارا (یعنی نخلستان کے نشیب سے پکارا) "غمگین نہ ہو۔ تیرے پروردگار نے تیرے تلے ایک بڑی ہستی پیدا کر دی ہے[1]۔ تو کھجور کے درخت کا تنہ پکڑ کے اپنی طرف ہلا۔ تازہ اور پکے ہوئے ۲۴

[1] اصل میں "سریا" ہے۔ عربی میں "السری" جلیل الشان انسانوں کے لیے بولا جاتا ہے۔ من قولہم فلان سری ای عظیم ذو قوم (بقیہ بر صفحہ ۴۳۴)

قَالَ كَذٰلِكَ ۚ قَالَ رَبُّكَ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ وَّقَدْ خَلَقْتُكَ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ تَكُ شَيْـًٔا ۝ قَالَ رَبِّ اجْعَلْ ۹
لِّيْٓ اٰيَةً ۚ قَالَ اٰيَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَ لَيَالٍ سَوِيًّا ۝ فَخَرَجَ عَلٰى قَوْمِهٖ مِنَ الْمِحْرَابِ فَاَوْحٰٓى ۱۰
اِلَيْهِمْ اَنْ سَبِّحُوْا بُكْرَةً وَّعَشِيًّا ۝ يٰيَحْيٰى خُذِ الْكِتٰبَ بِقُوَّةٍ ۭ وَاٰتَيْنٰهُ الْحُكْمَ صَبِيًّا ۝ وَّحَنَانًا مِّنْ ۱۱ - ۱۲
لَّدُنَّا وَزَكٰوةً ۭ وَكَانَ تَقِيًّا ۝ وَّبَرًّۢا بِوَالِدَيْهِ وَلَمْ يَكُنْ جَبَّارًا عَصِيًّا ۝ وَسَلٰمٌ عَلَيْهِ يَوْمَ وُلِدَ وَيَوْمَ ۱۳ - ۱۴
يَمُوْتُ وَيَوْمَ يُبْعَثُ حَيًّا ۝ وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مَرْيَمَ ۘ اِذِ انْتَبَذَتْ مِنْ اَهْلِهَا مَكَانًا شَرْقِيًّا ۝ فَاتَّخَذَتْ مِنْ دُوْنِهِمْ ۱۵ ع ۱۵ - ۱۶

ارشاد ہوا "ایسا ہی ہوگا۔ تیرا پروردگار فرماتا ہے کہ

۹ ایسا کرنا میرے لئے کچھ مشکل نہیں ہیں نے اس سے پہلے خود تجھے پیدا کیا حالانکہ تیری ہستی کا نام و نشان نہ تھا۔"

اس پر زکریا نے عرض کیا "خدایا میرے لئے (اس بارے میں) ایک نشانی ٹھہرا دے۔"

۱۰ فرمایا تیری نشانی یہ ہے کہ تین رات لگاتار لوگوں سے بات نہ کر۔"

(۳) انجیل میں ہے زکریاہ نے کہا میں یہ بات کس طرح جانوں کیونکہ میں بوڑھا ہوں اور میری بیوی ماتھ ہے؟ جبرئیل نے کہا جس دن تک یہ باتیں واقع نہ ہولیں تو چپکا رہے گا اور بول نہ سکے گا ۔ ۔ جب زکریاہ باہر آیا تو وہ لوگوں سے اشارے کرتا تھا۔ بول نہیں سکتا تھا۔" لوقا ۱: ۱۸)

۱۱ قرآن نے یہ نہیں کہا ہے کہ حضرت زکریاہ گونگے ہو گئے تھے یہ یقیناً بعد کی تعبیرات ہیں جو رسماً پیدا ہو گئیں۔ صاف بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ حضرت زکریا کو روزہ رکھنے اور مشغول عبادت رہنے کا حکم ہوا، اور یہودیوں کے یہاں روزہ کے اعمال میں سے ایک عمل خاموشی بھی تھی۔

پھر وہ قربان گاہ سے نکلا اور اپنے لوگوں میں آیا (جو حسب معمول اس کا انتظار کر رہے تھے) اس نے (زبان نہ کھولی) اشارہ سے کہا "صبح شام خدا کی پاکی و جلال کی صدائیں بلند کرتے رہو!"

"اے یحییٰ! خدا کا حکم ہوا، کیونکہ وہ خوشخبری کے مطابق پیدا ہوا اور بڑھا" کتاب الٰہی کے پیچھے مضبوطی کے ساتھ لگ جا" چنانچہ وہ ابھی لڑکا ہی تھا کہ ہم نے اسے علم و فضیلت بخشدی۔ نیز اپنے فضل خاص سے دل کی نرمی اور نفس کی پاکی عطا فرمائی۔ وہ پرہیزگار اور ماں باپ کا خدمت گذار تھا۔ سخت گیر اور نافرمان نہ تھا۔ اس پر سلام ہو (یعنی سلامتی ہو) جس دن پیدا ہوا، اور جس دن مرا، اور جس دن پھر زندہ اٹھایا جائے گا۔

۱۲ چنانچہ حضرت یحییٰ پیدا ہوئے۔ لڑکپن ہی سے ان کی زندگی

۱۳ زہد و عبادت اور گوشہ نشینی و اعتکاف کی زندگی تھی۔

انجیل میں ہے کہ ان کی تمام ابتدائی زندگی صحرا میں بسر ہوئی

۱۴ پھر وہیں ان پر اللہ کا کلام نازل ہوا، تب انہوں نے دریائے یردن کے نواح میں توبہ و انابت کی منادی شروع کر دی، وہ پکارتے تھے کہ

۱۵ آنے والے وقت کے لئے تیار ہو جاؤ۔ (لوقا باب ۳)

اور (اے پیغمبر!) کتاب میں مریم کا معاملہ بیان کر۔ اس وقت کا معاملہ جب وہ ایک مکان میں کہ پورب

۱۶ (۴) انجیل میں ہے کہ مندرجہ صدر واقعہ کے چھ ماہ بعد جبرئیل مریم پر نمودار ہوا، جس کی منگنی یوسف نامی ایک نوجوان سے ہو چکی تھی، اور اس سے کہا "تو حاملہ ہوگی اور بیٹا جنے گی۔ اس کا نام یسوع رکھیو۔" (لوقا ۱: ۲۶)

کی طرف تھا، اپنے گھر کے آدمیوں سے الگ ہو گئی۔

پھر اس نے ان لوگوں کی طرف سے پردہ کر لیا پس ہم نے اس کی طرف اپنا فرشتہ بھیجا، اور وہ ایک بھلے

جَبَّارًا شَقِيًّا ۝ وَالسَّلٰمُ عَلَيَّ يَوْمَ وُلِدْتُّ وَيَوْمَ أَمُوْتُ وَيَوْمَ أُبْعَثُ حَيًّا ۝ ذٰلِكَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ ۚ ۳۳
قَوْلَ الْحَقِّ الَّذِيْ فِيْهِ يَمْتَرُوْنَ ۝ مَا كَانَ لِلّٰهِ أَنْ يَّتَّخِذَ مِنْ وَّلَدٍ ۙ سُبْحٰنَهٗ ۚ إِذَا قَضٰى أَمْرًا فَإِنَّمَا يَقُوْلُ ۳۴
لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ۝ وَإِنَّ اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ۚ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ۝ فَاخْتَلَفَ الْأَحْزَابُ ۳۵-۳۶
مِنْ بَيْنِهِمْ ۚ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ مَّشْهَدِ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ۝ أَسْمِعْ بِهِمْ وَأَبْصِرْ ۙ يَوْمَ يَأْتُوْنَنَا ۳۷
لٰكِنِ الظّٰلِمُوْنَ الْيَوْمَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝ وَأَنْذِرْهُمْ يَوْمَ الْحَسْرَةِ إِذْ قُضِيَ الْأَمْرُ ۘ وَهُمْ فِيْ غَفْلَةٍ ۳۸ رکوع
وَّهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝ إِنَّا نَحْنُ نَرِثُ الْأَرْضَ وَمَنْ ۳۹

(۹) آیت (۳۳) تک حضرت مسیح کے ظہور اور دعوت کا بیان تھا۔ اب فرمایا اس بارے میں قولِ حق صرف یہ ہے۔ اس سے زیادہ جو عیسائیوں نے کچھ بنا لیا، وہ محض گمراہی ہے۔ چنانچہ اس کے بعد عیسائیوں کی اس گمراہی کی طرف اشارہ کیا ہے کہ انہوں نے حضرت مسیح کو خدا کا بیٹا بنا لیا۔

سینٹ پال کی طرف اُلوہیت کی جو تعلیم منسوب ہے اس کی تمام تر بنیاد اس خیال پر رکھی گئی ہے کہ نوعِ انسانی کی سرشت میں گناہ ہے۔ پس اس کی نجات کے لیے ضروری تھا کہ کفارہ ہو۔ کفارہ کی یہی صورت ہو سکتی تھی کہ خدا کی معصب جسم ابن اللہ کی شکل میں اُتر آئے، اور اپنی قربانی کے خون سے اولادِ آدم کا گناہ دھو ڈالے۔ قرآن اس بنیادی تخیل کا رد کرتے ہوئے خدا کی بے نیازی اور قدوسیت کا بیان کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے تم نے خدا کو اتنا بے بس اور محتاج کیوں سمجھ لیا کہ جب تک ایک انسان کو اپنا بیٹا بنا کر سولی پر نہ چڑھا دے وہ اپنے بندوں کو نجات دینے کی راہ نہیں پا سکتا؟ یہ تو وہ کرے جو اپنے کاموں کی انجام دہی میں دوسروں کا محتاج ہو سکے۔ تم خود مانتے ہو کہ خدا محتاج نہیں ہو سکتا۔ صرف اُس کا چاہنا ہی کاموں کو انجام پا جانا ہے

یہ ہے مریم کے بیٹے عیسےٰ کی سرگزشت سچائی کی بات جس میں لوگ اختلاف کرنے لگے ہیں۔ ۳۴

اللہ کے لیے کبھی یہ بات نہیں ہو سکتی کہ کسی کو اپنا بیٹا بنائے۔ اُس کے لیے پاکی ہو۔ (وہ کیوں محتاج ہونے لگا کہ کسی فانی ہستی کو اپنا بیٹا بنائے؟) اُس کی شان تو یہ ہے کہ جب کوئی کام کرنے کا فیصلہ کر لیتا ہے۔ تو بس حکم کرتا ہے کہ ہو جا! اور اُس کا حکم کرنا ہی ہو جانا ہے! ۳۵

اور (مسیح کی تو ساری پکار یہ تھی!) بلاشبہ اللہ ہی میرا اور تمہارا سب کا پروردگار ہے پس اُسی کی بندگی کرو۔ یہی (سچائی کا) سیدھا راستہ ہے!" ۳۶

مگر پھر اس کے بعد مختلف فرقے آپس میں اختلاف کرنے لگے۔ تو جن لوگوں نے حقیقت حال سے انکار کیا، اُن کی حالت پر افسوس! اُس دن کے منظر پر افسوس جو آنے والا ہے، اور جو) بڑا ہی سخت دن ہوگا! ۳۷

جس دن یہ ہمارے حضور حاضر ہوں گے، اُس دن ان کے کان کیسے سننے والے اور ان کی آنکھیں کیسی دیکھنے والی ہوں گی۔ لیکن آج کے دن ظالموں کا کیا حال ہے؟ آشکارا گمراہی میں کھوئے ہوئے! ۳۸

اور (اے پیغمبر!) انہیں اُس (آنے والے) دن سے بھی خبردار کر دے جو پچھتانے کا دن ہوگا، اور جب ساری باتوں کا فیصلہ ہو جائے گا۔ اس وقت تو یہ لوگ غفلت میں پڑے ہیں اور (اس بات پر) یقین لانے والے نہیں۔ ۳۹

(۱۰) آیت (۳۷) اور (۳۸) میں قیامت کے دن کا ذکر ہو چکا ہے

ہم ہی زمین کے (بالآخر) وارث ہوں گے اور اُن تمام

۲۵ تُسٰقِطْ عَلَيْكِ رُطَبًا جَنِيًّا ۝ فَكُلِي وَاشْرَبِي وَقَرِّي عَيْنًا ۚ فَإِمَّا تَرَيِنَّ مِنَ الْبَشَرِ أَحَدًا ۙ فَقُولِي
۲۶ إِنِّي نَذَرْتُ لِلرَّحْمٰنِ صَوْمًا فَلَنْ أُكَلِّمَ الْيَوْمَ إِنْسِيًّا ۝ فَأَتَتْ بِهِ قَوْمَهَا تَحْمِلُهُ ۖ قَالُوا يٰمَرْيَمُ لَقَدْ
۲۷-۲۸ جِئْتِ شَيْئًا فَرِيًّا ۝ يٰٓأُخْتَ هٰرُونَ مَا كَانَ أَبُوكِ امْرَأَ سَوْءٍ وَمَا كَانَتْ أُمُّكِ بَغِيًّا ۝ فَأَشَارَتْ
۲۹-۳۰ إِلَيْهِ ۖ قَالُوا كَيْفَ نُكَلِّمُ مَنْ كَانَ فِي الْمَهْدِ صَبِيًّا ۝ قَالَ إِنِّي عَبْدُ اللّٰهِ ۖ آتَانِيَ الْكِتٰبَ وَجَعَلَنِي نَبِيًّا
۳۱ وَجَعَلَنِي مُبٰرَكًا أَيْنَ مَا كُنْتُ ۖ وَأَوْصٰنِي بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ مَا دُمْتُ حَيًّا ۝ وَبَرًّا بِوَالِدَتِي وَلَمْ يَجْعَلْنِي

۲۵ پھلوں کے خوشے تجھ پر گرنے لگیں گے۔ کھا پی، (اپنے بچے کے نظارہ سے) آنکھیں ٹھنڈی کر اور سارا غم و ہراس بھول
جا)۔ پھر اگر کوئی آدمی نظر آجائے (اور پوچھ گچھ کرنے لگے) تو (اشارہ سے) کہہ دے میں نے خدائے رحمان کے حضور روزہ
۲۶ کی منت مان رکھی ہے۔ میں آج کسی آدمی سے بات چیت نہیں کر سکتی۔"

(۷) آیت (۲۶) سے واضح ہو گیا کہ ایک طرح کا یہودی روزہ یہ بھی تھا کہ آدمی خاموش رہے۔ چنانچہ حضرت زکریا کو بھی ایسا ہی روزہ رکھنے کا حکم ہوا تھا۔

۲۷ یہودیوں کے یہاں روزہ کی یہ صورت اب بھی تسلیم کی جاتی ہے۔

(۸) آیت (۲۸) میں "اُختِ ہارون" سے مقصود حضرت مریم کا ایک رشتہ دار ہے جو نہایت پارسا شخص تھا۔ اس لیے ملامت کرنے والوں
۲۸ نے اس کی طرف نسبت دے کے ملامت کی۔ مسلم و ترمذی کی حدیث مغیرہ بن شعبہ میں یہ تفسیر خود آنحضرت سے منقول ہے۔

پھر ایسا ہوا کہ وہ لڑکے کو ساتھ لے کر اپنی قوم کے پاس آئی۔ لڑکا اُس کی گود میں تھا۔ لوگ (دیکھتے ہی) بول اُٹھے "مریم! تو نے بڑی ہی عجیب بات کر دکھائی۔ اے ہارون کی بہن! نہ تو تیرا باپ بُرا آدمی تھا۔ نہ تیری ماں بدچلن تھی" (یہ تو کیا کر بیٹھی!)

اس پر مریم نے لڑکے کی طرف اشارہ کیا (کہ یہ تمہیں
۲۹ بتلا دے گا، حقیقت کیا ہے) لوگوں نے کہا "بھلا اس سے ہم کیا بات کریں جو ابھی گود میں بیٹھنے والا بچہ ہے"۔

۳۰ (مگر) لڑکا بول اُٹھا "میں اللہ کا بندہ ہوں۔ اُس نے مجھے کتاب دی اور نبی بنایا۔ اُس نے مجھے بابرکت کیا، خواہ میں
۳۱ کسی جگہ ہوں۔ اُس نے مجھے نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیا، کہ جب تک زندہ رہوں، یہی میرا شعار ہو۔ اس نے مجھے اپنی ماں کا خدمت
۳۲ گزار بنایا۔ ایسا نہیں کیا کہ خود سر اور نافرمان ہوتا۔ مجھ پر اُس کی طرف سے سلامتی کا پیام ہے جس دن پیدا ہوا جس دن
۳۳ مروں گا، اور جس دن (پھر) زندہ اُٹھایا جاؤں گا!"

(بقیہ نوٹ صفحہ گذشتہ)

سواۃ - اے عظامر (ابن سیدہ) لیکن چونکہ "سریا" کے ایک معنے چھوٹی نہر کے بھی ہیں، اس لیے عام طور پر یہاں سریا کا ترجمہ نہر اور چشمہ کیا گیا ہے۔ ہمارے پہلے مطلب کو ترجیح دی کیونکہ محل بیان کا مقتضیٰ ایسے ہی کوئی بات چاہتا ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ حضرت مریم کا غم پانی نہ ملنے کی وجہ سے نہ تھا اُس حالت کی وجہ سے تھا جس میں مبتلا ہو گئی تھیں۔ پس فرشتہ کا یہ کہنا کہ غمگین نہ ہو۔ تیرے لیے ایک نہر جاری کر دی ہے" بالکل بے معنی ہو جاتا ہے۔ جب پانی کا فقدان غم کا سبب ہی نہ تھا تو اس کی موجودگی کیوں دور کر سکتی ہے؟ البتہ جو سبب ہم نے اختیار کیا ہے، اس سے جو تسکین بالکل واضح ہو جاتی ہے یعنی غمگین نہ ہو تیری گود میں ایک عظیم انسان پیدا کر دیا گیا ہے۔

ائمہ تابعین میں سے ایک جماعت نے یہی تفسیر اختیار کی ہے

(فتح القدیر جلد سوم صفحہ ۳۲۰)

رَبِّیْ ۚ اِنَّهٗ كَانَ بِیْ حَفِیًّا ۝ وَاَعْتَزِلُكُمْ وَمَا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَاَدْعُوْا رَبِّیْ ۖ عَسٰۤی اَلَّاۤ اَكُوْنَ ۴۷
بِدُعَآءِ رَبِّیْ شَقِیًّا ۝ فَلَمَّا اعْتَزَلَهُمْ وَمَا یَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۙ وَهَبْنَا لَهٗۤ اِسْحٰقَ وَیَعْقُوْبَ ۖ وَكُلًّا ۴۸
جَعَلْنَا نَبِیًّا ۝ وَوَهَبْنَا لَهُمْ مِّنْ رَّحْمَتِنَا وَجَعَلْنَا لَهُمْ لِسَانَ صِدْقٍ عَلِیًّا ۝ وَاذْكُرْ فِی الْكِتٰبِ مُوْسٰۤی ۴۹ ع ۵۰
اِنَّهٗ كَانَ مُخْلَصًا وَّكَانَ رَسُوْلًا نَّبِیًّا ۝ وَنَادَیْنٰهُ مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ الْاَیْمَنِ وَقَرَّبْنٰهُ نَجِیًّا ۝ وَوَهَبْنَا ۵۱ - ۵۲
لَهٗ مِنْ رَّحْمَتِنَاۤ اَخَاهُ هٰرُوْنَ نَبِیًّا ۝ وَاذْكُرْ فِی الْكِتٰبِ اِسْمٰعِیْلَ ۚ اِنَّهٗ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ وَكَانَ ۵۳
رَسُوْلًا نَّبِیًّا ۝ وَكَانَ یَاْمُرُ اَهْلَهٗ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ وَكَانَ عِنْدَ رَبِّهٖ مَرْضِیًّا ۝ وَاذْكُرْ فِی الْكِتٰبِ ۵۴ - ۵۵
اِدْرِیْسَ ۚ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّیْقًا نَّبِیًّا ۝ وَّرَفَعْنٰهُ مَكَانًا عَلِیًّا ۝ اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ مِّنَ النَّبِیّٖنَ ۵۶ - ۵۷

دعا کروں گا وہ مجھ پر بڑا ہی مہربان ہے۔ میں نے تم سب کو چھوڑا، اور انہیں بھی جنہیں تم اللہ کے سوا پکارا کرتے ہو۔ میں اپنے ۴۷
پروردگار کو پکارتا ہوں۔ امید ہے اپنے پروردگار کو پکار کے میں محروم ثابت نہیں ہونگا!" ۴۸

پھر جب ابراہیم ان لوگوں سے اور اُن سب سے جن کی اللہ کے سوا پوجا کرتے تھے، الگ ہو گیا، تو ہم نے اُس کی نسل میں برکت دی، اور) اُسے اسحٰق اور (اسحاق کا بیٹا) یعقوب عطا فرمایا۔ ان میں سے ہر ایک کو ہم نے نبوت دی تھی، اور اپنی رحمت کی بخشش سے سرفراز کیا تھا۔ نیز ان سب کے لیے سچائی کی صدائیں بلند کر دیں (جو کبھی خاموش ہونے والی ۴۹
نہیں!) ۵۰

اور (اے پیغمبر!) کتاب میں موسیٰ کا ذکر کر۔ بلاشبہ وہ ایک بندۂ خاص اور فرستادۂ نبی تھا۔ ۵۱

ہم نے اُسے کوہِ طور کی دہنی جانب سے پکارا، اور (وحی کی) سرگوشیوں کے لیے اپنے سے قریب کیا۔ نیز اپنی ۵۲
رحمت سے (رفاقت و مددگاری کے لیے) ہارون عطا فرمایا کہ اس کا بھائی تھا اور نبی تھا۔ ۵۳

اور (اے پیغمبر!) الکتاب میں (یعنے قرآن میں) اسماعیل کا ذکر کر۔ بلاشبہ وہ اپنے قول کا سچا تھا، اور (اللہ کا) فرستادہ ۵۴
نبی تھا۔ وہ اپنے گھر کے لوگوں کو نماز اور روزہ کا حکم دیتا تھا اور وہ (اپنی ساری باتوں میں) اپنے پروردگار کے حضور پسندیدہ تھا۔ ۵۵

اور (اے پیغمبر!) کتاب میں ادریس کا بھی ذکر کر۔ بلاشبہ وہ بھی سچائی مجسم اور نبی تھا، اور ہم نے اُسے بڑی ہی اونچے مقام ۵۶
تک پہنچا دیا تھا! ۵۷

یہ ہیں وہ لوگ جو اُن نبیوں میں سے ہیں جن پر اللہ نے انعام کیا۔ آدم کی نسل میں سے، اور اُن کی نسل سے جنہیں

(۱۱) اس کے بعد آیت (۴۱ سے ۵۷) تک حضرت ابراہیم، اسحٰق، یعقوب، موسیٰ، ہارون، اسماعیل، اور ادریس (علیہم السلام) کی نبوتوں کی طرف اشارہ کیا ہے، اور پھر آیت (۵۸) میں اس تمام تذکرہ کا نتیجہ نکالا ہے۔

حضرت ابراہیم کی زندگی کا جو واقعہ بیان کیا گیا ہے، زیادہ تفصیل کے ساتھ سورۂ انعام کی آیت ۷۴ میں گزر چکا ہے، اور آئندہ سورتوں میں بھی آئے گا۔ ماحصل اس کا یہ ہے کہ اُور کے تمام باشندوں کی طرح اُن کا چچا بھی بت پرست تھا۔ اس نے غیظ و غضب میں آ کے انہیں نکال دیا۔ اُنہوں نے بھی راہِ حق میں تمام ملک و دولت سے کنارہ کشی کر لی، اور کنعان آ کر مقیم ہو گئے۔ پھر اللہ نے اُن کی نسل میں برکت دی اور اسرائیلی اور اسماعیلی سلسلوں کے بانی ہوئے۔

جزیرہ نمائے سینا کے دہنی جانب عرب ہے۔ بائیں جانب مصر ہے

عَلَيْهَا وَإِلَيْنَا يُرْجَعُونَ ۝ وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ إِبْرَاهِيمَ ۚ إِنَّهُ كَانَ صِدِّيقًا نَّبِيًّا ۝ إِذْ قَالَ لِأَبِيهِ يَا أَبَتِ
لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا يَسْمَعُ وَلَا يُبْصِرُ وَلَا يُغْنِي عَنكَ شَيْئًا ۝ يَا أَبَتِ إِنِّي قَدْ جَاءَنِي مِنَ الْعِلْمِ مَا لَمْ يَأْتِكَ
فَاتَّبِعْنِي أَهْدِكَ صِرَاطًا سَوِيًّا ۝ يَا أَبَتِ لَا تَعْبُدِ الشَّيْطَانَ ۖ إِنَّ الشَّيْطَانَ كَانَ لِلرَّحْمَٰنِ عَصِيًّا ۝
يَا أَبَتِ إِنِّي أَخَافُ أَن يَمَسَّكَ عَذَابٌ مِّنَ الرَّحْمَٰنِ فَتَكُونَ لِلشَّيْطَانِ وَلِيًّا ۝ قَالَ أَرَاغِبٌ أَنتَ
عَنْ آلِهَتِي يَا إِبْرَاهِيمُ ۖ لَئِن لَّمْ تَنتَهِ لَأَرْجُمَنَّكَ وَاهْجُرْنِي مَلِيًّا ۝ قَالَ سَلَامٌ عَلَيْكَ ۖ سَأَسْتَغْفِرُ لَكَ

من مشهد یوم عظیم اور یوم یاتوننا۔ اسی کے بعد (۳۹) میں فرمایا
وانذرھم یوم الحسرۃ " اور انہیں یوم الحسرت کے دن سے بھی
خبردار کردے " اس سے معلوم ہوا کہ اس " یوم الحسرت " سے مقصود قیامت کا
دن نہیں ہے۔ یہ کوئی دوسرا آنے والا دن ہے۔ چنانچہ بعد کی آیت نے اس
دن کی تعیین ظاہر کردی ہے۔

یہ کون سا دن تھا؟ یقیناً کوئی ایسا دن جو عیسائیوں کو عنقریب
پیش آنے والا تھا اور جس میں اُن کے لیے بڑی ہی حسرت و مایوسی تھی!

چنانچہ سورۂ مریم کے نزول پر ابھی پچیس برس بھی نہیں گزرے تھے
کہ یہ دن نمودار ہوگیا، اور تمام عیسائی دنیا یہ سُن کر ششدر رہ گئی کہ مسیحیت کا مرکز
مقام اور قبلہ و مرکز اب چاک اُس کے ہاتھوں سے نکل کر ایک نئی قوم کے ہاتھوں
میں چلا گیا ہے، مشہور مورخ گبن کے لفظوں میں " تمام مسیحی دنیا پر سکتہ
کی حالت طاری ہوگئی۔ کیونکہ مسیحیت کی اس سے بڑی توہین کوئی نہ تو
مذہب کا کوئی متوقع معجزہ روک سکا۔ نہ بازنطینی شہنشاہی کا لشکرِ
جرار "

پھر یہ صرف بیت المقدس ہی کی فتح نہ تھی، تمام ایشیا اور افریقہ
میں مسیحی فرمانروائی کا خاتمہ تھا۔ ہرقل (بیزنطینی) کے یہ الفاظ جو اس نے
تخت پر جما پر لبنان کی چوٹیوں کو مخاطب کر کے کہے تھے، آج تک،
سورخوں کی زبانوں پر ہیں " الوداع سرزمینِ شام! ہمیشہ کے لیے الوداع! "

عور کرو، کیا یہ دن اپنے کامل معنوں میں مسیحیت کے لیے یوم الحسرۃ
نہ تھا؟ -

پھر آیت کے اس ٹکڑے پر غور کرو کہ وھم فی غفلۃ وھم لا
یومنون۔ اے میرا یہ لوگ اس وقت اپنی کامرانیوں کی غفلت میں مرتا
ہیں یقین کرنے والے نہیں۔ تاہم تم اعلان کردو۔ نیز لفظ کی آیت کہ
انا نحن نرث الارض ومن علیہا کس طرح یہ تمام مطلب آشکارا
کر رہی ہے؟

افسوس ہمارے مفسروں کو اس عالم کی خبر ہی نہیں۔ وہ جہاں
" یوم " کا لفظ دیکھتے ہیں، جھٹ اسے یوم القیامۃ سمجھ لیتے ہیں!

لوگوں کے بھی جو زمین پر بسے ہوئے ہیں، اور ہماری ہی طرف
سب کو لوٹ کر آنا ہے!

اور (اے پیغمبر!) الکتاب میں ابراہیم کا ذکر کر یقیناً
وہ مجسم سچائی تھا اور اللہ کا نبی تھا۔

اُس وقت کا ذکر جب اُس نے اپنے باپ سے کہا
" اے میرے باپ! تو کیوں ایک ایسی چیز کی پوجا کرتا ہے جو نہ
تو سنتی ہے، نہ دیکھتی ہے، نہ تیرے کسی کام آسکتی ہے؟
اے میرے باپ! میں سچ کہتا ہوں، علم کی ایک روشنی مجھے
مل گئی ہے جو تجھے نہیں ملی۔ پس میرے پیچھے چل، میں تجھے
سیدھی راہ دکھاؤں گا۔ اے میرے باپ! شیطان کی بندگی
نہ کر، شیطان تو خدائے رحمان سے نافرمان ہوچکا۔ اے
میرے باپ! میں ڈرتا ہوں، کہیں ایسا نہ ہو، خدائے
رحمان کی طرف سے کوئی عذاب تجھے آلگے اور تو شیطان
کا ساتھی ہو جائے! "

باپ نے (یہ باتیں سُن کر) کہا " ابراہیم! کیا تو میرے
معبودوں سے پھر گیا ہے؟ یاد رکھ اگر تو ایسی باتوں سے
باز نہ آیا تو تجھے سنگسار کر کے چھوڑوں گا۔ اپنی خیر چاہتا ہے تو
جان سلامت لے کر مجھ سے الگ ہو جا "

ابراہیم نے کہا " اچھا، میرا اسلام قبول ہو۔ (میں الگ
ہو جاتا ہوں) اب میں اپنے پروردگار سے تیری بخشش کی

مَنْ كَانَ تَقِيًّا ۝ وَمَا نَتَنَزَّلُ إِلَّا بِأَمْرِ رَبِّكَ ۖ لَهُ مَا بَيْنَ أَيْدِينَا وَمَا خَلْفَنَا وَمَا بَيْنَ ذَٰلِكَ ۚ وَمَا كَانَ ٦٣
رَبُّكَ نَسِيًّا ۝ رَبُّ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا فَاعْبُدْهُ وَاصْطَبِرْ لِعِبَادَتِهِ ۚ هَلْ تَعْلَمُ لَهُ سَمِيًّا ۝ ٦٤-٦٥ ع
وَيَقُولُ الْإِنْسَانُ أَإِذَا مَا مِتُّ لَسَوْفَ أُخْرَجُ حَيًّا ۝ أَوَلَا يَذْكُرُ الْإِنْسَانُ أَنَّا خَلَقْنَاهُ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ ٦٦
يَكُ شَيْئًا ۝ فَوَرَبِّكَ لَنَحْشُرَنَّهُمْ وَالشَّيَاطِينَ ثُمَّ لَنُحْضِرَنَّهُمْ حَوْلَ جَهَنَّمَ جِثِيًّا ۝ ثُمَّ لَنَنْزِعَنَّ مِنْ ٦٨-٦٧
كُلِّ شِيعَةٍ أَيُّهُمْ أَشَدُّ عَلَى الرَّحْمَٰنِ عِتِيًّا ۝ ثُمَّ لَنَحْنُ أَعْلَمُ بِالَّذِينَ هُمْ أَوْلَىٰ بِهَا صِلِيًّا ۝ وَإِنْ مِنْكُمْ إِلَّا وَارِدُهَا ٧٠-٦٩

ذہنی زندگی کی ساری بنیادیں ہل گئیں۔

اور فرشتے جنتی سے کہیں گے:) ہم (تمہارے پاس) نہیں آتے مگر تمہارے پروردگار کے حکم سے، جو کچھ ہمارے سامنے ہے، جو کچھ ہمارے پیچھے گزر چکا ہے، اور جو کچھ ان دونوں وقتوں کے درمیان ہوا، سب اُسی کے حکم سے ہے۔ اور تمہارا پروردگار ایسا نہیں کہ بھول جانے والا ہو!

آسمان اور زمین کا پروردگار، اور اُن سب کا پروردگار جو آسمان و زمین میں ہیں، سو (اے پیغمبر!) اُسی کی بندگی کر، اور اُس کی بندگی کی راہ میں جو کچھ پیش آئے برداشت کرتا رہ۔ کیا تیرے جاننے کوئی دوسرا بھی اس کا ہم نام ہے؟ (یعنی اُس جیسا ہے؟)

اور (حقیقت سے غافل) انسان کہتا ہے "جب میں مر گیا، تو پھر کیا ایسا ہونے والا ہے کہ زندہ اُٹھایا جاؤں؟" (افسوس اس پر!) کیا انسان کو یہ بات یاد نہ رہی کہ ہم اُسے پہلے پیدا کر چکے ہیں حالانکہ وہ کچھ بھی نہ تھا؟

سو (اے پیغمبر!) تیرا پروردگار شاہد ہے کہ ہم ان سب کو اور ان کے ساتھ سارے شیطانوں کو ضرور اکٹھا کریں گے پھر ان سب کو دوزخ کے گرد حاضر ہونے کا حکم دیں گے (اور انہیں) پر گرے ہوئے!

پھر ہر گروہ میں سے اُن لوگوں کو (چن چن کر) الگ کر لیں گے جو زیادہ سرکش تھے، اور پھر یہ بات بھی ہم ہی جاننے والے ہیں کہ کون دوزخ میں جانے کا زیادہ سزاوار ہے۔

اور (یاد رکھو) تم میں کوئی نہیں جو اس منزل سے

(۱۳) آیت (٦٢) میں فرمایا تھا کہ جنت کی زندگی سلامتی اور طہارت کی زندگی ہوگی۔ وہاں (سلام کی صداؤں کے سوا اور کوئی صدا سننے میں نہیں آئے گی۔ پھر آیت (٦٤) میں فرمایا جنتیوں پر فرشتوں کا رسول ہوگا جو سلامتی کا پیام پہنچائیں گے۔ وہ کہیں گے تمہارا پروردگار بھول جانے والا نہ تھا۔ دیکھ لو جو کچھ تم نے دنیا میں کیا تھا آج اس کے نتائج تمہارے سامنے ہیں، اور وہ الٰہی فطرت کے قانون سے کوئی جھوٹے سے چھوٹا عمل نہیں بھلایا ہے!

وما کان ربک نسیا کی حقیقت پر غور کرو۔ علم و قدرت کے جو ازلی قوانین ہمیں چاروں طرف سے گھیرے ہوئے ہیں، اُن کا حافظہ کیسا اٹل اور اُن کا حساب و کتاب کیسا بے لاگ ہے! کیا ممکن ہے کہ ایک پل کے لیے بھی اُن پر سہو و نسیان طاری ہو جائے؟

(۱۴) آیت (٦٥) میں خطاب پیغمبر اسلام اور ان کے ساتھیوں

لہ اس ترجمہ پر یہ شبہ وارد نہ ہو کہ حضرت ابن عباس نے روایت مندرجۂ بخاری میں اس قول کا مخاطب خود آنحضرت کو قرار دیا ہے۔ اس میں صرف یہ ہے کہ ایک مرتبہ آپ نے وحی کے جوش طلب میں مزید تنزیل کی خواہش ظاہر کی تھی۔ اس پر یہ جواب ملا۔ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ آیت کا ابتدائی شانِ نزول یہی ہو۔ چونکہ آیت میں یہ بات کہی گئی ہے کہ ملائکہ کا ورود بغیر حکم الٰہی کے نہیں ہو سکتا، اس لیے جب آنحضرت نے مزید تنزیل کا جوش ظاہر فرمایا، تو جواب میں یہی آیت دہرائی گئی۔

مِنْ ذُرِّيَّةِ اٰدَمَ وَمِمَّنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوْحٍ وَّمِنْ ذُرِّيَّةِ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْرَآءِيْلَ وَمِمَّنْ هَدَيْنَا وَاجْتَبَيْنَا ۚ
اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُ الرَّحْمٰنِ خَرُّوْا سُجَّدًا وَّبُكِيًّا ۝ فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ وَ
اتَّبَعُوا الشَّهَوٰتِ فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا ۝ اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ
وَلَا يُظْلَمُوْنَ شَيْـًٔا ۝ جَنّٰتِ عَدْنِ ِالَّتِيْ وَعَدَ الرَّحْمٰنُ عِبَادَهٗ بِالْغَيْبِ ۭ اِنَّهٗ كَانَ وَعْدُهٗ مَاْتِيًّا ۝ لَا
يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا اِلَّا سَلٰمًا ۭ وَلَهُمْ رِزْقُهُمْ فِيْهَا بُكْرَةً وَّعَشِيًّا ۝ تِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِيْ نُوْرِثُ مِنْ عِبَادِنَا

۵۸ ہم نے نوح کے ساتھ (کشتی میں) سوار کیا تھا، نیز ابراہیم اور اسرائیل (یعنی یعقوب) کی نسل سے، اور اُن گروہوں میں سے جنہیں ہم نے راہِ راست دکھائی اور (کامرانیوں کے لیے) منتخب کر لیا۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ جب خدائے رحمان کی آیتیں انہیں سنائی جاتی تھیں تو بے اختیار سجدے میں گر جاتے تھے اور اُن کی آنکھیں اشک بار ہو جاتی تھیں!

۵۹ لیکن پھر ان کے بعد ایسے ناخلف اُن کے جانشین ہوئے، جنہوں نے نماز (کی حقیقت) کھو دی اور اپنی نفسانی خواہشوں کے پیچھے پڑ گئے۔ سو قریب ہے کہ ان کی سرکشی اُن کے آگے آئے!

۶۰-۶۱ ہاں جو کوئی باز آ گیا، ایمان لایا، اور نیک عملی میں لگ گیا، تو بلاشبہ ایسے لوگوں کے لیے کوئی کھٹکا نہیں۔ وہ جنت میں داخل ہوں گے۔ اُن کے حقوق میں ذرا بھی نا انصافی نہ ہو گی۔

۶۲ ہمیشگی کی جنت جس کا اپنے بندوں سے خدائے رحمان نے وعدہ کر رکھا ہے۔ اور وعدہ ایک غیبی بات کا ہے (جسے وہ اس زندگی میں محسوس نہیں کر سکتے۔ مگر) یقیناً اس کا وعدہ ایسا ہے جیسے ایک بات وقوع میں آ گئی!

اُس زندگی میں کوئی ناشائستہ بات اُن کے کانوں میں نہیں پڑے گی۔ جو کچھ سنیں گے وہ سلامتی ہی کی صدا ہو گی

۶۳ وہاں صبح و شام اُن کا رزق اُن کے لیے برابر مہیا رہے گا!

سو (دیکھو) یہ جنت ہے جس کا ہم اُسے وارث کر دیتے ہیں، جو ہمارے بندوں میں سے متقی[1] ہوتا ہے!

---

(۱۲) آیت (۵۸) اور اس کے بعد کی آیتیں اِس تذکرہ کا خلاصہ ہیں۔ فرمایا، ان تمام نبیوں نے خدا پرستی اور نیک عملی کی دعوت دی تھی وہ ان میں سے تھے جن پر خدا کا انعام ہوا اور کامیابیوں کے لیے چن لیے گئے لیکن ان کے بعد ایسے لوگ پیدا ہو گئے جنہوں نے حقیقت ضائع کر دی اور اپنی خواہشوں کے پرستار ہو گئے۔ اب اُن کے نام لیواؤں کے جتنے گروہ ہیں، سب کا یہی حال ہے، اور سب کو اپنی بدعملیوں کا نتیجہ بھگتنا ہے۔ ہاں، جو گمراہیوں سے باز آ جائیں گے اور دعوتِ حق پر عمل کریں گے اُن پر ہر طرح کی کامرانیوں کی راہ کھل جائے گی۔ اُسی طرح جس طرح پہلے کھل چکی ہے۔

آیت (۵۹) میں پچھلوں کی گمراہی بیان کرتے ہوئے صرف اضاعوا الصلوٰۃ و اتبعوا الشہوات فرمایا۔ اِس سے معلوم ہوا کہ نماز یعنی عبادت جوہرِ ایمان ہے۔ اس کی حقیقت گئی تو سب کچھ چلا گیا۔

در اصل ایک خدا پرست اور ایک غیر خدا پرست میں عملی امتیاز اس کے سوا کچھ نہیں ہوتا کہ پہلا کسی کی بندگی میں لگا رہتا اور کسی کو پکارتا رہتا ہے۔ دوسرا اِس سے بے پروا رہتا ہے۔ اِسی لیے دعا اور عبادت ایمان باللہ کی اصلی علامت ہوئی اور اسی لیے تمام مذہب نے اِسی عمل پر مذہبی زندگی کی ساری عمارتیں اٹھائیں۔ جونہی یہ عمل بگڑا

---

[1] متقی کے معنی سورۃ بقر کے نوٹ ۱۰ (۲) میں دیکھئے۔

مَرَدًّا ۝ أَفَرَءَيْتَ الَّذِي كَفَرَ بِـَٔايَٰتِنَا وَقَالَ لَأُوتَيَنَّ مَالًا وَوَلَدًا ۝ أَطَّلَعَ الْغَيْبَ أَمِ اتَّخَذَ عِندَ
الرَّحْمَٰنِ عَهْدًا ۝ كَلَّا ۚ سَنَكْتُبُ مَا يَقُولُ وَنَمُدُّ لَهُ مِنَ الْعَذَابِ مَدًّا ۝ وَنَرِثُهُ مَا يَقُولُ وَيَأْتِينَا
فَرْدًا ۝ وَاتَّخَذُوا مِن دُونِ اللَّهِ ءَالِهَةً لِّيَكُونُوا لَهُمْ عِزًّا ۝ كَلَّا ۚ سَيَكْفُرُونَ بِعِبَادَتِهِمْ وَ
يَكُونُونَ عَلَيْهِمْ ضِدًّا ۝ أَلَمْ تَرَ أَنَّا أَرْسَلْنَا الشَّيَٰطِينَ عَلَى الْكَٰفِرِينَ تَؤُزُّهُمْ أَزًّا ۝ فَلَا تَعْجَلْ
عَلَيْهِمْ ۖ إِنَّمَا نَعُدُّ لَهُمْ عَدًّا ۝

۷۶ - ۷۷
۷۸ - ۷۹
۸۰ - ۸۱
۸۲ - ۸۳ ع
۸۴

راہ دے گی لیکن فوراً منزل مقصود پر نہیں پہنچ جائے گا۔ درجہ بدرجہ رہنمائی پائے گا۔ یہاں اچھائی اور برائی دونوں کے لئے تدریج و امہال کا قانون کام کر رہا ہے۔ پس ایک خاص وقت کی حالت دیکھ کر مغرور نہیں ہونا چاہئے۔ ظہور نتائج کا انتظار کرنا چاہئے۔

تفصیل کے لئے تفسیر فاتحہ میں "قانونِ امہال" کا مبحث پڑھنا چاہئے۔ یہ مقام مہمات معارف میں سے ہے۔

حضور تو باقی رہنے والی نیکیاں ہی بہتر ہیں۔ ثواب کے اعتبار سے بھی اور نتیجہ کے اعتبار سے بھی۔ ۷۶

(اے پیغمبر!) تو نے دیکھا، اس آدمی کا کیا حال ہے جس نے ہماری آیتوں سے انکار کیا اور کہا "خدا کی قسم! میں ضرور مال و دولت پاؤں گا۔ میں ضرور صاحب اولاد ہوں گا"۔ ۷۷

وہ جو ایسا کہتا ہے تو کیا اس نے غیب کو جھانک کے دیکھ لیا ہے؟ یا خدا سے کوئی عہد لے لیا ہے کہ اسے ایسا کرنا ہی پڑے گا"۔

ہرگز نہیں (ایسا کبھی نہیں ہو سکتا) اچھا وہ جو کچھ کہتا ہے ہم اسے لکھ لیں گے (یعنی اس کی یہ بات بھلائی نہیں جائے گی اس کے آگے آئے گی) اور اس کے عذاب کی رسی لمبی کرتے جائیں گے یہ جس مال و اولاد کا دعویٰ کرتا ہے اگر اُسے یہیں بھی آجائے، تو بالآخر ہمارے ہی قبضہ میں آئے گا، اور اسے تو ہمارے سامنے تن تنہا حاضر ہونا ہے!

(۱۷) آیت ۷۷ میں انسان کی غفلت اور سرکشی کی اس حالت کی طرف اشارہ کیا ہے جبکہ وہ اپنی عارضی خوشحالیوں کے نشہ میں یہ سمجھنے لگتا ہے، ہر طرح کی خوش حالیاں میرے ہی حصہ میں آنے والی ہیں اور بھول جاتا ہے کہ زندگی اور زندگی کے حوادث کا ایک پل بھی اس کے اختیار میں نہیں!

یہاں فرمایا، کیا اس سرکش نے غیب کی باتیں دیکھ لی ہیں! یا خدا سے کوئی پٹہ لکھوا لیا ہے؟ اگر ایسا نہیں ہے تو پھر کیا ہے جو پھولا بیٹھا ہے؟

(۱۸) آیت ۸۴ کے چند لفظوں نے جزاء عمل کے قانون کی ساری حقیقت کس طرح واضح کر دی ہے؟ فرمایا فلا تعجل علیھم انما نعد لھم عدا۔ جلدی نہ کر یہ دیر صرف اس لئے ہے کہ ان کے دن گنے جا رہے ہیں یعنی ہر حالت کی تکمیل و ظہور کے لئے ایک مقررہ مدت ہے اور نتائج عمل کا قانون بھی اس سے باہر نہیں۔ کھٹکا یہ کو جو ڈھیل دی

اور ان لوگوں نے اللہ کے سوا دوسروں کو معبود بنا لیا ہے کہ ان کے مددگار ہوں لیکن ہرگز ایسا ہونے والا نہیں وہ (قیامت کے دن) ان کی بندگی سے صاف انکار کر جائینگے۔ وہ الٹے ان کے مخالف ہونگے! ۸۱ ۸۲

(اے پیغمبر!) کیا تو نے نہیں دیکھا کہ ہم نے شیطانوں کو کافروں پر چھوڑ رکھا ہے وہ انہیں برابر اکساتے رہتے ہیں! ۸۳

پس تو ان کے بارے میں جلدی نہ کر۔ (فیصلۂ امر میں جو دیر ہو رہی ہے تو یہ صرف اس لئے ہے کہ ہم ان کے دن گن رہے ہیں (قریب ہے کہ مقرر وقت ظہور میں آجائے) ۸۴

كَانَ عَلٰى رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِيًّا ۝ ثُمَّ نُنَجِّي الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّنَذَرُ الظّٰلِمِيْنَ فِيْهَا جِثِيًّا ۝ وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ
اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَيُّ الْفَرِيْقَيْنِ خَيْرٌ مَّقَامًا وَّاَحْسَنُ نَدِيًّا ۝ وَكَمْ
اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ هُمْ اَحْسَنُ اَثَاثًا وَّرِءْيًا ۝ قُلْ مَنْ كَانَ فِي الضَّلٰلَةِ فَلْيَمْدُدْ لَهُ الرَّحْمٰنُ مَدًّا ۚ
حَتّٰٓى اِذَا رَاَوْا مَا يُوْعَدُوْنَ اِمَّا الْعَذَابَ وَاِمَّا السَّاعَةَ فَسَيَعْلَمُوْنَ مَنْ هُوَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّاَضْعَفُ
جُنْدًا ۝ وَيَزِيْدُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اهْتَدَوْا هُدًى ۗ وَالْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ

۷۱-۷۲ ۷۳ ۷۴ ۷۵

ہے ہے۔ (فرمایا وہ باتوں میں لگے رہو۔ ساری کامیابیاں انہی سے ملیں گی، اُس کی عبادت کرو۔ اس کی عبادت کی راہ میں جتنی بھی مشکلات پیش آئیں جھیلتے رہو۔

۷۱ گزرنے والا نہ ہو۔ ایسا کرنا تمہارے پروردگار نے ضروری ٹھہرالیا۔ یہ ایک طے شدہ فیصلہ ہے!

پھر ہم ایسا کریں گے کہ جو متقی ہیں، انہیں نجات دیدیں

۷۲ جو ظالم ہیں انہیں دوزخ میں چھوڑ دیں۔ گھٹنوں کے بل گرے ہوئے!

(۱۵) آیت (۷۱) میں "وان منکم الا واردھا" کا خطاب تمام نوعِ انسانی سے نہیں ہے، بلکہ ان منکرینِ حق سے ہے جن کا ذکر پہلے سے چلا آتا ہے، اور جن کی نسبت پچھلی آیت میں فرمایا "الذین ھم اولی بھا صلیا" اور اسی لیے اس زور و جزم کے ساتھ فرمایا "کان علی ربک حتما مقضیا"۔ جزاء عمل کا قانون طے شدہ قانون ہے۔ کبھی ٹلنے والا نہیں۔

۷۳ اور (دیکھو) جب ہماری روشن آیتیں لوگوں کو سنائی جاتی ہیں، تو جو لوگ کفر میں پڑے ہیں، وہ ایمان والوں سے کہتے ہیں "یہ تو بتلاؤ، ہم دونوں فریقوں میں کون ہے جو بہتر جگہ رکھتا ہے، اور بہتر جمگھٹا"؟

حالانکہ ان سے پہلے کتنی ہی قوموں کو ہم ہلاک کر چکے

۷۴ جو ان سے کہیں بہتر ساز و سامان رکھتی تھیں، اور ان سے کہیں بہتر ان کی نمود تھی!

(۱۶) سورۂ مریم مکی عہد کی وسطی تنزیلات میں سے ہے اُس وقت پیروانِ دعوت کمزور اور بے سر و ساماں تھے۔ منکروں کو ہر طرح کی دنیوی خوشیاں حاصل تھیں۔ پیغمبر اسلام مومنوں کے ساتھ بیٹھتے، تو فقیروں اور بے نواؤں کی مجلس ہوتی۔ منکرینِ حق دارالندوہ میں جمع ہوتے، تو سردار دل اور امیروں کا مجمع ہوتا۔ اس صورتِ حال کا قدرتی نتیجہ یہ تھا کہ قرآن کی بشارتیں سن کر کفار ہنسی اڑاتے۔ وہ کہتے، تبلاؤ، ہم دونوں میں سے کس کا مقام بلند ہے اور کس کی مجلس معزز؟

آیت (۷۳) تک منکروں کی اسی سرکشی کا بیان ہے۔ فرمایا

۷۵ (اے پیغمبر!) تو کہہ دے، جو کوئی گمراہی میں پڑا، تو خدائے رحمان کا قانون یہی ہے کہ اُسے برابر ڈھیل دیتا جاتا ہے، وہ اسی حال میں رہے گا۔ یہاں تک کہ اپنی آنکھوں سے وہ بات دیکھ لے جس کا اُس سے وعدہ کیا گیا تھا۔ یعنے عذاب یا قیامت کی گھڑی، تو اُس وقت اُسے پتہ چلیگا، کون تھا جس کی جگہ سب سے زیادہ بدتر ہوئی اور جس کا جتھا سب سے زیادہ بودا نکلا!

اور جن لوگوں نے راہ پالی، تو وہ اُن پر اور زیادہ راہ کھول دیتا ہے (یعنے ان کی فلاح و سعادت بڑھتی ہی جاتی ہے۔) اور تمہارے پروردگار کے

ڈھیل دیتے رہو۔ اس کی عبادت کی راہ میں جتنی بھی مشکلات پیش آئیں جھیلتے رہو۔

فَإِنَّمَا يَسَّرْنَاهُ بِلِسَانِكَ لِتُبَشِّرَ بِهِ الْمُتَّقِينَ وَتُنذِرَ بِهِ قَوْمًا لُّدًّا ۝ وَكَمْ أَهْلَكْنَا قَبْلَهُم مِّن قَرْنٍ ۖ هَلْ تُحِسُّ مِنْهُم مِّنْ أَحَدٍ أَوْ تَسْمَعُ لَهُمْ رِكْزًا ۝

۹۷ ۹۸

لے بندگی و نیاز مندی ہے، اچھا، اگر اس سے تمہیں انکار نہیں تو پھر مسیح کو بھی عبد ہونا چاہئے نہ کہ معبود۔ غلام ہونا چاہئے نہ کہ آقا۔ مخلوق ہونا چاہئے نہ کہ خالق۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ خدا کے آگے تو بندے ہوں، مگر مسیح بندہ نہ ہو؟۔

(۲۰) آیت ۹۶ سے آخر تک سورت کی اختتامی موعظت ہے اس میں دو باتوں کی خبر دی گئی ہے۔ ایک یہ کہ جو لوگ ایمان و عمل کی راہ اختیار کرینگے، عنقریب خدا ان کے لئے انسانوں کے دل کھول دے گا، اور وہ قوموں اور ملکوں کے محبوب ہو جائیں گے۔ سیجعل لھم الرحمن ودًّا۔ دوسری یہ کہ حق کے مقابلہ میں ہٹ دھرمی کرنے والوں کو وہی نتیجہ پیش آنے والا ہے۔ جو پچھلی تباہ شدہ جماعتوں کو پیش آچکا ہے کہ آج ان کا نام و نشان تک باقی نہیں ھل تحس منھم من احد او تسمع لھم رکزا؟

تاریخ کا دہستان سراسر شہادت دیتا ہے کہ دنیا نے یہ دو قولی یا نہیں چشم بر سوں کے اندر دیکھ لیں۔

کھینچیں گے اور انہیں پسندیدگی کی نظر سے دیکھیں گے) اسی غرض سے ہم نے قرآن تیری زبان (عربی) میں اتار کر آسان کر دیا کہ متقی انسانوں کو (کامیابی کی) خوشخبری دیدے، اور جو گروہ سچائی کے مقابلہ میں ہٹ کرنے والا اور اڑ جانے والا ہے اسے انکار و سرکشی کے نتیجہ سے خبردار کر دے۔

(ان سرکشوں) سے پہلے قوموں کے کتنے ہی دور گزر چکے ہیں جنہیں ہم نے (پاداش بدعملی میں) ہلاک کر دیا کیا ان میں سے کسی کی ہستی بھی اب تم محسوس کرتے ہو؟ کیا ان کی بھنک بھی سنائی دیتی ہے؟

ایمان و عمل کی اس دعوت نے مسلمانوں کا جو گروہ پیدا کر دیا تھا انسانوں نے اسے قبول ہی نہیں کیا بلکہ اس کا والہانہ استقبال کیا۔ وہ خوف و دہشت کے طاقت نہ تھے جس سے لوگ بھاگتے۔ نیکی و ہدایت کا پیام تھے جس کی طرف لوگ دوڑتے تھے۔ قوموں نے انہیں بلانے بھیجے، بشروں نے ان کے لئے پھاٹک کھولے، قلعوں نے اپنی کنجیاں آگے رکھ دیں اور وقت کی ساری مظلوم آبادیوں نے انہیں نجات دہندہ سمجھا۔

ایادین اور یرموک کے میدانوں میں بازنطینی شہنشاہی سے لڑ رہی تھی، لیکن شام کی آبادیاں مجنت کے پیام بھیج رہی تھیں۔ بصرا نے اپنے دروازے خود کھول دیئے تھے، حمص کے باشندوں نے منتیں کی تھیں، طرابلس پہلے سے چشم براہ تھا، صور کے پھاٹک بند ہی نہیں کئے گئے۔ اسی طرح جب اتوں نے معرکہ رچ کیا، تو خود مصر کے عیسائی ہی تھے جنہوں نے بڑھ کر ان کا استقبال کیا تھا۔ وہ جن جن راستوں سے گزرتے لڑکوں کو دیت اور پلوں کو تیار ملتے اور ہر طرح کی رسد فوج کے لئے مہیا ہوتی!

باقی رہی دوسری بات تو محتاج تشریح نہیں اس آیت کے نزول پر پورے پندرہ برس بھی نہیں گذرے تھے کہ دعوت قرآن کی تمام معاند قوتیں بے نام و نشان ہو چکی تھیں۔

---

(۲۱) حضرت مسیح (علیہ السلام) اور مسیحیت کی نسبت بعض مہمات مباحث ہیں جن کے اشارات آئندہ سورتوں کی تشریحات میں ملینگے لیکن یہاں دو باتوں کی طرف اشارہ کر دینا ضروری ہے:۔

(الف) قرآن نے حضرت مسیح کے قصہ کا ذکر زیادہ تفصیل کے ساتھ دو جگہ کیا ہے، یہاں اور سورۂ آل عمران کی آیات ۴۵ تا ۶۳ میں یہاں یہ ذکر حضرت زکریا کی دعا اور حضرت یحییٰ کی پیدائش کے بیان سے شروع ہوا ہے۔ اور اناجیل اربعہ میں سے سنٹ لوقا کی انجیل ٹھیک اسی طرح یہ تذکرہ شروع کرتی ہے لیکن سورہ آل عمران میں یہ تذکرہ اس سے بھی پیشتر کے ایک واقعہ سے شروع ہوتا ہے یعنی حضرت مریم کی پیدائش اور ہیکل میں پرورش پانے کے واقعہ سے اور اس بارے میں چاروں انجیلیں خاموش ہیں لیکن انیسویں صدی میں متروک اناجیل کا جو نسخہ ٹیلیکان کے کتب خانہ سے برآمد ہوا اس نے حضرت مریم کی پیدائش کا یہ

حضرت مریم کی ابتدائی سرگزشت اور انجیل

يَوْمَ نَحْشُرُ الْمُتَّقِينَ إِلَى الرَّحْمَٰنِ وَفْدًا ۝ وَنَسُوقُ الْمُجْرِمِينَ إِلَىٰ جَهَنَّمَ وِرْدًا ۝ لَا يَمْلِكُونَ الشَّفَاعَةَ
إِلَّا مَنِ اتَّخَذَ عِندَ الرَّحْمَٰنِ عَهْدًا ۝ وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمَٰنُ وَلَدًا ۝ لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْئًا إِدًّا ۝ تَكَادُ السَّمَاوَاتُ
يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنشَقُّ الْأَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا ۝ أَن دَعَوْا لِلرَّحْمَٰنِ وَلَدًا ۝ وَمَا يَنبَغِي لِلرَّحْمَٰنِ
أَن يَتَّخِذَ وَلَدًا ۝ إِن كُلُّ مَن فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ إِلَّا آتِي الرَّحْمَٰنِ عَبْدًا ۝ لَّقَدْ أَحْصَاهُمْ وَعَدَّهُمْ
عَدًّا ۝ وَكُلُّهُمْ آتِيهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَرْدًا ۝ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمَٰنُ وُدًّا ۝

رہی ہے وہ مراد اس سے ہے کہ دن گنے جا رہے ہیں، وقت قریب آ گیا ہے مگر دن
۸۵ اچھی طرح نہیں معلوم جونہی پورے ہونگے نتیجہ خود بخود سامنے آ کر آشکارا ہو جائے گا۔
۸۶ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ دشمنانِ حق کی خوشحالیوں کے صرف گنے
ہوئے دن باقی رہ گئے تھے۔ سورۂ مریم کے نزول پر پورے دس برس بھی
نہیں گذرنے پائے کہ سارے معاملہ کا فیصلہ ہو گیا!
۸۷ (۱۹) اب کہ سعت ختم ہو رہی ہے سلسلۂ بیان پھر اسی مطلب کی
طرف رجوع ہو گیا ہے جو اوائل سورت میں چھوڑ گیا تھا یعنی حضرت مسیح
علیہ السلام کی شخصیت کے بارے میں عیسائیوں کی گمراہی چنانچہ آیت ۸۸
۸۸ میں فرمایا قیامت کے دن تمام انسان دو گروہوں میں بٹ جائیں گے
۸۹ ایک متقیوں کا ہوگا۔ دوسرا مجرموں کا جو اپنے انکار و بد عملی کی پاداش میں عذاب
۹۰ میں نجات پائیں گے۔ مجرم اپنے انکار و بد عملی کی پاداش میں عذاب
یہ بات کسی کے اختیار میں نہ ہوگی کہ دنیا کے درباروں کی طرح جسے
۹۱ چاہے اپنی سفارش سے چھڑا لے پس عیسائیوں نے جو حضرت مسیح
کو نوعِ انسانی کے گناہوں کا کفارہ دینے والا اور اس کا شفیع و بھی تصور
کر لیا ہے، وہ صریح گمراہی نہیں ہے تو کیا ہے:
۹۲ پھر الوہیت اور ابنیت مسیح کی گمراہی کی طرف اشارہ کیا اور
۹۳ فرمایا۔ انسانی گمراہی کی یہ انتہا ہے، اس سے زیادہ سخت گمراہی اور
کیا ہو سکتی ہے کہ خالق السمٰوٰت والارض کو ایک بیٹے کی ہستی کا مخلوق
تصور کر لیا جائے۔
۹۴ اس کے بعد صرف ایک آیت کے اندر وہ سب کچھ کہہ دیا ہے جو
اس عقیدے کی رد میں کہا جا سکتا ہے۔ یہ زیادہ سے زیادہ دافع
اور فہمائش کن طبعت ہے، مگر منطقی طریقہ کی نہیں، جو دلوں کو نہیں
۹۵ پکڑ سکتی قرآنی طریقہ کی جو دلوں کے ایک ایک ریشہ میں اتر جاتی
ہے: ان کل من فی السمٰوٰت والارض الا اتی الرحمٰن
عبدا! تم خود تسلیم کرتے ہو کہ کائناتِ خلقت میں جو کوئی بھی ہے۔
اس کے حضور بندہ ہی کی حیثیت رکھتا ہے اس کے سوا اور کچھ نہیں
۹۶ ہو سکتا یعنی یہاں آفاقی و معبودیت صرف خدا کے لئے ہے باقی سب کے

وہ دن کہ متقی انسانوں کو اپنے حضور مہمانوں کی
طرح جمع کرینگے اور مجرموں کو دوزخ کی طرف پیاسے جانوروں
کی طرح ہنکا لینگے اس دن شفاعت کرنا کرانا کسی کے اختیار
میں نہ ہوگا۔ ہاں جس کسی نے خدا کے حضور سے وعدہ پا لیا
(تو وہ وعدہ ضرور اس کے کام آئے گا)
اور ان لوگوں نے (یعنی عیسائیوں نے) کہا "خدائے
رحمان نے اپنا ایک بیٹا بنا رکھا ہے" بری ہی سخت بات
ہے جو تم گڑھ لائے ہو! قریب ہے کہ آسمان پھٹ پڑے،
زمین کا سینہ چاک ہو جائے، پہاڑ جنبش میں آ کر گر پڑیں
لوگ اللہ کے لئے بیٹا ہونے کا دعویٰ کر رہے ہیں!
اللہ کی یہ شان کب ہو سکتی ہے کہ اپنے لئے ایک
بیٹا بنائے، آسمان اور زمین میں جو کوئی بھی ہے وہ
اسی لئے ہے کہ اس کے آگے بندگی کا سر جھکائے حاضر
ہو۔ اس نے (اپنی قدرت سے) انہیں گھیر رکھا ہے اور
(اپنے علم سے) ایک ایک کی ہستی گن رکھی ہے، قیامت
کے دن سب اس کے حضور تن تنہا آ کر کھڑے ہونگے (کوئی
ان کا ساتھی اور مددگار نہ ہوگا!)
(اے پیغمبر!) جو لوگ ایمان لائے ہیں اور نیک عملوں میں
لگ گئے ہیں، یقینی ہے کہ خدائے رحمان ان کے لئے
(دلوں میں) محبت پیدا کر دے (یعنی لوگ ان کی طرف

شوہر یوسف سے حاملہ ہونا، تو کیونکر اس کے لئے جائز ہو سکتا تھا کہ وہ سب کچھ گوارے لیکن اس بارے میں کچھ نہ کہے؟ وہ اس زیق کا صاف صاف رد کرے جو اس میں تفریط کر رہا ہے، مگر اس کا رد نہ کرے جو افراط کا مرتکب ہو رہا ہے؟ اور پھر اصل حقیقت پر اسی طرح پردہ پڑا رہنے دے جس طرح پہلے سے پڑا ہوا تھا۔ اور اپنا یہ وصف یک قلم بھول جائے کہ وہ تمام پچھلے اختلافات کے لئے حکم اور تمام ظنون و شکوک کے لئے علم و حقیقت کا اعلان ہے؟

یہودیوں اور عیسائیوں کی نزاع صرف اسی باب میں نہیں ہوئی بلکہ حضرت مسیح کی ساری باتوں میں ہوئی۔ دونوں نے تفریط و افراط کی دو انتہائی جہتیں اختیار کر لیں تھیں یہودی انکار میں اتنے دور نکل گئے کہ انہیں شعبدہ باز اور فریبی سمجھ لیا۔ عیسائی اعتقاد میں اتنے دور نکل گئے کہ انہیں خدا بنا لیا۔ قرآن دونوں کا رد کرتا ہے اور کہتا ہے دونوں افراط و تفریط میں کھوئے گئے پھر اگر پیدائش مسیح کا معاملہ بھی ایسا ہی تھا، تو کیا ضروری نہ تھا کہ جس طرح اس بارے میں دونوں کا رد کیا، اور صاف صاف کہہ دیا کہ دونوں حقیقت سے محروم ہیں اسی طرح پیدائش کے بارے میں بھی یکساں طور پر دونوں کا رد کر دیتا اور صاف صاف بتلا دیتا کہ حقیقت سے دونوں محروم ہیں۔؟

ہمیں یہ بھی معلوم ہے کہ عیسائیوں نے ابنیت کے اعتقاد کے لئے جو سہارے ڈھونڈھے تھے ان میں سب سے بڑا سہارا اسی پیدائش کے اچنبھے کا تھا۔ اسکندریہ کے فلسفہ آمیز اضافی تخیل سراپیز (Serapis) سے تثلیثی وحدت کی اصل لی گئی اور ایزس (Isis) کی جگہ حضرت مریمؑ کو اور ہورس (Horus) کی حضرت مسیح کو دی گئی پس اگر قرآن کے نزدیک یہ اعتقاد بے اصل ہوتا، تو وہ الوہیت و ابنیت کا رد کرتے ہوئے سب سے پہلی ضرب اسی سہارے پر لگاتا۔ کیونکہ اس کے گرنے کے بعد اضافی مسیحیت کی ساری عمارت خود بخود گر جاتی۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ قرآن نے ایسا نہیں کیا۔ وہ صرف ایک لفظ کہہ کر کہ یوسف مسیح کا باپ نہ تھا سارا کارخانہ درہم برہم کر دے سکتا تھا، مگر وہ یہ نہیں کہنا چاہتا وہ اسکی طرف اشارہ بھی نہیں کرتا۔ اس کے بحث و احتجاج کا اسلوب ہر جگہ ایسا دکھائی دیتا ہے جیسے اسے غیر معمولی پیدائش کے معاملہ سے تو انکار نہیں لیکن وہ کہتا ہے اس سے یہ کیسے لازم آگیا کہ ایک بندہ، خدا یا خدا کا بیٹا ہو جائے؟ ایک انسان جو تمام انسانوں کی طرح انسان تھا، اور اپنی پیدائش کے لئے ماں کے پیٹ کا محتاج بہرحال انسان ہی ہوگا۔ خدا یا خدا کا بیٹا کیوں مانا جائے؟

جو لوگ قرآن کو غیر معمولی پیدائش کا منکر ثابت کرنا چاہتے ہیں انہوں نے اپنی توجیہات کی ساری بنیاد اس مقدمہ پر رکھی ہے کہ خفیہ سے پہلے یوسف اور مریم میں زوجیت کا تعلق قائم ہو گیا تھا، اور یہ اگرچہ شریعت موسوی کے خلاف نہ تھا لیکن وقت کے رواج کے خلاف ضرور تھا۔ اسی لئے لوگوں پر بچہ کی پیدائش گراں گزری، وہ اسے ناجائز حمل کا نتیجہ قرار دینے لگے۔ لیکن اول تو یہ محض ایک ظنی بنیاد ہے، جس کے لئے تاریخی قرائن کا کوئی سہارا موجود نہیں، ثانیاً خود یہودیوں کی قدیم روایات بالکل اس کے خلاف جا رہی ہیں۔ انہوں نے حضرت مریم کو متہم کرتے ہوئے یوسف کا نام نہیں لیا تھا۔ بلکہ پنتھرا المانی کی طرف اشارہ کرتے تھے[1]

بہرحال قرآن کو اس بارے میں حکم قرار دینا، شرح و تفسیر کا ایک ایسا اقدام ہے جس پر کسی طرح ایک دیانت دار شارح کا ضمیر مطمئن نہیں ہو سکتا۔

ہمیں قرآن کا مطالعہ نہ تو اس طرح کرنا چاہیے کہ اسے عجائب پرستوں کی دستان بنانے کے خواہشمند ہوں نہ عجائب پرستی کے الزام سے بچنے کے لئے اس درجہ مضطرب ہونا چاہیے کہ ہر بے محل سے بے محل توجیہ قبول کر لیں۔ قرآن عربی زبان کی ایک کتاب ہے اور دنیا کی تمام زبانوں کی طرح عربی الفاظ و تراکیب کے بھی ڈھلے ہوئے سانچے ہیں۔ اور اسلوب بیان کے معین اور قطعی دلالات پس چاہیے کہ علم و دیانت کے ساتھ اس کا مطالعہ کریں اور جو مطلب صاف صاف نکل رہا ہو اسے بغیر کسی جھجک کے قبول کر لیں۔ اگر ہم نے بے تکلف ایک بات اس کے منہ میں رکھ دی جسے خود اس کی زبان قبول نہیں کر رہی، تو گو ہم نے اپنے خیال میں ایک بات بنا لی ہو مگر فی الحقیقت بننے والی نہیں۔ یہاں علم و حقیقت کی بے لاگ عدالت موجود ہے۔ وہ ہر بناوٹ کو حیثیت سے جدا کر دے گی

باقی رہا یہ سوال کہ یہ اور اس طرح کے دوسرے معاملات کیونکر عقلاً تسلیم کئے جا سکتے ہیں؟ تو یہ ایک اصولی بحث ہے، اور اس کا محل ترجمان القرآن نہیں، مقدمہ تفسیر ہے۔

---

[1] Encyclopoedia Biblical

مفقود ٹکڑا سمجھا کر دیا جائے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کم از کم چوتھی صدی عیسوی کے اوائل تک سرگزشت کا یہ ٹکڑا بھی اسی طرح الہامی یقین کیا جاتا تھا، جس طرح بقیہ ٹکڑے یقین کئے جاتے ہیں۔

"متروک اناجیل" سے مقصود وہ کئیس سے زیادہ انجلیں ہیں جو پہلی صدی سے لے کر چوتھی صدی کے اوائل تک عیسائیوں میں رائج اور معمول تھیں ۳۲۵ء میں نائیسیا کی کونسل نے چار منتخب کر لیں، اور باقی متروک سمجھ لی گئیں۔ یہ انتخاب کسی تاریخی یا علمی اصل کی بنا پر نہیں کیا گیا تھا، بلکہ ایک طرح کی فال دیکھی گئی تھی اور اس کا اشارہ فیصلہ کن تھا۔

(ب) قرآن کا جب ظہور ہوا، تو حضرت مسیح کے بارے میں عیسائیوں کے عام بنیادی عقاید یہ تھے:

قرآن اور حضرت مسیح کی پیدائش

اولاً بغیر باپ کے پیدائش۔

ثانیاً۔ مصلوب ہونے کے بعد پھر زندہ ہو جانا۔

ثالثاً۔ الوہیت مسیح اور اقانیم ثلاثہ۔

رابعاً۔ کفارہ، اور یہ اعتقاد کہ اب نجات کی راہ عمل نہیں، بلکہ مسیح کے کفارہ پر ایمان ہے۔

قرآن نے واقعہ صلیب کا رد کیا۔ اور کہا کہ وہ مصلوب نہیں ہوئے بلکہ حقیقت حال لوگوں پر مشتبہ ہو گئی۔ الوہیت اور ابنیت کا بھی رد کیا اور کہا ایسا کہنا مزعج کفر ہے۔ کفارہ کا بھی رد کیا، اور جا بجا اس پر زور دیا کہ نجات کی بنیاد ایمان باللہ اور عمل ہے نہ کہ مسیح کے کفارہ کا اعتقاد۔ اب قدرتی طور پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر بغیر باپ کے پیدائش کا اعتقاد بھی انہی عقاید کی طرح باطل تھا، تو کیا ضروری نہ تھا کہ قرآن اسی صراحت کے ساتھ اس کا بھی رد کر دیتا جس صراحت کے ساتھ دوسرے عقاید کا کیا ہے؟ یقیناً ضروری تھا۔

لیکن قرآن نے اس کے رد میں ایک حرف نہیں کہا۔ اتنا ہی نہیں بلکہ سورۂ آل عمران اور سورۂ مریم میں جو کچھ بیان کیا گیا ہے اگر اس پر نظر ڈالی جائے اور یہ حقیقت بھی پیش نظر رکھی جائے کہ تذکرہ ایک ایسی پیدائش کا ہو رہا ہے جو بغیر باپ کے تسلیم کر لی گئی ہے تو بغیر کسی تامل کے تسلیم کر لینا پڑتا ہے کہ یہاں کی صاف روح یہی ہے کہ قرآن اس عام اعتقاد کا منکر نہیں، کم از کم اس کا رجحان اس کے خلاف نہیں جا رہا۔

بلاشبہ قرآن میں یا الفاظ کہیں نہیں ملتے کہ حضرت مسیح بغیر باپ کے پیدا ہوئے۔ یعنی کوئی ایسی مثبت تصریح نہیں جو اپنے منطوق میں ظاہر قطعی ہو۔ لیکن جتنی آیتوں سے اس طرح کے اشارات نکل رہے ہیں، اگر انہیں ایک دوسرے سے الگ کر دیا جائے، تو ہر آیت کے مطالعے کے لئے ایک دوسرا جامہ بھی تراش لیا جا سکتا ہے جیسا کہ مرحوم سید احمد خاں اور ڈاکٹر توفیق صدقی وغیرہما نے کوشش کی ہے لیکن جب تمام پر بہ حیثیت مجموعی نظر ڈالی جائے اور محل کے قدرتی مقتضیات اور قرائن بھی پیش نظر ہوں، تو بلا تامل تسلیم کر لینا پڑتا ہے کہ قرآن اس اعتقاد کے حق میں ہے۔ اس سے منکر نہیں۔

پھر یہ حقیقت بھی پیش نظر رہے کہ حضرت مسیح کی پیدائش کا معاملہ یہودیوں اور عیسائیوں میں بالکل متضاد سمتوں کا انتہائی گوشہ بن گیا تھا۔ یہود ہی ان کی پیدائش کو ناجائز تعلق کا نتیجہ قرار دینے تھے۔ برخلاف اس کے عیسائی نہ صرف جائز بلکہ ایک ربانی معجزہ تصور کرتے تھے۔ قرآن کا فرض تھا کہ بہ حیثیت ایک ثالث کے دونوں میں فیصلہ کر دے چنانچہ اس نے فیصلہ کر دیا۔ اس نے حضرت مریم کی پاکی کا اعلان کیا: ان اللہ اصطفاکِ وطہرکِ واصطفاکِ علی نساء العلمین (۳: ۴۲) یہودیوں کے الزام کو افترا عظیم قرار دیا۔ وبکفرھم وقولھم علی مریم بہتانا عظیما (۴: ۱۵۶) اور پیدائش مسیح کی سرگزشت ٹھیک ٹھیک اسی طرح بیان کر دی جس طرح انجیل میں بیان کی گئی ہے قالت انی یکون لی غلام ولم یمسسنی بشر ولم اک بغیا؟ قال کذلک قال ربک: ھو علی ھین ولنجعلہ ایۃ للناس ورحمۃ منا، وکان امرا مقضیا (۱۹: ۲۰) مریم نے فرشتے سے کہا۔ ایسا کیسے ہو سکتا ہے جبکہ میں مرد سے واقف نہیں؟ اس نے کہا ایسا ہی ہوگا۔ روح القدس تجھ پر نازل ہوگی، اور خدا کی قدرت تجھے اپنے سایہ میں لے لیگی (لوقا ۱: ۳۴) اب اگر یہودیوں کی طرح عیسائیوں کا اعتقاد بھی قرآن کے نزدیک غلط تھا، تو کیا ضروری نہ تھا کہ جس طرح اس نے یہودیوں کے الزام کا رد کیا، اسی طرح عیسائیوں کے غلو کا بھی صاف صاف رد کر دیتا؟ لیکن وہ اس کے رد میں ایک حرف نہیں کہتا، بلکہ پیدائش کی جس روئیداد سے عیسائیوں نے یہ اعتقاد پیدا کیا تھا، اسے حرف بحرف انجیل ہی کی طرح بیان کر دیتا ہے۔

اگر اس کے نزدیک حقیقت نہ تو وہ تھی جو یہودیوں نے بنائی، اور نہ وہ جو عیسائیوں نے سمجھی بلکہ ایک تیسری ہی بات تھی۔ یعنی مریم کا اپنے

امْكُثُوا إِنِّي آنَسْتُ نَارًا لَّعَلِّي آتِيكُم مِّنْهَا بِقَبَسٍ أَوْ أَجِدُ عَلَى النَّارِ هُدًى ۝ فَلَمَّا أَتَاهَا نُودِيَ يَا مُوسَىٰ ۱۰ - ۱۱
إِنِّي أَنَا رَبُّكَ فَاخْلَعْ نَعْلَيْكَ إِنَّكَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى ۝ وَأَنَا اخْتَرْتُكَ فَاسْتَمِعْ لِمَا يُوحَىٰ ۝ إِنَّنِي ۱۲ - ۱۳
أَنَا اللَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدْنِي وَأَقِمِ الصَّلَاةَ لِذِكْرِي ۝ إِنَّ السَّاعَةَ آتِيَةٌ أَكَادُ أُخْفِيهَا لِتُجْزَىٰ ۱۴
كُلُّ نَفْسٍ بِمَا تَسْعَىٰ ۝ فَلَا يَصُدَّنَّكَ عَنْهَا مَن لَّا يُؤْمِنُ بِهَا وَاتَّبَعَ هَوَاهُ فَتَرْدَىٰ ۝ وَمَا تِلْكَ ۱۵ - ۱۶
بِيَمِينِكَ يَا مُوسَىٰ ۝ قَالَ هِيَ عَصَايَ أَتَوَكَّأُ عَلَيْهَا وَأَهُشُّ بِهَا عَلَىٰ غَنَمِي ۱۷

اور (اے پیغمبر!) موسیٰ کی حکایت تونے سنی؟ جب اس نے (دور سے) آگ دیکھی تو اپنے گھر کے لوگوں سے کہا۔ "ٹھہرو۔ مجھے آگ دکھائی دی ہے میں جاتا ہوں، ممکن ہے تمہارے لئے ایک انگارا لے آؤں یا کم از کم) الاؤ پر کوئی راہ دکھانے والا ہی مل جائے"۔ ۱۰

پھر جب وہ وہاں پہنچا، تو اس وقت پکارا گیا۔ (ایک آواز اٹھی کہ) "اے موسیٰ! میں ہوں تیرا پروردگار! پس اپنی جوتی اتار دے۔ تو طوٰی کی مقدس وادی میں کھڑا ہے اور دیکھ! میں نے تجھے (اپنی رسالت کے لئے) چن لیا ہے پس جو کچھ وحی کی جاتی ہے اسے کان لگا کر سن۔ میں ہی اللہ ہوں میرے سوا کوئی معبود نہیں پس میری ہی بندگی کر اور میری ہی یاد کے لئے نماز قائم کر۔ بلاشبہ (مقررہ) وقت آنے والا ہے میں اسے پوشیدہ رکھنے کو ہوں۔ تاکہ لوگوں کے یقین و عمل کی آزمائش ہو جائے اور جس شخص کی جیسی کچھ کوشش ہو اسی کے مطابق بدلہ پائے"۔ ۱۵

"پس دیکھ! ایسا نہ ہو کہ جو لوگ اس وقت کے ظہور پر یقین نہ رکھتے ہوں اور اپنی خواہش کے بندے ہوں وہ تجھے بھی (قدم پھسلانے سے) روک دیں اور نتیجہ یہ نکلے کہ تو تباہ ہو جائے!" ۱۶

"اور (صدائے غیبی نے پوچھا۔) اے موسیٰ! تیرے دہنے ہاتھ میں کیا ہے؟" ۱۷

(۲) آیت (۹) میں فرمایا کیا حضرت موسیٰ کی سرگذشت پر تم نے غور نہیں کیا؟ ان کی پوری سرگزشت کس طرح اس حقیقت کی مجسم شہادت ہے۔

پھر حضرت موسیٰ کی ابتدائی زندگی کا وہ واقعہ بیان کیا ہے جب وہ مدین کی بستی میں مقیم تھے اور اپنے خسر کا گلہ چرایا کرتے تھے اسی زمانہ میں ان کا گذر سینا کے قرب و جوار میں ہوا اور وہیں یہ معاملہ پیش آیا تورات میں اس جگہ کو "حوریب" کہا ہے یہ سینا کا مشرقی گوشہ تھا۔

تورات میں ہے کہ انہوں نے درخت میں آگ دیکھی اور متعجب ہو کر قریب گئے (خروج ۳: ۳) لیکن قرآن سے معلوم ہوتا ہے بعض رفع تعجب کے لئے نہیں گئے تھے بلکہ آگ کی جستجو میں تھے۔ سورۂ نمل کی آیت ۷، سے مزید وضاحت ہو گئی ہے وہ مع اہل و عیال کے بیابان میں تھے۔ رات ٹھنڈی تھی اور سوجھ رہے تھے، کہیں سے آگ مل جائے تو تاپنے کے لئے الاؤ جلائیں اتنے میں دور پر ایک روشنی آگ کی طرح نظر آئی۔ یہ سمجھے وہ آگ ہے لیکن جب قریب پہنچے تو کار فرمائے قدرت نے پکارا۔ اے موسیٰ تو اس آگ کی چکاچوند لے کر کیا کرے گا؟ تیرے ہاتھوں ایک دوسری ہی آگ روشن ہونے والی: انا اخترتك فاستمع لما يوحى:

بال بکشا و صفیر از شجر طور بزن
حیف باشد چو تو مرغے کہ اسیر قفسے!

(۳) جوتی اتارنے کا حکم اس لئے ہوا کہ تعظیم کی جگہ ننگے پاؤں ہو جانا قدیم اور عام رسم تھی۔ چنانچہ بابل اور مصر میں بادشاہ کے حضور برہنہ پا ہو کر آتے تھے۔ تورات میں بھی اس حکم کا ذکر ہے (خروج ۳: ۶)

(۴) آیت (۵) میں "الساعۃ" سے مقصود روز قیامت نہیں ہے

سُوْرَۃُ طٰہٰ

مکی - ۱۳۵ - آیات

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

طٰہٰ ۝ مَآ اَنْزَلْنَا عَلَیْكَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰٓى ۝ اِلَّا تَذْكِرَةً لِّمَنْ یَّخْشٰى ۝ تَنْزِیْلًا مِّمَّنْ خَلَقَ
الْاَرْضَ وَالسَّمٰوٰتِ الْعُلٰى ۝ اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى ۝ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی
الْاَرْضِ وَمَا بَیْنَهُمَا وَمَا تَحْتَ الثَّرٰى ۝ وَاِنْ تَجْهَرْ بِالْقَوْلِ فَاِنَّهٗ یَعْلَمُ السِّرَّ وَاَخْفَى ۝ اَللّٰهُ
لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى ۝ وَهَلْ اَتٰىكَ حَدِیْثُ مُوْسٰى ۝ اِذْ رَاٰ نَارًا فَقَالَ لِاَهْلِهِ

(۱) بالاتفاق یہ سورت سورۂ مریم کے بعد نازل ہوئی ہے۔ اور مکی عہد کی وسطی تنزیلات میں سے ہے۔

یہ زمانہ تاریخ دعوت کا سب سے زیادہ پرآشوب زمانہ تھا۔ انکار و جحود کا ہر طرف سے ہجوم تھا اور قبولیت کی رفتار بہت ہی دھیمی اور محدود بھی، نقد فی طور پر یہ صورت حال پیغمبر اسلام پر گراں گزرتی تھی۔ جو دل تمام نوع انسانی کی ہدایت کے لئے بیٹھا رہا تھا۔ وہ اپنے قریبی اپنائے وطن کو بھی قبولیت کے لئے آمادہ نہ پاتا تھا۔ کون ہے جو اس غم و اضطراب کا اندازہ کر سکتا ہے جس کی متقدس آگ آپ کے قلب مبارک میں سلگ رہی تھی۔

یہی وجہ ہے کہ اس عہد کا تمام تنزیلات تسکین و تشفی کی روح سے معمور ہیں اور یہی روح اس سورت میں بھی بول رہی ہے خطاب براہ راست آپ سے ہے اور بالواسطہ آپ کے ساتھیوں سے۔

فرمایا قرآن اس لئے نازل نہیں ہوا ہے کہ تم اپنے کو رنج و محنت میں ڈالو وہ تو نصیحت کی بات ہے جو سعید ہیں قبول کریں گے جنہوں نے شقاوت اوڑھ لی وہ سنتے ہی نہیں۔ اور نتیجہ کا ظہور اپنے وقت پر ہوگا۔

طٰہٰ (یعنی اے شخص مخاطب[1]!) ہم نے تجھ پر یہ قرآن اس لئے نازل نہیں کیا کہ رنج و محنت میں پڑ۔ وہ تو اس لئے نازل ہوا ہے کہ جو دل انکار و بدعملی کے نتائج سے) ڈرنے والا ہے اس کے لئے نصیحت ہو (جو ڈرنے والے نہیں) وہ کبھی اس کی صداؤں پر کان نہیں دھریں گے۔

یہ اس ہستی کا اتارا ہوا ہے جس نے زمین پیدا کی اور بلندی کے آسمان الرحمان کہ (جہانداری کے) تخت پر متمکن ہے: جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے جو کچھ مٹی کے نیچے ہے (یعنی زمین کے نیچے ہے) سب اسی کا ہے اور اسی کے لئے ہے!

اور اگر تم پکار کے بات کہو (تو اس کی سماعت اس کی محتاج نہیں) کیونکہ وہ بھیدوں کا جاننے والا ہے۔ زیادہ سے زیادہ چھپے بھیدوں کو بھی! وہی اللہ ہے کوئی معبود نہیں ہے مگر صرف وہی۔ اس کے لئے حسن و خوبی کے نام ہیں!

---

[1] عربی میں "طاھا" ایک کلمہ ندا ہے کسی کو مخاطب کرنا ہو تو پکارتے ہیں "طاھا" یعنی اے شخص! چنانچہ ابن جریر نے اس شعر سے استشہاد کیا ہے:

دعوت بطاھا فی القتال فلم یجب فخضت علیہ ان یکون موائلا

کبھی بعد قطر اس طرف گئے ہیں کہ یہ تمام افعال عک اور طے کی زبان میں بولا جاتا ہے اور ابن الانباری نے تفریع کی ہے کہ لغۃ قریش واقفیت تلک اللغۃ فی ھذا المعنی جعفر ابن عباس اور اکثر ائمہ تابعین سے بھی ایسا ہی منقول ہے (ابن جریر)

قَالَ قَدْ اُوْتِيْتَ سُؤْلَكَ يٰمُوْسٰى ۝ وَلَقَدْ مَنَنَّا عَلَيْكَ مَرَّةً اُخْرٰى ۝ اِذْ اَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اُمِّكَ مَا يُوْحٰٓى ۝ ۳۶-۳۸

اَنِ اقْذِفِيْهِ فِى التَّابُوْتِ فَاقْذِفِيْهِ فِى الْيَمِّ فَلْيُلْقِهِ الْيَمُّ بِالسَّاحِلِ يَاْخُذْهُ عَدُوٌّ لِّىْ وَعَدُوٌّ لَّهٗ ۚ وَاَلْقَيْتُ عَلَيْكَ مَحَبَّةً مِّنِّىْ ۚ وَلِتُصْنَعَ عَلٰٓى عَيْنِىْ ۝ اِذْ تَمْشِىْٓ اُخْتُكَ فَتَقُوْلُ هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى مَنْ يَّكْفُلُهٗ ۖ فَرَجَعْنٰكَ اِلٰٓى اُمِّكَ كَىْ تَقَرَّ عَيْنُهَا وَلَا تَحْزَنَ ۚ وَقَتَلْتَ نَفْسًا فَنَجَّيْنٰكَ مِنَ الْغَمِّ وَفَتَنّٰكَ فُتُوْنًا ۚ فَلَبِثْتَ سِنِيْنَ فِىْٓ اَهْلِ مَدْيَنَ ۙ ثُمَّ جِئْتَ عَلٰى قَدَرٍ يّٰمُوْسٰى ۝ وَاصْطَنَعْتُكَ لِنَفْسِىْ ۝ اِذْهَبْ اَنْتَ وَاَخُوْكَ بِاٰيٰتِىْ وَلَا تَنِيَا فِىْ ذِكْرِىْ ۝ ۳۹ ۴۰ ۴۱-۴۲

ارشاد ہوا "اے موسیٰ! تیری درخواست منظور ہوئی" اور (تجھے معلوم ہے) ہم تجھ پر پہلے بھی ایک مرتبہ کیسا احسان کر چکے ہیں؛ ہم تجھے بتلاتے ہیں اس وقت کیا ہوا تھا، جب ہم نے تیری ماں کے دل میں بات ڈال دی تھی۔ ہم نے اسے سمجھایا تھا کہ بچے کو ایک صندوق میں ڈال دے اور صندوق کو دریا میں چھوڑ دے۔ دریا اسے کنارے پر پھینک دے گا۔ پھر اسے وہ اٹھالے گا۔ جو میرا (بھی) میری قوم کا) دشمن ہے۔ نیز اس بچہ کا بھی دشمن اور (اے موسیٰ!) ہم نے اپنے خاص فضل سے تجھ پر محبت کا سایہ ڈال دیا تھا (کہ جو بھی تجھ سے محبت کرنے لگے) اور یہ اس لئے تھا کہ ہم چاہتے تھے تو ہماری نگرانی میں پرورش پائے۔ تیری بہن جب وہاں سے گزری تو (یہ ہماری ہی کارفرمائی تھی کہ) اس نے (فرعون کی لڑکی سے) کہا۔ میں تمہیں ایسی عورت بتلا دوں جو اسے پالے پوسے؟ اور اس طرح ہم نے تجھے پھر تیری ماں کی گود میں لوٹا دیا کہ اس کی آنکھیں ٹھنڈی رہیں اور (بچے کی جدائی سے) غمگین نہ ہو۔ پھر دیکھ! ایسا ہوا کہ تو نے (مصر میں) ایک آدمی مار ڈالا ہم نے تجھے اس معاملہ کے غم سے نجات دی اور تجھے ہر طرح کی حالتوں میں ڈال کر آزمایا۔ پھر تو کئی برس تک مدین کے لوگوں میں رہا۔ بالآخر (وہ وقت آگیا) کہ اے موسیٰ! تو (مقررہ) اندازہ پر چلا آیا۔" "اور (دیکھ اس طرح) میں نے تجھے اپنے لئے (یعنی اپنے خاص کام کے لئے) بنایا اور تیار کیا ہے۔ اب تو اور تیرا بھائی دونوں میری نشانیاں لے کر جائیں اور میری یاد میں کوتاہی نہ کریں"۔

(۱) حضرت موسیٰ کی ان کی پیدائش کا واقعہ اس لئے یاد دلایا گیا کہ انہیں معلوم ہو جائے تربیت الٰہی کا ہاتھ اول دن سے انہیں لیے ہوئے ہے اور اپنے عجیب و غریب حالات میں ان کی پرورش ہوئی ہے جو بغیر قدرت کی ارشاد و ہدایت کے ظہور میں نہیں آسکتے پھر ان کا ٹھوکر کھانے پر مجبور ہونا اور مدین کے بیابانوں میں صحرا کی زندگی بسر کرنا بھی اسی لئے تھا کہ عیش آرام کے عادی ہو جانے کے بعد ان ساری مانوں کی ضرورت تھی جب یہ کچھ ہو چکا تو منصب نبوت عطا ہو گئی تو پر وہ غیب چاک ہوا اور تدارکی سے سرفراز ہو کر کام پر لگا دیا۔ چنانچہ اسی لئے فرمایا۔ وفتناک فتونا ہم نے تجھے ہر طرح کی حالتوں میں ڈال کر آزمایا۔ ثم جئت علی قدر یا موسیٰ (۲) پھر بالآخر تو اس اندازہ پر ٹھیک اتر آیا جو تیری تکمیل کے لئے ٹھہرا دیا گیا تھا۔

اس کے بعد فرمایا۔ واصطنعتک لنفسی میں نے تجھے اپنے لئے بنایا اور تیار کیا۔ "اپنے لئے" یعنی اپنے کام کے لئے کائنات کی ہر چیز اللہ ہی کے لئے منتخب ہے۔ لیکن جن انسانوں کا ظہور اس لئے ہوتا ہے کہ اس کی سچائی اور عدالت کے قیام کا ذریعہ ہوں، انہیں وہ خصوصیت کے ساتھ اپنی طرف منسوب کرتا ہے اور یہ وحی کی عام اصطلاح ہے گویا قدرت انہیں اس لئے بناتی ہے کہ اور کسی کام کے لئے نہ ہوں صرف اسی ایک کام کے لئے پیدا ہوں۔

وَفِيهَا مَآرِبُ أُخْرَىٰ ۝ قَالَ أَلْقِهَا يَا مُوسَىٰ ۝ فَأَلْقَاهَا فَإِذَا هِيَ حَيَّةٌ تَسْعَىٰ ۝ قَالَ خُذْهَا وَلَا تَخَفْ ۖ
سَنُعِيدُهَا سِيرَتَهَا الْأُولَىٰ ۝ وَاضْمُمْ يَدَكَ إِلَىٰ جَنَاحِكَ تَخْرُجْ بَيْضَاءَ مِنْ غَيْرِ سُوءٍ آيَةً
أُخْرَىٰ ۝ لِنُرِيَكَ مِنْ آيَاتِنَا الْكُبْرَى ۝ اذْهَبْ إِلَىٰ فِرْعَوْنَ إِنَّهُ طَغَىٰ ۝ قَالَ رَبِّ اشْرَحْ لِي صَدْرِي ۝
وَيَسِّرْ لِي أَمْرِي ۝ وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِنْ لِسَانِي ۝ يَفْقَهُوا قَوْلِي ۝ وَاجْعَلْ لِي وَزِيرًا مِنْ أَهْلِي ۝
هَارُونَ أَخِي ۝ اشْدُدْ بِهِ أَزْرِي ۝ وَأَشْرِكْهُ فِي أَمْرِي ۝ كَيْ نُسَبِّحَكَ كَثِيرًا ۝ وَنَذْكُرَكَ
كَثِيرًا ۝ إِنَّكَ كُنْتَ بِنَا بَصِيرًا ۝

۱۷-۱۹-۲۰
۲۱
ع ۱۲ ۱۰ ۲۲ ۲۳ ۲۴ ۲۶-۲۷ ۲۸-۲۹ ۳۰-۳۱ ۳۲-۳۳
۳۴-۳۵

جیسا کہ مفسرین نے سمجھا ہے، بلکہ وہ وقت ہے جو بنی اسرائیل کی نجات اور فرعون کی شکست کے لیے طلوع میں آنے والا تھا۔ چنانچہ سیاق و سباق صاف اس کی شہادت دے رہا ہے۔

عرض کیا "میری لاٹھی ہے، چلنے میں اس کا سہارا لیتا ہوں اسی سے اپنی بکریوں کے لئے درختوں کے پتے جھاڑ لیتا ہوں میرے لئے اس میں اور بھی طرح طرح کے فائدے ہیں"۔[1]

۱۸

حکم ہوا "اے موسیٰ! اسے ڈال دے"۔

۱۹

موسیٰ نے ڈال دیا، اور کیا دیکھتا ہے، ایک سانپ ہے جو دوڑ رہا ہے!

۲۰

(۵) مصر کی غلامی نے بنی اسرائیل کے اخلاق و عواطف بالکل پژمردہ کر دیئے تھے عزم و ہمت کا کوئی ولولہ ان میں باقی نہیں رہا تھا۔ عجب ہجرت موسیٰ نے فتح و اقبال کے آنے والے وقت کی بشارت سنائی تو اکثروں کو یقین نہیں آیا چونکہ یہ بات علم الٰہی میں تھی اس لئے یہاں آیت (۱۶) میں پہلے سے خبردار کر دیا کہ کہیں ایسا نہ ہو ایسے لوگوں کی محرومیاں تمہیں بھی اقدام عمل سے روک دیں۔

(۶) لاٹھی۔ سانپ بننے، ہتھیلی کے چمک اٹھنے اور ہارون کے وزیر و شریک ہونے کا ذکر تورات میں بھی ہے (خروج ۴: ۲) نیز یہ کہ خدا نے فرمایا "اب تو جا، میں تجھے فرعون کے پاس بھیجتا ہوں (خروج ۳: ۱۰) "دم الاخوین" کی صدری کی تشریح سورۂ الم نشرح میں ہوگی۔

۲۱

حکم ہوا "اسے اب پکڑ لے، خوف نہ کھا ہم اسے پھر اس کی اصلی حالت پر کئے دیتے ہیں"۔

۲۲

اور (نیز حکم ہوا) "اپنا ہاتھ اپنے پہلو میں رکھ اور پھر نکال، بغیر اس کے کہ کسی طرح کا عیب ہو، چمکتا ہوا نکلے گا۔ یہ (تیرے لئے) دوسری نشانی ہوگی (اور یہ دونوں نشانیاں) اس لئے دی گئی ہیں) کہ آئندہ تجھے اپنی قدرت کی بڑی بڑی نشانیاں دکھائیں"۔

۲۳

(نیز حکم ہوا) "اے موسیٰ! تو فرعون (یعنی بادشاہ مصر) کی طرف جا۔ وہ بڑا سرکش ہو گیا ہے"۔

۲۴

موسیٰ نے عرض کیا "اے پروردگار! میرا سینہ کھول دے (کہ بڑے سے بڑا بوجھ اٹھانے کے لئے مستعد ہو جاؤں) میرا کام میرے لئے آسان کر دے (کہ راہ کی کوئی دشواری بھی غالب نہ آسکے) میری زبان کی گرہ کھول دے کہ (خطاب و کلام میں پوری طرح رواں ہو جائے اور) میری بات لوگوں کے دلوں میں اتر جائے۔ نیز میرے گھر والوں میں سے میرے بھائی ہارون کو میرا وزیر بنا دے۔ اس کی وجہ سے میری قوت مضبوط ہو جائے، وہ میرے کام میں میرا شریک ہو۔ ہم (دونوں یک دل ہو کر) تیری پاکی اور بڑائی کا بکثرت اعلان کریں۔ تیری یاد میں زیادہ سے زیادہ لگے رہیں۔ اور بلاشبہ تو ہمارا حال دیکھ رہا ہے" (ہم سے کسی حال میں غافل نہیں)

۲۵-۲۶
۲۷-۲۸
۲۹-۳۰-۳۱
۳۲-۳۳
۳۴-۳۵

[1] و نفع دروغ ہا۔ ہمینہ بوجہ حکایت دراز تر گفتیم۔ چنانکہ حرف عصا گفت موسیٰ اندر طٰہٰ

الْقُرُوْنِ الْاُوْلٰى ۝ قَالَ عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّيْ فِيْ كِتٰبٍ ۚ لَا يَضِلُّ رَبِّيْ وَلَا يَنْسَى ۝ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ ۵۱ - ۵۲
الْاَرْضَ مَهْدًا وَّسَلَكَ لَكُمْ فِيْهَا سُبُلًا وَّاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۭ فَاَخْرَجْنَا بِهٖٓ اَزْوَاجًا مِّنْ نَّبَاتٍ ۵۳
شَتّٰى ۝ كُلُوْا وَارْعَوْا اَنْعَامَكُمْ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي النُّهٰى ۝ مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَفِيْهَا ۵۲
نُعِيْدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰى ۝ وَلَقَدْ اَرَيْنٰهُ اٰيٰتِنَا كُلَّهَا فَكَذَّبَ وَاَبٰى ۝ قَالَ اَجِئْتَنَا ۵۵ - ۵۶
لِتُخْرِجَنَا مِنْ اَرْضِنَا بِسِحْرِكَ يٰمُوْسٰى ۝ فَلَنَاْتِيَنَّكَ بِسِحْرٍ مِّثْلِهٖ فَاجْعَلْ بَيْنَنَا وَبَيْنَكَ مَوْعِدًا ۵۷
لَّا نُخْلِفُهٗ نَحْنُ وَلَآ اَنْتَ مَكَانًا سُوًى ۝ ۵۸

ان کی رہنمائی کرتی ہیں۔ ص نطفة خلقة، فقدر، ثم السبيل بسره (۸۰: ۱۹) الذی خلق فسوی والذی قدر فهدی (۸۷: ۲) مزید تشریح کے لئے دیکھو تفسیر فاتحہ۔

زمانوں میں گزر چکے ہیں؟" (یعنی انہیں تو تمہارے اس پروردگار کی خبر بھی نہ تھی)۔ ۵۱
موسیٰ نے کہا "اس بات کا علم میرے پروردگار کے پاس نوشتہ میں ہے۔ میرا پروردگار ایسا نہیں کہ کھو یا جائے۔ یا بھول میں پڑ جائے"۔ ۵۲

(۱۱) پھر ان کا کیا حال ہونا ہے جو پچھلے زمانوں میں گزر چکے ہیں؟ (۵۱) یعنی اگر پروردگار عالم وہی ہے جس کا قائم نام ہمارے ہو تو یہ بات پہلوں نے کیوں نہ کہی؟ کہا وہ سب مگر اسی میں پڑے۔ "علمها عند ربی فی کتاب" حضرت موسیٰ نے کہا مجھے کیا معلوم ان کا کیا حال تھا، اور انہیں کیا پیش آئے گا؟ اور نہیں اس کی فکر کیوں ہو اس کا علم اللہ کے نوشتہ میں ہے، ہر دو اور ہر گروہ اپنی حالت کے مطابق اپنا نتیجہ پائے گا۔ ہم اپنی فکر کریں پچھلوں کی فکر میں کیوں پڑیں؟ فما ماکسبت ولکم ما کسبتم ولا تسئلون عما کانوا یعملون (۲ : ۱۳۴)
اس مکالمہ سے اندازہ کرو کہ انبیاء کا طریق موعظت مجادلہ و مناظرہ کے طریقہ سے کس درجہ مختلف ہے؟

"وہ پروردگار جس نے تمہارے لئے زمین بچھونے کی طرح بچھا دی، نقل و حرکت کے لئے اس میں راہیں نکال دیں، آسمان سے پانی برسایا، اس کی آبپاشی سے ہر طرح کی نباتات کے جوڑے پیدا کر دئے خود بھی کھاؤ اور اپنے مویشی بھی چراؤ۔ اس بات میں عقل والوں کے لئے کیسی کھلی نشانیاں ہیں؟ اس نے اسی زمین سے تمہیں پیدا کیا، اسی میں لوٹاتا ہے اور پھر اسی سے دوسری مرتبہ اٹھائے جاؤ گے"۔ ۵۳ ۵۴ ۵۵

اور (دیکھو) یہ واقعہ ہے کہ ہم نے فرعون کو اپنی ساری نشانیاں دکھائیں مگر اس پر بھی اس نے جھٹلایا اور انکار کیا۔ اس نے کہا "اے موسیٰ! کیا تو ہمارے پاس اس لئے آیا ہے کہ اپنے جادو کے زور سے ہمیں ہمارے ملک سے نکال باہر کرے؟ اچھا ہم بھی اسی طرح کے جادو کا کرتب تجھے لا دکھائیں گے۔ ہمارے اور اپنے درمیان ایک دن (مقابلہ کا) مقرر کر دے۔ نہ تو ہم اس سے پھریں نہ تو۔ دونوں کی جگہ برابر ہوئی"۔ ۵۶ ۵۷ ۵۸

لہ اہل یمن مکانا سوی ہے اس کا ترجمہ مفسروں نے ہموار جگہ کیا ہے لیکن اسلوب کلام اس ترجمہ کے حق میں ہے جو ہم نے اختیار کیا ہے
ل سمجھ بوجھ: یقال سوی وسوی۔ ای عدل یعنی عدلا بین الکافین۔ قال زہیر:
اوفا خطه لا ضیم فیها یسوی بیننا فیها السواء

اِذْهَبَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى ۝ فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى ۝ قَالَا رَبَّنَآ اِنَّنَا نَخَافُ
اَنْ يَّفْرُطَ عَلَيْنَآ اَوْ اَنْ يَّطْغٰى ۝ قَالَ لَا تَخَافَآ اِنَّنِيْ مَعَكُمَآ اَسْمَعُ وَاَرٰى ۝ فَاْتِيٰهُ فَقُوْلَآ اِنَّا رَسُوْلَا
رَبِّكَ فَاَرْسِلْ مَعَنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۙ وَلَا تُعَذِّبْهُمْ ۭ قَدْ جِئْنٰكَ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكَ ۭ وَالسَّلٰمُ عَلٰى
مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى ۝ اِنَّا قَدْ اُوْحِيَ اِلَيْنَآ اَنَّ الْعَذَابَ عَلٰي مَنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى ۝ قَالَ فَمَنْ رَّبُّكُمَا
يٰمُوْسٰى ۝ قَالَ رَبُّنَا الَّذِيْٓ اَعْطٰى كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰى ۝ قَالَ فَمَا بَالُ

۴۳-۴۴
۴۵-۴۶
۴۷-۴۸
۴۹-۵۰

زندہ ہیں، اور جان دے دیں!

ہاں تم دونوں (یعنی موسیٰ اور ہارون) کو کیونکہ اب دونوں اکٹھے ہو گئے تھے اور مصر کے قریب وحی الٰہی نے دوبارہ مخاطب کیا تھا) فرعون کے پاس جاؤ۔ وہ سرکشی میں بہت بڑھ چلا ہے پھر جب اس کے پاس پہنچو تو (سختی کے ساتھ پیش نہ آنا) نرمی سے بات کرنا (تمہیں کیا معلوم؟) ہو سکتا ہے کہ نصیحت پکڑے یا (عواقب سے) ڈر جائے"۔

دونوں نے عرض کیا "پروردگار! ہمیں اندیشہ ہے (فرعون ہماری مخالفت میں جلدی نہ کرے یا سرکشی سے پیش آئے"۔

ارشاد ہوا "کچھ اندیشہ نہ کرو۔ میں تمہارے ساتھ ہوں میں سب کچھ سنتا ہوں سب کچھ دیکھتا ہوں تم اس کے پاس (بے دھڑک) جاؤ اور کہو ہم تیرے پروردگار کے بھیجے ہوئے آئے ہیں۔ پس بنی اسرائیل کو ہمارے ساتھ رخصت کر دے اور ان پر سختی نہ کر۔ ہم تیرے پروردگار کی نشانی لے کر تیرے سامنے آ گئے۔ اس پر سلامتی ہو جو سیدھی راہ اختیار کرے۔ جو کوئی جھٹلائے اور سرتابی کرے تو ہم پر وحی اتر چکی اس کے لئے عذاب کا پیام ہے!"

(چنانچہ وہ گئے، اور) فرعون نے پوچھا "اگر ایسا ہی ہے تو بتلاؤ تمہارا پروردگار کون ہے اے موسیٰ؟"

موسیٰ نے کہا "ہمارا پروردگار وہ ہے جس نے ہر چیز کو اس کی خلقت بخشی۔ پھر اس پر (زندگی و عمل کی) راہ کھول دی۔

فرعون نے کہا "پھر ان کا کیا حال ہوتا ہے جو پچھلے

۴۳ (۸) آیت (۴۱) انبیاء کے طریق دعوت کی اصل الاصول ہے تشریح اسکی پچھلی سورتوں میں گزر چکی۔

باوجودیکہ جس فرعون کی طرف اب حضرت موسیٰ جا رہے ہیں، یہ وہ نہیں ہے جس کے محل میں ان کی پرورش ہوئی تھی۔ وہ مر چکا تھا اور دوسرا فرعون تخت نشین ہو چکا تھا۔

۴۴ (۹) ادھر تو حضرت موسیٰ کو یہ حکم ہوا، اور مصر کی طرف چلے۔ ادھر مصر میں حضرت ہارون کو اشارہ غیبی ہوا کہ موسیٰ کی جستجو میں صحرا چنانچہ راہ میں دونوں کی ملاقات ہو گئی اب چونکہ دونوں یکجا ہو چکے تھے اس لئے وحی الٰہی نے دوسری مرتبہ مخاطب کیا تو دونوں کو کیا پس آیت (۴۳) میں اذھبا کا خطاب پہلے واقعہ سے تعلق نہیں رکھتا۔ بعد کا واقعہ ہے۔

۴۵

۴۶

۴۷

۴۸

۴۹

۵۰ (۱۰) حضرت موسیٰ نے تین چار لفظوں میں جو کچھ کہہ دیا کیا اس سے زیادہ دنیا کی کوئی زبان خدا کے بارے میں کچھ کہہ سکتی ہے؟ پروردگار وہ ہے جس نے ہر مخلوق کو اس کا وجود بخشا اور پھر اس کی زندگی و بقا کے لئے جن جن باتوں کی ضرورت تھی ان سب کی راہ انہیں دکھا دی۔ یہی ایسا وجدان ہے جو اس نے تمام مخلوقات میں ودیعت کر دیا ہے۔

فَأُلْقِيَ السَّحَرَةُ سُجَّدًا قَالُوا آمَنَّا بِرَبِّ هَارُونَ وَمُوسَىٰ ۷۰ قَالَ آمَنتُمْ لَهُ قَبْلَ أَنْ آذَنَ لَكُمْ ۖ إِنَّهُ لَكَبِيرُكُمُ الَّذِي عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ ۖ فَلَأُقَطِّعَنَّ أَيْدِيَكُمْ وَأَرْجُلَكُم مِّنْ خِلَافٍ وَلَأُصَلِّبَنَّكُمْ فِي جُذُوعِ النَّخْلِ وَلَتَعْلَمُنَّ أَيُّنَا أَشَدُّ عَذَابًا وَأَبْقَىٰ ۷۱ قَالُوا لَن نُّؤْثِرَكَ عَلَىٰ مَا جَاءَنَا مِنَ الْبَيِّنَاتِ وَالَّذِي فَطَرَنَا ۖ فَاقْضِ مَا أَنتَ قَاضٍ ۖ إِنَّمَا تَقْضِي هَٰذِهِ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا ۷۲ إِنَّا آمَنَّا بِرَبِّنَا لِيَغْفِرَ لَنَا خَطَايَانَا وَمَا أَكْرَهْتَنَا عَلَيْهِ مِنَ السِّحْرِ ۗ وَاللَّهُ خَيْرٌ وَأَبْقَىٰ ۷۳ إِنَّهُ مَن يَأْتِ رَبَّهُ مُجْرِمًا فَإِنَّ لَهُ جَهَنَّمَ لَا يَمُوتُ فِيهَا وَلَا يَحْيَىٰ ۷۴ وَمَن يَأْتِهِ مُؤْمِنًا قَدْ عَمِلَ الصَّالِحَاتِ فَأُولَٰئِكَ لَهُمُ الدَّرَجَاتُ الْعُلَىٰ ۷۵ جَنَّاتُ عَدْنٍ تَجْرِي

الثلثة

چنانچہ (ایسا ہی نتیجہ نکلا) تمام جادوگر بے اختیار سجدے میں گر پڑے اور پکارے "ہم ہارون کے خدا پر ایمان لائے"

۷۰

فرعون نے کہا "تم بغیر میرے حکم کے موسیٰ پر ایمان لے آئے؟ ضرور یہ تمہارا سردار ہے جس نے تمہیں جادو سکھایا ہے! اچھا، دیکھو میں کیا کرتا ہوں۔ میں تمہارے ہاتھ پاؤں الٹے سیدھے کٹوا ؤنگا، اور کھجور کے تنوں پر سولی دونگا پھر تمہیں پتہ چلے گا ہم دونوں میں کون سخت عذاب دینے والا ہے اور کس کا عذاب دیرپا ہے"

۷۱

انہوں نے کہا "ہم یہ کبھی نہیں کر سکتے کہ سچائی کی جو روشن دلیلیں ہمارے سامنے آگئی ہیں اور جس خدا نے ہمیں پیدا کیا ہے اس سے منہ موڑ کر تیرا حکم مان لیں۔ تو جو فیصلہ کرنا چاہتا ہے کر لے۔ تو زیادہ سے زیادہ جو کر سکتا ہے وہ یہی ہے کہ دنیا کی اس زندگی کا فیصلہ کرے۔ اس سے زیادہ ہے اختیار میں کچھ نہیں ہے۔ ہم تو اپنے پروردگار پر ایمان لا چکے کہ ہماری خطائیں بخشدے، خصوصاً یہ جادوگری کی خطا جس پر تو نے ہمیں مجبور کیا تھا۔ اللہ ہی بہتر ہے اور وہی باقی رہنے والا ہے"

۷۲

۷۳

کچھ شک نہیں، جو شخص اپنے پروردگار کے حضور مجرم ہو کر حاضر ہوگا تو یقیناً اس کے لئے دوزخ ہوگی۔ نہ تو اس میں مرے گا، نہ زندہ رہے گا۔ اور جو کوئی اس کے حضور مومن ہو کر حاضر ہوگا۔ اور اس نے کام بھی اچھے کئے ہونگے تو یقیناً ایسے ہی لوگ ہیں جن کے لئے بڑے بڑے درجے ہونگے

۷۴

ہمیشگی کے گلزار جن کے نیچے نہریں رواں ہیں! وہ

۷۵

(۱۲) ۵ اعراف میں گزر چکا ہے کہ شکست کھانے کے بعد فرعون نے جادوگروں سے کہا یہ تمہاری ملی بھگت ہے۔ کہ موسیٰ کو جتا دیا۔ (۷: ۱۲۳) یہاں اس کے قول کا دوسرا حصہ نقل کیا ہے کہ معلوم ہوتا ہے موسیٰ تمہارا سردار ہے تم جادو میں اس کے شاگرد ہو۔ اسی لئے اس کے آگے گر پڑے یعنی صورت سے یہ بھی کہ عوام پر حقیقت حال مشتبہ کرو۔ شکست کی وجہ یہ تھی۔

۷۰-۷۵

ف ۱ جس طرح اردو میں کہتے ہیں۔ تمہاری لاش درخت پر لٹکائی جائے گی۔ اسی طرح عربی محاورہ ہے کہ کھجور کے تنہ پر سولی دی جائے گی۔ کیونکہ وہاں زیادہ تر درخت کھجور ہی کے ہوتے ہیں۔ سعید بن ابی کا بل کا شعر ہے۔

وهم صلبوا العبدي في جذم نخلة فلا عطست شيبان الا بأجدعا

قَالَ مَوْعِدُكُمْ يَوْمُ الزِّينَةِ وَأَنْ يُحْشَرَ النَّاسُ ضُحًى ۝ فَتَوَلَّىٰ فِرْعَوْنُ فَجَمَعَ كَيْدَهُ ثُمَّ أَتَىٰ ۝ قَالَ لَهُم
مُّوسَىٰ وَيْلَكُمْ لَا تَفْتَرُوا عَلَى اللَّهِ كَذِبًا فَيُسْحِتَكُم بِعَذَابٍ ۖ وَقَدْ خَابَ مَنِ افْتَرَىٰ ۝ فَتَنَازَعُوا أَمْرَهُم
بَيْنَهُمْ وَأَسَرُّوا النَّجْوَىٰ ۝ قَالُوا إِنْ هَٰذَانِ لَسَاحِرَانِ يُرِيدَانِ أَن يُخْرِجَاكُم مِّنْ أَرْضِكُم بِسِحْرِهِمَا وَيَذْهَبَا
بِطَرِيقَتِكُمُ الْمُثْلَىٰ ۝ فَأَجْمِعُوا كَيْدَكُمْ ثُمَّ ائْتُوا صَفًّا ۚ وَقَدْ أَفْلَحَ الْيَوْمَ مَنِ اسْتَعْلَىٰ ۝ قَالُوا يَا مُوسَىٰ إِمَّا أَن
تُلْقِيَ وَإِمَّا أَن نَّكُونَ أَوَّلَ مَنْ أَلْقَىٰ ۝ قَالَ بَلْ أَلْقُوا ۖ فَإِذَا حِبَالُهُمْ وَعِصِيُّهُمْ يُخَيَّلُ إِلَيْهِ مِن
سِحْرِهِمْ أَنَّهَا تَسْعَىٰ ۝ فَأَوْجَسَ فِي نَفْسِهِ خِيفَةً مُّوسَىٰ ۝ قُلْنَا لَا تَخَفْ إِنَّكَ أَنتَ الْأَعْلَىٰ ۝ وَأَلْقِ مَا
فِي يَمِينِكَ تَلْقَفْ مَا صَنَعُوا ۖ إِنَّمَا صَنَعُوا كَيْدُ سَاحِرٍ ۖ وَلَا يُفْلِحُ السَّاحِرُ حَيْثُ أَتَىٰ ۝

۵۹-۶۰ موسیٰ نے کہا، جشن کا دن تمہارے لئے مقرر ہوا۔ دن چڑھے لوگ اکٹھے ہو جائیں۔

پھر فرعون نے ان سے رخ پھیرا، اپنے تمام داؤ جمع کئے، پھر (وقت مقرر پر مقابلہ کے لئے) نمودار ہوا

۶۱ موسیٰ نے (میدان کی بھیڑ کو مخاطب کرتے ہوئے) کہا: "افسوس تم پر! (تم کیا کر رہے ہو) دیکھو اللہ پر جھوٹی تہمت

۶۱ نہ لگاؤ۔ ایسا نہ ہو کہ وہ کوئی عذاب بھیج کر تمہاری جڑ اکھاڑ دے، جس کسی نے جھوٹ بات بنائی وہ ضرور نامراد ہوا"

۶۲ (یہ سن کر) لوگ آپس میں ردوکد کرنے لگے اور پوشیدہ سرگوشیاں شروع ہو گئیں۔ پھر (درباری) بولے "یہ دونوں

۶۳ بھائی ضرور جادوگر ہیں، یہ چاہتے ہیں اپنے جادو کے زور سے تمہیں تمہاری مکک سے نکال باہر کریں اور پھر تمہاری

۶۴ شرف و عظمت کے مالک ہو جائیں۔ پس اپنے سارے داؤ جمع کرو۔ اور پابندھ کر ڈٹ جاؤ۔ جو آج بازی لے گیا۔

وہی کامیاب ہوگا۔"

۶۵ جادوگروں نے کہا "اے موسیٰ! یا تو تم پہلے اپنی لاٹھی پھینکو یا پھر ہماری ہی طرف سے پہل ہو۔"

موسیٰ نے کہا "نہیں تم ہی پہلے پھینکو۔"

۶۶ چنانچہ (انہوں نے اپنا کرتب دکھایا اور) اچانک موسیٰ کو ان کے جادو کی وجہ سے ایسا دکھائی دیا کہ ان

کی رسیاں اور لاٹھیاں (سانپ کی طرح) دوڑ رہی ہیں:

۶۷ موسیٰ نے اپنے اندر ہراس محسوس کیا (کہ اس منظر سے لوگ تماشہ ہو جائیں) ہم نے کہا "اندیشہ نہ کر تو ہی

۶۸ غالب رہے گا تیرے ہاتھ میں جو لاٹھی ہے فوراً پھینک دے جادوگروں کی تمام بناوٹیں نگل جائے گی انہوں نے جو

کچھ بنایا ہے، محض جادوگروں کا فریب ہے اور جادوگر کسی راہ سے آئے کبھی کامیابی نہیں پا سکتا۔"

(۱۲) تعبیل المہ ص بحوالہ ۶۶ یہی جادوگروں کی رسیاں اور لاٹھیاں سانپ نہیں بن گئیں تھیں، بلکہ ان کی شعبدہ گری کی وجہ سے دیکھنے والا خیال کرنے لگتا، سانپ کی طرح حرکت کر رہی ہیں۔ چنانچہ آگے پس کر کہا: انما صنعوا کید ساحر ولا یفلح الساحر حیث اتی یہ جادوگروں کا فریب تھا ہے اور جادوگر کیا ہی تماشہ دکھائے، حقیقت کی طرح کامیاب نہیں ہو سکتا۔ سورۂ اعراف میں اس واقعہ کی تشریحات گزر چکی ہیں اور آئندہ سورتوں میں مزید تشریحات میں گی۔

۶۹

أَثَرِي وَعَجِلْتُ إِلَيْكَ رَبِّ لِتَرْضَىٰ ۝ قَالَ فَإِنَّا قَدْ فَتَنَّا قَوْمَكَ مِن بَعْدِكَ وَأَضَلَّهُمُ ۸۴
السَّامِرِيُّ ۝ فَرَجَعَ مُوسَىٰ إِلَىٰ قَوْمِهِ غَضْبَانَ أَسِفًا ۚ قَالَ يَا قَوْمِ أَلَمْ يَعِدْكُمْ رَبُّكُمْ وَعْدًا حَسَنًا ۸۵
أَفَطَالَ عَلَيْكُمُ الْعَهْدُ أَمْ أَرَدتُّمْ أَن يَحِلَّ عَلَيْكُمْ غَضَبٌ مِّن رَّبِّكُمْ فَأَخْلَفْتُم مَّوْعِدِي ۝ قَالُوا ۸۶
مَا أَخْلَفْنَا مَوْعِدَكَ بِمَلْكِنَا وَلَٰكِنَّا حُمِّلْنَا أَوْزَارًا مِّن زِينَةِ الْقَوْمِ فَقَذَفْنَاهَا فَكَذَٰلِكَ أَلْقَى
السَّامِرِيُّ ۝ فَأَخْرَجَ لَهُمْ عِجْلًا جَسَدًا لَّهُ خُوَارٌ فَقَالُوا هَٰذَا إِلَٰهُكُمْ وَإِلَٰهُ مُوسَىٰ ۸۷

بلانے کے لئے گئے، تو قوم کو حضرت ہارون کی نگرانی میں چھوڑ گئے تھے ان کی عدم موجودگی میں سامری کا فتنہ ظہور میں آیا۔ یہاں آیت ۸۴ میں اسی طرف اشارا کیا ہے۔ حضرت موسیٰ جب قوم کو پیچھے چھوڑ کر طور پر پہنچ گئے، تو وحی الٰہی نے انہیں مخاطب کیا کس بات نے تجھے قوم کی طرف سے اس درجہ مطمئن کر دیا کہ فوراً انہیں چھوڑ کر چلا آیا؟" حضرت موسیٰ جو پیش آنے والے واقعہ سے بے خبر تھے بولے میں نے مقررہ وقت پر آنے میں جلدی کی تو رضامند ہوا اور قوم میرے نقش قدم پر چل رہی ہے" فرمایا "ہاں مگر قوم کا یہ چلن ہے کہ اتنے ہی دنوں میں گمراہ ہو گئی"۔

نقش قدم پر ہیں اور اے پروردگار! میں نے تیرے حضور آنے میں جلدی کی کہ تو خوش ہو" ۸۴
فرمایا "مگر ہم نے تیرے پیچھے تیری قوم کی (استقامت کی) آزمائش کی اور سامری نے اسے گمراہ کر دیا ہے"۔ ۸۵
پس موسیٰ خشمناک اور افسوس کرتا ہوا قوم کی طرف لوٹا۔ اس نے کہا "اے میری قوم کے لوگو! (یہ تم نے کیا کیا؟) کیا تم سے تمہارے پروردگار نے ایک بڑی بھلائی کا وعدہ نہیں کیا تھا؟ پھر کیا ایسا ہوا کہ تم پر بڑی مدت گزر گئی (اور تم اسے یاد نہ رکھ سکے؟) یا یہ بات ہے کہ تم نے چاہا، تمہارے پروردگار کا غضب تم پر آ نازل ہو اور اس لئے تم نے مجھ سے ٹھہرائی ہوئی بات توڑ ڈالی؟" ۸۶
انہوں نے کہا "ہم نے خود اپنی خواہش سے عہد شکنی نہیں کی۔ بلکہ (ایک دوسرا ہی معاملہ پیش آیا۔ مصری) قوم کی زیب و زینت کی چیزوں کا ہم پر بوجھ پڑا تھا (یعنی بھاری بھاری زیوروں کا جو مصر میں پہنے جاتے تھے۔ ہم اس بوجھ کے رکھنے کے خواہشمند نہ تھے) تو ہم نے پھینک دیا"۔ (بس ہمارا اتنا ہی قصور ہے)

چنانچہ اس طرح (جب سونا فراہم ہو گیا تو) سامری نے اسے (آگ میں ڈالا) اور ان کے لئے ایک (سنہرا) بچھڑا (بنا کر) نکال لایا محض ایک بیجان دھڑ جس سے گائے کی سی آواز نکلتی تھی! ۸۷
لوگ یہ دیکھ کر بول اٹھے "یہ ہے ہمارا معبود اور

(۱۶) آیت ۸۷ میں "فقذفناھا" تک لوگوں کا جواب ہے اس کے بعد "فذالک" سے قرآن واقعہ کی تفصیل بیان کرتا ہے۔ یہ لوگوں کے جواب کا ٹکڑا نہیں۔ صرف اتنی سی بات پر غور نہ کرنے کی وجہ سے مفسروں اور مترجموں نے اس مقام کا پورا اسلوب خط کر دیا، اور اسلوب کلام کی بھی ساری کل بگڑ گئی اب ہم نے جس طرح ترجمہ کیا ہے اس پر غور کرو معمہ کی گرہ اور سرے سے کھل جائے گی۔

لہ جب لوگ ایسی باتیں کرتے ہیں تو اردو محاورہ یہ ہے کہ کہتے ہیں "ہمیں ایسا کرنا چاہئے" "اور ہمارا ایسا حال ہو رہا ہے" لیکن عربی میں اس موقعہ پر "ہم" نہیں بلکہ "تم" کہیں گے۔ مثلاً "آپس میں لوگوں نے کہا جسے ایسا کرنا چاہئے" چنانچہ برادران یوسف نے آپس میں مشورہ کرتے ہوئے کہا تھا "اقتلوا یوسف" اور یکون من بعدہ قوما صالحین" (۹) آؤ یوسف کو مار ڈالیں اس کے بعد ہماری ساری باتیں سدھر جائیں گی اسی طرح اسی سورت کی آیت (۷۱) میں بھی اردو کے محل متکلم کی جگہ ضمیر خطاب جا بجا آ چکی ہے۔ یہاں بھی اصل میں "الاحکم" (بقیہ ص ۴۵۶)

مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ وَذٰلِكَ جَزٰٓؤُا مَنْ تَزَكّٰى ۝ وَلَقَدْ اَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى ۙ اَنْ اَسْرِ بِعِبَادِيْ ۷۶
فَاضْرِبْ لَهُمْ طَرِيْقًا فِي الْبَحْرِ يَبَسًا ۙ لَّا تَخٰفُ دَرَكًا وَّلَا تَخْشٰى ۝ فَاَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ بِجُنُوْدِهٖ فَغَشِيَهُمْ مِّنَ ۷۷
الْيَمِّ مَا غَشِيَهُمْ ۝ وَاَضَلَّ فِرْعَوْنُ قَوْمَهٗ وَمَا هَدٰى ۝ يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ قَدْ اَنْجَيْنٰكُمْ مِّنْ عَدُوِّكُمْ وَ ۷۹-
وٰعَدْنٰكُمْ جَانِبَ الطُّوْرِ الْاَيْمَنَ وَنَزَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى ۝ كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَلَا ۸۰
تَطْغَوْا فِيْهِ فَيَحِلَّ عَلَيْكُمْ غَضَبِيْ ۚ وَمَنْ يَّحْلِلْ عَلَيْهِ غَضَبِيْ فَقَدْ هَوٰى ۝ وَاِنِّيْ لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ وَ ۸۱
اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ اهْتَدٰى ۝ وَمَآ اَعْجَلَكَ عَنْ قَوْمِكَ يٰمُوْسٰى ۝ قَالَ هُمْ اُولَآءِ عَلٰٓى ۸۳-۸۱

کا یقین آیتوں میں ان کے ایمان باللہ اور امید مغفرت و رضوان کی تصدیق کی ہے اور واضح کیا ہے کہ عذاب اخروی انہی کے لئے ہے جو زندگی میں جرم سے جو ایمان لے آئے اور نیک عملی اختیار کرلی تو ان کے لئے درجوں کی بلندی اور روحانی زندگی کی کامرانیاں ہوں گی۔

اس میں شک نہیں کہ سحرہ فرعون کا اللہ کے حضور بڑا درجہ ہوا۔ کیونکہ انہوں نے قبولیت حق کی استعداد اور اس کی انتہاس دونوں کا ثبوت دیدیا۔ ان کا کفر ساری زندگی کا کفر تھا، اور ایمان صرف چند لمحوں کا ایمان لیکن چند لمحوں کے ایمان نے عمر بھر کا کفر محو کر دیا۔ ان کا دل صدیقوں کا دل اور ان کی صدا شہداء حق کی صدا ہوئی۔ صبر و شجاعت ہی کا سارا فیض و جلال ایک پل کے لئے بھی ان کی استقامت ایمانی پر غالب نہ آسکا!

۷۶

۷۷

۷۷-۷۹

۸۰

۸۱

۸۲

۸۳

ہمیشہ اسی میں رہیں گے۔ یہ ہے اس کا بدلہ جو (زندگی میں) ہر طرح کی آلودگیوں سے) پاک رہا۔

اور (پھر دیکھو) ہم نے موسیٰ پر وحی بھیجی تھی کہ (اب) میرے بندوں کو راتوں رات (مصر سے) نکال لے جا۔ پھر سمندر میں ان کے گزرنے کے لئے خشکی کی راہ نکال لے۔ نہ تو تعاقب کرنے والوں سے اندیشہ ہوگا، نہ اور کسی طرح کا خطرہ۔

پھر جب موسیٰ اپنی قوم کو لے کر نکل گیا، تو فرعون نے اپنے لشکر کے ساتھ اس کا پیچھا کیا۔ پس پانی کا ریلہ جیسا کچھ ان پر چھانے والا تھا، چھا گیا (یعنی جو کچھ ان پر گزرتی تھی گزر گئی) اور فرعون نے اپنی قوم پر راہ نجات گم کر دی۔ انہیں سیدھی راہ نہیں دکھائی!

اے بنی اسرائیل! میں نے تمہارے دشمن سے نجات بخشی تم سے (برکتوں اور کامرانیوں کا) وعدہ کیا جو کوہ طور کے داہنی جانب تمہارے لئے آیا تھا۔ تمہارے لئے (صحرائے سینا میں) "من" اور "سلویٰ" مہیا کر دیا۔ تمہیں کہا گیا۔ یہ پاک غذا جو مہیا کر دی گئی ہے بشوق سے کھاؤ مگر اس بارے میں سرکشی نہ کرو۔ کرو گے تو میرا غضب نازل ہو جائیگا، اور جس پر میرا عذاب نازل ہوا تو بس وہ (ہلاکت میں) گرا!

اور (میں نے کہا) جو کوئی توبہ کرے، ایمان لائے، نیک عمل ہو، تو میں یقیناً اس کے لئے بڑا ہی بخشنے والا ہوں۔

الجب موسیٰ طور پر حاضر ہوا، تو ہم نے پوچھا: اے موسیٰ! کس بات نے تجھے جلدی پر ابھارا اور تو قوم کو پیچھے چھوڑ کر چلا آیا؟

موسیٰ نے عرض کیا وہ مجھ سے دور نہیں۔ میرے

(۱۵) آیت (۷۷) اور (۸۰) حضرت موسیٰ اور فرعون کے حادثہ کا خلاصہ و حاصل ہے۔ اس کے بعد ان حالات کی طرف اشارہ کیا ہے جو صحرائے خروج کے بعد دشت سینا میں پیش آئے تھے۔ اور آیت ۸۳ سے سامری کا واقعہ شروع ہوتا ہے۔

پچھلی سورتوں میں گزر چکا ہے کہ جب حضرت موسیٰ طور پر مناجات

قَالَ فَمَا بَالُ الْقُرُوْنِ الْاُوْلٰى ۝ قَالَ عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّيْ فِيْ كِتٰبٍ ۚ لَا يَضِلُّ رَبِّيْ وَلَا يَنْسَى ۝ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ مَهْدًا وَّسَلَكَ لَكُمْ فِيْهَا سُبُلًا وَّاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ فَاَخْرَجْنَا بِهٖٓ اَزْوَاجًا مِّنْ نَّبَاتٍ شَتّٰى ۝ كُلُوْا وَارْعَوْا اَنْعَامَكُمْ ۚ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي النُّهٰى ۝ مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَفِيْهَا نُعِيْدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰى ۝ وَلَقَدْ اَرَيْنٰهُ اٰيٰتِنَا كُلَّهَا فَكَذَّبَ وَاَبٰى ۝ قَالَ اَجِئْتَنَا لِتُخْرِجَنَا مِنْ اَرْضِنَا بِسِحْرِكَ يٰمُوْسٰى ۝ فَلَنَاْتِيَنَّكَ بِسِحْرٍ مِّثْلِهٖ فَاجْعَلْ بَيْنَنَا وَبَيْنَكَ مَوْعِدًا لَّا نُخْلِفُهٗ نَحْنُ وَلَآ اَنْتَ مَكَانًا سُوًى ۝ قَالَ مَوْعِدُكُمْ يَوْمُ الزِّيْنَةِ وَاَنْ يُّحْشَرَ النَّاسُ ضُحًى ۝ فَتَوَلّٰى فِرْعَوْنُ فَجَمَعَ كَيْدَهٗ ثُمَّ اَتٰى ۝ قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰى وَيْلَكُمْ لَا تَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا فَيُسْحِتَكُمْ بِعَذَابٍ ۚ وَقَدْ خَابَ مَنِ افْتَرٰى ۝ فَتَنَازَعُوْٓا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ وَاَسَرُّوا النَّجْوٰى ۝ قَالُوْٓا اِنْ هٰذٰنِ لَسٰحِرٰنِ يُرِيْدٰنِ اَنْ يُّخْرِجٰكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ بِسِحْرِهِمَا وَيَذْهَبَا بِطَرِيْقَتِكُمُ الْمُثْلٰى ۝ فَاَجْمِعُوْا كَيْدَكُمْ ثُمَّ ائْتُوْا صَفًّا ۚ وَقَدْ اَفْلَحَ الْيَوْمَ مَنِ اسْتَعْلٰى ۝ قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِمَّآ اَنْ تُلْقِيَ وَاِمَّآ اَنْ نَّكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَلْقٰى ۝ قَالَ بَلْ اَلْقُوْا ۚ فَاِذَا حِبَالُهُمْ وَعِصِيُّهُمْ يُخَيَّلُ اِلَيْهِ مِنْ سِحْرِهِمْ اَنَّهَا تَسْعٰى ۝ فَاَوْجَسَ فِيْ نَفْسِهٖ خِيْفَةً مُّوْسٰى ۝ قُلْنَا لَا تَخَفْ اِنَّكَ اَنْتَ الْاَعْلٰى ۝ وَاَلْقِ مَا فِيْ يَمِيْنِكَ تَلْقَفْ مَا صَنَعُوْا ۚ اِنَّمَا صَنَعُوْا كَيْدُ سٰحِرٍ ۚ وَلَا يُفْلِحُ السّٰحِرُ حَيْثُ اَتٰى ۝ فَاُلْقِيَ السَّحَرَةُ سُجَّدًا قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِرَبِّ هٰرُوْنَ وَمُوْسٰى ۝ قَالَ اٰمَنْتُمْ لَهٗ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ ۚ اِنَّهٗ لَكَبِيْرُكُمُ الَّذِيْ عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ ۚ فَلَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ وَّلَاُصَلِّبَنَّكُمْ فِيْ جُذُوْعِ النَّخْلِ ۚ وَلَتَعْلَمُنَّ اَيُّنَآ اَشَدُّ عَذَابًا وَّاَبْقٰى ۝ قَالُوْا لَنْ نُّؤْثِرَكَ عَلٰى مَا جَآءَنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ وَالَّذِيْ فَطَرَنَا فَاقْضِ مَآ اَنْتَ قَاضٍ ۚ اِنَّمَا تَقْضِيْ هٰذِهِ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ۝ اِنَّآ اٰمَنَّا بِرَبِّنَا لِيَغْفِرَ لَنَا خَطٰيٰنَا وَمَآ اَكْرَهْتَنَا عَلَيْهِ مِنَ السِّحْرِ ۚ وَاللّٰهُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ۝ اِنَّهٗ مَنْ يَّاْتِ رَبَّهٗ مُجْرِمًا فَاِنَّ لَهٗ جَهَنَّمَ ۚ لَا يَمُوْتُ فِيْهَا وَلَا يَحْيٰى ۝ وَمَنْ يَّاْتِهٖ مُؤْمِنًا قَدْ عَمِلَ الصّٰلِحٰتِ فَاُولٰٓئِكَ لَهُمُ الدَّرَجٰتُ الْعُلٰى ۝ جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ وَذٰلِكَ جَزٰٓؤُا مَنْ تَزَكّٰى ۝ وَلَقَدْ اَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اَنْ اَسْرِ بِعِبَادِيْ فَاضْرِبْ لَهُمْ طَرِيْقًا فِي الْبَحْرِ يَبَسًا ۙ لَّا تَخٰفُ دَرَكًا وَّلَا تَخْشٰى ۝ فَاَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ بِجُنُوْدِهٖ فَغَشِيَهُمْ مِّنَ الْيَمِّ مَا غَشِيَهُمْ ۝ وَاَضَلَّ فِرْعَوْنُ قَوْمَهٗ وَمَا هَدٰى ۝ يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ قَدْ اَنْجَيْنٰكُمْ مِّنْ عَدُوِّكُمْ وَوٰعَدْنٰكُمْ جَانِبَ الطُّوْرِ الْاَيْمَنَ وَنَزَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى ۝ كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَلَا تَطْغَوْا فِيْهِ فَيَحِلَّ عَلَيْكُمْ غَضَبِيْ ۚ وَمَنْ يَّحْلِلْ عَلَيْهِ غَضَبِيْ فَقَدْ هَوٰى ۝ وَاِنِّيْ لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ اهْتَدٰى ۝ وَمَآ اَعْجَلَكَ عَنْ قَوْمِكَ يٰمُوْسٰى ۝ قَالَ هُمْ اُولَآءِ عَلٰٓى اَثَرِيْ وَعَجِلْتُ اِلَيْكَ رَبِّ لِتَرْضٰى ۝ قَالَ فَاِنَّا قَدْ فَتَنَّا قَوْمَكَ مِنْۢ بَعْدِكَ وَاَضَلَّهُمُ السَّامِرِيُّ ۝ فَرَجَعَ مُوْسٰٓى اِلٰى قَوْمِهٖ غَضْبَانَ اَسِفًا ۚ قَالَ يٰقَوْمِ اَلَمْ يَعِدْكُمْ رَبُّكُمْ وَعْدًا حَسَنًا ۚ اَفَطَالَ عَلَيْكُمُ الْعَهْدُ اَمْ اَرَدْتُّمْ اَنْ يَّحِلَّ عَلَيْكُمْ غَضَبٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَخْلَفْتُمْ مَّوْعِدِيْ ۝ قَالُوْا مَآ اَخْلَفْنَا مَوْعِدَكَ بِمَلْكِنَا وَلٰكِنَّا حُمِّلْنَآ اَوْزَارًا مِّنْ زِيْنَةِ الْقَوْمِ فَقَذَفْنٰهَا فَكَذٰلِكَ اَلْقَى السَّامِرِيُّ ۝ فَاَخْرَجَ لَهُمْ عِجْلًا جَسَدًا لَّهٗ خُوَارٌ فَقَالُوْا هٰذَآ اِلٰهُكُمْ وَاِلٰهُ مُوْسٰى فَنَسِيَ ۝ اَفَلَا يَرَوْنَ اَلَّا يَرْجِعُ اِلَيْهِمْ قَوْلًا ۙ وَّلَا يَمْلِكُ لَهُمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا ۝ وَلَقَدْ قَالَ لَهُمْ هٰرُوْنُ مِنْ قَبْلُ يٰقَوْمِ اِنَّمَا فُتِنْتُمْ بِهٖ ۚ وَاِنَّ رَبَّكُمُ الرَّحْمٰنُ فَاتَّبِعُوْنِيْ وَاَطِيْعُوْٓا اَمْرِيْ ۝ قَالُوْا لَنْ نَّبْرَحَ عَلَيْهِ عٰكِفِيْنَ حَتّٰى يَرْجِعَ اِلَيْنَا مُوْسٰى ۝ قَالَ يٰهٰرُوْنُ مَا مَنَعَكَ اِذْ رَاَيْتَهُمْ ضَلُّوْٓا ۝ اَلَّا تَتَّبِعَنِ ۭ اَفَعَصَيْتَ اَمْرِيْ ۝ قَالَ يَبْنَؤُمَّ لَا تَاْخُذْ بِلِحْيَتِيْ وَلَا بِرَاْسِيْ ۚ اِنِّيْ خَشِيْتُ اَنْ تَقُوْلَ فَرَّقْتَ بَيْنَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ وَلَمْ تَرْقُبْ قَوْلِيْ ۝ قَالَ فَمَا خَطْبُكَ يٰسَامِرِيُّ ۝ قَالَ بَصُرْتُ بِمَا لَمْ يَبْصُرُوْا بِهٖ فَقَبَضْتُ قَبْضَةً مِّنْ اَثَرِ الرَّسُوْلِ فَنَبَذْتُهَا وَكَذٰلِكَ سَوَّلَتْ لِيْ نَفْسِيْ ۝ قَالَ فَاذْهَبْ فَاِنَّ لَكَ فِي الْحَيٰوةِ اَنْ تَقُوْلَ لَا مِسَاسَ ۖ وَاِنَّ لَكَ مَوْعِدًا لَّنْ تُخْلَفَهٗ ۚ وَانْظُرْ اِلٰٓى اِلٰهِكَ الَّذِيْ ظَلْتَ عَلَيْهِ عَاكِفًا ۭ لَنُحَرِّقَنَّهٗ ثُمَّ لَنَنْسِفَنَّهٗ فِي الْيَمِّ نَسْفًا ۝ اِنَّمَآ اِلٰهُكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ وَسِعَ كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا ۝ كَذٰلِكَ نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ مَا قَدْ سَبَقَ ۚ وَقَدْ اٰتَيْنٰكَ مِنْ لَّدُنَّا ذِكْرًا ۝ مَنْ اَعْرَضَ عَنْهُ فَاِنَّهٗ يَحْمِلُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وِزْرًا ۝ خٰلِدِيْنَ فِيْهِ ۭ وَسَاۗءَ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ حِمْلًا ۝ يَّوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ ۭ وَنَحْشُرُ الْمُجْرِمِيْنَ يَوْمَىِٕذٍ زُرْقًا ۝ يَّتَخَافَتُوْنَ بَيْنَهُمْ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا عَشْرًا ۝ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَقُوْلُوْنَ اِذْ يَقُوْلُ

۹۶

۹۷-۹۸

۹۹

۱۰۰-۱۰۱

۱۰۲-۱۰۳

(۱۸) آیت ۹۸ پر سرگزشت ختم ہو گئی ہے، اور اس کے بعد سلسلہ بیان منکرین دعوت کی طرف متوجہ ہو گیا ہے۔ فرمایا جس طرح حضرت موسیٰ پر ہدایت وحی اتری تھی اسی طرح ہم نے تجھے بھی ایک سرمایہ نصیحت یعنی قرآن عطا فرمایا ہے، اور اس کے منکروں کے لئے بھی وہی ہونا ہے، جو پہلے ہو چکا ہے۔

(۱۹) لوگوں کو اکٹھا کرنے کا پرانا دستور یہ چلا آتا ہے کہ نرسنگھا پھونکتے ہیں۔ آشوریوں، مصریوں، ہندوستانیوں، ایرانیوں، چینیوں سب میں یہ طریقہ پایا گیا ہے، اسی لئے نرسنگھا پھونکنے کا مطلب یہ ہو گیا کہ مجمع ہونے کی پکار بلند ہوئی۔ قدوات اور انجیل کی یہ وہی اصطلاح ہے، اور قرآن نے بھی جا بجا نفخ فی الصور کی ترکیب استعمال کی ہے۔

(۲۰) آیت ۱۰۳ کا وہی مطلب ہے، جو پچھلی سورتوں میں گزر چکا ہے،

ٹھکانہ پر روی کی۔ کیونکہ جو بات میری قوم کے دوسرے آدمی نہ پا سکے تھے، میں نے پالی تھی۔ مگر پھر میں نے آپ کا طریقہ چھوڑ دیا۔ میری طبیعت کے بے اختیارانہ ولولے نے مجھے اس کے لئے مجبور کر دیا تھا۔ کیونکہ میرا آبائی طریق عبادت یہی ہے۔

اس پر حضرت موسیٰ نے اسے جماعت سے باہر کر دیا اور حکم دیا، کوئی اس کے کسی طرح کا تعلق نہ رکھے۔ ان تقول لامساس (۹۷) کا مطلب ہے کہ لوگ تجھ سے اس درجہ نفرت کرنے لگیں گے کہ تیری چھوت سے بچا کریں گے۔ تو لامساس یعنی اچھوت ہو جائے گا۔ کہتا پھرے گا۔ مجھے کوئی نہ چھوئے۔

بھی کچھ حصہ لیا تھا۔ پھر چھوڑ دیا۔ (کیا کہوں) میرے جی نے ایسی ہی بات مجھے سجھائی"

۹۶

موسیٰ نے کہا "اگر ایسا ہے تو پھر جا۔ زندگی میں تیرے لئے یہ ہونا ہے کہ کہے "میں اچھوت ہوں۔ اور (آخرت میں عذاب کا) ایک وعدہ ہے جو کبھی ٹلنے والا نہیں اور دیکھ تیرے (گڑھے ہوئے) معبود کا اب کیا حال ہوتا ہے جس کی پوجا پر جم کر بیٹھ رہا تھا۔ ہم اسے جلا کر راکھ کر دینگے، اور راکھ سمندر میں اڑا کر بہا دینگے معبود تو تمہارا بس اللہ ہی ہے۔ اس کے سوا کوئی نہیں وہی ہے جو ہر چیز پر اپنے علم سے چھایا ہوا ہے"۔

۹۷-۹۸

(اے پیغمبر) اس طرح ہم گزری ہوئی سرگزشتوں میں سے (خاص خاص واقعات کی) خبریں تجھے سناتے ہیں اور بلاشبہ ہم نے اپنے پاس سے تجھے ایک سرمایہ نصیحت عطا فرما دیا ہے (یعنی قرآن) تو جس کسی نے اس سے رخ پھیرا یقیناً وہ قیامت کے دن ایک بہت بڑے جرم کا بوجھ اٹھائے ہوگا، اور ہمیشہ اسی حالت میں رہے گا۔ کیا ہی برا بوجھ ہے جو یہ قیامت کے دن اپنے اوپر لادے ہوئے ہوگا۔

۹۹

۱۰۰

۱۰۱

وہ دن کہ نرسنگھا پھونکا جائے گا۔ ہم مجرموں کو جمع کر لینگے، اور ان کی آنکھیں مارے دہشت کے بے نور ہونگی

۱۰۲

وہ آپس میں چپکے چپکے ایک دوسرے سے پوچھ رہے ہونگے "ہم اس حالت میں (یعنی پہلی اور دوسری زندگی کی درمیانی حالت میں) ہم نے عشرے سے زیادہ کیا رہے ہونگے؟"

۱۰۳

یہ (اس دن جیسی جیسی باتیں) کریں گے ہم اس سے

ع ۵ ۱۳

فَنَسِيَ ۝ أَفَلَا يَرَوْنَ أَلَّا يَرْجِعُ إِلَيْهِمْ قَوْلًا ۙ وَلَا يَمْلِكُ لَهُمْ ضَرًّا وَلَا نَفْعًا ۝ وَلَقَدْ قَالَ لَهُمْ هٰرُونُ
مِنْ قَبْلُ يٰقَوْمِ إِنَّمَا فُتِنْتُمْ بِهٖ ۚ وَإِنَّ رَبَّكُمُ الرَّحْمٰنُ فَاتَّبِعُونِي وَأَطِيعُوا أَمْرِي ۝ قَالُوا لَنْ نَبْرَحَ عَلَيْهِ
عٰكِفِينَ حَتّٰى يَرْجِعَ إِلَيْنَا مُوسٰى ۝ قَالَ يٰهٰرُونُ مَا مَنَعَكَ إِذْ رَأَيْتَهُمْ ضَلُّوا ۝ أَلَّا تَتَّبِعَنِ ۖ أَفَعَصَيْتَ
أَمْرِي ۝ قَالَ يَبْنَؤُمَّ لَا تَأْخُذْ بِلِحْيَتِي وَلَا بِرَأْسِي ۖ إِنِّي خَشِيتُ أَنْ تَقُولَ فَرَّقْتَ بَيْنَ بَنِي إِسْرَائِيلَ
وَلَمْ تَرْقُبْ قَوْلِي ۝ قَالَ فَمَا خَطْبُكَ يٰسَامِرِيُّ ۝ قَالَ بَصُرْتُ بِمَا لَمْ يَبْصُرُوا بِهٖ فَقَبَضْتُ قَبْضَةً

۸۸ بھاری زیور پہنتے تھے۔ یہودیوں نے بھی وہ اختیار کر رکھے تھے، اور جب نکلے تو پہنے ہوئے نکلے۔ انہی کو گلا کر سامری نے بچھڑا بنایا تھا۔ اب جب حضرت موسیٰ نے پرسش کی تو لوگوں نے اپنا بچاؤ یہ کہہ کر کرنا چاہا کہ ہمارا اور کچھ قصور نہیں۔ بھری زیوروں کا بڑا بوجھ ہمارے سروں پر پڑا تھا۔ ہم نے چاہا اسے پھینک دیں۔ ہمیں کیا معلوم تھا کہ سامری اس سے ایک عجیب و غریب چیز بنا کر ہمیں گمراہ کر دے گا۔

۸۹ (آگے کہنا ہے۔ ہوا تھا ایسا ہی انہوں نے اپنا سب زیور اتار دیا، اور سامری نے اسے گلا کر بچھڑا بنا لیا۔

موسیٰ کا بھی دھوکہ میں پڑ گیا۔

(افسوس ان کی سمجھ پر!) کیا انہیں یہ (موٹی سی) بات بھی دکھائی نہ دی کہ بچھڑا (آواز تو نکالتا ہے مگر) ان کی بات کا جواب نہیں دے سکتا، اور نہ انہیں فائدہ پہنچا سکتا ہے نہ نقصان؟

۹۰ اور ہارون نے اس سے پہلے انہیں (صاف صاف) جتا دیا تھا "بھائیو! یہ اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ تمہاری (استقامت کی) آزمائش ہو رہی ہے۔ تمہارا پروردگار تو خدائے رحمان ہے، دیکھو! میری پیروی کرو اور میرے کہنے سے باہر نہ ہو" مگر انہوں نے جواب دیا تھا جب تک موسیٰ ہمارے پاس واپس نہ آ جائے ہم اس کی پرستش پر جمے ہی رہیں گے"۔

۹۲-۹۳ (بہرحال) موسیٰ نے (اب ہارون سے) کہا "اے ہارون! جب تو نے دیکھا، یہ لوگ گمراہ ہو گئے ہیں تو کیا بات ہوئی کہ انہیں روکا نہیں؟ کیا تو نے پسند کیا کہ میرے حکم سے باہر ہو جائے؟"

۹۴ ہارون بولا "اے میرے عزیز بھائی! میری ڈاڑھی اور سر کے بال نہ نوچ (میں نے اگر سختی میں کمی کی تو ڈر اس خیال سے کہ) میں ڈرا، کہیں تم یہ نہ کہو، تو نے بنی اسرائیل میں تفرقہ ڈال دیا۔ اور میرے حکم کی راہ نہ دیکھی"۔

۹۵ تب موسیٰ نے (سامری سے) کہا "سامری! یہ تیرا کیا حال ہوا؟"

(۱۷) جب حضرت موسیٰ نے سامری سے پوچھا۔ تو دین حق سے کیوں پھر گیا؟ تو اس نے کہا۔ میں نے اللہ کے رسول کی (یعنی آپ کی) ایک

کہا "میں نے وہ بات دیکھ لی تھی جو اوروں نے نہیں دیکھی، اس لئے (اللہ کے) رسول کی پیروی میں سے

(بقیہ نوٹ نمبر گزشتہ) — تھا ہمارے وضاحت کے لئے اردو محاورہ کی رعایت کی اور ہمارا ترجمہ کیا۔ اتنی سی بات کی عدم وضاحت نے مترجموں کو بے شمار مشکلوں میں ڈال دیا ہے۔

هَضْمًا ۝ وَكَذٰلِكَ أَنْزَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِيًّا وَّصَرَّفْنَا فِيهِ مِنَ الْوَعِيدِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ أَوْ يُحْدِثُ ۱۱۲
لَهُمْ ذِكْرًا ۝ فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ ۗ وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْءَانِ مِنْ قَبْلِ أَنْ يُّقْضٰٓى إِلَيْكَ وَحْيُهُ ۖ وَقُلْ رَّبِّ ۱۱۳
زِدْنِى عِلْمًا ۝ وَلَقَدْ عَهِدْنَآ إِلٰٓى ءَادَمَ مِنْ قَبْلُ فَنَسِىَ وَلَمْ نَجِدْ لَهُۥ عَزْمًا ۝ وَإِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ ٱسْجُدُوا ۱۱۴ - ۱۱۵ ع
لِءَادَمَ فَسَجَدُوٓا إِلَّآ إِبْلِيسَ ۖ أَبٰى ۝ فَقُلْنَا يٰٓـَٔادَمُ إِنَّ هٰذَا عَدُوٌّ لَّكَ وَلِزَوْجِكَ فَلَا يُخْرِجَنَّكُمَا مِنَ ۱۱۶
الْجَنَّةِ فَتَشْقٰى ۝ إِنَّ لَكَ أَلَّا تَجُوعَ فِيهَا وَلَا تَعْرٰى ۝ وَأَنَّكَ لَا تَظْمَؤُا۟ فِيهَا وَلَا تَضْحٰى ۝ فَوَسْوَسَ ۱۱۸ ۱۱۹
إِلَيْهِ الشَّيْطٰنُ قَالَ يٰٓـَٔادَمُ هَلْ أَدُلُّكَ عَلٰى شَجَرَةِ الْخُلْدِ

ہوگی، نہ حق تلفی!

اور (دیکھو) اسی طرح یہ بات ہوئی کہ ہم نے اس (سرمایہ نصیحت) کو قرآن عربی کی شکل میں اُتارا اور مختلف طریقوں سے اس میں (انکار و بدعملی کی) پاداش کی خبر دیدی، تاکہ لوگ (گمراہی سے) بچیں، یا پھر ایسا ہو کہ نصیحت پذیری کی روشنی ان میں نمودار ہو جائے!

پس ہر طرح کی بلندی اللہ ہی کے لئے ہے وہی جاندار حقیقی ہے!

اور (اے پیمبر!) جب تک قرآن کی وحی تجھ پر پوری نہ ہو جائے، تو اس میں جلدی نہ کر۔ تیری پکار یہ ہو کہ "پروردگار! میرا علم اور زیادہ کر!"

اور یہ واقعہ ہے کہ ہم نے آدم کو پہلے سے جتا کر عہد لے لیا تھا، پھر وہ بھول گیا، اور ہم نے (نافرمانی کا) قصد اس میں نہیں پایا تھا۔

اور (پھر) وہ معاملہ یاد کرو جب ہم نے فرشتوں کو حکم دیا تھا "آدم کے آگے جھک جاؤ" سب جھک گئے تھے، مگر ابلیس نہیں جھکا۔ اس نے انکار کیا۔

اس پر ہم نے کہا "اے آدم! (دیکھ لے) یہ (ابلیس) تیرا اور تیری بیوی کا دشمن ہے۔ ایسا نہ ہو یہ تمہیں جنت سے نکال کے رہے اور تم محنت میں پڑ جاؤ۔ تمہارے لئے اب ایسی زندگی ہے کہ نہ تو اس میں بھوکے رہتے ہو نہ برہنہ نہ تمہارے لئے پیاس کی جلن ہے نہ سورج کی تپش" (اگر اس سے نکلے تو سراسر محنت میں مبتلا ہو جاؤ گے)

لیکن پھر شیطان نے آدم کو وسوسہ میں ڈالا۔ اس نے کہا "اے آدم! میں تجھے ہمیشگی کے درخت کا نشان

(۲۲) آیت ۱۱۴ میں فرمایا، جب تک سلسلہ وحی نہ ختم ہو جائے اس بارے میں جلدی نہ کر، اور منتظر رہ کہ فیضان غیب کی بخشش کہاں تک بالآخر کرتی ہیں تیری زبان حال کی صدا تو یہ ہونی چاہئے کہ رب زدنی علما! یعنی میری تشنگی کی سیرابی کے لئے علم کے یہ سارے دریا اور عرفان حقیقت کی یہ سدا بارشیں بھی کافی نہیں۔ اے علم کی لا انتہائی اور حقیقت کی ناپیدا کناری! اپنی بخششیں اور زیادہ کر!

اس آیت نے واضح کر دیا کہ پیغمبر اسلام کے مقام علم و عرفان کی وسعت و عظمت کا کیا حال تھا؟ وہ کسی حد پر بھی رکنا نہیں چاہتی تھی، اس کے لئے کوئی زیادتی بھی زیادتی نہ تھی۔ اس کے لئے ہر اضافہ نئے استفاضہ کا اشارہ تھا۔ اس کے لئے ہر عطیہ نئے عطیہ کا تقاضا تھا، وہ تکمیر طلب تھی۔ پے ہم رب زدنی کا سوال تھی۔ یہ معلوم ہے کہ یہاں مطلوب کی وسعت کے لئے کوئی انتہا نہیں ہو سکتی، لیکن یہ کیونکر معلوم کیا جائے کہ طالب کی طلب کہاں جا کر منتہی ہوئی تھی؟

أَمْثَلُهُمْ طَرِيقَةً إِن لَّبِثْتُمْ إِلَّا يَوْمًا ۝ وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الْجِبَالِ فَقُلْ يَنسِفُهَا رَبِّي نَسْفًا ۝
فَيَذَرُهَا قَاعًا صَفْصَفًا ۝ لَّا تَرَىٰ فِيهَا عِوَجًا وَلَا أَمْتًا ۝ يَوْمَئِذٍ يَتَّبِعُونَ الدَّاعِيَ لَا عِوَجَ لَهُ ۖ وَ
خَشَعَتِ الْأَصْوَاتُ لِلرَّحْمَٰنِ فَلَا تَسْمَعُ إِلَّا هَمْسًا ۝ يَوْمَئِذٍ لَّا تَنفَعُ الشَّفَاعَةُ إِلَّا مَنْ أَذِنَ لَهُ
الرَّحْمَٰنُ وَرَضِيَ لَهُ قَوْلًا ۝ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يُحِيطُونَ بِهِ عِلْمًا ۝ وَعَنَتِ الْوُجُوهُ
لِلْحَيِّ الْقَيُّومِ ۖ وَقَدْ خَابَ مَنْ حَمَلَ ظُلْمًا ۝ وَمَن يَعْمَلْ مِنَ الصَّالِحَاتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا يَخَافُ ظُلْمًا وَلَا

ع ۱۰۲ ۱۰۵ ۱۰۶-۱۰۷ ۱۰۸ ۱۰۹-۱۱۰ ۱۱۱

آدمی سو کر اٹھتا ہے تو نہیں جانتا کتنی دیر سویا۔ اسی حال، دوسری زندگی میں ہوگا۔ انسان اپنی پچھلی زندگی کو یاد کرے گا، تو ایسا معلوم ہوگا جیسے چند دن پہلے کی بات ہو۔ ایک کہے گا ہفتہ عشرہ کی بات ہے دوسرا جو اندازہ لگانے میں زیادہ تیز ہوگا، کہے گا نہیں صرف ایک دن کی بات دوسری جگہ اس لیے ہیں کم اندازہ کی تعبیر آئی ہے۔ عشیۃ او ضحاھا۔

۱۰۴

بیچ نہیں۔ ان میں جو سب سے بہتر سراغ پر ہوگا، وہ بول اٹھے گا نہیں ہم بہت رہے ہونگے تو بس ایک دن" (اس سے زیادہ یہ مدت نہیں ہو سکتی)

۱۰۵

اور یہ پہاڑوں کے بارے میں پوچھتے ہیں (کہ ان کا حال کیا ہوگا) تو کہدے "میرا پروردگار (ریزہ ریزہ کر کے) بالکل اڑا دے گا۔ پھر انہیں ایسا کر دے گا جیسے صاف ہموار میدان ہو جائے کہیں تم کجی نہ پاؤ اور نہ اونچ نیچ۔

۱۰۶-۱۰۷

(۳۶) (آیت ۱۰۵) میں قیامت کے منظر کی جو تصویر کھینچی گئی ہے اس کا سارا زور مترجموں نے ضائع کر دیا۔ ایک میدان ہیں بے شمار آدمی چل رہے ہوں، اگر سب کے ہونٹ اڑے ہوئے ہوں اور سب کی زبانیں بیسبت سے گونگی کر دی ہوں۔ تو اس منظر کا کیا حال ہوگا؟ ایک دہشت انگیز سناٹا، جس میں قدموں کی آہٹ کے سوا اور کوئی آواز خلل نہ ہوگی! اور یہ آواز بھی زندگی کی خوشگواری پیدا نہیں کرے گی بلکہ منظر کی دہشت میں اور اضافہ کر دے گی!

۱۰۸

اس دن سب پکارنے والے کے پیچھے ہو لینگے۔ اس سے منحرف نہ ہو سکیں گے اور خدائے رحمان کے جلال کے آگے سب کی آوازیں خاموش ہو جائیں گی۔ اس سناٹے میں کوئی آواز سنائی نہیں دے گی مگر صرف قدموں کی آہٹ

۱۰۹

اس دن سفارش کچھ کام نہ دیں گی مگر ہاں جس کو خدائے رحمان اجازت دے اس کا زبان کھولنا پسند فرمائے!

جو کچھ لوگوں کے سامنے ہے اور جو ان کے پیچھے گزر چکا، سب کا وہ علم رکھتا ہے۔ مگر انسان اپنے علم سے اس پر چھا نہیں سکتا!

۱۱۰

۱۱۱

اس حی و قیوم کے آگے سب کے سر جھک گئے جس نے ظلم کا بوجھ لاد لیا تھا، دیکھو وہ نامراد ہوا! اور (ہاں) جس کے عمل اچھے ہوئے اور وہ مومن بھی ہے، تو اس کے لئے کوئی اندیشہ نہ ہوگا نہ تو ناانصافی

لہ خشعت ای شکنت۔ ومنہ قول الشاعر، اذا قی خبز ابیر تواضعت ✦ سور المدینۃ والجبال الخشع!

۲ الہمس صوت نقل الاقدام۔ یقال للاسد الھموس۔ لانہ یمس فی الظلۃ۔ قال رؤبہ یصف نفسہ:

لیث یدق الاسد الھموسا ✦ ولا یاب الخیل والجاموسا!

مَنْ اَسْرَفَ وَلَمْ يُؤْمِنْ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ ۭ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَشَدُّ وَاَبْقٰى ۝ اَفَلَمْ يَهْدِ لَهُمْ كَمْ اَهْلَكْنَا ۱۲۷
قَبْلَهُمْ مِّنَ الْقُرُوْنِ يَمْشُوْنَ فِيْ مَسٰكِنِهِمْ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي النُّهٰى ۝ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ ۱۲۸ ع ۱۲
مِنْ رَّبِّكَ لَكَانَ لِزَامًا وَّاَجَلٌ مُّسَمًّى ۝ فَاصْبِرْ عَلٰي مَا يَقُوْلُوْنَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ ۱۲۹
الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوْبِهَا ۚ وَمِنْ اٰنَاۗئِ الَّيْلِ فَسَبِّحْ وَاَطْرَافَ النَّهَارِ لَعَلَّكَ تَرْضٰى ۝ وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ ۱۳۰
اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖٓ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ زَهْرَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۙ لِنَفْتِنَهُمْ فِيْهِ ۭ وَرِزْقُ رَبِّكَ خَيْرٌ وَّ

وہ اندھا کیوں ہو جائے گا؟ اس نے یہ آخرت کی زندگی دنیوی زندگی کا نتیجہ ہے اس نے دنیا میں حقیقت کی نشانیوں سے آنکھیں بند کر لی تھیں، اس لئے آخرت میں بھی اسکی آنکھیں بند رہیں گی۔ من کان فی ھذہ اعمیٰ فھو فی الاٰخرۃ اعمیٰ و اضل سبیلا!

یہاں سے معلوم ہو گیا کہ قرآن کے نزدیک ثواب آخرت کی حقیقت یہ ہے کہ نگاہیں جمال الٰہی کے نظارہ سے شاد کام ہونگی۔ عذاب کا یہ ہے کہ اندھی ہو کر محجوب ہو جائیں گی۔

اپنے پروردگار کی نشانیوں پر یقین نہیں کرتا تو اس طرح ہم اسے (اسکی حالت کا) بدلہ دیتے ہیں اور آخرت کا عذاب تو بہت زیادہ سخت ہے۔ بہت دیر تک رہنے والا ہے! ۱۲۷

کیا ان لوگوں کو اس بات سے بھی ہدایت نہ ملی کہ ان سے پہلے قوموں کے کتنے ہی دور گزر چکے ہیں، جنہیں ہم (پاداش جرائم میں) ہلاک کر چکے؟ یہ ان کی بستیوں میں چلتے پھرتے ہیں (ان کے آثار ان کی نگاہوں کے سامنے ہیں!) جو لوگ دانشمند ہیں ان کے لئے اسی ایک بات میں (تذکیر و عبرت کی) کتنی ہی نشانیاں ہیں! ۱۲۸

اور (اے پیغمبر!) اگر ایسا نہ ہوتا کہ پہلے سے تیرے پروردگار نے (اس بارے میں) ایک بات ٹھہرا دی ہوتی (یعنی ایک قانون ٹھہرا دیا ہوتا) تو اسی گھڑی ان پر (جرم کا) الزام لگ جاتا اور مقررہ وقت نمودار ہو جاتا! ۱۲۹

(۴۴) آیت (۱۲۹) میں فرمایا، اگر پہلے سے اللہ کا یہ قانون موجود نہ ہوتا کہ انکار و بدعملی کے نتائج اپنے مقررہ وقت اور مقررہ حالت کے مطابق ظہور میں آئیں، تو یہ لوگ اپنی سرکشیوں کی وجہ سے کب کے ملزم ہو چکے تھے، لیکن یہاں ہر گوشہ میں رحمت الٰہی نے ڈھیل دے رکھی ہے اور ضروری ہے کہ مقررہ وقت کا انتظار کیا جائے۔

لیکن یہ انتظار کس طرح کیا جائے؟ اس طرح کہ صبر اور صلوٰۃ کی روح سے معمور ہو جاؤ۔ یہی وہ دو عنصر ہیں جن سے ہر طرح کی کامرانی و فتح مندی وحاصل ہو سکتی ہے اور ظہور میں آ سکتی ہے۔

پس چاہئے کہ ان کی ساری باتوں پر صبر کر، اور اپنے پروردگار کی حمد و ثنا کی پکار میں لگا رہ صبح کو سورج نکلنے سے پہلے، شام کو ڈوبنے سے پہلے۔ رات کی گھڑیوں میں بھی۔ اور دن کے پیروں کے لگ بھگ بھی۔ بہت ممکن ہے کہ تو بہت جلد (ظہور نتائج سے) خوشنود ہو جائے۔ ۱۳۰

اور یہ جو ہم نے مختلف قسم کے لوگوں کو دنیوی زندگی کی آرائشیں دے رکھی ہیں اور انہی سے وہ فائدہ اٹھا رہے ہیں، تو تیری نگاہیں اس پر نہ جمیں (یعنی یہ بات تیری نگاہ میں نہ جچے) یہ سب کچھ اس لئے ہے کہ ہم نے انہیں آزمائش میں ڈالا ہے، اور جو کچھ تیرے پروردگار کی بخشی ہوئی روزی ہے، وہی (تیرے لئے) بہتر ہے اور (بہ اعتبار

وَمُلْكٍ لَّا يَبْلٰى ۝ فَاَكَلَا مِنْهَا فَبَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا وَطَفِقَا يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ ۚ وَعَصٰٓى ۱۲۰
اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى ۝ ثُمَّ اجْتَبٰهُ رَبُّهٗ فَتَابَ عَلَيْهِ وَهَدٰى ۝ قَالَ اهْبِطَا مِنْهَا جَمِيْعًا ۢ بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ ۱۲۱-۱۲۲
عَدُوٌّ ۚ فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى ۙ فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَايَ فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشْقٰى ۝ وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ۱۲۳
ذِكْرِيْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا وَّنَحْشُرُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَعْمٰى ۝ قَالَ رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِيْٓ اَعْمٰى وَقَدْ ۱۲۴
كُنْتُ بَصِيْرًا ۝ قَالَ كَذٰلِكَ اَتَتْكَ اٰيٰتُنَا فَنَسِيْتَهَا ۚ وَكَذٰلِكَ الْيَوْمَ تُنْسٰى ۝ وَكَذٰلِكَ نَجْزِيْ ۱۲۵-۱۲۶

دے دوں؟ اور ایسی بادشاہی کا جو کبھی زایل نہ ہو؟" ۱۲۰

چنانچہ دونوں نے (یعنی آدم اور اس کی بیوی نے) اس درخت کا پھل کھا لیا، اور دونوں کے ستر ان پر کھل گئے۔ تب ان کی حالت ایسی ہوگئی کہ باغ کے پتے توڑنے لگے، اور ان سے اپنا جسم ڈھانکنے لگے غرض کہ آدم اپنے پروردگار کے کہنے پر نہ چلا۔ پس وہ (جنت کی زندگی سے) بے راہ ہوگیا۔ ۱۲۱

(لیکن) پھر اس کے پروردگار نے اسے برگزیدہ کیا۔ اس پر (اپنی رحمتوں سے) لوٹ آیا۔ اس پر (زندگی و عمل کی) راہ کھول دی۔ ۱۲۲

(چنانچہ) اللہ نے حکم دیا تھا "تم دونوں اکٹھے یہاں سے نکل چلو۔ تم میں سے ایک دوسرے کا دشمن ہوگا (اب تم پر ایک دوسری زندگی کی راہ کھلے گی) پھر اگر میری طرف سے تمہارے پاس (یعنی تمہاری نسل کے پاس) کوئی پیام ہدایت آیا، تو (اس بارے میں میرا قانون یاد رکھو) جو کوئی میری ہدایت پر چلے گا، وہ نہ تو راہ سے بے راہ ہوگا، نہ دکھ میں پڑے گا۔ جو کوئی میری یاد سے روگردان ہوگا، تو اس کی زندگی ضیق میں گزرے گی اور قیامت کے دن بھی میں اسے اندھا اٹھاؤں گا۔ وہ کہے گا "پروردگار! تو نے مجھے اندھا کر کے کیوں اٹھایا؟ میں تو اچھا خاصا دیکھنے والا تھا"۔

ارشاد ہوگا "ہاں اسی طرح ہونا تھا۔ ہماری نشانیاں تیرے سامنے آئیں مگر تو نے انہیں بھلا دیا۔ سو اسی طرح آج تو بھی بھلا دیا گیا ہے"۔

اور (دیکھو) جو کوئی (سرکشی میں) بڑھ نکلتا ہے اور

(۱۲۳) آیت (۱۲۳) اور (۱۲۴) صفات صفارف میں سے ہے ان دو آیتوں سے ہم وہ سب کچھ معلوم کر سکتے ہیں جو قرآن انسان کی دو حالی سعادت و شقاوت کے بارے میں بتلانا چاہتا ہے۔

فرمایا۔ جو ہدایت وحی پر چلے گا، نہ تو کامیابی کی راہ سے بے راہ ہوگا، نہ دکھی۔ پس معلوم ہوا کہ یہ ہدایت اس لئے ہے کہ انسان کو بے راہی اور اس کے لازمی نتیجہ سے محفوظ کر دے۔ ۱۲۳

غور کرو انسان کی ساری محرومیوں کی تصویر کس طرح صرف دو لفظوں کے اندر کھینچ دی ہے؟ ضلالت اور شقاوت۔ انسان کو جتنی ٹھوکریں بھی لگتی ہیں بے راہ ہو جانے سے لگتی ہیں، ہر گوشہ میں کامیابی و سعادت کی ایک مقررہ راہ ہے۔ جونہی اس سے قدم بے راہ ہوئے شقاوت میں گر گئے۔ ۱۲۴

پھر فرمایا جس نے ہمارے ذکر سے اعراض کیا، تو اسے دو حالتیں پیش آئیں گی۔ دنیا میں اس کی زندگی ضیق میں پڑ جائیگی یعنی وہ ظاہر کتنا ہی نہال ہو جائے لیکن دل کی طمانیت اور روح کا انبساط اسے کبھی نہیں ملے گا۔ اور آخرت میں بینائی سے محروم ہو جائے گا۔ سعید انسانوں کی نگاہیں روشن ہونگی۔ ان کی آنکھ وہ جمال الٰہی کا نظارہ کریں گی۔ اس کے آگے پردہ پڑا ہوگا۔ کلا انھم عن ربھم یومئذ لمحجوبون (۸۳:۱۵) ۱۲۵-۱۲۶

مجھے اپنا مظہر ٹھہرایا ہے؟ ایریز و یہی کے جو روح پیدا کرنے والی ہے؟ کینیز و یتا کے جو جسم و خلقت بنانے والا ہے؟ حضرت موسیٰ نے فرمایا نہیں الذی اعطی کل شئ خلقہ ثم ھدی: ہمارا پروردگار تو وہ ایک ہی ہے پروردگار ہے جس نے دنیا کی ہر چیز کو اس کا جسم و وجود بھی بخشا، اور پھر ہر طرح کی ضروری قوتیں دے کر اس پر زندگی و عمل کی راہ بھی کھول دی!

غور کرو۔ فرعون کے استفسار میں اس کے عقاید و تصورات کے بے شمار پہلو پوشیدہ تھے، اور اگر حضرت موسیٰ کا طریقہ جدل و مناظرہ کا ہوتا تو ان میں سے ہر بات الجھا لینے کے لئے کافی تھی، لیکن انہوں نے اور کسی بات سے تعرض نہیں کیا۔ صرف ایک ہی بات کہی مگر ایسی بات جو اس کے سوال کا براہ راست جواب بھی تھی، اس کے تمام تصورات کا بالواسطہ ابطال بھی تھا، اور صرف دعویٰ ہی نہ تھا۔ دعوے کے ساتھ اس کی خاموش دلیل بھی موجود تھی!

اس کے تمام تصورات کا ابطال کیونکر ہوا؟ اس طرح کہ میں تمہارے ان گڑھے ہوئے معبودوں کا قائل نہیں جن میں سے کسی کو تم نے خلقت دینے والا سمجھ رکھا ہے، کسی کو روح بخشنے والا، کسی کو رزق و تندرستی کا سرچشمہ۔ میں تو صرف اس ایک ہی ہستی کا پرستار ہوں جو جسم بھی دیتی ہے اور وہ سب کچھ بھی دیتی ہے جو جسم کے نشوونما و قیام کے لئے ضروری ہے۔ عالم بھی وہی ہے، راہنمائے زندگی بھی وہی ہے، اس کے سوا کوئی نہیں، چنانچہ پھر آگے چل کر انہوں نے اس اعتقاد کی تفصیل بھی کر دی ہے

پھر اس جملہ کی جامعیت اور مانعیت دیکھو۔ کائنات ہستی میں جو کچھ بھی ہے وہ اس کے سوا کیا ہے کہ یا تو وجود ہے یا وجود کی وہ معنوی قوتیں ہیں جو اسے قائم بالذات رکھنے اور قیام و عمل کی راہوں پر لگائے رہتی ہیں۔ انہیں دو حقیقتوں کو یہاں خلقت اور ہدایت سے تعبیر کیا ہے، اور ان دو لفظوں نے وجود اور حیات کے تمام گوشے سمیٹ لئے ہیں۔

دعوے کے ساتھ دلیل کیونکر ہوئی؟ اس کے لئے تفسیر سورۂ فاتحہ کا مبحث ربوبیت دیکھنا چاہئے

فما بال القرون الاولیٰ؟

اس کے بعد فرعون نے وہ پرانا سوال کہا اور بطریق جدل کہا۔ فما بال القرون الاولیٰ؟ اچھا اگر حقیقت حال ایسی ہی ہے تو جو لوگ پچھلے سہ دوں میں گذر چکے ان کے لئے کیا ہوتا ہے؟ وہ راہ صواب پہ تھے یا گمراہی پر؟ انہیں تو تمہارے اس نے اعتقاد کی خبر بھی نہ تھی۔

اب دیکھو۔ یہاں پھر وہی صورت پیدا ہو گئی ہے اگر یہ سوال امام فخر الدین رازی سے کیا جاتا تو اسی بحث میں صدیاں بیت جاتیں اور سارا عالم اسی میں الجھ کر رہ جاتا، لیکن حضرت موسیٰ داعی تھے مجادل اور مناظر نہ تھے۔ انہوں نے صرف ایک بات کہہ کر ساری بحث ہی ختم کر دی علمھا عند ربی فی کتاب: اس کا علم اللہ کو ہے ہم کچھ نہیں کہہ سکتے اور ہمیں اس کی فکر کیوں ہو؟ ہمارے جاننے کے لئے صرف اتنا کافی ہے کہ لا یضل ربی ولا ینسی: خدا انسانوں کی طرح نہیں ہے کہ غلطی میں کھو یا جائے، یا کوئی بات بھول جائے۔ اس کا قانون یہ ہے کہ ہر انسان کا جیسا اعتقاد و عمل ہوگا، ٹھیک اسی کے مطابق اسے نتائج بھی ملیں گے۔ پس پچھلوں کا جیسا حال رہا ہوگا، ویسا ہی نتیجہ بھی بھگتیں گے۔ ہم کو اپنا حال دیکھنا ہے اور اپنے ہی سامنے کی باتوں کا ہم علم بھی رکھتے ہیں۔ ہم اس کاوش میں کیوں پڑیں کہ پچھلوں کا کیا حال تھا، اور وہ بخشے جائیں گے یا نہیں۔

غور کرو۔ فرعون کا سوال مجادلانہ تھا اور ایسا تھا کہ بحث و کاوش کی قسم کا کوئی جواب بھی دیا جاتا ہمکت اور ختم کبھی نہیں ہو سکتا تھا۔ جوابات بھی کہی جاتی بحث طلب ہوتی اور ایک نیا سوال پیدا کر دیتی لیکن انبیاء کرام کا طریق دعوت یہ نہیں ہوتا کہ بحث میں الجھیں یا دوسرے کو الجھائیں پس حضرت موسیٰ نے اس کاوش میں پڑنے ہی سے انکار کر دیا۔ انہوں نے کہا ہم یہ جانتے ہی نہیں، اور ہمیں اس کا خواہشمند بھی نہیں ہونا چاہئے کہ اسے جانیں۔

اور پھر غور کرو۔ انہوں نے اس جملہ کے اندر جو بات کہدی، وہ انسان کی فکری گمراہیوں کی کتنی راہیں بند کر دیتی ہے۔ بشرطیکہ لوگ اسے سمجھیں، مگر مصیبت یہ ہے کہ لوگ ہمیشہ اسی کاوش کی پیروی کرتے ہیں جو فرعون کے سوال سے ٹپک رہی ہے، وہ حقیقت نہ جان سکے جو حضرت موسیٰ کے جواب میں مضمر ہے حضرت موسیٰ کے جواب نے ہمیں یہ اصل عظیم بتلا دی ہے کہ جن گوشوں کا ہمیں علم نہیں جن کی کاوش ہمارے لئے سود مند بھی نہیں ان کی فکر میں ہمیں نہیں پڑنا چاہئے۔ اور ان کا حکم اللہ کے حوالے کر دینا چاہئے اگر لوگ اس اصل عظیم پر عامل ہو جائیں، تو مذاہب کے کتنے ہی گمراہ کن جھگڑے ختم ہو جائیں۔

ابھی دور نہ نکلو۔ اسی گوشہ میں رہو فرعون کے اس مجادلانہ سوال کو اپنی جگہ رہنے دو اور غور کرو مذہب کے نام سے کتنے جھگڑے

أَبْقَىٰ ۝ وَأْمُرْ أَهْلَكَ بِالصَّلَوٰةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا ۖ لَا نَسْـَٔلُكَ رِزْقًا ۖ نَّحْنُ نَرْزُقُكَ ۗ وَالْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوَىٰ ۝ ۱۳۱-۱۳۲
وَقَالُوا لَوْلَا يَأْتِينَا بِآيَةٍ مِّن رَّبِّهِ ۚ أَوَلَمْ تَأْتِهِم بَيِّنَةُ مَا فِي الصُّحُفِ الْأُولَىٰ ۝ ۱۳۳
وَلَوْ أَنَّا أَهْلَكْنَاهُم بِعَذَابٍ مِّن قَبْلِهِ لَقَالُوا رَبَّنَا لَوْلَا أَرْسَلْتَ إِلَيْنَا رَسُولًا فَنَتَّبِعَ آيَاتِكَ مِن قَبْلِ أَن نَّذِلَّ وَنَخْزَىٰ ۝ ۱۳۴
قُلْ كُلٌّ مُّتَرَبِّصٌ فَتَرَبَّصُوا ۖ فَسَتَعْلَمُونَ مَنْ أَصْحَابُ الصِّرَاطِ السَّوِيِّ وَمَنِ اهْتَدَىٰ ۝ ع ۱۵ ۱۳۵

۱۳۱ نتیجہ کے) باقی رہنے والی۔

اور اپنے گھر والوں کو بھی نماز کا حکم دے اور اس پر مضبوطی کے ساتھ جم جا ہم تجھ سے روزی کا سوال نہیں ۱۳۲
رکھتے۔ تو ہم سے سائل ہے ہم بخشنے والے ہیں اور انجام کار تقویٰ[1] ہی کے لئے ہے!

اور ان لوگوں نے کہا "کیوں یہ اپنے پروردگار کی کوئی نشانی اپنے ساتھ نہیں لایا"؟ ۱۳۳
لیکن کیا ان تک وہ روشن دلیلیں نہیں پہنچ چکیں جو اگلی کتابوں میں موجود ہیں؟

اور اگر ہم انہیں اس سے پہلے (یعنی نزول قرآن سے پہلے) عذاب نازل کر کے ہلاک کر ڈالتے ہیں تو یہ ضرور ۱۳۴
کہتے۔ خدایا! اس سے پہلے کہ ہم ظہور عذاب سے ذلیل و رسوا ہوں تو نے ایک پیغمبر کیوں نہ بھیج دیا کہ ہم تیری آیتوں
پر چلتے اور ہلاک نہ ہوتے؟

(اے پیغمبر!) تو کہدے یہاں ہر ایک کے لئے (مستقبل کا) انتظار کرنا ہے پس تم بھی انتظار کرو۔ بہت جلد
تمہیں معلوم ہو جائے گا، کون سیدھے راستہ پر ہے اور کون منزل مقصود پر پہنچتا ہے؟

سورت ختم ہو گئی لیکن چند مقامات کی مزید تشریح ضروری ہے:۔

فرعون اور حضرت موسیٰ کا مکالمہ

(الف) آیت ۴۹ میں حضرت موسیٰ (علیہ السلام) اور فرعون کا جو مکالمہ نقل کیا ہے وہ اگرچہ دو تین جملوں سے زیادہ نہیں ہے لیکن حقائق و معارف کے دفاتر اس میں نہاں ہیں۔

فرعون کا پہلا سوال یہ تھا کہ ص (دیکھا) یہ موسیٰ؟ جس پروردگار کا ذکر کرتے ہو وہ کون ہے؟

اس سوال کی نوعیت سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ پہلے معلوم کر لیا جائے، مصریوں کے عقاید کیا تھے؟

مصری مختلف دیوتاؤں کی پرستش کرتے تھے، جن میں سے بعض تو خاص خاص قبیلوں اور علاقوں کے تھے۔ جیسے نیفات، فتار اور اوسیرس اور بعض عالمگیر قوتوں کے الگ الگ مظاہر تھے، جیسے اوزیرس۔ عالم آخرت کا خدا۔ میہ اورت۔ آسمان کا خدا۔ کنیموجسم بنانے والا۔ ارییز۔ روح بخشنے والی دیوی۔ طوط عمر کی مقدار مقرر کرنے والا۔ ہورس۔ ردعم دور کرنے والا۔ حاتور (گائے) رزق بخشنے والا۔ اور ان سب سے بلند تر آمن رع تھا یعنی سورج دیوتا۔

نیز مصروں میں الوہیت آمیز شاہی کا تصور بھی پوری طرح نشوونما پا چکا تھا، اور تاجداران مصر تو خود خدا کی حیثیت اختیار کر لیتے تھے۔ ان کا لقب "فاراع" اسی لئے ہوا کہ وہ "راع" یعنی سورج دیوتا کے اوتار سمجھے جاتے تھے[2]۔

من ربکما یموسیٰ؟

پس جب حضرت موسیٰ نے کہا میں خدا کا فرستادہ ہوں تو فرعون نے متعجب ہو کر پوچھا کس خدا کے؟ امن رع کے جس نے

---

[1] "تقویٰ" کے لئے دیکھو سورۂ بقر کا ابتدائی نوٹ۔

[2] ڈوپے لاپ منٹ آف ریلیجن اینڈ تھوٹ ان انشنٹ ایجپٹ مصنفہ جے۔ ایچ۔ بریسٹڈ "Breasted" اور ان کی بکل سپیڈیا آف ریلیجن اینڈ ایتھکس۔ جے ہسٹنگس۔

عربی میں اس کا نام قدیم سے سامری آرہا ہے اور اب بھی عراق میں ان کا بقایا اسی نام سے پکارا جاتا ہے۔ یہاں قرآن کا "السامری" کہہ کے اسے پکارنا صاف کہہ رہا ہے کہ نام نہیں ہے۔ اس کی قومیت کی طرف اشارہ ہے، یعنی وہ شخص اسرائیلی نہ تھا۔ سامری تھا۔

سمیری تمدن

حضرت مسیح علیہ السلام سے تقریباً ساڑھے تین ہزار برس پہلے دجلہ و فرات کے دوآبہ میں دو مختلف قوموں آباد ہو رہی تھیں اور ایک عظیم الشان تمدن کی بنیادیں اٹھا رہی تھیں ان میں سے ایک قوم جو جنوب سے آئی تھی عرب تھی۔ دوسری جس کی نسبت خیال کیا جاتا ہے کہ شمال سے اتری، سمیری تھی اسی قوم کے نام سے تاریخ قدیم کا شہر سامرا اور آباد ہوا تھا۔ جس کا محل اب تل البعید میں دریافت ہوا ہے اور وہاں سے پانچ ہزار برس پیشتر کے بنے ہوئے زیور اور سنہری ظروف برآمد ہوئے ہیں۔

سمیری قوم کی اصل

میری قوم کی اصل کیا تھی؟ اس بارے میں اس وقت تک کوئی قطعی رائے قائم نہیں کی جا سکی ہے لیکن نینوا میں آشوربنی پال[1] (متوفی ۶۲۶ قبل مسیح) کا جو کتب خانہ نکلا ہے اس میں تختیوں کا ایک مجموعہ لغت کی کتاب کا بھی ہے جس میں آکادی اور سمیری زبان کے ہم معنی الفاظ جمع کئے گئے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سمیری زبان کے اصوات سامی حروف کے اصوات سے چنداں مختلف نہیں تھے، بہت ممکن ہے کہ وہ بھی دراصل انہی قبایل کے مجموعہ سے کوئی بعیدی تعلق رکھتے ہوں جن کے لئے ہم نے تورات کی "اصطلاح" سامی اختیار کر لی ہے۔

نسل انسانی کے دو قبایلی سرچشمے

اصل یہ ہے کہ جس طرح عہد قدیم میں منگولیا کا علاقہ ہر اقوام و قبایل کا ابتدائی سرچشمہ رہا ہے اور یہاں سے انسانی گروہوں کے قافلے نکل کر وسط ایشیا، ہندوستان، ایران، اناطولیا، اور پھر تمام یورپ میں پھیل گئے، ٹھیک اسی طرح نسل انسانی کے اقدام و انشعاب کا ایک مرکزی سرچشمہ جزیرہ نمائے عرب بھی رہ چکا ہے۔ یہاں کے صحراؤں میں یکے بعد دیگرے نسل انسانی کا مواد بنتا رہا۔ اور پھر ابل ابل کر دور دور تک پھیلتا گیا، فلسطین، شام، مصر، عراق، آرمینیا، اور خلیج فارس کی ساحلی آبادیاں، سب اسی مرکزی نسل کا انشعاب تھیں۔ اور سب کا تمدن اسی عربی نسل کا تمدن تھا۔ قوم "عیلام" جس کا ذکر کتاب پیدائش میں آیا ہے۔ اور جو جنوبی ایران میں آباد تھی، عجب نہیں، دراصل اسی نسل کی ایک شاخ ہو (اس مقام کی مزید تفصیل سورۂ نوح کی تشریحات میں ملے گی)

بہرحال سمیری قبایل کا اصلی وطن عراق تھا، مگر یہ دور دور تک پھیل گئے تھے، مصر سے ان کے تعلقات کا سراغ ایک ہزار سال قبل مسیح تک روشنی میں آچکا ہے، پس معلوم ہوتا ہے اسی قوم کا ایک فرد حضرت موسیٰ کا بھی معتقد ہو گیا، اور جب بنی اسرائیل نکلے تو یہ بھی ان کے ساتھ نکل آیا۔ اسی کو قرآن نے "السامری" کے لفظ سے یاد کیا ہے۔

سامری کا ایمان اور پھر ارتداد

گائے، بیل اور بچھڑے کی تقدیس کا خیال سمیریوں میں بھی تھا اور مصریوں میں بھی۔ مصری اپنے دیوتا حورس کا چہرہ گائے کی شکل کا بناتے تھے، اور خیال کرتے تھے، کرۂ زمین ایک گائے کی پشت پر قائم ہے۔ جب سامری نے دیکھا بنی اسرائیل حضرت موسیٰ کی عدم موجودگی سے مضطرب ہو رہے ہیں تو اس نے کہا مجھے سونے کے زیور لا دو۔ پھر انہیں گلا کر بچھڑے کی ایک مورتی بنا دی۔ مصری مندروں کی مخفی کاریگریاں اسے معلوم تھیں۔ اس نے مورتی کے اندر ہوا کے نفوذ و خروج کی ایسی کل بٹھا دی کہ اس سے ایک طرح کی آواز نکلنے لگی۔

---

[1] یہ نینوا کا وہی عظیم الشان شاہ ہے جسے یونانی نوشتوں میں سرداناپاس (Sardanapalus) کے نام سے پکارا گیا ہے۔

[2] یہ لغت کی کتاب قدیم اقوام کے علوم و ادبیات میں اپنی کوئی دوسری نظیر نہیں رکھتی اور اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اب سے تین ہزار سال پہلے دجلہ و فرات کی علمی ترقیاں کہاں تک پہنچ چکی تھیں، اس لغت میں صرف آکادی اور سمیری زبان ہی کے ہم معنی الفاظ جمع نہیں کئے گئے ہیں بلکہ حتی، قاصی، اور مصری زبان کے ہم معنی الفاظ بھی آگئے ہیں۔ اس کتاب کے انکشاف نے قدیم زبانوں کے حروف و اصوات کے لئے ایک مستند اور قطعی ذریعہ بہم پہنچا دیا۔ (حتی وہی قوم ہے جسے آج کل ہٹائی لکھا جاتا ہے اور قاصی سے مقصود Kassites ہے ان دونوں کے لئے تورات میں حتی اور قاصی کے الفاظ مستعمل ہوئے ہیں۔ اس لئے ہم نے بھی وہی اختیار کئے تفصیل کے لئے دیکھو ایم جسٹرو کی دی سوپائیریشن آف بابیلونیا اینڈ اسیریا مطبوعہ ۱۹۱۵ء اور سرای اے ٹی بلیو۔ Burge کی "بائی بایبل اینڈ ٹاگمز" مطبوعہ ۱۹۲۰ء)

بنالیے گئے ہیں جن میں سے ہر جھگڑا فما بال القرون الاولیٰ کی ذرعونی صدا کا ٹھیک ٹھیک اعادہ ہے؟ اب سے پہلے فلاں گروہ جو گزرا ہے اہل حق میں تھا یا اہل باطل میں؟ فلاں انسان جو گذر چکا، نیک تھا یا بد؟ فلاں بزرگ کا رتبہ خدا کے نزدیک زیادہ ہے یا فلاں بزرگ کا؟ افضل کون ہے؟ زید یا عمرو؟ ولایت و طریقت میں سب سے بڑا کون ہے؟ فلاں یا فلاں؟ پھر اس میں بحثیں ہیں، تصنیفیں ہیں، لڑائیاں ہیں، فرقہ بندیاں ہیں۔ گویا انسان کی نجات کے لیے صرف یہی فکر کافی نہیں کہ خود اسے کیا کرنا چاہیے۔ وہ اس قصے کے لئے بھی ذمہ دار بنا دیا گیا ہے کہ اب سے بارہ سو برس پہلے کسی نے کیا کیا تھا اور ایک ہزار برس پیشتر کون کیسا تھا۔ پھر ان میں سے ہر فریق اس طرح حکم لگانا شروع کر دیتا ہے گویا خدا کے دفتر کا رجسٹر ابھی ابھی پڑھ کر اٹھا ہے اور اسے علم قطعی حاصل ہو گیا ہے کہ فلاں کا نام فلاں درجہ میں لکھا ہوا ہے۔ فلاں کا فلاں درجہ میں!

پچاس برس ہوئے شام میں مسلمانوں کے ایک گروہ نے دوسرے گروہ کی بستیاں صرف اس لئے جلا دی تھیں کہ ایک کہتا تھا حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی سب سے بڑے ولی ہیں۔ دوسرا کہتا تھا نہیں، شیخ احمد رفاعی۔ ہند و ستان کا یہ حال ہے کہ آج تک میرے پاس نہایت سنجیدہ عبارت میں لکھے ہوئے استفتاء آتے رہتے ہیں "زید کہتا ہے بڑے پیر صاحب سے بڑھ کر کوئی نہیں عمرو کہتا ہے۔ مجدد الف ثانی سے بڑھ کر کوئی نہیں۔ نماز کس کے پیچھے جائز ہے؟"۔

ایک مرتبہ میرے جی میں آیا۔ لکھ دوں۔ دونوں کے پیچھے نہیں!

فقہ کے مذاہب اربعہ جب مدون ہو گئے اور تقلید شخصی کا التزام قائم ہو گیا تو سوال پیدا ہوا۔ ان چار اماموں میں افضل کون ہیں؟ حضرت امام ابوحنیفہ یا امام شافعی؟ اب بحث شروع ہوئی، اور بحث نے جنگ و قتال کی شکل اختیار کی۔ چنانچہ ہلاکو خاں کو اسلامی ممالک پر حملہ کی سب سے پہلی ترغیب خراسانیوں کے اسی جھگڑے سے ملی تھی۔ حنفیوں نے شافعیوں کی مدد میں اکابر بلوا بھیجا اور شہر کے پھاٹک کھول دئے۔ پھر جب تاتاریوں کو اندر آنے کی راہ مل گئی تو اس نے نہ شافعی کو چھوڑا نہ حنفی کو۔

فجاسوا خلال الدیار وکان وعد امفعولا!

شیعہ سنی کے اختلاف نے مسلمانوں کو دو مختلف امتوں میں متفرق کر دیا لیکن اس تمام اختلاف کا حاصل بھی کیا ہے؟ یہی کہ فما بال القرون الاولیٰ۔ اور تیرہ سو برس گذر گئے۔ مگر اتنی بات کسی کے سمجھ میں نہیں آتی کہ علمہا عند ربی فی کتاب۔ لا یضل ربی ولا ینسی۔

بہر حال یاد رکھنا چاہیے کہ اس طرح کی تمام کاوشوں کے اندر وہی فرعون والی مجادلانہ روح کام کیا کرتی ہے اور طریق موسوی یہ ہے کہ علمہا عند ربی فی کتاب کہہ کر سارے جھگڑے ختم کر ڈالنا، اور سرے سے ان کاوشوں میں پڑنا ہی نہیں۔

قرآن اور صاحب وحی نے ہمیں جن امور کی خبر دیدی ہے، ان کا علم ہمیں حاصل ہو گیا ہے، اور ہمارا فرض ہے کہ ان باتوں کو اسی طرح یقین کریں جس طرح بتلا دی گئی ہیں۔ لیکن ان سے زیادہ جو سوال بھی دینی عناید کی بنا پر اٹھایا جائے گا، ہمارا جواب یہی ہوگا۔ علمہا عند ربی فی کتاب۔ لا یضل ربی ولا ینسی۔ خدا نے اپنے دفتر کی مثلیں ہمارے پاس نہیں بھیجی ہیں، اور نہ ہمیں لوگوں کی سعادت و شقاوت اور مدارج و فضائل کے فیصلہ کی ٹھیکیداری عنایت فرمائی ہے ہمیں معلوم نہیں حقیقت حال کیا ہے۔ البتہ خوش قسمتی سے معاملہ ایسے محاسب کے ہاتھ ہے جو نہ تو غلطی کر سکتا ہے نہ بھول چوک میں پڑ سکتا ہے۔ پس دوسروں کی فکر میں تمہیں گھلنے کی ضرورت نہیں۔ اپنی خبر لو، اور ان کا معاملہ ان کے خدا پر چھوڑ دو!

سامری اور گوسالہ پرستی کا معاملہ

(ب) آیت (۸۸) میں بنی اسرائیل کی گوسالہ پرستی کا واقعہ بیان کیا گیا ہے، اور یہ مقام بھی من جملہ ان مقامات کے ہے جن میں قرآن کی تصریحات تورات کے موجودہ نسخہ سے مختلف واقع ہوئی ہیں اور اسکی صریح تحریفات نمایاں کرتی ہیں۔ خروج (۳۲: ۱-۴) میں ہے کہ سونا بچھڑا بنانے والا خود حضرت ہارون نے بنایا تھا۔ لیکن قرآن نے یہاں صاف کہہ دیا ہے کہ حضرت ہارون کا دامن اس شرک سے پاک تھا۔ پھر اصل سامری کا پتا دستانی تھی۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ سامری کون تھا؟ یہ اس کا نام تھا، یا قومیت کا لقب؟

قیاس کہتا ہے کہ یہاں سامری سے مراد سمیری قوم کا فرد ہے۔ کیونکہ جس قوم کو ہم نے سمیری کے نام سے پکارنا شروع کر دیا ہے

ساتویں خود بھی مفسر مجاہد جسدًا الرخار کی تفسیر میں یہ قول بھی نقل کرتے ہیں کہ خوار کان یالویج۔ کانہ کان جل فیہ خروقا، فاذا دخلت الریح فی جوفہ خار، ولم یکن فیہ حیاۃ۔ یعنی اس میں زندگی نہ تھی محض ہوا کے نفوذ سے بچھڑے کی سی آواز نکلنے لگتی تھی۔ پھر جب یہ تفسیر بھی موجود ہے تو کونسی وجہ ہے کہ خواہ مخواہ حضرت جبریل کو گھسیٹا جائے اور فرشتوں کو گھوڑا بننے کی زحمت دی جائے۔

سابعًا جن روایتوں کی بنا پر یہ کہانی چلی ہے، اگر ان کے متن سے قطع نظر کر لی جائے، تو بار تبار سناد کے بھی قابل اعتنا نہیں۔ سب سے زیادہ زور ابن المنذر، ابن ابی حاتم، اور حاکم کی روایت پر دیا جاتا ہے جس میں حضرت علی کا قول نقل کیا گیا ہے، لیکن وہ بھی مجروح ہے، اور حاکم کی تصحیح کی جو قدر و قیمت ہے، وہ ہم امام ذہبی کے زبانی سن چکے ہیں +

سامری حضرت موسیٰ کا معتقد ہو گیا تھا۔ لیکن اسرائیلی توحید پر اس کا دل جما نہیں تھا۔ چند دنوں اسی طریقہ پر کاربند رہا۔ پھر منحرف ہو گیا۔ اسی لئے جب حضرت موسیٰ نے پوچھا۔ یہ تجھ نے کیا کیا؟ تو اس نے کہا بصرت بما لم یبصروا بہ فقبضت قبضۃ من اثر الرسول فنبذتھا۔ میں نے رسول کی پیروی میں تھوڑا بہت حصہ لے لیا تھا مگر پھر چھوڑ دیا۔ یعنی گو میں نے آپ کی پیروی میں چند قدم اٹھائے تھے مگر میرا دل اس پر جما نہیں تھا۔ وکذلک سولت لی نفسی۔ کیا کروں۔ میری طبیعت کا ایسا ہی تقاضا ہوا۔ میں آپ کے پیچھے چل نہ سکا۔

عربی میں جب کہیں گے قبضت قبضۃ میں نے صرف ایک مٹھی اٹھائی تو اس کے معنی تقلیل کے ہونگے۔ قبضۃ قبضۃ ای شیئا قلیلا۔ والقبضۃ القدر المقبوض (ابن سیدہ) اردو کا بھی محاورہ ہے "میں نے تو صرف ایک ہی مٹھی اٹھائی ہے" یعنی بہت تھوڑا حصہ لیا ہے۔

گوسالہ کی نسبت یہود کی خرافات

یہودیوں نے اپنی قومی بریت کے لئے یہ کہانی گڑھ لی تھی کہ گوسالہ پرستی کے معاملہ میں ایک روحانی طاقت کا ہاتھ کام کر رہا تھا۔ ورنہ ہمارے اسلاف کیوں ایسی گمراہی میں پڑتے؟ وہ کہتے تھے۔ بچھڑے کی گویائی اس مٹی کا معجزہ تھا جو حضرت جبرئیل کے گھوڑے کے سموں سے پامال ہوئی تھی۔ جب بنی اسرائیل مصر سے نکلے تو ان کے آگے آگے جبرئیل جا رہے تھے اور زندگی کے فرشتہ پر سوار تھے جس نے گھوڑے کی شکل اختیار کر لی تھی۔ اس گھوڑے کے سم جس مٹی پر پڑتے تھے اس میں زندہ کر دینے کی خاصیت پیدا ہو جاتی تھی۔ یہ بات کسی نے نہیں دیکھی لیکن سامری نے دیکھ لی پس اس نے بچھڑا بنا کر اس میں (اسجبات کی جگہ) اس خاک حیات کی ایک مٹھی ڈال دی۔ بس پھر کیا تھا۔ وہ زندہ ہو کر بولنے لگا۔

مفسرین کا تسامح:

افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ یہ کہانی تفسیر کی روایتوں میں بھی داخل ہو گئی، اور اثر الرسول کا مطلب یہ بنا لیا کہ "جبرئیل کے نقش قدم" کی ایک مشت خاک سامری نے اٹھا لی تھی۔ لیکن یاد رہے کہ یہ تفسیر کسی طرح بھی صحیح نہیں ہو سکتی۔ اتنا ہی نہیں بلکہ ایسی تفسیر کرنا قرآن کے اس مقام کو تمسخر انگیز حد تک بے معنی بنا دینا ہے۔

اولاً قرآن نے اس معاملہ کی طرف کوئی اشارہ نہیں کیا ہے، اور یہ بات بلاغت قرآنی کے مسلم قواعد کے خلاف ہے کہ ایک ایسا واقعہ جو قیاس اور قرینہ سے معلوم نہیں کیا جا سکتا بیان نہ کرے، اور پھر اچانک صرف "اثر الرسول" کہہ کر اس کی طرف اشارہ کر دے۔

ثانیاً قرآن میں جہاں کہیں بھی بغیر اضافت و اسناد کے "الرسول" کہا گیا ہے، اس کا صرف ہی مطلب ہے، یعنی پیغمبر۔ پس یہاں "الرسول" سے فرشتہ سمجھنا صحیح نہیں ہو سکتا۔

ثالثاً ایسا سمجھنا صریح قرآن کو جھٹلانا ہے اس لئے کہ قرآن کہیں یہ نہیں کہتا کہ بچھڑے کی مورتی میں زندگی پیدا ہو گئی بلکہ صاف صاف کہتا ہے کہ جسداً لہ خوار ایک بے جان دھڑ تھا جس سے آواز نکلتی تھی۔ اگر ایک ملکوتی کرشمہ نے اسے زندہ کر دیا ہوتا، تو قرآن اسے بجائے جسداً کیوں کہتا؟

رابعاً قرآن صاف صاف کہتا ہے کہ اس مورتی میں کوئی بات نہ تھی محض ایک شعبدہ تھا۔ کیونکہ وہ بنی اسرائیل کے منتخب و متاخر کو ان کی حد درجہ دقوفی قرار دیتا ہے اور کہتا ہے۔ افلا یرون الا یرجع الیھم قولا؟ یعنی ان عقل کے اندھوں نے اتنی بات بھی نہ دیکھی کہ اگر یہ کوئی زندہ وجود ہے تو ان کی بات کا جواب کیوں نہیں دیتا؟ خالی بھاں بھاں کیوں کرتا رہتا ہے! پھر اگر مفسروں کی یہ کہانی مان لی جائے تو تسلیم کر لینا پڑے گا کہ قرآن کا یہ بیان یک قلم غلط ہے۔ کیونکہ اس میں تو ایک ملکوتی معجزہ تھا اس کے اندر تو جبرئیلی زندگی کی ایک روح دوڑ رہی تھی!

خامساً، یہ کہانی خود اپنی بناوٹ ہی میں ناقابل تسلیم ہے۔ اگر فی الحقیقت کوئی ایسا ملکوتی مظاہرہ ہوا تھا اور بصرت بما لم یبصروا بہ کے یہی معنی ہیں، تو مان لینا پڑے گا کہ سامری کی روحانی بصیرت تمام بنی اسرائیل سے حتی کہ حضرت ہارون سے بھی کہیں بڑھی ہوئی تھی۔ کیونکہ یہ کرشمہ انہی کوئی نہ دیکھ سکا۔ صرف اس کی نگاہ حقیقت شناس کام کر گئی۔ بلکہ کہنا پڑے گا۔ خود حضرت موسیٰ سے بھی بڑھی ہوئی تھی۔ کیونکہ وہ بھی یہ بات نہ پا سکے لیکن کیا ایسا مانا جا سکتا ہے؟ حمزہ کسائی، اور اعمش کی قرأت میں بما لم یبصروا بہ (یا مثناۃ) ہے۔ اگر یہ قرأت اختیار کر لی جائے تو صریح مطلب یہ ہوگا کہ "میں نے وہ بات دیکھ لی جو تم بھی نہ دیکھ سکے" یعنی حضرت موسیٰ بھی نہ دیکھ سکے۔ پھر کیا "بصرت" کو اس کہانی پر لے جانا صحیح ہو سکتا ہے؟

الدُّعَآءُ ۝ وَمَآ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا ۚ اَفَهُمْ يُؤْمِنُوْنَ ۝ وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ اِلَّا رِجَالًا ۵-۶
نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ فَسْـَٔلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ وَمَا جَعَلْنٰهُمْ جَسَدًا لَّا يَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَ ۷
مَا كَانُوْا خٰلِدِيْنَ ۝ ثُمَّ صَدَقْنٰهُمُ الْوَعْدَ فَاَنْجَيْنٰهُمْ وَمَنْ نَّشَآءُ وَاَهْلَكْنَا الْمُسْرِفِيْنَ ۝ لَقَدْ ۸-۹
اَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ كِتٰبًا فِيْهِ ذِكْرُكُمْ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝ وَكَمْ قَصَمْنَا مِنْ قَرْيَةٍ كَانَتْ ظَالِمَةً وَّاَنْشَاْنَا ۱۰ ع
بَعْدَهَا قَوْمًا اٰخَرِيْنَ ۝ فَلَمَّآ اَحَسُّوْا بَاْسَنَآ ۱۱

ہی کی وجہ سے ہے۔

نشانیوں کے ساتھ بھیجے جا چکے ہیں"۔ ۵

لیکن ان سے پہلے جن جن بستیوں کو ہم نے ہلاک کیا، ان میں سے تو کوئی بھی (ترول ہلاکت کی نشانیاں دیکھ کر) ایمان نہیں لے آیا تھا۔ پھر کیا یہ لوگ ایمان لے آئینگے؟ ۶

اور (اے پیغمبر!) ہم نے تجھ سے پہلے کوئی پیغمبر نہیں بھیجا، مگر اسی طرح، کہ آدمی تھے، ان پر ہماری وحی اترتی تھی پھر (اے گروہ منکرین!) اگر تمہیں یہ بات معلوم نہیں تو ان لوگوں سے پوچھ کر معلوم کر لو جو اہل کتاب ہیں! ۷

اور ہم نے ان پیغمبروں کو کبھی ایسے جسم کا نہیں بنایا کہ کھانا نہ کھاتے ہوں، اور نہ ہی وہ ہمیشہ زندہ رہنے والے تھے۔ ۸

(ہم نے تمہاری ہی طرح کے آدمیوں کو پیغمبر بنا کر بھیجا) اور پھر جس بات کا وعدہ کیا تھا وہ انہیں سچا کر دکھایا۔ ہم نے انہیں اور ان کے ساتھ جس کسی کو چاہا، نجات دیدی اور حد سے نکل چلنے والوں کو ہلاک کر ڈالا! ۹

ہم نے تمہارے لئے ایک کتاب نازل کر دی ہے، اس میں تمہارے لئے موعظت ہے۔ (پھر اس سے زیادہ تمہیں اور کیا چاہیے؟) کیا تم سمجھتے نہیں؟ ۱۰

اور کتنی ہی بستیاں جو ظلم و شرارت میں غرق تھیں ہم نے ماماں کر ڈالیں، اور ان کے بعد دوسرے گروہوں کو اٹھا کھڑا کیا، جب ہمارا عذاب انہوں نے محسوس کیا ۱۱

(۳) سچائی کی سب سے بڑی شناخت یہ ہے کہ اسے سچائی کے سوا اور کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ اگر کچھ اور کہنا چاہو گے، تو خواہ کتنا ہی زور لگاؤ، بات بنیں گی نہیں۔ بنیگی اس وقت جب سر جھکا دو گے کہ ہاں، یہ سچائی ہے!

لیکن مشکل یہ ہے کہ نفس انسانی کی گمراہی و سرکشی پر حقیقت کا اعتراف ہمیشہ گراں گذرتا ہے۔ وہ بغیر ٹٹے کبھی ہتھیار نہیں رکھے گی۔ وہ مانیگی (کیونکہ سچائی بغیر منوائے نہیں رہ سکتی) مگر اسی وقت جب ماننے پر مجبور ہو جائے گی!

پیغمبر اسلام نے جب کلام حق کی منادی شروع کی تو قریش مکہ کا یہی حال ہوا۔ وہ سچائی دیکھ رہے تھے، مگر اسے سچائی کہنا گوارا نہیں کرتے تھے۔ کبھی کہتے یہ مجنوں ہو گیا ہے خواب و خیال کو وحی نبوت سمجھ رہا ہے، پھر تاثیر و نفوذ دیکھتے تو کہتے۔ یہ جادوگر ہے۔ پھر یہ بات بھی نہ بنتی تو کہتے۔ جالاک مفتری ہے۔ سن گھڑت باتوں کو خدا کا پیغام بتلاتا ہے۔ پھر یہ بات بھی چل نہیں سکتی تو کہتے کچھ نہیں یہ شاعری کا کرشمہ ہے!

ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ قریش دار الندوہ میں جمع ہوئے اور یہ ساری باتیں آپس میں کہیں (ابن ہشام)

(۴) قرآن نے پچھلی قوموں کی ہلاکتوں کی سرگزشتیں سنائی ہیں اور کہا ہے جب خدا کے رسول بھٹلائے گئے تو انہوں نے فلور عذاب کی خبر دی۔ یہ سرگزشتیں سنکر قریش کہہ سکتے تھے، ایسی ہی کوئی نشانی تم کیوں نہیں لا دکھاتے؟ آیت (۵) میں فرمایا۔ اگر کوئی ایسی خبر دیدی جائے تو کیا تم فوراً ایمان لے آؤ گے؟ تم سے پہلے جتنی سرکش قومیں ہلاک ہوئیں ان میں سے تو کوئی بھی ایمان نہیں لایا تھا، اور پرستاران حق کی طرح پرستاران باطل کی سنت بھی ہمیشہ ایک ہی رہی ہے اور ہمیشہ ایک ہی رہیگی!

سُوْرَةُ الْاَنْبِيَآءِ

مکی - ۱۱۲ - آیات

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْتَزِمُوْا الْتَّعْلِيْمَ هٰذَا شَعَارُنَا

۱ اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ وَهُمْ فِيْ غَفْلَةٍ مُّعْرِضُوْنَ ۝ مَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ ذِكْرٍ مِّنْ رَّبِّهِمْ مُّحْدَثٍ
۲ اِلَّا اسْتَمَعُوْهُ وَهُمْ يَلْعَبُوْنَ ۝ لَاهِيَةً قُلُوْبُهُمْ ۭ وَاَسَرُّوا النَّجْوَى ۖ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۡ هَلْ هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ
۳ مِّثْلُكُمْ ۚ اَفَتَاْتُوْنَ السِّحْرَ وَاَنْتُمْ تُبْصِرُوْنَ ۝ قٰلَ رَبِّيْ يَعْلَمُ الْقَوْلَ فِي السَّمَاۗءِ وَالْاَرْضِ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ
۴ الْعَلِيْمُ ۝ بَلْ قَالُوْٓا اَضْغَاثُ اَحْلَامٍۢ بَلِ افْتٰىهُ بَلْ هُوَ شَاعِرٌ ۠ فَلْيَاْتِنَا بِاٰيَةٍ كَمَآ اُرْسِلَ

(۱) یہ سورت ان سورتوں میں سے ہے جو مکی عہد کے اواخر میں نازل ہوئی ہیں۔ یہ بالاتفاق سورۂ ابراہیم کے بعد اور موصوں سے پہلے نازل ہوئی ہیں۔

سورت کی ابتدا، اس کا وسط، اس کا خاتمہ سب اعلان کر رہے ہیں کہ محاسبہ کا وقت قریب آگیا، اور ضروری ہے کہ فیصلہ کن معاملہ ظہور میں آجائے۔

۱ چنانچہ وقت فی الحقیقت قریب آگیا تھا۔ تھوڑے ہی عرصہ کے بعد ہجرتِ مدینہ کا واقعہ ظہور میں آیا، اور دعوتِ حق کے فتح و اقبال اور معاندین حق کے خسران و ادبار کا دور شروع ہو گیا۔

وقت قریب آ لگا ہے کہ لوگوں سے ان کے (اعمال کا) حساب لیا جائے، اس پر بھی ان کا یہ حال ہے کہ رُخ پھیرے غفلت میں منہ ڈالے چلے جا رہے ہیں!

● اُن کے پروردگار کی طرف سے اُن پر نصیحت کی باتیں پے ہم آتی رہیں مگر کبھی ایسا نہ ہوا کہ انہوں نے جی لگا کر سنا ہو؛ وہ سنتے ہیں مگر اس طرح کہ کھیل کود میں لگے ہوئے ہیں اور دل ہیں کہ یک قلم غافل اور (دیکھو)

۳ ظلم کرنے والوں نے چپکے چپکے سرگوشیاں کیں "یہ آدمی اس کے سوا کیا ہے کہ ہماری ہی طرح کا ایک آدمی ہے؟ پھر کیا تم جان بوجھ کر ایسی جگہ آنے ہو جہاں جادو کے سوا اور کچھ نہیں؟"

(۲) پیغمبر اسلام کی مدافعت کی اس سے بڑھ کر اور کیا دلیل ہو سکتی ہے کہ ان کے سخت سے سخت معاند بھی اس عجیب و غریب کشش و تاثیر سے انکار نہیں کر سکتے تھے جو آپ کی شخصیت اور آپ کی تعلیم میں پائی جاتی تھی؟ اور چونکہ اعترافِ حقیقت کے لئے تیار نہ تھے، اس لئے مجبور ہو جاتے تھے کہ اسے جادو سے تعبیر کریں؟ یہاں آیت ۳ میں فرمایا وہ پیغمبر اسلام کے پاس جانے سے لوگوں کو روکتے ہیں اور کہتے ہیں تم ان کے پاس گئے اور جادو میں پھنسے۔ وہاں تو جادو ہی جادو بھرا ہے نیز وہ کہتے ہیں، اس آدمی میں وحی و نبوت کی تو کوئی بات نظر نہیں آتی۔ کیونکہ یہ ہماری ہی طرح ایک آدمی ہے۔ پس جو کچھ بھی اس کا اثر و نفوذ ہے، جادو

۴ (پیغمبر نے) کہا، آسمان و زمین میں جو بات بھی کہی جاتی ہے (خواہ پوشیدہ کہی جائے۔ خواہ علانیہ) میرے پروردگار کو سب معلوم ہے۔ وہ سننے والا جاننے والا ہے۔

(اتنا ہی نہیں) بلکہ انہوں نے کہا، یہ محض خواب و خیال کی باتیں ہیں، بلکہ من گھڑت دعویٰ ہی نہیں بلکہ یہ شاعر ہے اگر ایسا نہیں ہے تو کوئی (نزول ہلاکت کی) نشانی ہمیں لا دکھائے، جس طرح اگلے وقتوں کے لوگ

وَمَنْ عِنْدَهٗ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَلَا يَسْتَحْسِرُوْنَ ۝ يُسَبِّحُوْنَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ لَا يَفْتُرُوْنَ ۝ ۱۹-۲۰
اَمِ اتَّخَذُوْٓا اٰلِهَةً مِّنَ الْاَرْضِ هُمْ يُنْشِرُوْنَ ۝ لَوْ كَانَ فِيْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا ۚ فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ ۲۱
رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ۝ لَا يُسْـَٔلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْـَٔلُوْنَ ۝ اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ ۲۲-۲۳
اٰلِهَةً ۭ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ ۚ هٰذَا ذِكْرُ مَنْ مَّعِيَ وَذِكْرُ مَنْ قَبْلِيْ ۭ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۙ

ہم نے کائناتِ ہستی کا یہ پورا کارخانہ ایک فعلِ عبث کی طرح نہیں بنایا ہے۔ کسی طے شدہ مصلحت و مقصد ہی سے بنایا ہے۔ وہ مقصد کیا ہے؟ یہ کہ کائناتِ ہستی پستی سے بلندی کی طرف برابر ترقی کرتی جائے، یہاں تک کہ طہور و رفعت کے اس انتہائی نقطہ تک پہنچ جائے جو کارفرمائے قدرت نے اس کے لئے ٹھہرا دیا ہے۔ اس مقصد کے لئے کون سا ہاتھ کام کر رہا ہے؟ حق و باطل کی کشاکش کے قانون کا ہاتھ یعنی یہاں جو کچھ بھی ہوتا ہے اس لئے ہوتا ہے کہ حق باقی رہے اور باطل نابود ہو جائے۔ "حق" اس لئے باقی رہتا ہے کہ اسی سے بقا اور علو و ارتفاع ہے۔ "باطل" اس لئے نابود ہو جاتا ہے کہ وہ نقص، فساد اور زوال ہے۔

چنانچہ زندگی اور وجود کے ہر گوشہ میں یہ کشاکش جاری ہے، فطرت "حق" کے ہتھیار سے "باطل" پر ضرب لگاتی ہے اور وہ بچ نہیں سکتا، کیونکہ "حق" کے مقابلہ میں اس کے لئے ٹکنا نہیں۔ پھر اچانک ایسا ہوتا ہے کہ "باطل" یکلخت مٹ گیا، اور میدان میں صرف "حق" ہی کی نمود باقی رہ گئی!

سب اسی کے لئے ہیں۔ جو (فرشتے) اس کے حضور ہیں، وہ کبھی گھمنڈ میں آکر اس کی بندگی سے سرتابی نہیں کرتے کبھی (بندگی سے) تھکتے ہیں! ۱۹

وہ رات دن اس کی پاکی کے ترانوں میں زمزمہ سنج رہتے ہیں وہ کبھی تھکتے نہیں! ۲۰

کیا ان لوگوں نے زمین کی مخلوقات میں سے ایسے معبود بنا لئے ہیں جو مردوں کو زندہ کر دیتے ہیں؟ ۲۱

اگر آسمان و زمین میں اللہ کے سوا کوئی اور معبود بھی ہوتا، تو (ممکن نہ تھا کہ ان کا کارخانہ اس نظم و ہم آہنگی کے ساتھ چلتا) وہ یقیناً بگڑ کے برباد ہو جاتے!

پس اللہ کے لئے کہ (حیاتِ فانی عالم کے) تخت کا مالک ہے، پاکی ہو ان ساری باتوں سے پاکی ہو جو یہ اس کی نسبت بیان کرتے ہیں!

وہ جو کچھ بھی کرے اس سے کوئی پوچھنے والا نہیں۔ اور سب (اس کے آگے جواب دہ ہیں ان) سے باز پرس ہونی ہے! ۲۲

پھر کیا ان لوگوں نے اس کے سوا دوسرے معبود پکڑ رکھے ہیں؟ (اے پیغمبر!) تو ان سے کہدے اگر ایسا ہی ہے تو بتلاؤ۔ تمہاری دلیل کیا ہے؟ یہ ہے وہ کلام جو میرے ساتھیوں کے ہاتھ میں ہے (یعنی قرآن) اور جو مجھ سے پہلوں کے لئے اتر چکا ہے (یعنی پچھلی کتابیں) تم ان میں کوئی بات بھی میری دعوت کے خلاف ۲۴

(۸) آیت (۲۴) پر ہمارے مفسروں نے زیادہ غور کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی لیکن تم سرسری نظر ڈال کے گزر نہ جاؤ۔ ایک لمحہ کے لئے رک جاؤ۔ یہ استدلال وحدت ادیان کی اصل عظیم کا استدلال ہے جس پر قرآن نے اپنی دعوت کی تمام بنیادیں استوار کی ہیں۔ وہ کہتا ہے، یہ تعلیم حق ہے جو میرے ساتھیوں کے پاس ہے

۱۲ - ۱۳ إِذَا هُم مِّنْهَا يَرْكُضُونَ ۝ لَا تَرْكُضُوا وَارْجِعُوا إِلَىٰ مَا أُتْرِفْتُمْ فِيهِ وَمَسَاكِنِكُمْ لَعَلَّكُمْ تُسْأَلُونَ ۝

۱۴ - ۱۵ قَالُوا يَا وَيْلَنَا إِنَّا كُنَّا ظَالِمِينَ ۝ فَمَا زَالَت تِّلْكَ دَعْوَاهُمْ حَتَّىٰ جَعَلْنَاهُمْ حَصِيدًا خَامِدِينَ ۝

۱۶ وَمَا خَلَقْنَا السَّمَاءَ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لَاعِبِينَ ۝

۱۷ لَوْ أَرَدْنَا أَن نَّتَّخِذَ لَهْوًا لَّاتَّخَذْنَاهُ مِن لَّدُنَّا إِن كُنَّا فَاعِلِينَ ۝

۱۸ بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهُ فَإِذَا هُوَ زَاهِقٌ ۚ وَلَكُمُ الْوَيْلُ مِمَّا تَصِفُونَ ۝ وَلَهُ مَن فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ

۱۲ (۱۵) آیت (۱۱) میں ان کے اس وہم کا رد کیا ہے کہ نبیوں کو آدمیوں کی طرح نہیں ہونا چاہئے۔ کچھ اور ہونا چاہئے۔ فرمایا۔ یہودیوں اور عیسائیوں سے پوچھ لو۔ خدا کے جو پیغمبر پہلے آچکے ہیں، وہ آدمیوں ہی کی طرح تھے۔ یا ہوا میں اڑا کرتے تھے!

مشرکین مکہ ازراہ تحقیر کہا کرتے تھے۔ مالھذا الرسول یاکل الطعام و یمشی فی الاسواق؟ یہ کیسا نبی ہے کہ آدمیوں کی طرح غذا کا محتاج ہے اور بازاروں میں پھرتا ہے؟ فرمایا ہم نے کسی کو ایسا دھڑ نہیں بنایا کہ اسے غذا کی احتیاج نہ ہو اور ہمیشہ زندہ رہے۔ ہمارا قانون حیات یہی ہے کہ جسم ہوگا، تو اسے قائم رہنے کے لئے غذا کی احتیاج بھی ہوگی۔

۱۳ تو دیکھو اچانک بستیوں سے بھاگے جا رہے ہیں!

۱۴ اب بھاگتے کہاں ہو؟ اپنے اسی عیش و عشرت میں لوٹو (جس نے تمہیں اس قدر سرشار کر رکھا تھا) اور انہی مکانوں میں (جن کی مضبوطی کا تمہیں غرہ تھا) شاید (وہاں تدبیر و مشورہ میں تمہاری ضرورت ہو اور) تم سے کچھ دریافت کیا جائے۔

۱۵ بستیوں کے باشندوں نے پکارا افسوس ہم پر! بلاشبہ ہم ظلم کرنے والے تھے!

۱۶ تو (دیکھو) وہ برابر یہی پکارا کئے۔ یہاں تک کہ ہم نے (انہیں ہلاک) کر دیا۔ کٹے ہوئے کھیت کی طرح بجھے ہوئے انگاروں کی طرح!

۱۷ اور (دیکھو) ہم نے آسمان و زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے کچھ کھیل تماشہ کرتے ہوئے نہیں بنایا ہے (بلکہ کسی مصلحت و مقصد سے بنایا ہے) اگر ہمیں کھیل تماشہ بنانا منظور ہوتا (تو ہمیں اس سے کون روک سکتا تھا؟) ہم خود اپنی جانب سے ایسا ہی کارخانہ بناتے مگر ہم ایسا کرنے والے نہ تھے۔

۱۸ بلکہ (یہاں حقیقت حال ہی دوسری ہے) ہم حق سے باطل پر چوٹ لگاتے ہیں۔ تو وہ باطل کا سر کچل ڈالتا ہے اور اچانک اسے فنا کر دیتا ہے۔ افسوس تم پر تم کیسی باتیں کرتے ہو!

۱۹ آسمانوں میں جو کوئی ہے اور زمین میں جو کوئی ہے

(۱۵) آیت (۱۱) میں ان کے اس وہم کا رد کیا ہے کہ نبیوں کو آدمیوں کی طرح نہیں ہونا چاہئے۔ کچھ اور ہونا چاہئے۔ فرمایا۔ یہودیوں اور عیسائیوں سے پوچھ لو۔ خدا کے جو پیغمبر پہلے آچکے ہیں، وہ آدمیوں ہی کی طرح تھے۔ یا ہوا میں اڑا کرتے تھے!

مشرکین مکہ ازراہ تحقیر کہا کرتے تھے۔ مالھذا الرسول یاکل الطعام و یمشی فی الاسواق؟ یہ کیسا نبی ہے کہ آدمیوں کی طرح غذا کا محتاج ہے اور بازاروں میں پھرتا ہے؟ فرمایا ہم نے کسی کو ایسا دھڑ نہیں بنایا کہ اسے غذا کی احتیاج نہ ہو اور ہمیشہ زندہ رہے۔ ہمارا قانون حیات یہی ہے کہ جسم ہوگا، تو اسے قائم رہنے کے لئے غذا کی احتیاج بھی ہوگی۔

۱۳

۱۴ (۱۶) پھر آیت (۱۰) میں صاف صاف کہہ دیا۔ اگر سچائی کی طلب ہے تو قرآن کو دیکھو، اس کی موعظت سے بڑھ کر سچائی کی اور کونسی نشانی ہو سکتی ہے؟

اس مقام نے، اور اسی طرح کے اور بے شمار مقامات نے یہ حقیقت قطعی طور پر واضح کر دی ہے کہ پیغمبر اسلام نے اپنی صداقت کے لئے جس چیز پر بطور ایک نشانی کے زور دیا ہے، وہ صرف قرآن ہے چنانچہ سورۂ عنکبوت میں اسکی مزید وضاحت ملے گی۔

۱۵

۱۶

۱۷ (۱۷) آیت ۱۶، قرآن کے مہمات دلائل میں سے ہے لیکن ہمارے مفسروں کو اس پر حسب عادت غور کرنے کی مہلت نہ ملی۔ اس سے پہلے پچھلی قوموں کی ہلاکت اور ان کی جگہ نئی جماعتوں کے ابھرنے کا ذکر کیا تھا۔ فرمایا یہ انقلاب حال کیوں پیدا ہوا؟ آباد و خوش حال بستیاں کیوں کھیتوں کی طرح اجڑ گئیں؟ زندگی اور حرکت کے بھڑکتے ہوئے شعلے کیوں بجھ کے رہ گئے؟ اس لئے کہ یہاں ہمارا ایک عالمگیر قانون کام کر رہا ہے، یعنی حق و باطل کے تزاحم و کشاکش کا قانون۔

۱۸

۱۹

الْمَآءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ ۖ أَفَلَا يُؤْمِنُونَ ۝ وَجَعَلْنَا فِي الْأَرْضِ رَوَاسِيَ أَنْ تَمِيدَ بِهِمْ وَجَعَلْنَا فِيهَا ۳۰
فِجَاجًا سُبُلًا لَّعَلَّهُمْ يَهْتَدُونَ ۝ وَجَعَلْنَا السَّمَآءَ سَقْفًا مَّحْفُوظًا ۖ وَهُمْ عَنْ آيَاتِهَا مُعْرِضُونَ ۝ ۳۱-۳۲
وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۖ كُلٌّ فِي فَلَكٍ يَسْبَحُونَ ۝ وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ ۳۳
مِّن قَبْلِكَ الْخُلْدَ ۖ أَفَإِن مِّتَّ فَهُمُ الْخَالِدُونَ ۝ كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ ۗ وَنَبْلُوكُم بِالشَّرِّ ۳۴
وَالْخَيْرِ فِتْنَةً ۖ وَإِلَيْنَا تُرْجَعُونَ ۝ وَإِذَا رَآكَ الَّذِينَ كَفَرُوا إِن يَتَّخِذُونَكَ إِلَّا هُزُوًا أَهَٰذَا ۳۵

اوق وصلح بنا دیا ہے؟ اس طرح استدلال کی تشریح تفسیر فاتحہ میں ملے گی۔ تخلیق کائنات کی جہالت یہاں بیان کی گئی ہے، اسکی تشریح سورۂ یونس کے آخری نوٹ میں گذر چکی ہے۔

کر دیں؟ ۳۰ پھر کیا یہ (اس بات پر) یقین نہیں رکھتے؟
اور ہم نے زمین میں جمے ہوئے پہاڑ بنائے کہ ایک طرف کو ان کے ساتھ جھک پڑے اور ہم نے ان میں
(یعنی پہاڑوں میں) ایسے درّے[1] بنا دئے کہ راستوں کا کام دیتے ہیں: تاکہ لوگ اپنی منزل مقصود پالیں۔ ۳۱
اور ہم نے آسمان کو ایک چھت کی طرح بنا دیا۔ (ہر طرح کے نقص اور خرابی سے) محفوظ! مگر یہ لوگ
اس کی نشانیوں سے رخ پھیرے ہوئے ہیں! ۳۲
اور (دیکھو) وہی ہے جس نے رات اور دن کا اختلاف پیدا کیا، اور سورج اور چاند بنائے۔ یہ تمام (ستارے)
اپنے اپنے مدار میں تیر رہے ہیں۔ ۳۳
اور (اے پیغمبر!) ہم نے تجھ سے پہلے کسی آدمی کو ہمیشگی نہیں دی (اور نہ تیرے لئے ہمیشہ زندہ رہنا ہے)
پھر اگر تجھے مرنا ہے تو کیا یہ لوگ ہمیشہ رہنے والے ہیں؟ ۳۴
ہر جان کے لئے موت کا مزہ چکھنا ہے۔ اور ہم
تمہیں (زندگی کی) اچھی بری حالتوں کی آزمائش میں
ڈالتے ہیں تاکہ تمہارے لئے (یعنی تمہاری سعی و طلب کے
لئے) آزمائشیں ہوں، اور پھر (بالآخر تم سب کو) ہماری
طرف لوٹنا ہے: ۳۵
اور (اے پیغمبر!) جب تجھے وہ لوگ دیکھتے ہیں
جنہوں نے انکار حق کی راہ اختیار کی ہے تو انہیں
اور تو کچھ سوجھتا نہیں بس تجھے اپنی ہنسی ٹھٹھے کی بات بنا لیتے

(۱۰) جب انسان کسی کے بغض و عناد میں کھویا جاتا ہے، تو پھر اپنی زندگی کا اتنا خواہشمند نہیں رہتا جتنا اسکی موت کا آرزومند ہو جاتا ہے۔ دعوت حق کے مخالفوں کا بھی یہی حال تھا۔ وہ پیغمبر اسلام کی موت کے خیال سے اپنا جی خوش کیا کرتے تھے اور کہتے تھے اور تو کچھ ہونے والا نہیں۔ ہاں اسی طرح دعوی کرتے کرتے ختم ہو جاؤ گے آیت (۳۴) میں منکروں کی انہی خام خیالیوں کی طرف اشارہ کیا ہے فرمایا دنیا میں ہر جان کے لئے مرنا ہے، یہاں کسی کے لئے دائمی زندگی نہ ہوئی۔ پس اصلی سوال مرنے کا نہیں ہے۔ سوال تو یہ ہے کہ نبلوکم بالشر والخیر فتنۃ ہمنے آزمائش عمل میں ڈالنے کے لئے خیر و شر کی آزمائشیں پیدا کر دی ہیں۔ ان آزمائشوں سے کون کس طرح عہدہ برا ہوتا ہے؟ خیر کا سرمایہ جمع کرتا ہے یا شر کا؟ یہ تمہاری موت کے خیال سے اپنا جی خوش

[1] یفعل۔ سایر سو۔ اذا ثبت و اقام۔ قال الشاعر: فصبرت عارفۃ لذالک حرۃ ۔ ترسو اذا نفس الجبان مطلع۔
[2] قال الزجاج: کل مخرق بین جبلین، فھو "فج"۔

الْحَقَّ فَهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ۝ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْٓ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا ۝۲۴
فَاعْبُدُوْنِ ۝ وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ ۭ بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ ۝ لَا يَسْبِقُوْنَهٗ بِالْقَوْلِ وَهُمْ ۝۲۵-۲۶
بِاَمْرِهٖ يَعْمَلُوْنَ ۝ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يَشْفَعُوْنَ ۙ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰى وَهُمْ ۝۲۷
مِّنْ خَشْيَتِهٖ مُشْفِقُوْنَ ۝ وَمَنْ يَّقُلْ مِنْهُمْ اِنِّىْٓ اِلٰهٌ مِّنْ دُوْنِهٖ فَذٰلِكَ نَجْزِيْهِ جَهَنَّمَ ۭ كَذٰلِكَ ۝۲۸
نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ ۝ اَوَلَمْ يَرَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنٰهُمَا ۭ وَجَعَلْنَا مِنَ ۝۲۹ ع ۲

اور اسی طرح وہ تمام تعلیمیں بھی موجود ہیں جو مجھ سے پہلے دی جا چکی ہیں تم کسی تعلیم سے بھی یہ بات ثابت کر دکھاؤ کہ سچائی کی بات وہ نہیں ہے جو میں پیش کر رہا ہوں؟ پھر اگر بغیر کسی اختلاف کے دنیا کے ہر عہد اور ہر گوشہ کی دینی تعلیم ایک ہی رہی ہے اور سب نے توحید و خدا پرستی ہی کی طرف بلایا ہے تو کیا یہ عالمگیر وحدت تعلیم اور باہمد گر تصدیق و توثیق حقیقت کی موجودگی کا ایک قطعی ثبوت نہیں ہے؟ چنانچہ آیت ۲۵ میں وضاحت کر دی کہ دعوت قرآن سے پہلے جتنی دعوتیں بھی دنیا میں آ چکی ہیں ان سب کی پکار اس کے سوا کچھ نہیں رہی ہے کہ لا الٰہ الا انا فاعبدون!

۲۴

یہی بات آگے چل کر سورۂ احقاف میں بھی یوں کہی گئی: ائتونی بکتاب من قبل ھذا او اثارۃ من علم ان کنتم صدقین: (۴۶: ۴) مزید تشریح کے لئے تفسیر فاتحہ حجت دوم دیکھو۔

۲۵

نکال سکتے ہو؟) اصل بات یہ ہے کہ ان لوگوں میں سے اکثر کو حقیقت کا پتہ ہی نہیں یہی وجہ ہے کہ (سچائی سے) رُخ پھیرے ہوئے ہیں!

اور (اے پیغمبر!) ہم نے تجھ سے پہلے کوئی پیغمبر ایسا نہیں بھیجا جس پر اس بات کی وحی ہم نے نہ بھیجی ہو کہ کوئی معبود نہیں ہے مگر صرف میری ذات۔ پس چاہئے کہ میری بندگی کرو!

اور (دیکھو) انہوں نے کہا "خدائے رحمان نے اپنے لئے اولاد بنائی ہے" پاکی ہو اس کے لئے (یہ جھوٹ) بلکہ وہ تو اس کے معزز بندے ہیں

۲۶

وہ اس کے آگے بڑھ کے بات نہیں کر سکتے۔ وہ اس کے حکم پر سرتاسر کاربند رہتے ہیں۔

۲۷

جو کچھ ان کے سامنے ہے اور جو کچھ پیچھے چھوڑ آئے (یعنی ان کا ماضی بھی اور مستقبل بھی) سب اللہ جانتا ہے، ان کی مجال نہیں کہ کسی کو اپنی سفارش سے بخشوا لیں۔ مگر ہاں جس کسی کی بخشش اللہ پسند فرمائے اور

۲۸

وہ تو اس کی ہیبت سے خود ہی ڈرتے رہتے ہیں!

اور ان میں سے اگر کوئی ایسی جرأت کر بیٹھے کہ کہے "اللہ کے سوا میں معبود ہوں" تو اس کی پاداش میں ہم اسے

۲۹

جہنم کی سزا دیں۔ ہم اسی طرح ظلم کرنے والوں کو ان کے ظلم کا بدلہ دیتے ہیں!

(۹) قرآن کا عام اسلوب موعظت یہ ہے کہ توحید ربوبیت و خالقیت سے توحید الوہیت پر استدلال کرتا ہے۔ چنانچہ آیت ۳۰ میں فرمایا۔ کیا منکرین حق اسباب پر غور نہیں کرتے کہ کس کی قدرت و حکمت نے یہ تمام کارخانۂ خلقت پیدا کیا ہے؟ اور کس کی ربوبیت نے اسے زندگی اور زندگی کی ساری احتیاجوں کے لئے اس درجہ

جو لوگ منکر ہیں، کیا انہوں نے اس بات پر غور نہیں کیا کہ آسمان اور زمین دونوں (اپنی ابتدائی خلقت میں) ایک دوسرے سے ملے ہوئے تھے۔ پھر ہم نے انہیں الگ الگ کیا، اور پانی سے تمام جاندار چیزیں پیدا

الرَّحْمٰنِ ۭ بَلْ هُمْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهِمْ مُّعْرِضُوْنَ ۝ ۴۲ اَمْ لَهُمْ اٰلِهَةٌ تَمْنَعُهُمْ مِّنْ دُوْنِنَا ۭ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ
نَصْرَ اَنْفُسِهِمْ وَلَا هُمْ مِّنَّا يُصْحَبُوْنَ ۝ ۴۳ بَلْ مَتَّعْنَا هٰٓؤُلَاۗءِ وَاٰبَاۗءَهُمْ حَتّٰى طَالَ عَلَيْهِمُ الْعُمُرُ ۭ
اَفَلَا يَرَوْنَ اَنَّا نَاْتِي الْاَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ اَطْرَافِهَا ۭ اَفَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ ۝ ۴۴ قُلْ اِنَّمَآ اُنْذِرُكُمْ بِالْوَحْيِ ۚ
وَلَا يَسْمَعُ الصُّمُّ الدُّعَاۗءَ اِذَا مَا يُنْذَرُوْنَ ۝ ۴۵ وَلَىِٕنْ مَّسَّتْهُمْ نَفْحَةٌ مِّنْ عَذَابِ رَبِّكَ لَيَقُوْلُنَّ
يٰوَيْلَنَآ اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ۝ ۴۶ وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْـــًٔا ۭ

کرسکتا ہے (اگر وہ نہیں عذاب دینا چاہے؟) مگر (ان سے کیا پوچھ گچھ!) یہ تو اپنے پروردگار کی یاد سے بالکل رخ پھیرے ہوئے ہیں!

پھر کیا ان کے لئے معبود ہیں جو ہم سے انہیں بچا سکتے ہیں؟ (بھلا وہ کیا بچائیں گے؟) وہ خود اپنی مدد تو کر نہیں سکتے، اور نہ ہماری ہی طرف سے حفاظت پا سکتے ہیں[1]!

اصل یہ ہے کہ ہم نے انہیں اور ان کے باپ دادوں کو (فوائد زندگی سے) بہرہ ور ہونے کے موقعے دیے، یہاں تک کہ (خوشحالیوں کی سرشاری میں) ان کی بڑی بڑی عمریں گزر گئیں (اور اب غفلت ان کی رگ رگ میں رچ گئی ہے) مگر کیا یہ لوگ نہیں دیکھ رہے کہ ہم زمین کو چاروں طرف سے ان پر تنگ کرتے ہوئے چلے آرہے ہیں؟ پھر کیا وہ (اس مقابلہ میں) غالب ہو رہے ہیں؟

اے پیغمبر! تو کہدے "میری پکار اس کے سوا کچھ نہیں کہ اللہ کی وحی سے علم پاکر تمہیں متنبہ کر رہا ہوں" اور (یاد رکھو جو بہرے ہیں) انہیں کتنا ہی خبردار کیا جائے کبھی سننے والے نہیں!

اور اگر ان پر تیرے پروردگار کے عذاب کی ایک چھینٹ[2] بھی پڑ جائے، تو (ساری سرکشی و شرارت بھول جائیں اور) بے اختیار پکار اٹھیں "ہائے افسوس! بلاشبہ ہم ہی ظلم کرنے والے تھے!"

اور ہم قیامت کے دن انصاف کے ترازو کھڑے کر دینگے پس کسی جان کے ساتھ ذرا بھی ناانصافی نہ ہوگی

(۱۲) آیت ۳۸ سے ۴۷ تک مشرکین مکہ کو ان کی سرکشی و غفلت پر سرزنش کی ہے کہ سچائی کی نشانیاں دیکھتے تھے، بشارت و نذارت کے پیہم اعلانات سنتے تھے، مگر شرارت سے باز نہیں آتے تھے اور فصیحت پکڑنے کی جگہ اعلان حق کی ہنسی اڑاتے تھے۔

(۱۳) آیت ۴۵ تک دعوت حق کی پوری حقیقت واضح کردی ہے "میں نہیں وحی الٰہی سے خبردار کیا جائے سننے والے نہیں!" ہوں جو بہرے ہیں انہیں کتنا ہی خبردار کیا جائے سننے والے نہیں!"

(۱۴) آیت ۴۷ میں یہ حقیقت واضح کی ہے کہ فطرت کا ترازو بڑا ہی دقیقہ سنج ہے ایک ذرہ بھی نیکی نوں میں کم نہیں ہو سکتا۔ کوئی عمل کتنا ہی حقیر ہو مثلاً تم نے کسی مصیبت زدہ پر ہمدردی کی ایک اچٹتی ہوئی نظر ڈال دی۔ راہ چلتے ایک پتھر ہٹا دیا، ایک پیاسی چیونٹی کے آگے پانی کا قطرہ ٹپکا دیا، مگر ضروری ہے کہ اس کے

[1] العرب تقول "صحبک اللہ" ای حفظک و اجارک۔ قال الشاعر:۔
ینادی یا علی صوتہ متعوذا ۔۔۔ یصعب منا، والریاح دوافی!

[2] قال ابن کیسان "النفحۃ" ای الشیء القلیل ماخوذ من نفح المسک۔ قال المبرد، "النفحۃ" الدفعۃ من الشیء التی دون معطیہ یقال نفحہ نفحۃ بالسیف اذا ضربہ ضربۃ خفیفۃ۔

۳۶ الَّذِيْ يَذْكُرُ اٰلِهَتَكُمْ وَهُمْ بِذِكْرِ الرَّحْمٰنِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ۝ خُلِقَ الْاِنْسَانُ مِنْ عَجَلٍ ۭ سَاُورِيْكُمْ
۳۷-۳۸ اٰيٰتِيْ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْنِ ۝ وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ لَوْ يَعْلَمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا
۳۹ حِيْنَ لَا يَكُفُّوْنَ عَنْ وُّجُوْهِهِمُ النَّارَ وَلَا عَنْ ظُهُوْرِهِمْ وَلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ۝ بَلْ تَاْتِيْهِمْ
۴۰ بَغْتَةً فَتَبْهَتُهُمْ فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ رَدَّهَا وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ۝ وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ
۳ ع ۱۲ ۳ ۴۱ فَحَاقَ بِالَّذِيْنَ سَخِرُوْا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝ قُلْ مَنْ يَّكْلَؤُكُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ مِنَ

کہتے ہیں مگر خود اپنی زندگی کی خبر نہیں لیتے!

ہیں کیا۔ یہی وہ آدمی ہے جو ہمارے معبودوں کا ذکر کرتا ہے؟" اور ان کا حال یہ ہے کہ خدائے رحمان کے ذکر سے یک قلم منکر ہیں!

۳۶ (۱۱) قرآن نے جا بجا انسانی طبیعت کے اس خاصہ کا ذکر کیا ہے۔ وہ اپنی خواہشوں رایوں، اور اقدام عمل میں جلد باز واقع ہوا ہے۔ یہاں بھی آیت ۳۷ میں اس طرف اشارہ کیا۔ فرمایا جن نتائج کے ظہور کی خبر دی جا رہی ہے وہ عنقریب ظاہر ہونے والے ہیں، لیکن یہ منکر شور مچا رہے ہیں کہ فوراً ظاہر کیوں نہیں ہو جاتے؟ اچھا تھوڑا سا انتظار اور کریں۔ بہت جلد سامنے آ جائیں گے۔

۳۷ ۳۸ اس سلسلے میں یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ اگر انسانی طبیعت میں جلد بازی ہے تو قرآن اس خاصہ کی مذمت نہیں کرتا۔ کیونکہ اس کے تزویک فطرت انسانی کا کوئی خاصہ بھی فی نفسہ برائی کے لئے نہیں ہے۔ لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم (۹۵:۴) ضروری تھا کہ اس کی طبیعت میں جلد بازی ہوتی۔ کیونکہ یہی جلد بازی ہے جو اس کے اندر سعی عمل کا فوری ولولہ پیدا کرتی ہے اور اس کی ساری سرگرمیوں کے لئے ایک محرک کا کام دیتی ہے۔ لیکن خواص طبیعت کے ہر گوشہ کی طرح، یہاں بھی اسے ٹھوکر اصل خاصہ کے تقاضہ میں نہیں لگتی، بلکہ اس کے بے محل اور بے اعتدالانہ استعمال میں لگتی ہے، اسے جہاں صبر کرنا چاہئے، وہاں بے صبری کرنے لگتا ہے اور جب فیصلہ کرنے میں جلدی نہیں کرنی چاہئے تو بے دھڑک فیصلہ کر دیتا ہے۔ پس قرآن انسان کی ہر گمراہی کی طرح اس گمراہی میں بھی سوء استعمال کی مذمت کرتا ہے نہ کہ طبیعت اور خواص طبیعت کی۔

۳۹ آدمی کی سرگذشت ہی میں جلد بازی ہے۔ (وہ مستقبل کا انتظار کرنا نہیں چاہتا) اچھا عنقریب تمہیں اپنی (قدرت کی) نشانیاں دکھا دینگے اتنی جلدی نہ کرو!

۴۰ اور یہ کہتے ہیں "اگر تم سچے ہو تو بتلاؤ، یہ وعدہ کب ظہور میں آئے گا؟"

اگر یہ منکر اس گھڑی کا حال معلوم کر لیں جب آتش (عذاب بھڑکے گی اور) کے شعلے نہ تو اپنے آگے سے ہٹا سکیں گے نہ پیچھے سے، اور نہ کہیں سے مدد پائیں گے (تو کبھی اس شوخی و شرارت سے ظہور نتائج کا مطالبہ نہ کریں!)

بلکہ وہ گھڑی تو اپنے اچانک آ موجود ہوگی اور انہیں مبہوت کر دیگی پھر نہ تو اسوقت کو پھیر دے سکینگے اور نہ ہی مہلت پا سکینگے!

۴۱ اور اے پیغمبر! یہ واقعہ ہے کہ تجھ سے پہلے بھی پیغمبروں کی ہنسی اڑائی جا چکی ہے لیکن اس کا نتیجہ یہی نکلا ہے کہ جس بات کی ہنسی اڑاتے تھے (یعنی ظہور نتائج کی) وہی بات ان پر چھا گئی!

اے پیغمبر! ان سے پوچھ "رات کا وقت ہو یا دن کا، مگر کون ہے جو خدائے رحمان سے تمہاری نگہبانی

قَالَ بَلْ رَّبُّكُمْ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الَّذِیْ فَطَرَهُنَّ ۖ وَاَنَا عَلٰی ذٰلِكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِیْنَ ۝ ۵۶
وَتَاللّٰهِ لَاَكِیْدَنَّ اَصْنَامَكُمْ بَعْدَ اَنْ تُوَلُّوْا مُدْبِرِیْنَ ۝ فَجَعَلَهُمْ جُذٰذًا اِلَّا كَبِیْرًا لَّهُمْ لَعَلَّهُمْ ۵۷
اِلَیْهِ یَرْجِعُوْنَ ۝ قَالُوْا مَنْ فَعَلَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَآ اِنَّهٗ لَمِنَ الظّٰلِمِیْنَ ۝ قَالُوْا سَمِعْنَا فَتًی یَّذْكُرُهُمْ ۵۸ - ۵۹
یُقَالُ لَهٗۤ اِبْرٰهِیْمُ ۝ قَالُوْا فَاْتُوْا بِهٖ عَلٰۤی اَعْیُنِ النَّاسِ لَعَلَّهُمْ یَشْهَدُوْنَ ۝ قَالُوْۤا ءَاَنْتَ ۶۰ - ۶۱
فَعَلْتَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَا یٰۤاِبْرٰهِیْمُ ۝ قَالَ بَلْ فَعَلَهٗ ۖ كَبِیْرُهُمْ هٰذَا فَسْـَٔلُوْهُمْ اِنْ كَانُوْا ۶۲
یَنْطِقُوْنَ ۝ فَرَجَعُوْۤا اِلٰۤی اَنْفُسِهِمْ فَقَالُوْۤا اِنَّكُمْ اَنْتُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝ ثُمَّ نُكِسُوْا عَلٰی رُءُوْسِهِمْ ۶۳ - ۶۴
لَقَدْ عَلِمْتَ مَا هٰۤؤُلَآءِ یَنْطِقُوْنَ ۝ ۶۵

ابراہیم نے کہا "نہیں میں کہتا ہوں، آسمان اور زمین کا پروردگار جس نے ان سب کو پیدا کیا، وہی تمہارا بھی پروردگار ہے، میں اس حقیقت پر تمہارے آگے گواہ ہوں!" ۵۶

"اور (ابراہیم نے کہا) بخدا میں ضرور تمہارے ان بتوں کے ساتھ ایک چال چلوں گا جب تم سب پیٹھ پھیر کے چل دو گے"۔ ۵۷

چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا، اس نے بتوں کو توڑ کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ صرف ایک بت جو ان میں بڑا سمجھا جاتا تھا، چھوڑ دیا کہ شاید وہ اس کی طرف رجوع کریں۔ ۵۸

انہوں نے کہا (یعنی جب لوگ معبد میں واپس آئے تو یہ حال دیکھ کر کہنے لگے) "ہمارے معبودوں کے ساتھ یہ حرکت کس نے کی؟ جس کسی نے کی ہو، وہ بڑا ہی ظالم آدمی ہے"۔ ۵۹

چند آدمیوں نے کہا "ہم نے ایک نوجوان کو ان کے بارے میں کچھ کہتے سنا تھا۔ اسے ابراہیم کہہ کے پکارتے ہیں"۔ ۶۰

لوگوں نے کہا "اسے یہاں تمام آدمیوں کے سامنے بلا لاؤ۔ تاکہ سب گواہ رہیں"۔ ۶۱

ان لوگوں نے ابراہیم سے کہا (کیونکہ اب اسے بلا لائے تھے) "ابراہیم! کیا تو نے ہمارے معبودوں کے ساتھ یہ حرکت کی؟" ۶۲

ابراہیم نے کہا "بلکہ (یوں سمجھو) اس بت نے کی جو ان میں سب سے بڑا ہے۔ اگر بت بول سکتے ہیں تو خود اسی سے دریافت کر لو"۔ ۶۳

تب وہ آپس میں ایک دوسرے سے باتیں کرنے لگے انہوں نے کہا "اس میں شک نہیں اصل میں مجرم تو خود ہم ہی ہیں"۔ ۶۴

پھر وہ اس حال میں پڑ گئے کہ شرم و خجالت سے سر جھکے ہوئے تھے۔ انہوں نے کہا "تو اچھی طرح جانتا ہے، یہ بت بات نہیں کیا کرتے"۔ ۶۵

۴۷ وَاِنْ كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ اَتَيْنَا بِهَا ۭ وَكَفٰى بِنَا حٰسِبِيْنَ ۝ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسٰى وَ
۴۸ هٰرُوْنَ الْفُرْقَانَ وَضِيَاۗءً وَّذِكْرًا لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ وَهُمْ مِّنَ
۴۹ السَّاعَةِ مُشْفِقُوْنَ ۝ وَهٰذَا ذِكْرٌ مُّبٰرَكٌ اَنْزَلْنٰهُ ۭ اَفَاَنْتُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ ۝ وَلَقَدْ اٰتَيْنَآ
۵۱ اِبْرٰهِيْمَ رُشْدَهٗ مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا بِهٖ عٰلِمِيْنَ ۝ اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖ مَا هٰذِهِ التَّمَاثِيْلُ الَّتِيْٓ
۵۲ اَنْتُمْ لَهَا عٰكِفُوْنَ ۝ قَالُوْا وَجَدْنَآ اٰبَاۗءَنَا لَهَا عٰبِدِيْنَ ۝ قَالَ لَقَدْ كُنْتُمْ اَنْتُمْ وَاٰبَاۗؤُكُمْ
۵۴ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝ قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا بِالْحَقِّ اَمْ اَنْتَ مِنَ اللّٰعِبِيْنَ ۝

وہ وہاں میں آجائے، ایسا کبھی نہیں ہو سکتا کہ رائیگاں جائے۔

اور تم خود اپنی زندگی ہی میں دیکھ لو کہ فطرت کے قانون مکافات کی دقاق اندچیزیوں کا کیا حال ہے؟ تم نے ایک پل کے لئے کسی پر ہمدردی کی تو فرشتوں اور خدا تعالیٰ اور حسن اخلاق کا ایک نقش جم گیا۔ تم نے کسی جانور پر بھی بے رحمی کی نگاہ ڈالی، اور تمہارے آئینہ اخلاق میں قساوت کا بال پڑ گیا۔ تمہاری کوئی چھوٹی سے چھوٹی بات بھی تعقیب جزا سے بغیر نہیں رہ سکتی اور جزا ٹھیک ٹھیک تلا ہوتا ہے۔ رائی برابر بھی ادھر اُدھر نہیں!

اگر رائی برابر بھی کسی کا عمل ہوگا، تو ہم اسے وزن میں لے آئیں گے۔ جب ہم (خود) حساب لینے والے ہوں تو پھر اس کے بعد کیا باقی رہا؟

اور (دیکھو) یہ واقعہ ہے کہ ہم نے موسیٰ اور ہارون کو فرقان (یعنی حق کو باطل سے الگ کر دینے والی قوت) اور (وحی الٰہی کی) روشنی اور متقیوں کے لئے نصیحت دی تھی۔ ان متقیوں کے لئے جو اپنے پروردگار کی ہستی سے بغیر اسے دیکھے ہوئے ڈرتے رہتے ہیں اور آنے والی گھڑی کے تصور سے بھی لرزاں رہتے ہیں!

(۱۵) آیت (۴۸) سے سلسلہ بیان اس طرف متوجہ ہو گیا ہے کہ مندرجہ صدر مقاصد پر گزشتہ دھرموں اور قوموں کی سرگزشتوں سے استشہاد کیا جائے۔ چنانچہ پہلے حضرت موسیٰ کی دعوت کی طرف اشارہ کیا۔ جن کی کتاب کا حال حاضرین پر معلوم و مسلم تھا۔ فرمایا۔ اسی طرح قرآن کا بھی نزول ہوا ہے۔ پھر اگر یہ اس سے منکر ہیں، تو اس کے معنی یہ ہیں کہ تمام سلسلہ وحی و تنزیل سے منکر ہیں۔

اور یہ قرآن بھی نصیحت ہے برکت والی ہم نے اسے نازل کیا۔ پھر کیا تمہیں اس سے انکار ہے؟

اور اس سے پہلے ہم نے ابراہیم کو اس کے درجہ کے مطابق[1] سمجھ بوجھ عطا فرمائی تھی، اور ہم اس کی حالت سے بے خبر نہ تھے۔

اس کے بعد حضرت ابراہیم کی زندگی کا وہ ابتدائی واقعہ بیان کیا ہے جب ان کے دل اور "میں پہلی آیا تھا۔ جہاں سے ہجرت کر کے وہ کنعان گئے اور وہیں بقیہ عمر کے لئے بس گئے۔

جب اس نے اپنے باپ سے اور اپنی قوم کے لوگوں سے کہا تھا "یہ کیا مورتیاں ہیں جنکی پوجا پر تم جم کر بیٹھ گئے ہو؟" تو انہوں نے جواب دیا تھا "ہم نے اپنے باپ دادوں کو دیکھا، انہی کی پوجا کرتے تھے"۔

ابراہیم نے کہا "یقین کرو تم خود بھی اور تمہارے باپ دادا بھی صریح گمراہی میں پڑے"

اس پر انہوں نے کہا "تو ہم سے سچ مچ کہہ رہا ہے یا مزاح کر رہا ہے؟"

[1] "ولقد اٰتینا ابراھیم رشدہ" ای الرشد اللائق بہ و باشارۃ من الرسل۔ مترجموں نے "رشدہ" کی ضمیر کا مطلب بالکل ضائع کر دیا۔

كَانُوا قَوْمَ سَوْءٍ فَاسِقِينَ ۝ وَأَدْخَلْنَاهُ فِي رَحْمَتِنَا ۖ إِنَّهُ مِنَ الصَّالِحِينَ ۝ وَنُوحًا إِذْ نَادَىٰ مِن ۷۶ ع ۴
قَبْلُ فَاسْتَجَبْنَا لَهُ فَنَجَّيْنَاهُ وَأَهْلَهُ مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيمِ ۝ وَنَصَرْنَاهُ مِنَ الْقَوْمِ الَّذِينَ كَذَّبُوا ۷۶
بِآيَاتِنَا ۚ إِنَّهُمْ كَانُوا قَوْمَ سَوْءٍ فَأَغْرَقْنَاهُمْ أَجْمَعِينَ ۝ وَدَاوُودَ وَسُلَيْمَانَ إِذْ يَحْكُمَانِ فِي الْحَرْثِ ۷۷
إِذْ نَفَشَتْ فِيهِ غَنَمُ الْقَوْمِ ۖ وَكُنَّا لِحُكْمِهِمْ شَاهِدِينَ ۝ فَفَهَّمْنَاهَا سُلَيْمَانَ ۚ وَكُلًّا آتَيْنَا حُكْمًا ۷۸
وَعِلْمًا ۚ وَسَخَّرْنَا مَعَ دَاوُودَ الْجِبَالَ يُسَبِّحْنَ وَالطَّيْرَ ۚ وَكُنَّا فَاعِلِينَ ۝ وَعَلَّمْنَاهُ صَنْعَةَ لَبُوسٍ ۷۹
لَّكُمْ لِتُحْصِنَكُم مِّن بَأْسِكُمْ ۖ فَهَلْ أَنتُمْ شَاكِرُونَ ۝ وَلِسُلَيْمَانَ الرِّيحَ عَاصِفَةً ۸۰

حد سے گزرے ہوئے لوگ تھے (ہم نے ان سے لوط کو نجات دی) اور اپنی رحمت کی پناہ میں لے لیا یقیناً ۷۴
وہ نیک کردار انسانوں میں سے ایک انسان تھا!

۷۵

اور (اسی طرح) نوح کا معاملہ (بھی یاد کرو) جو ان (نبیوں) سے پیشتر کا ہے، جب اس نے ہمیں پکارا
تھا، تو (دیکھو) ہم نے اس کی پکار سن لی۔ اور اسے اور اس کے گھرانے کو ایک بڑی ہی سختی سے نجات ۷۶
دے دی۔ نیز ان لوگوں کے مقابلہ میں جو ہماری نشانیاں جھٹلاتے تھے، اس کی مدد کی وہ بڑے ہی بد
راہ لوگ تھے، پس ہم نے ان سب کو غرق کر دیا۔ ۷۷

اور داؤد اور سلیمان (کا معاملہ بھی یاد کرو)
جب وہ (ملک کے کھیت) میں کہ لوگوں کی بکریاں
اس میں منتشر ہو گئی تھیں حکم چلاتے تھے، اور ہم ان
کی حکم فرمائی دیکھ رہے تھے، پس ہم نے سلیمان کو اس بات ۷۸
کی پوری سمجھ دے دی، اور ہم نے حکم دینے کا منصب اور
(نبوت کا) علم ان میں سے ہر ایک کو عطا فرمایا تھا۔ نیز ہم نے
پہاڑوں کو داؤد کے لئے مسخر کر دیا تھا۔ وہ اللہ کی
پاکی کی صدائیں بلند کرتے تھے، اور اسی طرح پرندوں
کو بھی۔ اور ہم (ایسا ہی) کرنے والے تھے۔ ۷۹

اور (دیکھو) ہم نے داؤد کو تمہارے لئے زرہ بکتر
بنانا سکھا دیا کہ تمہیں ایک دوسرے کی زد سے بچائے
پھر کیا تم (ہماری بخششوں کے) شکر گزار ہو؟ ۸۰

اور (دیکھو) ہم نے (سمندر کی) تند ہواؤں کو بھی

(۷۱) اگر ایک آدمی ایک طرف کھیت بوئے دوسری طرف رات کو اپنی بکریاں بھی کھول دیا کرے تو کیا نتیجہ نکلے گا؟ یہی کہ ساری فصل تباہ ہو جائے گی۔ وہ جتنا چر سکیں گی، چر لیں گی۔ جتنا روند سکیں گی روند جائیں گی۔

یہی حال یہودیوں کا تھا۔ وہ ایک طرف بساتے تھے، دوسری طرف خود اپنے ہی ہاتھوں اسے اجاڑ دیتے تھے۔ حضرت داؤد نے انہیں فلسطینیوں پر فتح بدلا دیا، اور تمام ملک ساحل بحر تک ان کے قبضہ میں آ گیا، لیکن پھر بھی ان میں تظلم و الماعت کی روح پیدا نہ ہوئی۔

البتہ حضرت سلیمان کے زمانہ میں ایک نیا انقلاب رونما ہوا، اور انہوں نے اپنی دانش و حکمت سے یہودیوں کی حالت ایسی پلٹ دی کہ ایک عظیم الشان عبرانی مملکت قائم ہو گئی۔

آیت (۷۸) میں اسی صورت حال کی طرف غالباً اشارہ کیا گیا ہے۔

آیت کا ایک مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ "الحرث" سے مقصود کوئی خاص کھیتی ہو۔ اور "حکم القوم" سے خاص گروہ کی بکریاں یعنی کسی کا کھیت تھا، اور کسی کی بکریاں اس میں جا پڑی تھیں اس جھگڑے کا فیصلہ دونوں نے کیا۔ حضرت داؤد نے بھی اور

قَالَ أَفَتَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَنفَعُكُمْ شَيْئًا وَلَا يَضُرُّكُمْ ۝ أُفٍّ لَّكُمْ وَلِمَا تَعْبُدُونَ ٦٦
مِن دُونِ اللَّهِ ۖ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ۝ قَالُوا حَرِّقُوهُ وَانصُرُوا آلِهَتَكُمْ إِن كُنتُمْ فَاعِلِينَ ۝ قُلْنَا يَا نَارُ كُونِي ٦٧ - ٦٠
بَرْدًا وَسَلَامًا عَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ ۝ وَأَرَادُوا بِهِ كَيْدًا فَجَعَلْنَاهُمُ الْأَخْسَرِينَ ۝ وَنَجَّيْنَاهُ وَلُوطًا إِلَى الْأَرْضِ ٦٩ - ٧٠
الَّتِي بَارَكْنَا فِيهَا لِلْعَالَمِينَ ۝ وَوَهَبْنَا لَهُ إِسْحَاقَ ۖ وَيَعْقُوبَ نَافِلَةً ۖ وَكُلًّا جَعَلْنَا صَالِحِينَ ۝ وَجَعَلْنَاهُمْ ٧١ - ٧٢
أَئِمَّةً يَهْدُونَ بِأَمْرِنَا وَأَوْحَيْنَا إِلَيْهِمْ فِعْلَ الْخَيْرَاتِ وَإِقَامَ الصَّلَاةِ وَإِيتَاءَ الزَّكَاةِ ۖ وَ
كَانُوا لَنَا عَابِدِينَ ۝ وَلُوطًا آتَيْنَاهُ حُكْمًا وَعِلْمًا وَنَجَّيْنَاهُ مِنَ الْقَرْيَةِ الَّتِي كَانَت تَّعْمَلُ الْخَبَائِثَ ۗ إِنَّهُمْ ٧٣

ابراہیم نے کہا "پھر تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ اللہ کو چھوڑ کر ایسی چیزوں کو پوجتے ہو جو تمہیں نہ تو کسی طرح کا نفع پہنچا سکیں نہ نقصان؟ تمہاری حالت کتنی ناقابل برداشت ہے اور ان کی بھی جنہیں تم اللہ کے سوا پوجتے ہو، کیا تم عقل سے بالکل کورے ہو گئے؟" ٦٦ ٦٧

(۶۸) حضرت ابراہیم نے جب دیکھا کہ بتوں کی غلامت لوگوں کے دلوں میں اس طرح جم گئی ہے کہ عقل و بصیرت کی کوئی صدا بھی اسے متزلزل نہیں کر سکتی، تو اعلان حقیقت کے لئے انہوں نے ایک دوسرا طریقہ اختیار کیا۔ یہ ایسا طریقہ کہ تمام لوگوں نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا ان کے معبود خود ان سے بھی زیادہ عاجز اور بے بس ہیں اور وہی اور صرف وہی عقیدت کے سوا کوئی حقیقت موجود نہیں تشریح کی سعادت کے آخر میں ملے گی۔

جب لوگ اس مقابلہ میں عاجز و درماندہ ہو گئے۔ تو پھر جیسا کہ جہل و تعصب کا قاعدہ ہے ظلم و تشدد پر اتر آئے۔ انہوں نے چاہا حضرت ابراہیم کو زندہ آگ میں جلا دیں۔ لیکن اللہ نے ان کے سارے منصوبے یوں خاک میں ملائے اور حضرت ابراہیم زندہ و سلامت وہاں سے نکل کر کنعان چلے گئے۔ ان کے ساتھ ان کے بھتیجے حضرت لوط بھی تھے۔ ان دونوں کے قولِ کنعان کی تفصیل بر ضمن آیت (۶۹) سورۂ ہود میں گزر چکی ہے۔

انہوں نے آپس میں) کہا "اگر ہم میں کچھ بھی ہمت ہے تو آؤ اس آدمی کو آگ میں ڈال کر جلا دیں اور اپنے معبودوں کا بول بالا کریں"

(مگر ہمارا حکم ہوا "اے آگ! ٹھنڈی ہو جا، اور ابراہیم کے لئے سلامتی!"

اور (دیکھو) انہوں نے چاہا تھا، ابراہیم کے ساتھ ایک چال چلیں لیکن ہم نے انہیں نامراد کر دیا۔ ہم نے اسے اور (اس کے بھتیجے) لوط کو (دشمنوں سے) نجات دلا کر ایک ایسے ملک میں پہنچا دیا جسے قوموں کے لئے (بڑا ہی) بابرکت ملک بنایا ہے (یعنی سرزمین کنعان)

اور پھر ہم نے اسے ایک فرزند (اسحاق) عطا فرمایا، اور مزید برآں (پوتا) یعقوب۔ ان سب کو ہم نے نیک کردار بنایا تھا۔ ہم نے انہیں انسانوں کی پیشوائی دی تھی ہمارے حکم کے مطابق وہ راہ دکھاتے تھے۔ ہم نے ان پر وحی بھیجی کہ ہر طرح کی بھلائی کے کام انجام دیں، نیز نماز قائم رکھیں اور زکوٰۃ ادا کریں۔ وہ ہماری بندگی میں لگے رہتے تھے!

اور (اسی طرح) لوط کو بھی ہم نے (احکام حق دینے کا) منصب اور (نبوت کا) علم عطا فرمایا۔ ہم نے اس بستی سے نجات دی جس کے باشندے بڑے ہی گندے کام کیا کرتے تھے، اور کچھ شک نہیں بڑے ہی بدراہ

إِنَّهُمْ كَانُوا يُسَارِعُونَ فِي الْخَيْرَاتِ وَيَدْعُونَنَا رَغَبًا وَرَهَبًا ۖ وَكَانُوا لَنَا خَاشِعِينَ ۝ ٩٠
وَالَّتِي أَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيهَا مِن رُّوحِنَا وَجَعَلْنَاهَا وَابْنَهَا آيَةً لِّلْعَالَمِينَ ۝ ٩١
إِنَّ هَٰذِهِ أُمَّتُكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً وَأَنَا رَبُّكُمْ فَاعْبُدُونِ ۝ ٩٢
وَتَقَطَّعُوا أَمْرَهُم بَيْنَهُمْ ۖ كُلٌّ إِلَيْنَا رَاجِعُونَ ۝ ٩٣
فَمَن يَعْمَلْ مِنَ الصَّالِحَاتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا كُفْرَانَ لِسَعْيِهِ ۖ وَإِنَّا لَهُ كَاتِبُونَ ۝ ٩٤
وَحَرَامٌ عَلَىٰ قَرْيَةٍ أَهْلَكْنَاهَا أَنَّهُمْ لَا يَرْجِعُونَ ۝ ٩٥
حَتَّىٰ إِذَا فُتِحَتْ يَأْجُوجُ وَمَأْجُوجُ وَهُم مِّن كُلِّ حَدَبٍ يَنسِلُونَ ۝ ٩٦
وَاقْتَرَبَ الْوَعْدُ الْحَقُّ فَإِذَا هِيَ شَاخِصَةٌ أَبْصَارُ الَّذِينَ كَفَرُوا يَا وَيْلَنَا قَدْ كُنَّا فِي غَفْلَةٍ مِّنْ هَٰذَا بَلْ كُنَّا ظَالِمِينَ ۝ ٩٧
إِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ ۖ أَنتُمْ لَهَا وَارِدُونَ ۝ ٩٨
لَوْ كَانَ هَٰؤُلَاءِ آلِهَةً مَّا وَرَدُوهَا ۖ وَكُلٌّ فِيهَا خَالِدُونَ ۝ ٩٩
لَهُمْ فِيهَا زَفِيرٌ وَهُمْ فِيهَا لَا يَسْمَعُونَ ۝ ١٠٠
إِنَّ الَّذِينَ سَبَقَتْ لَهُم مِّنَّا الْحُسْنَىٰ أُولَٰئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُونَ ۝ ١٠١
لَا يَسْمَعُونَ حَسِيسَهَا وَهُمْ فِي مَا اشْتَهَتْ أَنفُسُهُمْ خَالِدُونَ ۝ ١٠٢
لَا يَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْأَكْبَرُ وَتَتَلَقَّاهُمُ الْمَلَائِكَةُ هَٰذَا يَوْمُكُمُ الَّذِي كُنتُمْ تُوعَدُونَ ۝ ١٠٣
يَوْمَ نَطْوِي السَّمَاءَ كَطَيِّ السِّجِلِّ لِلْكُتُبِ ۚ كَمَا بَدَأْنَا أَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِيدُهُ ۚ وَعْدًا عَلَيْنَا ۚ إِنَّا كُنَّا فَاعِلِينَ ۝ ١٠٤
وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُورِ مِن بَعْدِ الذِّكْرِ أَنَّ الْأَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصَّالِحُونَ ۝ ١٠٥
إِنَّ فِي هَٰذَا لَبَلَاغًا لِّقَوْمٍ عَابِدِينَ ۝ ١٠٦
وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ ۝ ١٠٧
قُلْ إِنَّمَا يُوحَىٰ إِلَيَّ أَنَّمَا إِلَٰهُكُمْ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ ۖ فَهَلْ أَنتُم مُّسْلِمُونَ ۝ ١٠٨
فَإِن تَوَلَّوْا فَقُلْ آذَنتُكُمْ عَلَىٰ سَوَاءٍ ۖ وَإِنْ أَدْرِي أَقَرِيبٌ أَم بَعِيدٌ مَّا تُوعَدُونَ ۝ ١٠٩
إِنَّهُ يَعْلَمُ الْجَهْرَ مِنَ الْقَوْلِ وَيَعْلَمُ مَا تَكْتُمُونَ ۝ ١١٠
وَإِنْ أَدْرِي لَعَلَّهُ فِتْنَةٌ لَّكُمْ وَمَتَاعٌ إِلَىٰ حِينٍ ۝ ١١١
قَالَ رَبِّ احْكُم بِالْحَقِّ ۗ وَرَبُّنَا الرَّحْمَٰنُ الْمُسْتَعَانُ عَلَىٰ مَا تَصِفُونَ ۝ ١١٢

(۱۵۹) جس وقت تک آتشیں اسلحہ ایجاد نہیں ہوئے تھے جنگ میں حفاظت کا بڑا ذریعہ آہنی پاس کا استعمال تھا۔ یعنی زرہ کا۔ آیت ۸۰ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت داؤدؑ نے اس صنعت کو بہت فروغ دیا تھا، اور اس میں طرح طرح کی نئی ایجادات کی تھیں۔ تاریخی آثار سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے۔ ایک ہزار سال قبل مسیح تک زرہ کا استعمال تو عام میں دکھائی نہیں دیتا۔ لیکن اس کے بعد سے خود کا استعمال شروع ہو جاتا ہے۔ علاوہ پھر دوسری چیزیں بھی مستعمل ہونے لگتی ہیں۔ یہاں تک کہ سکندر کے عہد میں یونانی اور ایرانی، دونوں سرتاپا آہن پوش ہو گئے تھے۔

(۱۶۰) آیت ۸۱ میں فرمایا ہم نے سمندر کی باد تند سلیمان کے لئے مسخر کر دی تھی۔ یعنی بادبانی کے بڑے بڑے جہاز چلتے تھے۔ اور خشکی کے جانوروں کی طرح سمندر کی ہوائیں بھی ان کے لئے باربرداری اور نقل و حرکت کا ذریعہ ہو گئی تھیں۔

سمندر کی ہواؤں کا معاملہ بھی قدرت کے عجائب مظاہر میں سے ہے جس وقت تک خانی قوت کا انکشاف نہیں ہوا تھا، بحری سیر و سیاحت کا ذریعہ یہی ہوائیں تھیں۔ یہ مختلف جہتوں میں چلتی ہیں، اور مختلف وقتوں میں چلتی ہیں اور ان کی جہتیں اور اوقات اس درجہ معین اور منضبط ہیں کہ کبھی ان میں فرق نہیں پڑ سکتا۔ پھر ان کی تندی و طاقت کا یہ حال ہے کہ بڑے بڑے جہازوں کو تنکوں کی طرح سطح سمندر پر دوڑاتے پھرتے ہیں!

قدیم عہدوں میں حضرت سلیمان پہلے شخص ہیں جنہوں نے جہازوں سے اس طرح کام لینا شروع کیا کہ ہندوستان اور مغربی جزائر تک بحری آمد و رفت کا منظم سلسلہ قائم ہو گیا۔ توراۃ سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا تجارتی بیڑہ وقت کا سب سے زیادہ طاقتور

اپنی رحمت کے سایہ میں لے لیا۔ یقیناً وہ نیک بندوں میں سے تھے۔

۸۶ اور اسی طرح ذوالنون کا معاملہ یاد کرو) جب ایسا ہوا تھا کہ وہ (راہ حق میں خشمناک ہو کر چلا گیا پھر اس نے خیال کیا ہم اسے تنگی میں نہیں ڈالیں گے۔ لیکن پھر جب اس پر حالت تنگ ہوئی تو مایوسی کی) تاریکیوں میں اس نے پکارا (خدایا

۸۷ تیرے سوا کوئی معبود نہیں! تیرے لئے (ہر طرح کی) پاکی ہو! حقیقت یہ ہے کہ میں نے (اپنے اوپر بڑا ہی) ظلم کیا

تب ہم نے اس کی پکار سن لی اور غمگینی سے اسے نجات دی (دیکھو) ہم اسی طرح ایمان والوں کو

۸۸ نجات دیا کرتے ہیں!

اور (اسی طرح) زکریا (کا معاملہ یاد کرو) جب اس نے اپنے پروردگار کو پکارا تھا (خدایا! مجھے اس دنیا میں) اکیلا نہ چھوڑ (یعنی بغیر وارث کے نہ چھوڑ) اور (ویسے تو) تو ہی (ہم سب کا) بہتر وارث ہے!

۸۹ تو (دیکھو) ہم نے اس کی پکار سن لی! اسے (ایک فرزند) یحییٰ عطا فرمایا، اور اس کی بیوی کو اس کے لئے تندرست کر دیا۔ یہ تمام لوگ نیکی کی راہوں میں سرگرم تھے (جانے فضل سے) امید لگائے ہوئے اور (ہمارا

(۱۶۱) آیت ۸۲ میں فرمایا ہم نے سمندر کی باد تند سلیمان کے لئے مسخر کر دی تھی۔ یعنی بادبانی کے بڑے بڑے جہاز چلتے تھے۔ اور خشکی کے جانوروں کی طرح سمندر کی ہوائیں بھی ان کے لئے باربرداری اور نقل و حرکت کا ذریعہ ہو گئی تھیں۔

سمندر کی ہواؤں کا معاملہ بھی قدرت کے عجائب مظاہر میں سے ہے جس وقت تک خانی قوت کا انکشاف نہیں ہوا تھا، بحری سیر و سیاحت کا ذریعہ یہی ہوائیں تھیں۔ یہ مختلف جہتوں میں چلتی ہیں، اور مختلف وقتوں میں چلتی ہیں اور ان کی جہتیں اور اوقات اس درجہ معین اور منضبط ہیں کہ کبھی ان میں فرق نہیں پڑ سکتا۔ پھر ان کی تندی و طاقت کا یہ حال ہے کہ بڑے بڑے جہازوں کو تنکوں کی طرح سطح سمندر پر دوڑاتے پھرتے ہیں!

قدیم عہدوں میں حضرت سلیمان پہلے شخص ہیں جنہوں نے جہازوں سے اس طرح کام لینا شروع کیا کہ ہندوستان اور مغربی جزائر تک بحری آمد و رفت کا منظم سلسلہ قائم ہو گیا۔ توراۃ سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا تجارتی بیڑہ وقت کا سب سے زیادہ طاقتور

لغۃ "نقدر علیہ" ای ان ضیق علیہ۔ یقال قدر و قتر ای ضیق۔ و منہ قولہم "یبسط الرزق لمن یشاء و یقدر" ای یضیق "و من قدر علیہ رزقہ"

۸۱ تَجْرِیْ بِاَمْرِهٖۤ اِلَى الْاَرْضِ الَّتِیْ بٰرَكْنَا فِیْهَا ؕ وَكُنَّا بِكُلِّ شَیْءٍ عٰلِمِیْنَ ۝ وَمِنَ الشَّیٰطِیْنِ مَنْ
۸۲ یَّغُوْصُوْنَ لَهٗ وَیَعْمَلُوْنَ عَمَلًا دُوْنَ ذٰلِكَ ۚ وَكُنَّا لَهُمْ حٰفِظِیْنَ ۝ وَاَیُّوْبَ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗۤ اَنِّیْ
۸۳ مَسَّنِیَ الضُّرُّ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ ۖۚ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ فَكَشَفْنَا مَا بِهٖ مِنْ ضُرٍّ ۫ وَاٰتَیْنٰهُ اَهْلَهٗ
۸۴ وَمِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَذِكْرٰى لِلْعٰبِدِیْنَ ۝ وَاِسْمٰعِیْلَ وَاِدْرِیْسَ وَذَا الْكِفْلِ ؕ كُلٌّ
۸۵ مِّنَ الصّٰبِرِیْنَ ۝ وَاَدْخَلْنٰهُمْ فِیْ رَحْمَتِنَا ؕ

سلیمان کے لئے کیسا مسخر کر دیا تھا کہ اس کے حکم پر چلتی تھیں اور اس سرزمین کے رخ پر جس میں ہم نے بڑی ہی برکت رکھ دی ہے (یعنی فلسطین اور شام کے رخ پر جہاں

حضرت سلیمان نے بھی، اور فیصلہ حضرت سلیمان کا زیادہ قوی اور مادق تھا۔ مزید تشریح تم تفاسیر میں لے گی۔

۸۱ (بحر احمر اور بحر متوسط سے دور دور کے جہاز آتے تھے) اور ہم ساری باتوں کی آگاہی رکھتے ہیں!

اور شیطانوں میں سے ایسے شیطان جو اس کے لئے غوطے لگاتے، اور اس کے علاوہ اور بھی طرح طرح کے کام کرتے اور ہم انہیں اپنی پاسبانی میں لئے ہوئے تھے۔

(۱۰) آیت (۷۹) میں "فہمناھا" کے دو مخاطب ہو سکتے ہیں۔ ایک وہ جو "کلا اتینا حکما" میں ہے، دوسرا یہ کہ جب حضرت داؤد بھی کے نغمے گاتے تھے تو سماں بندھ جاتا تھا، اور چڑیاں تک وجد میں آجاتی تھیں!

۸۲ حضرت داؤد بڑے ہی خوش آواز تھے۔ وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے عبرانی موسیقی مدون کی اور مصری اور بابلی مزامیر کو ترقی دے کر نئے نئے آلات ایجاد کئے۔

۸۳ تورات اور روایات یہود سے معلوم ہوتا ہے کہ جب وہ پہاڑوں کی چوٹیوں پر بیٹھ کر حمد الٰہی کے ترانے گاتے اور اپنا ربط بجاتے تو شجر حجر جھومنے لگتے۔

روایات تفسیر سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے پرندوں کی تسخیر کو بھی دونوں باتوں پر محمول کیا جا سکتا ہے اس پر بھی کہ ہر طرح کے پرندان کے محل میں جمع ہو گئے تھے اور اس پر بھی کہ ان کی نغمہ سرائیوں سے متاثر ہوتے تھے۔

کتاب زبور در اصل ان گیتوں کا مجموعہ ہے جو حضرت داؤد نے الہام الٰہی سے نظم کی تھیں۔

اور ایوب (کا بھی معاملہ یاد کرو) جب اس نے اپنے پروردگار کو پکارا تھا "میں دکھ میں پڑ گیا ہوں اور خدایا! تجھ سے بڑھ کر رحم کرنے والا کوئی نہیں!" پس ہم نے اس کی پکار سن لی اور جس دکھ میں پڑ گیا تھا، وہ دور کر دیا۔ ہم نے اس کا گھرانا (پھر سے) بسا دیا، اور اس کے ساتھ ویسے ہی (عزیز و اقارب) اور بھی دئے، یہ ہماری طرف سے اس کے لئے رحمت تھی اور یہ نصیحت ہے ان کے لئے جو اللہ کی بندگی کرنے والے ہیں!

اور (اسی طرح) اسماعیل، ادریس اور ذوالکفل سب (راہ حق میں) صبر کرنے والے تھے، ہم نے انہیں

۸۴ ۸۵

لہ التسبیح اما حقیقۃ او مجازا۔ وقیل قال بلسان جماعۃ وھو الظاھر۔ وقال بالمجاز اخوذ وحملوا التسبیح علی تسبیح من رآھا، عجبا من عظم خلقھا وقدرتہ۔ خالفھا (فتح القدیر للشوکانی) قلت ولکل وجھۃ ھو موبھا۔ فاستبقوا الخیرات۔

أَنَّهُمْ لَا يَرْجِعُونَ ۝ حَتَّىٰ إِذَا فُتِحَتْ يَأْجُوجُ وَمَأْجُوجُ وَهُم مِّن كُلِّ حَدَبٍ يَنسِلُونَ ۝ وَاقْتَرَبَ
الْوَعْدُ الْحَقُّ فَإِذَا هِيَ شَاخِصَةٌ أَبْصَارُ الَّذِينَ كَفَرُوا يَا وَيْلَنَا قَدْ كُنَّا فِي غَفْلَةٍ مِّنْ هَٰذَا بَلْ كُنَّا
ظَالِمِينَ ۝ إِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ أَنتُمْ لَهَا وَارِدُونَ ۝ لَوْ كَانَ هَٰؤُلَاءِ
آلِهَةً مَّا وَرَدُوهَا وَكُلٌّ فِيهَا خَالِدُونَ ۝ لَهُمْ فِيهَا زَفِيرٌ وَهُمْ فِيهَا لَا يَسْمَعُونَ ۝ إِنَّ الَّذِينَ
سَبَقَتْ لَهُم مِّنَّا الْحُسْنَىٰ أُولَٰئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُونَ ۝ لَا يَسْمَعُونَ حَسِيسَهَا ۖ وَهُمْ فِي

۹۵ ٹھہرادی تو اس کے لئے (کامیابی وسعادت) ممکن نہیں
۹۶ وہ کبھی (اپنی سرکشی وغفلت سے) لوٹنے والے نہیں!
جب وہ وقت آجائیگا کہ یاجوج اور ماجوج
کی راہ کھل جائے گی (زمین کی) تمام بلندیوں سے وہ دوڑتے ہوئے اتر آئینگے، اور (خدا کے ٹھہرائے ہوئے) سچے وعدہ
کی گھڑی قریب آجائے گی تو اس وقت اچانک ایسا
ہوگا کہ لوگوں کی آنکھیں (شدت دہشت وحیرت
سے) کھلی کی کھلی رہ جائینگی، ان لوگوں کی آنکھیں
جنہوں نے (سچائی سے) انکار کیا تھا۔ (وہ پکار اٹھینگے)
افسوس ہم پر! ہم اس (ہولناک گھڑی) سے غفلت میں
۹۷ رہے، بلکہ ہم ظلم وشرارت میں سرشار تھے"!
تم اور وہ تمام چیزیں جن کی اللہ کو چھوڑ کر تم پوجا
۹۸ کرتے ہو، دوزخ کا ایندھن ہیں، تم سب وہاں پہنچنے والے ہو
اگر یہ چیزیں سچ مچ کو معبود ہوتیں تو کبھی دوزخ
میں نہ پہنچتیں، حالانکہ سب اس میں ہمیشہ کے
۹۹ لئے رہنے والے ہیں!
ان کے لئے دوزخ میں (صرف دکھ اور جلن
۱۰۰ کی) چیخیں ہوں گی۔ اور وہ (اور کچھ نہیں سنینگے!
(مگر جن لوگوں کے لئے ہم نے پہلے سے بھلائی
۱۰۱ کا حکم دیدیا، تو وہ یقیناً دوزخ سے دور کردئے گئے
وہ (اس سے اتنے دور ہونگے کہ) وہاں کی (اذیتوں کی

نے کی۔ قومات کی کتب سماویین اول سے معلوم ہوتا ہے کہ تیس ہزار آدمی تیرہ برس تک کام میں لگے رہے، تب کہیں جاکر عمارت تیار ہوئی تھی۔

(۲۲) عہد عتیق میں "ایوب" کے نام سے ایک صحیفہ ہے، اور اس میں اس نام کے ایک راست باز اور صابر انسان کی سرگزشت لکھی ہے، آیت (۸۳) میں اسی کی طرف اشارہ کیا ہے۔
سرگزشت کا خلاصہ یہ ہے کہ "عوص کے ملک میں ایوب ایک کامل اور راست باز انسان تھا۔ خدا نے اسے بڑا خاندان اور بڑی دولت دے رکھی تھی۔ اس کے سات بیٹے اور تین بیٹیاں تھیں۔ سات ہزار بھیڑیں، تین ہزار اونٹ، ایک ہزار بیل اور پانچ سو باربرداری کے گدھے تھے۔ اس کے نوکر چاکر بھی بے شمار تھے، اور اہل مشرق میں اس درجہ کا مالدار کوئی نہ تھا۔ وہ اس دولت وثروت کے لئے خداوند کا شکر گزار تھا اور ہمیشہ بدی سے دور رہتا تھا"۔
لیکن پھر زندگی کی ساری نعمتیں ان پر آپڑیں۔ ان کے مویشی لوٹ لئے گئے۔ نوکر چاکر قتل ہوگئے۔ اولاد مرگئی جاہ وحشم نابود ہوگیا اور زندگی کی خوش حالیوں میں سے کوئی چیز بھی باقی نہ رہی۔ پھر بربادیوں کے یہ تمام زخم ایک ایک کرکے نہیں لگے کہ سنبھلنے اور جھیلنے کی مہلت ملی ہو۔ یہ سب وقت لگے، اور اچانک دنیا کچھ سے کچھ ہوگئی۔
لیکن عین اس حالت میں بھی حضرت ایوب کی زبان سے کلمہ صبر وشکر کے سوا اور کچھ نہیں نکلا "وہ بھبھے میں گر پڑا، اور کہا میں اپنی ماں کے پیٹ سے برہنہ پیدا ہوا تھا اور برہنہ ہی دنیا سے جاؤنگا خداوند نے مجھے دیا تھا۔ اور خداوند نے لے لیا۔ اس کے نام کے سزے ساری پاکیاں اور برکتیں ہوں"۔ (ایوب ۱: ۲۲)
سب کچھ جا چکا تھا صرف جسم کی تندرستی باقی رہ گئی تھی۔ اب

۹۰ يَدْعُوْنَنَا رَغَبًا وَّرَهَبًا ۭ وَكَانُوْا لَنَا خٰشِعِيْنَ ۝ وَالَّتِيْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيْهَا مِنْ رُّوْحِنَا
۹۱ وَجَعَلْنٰهَا وَابْنَهَآ اٰيَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝ اِنَّ هٰذِهٖٓ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً ۠ وَاَنَا رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْنِ ۝
۹۲ وَتَقَطَّعُوْٓا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ ۭ كُلٌّ اِلَيْنَا رٰجِعُوْنَ ۝ فَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا
۹۳ كُفْرَانَ لِسَعْيِهٖ ۚ وَاِنَّا لَهٗ كٰتِبُوْنَ ۝ وَحَرٰمٌ عَلٰي قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَآ

بیڑہ تھا۔ بحر احمر میں اس کا مرکز "تربیس" تھا جو خلیج عقبہ میں واقع تھا اور بحر متوسط میں صور، طائر، یافہ کی بندرگاہیں۔

۹۰ فلسطین کا علاقہ ایسے گوشہ میں واقع ہوا ہے کہ اس کے مغرب و شمال میں بحر متوسط ہے اور جنوب میں بحر احمر۔ پس اسے متضاد موسموں کی ہوائیں چاہئیں تاکہ دنیا کے جہاز اس کے ساحلوں تک پہنچ سکیں یعنی بحر احمر میں شمالی ہوا اور متوسط میں جنوبی اور مشرقی۔ اور اگرچہ دونوں سمندروں کا پانی خاصہ کچھ زیادہ نہیں لیکن قدرت الٰہی نے ان کی ہواؤں کی سمتیں ایسی ہی رکھدی ہیں کہ یک وقت بحر احمر میں باد شمال کے جھونکے چلتے ہیں اور متوسط میں باد جنوبی کے۔ دونوں یکساں طور پر سواحل شام و فلسطین کے لئے مفید ہیں۔

۹۱ اس تفصیل کے بعد "الی الارض التی بارکنا فیہا" کا مطلب بالکل واضح ہو جاتا ہے۔

جلال سے) ڈرتے ہوئے دعائیں مانگتے تھے اور ہمارے آگے عجز و نیاز سے جھکے ہوئے تھے!

اور (اسی طرح) اس عورت کا معاملہ جس نے اپنی عصمت کی حفاظت کی تھی (یعنی مریم کا معاملہ) پس ہم نے اپنی روح میں سے (یعنی اپنے ملائکہ کے خور ملکوتیت میں سے ایک جوہر) اس میں پھونک دیا، اور اسے اور اس کے بیٹے (مسیح) کو تمام دنیا کے لئے (سچائی کی) ایک نشانی بنا دیا!

(ان تمام رسولوں کے ذریعے ہم نے جو تعلیم دی تھی وہ یہی تھی) یہ تم سب کی امت فی الحقیقت ایک ہی امت ہے (الگ الگ دین اور الگ الگ گروہ بندیاں نہیں ہیں) اور میں ہی تم سب کا (تن تنہا) پروردگار ہوں۔ پس چاہئے کہ میری ہی بندگی کرو (اور اس راہ میں الگ الگ نہ ہو)

۹۲ (۲۱) قرآن میں شیطان کا اطلاق شیاطین انس پر بھی ہوا ہے اور شیاطین الانس پر بھی مثلاً انما ذلکم الشیطان یخوف اولیاءہ (۳: ۱۷۵) میں شیطان سے مقصود قریش مکہ کا بھیجا ہوا جاسوس ہے یا واذ زین لہم الشیطان اعمالہم (۸: ۴۸) میں شیطان کا اطلاق سراقہ بن مالک ابن جعشم پر کیا گیا جو زینی کو لڑائی پر ابھارتا تھا، مگر پھر بھاگ گیا۔

پس یہاں آیت (۸۲) میں بھی معلوم ہوتا ہے شیاطین کا اطلاق شیاطین الانس ہی پر ہوا ہے یعنی فلسطین اور شام کی ان شریر اور سرکش قوموں پر جو حضرت سلیمان کے عہد میں بالکل مطیع و منقاد ہو چکی تھیں، اور انہوں نے ہیکل کی تعمیر میں تیرہ برس تک ہر طرح کی سخت سخت خدمتیں انجام دی تھیں

۹۳ ہیکل کی بنیاد حضرت داؤد نے ڈال دی تھی لیکن تعمیر حضرت سلیمان

مگر لوگوں نے آپس میں اختلاف کر کے اپنے (ایک ہی) دین کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے (بالآخر) سب کو ہماری ہی طرف لوٹنا ہے۔

پس (یاد رکھو) عمل اس باب میں یہ ہے کہ) جس کسی نے نیک کام کئے اور وہ اللہ پر ایمان رکھتا ہے تو اس کی کوشش اکارت جانے والی نہیں، ہم اس کی نیکیاں لکھ لینے والے (موجود) ہیں!

اور (دیکھو) جس آبادی کے لئے ہم نے ہلاکت

مُّسْلِمُوْنَ ۝ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ اٰذَنْتُكُمْ عَلٰى سَوَآءٍ ۭ وَاِنْ اَدْرِيْٓ اَقَرِيْبٌ اَمْ بَعِيْدٌ مَّا تُوْعَدُوْنَ ۝ ۱۰۹
اِنَّهٗ يَعْلَمُ الْجَهْرَ مِنَ الْقَوْلِ وَيَعْلَمُ مَا تَكْتُمُوْنَ ۝ ۱۱۰
وَاِنْ اَدْرِيْ لَعَلَّهٗ فِتْنَةٌ لَّكُمْ وَمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ۝ ۱۱۱
قٰلَ رَبِّ احْكُمْ بِالْحَقِّ ۭ وَرَبُّنَا الرَّحْمٰنُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰي مَا تَصِفُوْنَ ۝ ۱۱۲

ہے۔ آیت (۸۱) اور (۸۴) پر مکرر نظر ڈالو۔ و ایوب اذ نادی ربہ انی مسنی الضر و انت ارحم الراحمین ؛ فاستجبنا لہ فکشفنا ما بہ من ضر و اتینٰہ اھلہ و مثلھم معھم رحمۃ من عندنا ، و ذکری للعابدین :

"انی مسنی الضر" میں ان کے درد و مصیبت کی ساری داستان آگئی۔ کوئی گوشہ بھی نہیں چھوٹا ساتھ ہی اسلوب بلاغت یہ ہوا کہ "میں دکھ میں پڑ گیا ہوں" یہ نہ ہوا کہ "تو نے مجھے دکھ میں ڈال دیا ہے" کیونکہ وہ تو کسی کو بھی دکھ میں نہیں ڈالتا۔ اس نے جو کچھ بھی بخشا ہے سرتاسر سکھ اور راحت ہی ہے۔ جو آفت بھی ہمارے لئے دکھ ہو جاتی ہے، خود ہماری ہی صورت حال کا نتیجہ ہوتی ہے، چنانچہ یہی وجہ ہے کہ انبیاء کرام کے فی البدیہات میں ہر جگہ یہ حقیقت نمایاں ہوئی۔ حضرت آدم نے کہا: ربنا ظلمنا انفسنا، و ان لم تغفرلنا و ترحمنا لنکونن من الخاسرین (۷ : ۲۳) خدایا! ظلم ہم نے کیا اور مغفرت کی طلبگاری تجھ سے ہے: اسی طرح حضرت ابراہیم کی موعظت سورۂ شعراء میں کہ "و اذا مرضت فھو یشفین (۲۶ : ۸۰) جب میں بیمار پڑ جاتا ہوں تو وہی ہے جو مجھے شفا دیتا ہے۔ یعنی بیماری میں پڑنا میری حالت ہوئی۔ شفا دینا اس کا کام ہوا۔ کیونکہ اس کے پاس جو کچھ ہے، شفا ہی شفا ہے اسکی رحمت نے دار الشفا بنایا ہے بیماریاں بانٹنے کا کوئی گھر نہیں بنایا ہے و ما احسن قول الشاعر العارف :

کفر ہم نسبت بہ خالق حکمت است
چوں یقیں نسبت کنی کفر آفت است

اور یہی وجہ ہے کہ فرمایا بعز من تشآء و تذل من تشآء۔ بیدک الخیر ؛ (۳ : ۲۶) تو جسے چاہے عزت دیدے، جسے چاہے ذلیل کر دے ہر طرح کا "خیر" تیرے ہی ہاتھ ہے" یعنی جسے عزت ملی، وہ بھی خیر کی بات ہوئی جسے ذلت ملی وہ بھی خیر کی بات ہوئی۔ حالانکہ جسے ذلت ملی اس کے لئے تو "شر" ہی کی بات ہوئی "خیر" کی بات نہیں ہوئی لیکن قرآن کہتا ہے اس کے لئے اور اس کی اضافت سے "شر" کی بات ہوئی فی الحقیقت "شر" کی بات نہ ہوئی۔ کیونکہ خدا جو کچھ کرتا ہے خیر ہی خیر ہے شر کا یہاں گذر ہی نہیں یہ ہم ہیں اور ہماری حالت ہے جو "شر" کا جامہ پہن لیا کرتی ہے :

ہر چہ ہست از خامت ناسازدیے اندام ماست — ورنہ تشریف تو بر بالائے کس دشوار نیست!

مسلم کی حدیث الفتن میں یہی حقیقت واضح کی گئی ہے : یا جبار اما ھی اعمالکم احصیھا لکم ثم اوفیکم ایاھا فمن وجد

۱۰۸ جھگڑتے ہو یا نہیں؟"

۱۰۹ پھر اگر وہ روگردانی کریں، تو کہدے "میں نے تمہیں (انکار و سرکشی کے نتائج سے یکساں طور پر خبردار کر دیا ہے میں نہیں جانتا جس بات کا وعدہ کیا گیا ہے اس کا وقت (ابھی) قریب آ لگا ہے یا ابھی دور ہے۔

۱۱۰ (تاہم وہ ٹلنے والا نہیں) اللہ کے علم سے کوئی بات پوشیدہ نہیں جو کچھ پکار کے (علانیہ) کہا جاتا ہے وہ بھی اور جو کچھ تم (دلوں میں) چھپائے ہوئے ہو وہ بھی اور مجھے کیا معلوم؟ ہو سکتا ہے کہ اس (تاخیر) میں تمہارے لئے آزمائش رکھ دی گئی ہو اور یہ بات ہو کہ ایک

۱۱۱ مقررہ وقت تک زندگی کا لطف اٹھا لو

۱۱۲ اس نے کہا (یعنی پیغمبر نے دعا کرتے ہوئے عرض کیا) "خدایا! تو ہی (ہمارے) درمیان سچائی کے ساتھ فیصلہ کر دے اور ہمارا پروردگار تو (وہی) الرحمٰن ہے اسی سے مدد مانگی گئی ہے جیسی کچھ باتیں تم بنا رہے ہو ان کے خلاف اسی کی مدد کارگر فیصلہ کرے گی۔

حضرت ایو دعا اور سا انی مسنی

مَا اشْتَهَتْ أَنفُسُهُمْ خَالِدُونَ ۝ لَا يَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْأَكْبَرُ وَتَتَلَقَّاهُمُ الْمَلَائِكَةُ هَٰذَا يَوْمُكُمُ
الَّذِي كُنتُمْ تُوعَدُونَ ۝ يَوْمَ نَطْوِي السَّمَاءَ كَطَيِّ السِّجِلِّ لِلْكُتُبِ كَمَا بَدَأْنَا أَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِيدُهُ
وَعْدًا عَلَيْنَا ۚ إِنَّا كُنَّا فَاعِلِينَ ۝ وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُورِ مِن بَعْدِ الذِّكْرِ أَنَّ الْأَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ
الصَّالِحُونَ ۝ إِنَّ فِي هَٰذَا لَبَلَاغًا لِّقَوْمٍ عَابِدِينَ ۝ وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ ۝ قُلْ إِنَّمَا
يُوحَىٰ إِلَيَّ أَنَّمَا إِلَٰهُكُمْ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ ۖ فَهَلْ أَنتُم

۱۰۲

۱۰۳

۱۰۴

۱۰۵

۱۰۶

۱۰۷

اس نے بھی جواب دیدیا۔" اور ایوب کے ماتھے سے لے کے سر کی چاندی تک سارے جسم میں جلتے ہوئے پھوڑے نکل آئے وہ ایک ٹھیکرا لے کر اپنا جسم کھجاتا اور راکھ پر بیٹھا رہتا"۔ (۲:۸)

لیکن اس پر بھی ان کی زبان ایک لمحہ کے لئے شکوہ و شکایت سے آلودہ نہ ہوئی!

اب درد و مصیبت کی یہ حالت برابر بڑھتی ہی جاتی ہے لیکن جوں جوں بڑھتی جاتی ہے روح کا یقین دل کا صبر اور زبان کا زمزمہ شکر بھی بڑھتا جاتا ہے۔ چنانچہ تمام صحیفہ ایوب انہی دلسوز مواعظ کا مجموعہ ہے جو ان کے درد و غم کی آہوں اور کرب و اذیت کی صداؤں کے اندر نمایاں ہوئے۔ ان کی ہر لَے حمد و ثنا کا نغمہ تھی اور ہر پکار صبر و شکر کی تلقین۔ اسلوب بیان یہ ہے کہ تین دوست مصیبت کا حال سن کر آتے ہیں اور اللہ کے کاموں اور حکمتوں پر ان سے ردّ و کد کرتے ہیں۔ پھر اللہ کی وحی انہیں مخاطب کرتی ہے اور ان کی آزمائش کا دور ختم ہو جاتا ہے: "اور خداوند نے ایوب کی حالت بدل دی اسے پہلے کی نسبت دوچند دولت عنایت کی۔ اس کے تمام عزیزوں کو اس کے گرد جمع کر دیا۔ اسے آخری عمر میں پہلے کی طرح اولاد ملی۔ وہ ایک سو چالیس برس تک جیا اور اپنی نسل کی چار پشتیں اپنی آنکھوں سے دیکھیں" (۴۲: ۱۰)

اس بات کے اظہار کے لئے کہ یہ حضرت ایوب کے لئے ایک آزمائش تھی یہ بیان یہ اختیار کیا گیا ہے کہ "شیطان نے ایوب کی خدا پرستی و راست بازی اس لئے ہوئی کہ خدا نے اسے ہر طرح کی خوشحالیاں دے رکھی ہیں۔ اگر وہ ان سے محروم ہو جائے تو پھر کبھی خدا کا شکر گزار نہ ہو" لیکن وہ خوش حالیوں سے محروم ہوئے۔ پھر بھی ان کا ایمان و یقین گھٹنے کی جگہ اور زیادہ بڑھ گیا۔

قرآن نے صبر و شکر کی یہ پوری داستان یہاں صرف چند جملوں میں بیان کر دی ہے اور اس کا ایجاز بلاغت اتنا ہی مؤثر ہے جتنا صحیفۂ ایوب کے پچاس صفحوں کا سارا مطلب

بھنک بھی ان کے کانوں میں نہیں پڑے گی۔ وہ اپنی پسند اور خواہش کی تمام نعمتوں میں ہمیشہ کے لئے مگن رہیں گے۔

انہیں (روز قیامت کی) بڑی سے بڑی ہولناکی بھی ہراساں نہ کرے گی۔ فرشتے انہیں بڑھ کر لیں گے (اور کہینگے:) یہ ہے وہ تمہارا دن جس کا (کلام حق میں) وعدہ کیا گیا تھا"۔

وہ دن جس دن ہم آسمان کو اس طرح لپیٹ دینگے جیسے بہی کھاتوں کے طومار لپیٹ لئے جاتے ہیں۔ ہم نے جس طرح پہلی پیدائش شروع کی تھی اسی طرح اسے دہرائینگے بھی۔ اس وعدہ کا پورا کرنا ہم پر ہے اور ہم پورا کر کے رہینگے!

اور دیکھو ہم نے زبور میں تذکیر و نصیحت کے بعد یہ بات لکھ دی تھی کہ زمین کی وراثت انہی بندوں کے حصے میں آئے گی جو نیک ہونگے" اس بات میں ان لوگوں کے لئے جو عبادت گزار ہیں ایک بڑا ہی پیام ہے اور (اے پیغمبر!) ہم نے تجھے نہیں بھیجا ہے مگر اس لئے کہ تمام دنیا کے لئے رحمت کا ظہور ہو!

تو کہدے "مجھ پر جو کچھ وحی کیا گیا ہے وہ تو صرف یہ ہے کہ تمہارا معبود ایک ہی تنہا معبود ہے۔ (اس کے سوا کوئی نہیں) پس نبلاؤ، تم اس کے آگے سر

کتاب پیدائش اور توارتخ امم میں ایک اور سامی نام بھی ہمیں ملتا ہے یعنی "یوباب" یہ بنی یقطان میں سے تھا۔ یقطان عبر سے پیدا ہوا۔ الفہ رسلح بن ارفکسد بن سام سے سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا "یوباب" اور "ایوب" ایک ہی نام نہیں ہیں؟

بالا تحقیق یہ بات تسلیم کی گئی ہے کہ توارت میں سب سے زیادہ قدیم صحیفہ یہی ہے اور حضرت ایوب کا زمانہ حضرت موسیٰ سے بہت پہلے تھا لیکن اگر "یوباب" سے تصور "ایوب" ہیں تو انہیں حضرت ابرہیم کا معاصر ہونا چاہئے۔ یا کم از کم حضرت اسحاق اور یعقوب کا۔

سفر ایوب متقدم کتاب ہے

ثالثاً سفر ایوب کا یہ ایک جملہ کہ رہا ہے کہ ہمیں شعر ہوں نثر نہیں ہو سکتا۔ اسی لئے محققین توارت نے اسے بھی امثال اور زبور کی طرح اصلاً کتاب منظوم ہی قرار دیا ہے بلاغت کلام، شعریت بیان اور بلندی اسلوب کے لحاظ سے یہ اس درجہ کی کتاب ہے کہ عہد عتیق کا کوئی صحیفہ اشعیا، و زبور مستثنیٰ کر دینے کے بعد اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔

عربی علم ادب کی قدامت

ثالثاً معلوم ہو گیا کہ عربی علم ادب کی تاریخ اس عہد سے بہت پہلے شروع ہو جاتی ہے جو عہد عام طور پر سمجھ لیا گیا تھا کیونکہ اگر حضرت موسیٰ سے پہلے سفر ایوب جیسی نظم عربی میں لکھی جا سکتی تھی، تو یقیناً عبرانی علم ادب کے نشو و نما سے صدہا سال پہلے عربی علم ادب پوری طرح ترقی یافتہ ہو چکا تھا۔ بلاشبہ سفر ایوب کی عربی وہ عربی نہ ہوگی جو نزول قرآن کے وقت بولی جاتی تھی یقیناً عربی کی کوئی ابتدائی شکل ہوگی جس کی آغوش ہمیں آرامی، کلدانی اور آشوری کتبات کے الفاظ و اسمار میں نظر آ رہی ہیں اور قدیم مصری بھی اس کی جھلک سے خالی نہیں۔ تاہم وہ عربی زبان ہی ہوگی، اور اسی عربی نے موجودہ عربی کے تمام عناصر و مواد بہم پہنچائے ہونگے۔

اصل یہ ہے کہ عہد جاہلیت کی عربی اگرچہ صحرائیوں کی عربی تھی، لیکن زبان کی نوعیت بول رہی ہے کہ یہ صحرائی قبائل کی پیداوار نہیں ہو سکتی۔ اتنی وسیع، اتنی ہمہ گیر، اتنی دقیقہ سنج، اس درجہ مقنول زبان ضروری ہے کہ صدیوں کی متوارث اور مسلسل ادبی زندگی سے ظہور پذیر ہوئی ہو۔ جو زبان قرآن کے معانی و دقائق کی متحمل ہو گئی کیونکر ممکن ہے کہ اسے غیر متمدن قبائل کی ایک بدوی زبان تسلیم کر لیا جائے؟ اتنا ہی نہیں بلکہ وثوق کے ساتھ کہا جا سکتا ہے، جس عربی میں امرالقیس نے اشعار کہے ہیں اس عربی کی لغوی تاریخ اس سے بہت زیادہ قدیم اور بہت زیادہ متمدن ہونی چاہئے جتنی اس وقت تک سمجھی گئی ہے۔

جدید اشوری انکشاف اور عربی کی قدامت

گزشتہ صدی تک عربی کی لغوی تاریخ کا یہ مسئلہ ایک لاینحل مسئلہ سمجھا جاتا تھا۔ حتیٰ کہ بعض محققین نے مجبور ہو کر یہ رائے قائم کر لی تھی کہ زبانوں کی تخلیق اور نشو و نما کا اسے ایک فوری نحوی تسلیم کر لینا چاہئے، لیکن اب اشوری تحقیقات کے آخرین مواد نے بحث و تعلیل کا ایک نیا میدان پیدا کر دیا ہے اور عربی نسل اور عربی زبان کی تاریخ بالکل ایک نئی شکل میں نمودار ہو رہی ہے۔ یہ زبان جس پر زندگی و خلود کی آخری مہر قرآن نے لگائی، در اصل مدتی نشو و نما کے اتنے مرحلوں سے گزر چکی ہے کہ دنیا کی کوئی زبان بھی اس وصف میں اس کی شریک نہیں۔ سمیری اور اکادی اقوام کا تمدن، نینوا اور بابل کی علمی کامرانیاں، قدیم مصری لغات کا عرفانی سرمایہ آرامی زبان کا عروج و احاطہ، کلدانی اور سریانی کا ادبی تنوع، در اصل ایک ہی زبان کی لغوی تشکیل و تحلیل کے مختلف مرحلے تھے، اور اسی نے آگے چل کر چوتھی صدی قبل مسیح کی عربی کا بھیس اختیار کیا جو زبان حضارت و تمدن کی اتنی بھٹیوں میں سے پک کر نکلی ہو، ظاہر ہے کہ اس کے اسمار و مصادر کسی مفلس اور خام زبان کے اسمار و مصادر نہیں ہو سکتے۔

تابوت احیرا کا انکشاف اور عربی کتبہ

آج ہم تعجب کے ساتھ دیکھ رہے ہیں کہ ظہور مسیح سے آٹھ نو برس پہلے آشوری اور بابلی زبان میں طبق، ملک، شمس، سما، نملک، نجم، ارض وغیرہ الفاظ ٹھیک ٹھیک انہی معنوں میں مستعمل تھے جن معنوں میں آج مستعمل ہیں! اتنا ہی نہیں بلکہ ۱۹۳۳ء کے ایک جدید انکشاف نے تو ہمیں تیرہ سو برس قبل مسیح تک پیچھے ہٹا دیا ہے، اور ہم دیکھتے ہیں کہ عربی زبان کے ابتدائی مواد نے ایک کتابی اور ادبی زبان کی حیثیت حاصل کر لی ہے، اور اس میں نہ صرف موجودہ اسمار و مصادر ہی پلتے جاتے ہیں بلکہ بعض حروف نحویہ[1] تک موجود ہیں۔ مثلاً حرف عطف "وہ" ہے اور اپنی ابتدائی فنیقی شکل ۲ میں لکھا جا رہا ہے۔ الف لام بدستور حرف تعریف ہے، اور ہر اسم کے پہلے اپنی نمود رکھتا ہے۔ مثلاً الملک الجنیں۔ "ذی" (یعنی ذو ذوالجلال و ذوالقرنین) ہر نمود اسم اشارہ "ہی" ہوتا ہے "من" اسی معنی میں مستعمل ہے جس میں اب مستعمل ہوتا ہے۔ نیز بک (فعل)، طع، من فتح، محو، ٹھیک انہی معنوں میں بولے گئے ہیں جو بعد کو لغت قریش میں بولے گئے!

---

[1] حروف نحویہ یعنی مصطلح نحو، نہ حروف ابجد تو سبھی سب موجود ہیں

[2] ملک یعنی بادشاہ نے قوالبی نقلی صورت تاثیر حاصل کر لی تھی کیونکہ ایران کی آرین زبان بھی اسے برتنے پر مجبور ہو گئی چنانچہ دارا (اخلم انشیہ ۲۵۰)

خیرًا، فلیحمد اللہ، ومن وجد غیر ذلک فلا یلومن الا نفسہ" اے میرے بندو! یہ تمہارے اعمال ہی ہیں جنہیں میں تمہارے لئے ضبط کرتا ہوں اور پھر ان کے نتائج پورے پورے لوٹا دیتا ہوں پس تم میں سے جو کوئی بہتر پائے تو اللہ کی تعریف کرے، اور جس شخص کسی کو کوئی دوسری حالت پیش آجائے تو اور کسی کا شکوہ نہ کرے خود اپنے نفس کو ملامت کرے"۔

رابعہ ادھم الراحمین

اس کے بعد کہا وانت ارحم الراحمین: اور غور کرو اس ایک جملہ میں سفر ایوب کے کتنے صفحے آگئے؟ اس میں حمد و ثنا بھی آگئی صبر و شکر کا دامن بھی نہیں چھوٹا، طلب الحاح کا ہاتھ بھی دراز ہو گیا۔ اور عجز و نیاز کی پیشانی بھی بندگی و تذلل کی زمین پر ٹک گئی "خدایا! میں دکھی ہوں اور تجھ سے بڑھ کر کون ہے جو رحم کرنے والا ہو!"

طوبی لعبد تکون مولاہ!

اگر ایک فقیر بادشاہ سے کہے میں محتاج ہوں اور تجھ سے بڑھ کر کوئی سخی نہیں تو پھر اس کے بعد اور کیا رہ گیا جو اس نے نہیں کہا؟ اور کیوں اس سے زیادہ اس کی زبان سے کچھ نکلے؟ بلاشبہ یہ عرض حال ہے طلب و سوال نہیں۔ لیکن۔

درحضرت کریم تقاضہ چہ حاجت است

نیت سوء کی جانچ

اس کے بعد صرف ایک آیت کے اندر پوری سرگزشت اور اس کا حاصل بیان کر دیا، غور کرو، کس طرح یہ آیت ایک پورے صحیفہ کا کام دے رہی ہے اور کس طرح اس کا ہر جملہ اپنی جگہ ایک پورا باب ہے؟

(ا) فاستجبنا لہ۔ ہم نے اس کی پکار سن لی یعنی وحی الٰہی کی وہ اجابت جو سفر ایوب کے چار بابوں میں بیان کی گئی ہے ۳ سے ۴۲ تک۔

(ب) فکشفنا ما بہ من ضر۔ پس درد و مصیبت میں سے جو کچھ اسے پیش آیا تھا۔ سب ہم نے دور کر دیا۔ اس میں وہ ساری مصیبتیں آگئیں جن کی تفصیلات دو بابوں میں آئی ہیں۔

(ج) واتینا اھلہ۔ اس کا گھرانا اسے دیدیا" دیدیا" اس سے کھویا گیا تھا۔ پھر اسے واپس مل گیا۔ اس اشارے نے خاندانی مصیبت اور تفرقہ کی ساری داستان بتلا دی۔

(د) ومثلھم معھم۔ اتنا ہی اور بھی یعنی گھر بار کا جمگھٹا پہلے سے دوچند کر دیا۔

(و) لیکن یہ سب کچھ کیوں ہوا؟ اور اس سرگزشت کا حاصل کیا ہے؟ رحمۃ من عندنا: یہ ہماری طرف سے رحمت کا ظہور تھا کیونکہ رحمت کو پکارا گیا تھا "وانت ارحم الراحمین!" پس ضروری تھا کہ رحمت جواب دے۔

(ز) وذکری للعابدین۔ اور اس لئے کہ بندگی کرنے والوں کے لئے اس میں نصیحت ہو یعنی یہ حقیقت آشکارا ہو جائے کہ جو عبادت گزران حق ہیں وہ کبھی رحمت الٰہی کی بخششوں سے محروم نہیں رہ سکتے:

قرآن کے قصص و اشارات قصص کا یہی حال ہے۔ ترجمان القرآن میں ہمکی گنجایش نہیں نکل سکتی کہ ہر مقام کی تفسیر اس تفصیل کے ساتھ کی جائے پس صرف اس مقام کی تفسیر کر دی گئی۔ تاکہ اہل نظر کے لئے ایک نمونہ کا کام دے، اور تمام مقامات کا مطالعہ اسی روشنی میں کر سکیں۔

اس سلسلہ میں چار باتیں اور یاد رکھنی چاہئیں:

حضرت ایوب عرب تھے

اولاً محققین تورات میں سے اکثر اس طرف گئے ہیں کہ حضرت ایوب عرب تھے عرب میں ظاہر ہوئے تھے، اور سفر ایوب اصلاً قدیم عربی میں لکھی گئی تھی، حضرت موسیٰ نے اسے قدیم عربی سے عبرانی میں منتقل کیا۔

سفر ایوب میں ہے کہ وہ "عوص" کے ملک میں رہتے تھے، اور آگے چل کر تصریح کی ہے کہ ان کے مویشی پر شیبا (سبا) کے لوگوں نے اور کسدیوں (بابلیوں) نے حملہ کیا تھا (۱:۱۵) ان دونوں تصریحوں سے بھی اسکی تصدیق ہو جاتی ہے کیونکہ کتاب پیدائش اور توارخ اول میں "عوص"، کو ارم "بن" سام "بن" نوح "کا بیٹا کہا ہے" اور "ارامی" بالاتفاق عرب عاربہ کی ابتدائی جماعتوں میں سے ہیں۔ انیسویں صدی کے اواخر تک یہ بات پوری طرح واضح نہیں ہوئی تھی، لیکن اب اس میں کوئی شک و شبہ نہیں رہا ہے۔ پھر اس مقام کا ایسی جگہ ہونا جہاں سبا اور بابل کے باشندے اکثر حملہ آور ہوتے تھے، ایک مزید جغرافیائی روشنی ہے کیونکہ ایسا مقام بجز عرب کے اور کوئی نہیں ہو سکتا یقیناً یہ عرب کا وہی مقام ہوگا جو قوم عاد کا مسکن تسلیم کیا گیا ہے یعنی عمان سے لیکر حضرموت تک کا علاقہ۔

ہندوستان کی دو رزمیہ نظمیں مہابھارت اور رامائن بھی قدیم نظمیں ہیں لیکن ان کا زمانہ تصنیف بھی محققین عصر کے نزدیک چوتھی صدی قبل مسیح سے زیادہ پیچھے نہیں جا سکتا، اور زمانہ تدوین یہ مشکل سے کتاب تو اکثروں کے نزدیک زیادہ سے زیادہ سنہ مسیحی کے ابتدائی قرنوں میں[1]

یونس علیہ السلام

(۲۳) آیت ۸۷ میں "ذوالنون" سے مقصود بالاتفاق حضرت یونس ہیں۔ عہد عتیق میں ان کا عبرانی نام "یونا" آیا ہے اور ان کے نام سے ایک صحیفہ بھی موجود ہے یہاں انہیں "ذوالنون" کے نام سے پکارا گیا، کیونکہ انہیں مچھلی کا حادثہ گزرا تھا، اور قدیم عربی میں "نون" مچھلی کو کہتے تھے۔ چنانچہ آرامی، کلدانی اور مصری میں بھی مچھلی کا یہی نام بولا گیا ہے۔

اس صحیفہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ پیشگوئی میں تھے کہ وحی الٰہی نے انہیں مخاطب کیا اور حکم دیا، باشندگان نینوا کو نزول عذاب کی خبر پہنچا دیں۔ نینوا اس زمانے میں دنیا کی سب سے زیادہ عظیم الشان آبادی تھی۔ ہم کی گرانباری اور اپنی بے سروسامانی دیکھ کر بمقتضائے بشریت طبیعت ہراساں ہوئی۔ بہرحال باقہ سے ایک جہاز پر سوار ہو گئے جو ترسیس جا رہا تھا اثنائے راہ میں طوفان نے گھیر لیا۔ قدیم زمانے میں جہازرانوں کا اعتقاد تھا اگر طوفان عرصہ تک تھمتے تو اس کا ثبوت ہوتا ہے کہ کوئی گنہگار آدمی جہاز میں سوار ہے جب تک وہ موجود رہے گا اس کی نحوست سے طوفان بھی جاری رہے گا چنانچہ یہی خیال اس جہاز کے مسافروں کو بھی ہوا۔ وہ قرعہ ڈالنے لگے کہ کون مجرم ہے اور کس کے سر کے حوالے کریں۔ جب حضرت یونس نے سنا تو کہا۔ ایسا ہی کرنا ہے تو مجھے سمندر میں پھینک دو۔ مجھ سے زیادہ اس سزا کو کون مستحق ہو سکتا ہے۔ صحیفہ میں ہے کہ قرعہ کا فیصلہ بھی یہی ہوا تھا۔

جب طوفان نہیں تھما تو لوگوں نے انہیں سمندر میں ڈال دیا۔ سمندر میں ایک بہت بڑی مچھلی تھی وہ نگل گئی یہ تین دن تک اس کے اندر رہے پھر وہ ساحل کی طرف گئی اور خشکی پر انہیں اگل دیا اس طرح قدرت الٰہی نے موت کے منہ میں ڈال کر پھر زندہ سلامت نکال لیا۔

یونا نبی کے صحیفہ میں ہے کہ اس نے مچھلی کے پیٹ میں خداوند اپنے خدا سے دعا مانگی تھی اور اس نے اس کی سن لی وہ کہتا ہے کہ تو نے مجھے گہرے کے بطن میں سے چلایا اور دریا کی آواز سنی گئی" (۲:۱)

قرآن نے یہاں عالباً اسی واقعہ کی طرف اشارہ کیا ہے "اذ ذھب مغاضبا" ای مغاضبا عن امر ربہ کما یقولون غضبت لک ای من اجلک یعنی اللہ کی خاطر مشرکوں پر کڑھ رہا تھا۔ فظن ان لن نقدر علیہ ای لن نضیق علیہ۔ اس نے گمان کیا کہ ہم پکڑنے لگی ہیں نہیں ڈالیں گے۔ حالانکہ اسے ایک آزمائش پیش آنے والی تھی۔

یا پھر اس جملہ کا مطلب وہ ہے جو قتادہ کی روایات میں مروی ہے جس میں جبر اور حتمی کی طرف منسوب کیا گیا ہے کہ ان اللہ لا یقدر علی ما فعلہ یعنی یونس۔ خیال کیا۔ خدا اس پر قابو نہیں پا سکتا۔ کیونکہ ایسا اعتقاد تو صریح کفر ہے، اور ممکن نہیں ایک لمحہ کے لیے کسی نبی کے قلب میں گزر سکے۔ یقیناً یہ ان ائمہ تفسیر کا قول نہیں ہو سکتا بعد کے راویوں کی کج فہمی ہے۔

اس آیت کی ایک تفسیر تو یہ ہے۔ اسی طرح ایک دوسری تفسیر بھی ہو سکتی ہے اور شاید پہلی سے زیادہ موزوں۔

تورات کے اسی صحیفہ میں ہے کہ اس حادثہ کے بعد پھر انہیں نینوا کے لیے حکم ہوا۔ وہ نینوا گئے اور اعلان کیا "چالیس دن کے بعد شہر برباد ہو جائے گا" لیکن یہ بات سن کر باشندگان نینوا نے سرکشی نہیں کی، بلکہ بادشاہ سے لیکر ادنیٰ باشندے تک سب کانپ اٹھے۔ سب نے خدائی ہستی پر اعتقاد کیا۔ بادشاہ نے شاہی لباس اتار کر ٹاٹ کا پیراہن پہن لیا اور تمام باشندوں کے نام فرمان جاری کیا کہ ہر کوئی اپنی بری راہ سے اور ظلم و شرارت کی بات سے باز آجائے، روزہ رکھے خدا کے حضور زاری کرے، توبہ و انابت کا سر جھکائے" (۳:۵)

اس صورت حال کا نتیجہ یہ نکلا کہ عذاب ٹل گیا چالیس دن گذر گئے مگر کوئی ہلاکت ظہور میں نہیں آئی۔ یہ بات حضرت یونس پر گراں گذری۔ وہ مضطرب ہوئے کہ اعلان حق میں مخلوق کیوں ہوئی؟

وہ شہر کے باہر ایک چھپر بنا کے مقیم ہو گئے تھے۔ رینڈی کے ایک درخت کی شاخیں چھپر پر پھیل گئی تھیں۔ قضارا اس درخت کی جڑ میں کیڑا لگ گیا ایک دن صبح اٹھے تو کیا دیکھتے ہیں۔ اس کی شاخیں بالکل سوکھ گئی ہیں اور سایہ کی جگہ دھوپ ہے یہ حال دیکھ کر نہایت رنجیدہ ہوئے "تب خداوند نے کہا تو اس رینڈی کے درخت کے سوکھ جانے پر اتنا رنجیدہ ہو رہا ہے،

[1] دیکھو پروفیسری واٹسن کیشن WATSAMANNOPAGE کا مقالہ زیر عنوان کا عمدہ صفحہ جیمز ہسٹری آف انڈیا جلد اول صفحہ ۲۵۸۔

عربی کا یہ کتبہ ایک تابوت پر منقش ہے اس میں "اجیرام" ملک سپلس کی نعش رکھی گئی تھی، اور اس کے بیٹے "ثوبعل" کے حکم سے تیار ہوا تھا۔ "اجیرام" کا نام تورات میں بھی آیا ہے، اور تاریخی حیثیت سے اس کا زمانہ بالاتفاق ۱۲۵۰ قبل مسیح ہے۔ کتبہ کا خط وہی ابتدائی عربی خط ہے جسے عام طور پر فینیقی خط کے نام سے پکارا جاتا ہے اور جس نے آگے چل کر آرامی، سریانی اور نبطی خطوط کی شکلیں اختیار کی ہیں۔

اس انکشاف نے تاریخ کے متعدد گوشوں کے لئے بحث و نظر کے نئے نئے چراغ روشن کر دئے۔ ازانجملہ یہ کہ معلوم ہو گیا تورات کے زمانوں اور کتب خانہ بابل کی الواح سے بھی پہلے عربی زبان کے مواد و مصادر نے ایک مکتوب و مرسوم زبان کی نوعیت اختیار کر لی تھی۔ یعنی اس درجہ تک پہنچ چکی تھی کہ اس میں اعلانات و فرامین لکھے جاتے تھے محض بول چال ہی کی زبان نہ تھی نیز یہ کہ اگر ۱۲۵۰ قبل مسیح عربی زبان کی ایک ابتدائی شکل کا یہ حال تھا، تو یہ بات کیوں عجیب سمجھی جائے کہ حضرت موسیٰ سے پہلے حضرت ایوب نے عربی میں کوئی منظوم صحیفہ لکھا ہو اور شریعت حمورابی بھی اصلاً عربی کی کتابت ہے۔

قرآن کا عربی میں نزول

علاوہ بریں یہ بات بھی واضح ہو گئی کہ قرآن کا عربی زبان میں نازل ہونا، اور جابجا اس بات پر زور دینا کہ انا انزلناہ قرآنا عربیا (۱۲-۲۰) ہم نے قرآن کسی اور زبان میں نازل نہیں کیا۔ عربی میں نازل کیا" صرف اتنے ہی معنی نہیں رکھتا، جس قدر اس وقت تک سمجھے گئے ہیں۔ بلکہ ایک بہت زیادہ وسیع اور گہری حقیقت اس میں مضمر ہے تفصیل اس مقام کی مقتضی نہیں ہے گی۔

دنیا کی قدیم ترین نظم سفر ایوب ہے

رابعاً، اگر سفر ایوب کی یہ نوعیت تسلیم کر لی جائے تو ماننا پڑے گا کہ شعر و ادب کا سب سے قدیم نمونہ یہی ہے جو اس وقت تک ہماری معلومات میں آیا ہے اور اگر قدامت کے اعتبار سے دنیا کی کوئی کتاب منظوم اس سے معارضہ کر سکتی ہے تو وہ صرف ہندوستان کا رگ وید ہے۔ بشرطیکہ اسفار ہند کی قدامت کا وہ مذہب تسلیم کر لیا جائے جو رگ وید کو ۱۵۰۰ قبل مسیح یا اس سے بھی پیچھے لے جانا چاہتا ہے۔

اس وقت تک غیر غنائی شاعری کا سب سے زیادہ قدیم نمونہ ہومر کی الیڈ تسلیم کی گئی ہے لیکن اگر ہومر کا عہد وہی قرار دیا جائے جو ہیروڈوٹس کے بیان سے متبادر ہوتا ہے، تو زیادہ سے زیادہ ۹۰۰ قبل مسیح ہے لیکن سفر ایوب کا زمانہ اس سے بھی پہلے کا زمانہ ہونا چاہئے۔ پس قدیم ترنظم ہومر کی نہ ہوئی سفر کی ایوب کی ہوئی۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۸۷) اپنے کتبوں میں اپنے کو "شعاع" کہنے کی جگہ ملک ملکان لکھتا ہے (دیکھو کتبہ ہستوہ بستون) بعد کو اردشیر بابکان نے شاہ شاہان کا لقب اختیار کیا جسے عربوں نے سامان پر نیا دیا۔ ہم ملک ملکان کا لقب بھی شاہ پور ساسانی کے کتبوں میں بار بار آتا ہے، جیسا کہ حاجی آباد کے کتبہ میں ہے۔ علاوہ بریں ساسانی عہد میں عربی اسماء و الفاظ کے غلبہ و رسوخ کا یہ حال ہو گیا تھا کہ خود ارد شیر کی زبان عربی آمیز ہو گئی۔ ساسانی اور مسلمان جو اجزا ہندوستان کے پارسیوں سے لے ہیں ان میں جابجا عربی الفاظ و اصوات پائے جاتے ہیں۔ ایک مدت تک یہ آمیزش محل عجب سمجھی گئی۔ جوش نے ان اجزا کی اصلیت ہی سے انکار کر دیا۔ مگر اب عام طور پر تسلیم کر لیا گیا ہے کہ جس طرح بعد از اسلام کی عام ہندی جدید عربی سے نقوش ہوئی ہے اسی طرح قبل از اسلام کی قدیم فارسی قدیم عربی الفاظ سے مخلوط ہو گئی تھی۔ یہی شرح اس سند کی مقتضی ہے گی۔

۱؎ یہ جنگ کے بعد کے نہایت اہم انکشافات میں سے ہے اس وقت تک حروف ابجدی (یعنی خبر تقدیری و غیر مسماری) کی منضبط کتابت کا سب سے قدیمی نمونہ "میشا" کا وہ پتھر سمجھا جاتا تھا۔ یعنی وہ پتھر جو ۸۹۴ء میں جزیرہ نمائے سینا میں ملا اور جس پر "میشا" شاہ موآب نے ۹۰۰ قبل مسیح میں اپنی ایک فتح کا حال کندہ کرایا ہے، یہ فتح اسے بنی اسرائیل کے مقابلہ میں حاصل ہوئی تھی، لیکن اب اس تابوت کے انکشاف نے اس سے ساڑھے تین سو برس پیشتر کی کتابت بتا کر وہی اور اس طرح سامانہ ۹۰۰ قبل مسیح کی جگہ ۱۲۵۰ قبل مسیح تک پہنچ گیا۔ یا دست انسانی کی لکھی کتابت کا سب سے زیادہ قدیمی نمونہ جو اس وقت ہمارے قبضہ میں ہے، وہ ۱۲۵۰ قبل مسیح کا ہے، اور عربی زبان اور عربی کے فینیقی رسم الخط میں ہے۔

۲؎ ویدوں کے عہد تصنیف و مدوین کی نسبت میکس مولر کا مسلک اس وقت تک ماہرین موضوع میں مقبول چلا آتا ہے اور علمی حیثیت سے اس پر کوئی اضافہ نہیں ہوا۔ میکس مولر نے ویدوں کی تصنیف کا زمانہ چار حدوں میں منقسم کر دیا ہے۔ سوتر کا زمانہ ۶۰۰ سے ۲۰۰ قبل مسیح، برہمن ۸۰۰ سے ۶۰۰ قبل مسیح، منتر اور گویہ کا آخری باب ۱۰۰۰ سے ۸۰۰ قبل مسیح، چھند ۱۲۰۰ سے ۱۰۰۰ قبل مسیح تک۔ مگر بال گنگا دھر تلک ۴۰۰۰ قبل مسیح سے بھی پیچھے لے جاتے ہیں۔ حال میں سٹرے نے بھی کیتھ کی ۱۴۰۰ قبل مسیح کی حد کو ۲۰۰۰ قبل مسیح تک پہنچا دیا ہے۔ پروفیسر سنکرت ایڈ نبرا یونیورسٹی نے اپنے موضوع پر جو مقالہ کیمبرج ہسٹری آف انڈیا کے لئے لکھا ہے اس میں بھی یہی مسلک اختیار کیا ہے۔ وہ تمام بحث کا خاتمہ اس نتیجہ پر کرتے ہیں کہ رگ وید کے قدیم ترین نمونے، اشٹکا "اشا" ممکن ہے ۱۲۰۰ قبل مسیح تک پیچھے لے جائے جا سکیں، لیکن اس سے زیادہ اسے پیچھے لے جانا موجودہ معلومات کی روشنی میں ممکن نہیں" (کیمبرج ہسٹری آف انڈیا۔ جلد اول صفحہ ۱۱۳)

شرط نجات تعرف ایمان ہے۔

پھر ایک آیت کے اندر صاف صاف واضح کر دیا کہ نجات و سعادت کا قانون کیا ہے؟ یعنی قوموں کے اس تقطع اور گروہوں کے اس تفرق کے بعد بھی قانون نجات و سعادت کیا ہے، فرمایا وہ ہمیشہ کی طرح اب بھی یہی ہے کہ فمن یعمل من الصالحات وھو مومن فلا کفران لسعیہ۔ نجات کی شرط صرف دو باتیں ہیں۔ ایمان اور عمل صالح جس انسان نے نیک عمل کئے اور اس کے اندر ایمان بھی ہوا، تو اسکی سعی کبھی رائیگاں جانے والی نہیں ضروری ہے کہ مقبول ہو۔ فمن کے زور پر غور کرو۔ یہودی کہتے تھے کونوا ھودًا نصاریٰ کہتے تھے "کونوا انصاریٰ" قرآن کہتا ہے نہیں "فمن یعمل من الصالحات وھو مومن" کوئی ہو، لیکن اگر وہ مومن ہوا اور اس نے نیک عملی کی راہ اختیار کی تو اس کا ایمان و عمل کبھی ضائع نہیں ہو سکتا۔ وہ اپنا اجر ضرور پائے گا۔ وانا لہ کاتبون یہ ہمارا ٹھہرایا ہوا قانون ہے ہم اس کا ایمان و عمل لکھ دینے والے ہیں پھر کون ہے جو اسے رائیگاں ٹھہرا سکتا ہے؟ دنیا کا ہر انسان بھلا دے لیکن ہمارے دفتر میں وہ ثبت ہو جائے گا۔

کتنا اہم مقام ہے مگر تفسیریں اٹھا کر دیکھئے کس طرح اس کی ساری اہمیت یے عمل بحثوں میں ضائع کر دی گئی ہے۔ اہمیت کی وضاحت کے لئے یہ سطریں بھی کافی نہیں ہیں، لیکن اس سے زیادہ تفصیل کی گنجائش نہیں۔

فتح یاجوج ماجوج

(۲۵) سورہ کہف کے آخر میں یاجوج و ماجوج کی تحقیق گذر چکی ہے اس سورت کی آیت ۹۶ میں جس خروج کی خبر دی گئی ہے یہ ان کا آخری خروج تھا یعنی منگولی تاتاریوں کا وہ خروج جو چھٹی صدی ہجری میں منگولیا کی بلندیوں سے امنڈا اور پھر آناً فاناً تمام مشرق و مغرب پر چھا گیا۔ مشرق میں چین کی تمام مملکت اس نے مغربی رملی مغرب میں بحر اسود کے شمالی ساحل سے گزرتا ہوا ڈینیوب کی وادیوں تک پھیل گیا پھر ہنگری و پولینڈ پر غالب ہو کر جرمنی کی سرحد تک پہنچ گیا۔ پھر اسلامی ممالک کی طرف متوجہ ہوا اور چھ صدیوں کے اندر اسلامی تمدن نے جو کچھ تعمیر کیا تھا جیحون سے لے کر دجلہ تک چشم زدن میں پامال کر دیا وکان وعدہ مفعولا:

تفسیر بیان کے بعض دقائق

غور کرو۔ یہاں صرف چند لفظوں کے اندر اس معاملہ کی خصوصیات کس طرح واضح کر دی ہیں؟ یاجوج و ماجوج کے اس ظہور کو "خروج" یا اسی طرح کے کسی دوسرے لفظ سے تعبیر نہیں کیا۔ بلکہ "فتح" کا لفظ استعمال کیا "حتی اذا فتحت یاجوج وماجوج" عربی میں جب "فتح" کا لفظ اشیا کے لئے کہا جاتا ہے تو اس کے معنی صرف کھلنے کے ہوتے ہیں مثلاً "فتح الباب" لیکن جب جہانات کے لئے بولا جاتا ہے تو اس کے معنی طرف کھلنے ہی کے نہیں ہوتے بلکہ کھل کر اچانک نکل پڑنے کے ہوتے ہیں مثلاً مادیوں کا دل کسی گوشہ سے نکل پڑتا ہے تو کہتے ہیں فتح الجراد پس مطلب یہ ہوا کہ یاجوج ماجوج کی گوشہ میں الگ تھلگ پڑے ہیں ایک وقت آئے گا کہ اچانک نکل پڑیں گے اور اس طرح نکل پڑیں گے جیسے مدتوں سے پانی بند پڑا ہو۔ بند ٹوٹ جائے اور ہر طرف سیلاب امنڈ آئے۔

اب دیکھو کس طرح اس ایک لفظ نے معاملہ کی پوری تاریخی نوعیت آشکارا کر دی ہے؟

فتنہ تاتار

سورہ کہف کی تفسیر میں پڑھ چکے ہو کہ ظہور اسلام سے پہلے منگولیا کا آخری قبائلی سیلاب وہ تھا جو چوتھی صدی مسیحی میں مغرب و شمال کی طرف پھیلنا شروع ہوا اور پھر یورپ کے مختلف قطعات میں متقسم ہو کر تھم گیا اس کے بعد قبائل کے سیلابوں کا خروج رک گیا تھا۔ البتہ جو قبائل وسط ایشیا اور سواحل یورال و خزر کے مختلف حصوں میں متوطن ہو گئے تھے ان کی نسل وہاں نشو و نما پاتی رہی۔ اسلامی فتوحات نے جب ان اطراف کا رخ کیا تو انہی قبائل کو وہاں آباد پایا۔ یہ بتدریج مسلمان ہونے گئے چنانچہ ترک کرغز یا خزر، قپچاق، تاجیک چرکس کرد، اوزبک، سلجوق وغیرہ سے مقصود بھی قبائل ہیں یہ سب اگرچہ منگولیا کی پچھلی ہجرتوں کا بقایا تھے، لیکن اب ان کا کوئی تعلق اپنے وطن قدیم سے نہیں رہا تھا۔ بلکہ ایک دوسرے کے اجنبیوں اور دشمنوں کی نظر سے دیکھتے تھے۔

اس عرصہ میں منگولیا کا گوشہ بدستور صحرا نشین قبائل کے لئے گرد و پیدا کرتا رہا۔ اب یہ دنیا سے الگ تھلگ تھے اطراف کے سرحدی قطعات پر موٹا تار کے لئے نکل جاتے مگر اس سے آگے بڑھنے کی جرأت نہ کرتے۔ بعض گروہ جنوب میں پنجاب تک اور مغرب میں بلخ و ماوراء النہر تک بھی پہنچ گئے اور ایک قلیل کی تعداد ان تک پہنچ گئی تھیں لیکن جیسے قبائلی سیلاب پہلے اٹھ چکے تھے، ویسا کوئی سیلاب اب نہ اٹھ سکا۔ تمام قبائلی مواد منگولیا ہی میں سمٹا اور بند ہا رہا۔

حالانکہ اس کے بونے اور اگانے میں تو نے کچھ بھی محنت نہیں کی تھی۔ پھر غور کر میرے لئے ضروری نہیں کہ اس عظیم الشان نینوا پر رحم و شفقت کروں! اس نینوا پر جس میں ایک لاکھ بیس ہزار آدمی اور بے شمار مویشی بستے ہیں؟ جنہیں میں نے پیدا کیا اور پروان چڑھایا؟" (۴:۵)

یعنی عذاب کی بات اپنی جگہ صحیح تھی، وہ کبھی غلط نہیں ہو سکتی تھی لیکن عذاب کا ظہور لوگوں کے انکار و بد عملی ہی کا نتیجہ تھا جب وہ اس سے باز آ گئے تو عذاب بھی ٹل گیا۔ اور یہاں اصل کارفرمائی ہر حال میں عفو و بخشش کی ہے۔ سرزنش و عقوبت کی نہیں ہے جب یہ حقیقت ان پر کھل گئی تو ان کا سارا رنج و غم دور ہو گیا۔

پس ہو سکتا ہے کہ اس آیت میں ان کی خستگی سے مقصود وہ حالت ہو جو باشندگان نینوا کا حال دیکھ کر ان پر طاری ہوئی تھی، اور "ظلمات" سے مقصود رنج و غم کی تاریکیاں ہوں، اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ انہوں نے در و غم کی حالت میں اللہ کو پکارا۔ اور اللہ نے حقیقت حال منکشف کر کے ان کے دلِ مضطر کو تسکین دیدی۔

تفسیر آیت ۹۲

(۲۴) آیت (۹۲) اس تمام تذکرہ کا خلاصہ ہے جو انبیاء کرام کا اوپر گزر چکا ہے یعنی اللہ کے یہ تمام رسول جو مختلف عہدوں اور قوموں میں ظاہر ہوئے، ان سب کی دعوت کا حاصل کیا تھا؟ انہوں نے نسل انسانی کے مختلف عہدوں اور گروہوں کو کس بات کا پیام پہنچایا؟ وہ بات ایک ہی تھی، یا ایک سے زیادہ؟ یہ آیت اپنے پتے تلے لفظوں میں جواب دیتی ہے کہ ان سب کا پیام ایک ہی تھا، اور وہ یہی تھا کہ ان ھذہ امتکم امۃ واحدۃ وانا ربکم فاعبدون! تم سب ایک ہی امت ہو، تم سب کا پروردگار ایک ہی پروردگار ہے پس الگ الگ نہ ہو اسی کی بندگی کرو۔ وتقطعوا امرھم بینھم۔ لیکن قوموں نے تعلیم بھلا دی، اور اپنے دین کا معاملہ آپس میں ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا یعنی ایک ہی دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے بہت سے دین بنا لئے اور ہر گروہ دوسرے گروہ سے کٹ کر الگ ہو گیا۔ وحدت کی جگہ تفرقہ اور جمعیت کی جگہ شتات ان کا شعار ہوا کل الینا راجعون۔ مگر بالآخر سب کو ہماری طرف لوٹنا ہے اس وقت حقیقت حال آشکارا ہو جائے گی۔ ہر گروہ دیکھ لے گا کہ اسکی حقیقت فراموشیوں نے اسے کہاں سے کہاں پہنچا دیا تھا؟

حیاتِ دینی علامۂ توحید

سبحان اللہ قرآن کی معجزانہ بلاغت! ایک چھوٹی سی آیت کے اندر اس معاملہ کے سارے دفتر کس طرح سمیٹ دئے ہیں؟ اور پھر صرف امر و خبر ہی نہیں ہے بلکہ ترتیب بیان نے خود بخود استدلال کی روشنی بھی پیدا کر دی ہے۔

(ا) ان ھذہ امتکم امۃ واحدۃ تم نے کتنے ہی تفرقے پیدا کر رکھے ہوں مگر تمہاری امت اصلاً ایک ہی امت ہے

(ب) وانا ربکم اور میں ہی تم سب کا تنہا پروردگار ہوں۔ میرے سوا کوئی نہیں۔

(ج) فاعبدون! جب تمام نوع انسانی ایک ہی امت ہوئی اور سب کا پروردگار بھی ایک ہوا، تو پھر سب کے لئے بندگی و نیاز کی چوکھٹ بھی ایک ہی کیوں نہ ہو؟ ایک سے دو کیوں ہو؟ پس اسی ایک کی بندگی کرو، کیونکہ تم سب ایک ہی ہو، اور ایک ہی کے لئے ہو، یہاں ایک سے زیادہ کوئی حقیقت نہیں ہے! غور کرو "فاعبدون" کی "ف" یہاں کس طرح بول رہی ہے؟ کس طرح اس نے استدلال کا پہلو پکار دیا ہے؟

توحیدات توحید ربوبیت توحید عبادت

ایک آیت کے اندر تینوں توحیدوں کا بیان ہو گیا: توحید امت، توحید ربوبیت۔ توحید دین و عبادت۔ اور یہی تین توحیدیں دعوت قرآنی کا اصل الاصول ہیں۔ وہ ہر جگہ انہی کی صدا بلند کرتا ہے اور انہی پر اپنی تعلیم و تذکیر کی ساری بنیادیں استوار کرتا ہے

توحید امت سے مقصود یہ ہے کہ افراد انسانی کی کثرت و انتشار کے پردے میں اسکی وحدت چھپی ہوئی ہے اسے نہ بھولو تمہاری نسل، تمہارا وطن، تمہاری بولیاں کتنی ہی الگ الگ ہو گئی ہوں۔ مگر تم سب ایک ہی نسل انسانی کا گھرانا ہو، تمہارا گروہ اصل میں ایک ہی گروہ ہے

توحید ربوبیت سے مقصود یہ ہے کہ تم نے کتنے ہی مختلف نام رکھ لئے ہوں کتنی ہی مختلف عبادت گاہیں بنا رکھی ہوں کتنے ہی مختلف تصور گڑھ لئے ہوں مگر تمہارے پیدا کئے ہوئے اختلاف سے حقیقت مختلف نہیں ہو جاتی جس طرح تم سب کا گروہ ایک ہی ہے اسی طرح تمہارا پروردگار بھی ایک ہی ہے اس ایک کے سوا اور کوئی دوسرا نہیں ہو سکتا۔

توحید عبادت سے مقصود یہ ہے کہ جب گروہ ایک ہی گروہ ہے اور پروردگار ایک ہی پروردگار ہے تو دین بھی ایک ہی ہونا چاہئے۔ وہ ایک سے زیادہ نہیں ہو سکتا۔ پس سچائی کی راہ یہ ہوئی کہ اسی ایک کی بندگی کرو اور اس میں مختلف اور متفرق نہ ہو جاؤ!

خلافت نہیں رہی تھی۔ خلافت کا محض سایہ تھی۔ تاہم سایہ باقی تھا۔ اور وہ اصلیت کی یاد تازہ کرتا رہتا تھا۔ لیکن سقوط بغداد سے سایہ بھی معدوم ہو گیا۔

حدیث زینب بنت

بخاری کی حدیث زینب بنت جحش میں اس صورتِ حال کی طرف صاف صاف اشارہ موجود ہے۔ استیقظ النبی صلی اللہ علیہ وسلم محمرا وجھہ، یقول لا الہ الا اللہ، ویل للعرب من شر قد اقترب۔ فتح الیوم من ردم یاجوج وماجوج مثل ھذہ وعقد سفیان تسعین او مائۃ، قیل "انھلک وفینا الصالحون؟ قال "نعم اذا کثر الخبث" یعنی آنحضرت (صلعم) ایک دن سو کر اٹھے تو ان کا چہرہ مبارک شدت تاثر سے سرخ ہو رہا تھا، اور زبان پر تھے "لا الہ الا اللہ! اس شر سے جو قریب آ گیا عرب کے لئے افسوس! آج یاجوج ماجوج کی روک کھل گئی" پھر انگلیوں سے حلقہ بنا کر بتایا کہ ابھی صرف اتنی راہ کھلی ہے۔ یہ حلقہ روپیہ کے برابر یا اس سے کچھ چھوٹا تھا۔ آخری راوی کو اس بارہ میں شبہ پڑ گیا۔ بہرحال ملت ابھی تھا کہ ابھی صرف رخنہ پڑا ہے پوری راہ نہیں کھلی۔ اس پر عرض کیا گیا "کیا ہم ہلاکت میں پڑ جائیں گے حالانکہ ہم میں صالح انسان بھی ہونگے"؟ فرمایا "ہاں جب گند بڑھ جائے گی"۔

اس حدیث سے دو باتیں معلوم ہوئیں۔

اولاً آنحضرت کے زمانہ میں یعنی ساتویں صدی مسیحی میں یاجوج ماجوج کی روک کھلنا شروع ہو گئی تھی لیکن اتنی نہیں کھلی تھی کہ قدم باہر بڑھا سکیں۔ یہ حقیقت خواب میں اس طرح دکھائی گئی، جیسے ایک دیوار ہے اور اس میں ذرا سا سوراخ بن گیا ہے چنانچہ تاریخ اسکی ہو بہو تصدیق کرتی ہے ٹھیک یہی زمانہ ہے جب منگولی قبائل نے اس راہ کے علاوہ جسے ذوالقرنین بند کر چکا تھا، ایک دوسری راہ کا سراغ پا لیا۔ یعنی بحر خزر اور بحر اسود کی درمیانی راہ کی جگہ جیرہ یورال اور بحر خزر کا درمیانی رستہ چھٹی صدی میں تاتاریوں کے بعض قبائل اس طرف بڑھ آئے اور دریائے ہیجون کی وادیوں میں آباد ہو گئے۔

ثانیاً، یاجوج ماجوج کے ظہور میں عرب کے لئے ہلاکت تھی۔ کیونکہ ویل للعرب فرمایا۔ للمسلمین نہیں فرمایا۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ جو نسل عربی اقدام اور خروج کے نقرا منہ کے باعث ہوئی۔ وہ یہی منگولی نسل ہے اور اس لئے یقیناً یاجوج وماجوج سے مقصود بھی یہی نسل تھی۔ عربی اقتدار کی ہلاکت کی ابتدائی اسی نسل کی مختلف شاخوں سے ہوئی یعنی ترکوں اور سلجوقیوں سے اور انتہا بھی اسی کے نئے ظہور سے ہوئی۔ یعنی منگولی تاتاریوں سے۔

تاریخ کی ایک نافابل فراموش عبرت

اس باب میں بہت سے امور مفصل طلب ہیں لیکن یہاں مزید اطناب کا موقعہ نہیں البتہ تذکیر و عبرت کے لئے ایک تاریخی حقیقت یاد رکھنی چاہیئے۔ اسلام کا مورخ کبھی اسی واقعہ کے نام سے فارغ نہیں ہو سکتا کہ تاتاریوں کی اتلافی تاخت اور آخری تاخت دونوں کا باعث خود مسلمانوں کی فرقہ بندی اور اسکی جاہلی عصبیت ہوئی۔ یہی بربادی کا پہلا دروازہ حنفیوں اور شافعیوں کے باہمی جدال سے کھلا، اور بربادی کی آخری مکمل یعنی بغداد کا قتل عام سنیوں اور شیعوں کے اختلاف کا نتیجہ تھا۔

چنگیز خاں نے وسط ایشیا کا بالائی علاقہ خوارزم تک (یعنی خجند تک) فتح کر لیا تھا، لیکن اس سے آگے قدم نہیں بڑھا سکا تھا۔ بعد کو جب اس کے پوتوں میں سلطنت تقسیم ہوئی تو وسط ایشیا اور اس کے ملحقات ہلاکو خاں کے زیر حکومت آئے۔ لیکن اسے بھی آگے بڑھنے کی جرأت نہیں ہوئی کیونکہ اسلامی مملکتوں کی متشتت[1] مگر عظمت کا رعب ابھی تک دلوں سے محو نہیں ہوا تھا۔ مگر اس اثنا میں اچانک ایک واقعہ ایسا پیش آ گیا جس نے خود بخود ہلاکو کے آگے فتح و تسخیر کی راہیں کھول دیں خوارزم میں حنفیوں اور شافعیوں میں باہمی جنگ و جدال کا بازار گرم تھا۔ ملوس کے حنفیوں نے شافعیوں کی مدد میں آ کر ہلاکو کو حملہ کی دعوت دی اور شہر کے دروازے کھول دئے۔ پھر جب تاتاریوں کی تلوار چمک گئی تو اس نے نہ حنفیوں کو چھوڑا نہ شافعیوں کو[2] دونوں کا خاتمہ کر دیا۔

---

[1] ذکر کے تسلسل کے لئے عربوں میں تسبیح پیروان بدھ کی ایجاد ہے اور اسی سے مسلمانوں نے لی عرب جب شمار کرنا چاہتے۔ تو انگلیوں پر شمار کرتے۔ اسی کو عقد انامل کا رائج کہتے ہیں عقد انامل میں ایک علامت نوے کی ہے ایک سو کی۔ دونوں میں حلقہ بن جاتا ہے ایک ذرا بڑا۔ ایک چھوٹا۔ سفیان نے یہ روایت بیان کرتے ہوئے ایسا ہی حلقہ بنا کر دکھایا تھا۔ لیکن آخری راوی کو شبہ پڑ گیا کہ نوے والا تھا یا سو والا۔ اس لئے اس نے دونوں کا ذکر کر دیا۔

[2] ابن اثیر کی طرف اشارہ اگرچہ تمام مورخوں نے کیا ہے، لیکن تفصیل ابن ابی الحدید کی شرح نہج البلاغت میں ملتی جو ایران اور مصر میں چھپ گئی ہے۔

لیکن چھٹی صدی ہجری میں ایک طرف تو ان کی تعداد بہت زیادہ بڑھ گئی، دوسری طرف ایک غیر معمولی عزم و استعداد کا قائد بھی پیدا ہو گیا۔ یہ شہر منگولی قائد چنگیز خاں تھا۔ اس نے تمام منتشر قبائل کو ایک رشتۂ اطاعت میں منظم کر دیا، اور اس طرح ایک مسلم الثبوت عسکری قوت پیدا ہو گئی۔ اب یہ محض دغارت کا ایک ایسا منظم سیلاب تھا جسے دنیا کی کوئی انسانی قوت روک نہیں سکتی تھی۔ چنگیز خاں کے بیٹے اوکتائی خاں کے عہد میں اس سیلاب کا بند ٹوٹا، اور پھر اچانک اس طرح ہر طرف پھیل گیا، گویا دنیا اپنی بربادی کے لئے صرف اسی بند کے ٹوٹنے کی منتظر تھی۔

اس کے بعد فرمایا من کل حدب ینسلون۔ "حدب" کے معنی کسی چیز کا اٹھا ہوا اور ابھرا ہوا ہونا ہے، چنانچہ زمین کے مرتفع حصوں کو "حدبۃ الارض" کہتے ہیں۔ ای کل اکمۃ من الارض مرتفعۃ "نسل" کے تیزی کے ساتھ دوڑنے کے ہیں۔ بھیڑیے کے پھلنے کو "فلان الذئب" کہیں گے پس مطلب یہ ہوا کہ وہ زمین کے تمام مرتفع حصوں سے دوڑتے ہوئے آ رہے ہیں گے۔

غور کرو تاتاریوں کے حملے کی کیسی مکمل تصویر ہے؟ تمام مورخ متفق ہیں کہ ان کے خروج کی سب سے بڑی خصوصیت یہی تھی ان کا قافلہ منگولیا میں ہوا جو کرۂ ارضی کی سطح مرتفع ہے۔ مشرق کی طرف بڑھے تو یہ بھی بلندی سے اترتا تھا۔ پھر شمال میں روس تک پہنچ گئے اور جنوب میں تمام مغربی ایشیا کے میدانوں پر چھا گئے۔ یہ بھی بلندیوں سے گرتا ہی تھا۔ کیونکہ وسط ایشیا کی بلندیوں پر نمودار ہوئے اور پھر شمال و جنوب کے زیریں میدانوں پر ٹوٹ پڑے۔ پھر ان کے ٹھہرنے کے لئے "ینسلون" کا لفظ کس درجہ موزون واقع ہوا ہے؟ ان کی شب و روز کی زندگی منگولیا کے بادرفتار گھوڑوں کی پیٹھ پر بسر ہوتی تھی اور سو سو میل تک بغیر رکے چلے جاتے تھے۔ جب ان کے جتھے اسلامی ملکوں پر گرے تو ان کی برق رفتاری کا یہ حال تھا کہ ایک شہر کی تباہی کی خبر دوسرے شہر تک پہنچنے نہیں پاتی تھی۔ کہ وہ خود اس کے دروازے پر نمودار ہو جاتے تھے۔

علمائے عہد کی تصریحات

یہی وجہ ہے کہ اس عہد کے اکثر اصحاب نظر ان کی حالت دیکھتے ہی بے اختیار پکار اٹھے کہ یاجوج و ماجوج کا موعود خروج یہی ہے اہم ذہبی نے تاریخ میں متعدد علماء کا یہ تاثر نقل کیا ہے اور حافظ عماد الدین رزالی نے "تاریخ دمشق" میں اور مقریزی نے درالعقیدہ میں تصریح کی ہے کہ اس عہد میں "ایک کثیر جماعت" اہل علم کی اس فتنہ کو فتح یاجوج ماجوج قرار دیتی تھی۔ نیز حافظ سیوطی نے اپنے رسالہ فضائل بنی عباس میں مقریزی کے ایک رسالہ "ماورد فی بنی امیۃ و بنی العباس من الروایات والاقوال" کا حوالہ دیا ہے اور اس سے یہی قول نقل کیا ہے شیخ الاسلام ابن تیمیہ کے جد مجد الدین ابن تیمیہ صاحب منتقی کا بھی یہی قول نقل کرتے تھے۔ اگر یہ خود یاجوج ماجوج نہیں ہیں تو بلاشبہ یاجوج ماجوج ایسے ہی ہونگے صاحب تاریخ گزیدہ نے بھی جہاں لفظوں میں اس طرف اشارہ کیا ہے۔

فتح مقصود کسر سد نہیں ہے

ہمارے مفسروں نے چونکہ سد ذوالقرنین کی تعمیر کا مطلب یہ سمجھ رکھا تھا کہ جس طرح قیدیوں کو دیوار چن کر بند کر دیتے ہیں اسی طرح ذوالقرنین نے یاجوج ماجوج کو بند کر دیا ہے، اس لئے بیان "فتحت" کا لفظ دیکھ کر جھٹ انہوں نے یہ مطلب ٹھہرا دیا کہ جب دیوار کھل جائے گی اور یاجوج ماجوج آزاد ہو کر نکل پڑینگے۔ حالانکہ نہ تو سد سے مقصود فید خانہ کی دیواریں ہیں۔ اور نہ یاجوج ماجوج سے مقصود بھیڑوں کا کوئی گلہ ہے جسے باڑہ کھینچ کر بند کر دیا گیا ہو دنیا میں اس طرح کی کئی قوم کو دیواروں میں چن نہیں دے سکتا۔ ذوالقرنین کے زمانہ میں یاجوج ماجوج کا علاقہ ایک خاص راہ سے ہوتا تھا۔ دوسری راہیں ان پر نہیں کھلی تھیں اس نے اس راہ پر سد تعمیر کر کے اسے بند کر دیا اور صدیوں تک کے لئے ملک محفوظ ہو گیا۔ اسی طرح چینیوں نے بارہ سو میل لمبی دیوار تعمیر کر کے شمال اور مغرب کی ساری سرحد بند کر دی۔ لیکن اب یہ دونوں رکاوٹیں بیکار ہو گئی تھیں کیونکہ چین کے لئے جنوب کی راہ اور مغربی ایشیا کے لئے خراسان کی راہ کھل گئی تھی۔ الغرض بطنہا۔

فتح یاجوج اور تاریخ اسلام

اس واقعہ نے تاریخ اسلام کو دو بڑی قسموں میں منقسم کر دیا ہے قبل از فتنہ تاتار اور بعد از فتنہ تاتار پہلے عہد کی تمام دینی تمدنی، ذہنی اور عملی خصوصیات دوسرے عہد میں یک قلم معدوم ہو گئیں۔ پہلا عہد مرکز عروج ہی کا عہد نہ تھا بلکہ تسلسل کا بھی تھا۔ تاہم مسلمانوں کے فکر و عمل کی جو منفی روح اوائل میں پیدا ہو گئی تھی، وہ کسی نہ کسی شکل میں کم و بیش قائم تھی۔ لیکن اس فتنہ نے پچھلا دور بالکل ختم کر دیا اور عالم اسلامی کی خون آلود سرزمین سے جو نیا دور بنا وہ دراصل سے ایک مختلف اور متضاد دور تھا، اور سرتاسر عہد تسلسل کی پیداوار آج مسلمانوں کے فکر و عمل کا جو ڈھانچا نظر آ رہا ہے یہ اسی دور کی پیداوار ہے۔

اس انقلاب حال کی ایک نمایاں خصوصیت یہ بھی ہے کہ عربی خلافت کا بکلی خاتمہ ہو گیا عربی خلافت اس سے پہلے بھی

وہ ہے ان سے نکل جائے گی۔ جو صالح ہونگے ان کے ورثہ میں آئے گی! ولن تجد لسنۃ اللہ تبدیلا۔

عابدین حق کے لئے پیام

اس کے بعد فرمایا: ان فی ھذا لبلاغا لقوم عابدین۔ اس بات میں عبادت گذارانِ حق کے لئے ایک بڑا پیام حقیقت مضمر ہے یعنی اس قانون الٰہی کے تذکرہ میں ان کے لئے وراثت ارضی کا پیام ہے کہ وعد اللہ الذین اٰمنوا منکم وعملوا الصلحت لیستخلفنھم فی الارض کما استخلف الذین من قبلھم ولیمکنن لھم دینھم الذی ارتضی لھم ولیبدلنھم من بعد خوفھم امنا (۲۴: ۵۵) جس طرح ان سے پہلے خدا کے صالح بندوں کی وراثت میں زمین آ چکی ہے اسی طرح عنقریب ان کی وراثت میں بھی آنے والی ہے۔ اور پھر یہ انقلاب کیوں ہونے والا ہے؟ اس لئے کہ ما ارسلنک الا رحمۃ للعالمین: پیغمبر اسلام کا ظہور کرۂ ارضی کے لئے رحمت الٰہی کا ظہور ہے پس ضروری ہے کہ انسانی سعادت کا خاتمہ ہو۔ ضروری ہے کہ اسکی جگہ رحمت الٰہی کا سایہ کرۂ ارضی پر چھا جائے!

اس کے بعد واضح کر دیا کہ پیغمبر اسلام کی دعوت کا ماحصل کیا ہے؟ انما الھکم الہ واحد۔ فھل انتم مسلمون؟

باقی رہی یہ بات کہ یہ انقلاب حال کب ظہور میں آنے والا ہے؟ تو ان ادری اقریب ام بعید ما توعدون میں جانتا ہوں کہ یقیناً ایسا ہونے والا ہے لیکن ابھی اس میں کچھ دیر ہے یا بالکل سامنے آ گیا؟ یہ میں نہیں کہہ سکتا۔ کیونکہ اس بارہ میں بھی اللہ کے مقررہ قوانین ہیں اور وہ کام کر رہے ہیں۔ وان ادری، لعلہ فتنۃ لکم ومتاع الی حین کون جانتا ہے ہو سکتا ہے کہ جو تاخیر ہو رہی ہے وہ اس لئے ہو کہ تمہیں ابھی کچھ دنوں اور آزمائش میں ڈالنا ہے یا اس لئے کہ تمہاری تمتع حیات کے کچھ دن ابھی باقی ہیں۔

یہ سورت کا کتنا اہم مقام ہے؟ سورت کے اہم بیانات کس طرح وقت کی سب سے بڑی موعظت پر ختم ہوئے ہیں اور پھر کسی فیصلہ کن بات ہے جس میں مومنین صالحین کے لئے پیام اقبال اور منکرین معاندین کے لئے پیام ادبار ہے؟ لیکن تفسیریں اٹھا کر پڑھو ہمارے مفسرین تو بری طرح سے الجھ گئے ہیں گویا بوکھلا گئے اور تطر و تدبر سے کام لینے کی اس میں کوئی بات ہی نہیں ہے!

رحمۃ للعالمین

یہاں پیغمبر اسلام کے ظہور کا ایک ایسا وصف بیان کیا گیا ہے جو قرآن کے بیان کردہ اوصاف میں سب سے زیادہ اہم اور نمایاں ہے یعنی رحمۃ للعالمین! یہ ظہور صرف کسی ایک ملک کسی ایک قوم کسی ایک نسل ہی کے لئے نہیں بلکہ تمام دنیا کے لئے رحمت کا ظہور ہے، یہ وصف بیان کر کے قرآن نے ایک کسوٹی ہمارے ہاتھ میں دے دی ہے اس پر ہم اس ظہور کی ساری صداقتیں پرکھ سکتے ہیں اگر یہ فی الحقیقت تمام نوع انسانی کے لئے رحمت کا ظہور ثابت ہوا ہے تو اسی سچائی میں کوئی شک نہیں اگر ایسا نہیں ہوا ہے تو پھر سچائی نے قرآن کا ساتھ نہیں دیا۔ ہمارا فرض ہے کہ حقیقت کے لئے اعتراف کریں۔

نتائج کا فیصلہ

یہ جانچ تاریخ کی بے لاگ اور بے رحم جانچ ہونی چاہیے ہر طرح کی مذہبی خوش اعتقادیوں سے منزہ ہر طرح کی خود پرستانہ طرفداریوں سے پاک۔ کیونکہ یہاں حقیقت کی بات موجود ہے اور وہ صرف حقیقت ہی کی شہادت پر کان دھرتی ہے!

جہل و تعصب نے ہمیشہ اعلانِ حقیقت کی راہ روکنی چاہی ہے لیکن روک نہیں سکی ہے اس فیصلہ میں بھی تاریخ نے دیر لگائی لیکن بالآخر اسے کہنا پڑا۔ ضروری ہے کہ یہ فیصلہ خود اسی کی زبانی سنا جائے اور ایک معتقد کی طرح نہیں بلکہ ایک مورخ کی طرح عالم انسانیت کے ایک ایک گوشہ سے شہادت طلب کی جائے۔ افسوس ہے کہ اس وقت تک کوئی کوشش ایسی نہیں کی گئی جو اس موضوع پر علمی حیثیت سے وضع بھی جا سکے ہم نے مقدمہ تفسیر میں اسکی کوشش کی ہے اور ایک خاص باب کا موضوع بحث یہی مسئلہ ہے، یہاں اتنی تفصیل کی گنجائش نہیں، اور اختصار مفید مدعا نہیں اس لئے مجبوراً قلم روک لینا پڑتا ہے۔

حضرت ابراہیم کی بت شکنی کا واقعہ

(۲۷) سورت کی نشر حیات ختم ہو گئیں مگر ایک نہایت اہم بحث باقی رہ گیا ہے یعنی حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کی بت شکنی کا واقعہ جو آیت ۵۱ سے ۷۰ تک بیان کیا گیا ہے۔ عام طور پر مفسروں نے یہ بات تسلیم کر لی ہے کہ حضرت ابراہیم کے مشرک قوم

لہ ضروری ہے کہ یہاں "الارض" سے مقصود مسلمین کا ملک قرار دیا جائے، جیسا کہ بعض نے قرار دیا ہے کیونکہ اسلوب بیان عموم کا ہے۔ وصاف نظر آ رہا ہے کہ الارض سے مقصود دوئے زمین ہے۔ علاوہ بریں حوالہ زبور کا ہے اور زبور میں عموم و شمولیت کے ساتھ زمین ہے نہ کہ ارض موعود۔

خراسان کی تسخیر نے بغداد کی شاہراہ کھول دی تھی۔ پھر بھی ہلاکو اس کی جرات نہ کر سکا کہ عباسی دارالخلافہ پر حملہ کرے۔ لیکن اب پھر خود مسلمانوں کے باہمی قتال نے اسے بلا دا بھیجا۔ بغداد سنیوں اور شیعیوں کے باہمی پیکار کا میدان جنگ بن چکا تھا۔ خلیفہ مستعصم کا وزیر ابن علقمی شیعہ تھا، اور سنیوں کے ہاتھوں اذیتیں برداشت کر چکا تھا۔ اس نے خواجہ نصیر الدین طوسی کے ذریعہ (کہ ہلاکو کا وزیر اور مصدر تھا) ہلاکو کو بغداد آنے کی ترغیب دی، اور اس طرح تاریخ اسلام کی سب سے بڑی برباری اپنی آخری تکمیل تک پہنچ گئی۔

یہی معنی ہیں سورۂ انعام کی اس آیت کے جس میں جماعتی زندگی کے عذابوں میں سے ایک عذاب یہ بتلایا ہے کہ کسی ایک جماعت کا مختلف جماعتوں میں تشتت اور منتخب ہو جانا اور پھر ہر گروہ دوسرے گروہ کو اپنی شدت کا مزہ چکھانا: قل ھو القادر علی ان یبعث علیکم عذابا من فوقکم او من تحت ارجلکم او یلبسکم شیعا و یذیق بعضکم باس بعض (۶ : ۶۵)

تاریخی حیثیت سے یہ واقعہ بھی ثابت ہو چکا ہے کہ چنگیز خاں کو خوارزم پر حملہ کرنے کی ترغیب خود خلیفہ الناصر الدین اللہ عباسی نے دی تھی۔ کیونکہ سلجوقیوں کے بعد خوارزم شاہیوں کا اقتدار قائم ہو گیا تھا، خلیفہ بغداد اس اقتدار کی وجہ سے سخت ضیق میں تھا۔ چنگیز خاں کا نام تیموجن تھا ۶۰۱ھ مطابق ۱۲۰۶ء میں اس نے چنگیز خاں کا شہنشاہی لقب اختیار کیا۔ ۶۱۷ھ مطابق ۱۲۱۹ء میں خوارزم فتح کر لیا۔ سال وفات ۶۲۴ھ مطابق ۱۲۲۷ء ہے۔

اس کے بعد اس کا بیٹا اوکتائی خاں جانشین ہوا۔ اوکتائی کے بعد منکو۔ منکو کے بعد قبلائی۔ قبلائی کے بھائی ہلاکو کے حصہ میں وسط ایشیا کی فرمانروائی آئی اسی نے ۶۵۶ھ مطابق ۱۲۵۸ء میں بغداد پر حملہ کیا، اور عربی خلافت کا آخری نقش قدم بھی مٹ گیا۔

قانون وراثت ارض

(۲۶) آیت (۱۰۵) سے آخر تک سورت کے مواعظ کا خاتمہ ہے۔ فرمایا: ولقد کتبنا فی الزبور من بعد الذکر ان الارض یرثھا عبادی الصالحون "ہم نے زبور میں اپنے اس مقررہ قانون کا اعلان کر دیا تھا کہ زمین کے وارث خدا کے صالح بندے ہوتے ہیں" یعنی جماعتوں اور قوموں کے لئے یہاں یہ قانون الٰہی کام کر رہا ہے کہ انہی لوگوں کے حصہ میں ملک کی فرمانروائی آتی ہے جو صالح ہوتے ہیں "صلح" کے معنی سنورنے سنوارنے کے ہیں "فساد" کے معنی بگڑنے بگاڑنے کے "صالح انسان" وہ ہے جو اپنے کو سنوار لیتا ہے اور دوسروں کو سنوارنے کی استعداد پیدا کر لیتا ہے، اور یہی حقیقت نیک عملی کی ہے "مفسد" وہ ہے جو بگاڑ میں پڑتا اور بگاڑنے والا ہوتا ہے اور یہی حقیقت بد عملی کی ہے۔ پس قانون یہ ہوا کہ زمین کی وراثت سنورنے سنوارنے والوں کی وراثت میں آتی ہے۔ ان کی وراثت میں نہیں جو اپنے اعتقاد و عمل میں بگڑ جاتے ہیں اور سنوارنے کی جگہ بگاڑنے والے ہوتے ہیں۔

زبور کا اعلان

زبور کا مجموعہ آج موجود ہے اس کے بے شمار تراجم میں بحقیقت صاف صاف بول رہی ہے مثلاً زبور ۳۷ میں ہے۔ بدعمل کاٹ ڈالے جائیں گے۔ مگر وہ جو خداوند کی راہ دیکھتے ہیں، زمین کو میراث میں لینگے۔ تھوڑی سی کہ شریر نابود ہو جائے تو اس کا ٹھکانا ڈھونڈھے اور نہ پائے۔ پر وہ جو حلیم ہیں زمین کے وارث ہونگے اور ہر طرح کی راحتوں سے خوش دل ہوں گے" (۳۷ : ۹)

انسانی زندگی کا سرچشمہ وراثت و میراث ہے

تورات، انجیل، اور قرآن تینوں نے زمین کی "وراثت" کی ترکیب جا بجا استعمال کی ہے اور غور کرو یہ ترکیب صورت حال کی کتنی سچی اور عقلی تعبیر ہے؟ دنیا کے ہر گوشہ میں ہم دیکھتے ہیں۔ ایک طرح کی بدلتی ہوئی میراث کا سلسلہ برابر جاری رہتا ہے یعنی ایک فرد اور ایک گروہ طاقت و اقتدار حاصل کرتا ہے۔ پھر وہ چلا جاتا ہے اور دوسرا فرد اور گروہ اس کی ساری چیزوں کا وارث ہو جاتا ہے۔ حکومتیں کیا ہیں؟ محض ایک ورثہ ہیں جو ایک گروہ سے نکلتا اور دوسرے کے حصہ میں آجاتا ہے۔ اگر زمین کا کوئی ایک قطعہ سامنے رکھ لو، اور جس وقت سے اس کی تاریخ روشنی میں آئی ہے اس کے حالات کا کھوج لگاؤ، تو تم دیکھو گے، اس کی پوری تاریخ کی حقیقت اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ ارث و میراث کی ایک مسلسل داستان ہے ایک قوم قابض ہوئی۔ پھر مٹ گئی دوسری اس کی وارث ہو گئی۔ پھر اس کے لئے بھی مٹنا ہوا، اور تیسرے وارث کے لئے جگہ خالی ہو گئی۔ وہلم جرا۔

پس قرآن کہتا ہے یہاں ارث و میراث کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ اب سوچنا یہ چاہئے کہ جو ورثہ چھوڑنے پر مجبور ہوتے ہیں کیوں ہوتے ہیں؟ اور جو وارث ہوتے ہیں کیوں وراثت کے حق دار ہو جاتے ہیں؟ فرمایا اس لئے کہ یہاں خدا کا ایک اٹل قانون کام کر رہا ہے: "ان الارض یرثھا عبادی الصالحون" وراثت اسی کی شرط اصلاح و صلاحیت ہے جو صالح (حاشیہ برصفحہ ۴۹۵)

اور الٰہی اپیلوں کا سرچشمہ چلی آتی ہیں، محض بے اختیار موزنیاں ہو جائیں اور جو حقیقت ہمارے آباؤ اجداد اور ان کے آباؤ اجداد نہ پا سکے وہ کل کا ایک نوجوان لاکا پالے۔ چنانچہ وہ ان کی دعوت و تبلیغ کا مسخر اڑاتے اور کہتے: اجئتنا بالحق امانت من اللاعبین ؟ (۵۵) فی الحقیقت تمہارا ایسا ہی عقیدہ ہے یا ہم سے ہنسی مسخر کر رہے ہو؟ یعنی بتوں کی عظمت اور ان کے روحانی اقتدار و تصرف کی ہیبت دلوں پر اس طرح چھائی ہوئی تھی کہ اس کے خلاف کسی کا بے دھڑک زبان کھولنا ان کے وہم و گمان میں بھی نہیں آسکتا۔ وہ حضرت ابراہیم کی باتیں سنتے تو متعجب ہو کر کہتے۔ تمہارے ہوش و حواس کہاں گئے؟ تم سنجیدگی سے ایک بات کہہ رہے ہو یا ہم سے مزاح کر رہے ہو؟۔

ان کا محسوس تقلدین جہل دلایل بیکار

جب انہوں نے قوم کے جہل و کوری کی یہ حالت دکھائی دی تو حضرت ابراہیم نے محسوس کیا جھنوں اور دلیلوں کی روشنی ایسے لوگوں کے لئے بالکل بیکار ہے۔ ان کے دلوں میں بتوں کے اقتدار و تصرف کا وہم اتنا رچ کر جم گیا ہے جب تک اس پر چوٹ نہیں لگے گی ان کی آنکھیں کھلنے والی نہیں۔ پس ضروری ہے کہ اعلان حقیقت کے لئے ایک دوسرا طریقہ اختیار کیا جائے اور وہ طریقہ ایسا ہو کہ میری دلیلوں اور موعظتوں کی روشنی سے نہیں بلکہ خود اپنی اندھی آنکھوں سے دیکھ لیں کہ صدیوں کی یہ گڑھی ہوئی عظمتیں اور تقدسوں کی مانی ہوئی معبودیتیں بے اختیار موزنیوں اور بے جان چیزوں سے زیادہ کچھ نہیں ہیں اور انسانوں کی کسی بڑی تعداد کا کسی بڑی بات تک ایک بات مان لینا اور کہے جانا سچائی کا ثبوت نہیں۔ سچائی کا ثبوت صرف عقل سلیم کی بحث ہے۔

تمام حجت کا عملی طریقہ

یہ طریقہ کیا تھا؟ یہ تھا کہ انہوں نے تمام لوگوں کو کھلا کھلا چیلنج دے دیا: تاللہ لاکیدن اصنامکم بعد ان تولوا مدبرین: یعنی اگر عقل کی کوئی دلیل بھی تمہارے لئے سود مند نہیں تم اپنے اس وہم باطل میں جمے رہے ہو کہ یہ بتاں طاقت و تصرف رکھتی ہیں تو اچھا خود اپنی آنکھوں سے دیکھ لو۔ نتیجہ کیا نکلتا ہے۔ جونہی تم آج اپنے بڑے میدان میں گئے ہیں تمہارے ان بتوں کے ساتھ ایک داؤ کھیلوں گا۔ اگر فی الحقیقت ان میں طاقت و تصرف ہے تو وہ کوئی معجزہ دکھا کر اپنے کو بچا لیں یا میرے ہاتھ پاؤں شل کر دیں۔

جب ایک جماعت تعطیل و ہم پرستی میں اس درجہ ڈوب جائے کہ عقل و بصیرت کی کوئی بات بھی اس کے اندر نہ گھسے تو پھر اقناع فکر کی صرف یہی ایک راہ رہ جاتی ہے کہ ان کی عقل کی جگہ ان کے حواس کو فتح طلب کیا جائے اور کوئی ایسی بات کر کے دکھا دی جائے جس سے ان کی ساری ہم پرستیوں کا بطلان ہو جائے۔ مثلاً ایک عجوبہ چڑیا کو دیکھ کر کودنے لگتا ہے تو ہزار اسے سمجھاؤ کہ چڑیا کاٹتی نہیں لیکن وہ ماننے والا نہیں۔ اب ایک دانشمند آدمی کیا کرے گا؟ یہ کرے گا کہ دلیلوں کی جگہ مشاہدہ سے کام لے گا۔ وہ اپنی انگلی چڑیا کی چونچ میں ڈال دے گا اور یہ مکال کر بچہ کو دکھائے گا کہ دیکھ لے اس نے کاٹا ہے یا نہیں کاٹا ہے۔ یہ ایک مشاہدہ بچہ کے اندر جس درجہ یقین پیدا کرے گا، وہ ایک سو آدمیوں کی ایک ہزار دلیلوں سے بھی پیدا نہیں ہو سکتا۔ یہی حال عقول فاسدہ کا ہے۔ تم ان کی عقل و فکر سے کچھ نہیں پا سکتے لیکن تم انہیں مشاہدہ کے دریے عاجز کر سکتے ہو۔ حضرت ابراہیم نے بالآخر یہی طریقہ اختیار کیا۔ انہوں نے کہا جو حقیقت کو تم عقل و فکر سے نہیں پا سکے میں تمہارے مشاہدہ میں لا کر خود تمہاری زبانوں سے اگلوا لوں گا۔ تمہارے دل میں یہ بات جمی ہوئی ہے کہ ان میں طاقت و تصرف ہے اچھا میں ان پر ہاتھ اٹھاتا ہوں۔ اب اگر سچ مچ کوئی ان میں اضرار و تصرف ہے تو یہ اپنے سارے معجزے ایک ساتھ ظاہر کر دیں اور مجھے اس سے روک دیں یا مجھ پر کوئی آسمانی عذاب اتار دیں۔

پہلے چیلنج دیا پھر کر کے دکھایا

لوگوں نے ان کا یہ اعلان سنا، لیکن چونکہ دلوں میں بتوں کی عظمت و تقدیس رچی ہوئی تھی، اس لئے قابل التفات نہیں سمجھا۔ وہ سمجھے ایک مجنونانہ بڑ ہے بھلا کون ہے جو ان خاندانی و توانا معبودوں کی جناب میں ایسی جرأت کر سکتا ہے جو اور اگر کرے تو اسے اس کی مہلت ہی کب ملے گی؟ نہیں معلوم کیا سے کیا ہو جائے؟

لیکن حضرت ابراہیم اپنے فیصلہ کا اعلان کر چکے تھے اور اسے کر کے دکھا دینا تھا۔ جونہی موقع حال ہوا انہوں نے ایک ایک

۱؎ فلاڈیفیا یونیورسٹی (امریکہ) کے عجائب خانہ اور برلن عجائب خانہ کی ایک مشترک اتزدی مہم نے تل العبید کی کھدائی کا کام شروع کیا تھا، جو جنگ کی وجہ سے رک گیا تھا مگر اب جاری ہو گیا ہے اس کے اکتشافات نے حضرت ابراہیم کی سرگزشت متذکرہ قرآن کے متعدد گوشوں پر نہایت اہم روشنی ڈالی ہے سورۂ الصافات کی تشریحات میں مختصراً اس کا ذکر کیا جائے گا اور تفصیلی مقدمہ میں ملے گی۔

پر ایسی بات کہی جس پر بظاہر جھوٹ کا اطلاق ہو سکتا ہے۔ اس میں سے ایک موقعہ یہ ہے جب ان سے پوچھا گیا "ءانت فعلت ھذا؟" کیا تو نے بتوں کو توڑا ہے تو انہوں نے کہا "بل فعلہ کبیرھم ھذا" بلکہ اس بڑے بت نے ایسا کیا۔ حالانکہ فی الحقیقت فعل خود انہی کا تھا۔

اس بارے میں مستدلال صحاح کی ایک روایت سے کیا جاتا ہے لیکن سب سے پہلے ہمیں خود اس مقام پر تدبر کرنا چاہیے کہ کیا فی الحقیقت یہاں کوئی ایسا واقعہ بیان کیا گیا ہے جس سے حضرت ابراہیم کا جھوٹ بولنا ثابت ہوتا ہو خواہ وہ جھوٹ کسی وجہ اور کسی نوعیت کا ہو۔

کیا حضرت ابراہیم نے جھوٹ بولا تھا

حقیقت یہ ہے کہ تفسیر قرآن کی تاریخ کی یہ عجیبوں میں اس سے بڑھ کر اور کوئی مثال تو جیسہ بو العجبی نہیں قرآن میں کوئی ایسی بات نہیں جس سے اس اصدق القائلین کا جھوٹ بولنا نکلتا ہو لیکن یہ تکلف ایک آیت کو توڑ مروڑ کر ایسا بنایا جا رہا ہے کہ کسی نہ کسی طرح جھوٹ بولنے کی بات بن جائے۔ اور اثبات کذب کی یہ مبارک کوشش کیوں کی جا رہی ہے؟ صرف اس لئے کہ ایک مزعومہ حدیث موجود ہے بس کہیں یہ قیامت نہ ٹوٹ پڑے کہ اس کے غیر معصوم راویوں کی روایت کمزور مان لینی پڑے گویا اصل اس باب میں غیر معصوم راویوں کا تحفظ ہے نہ کہ معصوم رسولوں کا، اور اگر قرآن میں اور کسی روایت میں اختلاف واقع ہو جائے تو قرآن کو روایت کے مطابق بننا پڑے گا۔ راوی کی شہادت اپنی جگہ سے کبھی نہیں مل سکتی!

اب غور کرو۔ یہاں جو واقعہ بیان کیا گیا ہے۔ وہ خود قرآن کے صاف صاف لفظوں میں کیا ہے۔

شہر اور کی بت پرستی

سرزمین وجد و زرات میں نینوا اور بابل سے پہلے جو شہر آباد ہوئے ان میں ایک شہر اور تھا۔ یہ جنوبی عراق میں فرات کے کنارے آباد تھا۔ اور محل وقوع و مقام تھا جو آج کل "تل العبید" کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ بکثرت تنقیب و تحقیق کا سلسلہ ابھی جاری ہے لیکن جن خدا آشنا رو کتبات روشنی میں آ چکے ہیں ان سے باشندگان شہر کے عقاید و اعمال کے بہت سے گوشے واضح ہو چکے ہیں۔ یہاں بت پرستی کی وہ ساری بدیاں وبائی شکل اختیار کر لیتی ہیں۔ پرستش کا مدار کواکب تھے۔ سب سے بڑا دیوتا "شمس" کا تھا۔ یعنی شمس (سورج) کا اس کے نیچے بہت سے بت مختلف مافوق یا مخلوق قبیلوں اور آبادیوں کے تھے۔ خود شہر اور کا محافظ خدا "نانا" تھا یعنی چاند۔ "تل العبید" کے ٹیلہ میں جس سمندر کے آثار ملے ہیں۔ یقین کیا جاتا ہے کہ وہ "نانار" کا مندر تھا۔

مندر کے خاص پجاریوں اور رسمی خطوں کا پتہ تو اگر وہ بھی پیدا ہو چکا تھا، اور انہیں دینی ریاست بیگچی (۲۹۷۱ء ۸۰۰ء) کی نوعیت حاصل ہو گئی تھی۔

آزر نام نہیں لقب تھا

حضرت ابراہیم کا ظہور اسی شہر میں ہوا ان کے والد تارح کا بچپنے ہی میں انتقال ہو گیا تھا۔ چچا نے پرورش کی تھی اور چونکہ وہ مندر کے پجاریوں میں سے تھا، اس لئے "آزار" کے لقب سے پکارا جاتا تھا۔ "آزار" قدیم کلدی زبان میں بڑے پجاری یا محافظ معبد کو کہا کرتے تھے۔ یہی "آزار" ہے جس نے بعد کی عربی میں "آزر" کی شکل اختیار کر لی، اور اسی لئے قرآن نے اس کا ذکر "آزر" کے نام سے کیا۔

حضرت ابراہیم کا گھرانا

حضرت ابراہیم نے جب آنکھ کھولی تو خود اپنے گھر میں بت پرستی پائی۔ لیکن اللہ نے سچائی کی حجتوں اور دلیلوں کی وحی سے ان کا قلب سلیم اس طرح معمور کر دیا تھا کہ نہ تو قوم و وطن کی جہالت و گمراہی اسے چھو سکی، نہ خود اپنے عزیزوں اور بزرگوں کا اعتماد راسخ اسے متاثر کر سکا۔ انہوں نے پہلے اپنے گھر والے میں تبلیغ کی پھر تمام قوم کو پیام حق پہنچایا۔

دعوت و تبلیغ حق

انہوں نے پہلے شرک و بت پرستی کے خلاف عقل سلیم کی حجتیں اور وجدان صادق کی شہادتیں پیش کیں: وتلک حجتنا اتیناھا ابراھیم علی قومہ نرفع درجات من نشآء ان ربک حکیم علیم (۶:۸۳) لیکن پھر دیکھا کہ آباؤ اجداد کی تقلید کی ظلمت اس طرح دلوں پر چھا گئی ہے کہ عقل و بینش کی کوئی روشنی بھی انہیں دکھائی نہیں دیتی۔ ہر حجت و آیت کا جواب ان کی زبانوں سے یہی نکلتا ہے کہ وجدنا اٰبآءنا لھا عابدین (۲۱:۵۳) نیز انہوں نے دیکھا، ایک عرصہ کے تغافل و تواطات نے لوگوں کی عقلیں بالکل مفلوج کر دی ہیں۔ جوں نے روحانی تمدار و تصرف کا عقیدہ ان کی رگ رگ میں سرایت کر گیا ہے۔ ان کی سمجھ میں یہ بات آ ہی نہیں سکتی کہ لوہت و قدسیت کی یہ منتقل روحانیتیں جو طرح طرح کے روپ بھروں

ف حاشیہ صفحہ ۴۹۷ پر دیکھیں:۔

ما ھٰؤلاء ینطقون۔" لقد علمت" یعنی یہ حقیقت تو تجھے معلوم ہی ہو چکی ہے کہ مورتیوں کی صداؤں اور مندر کے ہاتف غیبی کے جوابوں کا معاملہ وہ نہیں ہے جو عام طور پر سمجھا جاتا ہے۔ مورتیاں بولا نہیں کرتیں۔ پھر تیرا یہ کہنا کہ بڑے بت سے پوچھ کر فیصلہ کرو کیا معنی رکھتا ہے؟ تب حضرت ابراہیم نے تم مجھ سے مخاطب ہو کر ندا رخ بلند کر دی: افتعبدون من دون اللہ ما لا ینفعکم شیئا ولا یضرکم؟ اف لکم ولما تعبدون من دون اللہ افلا تعقلون؟ (۶۷) جب ان مورتیوں کے منطق والہام کے سارے قصے من گھڑت ہیں اور ان کی عجز و درماندگی کا یہ حال ہے جو تم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہو، تو پھر تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ اللہ کو چھوڑ کر ان کی پرستش پر جم گئے ہو؟ کیا اتنی موٹی بات بھی سمجھ نہیں سکتے؟

تفسیر "ان کانوا ینطقون"

ہم اوپر اشارہ کر چکے ہیں کہ کاہنوں کی خاص جماعت پیدا ہو چکی تھی اور بت پرستی کی تاریخ میں اصلی کارفرما جماعت ہمیشہ یہی رہی ہے۔ یہ لوگ عوام سے الگ ہو جاتے تھے اور پھر عوام کو اپنے قبضہ و اقتدار میں رکھنے کے لئے مندروں کا ایک جال تو قمیں برابر بچھاتے رہتے تھے چنانچہ مختلف طریقے کام میں لا کر لوگوں کو یقین دلاتے کہ مورتیاں بولتی ہیں، سوالوں کا جواب دیتی ہیں، نذرانے قبول کرتی ہیں، ہر طرح کے مجائب و خوارق شب و روز ان سے ظاہر ہوتے رہتے ہیں۔ حضرت ابراہیم کا اصلی خطاب انہی پجاریوں سے تھا وہ گھر کے بھیدی تھے، کیونکہ خود ان کا چچا مندر کے پجاریوں میں سے تھا، اور اس طرح وہاں کے تمام حالات سے خبر ہونے کا پورا موقعہ انہیں حاصل ہو گیا تھا۔ انہوں نے چاہا، عوام کے سامنے حقیقت حال کا پجاریوں سے اعتراف کرائیں اور انہوں نے اعتراف کر لیکے چھوڑا۔ پس ان کے اس قول کا کہ "ان کانوا ینطقون" یہ مطلب سمجھنا چاہیے کہ اگر مورتیوں کی پراسرار ندا میں کی وہ بات ٹھیک ہے جس کا تم عوام کو یقین دلاتے رہتے ہو تو اس بڑے بت سے ندا رخ کا مطالبہ کرو۔ اگر یہ ہمیشہ تمہارے سوالوں کا جواب دیتا ہے تو آج کیوں نہ دے؟ اور ایسے موقعہ پر کیوں نہ دے جب تمام مندر تہہ و بالا ہو گیا ہے؟ یعنی یہ مطلب نہیں ہے کہ اگر بت عاجز پر تطبیق رکھتے ہیں تو ان سے بات کرا لو۔ کیونکہ بتوں کا عام طور پر آدمیوں کی طرح بات نہ کرنا تو عام طور پر معلوم تھا کوئی بھی عقیدہ نہیں رکھتا تھا کہ یہ ہماری طرح بولتے چالتے ہیں۔

حضرت ابراہیم کی یہ بات عوام کے دلوں میں قطعاً اتر گئی ہو گی۔ ہر شخص بول اٹھا ہو گا کہ بات ٹھیک کہہ رہا ہے بڑی مورتی سے اس حادثہ میں کیوں نہ رجوع کیا جائے۔

لیکن جب ابراہیم نے مجمع عام میں بت پرستی کے خلاف وعظ شروع کر دیا، تو پجاری ڈرے اور انہوں نے چاہا، عوام کے بت پرستانہ جذبات بھڑکا کر اپنا کام نکال لیں۔ انہوں نے کہا: احرقوہ وانصروا الھتکم ان کنتم فاعلین۔ اسے زندہ آگ میں جلا دو کیونکہ تمام قدیم قوموں میں دستور تھا کہ مذہبی اور سیاسی مجرموں کو زندہ جلا دینے کی سزا دیا کرتے تھے۔ چنانچہ کالڈیا میں آخری زمانے تک یہی دستور رہا۔ کتاب دانیال سے معلوم ہوتا ہے کہ کالدیوں نے ان یہودیوں کو زندہ جلا دینا چاہا تھا۔ جنہوں نے بادشاہ کی مورت سے انکار کر دیا تھا۔

فرض الباطل مع العلم کذب نہیں

اب غور کرو اس تمام سرگذشت میں کونسی بات ایسی ہے جس سے حضرت ابراہیم کا جھوٹ بولنا نکلتا ہو؟ بتوں کو انہوں نے کچھ چوری چھپے نہیں توڑا تھا کہ خلاف واقعہ بات کہہ کے اسے چھپانا چاہتے۔ تمام پجاریوں کے سامنے صاف صاف اعلان کر دیا تھا، اور اعلان بھی اس تاکید کے ساتھ کہ "تاللہ لاکیدن اصنامکم" خدا کی قسم! میں ضرور تمہارے بتوں کو اپنے داؤ کا نشانہ بناؤں گا۔ پھر جو بات اس طرح صاف صاف کہہ دی گئی ہو اور علانیہ کی گئی ہو اس میں جھوٹ بولنے کی بات کہاں سے نکل آئی؟ باقی رہا ان کا یہ کہنا کہ بل فعلہ کبیرھم ھذا تو ظاہر ہے کہ ایک لمحہ کے لئے اس سے مقصود انکار فعل نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ فعل کا تو وہ پہلے سے اعلان کر چکے تھے اور خود پوچھنے والوں میں ایک ایک نذ جانتا تھا کہ انہی کا کیا دھرا ہے بالکل کھلی ہوئی بات ہے کہ یہ محض حجت الزامی تھی، اور حجت الزامی کا وہ طریقہ جسے ہمارے مناظر فرض الباطل مع العلم حتی تلزمہ الحجۃ سے تعبیر کرتے ہیں۔ صدق و کذب کا سوال یہاں کیونکر پیدا ہو سکتا ہے۔

اثبات کذب کے ایک غلط توجیہ

چونکہ ہمارے مفسروں کے سامنے ایک روایت موجود تھی اور اسکی توجیہ میں ضرور سمجھتے تھے کہ کسی نہ کسی طرح جھوٹ کی بات بن جائے اس لئے انہوں نے کوشش کی کہ جو بات تراش میں نہیں ہے، وہ زبردستی بنا کر بڑھا دی جائے۔ چنانچہ وہ حضرت ابراہیم کے قول تاللہ لاکیدن اصنامکم کو سلسلہ بیان سے الگ کر لیتے ہیں، اور کہتے ہیں، یہ بات انہوں نے

کر کے تمام بت توڑے صرف بڑے بت یعنی "شمس" کو چھوڑ دیا۔ اس میں مصلحت یہ تھی کہ "لعلھم الیہ یرجعون" اگر یہ باقی رہے گا تو شاید اس کی طرف لوگ رجوع کریں یعنی یہ سوال اٹھایا جا سکے کہ اس کے سامنے بتوں پر آفت آئی اور خود یہی کہ رب الارباب تھا کچھ نہ کر سکا اب ایسی سے بتوں کی تباہی کی کہانی سن لی جائے!

بجاریوں کی حیرانی اور پھر تجاہل

جب لوگ واپس آئے اور انہوں نے دیکھا، جو بات ان کے وہم و گمان میں بھی نہیں آتی تھی وہ وقوع میں آگئی اور سچ مچ کو ابراہیم نے سارے بت پاش پاش کر دئے۔ تو غور کرو ان کے دل و دماغ کا کیا حال ہوا ہوگا؟ اور ایسی حالت میں کیا ہونا چاہئے؟ پہلے حیرت چھائی ہوگی کہ یہ کیا سے کیا ہو گیا! کیا یہ مقدس مورتیاں اس طرح توڑ پھوڑ ڈالی جا سکتی تھیں! پھر حضرت ابراہیم کی ساری باتیں سامنے آگئی ہونگی صاف نظر آگیا ہوگا کہ اس بارے میں بچا رہی نکلا ہم جھوٹے ہوئے۔ پھر اپنی شکست کے خیال نے غم و غصہ کی شکل اختیار کر لی ہوگی۔ فتح مند آدمی اتنا غضب ناک نہیں ہوتا جتنا شکست خوردہ ہو جاتا ہے خصوصاً جبکہ یہ شکست سخت ذلت و ندامت کی شکست ہو اب پجاریوں کے لئے سب سے زیادہ ضروری بات تھی کہ معاملہ کی شناعت عامۃ الناس سے پوشیدہ رکھی جائے۔ اگر انہیں معلوم ہو گیا کہ ابراہیم نے پہلے چیلنج دے دیا تھا، اور پھر کر کے دکھا دیا، تو ان کے عقیدے فوراً متزلزل ہو جائینگے پس دکھاوے کے لئے پجاریوں نے ایسا انداز اختیار کر لیا گویا ابراہیم والی بات کی انہیں خبر ہی نہیں آپس میں پوچھنے لگے۔ یہ شرارت کس نے کی ہے؟ جس کسی نے کی ہے وہ بڑا ہی مجرم ہے۔ وہ دیوتاؤں کے سخت عذاب کا مستحق ہوگا اس پر بغض دکھاوے کے لئے بول اٹھے سمعنا فتی یذکرھم یقال لہ ابراھیم (۶۰) ہمارے سننے میں آیا ہے ایک نوجوان ان مورتیوں کے بارے میں کچھ باتیں کہتا تھا غالباً اسی نے کیا ہو اسے ابراہیم کہہ کر پکارتے ہیں۔ غور کرو کہنے والا اب بھی یہ نہیں کہتا کہ اس نے مورتیوں کے خلاف ایک داؤ پھینکنے کی دھمکی دی تھی بلکہ صرف یذکرھم کہہ کے چپ ہو جاتا ہے۔ کیونکہ کوشش یہ ہے کہ اصل معاملہ عوام سے چھپا لیا جائے جو اس حادثۂ عظیم کی خبر سنکر وہاں جمع ہو گئے تھے اور جس کا پتہ فاتوا بہ علی اعین الناس (۶۱) سے لگتا ہے یعنی پجاریوں نے کہا ابراہیم کو یہاں لوگوں کے سامنے لاؤ۔ بہرحال حضرت ابراہیم بلائے گئے۔ وہ اب تمام مجمع کے سامنے کھڑے ہیں۔ مجمع میں پجاری اور عوام دونوں ہیں پجاریوں کو سب کچھ معلوم ہے عوام کو تفصیلات معلوم نہیں۔

حضرت ابراہیم کا مجمع عام میں آنا اور پجاریوں سے مکالمہ

اب وہ وقت آگیا ہے کہ حضرت ابراہیم نے انکشاف حقیقت کا جو طریقہ اختیار کیا تھا، اس کا نتیجہ آشکارا ہو جائے اور جس حقیقت کے اعتراف سے لوگوں کو انکار تھا، وہ خود انہی کے ملفوظوں سے اگلوا لی جائے۔ اور دیکھو کیسے صاف اور قدرتی طریقہ سے حضرت ابراہیم انہی کی اصل اور فوری حجت کی سلطانی کا اعتراف کراتے ہیں: پجاریوں نے دیکھنے کے لئے بے خبر بن کر پوچھا۔ انت فعلت ھذا بالھتنا یا ابراھیم (۶۲) کیا ہمارے معبودوں کے ساتھ تو نے یہ حرکت کی ہے؟ اب اگر حضرت ابراہیم ان کے جواب میں کہتے میں نہیں بیشک ہی کہہ چکا تھا کہ ایسا کرونگا اس میں پوچھنے کی بات کیا ہے؟ تو انہیں رد و کد کرنے کا موقعہ مل جاتا مثلاً وہ عوام کے سامنے انکار کرتے کہ تم نے کبھی ایسا نہیں کہا تھا، اور اس طرح اصل مسئلہ کی جگہ ایک دوسری بات میں سوال و جواب ہونے لگتا۔ لیکن انہوں نے جواب میں حجت الزامی کا ایسا طریقہ اختیار کیا کہ رد و کد کے سارے دروازے بند ہو گئے اور حقیقت آشکارا ہو گئی۔ بل فعلہ کبیرھم ھذا فاسئلوھم ان کانوا ینطقون (۶۳) بلکہ اس سب سے بڑے بت شمس نے کیا ہے جس کے آگے تم ہمیشہ اپنے سوالات پیش کرتے رہتے ہو اور پھر کہتے ہو کہ اس کی پراسرار صدائیں نہیں (یعنی تم پجاریوں کو) سنائی دیتی ہیں" یہ ابھی زندہ سلامت موجود ہے۔ اگر فی الحقیقت موتیاں سوالوں کا جواب دیا کرتی ہیں تو اسی صدق سے پوچھ لو۔ مجھ سے کیوں سوال کرتے ہو؟

پجاریوں کا اعتراف پر غیور ہونا

یہ جواب سنتے ہی سب پر سناٹا چھا گیا۔ کیونکہ اس کا ان کے پاس کوئی جواب نہ تھا۔ نہ تو یہ کہہ سکتے تھے کہ مورتی سے امید جواب نہیں۔ نہ مورتی سے سوال ہی کر سکتے تھے، ادھر عوام نتیجہ کے منتظر تھے۔ فرجعوا الی انفسھم فقالوا انکم انتم الظالمون بلاشبہ خود سے نادانی کرنے والے ہم ہی ہیں۔ ٹھیک بات تو وہی ہے جو ابراہیم کہہ رہا ہے بالآخر مجبور ہوئے کہ جو بات حضرت ابراہیم ان سے کہلوانا چاہتے تھے، وہ سر جھکا کر دبی زبان سے کہہ دیں: لقد علمت

تصنیف پر اپنے آپ کو راضی کر سکیں!

یہ محل تفصیل کا نہیں لیکن چونکہ ایک اہم اور اصولی سوال ہے اس لئے ضروری ہے کہ مختصراً اشارات کر دئے جائیں پس اس باب میں تحقیق کی راہ یہ سمجھنی چاہئے کہ:-

مسلک تحقیق

(۱) قرآن کے بعد دین کی ان تمام کتابوں میں جو انسانوں کی ترتیب دی ہوئی ہیں جسے زیادہ صحیح کتاب جامع بخاری اور جامع مسلم ہے اور ان کی ترجیح محض ان کی شہرت یا ہی کی بنا پر نہیں ہے بلکہ شہرت اور قبول کی بنا پر ہے۔ شہرت یہ کہ ایک کتاب علم و نظر کے تمام عہدوں اور طبقوں میں عالمگیر طور پر مستند رہی ہو اور اہل علم فطرتاً بعد تنقید اسکی صحت و فضیلت پر مہریں لگاتے رہے ہوں "قبول" یہ کہ وہ تمام امت کی نظر و بحث کا مرکز بن گئی ہو۔ ہر عہد اور ہر طبقہ میں بے شمار ناقدوں اور محققوں نے اس کی ایک ایک روایت ایک ایک راوی ایک ایک متن ایک ایک لفظ کو ہر طرح کی بحثیں کی ہوں ہر طریقہ سے جانچا ہو، ہر طرح کی نگاہیں رد و قبول کی ڈالی ہوں زیادہ سے زیادہ موافق و مخالف شرحیں لکھی ہوں زیادہ سے زیادہ درس و تدریس میں مانجھتے رہے ہوں اور پھر بھی اس کی مقبولیت یک طرفہ رائے ہو چنانچہ یہ دو باتیں تاریخ اسلام میں صرف انہی دو کتابوں کے حصے میں آئی ہیں، ولیس لھما ثالث اس لئے ان کی مستی بجائے خود ایک بیل سند ہو گئی ہے اور بلاشبہ جب کبھی اختلاف ہوگا، تو صحیحین کی روایت محض اس لئے بھی قوی تر سمجھی جائے گی کہ وہ صحیحین کی روایت ہے، دوسرے جامع کی روایات کتنی ہی شروط بخاری و مسلم پر نکال کر دکھا دی جائیں، لیکن وہ اسکی قوت کا ہم پلہ نہیں ہو سکتیں۔

(ب) لیکن یہ جو کچھ ہے ان کی صحت کا اعتماد ہے یعنی اپنی سی صحت کا جیسی ارجح، جو کی صحت ایک غیر معصوم انسان کے اختیارات کی ہو سکتی ہے عصمت کا اعتماد نہیں ہے، اس لئے اگر کوئی روایت شاذ یقینیات قطعیہ قرآنیہ سے معارض ہو جائیں گی تو ہم ایک لمحہ کے لئے بھی اسکی تصنیف میں تامل نہیں کریں گے۔ کیونکہ اصل ہر حال میں قرآن ہے جس کا تواتر یقینی اور جس کی قطعیت شک و شبہ سے بالاتر ہے۔ ہر انسانی شہادت اس پر کسی جائے گی۔ وہ کسی غیر معصوم شہادت اور رائے پر کسا نہیں جا سکتا کہ:

غوص اندر میان سلامت است!

اور پھر ہم دیکھ رہے ہیں کہ محققین حدیث نے اس باب میں کبھی ارباب جمود تقلید کا شیوہ اعمیٰ اختیار نہیں کیا۔ یہ بخاری کی روایت اسری شریک بن عبداللہ بن ابی نمر والی ہے جس کی نسبت تمام محققین نے بے تامل تصریح کر دی کہ شریک کو غلط فہمی ہوئی، اور صحیح بات وہی ہے جو مسلم کی روایت انس بن مالک میں ہے۔ اسی طرح صحیح مسلم کی حدیث خلق اللہ التربۃ یوم السبت کی نسبت تمام محققین نے اتفاق کیا اس کا رفع ثابت نہیں اور اسرائیلیات سے ماخوذ ہے۔ پھر اگر اسی طرح صحیحین کی یہ روایت بھی رد کر دی گئی کہ ابراہیم خلیل کی صداقت رد نہ کرنی پڑے تو کونسی قیامت ٹوٹ پڑے گی؟

قال انی سقیم

اس روایت میں حضرت ابراہیم کی تین باتوں کو "کذب" سے تعبیر کیا گیا ہے ایک تو یہی بات دوسری وہ جو سورہ صافات میں ہے فقال انی سقیم (۳۷: ۸۹) تیسری یہ کہ انہوں نے بادشاہ مصر کے آگے اپنی سوی سارہ کو بہن کہا تھا آخری بات قرآن میں کہیں نہیں ہے تورات میں ہے اور ہم اس کے موجودہ نسخہ کی صحت کے ذمہ دار نہیں۔ باقی رہا "انی سقیم" والا قول، تو اس کی تشریح صافات میں ہو گی یہاں اس قدر کہدینا کافی ہے کہ اس کا کوئی مطلب بھی ٹھہرایا جائے، لیکن اس میں جھوٹ کا پہلو کہاں سے نکل آیا؟ ایک شخص نے کہا میں سقیم ہوں پھر کیوں اسے جھوٹ پر محمول کیا جائے؟

ہم نے یہاں اصل واضح کر دی۔ لیکن یہ بھی ضروری کہ روایت مشہورہ کے متن و اسناد پر نظر ڈالی جائے۔ اس کے لئے ابدیان کا انتظار کرنا چاہئے۔

مخاطبوں سے نہیں کہی تھی، اپنے جی میں کہی تھی۔ یعنی ان کا اعلان نہ تھا۔ جی ہی جی میں ایک سازش سوچی تھی۔ لیکن یہ محض رائے سے قرآن کے مطالب میں اضافہ کرنا ہے۔ قرآن میں یہ کہیں نہیں ہے کہ حضرت ابراہیم نے اپنے جی میں کیا تھا وہ تو صاف صاف کہہ رہا ہے کہ موقعہ مخاطبہ اور مکالمہ کا تھا۔ اور جب بچاریوں نے یہ بات کہی کہ اجئتنا بالحق ام انت من اللاعبین؟ تو اس کے جواب میں حضرت ابراہیم نے اعلان کیا۔ علاوہ بریں اس طرح کے محذوفات جبھی تسلیم کئے جاسکتے ہیں جبکہ کوئی قطعی قرینہ موجود ہو۔ یہاں بجز اس ضرورت کے کہ حضرت ابراہیم کو کذب گو بنایا جائے، اور کونسی ضرورت لاحق ہو گئی ہے کہ یہ محذوف گڑھ لیا گیا۔

بات صحیحین — باقی رہی صحیحین کی روایت کہ لم یکذب ابراھیم فی شیٔ قط الا ثلاث کلھن فی اللہ الخ تو اگرچہ اس کی توجیہ و تاویل کی بہت سی راہیں لوگوں نے کھول لی ہیں، مگر صاف بات وہی ہے جو امام ابوحنیفہ کی طرف منسوب ہے اور جسے امام رازی نے بھی اختیار کیا ہے یعنی ہمارے لئے یہ تسلیم کر لینا نہایت آسان ہے کہ ایک غیر معصوم راوی سے فہم و تعبیر حدیث میں غلطی ہو گئی، یہ مقابلہ اس کے کہ ایک معصوم اور برگزیدہ پیغمبر کو جھوٹا تسلیم کریں اگر ایک راوی کی جگہ سینکڑوں راویوں کی روایت بھی ناقص ٹھیر جائے۔ تو بہرحال غیر معصوم انسانوں کی غلطی ہو گی لیکن اگر ایک معصوم پیغمبر کو بھی غلط بیان تسلیم کر لیا گیا تو نبوت و وحی کی ساری عمارت درہم برہم ہو گئی۔

صحت اور عصمت — ماہر و اثبت صحیحین کی ہے لیکن اس تیرہ سو برس کے اندر کسی مسلمان نے بھی راویان حدیث کی عصمت کا دعویٰ نہیں کیا ہے نہ امام بخاری و مسلم کو معصوم تسلیم کیا ہے کسی روایت کے لئے بڑی سے بڑی بات جو کہی جا سکتی ہے وہ یہی کہ "عصمت" نہیں ہے اور "صحت" سے مقصود صحت مصطلح من ہے نہ کہ صحت قطعی و یقینی مثل صحت قرآن۔ پس ایک روایت پر صحت کی کتنی ہی مہریں لگ چکی ہوں لیکن بہرحال غیر معصوم راویوں کی ایک شہادت اور غیر معصوم ناقدوں کا ایک فیصلہ ہے۔ ایسا فیصلہ ہر بات کے لئے مقید حجت ہو سکتا ہے، مگر یقینیات و قطعیات کے خلاف نہیں ہو سکتا۔ جب کبھی ایسا ہو گا کہ کسی راوی کی شہادت یقینیات قطعیہ سے معارض ہو جائے گی۔ تو یقینیات اپنی جگہ سے نہیں ہلیں گے۔ غیر معصوم کو اپنی جگہ چھوڑنی پڑے گی۔

رد و قبول

نبوت اور سچائی لازم و ملزوم ہیں — نبی کا سب سے بڑا وصف جو قرآن نے بتلایا ہے وہ اس کی سچائی ہے اور اجتناب تفصیل نہیں۔ نبوت ایک سیرت ہے جو صرف سچائی ہی سے بنتی ہے اور صرف سچائی ہی کے سانچے میں ڈھل سکتی ہے ایک نبی کسی بات سے عاجز نہیں ہوتا، مگر اس بات سے کہ وہ جھوٹ بولے۔ جھوٹ اور سچائی کے خلاف جو کچھ ہے خواہ کسی شکل اور کسی وجہ میں ہو نبوت کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتا۔ اگر نبوت ہو گی تو سچائی بھی ہو گی اگر سچائی نہیں ہے تو نبوت بھی نہیں۔ پس انبیاء کرام کی سچائی اور عصمت یقینیات دینیہ و یقینیہ میں سے ہے۔ روایات کی قسموں میں سے کتنی ہی بہتر قسم کی کوئی روایت ہو بہرحال ایک غیر معصوم راوی کی شہادت سے زیادہ نہیں، اور غیر معصوم کی شہادت ایک لمحہ کے لئے بھی یقینیات دینیہ کے مقابلہ میں تسلیم نہیں کی جا سکتی ہمیں مان لینا پڑے گا کہ یہ اللہ کے رسول کا قول نہیں ہو سکتا۔ یقیناً یہاں راویوں سے غلطی ہوئی ہے اور ایسا مان لینے سے نہ تو آسمان پھٹ پڑے گا اور نہ زمین گھوک ہو جائے گی۔

باب میں تفریط — اصل یہ ہے کہ رگوشہ کی طرح اس گوشہ میں بھی متاخرین افراط و تفریط میں پڑ گئے ہیں اور اسی وجہ سے عجیب عجیب الجھاؤ پیش آ رہے ہیں ایک طرف فقہاء حنفیہ ہیں جنہوں نے یہ دیکھ کر کہ صحیح بخاری و مسلم کی مرویات کی زد ان کے مذہب پر پڑ رہی ہے، اس مرکی کوشش شروع کر دی کہ ان دونوں کتابوں کی صحت کی قوت کسی نہ کسی طرح کمزور کی جائے۔ چنانچہ ابن ہمام وغیرہ نے اس طرح کے اصول بنانا شروع کر دئے کہ صحیحین کی ترجیح صحیحین کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ محض ان کی شروط کی وجہ سے ہے پس اگر کسی دوسری کتاب کی روایت بھی ان شرطوں پر اتر آئی تو وقوت میں صحیحین کی روایت کے ہم پلہ ہو جائے گی حالانکہ صحیحین کی ترجیح محض ان کی شروط کی بنا پر نہیں ہے بلکہ "شہرت اور قبول" کی بنا پر ہے اور اس پر تمام امت کا اتفاق ہو چکا ہے۔ دوسری طرف عامۂ اصحاب حدیث ہیں جنہوں نے اس باب میں ٹھیک ٹھیک تقلید کی وہی چادر اوڑھ لی ہے جو فقہا مقلدین کے سروں پر انہوں نے دیکھی تھی اور اسے پارہ پارہ کر دینا چاہا تھا۔ ان کے سامنے جونہی بخاری و مسلم کا نام آجاتا ہے بالکل درماندہ ہو کر رہ جاتے ہیں اور پھر کوئی دلیل و حجت بھی انہیں اس پر نہیں ہلا سکتی کہ اس کی کسی روایت کی

فَإِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِّن تُرَابٍ ثُمَّ مِن نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ مِن مُّضْغَةٍ مُّخَلَّقَةٍ وَغَيْرِ مُخَلَّقَةٍ لِّنُبَيِّنَ
لَكُمْ ۚ وَنُقِرُّ فِي الْأَرْحَامِ مَا نَشَاءُ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ نُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوا أَشُدَّكُمْ ۖ وَمِنكُم
مَّن يُتَوَفَّىٰ وَمِنكُم مَّن يُرَدُّ إِلَىٰ أَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَيْلَا يَعْلَمَ مِن بَعْدِ عِلْمٍ شَيْئًا ۚ وَتَرَى الْأَرْضَ
هَامِدَةً فَإِذَا أَنزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَاءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ وَأَنبَتَتْ مِن كُلِّ زَوْجٍ بَهِيجٍ ۝ ذَٰلِكَ بِأَنَّ ۵
اللَّهَ هُوَ الْحَقُّ وَأَنَّهُ يُحْيِي الْمَوْتَىٰ وَأَنَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝ وَأَنَّ السَّاعَةَ آتِيَةٌ لَّا رَيْبَ فِيهَا ۙ وَ ۶

(۲) پیدائش سے پہلے جنین پر جو مختلف حالتیں طاری ہوتی ہیں ان کی طرف یہاں اشارہ کیا ہے:

"نطفۃ" لغت میں پانی کے ایک قطرہ کو کہتے ہیں چونکہ جنین کی تکوین کا ابتدائی مادہ پانی کے چند قطروں کی طرح ہوتا ہے اس لئے اسے نطفہ کہنے لگے۔

"علقہ" جمے ہوئے خون کے لوتھڑے کو بھی کہتے ہیں اور جونک کو بھی۔

"مضغہ" کے معنی ہیں گوشت کا ایک ٹکڑا۔

"مخلقۃ" یعنی اس ٹکڑے میں شکل و صورت کی نشان کا پیدا ہو جانا۔

"غیر مخلقۃ" بگڑے رہ جانا اور متشکل نہ ہونا۔

پیدائش کے بعد کی تین حالتیں بیان کی ہیں طفولیت رشد و عقل ارذل العمر یعنی بڑھاپے کو عربی میں ارذل العمر کہتے ہیں کیونکہ اس عمر میں آدمی قوتیں جواب دے دیتی ہیں اور طاقت کے بعد بھرکاری درجے بسی کا عہد طاری ہو جاتا ہے۔

اس کے بعد اس کی تشریح واضح کر دی کہ یہ رشد عقل کے بعد پھر طفولیت کی نادانی درجے عقلی کی طرف لوٹ جانا ہے گویا انسان کی عمر طفولیت کی نادانی سے شروع ہوتی ہے اور بتدریج بڑھتے بڑھتے رشد و عقل کے بلوغ و کمال تک پہنچ جاتی ہے اس کمال کے بعد پھر زوال شروع ہو جاتا ہے اور جس حالت سے عمر چلی تھی اسی کی طرف لوٹ آتی ہے۔

نطفہ ہوتا ہے۔ پھر "علقہ" بنتا ہے (یعنی جونک کی طرح کی ایک چیز) پھر متشکل اور غیر متشکل گوشت کا ایک ٹکڑا (یہ اس لئے ہوتا ہے کہ تم پر اپنی قدرت کی کارفرمائیاں) واضح کر دیں پھر دیکھو جس نطفہ کو ہم چاہتے ہیں (تکمیل تک) پہنچائیں) اسے عورت کے رحم میں ایک مقررہ وقت تک ٹھہرائے رکھتے ہیں۔ پھر (جب نطفہ تکمیل کے تمام اندرونی مراتب طے کر لیتا ہے تو) طفولیت کی حالت میں تمہیں باہر نکالتے ہیں۔ پھر تم پر (یکے بعد دیگرے) ایسی حالتیں طاری کرتے ہیں کہ (بالآخر) اپنی جوانی کی عمر کو پہنچ جاتے ہو۔ پھر تم میں کوئی تو ایسا ہوتا ہے جو (بڑھاپے سے پہلے ہی) مر جاتا ہے کوئی ایسا ہوتا ہے جو بڑھاپے تک پہنچتا، اور اس طرح (عمر کی نکمی حالت کی طرف لوٹا دیا جاتا ہے کہ سمجھ بوجھ کا درجہ پا کر پھر نادانی کی حالت میں پڑ جائے۔

اور تم دیکھتے ہو کہ زمین سوکھی پڑی ہے۔ پھر جب اس پر پانی برسا دیتے ہیں تو اچانک لہلہانے اور ابھرنے لگتی ہے۔ ہر قسم کی روئیدگیوں میں سے حسن و خوبی کا منظر آنکھوں کو خیرہ کرنے لگتا ہے۔ ۵

یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ کی ہستی ایک حقیقت ہے اور وہ بلاشبہ مردوں کو زندہ کر دینے پر قادر ہے۔ نیز اس بات کی کہ مقررہ گھڑی آنے والی ہے اس میں کسی طرح کا شبہ نہیں اور ۶

سُوْرَةُ الْحَجِّ

مدنی - ۷۸ آیات

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

۱ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ ۚ اِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيْمٌ ۝ يَوْمَ تَرَوْنَهَا تَذْهَلُ كُلُّ مُرْضِعَةٍ
عَمَّآ اَرْضَعَتْ وَتَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَهَا وَتَرَى النَّاسَ سُكٰرٰى وَمَا هُمْ بِسُكٰرٰى وَلٰكِنَّ عَذَابَ اللّٰهِ
۲-۲ شَدِيْدٌ ۝ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِى اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّيَتَّبِعُ كُلَّ شَيْطٰنٍ مَّرِيْدٍ ۝ كُتِبَ عَلَيْهِ اَنَّهٗ
۴ مَنْ تَوَلَّاهُ فَاَنَّهٗ يُضِلُّهٗ وَيَهْدِيْهِ اِلٰى عَذَابِ السَّعِيْرِ ۝ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنْ كُنْتُمْ فِىْ رَيْبٍ مِّنَ الْبَعْثِ

(۱) سورت کی ابتدا میں قیامت اور قیامت کی ہولناکیوں کی تذکیر سے ہوئی ہے غور کرو، صرف ایک آیت کے اندر اس ہولناک تہدید نے کائنات کی کیسی کامل تصویر کھینچ دی ہے؟

۱ ماں کی محبت سے بڑھ کر طبیعت انسانی کا کوئی علاقہ نہیں اور اس محبت کے جوش کی سب سے زیادہ تیزی اس وقت ہوتی ہے جب بچہ دودھ پیتا ہوتا ہے اور ہر وقت ماں کی چھاتی سے لگا رہتا ہے۔ پس ہولناکی کی شدت کی یہ کس درجہ حقیقی اور فطری تصویر ہے کہ ماؤں کو اپنے دودھ پیتے بچوں تک کا ہوش نہ رہا دہشت میں ایسی بھولی گئیں کہ اپنی گود کے بچوں کو بھول گئیں، جسکی ہولناکی کا یہ حال ہو اس سوڑھ کر طبیعت بشری کیلئے اور کونسی ہولناکی ہو سکتی ہے؟

اس کے بعد فرمایا۔ حاملہ عورتیں کہ ابھی ان کے وضع حمل کا وقت نہیں آیا، شدت ہول سے بے اختیار جنیں گرا دیں گی اور یہ دہشت کی انتہا ہے جسم انسانی پر اس سے زیادہ دہشت کا کوئی اثر نہیں ہو سکتا۔

۲ اور لوگ کس حال میں ہونگے؟ ایسے جیسے متوالے ہو گئے ہوں یہ حالت فی الحقیقت متوالے ہونے کی حالت نہ ہوگی بلکہ ہولناکی کی شدت انہیں مخبوط الحواس کر دے گی!

۳ گذشتہ جنگ میں جب جرمن فوجوں نے بلجیم اور انٹورپ پر گولہ باری کی تھی، تو وہاں کے بہت سے باشندے بالکل پاگل ہو گئے تھے۔ اگر گولہ باری کی ہولناکی کا یہ اثر ہوتا ہے تو اس واقعہ کا اثر کیا ہوگا جس میں اجرام سماویہ ایک دوسرے سے ٹکرا جائینگے۔

۴ لوگو! اپنے پروردگار (کے عذاب سے) ڈرو یقین کرو۔ آنے والی گھڑی کا بھونچال بڑا ہی سخت واقعہ ہوگا! جس دن وہ تمہارے سامنے آموجود ہوگی اس دن (کسی کو کسی کا ہوش نہیں رہے گا) دودھ پلانے والی مائیں اپنا دودھ پیتا بچہ بھول جائیں گی حاملہ عورتیں (وقت سے پہلے) اپنا حمل گرا دینگی۔ لوگوں کو تم اس حال میں دیکھو گے کہ بالکل متوالے ہو گئے حالانکہ وہ متوالے نہیں ہونگے مگر اللہ کے عذاب کی ہولناکی بڑی ہی ہولناک ہے (جس نے انہیں متوالوں کی طرح بے ہوش کر دیا!)

اور (دیکھو) کچھ لوگ ایسے ہیں جو اللہ کے بارے میں جھگڑتے ہیں اور ان کے پاس کوئی علم نہیں وہ ہر سرکش شیطان کے پیچھے ہو لیتے ہیں۔

شیطان کے لئے یہ بات لکھ دی گئی ہے کہ جو کوئی اس کا رفیق ہوا، وہ فرور اسے گمراہی میں ڈالیگا اور عذاب جہنم تک پہنچا کر رہے گا۔

لوگو! اگر تمہیں اس بارے میں شک ہے کہ آدمی (دوبارہ) جی اٹھے گا، تو (اس بات پر غور کرو) ہم نے تمہیں (کس چیز سے) پیدا کیا (؟ مٹی سے۔ پھر (تمہاری پیدائش کا سلسلہ کس طرح جاری ہوا؟) اس طرح کہ پہلے

إِنَّ اللَّهَ يُدْخِلُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ إِنَّ اللَّهَ يَفْعَلُ مَا
يُرِيدُ ۝ مَن كَانَ يَظُنُّ أَن لَّن يَنصُرَهُ اللَّهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ فَلْيَمْدُدْ بِسَبَبٍ إِلَى السَّمَاءِ ۱۴
ثُمَّ لْيَقْطَعْ فَلْيَنظُرْ هَلْ يُذْهِبَنَّ كَيْدُهُ مَا يَغِيظُ ۝ وَكَذَٰلِكَ أَنزَلْنَاهُ آيَاتٍ بَيِّنَاتٍ وَأَنَّ اللَّهَ يَهْدِي ۱۵
مَن يُرِيدُ ۝ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَادُوا وَالصَّابِئُونَ وَالنَّصَارَىٰ وَالْمَجُوسَ وَالَّذِينَ أَشْرَكُوا ۱۶
إِنَّ اللَّهَ يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ ۝ أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ يَسْجُدُ لَهُ ۱۷

یہاں آیت (۱۱) میں بھی حقیقت واضح کی ہے فرمایا کچھ لوگ ایسے ہیں جو اللہ کی بندگی تو کرتے ہیں مگر اس طرح کہ دل میں جما ؤ نہیں ہے اور ایمان کی بنیاد یقین پر نہیں ہے۔ زندگی کے عارضی اور وقتی حالات پر ہے اگر آرام و خوشحالی کی کوئی بات میسر آگئی تو مطمئن ہو گئے بر مصیبت پیش آگئی تو الٹ گئے۔ ایسا آدمی نہ تو دنیا کی زندگی میں کامیاب ہو سکتا ہے نہ آخرت میں کیونکہ بنا کامیابی یقین اور امید ہے جو اس روح سے محروم رہا، وہ دونوں جگہ نامراد ہوگا، اور زندگی کی سب سے نمایاں نامرادی یہی ہے!

پھر فرمایا۔ زندگی کی ذرا سی مصیبت بھی انہیں اللہ کی طرف سے ہٹا کر دوسری چوکھٹوں پر گرا دیتی ہے۔ جہاں نہ ان کے لئے نفع ہے نہ نقصان۔ اور گمراہی میں سب سے زیادہ گہری گمراہی یہی ہے!

جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل بھی کئے تو فرد اللہ نہیں ایسے باغوں میں پہنچا دے گا جن کے تلے نہریں بہہ رہی ہونگی (اور اس لئے وہ کبھی خشک ہونے والے نہیں)
اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے (وہ مالک مختار ہے!) ۱۴
جو آدمی (یا ہو سکتا ہے کہ) ایسا خیال کر بیٹھتا ہے کہ اللہ دنیا اور آخرت میں اسکی مدد کرنے والا نہیں تو اس کے لئے زندگی کی کوئی راہ باقی نہ رہی اسے چاہئے کہ ایک رسی چھت تک لیجا کر باندھ دے اور اس میں گردن لٹکا کر (زمین سے) رشتہ کاٹ لے پھر دیکھئے اس

تدبیر نے اس کا غم و غصہ دور کر دیا یا نہیں؟ ۱۵

(۵) آیت (۱۱) پر غور کرو۔ انسانی زندگی کی گمراہیوں کی کبھی کبھی تصویر ہے کہ کتنے ہی آدمی ہیں جو بظاہر خدا پرستی کے دعوے ہیں کسی سے پیچھے نہیں ہوتے لیکن جہاں زندگی کے کسی الجھاؤ میں پڑے اور وہ حسب خواہش دور نہیں ہوا، معاً انہوں نے خدا سے منہ موڑ لیا، اور گویا یوں سے اقرار کر لیا کہ ان کی امداد کی طاقت ہی نہیں ہو سکتی ہے کہ اب حاجت براری کے لئے دوسرے آستانے ڈھونڈنے چاہئیں۔ چنانچہ جونہی کھٹ سے نظر آیا کہ اس کی فوراً جھک جائینگے اور اسے اپنا بندگی دیا کا کعبہ بنا لینگے۔ قرآن کہتا ہے: ذٰلِكَ هُوَ الضَّلَالُ الْبَعِيدُ یہی گمراہی کی سب سے گہری حالت ہے!

آیت (۱۱) میں فرمایا وہ ایسی رسیوں کو پکڑنے لگتے ہیں جن کے نفع سے زیادہ ان کا نقصان اقرب ہے یعنی اگر وہ ذرا بھی سمجھ بوجھ سے کام لیں تو دیکھ لیں کہ ان سے نفع پہنچنے کے لئے تو کوئی دلیل موجود نہیں، لیکن نقصان سر پر جا پہنچا ہے

اور دیکھو اس طرح ہم نے یہ کلام روشن دلیلوں کی شکل میں اتارا، اور اس لئے اتارا کہ اللہ جسے چاہتا ہے (کامیابی کی) راہ پر لگا دیتا ہے! ۱۶
جو لوگ ایمان لائے (یعنی مسلمان) جو یہودی ہوئے جو صابی ہیں، جو نصاریٰ ہیں، جو مجوسی ہیں، جو مشرک ہیں، قیامت کے دن ان سب کے درمیان اللہ فیصلہ کرے گا (اور ان کے اعمال کی حقیقت ظاہر ہو جائیگی) ۱۷
اللہ سے کوئی بات بھی نہیں وہ سب کچھ دیکھ رہا ہے!
کیا تم نہیں دیکھتے کہ جو کوئی بھی آسمانوں میں ہے اور جو کوئی بھی زمین میں ہے نیز سورج، چاند، ستارے، پہاڑ، درخت

۷ اَنَّ اللّٰهَ يَبْعَثُ مَنْ فِي الْقُبُوْرِ ۝ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّلَا هُدًى وَّلَا كِتٰبٍ
۸ مُّنِيْرٍ ۝ ثَانِيَ عِطْفِهٖ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ لَهٗ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ وَّنُذِيْقُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَذَابَ
۹ الْحَرِيْقِ ۝ ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ يَدٰكَ وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ۝ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّعْبُدُ اللّٰهَ
۱۰ عَلٰي حَرْفٍ ۚ فَاِنْ اَصَابَهٗ خَيْرُۨ اطْمَاَنَّ بِهٖ ۚ وَاِنْ اَصَابَتْهُ فِتْنَةُۨ انْقَلَبَ عَلٰي وَجْهِهٖ ۚ خَسِرَ الدُّنْيَا
۱۱ وَالْاٰخِرَةَ ۭ ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ ۝ يَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهٗ وَمَا لَا يَنْفَعُهٗ ۭ ذٰلِكَ
۱۲-۱۳ هُوَ الضَّلٰلُ الْبَعِيْدُ ۝ يَدْعُوْا لَمَنْ ضَرُّهٗٓ اَقْرَبُ مِنْ نَّفْعِهٖ ۭ لَبِئْسَ الْمَوْلٰى وَلَبِئْسَ الْعَشِيْرُ ۝

۷ اس کی کہ اللہ ضرور انہیں اٹھا کھڑا کرے گا جو قبروں میں پڑ گئے (یعنی مر گئے)
اور دیکھو کچھ لوگ ایسے ہیں کہ نہ تو ان کے پاس علم کی کوئی روشنی ہے نہ کسی طرح کی رہنمائی، نہ کوئی کتاب
۸ روشن، مگر گھمنڈ کرتے ہوئے اللہ کے بارے میں جھگڑا کرتے ہیں تاکہ لوگوں کو اس کی راہ سے بھٹکا دیں۔ ایسے آدمی
۹ کے لئے دنیا کی زندگی میں بھی رسوائی ہے اور قیامت کے دن بھی ہم اُسے عذابِ آتش کا مزہ چکھائیں: "یہ
اس کا نتیجہ ہے جو خود تیرے ہاتھوں نے پہلے سے مہیا کر رکھا تھا۔ اور اللہ تو اپنے بندوں کے لئے کبھی ظالم
۱۰ نہیں ہو سکتا۔"

(۳) قرآن نے جا بجا انسان کی ایک ذہنی حالت کو "جدال فی اللہ بغیر علم" سے تعبیر کیا ہے۔ تشریح اس کی آخری نوٹ میں ملے گی۔

(۴) قرآن نے ہر جگہ یہ حقیقت واضح کی ہے کہ ایمان امید اور یقین ہے اور کفر شک اور مایوسی ہے اور وہ بار بار اس بات پر زور دیتا ہے کہ مایوس نہ ہو۔ امید کا چراغ روشن رکھو۔ ہر حال میں امیدوار فضل و سعادت رہو۔ یہی مقتضیٰ ایمان ہے۔ یہی سرچشمہ
۱۱ زندگی ہے اسی سے تمام دنیوی اور اخروی کامرانیوں کی درست حاصل ہو سکتی ہے۔ اگر مایوس ہو گئے اگر مایوسی کی پرچھائیں بھی دل پر پڑنے دی تو پھر یہ زندگی کا خاتمہ ہوگا۔ دنیا کی نامرادی ہوگی عاقبت کا خسران ہوگا!

۱۲ وہ کہتا ہے زندگی امید ہے اور موت مایوسی۔ جونہی تم نے امید کی شمع جلائی زندگی و سعادت کے دائرہ میں آ گئے۔ جونہی یہ شمع بجھ گئی موت اور نامرادی کی ظلمت میں گر گئے!

غور کرو۔ قرآن جو کچھ کہتا ہے کیا اس کے علاوہ بھی کچھ اس
۱۳ بارے میں کہا جا سکتا ہے؟ کیا انسانی زندگی کی ساری کامرانیوں اور فتحمندیوں کی اصل و اساس امید ہی نہیں ہے؟ اور کیا نا امیدی سے بڑھ کر کوئی موت کا سرچشمہ ہو سکتا ہے!

اور دیکھو) کچھ لوگ ایسے ہیں کہ اللہ کی بندگی تو کرتے ہیں مگر دل کے جماؤ سے نہیں[۱]۔ اگر انہیں کوئی فائدہ پہنچ گیا تو مطمئن ہو گئے اگر کوئی آزمائش آ گئی تو اُلٹے پاؤں اپنی (کفر کی) حالت پر لوٹ پڑے وہ دنیا میں بھی نامراد ہوئے اور آخرت میں بھی اور یہی ہے جو آشکارا نامرادی ہے

وہ اللہ کے سوا ان چیزوں کو (اپنی حاجت روائی کیلئے) پکارتے ہیں جو نہ تو انہیں نقصان پہنچا سکتی ہیں نہ نفع یہی گمراہی ہے جسے سب سے زیادہ گہری گمراہی سمجھنا چاہئے!

وہ ایسی ہستی کو پکارتے ہیں جس کے نفع سے زیادہ اس کا نقصان قریب تر ہے (یعنی واضح و آشکارا ہے) سو کیا ہی بُرا کارساز ہوا، اور کیا ہی بُرا ساتھی۔

[۱] الحرف الرکب۔ اصلہ من حرف الشیٔ وہو طرفہ۔ شبہ حرف الجبل والحائط من القائم علیہ فیر مستقر۔

الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ یُحَلَّوْنَ فِیْهَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَّلُؤْلُؤًا ۚ وَلِبَاسُهُمْ
فِیْهَا حَرِیْرٌ ۝ وَهُدُوْٓا اِلَى الطَّیِّبِ مِنَ الْقَوْلِ ۚ وَهُدُوْٓا اِلٰى صِرَاطِ الْحَمِیْدِ ۝ اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَیَصُدُّوْنَ ۲۳ - ۲۴
عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ الَّذِیْ جَعَلْنٰهُ لِلنَّاسِ سَوَآءَ ِۨ الْعَاكِفُ فِیْهِ وَالْبَادِ ۭ وَمَنْ یُّرِدْ فِیْهِ
بِاِلْحَادٍۢ بِظُلْمٍ نُّذِقْهُ مِنْ عَذَابٍ اَلِیْمٍ ۝ وَاِذْ بَوَّاْنَا لِاِبْرٰهِیْمَ مَكَانَ الْبَیْتِ اَنْ لَّا تُشْرِكْ بِیْ ۲۵ ع ۳
شَیْـــًٔا وَّطَهِّرْ بَیْتِیَ لِلطَّاۗىِٕفِیْنَ وَالْقَاۗىِٕمِیْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ۝ وَاَذِّنْ فِی النَّاسِ بِالْحَجِّ ۲۶
یَاْتُوْكَ رِجَالًا وَّعَلٰى كُلِّ ضَامِرٍ یَّاْتِیْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ

کی جگہ سونے کے کنگن اور موتیوں کے ہار پہنائے جائیں گے، اور لباس ان کا ریشمی ہوگا۔ انہیں باتوں میں سے ایسی بات کی رہنمائی ملی جو نہایت پاکیزہ ہے، انہی راہوں میں سے ایسی راہ پر چلایا گیا جس کی ستائش کی گئی! ۲۳ ۲۴

جن لوگوں نے کفر کی راہ اختیار کی، اور جو اللہ کی راہ سے لوگوں کو روکتے ہیں، نیز مسجد حرام سے جسے ہم نے بلا امتیاز تمام انسانوں کے لئے (عبادت گاہ) ٹھہرایا ہے خواہ وہاں کے رہنے والے ہوں یا باہر سے آنے والے (تو انہیں یاد رکھنا چاہئے کہ ہم انہیں) اور ہر اس آدمی کو جو اس میں از راہ ظلم حق سے منحرف ہونا چاہے گا، عذاب دردناک کا مزہ چکھائینگے۔ ۲۵

اور (وہ وقت یاد کرو) جب ہم نے ابراہیم کے لئے خانۂ کعبہ کی جگہ مقرر کردی (اور حکم دیا) کہ میرے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کر، اور میرا یہ گھر ان لوگوں کے لئے پاک رکھ جو طواف کرنے والے ہوں، عبادت میں سرگرم رہنے والے ہوں، رکوع و سجود میں جھکنے والے ہوں۔ اور (حکم دیا تھا کہ) لوگوں میں حج کا اعلان پکار دے۔ لوگ تیرے پاس دنیا کی تمام دور دراز راہوں سے آئینگے پاپیادہ اور ہر طرح کی سواریوں پر جو مشقتِ سفر سے تھکی ہوئی ہونگی وہ اس لئے آئینگے کہ اپنے فائدہ پانے کی جگہ میں حاضر ۲۶

(۷) اس کے بعد آیت (۱۸) میں فرمایا کہ دنیا دار العمل ہے اور ہر فرد اور گروہ اس کے اعمال و عمل کے مطابق بدلہ پائے گا۔ یہاں حقیقت کا فیصلہ نہیں ہوتا کیونکہ آنکھوں کے آگے پردے پڑے ہیں، لیکن قیامت کے دن تمام پردے اٹھ جائینگے، اور سب دیکھ لینگے کہ اللہ کا فیصلہ حق کیا ہوتا ہے۔ چنانچہ مسلمانوں کے علاوہ ان مذہبی گروہوں کا بھی ذکر کیا جو عرب اور عرب کے جوار میں موجود تھے۔

یہودی، صابی، مجوس اور مشرک یعنی عرب کے بت پرست

آیت (۱۹) نے واضح کردیا کہ قرآن کے مروجہ ابناءِ حق کی حقیقت کیا ہے، فرمایا کائنات ہستی میں جس قدر مخلوق ہے سب اللہ کے احکام و قوانین کے آگے جھکی ہوئی ہے۔ اجرام سماوی سے لے کر ذرّوں اور تیروں تک کوئی چیز نہیں جس کے لئے اس نے احکام و قوانین نہ ٹھہرائے ہوں، اور ان کے مطابق ان کی ہستی کا کارخانہ نہ چل رہا ہو۔ پھر اگر یہاں درخت کے ایک پتہ اور پہاڑ کی ایک چٹان کے لئے بھی کسی کے ٹھہرائے ہوئے احکام ہیں۔ تو کیا انسان کے لئے نہیں ہونگے جو کرۂ ارضی کے تمام سلسلۂ خلقت کا حاصل اور تمام کارخانۂ تخلیق و تکمیل کا آخرین مظہر ہے؟ اور اگر سب کی ہستی دقیقاً اس پر موقوف ہوئی کہ احکام حق کے آگے سر بسجود رہیں، تو کیا انسان کی ہستی و سعادت کے لئے ایسا ہونا فرض نہیں؟

اس آیت کے اسلوب بیان پر غور کرو انسان کو مخلوقات ہستی کی دیگر صنفوں سے الگ کھڑا نہیں کیا ہے، بلکہ ایک ہی سلسلہ میں سب کا ذکر کیا ہے: والنجم والشجر یسجدان۔ والجبال والشجر والدواب، وکثیر من الناس یعنی اس اعتبار سے

مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالنُّجُوْمُ وَالْجِبَالُ وَالشَّجَرُ وَالدَّوَآبُّ وَ
كَثِيْرٌ مِّنَ النَّاسِ ۭ وَكَثِيْرٌ حَقَّ عَلَيْهِ الْعَذَابُ ۭ وَمَنْ يُّهِنِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ مُّكْرِمٍ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يَشَاۗءُ ۝ ع ۱۸
هٰذٰنِ خَصْمٰنِ اخْتَصَمُوْا فِيْ رَبِّهِمْ ۡ فَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا قُطِّعَتْ لَهُمْ ثِيَابٌ مِّنْ نَّارٍ يُّصَبُّ مِنْ فَوْقِ ۱۹
رُءُوْسِهِمُ الْحَمِيْمُ ۝ يُصْهَرُ بِهٖ مَا فِيْ بُطُوْنِهِمْ وَالْجُلُوْدُ ۝ وَلَهُمْ مَّقَامِعُ مِنْ حَدِيْدٍ ۝ كُلَّمَآ اَرَادُوْٓا ۲۱
اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَا مِنْ غَمٍّ اُعِيْدُوْا فِيْهَا ۠ وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ ۝ اِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا ع ۲۲

واضح اور آشکار ہے۔ کون نقصان، ایمان و عقل کا نقصان اگر ایک انسان اپنے ہی جیسی عاجز و محتاج ہستی کو حاجت روائی کے لئے پکارتا ہے، تو حاجت پوری ہو یا نہ ہو، لیکن اس کے ایمان و عقل کا تو فوراً خاتمہ ہو ہی گیا۔ اس نے سچائی اور حقیقت سے منہ موڑا۔ نجات و سعادت کی راہ اپنے اوپر بند کر لی۔ یہ تو ہوا فوری نقصان باقی رہا نفع، تو اس کے لئے دور دور تک کوئی موجود نہیں بعض اوہام و ظنون ہیں جو اسے ان جھوٹوں پر گرا رہے ہیں! پس نقصان یقینی اور فوری ہوا، اور نفع محض ظنون و موہوم!

(۶) آیت (۱۵) پچھلے بیانات کا خلاصہ ہے۔ فرمایا جس انسان نے امید و یقین کی جگہ شک و مایوسی کی راہ اختیار کی خواہ دنیا کی زندگی کے لئے ہو خواہ آخرت کے لئے اسے کچھ بننا چاہئے کہ آپ اسے زندہ رہنے کا کوئی حق نہیں ایسے آدمی کے لئے موت ہی چارۂ کار رہ جاتا ہے کہ گلے میں پھندا ڈالے اور زندگی ختم کر ڈالے!

سبحان اللہ! انسانی زندگی کے تمام مسائل اس ایک آیت نے حل کر دیئے۔ زندگی امید اور سعی ہے موت مایوسی اور ترک سعی ہے پس اگر ایک بدبخت نے یہ فیصلہ کر لیا کہ خدا کے پاس اس کے لئے کچھ نہیں۔ دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ تو پھر اس کے لئے باقی کیا رہا؟ کیا ہے جس کے سہارے وہ زندہ رہ سکتا ہے؟ اور زندہ ہے تو کیوں زندہ ہے؟

لیکن نہیں ایمان نام ہی امید کا ہے اور مومن وہ ہے جو مایوسی سے کبھی آشنا نہیں ہو سکتا۔ اس کا ذہن ہی فراخ کسی چیز یہ بھی اتنا بیگانہ نہیں جس قدر مایوسی سے زندگی کی مشکلیں اسے کتنا ہی اکتا دیں، لیکن وہ پھر ہنسی کرے گا۔ ٹھوکروں اور گمراہیوں کا ہجوم اسے کتنا ہی گھیر لے لیکن وہ پھر توبہ کرے گا۔ نہ تو دنیا کی کامیابی سے وہ مایوس ہو سکتا ہے نہ آخرت کی نجات سے وہ جانتا ہے کہ مایوسی موت ہے اور آخرت کی مایوسی شقاوت۔ وہ دونوں جگہ رحمت الٰہی کو دیکھتا اور اسی بخشش پر یقین رکھتا ہے کہ لا تقنطوا من رحمۃ اللہ۔ ان اللہ یغفر الذنوب جمیعا انہ ہو الغفور الرحیم!

(۵۳:۳۹)

چارپائے، سب اللہ کے آگے سربسجود ہیں؟ اور کتنے ہی انسان بھی؟ ہاں بہت سے انسان ایسے بھی کہ ان پر عذاب کی بات ثابت ہو گئی اور جس کسی کو اللہ ذلت میں ڈالے تو پھر کوئی نہیں جو اسے عزت دینے والا ہو وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔

(دیکھو) یہ دو مخالف فریق ہیں جو اپنے پروردگار کے بارے میں ایک دوسرے سے مخالف باتیں کہتے ہیں ان میں سے جنہوں نے کفر کی راہ اختیار کی ان کے لئے آگ کا پہناوا قطع کر دیا گیا۔ ان کے سروں پر کھولتا ہوا پانی انڈیلا جائے گا۔ اس (کی گرمی کی شدت) سے جو کچھ ان کے شکم میں ہے جل کر گل اٹھے گا۔ ان کے جسم کے چمڑے کا بھی یہی حال ہو گا نیز ان کی روک تھام کے لئے لوہے کے گرز ہونگے جب بھی (عذاب کے) دکھ سے بیقرار ہو کر نکلنا چاہیں گے تو اسی میں لوٹا دیئے جائیں گے کہ اب نکلتے کیوں ہو؟ عذاب سوزاں کا مزہ چکھو!"

جو فریق ایمان لایا اور نیک عمل ہوا تو یقیناً اللہ اسے (نعیم ابدی کے) باغوں میں داخل کرے گا۔ ان کے تلے نہریں بہہ رہی ہیں (اس لئے ان کی بہار کبھی ختم ہونے والی نہیں) انہیں وہاں (آگ کے پہناوے

وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ ۝ لَكُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ مَحِلُّهَآ ۳۲
اِلَى الْبَيْتِ الْعَتِيْقِ ۝ وَلِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا لِّيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْ بَهِيْمَةِ ۳۳
الْاَنْعَامِ ۭ فَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَلَهٗٓ اَسْلِمُوْا ۭ وَبَشِّرِ الْمُخْبِتِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ ۳۴
قُلُوْبُهُمْ وَالصّٰبِرِيْنَ عَلٰي مَآ اَصَابَهُمْ وَالْمُقِيْمِي الصَّلٰوةِ ۙ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝ ۳۵
وَالْبُدْنَ جَعَلْنٰهَا لَكُمْ مِّنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ لَكُمْ فِيْهَا خَيْرٌ ۔

ہے، وہ صرف یا ستندگان مکہ ہی کے لئے نہیں بنایا گیا ہے، تمام انسانوں کے لئے بنایا گیا ہے، کسی انسان کو حق نہیں کہ اس کا دروازہ عبادت گزاروں پر بند کردے۔

اس کے بعد آیت (۲۶ سے ۲۹) تک سے واضح کیا ہے کہ جب حضرت ابراہیم نے اس عبادت گاہ کی بنیاد رکھی تو کیا مقاصد ان کے پیش نظر تھے اور وحی الٰہی نے کس راہ کی تلقین کی تھی؛ اور پھر حج کا اعلان کیا گیا، تو اس کے بنیادی اعمال و مقاصد کیا کیا تھے؟ اور کس طرح وحی الٰہی نے اس کی رہنمائی کی تھی؟ خلاصہ ان کا یہ ہے کہ:

(ا) توحید کا اعتقاد۔

(ب) عبادت گزاران حق کے لئے معبد کی تطہیر۔

(ج) حج کا اجتماع تاکہ اس کے گوناگوں منافع سے لوگ مستفید ہوں اور معین ایام میں ذکر الٰہی کا ولولہ تازہ ہوتا رہے

(د) جو لوگ اس موقعہ پر جمع ہوں، جانوروں کی قربانیاں کریں اور محتاجوں کے لئے غذا کا سامان ہو۔

پس جس مرکز عبادت کا قیام اول دن سے ان مبادی و مقاصد کے لئے ہوا ہے، کیونکر جائز ہو سکتا ہے کہ قریش مکہ اس کے مالک بن بیٹھیں اور جنہیں چاہیں وہاں آنے دیں جنہیں چاہیں روک دیں۔

(۱۰) ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ آیت (۲۶) سے (۲۷) تک جو کچھ بیان کیا گیا ہے، یہ سب ان احکام کی حکایت ہے جو حضرت ابراہیم کو دئے گئے تھے، لیکن عام طور پر مفسروں نے

نے اللہ کی نشانیوں کی عظمت مانی، تو اس نے ایسی بات مانی جو فی الحقیقت دلوں کی پرہیزگاری کی باتوں میں سے ہے۔ ۳۲

ان (چارپایوں) میں ایک مقررہ وقت تک تمہارے لئے (طرح طرح کے) فائدے ہیں۔ پھر (اس) خانۂ قدیم تک پہنچا کر ان کی قربانی کرنی ہے۔ ۳۳

اور (دیکھو) ہر امت کے لئے ہم نے عبادت کا ایک طور طریقہ ٹھہرا دیا کہ ہمارے دئے ہوئے پالتو چارپائے ذبح کرے تو اللہ کا نام یاد کرے۔ پس (یاد رکھو) تمہارا معبود وہی ایک معبود یگانہ ہے (اور جب اس کے سوا کوئی نہیں تو چاہئے کہ) اسی کے آگے فرمانبرداری کا سر جھکا دو!

اور (اے پیغمبر!) عاجزی اور نیازمندی کرنے والے بندوں کو (کامرانی و سعادت کی) خوشخبری دیدو۔ ان (نیازمندان حق) کو جن کے سامنے اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے دل لرز اٹھتے ہیں، جو ہر طرح کی مصیبتوں میں صبر کرنے والے ہیں، جو نماز کے پڑھنے اور درستگی میں کوشاں رہتے ہیں، جو اس رزق میں سے کہ اللہ نے دے رکھی ہے (نیک کاموں کی راہ میں) خرچ کرتے رہتے ہیں! ۳۴

اور (دیکھو قربانی کے یہ) اونٹ (جنہیں دور دور سے حج کے موقعہ پر لایا جاتا ہے) تو ہم نے اسے ان چیزوں ۳۵

آخری حصہ کو براہ راست خطاب قرار دیا ہے بہرحال دونوں صورتوں میں یہ تمام تفصیلات اسی بات کی شرح ہیں کہ جعلناہ للناس، سواء العاکف فیہ والباد۔ یعنی یہ عبادت گاہ صرف باشندگان مکہ ہی کے لئے نہیں بنائی گئی ہے بلکہ

عَمِيقٍ ۝ لِّيَشْهَدُوا مَنَافِعَ لَهُمْ وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْلُوْمٰتٍ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْۢ بَهِيْمَةِ ۲۷
الْاَنْعَامِ ۚ فَكُلُوْا مِنْهَا وَاَطْعِمُوا الْبَآئِسَ الْفَقِيْرَ ۝ ثُمَّ لْيَقْضُوْا تَفَثَهُمْ وَلْيُوْفُوْا نُذُوْرَهُمْ وَلْيَطَّوَّفُوْا ۲۸
بِالْبَيْتِ الْعَتِيْقِ ۝ ذٰلِكَ ۚ وَمَنْ يُّعَظِّمْ حُرُمٰتِ اللّٰهِ فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ۗ وَاُحِلَّتْ لَكُمُ الْاَنْعَامُ ۲۹
اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوْا قَوْلَ الزُّوْرِ ۝ حُنَفَآءَ لِلّٰهِ غَيْرَ مُشْرِكِيْنَ ۳
بِهٖ ۚ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَكَاَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَآءِ فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ اَوْ تَهْوِيْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ مَكَانٍ سَحِيْقٍ ۝ ذٰلِكَ ۳۱

۲۷ سب ایک ہی صف میں ہیں۔ انسان کا گوشہ عام سلسلہ قوانین فطرت سے کوئی الگ گوشہ نہیں ہے۔ جس طرح سورج چاند، ستارے نباتات، جمادات احکام فطرت کے آگے سربسجود ہیں، اسی طرح صحیح الفطرت انسانوں کے بھی سر جھکے ہوئے ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ یہاں حقیقت کی راہ عمل صرف یہی ہے:

۲۸ یہ مقام مہمات معارف قرآنی میں سے ہے اور صرف اس ایک آیت کی تفسیر میں پوری ایک کتاب لکھی جا سکتی ہے۔

اس کے بعد فرمایا: کتب یوحق علیہ العذاب۔ بہت سے انسان ایسے ہیں جو اس دائرہ اطاعت سے باہر ہو جاتے ہیں

۲۹ اس لئے ان پر تعذیب کا قانون لازم آ جاتا ہے۔ ومن یہن اللہ فمالہ من مکرم۔ اور جس کسی پر اللہ کے قانون تذلیل کی مہر لگ گئی تو پھر کوئی نہیں جو اسے سربلند کر سکے:

(۸) آیت (۱۹) میں فرمایا دین کے کتنے ہی جتھے بن گئے ہوں، مگر راہیں صرف دو ہی ہیں، اور دو ہی منزلوں پر ختم ہوتی ہیں۔ ایک منکروں کی ہے ایک مومنوں کی ہے پہلی انکار یا یوسی اور بدعملی کی راہ ہے۔ دوسری ایمان امید اور نیک

جائیں، اور ہم نے جو چارپائے ان کے لئے مہیا کر دئے ہیں، ان کی قربانی کرتے ہوئے مقررہ دنوں میں اللہ کا نام لیں۔ پس قربانی کا گوشت خود بھی کھاؤ اور بھوکے فقیر کو بھی کھلاؤ۔ پھر قربانی کے بعد وہ اپنے جسم و لباس کا میل کچیل دور کر دیں (یعنی احرام اتار دیں) نیز اپنی نذریں پوری کریں اور اس خانۂ قدیم (یعنی خانہ کعبہ) کے گرد پھیرے پھر لیں"۔

تو دیکھو (حج کی آیات یوں ہوئی۔ اور جو کوئی اللہ کی ٹھہرائی ہوئی حرمتوں کی عظمت مانے تو اس کے لئے اس کے پروردگار کے حضور بڑی ہی بہتری ہے۔ اور (یہ بات بھی یاد رکھو کہ) ان جانوروں چھوڑ کر جن کا حکم قرآن میں سنا دیا گیا ہے، تمام چارپائے تمہارے

۳۰ لئے حلال کئے گئے ہیں۔ پس چاہئے کہ بتوں کی ناپاکی سے بچتے رہو۔ نیز جھوٹ بولنے سے صرف اللہ ہی کے لئے ہو کر رہو۔ اس کے ساتھ کسی ہستی کو شریک نہ کرو۔ جس کسی نے اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرایا، تو اس کا حال ایسا سمجھو جیسے بلندی سے اچانک نیچے گر پڑا۔ جو چیز اس طرح گرے گی اسے یا تو کوئی اچک لے گا، یا ہوا کا جھونکا کسی دور دراز گوشہ میں لے جا کر پھینک دے گا:

(حقیقت حال) یہ ہے، پس (یاد رکھو) جس کسی

علی کی۔ پہلی کو بالآخر عذاب کی منزل پر پہنچنا ہے۔ دوسری کو قیم و سرور ابدی پر۔ انہی راہوں پر چلنے والوں کو خاصمان اختصموا فی ربھم سے تعبیر کیا۔

(۹) اس کے بعد آیت (۲۵) سے سلسلۂ بیان کعبہ کی طرف متوجہ ہو گیا ہے۔ یہ گویا اذن عام کی تمہید ہے جو آیت (۲۹) میں آنے والا ہے۔ فرمایا۔ یہ صرف کعبہ ہی پر تالے

۳۱ نہیں ہے بلکہ ظلم و تشدد پر اتر آئے یہ مسجد حرام کا اپنے کو مالک سمجھتے ہیں، اور جسے چاہتے ہیں وہاں آنے اور عبادت کرنے سے روک دیتے ہیں۔ حالانکہ وہ انسان کے لئے معبد

الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِن دِيَارِهِم بِغَيْرِ حَقٍّ إِلَّا أَن يَقُولُوا رَبُّنَا اللَّهُ ۗ وَلَوْلَا دَفْعُ اللَّهِ النَّاسَ بَعْضَهُم
بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَصَلَوَاتٌ وَمَسَاجِدُ يُذْكَرُ فِيهَا اسْمُ اللَّهِ كَثِيرًا ۗ وَلَيَنصُرَنَّ اللَّهُ مَن
يَنصُرُهُ ۗ إِنَّ اللَّهَ لَقَوِيٌّ عَزِيزٌ ۝ الَّذِينَ إِن مَّكَّنَّاهُمْ فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ وَأَمَرُوا ۴۰
بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنكَرِ ۗ وَلِلَّهِ عَاقِبَةُ الْأُمُورِ ۝ وَإِن يُكَذِّبُوكَ فَقَدْ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ ۴۱
قَوْمُ نُوحٍ وَعَادٌ وَثَمُودُ ۝ وَقَوْمُ إِبْرَاهِيمَ وَقَوْمُ لُوطٍ ۝ وَأَصْحَابُ مَدْيَنَ ۖ وَكُذِّبَ مُوسَىٰ فَأَمْلَيْتُ ۴۲-۴۳

(۱۲) آیت (۳۸) اور (۳۹) میں مسلمانوں کو اجازت دی ہے کہ وہ اپنے دفاع میں اب ہتھیار اٹھا سکتے ہیں بالاتفاق یہ پہلی آیت ہے جو اذن قتال کے بارے میں نازل ہوئی۔

اس سے پہلے قریش مکہ کا یہ ظلم بیان کر دیا تھا کہ انہوں نے مسلمانوں پر حج کی راہ بند کر دی ہے جس کا انہیں کوئی حق نہیں ہے یہاں صاف صاف لفظوں میں واضح کر دیا کہ جواز قتال کی علت کیا ہے؟ فرمایا ما بانھم ظلموا۔ اس لئے کہ مسلمان مظلوم ہیں اور مظلوم کا حق ہے کہ ظالم کے مقابلہ میں اپنا بچاؤ کرے۔

یہ مظلوم تیرہ برس تک قریش مکہ کے ظلم و تشدد کا نشانہ رہے، بالآخر اپنی وطن پر بھی چھوڑنے پر مجبور ہوئے لیکن ہجرت میں بھی چین سے بیٹھنے نہ دیا گیا۔ ان کے خلاف جنگ کا اعلان کر دیا گیا۔ آخر ان کا قصور کیا تھا؟ صرف یہ کہ یقولوا ربنا اللہ وہ کہتے تھے ہم اپنے یقین کے مطابق اپنے پروردگار کو یاد کرنا چاہتے ہیں ہم دوسروں کو مجبور نہیں کرتے کہ ہمارا اعتقاد تسلیم کریں۔ لیکن دوسرے ہمیں کیوں مجبور کرتے ہیں کہ اپنے اعتقاد سے دست بردار ہو جائیں؟

اس کے بعد واضح کیا کہ یہ مظلوموں کا قدرتی حق ہے۔ اگر وہ اس حق سے محروم کر دئے جائیں تو دنیا میں انسانی ظلم و استبداد کی مدافعت کا کوئی سامان باقی نہ رہے جس گروہ کی بن پڑے دوسرے گروہ کے اعتقاد و عمل کی آزادی ہمیشہ کے لئے پامال کر دے۔ چنانچہ فرمایا یہاں اللہ نے ایک جماعت کے ہاتھوں دوسری جماعت کے ظلم و تشدد کو دفع کرانے کا نظام قائم کر رکھا ہے اگر یہ سلسلہ مدافعت بعض جبض نہ ہوتا، تو دنیا میں خدا پرستی کا خاتمہ ہو جاتا۔ کسی گروہ کی عبادت گاہ ان فی ظلم و استبداد کے ہاتھوں محفوظ نہ رہتی۔

یہ وہ مظلوم ہیں جو بغیر کسی حق کے اپنے گھروں سے نکال دئے گئے۔ ان کا کوئی جرم نہ تھا۔ اگر تھا تو صرف یہ کہ وہ کہتے تھے ہمارا پروردگار اللہ ہے" اور دیکھو اگر اللہ بعض آدمیوں کے ہاتھوں بعض آدمیوں کی مدافعت نہ کراتا رہتا (اور ایک گروہ کو دوسرے گروہ پر ظلم و تشدد کرنے کے لئے کھلا چھوڑ دیتا) تو کسی قوم کی عبادت گاہ زمین پر محفوظ نہ رہتی۔ خانقاہیں گرجے، عبادت گاہیں، مسجدیں جن میں اس کثرت کے ساتھ اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے سب کبھی کے ڈھائے جا چکے ہوتے (یاد رکھو) جو کوئی اللہ کی سچائی کی حمایت کرے گا، ضروری ہے کہ اللہ بھی اس کی مدد فرمائے۔ کچھ شبہ نہیں، وہ یقیناً قوت رکھنے والا اور سب پر غالب ہے!

۴۰

(یہ مظلوم مسلمان) وہ ہیں کہ اگر ہم نے زمین میں انہیں صاحب اقتدار کر دیا (یعنی ان کا حکم چلنے لگا) تو وہ نماز (کا نظام) قائم کریں گے، زکوٰۃ کی ادائیگی میں سرگرم ہوں گے نیکیوں کا حکم دیں گے، برائیاں روکیں گے اور تمام باتوں کا انجام کار اللہ ہی کے ہاتھ ہے!

۴۱

اور (اے پیغمبر!) اگر یہ (منکر) تجھے جھٹلائیں تو (یہ کوئی نئی بات نہیں) ان سے پہلے کتنی ہی قومیں اپنے اپنے وقتوں کے رسولوں کو جھٹلا چکی ہیں۔ قوم نوح، قوم عاد، قوم ثمود، قوم ابراہیم، قوم لوط، اصحاب مدین اور موسیٰ بھی جھٹلایا گیا (اگرچہ خود اسی قوم نے نہیں جھٹلایا) اور ہم نے

۴۲-۴۳

فَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا صَوَآفَّ ۚ فَاِذَا وَجَبَتْ جُنُوْبُهَا فَكُلُوْا مِنْهَا وَاَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَالْمُعْتَرَّ ۭ كَذٰلِكَ
سَخَّرْنٰهَا لَكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝ لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ ۭ كَذٰلِكَ ۳۶
سَخَّرَهَا لَكُمْ لِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰي مَا هَدٰىكُمْ ۭ وَبَشِّرِ الْمُحْسِنِيْنَ ۝ اِنَّ اللّٰهَ يُدٰفِعُ عَنِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۭ اِنَّ ۳۷
اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ خَوَّانٍ كَفُوْرٍ ۝ اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰي ۳۸
نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرُۨ ۳۹

ع ۵ = ۳۶ تا ۴۴

بلا امتیاز سب کے لئے خواہ مکہ کے رہنے والے ہوں۔ یا دوسری جگہوں کے چنانچہ اسی لئے حج اور قربانی کا حکم دیا گیا۔ لوگ دُور دُور سے یہاں آنے لگے اور قربانی کے جانور لانے لگے۔ خصوصاً قربانی کے اونٹ جو صحرا و جبال طے کر کے حرم مکہ میں پہنچائے جاتے اور لوگ انہیں اس مبدء کی نشانیوں میں سے ایک بڑی نشانی تصور کرتے اب اگر قریش مکہ کا یہ اختیار تسلیم کر لیا جائے کہ جسے چاہیں آنے دیں جسے چاہیں روک دیں تو پھر نہ کعبہ کعبہ رہا نہ حج حج۔

(۱۱) ضمناً یہ بات بھی واضح کر دی کہ قربانی کی حقیقت کیا ہے؟ آیہ (۲۸) اور (۳۶) میں فرمایا تھا کہ اس کا گوشت خود بھی کھاؤ اور محتاجوں کو بھی کھلاؤ یعنی مقصود اس سے جانوروں کا خون بہانا نہیں ہے جیسا کہ لوگ سمجھتے تھے بلکہ یہ ہے کہ لوگوں کے لئے غذا کا سامان ہو۔ پھر آیت (۳۷) میں صاف صاف کہہ دیا کہ اصل عبادت تمہارے دلوں کا تقویٰ ہے۔ نہ کہ قربانی کا گوشت اور خون۔ ۳۶

بت پرست اقوام میں قربانی کی رسم اس طرح چلی تھی کہ انہوں نے خیال کیا انسانوں کی طرح دیوتاؤں کو بھی چڑھاووں کی ضرورت ہے اور جانوروں کا خون بہانا ان کا غضب و قہر ٹھنڈا کر دیتا ہے۔ قرآن کہتا ہے نہ تو خدا تک گوشت کا چڑھاوا پہنچ سکتا ہے نہ وہ خون بہانے کا سابق ہے۔ اصل شے جو اس کے حضور مقبول ہو سکتی ہے دل کی نیکی اور طہارت ہے! ۳۷

میں سے ٹھہرا دیا ہے جو تمہارے لئے اللہ کی (عبادت کی) نشانیوں میں سے ہیں۔ اس میں تمہارے لئے بہتری کی بات ہے پس چاہیے کہ انہیں قطار در قطار ذبح کرتے ہوئے اللہ کا نام یاد کرو۔ پھر جب وہ کسی پہلو پر گر پڑیں (یعنی ذبح ہو جائیں) تو ان کے گوشت میں سے خود بھی کھاؤ اور فقیروں اور زائروں کو بھی کھلاؤ۔ اس طرح ہم نے ان جانوروں کو تمہارے لئے مسخر کر دیا تاکہ (احسان الٰہی کے) شکر گزار رہو۔

یاد رکھو۔ اللہ تک ان قربانیوں کا نہ تو گوشت پہنچتا ہے نہ خون، اس کے حضور جو کچھ پہنچ سکتا ہے وہ تو صرف تمہارا تقویٰ ہی (یعنی تمہارے دل کی نیکی ہے) ان جانوروں کو اس طرح تمہارے لئے مسخر کر دیا کہ اللہ کی تم نمائی پر اس کے شکر گزار ہو اور اس کے نام کی بڑائی کا آوازہ بلند کرو اور نیک کرداروں کے لئے (قبولیت حق کی) خوش خبری ہے!

جو لوگ ایمان لائے ہیں یقیناً اللہ (ظالموں کے ظلم و تشدد سے) ان کی مدافعت کرتا ہے اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اللہ امانت میں خیانت کرنے والوں کو کہ کفرانِ نعمت کر رہے ہیں کبھی پسند نہیں کر سکتا! ۳۸

جن (مومنوں) کے خلاف ظالموں نے جنگ کر رکھی ہے اب انہیں بھی (اس کے جواب میں) جنگ کی رخصت دی جاتی ہے، کیونکہ ان پر سراسر ظلم ہو رہا ہے اور اللہ ان کی مدد کرنے پر ضرور قادر ہے! ۳۹

لہ صوافّ "صف" سے ہے چونکہ اونٹ کو کھڑے کھڑے ذبح کرنے میں اس لفظ سے تعبیر کرنے لگے یعنی صف قوائمها۔ گھوڑے کے لئے بھی بولے ہیں صف الفرس فهو صافن اذا قام علی ثلاث قوائمه و ثنی الرابعة۔

النَّاسُ إِنَّمَا أَنَا لَكُمْ نَذِيرٌ مُّبِينٌ ۝ ٤٩ فَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَهُم مَّغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ ۝ ٥٠
وَالَّذِينَ سَعَوْا فِي آيَاتِنَا مُعَاجِزِينَ أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ ۝ ٥١ وَمَا أَرْسَلْنَا مِن قَبْلِكَ مِن رَّسُولٍ
وَلَا نَبِيٍّ إِلَّا إِذَا تَمَنَّىٰ أَلْقَى الشَّيْطَانُ فِي أُمْنِيَّتِهِ فَيَنسَخُ اللَّهُ مَا يُلْقِي الشَّيْطَانُ ثُمَّ يُحْكِمُ اللَّهُ
آيَاتِهِ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ۝ ٥٢ لِّيَجْعَلَ مَا يُلْقِي الشَّيْطَانُ فِتْنَةً لِّلَّذِينَ فِي قُلُوبِهِم مَّرَضٌ وَالْقَاسِيَةِ
قُلُوبُهُمْ وَإِنَّ الظَّالِمِينَ لَفِي شِقَاقٍ بَعِيدٍ ۝ ٥٣ وَلِيَعْلَمَ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ أَنَّهُ الْحَقُّ

انہیں سکتے، اور عقلیں ماری گئیں کہ کچھ کام نہیں دیتی۔ پھر خود ہی ان پہلے سوالوں کا جواب دے دیا کہ فانھا لا تعمی الابصار ولکن تعمی القلوب التی فی الصدور۔ اصل یہ ہے کہ جب کسی پر اندھے پن کا وقت آتا ہے تو آنکھوں کی بصارت نہیں جاتی۔ دل کی بصیرت جاتی رہتی ہے۔ اور اسی کی بصیرت سے ساری بصارت ہے۔

مجھے یہ ڈر ہے دل زندہ تو نہ مر جائے
کہ زندگانی بصارت سے بہر ہے تجھ سے!

کچھ نہیں ہوں کہ (انکار و شرارت کے نتائج سے) نہیں ۴۹
علانیہ خبردار کر دینا چاہتا ہوں!"

پس جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کئے ان ۵۰
کے لئے بخشش ہے اور عزت کی روزی۔ جن لوگوں
نے اللہ کی نشانیوں کے خلاف دوڑ کر کامیاب ہونا چاہا
وہ دوزخی ہیں (ان کے لئے ہر طرح کی کامیابیوں
اور سعادتوں سے محرومی ہے!) ۵۱

اور اے پیغمبر! ہم نے تجھ سے پہلے جتنے رسول اور جتنے نبی بھیجے سب کے ساتھ یہ معاملہ ضرور پیش آیا کہ جونہی انہوں نے (اصلاح و سعادت کی) آرزو کی شیطان نے ان کی آرزو میں کوئی نہ کوئی فتنہ کی بات ڈال دی۔ اور پھر اللہ نے اس کی وسوسہ اندازیوں کا اثر مٹایا اور اپنی نشانیوں کو اور زیادہ مضبوط کر دیا۔ وہ (سب کچھ) جاننے والا اور اپنے سارے کاموں میں حکمت والا ہے! ۵۲

اس میں (ایک بڑی) مصلحت یہ رہی ہے کہ شیطان کی وسوسہ اندازی ان لوگوں کی آزمائش کا ذریعہ ہو جائے جن کے دل روگی ہیں اور سچائی کی طرف سے سخت پڑ گئے ہیں، اور بلاشبہ یہ ظلم کرنے والے بڑی ہی گہری مخالفت میں پڑے ہیں۔ ۵۳

نیز اس میں یہ مصلحت بھی تھی کہ (اے پیغمبر) جن لوگوں نے علم پایا ہے وہ جان لیں کہ یہ معاملہ فی الحقیقت

(۱۹) آیت (۱۹) میں قرآن کائنات کی ایک بہت بڑی حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے لیکن افسوس ہے کہ ہمارے مفسرین نے اس کی ساری اہمیت ضائع کر دی۔ فرمایا یہ (شر) کے لیے جلدی مچاتے ہیں یعنی از راہ شرارت کہتے ہیں۔ اگر سچ مچ کو یہ عذاب کا وقت آنے والا ہے تو کیوں نہیں آ چکتا؟ لیکن یہ نہیں جانتے کہ فطرت کائنات کی اور ہی کارگاہ ہے۔ یہاں نہیں جو دنیا میں لوگوں نے بنا رکھا ہے۔ اس کی گھڑی کا کانٹا بہت دیر میں چلتا ہے۔ تمہاری مقررہ میں ہزار برس گزر جائیں تو اس کی تقویم کا مشکل ایک دن گزرتا ہے۔ پس ظہور نتائج کا فیصلہ اپنی جلدی سے نہیں دیکھ کر (یا کرا) کرو۔ اور انتظار کرو۔ ایک دوسرے موقع پر فرمایا ہے ایک جگہ کی ہزار برس

لِلْكٰفِرِيْنَ ثُمَّ اَخَذْتُهُمْ فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ ۝ ۴۴ فَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا وَهِيَ ظَالِمَةٌ فَهِيَ خَاوِيَةٌ
عَلٰى عُرُوْشِهَا وَبِئْرٍ مُّعَطَّلَةٍ وَّقَصْرٍ مَّشِيْدٍ ۝ ۴۵ اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَتَكُوْنَ لَهُمْ قُلُوْبٌ
يَّعْقِلُوْنَ بِهَآ اَوْ اٰذَانٌ يَّسْمَعُوْنَ بِهَا ۚ فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِيْ
فِي الصُّدُوْرِ ۝ ۴۶ وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ وَلَنْ يُّخْلِفَ اللّٰهُ وَعْدَهٗ ۭ وَاِنَّ يَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَاَلْفِ سَنَةٍ
مِّمَّا تَعُدُّوْنَ ۝ ۴۷ وَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَمْلَيْتُ لَهَا وَهِيَ ظَالِمَةٌ ثُمَّ اَخَذْتُهَا ۚ وَاِلَيَّ الْمَصِيْرُ ۝ ۴۸ قُلْ يٰٓاَيُّهَا

(۱۳) آیت ۱۱ میں نے واضح کر دیا کہ قرآن کے نزدیک مسلمانوں کے اقتدار و حکومت کا اصل مقصد کیا تھا؟ فرمایا ان مظلوم مسلمانوں کے اگر قدم جم گئے تو کیا کرینگے؟ یعنی مکن فی الارض کو کن مقاصد کے لئے عام میں لائیں گے؟ اس لئے کہ نماز قائم کریں زکوٰۃ ادا کریں نیکی کا حکم دیں برائیوں سے روکیں اور ظلم و بدعملی کی جگہ عدالت و نیکی کی مملکت قائم ہو جائے!

۴۴

(۱۴) اس کے بعد فرمایا۔ یہ انقلاب کی سلسلہ انقلاب کی ایک کڑی ہے جو دنیا میں ہمیشہ ہوتا رہا ہے پس اگر منکرین حق اسے جھٹلائیں تو یہ کوئی نئی بات نہیں پہلے بھی ہمیشہ ظلم و فروگذاشت کے مرتکبوں نے حق و صداقت کی آوازیں جھٹلائی ہیں۔ اگر ان کے دل اندھے نہ ہو گئے ہوتے تو یہ پچھلوں کی سرگزشتوں سے عبرت پکڑتے۔ مگر انسان کے ظلم و غرور کی طبیعت ہی ایسی واقع ہوئی ہے کہ دوسروں کی حالت سے کبھی عبرت نہیں پکڑتا۔ یہاں تک کہ خود اس پر بھی وہ سب کچھ گزر جائے جو دوسروں پر گزر چکا ہے؟

۴۵

اس بات پر بھی غور کرو کہ یہاں اسلامی اعمال میں سے کسی عمل کا ذکر نہیں کیا صرف قیام صلوٰۃ اور ایتاء زکوٰۃ کا ذکر کیا۔ اس سے معلوم ہوا قرآن کے نزدیک مسلمانوں کے جماعتی اقتدار کی اصل علامت یہی دو عمل ہیں جس گروہ کا اقتدار ان دو عملوں سے خالی ہو اس کا اقتدار اسلامی اقتدار نہیں سمجھا جا سکتا

۴۶

(۱۵) آیت ۱۰ میں نے انسان کے ذہنی تعطل و تجاہلی غفلت کی کیسی کامل تصویر کھینچ دی ہے؟ فرمایا۔ اگر فہم و بصیرت کی راہیں

(ہمیشہ ایسا ہی کیا کہ پہلے منکروں کو کچھ عرصہ کے لئے ڈھیل دیدی پھر مواخذہ میں پکڑ لیا۔ تو دیکھ ہماری ناپسندیدگی ان کے لئے کیسی سخت ہوئی؟

پھر دیکھ کتنی ہی بستیاں ہیں کہ ہم نے انہیں ہلاک کر دیا اور وہ ظلم کئے ہوئی تھیں وہ ایسی اجڑیں کہ اپنی چھتوں پر گر کے رہ گئیں کہیں ناکارہ ہو گئے بسا پلیک محل کھنڈر بن گئے۔ کیا یہ لوگ ملکوں میں چلے پھرے نہیں کہ عبرت حاصل کرتے؟ ان کے دل ہوتے اور سمجھتے بوجھتے۔ کان ہوتے اور سنتے اور پاتے حقیقت یہ ہے کہ جب کوئی اندھے پن میں پڑتا ہے تو آنکھیں اندھی نہیں ہو جایا کرتیں (جو سروں میں ہیں) دل اندھے ہو جاتے ہیں جو سینوں کے اندر پوشیدہ ہیں!

اور اے پیغمبر! یہ لوگ تجھ سے عذاب کے مطالبہ میں جلدی مچا رہے ہیں (یعنی کہتے ہیں اگر سچ مچ کو عذاب آنے والا ہے تو کیوں نہیں آ چکتا؟) اور اللہ کبھی ایسا کرنے والا نہیں کہ اپنا وعدہ پورا نہ کرے مگر تیرے پروردگار کے یہاں ایک دن کی مقدار ایسی ہے جیسے تم لوگوں کی گنتی میں ایک ہزار برس۔

۴۷

(کتنی ہی بستیاں ہیں جنہیں ہم نے (ابتدا میں) ڈھیل دی اور وہ ظالم تھیں۔ پھر ہم نے مواخذہ میں پکڑ لیا، اور بالآخر سب کو ہماری ہی طرف لوٹنا ہے!

اے پیغمبر! کہہ دے "اے لوگو! میں اس کے سوا

۴۸

دیکھیں اس کے لئے سوچیں تو کیا آنکھوں کا بینا ہونا بھی کچھ کام نہیں دیتا؟ کیا ہوں نے زمین میں سیر و گردش نہیں کی حوادث و انقلابات حال کے نتائج نہیں دیکھے؟ کیا ان کے کان بہرے ہو گئے کہ سن

وَاِنَّ اللّٰهَ لَعَلِيْمٌ حَلِيْمٌ ۝ ذٰلِكَ وَمَنْ عَاقَبَ بِمِثْلِ مَا عُوْقِبَ بِهٖ ثُمَّ بُغِيَ عَلَيْهِ لَيَنْصُرَنَّهُ اللّٰهُ ۭ ۵۹
اِنَّ اللّٰهَ لَعَفُوٌّ غَفُوْرٌ ۝ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ وَاَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ ۶۰
بَصِيْرٌ ۝ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَاَنَّ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ هُوَ الْبَاطِلُ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْعَلِيُّ ۶۱
الْكَبِيْرُ ۝ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَاۗءِ مَاۗءً ۚ فَتُصْبِحُ الْاَرْضُ مُخْضَرَّةً ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَطِيْفٌ ۶۲
خَبِيْرٌ ۝ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ ۶۳

کو اور زیادہ مضبوط کر دیتا ہے یعنی شیطانی فتنہ جتنا بڑھتا جاتا ہے اللہ کی نشانیوں کا نقش اور زیادہ جمتا اور گہرا ہوتا جاتا ہے پھر آیت (۵۳) اور (۵۴) میں اصل کر دیا کہ اس صورت حال میں لوگوں کے لیے آزمائش ہوتی ہے۔ جن کے دل روگی ہیں، وہ اور زیادہ عناد و عناد میں بڑھ جاتے ہیں۔ جو اصحاب علم و بصیرت ہیں ان کا ایمان اور زیادہ پختہ ہو جاتا ہے!

ہونگے۔ یقیناً وہ (سب کچھ) جاننے، اور (اپنے کاموں میں) بڑا بردبار ہے! ۵۹

(بہرحال) حقیقت حال یہ ہے پس جس کسی نے خود زیادتی نہیں کی۔ بلکہ جتنی سختی اس کے ساتھ کی گئی تھی ٹھیک اتنی ہی بدلے میں کرنی چاہیے، اور پھر دشمن مزید زیادتی پر اتر آیا تو ضروری ہے کہ اللہ مظلوم کی مدد کرے۔ اللہ یقیناً معاف کر دینے والا بخشنے والا ہے! ۶۰

(اور یہ صورت حال) اس لیے ہوئی کہ اللہ رات کو دن کے اندر نمایاں کرتا ہے اور دن کو رات کے اندر (یعنی یہاں ہر گوشہ میں حالات کی متضاد تبدیلی کا قانون جاری ہے) نیز اس لیے کہ اللہ سننے والا دیکھنے والا ہے۔ ۶۱

نیز اس لیے بھی کہ حق اللہ ہی کی ہستی ہے اور جن ہستیوں کو اس کے سوا پکارتے ہیں، باطل ہیں اور پھر اس لیے بھی کہ اللہ ہی کی ہستی بلند مرتبہ ہے۔ بڑائی والی۔ ۶۲

کیا تم نے (یہ نظر) نہیں دیکھا کہ اللہ آسمان سے پانی برساتا ہے اور (سوکھی) زمین سرسبز ہو کر لہلہانے لگتی ہے؟ یقین کرو اللہ بڑا ہی لطف کرنے والا، ہر بات کی خبر رکھنے والا ہے! ۶۳

آسمانوں میں اور زمین میں جو کچھ ہے سب اسی کا ہے

(۱۹۱) آیت (۶۰) سے (۶۲) تک تین آیتوں میں تین "ذلک" آئے ہیں۔ ان کا مطلب سمجھ لینا چاہیے۔

ذلک ومن عاقب بمثل ما عوقب به یعنی اب صورت حال یہ ہے جو اوپر بیان کر دی گئی ہے اور ایسی حالت میں ضروری ہے کہ ظالموں کو دفع ظلم و تشدد کا موقعہ دیا جائے۔ پس جو مظلوم حدوں تک ستائے جانے کے بعد دفع کے لیے آمادہ ہونگے اور جس طرح ان پر تلوار اٹھائی گئی ہے ٹھیک اسی طرح خود بھی تلوار اٹھائیں گے اور پھر اس کی وجہ سے ظالم از سر نو ظلم و تعدی پر آمادہ ہو جاتے ہیں گے تو والا تین رکھیں اللہ ضرور ان کی مدد کرے گا، کیونکہ وہ ظالم نہیں ہیں ظلم کا دفاع کرنے والے ہیں۔ آخر میں کہا: ان اللہ لعفو غفور اللہ کی بخشش پر بھروسہ رکھیں یعنی وہ جو قدم اٹھانے پر مجبور ہوئے ہیں، وہ کتنی ہی مجبوری کی حالت میں اٹھایا ہو، مگر پھر قتل و خونریزی کا قدم ہے۔ لیکن چونکہ بڑی برائی کو دور کرنے کے لیے چھوٹی برائی اختیار کر لینی پڑتی ہے، اس لیے وہ یقین رکھیں اللہ درگزر کرنے والا بخشنے والا ہے۔

ذلک بان اللہ یولج اللیل فی النہار اور اللہ کی مدد کیوں ان کا ساتھ دے گی؟ اس لیے کہ قانون الٰہی یہی ہے کہ یہاں حالت بدلتی ہے وہ دن کے اندھیرے رات کو اجالتا، اور رات کے اندھیرے سے دن کو نمایاں کرتا ہے۔ ایسا نہیں ہوتا کہ ایک ہی حالت مستقل قائم

مِنْ رَّبِّكَ فَيُؤْمِنُوْا بِهٖ فَتُخْبِتَ لَهٗ قُلُوْبُهُمْ ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهَادِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ ۵۴
وَلَا يَزَالُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْهُ حَتّٰى تَاْتِيَهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً اَوْ يَاْتِيَهُمْ عَذَابُ يَوْمٍ عَقِيْمٍ ۝ ۵۵
اَلْمُلْكُ يَوْمَىِٕذٍ لِّلّٰهِ ۭ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ ۭ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ۝ ۵۶
وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا فَاُولٰۗىِٕكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ۝ ۵۷ ع
وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ قُتِلُوْٓا اَوْ مَاتُوْا لَيَرْزُقَنَّهُمُ اللّٰهُ رِزْقًا حَسَنًا ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ۝ ۵۸ لَيُدْخِلَنَّهُمْ مُّدْخَلًا يَّرْضَوْنَهٗ ۭ

کی بھی مدت فرمائی ہے یہ مقام لمحات معارف میں سے ہے تشریح کے لئے تفسیر سورۂ فاتحہ دیکھو۔

(۱۷) آیت (۵۱) پچھلے ارشادات کا خلاصہ ہے فرمایا اعلان کردو۔ میرا فلہ تمہارے لئے ایک آشکارا انداز ہے اور اب راہیں صرف دو ہی ہیں اور نتیجے بھی دو ہی پیش آنے والے ہیں ایمان وعمل والوں کے لئے آخرت میں مغفرت اور دنیا میں رزق کریم کی بشارت ہے اور سچائی کی نشانیوں سے لڑنے والوں کے لئے نامرادی و عذاب کی وعید اب جو راہ چاہو اختیار کرلو۔

(۱۸) پھر آیت (۵۲) میں مسلمانوں کو متنبہ کیا ہے کہ راہ کی ٹھوکروں سے غافل نہ ہو جائیں۔ نتائج کا ظہور یقینی ہے لیکن ساتھ ہی تمکین بھی ناگزیر ہے۔ کیونکہ اس بارے میں سنت الٰہی کی نوعیت ہمیشہ ایسی ہی رہی ہے۔ ایسا کبھی نہیں ہو سکتا کہ حق و باطل کی تمکین کے بغیر حق کی فتحمندی آشکارا ہو جائے۔

چنانچہ فرمایا۔ کوئی رسول اور نبی دنیا میں ایسا نہیں آیا کہ اس کی طبیعتوں کی راہ میں یعنی اصلاح و ہدایت کی راہ میں شیطان کی فتنہ پردازیوں نے رخنہ ڈالنا نہ چاہا ہو اور منصفانہ توقعات پوری طرح آمادہ پیکار نہ ہو گئی ہوں۔ پس اس معاملہ کی سچائی کا معیار یہ نہیں ہے کہ شیطانی وسوسہ اندازی خلل انداز ہوئی ہے یا نہیں بلکہ یہ ہے کہ بالآخر کامیابی ہوئی ہے یا نہیں اور وحی و نبوت کی ربانی قوتیں اس کے اثرات بیباطل کر دیتی ہیں یا نہیں؟ کیونکہ شیطانی قوتیں کسی حال میں بھی ناابود نہیں ہو سکتیں جب تک کہ انسان موجود ہے شیطان اور اس کی وسوسہ اندازیاں بھی موجود ہیں لیکن وحی و نبوت کے اعمال کی خصوصیت یہ ہے کہ شیطانی قوتیں کتنی ہی ابھریں فتح مند نہیں ہو سکتیں۔ فیسخ اللہ ما یلقی الشیطٰن ثم یحکم اللہ اٰیاتہ۔ وہ جتنے فتنے بھی اٹھاتی ہیں اللہ ان کے آثار محو کر دیتا ہے اور پھر اپنی نشانیوں

تیرے پروردگار ہی کی طرف سے ہے اس طرح اس پر ایمان لے آئیں اور ان کے دلوں میں عجز و نیاز پیدا ہو جائے یقیناً اللہ ایمان والوں کو (ہمیشہ) سیدھی راہ چلانے والا ہے!

(یاد رکھو) جو لوگ (ہماری) آیتوں میں اس بات میں برابر شک ہی کرتے رہینگے۔ یہاں تک کہ (فیصلہ کن) گھڑی اچانک ان کے سروں پر آجائے یا کسی منحوس دن کا عذاب آ موجود ہو!

اس دن بادشاہی صرف اللہ ہی کی ہوگی وہ ان سب کے درمیان فیصلہ کرے گا۔ پھر ان لوگوں کے لئے نعیم و سرور کے باغ ہیں جو ایمان لائے اور نیک عمل کئے۔

اور ان لوگوں کے لئے ذلیل کرنے والا عذاب ہے۔ جنہوں نے انکار کیا اور ہماری نشانیاں جھٹلائیں!

اور (دیکھو) جن لوگوں نے اللہ کی راہ میں ہجرت کی پھر لڑائی میں قتل ہوئے یا اپنی موت مر گئے، تو (دونوں صورتوں میں) ضرور ہے کہ اللہ انہیں آخرت میں) بہتر سے بہتر روزی دے اور یقیناً اللہ ہی ہے جو سب سے بہتر روزی بخشنے والا ہے۔

وہ ضرور انہیں ایسی جگہ پہنچائے گا جس سے وہ خوشنود

يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيمَا كُنْتُمْ فِيهِ تَخْتَلِفُونَ ۝ ۶۹ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ۭ اِنَّ
ذٰلِكَ فِي كِتٰبٍ ۭ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ۝ ۷۰ وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا
وَّمَا لَيْسَ لَهُمْ بِهٖ عِلْمٌ ۭ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ نَّصِيْرٍ ۝ ۷۱ وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ تَعْرِفُ
فِيْ وُجُوْهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الْمُنْكَرَ ۭ يَكَادُوْنَ يَسْطُوْنَ بِالَّذِيْنَ يَتْلُوْنَ عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا ۭ قُلْ اَفَاُنَبِّئُكُمْ
بِشَرٍّ مِّنْ ذٰلِكُمْ ۭ اَلنَّارُ ۭ وَعَدَهَا اللّٰهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝ ۷۲ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ ع
فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ ۭ اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَنْ يَّخْلُقُوْا ذُبَابًا وَّلَوِ اجْتَمَعُوْا لَهٗ ۭ

کہ فرع کے پیچھے پڑ جائے۔ فرمایا۔ فلا ینازعنك فی الامر اس بارے میں تم سے نزاع کرنے کا لوگوں کو حق نہیں جس بات پر انہیں غور کرنا چاہئے وہ تو یہ ہے کہ اس دعوت کیا ہے؟ وادع الی ربك۔ انك لعلی ھدی مستقیم۔ اصل دین دعوت الی اللہ ہے اور یہی ہے جو ہدایت کی سیدھی راہ ہے:

اس کے بعد فرمایا۔ اگر لوگ اس پر بھی نہ مانیں اور جھگڑا کریں تو پھر اللہ پر معاملہ چھوڑ دینا چاہئے۔ وہ قیامت کے دن ان تمام نزاعات کا آخری فیصلہ کرے گا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اگر دین کے بارے میں لوگ جدل و نزاع سے باز نہ آئیں۔ تو پھر اللہ اعلم بما تعملون کہہ کر جھگڑا ختم کر دینا چاہئے اس سے زیادہ کسی کے پیچھے پڑنے کا کسی کو اختیار نہیں۔ اور اگر اللہ کے رسول کے لئے بھی یہی راہ اختیار کرنی تھی، تو اور کسی کو اس سے آگے بڑھنے کا کیب حق مل سکتا ہے

اگر پیروان مذاہب صرف اتنی بات سمجھ لیں کہ ان جادلوك فقل اللہ اعلم بما تعملون، تو مذہبی نزاع و منافرت کے سارے جھگڑے ختم ہو جائیں۔

میں باہمد گر اختلاف کر رہے ہو قیامت کے دن وہ ۶۹
تمہارے درمیان فیصلہ کر کے حقیقت حال آشکارا کر دے گا"

"اے پیغمبر! کیا تو نہیں جانتا کہ اللہ پر سب کچھ روشن ہے جو کچھ آسمان میں ہے جو کچھ زمین میں ہے؟ یہ ساری باتیں نوشتہ میں ضبط ہیں اور ایسا کرنا اللہ کے لئے کوئی مشکل کام نہیں"! ۷۰

اور یہ لوگ اللہ کو چھوڑ کر ان چیزوں کی بندگی کرتے ہیں جن کے لئے نہ تو اس نے کوئی سند اتاری اور نہ ان کے پاس علم کی کوئی روشنی ہے اور بے انصافوں کو مدد کا کوئی سہارا نہیں مل سکتا! ۷۱

اور جب انہیں ہماری روشن آیتیں پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو جن لوگوں کے دلوں میں کفر ہے ان کے چہروں پر ناپسندیدگی ابھرتی ہوئی دیکھو گے تم پہچان لیتے ہو۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے ناپسندیدگی کے یہ پڑھنے والوں پر حملہ کر بیٹھیں گے۔ اے پیغمبر! تو کہدے کیا میں تمہیں اس سے بھی ایک بدتر صورت حال کی خبر دوں؟ آگ کے شعلے! جس کا اللہ نے منکروں کے لئے وعدہ کر لیا، اور جس کا ٹھکانا یہ ہو تو کیا ہی بُرا ٹھکانا ہے"! ۷۲

اے لوگو! ایک مثال سنائی جاتی ہے۔ غور سے سنو! اللہ کے سوا جن (خود ساختہ) معبودوں کو تم پکارتے ہو انہوں نے ایک مکھی تک پیدا نہیں کی۔ اگر تمہارے یہ سارے معبود اکٹھے ہو کر زور لگائیں جب بھی پیدا نہ کر سکیں۔ اور (پھر اتنا ہی نہیں بلکہ) اگر ایک مکھی ان سے کچھ چھین لے جائے تو ان میں قدرت نہیں

وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ۝ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ وَالْفُلْكَ تَجْرِيْ فِي الْبَحْرِ ع ۱۲
بِاَمْرِهٖ ۭ وَيُمْسِكُ السَّمَاۗءَ اَنْ تَقَعَ عَلَي الْاَرْضِ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝ ۶۵
وَهُوَ الَّذِيْٓ اَحْيَاكُمْ ۣ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ۭ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَكَفُوْرٌ ۝ ۶۶
لِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا هُمْ نَاسِكُوْهُ فَلَا يُنَازِعُنَّكَ فِي الْاَمْرِ وَادْعُ اِلٰى رَبِّكَ ۭ اِنَّكَ لَعَلٰى هُدًى مُّسْتَقِيْمٍ ۝ ۶۷
وَاِنْ جَادَلُوْكَ فَقُلِ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝ ۶۸ اَللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ

ہے۔ پس ضروری ہے کہ تمہاری حالت میں بھی اب انقلاب ہو۔ و ان اللہ سمیع بصیر۔ نیز اس لئے کہ وہ سننے والا دیکھنے والا ہے یعنی یہاں اندھے بہرے قوانین کی حکومت کام نہیں کر رہی ہے جو نہ تو ظالموں کا ظلم دیکھتی ہو نہ مظلوموں کی فریاد سنتی ہو۔ بلکہ ایک سمیع و بصیر عدالت کی کارفرمائی ہے پس ضروری ہے کہ دیکھا جائے اور سنا جائے!

ذلک بان اللہ ھو الحق۔ کیوں دیکھا جائے؟ کیوں سنا جائے کیوں دیکھنے اور سننے کا نتیجہ بھی نکلے؟ اس لئے کہ حق اللہ ہی کی ہستی ہے اور یہ منکرین رسالت جنہیں پکار رہے ہیں، وہ بطلان کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ پس ضروری ہے کہ حقیقت دیکھے اور سنے اور بطلان اپنے بطلان کا ثبوت دے

۶۵ و ان اللہ ھو العلی الکبیر۔ نیز اس لئے کہ رفعت و کبریائی اللہ ہی کے لئے ہے۔ پس ضروری ہے کہ اس کے کلمہ حق کی رفعت اور بڑائی آشکارا ہو کر رہے۔

وہی ہے جو بے نیاز ہے ہر طرح کی ستائشوں کا سزاوار!
کیا تم نے اس بات پر غور نہیں کیا کہ کس طرح اللہ نے زمین کی تمام چیزیں تمہارے لئے مسخر کر دی ہیں؟ جانور کو دیکھو کس طرح وہ اس کے حکم سے سمندر میں تیرتا چلا جاتا ہے؟ پھر کس طرح اس نے آسمان کو (یعنی فضائے سماوی کے اجرام کو) تھامے رکھا کہ زمین پر گر نہیں پڑتے اور گریں تو اس کے حکم سے؟ بلاشبہ اللہ انسان کے لئے بڑی ہی شفقت رکھنے والا، بڑی ہی رحمت والا ہے۔

اور (دیکھو) وہی ہے جس نے تمہیں زندگی بخشی پھر وہ موت طاری کرتا ہے۔ پھر (دوبارہ)

۶۶ زندہ کرے گا۔ دراصل انسان بڑا ہی ناشکرا ہے:

(اے پیغمبر!) ہم نے ہر امت کے لئے (عبادت کا) ایک طور طریقہ ٹھہرا دیا ہے جس پر وہ چل رہی ہے۔ پس لوگوں کو اس معاملہ میں (یعنی اسلام کے طور طریقہ میں) تجھ سے جھگڑنے کی کوئی وجہ نہیں۔ تو اپنے پروردگار کی طرف لوگوں کو دعوت دے اگر اصل دین یہی ہے) یقیناً تو ہدایت کے سیدھے راستے پر گامزن ہے۔

۶۷ اگر (اس پر بھی) لوگ تجھ سے جھگڑا کریں تو کہدے اللہ تمہارے کاموں سے بے خبر نہیں۔ تم جن باتوں

۶۸

(۲۰) آیت ۶۳ میں اس انقلاب حال کی مثال دیدی گیا تم نے منظر نہیں دیکھا ہے کہ سوکھی زمین پر پانی برستا ہے اور پھر وہ اچانک سرسبز ہو کر لہلہانے لگتی ہے؟ ایسا ہی حال اس عالم کا بھی سمجھو انسانی سعادت کی زمین پر بھی خشک سالی کا حال چھا جاتا ہے پھر جب سرسبزی کا موسم آتا ہے تو بارش کا ایک چھینٹا انقلاب حال پیدا کر دیتا ہے۔ وہ موسم اب آچکا، اور انقلاب کچھ دور نہیں۔

(۲۱) آیت ۶۷ میں اس اصل علم کی طرف اشارہ کیا ہے کہ اصل دین ایک ہے البتہ مناسک میں یعنی عبادت کے طور طریقہ میں اختلاف ہوا کیونکہ ہر عہد اور ہر قوم کی حالت یکساں نہ تھی جس کی جیسی حالت تھی اس کے مطابق ایک طور طریقہ اسے دیدیا گیا۔ پس طالب حق کو چاہیے کہ رسم پر پہلے اصل کو دیکھے نہ یہ

الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاعْتَصِمُوْا بِاللّٰهِ هُوَ مَوْلٰىكُمْ فَنِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ ۝ ۷۸ ع ۱۰

کرو۔ اللہ کا سہارا مضبوط پکڑ لو۔ وہی تمہارا کارساز ہے اور جس کا کارساز اللہ ہوا، تو کیا ہی اچھا کارساز ہے اور کیا ہی اچھا مددگار!

دی۔ اس بندی کا معیار کیا ہے؟ یہ کہ کسی طرح کی بھی تنگی اور رکاوٹ اس میں نہیں ہے۔ سب سے زیادہ سہل، سب سے زیادہ سیدھی، سب سے زیادہ واضح، سب سے زیادہ فکر و عمل کی وسعت رکھنے والی۔ حنیفیۃ السمحۃ، لیلھا کنھارھا!

انسان پر فکر و عمل کے ارتقاء کی راہ جس بات نے روک رکھی ہے وہ یہی دین کی تنگی اور رکاوٹ ہے۔ اس تنگی نے اس طرح انہیں جکڑ بند کر رکھا ہے کہ ایک قدم بھی وسعت و بلندی کی طرف نہیں اٹھا سکتے۔ اللہ نے اس جکڑ بندی سے نہیں نجات دیدی۔ اور یہ اس کا بڑے سے بڑا احسان ہے جو کسی انسانی گروہ پر ہو سکتا ہے

(ا) یہ تنگیاں جس قدر ہیں، جدید پیدا کر لی گئیں۔ اصل دین میں نہ تھیں جو تمہارے بزرگ ابراہیم کا دین تھا۔ اسی دین خالص کی راہ تم پر کھول دی گئی۔

(ہ) اس نے تمہارا نام "مسلم" رکھا۔ کیونکہ دین خالص اول دن سے اسلام ہی ہے یعنی قوانین حق کی اطاعت یہی نام پہلے تھا۔ اب ہوا۔

(ز) تمہیں اس لئے چنا گیا، کہ اللہ کا رسول تمہارے لئے شاہد ہو۔ تم تمام انسانوں کے لئے تم اپنا چراغ اس سے روشن کرو گے تمہارے چراغ سے تمام دیا کے چراغ روشن ہو جائیں گے:

یک چراغ است در ین خانہ کہ از پرتو آں ہر کجا می نگری، انجمنے ساختہ اند!

(ح) یہ فرض کیونکر انجام پا سکتا ہے؟ اس طرح کہ نماز قائم کرو۔ رکوہ کا نظام مستوار کرو۔ اللہ کا سہارا مضبوط پکڑ لو۔ ھو مولکم فنعم المولیٰ ونعم النصیر!

یہاں سے دو یقینیں قطعی طور پر معلوم ہو گئیں۔ ایک یہ کہ دین کی سچائی کی سب سے بڑی کسوٹی یہ ہے کہ اس میں تنگی و رکاوٹ نہ ہو۔ دوسری یہ کہ مسلمانوں کے لئے دینی نام و رسم "مسلمان" ہی ہے۔ اس کے سوا جو نام بھی اختیار کیا جائے گا، وہ اللہ کے ٹھہرائے ہوئے نام کی نفی ہوگا۔ پس مسلمانوں کے مختلف فرقوں، مذہبوں اور طریقوں نے جو طرح طرح کے خود ساختہ نام گڑھ لئے ہیں اور اب انہی سے اپنے کو پہچنوانا چاہتے ہیں، وہ صریح "سماکم المسلمین" سے انحراف ہے

بعث بعد الموت اور قرآن کا استدلال

سورت کی ضروری تشریحات ختم ہو گئیں، لیکن بعض مقامات کی اہمیت مزید تفصیل کی طالب ہے، خصوصاً سورت کا ابتدائی حصہ جس میں بعث بعد الموت کا اثبات ہے اس میں پہلے دلایل بیان کئے ہیں پھر ان سے نتائج نکالے ہیں۔ یہ نتائج حسب ذیل ہیں آیت (۶) پر غور کرو:

(ا) ذلک بان اللہ ھو الحق — اللہ کی ہستی ایک حقیقت ہے۔

(ب) وانہ یحیی الموتیٰ — وہ مردوں کو زندہ کر دیتا ہے۔

(ج) وانہ علی کل شئ قدیر — اس کی قدرت سے کوئی چیز باہر نہیں۔

(د) وان الساعۃ اٰتیۃ لا ریب فیھا — ایک مقررہ گھڑی آنے والی ہے اس میں کوئی شبہ نہیں۔

(ا) وان اللہ یبعث من فی القبور — جو مر گئے ہیں اللہ انہیں اٹھا کھڑا کرے گا۔

یہ پانچ باتیں ہیں جن پر اس مقام کی موعظت نے روشنی ڈالی ہے۔ یہ تمثک کو دور کرتی اور اذعان بعس کی طمانیت پیدا کرتی ہے جو موعظت ایسی ہو اسے قرآن اپنی اصطلاح میں دلیل برہان اور حجت سے تعبیر کرتا ہے۔ نکتہ دلیل مصطلح منطق و فنون جدیدہ

اب غور کرو۔ ان پانچوں باتوں کے لئے یہاں دلیل کی روشنی کس طرح نمایاں ہوئی ہے؟ فرمایا ان تمثک فی ریب من البعث۔ اگر تم شک میں پڑے ہو کہ مرنے کے بعد پھر دوبارہ اٹھنا کیسے ہو سکتا ہے تو اس بات پر غور کرو جو یہاں کیجاتی ہے

وَإِنْ يَسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَيْئًا لَّا يَسْتَنقِذُوهُ مِنْهُ ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوبُ ۝ مَا قَدَرُوا اللَّهَ ۷۳
حَقَّ قَدْرِهِ ۖ إِنَّ اللَّهَ لَقَوِيٌّ عَزِيزٌ ۝ اللَّهُ يَصْطَفِي مِنَ الْمَلَائِكَةِ رُسُلًا وَمِنَ النَّاسِ ۚ إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ ۷۴
بَصِيرٌ ۝ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ ۗ وَإِلَى اللَّهِ تُرْجَعُ الْأُمُورُ ۝ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ۷۵
ارْكَعُوا وَاسْجُدُوا وَاعْبُدُوا رَبَّكُمْ وَافْعَلُوا الْخَيْرَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ۝ وَجَاهِدُوا فِي اللَّهِ حَقَّ جِهَادِهِ ۚ ۷۶ السجدة عند الشافعی رح
هُوَ اجْتَبَاكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ ۚ مِّلَّةَ أَبِيكُمْ إِبْرَاهِيمَ ۚ هُوَ سَمَّاكُمُ الْمُسْلِمِينَ
مِن قَبْلُ وَفِي هَٰذَا لِيَكُونَ الرَّسُولُ شَهِيدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ ۖ فَأَقِيمُوا

اس سے چھڑا لیں۔ تو دیکھو طلبگار بھی یہاں درماندہ ہوا اور مطلوب بھی درماندہ (یعنی پرستار بھی عاجز ہیں اور ان کے معبود بھی عاجز)

۷۳

۷۴ اللہ کے مقام کی جو عزت کرنی تھی یہ نہ کر سکے۔ وہ تو سرتاسر قوت ہے سب پر غالب!
اللہ نے فرشتوں میں سے بعض کو پیام رسانی کے لئے برگزیدہ کر لیا۔ اسی طرح بعض انسانوں کو بھی (لیکن اس برگزیدگی سے انہیں معبود ہونے کا درجہ نہیں مل گیا، جیسا ان گمراہوں نے سمجھ رکھا ہے) بلاشبہ

۷۵ اللہ ہی ہے سننے والا، دیکھنے والا!
وہ جانتا ہے جو کچھ انہیں پیش آنے والا ہے اور جو کچھ ان کے پیچھے گزر چکا۔ اور ساری باتوں کا آخری

۷۶ سررشتہ اسی کے ہاتھ ہے!
مسلمانو! رکوع میں جھکو، سجدے میں گرو، اپنے پروردگار کی بندگی کرو جو کچھ کرو نیکی کی بات کرو۔

۷۷ عجب نہیں کہ اس طرح بامراد ہو!
اور اللہ کی راہ میں جان لڑا دو۔ اس کی راہ میں جان لڑانے کا جو حق ہے پوری طرح ادا کرو۔ اس نے تمہیں برگزیدگی کے لئے چن لیا۔ تمہارے لئے دین میں کسی طرح کی تنگی نہیں رکھی۔ وہی طریقہ تمہارا ہوا جو تمہارے باپ ابراہیم کا تھا۔ اس نے تمہارا نام "مسلم" رکھا۔ پچھلے دستوروں میں بھی (اور اس (قرآن) میں بھی۔ اور یہ اس لئے کیا۔ تاکہ رسول تمہارے لئے (حق کا) گواہ ہو (یعنی معلم ہو) اور تم تمام انسانوں کے لئے پس نماز کا نظام قائم کرو۔ زکوٰۃ کی ادائیگی کا سامان

(۲۲) آیت (۷۷) سے آخر تک سورت کے مواعظ کا خاتمہ ہے فرمایا:
(ا) اللہ کی بندگی دنیا میں سرگرم رہو، تمہارے سارے کام خیر و صلاح پر مبنی ہوں۔ اگر جن عمل کی یہ روح تم میں بس گئی۔ تو پھر تمہارے لئے فلاح ہی فلاح ہے!
(ب) جدوجہد اللہ تمہاری زندگی کا شعار ہو۔ "جہد" کے معنی کمال درجہ کوشش کرنے کے ہے پس مطلب یہ ہوا کہ زیادہ سے زیادہ کوشش جو ایک انسان کسی مقصد کے لئے کر سکتا ہے وہ تمہیں اللہ کے لئے کرنی چاہئے۔ کیونکہ تمہاری ساعی کا نصب العین اس کے سوا اور کچھ نہیں۔ یہ کوشش نیت سے بھی ہے، زبان سے بھی، مال سے بھی، ہاتھ پاؤں سے بھی۔
(ج) اس نے تمہیں برگزیدگی کے لئے چن لیا۔
(د) اس نے تمہیں دین کی بہتر سے بہتر راہ دکھا

رہتی ہے ؟ وتری الارض ھامدۃ تم زمین کو دیکھتے ہو، وہی زمین جو کچھ عرصہ پہلے شاداب تھی۔ یک قلم سوکھ گئی ہے پھر جب اس کی زندگی کی اجل مسمّٰی آجاتی ہے یعنی پانی برسنے لگتا ہے تو اچانک مری ہوئی شادابی وہ بارہ زندہ ہوجاتی ہے اور ہر تخم نباتی اٹھ کر کھڑا ہوجاتا ہے جس طرح نباتات کے اعادۂ نشۂ کا یہ منظر ہمیشہ دیکھتے رہتے ہو، ٹھیک اسی طرح انسانی زندگی کے اعادۂ نشۂ کا معاملہ بھی سمجھو۔ بارش نے نئی زندگی پیدا نہیں کر دی۔ اسی پیدا شدہ زندگی کو دہرا دیا جو زمین کی آغوش میں محفوظ موجود تھی۔ قیامت کی اجل مسمّٰی بھی نئی زندگی پیدا نہیں کرے گی۔ اسی پیدا شدہ زندگی کو دہرائے گی جو کائنات کی آغوش میں موجود ہے اب تم کہو گے اگر موجود ہے تو وہ دکھائی کیوں نہیں دیتی۔ لیکن تمہیں کونسی چیز دکھائی دیتی ہے ؟ تمہیں نطفہ میں انسان اور تخم میں درخت دکھائی دیتا ہے ؟ تم کہو گے، مگر نطفہ اور تخم دکھائی دیتا ہے اور زندگی کے جو جراثیم آنکھوں سے نہیں دیکھے جا سکتے، آلات کے ذریعہ دیکھ لئے جا سکتے ہیں۔ ہاں دیکھ لئے جا سکتے ہیں، مگر اس لئے کہ زیادہ دقیق نہیں، جو دقیق نہیں تھے وہ تمہیں صاف نظر آتے ہے، جو دقیق تھے وہ ہزاروں برس تک نظر نہیں آئے۔ یہاں تک کہ تم نے طاقت ور خوردبینیں ایجاد کیں پھر تم کیسے حکم لگا دے سکتے ہو کہ ان سے بھی دقیق تر تمہارے حیات موجود نہیں ! اگر تمہیں صرف اتنی سی بات کے لئے دس ہزار برس تک انتظار کرنا پڑا کہ نطفۂ حیوانی کے جراثیم دیکھ لو۔ تو کیسے کہہ سکتے ہو کہ ان سے بھی دقیق تر تمہارے حیات کے لئے تمہیں چند ہزار برس اور مطلوب نہیں ؟ اور ان کا مرئی نہ ہونا ان کی معدومیت کا قطعی ثبوت ہے ؟

فصل ۱۵ آیت ۱۱

اب دیکھو مندرجۂ صدر موعظت سے ان پانچوں باتوں پر کس طرح اذعان و یقین کی روشنی پڑ رہی ہے ؟

(ا) ان اللہ ھو الحق۔ کیونکہ یہ سب کچھ بغیر اس کے نہیں ہو سکتا کہ خالقیت اور قدرت کی ایک حقیقت کام کر رہی ہو تم وجدانی طور پر ایسا اعتقاد رکھنے پر مجبور ہو۔

(ب) انہ یحیی الموتٰی۔ کیونکہ زندگی نہ تھی۔ اس نے پیدا کی اور پھر برابر اسے دہراتا رہتا ہے۔

(ج) انہ علی کل شیٔ قدیر کیونکہ جس کی قدرت نے ایک ایسے مواد سے جو مٹی اور پانی کا ملا جلا کیچڑ تھا، زندگی کا شعلہ روشن کیا، اور اس کا ایسا نظم قائم کر دیا کہ نطفہ کے ایک قطرہ اور تخم کے ایک ذرہ سے پیدا شدہ مکلتی اور زندگیاں بنتی رہتی ہیں، اس کی قدرت سے کونسی بات بعید ہو سکتی ہے ؟

(د) ان الساعۃ اٰتیۃ لا ریب فیھا۔ ایک مقررہ گھڑی قیامت کی ضرور آنے والی ہے۔ کیونکہ یہاں تبدیلی کا قانون نافذ ہے اور ہر تبدیلی کے لئے ایک اجل مسمّٰی مقرر ہے پس جس طرح بارش کی مقررہ گھڑی تمام اجسام نباتیہ کو موت کی حالت سے زندگی کی حالت میں لے آتی ہے، ضروری ہے نوع انسانی کے لئے بھی ایک ایسی ہی اجل مسمّٰی ہو۔

(ہ) وان اللہ یبعث من فی القبور[1]۔ اور جب وہ گھڑی آئے تو تمام اموات لملماتی ہوئی کونپلوں کی طرح اٹھ کھڑی ہوں

قرآن کی اصطلاح میں بعث

قرآن کی موعظت کو ٹھیک طور پر سمجھ لینے کے لئے ضروری ہے کہ چند مقامات واضح ہو جائیں۔

اوّلاً قرآن نے جا بجا حیات بعد الموت کو "بعث" سے تعبیر کیا ہے۔ بعث کے معنی اٹھ کھڑے ہونے کے ہیں۔ گویا اس کے نزدیک یہ معاملہ ایسا ہوگا۔ جیسے کوئی سو رہا تھا پھر اٹھ کھڑا ہوا وہ اسے خلقت کے "اعادہ" سے بھی تعبیر کرتا ہے : کما بدانا اوّل خلق نعیدہ (۲۱ : ۱۰۴)

موت اور حیات

ثانیاً موت اور حیات کا اطلاق وہ صرف انہی حالتوں پر نہیں کرتا جو فلسفیانہ اصطلاح کی معدومیت اور تخلیق ہیں، بلکہ ہر ایسی حالت پر کرتا ہے جس میں زندگی کی نمود مفقود ہو جائے، یا بالفاظ دیگر صورت معدوم ہو جائے اور پھر نمایاں اور متشکل ہو جائے اس باب میں اس کا اطلاق اس درجہ وسیع ہے کہ نیند کی حالت پر بھی اس نے موت کا اطلاق کیا ہے، اور درحقیقت یہ خود عربی زبان کا لغوی اطلاق ہے۔ بعد کو موت اور حیات نے جو فلسفیانہ معانی پہن لئے وہ قرآن کی زبان نہیں ہے

انسان کا عام مشاہدہ اور اعتقاد بھی یہی ہے "نطفہ" کو ہم زندہ نہیں کہتے حالانکہ اس میں زندگی کا جرثومہ موجود ہے۔ آم کی گٹھلی اور تخم کے ایک ٹکڑے میں ہم کوئی فرق نہیں کرتے۔ دونوں ہماری زبان، ہمارے اعتقاد اور ہمارے مشاہدہ میں بیجان ہیں حالانکہ علمی اصطلاح میں گٹھلی بے جان نہیں۔ اس میں نباتی زندگی کا تخم موجود ہے پس قرآن کے اختیارات لغویہ کو کہ لغت کے اعتبار سے ہیں، علمی مصطلحات پر ڈھالنا نہیں چاہیے۔ اس کی زبان میں "موت" عام ہے۔ خواہ انعدام محض ہو، خواہ

[1] من فی القبور کا یہ مطلب نہیں ہے کہ جو مرے قبر ہی میں مدفون کئے گئے، بلکہ یہ عربی کا محاورہ ہے کہ مردوں کو اصحاب قبور کہتے ہیں، ما انت بمسمع من فی القبور یعنی تو مردوں کو مخاطب نہیں کر سکتا۔ زندوں ہی سے بات چیت کی جاتی ہے۔

تمہارا سارا شک اور استعجاب دور ہو جائے گا۔

خلق حیات اور اعادۂ حیات

فانا خلقناھم من تراب۔ تمہیں یہ بات عجیب معلوم ہوتی ہے کہ انسان مر کر پھر اٹھ کھڑا ہو یعنی زندگی کا دوسرا اٹھان تمہیں عجیب معلوم ہوتا ہے لیکن اگر یہ بات عجیب ہے تو کیا اس سے زیادہ یہ بات عجیب نہیں کہ زندگی کا پہلا اٹھان ظہور میں آ گیا؟ تم اپنی ہستی میں تو شک نہیں کر سکتے؟ اچھا یہ ہستی کس طرح ظہور میں آئی؟ دوسری مرتبہ اگر انسانی ہستی اٹھے گی تو یہ زندگی کی ابتدا نہیں ہوگی زندگی کا اعادہ ہوگا۔ لیکن اس کی ابتدا کیونکر ہوئی؟ من تراب: مٹی سے یعنی من صلصال من حمأ مسنون (۱۵: ۲۸) مٹی کا گارا جس میں مدتوں تک خمیر اٹھتا رہا، اور پھر سوکھ کر کھنکھنانے لگا۔ سب سے پہلے زندگی کا جرثومہ اسی میں نمودار ہوا تھا۔ پھر حکمت الٰہی نے اسے درجہ تکمیل تک پہنچایا۔ سوال یہ ہے کہ اگر زندگی عدم حقیقی سے وجود میں آ سکتی تھی تو کیا ایک مرتبہ وجود میں آ کر پھر دوبارہ نہیں جا سکتی؟ زیادہ عجیب بات کونسی ہے؟ کسی چیز کی ابتدائی پیدائش کے بعد اعادہ؟ اگر تمہارے لیے ابتدائی پیدائش میں کوئی اچنبھا نہیں تو اعادہ میں کیوں ہو؟ کیوں تم قطعی فیصلہ کر دو کہ ایسا نہیں ہو سکتا؟ جس قدرت پر یہ دشوار نہ ہو کہ زندگی پیدا کر دے، اس پر یہ کیوں دشوار ہونے لگا کہ پیدا شدہ زندگی کو کہ بکھر گئی ہے، پھر سمیٹ دے؟ اگر کمہار کی مٹی سے نیا برتن بنا سکتا ہے تو یقیناً ٹوٹے ہوئے برتن کے ٹکڑوں کو بھی دوبارہ ڈھال لے سکتا ہے!

پیدائشی کا تناسلی سلسلہ اور قانون تحول

اچھا یہ تو ابتدائی پیدائش ہوئی اس کے بعد پیدائش کا جو سلسلہ قائم ہوا، اس کا کیا حال ہے؟ اس کا حال یہ ہے کہ دو حقیقتیں ہر وقت تمہارے سامنے آ رہی ہیں۔ ایک یہ کہ انسانی وجود کا پورا درخت صرف ایک بیج سے پیدا ہو جاتا ہے جس کا نام "نطفہ" ہے لیکن "نطفہ" کیا ہے؟ کیا گوشت پوست ہے؟ ہڈیوں کا ڈھانچہ ہے؟ ڈیل ڈول ہے؟ شکل صورت ہے؟ عقل و ہوش ہے؟ نہیں کچھ بھی نہیں ہے، اور پھر سب کچھ ہے، ایک قطرہ حقیر مگر اسی سے انسان کا عظیم الشان اس کی قامت، اس کی صورت، ان کی ساری صنعتی قوتیں ظہور میں آ جاتی ہیں۔ دوسری بات یہ کہ یہاں یکسر تغیر و تحول کا قانون جاری ہے شکم مادر میں جنین کو دیکھو کتنی مختلف حالتوں سے گزرتا ہے؟ نطفہ سے علقہ علقہ سے مضغہ مضغہ سے عظم و لحم عظم۔ لحم سے تشکل و صورت۔ پھر پیدائش کے بعد بچے کو دیکھو کس طرح ہر بعد دیگرے نشو و بلوغ کے درجے بدلتا رہتا ہے؟ جوان آدمی کو دیکھو کس طرح جسم و عقل کے کمال تک پہنچا اور پھر زوال کی طرف پلٹ رہا ہے؟ گویا انسان کی ہستی سراسر تبدیل ہے تطور ہے تحول ہے ایک حالت سے بدل کر دوسری حالت میں داخل ہوتے رہنا ہے۔

عالم نباتات اور اعادۂ نشو و نما

یہی حال عالم نباتات کا ہے۔ زمین کی گود میں جو زندگیاں اور پیدائشیں ہیں جس طرح یہاں "نطفہ" ہے وہاں بھی تخم اور تخم کے درمیان میں تم دیکھتے ہو کہ اسکی گود زندگیوں کی نمود سے بالکل خالی ہو گئی۔ پھر دیکھتے ہو کہ زندگیوں کی فراوانی سے شاداب ہو گئی۔ یہ انقلاب کس طرح ظہور میں آیا؟ اسی طرح کہ محض ایک تخم سے ایک ذرہ سے حیات نباتی کی ایک جہری تلقیح سے پورا وجود نباتی پیدا ہو گیا۔ اور تبدل و تحول کی تمام حالتیں اس پر بھی اسی طرح گذریں جس طرح تمہاری ہستی پر گذر رہی ہیں۔

قانون تاجیلی

ساتھ ہی غور کرو۔ یہاں ایک نیا قانون بھی کام کر رہا ہے تم دیکھتے ہو کہ ہر تبدیلی کے لیے ایک اجل مسمی یعنی ایک مقررہ وقت جونہی وہ وقت آیا، احیا و اجسام ظہور میں آ گئے "نطفہ" کو دیکھو۔ دھرتی اور آسمان صافہ الی اجل مسمی۔ وہ اندرونی طور پر بنتا رہتا ہے ہر ایک مقررہ وقت تک اجام کے اندر چھپا رہتا ہے۔ احام نباتیہ کو دیکھو ان کی زندگی کا ہر جز موجود ہوتا ہے مگر ابھرتا نہیں ابھرتا کب ہے؟ اذا انزلنا علیھا الماء۔ جب مارچ کی گھڑی آتی ہے اور زندگی کے بروز و ظہور کا اعلان کر دیتی ہے اس وقت اھتزت و ربت و انبتت من کل زوج بھیجہ کا عالم نمایاں ہو جاتا ہے

تخم جات اور اعادۂ نشو و نما

یہ انسان و حیوان کی کامل ہستی جو محض نطفہ سے ظہور میں آ جاتی ہے کہاں ظہور میں آتی ہے؟ اس رحم میں جو ہر جہات مالقوہ موجود ہے اور پھر وہ بالفعل ظہور کرتا ہے۔ اچھا آج تمہاری فراخنائے زندگی کا یہ معاملہ تمہارے لئے عجیب نہیں، تو یہ بات کیوں عجیب ہو جائے کہ اسی طرح کوئی زندہ حیات یہ جو مرنے کے بعد بھی موجود رہتا ہے اور اس سے دوبارہ وجود انسانی ظہور میں آ جائے گا؟ کہو گے اس کی کوئی مثال نہیں۔ لیکن تم یہ کیسے کہہ سکتے ہو جبکہ اس کی مثال ہر لمحہ ہماری آنکھوں سے گزر رہی

کے لئے کیوں معطل ہو جائے جو کرۂ ارضی کی تمام مخلوقات کا حاصل اور سلسلۂ تخلیق کا منتہیٰ اور مقصود ہے؟ نہیں یہاں کوئی ہستی بھی جو وجود میں آجائے نابود محض نہیں ہو جا سکتی۔ بلاشبہ اس کی صورت مٹ جاتی ہے مگر حقیقت نہیں مٹے گی۔ اس کی صورت پر ہزار ہیئتیں طاری ہو جائیں، مگر بالآخر کوئی نہ کوئی حقیقت جوہری ضرور باقی رہے گی۔ وہ ایک دانہ تخم کی طرح ہو، ایک نطفۂ پیدائش کی طرح ہو، ایک ذرۂ حیات کی طرح ہو، اگر ممکن نہیں کہ موجود نہ ہو۔ وہ کسی نہ کسی حالت میں ضرور موجود رہتی ہے اور پھر جونہی بعث و اعادہ کی گھڑی آئے گی اور زندگی کا صور پھونکا جائے گا۔ ہر انسانی زندگی اس سے منوار ہو کر اٹھ کھڑی ہوگی ٹھیک اسی طرح جس طرح نطفۂ پیدائش سے شکم مادر میں تخم نباتی سے آغوش ارضی میں اٹھ کھڑی ہوتی ہے!

یہاں کوئی ہستی جو پیدا ہو جائے، پھر نابود نہیں ہو جاتی۔ وہ کسی مخفی نشیمن میں سوئی رہتی ہے۔ اب اسے دوبارہ خلق کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی صرف اٹھانے کی ضرورت ہوتی ہے۔ نباتات کی ہستی ذرات تخم نشیمنوں میں سوئی رہتی ہے جب نمود و بروز کا موسم آتا ہے تو وہ نئی ہستیاں پیدا نہیں کر دیتا، سوئی ہوئی ہستیوں کو بیدار کر دیتا ہے۔ اسی طرح انسان کی ہستی بھی کسی نہ کسی ذرۂ تخم میں بند ہو کر سو رہتی ہے اور جب وقت آئے گا تو اٹھ کھڑی ہوگی۔ تم اسے دیکھتے نہیں لیکن تم اور کتنی حقیقتوں کو دیکھ رہے ہو؟ تمہیں اس کا پتہ نہیں۔ لیکن تم نے اور کتنی حقیقتوں کا پتہ لگا لیا ہے؟ تمہارے عدم ادراک سے حقیقت معدوم نہیں ہو جاتی تم اگر اعتقاد وجود کے لئے مشاہدہ وجود کو شرط سمجھ لو گے تو تمہیں آدھی دنیا سے انکار کر دینا پڑے گا تم نے اگر ایسا سمجھ لیا ہوتا تو آج حقائق مادیہ کی دو تہائی حقیقتیں غیر معمولی ہوتیں۔ تم عرفان حقیقت کی راہ میں صرف حواس کے سہارے چل نہیں سکتے۔ تمہیں ادراک عقلی کا سہارا پکڑنا پڑتا ہے اور پھر جب یہ سہارا بھی جواب دیدیتا ہے تو تم رک جاتے ہو اور استدلال رکتے ہو۔ تمہیں اس گوشہ میں بھی جان لینا چاہئے اور انتظار کرنا چاہئے۔

موسم ہستی کی گردش اور تقویم فطرت

خامساً قرآن نے بعث و حشر کے معاملہ کا جس طرح ذکر کیا ہے اور عالم نباتات کے اعادۂ حیات کی مقررہ گھڑی سے جس طرح اسے تشبیہ دی ہے اس سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تبدل کائنات کے معاملہ کو بھی موسموں کی تبدیلیوں کا سا معاملہ تصور کرنا چاہئے۔ دنیا میں ہم دیکھتے ہیں خزاں و بہار، خشک سالی و سیرابی، گرمی و سردی کے مختلف موسم آتے رہتے ہیں۔ اسی طرح تبدل کائنات کا بھی ایک موسم ہے اور ہمارے سال کی طرح اس کا بھی کوئی سال اور ہماری روز شماریوں کی طرح اس کی بھی کوئی روز شماری ہے لیکن ہم اپنی تقویم پر جو کائنات کے صرف ایک حقیر کرہ کی سیر و گردش کا نتیجہ ہے اس کی تقویم کو قیاس نہیں کر سکتے۔ اس کی مدت کوئی بڑی ہی طولانی مدت ہے اتنی طولانی کہ ہماری وقت شماری کا پچاس ہزار سال اور اس کا صرف ایک دن۔ چنانچہ آگے چل کر سورہ معارج میں پڑھو گے: تعرج الملائکۃ والروح الیہ فی یوم کان مقدارہ خمسین الف سنۃ (۷۰: ۴) جیسے سال کے موسموں کی طرح اس کا بھی ایک موسم ختم ہوتا اور دوسرا موسم شروع ہوتا ہے۔ یہاں جب حیات ارضی کا موسم آتا ہے تو اس کی محرک اول بارش ہوتی ہے بارش گرتی ہے اور امہات نباتات کو زندگی کا حکم مل جاتا ہے۔ اھتزت وربت، و انبتت من کل زوج بھیج ٹھیک اسی طرح جب سال کائنات کا وہ مقررہ موسم آئے گا تو بارش ہی کی طرح زندگی کا کوئی صور پھونکا یا جائے گا: فاذا نفخ فی الصور نفخۃ واحدۃ (۶۹: ۱۳) اور بہ مجرد حکم، تمام امہات انسانی اٹھ کھڑی ہونگی: یخرجون من الاجداث کانھم جراد منتشر مھطعین الی الداع (۵۴: ۷)

علم اس مقام میں ہمیں کہ جرأت انکار کرے

آخر میں ایک اصل عظیم نہیں بھولنی چاہئے۔ جہاں تک مسئلہ حیات کی حقیقت کا تعلق ہے علم انسانی کے سامنے کوئی یقینی روشنی موجود نہیں۔ ہم اس وقت تک یہ بھی نہ جان سکے کہ زندگی کی حقیقت کیا ہے؟ ارنسٹ ہیکل (Ernst Haeckel) کے لفظوں میں ہم زیادہ سے زیادہ جو کر سکے ہیں وہ صرف یہی ہے کہ "اس کے آنے کا انتظار کریں" اور جب آجائے تو اس کے اطوار و احوال اور خواص و افعال کے تعاقب میں نکل جائیں" لیکن وہ ہے کیا؟ وہ آتی کہاں سے ہے؟ وہ جاتی کہاں ہے؟ تو اس بارے میں علم انسانی کا قدم اس جگہ سے ایک انچ بھی آگے نہیں بڑھ سکا، جہاں ہزاروں برس سے متحیر و ماندہ کھڑا ہے!

جب حقیقت حیات کے بارے میں ہماری عقلی معلومات کا یہ حال ہے تو کیا ہمیں ایسا مقام حاصل ہے کہ وحی الٰہی کے اعلانات علم و یقین کے مقابلہ میں نفی و انکار کی جرأت کریں؟ اگر کریں گے، تو یہ وہی جرأت ہوگی جسے اسی سورت میں جدال فی اللہ بغیر علم سے تعبیر کیا ہے: ومن الناس من یجادل فی اللہ بغیر علم ولا ھدی ولا کتاب منیر:-

انعدام صورت ہو۔ اسی طرح "حیات" بھی ہے۔ خواہ معدومیت محض سے تخلیق ہو۔ خواہ کسی جوہر حیات سے بروز انبعاث ہو۔ چنانچہ جس طرح اس ابتدائی حالت کو موت سے تعبیر کرتا ہے جو عدم محض کی حالت تھی، اسی طرح نطفہ کی اور تخمہائے نباتات کی حالت کو بھی موت سے تعبیر کرتا ہے اور کہتا ہے پہلے زندگی مٹی سے ہوئی جبکہ حیات حیوانی میں سے کچھ نہ تھا۔ پھر نطفہ سے ہوئی ہے جبکہ نطفہ کا جوہر حیات موجود ہوتا ہے۔

"انبعاث" تخلیق نہیں ہے اعادہ و تبدل حیات

ثمانیاً اس نے حشر اجساد کے معاملہ کو بھی اسی حالت سے تشبیہ دی ہے جو نطفہ سے زندگی کے ابھرنے اور تخم سے درختوں کے نکلنے کی حالت ہوتی ہے اس سے معلوم ہوا، انسان کی دوسری زندگی کا ظہور اس طرح کا ظہور نہ ہوگا۔ جیسا ابتدائی تخلیق کا ظہور تھا یعنی بغیر کسی اصل حیات کے حیات ظہور میں آگئی تھی بلکہ ایسا ہوگا، جیسا نطفہ سے ایک نئی پیدائش اور نبور نباتات سے ایک نیا انبعاث ظہور میں آجاتا ہے یعنی اصل حیات بالقوہ موجود ہوتی ہے اور بالفعل ظہور میں آجاتی ہے۔ اسی لئے وہ اُسے "بعث" سے تعبیر کرتا ہے یعنی جیسے کوئی آدمی بہت دیر تک سوتا رہا تھا۔ پھر اٹھ کھڑا ہوا۔ اور یہی وجہ ہے کہ اس نے اس انبعاث کے احداث دواروات ایسے بیان کئے ہیں جیسے نیند کے بعد بیدار ہونے پر طاری ہوا کرتے ہیں۔ مثلاً جاگنا کہا ہے اس وقت لوگ سوچیں گے ہم کتنے عرصہ تک بے خبر رہے؟ کوئی کہے گا تھوڑی دیر۔ کوئی کہے گا زیادہ عرصہ تک اور پھر یہی وجہ ہے کہ وہ اس حالت کو اعادۂ حیات سے تعبیر کرتا ہے اور عالم ہستی کے تبدل و تحول سے استدلال کرتا ہے یعنی جب فطرت کائنات کے ہر گوشہ میں تبدل حال کا قانون کام کر رہا ہے۔ اور یہاں ہر قدم پر تبدل اور ہر منزل پر تجدد ہے تو کیوں نہیں اس سے انکار ہو کہ ایک اور تبدل بھی پیش آنے والا ہے اور اس کا نام بعث و حشر ہے؟

انسان اپنی ہستی کی جس منزل تک پہنچ چکا ہے، وہاں سے مڑ کر پیچھے کی طرف دیکھے کتنے بے شمار تبدلات ہیں جن سے اس کی ہستی گزرتی رہی ہے؟ پھر اگر ماضی میں بے شمار تبدلات ہو چکے ہیں تو کیوں مستقبل میں بھی نہ ہوں؟ کیوں تبدلات کا سفر اسی منزل تک پہنچ کر رک جائے؟ کیوں اس پر ختم ہو کہ جہاں ایک ہزار تبدیلیاں ہو چکی ہیں وہاں ایک آخری تبدیلی اور بھی ہونے والی ہے؟ ہم نے اضافی حیثیت سے یہاں "آخری" کہہ دیا۔ ورنہ کون کہہ سکتا ہے کہ وہ تبدل بھی آخری ہوگا؟ وما اوتیتم من العلم الا قلیلا

یہاں وجود کی حقیقت نہیں صرف صورت مٹتی ہے۔

عالباً ہم دیکھتے ہیں کہ یہاں جو چیز بھی اپنا وجود پا لیتی ہے پھر اس کی حقیقت معدوم نہیں ہوتی۔ صرف صورت معدوم ہو جاتی ہے اور اسی صورت کا انعدام ہمارے لئے اس کا معدوم ہو جانا ہوتا ہے۔ تم درخت کو چیر کر تختہ بنا لیتے ہو۔ اب درخت معدوم ہو گیا۔ تختہ پیدا ہو گیا۔ مگر جو چیز معدوم ہو گئی وہ کیا تھی؟ صورت یا حقیقت؟ محض صورت جو پیدا ہو گئی، وہ کیا پیدا ہوئی؟ نئی حقیقت یا نئی صورت؟ نئی صورت۔ کیونکہ درخت پر جو تبدیلی طاری ہوئی وہ صرف صورت کی ہوئی حقیقت تختے کی بھی وہی ہے جو درخت کی تھی۔ اب تختہ جلا دو۔ تختہ نابود ہو گیا۔ راکھ پیدا ہو گئی۔ راکھ بھی اڑا دو۔ راکھ بھی نابود ہو گئی منتشر ذرات پیدا ہو گئے۔ مگر ان دونوں حالتوں میں بھی جو اعدام ہوا۔ وہ کس چیز کا ہوا؟ محض صورت کا۔ اگر تم منتشر ذروں کا بھی تعاقب کر سکتے ہو تو کر دیکھو صورت بدلتی جائے گی حقیقت کبھی معدوم نہیں ہوگی۔ کیونکہ یہاں ہر گوشہ میں تبدل صرف صورت کے لئے ہے حقیقت کے لئے نہیں ہے

لیکن صورت کے اس تبدل کا سلسلہ کس نقطہ پر جا کر ختم ہوتا ہے؟ اس کا کھوج ہم آج تک پا سکے۔ ہماری جستجو کا قافلہ ہمیشہ کی طرح اب بھی رواں ہے۔ ہم نے عرصہ تک عناصر کا خواب دیکھا۔ ہم مدتوں جوہر لایتجزیٰ کی سراغ رسانی میں رہے ہم نے ذی مقراطیسی سالمات پر صدیوں تک اعتماد کیا۔ اب ہم الکٹرون کی مثبت اور منفی لہروں میں اسے دیکھ رہے ہیں، اور نہیں جانتے کہ آگے بڑھیں گے یا یہیں رکے رہیں گے۔ البتہ اس آخری منزل نے حقیقت کا ایک نیا جلوہ آشکارا کر دیا ہے یعنی بات واضح ہو چکی ہے کہ مادہ کا آخری بقایا محض ایک جامد ذرہ ہی نہیں ہے بلکہ حرکت و خواص حرکت کی ایک مشتمل قوت ہے نہ جس معلوم اس نقطۂ قوت میں فعل و انفعال کی کتنی دنیائیں پوشیدہ ہیں!

تبدل صورت اور بقاء حقیقت سے استدلال

قرآن کہتا ہے جب تم دیکھتے ہو کہ یہاں تبدل صورت اور بقاء حقیقت کا قانون ہر گوشہ میں کام کر رہا ہے تو پھر تم نے کیسے سمجھ لیا کہ ایک انسانی ہستی وجود میں آکر پھر مطلقاً نابود ہو جاتی ہے، اور اس کی کوئی حقیقت جوہری باقی نہیں رہتی؟ فطرت کا جو قانون وجود و ہستی کے ہر گوشہ میں نافذ ہے۔ وہ زندگی اور روح کے لئے کیوں معطل ہو جائے؟ وہ انسان کی زندگی

سُوْرَةُ الْمُؤْمِنُوْنَ

مکی - ۱۱۸ آیات

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خَاشِعُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ ۝
وَالَّذِيْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فٰعِلُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ۝ اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا
مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ ۝ فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ
هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَوٰتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْوٰرِثُوْنَ ۝
الَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ الْفِرْدَوْسَ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝ وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ

الجزء الثامن عشر

۱ بلاشبہ ایمان لانے والے کامیاب ہوئے (کون ایمان لانے والے؟) جو اپنی نمازوں میں خشوع و خضوع رکھتے ہیں
۲-۳ جو لغو باتوں سے رخ پھیرے ہوئے ہیں جو زکوٰۃ ادا کرنے میں سرگرم ہیں
۴ جو اپنے ستر کی نگہداشت سے کبھی غافل نہیں ہوتے
۵ ہاں اپنی بیبیوں سے یا لونڈیوں کا علاقہ رکھتے ہیں یا اُن سے جو ان کی ملکیت میں آگئیں (یعنی غلامی کی حالت میں پڑی ہوئی عورتیں جو ان کے نکاح میں آگئیں) تو ان سے علاقہ رکھنے پر ان کے لئے کوئی ملامت نہیں اور جو کوئی (اس معاملہ میں) اس کے علاوہ کوئی دوسری صورت نکالے تو ایسی صورتیں نکالنے والے ہی ہیں جو حد سے باہر ہو گئے۔
۶-۷
۸ نیز جن کا حال یہ ہے کہ اپنی امانتوں اور عہدوں کا پاس رکھتے ہیں اور اپنی نمازوں کی حفاظت میں
۹-۱۰ کبھی کوتاہی نہیں کرتے، تو یقیناً ایسے ہی لوگ ہیں جو
۱۱ اپنا ورثہ پانے والے ہیں۔ یہ فردوس کی زندگی میراث میں پائیں گے۔ ہمیشہ کے لئے اس میں بسنے والے
اور (دیکھو) یہ واقعہ ہے کہ ہم نے انسان کو مٹی کے خلاصہ

(۱) یہ مکی زندگی کی آخری تنزیلات میں سے ہے۔ بلا تفاوت الانبیاء کے بعد نازل ہوئی۔

یہ وہ زمانہ تھا کہ مسلمانوں کی ایک چھوٹی سی جماعت مکہ میں پیدا ہو گئی تھی۔ اور دعوت حق کے فیضان نے اس کے خصائص اسلامی آشکارا کر دیے تھے۔ یہ گویا یورپینوں کی پہلی جماعت تھی جو اس شفاخانہ سے تندرست ہو کر نکلی۔ اب طبیب ان کی طرف اشارہ کر کے کہہ سکتا تھا کہ جسے میری طبابت میں شک ہو وہ انہیں دیکھ لے۔ جو طبیب اپنے نسخہ شفا سے ایسی تندرست روحیں پیدا کر دیتا ہے وہ طبیب ہے یا نہیں؟

یعنی یہ جماعت اپنے خصائص ایمانی و عملی میں دعوت حق کی صداقت کی ایک مشہور دلیل بن گئی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ اس عہد کی سورتوں میں جابجا اس کے اعمال و خصائص کی طرف اشارات کئے ہیں

اس سورت کی ابتدا اسی مرقع سے ہوتی ہے۔ غور کرو۔ اس مرقع کے اصلی نقش و نگار کیا کیا ہیں۔

(۲) بیان خصوصیت کے ساتھ پانچ وصف بیان کئے۔ گویا قرآن کے نزدیک ایمان و عمل کے مرقع میں سب سے زیادہ نمایاں یہی خط و خال ہیں جس زندگی میں یہ خصائص نہ ہوں وہ مومن زندگی نہیں سمجھی جا سکتی۔

(۱) نماز کی محافظت اور اس کا خشوع و خضوع کے ساتھ ادا

(۲) دلایل بعث کے بیان کے بعد فرمایا - ومن الناس من یجادل فی اللہ بغیر علم ولا ھدی ولا کتاب منیر (۸) اور کتنے ہی آدمی ہیں جو اللہ کے بارے میں جھگڑنے لگتے ہیں" اور ان کی حالت کیا ہوتی ہے ؟ یہ کہ نہ تو علم کی روشنی رکھتے ہیں نہ کوئی رہنمائی کی راہ، اور نہ کوئی کتاب روشن - اور عرفان حق کے یہی تین وسایل ہیں جو انسان کو حاصل ہو سکتے ہیں پس ایسے لوگوں کے لئے سچائی کی کوئی دلیل بھی سودمند نہیں، وہ دلایل بعث کی یہ تمام موعظت سن کر بھی سر ہلا دیں گے کہ بات سمجھ میں نہیں آتی -

یہ آیت نہایت عبارت قرآنی میں سے ہے کیونکہ اس نے جدال فی اللہ بغیر علم کی حالت کی طرف اشارہ کیا ہے، اور یہی حالت قرآن کے نزدیک جہل وضلالت انسانی کا سب سے بڑا مبدا ہے، لیکن چونکہ یہ مقام زیادہ تفصیل کے ساتھ آئندہ سورتوں میں آنے والا ہے، اس لئے یہاں اسکی تشریح میں جانا ضروری نہیں -

فِيهَا فَوَاكِهُ كَثِيرَةٌ وَمِنْهَا تَأْكُلُونَ ۝ وَشَجَرَةً تَخْرُجُ مِنْ طُورِ سَيْنَاءَ تَنْبُتُ بِالدُّهْنِ وَصِبْغٍ ۱۹
لِّلْآكِلِينَ ۝ وَإِنَّ لَكُمْ فِي الْأَنْعَامِ لَعِبْرَةً ۖ نُّسْقِيكُم مِّمَّا فِي بُطُونِهَا وَلَكُمْ فِيهَا مَنَافِعُ كَثِيرَةٌ وَّ ۲۰
مِنْهَا تَأْكُلُونَ ۝ وَعَلَيْهَا وَعَلَى الْفُلْكِ تُحْمَلُونَ ۝ وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا إِلَىٰ قَوْمِهِ فَقَالَ يَا قَوْمِ اعْبُدُوا ۲۱
اللَّهَ مَا لَكُم مِّنْ إِلَٰهٍ غَيْرُهُ ۖ أَفَلَا تَتَّقُونَ ۝ فَقَالَ الْمَلَأُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِن قَوْمِهِ مَا هَٰذَا إِلَّا ۲۲
بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُرِيدُ أَن يَتَفَضَّلَ عَلَيْكُمْ ۚ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَأَنزَلَ مَلَائِكَةً ۖ

جسے اس کا خلاصہ اور سنت سمجھنا چاہئے۔ اسی خلاصہ سے زندگی کی اولین نمود ہوئی اور اسی سے بالآخر وجود انسانی متشکل ہوا۔

یہ تو پہلی پیدائش ہوئی اس کے بعد پیدائش کا سلسلہ کس طرح جاری ہوا؟ توالد و تناسل سے چنانچہ پہلے نطفہ رحم مادر میں جگہ پکڑتا ہے پھر اس پیدائش کے مختلف دور طاری ہوتے ہیں۔ قرآن نے یہاں اور دوسرے مقامات میں تشکیل جنین کے جو ہر مراتب خمسہ بیان کئے ہیں گذشتہ زمانے میں ان کی پوری حقیقت واضح نہیں ہوئی تھی کیونکہ علم تشریح جنین موجودہ صورت میں بالکل ناقص حالت میں تھا لیکن اب انیسویں صدی کی تشریحی تحقیقات نے تمام پردے اٹھا دئے ہیں اور ان سے پوری طرح ان تصریحات کی تصدیق ہو گئی ہے خصوصاً ثم انشاناہ خلقا آخر کی تفصیل اس کی سورت کے آخری نوٹ میں ملے گی۔

تمہارے لئے بہت سے پھل پیدا ہوتے ہیں بعض تمہارے ۱۹
کھانے میں کام آتے ہیں۔
اور وہ درخت جو طور سینا میں پیدا ہوتا ہے (یعنی
زیتون کا درخت جو چکنائی اگاتا ہے اور کھانے والوں
کے لئے (نہایت اچھا) سالن: ۲۰
اور (دیکھو) تمہارے لئے چارپایوں کی خلقت
میں بھی بڑی ہی عبرت ہے۔ جو کچھ ان کے شکم میں بھرا
ہے (یعنی ناگوار آلائشیں) اسی میں سے تمہارے لئے
پینے کی (خوشگوار) چیز پیدا کر دیتے ہیں (یعنی دودھ)
اور تمہارے لئے ان کے وجود میں اور بھی طرح طرح کے فائدے ہیں۔ انہی میں سے بعض تمہارے لئے غذا ۲۱
کا کام بھی دیتے ہیں تم (خشکی میں) ان پر اور جہازوں پر (سمندر میں) سوار بھی ہوتے ہو۔ ۲۲

(۳) انسان اگر غور کرے تو حقیقت کے دلایل و شواہد اسے تین راہوں سے گھیرے ہوئے ہیں۔ خود اسکی ہستی کا ہر گوشہ سرتاسر دلیل حقیقت ہے۔ یہ قرآن کی اصطلاح میں "عالم النفس" ہے اس کے باہر جو کچھ ہے وہ بھی حقیقت کا پیام ہے یہ "عالم آفاق" ہے۔ پھر عالم آفاق کے دلایل کی بھی دو قسمیں ہوئیں۔ کائنات ہستی کی خلقت و قوانین کے مظاہر۔ یہ آیات کونیہ ہیں۔ اقوام ماضیہ کے احوال و تجارب پر۔ یہ تاریخی دلایل ہیں۔

قرآن کا اسلوب بیان یہ ہے کہ وہ ان تمام اقسام سے استدلال کرتا، اور ایک قسم کے دلایل کے بعد دوسری قسم کے دلایل لاتا ہے اس سورت میں علی الترتیب تینوں قسموں کے دلایل جمع ہو گئے ہیں۔ آیت (۱۲) سے (۱۷) تک انسان کو توجہ دلائی ہے کہ خود اپنی خلقت پر غور کرے۔ آیت (۱۷) سے (۲۲) تک عالم آفاق کے دلایل

اور (پھر دیکھو) یہ واقعہ ہے کہ ہم نے نوح کو ۲۳
اس کی قوم کی طرف (ہدایت کے لئے) بھیجا تھا۔ اس
نے کہا تھا "بھائیو! اللہ کی بندگی کرو۔ اس کے
سوا تمہارا کوئی معبود نہیں۔ کیا تم (بدعملی کے نتائج
سے) ڈرتے نہیں؟"
اس کی قوم کے جن سرداروں نے کفر کی راہ
اختیار کی تھی، وہ یہ سن کر (لوگوں سے) کہنے لگے "یہ
آدمی اس کے سوا کیا ہے کہ تمہارے ہی جیسا ایک آدمی ہے؟
مگر چاہتا ہے تم پر اپنی بڑائی جتائے۔ اگر اللہ کو کوئی ایسی ہی

سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ ۝ ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ ۝ ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ ۱۳
مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰمًا فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ ۱۴
اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ ۝ ثُمَّ اِنَّكُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ لَمَيِّتُوْنَ ۝ ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ تُبْعَثُوْنَ ۝ وَلَقَدْ خَلَقْنَا ۱۵ ۱۶
فَوْقَكُمْ سَبْعَ طَرَآئِقَ ۚ وَمَا كُنَّا عَنِ الْخَلْقِ غٰفِلِيْنَ ۝ وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً بِقَدَرٍ فَاَسْكَنّٰهُ فِي ۱۷
الْاَرْضِ ۚ وَاِنَّا عَلٰى ذَهَابٍ بِهٖ لَقٰدِرُوْنَ ۝ فَاَنْشَاْنَا لَكُمْ بِهٖ جَنّٰتٍ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّاَعْنَابٍ لَّكُمْ ۱۸ رکوع

کرنا" شروع کرنا پورا مفہوم کسی ایک لفظ میں ادا نہیں کیا جا سکتا۔ تم کسی باہیبت و اجلال مقام میں کھڑے ہو جاؤ، تو تمہارے ذہن و دل پر جیسی حالت طاری ہو جائیگی؟ ایسی ہی حالت کو عربی میں "خشوع" کی حالت کہتے ہیں۔

(ب) ہر اس بات سے مجتنب رہنا جو کمی ہو۔ صرف انہی باتوں کا اشتغال رکھنا جو دین و دنیا میں نافع ہوں۔

(ج) اپنی کمائی اپنے محتاج بھائیوں کے لئے خرچ کرنا۔

(د) زنا سے کبھی آلودہ نہ ہونا۔

(ہ) امانت دار ہونا، اپنے عہدوں کو پورا کرنا۔

آیت (۷) سے معلوم ہوا کہ قرآن کے نزدیک اتخاذ تسلی کا جائز طریقہ صرف ایک ہی ہے۔ اور وہ ازدواج کا طریقہ ہے اس کا علاوہ جو طریقہ بھی اختیار کیا جائے گا، ناجائز ہوگا۔ خواہ کسی شکل اور کسی نوعیت کا ہو۔

تمام دنیا کی طرح عرب میں بھی غلامی کی رسم جاری تھی اور لونڈی غلاموں کے معاملہ کو ملک یمین سے تعبیر کرتے تھے کسی چیز پر قابض ہو جانے سے یہاں فرمایا۔ وہ زنا شوی کا علاقہ بجز منکوحہ عورتوں کے اور کسی سے نہیں رکھتے۔ ان کی بیبیاں ہوں جو سوسائٹی کے آزاد افراد میں سے ہیں۔ یا لونڈیاں ہوں جو ان کے نکاح میں آگئی ہیں۔

چونکہ وقت کی سوسائٹی میں آزاد اور غلام افراد کی یہ دو قسمیں پیدا ہو گئی تھیں، اس لئے ان کا ذکر کرنا ناگزیر تھا۔ باقی رہی یہ بات کہ خود قرآن نے رسم غلامی کے باب میں کیا حکم دیا؟ اور کس طرح اسے مٹانا چاہا؟ تو اس کا جواب سورہ محمد کی تشریحات میں ملیگا۔

(۳) آیت (۱۲) میں وہی بات کہی جو سورۂ نوح میں گزر چکی ہے یعنی انسان کی ابتدائی پیدائش کس چیز سے ہوئی؟ سلالۃ من طین۔ ایک ایسے جوہر سے جو کیچڑ کا خلاصہ تھا یعنی مرطوبت مٹی۔ مدتوں تک خمیر کی حالت میں رہی پھر اس میں کوئی ایسی چیز پیدا ہو گئی

سے پیدا کیا یعنی زندگی کی ابتدا مٹی کے خلاصہ سے ہوئی) پھر ہم نے اسے "نطفہ" بنایا۔ ایک ٹھہر جانے اور جما دینے کی جگہ میں۔ پھر "نطفہ" کو ہم نے "علقہ" بنایا پھر "علقہ" کو ایک گوشت کا ٹکڑہ سا کر دیا۔ پھر اس میں ہڈیوں کا ڈھانچہ پیدا کیا۔ پھر ڈھانچے پر گوشت کی تہہ چڑھا دی۔ پھر دیکھو کس طرح اسے بالکل ایک دوسری ہی طرح کی مخلوق بنا کر نمودار کر دیا؟ تو کیا ہی برکتوں والی ہستی ہے اللہ کی پیدا کرنے والوں میں سب سے بہتر پیدا کرنے والا۔

پھر (دیکھو، اس پیدائش کے بعد) تم سب کو ضرور مرنا ہے، اور پھر (مرنے کے بعد) ایسا ہونا ہے کہ قیامت کے دن اٹھائے جاؤ!

اور (دیکھو) یہ ہماری ہی کارفرمائی ہے کہ تمہارے اوپر (گردش کے) سات راستے بنائے اور ہم مخلوق کی طرف سے غافل نہ تھے۔

اور ہم نے ایک خاص اندازہ کے ساتھ آسمان سے پانی برسایا، اور اسے زمین میں (حسب ضرورت) ٹھہرائے رکھا اور ہم یقیناً قادر ہیں کہ اسے (جس طرح نمودار کیا۔ اسی طرح اڑا) لے جائیں۔

پھر اسی پانی کی آبیاری سے تمہارے لئے کھجوروں اور انگوروں کے باغوں کو نشو و نما دے دی ان باغوں میں

خَيْرُ الْمُنْزِلِينَ ۝ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ وَإِن كُنَّا لَمُبْتَلِينَ ۝ ثُمَّ أَنشَأْنَا مِن بَعْدِهِمْ قَرْنًا آخَرِينَ ۝ ۲۹ ۳۰ ۳۱

فَأَرْسَلْنَا فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُم مِّنْ إِلَٰهٍ غَيْرُهُ ۖ أَفَلَا تَتَّقُونَ ۝ وَقَالَ الْمَلَأُ مِن قَوْمِهِ الَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِلِقَاءِ الْآخِرَةِ وَأَتْرَفْنَاهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ۙ مَا هَٰذَا إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۙ يَأْكُلُ مِمَّا تَأْكُلُونَ مِنْهُ وَيَشْرَبُ مِمَّا تَشْرَبُونَ ۝ وَلَئِنْ أَطَعْتُم بَشَرًا مِّثْلَكُمْ إِنَّكُمْ إِذًا لَّخَاسِرُونَ ۝ أَيَعِدُكُمْ أَنَّكُمْ إِذَا مِتُّمْ وَكُنتُمْ تُرَابًا وَعِظَامًا أَنَّكُم مُّخْرَجُونَ ۝ هَيْهَاتَ هَيْهَاتَ لِمَا تُوعَدُونَ ۝ ۳۲ ع ۲ ۳۳ ۳۴ ۳۵ ۳۶

ہے اور انسان کے لئے نہایت مقوی غذا اور دوا کا کام دیتا ہے۔ ان میں سب سے زیادہ عجیب و نافع درخت زیتون کا درخت ہے اس کا دانہ مسترسر دہیت ہے، حتیٰ کہ اگر شکنجی میں کچلکر دو سیر بیل ڈالو تو تیل کے قطرے ٹپکنے لگیں گے۔ خواص کے لحاظ سے کوئی چکنائی اتنی معتدل اور موافق نہیں جتنی زیتون کی ہے۔ شاید بہت کم لوگوں نے اس بات پر غور کیا ہوگا کہ درخت زیتون کے لئے تمام دنیا کا محتاج و ہمیشہ سے نباتاتی دہیت ہی پر رہا ہے اور اس میں بھی خوبی قسمت کے ساتھ زیتون پر یہ حضرت ہندوستان ہے جہاں کبھی کوئی بنا کر استعمال کرنے کا رواج پیدا ہوا، اور لوگ اسے نباتاتی دہیت پر ترجیح دینے لگے۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا کی دوسری زبانوں میں بھی زیتون کے لئے کوئی خاص لفظ ملتا ہے اس سے آشنا ہی نہ تھے۔

زیتون کے لئے طور سینا کی طرف اس نے اشارہ کیا کہ مناسبت زیتون میں سے قریب تر مقام جزیرہ نمائے سینا ہی کا معلوم تھا گویا زیتون کی اصلی دنیا یہاں سے شروع ہو جاتی ہے

۲۹ جگہ دینے والا ہے۔"

بلاشبہ اس واقعہ میں (سمجھنے والوں کے لئے) بڑی ہی نشانیاں ہیں نیز یہ کہ یہاں ضرور ایسا ہوتا ہی کہ ہم لوگوں کو آزمائش میں ڈالیں۔

۳۰ پھر ہم نے قوم نوح کے بعد قوموں کا ایک دوسرا دور پیدا کر دیا۔ ان میں بھی اپنا رسول بھیجا جو خود انہی ۳۱ میں سے تھا (اس کی پکار بھی یہی تھی:) کہ اللہ کی بندگی کرو۔ اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں۔ کیا تم (انکار و فساد کے نتائج بد سے) ڈرتے نہیں؟

۳۲ اس کی قوم کے جن سرداروں نے کفر کی راہ اختیار کی تھی اور آخرت کے پیش آنے سے منکر تھے اور جنہیں دنیا کی زندگی میں ہم نے آسودگی دے رکھی تھی (لوگوں سے) کہنے لگے "اس سے زیادہ اس کی کیا حیثیت ہے کہ تمہارے ہی جیسا ایک آدمی ہے۔ جو کچھ تم کھاتے ہو یہ بھی کھاتا ہے جو کچھ تم پیتے ہو یہ بھی پیتا ہے،

۳۳ اگر تم نے اپنے ہی جیسے ایک آدمی کی اطاعت کر لی تو بس سمجھ لو تم تباہ ہوئے تم سنتے ہو۔ یہ کیا کہتا ہے؟ یہ تمہیں امید دلاتا ہے کہ جب مرنے کے بعد محض مٹی اور ہڈیوں کا

۳۵ چورہ ہو جاؤ گے تو پھر تمہیں موت سے نکالا جائے گا کیسی انہونی بات ہے جس کی تمہیں توقع دلاتا ہے! (بھلا دوبارہ زندہ ہونا کیسا؟) زندگی تو بس یہی

۳۱ زندگی ہے جو دنیا میں ہم بسر کرتے ہیں یہیں مرتے

(۷) آیت (۲۲) سے اقوام ماضیہ کی سرگزشتوں کا جو بیان شروع ہوا ہے وہ تمام تر مجمل اشارات پر مشتمل ہے۔ کیونکہ یہاں یہ تفصیلات مقصود بالذات نہیں ہے پچھلی دو موعظتوں کو دلائل قصص سے مزید تقویت دینی ہے۔

چونکہ گذشتہ دعوتوں کا تذکرہ ہر جگہ حضرت نوح کی دعوت سے شروع کیا گیا ہے اور حضرت مسیح کی دعوت پر ختم ہو جاتا ہے اس لئے یہاں بھی ابتداء دعوت نوحی ہی سے ہوئی اور حضرت مسیح کے تذکرہ پر ختم ہو گئی۔ درمیان میں جو قومیں اور نبی میں گزریں ان کی طرف عرف اجمالی اشارہ کر دیا گیا۔ البتہ حضرت موسیٰ کا خصوصیت کے ساتھ

مَا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِيْٓ اٰبَآئِنَا الْاَوَّلِيْنَ ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا رَجُلٌۢ بِهٖ جِنَّةٌ فَتَرَبَّصُوْا بِهٖ حَتّٰى حِيْنٍ ۝ قَالَ
رَبِّ انْصُرْنِيْ بِمَا كَذَّبُوْنِ ۝ فَاَوْحَيْنَآ اِلَيْهِ اَنِ اصْنَعِ الْفُلْكَ بِاَعْيُنِنَا وَوَحْيِنَا فَاِذَا جَآءَ اَمْرُنَا
وَفَارَ التَّنُّوْرُ فَاسْلُكْ فِيْهَا مِنْ كُلٍّ زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ وَاَهْلَكَ اِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ مِنْهُمْ
وَلَا تُخَاطِبْنِيْ فِي الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا اِنَّهُمْ مُّغْرَقُوْنَ ۝ فَاِذَا اسْتَوَيْتَ اَنْتَ وَمَنْ مَّعَكَ عَلَى الْفُلْكِ
فَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ نَجّٰىنَا مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۝ وَقُلْ رَّبِّ اَنْزِلْنِيْ مُنْزَلًا مُّبٰرَكًا وَّاَنْتَ

۲۴ ۲۵ ۲۶ ۲۷ ۲۸

کو نیہ بیان کئے ہیں کہ اپنے نفس سے باہر کے عالم میں تفکر کرے آیت (۲۳) سے (۵۳) تک گزشتہ دعوتوں کی سرگزشتوں سے استدلال کیا ہے کہ حوادث ماضیہ سے حال و مستقبل کے لئے عبرت پکڑے اس کے بعد آخر سورت تک جو کچھ بیان ہے وہ اسی سلسلۂ استدلال کے قدرتی نتائج و عبر ہیں۔

بات منظور ہوتی تو کیا وہ فرشتے نہ اُتار دیتا؟ (وہ ہماری ہی طرح کے ایک آدمی کو اپنا پیام پر کیوں بنانے لگا؟) ہم نے اپنے اگلے بزرگوں سے تو کوئی ایسی بات کبھی سنی نہیں۔ کچھ نہیں یہ پاگل ہو گیا ہے پس (اس کی باتوں پر کان نہ دھرو) کچھ دنوں تک انتظار کر کے دیکھ لو اس کا انجام کیا ہوتا ہے۔"

۱۴ ۲۵ ۲۶

اس پر نوح نے دعا مانگی "خدایا! انہوں نے مجھے جھٹلایا ہے تو تو میری مدد کر!"

(۵) آیت (۱۰) سے (۲۲) تک جن دلائل کو تپہ پر توجہ دلائی ہے وہ برہان ربوبیت کا استدلال سے تفصیل کے لئے تفسیر فاتحہ دیکھو آیت (۱۰) میں فرمایا: خلقنا فوقکم سبع طرائق طرائق کے معنی عربی میں راہ کے ہیں۔ لیکن چونکہ ہمارے مفسروں کے سامنے نظام بطلیموسی موجود تھا اور اس میں کواکب کی جگہ طبقات سماوی کی گردش تسلیم کی گئی تھی، اس نے مجبور رہے کہ کسی نہ کسی طرح اسے طبقات کے معنوں میں لے جائیں۔ مگر اب نظام بطلیموسی کا پورا کارخانہ ہی ملیا میٹ ہو گیا۔

سات بڑے ستاروں کا تعین انسانی علم کی نہایت قدیم معلومات میں سے ہے۔ اسی لئے قرآن جا بجا ان کی سیر و گردش اور عجائب آفرینش پر توجہ دلاتا ہے خصوصیت کے ساتھ ان کی خلقت پر اس لئے بھی زور دیا گیا کہ تمام قدیم قوموں میں ان کی پرستش کا اعتقاد پیدا ہو گیا تھا۔ اس لئے ضروری تھا کہ ان کی مخلوقیت کے پہلو پر بار بار زور دیا جاتا۔

۲۷

(۶) آیت (۲۰) میں خصوصیت کے ساتھ زیتون کے درخت کا ذکر کیا ہے۔

فطرت کے اناء و نیضان علم کا یہ ایک خاص گوشہ ہے اس نے دانوں اور پھلوں میں ہر طرح کی ٹھوس غذا ہی پیدا نہیں کی بلکہ روغن کے ایسے ذخیرے بھی مہیا کر دئے جن سے بکثرت نبل نکلتا

پس ہم نے نوح کی طرف وحی بھیجی کہ "ہماری نگرانی میں اور ہماری وحی کے مطابق ایک کشتی بنا۔ پھر جب ایسا ہو کہ ہمارے حکم کا وقت آ جائے اور تنور کے شعلے بھڑک اٹھیں (یعنی ظہور نتائج کا معاملہ پختہ ہو جائے) تو کشتی میں ہر جانور کے دو دو جوڑے ساتھ لے لے اور اپنے گھر والوں کو بھی۔ مگر گھر کے ایسے آدمی کو نہیں جس کے لئے پہلے فیصلہ ہو چکا۔ اور دیکھ! جن لوگوں نے ظلم کیا ہے ان کے بارے میں ہم سے کچھ عرض معروض نہ کیجیو۔ وہ ڈوب کر رہیں گے!"

"اور جب تو اپنے ساتھیوں کے ساتھ کشتی میں سوار ہو جائے تو اس وقت تیری زبان سے یہ صدا اٹھے: ساری ستائشیں اللہ کے لئے جس نے ہمیں ظالم قوم (کی ہیبت) سے نجات دی: نیز یہ دعا بھی مانگیو کہ "خدایا! مجھے اب زمین پر اس طرح اتار کہ برکت کا اترنا ہو اور تو سب سے بہتر

۲۸

ثُمَّ أَرْسَلْنَا مُوسَىٰ وَأَخَاهُ هَارُونَ ۙ بِآيَاتِنَا وَسُلْطَانٍ مُّبِينٍ ۝ إِلَىٰ فِرْعَوْنَ وَمَلَئِهِ فَاسْتَكْبَرُوا ۴۵
وَكَانُوا قَوْمًا عَالِينَ ۝ فَقَالُوا أَنُؤْمِنُ لِبَشَرَيْنِ مِثْلِنَا وَقَوْمُهُمَا لَنَا عَابِدُونَ ۝ فَكَذَّبُوهُمَا فَكَانُوا ۴۶
مِنَ الْمُهْلَكِينَ ۝ وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُونَ ۝ وَجَعَلْنَا ابْنَ مَرْيَمَ وَأُمَّهُ آيَةً وَ ۴۹
آوَيْنَاهُمَا إِلَىٰ رَبْوَةٍ ذَاتِ قَرَارٍ وَمَعِينٍ ۝ يَا أَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوا مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَاعْمَلُوا صَالِحًا ۵۰ ع ۳
إِنِّي بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ ۝ وَإِنَّ هَٰذِهِ أُمَّتُكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً وَأَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُونِ ۝ فَتَقَطَّعُوا أَمْرَهُمْ ۵۱ ۵۲

کہا ہے پھر ان کے بعد جن قرون کی طرف اشارہ کیا ہے اس سے مقصود وہ بے شمار قومیں ہیں جو حضرت موسیٰ کے زمانہ سے پیشتر گزری ہیں اور جن کی نسبت سورۂ ابراہیم کی آیت ۹ میں گزر چکا ہے وَالَّذِينَ مِن بَعْدِهِمْ لَا يَعْلَمُهُمْ إِلَّا اللَّهُ ۔

آیت ہم سے معلوم ہوا کہ ان عہد وار ہیں ہے تمام قومیں ایک اور پامال ہوتیں اور خدا کے رسولوں کا بھی تانتا بندھا رہا لگاتار رسول ظاہر ہوتے رہے کیونکہ فرمایا ارسلنا رسلنا تترا۔ اور انعاً بعضہم بعضاً یکے بعد دیگرے لگاتار رسول ظاہر ہوتے ہے اور ایک کے بعد ایک قومیں ابھرتی اور بادِ خزاں میں پامال ہوتی رہیں۔

پھر (دیکھو) ہم نے موسیٰ اور اس کے بھائی ہارون کو اپنی نشانیاں اور آشکارا دلیلیں دیں اور فرعون اور اس کے سرداروں کی طرف بھیجا لیکن انہوں نے گھمنڈ کیا۔ وہ سرکشوں کا گروہ تھا۔

وہ (آپس میں) کہنے لگے کیا ہم اپنے ہی طرح کے دو آدمیوں پر ایمان لے آئیں؟ حالانکہ ان کی قوم ہماری آگے جھکی ہوئی اور ہماری پرستار ہے؟

پس انہوں نے موسیٰ اور ہارون کو جھٹلایا نتیجہ یہ نکلا کہ ہلاک ہونے والوں میں سے ہو گئے۔

اور یہ بھی واقعہ ہے کہ ہم نے (اس واقعہ کے بعد) موسیٰ کو الکتاب (یعنی تورات) دی بھی تاکہ لوگ (اس کی ہدایت پا

(۱۱) آیت (۵۰) میں حضرت مسیح اور ان کی والدہ (علیہما السلام) کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: وَآوَيْنَاهُمَا إِلَىٰ رَبْوَةٍ ذَاتِ قَرَارٍ وَمَعِينٍ ہم نے انہیں ایک سر بفلک مقام میں پناہ دی جو بسنے کی اچھی جگہ اور پانی کی فراوانی سے شاداب تھی غالباً اس سے مقصود وادیٔ نیل کی بلالی سطح ہے یعنی وہ کہ بالائی حصہ اتنا جبل سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مسیح کی پیدائش کے بعد مریم کے شوہر یوسف نے مال بچے کو ساتھ لیا اور فلسطین سے مصر چلا گیا چنانچہ حضرت مسیح کا بچپن اور شباب وہیں گزرا یہاں تک فلسطین واپس آئے۔ نوجوانی کی عمر تک پہنچ چکے تھے۔ غالباً ان کی زندگی کے اس واقعہ کی طرف یہاں اشارہ کیا گیا ہے۔ دریائے نیل کے پانی کی فراوانی اور اس کے سالانہ سیلاب کی عجیب و غریب نوعیت سرزمین مصر کا ایک امتیازی وصف رہی ہے اس کی آبادی و ویرانی یعنی اس کا وادیٔ قرار و معین ہونا عرب المثل کی طرح زبان زد ہو گیا تھا چنانچہ عراقی کی یہ قدیم شش آج تک مستعمل ہے کہ فلاں ملک میں پانی کی اتنی فراوانی

اور (اسی طرح) ابن مریم (یعنی مسیح) اور اس کی ماں کو (اپنی سچائی کی) ایک بڑی نشانی بنایا، اور انہیں ایک مرتفع مقام میں پناہ دی جو بسنے کے قابل اور شاداب تھی۔

اے گروہ پیغمبران: پاکیزہ چیزیں کھاؤ اور نیک عمل کرو۔ جیسے کچھ تمہارے اعمال ہوئے ہیں مجھ سے پوشیدہ نہیں اور دیکھو یہ تمہاری امت درحقیقت ایک ہی امت ہے اور تم سب کا پروردگار میں ہی ہوں پس (انکار و بدعملی کے نتائج سے) ڈرو (ان تمام پیغمبروں کے ذریعہ جو تعلیم دی گئی وہ یہی تعلیم تھی۔

لیکن لوگ آپس میں ایک دوسرے سے کٹ کر الگ

إِنْ هِيَ إِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوتُ وَنَحْيَا وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوثِينَ ۝ إِنْ هُوَ إِلَّا رَجُلٌ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا ۳۷
وَمَا نَحْنُ لَهُ بِمُؤْمِنِينَ ۝ قَالَ رَبِّ انْصُرْنِي بِمَا كَذَّبُونِ ۝ قَالَ عَمَّا قَلِيلٍ لَيُصْبِحُنَّ نَادِمِينَ ۝ فَأَخَذَتْهُمُ ۳۸ ۳۹
الصَّيْحَةُ بِالْحَقِّ فَجَعَلْنَاهُمْ غُثَاءً ۚ فَبُعْدًا لِلْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ۝ ثُمَّ أَنْشَأْنَا مِنْ بَعْدِهِمْ قُرُونًا آخَرِينَ ۝ ۴۱ ۴۲
مَا تَسْبِقُ مِنْ أُمَّةٍ أَجَلَهَا وَمَا يَسْتَأْخِرُونَ ۝ ثُمَّ أَرْسَلْنَا رُسُلَنَا تَتْرَا ۖ كُلَّمَا جَاءَ أُمَّةً رَسُولُهَا ۴۳
كَذَّبُوهُ فَأَتْبَعْنَا بَعْضَهُمْ بَعْضًا وَجَعَلْنَاهُمْ أَحَادِيثَ ۚ فَبُعْدًا لِقَوْمٍ لَا يُؤْمِنُونَ ۝ ۴۴

نام دیا گیا۔ کیونکہ ان سے سلسلۂ دعوت کے ایک نئے دور کی ابتدا ہوئی تھی۔

۳۷ (۸) ایک صورتِ حال یہ ہے کہ افرادِ انسانی پیدا ہوں اور آباد ہوں، ایک یہ ہے کہ ان کی جماعتی زندگی اور اس کی مدنی خصوصیات اس طرح ابھریں اور عروج تک پہنچیں کہ ایک خاص قومی عہد پیدا ہو جائے۔ عربی میں دوسری حالت کو کسی قوم و ملک کے "قرن" سے تعبیر کریں گے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن نے جابجا "قرن" اور "قرون" کا لفظ اختیار کیا ہے یعنی صرف قوموں کا پیدا ہونا اور آبادیوں میں بسنا ہی نہیں بلکہ قومی عروج و اقبال کے دور اور عہد۔

۳۸ ہمارے مترجموں اور عام مفسروں نے اس پہلو پر غور نہیں کیا وہ قرن اور قرون کا مطلب ادا کرنے کے لیے صرف قوم و اقوام کے الفاظ پر قناعت کر لیتے ہیں۔

۳۹ (۹) منکرینِ حق کے بیان جو عقاید و اقوال نقل کیے ہیں ان پر غور کرو۔ یہ گو یا تمام منکرینِ رسالت کے وجوہِ انکار و اعتراض کا خلاصہ ہے، اور سب کا مشترک اور متفقہ مسلک کیونکہ یہاں کسی خاص دعوت اور اس کے منکروں ہی کا ذکر نہیں ہو رہا ہے، بلکہ ان سب کا جنہوں نے حضرت نوح کے بعد اپنے اپنے وقتوں اور اپنے اپنے ملکوں میں دعوتِ وحی سے روگردانی کی یہ انکار دو باتوں پر مشتمل ہے۔ ایک یہ کہ ہماری طرح کا ایک آدمی جو ہمارا ہی کھاتا پیتا ہے۔ خدا کی سچائی کا پیام کیسے ہو سکتا ہے۔ دوسری یہ کہ مرنے کے بعد پھر زندہ ہونا اور عذاب و ثواب کا پیش آنا نہایت ہی عجیب بات ہے۔ ایسی بات کیونکر مانی جا سکتی ہے۔

۴۰ (۱۰) حضرت نوح کے بعد قومی نشأۃ کے جس عہد کا ذکر کیا ہے غالباً قوم عاد و ثمود کا عہد تھا۔ کیونکہ دوسری جگہ انہیں قوم کا جانشین

۴۱ ہیں یہیں جینا ہے۔ ایسا کبھی ہونے والا نہیں کہ مر کر پھر جی اٹھیں۔ کچھ نہیں یہ ایک مفتری آدمی ہے جس نے اللہ کے نام سے جھوٹ موٹ بات بنا دی ہے ہم کبھی اس پر یقین لانے والے نہیں!"

۴۲ اس پر اس رسول نے دعا مانگی "خدایا! انہوں نے مجھے جھٹلایا۔ پس تو میری مدد کر!"

۴۳ حکم ہوا عنقریب ایسا ہونے والا ہے کہ یہ اپنے کیے پر شرمسار ہونگے" چنانچہ فی الحقیقت ایک ہولناک آواز نے انہیں آپکڑا۔ اور ہم نے خس و خاشاک کی طرح انہیں پامال کر دیا۔ تو محرومی ہو اس گروہ کے لیے کہ ظلم کرنے والا ہے۔

۴۴ پھر ہم نے ان کے بعد قوموں کے اور بہت سے دور پیدا کیے۔ کوئی قوم اپنے مقررہ وقت سے نہ آگے بڑھ سکتی ہے نہ پیچھے رہ سکتی ہے (سب کو قانونِ الٰہی کے مطابق اپنا دور پورا کرنا ہے)۔

پھر ہم نے لگاتار یکے بعد دیگرے اپنے رسول بھیجے لیکن جب کبھی کسی قوم میں اس کا رسول ظاہر ہوا، معاً وہ جھٹلانے پر آمادہ ہو گئی۔ پس ہم بھی ایک کے بعد ایک کر کے انہیں ہلاک کرتے گئے۔ اور ان کی ہستیاں (روایت کا) افسانہ بن گئیں۔ تو ان کے لیے محرومی و نامرادی ہو جو آیاتِ حق پر یقین نہیں کرتے!

كِتٰبُنَا يَنْطِقُ بِالْحَقِّ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ۝ بَلْ قُلُوْبُهُمْ فِيْ غَمْرَةٍ مِّنْ هٰذَا وَلَهُمْ اَعْمَالٌ مِّنْ ۶۲
دُوْنِ ذٰلِكَ هُمْ لَهَا عٰمِلُوْنَ ۝ حَتّٰۤى اِذَاۤ اَخَذْنَا مُتْرَفِيْهِمْ بِالْعَذَابِ اِذَا هُمْ يَجْـَٔرُوْنَ ۝ لَا ۶۳
تَجْـَٔرُوا الْيَوْمَ اِنَّكُمْ مِّنَّا لَا تُنْصَرُوْنَ ۝ قَدْ كَانَتْ اٰيٰتِيْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَكُنْتُمْ عَلٰۤى اَعْقَابِكُمْ ۶۵
تَنْكِصُوْنَ ۝ مُسْتَكْبِرِيْنَ ۖ بِهٖ سٰمِرًا تَهْجُرُوْنَ ۝ اَفَلَمْ يَدَّبَّرُوا الْقَوْلَ اَمْ جَآءَهُمْ مَّا لَمْ ۶۶ ۶۷
يَاْتِ اٰبَآءَهُمُ الْاَوَّلِيْنَ ۝ اَمْ لَمْ يَعْرِفُوْا رَسُوْلَهُمْ فَهُمْ لَهٗ ۶۸

ایک سے، وہ نہیں ہو سکتی یہ تفرقے جو لوگوں نے گمراہ ہو کر پیدا کر لئے ہیں، خوب ہیں، جی بہتے ہیں، امت نہیں

(۱۳) آیت (۵۴) میں خطاب پیمبر اسلام سے ہے فرمایا مخالفت کی راہ سے مخالفوں کا مزاج بھی ہمیشہ ایک ہی طرح کا رہا ہے جس طرح پہلے ہوتا رہا ہے اب بھی ہوگا، اور جو ماننے والے نہیں وہ کبھی نہیں مانیں گے۔ پس انہیں ان کی حالت میں چھوڑ دو اور اپنا کام کئے جاؤ۔

(۱۴) آیت (۵۵) سے (۶۱) تک قانون اعمال کی طرف اشارہ کیا ہے جسکی تشریح سورۂ فاتحہ کی تفسیر میں گزر چکی ہے نیز بھی سورتوں کی تشریحات میں بھی فرمایا یہاں مہلت سب کے لیے ہے اچھوں کے لئے بھی بروں کے لئے بھی پس اگر مخالفوں کو دنیوی زندگی کی خوشحالیاں مل رہی ہیں تو یہ اس لئے نہیں ہے کہ ہمارا قانون مجازات معطل ہو گیا ہے اور ہم چاہتے ہیں بدعملیوں کو بھی انہیں فوائد سے بہرہ ور کریں بلکہ محض اس لئے کہ مقررہ وقت ابھی آیا نہیں۔ اور یہاں ہر نتیجہ کے لئے ایک اجل مسمّٰی کا قانون کام کر رہا ہے۔

اس کے بعد فرمایا خیرات و برکات کے جو سوتوں کی اصلی راہ تو ان لوگوں کی ہے جنہوں نے ایمان و عمل صالح کی راہ اختیار کی اس کی کارائیاں کبھی ختم ہونے والی نہیں۔ ان کی جھاں۔ ان عارضی اور موہوم نہیں وہ اس لئے بلند نہیں ہوتے کہ ایوانہائے سے زمین بلکہ اس لئے کہ اور زیادہ بلند ہوں۔

حال کے مطابق حکم لگا دیتا ہے۔ ایسا کبھی نہیں ہو سکتا کہ کسی ہمان کے ساتھ ناانصافی ہو!

لیکن اصل یہ ہے کہ ان لوگوں کے دل اس حقیقت کی طرف سے غفلت و سرشاری میں پڑ گئے، ان کے اور بھی اعمال (بد) ہیں جو ہمیشہ کرتے رہتے ہیں۔

یہ کرتے رہیں گے۔ یہاں تک کہ ظہور نتائج کی گھڑی سامنے آجائے، جب ہم ان کے خوش حال آدمیوں کو عذاب میں پکڑ لیں گے تو پھر اچانک دیکھو گے کہ (سرکشی کی جگہ) آہ و زاری کر رہے ہیں!

آج آہ و زاری نہ کرو (اس سے کیا فائدہ) تم ہماری طرف سے مدد پانے والے نہیں!

(ایک وقت تھا کہ ہماری آیتیں تمہارے آگے پڑھی جاتی تھیں اور تم الٹے پاؤں بھاگنے لگتے تھے۔ تکبر سے، اور ان کی مجالس میں بیٹھ کر) سے گھمنڈ پیدا ہو جاتا تھا، تم اپنی مجلسوں کی داستان سرائیوں میں انہیں مشغلہ بناتے تھے ان کے حق میں ہذیان بکتے تھے!

(۱۵) آیت (۶۲) میں خطرت کائنات کی ایک بہت بڑی حقیقت چند لفظوں کے اندر بیان کر دی ہے فرمایا یہاں خطاب کا قانون کام کر رہا ہے کہ کسی جان پر اسکی جسمانی (معنوی استطاعت سے زیادہ ذمہ داری نہیں ڈالی جاتی ہر جان سے خطاب کا مطالبہ عمل اتنا ہی ہے جتنے کی اس میں استعداد و صلاحیت کر دی گئی ہے

یعنی فطرت نے ہر وجود کو استعداد دی ہے اور اس استعداد

کیا انہوں نے اس بات پر (یعنی قرآن پر) غور نہیں کیا؟ یا ان کے سامنے کوئی ایسی عجیب بات آگئی ہے جو ان کے اگلے بزرگوں کے سامنے نہیں آئی تھی؟ یا یہ اپنے رسول کو پہچان نہ سکے اس لئے منکر ہو گئے؟ یا یہ کہتے ہیں کہ اسے جنون ہو گیا

بَيْنَهُمْ زُبُرًا ۭ كُلُّ حِزْبٍۢ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ ۝ فَذَرْهُمْ فِيْ غَمْرَتِهِمْ حَتّٰى حِيْنٍ ۝ اَيَحْسَبُوْنَ اَنَّمَا
نُمِدُّهُمْ بِهٖ مِنْ مَّالٍ وَّبَنِيْنَ ۝ نُسَارِعُ لَهُمْ فِي الْخَيْرٰتِ ۭ بَلْ لَّا يَشْعُرُوْنَ ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ هُمْ مِّنْ
خَشْيَةِ رَبِّهِمْ مُّشْفِقُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ يُؤْمِنُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِرَبِّهِمْ لَا
يُشْرِكُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ يُؤْتُوْنَ مَآ اٰتَوْا وَّقُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ اَنَّهُمْ اِلٰى رَبِّهِمْ رٰجِعُوْنَ ۝ اُولٰۗىِٕكَ
يُسٰرِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ وَهُمْ لَهَا سٰبِقُوْنَ ۝ وَلَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ۚ وَلَدَيْنَا

۶۳ ۶۴ ۶۵ ۶۶ ۶۷ ۶۸ ۶۹ ۷۰ ۶۱

ہے، جیسا کہ ہم میں یہ کہ ہر مصر کا ایک امتیازی وصف ہو گیا تھا اس لئے اسی وصف سے اسے یاد کیا گیا۔ اس لشکر میں یہ پہلو بھی پوشیدہ ہے کہ وہ فلسطین جیسا سرسبز ملک ترک کرنے پر مجبور ہو گئے، لیکن اللہ کے فضل نے ایسی جگہ پناہ دی جو فلسطین ہی کی طرح بلکہ اس سے بھی زیادہ ذات قرار و معین تھی!

حضرت مریم اس سفر پر کیوں مجبور ہوئیں؟ اناجیل میں اس کا سبب یہ بیان کیا گیا ہے کہ ہیرودس حاکم روم کے ظلم و تشدد سے جو بچوں نے پیدا مسیح کی خبر دیدی تھی اور وہ چاہتا تھا انہیں قتل کرے تب فرشتے نے یوسف کو خواب میں حکم دیا۔ "اٹھ اور بچے اور اس کی ماں کو ساتھ لے کر مصر بھاگ جا" (متی ۲: ۱۳) لیکن قرآن نے اس بارے میں کچھ نہیں کہا ہے۔

ہو گئے اور اپنا اپنا دین الگ الگ کر لیا۔ اب جو جس کے پلے پڑ گیا ہے اسی میں مگن ہے!

پس (اے پیغمبر!) ان منکروں کو ان کی غفلت و سرشاری میں پڑا رہنے دے۔ ایک مقررہ وقت تک یہ اسی حالت میں رہیں گے۔ پھر حقیقت حال کا فیصلہ ہو جائے گا جیسا کہ ہمیشہ ہوتا رہا ہے)

کیا یہ لوگ خیال کرتے ہیں ہم مال اور اولاد کی (فراوانی) سے اس لئے ان کی امداد کر رہے ہیں کہ بھلائی پہنچانے میں سرگرمی دکھائیں؟ نہیں، (حقیقت حال دوسری ہی ہے، مگر) وہ شعور نہیں رکھتے۔

جو لوگ اپنے پروردگار کے خوف سے ڈرتے رہتے ہیں جو اپنے پروردگار کی نشانیوں پر یقین رکھتے ہیں جو اپنے پروردگار کے ساتھ کسی ہستی کو شریک نہیں ٹھیراتے جو اس کی راہ میں (جتنا کچھ دے سکتے ہیں) بلا ملال دیتے ہیں اور پھر بھی ان کے دل ترساں رہتے ہیں کہ اپنے پروردگار کے حضور لوٹنا ہے تو بلاشبہ یہ لوگ ہیں جو بھلائیوں کے لئے تیز گام ہیں اور یہی ہیں جو اس راہ میں سب سے آگے نکل جانے والے ہیں!

اور ہم کسی جان پر ذمہ داری نہیں ڈالتے مگر اتنی ہی جتنی کی اس میں طاقت ہے (یعنی استعداد ہے) ہمارے پاس (ان سب کی حالت و استعداد کے لئے) نوشتہ ہے جو ٹھیک ٹھیک (حقیقت

۱۳۱ (۱۱ تا ۵۱) یہ وحدت دین و امت کی وہی اصل عظیم سامنے آ گئی ہے جو پچھلی سورتوں میں جا بجا گزر چکی ہے اور ابھی ابھی سورہ انبیاء میں پڑھ چکے ہو۔ فرمایا ان تمام رسولوں پر جو ان بے شمار نوعوں میں آتے رہے، جو تعلیم بازگشت کی گئی تھی وہ کیا تھی؟ یہی کہ اچھی چیز یہ ہے کہ نیک عملی کی زندگی بسر کرو۔ الگ الگ نہ ہو جاؤ۔ تمہارا پروردگار ایک ہے اور تمہاری امت بھی ایک ہی امت ہے یہی سچائی کی سیدھی راہ ہے۔

لیکن لوگوں نے وحدت کی جگہ تفرقہ کی اور جمعیت کی جگہ فرقہ بندی کی راہ اختیار کی۔ اب جو جس کے پلے پڑ گیا ہے اسی میں مگن ہے۔

غور کرو آیت (۵۲) میں کل حزب فرمایا کل امۃ نہیں کہا کیونکہ قرآن کے نزدیک نوع انسانی کی امت ایک ہی ہے۔

فَمَا اسْتَكَانُوا لِرَبِّهِمْ وَمَا يَتَضَرَّعُونَ ۝ حَتَّىٰ إِذَا فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَابًا ذَا عَذَابٍ شَدِيدٍ إِذَا هُمْ
فِيهِ مُبْلِسُونَ ۝ وَهُوَ الَّذِي أَنْشَأَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ وَالْأَفْئِدَةَ ۖ قَلِيلًا مَا تَشْكُرُونَ ۝ وَهُوَ الَّذِي
ذَرَأَكُمْ فِي الْأَرْضِ وَإِلَيْهِ تُحْشَرُونَ ۝ وَهُوَ الَّذِي يُحْيِي وَيُمِيتُ وَلَهُ اخْتِلَافُ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ ۚ أَفَلَا
تَعْقِلُونَ ۝ بَلْ قَالُوا مِثْلَ مَا قَالَ الْأَوَّلُونَ ۝ قَالُوا أَإِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَعِظَامًا أَإِنَّا
لَمَبْعُوثُونَ ۝ لَقَدْ وُعِدْنَا نَحْنُ وَآبَاؤُنَا

۷۶ ۷۷ ۷۸ ۷۹ ۸۰ ۸۱ ۸۲

بنی اسرائیل کی آیت (۶۶) میں گزر چکا ہے: امنا متر فیہا، نفسقوا فیہا، فحق علیہا القول۔ اس سے معلوم ہوا، انفرادی زندگی میں بھی کاہلی اور کثرتِ دنیوی خوش حالی کی زندگی ہو جاتی ہے اور ہمیشہ حق و صداقت کی مخالفت وہیں سے شروع ہوتی ہے۔

سبب اس کا ظاہر ہے خوش حالی و ثروت کی حالت ایک ایسی حالت ہے کہ اگر کسی جماعت میں پھیلی ہوئی ہو۔ تو اس سے بڑھ کر کوئی فتنہ نہیں کیونکہ جب دولت صرف چند افراد ہی کے قبضہ میں آگئی باقی افراد جماعت محروم رہ گئے، تو قدرتی طور پر ہر طرح کا غلبہ و تسلط چند افراد کے ہاتھ آجائے گا۔ اور ایسے غلبہ و تسلط کا نتیجہ ہمیشہ ظلم اور استکبار عن الحق ہے۔

یہی وجہ ہے کہ قرآن جس جماعتی خوش حالی کو اللہ کا سب سے بڑا فضل قرار دیتا ہے اسی کو انفرادی حالت میں فتنہ اور شر بھی کہتا ہے، چونکہ ہمارے مفسروں کی نظر اس پہلو پر نہ تھی اس لئے یہ مقام واضح نہ ہو سکا۔ آج تمام دنیا میں شور مچ رہا ہے کہ انفرادی سرمایہ داری دنیا کے لئے مصیبت ہے لیکن قرآن تیرہ سو برس پہلے اسے فتنہ قرار دے چکا، اور اس کے لئے اکتناز کا لفظ بول چکا ہے والذین یکنزون الذہب والفضۃ ولا ینفقونہا (۹: ۳۴) مشکل یہ ہے کہ جب تک قرآن کی صدا صرف قرآن کی صدا ہے، تمہاری نظر میں حجت نہیں جب وہی بات وقت کے ذہن و فکر کے حلقوں سے اٹھنے لگتی ہے تو تم فوراً اس کی پرستش شروع کر دیتے ہو!

اس پر بھی وہ اپنے پروردگار کے آگے نہ جھکے اور نہ ہی عاجزی کی!

پھر جب معاملہ یہاں تک پہنچ جائے گا کہ ہم ان پر ایک بڑے ہی سخت عذاب کا دروازہ کھول دیں، تو اس وقت اچانک متحیر ہو کر رہ جائیں گے۔

اور (دیکھو) وہی ہے جس نے تمہارے (سننے کے لئے) کان (دیکھنے کے لئے) آنکھ (سوچنے کے لئے) دل[1] پیدا کر دئے۔ مگر بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ تم شکر بجا لاؤ!

اور وہی ہے جس نے تمہیں زمین کی سطح پر ہر طرف پھیلا دیا ہے (اور گزران و معیشت کے مختلف سامان پیدا کر دئے ہیں) اور پھر وہی ہے جس کے حضور اکٹھا کر کے لائے جاؤ گے!

اور وہی ہے جو جلاتا ہے اور مارتا ہے۔ اسی کی کارفرمائی ہے کہ رات دن ایک دوسرے کے پیچھے آتے رہتے ہیں۔ کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے؟

بلکہ یہ (جن نے تو ویسی ہی بات کہی جیسی ان سے پہلے کہہ چکے ہیں۔ انہوں نے کہا جب ہم مر گئے اور مٹی اور ہڈیوں کا چورہ ہو گئے تو پھر کیا ہم (دوبارہ) اٹھائے جائیں گے؟ ہم سے اور ہم سے پہلے ہمارے

[1] یاد رہے کہ عربی میں قلب اور فواد کا اطلاق صرف اس عضو ہی پر نہیں ہوتا جو علم تشریح کا دل ہے بلکہ قوت مدرکہ و عاقلہ پر بھی ہوتا ہے یعنی ذہن و عقل پر۔

۶۹ مُنْكِرُوْنَ ۝ اَمْ يَقُوْلُوْنَ بِهٖ جِنَّةٌ ۭ بَلْ جَاۗءَهُمْ بِالْحَقِّ وَاَكْثَرُهُمْ لِلْحَقِّ كٰرِهُوْنَ ۝ وَلَوِ اتَّبَعَ الْحَقُّ
۷۱ اَهْوَاۗءَهُمْ لَفَسَدَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ ۭ بَلْ اَتَيْنٰهُمْ بِذِكْرِهِمْ فَهُمْ عَنْ ذِكْرِهِمْ
۷۲ مُّعْرِضُوْنَ ۝ اَمْ تَسْـَٔـلُهُمْ خَرْجًا فَخَرَاجُ رَبِّكَ خَيْرٌ ۚ وَهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ۝ وَاِنَّكَ لَتَدْعُوْهُمْ
۷۳ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ وَاِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ عَنِ الصِّرَاطِ لَنٰكِبُوْنَ ۝ وَلَوْ رَحِمْنٰهُمْ
۷۵ وَكَشَفْنَا مَا بِهِمْ مِّنْ ضُرٍّ لَّلَجُّوْا فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ۝ وَلَقَدْ اَخَذْنٰهُمْ بِالْعَذَابِ

کے جواب میں عمل چاہتی ہے لیکن عمل کا یہ تقاضہ ٹھیک اتنا ہی ہوتا ہے جتنے کی استعداد اسے دیدی گئی ہے۔ ایسا نہیں ہو سکتا کہ کسی کو استعداد عمل تو چھٹانک بھر دی ہو اور مطالبہ عمل کا بوجھ اس پر پیر بھر کا ڈال دیا جائے۔

۷۰ یہ مطالبہ عمل کس بات میں ہوتا ہے؟ ترقیوں حق کی انجام دہی میں ہر وجود کو اپنی بقاء و تکمیل کے لیے جدوجہد کرنی پڑتی ہے لیکن جتنی کچھ اور جیسی کچھ جدوجہد کرنی پڑتی ہے اتنی ہی اور اسی کیفیت کی استعداد بھی اسے دیدی گئی ہے ادا کرنے کا مطالبہ اس سے زیادہ نہیں ہوتا جتنی اسکی طاقت و گنجائش ہے اگر استعداد اور مطالبہ عمل میں یہ تطابق کلی نہ ہوتا، تو ممکن تھا کہ کوئی جان بیان نہ ہو سکتی

قرآن کہتا ہے۔ جب اللہ کا یہ قانون ہر جان کے لیے ہے تو ضروری ہے کہ انسان کے لئے بھی ہو اور جس طرح عالم جسم و صورت میں جاری ہے ضروری ہے کہ روح و معنی میں بھی ہو۔ یہی سعادت روحانی کے لیے بھی جو مطالبہ عمل ہے وہ ٹھیک ٹھیک ان کی استعداد عمل کے مطابق ہے۔ اور یہاں عالم جسم و روح دونوں کے لئے اس کا قانون ایک ہی ہے۔

۷۱ یاد رہے کہ اس آیت میں "تکلیف" کو معنی تکلیف شرعی پر لیجانا صحیح نہیں ہو سکتا۔ یہاں "تکلیف" عام معنوں میں بولا گیا ہے اور اس میں ہر طرح کی تکلیف آگئی ہے تکلیف کے لئے ہمیں کوئی موزوں لفظ نہیں ملا۔ اس لئے مجبوراً ہم نے دشوار کی ترکیب اختیار کی یہ نئی اردو ترکیب ہے لیکن اداء مطلب کے لئے نسبتاً بہتر اور جامع ہے۔

۷۲-۷۴ تمہیں (ان میں سے کوئی بات نہیں ہو سکتی) اللہ کا رسول ان کے پاس سچائی کے ساتھ آیا، مگر ان میں سے اکثروں کا یہ حال ہو گیا ہے کہ سچائی کا ماننا انہیں گوارا ہی نہیں ہے۔

اور اگر ایسا ہوتا کہ سچائی ان کی خواہشوں کی پیروی کرتی، تو یقیناً آسمان و زمین اور وہ سب جو ان میں ہے یک قلم درہم برہم ہو جاتا۔ ہم نے ان کے لئے ان کی نصیحت کی بات مہیا کر دی، تو یہ اپنی نصیحت کی بات سے گردن پھیرے ہوئے ہیں۔

(اے پیغمبر) کیا وہ سمجھتے ہیں تو ان سے مال و دولت کا طالب ہے؟ تیرے لئے تو تیرے پروردگار کا دیا مال ہی بہتر ہے (تو ان سے کیوں طالب زر ہونے لگا؟) وہ سب سے بہتر روزی دینے والا ہے!

بلاشبہ یقیناً تو انہیں (کامیابی و سعادت کی) سیدھی راہ کی طرف بلا رہا ہے اور جو لوگ آخرت پر یقین رکھتے وہ یقیناً راہ سے بھٹکے ہوئے ہیں!

اور اگر ہم ان پر (مزید) رحم کریں اور جو کچھ انہیں دکھ پہنچتے رہتے ہیں، دور کر دیں، تو (کیا یہ شکر گزار ہونگے؟ نہیں) یہ اپنی سرکشی میں بھٹکتے ہوئے اور زیادہ بڑھ چلیں گے!

۷۵ اور (دیکھو) ہم نے انہیں عذاب میں مبتلا بھی کیا

(۱۶) آیت (۶۴) میں دیا ہا حتی اذا اخذنا مترفیھم بالعذاب جب ان میں سے خوش حال اور دولت مند لوگوں کو ہم نے مواخذہ میں پکڑا نیز جا بجا ان لوگوں کا خصوصیت کے ساتھ ذکر کیا ہے جو قوم کے دولت مند طبقہ میں سے ہوتے ہیں یہ

مَا اتَّخَذَ اللّٰهُ مِنْ وَّلَدٍ وَّمَا كَانَ مَعَهٗ مِنْ اِلٰهٍ اِذًا لَّذَهَبَ كُلُّ اِلٰهٍۢ بِمَا خَلَقَ وَلَعَلَا بَعْضُهُمْ
عَلٰى بَعْضٍ ؕ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ۝ عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝ قُلْ رَّبِّ اِمَّا
تُرِيَنِّيْ مَا يُوْعَدُوْنَ ۝ رَبِّ فَلَا تَجْعَلْنِيْ فِي الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۝ وَاِنَّا عَلٰٓى اَنْ نُّرِيَكَ مَا نَعِدُهُمْ
لَقٰدِرُوْنَ ۝ اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ السَّيِّئَةَ ؕ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَصِفُوْنَ ۝ وَقُلْ رَّبِّ اَعُوْذُ بِكَ
مِنْ هَمَزٰتِ الشَّيٰطِيْنِ ۝ وَاَعُوْذُ بِكَ رَبِّ اَنْ يَّحْضُرُوْنِ ۝ حَتّٰٓى اِذَا جَآءَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ
قَالَ رَبِّ ارْجِعُوْنِ ۝ لَعَلِّيْٓ اَعْمَلُ صَالِحًا فِيْمَا تَرَكْتُ كَلَّا ؕ اِنَّهَا كَلِمَةٌ هُوَ قَآئِلُهَا ؕ

اسی کا نام عدل و قسط بھی ہے اور اسی پر تمام نظام کائنات قائم ہے عالم جسم و مادہ کا ایک ایک گوشہ دیکھ لیجئے ہر گوشہ میں وجود مکونین بتفسیر ایجاب از زندگی، بناؤ کی اصل یہی حقیقت ملے گی۔ یہی حقیقت ہے جو انکار و اعمال انسانی میں ظاہر ہوتی ہے تو اس کا نام ایمان اور عمل صالح ہو جاتا ہے اور یہی حقیقت ہے جس کی طرف ہدایت وحی بلاتی ہے۔

یہاں فرمایا۔ اگر حقیقت الامر جس حق کی خواہشوں کی پیروی کرے تو تمام نظام ارضی و سماوی درہم برہم ہو جائے کیونکہ اللہ جانتا ہے کہ جس حقیقت سے یہ انکار کر رہے ہیں وہی حقیقت ہے جس پر یہ تمام کارخانہ ہستی چل رہا ہے

یہ مقام امت وقف ہے تشریح کے لئے تفسیر انکھ کا مطالعہ کرا جائے۔

نہ تو اللہ نے کسی ہستی کو اپنا بیٹا بنایا۔ نہ اس کے ساتھ کوئی دوسرا معبود ہو سکتا ہے اگر ہوتا تو ہر معبود اپنی ہی مخلوق کی فکر میں رہتا، اور ایک معبود دوسرے معبود پر چڑھ دوڑتا۔ اللہ کی ذات ان باتوں سے پاک ہے جو یہ اس کی نسبت بیان کرتے ہیں!

وہ غیب اور شہادت دونوں جاننے والا ہے (یعنی محسوسات اور غیر محسوسات سب کا جاننے والا ہے اس کے لئے کوئی چیز غیر محسوس نہیں) انہوں نے جو کچھ شرک کی باتیں بنا رکھی ہیں وہ ان سب سے بالا ہے

(اے پیغمبر!) تو کہہ خدایا! جن (نتائج) کا تو نے وعدہ کیا ہے اگر ان کا ظہور میرے سامنے ہونے والا ہے

تو خدایا! مجھے اس گروہ میں نہ رکھیو جو ظالم گروہ ہے!

اور ہم اس پر بھی قادر ہیں کہ جن جن باتوں کا ان سے وعدہ کیا ہے انہیں (تیری زندگی ہی میں) ظاہر کر کے تجھے دکھا دیں۔

اے پیغمبر! برائی کو برائی سے نہیں بلکہ ایسے طرز عمل کے ذریعے دور کر جو بہتر طرز عمل ہو (یعنی عفو و درگزر کر کے) ہم ان باتوں سے بے خبر نہیں جو یہ تیری نسبت کہتے رہتے ہیں۔ تیری دعا ہمارے حضور یہ ہو کہ خدایا میں شیطانی وسوسوں سے تیرے دامن میں پناہ لیتا ہوں بلکہ اس سے بھی پناہ مانگتا ہوں کہ وہ میرے پاس آئیں!

ان منکروں کا حال ایسا ہی رہیگا۔ یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی کے سر ہانے موت آ کھڑی ہو گی تو اس وقت کہنے لگیگا خدایا! مجھے پھر (دنیوی زندگی میں) لوٹا دے کہ زندگی کے جو موقعے میں نے کھو دئے شاید

هٰذَا مِنْ قَبْلُ اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ۝ قُلْ لِّمَنِ الْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهَآ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝
سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ۭ قُلْ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ۝ قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ۝
سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ۭ قُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ۝ قُلْ مَنْۢ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ يُجِيْرُ
وَلَا يُجَارُ عَلَيْهِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ۭ قُلْ فَاَنّٰى تُسْحَرُوْنَ ۝ بَلْ اَتَيْنٰهُمْ
بِالْحَقِّ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ۝

۸۳ ۸۴ ۸۵ ۸۶ ۸۷ ۸۸ ۸۹ ۹۰

(۱۷) آیت (۶۸) پر غور کرو کس طرح قرآن بار بار اس پہلو پر زور دیتا ہے کہ کیا لوگوں نے اس پر تدبر نہیں کیا؟ کیونکہ اس کا سارا معاملہ تدبر و تعقل ہی سے ہے۔ وہ کہتا ہے سچائی کی سب سے بڑی نشانی یہ ہے کہ عقل و بصیرت اسے پالے گی اور جس چیز کی اس سے روگردانی ہوگی پس اگر لوگ قرآن میں تدبر و تفکر کریں تو ممکن نہیں کہ اسکی سچائی انہیں گرویدہ نہ کرلے۔

۸۳

یہاں سے یہ حقیقت بھی واضح ہوگئی کہ قرآن کا مطالبہ غور و فکر کا ہے۔ نہ کہ تقلید کا۔ پس جو شخص قرآن کے مطالب میں غور و فکر نہیں کرتا، وہ اس کا مطالبہ پورا نہیں کرتا، اور پھر جب قرآن کے لئے کہ وحی الٰہی ہے تدبر ضروری ہوا، تو کیونکر یہ بات جائز ہو سکتی ہے کہ کسی مجتہد اور امام کی تحقیق میں تدبر ضروری نہ ہو؟ اور اہل علم کے لئے ضروری ہو کہ از روئے تقلید سر اطاعت خم کر دیں؟

۸۴

۸۵

(۱۸) یہاں تین باتیں فرمائیں کیا انہوں نے قرآن پر غور نہیں کیا؟ اگر غور کرتے تو یقیناً حقیقت پا لیتے کیا انہیں رسول کی معرفت نہ ہوئی؟ اگر ضد اور ہٹ دھرمی سے کام نہ لیں تو اس کی پاکی و صداقت کی معرفت سے کبھی انکار نہیں کر سکتے۔ پھر کیا یہ سمجھتے ہیں، یہ مجنوں ہو گیا ہے کہ ایسی باتیں کرنے لگا ہے؟ لیکن کیا رات بازی کے ساتھ یہ کہنے کی جرأت کر سکتے ہیں کہ سچ مچ کو وہ مجنوں ہے؟

۸۶

۸۷

یہاں سے معلوم ہوا کہ دعوت اسلام کی صداقت کی دو راہیں ہیں۔ قرآن میں تدبر کیا جائے، اور صاحب قرآن کی زندگی میں

۸۸

(۱۹) آیت (۷۱) میں ایک بہت بڑی اصل کائنات کی طرف اشارہ کیا ہے جو قرآن کے مہمات معارف میں سے ہے۔ یعنی قرآن جس حقیقت کو "حق" سے تعبیر کرتا ہے، وہ محض کسی ایک گوشہ ہی کی حقیقت نہیں ہے، جیسا کہ عام طور پر سمجھا گیا ہے، بلکہ اصل کائنات کی ایک عالمگیر حقیقت ہے، وہ کہتا ہے، یہاں اصل تخلیق و تکوین "حق" اور قیام حق کا قانون ہے، اسی کا

۸۹

۹۰

باپ دادوں سے ایسی ہی بات کا وعدہ ہوتا آیا ہے کچھ نہیں۔ پچھلے عہدوں کے افسانے ہیں"۔

(اے پیغمبر) ان منکروں سے کہدے "اچھا اگر تم جانتے ہو تو بتلاؤ زمین اور وہ تمام مخلوقات جو اس میں ہیں کس کے لئے ہیں؟"

وہ فوراً کہیں گے "اللہ کے لئے"

تو کہہ "پھر کیا ہے کہ تم غور نہیں کرتے؟"

تو ان سے پوچھ "وہ کون ہے جو ساتوں آسمانوں کا پروردگار ہے؟ اور (جہاندار کی کے) عرش عظیم کا مالک ہے؟"

وہ فوراً کہیں گے "یہ سب کچھ اللہ ہی کیلئے ہے"

تو کہہ "پھر تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ (شرک و انکار کے نتیجہ سے) ڈرتے نہیں؟"

تو ان سے پوچھ "اگر تم جانتے ہو تو بتلاؤ، وہ کون ہے جس کے قبضہ میں تمام چیزوں کی بادشاہی ہے؟ اور وہ سب کو پناہ دیتا ہے اور کوئی نہیں جو اس کے اوپر پناہ دینے والا ہو؟"

وہ فوراً کہیں گے "یہ صفتیں تو اللہ ہی کے لئے ہیں"۔

تو کہہ "پھر یہ کیا ہے کہ تمہاری عقل ماری گئی؟"

حقیقت یہ ہے کہ ہم نے سچائی انہیں جتلادی اور یہ اپنے (انکار و ادعا میں) قطعاً جھوٹے ہیں!

فَإِنْ عُدْنَا فَإِنَّا ظَالِمُونَ ۝ قَالَ اخْسَئُوا فِيهَا وَلَا تُكَلِّمُونِ ۝ إِنَّهُ كَانَ فَرِيقٌ مِّنْ عِبَادِي يَقُولُونَ رَبَّنَا
آمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَأَنتَ خَيْرُ الرَّاحِمِينَ ۝ فَاتَّخَذْتُمُوهُمْ سِخْرِيًّا حَتَّىٰ أَنسَوْكُمْ ذِكْرِي وَكُنتُم
مِّنْهُمْ تَضْحَكُونَ ۝ إِنِّي جَزَيْتُهُمُ الْيَوْمَ بِمَا صَبَرُوا أَنَّهُمْ هُمُ الْفَائِزُونَ ۝ قَالَ كَمْ لَبِثْتُمْ فِي الْأَرْضِ
عَدَدَ سِنِينَ ۝ قَالُوا لَبِثْنَا يَوْمًا أَوْ بَعْضَ يَوْمٍ فَاسْأَلِ الْعَادِّينَ ۝ قَالَ إِن لَّبِثْتُمْ إِلَّا قَلِيلًا لَّوْ أَنَّكُمْ
كُنتُمْ تَعْلَمُونَ ۝ أَفَحَسِبْتُمْ أَنَّمَا خَلَقْنَاكُمْ عَبَثًا وَأَنَّكُمْ إِلَيْنَا لَا تُرْجَعُونَ ۝ فَتَعَالَى اللَّهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ
لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيمِ ۝ وَمَن يَدْعُ مَعَ اللَّهِ إِلَٰهًا آخَرَ لَا بُرْهَانَ لَهُ بِهِ فَإِنَّمَا حِسَابُهُ عِندَ
رَبِّهِ إِنَّهُ لَا يُفْلِحُ الْكَافِرُونَ ۝ وَقُل رَّبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَأَنتَ خَيْرُ الرَّاحِمِينَ ۝

قالوا ءاذا متنا وكنا ترابا وعظاما ءانا لمبعوثون؟
مرد بشرع کے لئے دیکھو تعد جا تم بجنت تسکین حیات۔

پڑیں تو بلا شبہ نافرمان ہوئے"۔
اللہ فرمائے گا "جہنم میں جاؤ۔ اور زبان نہ کھولو"۔

"ہمارے بندوں میں سے ایک گروہ ایسا بھی تھا جو کہتا تھا۔ خدایا! ہم ایمان لے آئے۔ پس ہمیں بخشدے اور ہم پر رحم فرما تجھ سے بہتر رحم کرنے والا کوئی نہیں! لیکن تم نے انہیں اپنے تمسخر کا مشغلہ بنا لیا تھا۔ یہاں تک کہ اس مشغلہ نے تمہاری یاد بھی بھلا دی تھی تم ان لوگوں کی باتوں پر ہنسا کرتے تھے۔ آج دیکھو ہم نے انہیں ان کے صبر کا بدلہ دیدیا۔ وہی ہیں جو فیروز مند ہوئے!"

ان سے کہا جائے گا "تمہیں خیال ہے۔ زمین میں کتنے برس تک رہے؟"

وہ کہیں گے "بس ایک دن یا ایک دن کا بھی کچھ حصہ (ہمیں ٹھیک وقت کا اندازہ نہیں) ان سے پوچھ جو گنتے رہے ہیں"۔

ان سے کہا جائے گا "ہاں تمہارا زمین میں رہنا اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ ایک بہت ہی تھوڑے زمانہ کا رہنا۔ کاش تم نے یہ بات جانی ہوتی!"

کیا تم خیال کرتے ہو ہم نے تمہیں بیکار کو پیدا کیا ہے اور تم ہماری طرف لوٹنے والے نہیں؟

اللہ کہ بادشاہ حقیقی ہے ایسی بات کرنے سے پاک و بلند ہے، وہ، کہ کوئی معبود نہیں ہے مگر اسی کی ایک ذات جہانداری کے تختِ عزت کا مالک!

اور جو کوئی اللہ کے سوا کسی دوسرے (من گھڑت) معبود کو پکارتا ہے تو اس کے پاس اس کے لئے کوئی دلیل نہیں۔ اس کے پروردگار کے حضور اس کا حساب ہونا ہے۔ یقیناً کفر کرنے والے کبھی کامیابی نہیں پائینگے!

اور (اے پیغمبر!) تو کہہ "خدایا! بخشدے رحم فرما، تجھ سے بڑھ کر کوئی رحم کرنے والا نہیں!"

وَمِنْ وَّرَآئِهِمْ بَرْزَخٌ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ۝ فَاِذَا نُفِخَ فِى الصُّوْرِ فَلَآ اَنْسَابَ بَيْنَهُمْ يَوْمَئِذٍ وَّلَا يَتَسَآءَلُوْنَ ۝
فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ
فِىْ جَهَنَّمَ خٰلِدُوْنَ ۝ تَلْفَحُ وُجُوْهَهُمُ النَّارُ وَهُمْ فِيْهَا كٰلِحُوْنَ ۝ اَلَمْ تَكُنْ اٰيٰتِىْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَكُنْتُمْ
بِهَا تُكَذِّبُوْنَ ۝ قَالُوْا رَبَّنَا غَلَبَتْ عَلَيْنَا شِقْوَتُنَا وَكُنَّا قَوْمًا ضَآلِّيْنَ ۝ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْهَا

(۳۰) آیت (۸۰) کے چند لفظوں کے اندر قرآن کا ایک بہت بڑا استدلال پوشیدہ ہے۔ جلد نہ گزر جاؤ۔ اس پر غور کر لو۔ فرمایا وہی ہے جو جلاتا ہے اور موت طاری کرتا ہے اور اُسی کی کارفرمائی ہے کہ رات دن کے پیچھے آتی رہتی ہے اور دن رات کے پیچھے۔

یہاں "اختلاف اللیل والنہار" کہہ کر اس قانون سنتی کی طرف اشارہ کیا ہے جسے قرآن قانون ازواج سے تعبیر کرتا ہے ہم نے اپنی مصطلحات میں اسے تناقض کہا ہے یعنی کارخانہ ہستی کے ہر گوشہ میں ہم دیکھتے ہیں یہاں کوئی حقیقت آخری اور حتمی نہیں ہے کہ کسی تکمیل میں دو دو ہونے کی ثنویت ضرور پائی جاتی ہے ہر چیز کی تکوین و تشکیل اسی طرح ہوگی کہ دو متماثل اور متقابل ذی عقلیتیں ابھریں گی۔ اور اسی تماثل و تقابل کا تثنیہ ایک مکمل حقیقت کی شکل اختیار کرے گا۔ مثلاً نر کے لئے مادہ، مرد کے لئے عورت، زندگی کے لئے موت، رات کے لئے دن، صبح کے لئے شام، مثبت کے لئے منفی، انکوین کے لئے اضداد جس گوشہ میں بھی دیکھو گے، حقیقت کے ساتھ اس کا کوئی نہ کوئی مثنیٰ ضرور موجود ہے۔ ومن کل شیٔ خلقنا زوجین لعلکم تذکرون (۵۱: ۴۹)

قرآن کا استدلال یہ ہے کہ اگر کارخانہ ہستی کے ہر گوشہ میں دو دو ہونے کی حقیقت کام کر رہی ہے اور یہاں ہستی کی کوئی نمود بغیر اپنے مثنیٰ اور زوج کے نہیں ہے تو پھر تمہیں اس بات پر کیوں تعجب ہوتا ہے کہ انسانی زندگی کی نمود بھی آخری نہیں ہے دوہری ہے اور دوہری زندگی کے لئے بھی ایک مثنیٰ ہے اس کا نام آخرت ہے؟ جس حقیقت کو تم میں جیسوں میں دیکھے ہوئے ہو اور پہچانتے رہتے ہو اسی کو اگلی سی میں دیکھ کر کیوں چونک اٹھتے ہو اسی لئے آیت کا خاتمہ اس پر ہوا کہ افلا تعقلون؟ کیونکہ اس معاملہ میں خطاب متصل سے تھا، اور وہی معقود ہو جاتی ہے

اب غور کرو۔ اس کے بعد کی آیت کس طرح اس آیت سے مربوط ہو گئی؟ اور کس طرح بل کا آنا کس طرح ٹھیک اپنی جگہ میں بیٹھ گیا؛ بل قالوا مثل ما قال الاولون

اس وعظ میں ان میں نیک کام کر سکوں"

حکم ہوگا "ہرگز نہیں۔ محض ایک کہنے کی بات ہے جو یہ کہہ رہا ہے۔ اب ایسا ہونے والا نہیں۔ ان لوگوں کے آگے پیچھے ایک آڑ ہے جو اس دن تک رہیگی کہ دوبارہ اٹھائے جائیں"

پھر جب گھڑی آجائے گی کہ سنگا پھونکا جائے (یعنی تمام انسانی قبیلوں کو دوبارہ اٹھ کھڑے ہونے اور اکٹھا ہو جانے کا حکم ہو) تو اس دن تو ان لوگوں کی باہمی نسبتیں باقی نہیں رہیں گی نہ کوئی ایک دوسرے کی بات ہی پوچھے گا

اس دن جن لوگوں کے نیک عملوں کا پلہ بھاری نکلا بس وہی ہیں جو کامیاب ہونگے اور جن کا پلہ ہلکا ہوا تو وہی ہیں جنہوں نے اپنے کو برباد ہی میں ڈال دیا۔ ہمیشہ جہنم میں رہنے والے!

آگ کے شعلوں کی لپٹ ان کے چہروں کو جھلستی ہوگی، وہ ان میں منہ بگاڑے پڑے ہونگے!

کیا ایسا نہیں ہو چکا ہے کہ میری آیتیں تمہارے آگے پڑھی جاتی تھیں، اور تم انہیں جھٹلاتے رہتے تھے؟"

(ان سے یہ بات کہی جائے گی)

وہ کہیں گے "اے ہمارے پروردگار! در اصل ہماری بدبختی ہم پر چھا گئی تھی۔ ہمارا گروہ گمراہوں کا گروہ تھا اب ہمیں اس حالت سے نکال دے اگر ہم پھر ایسی گمراہی میں

۱۰۱ ۱۰۲ ۱۰۳ ۱۰۴ ۱۰۵ ۱۰۶ ۱۰۷

نے یہ پیدا نظریہ غلط ٹھہرایا، اور تولید و تطور کے اصل پر زور دیا۔ پھر ۱۸۱۷ء میں پانڈر نے اور ۱۸۲۷ء میں بیر نے اسے مزید ترقی دی۔ اس کے بعد سے اسی رخ پر قدم اٹھنا شروع ہو گئے، پھر جب ۱۸۵۹ء میں ڈارون کی کتاب "اصلیت انواع" شائع ہوئی، تو اس نے علم کے تمام گوشوں کی طرح اس گوشہ کے لیے بھی ایک نئی روشنی مہیا کر دی اور بالآخر انیسویں صدی کے آخری سالوں میں ارنسٹ ہیکل (ERNST HAECKEL) کے ہاتھوں یہ تحقیقات تکمیل تک پہنچ گئی۔ اب علم الجنین کا ہر گوشہ نظریوں اور قیاسوں کے سہاروں سے بالکل بے پروا ہو گیا ہے اور جو کچھ ہے تمام تر استقراء و مشاہدات پر مبنی ہے۔ یہ اب فلسفہ کی بحث و تمحیص کا محتاج نہیں کیونکہ خود علم کی ایک حقیقت ہے اس باب میں سب سے زیادہ معتمد خود ارنسٹ ہیکل کی دو کتابیں ہیں۔ نیچرل ہسٹری آف کریشن اور ایوولیوشن آف مین۔ اس مبحث میں ہمارا اعتماد انہی پر ہے۔

جدید تحقیقات

قبل اس کے کہ قرآن کے بیان کردہ مراتب پر نظر ڈالی جائے، معلوم کر لینا چاہئے کہ انسانی وجود کی پیدائش اور اس کے جنین کے احوال و تطورات کے باب میں علم کے حقایق کیا ہیں، یہ مبحث بتفصیل مقدمہ میں ملے گا۔ یہاں مختصر اشارات کرینگے:

تمام حیوانات کی طرح انسان کی پیدائش بھی ایک بیضہ سے ہوتی ہے جسے اصطلاح میں (ovum) کہتے ہیں یعنی خلیۂ تخم (خلیۃ یعنی cell) یہ خلیۂ تخم جنس اناث میں بھی پیدا ہوتا ہے اور جنس رجال میں بھی فعل تلقیح اس وقت واقع ہوتا ہے جب جنس رجال کے خلیات تخم جنس اناث کے بیضہ میں پہنچ جاتے ہیں، یہ خلیۂ تخم ایک بہت ہی دقیق ذرہ کا سا جسم رکھتا ہے یعنی اس کا قطر ایک انچ کا ایک سو بیسواں حصہ بلکہ اس سے بھی کم ہوتا ہے یہی خلیۂ زندگی اور وجود کا اصلی تخم ہے۔

نطفہ کے تراوش کے معنی یہ ہیں کہ جنس رجال کا خلیۂ تخم جنس اناث کے مبیض میں جگہ پا جائے۔ بستقرار ہونے بود جنین کا تطور شروع ہوتا ہے۔ ابتداءً یہ وہ محض خلیات کا ایک کروی مجموعہ ہوتا ہے، پھر ایک مجوف گیند کی سی شکل اختیار کر لیتا ہے جس کے اطراف کی دیوار خلیات سے مرکب ہوتی ہے اس کے بعد یہ خلیات ایک دوسرے سے بالکل مل جاتے ہیں اور آہستہ آہستہ ان میں طولانیت پیدا ہونی شروع ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ بالکل ایک فعل نما (solid shaped) صورت اختیار کر لیتے ہیں اب ان میں ایک ایسی ہیکلی ہیئت پیدا ہو جاتی ہے، جیسی مچھلی کی ہوتی ہے۔ پھر یہ ہیئت حیوانیت قوازب (mammalia) کا سا ہیکل اختیار کر لیتی ہے، اس کے بعد حیوانات بونہ (mammalia) کا ہیکل نمایاں ہوتا ہے لیکن پہلے ادنیٰ درجہ کے حیوانات بونہ کا۔ مثلاً ایسا جیسا آسٹریلیا کے خلد آبی (Duck Billed) کا ہوتا ہے یا ان حیوانات کا جنہیں ذوات الکیس (Marsupials) کہتے ہیں پھر اونچے درجہ کے حیوانات بونہ کا، مثلاً گھوڑا، کتا، بیل۔ پھر یہ مرتبہ ترقی کر کے ایک ایسے ہیکل تک پہنچتا ہے جو ٹھیک ٹھیک بندر کا سا ہوتا ہے۔ دم بھی موجود ہوتی ہے پھر اس میں تبدیلی شروع ہوتی ہے اور بندر کے ترقی یافتہ اعلیٰ اقسام گبن کا سا ہیکل نمایاں ہونے لگتا ہے یعنی گوریلا، شمپانزی، گیبون وغیرہ اقسام کا اب اس کے بعد آخری مرتبہ تطور آتا ہے اور اچانک ایک انقلابی حالت طاری ہونے لگتی ہے۔ یعنی تمام حیوانی و میمونی خصوصیات مفقود ہو جاتی ہیں۔ ایک نئی نوعیت کا ہیکل نمایاں ہو جاتا ہے، اور وجود انسانی اپنی ساری خصوصیتوں اور رعنائیوں کے ساتھ ابھر آتا ہے!

ابتداء کے تمام تطورات ایک مہینے کے اندر طاری ہو جاتے ہیں۔ آخری تطورات دوسرے مہینے کے اندر اور پھر حمل کا بقیہ زمانہ جس قدر گزرتا ہے صورت انسانی ہی کی تکمیل پر گزرتا ہے

قانون حیات عالمگیر و حدت

اس سلسلہ میں جو حقیقت سب سے زیادہ اہم نمایاں ہوئی ہے، اور جس نے علم و نظر کے بہت سے گوشوں میں انقلاب پیدا کر دیا۔ وہ پیدائش حیات کے قانون کی عالمگیر وحدت ہے، نباتات سے لے کر وجود انسانی تک اصل و بنیاد حیات ایک ہی ہے اور جس قدر امتیازی اختلافات پیدا ہوتے ہیں، ٹھیک ٹھیک انہی حدود کے اندر اور انہی ترتیبات سے، جو قانون تشوء ارتقا کی بنا پر مروجی ہیں، اس اعتبار سے اگر انسان کے جنین پر نظر ڈالی جائے، تو حسب ذیل مدارج اور ان کے احکام سامنے آئینگے۔

مدارج تطور

(۱) پہلا درجہ وہ ہے جس میں خلیۂ تخم کی حالت ٹھیک ٹھیک ویسی ہی ہوتی ہے جیسی تمام نباتات اور حیوانات کی۔ گویا اس ابتدائی درجہ میں ایک انسان کا جنین بھی ویسا ہی ہوتا ہے جیسا ایک درخت کا، ایک مچھلی کا، ایک چارپائے کا، ایک پرند کا۔

ث mammalia کا لفظی ترجمہ ذوات الحیاتیں ہے یعنی ایسے جانور جو تری اور خشکی دونوں طرح کے گرد و پیش میں رہتے ہیں ہم نے اس کے لئے قوازب کا لفظ اختیار کیا جو میجر جنرل امین معروف صاحب ہمیں الحیوانات کے اختیارات میں سے ہے۔

سورت کا ترجمہ ختم ہو گیا۔ مگر چند لمحات کی تشریحات باقی رہ گئی ہیں:

خلقتِ وتکمیلِ جنین کے مراتب یہ

قرآن مجید نے اس سورت میں اور دوسرے مقامات میں انسانی پیدائش کے مختلف احوال و مراتب پر توجہ دلائی ہے اور ان سے اللہ تعالیٰ کی قدرت و حکمت اور بعث بعد الموت کے دقوع پر استشہاد کیا ہے یہ مراتب تقریباً چھ ہیں۔ جیسا کہ یہاں آیت (۱۴) میں بیان کئے گئے ہیں:

(ا) "نطفہ" کی حالت جبکہ وہ قرارِ مکین میں ہوتا ہے۔ (ب) "علقہ" کی حالت۔

(ج) "مضغہ" کی حالت۔ (د) "فخلقنا المضغۃ عظاما" کی حالت۔

(ہ) "فکسونا العظام لحما" (و) اگلی پچھلی آخری حالت جسے "خلقاً آخر" سے تعبیر کیا ہے۔

مفسرین کی حیرانی

ان میں سے آخری حالت کو قرآن نے "خلقاً آخر" سے تعبیر کیا ہے یعنی اس مرتبہ میں پہنچ کر کوئی ایسا انقلاب طاری ہو جاتا ہے کہ بالکل ایک دوسری ہی طرح کی خلقت ظہور میں آجاتی ہے۔ گویا مرتبہ (الف) سے لے کر مرتبہ (ہ) تک جنین کی جو حالتیں رہیں اور جس تدریج کی مخلوق بنی رہی وہ کوئی دوسری طرح کی چیز تھی، اور اب اس مرتبہ میں آکر بالکل ایک دوسری طرح کی چیز نمایاں ہو گئی۔ چونکہ مراتب تدریج کی کوئی ایسی واضح علامات ہمارے مفسروں کے سامنے نہ تھی اس لئے قدرتی طور پر کسی کوئی جستی ہوئی تفسیر ان سے بن نہ آئی اور مختلف اقوال بن نکل گئے بعضوں نے کہا۔ اس سے مقصود نفخ روح کی حالت ہے۔ کیونکہ اس مرتبہ سے پہلے روح نہیں ہوتی بعضوں نے کہا یہ تکمیل مادہ سے باہر نکلنے کی طرف اشارہ ہے۔ کیونکہ وضع حمل اسی کے بعد ہوتا ہے بعضوں نے کہا مقصود بالوں کا پیدا ہونا ہے اس سے پہلے بال نہیں ہوتے بعضوں نے کہا نہیں مقصود دانت ہیں دانت اسی مرتبہ میں پیدا ہوتے ہیں بعضوں نے جمع و تطبیق آرائی راہ اختیار کرنی چاہی تو کہا (حسبِ مقصد ہم فوزی کی تکمیل ہے۔ اس میں بال بھی آگئے، دانت بھی آگئے۔ مگر ظاہر ہے کہ ان میں سے کوئی تفسیر بھی "خلقاً آخر" کا تقاضا پورا نہیں کرتی منطوق کے اعتبار سے بھی اور مفہوم کے اعتبار سے بھی۔

مفسرین قدیم معذور تھے!

اسی طرح پچھلے مراتب تطور کی بھی حقیقت واضح نہ ہو سکی۔ "علقہ" کو جمے ہوئے خون کے معنوں میں لے گئے اور "مضغہ" کو گوشت بن جانے کے معنوں میں اور ترتیب نشوء یوں سمجھی گئی کہ پہلے خون پیدا ہوتا ہے اور وہ کلیجی کی طرح جما ہوا ہوتا ہے پھر یہ جمہ خون گوشت بن جاتا ہے پھر اس گوشت میں ہڈیاں پیدا ہوتی ہیں پھر ہڈیوں پر گوشت چڑھ جاتا ہے اس چڑھنے کو "کسونا العظام لحما" میں مجازاً "لحم" کہا ہے۔

لیکن کوئی شبہ نہیں کہ اس مقام کی تشریح و تحقیق حق ادا نہ ہو سکا، تو اسے مفسروں کے قصور فہم پر محمول نہیں کرنا چاہئے کیونکہ اس باب میں وہ یقیناً معذور تھے علم و تحقیق کا یہ گوشہ تمام تر زمانہ حال کی پیداوار ہے اور زمانہ حال میں بھی سب سے آخری عہد کی پیداوار۔ انیسویں صدی کا ابتدائی زمانہ جو تمام علوم حدیثہ کے انکشاف و تکمیل کا سب سے زیادہ شاندار زمانہ ہے پورا گزر گیا، اور کارخانہ فطرت کے اس گوشۂ مستور کے تمام حجاب اٹھ سکے۔ پس اگر اٹھارھویں صدی کے علماء معذور تصور کئے جا سکتے ہیں کہ اس بارے میں بالکل غلط رخ پر جا رہے تھے، حالانکہ خوردبین ایجاد ہو چکی تھی اور انسانی نطفہ کی تشریح کا باب مسدود کھل چکا تھا، تو ظاہر ہے نویں اور دسویں صدی کے مفسرین قرآن کیوں معذور نہ تصور کئے جائیں۔ جن کے سامنے اس سے زیادہ کچھ نہ تھا جتنا ارسطو اپنی کتاب الحیوانات میں اور جالینوس اپنے مقالات میں لکھ چکا تھا۔

علم الجنین کی مختصر تاریخ:

درحقیقت پیدائش حیوانات کے بارے میں گوشتہ دو ہزار سال تک انسانی علم کی پرواز اسی حد تک رہی علم نظر کی تمام شاخوں کی طرح علم الجنین (Embryology) میں بھی ارسطو ہی کی تحقیقات پر تمام تر دارومدار تھا۔ سترھویں صدی میں جب خوردبین کی ایجاد ایک خاص حد تک ترقی پذیر ہوئی تو پرندوں کے انڈوں کا خوردبینی مطالعہ شروع ہوا اور بتدریج ایک نئے نظریہ کی بنیاد پڑ گئی جسے (Preformation Theory) یعنی اس وقت نظریہ ارتقاء سے تعبیر کیا گیا تھا، لیکن اب "منور بروز" کے نظریہ سے تعبیر کیا جاتا ہے یعنی اس نظریہ کا حاصل یہ تھا کہ اصل پیدائش جنس اناث کا بیض (Ovum) ہے جنین پر تطورات کی کوئی نئی حالت طاری نہیں ہوتی۔ بلکہ بیض میں جو کامل وجود موجود ہوتا ہے وہی کھلتے اور بڑھنے لگتا ہے مثلاً انسان کے تخم حیات میں ایک کامل انسان اپنے تمام خارجی و داخلی اعضاء کے ساتھ موجود ہوتا ہے لیکن اتنا چھوٹا ہوتا ہے کہ خوردبین سے بھی اس کا ادراک نہیں کیا جا سکتا۔ اسی کامل تشکل وجود کا بڑھ جانا، نطفہ کا انسان بن جانا ہے ۱۶۷۹ء میں جب ایک ڈچ عالم خوردبینی لیون ہاک (Leeuwenhoek) نے ضیل جال کے مادۂ منویہ کے جراثیم کا انکشاف کیا تو ایک گروہ پیدا ہو گیا جس نے بیض اناث کی جگہ جراثیم منویہ کو اصل حیات قرار دیا۔ تاہم اس رائے میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی کہ جنین پر تطور کی نہیں بلکہ محض بروز و نمو کی حالت طاری ہوتی ہے۔ اٹھارھویں صدی کے وسط تک یہی رائے دقت کی مقبول و معتمد رائے رہی۔ یہاں تک کہ ۱۷۵۹ء میں ایک جرمن محقق فریڈرک (Caspar Friedrich Wolff) نے

چنے سے صاف انکار کر رہا تھا۔ قرآن مجید کے تمام تغیرات کو صاف صاف ایک انقلابی تطور ارتقاء رہا ہے: ثم من نطفۃ، ثم من علقۃ، ثم من مضغۃ (۲۲: ۵) ثم خلقنا النطفۃ علقۃ، فخلقنا العلقۃ مضغۃ (۲۳: ۱۴) یعنی تخلیق کی حالت نطفہ کی ہوتی ہے پھر تخلیق کی دوسری حالت علقہ کی ہوتی ہے۔ پھر تخلیق کی تیسری حالت مضغہ کی ہوتی ہے۔ بس یہ محض کسی ایسے کیڑے کا نشوونما نہیں ہو سکتا جس کے اندر وجود انسانی اپنے تمام اصول وجزئیات کے ساتھ موجود ہو بلکہ ایک حالت کے بعد مرتبہ دوسری حالت کی پیدائش اور دوسرے کے بعد تیسرے کی اور تیسرے کے بعد چوتھے کی پیدائش ہے اور ہر پیدائش تخلق وتطور کی نوعیت میں ظاہر ہوتی ہے ضروری ہے کہ یکے بعد دیگرے طرح طرح کے تغیرات ظاری ہوں، ضروری ہے کہ ہر تطور ایک نئی پیدائش کا حکم رکھتا ہو۔

چونکہ انیسویں صدی کے اواخر تک یہی نظریہ "تلوید وردتہ" عام طور پر تسلیم کیا جاتا تھا۔ اور فن طب و تشریح نے بھی اسی کو اختیار کر لیا تھا، اس لئے جس طرح قدیم مفسروں کو شرح تحقیق آیت میں دشواریاں پیش آئیں اور طرح طرح کی توجیہات کرنی پڑیں اسی طرح مصر اور ہندوستان کے بعض نئے مفسروں کو بھی ٹھوکریں اور زنا مہ بک طنطاوی جوہری، سرسید، ندوہ، شیخ محمد عبدہ وغیرہم کی تفسیروں کی اوراقیوں میں گم ہو گئے انہوں نے کوشش کی کہ قرآن کی تصریحات کو اس کے مطابق کر دکھائیں مطابق ہو نہیں سکتی تھیں اس لئے طرح طرح کا تجوز وتکلف جو لغت وزبان سے کیا جا سکتا ہے جائز کر لیا گیا۔ نہیں سمجھے کہ یہ تمام قطع وبرید چند سالوں کے بعد یکسر بیکار ہو جائیں گی۔

لیکن قرآن کی تصریحات اپنی جگہ پر بدستور قائم رہیں جس طرح قدیم جامہ اس پر راست نہیں آیا تھا، اسی طرح نئے چولے سے بھی اس نے انکار کر دیا۔ یہاں تک کہ حال حیضت یہ ہوا اور نظریوں کی سب کوچی کی جگہ انکشاف ومشاہدہ کی صبح نمودار ہو گئی اب ہر شخص دیکھ سکتا ہے کہ قرآن کو اپنی جگہ سے ہٹنے کی کوئی ضرورت نہ تھی یہ علم کا نقص تھا کہ صحیح جگہ نہ پا سکا۔ آخر اسے اپنی جگہ چھوڑنی پڑی اور وہیں آگیا جہاں تیرہ صدیوں سے قرآن کی صداقت گونج رہی ہے: لا یاتیہ الباطل من بین یدیہ ولا من خلفہ، تنزیل من حکیم حمید۔

تم علم کی ایک ذرا سی نمود دیکھ کر مرغوب ہو جاتے ہو اور چاہتے ہو قرآن کو مورد اس کی جگہ سے ہٹا دو لیکن اگر تم جلدی نہ کرو تو قرآن کو ہٹنے کی ضرورت کبھی نہ ہوگی جاہد یا بدو علم اپنی جگہ چھوڑے گا اور آگے بڑھ کر قرآن کی تصدیق کرے گا۔

اب غور کرو علم کی روشنی میں کس طرح قرآن کی تمام تصریحات واضح ہو رہی ہیں حیرانی ہے کہ لغت وزبان کے قدیمی مقتضیات سے ابھی ہاتھ کیوں نہ اٹھایا جائے؟

(۱) سب سے پہلے جعلناہ نطفۃ فی قرار مکین پر غور کرو مستقر حمل یوں ہوتا ہے کہ جس حمل کا جنسی خلیہ جنس اناث کے جنسی خلیہ سے ملتا ہے اور اس طرح تک جاتا ہے کہ گویا اپنے اصلی مکان میں پہنچ گیا۔ اس صورت حمل کے لئے فی قرار مکین کی ترکیب کس درجہ صحیح اور اوفق ہے؟ دو لفظوں کے اندر پوری وضاحت کے ساتھ دونوں حالتیں آگئیں ہیں کا ٹھہر جانا اور مکین کے ساتھ قرار پا جانا یہ ہے قرار ومکین کس طرح پیدا ہوا؟ دونوں جنسوں کے خلیوں کے اتحاد سے اس اتحاد وامتزاج کی ان میں قدرتی طلب تھی بغیر اس کے قرار نہیں پا سکتے تھے۔

اس وقت تک ہم نے اس کا مطلب یہ سمجھا تھا کہ نطفہ رحم میں قرار پا جاتا ہے لیکن فی الحقیقت بات پوری طرح جمتی نہ تھی رحم تو ایک طرح کا مجوف خول ہے اس میں ایک ذرہ تخم کا پڑ جانا فی قرار مکین سے تعبیر نہیں کیا جا سکتا یہ تعبیر کیسی ہے کہ کوئی نطفہ ہی کی طرح کا دقیق حمل ہونا چاہئے جہاں وہ پہنچ کر اس طرح ٹک جائے جیسے ٹھیک اپنے حجم اور اپنی نوعیت کے مطابق ایک جگہ اسے مل گئی پس یقیناً اس سے مقصود بیضہ کا خلیہ ہے نہ کہ پورا عضو رحم۔

(۲) اس کے بعد "نطفہ" پر مختلف حالتیں طاری ہوتی ہیں، لیکن سب سے پہلی انقلابی حالت کون سی ہوتی ہے جو بالکل ایک نئی قسم کی نوعیت پیدا کر دیتی ہے؟ اور جو تمام آئندہ انقلابوں کے لئے سنگ بنیاد کا کام دیتی ہے؟ وہ حالت جب خلیات کا کروی مجموعہ اچانک طول میں بڑھنے لگتا ہے اور پھر اس طرح کی لمبی چیز بن جاتا ہے جس کے دونوں سرے کسی قدر پھیلے ہوئے ہوتے ہیں۔ پروفیسر ہیکل نے اس مرتبہ کی ابتدائی حالت کو (sea-like stage سے اور پختہ حالت کو sea-like stage سے تعبیر کیا ہے[1]۔ اور ہم نے اس کے لئے حرف "نعش نما" حالت کی تعبیر اختیار کی ہے۔ (اسی مرتبہ تحول کو قرآن نے "علقۃ" کے لفظ

[1] دیکھو پروفیسر موصوف کی کتاب ہی ایو ولیوشن آف مین کا انگریزی ترجمہ مترجمہ جوزف کیب جلد اول صفحہ ۲۵۴ (مطبوعہ ۱۹۱۰ء)

جنین سے متعلق نئی تحقیقات

قرآن اپنی جگہ سے نہیں ہٹا بلکہ علم کو ہٹنا پڑا

قرآن کے معارج سنہ

یہ حالت نطفہ کی ابتدائی حالت ہوتی ہے۔

(ب) پھر خلیات کا کروی مجموعہ ایک دوسرے درجہ میں داخل ہوتا ہے۔ اس درجہ میں پہلا امتیاز نمایاں ہوتا ہے یعنی اب جنین نباتات کے دائرہ سے بلند ہو کر مرتبہ حیوانات کے دائرہ کی چیز بن جاتا ہے۔ ہم تمام حیوانات کا جنین اب ہی پاتے ہیں مگر نباتات کا نہیں۔

یہ حالت دو ہفتہ کے اندر طاری ہو جاتی ہے۔

(ج) تیسرے ہفتہ میں جنین دگنی طوالت پیدا کر لیتا ہے اور فعل کی سی شکل بن جاتی ہے۔ نیز ایک نشان ظاہر ہو جاتا ہے جو آگے چل کر سر بننے والا ہوتا ہے۔ یہی نشان تین بنیادی جاسوں کی پہلی داغ بیل ہے۔

اس درجہ میں دوسرا امتیاز نمایاں ہوتا ہے یعنی اب جنین حیوانات کے عام دائرہ سے نکل کر حیوانات لبونہ کے خاص دائرہ میں آجاتا ہے لیکن ادنیٰ درجہ کے دائرہ میں۔

(د) چوتھے ہفتہ میں سر کا نشان ایک غیر متشکل گنبد کی سی ہیئت پیدا کرنے لگتا ہے اس کے اندر دیکھنے کے چاروں خانے بھی نمایاں ہو جاتے ہیں۔ عنصری نالیاں بھی ابھر آتی ہیں۔ دل کے چاروں حصے بھی وجود پذیر ہو جاتے ہیں۔ اور سب سے زیادہ یہ کہ ریڑھ کی ہڈی کا ڈھانچہ پوری طرح نشو نما پانے لگتا ہے۔

اس درجہ میں پہنچکر جنین اعلیٰ درجہ کے حیوانات لبونہ کی خصوصیات پیدا کر لیتا ہے یعنی اب انسان کا جنین ایسا ہو جاتا ہے جیسا گھوڑے، بیل، کتے وغیرہ شیر خوار جانوروں کا ہوتا ہے۔

اب حمل کا پہلا مہینہ ختم ہو گیا۔

(ہ) پانچوں ہفتہ سے صورت آرائی کا زیادہ مشخص دور شروع ہوتا ہے لیکن یہ بندر کے ہیکل کا ہوتا ہے۔ اس درجہ کے جنین کی تصویر بندر کے جنین کی تصویر کے ساتھ رکھی جائے تو دونوں میں کوئی نمایاں فرق دکھائی نہیں دے گا۔

(و) پھر یہ ہیکل بندر کی اونچی قسم کے ہیکلوں کی طرف بڑھتا ہے اور گوریلا اور شمپانزی وغیرہ کے جنین کی سی ہیئت پیدا کرنے لگتا ہے۔

(ز) اس کے بعد ایک آخری انقلاب طاری ہوتا ہے اور انسانی جسم و صورت کی خصوصیات یکایک ابھرنے لگتی ہیں حتیٰ کہ بالکل ایک نئی قسم کا تناسب و اعتدال ظہور میں آجاتا ہے۔

دوسرے مہینے کے اختتام پر یہ درجہ پوری طرح صورت پذیر ہو جاتا ہے۔

(ح) اس کے بعد فطرت کی نقاشی زیادہ دقیق قسم کے امتیازات کا نوب پلک درست کرنے لگتی ہے یعنی نوع انسانی کی مختلف وطنی، موسمی، نسلی، اور معنوی اختلافات ابھرنے اور بننے لگتے ہیں پھر جدی اور آبائی اثرات کی نمود شروع ہوتی ہے، اور ہر والدین کو اپنی قوم، اپنے ملک، اپنی نسل، اور اپنے ماحولی موثرات کا مولود میسر آجاتا ہے۔

یہ آخری انسانی دور سب سے بڑا دور ہے۔ یعنی ابتدا کے دو مہینے چھوڑ کر باقی تمام ایام حمل جن کی مدت چار سے سات مہینوں تک پہنچ جاتی ہے اسی دور میں بسر ہوتے ہیں۔

قرآن کی تصریحات

اب ان تمام تفصیلات کو پیش نظر رکھ کر قرآن کی تصریحات پر غور کرو۔ اور پھر تصاویر پر بھی ایک نظر ڈال لو جس وقت تک انسانی جنین کے یہ تمام حقایق منکشف نہیں ہوئے تھے، قرآن کے بیان کردہ مدارج ستہ کی تشریح کس درجہ دشوار تھی؟ قدیم نظریوں کا ساتھ دینے کے لئے مفسروں کو کیسی کیسی توجیہیں ڈھونڈھنی پڑیں۔ اور پھر بھی بات بنی نہیں؟ لیکن اب ان انکشافات کے بعد کس طرح سارا معاملہ صاف ہو گیا ہے؟ کس دو ٹوک بیان کی ٹھیک ٹھیک ایک دوسرے کے مطابق ہیں، اور ایک کے اجمال کی دوسرا تفصیل کر رہا ہے۔ کس طرح آج علم کی آنکھیں بھی وہی دیکھ رہی ہیں جو وحی کی زبان نے آنکھ اٹھا کر دیا تھا وحی کی یہ صدا کس کی زبان سے نکلی تھی؟ ساتویں صدی عیسوی کے ایک امی کی زبان سے جو رگستان عرب کے بادیہ نشینوں میں پیدا ہوا، اور جس کی ساری زندگی انہی بادیہ نشینوں میں بسر ہوئی تھی!

قرآن کا سترھویں صدی کے نظریہ سے انکار

سترھویں صدی میں خوردبینی مطالعہ سے جراثیم حیات کا انکشاف ہوا لیکن حکماء عہد اصل حقیقت پر مطلع نہ ہو سکے اور مذہب خلود و بروز کا نظریہ قائم کر لیا گیا۔ اب دیکھو، جس طرح قدیم قیاسات قرآن کا ساتھ نہیں دیتے تھے، اسی طرح یہ مذہب بھی ساتھ

سے تعبیر کیا ہے "علقہ" کی تعبیر اس مرتبہ کے لئے ہر اعتبار سے نہایت صاف اور چسپاں تعبیر ہے کہ جونہی میری پہلی نظر اس فعل نما جنین کی تصویر پر پڑی تھی میری زبان سے بے اختیار خلق الانسان من "علق" نکل گیا تھا!

جونک کے لئے علق، علوقہ، عولق، علقہ سامی زبانوں کی نہایت قدیم تعبیر ہے۔ عبرانی میں اسے علوقہ کہتے تھے اور بجنسہ علقہ کا نام بھی ملتا ہے چنانچہ سفر امثال میں ایک جگہ آیا ہے "جونک کی دو بیٹیاں ہیں جو چلاتی رہتی ہیں کہ لاؤ لاؤ (۳۰: ۱۵) عبرانی نسخہ میں یہاں 'جونک' کے لئے علوقہ کا لفظ ہے۔ یہی علوقہ عربی میں علق اور علقہ ہے۔ اور جونک کے لئے مستعمل ہے اب جونک کی حالت اور صورت کا معائنہ کرو۔ اس میں ہڈی نہیں ہوتی بجز ایک لوتھڑے کی لنبان ہوتی ہے اور خون پی کر جب سیراب ہو جاتی ہے تو ٹھیک ٹھیک ویسی ہی صورت ہو جاتی ہے جیسی اس مرتبہ جنین کی تصویر میں نظر آتی ہے۔

"علقہ" کی تعبیر

ہیکل نے اس حالت کو محض اس کی جزئی مشابہت کی بنا پر "فعل نما صورت" سے تشبیہ دی لیکن قرآن نے "علقہ" سے دی جو خود سلسلۂ حیوانات کی ایک خاص زندہ کڑی ہے، دراصل طرح عجیب نہیں کہ ایک دوسری مخفی حقیقت کی طرف بھی اشارہ کر دیا ہو۔

پیدائش انسانی کے مختلف مدارج کی جو تفصیلات اوپر گذر چکی ہیں ان سے تمہیں پتہ لگ گیا ہوگا کہ قانون نشوو ارتقا کے مختلف مدارج کس طرح نطفہ انسانی کے مدارج میں جمع ہو گئے ہیں اور کس طرح ہر انسان کا جنین اب بھی ان مدارج سے گزر کر انسان بنتا ہے۔ جن مدارج سے گزر کر انسان اپنے موجودہ مرتبہ خلقت تک پہنچا ہے۔ اچھا اب غور کرو ان مدارج خلقت میں ابتدائی مخلوقات کا درجہ کونسا ہے آبی مخلوقات کا یعنی بکم وجعلنا من الماء کل شیء حی زندگی کا سب سے پہلا ظہور پانی میں ہوا اور پہلی مخلوقات آبی مخلوقات ہوئی۔ ان کے بعد خشکی کی مخلوقات کا سلسلہ شروع ہوا۔ اچھا آبی مخلوقات میں ابتدائی مراتب کی مخلوقات کونسی ہیں؟ جونک کی قسم کی نہایت ہی ادنیٰ مخلوقات انہی کے ارتقاء سے تمام اونچی قسم کی آبی مخلوقات وجود پذیر ہوئیں پس اگر حیوانی نطفہ اپنے تمام ارتقائی تطورات سے گزر کر آخری درجہ تک پہنچا کرتا ہے تو کیا ضروری نہیں کہ اس کا ابتدائی درجہ آبی مخلوقات کی ادنیٰ قسم کے درجہ کا ہو؟ اور اس میں بھی سب سے پہلے جونک کی قسم کی نوعیت اپنی نمود دکھائے؟ یقیناً ضروری ہے اور یقیناً یہی نوعیت ہے جو اس فعل نما صورت کے درجہ میں نمایاں ہوتی ہے۔ پس اسے علقہ سے تعبیر کرنا گویا اس کے درجۂ خلقت کو ٹھیک ٹھیک اس کے اصلی نام سے پکارنا ہے!

(۳) اس کے بعد تیسرا انقلابی تطور ہوتا ہے جب یہ فعل نما چیز اور زیادہ پھولتی ہے اور اس کے مادہ میں گوشت کی صلابت پیدا ہو جاتی ہے اسی حالت کو قرآن نے "مضغہ" سے تعبیر کیا ہے۔ کیونکہ اب یہ بوٹی کی طرح بن جاتا ہے اور چونکہ یہی مرحلہ ہے جس میں ارتسام وانقسام اعضاء کی پہلی داغ بیل پڑتی ہے اس لئے سورہ نحل میں اشارہ کر دیا کہ مخلقۃ وغیر مخلقۃ (۲۲: ۵) یعنی یہی مضغہ کا درجہ ہے جس میں یا تو داغ بیل پڑ جاتی ہے یا بگڑ کر رہ جاتا ہے۔

(۴) جو تھا درجہ وہ ہے جب اس مضغہ میں ٹیڑھ کی ہڈی کا ڈھانچہ نشوونما پانے لگتا ہے اور ایک ایسا ہیکل نمایاں ہو جاتا ہے جسے مچھلی سے مشابہ کہا گیا ہے اسی کو فخلقنا المضغۃ عظاما سے تعبیر کیا ہے۔ اسی درجہ میں اگر جنین حیوانات فقاریہ VERTEBRATE کی امتیازی خصوصیات پیدا کر لیتا ہے۔

(۵) پھر اس کے بعد ہڈیوں اور گوشت پوست کا التحاق تکمیل کی حد تک پہنچتا اور ایک حیوانی صورت متشکل ہو کر نمایاں ہو جاتی ہے اسی کو فکسونا العظام لحما کے الفاظ سے تعبیر کیا ہے۔

(۶) لیکن جو صورت اب بنتی ہے وہ کیا انسان کی صورت ہوتی ہے؟ نہیں ایسی جو تمام حیوانات ثدیہ کی مشترک صورت ہوتی ہے وہ ترقی بھی کرتی ہے تو بندر کی صورت کی طرف لیکن اس کے بعد تناسل قدرت کی دستکاری اچانک ایک نیا انقلاب تحول پیدا کر دیتی ہے وہی جنین جو محض مضغہ تھا، وہی مضغہ جو مچھلی کی طرح کا ایک ڈھانچہ تھا، وہی ڈھانچہ جس نے عام حیوانی ہیکل کی شکل اختیار کر لی تھی وہی حیوانی ہیکل جو بندر کی سی صورت میں ابھر آیا تھا، اچانک انسانی جسم وصورت کی ساری خصوصیتیں اور رعنائیاں پیدا کر لیتا ہے:

فتبارک اللہ احسن الخالقین!

"خلقا آخر"

یہی آخری مرتبہ تحول ہے جسے ثم انشانہ خلقا آخر سے تعبیر کیا ہے۔